

وَأَنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَلْبٍ مُعْلُومٍ (الحج: ٢٢)

تَقْسِيرُ كَبِيرُ

مُصَنَّفُهُ

حضرت ميرزا بشير الدین محمود احمد

خليفة الشيخ الشافعي المصلح المومنون

بغداد

جلد ہفتم

سُورَةُ الشَّعَرَاءِ - سُورَةُ النَّمْلِ - سُورَةُ الْقَصَصِ - سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

♦♦♦

نظارت نشر و اشاعت قادیان

| | |
|--------------|---|
| نام کتاب : | تفسیر کبیر جلد ہفتم - ہشتم |
| تصنیف لطیف : | حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ |
| سن اشاعت : | فروری ۲۰۰۴ء |
| باہتمام : | نظارت نشر و اشاعت قادیان |
| تعداد : | ۲۰۰۰ (دو ہزار) |
| مطبع : | پرنٹ ویل امرتسر |

ISBN- 81-7912-051-1

نوٹ : تفسیر کبیر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہے اس کے چار ایڈیشن ربوہ اور لندن سے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک عرصہ سے ہندوستان میں تفسیر کبیر کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ اب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت مکمل سیٹ کو پانچ جلدوں میں قادیان سے شائع کرنے کی منظوری عنایت فرمائی ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے اور لوگوں کے ایمانوں کو جلا بخشنے کا باعث ہو۔ آمین۔

ناظر نشر و اشاعت قادیان

تعارف (بار اول)

تفسیر کبیر کی یہ جلد سورۃ النمل سورۃ القصص اور سورۃ العنکبوت کی تفسیر پر مشتمل ہے جس سے پہلے نو جلدیں اس تفسیر کی شائع ہو چکی ہیں اور میں بڑے وثوق سے یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ ہر وہ شخص جس نے اس تفسیر کی کوئی جلد پڑھی ہے وہ اس کی افادیت کا انکار نہیں کر سکتا یہ تفسیر اپنی نوعیت کی ایک جدید تفسیر ہے اس کے پڑھنے سے انسان کو قرآن مجید کے زندہ کلام الہی ہونے پر یقین حاصل ہوتا اور اس نکتہ جدیدہ اور حقائق عجیبہ اور معارف لطیفہ پر اطلاع پا کر انسان کا قلب وجد میں آکر رقصاں ہوتا ہے اور اس کی روح آستانہ الہی پر سجدہ ریز ہو کر شکر تہ ادا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم جیسی کامل و بے نظیر و بے مثال کتاب عطا فرمائی۔

تفسیر کبیر کا اثر

ہندوستان کے ایک مشہور اہل قلم اور محقق ادیب علامہ نیا زنجپوری تفسیر کبیر سے متعلق اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-
"تفسیر کبیر جلد سوم آجکل میرے سامنے ہے اور میں اسے بڑی نگاہ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک باطل نیاز و فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و فہم کو بڑے شہن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔ آپ کی تبحر علمی، آپ کی وسعت نظر، آپ کی غیر معمولی فکر و فراست، آپ کا حسن استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک اس سے بغیر رہا۔ کاش کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔ کل سورۃ قود کی تفسیر میں حضرت نو ط پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ نے فہم و لاء بتائی کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔ خدا آپ کو تادیر زندہ سلامت رکھے۔"

اور ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :- "تفسیر کبیر رابر پیش نظر رہی اور رات کو تو بالالتزام اسے دیکھتا ہوں میں نے اسے ایسا پایا کہ بڑی تفصیل طلب بات ہے لیکن مختصر نوں سمجھ لیجئے کہ میرے نزدیک یہ اردو میں بالکل پہلی تفسیر ہے جو بڑی حد تک ذہن انسانی کو مطمئن کر سکتی ہے..... اس میں شک نہیں کہ آپ کے ادارہ نے اس تفسیر کے ذریعہ جو خدمت اسلام کی انجام دی ہے وہ اتنی بلند ہے کہ آپ کے مخالف بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ"

تفسیر کبیر کی اس جلد کا مسودہ حضرت امیر ملو مندی خلیفۃ المسیح الثالثی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نظر ثانی کے بعد گذشتہ سال ہی عنایت فرمایا تھا لیکن تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم کا قلم جو کہ زیادہ ہو گیا تھا اس لئے ہم نے حضور سے یہ درخواست کی کہ یہ حصہ تفسیر آئندہ سال شائع کیا جائے حضور نے ہماری اس درخواست کو منظور فرمایا چنانچہ تفسیر کبیر کی یہ جلد اب شائع کی جا رہی ہے۔

آخر میں تمام قارئین کو رام سے نہایت بخیر و اعلیٰ ح سے دعا کیلئے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب محمود اور سہیل کے نام کو کامل و عاقل شفا عطا فرمائے اور اس کے مدافع اناس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین اللہم آمین۔ خاکسار جلال الدین شمس ربوہ ۱۵ نومبر ۱۹۷۲ء
سجودہ ایدش میں سورۃ الشرح اعلیٰ اس جلد میں شامل کر دی گئی ہے۔ سید عبدالحی

الفهرسة

- سُورَةُ الشَّعَرَاءِ ١
سُورَةُ النَّمْلِ ٣١١
سُورَةُ الْقَصَصِ ٣٥٩
سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ ٥٦٩

سُورَةُ الشَّعْرَاءِ مَكِّيَّةٌ

سورة شعراء - یہ سورۃ مکی ہے۔

وَهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَتَانِ ثَمَانٍ وَعِشْرُونَ آيَةً وَاحِدًا عَشْرًا وَكُونًا

اور بسم اللہ سمیت اس کی دو سو اٹھائیس (۲۲۸) آیتیں ہیں - اور گیارہ رکوع ہیں لہ

لہ زمانہ نزول | سورۃ شعراء اکثر مفسرین

کے نزدیک مکی ہے مگر متاعل کہتے ہیں کہ اس میں کچھ آیتیں مدنی بھی ہیں۔ جیسا کہ وہ آیت جس میں شعراء کا ذکر ہے (آیت ۲۲۵) اسی طرح وہ آیت جس میں ذکر ہے کہ کیا ان کے لئے یہ نشا کم ہے کہ علماء بنی اسرائیل بھی اس قرآن کو پہچانتے ہیں یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن انبیاء بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں کے مطابق ہے (آیت ۱۹۸)

ابن عباسؓ اور قتادہؓ کا قول ہے کہ اس میں سے صرف چار آیتیں مدنی ہیں باقی سب سورۃ مکی ہے۔ اور وہ چار آیتیں وہ ہیں جو الشَّعْرَاءُ اَوْ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ سے آؤنک جلتی ہیں۔ (آیت ۲۲۵ تا ۲۲۸)۔ لیکن اس قسم کی مونثکانی کی وجہ یا تو یہ ہوا کرتی ہے کہ بعض مفسرین کو مفسرین مدینہ یا مکہ کے مناسب حال سمجھ لیتے ہیں یا کسی ایسے واقعہ کو جو ان آیات سے مناسبت رکھتا ہے اپنے قیاس کا موجب بنا لیتے ہیں۔ ورنہ بلا کسی خاص دلیل یا تاریخی گوی کے یہ تفریق پیدا کرنا درست نہیں۔ مثلاً متاعل نے اَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ اَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ (آیت ۱۹۸) کو صرف اسلئے مدنی قرار دے دیا ہے کہ اس میں علماء بنی اسرائیل کا ذکر ہے حالانکہ سورۃ مریم قطعی اور یحییٰ طور پر مکی ہے اور وہ ساری کی ساری عیسائیت اور یہودیت کے ذکر سے پر ہے۔ اسی طرح سورۃ طہ قطعی اور یحییٰ طور پر مکی ہے مگر وہ بھی بنی اسرائیل کے ذکر سے پر ہے۔ اور ابن عباسؓ

اور ان کے دو شاگردوں نے آخری آیتوں کو صرف اس لئے مدنی قرار دے دیا ہے کہ ان میں شعراء کا ذکر ہے۔ اور شعراء پر زور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مدنی میں دیا گیا تھا۔ اس سے پہلے مسلمانوں میں شاعر نہ تھے اور ان آیات میں یہ ذکر ہے کہ شاعر محض شک بند ہوتے ہیں سوائے نیک شاعروں کے۔ مگر یہ استدلال درست نہیں کیونکہ بغیر کسی واقعہ کے ہی تو اصول بیان کئے جاتے ہیں۔ اگر اسی طرح دلائل قائم کئے جائیں تو شاید اسلئے کی کتب اور مقراط کی کتب سے اس کے عجیب و غریب سوانح زندگی تیار کر لئے جائیں۔ آخر انسان واقعات سے جدا ہو کر بھی تو سوچتا ہے۔ پھر اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اگر قرآن خدا کا کلام نہیں تو بھی اس میں جاری واقعات سے الگ ہو کر بھی کوئی مضمون آسکتا ہے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ غلطی ابتداء میں خود مسلمانوں کو مکی ہے۔ پھر یہیوں نے اسے اچھالا ہے۔ مگر جس نے بھی غور کیا ہے باوجود دشمن کے اس استدلال کی غلطی کو سمجھ گیا ہے۔ چنانچہ ریونڈ ڈبیری نے اپنی تفسیر میں اس قسم کے استدلال کو غلط قرار دیا ہے اور اس سورۃ کو یقینی طور پر مکی قرار دیا ہے۔ پس اس قسم کا اجتہاد قطعاً درست نہیں ہو سکتا خواہ مسلمان ایسا کریں یا عیسائی کریں۔ سورتوں کا زمانہ ہم صرف تاریخی شواہد سے متعین کر سکتے ہیں۔ ورنہ بھی محض اس حد تک کہ فلاں سورۃ یا اس کا

میں تبدیلی کی گئی ہے۔

اس سورۃ کا نام شعر آء اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس سورۃ کا مضمون بتاتا ہے کہ انسانی ترقی قول اور عمل میں یک دہی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ لوگ جو کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں شعرا کی طرح وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ گویا بتایا کہ اس زمانہ میں صرف مسلمان ہی ایسے ہونگے جن کا قول و فعل یکساں ہوگا۔ اس لئے وہی حقیقتیں گے۔ دوسرے لوگ مثالی طور پر شعرا کی طرح ہیں۔ یعنی دعوے تو بہت کرتے ہیں لیکن عمل کم ہے۔ اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے مقابل پر نہیں جیت سکتے۔

سورۃ شعراء کے مضامین کا خلاصہ

اس سورۃ کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ اس سورۃ اور اس کی تابع سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ان تین صفات کی تشریح کی گئی ہے (۱) لطیف (۲) سمیع اور (۳) مجید۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مخفی سے مخفی رازوں کے واقف ہونے، دعاؤں کے سُننے اور اُس کے مجید ہونے پر یعنی ان قوانین پر جن سے اُسکی اعلیٰ شان ظاہر ہوتی ہے ظلم اور جبر ثابت نہیں ہوتا اس سورۃ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے دلائل دیئے گئے ہیں۔ (آیت ۲۱)

یہ کتاب اپنے دعاوی کے دلائل خود دیتی ہے۔ کسی اور کی مدد اور دکالت کی محتاج نہیں، (آیت ۲) پچھلی سورتوں میں جو کفار کی تباہی کی خبر دی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ خدا ان پر رحم نہیں کرے گا۔ اس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی خیر خواہی کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے مگر یہ غم بیکار ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ جبراً ہی مومن بنا سکتا ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے (آیت ۵۴)

مقدربہ حصہ فلاں زمانہ میں اُترا ہے۔ اس سے زیادہ باتیں جو تیس سے معلوم کی جائیں ہیں غلطی کی طرف سے جاسکتی ہیں۔ لیکن ان سے فائدہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

ترتیبُ سور

سورۃ الفرقان کے آخر میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ خیال مت کر دو کہ اللہ تعالیٰ اس نظام کو تباہ کر دیگا جو اس وقت دیر سے قائم شدہ مذہبوں کے ذریعہ سے دنیا میں جاری ہے بلکہ یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو اپنی آواز پر بلیک کہنے اور اپنے اخلاق کو ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا تھا اگر وہ اس غرض کو پورا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو ایسے انسان یا اس کے نظام کے قائم رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ اور اُسے اس کے تباہ کرنے کا غم کیوں ہو؟ اب اس

سورۃ میں یہ بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی محبت اور خیر نوع انسان کی ہمدردی کی وجہ سے اس پیش نظر خطرہ سے گھبراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بجائے تباہی کے اگر انسان کو بچا لیا جائے تو اچھا ہے۔ یہ بے شک اُن کی محبت کا ثبوت ہے لیکن خدا تعالیٰ کی سکیم کے مطابق نہیں۔ کیونکہ خدائی سکیم یہ ہے کہ انسان کو علم و عرفان دے کر اس امر کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی اور اپنی کوشش سے خدا تعالیٰ کے قرب کا راستہ تلاش کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے طبعی نتائج بھگتے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو انسان ایک مشین تو بن جاتا مگر خدا تعالیٰ کی شکل پر بنایا ہوا وجود نہ ہوتا۔

پس باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی اور محبت اور شدید خواہش کے انسان کو خدائی سکیم کے مطابق چلنا ہوگا۔ اس کے بغیر وہ حقیقی نجات نہیں پاسکتا۔

اس سورۃ کے سیکڑوں اور یہودیوں سے خطاب جو سورۃ یونس سے شروع تھا اُس کا رخ بدل کر پھر مسلمانوں کی طرف کیا گیا ہے اور اسی وجہ قطعاً

ذاتی طور پر لوگ مخالفوں کے ماننے سے دور ہو چکے ہیں اور ہر سچائی پر ہنسی اڑاتے ہیں۔ (آیت ۷۶)

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر ضرورت کے سامان پیدا کئے ہیں اور قسم قسم کے جوڑے بنائے ہیں پھر کیوں خدا کی سلسلہ میں بھی جوڑے نہ ہوں یعنی خلیل موسیٰ اور خلیل عیسیٰ پیدا نہ ہوں اگر ایسا ہوتا تو قابل اعتراض امر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طاقت اور اس کی رحمت ہی کا ثبوت بنتا ہے (آیت ۸ تا ۱۰)

کیا یہ لوگ موسیٰ کو نہیں دیکھتے کہ خدا نے اسے فرعون کی طرف بھیجا۔ اور اس نے جانے سے بھی پہلے اپنے حکیموں کی سنگدلی سے خوف کیا اور چاہا کہ عند شکر اسے معاف کیا جائے اور ہلاکت کو مقرر کر دیا جائے لیکن خدا تعالیٰ نے اس کا غدر نہ سنا کیونکہ وہی سب سے بہتر وجود اس کام کیلئے تھا ہاں ہلاکت کو اس کے ساتھ ملا دیا۔ اور فرمایا کہ جا کر فرعون کو ہمارا پیغام سننا دو۔ ہم تمہارے ساتھ ہونگے اور اس سے کہہ دو کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک سے نکلنے دے۔ (آیت ۱۸ تا ۱۸)

فرعون نے اس پر سابق احسان جتائے اور اس کی زندگی پر کچھ اعتراضات کئے۔ اور اسے احسان فراموش قرار دیا۔ موسیٰ نے اس کے جواب دیئے اور کہا کہ اگر میں ایسا ہوتا تو خدا مجھے اپنی رسالت کے لئے کیوں چن لیتا۔ (آیت ۱۹ تا ۲۲) اور پھر کہا کہ تیرے احسان مجھ پر اس جرم کے مقابل کیا ہیں کہ تو نے میری ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے (آیت ۲۳) فرعون نے شرمندہ ہو کر بات بدلی اور خدا تعالیٰ کی ہمتی کے متعلق سوالات شروع کر دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیئے۔ آخر تنگ آکر اس نے دھمکی دی کہ میرے سوا کوئی اور معبود مانا تو قید کر دوں گا۔ موسیٰ نے کہا۔ خدا کے شواہد تو دیکھ۔ اس نے کہا۔ اگر کچھ شواہد ہیں تو لا۔ اس پر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا جو فرعون کو ایک اڑدہا نظر آیا۔ اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ بغل سے نکالا تو

وہ چمک رہا تھا۔ فرعون نے ان امور کو سحر قرار دیا۔ اور قوم کو بھڑکایا کہ یہ سیاسی فضیلت چاہتا ہے۔ انہوں نے ساحلوں سے مقابلہ کروانے کا مشورہ دیا۔ سحر ہوائے گئے تو وہ مغلوب ہوئے اور موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ (آیت ۲۳ تا ۵۲)

اس پر ہم نے موسیٰ کو اپنی قوم اس ملک نکال دیا۔ (آیت ۵۳)

فرعون نے قوم کو غیرت دلائی۔ بھجھا کیا لیکن تباہ ہوا اور جو نعمتیں اسے حاصل تھیں یہی نعمتیں موسیٰ کو عطا کرنے کی خدا نے تدبیر کی (چنانچہ شام کا علافہ مصر سے بالکل مشابہ کہ جا سکتا ہے بلکہ وہ علافہ مصر سے بھی بہتر ہے۔) (آیت ۵۴ تا ۶۰)

فرعون اپنے لشکروں سمیت آگے بڑھا تو موسیٰ نے قوم ڈری۔ مگر موسیٰ نے تسلی دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر موسیٰ کو سمندر میں سے خشک نکال کر لے گیا اور فرعون کو غرق کر دیا۔ (آیت ۶۱ تا ۶۹)

پھر ابراہیمؑ کو دیکھ۔ اس نے اپنی قوم کو توجہ دلائی کہ خدا تعالیٰ سُنتا ہے اور تمہارے بت سننے نہیں اور بے طاقت ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ ہو ہم اپنے باپ دادا کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ وہ سب حق کے خلاف تھے لیکن میں تو اسی خدا کو مانتا ہوں جو فعال ہے اور دنیا کے کاموں میں اس کا دخل جاری ہے۔ اس کی حرکت ہدایت بھی آتی رہتی ہے۔ جسمانی رزق بھی آتا رہتا ہے۔ شفا بھی آتی رہتی۔ موت کے بعد حیات بھی آتی رہتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اسی پر اُمید ہیں (آیت ۷۰ تا ۹۰) اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ سنت چلی ہوئی ہے کہ وہ نیکوں کی مدد کرتا ہے اور بدوں کو مزا دیتا ہے۔ مجرم لوگ پہلے تو اکر لے جاتے ہیں۔ لیکن پھر رحمت دہمابت پر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ①

بِسْمِ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (بڑھتا ہوں)

طسم ②

طاہر (اور) سبوح (اور) مجید (خدا اس سورۃ کا نازل کرنے والا ہے)

یہی طرح ٹوٹ آئے اور ان کی قوم کے ساتھ بھی
اسی طرح کا معاملہ گذرا۔ وہ اخلاقی بدیوں کا شکار
تھے۔ (آیت ۱۶۱ تا ۱۶۶)

پھر صحابہ الایکہ کا زمانہ آیا۔ ان کے نبی شعیب
کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ اور ان کے مخالف
پکڑے گئے وہ تجارتی بددیانتی کا شکار تھے۔ (آیت ۱۶۷ تا ۱۷۲)
یہ قرآن بھی خطائی کلام سے اور اپنی دیسی خود دیتا
ہے۔ پہلے نبیوں نے اس کی شکل گونیاں کی ہیں اور بنی اسرائیل
کے علماء بھی اپنی کتب کے ذریعہ سے اس کی صداقت جانتے
ہیں۔ پھر وہ اپنی پہلی معنی طب قوم کی زبان میں آیا ہے۔
اگر غیر زبان ہوتی تو وہ اُسے سمجھ نہ سکتے مگر اب غور نہ
کرنے کی کیا وجہ ہے۔ وجہ یہی ہے جو پہلے نبیوں کی قوموں
کے نہ ماننے کی تھی۔ یہ عذاب کے مظہر ہیں مگر جب وہ
آیا تو انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم واقعہ میں پہنچے ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ
ان کا آنا اصلاح نہ کرنے والوں کے لئے عذاب کا
اعلان ہے۔ (آیت ۱۹۳ تا ۲۱۰)

لوگ اس کی تعلیم کو دیکھیں کہ کیا اس میں شیطان
کی تائید ہے؟ اگر نہیں تو شیطان نے خدا کی تائید کیوں
کر لی تھی اور وہ اعلیٰ پر معارف کلام کس طرح کر سکتا تھا
اس میں تو نبیوں والی باتیں ہیں اور نبیوں والی باتوں کو
شیطان سن ہی نہیں سکتا۔ پس اسے ہمارے رسول!
خدا نے واحد کی تبلیغ کرتا چلا جا۔ اور سب سے پہلے

مُرت آتے ہیں۔ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ کے بادشاہ اور
رحمن ہونے پر دلالت کرتی ہیں (آیت ۹۱ تا ۱۰۵)

پھر نوح کو دیکھو۔ اُس نے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے
مبعوث ہونے کا دعویٰ کیا۔ نیکی کی تعلیم دی۔ اور بغیر کوئی
بدلے لئے خدمت کرنی چاہی۔ لیکن لوگوں نے اُس پر یہ اعتراض
کیا کہ اس کے ماننے والے اتنی درجہ کے لوگ ہیں یہ کیوں نوح
جیت سکتے ہیں۔ مگر نوح نے کہا کہ ادنیٰ اور اعلیٰ کا معیار
اعمال صالحہ پر ہے نہ کہ قوم اور حکومت پر (آیت ۱۰۶ تا ۱۱۶)
مخالفوں نے بجائے جواب کے دھمکیاں دینی شروع
کر دیں۔ امیر انہوں نے خدا سے فیصلہ چاہا۔ اور مخالفین
کے دنیوی سامان سب دھوے کے دھوے رہ گئے اور یہی
ہوا جو خدا نے چاہا تھا (آیت ۱۱۷ تا ۱۲۳)

پھر عاد کے رسول ہود آئے۔ ان سے بھی اسی طرح
وا۔ انہوں نے بھی قوم کو توجہ دلائی کہ ظاہری شان و
سوکت سے قوم زندہ نہیں رہتی باطنی اخلاق سے زندہ
رہتی ہے۔ اور وہ تم میں مفقود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ باتیں
پہلے بھی لوگ کہتے رہے ہیں۔ مگر کسی کا کچھ نہیں بگڑا۔ مگر
آخر وہ بھی پکڑے گئے (آیت ۱۲۴ تا ۱۴۱)

پھر ثمود کی قوم کی طرف صلح آئے۔ انہوں نے
بھی بدلہ خدمت کا اعلان کیا اور بتایا کہ ظاہری شان
دشوکت روحانی طاقت کے بغیر تباہی کی طرف لے جاتی
ہے۔ مگر قوم نے انکار کیا کہ اپنے جیسے آدمی کی اطاعت
کیوں کریں۔ آخر وہ بھی پکڑے گئے۔ (آیت ۱۴۲ تا ۱۶۰)

تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿٣﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ

یہ آیتیں اس کتاب کی ہیں جو (اپنے معنائیں کو) کھول کر بیان کرتی ہے۔ شاید تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے گا

أَلَا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٤﴾

کہ وہ کیوں نہیں مومن ہوتے۔ ۴

کو خوب واضح اور نمایاں کیا۔

بَاخِعٌ

بَاخِعٌ: بَخَعٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

اور بَخَعُ الشَّاةُ کے معنی ہیں بَلَعٌ بِذَيْحِهَا انْقَعَا۔

بکری کی گردن پر پھری چلاتے اور اُسے ذبح کرتے ہوئے

کوئی شخص اُس کی گردن کے آخری حصہ تک اپنی پھری

لے گیا (اقرب) نیز اَلْبَخَعُ بَخَعٌ کا مصدر ہے۔

اور اس کے معنی ہیں قَتَلَ النَّفْسَ عَمَّا اَبْنَى نَفْسِ

کو غم کی وجہ سے ہلاک کر دینا۔

تفسیر:- طَبَقَةُ جُودٍ مَقْلَعَاتِ

میں سے ہیں ان میں سے طَبَقَةُ طَبَقَاتِ کا معنی سمیعہ کا

اور صَدْرُ مَجِيدِہ کا قائم مقام ہے۔ گویا اس صوفیہ اور

اس کی تابع صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے محسنِ عظیم ہونے

اُس کے مخفی سے مخفی رازوں سے واقف ہونے۔ اپنے

بندوں کی دعائیں سننے اور اُس کے مجید ہونے پر

یعنی اُن نواہین پر جن سے اُس کی اعلیٰ اور بلند شان ظاہر

ہوتی ہے علم اور جبرِ ثابت نہیں ہوتا روشنی ڈالی گئی ہو

اور اس کے دلائل دیئے گئے ہیں۔

مُبِينٌ

اسلام کو دوسرے مذاہب پر جو اہیازی خصوصیات

حاصل ہیں اُن میں سے ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ

اسلام نے صفاتِ الہیہ کا ایک ایسا مکمل نقشہ پیش

کیا ہے جو پہلی الہامی کتب میں سے کسی کتاب میں بھی

نہ مقلدات کی تفصیلی بحث کیئے کچھ تفسیر کے حوالہ ۲ صفحہ ۱۲

اپنی قوم کو تبلیغ کر۔ اور جو ایمان لائیں اُن کی تربیت کر

اور جو نافرمانی کریں اُن سے برأت ظاہر کر اور عزیز و حیم

خدا پر توکل کر۔ وہ تجھے دیکھتا ہے اور کھچکھچاتا تو رہنا

والا ہے۔ مغربِ سلیمانوں کا بکھرے ہوئے ہونا دور ہو

جائے گا۔ اور وہ ایسی جگہ پر جائیں گے جہاں انہیں اکٹھا

رہنے کا موقعہ ملے گا۔ اور وہ خدا کے واحد کی عبادت

آزادی سے کریں گے۔ کیونکہ وہ فریادیں سننے والا ہے۔

شیطان تو اُن لوگوں پر اترے ہیں جو جھوٹے اور

گنہگار ہوں۔ وہ آسمانی باتیں سننے کے لئے کان رکھتے

ہیں اور اُن میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔ اور شعراء کی پردی

آوارہ گرد لوگ کہتے ہیں جنہیں صرف زبان کا چسکہ ہوتا

ہے۔ عمل نہ استاد کریں نہ شاگرد۔ لیکن مومن تو عبادِ گزار

اور سچ کے مبلغ ہوتے ہیں۔ وہ سچ کی وجہ سے تکلیفیں

بھگتتے ہیں اور مجبور ہو کر جواباً ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ لیکن

اُن کے سچا ہونے کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ کمزور ہوتے

ہوئے وہ اپنے دشمنوں پر غالب آجاتے ہیں (آیت ۱۲۸ تا ۱۳۱)

۴ صِغَات - مُبِينٌ آیات سے ہم نابل

کا صیغہ ہے اور آیات لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال

ہوتا ہے یعنی کبھی اس کے معنی ظاہر کرنے کے ہوتے ہیں

اور کبھی ظاہر ہونے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اقرب الموارد

میں لکھا ہے۔ آیَاتُ الشَّيْءِ رَافِعَةٌ یعنی آیَاتُ الشَّيْءِ

کے معنی ہوتے ہیں فلاں چیز ظاہر ہو گئی اور آیَاتُ

فُلَانِ الشَّيْءِ کے معنی ہوتے ہیں اُو شخصہ کسی بات

نہیں پایا جاتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک خدا تعالیٰ کی ہستی کو پیش کرنے کا سوال ہے دنیا کی ہر الہامی کتاب نے اس کے وجود کو پیش کیا ہے اور اس پر ایمان لانے کی اہمیت کو ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ مذہب کا نقطہ مرکزی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اگر کوئی مذہب اللہ تعالیٰ کو ہی پیش نہ کرے تو اس کا وجود اور عدم برابر ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات میں کیا صفات رکھتا ہے یا اپنے بندوں سے وہ کس رنگ میں تعلقات رکھتا اور ان سے سلوک کرتا ہے۔ ان امور پر ان کتب میں کوئی تفصیلی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ صرف یہ کہہ دینا کہ ہمارا خدا محبت ہے یا خدا بڑا دانا اور کربالو ہے اس کی صفات حسنہ کا کوئی حقیقی اور صحیح نقشہ نہیں کھلا سکتا۔ بلکہ اس قسم کی صفات کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا دنیوی خیالات اور رجحانات کا بھی نتیجہ کھلا سکتا ہے۔ مثلاً جب دیکھا کہ لوگ رحم کرنا پسند کرتے ہیں تو کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ بھی بڑا رحم کر خواہ ہے یا جب دیکھا کہ لوگ حزن لوگ کو بڑا اچھا و صفت سمجھتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے متعلق بھی کہہ دیا کہ وہ بڑا کربالو ہے۔ پس بعض چند صفات کے ذکر سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ پہلے مذہب نے اس مسئلہ پر کوئی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ پھر اگر بعض صفات کا ان کتب میں ذکر موجود بھی ہے تو ان صفات کی تشریح ان میں موجود نہیں اور نہ ہی صفات الہیہ کا باہمی تعلق واضح کیا گیا ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے رویا میں دیکھا کہ ایک جرمن نو مسلم نے مجھ سے کوئی سوال کیا ہے جس کے جواب میں میں نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات پیش کی ہیں جن میں سے ایک مراتب بھی ہے۔ اس پر اس جرمن نو مسلم نے کہا کہ حق صفات کا ذکر تو بائبل میں بھی آتا ہے۔ اس فقرہ کے دونوں معنی ہو سکتے تھے۔ یہ بھی کہ چونکہ بائبل میں بھی بعض صفات کا ذکر ہے اس لئے یہ دلائل عیسائیوں

پر بھی اثر کر سکتے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ گویا قرآن کریم بائبل کی نقل کرتا ہے۔ میں نے ان دونوں معنوں کا خیال کر کے دل میں سوچا کہ یہ نو مسلم ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ قرآن کریم کی ہدایت سے تعلیم بائبل سے ملتی جلتی ہے پھر اس کی تفصیلت کیا ہوئی؟ اس خیال کے پیدا ہونے پر میں نے بڑے جوش سے ان کے سامنے تقریر شروع کی کہ بائبل میں جو یہ صفات آئی ہیں ان سے قرآنی صفات کو امتیاز حاصل ہے۔ بائبل میں محض رسمی ناموں کے طور پر وہ صفات بیان کی گئی ہیں اور قرآن کریم نے ان صفات کی بائبیکوں کو بیان کیا ہے اور ان مضامین میں وسعت پیدا کی ہے اور ان کے دائر بیان کئے ہیں۔ چنانچہ میں نے کہا۔ دیکھو مراتب کا لفظ ہے بائبل نے بھی خدا تعالیٰ کو پیدا کرنے والا یا پالنے والا کہا ہے یا زمین و آسمان کا خالق کہا ہے۔ لیکن قرآن کریم یہ نہیں کہتا بلکہ قرآن کریم سورہ فاتحہ میں خدا تعالیٰ کو سَرَبَ الْعَالَمِین کے طور پر پیش کرتا ہے اور لفظ سَرَب اور لفظ عالَمین دونوں اپنے اندر انہمازی نشان رکھتے ہیں۔ سَرَب صرف اسی معنوں پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ پیدا کرنے والا ہے اور پالنے والا ہے بلکہ اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ نہایت ہی مناسب طور پر انسان کی باریک در باریک قوتوں اور طاقتوں کو درجہ بدرجہ اور مناسب حال ترقی دیتا چلا جاتا ہے۔ اور عالَمین کا لفظ بعض زمین اور آسمان پر دلالت نہیں کرتا بلکہ زمین و آسمان کے علاوہ مختلف اصناف کی مختلف کیفیتوں پر بھی دلالت کرتا ہے اور یہ مضمون پہلی کتب میں بالکل بیان نہیں ہوا۔ مثلاً عالَمین میں جہاں یہ مراد ہے کہ اس جہاں کا بھی سَرَب ہے، اگلے جہاں کا بھی رتب ہے۔ آسمانوں کا بھی رتب ہے اور زمینوں کا بھی رتب ہے۔ وہاں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم اجسام اور عالم ادراج اور عالم نساء

اور عالمِ رجال اور پھر عالمِ فکر اور عالمِ شعور اور عالمِ تصور اور عالمِ تغیر اور عالمِ عقل ان سب کا بھی وہ رب ہے یعنی صرف وہی ہی ہوتا نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنی چیزوں کو ہوتا نہیں کرتا جو جسموں کو پانے والی ہیں بلکہ وہ ارواح کے پانے کا بھی سامان کرتا ہے اور پھر مختلف تقاضے جو انسان کی فطرت میں پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک کی نشوونما کے لئے اس نے قرنِ کریم میں تعلیم دی ہے۔ چنانچہ اس قسم کے مضمون پر حق تعالیٰ کی پوری توجہ سے دے رہا ہوں اور خود مجھے بھی نہایت لذت اور سرور حاصل ہو رہا ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک نیا مضمون اور نئی کیفیت میرے اندر پیدا ہو رہی ہے۔ یہی لکچر دیتے دیتے میری آنکھ کھل گئی۔

غرض اول تو ان کتب میں صفاتِ اللہ پر نہایت اجمالی رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی حقیقی شان جلوہ گر نہیں ہوتی۔ اور پھر جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بھی تشریح نہیں کی گئی اور نہ ہی صفاتِ اللہ کے باہمی ربط اور تعلق کو واضح کیا گیا۔ لیکن اسلام نے اس بارہ میں ایک جامع تعلیم بنی نوع انسان کے سامنے پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے اندر دو قسم کی جلوہ گری کرتی ہیں۔ اس کا ایک جلوہ تو صفاتِ تنزیہی کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے جو اس کو ان تمام قسم کی کائناتوں سے جو مادیات میں پائی جاتی اور مخلوقات میں دکھائی دیتی ہیں منزہ اور پاک ٹھہراتا ہے۔ اور ایک جلوہ صفاتِ تشبیہی کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے یعنی ایسی صفات کی شکل میں جو مخلوق کی صفات کے مشابہ نظر آتی ہیں چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا نقطہ مرکزی ہے وہ احد یعنی اپنی ذات میں اکیلا اور منفرد ہے۔ وہ الصمد یعنی ایسی ہستی ہے جس کے

سب محتاج ہیں مگر وہ کسی کا محتاج نہیں وہ لَمْ یُولَدْ وَلَمْ یُکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے۔ یعنی نہ تو اس سے آگے کوئی اولاد پیدا ہوتی ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد میں سے ہے۔ وہ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے۔ یعنی نہ تو کوئی میثاقی طاقت اس کے ساتھ موجود ہے اور نہ اس کے بالمقابل کوئی اور طاقت موجود ہے۔ وہ اَوَّلٌ وَاٰخِرٌ ہے۔ یعنی تمام اشیاء کی علتِ العلل ہے۔ اور سب کی سب مخلوق اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ وہ قادر ہے یعنی ہر اس بات پر قادر ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ وہ اَبَدٌ ہے یعنی ہمیشہ زندہ ہے والا اور دوسروں کو زندہ رکھنے والا ہے۔ وہ اَلْقَیُّوْمُ ہے یعنی اپنی ذات میں قائم اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ وہ سَرَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے یعنی سب جہانوں کو پیدا کرنے والا اور ان کو پانے والا ہے۔ وہ اَلْزَّحَّوْنُ ہے یعنی بنی نوع انسان کو سبقت ضروریات میں آنے والی تھیں ان تمام ضروریات کو اس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی محض اپنے فضل اور انعام کے طور پر تمنا کر دیا، وہ اَلْزَّحَّوْمُ ہے تمام مخلوق اور کائناتوں کے اعلیٰ نتائج پیدا کرنے والا ہے۔ وہ صَابِقُ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے۔ یعنی ان نتائج کے علاوہ جو اس کی طرف سے طبعی قانون کے ماتحت نکلتے رہتے ہیں اس نے ہر کام کی ایک انتہا مقرر کی ہے۔ جہاں پہنچ کر اس کا آخری فیصلہ صادر ہو جاتا ہے اور نیک انسان اپنے کاموں کا اچھا بدلہ اور بُرا انسان اپنی برائیوں کی سزا پالیتا ہے۔ مگر یہ بدلے اور جزایں اللہ تعالیٰ کی مالکیت کے ماتحت ہوتی ہیں یعنی وہ صرف سزا ہی نہیں دیتا بلکہ اگر چاہتا ہے تو اپنے بند کو معاف بھی کر دیتا ہے۔ وہ عَلِیْمٌ ہے۔ یعنی ایک ایک ذرہ کا اس کو علم ہے۔ بلکہ انسانی فطرت کے مخفی اسرار تک سے آگاہ ہے۔ وہ سَمِیْعٌ ہے۔

إِبْلِيسَ (اعراض) یعنی ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں صورت بخشی اور پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کی اطاعت کرو۔ اس پر فرشتوں نے تو آدم کی اطاعت کی مگر ابلیس نے نہ کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی دو پیدائشیں ہیں۔ ایک بشری اور ایک روحانی۔ بشری پیدائش کے متعلق تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ہم نے تم کو پیدا کیا یعنی تمہیں ایک ذی حیات وجود بنایا۔ اور پیدائش روحانی کے متعلق فرمایا۔ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ہم نے تمہاری ایک روحانی شکل بنائی جس کے ذریعہ تم دوسری مخلوق سے ممتاز طور پر پہچانے جاتے ہو۔ اسی کی طرف بائبل میں بھی بن الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ”خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا

کیا۔“ (پیدائش باب ۱ آیت ۲۷)

لیکن بائبل نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کو خدا تعالیٰ کے جسمانی ہونے کا دھوکا لگتا ہے لیکن قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہاں صورت سے روحانی شکل مراد ہے جسمانی نہیں۔ کیونکہ جسمانی پیدائش کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے پس صَوَّرْنَاكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تمہارے اندر صفات الہیہ کا حامل بننے کی قابلیت پیدا کی یعنی پہلے تو ہم نے انسان کی جسمانی خلق کی۔ اس کے ناک۔ کان۔ ہاتھ اور پاؤں وغیرہ بنائے اور پھر ہم نے اس کے دماغ کی ایسی تربیت کی اور اس کی قوتوں کا اس طرح ارتقاء شروع کیا کہ وہ صفات الہیہ کو اپنے اندر جذب کرنے کے قابل ہو گیا اور اس کے اندر ان کے اظہار کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد ہم نے ملائکہ سے کہا کہ اب تم اس انسان کو سجدہ کرو۔ چونکہ قرآن کریم میں اس بات پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ سجدہ خدا تعالیٰ کے مولا اور کسی کے لئے جائز نہیں اس لئے اس سجدہ سے مجازی سجدہ ہی

یعنی لوگوں کی دعاؤں اور ان کی التجاؤں کو سننے والا ہے۔ وہ قہار ہے یعنی ہر ایک چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ جبّار ہے یعنی ہر فساد کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ وہاب ہے یعنی بندوں کو اپنے انعامات سے وافر حصہ دیتا ہے۔ وہ غَفُور ہے یعنی لوگوں کی خطاؤں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ وہ مہینہ من ہے یعنی ہر ایک چیز کا محافظ اور نگران ہے۔ وہ السّلا مرے یعنی لوگوں کو سلامتی دینے والا ہے۔ وہ النّقا بعض ہے یعنی ہر ایک چیز کو ایک حد کے اندر رکھنے والا ہے۔ وہ الباسط ہے یعنی کثرت اور فراخی پیدا کرنے والا ہے۔ وہ الزّافح ہے یعنی پستی سے بلندی تک پہنچانے والا ہے۔ وہ الحفیظ ہے یعنی مخلوق کی حفاظت کرنے والا ہے۔ وہ الممتکلم ہے یعنی لوگوں سے کلام کرنے والا اور ان پر اپنے الہامات نازل کرنے والا ہے۔

غرض اسلام ایک کامل الصفات خدا دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ حیثیت کی طرح صرف یہ کہہ کر خاموش نہیں ہو جاتا کہ خدا محبت ہے۔ نہ تو رات کی طرح صرف چند صفات بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے بلکہ اس نے ان تمام صفات کا تفصیل ذکر کیا ہے جن کا انسانی پیدائش کے ساتھ تعلق ہے۔ گویا سب آسمانی ڈیپارٹمنٹس کو اس نے ننگا کر کے دکھا دیا ہے جو اس کے من السماء ہونے کا ثبوت ہے۔

پھر اسلام نے صرف صفات الہیہ کا ایک جامع نقشہ پیش کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس نے بنی نوع انسا کو یہ بھی بتایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریق یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہونے یعنی اس کی صفات کی نقل کرنے کی کوشش کرو۔ وہ فرماتا ہے۔ وَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدْوا لِآدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا

مراد ہے اور اس کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔
مگر مجازی سجدہ بھی تو مجازی خدا کے سامنے ہی ہو سکتا ہے
اسی لئے فرمایا کہ تَسَبُّدًا وَتَنْكِحًا تَسَبُّدًا قُلْنَا بِسْمِ اللَّهِ
الْحَمْدُ وَالْإِذْعَارُ کہ پہلے تو ہم نے تمہارے اندر خدائی
صفات پیدا کیں اور جب تم خدائی صفات کو جذب کرنے
اور ان کا اظہار کرنے کے قابل ہو گئے تو پھر ہم نے ملائکہ
سے کہا کہ سجدہ حقیقی تو بہر حال میرے موافق ہے اور کے
سامنے ناجائز ہے لیکن تم کو ایک مجازی سجدہ کا حکم
دینے لگے ہیں اور اس مجازی سجدہ کے لئے ایک مجازی خدا
کی ضرورت تھی۔ سو وہ مجازی خدا انسان ہے جس
کے اندر الہی صفات پائی جاتیں۔

لیکن اگر اُسجدہ سے ہر انسان کے آگے سجدہ
کرنا مراد لیا جائے تو اس کے معنی یہ بنیں گے کہ وہ
چودری کرے تو تم بھی چوری میں اس کی مدد کرو۔ وہ ڈاکہ
مارے تو تم بھی ڈاکہ مارو۔ وہ قتل کرے تو تم بھی قتل
کرو۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ سجدہ بہر حال اسی آدم
کے آگے ہو سکتا ہے جو کبھی چوری نہیں کر سکتا کبھی جھوٹ
نہیں بول سکتا۔ کبھی فریب نہیں کر سکتا۔ کبھی شرک
نہیں کر سکتا کبھی بددیانتی نہیں کر سکتا۔ کبھی ظلم نہیں
کر سکتا۔ اور کبھی کسی اور خرابی میں مبتلا نہیں ہو سکتا
اور چونکہ وہ خود ان صفات کا حامل ہوگا جو ملائکہ کی
صفات سے بڑی ہیں اس لئے اگر ایسے آدم کی اطاعت
کی جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔ جو شخص خدائی صفات
کا مظہر ہوگا ملائکہ کی کیا طاقت ہے کہ وہ اس کے خلاف
چلیں۔ اس کے متعلق تو ان کا فرض ہوگا کہ وہ اس کے ساتھ
چلیں۔ پس ہر شخص کے اندر خدا تعالیٰ نے یہ طاقت پیدا
کی ہے کہ وہ صفات الہیہ کا مظہر بن سکے۔ اور اگر وہ
اپنے اندر صفات الہیہ پیدا کر لے تو پھر ملائکہ کو حکم
دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی مدد کریں۔ اسی کی طرف مولا

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ
جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے کسی بندے کی مقبولیت
دنیا میں پھیلے تو وہ ملائکہ کو حکم دیتا ہے اور وہ اس کی
مقبولیت دنیا میں پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ (کنز العمال
جلد ۳ ص ۲۴) پس ہر انسان کے اندر یہ قابلیت ہے کہ
وہ صفات الہیہ کو اپنے اندر پیدا کر لے۔ اور جب وہ
صفات الہیہ اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے تو فرشتوں کو
خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے
پیچھے پیچھے چلیں کیونکہ وہ ایک خدا نما وجود بن جاتا
ہے اور اس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے
دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز دوسری چیز کے مشابہ
بن کر ہی اس سے پیوست ہو سکتی ہے ہند نہیں مثلاً
لکڑی کے ساتھ ہم لوہے اور چمچے کو تو پیوست کر سکتے ہیں
کیونکہ ان دونوں میں غموس ہونے کی مشابہت پائی جاتی
ہے مگر لکڑی کے ساتھ ہم ہوا یا پانی کو پیوست نہیں کر سکتے کیونکہ
ان میں مشابہت نہیں پائی جاتی۔ لکڑی جو چیزیں روحانی ہوتی ہیں
ان میں بھی مشابہت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ پس خدا سے
ملنے کے لئے ضروری ہے کہ بندے اور خدا میں روحانی مشابہت ہو
لورہ مشابہت یہی ہے کہ انسان اپنے اللہ الہی صفات پیدا
کرے جب کوئی شخص اپنے اللہ الہی صفات پیدا کر لیتا ہے تو
وہ اپنے اللہ الوہیت کا رنگ پیدا کر لیتا ہے اور جب اس کے
اندر الوہیت کا رنگ آجائے تو اس کا خدا تعالیٰ سے اتصال
اسی طرح ممکن ہو جاتا ہے جیسے لکڑی کا لوہے سے۔ اور اگر وہ
خدا نہیں بن جاتا مگر خدا نما ضرور ہو جاتا ہے جیسے لکڑی لوہا نہیں
بن سکتی یا لوہا لکڑی نہیں بن سکتا مگر وہ اس میں جو ملنے کے قابل
ہو جاتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ سے اتصال اور اس کے قریب کے ضرور
ہوتے ہیں کہ انسان اپنے اللہ صفات الہیہ پیدا کرے اور اس کی محبت کو
اپنے اللہ جذب کرے پھر سب طرح مقناہیں لوہے کو کھینچتا ہے اسی
طرح محبت الہی اسے خدا تعالیٰ کی طرف کھینچنے لگ جاتی ہے

یہ تعلیم جو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے اتنی اہم ہے کہ اگر اس کے مطابق ہر انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بنانے کی کوشش کرے تو یقیناً اس دنیا کا نقشہ بدل جائے اور ہر انسان نیکی کے ایسے بلند مقام پر کھڑا ہو جائے کہ جس سے اس کا قدم کبھی منحرف نہ کیا جاسکے۔ یہی حقیقت ایک دفعہ مجھے روڈیا میں بھی بتائی گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میں تقریر کر رہا ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک آئینہ ہے۔ میں تقریر کرتے ہوئے لوگوں سے کہتا ہوں کہ دیکھو انسان کا دل خدا تعالیٰ نے ایک آئینہ کی مانند بنایا ہے جس طرح انسان آئینہ میں اپنا حسن دیکھتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنا حسن انسان کے آئینہ قلب میں دیکھنا چاہتا ہے۔ پس اگر انسان کا دل خدا تعالیٰ کی صفات کو اعلیٰ طور پر ظاہر کرنے والا ہو تو خدا تعالیٰ بھی اس دل کی قدر کرتا اور اسے ایک قیمتی متاع قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر انسان کا دل میلا اور داغدار ہو۔ اور اس میں سے خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر نہ آئے یا نظر تو آتا ہو لیکن غلط طور پر آتا ہو تو خدا تعالیٰ بھی ایسے دل کو پرے پھینک دیتا ہے۔ اور جب میں نے یہ الفاظ کہے تو وہ آئینہ جو میرے ہاتھ میں تھا اسے میں نے زور سے زمین پر دے مارا اور کہا کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ بھی مٹھا کر اسی طرح دے مارتا ہے اور وہ چور چور ہو جاتا ہے۔

اس روڈیا میں یہی نکتہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا نور ظاہر کرے۔ اور اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہو۔ پس ضروری ہے کہ ہر انسان اپنے دائرہ میں سب سے بھی ہو و حُسن بھی ہو و جیم بھی ہو۔ حالانکہ وہ الذین بھی ہو۔ جبار بھی ہو۔ ستار بھی ہو و غفار

بھی ہو۔ علیم بھی ہو۔ شکوہ بھی ہو۔ حمید بھی ہو۔ مجید بھی ہو۔ دود بھی ہو۔ غرض خدا تعالیٰ کی ساری صفات کو وہ ظاہر کرنے والا ہو جس کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ ننانوے ہیں مگر میں وہ اس سے بھی زیادہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ اپنے مقصد حیات کو پورا کر لیتا ہے اور اگر اس کے آئینہ قلب میں خدا کی صفات کا انعکاس نہیں ہوتا تو وہ ایک ٹوٹا ہوا برتن ہے جو کسی کام نہیں آتا یا ایک میلا اور داغدار شیشہ ہے جس سے خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر نہیں آسکتا۔ اور جس طرح کوئی انسان میلا اور داغدار شیشہ اپنے پاس نہیں رکھتا اسی طرح خدا تعالیٰ بھی ایسا آئینہ اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا جس کی غرض تو یہ تھی کہ وہ خدا تعالیٰ کا آلہ بنے مگر میلا ہونے کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ حُسن کو ظاہر نہیں کر سکتا۔

غرض اسلام صفات الہیہ پر خصوصیت زور دیتا اور بنی نوع انسان کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ تمہارا تمام حُسن اس امر پر منحصر ہے کہ تم صفات الہیہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگین کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ جتنا جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرتا چلا جائیگا اتنا ہی وہ اعلیٰ اخلاق کا حامل ہوگا اور اسی نسبت سے اسے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوگا۔ گویا اسلام نیکی اور بدی کی تعریف ایک جدید زاویہ نگاہ سے پیش کرتا ہے اور اعلیٰ اخلاق کی بنیاد صفات الہیہ کے انعکاس پر رکھتا ہے۔ یہ نظریہ جو اسلام نے پیش کیا ہے اتنا اہم ہے کہ اگر غور سے کام لیا جائے تو اس نے مذہبی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور اس نے نیکی اور بدی کی تعریف ہی بدل دی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو گہرے غور و فکر کے عادی نہیں

مرث اتنا ہی دیکھا کرتے ہیں کہ چونکہ فلاں کام کرنے کو ہمارا جی چاہتا ہے اس لئے ہم وہ کام کرینگے یا فلاں کام کرنے کو چونکہ ہمارا جی نہیں چاہتا اس لئے ہم وہ کام نہیں کرینگے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اچھے کام کی تعریف مرث ہی ہوتی ہے کہ جس کے کرنے پر اُن کا جی چاہے اور بُرے کام کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ جس کے کرنے کو اُن کا جی نہ چاہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تعریف بالکل غلط ہے کیونکہ ہزاروں انسان ایسے ہوتے ہیں جن کا جی کسی کام کے کرنے کو آج تو چاہتا ہے مگر کل نہیں چاہتا۔ یا آج تو ایک شخص چاہنے والی بات کو نہیں چاہتا مگر کل وہ اُسے چاہنے لگتا ہے۔ اور اگر اُس سے کوئی شخص سوال کرے کہ تمہارے اُس وقت چاہنے اور اب نہ چاہنے یا اُس وقت نہ چاہنے اور اب چاہنے کی کیا وجہ ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ اُس وقت میری حالت اور تھی اور اب اور ہیں۔ یا بسا اوقات وہ کہہ دیتا ہے کہ جب میں نہیں چاہتا تھا تو اُس وقت میں غلطی کر رہا تھا اور اب جبکہ چاہنے لگا ہوں تو درست کر رہا ہوں۔ مگر اُس کی یہ بات بھی قطعی نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ میں ممکن ہو کہ کل وہ پھر اپنی چاہی ہوئی چیز سے نفرت کرنے لگ جائے پھر اگر کسی شخص کا کسی کام کو چاہنا ہی نیکی ہو سکتی ہے تو فرض کر دیتے چاہتا ہے کہ بکرے باپ کو قتل کر دے اور وہ اُسے قتل کر دیتا ہے تو کیا بکر اس لئے خاموش ہو جائے گا کہ وہ اس کام کو چاہتا تھا؟ یا کسی شخص کا ملازم کلم میں سُستی کرتا ہے تو کیا اُس کا ملازم کے یہ کہنے پر کہ اس کام کا تعلق میری مرضی کے ساتھ ہے خاموش ہو جائیگا؟ اگر کسی شخص کا کسی کام کو چاہنا ہی نیکی ہو سکتا ہے تو بکر کا اپنے باپ کے قاتل کے خلاف مقدمہ دائر کرنا بے انصافی ہوگا۔ اسی طرح آقا کا اپنے ملازم کو اُس کی سُستی پر سزا دینا ظلم ہوگا۔ کیونکہ زید چاہتا تھا کہ بکر کے باپ کو قتل کر دے اور ملازم چاہتا تھا کہ وہ

کام میں سُستی کرے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہی شخص جو خود نیکی اور بدی کے متعلق ایک فادولہ تجویز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس چیز کو انسان کا جی چاہے وہ نیکی ہے۔ اور جس کو نہ چاہے بدی۔ اُسی شخص کے باپ کو جب کوئی شخص قتل کر دیتا ہے تو وہ سخت غصہ میں آ جاتا ہے اور کہتا ہے میں اس سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ جب اُس کے باپ کا قاتل اُسی کے مجوزہ فادولہ پر عمل کر رہا تھا تو وہ خوش ہوتا کہ اُس نے نیکی کی ہے۔ اسی طرح ملازم کے سُستی کرنے پر اور یہ کہہ دینے پر کہ میرا جی چاہتا تھا کہ میں سُستی کروں وہ خاموش ہو جاتا بلکہ خوش ہوتا کہ وہ نیکی کے راستہ پر گامزن ہے۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ پس نیکی اور بدی کی یہ تعریف درست نہیں۔

پھر بعض لوگوں نے اس تعریف سے ذرا اور ترقی کی ہے اور کہا ہے کہ جس کام کو موسماٹی چاہتی ہے وہ نیکی ہے اور جس کام کو موسماٹی نہیں چاہتی وہ بدی۔ مگر اس تعریف پر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندو موسماٹی چاہتی ہے کہ گائے نہ کھائی جائے۔ اور مسلمان موسماٹی چاہتی ہے کہ گائے کھائی جائے۔ یا سکھ موسماٹی چاہتی ہے کہ جھٹکا کھایا جائے اور مسلمان موسماٹی چاہتی ہے کہ جھٹکا نہ کھایا جائے۔ اسی طرح یورپین موسماٹی چاہتی ہے کہ شراب پی جائے۔ لیکن مسلمان موسماٹی چاہتی ہے کہ شراب نہ پی جائے۔ اب جبکہ ہندو موسماٹی یہ چاہتی ہے کہ گائے نہ کھائی جائے کیونکہ ایسا کرنا سخت گناہ ہے اور مسلمان موسماٹی چاہتی ہے کہ گائے کھائی جائے کیونکہ اُس کا کھانا ہمارا مذہب میں جائز ہے۔ سکھ موسماٹی چاہتی ہے کہ جھٹکا کھایا جائے لیکن مسلمان موسماٹی چاہتی ہے کہ جھٹکا نہ کھایا جائے کیونکہ جھٹکا کھانا حرام ہے۔ یورپین موسماٹی چاہتی ہے

کہ شراب پی جائے لیکن مسلمان موسماٹی چاہتی ہے کہ شراب بالکل نہ پی جائے کیونکہ اس کا پینا حرام ہے تو ہم کو نسی موسماٹی کی خواہش کے مطابق فیصلہ کریں گے آیا ہم مسلمان موسماٹی کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کریں گے یا مسکھ موسماٹی کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کریں گے یا ہند موسماٹی کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کریں گے یا یورپین موسماٹی کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کریں گے اگر ہم ہند موسماٹی کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں کہ گائے کھانا سخت جرم ہے تو مسلمان کہیں گے کھانا جائز ہے۔ اگر ہم مسکھ موسماٹی کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کریں گے کہ جھٹکا کھانا چاہیے تو ایک مسلمان کہیں گے جھٹکا کھانا حرام ہے۔ اگر ہم یورپین موسماٹی کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کریں گے کہ شراب پینی چاہیے تو مسلمان کہیں گے شراب پینا حرام ہے۔ غرض میں کوئی ایک موسماٹی بھی ایسی نظر نہیں آتی جس کے چاہنے کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے تو اس پر باقی تمام موسماٹیاں متفق ہو جائیں۔ ہزاروں ہزار نیکی اور عیب کی باتیں ایسی ہیں جن میں لوگوں کے اندر شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک موسماٹی ایک کام کو بہت بُری نیکی قرار دیتی ہے تو دوسری موسماٹی اس کو بہت بُرا جرم قرار دیتی ہے یا ایک موسماٹی ایک کام کو سخت گناہ سمجھتی ہے تو دوسری موسماٹی اسی کام کو عین ثواب سمجھتی ہے۔ یورپین لوگ شراب کو بہت اچھا سمجھتے ہیں لیکن مسلمان شراب پینا سخت گناہ سمجھتے ہیں۔ آیا ہم شراب پینے کو یورپ کے معیار کے مطابق نیکی قرار دیں یا اسلام کے معیار کے مطابق بدی قرار دیں۔ ایک یورپین کسی مسلمان کو شراب کا گلاس پیش کرتا ہے اور مسلمان اس کے پیئے سے انکار کرتا ہے تو کیا ہم یورپ کے معیار کے مطابق مسلمان کے شراب پیئے سے انکار کو بدتہذیبی قرار دیں گے

یا اسلام کے معیار کے مطابق نیکی قرار دیں گے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم مسلمان موسماٹی کی بات مائیں اور عیسائی موسماٹی کی بات مائیں اور مسلمان موسماٹی کی بات رد کر دیں۔ پھر بعض لوگوں نے ایک اور قدم اٹھایا ہے۔ کہتے ہیں نیکی وہ ہے جسے دنیا کے اکثر لوگ اچھا کہیں اور بدی وہ ہے جسے دنیا کے اکثر لوگ بُرا کہیں۔ مگر یہ تعریف بھی کوئی معین تعریف نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ دنیا کی اکثریت کو اسی صورت میں نیکی اور بدی کی شناخت کا صحیح معیار قرار دیا جا سکتا ہے جب خود اکثریت ہمیشہ ایک بات پر قائم رہے لیکن ہمیں تو ہر زمانہ اور ہر ملک بلکہ قوم کی اکثریت کے خیالات ایک دوسرے سے مختلف دکھائی دیتے ہیں۔ اسی صورت میں دنیا کی اکثریت کو نیکی اور بدی کی شناخت کا معیار کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر اس تعریف کو درست سمجھا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اگر اکثریت کہتی ہو کہ خدا کوئی نہیں تو اُمت خدا تعالیٰ کا انکار کرنا نیکی ہو گا۔ اور اگر اکثریت کہتی ہو کہ خدا ہے تو خدا کو ماننا نیکی ہو گا۔ لیکن دوسرے وقت وہی اکثریت ہستی باری تعالیٰ کی قائل ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ پر ایمان لانا نیکی قرار پائے گا اور اس کا انکار کرنا بدی قرار پائے گا۔ گویا اکثریت کے عقائد بدلنے کے ساتھ نیکی اور بدی کی تعین بھی مختلف ہوتی چلی جائے گی پس نیکی اور بدی کی یہ تعریف بھی کوئی معین تعریف نہیں کہلا سکتی۔

پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ نیکی وہ عمل ہے جس سے سب زیادہ خوشی حاصل ہو۔ اور بدی وہ عمل ہے جو اپنی حالات میں اتنی خوشی پیدا نہ کرے۔ مگر یہ تعریف بھی صحیح نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص کو ایک مادہ کر سب سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہو۔ تو

اُس کے لئے ڈاکہ مارنا ہی سب سے بڑی نیکی ہو گا حالانکہ اسے کوئی بھی درست تسلیم نہیں کرتا۔

پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ نیکی وہ ہوتی ہے جس کا دنیا کے سب سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ لیکن اس تعریف کو صحیح سمجھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اگر فرس بمبیم پر حملہ کر کے اُسے ٹوٹ لے تو جائز ہو گا کیونکہ فرس کے باشندے بمبیم کے باشندوں سے بہت زیادہ ہیں۔ بیشک بمبیم کے تھوڑے سے لوگوں کو نقصان پہنچا لیکن چونکہ فرس کے بہت زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے ان کا بمبیم پر حملہ کر کے وہاں کے مال و متاع کو ٹوٹ کر لے جانا نیکی ہو گا۔ اسی طرح جو قوم بھی اکثریت میں ہو۔ اس تعریف کے تحت اُس کے لئے جائز ہو گا کہ وہ

اقلیت کو ٹوٹ لے اور کہے کہ یہ نیکی ہے۔ اور جب کوئی سوال کرے کہ یہ نیکی کس طرح ہوتی تو وہ کہدے کہ دیکھ لو کتاؤں میں اسی طرح نکھا ہے کہ نیکی وہی ہے جس کا دنیا کے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اس کے مقابلہ میں اگر اقلیت رکھنے والی قوم اکثریت پر حملہ کریں اور ان کے مال و اسباب لوٹنا چاہیں تو ان کا یہ فعل بدی کہلائیگا۔ کیونکہ اس طرح تھوڑوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور بہتوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

پھر جنھوں نے کہا ہے کہ جس چیز کا زیادہ سے زیادہ اور لمبے عرصہ تک فائدہ پہنچے وہ نیکی ہے۔ مگر اس تعریف کے ماننے سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ اگر کوئی قوم سو سال تک ٹوٹ مار کرتی ہے تو وہ کم نیکی کرتی ہے اور اگر وہ دو سو سال تک ٹوٹ مار کرتی تو یہ زیادہ نیکی ہوتی۔

پھر بعض لوگ کہتے ہیں۔ نیکی وہ ہے جس سے اپنی ذات کو زیادہ نفع پہنچے اور بدی وہ ہے جس سے اپنی ذات کو نقصان پہنچے۔ مگر اس پر بھی یہ اعتراض

پڑتا ہے کہ اگر جھوٹ بولنے سے کسی کی ذات کو زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہو تو اس تعریف کے تحت جھوٹ بول بھی اُس کے لئے نیکی ہو گا۔ حالانکہ اسے کوئی بھی درست نہیں سمجھتا۔

پھر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نیکی ابد بدی کی فطرت پر بنیاد رکھنی چاہئے۔ یعنی جس چیز کو فطرت نیک کہے وہ نیکی ہے اور جس چیز کو فطرت بد کہے وہ بدی ہے۔ یہ تعریف ایک حد تک تو درست ہے۔ مگر کلی طور پر نہیں۔ میں نے بار بار ایک مثال بیان کی ہے کہ حضرت خلیفۃ اولیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک چور کو جس نے سمجھا نا شروع کیا کہ چوری بہت برا فعل ہے تبس محنت کر کے حلال کی کمائی کھائی چاہئے۔ اُس نے کہا۔ مولوی صاحب ہم چوری کے لئے بڑی محنت کرتے ہیں اور ہمیں فلاں فلاں دھواڑیوں اور دھتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ فعل ہمارے لئے بالکل جائز ہے۔ آخر جب چور کو کہا گیا کہ اگر تم کچھ چورایا ہوا سونا سنا کر کے پاس لے جاؤ اور اُس کے پاس رکھ کر دو چار دنوں کے بعد اُس سے واپس مانگو اور وہ دینے سے انکار کر دے تو پھر کیا ہو؟ اس پر وہ چور کہنے لگا کہ کیا ایسا بھی کوئی جہیث ہو سکتا ہے جو دوسرے کا مال کھا جائے۔ پس بے شک انسانی فطرت بعض باتوں کے متعلق ہوتی تو ہے مگر محدود حد تک۔ کیونکہ انسانی فطرت بسا اوقات بُرے اصول کے نتیجے میں سچ بھی ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ پھر نیکی کس چیز کا نام ہے اور بدی کس چیز کا نام ہے۔ کیا نیکی وہ ہوگی جس کو مذہب نیکی قرار دیتا ہے اور بدی وہ ہوگی جس کو مذہب بدی قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر یہ درست ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے مذہب کی نیکی

نیکی کہلانگی اور کوئے مذہب کی بدی بدی کہلانگی اور یہ سوال ایسا ہے کہ اس کا حل کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ دنیا میں کسی مذہب پائے جاتے ہیں۔ اور ان کی تجویز کردہ نیکیوں اور بدیوں میں آپس میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مذہب ایک کام کو نیکی قرار دیتا ہے تو دوسرا مذہب اُسی کام کو بدی قرار دیتا ہے۔ اس لئے اس تعریف سے بھی ہمیں نیکی اور بدی کا حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر سوال یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بغیر کسی حکمت کے صرف شریعت کے روکنے کی وجہ سے گناہ ہوتی ہے تو شریعت کا یہ فعل نفع قرار پایا ہے۔ اور اگر بُرائی کی وجہ سے بُری ہوتی ہے تو پھر یہ دلیل نہ ہوتی کہ جس سے شریعت روکے وہ بُری ہو بلکہ یہ ہوتی کہ جو بُری شے ہو اُس سے شریعت روکتی ہے اور پھر اس حکم یا نہی کو اُس حکمت کی طرف منسوب کرنا پڑے گا۔ صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہو گا کہ جس سے شریعت روکے وہ بُرائی ہے۔ اور جس کا حکم ہے وہ نیکی ہے۔

اسلام ان تمام نظریات کے خلاف دُنیا کو یہ بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کی موافقت اختیار کرنا نیکی ہے اور اُس کی صفات کے خلاف کام کرنا بُرائی ہے۔ چنانچہ وہ اس بارہ میں مومنوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ **مِنْ خَلْقِ اِطْلَعُوا وَ مِمَّنْ اَنْعَمْتُ مِنْ اِطْلَعُوا** (بقرہ ۷) یعنی اے مومنو! تم اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے بہتر اور کون ہے جس کا رنگ اختیار کیا جاسکے یعنی جس طرح خدا رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے۔ وہ الرَّحْمَن اور الرَّحِيم ہے۔ وہ مَلِکُ یَوْمِ الدِّینِ ہے اسی طرح تم بھی کو کوشش کرو کہ تم اُس کی ربوبیتِ عالمین کے مظہر بن جاؤ۔ تم اُس کی رحمانیت کے مظہر بن جاؤ

اُس کی رحیمیت کے مظہر بن جاؤ۔ اُس کی مَلِکِیَّتِ یَوْمِ الدِّینِ کے مظہر بن جاؤ۔ اسی طرح کوشش کرو کہ تم بھی ایک قسم کے سَتَّار بن جاؤ۔ ایک قسم کے غَفَّار بن جاؤ۔ ایک قسم کے قَهَّار بن جاؤ۔ ایک قسم کے حَمِید بن جاؤ۔ ایک قسم کے مَجِید بن جاؤ۔ ایک قسم کے شَکُور بن جاؤ۔ ایک قسم کے ذَوُّد بن جاؤ تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ایک رنگ کی مشارکت حاصل ہو جائے اور تم صفاتِ الہیہ کے مظہر بن کر حقوق کا اعلیٰ مقام حاصل کرو۔

پس اسلام کے نزدیک حقیقی خوبی وہ ہے جو حسنِ اذنی کے نقشہ میں ہو اور گناہ یا عیب ہر اس فعل کا نام ہے جو صفاتِ الہیہ کے منافی ہو۔ اور چونکہ انسان کو خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کی طاقت دی گئی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو۔ کہ خدا تعالیٰ اصل ہے اور انسان اُس کی تصویر ہے۔ اس لئے تصویر کا حُسن اسی میں ہے کہ وہ اصل کے مطابق ہو۔ اور اُس کا عیب یہ ہے کہ وہ اصل کے خلاف ہو۔ پس انسان جو عمل بھی ایسا کرتا ہے جو اُسے خدا تعالیٰ کی صفات کے موافق بناتا ہے وہ نیکی ہے اور جو عمل اُسے خدا تعالیٰ کی صفات سے دُور لے جاتا ہے وہ بدی ہے۔ گویا نیکی کی حقیقی تعریف اسلام نے یہ پیش کی ہے کہ نیکی اُس عمل یا خیال کا نام ہے جو خدا تعالیٰ سے جو ایک کامل اور بے عیب ذات ہے مشابہت پیدا کرتا ہو۔ اور بدی اُس فعل یا خیال کا نام ہے جو اس کامل اور بے عیب ذات کی پسندیدگی یا فعل کے خلاف ہو۔

بیشک ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو ہی نہیں مانتا۔ اُس صورت میں ہمارا فرض ہو گا کہ ہم اُس کو خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق دلائل دیں۔

لیکن خدا تعالیٰ کی ہستی ثابت کر دینے کے بعد اخلاق صحیحہ کی پہچان کا معیار یہی ہو گا۔ کہ جو کام الہی صفات کے مطابق ہو وہ اچھا ہے اور جو کام الہی صفات کے خلاف ہو وہ برا ہے۔ کیونکہ وہی ایک ایسی ہستی ہے جو ہر عیب سے پاک ہے اور ہر قسم کی اعلیٰ صفات رکھنے والی ہے۔ اس تعریف کی تعین کے بعد ہمارے لئے اخلاقِ فاضلہ اور اخلاقِ سیئہ کی شناخت کچھ بھی مشکل نہیں رہتی کیونکہ جب ایک مادہ جہل جائے تو خیالی تصویر کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہم اس بات کو روز روشن کی طرح ثابت کر سکتے ہیں کہ اپنے اندر ہر قسم کی اعلیٰ صفات رکھنے والی ایک ایسی ہستی موجود ہے جس کے نمونہ پر چل کر انسانی افعال درست ہو سکتے ہیں اور وہ ہستی اتنی حسین ہے کہ اس کی نقل کر کے انسانی افعال بھی حسین ہو سکتے ہیں۔ پس اگر خدا تعالیٰ کی کوئی ہستی ہے اور ضرور ہے اور وہ اپنے اندر تمام قسم کی صفاتِ حسنہ رکھتی ہے۔ تو جو بھی اس ہستی کے افعال کی نقل کرے گا اپنے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائیگا۔

پس اخلاقِ فاضلہ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال کی نقل کر کے حاصل کئے جائیں اور اخلاقِ سیئہ وہ ہیں جو اسے خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے سے دور لے جائیں۔ کیونکہ اصل منبع اور مبدع خدا ہے اور انسان درحقیقت اس کی ایک تصویر ہے پس جتنا زیادہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی صفات کی نقل کرے گا اتنا ہی زیادہ اس کے اندر اخلاقِ فاضلہ آتے چلے جائیں گے اور جتنا زیادہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی صفات سے دور رہے گا اتنا ہی زیادہ وہ اخلاقِ فاضلہ سے بھی دور ہوتا چلا جائے گا یہی حکمت ہے جس کی بنا پر سلام نے صفاتِ الہیہ پر مبنی طور پر زور دیا ہے اور بار بار اُن کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اگر ایک

طرف یہ صفات اُس کے وجود کا ثبوت ہوں تو دوسری طرف انسان اُن کا مظہر بن کر ایک خدا نما وجود بن جائے۔ جس کے اندر حسن ہی حسن ہو اور کوئی عیب اور نقص اُس میں اکھائی نہ دے۔

سورۃ الشعراء کی ابتدا بھی اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر سے کی گئی ہے جن میں سے پہلی صفت جس کی طرف اس سورۃ میں توجہ دلائی گئی ہے صفتِ لطیف ہے۔

لطیف کے معنوں پر بحث کرتے ہوئے لغت میں لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں التَّجَرُّعُ بِعِبَادِهِ وَالْمُحَاسِنُ إِلَى خَلْقِهِ بِإِثْمَالِ الْمَنَافِعِ إِلَيْهِمْ بِرَفْقٍ وَ نُطْفِ الْأَعْيَابِ بِخَفَايَا الْأُمُورِ وَ ذَكَاةِ قُلُوبِهَا وَأَتَرِبَ الْمَوَارِدِ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جب لطیف کا لفظ استعمال ہو تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ لوگوں کی خبر گیری کرنے والا اور محبت اور احسان کے ساتھ اُن کو نفع پہنچانے والا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی مخلوق کی غفنی سے غفنی باتوں کو جاننے والا اور اُن کی تمام حاجات اور ضروریات کا علم رکھنے والا ہے۔ ان معنوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر نظامِ عالم پر نگاہ دوڑائی جائے تو ہمیں یہ دونوں باتیں اپنے پورے کمال کے ساتھ دنیا میں دکھائی دیتی ہیں۔ اور اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعہ میں ایک لطیف ہستی ہے جس نے اپنی مخلوق کو فائدہ پہنچانے اور اُس کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے جس قسم کی نعمتوں سے اسے نوازا ہے۔ اور اُس کی بقاء کے لئے اتنے بڑے سامان پیدا کئے ہیں کہ کوئی شخص اگر ساری عمر بھی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے تب بھی وہ پوری طرح شکر ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ آسمان پر لاکھوں میل دور سورج اور چاند اور ستارے اُس کے بندوں کے لئے

رات دن اپنے کام میں مشغول ہیں۔ اور زمین اگلے اپنے کام میں
مصرفوف ہے۔ انسان تھوڑا سا بیج ڈال کر اپنے گھر چلا
آتا ہے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں اس چند سیر بیج کے
بدلے ہزاروں میں غلہ وہ اپنے گھر لے جاتا ہے۔ وہ
اپنے گھر میں آرام سے سو رہا ہوتا ہے اور زمین اُس
کے کام میں مصروف ہوتی ہے اور اُس کے لئے غلہ اُگا
رہی ہوتی ہے۔ سبزی اُگا رہی ہوتی ہے اور انواع و
اقسام کے پھل اور پھول پیدا کر رہی ہوتی ہے۔ یہ
سویا ہوا اُٹھ کر آتا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق
اُگا اُگایا اور پکا پکایا پھل لے کر چلا جاتا ہے۔ اسی طرح
انسانی جسم پر نگاہ ڈالو۔ کان ایک جھوٹی سی چیز ہے
مگر یہ بھی خدا کی عطا ہے۔ ہوا کی لہریں جن کے ذریعہ سے
اُن میں آواز پہنچتی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں
گلے کے پردے جن سے آواز نکلتی ہے وہ بھی خدا کے
پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ایک اچھا گویا انہی پردوں کے
ذریعہ سے گاتا ہے جو خدا نے دیئے ہیں مگر لوگ کہتے
ہیں فلاں گویا کتنا اچھا ہے۔ یا لوگ کہتے ہیں فلاں
شخص کا حافظہ کتنا تیز ہے۔ مگر اُس کے حافظہ والی
جگہ یعنی دماغ بھی خدا نے بنایا ہے۔ دماغ کے اندر جو
سیلز ہوتے ہیں وہ بھی خدا نے بنائے ہیں۔ اسی طرح
انسان نماز پڑھتا ہے تو زبان جس سے وہ الفاظ ادا
کرتا ہے خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہوتی ہے جس مقام
پر وہ ان الفاظ کو محفوظ رکھتا ہے یعنی دماغ وہ بھی
خدا نے بنایا ہے۔ وہ دکرع کرتا ہے یا سجدہ کرتا ہے یا
قیام کرتا ہے تو اس کے لئے وہ جتنی قوتوں سے کام
لیتا ہے وہ سب کی سب خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہوتی
ہیں۔ انسان کا اُن کی پیدائش میں کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔
اسی طرح اگر وہ زکوٰۃ دیتا ہے تو زکوٰۃ کا دوسرے
خدا تعالیٰ کا دیا ہوا ہوتا ہے۔ جن طاقتوں سے اُس نے

ردیہ کیا یا تھا وہ بھی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی تھیں جس ہاتھ
سے اُس نے زکوٰۃ دی وہ بھی خدا کا دیا ہوا تھا۔ پھر
انسان روزہ رکھتا ہے تو اُس میں بھی اُس کا کیا ہے
اگر خدا نے اُس کے اندر اتنی طاقت نہ رکھی ہوتی کہ وہ
دس بارہ یا پندرہ گھنٹے بھوکا رہ سکے تو وہ کس طرح
روزہ رکھ سکتا تھا۔ پس اگر وہ روزہ رکھتا ہے تو
وہ بھی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کے قیام میں ہی رکھتا
ہے۔ اپنے زور اور بل پر نہیں رکھتا۔ یا مثلاً ایک لوط
اپنے پیشہ سے شہرت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے پیشہ
میں جس قدر چیزیں استعمال کرتا ہے سب خدا تعالیٰ ہی کی عطا
ہوتی ہیں۔ لوہے کو خدا نے پہلے پیدا کیا ہوا ہے۔ کوئلہ
اُس نے پہلے سے پیدا کر رکھا ہے۔ آگ جس پر وہ لوہے
کو گرم کرتا ہے خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ اعصاب
جن سے وہ کام لیتا ہے خدا تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں
غرض جتنی چیزیں وہ کام لیتا ہے سب خدا کی پیدا
کی ہوئی ہوتی ہیں۔ اُس کا اپنا صرف ارادہ ہی ہوتا کہ
اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن اتنے بڑے انعامات کے
باوجود کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی
نعمتوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور اُس وقت
وہ ایسا ناشکر بن جاتا ہے کہ اُسے کوئی بھی نعمت
دکھائی نہیں دیتی۔ کوئی بھی فضل نظر نہیں آتا۔ کسی
رحمت سے بھی اُس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت
کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

ہم نے بڑے بڑے مالداروں کو دیکھا ہے۔ وہ
موٹرول میں پھرتے ہیں۔ دس دس کھانے اُنکے دسترخو
پر موجود ہوتے ہیں۔ مگر جب کھانے کے لئے بیٹھتے ہیں
تو کہتے ہیں۔ یہ بھی خراب ہے۔ وہ بھی خراب ہے کھانے
کا کوئی مزہ ہی نہیں آتا۔ اس کے مقابلہ میں غریب آدمی کو
دیکھو کہ وہ روٹی کا سوکھا ٹکڑا کس مزے سے کھاتا ہے

ہر چیز کو دیکھے تو اُسے معمولی سے معمولی چیز بھی دُنیا کی اعلیٰ ترین نعمت دکھائی دینے لگتی ہے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سنا یا کرتے تھے کہ ایک بڑھیا تھی جو بڑی نیک اور عبادت گزار تھی۔ یس نے ایک دفعہ اس سے کہا کہ مائی مجھے کوئی خدمت بتاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو اُس کو پورا کر کے ثواب حاصل کروں۔ وہ کہنے لگی۔

اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ یس نے پھر امر کیا اور کہا کہ کچھ تو بتاؤ۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں تمہاری خدمت کروں۔ وہ کہنے لگی۔ نور الدین! مجھے اور کیا چاہیے۔ کھنے کیلئے روٹی اور اڑھنے کے لئے محاف کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے دُور دُریاں بھجوا دیتا ہے۔ ایک میں

کھالیتی ہوں اور ایک میرا بیٹا کھالیتا ہے۔ اور ایک محاف ہمارے پاس موجود ہے جس میں ہم دونوں ان بیٹا سو رہتے ہیں۔ میں ایک پہلو پر سوئے ہوئے تھک جاتی ہوں تو کہتی ہوں۔ بیٹا! اپنا پہلو بدل لے اور میں دوسرے پہلو پر لیٹ جاتی ہوں۔ اُسکا ایک پہلو تھک جاتا ہے تو وہ مجھے کہتا ہے اور میں اپنا پہلو بدل لیتی ہوں۔ بس بڑے مزے سے عمر گذر رہی ہے۔ اور کسی چیز کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے پھر امر کر لیا۔ تو کہنے لگی اچھا۔ اگر تم بہت ہی امیر اور گناہگار ہو تو پھر مجھے ایک موٹے حرفوں والا قرآن لادو۔ میری نظر اب کمزور ہو گئی ہے اور باریک حروف نظر نہیں آتے۔ موٹے حرفوں والا قرآن مل جائے تو میں آسانی سے قرآن پڑھ سکوں گی۔ اب ایک طرف اس بڑھیا کی حالت کو دیکھو اور دوسری طرف اس امر کو سوچو۔ کہ اب اگر کوئی چار سو روپیہ ماہوار کماتا ہے تو وہ بھی بے چین ہے۔ پانچ سو روپیہ ماہوار کماتا ہے تو

اور کس طرح وہی سوکھا ٹکڑا اُسے دُنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے۔ میری دو تین سال کی عمر تھی کہ میری آنکھیں دیکھنے لگیں۔ ڈاکٹروں نے ایسی حالت میں مجھے روٹی کھلائی منع کر دی۔ ایک دن صبح کے وقت مجھے آنکھوں میں سخت تکلیف محسوس ہوئی کیونکہ صبح کے وقت رات بھر آنکھ بند رہنے کی وجہ سے اندر پانی بھر جاتا ہے اور آنکھوں میں درد ہوتا ہے۔ اور بس کی وجہ سے لازمی طور پر کچھ پٹنے لگ جاتا ہے۔ بہر حال آنکھیں دیکھنے کی وجہ سے مجھے تکلیف ہوئی اور میں نے رونا شروع کر دیا۔ ہمارے گھر کی ایک خادمہ نے یہ دیکھ کر مجھے اٹھا لیا اور پچکارنا شروع کر دیا۔ اُسوقت وہ روٹی کا ایک باسی ٹکڑا ہاتھ میں پکڑے ہوئے بڑے مزے سے کھاتی جاتی تھی۔ اور ساتھ ساتھ مجھے پچکارتی جاتی تھی۔ مجھے سادی عمر میں کبھی کسی کھانے کا اتنا مزہ نہیں آیا جتنا مجھے اُس باسی ٹکڑے کی خوشبو کا محسوس ہوا۔ کیونکہ وہ اپنے دل کے اطمینان کی وجہ سے اُس باسی ٹکڑے میں بھی اتنا لطف محسوس کر رہی تھی کہ اُس نے "لطف اور وہ لذت کا احساس میرے اندر بھی پیدا کر دیا۔ حالانکہ وہ بغیر کسی سالن کے اور بغیر کسی ایسی چیز کے کھا رہی تھی جو اس ٹکڑے کو نرم کر دے۔ مگر جس مزے سے وہ کھا رہی تھی اور جس طرح وہ بچا کے مار رہی تھی۔ وہ بچے کے محسوس کراتے تھے کہ اُسکے نزدیک دُنیا کا سب سے بڑا کھانا دہی ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ تین چار سال کے بعد ایک دفعہ ماں جاننے نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کس چیز کو دل چاہتا ہے تو میری طبیعت پر اس کا اتنا اثر تھا کہ میں نے کہا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں باسی روٹی کھاؤں۔ تو جب انسان قناعت سے کام لے اور شکر گزاری کے جذبات کے ساتھ

لڈو آگئے ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ لڈو کس طرح کھائے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنا رد مال نکالا۔ اور اُس پر وہ لڈو رکھ کر ایک لڈو سے ذرہ سا مکڑہ توڑ کر اپنے منہ میں ڈالا اور سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہنے لگ گئے۔ پھر فرمانے لگے۔ وہ منظر جان جاناں مجھ پر تیرے رب کا کتنا بڑا نفع ہے۔ یہ کہہ کر پھر سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہنے لگ گئے اور اپنے شاگرد کو مخاطب کر کے فرمایا۔

میاں غلام علی! یہ لڈو کن کن چیزوں سے بنتا ہے، انہوں نے چیزوں کے نام گنا نے شروع کر دیئے کہ اس میں کچھ بالائی ہے۔ کچھ میٹھا ہے۔ کچھ میدہ ہے۔ میسکر انہوں نے پھر سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہنا شروع کر دیا اور فرمایا۔ میاں غلام علی! ہمیں پتہ ہے یہ میٹھا جو اس لڈو میں پڑا ہے کس طرح بنا۔ انہوں نے بتایا کہ زمیندار نے پہلے گنا بویا۔ پھر سینے میں اس کو بیلا۔ پھر دس تیار ہوئی اور اُس سے شکر بنائی گئی۔ حضرت منظر جان جان فرمانے لگے۔ دیکھو وہ زمیندار جس نے میسکر کو بویا تھا وہ کس طرح اپنے جوی بچوں کو چھڑ کر راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے کھیتوں میں گیا اُس نے ہل چلایا کھیتوں کو پانی دیا اور ایک لمبے عرصہ تک محنت و مشقت برداشت کرتا رہا۔ صرف اس نے کہ منظر جان جاناں ایک لڈو کھائے۔ یہ کہہ کر وہ پھر اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد فرمانے لگے چھ ماہ زمیندار اپنے کھیت کو پانی دیتا رہا۔ پھر کس محنت سے اُس نے میسکر کو بیلا۔ اس سے دس نکائی اور پھر آگ جلا کر کتنی دفعہ وہ اس دنیا کے دوزخ میں گیا۔ محض اس لئے کہ منظر جان جاناں ایک لڈو کھائے۔ اس کے بعد انہوں نے اسی طرح میدہ اور بالائی کے متعلق تفصیل بیان کرنی شروع کر دیں۔ کہ کس طرح ہزاروں آدمی دن رات ان کاموں میں مشغول رہے۔ انہوں نے

وہ بھی بے چین ہے۔ دھڑا دو پیہ ماہوار کمانا ہے تو وہ بھی بے چین ہے۔ حالانکہ مال حاصل کرنا اصل مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود راحت اور چین ہوتا ہے۔ اور اگر کسی حاصل نہ ہو تو روپیہ لے کر کسی نے کیا کرنا ہے لیکن اگر انسان اپنے دل میں شکر گزار ہی کا جذبہ پیدا سے تو اُسے عالم کا ذرہ ذرہ اپنا محسن دکھائی دیتا ہے۔ اور چونکہ عالم کا ہر ذرہ خدا تعالیٰ کے احسان کے نیچے ہے اس لئے اُسے خدا ہی اپنا محسن حقیقی نظر آتا ہے۔ حضرت مرزا منظر جان جاناں دلی کے ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں لڈو بہت پسند تھے۔ دلی میں بالائی کے لڈو بنتے ہیں جو بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص بالائی کے دو لڈو ان کے پاس ہدیہ لایا۔ ان کے ایک شاگرد غلام علی شاہ بھی اُس وقت پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے وہ دونوں لڈو ان کو دے دیئے۔ بالائی کے لڈو بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اخروٹ کے برابر بلکہ اس سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ ہی وہ دونوں لڈو اٹھائے اور مونہ میں ڈال لئے جب وہ کھا چکے تو حضرت مرزا منظر جان جاناں نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ میاں غلام علی! معلوم ہوتا ہے تم کو لڈو کھانے نہیں آتے۔ وہ اُموقت تو خاموش ہو گئے مگر کچھ دنوں کے بعد ان سے کہنے لگے حضور مجھے لڈو کھانے سکھا دیجئے۔ حضرت مرزا منظر جان جاناں نے کہا کہ اگر اب کسی دن لڈو آئیں تو مجھے بتائیں تب میں لڈو کھانا سکھا دوں گا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر کوئی شخص ان کے لئے بالائی کے لڈو لایا۔ میاں غلام علی صاحب نے لگے حضور! آپ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ میں تمہیں لڈو کھانا سکھا دوں گا۔ آج اتفاقاً پھر

اپنی صحت کی پرواہ نہ کی۔ انہوں نے اپنے آرام کو نہ دیکھا انہوں نے اپنی آسائش کو نظر انداز کر دیا۔ اور یہ سارے کام خدا تعالیٰ نے اُن سے محض اس لئے کرائے کہ مظهر جان جانان ایک لٹو کھالے۔ یہ کہہ کر اُن پر پھر ربودگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگ گئے۔ اتنے میں عصر کا وقت آگیا اور وہ اٹھ کر نماز کے لئے چلے گئے۔ اور لٹو اُسی طرح بڑا رہا۔

حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ہم نے دیکھا ہے۔ آپ کا یہ طریق تھا کہ جب آپ روٹی کھاتے تو روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر اپنے منہ میں ڈال لیتے اور اُس وقت تک کہ دانت اسس کو چبا سکیں اچھی طرح چباتے رہتے۔ آپ کی عادت بڑا نعمہ لینے کی نہیں تھی بلکہ آپ ہمیشہ چھوٹا نعمہ لیتے اور جہاں اُس پہلے نعمہ کو دیر تک چباتے رہتے وہاں روٹی کا ایک اوٹکڑا لے کر اپنے ہاتھ میں ملتے چلے جاتے اور ساتھ ہی سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے جاتے۔ کچھ دیر کے بعد اُس میں سے کوئی ٹکڑہ سالن لگا کر منہ میں ڈال لیتے اور روٹی کے باقی ٹکڑے دسترخوان پر پڑے رہتے دیکھنے والے بعض دفعہ کہا کرتے کہ حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام روٹی کے ٹکڑوں میں سے حلال اور حرام نہ سے الگ الگ کرتے ہیں اور چونکہ روٹی کے بہت سے ٹکڑے آپ کے دسترخوان پر جمع ہو جاتے تھے اسلئے جب آپ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو لوگ تبرک کے طور پر اُن ٹکڑوں کو آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں اتنی وسیع ہیں کہ اگر انسان غور کرے اور سوچے تو اُسے معلوم ہو کہ ہر قدم جو انسان اٹھاتا ہے۔ ہر لمحہ جو انسانی زندگی پر گذرتا ہے۔ ہر ساعت جو اُس پر آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فضلوں اور اُس کی بے انتہا برکات کو

اپنے ساتھ لے کر آتی ہے اور پھر اگر انسان اور زیادہ غور کرے تو اُسے معلوم ہو کہ سارا جہان اُس کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ اور دن رات اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے وہ حصہ پارہ ہے۔ ہر اٹھ جو وہ لمبا کرتا ہے۔ ہر آنکھ جو وہ جھپکتا ہے۔ ہر آواز جو وہ سنتا ہے۔ ہر تھوک جو وہ نکلتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے احسان کا ہی نتیجہ ہے۔ ورنہ خود انسان میں یہ کہاں طاقت تھی کہ وہ ایسا کر سکتا۔ اگر ڈاکٹر ہائڈروکلورک ایسڈ پلا کہ انسان کی توتہضم کو درست کرتے تو وہ چند دنوں میں مرنے مر جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک ایسی شین لگا دی ہے کہ جو بھی کوئی غذا استعمال میں آتی ہے وہ مختلف قسم کی تبدیلیوں کے بعد اُسے انسانی خون میں شامل کر دیتی ہے۔ اور پھر خون اُس غذا کو لے کر فوراً دل میں پہنچتا ہے جہاں اُس کی صفائی کے لئے اُسے پھیپھڑوں میں سے گزرا جاتا ہے۔ پھر صاف شدہ خون دل کے بائیں حصہ میں آنے کے بعد ایک بڑی رگ کے ذریعہ دل سے باہر نکلتا ہے جو آگے چل کر دھتوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک حصہ سر کی طرف خون لے جاتا ہے اور دوسرا حصہ دل کے مقام سے نچلے حصہ کی طرف خون لے جاتا ہے۔ اور اس طرح ہر عضو اپنی اپنی ضرورت کے مطابق غذا حاصل کر لیتا ہے مثلاً دماغ کے وہ اعلیٰ حصے جو عقل اور شعور کے مرکز ہیں وہ اُس سے اپنی غذا لے لیتے ہیں اور جسم کے مختلف اعضاء کو حرکت میں لانے والے مرکز اپنی غذا لے لیتے ہیں۔ اسی طرح آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان اور دوسرے اعضاء اپنی غذا لے لیتے ہیں۔ غرض ایک عظیم الشان نظام ہے جو زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جاری کیا ہوا ہے۔

وہ خدا اور اُس کے رسول کو ماننے والے کہلاتے ہیں مگر انہیں کبھی خیال نہیں آیا کہ خدا کا وہ رسول جس کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ لَوْ لَآدَّتْ لَمَّا خَلَقْتُ الْآخِلَاقَ اُسے اپنے سینے کے لئے جو کپڑے نصیب ہوئے ان سے ہزاروں گنا زیادہ اعلیٰ اور زیادہ آرام دہ کپڑے آج ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کو نصیب ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے شکر کے جو اثر ہیں جذبات معمولی کپڑے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں پیدا ہوتے تھے وہ آج ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوتے۔ یہ تمنا اور خواہش پیدا نہیں ہوتی کہ کاش یہ نعمتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں کیونکہ ان نعمتوں کے اصل مستحق آپ ہی تھے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں سید ہوں۔ میری بیٹی کی شادی ہے۔ آپ اس موقع پر میری کچھ مدد کریں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ یوں تو بڑے مختیر تھے مگر طبیعت کا رجحان ہے جو بعض دفعہ کسی خاص پہلو کی طرف ہوجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہاری بیٹی کی شادی کے لئے وہ سارا سامان تمہیں دینے کیلئے تیار ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو دیا تھا۔ وہ یہ سننے ہی بے اختیار کہنے لگا۔ آپ میری ناک کا ٹٹا چاہتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمہاری ناک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک سے بھی بڑی ہے۔ تمہاری عزت تو سید ہونے میں ہے۔ پھر اگر اس قدر جہیز دینے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں ہوتی تو تمہاری کس طرح ہو سکتی ہے جو حقیقت یہ ہے کہ آج ایک ادنیٰ مسلمان

لے فوائد: مجموعہ معارف علامہ ذوالکلیفؒ کا کتابت و موقوفہ اشکیر مشہد۔

لوگ کا رخاٹے دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں چلتوں کو دیکھتے ہیں تو حیران ہوجاتے ہیں کہ یہ کس طرح آٹا پیس رہی ہیں۔ مگر انہیں کبھی احساس نہیں ہوتا کہ ان تمام مشینوں سے ایک بڑی مشین اللہ تعالیٰ نے خود انسانی جسم کے اندر پیدا کر رکھی ہے۔ جو پس بھی رہی ہے جو صاف بھی کر رہی ہے جو طاقت بھی پہنچا رہی ہے جس طرح بعض مشینیں ایسی ہوتی ہیں جو میدہ الگ نکالتی جاتی ہیں اور سبوس الگ نکالتی جاتی ہیں ایسی طرح انسانی جسم میں اللہ تعالیٰ نے جو مشین بنا رکھی ہے ان میں سے کوئی خون صالح پیدا کرتی ہے۔ کوئی عقل کو طاقت دیتی ہے۔ کوئی سمجھ کو طاقت دیتی ہے۔ کوئی بصر کو طاقت دیتی ہے۔ غرض ایک نظام ہے جو انسان کے اندر دن رات کام کر رہا ہے۔ اور سبوسو پیریں ہیں جو اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی انسانی جسم کو طاقت دیتی ہے۔ کوئی قوت شامہ کو طاقت دیتی ہے۔ کوئی اعصاب کو طاقت دیتی ہے۔ ایسی طرح انسانی دماغ میں مختلف قسم کے ڈیپارٹمنٹ بنے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے ڈیپارٹمنٹ دیوی گودھنٹوں میں بھی نہیں ہوتے جتنے انسانی دماغ میں اللہ تعالیٰ نے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے کیا کیا احسانات ہو رہے ہیں۔ اللہ سے کی طرح گزر جاتا ہے اللہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے ہمیشہ خالی رہتا ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ آپ کھانا کھاتے تو بسم اللہ پڑھتے۔ کھانا کھا چکے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے۔ ایسی طرح کپڑے پہنتے تو خدا تعالیٰ کی حمد کرتے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ہی کیا تھے۔ بہت معمولی اور سادہ کپڑے ہو کرتے تھے۔ آج کل ملیں اور ٹیٹے اور کئی قسم کے آرام دہ کپڑے لوگ پہنتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کے شکر کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ موتن کہلاتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اور اُس کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھو۔ جب انسان ہر چیز کو خدا تعالیٰ کا انعام سمجھتا اور اُس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے تو اُسے ایک ایسی بریگی مل جاتی ہے جو اُسے خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہے۔ نہ شیطان اُس کی راہ میں روک بٹتا ہے اور نہ اس کا نفس اُسے نیچے گرا سکتا ہے۔ وہ اُس بریگی پر چڑھتے ہوئے سیدھا خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کے دل میں خدا تعالیٰ کے احسانات کو دیکھ دیکھ کر شکر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو اُسے اوپر ہی اوپر لے جاتا ہے پیچھے گرنے سے اُسے کلی طور پر محفوظ کر دیتا ہے۔

لطیف کے دوسرے معنی جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اَلْعَالِمُ بِخَفَايَا الْمُؤْمِرِ دَخَالُ يَعْنِي کہ ہیں۔ یعنی ایسی ہستی جو تمام امور کے مخفی در مخفی پہلوؤں کو جاننے والی اور کائناتِ عالم کے تمام امرا اور عوامض کا علم رکھنے والی ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے اس میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کی نگاہ اپنے تمام علوم اور ایجادات کے باوجود صرف ظاہر تک محدود رہتی ہے۔ ان امور کے پس پشت جو اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان غیب کا مکر رہا ہوتا اور جو باریک در باریک حکمتیں اُن میں مخفی ہوتی ہیں اُن سے وہ آگاہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کائناتِ عالم کے رموز اور امرا اُس پر مشکشف ہوتے ہیں تو اُسی وقت جب اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ لطیف کے ماتحت اسے اپنے حقائق سے آشنا کرتا اور اخفا کے پردوں کو اُس کی آنکھوں سے دور کرتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا کہ تُو لوگوں سے یہ کہہ دے کہ لَوْ كُنْتُ اعْلَمُ الْغَيْبُ لَکُمْ مُشْكَلَةٌ مِّنَ الْحَيٰثِ وَمَا صَنَعِيَ السُّوءُ (اعراف: ۱۸۹)

بھی دنیوی نعمتوں کے لحاظ سے اس سے زیادہ تعمیر رکھتا ہے جتنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پائیں مگر اس کا دل محبت کے جذبات سے خالی ہوتا ہے۔ وہ ہزاروں گنا زیادہ نعمتیں دیکھ کر بھی اپنے رب کا شکر یہ ادا نہیں کرتا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خدا تعالیٰ کے شکر کے جذبات اس قسم کے پائے جاتے تھے کہ سنا سے جب بارش برستی تو وہ زمیندار جس کی کھیتیں اُس بارش سے تیا۔ ہوتیں خاموشی کے ساتھ گزر جاتا۔ اُسے پانی جمع کرتے ہوئے بھی خیال بھی نہ آتا کہ یہ کتنا آگیا کہ وہ شہر جس میں کونویں نہیں ہوتے اور جہاں کے رہنے والے بارش پر تلابوں میں پانی جمع کر لیتے ہیں تاکہ سال بھر اُن کی ضروریات پوری ہوتی رہیں وہ بھی اپنے لئے اور اپنے جانوروں کے لئے پانی جمع کرتے مگر اُن کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا نہ ہوتا کہ اُن کے رب نے اُن پر یہ کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ وہ صومچ کی شعاعوں کے ذریعے سمندروں کا پانی بخارات کی صورت میں تبدیل کرتا اور پھر ہواؤں کے ذریعے اُن کے ملک میں لاکر برسا دیتا کہ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے نہ تلاب تھے نہ کھیتیں تھیں نہ جانور تھے بارش آتی تو آپ کرہ سے نکل کر باہر چمن میں آ جاتے۔ اپنی زبان باہر نکال لیتے اور جب اُس پر پانی کا قطرہ گرتا تو آپ فرماتے۔ یہ میرے رب کا تازہ احسان ہے۔ یہ محبت اور پیار کا کیسا دلفریب رنگ ہے۔ ٹوٹ پلاؤ اور زردہ لھا کر بھی خدا تعالیٰ کی محبت کا پوسش اپنے دلوں میں نہیں پاتے اور اُس کے نضوں کے شکر گزار نہیں ہوتے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے محبت اس پایہ کی تھی کہ آپ اپنی زبان باہر نکال کر اُس پر بارش کا قطرہ لیتے اور خدا تعالیٰ کی اس تازہ نعمت کا شکر ادا کرتے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں بار بار اس صفت توجہ دلائی گئی کہ

یعنی اگر میں غیب کا واقف ہوتا تو بھلائیوں میں سے اکثر اپنے لئے جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی درحقیقت اگر غور سے کام لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے علم غیب کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر انسان کیلئے دو برکتیں پیدا کر دی ہیں۔ ایک برکت تو پردہ غیب کی وجہ سے اُسے حاصل ہوتی ہے اور ایک برکت کشف غیب کی وجہ سے اُسے حاصل ہوتی ہے۔ پردہ غیب کی وجہ سے جو برکت اُسے حاصل ہے وہ تو اس سے ظاہر ہے کہ انسان کی ساری زندگی جدوجہد سے تعلق رکھتی ہے اور جدوجہد کی ساری بنیاد ہی غیب پر ہے۔ اگر غیب کا پردہ حاصل نہ ہو تو سعی و عمل کا تمام سلسلہ ختم ہو جائے۔ مثلاً بچوں کو لڑنے کے والدین سکول میں پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ اور وہ بھی اگر محنتی اور ذہین ہوں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دنیا میں عزت حاصل کر لیں گے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اُن کا امتحان قریب آتا ہے تو اُن میں سے بعض لڑکے بیماریوں یا اچانک حادثات کی وجہ سے وفات پا جاتے ہیں۔ اب اگر خدا تعالیٰ نے علم غیب اپنے ہاتھ میں نہ رکھا ہوتا اور ایک طالب علم کو یقینی طور پر معلوم ہوتا کہ میں نے پندرہ سال کی عمر کو پہنچ کر مر جانا ہے! تو وہ اُسی وقت سے مخموم رہنا شروع کر دیتا۔ اور اُس کے والدین بھی رونے پیچھے لگ جاتے اور وہ اپنی عمر کو بالکل ضائع کر دیتا۔ لیکن پردہ غیب کے حامل ہونے کی وجہ سے وہ برابر محنت کرتا چلا جاتا ہے۔ اور گو بعد میں آکر وہ فوت ہو جاتا ہے مگر جس طرح ایک ٹوٹے والے ستارے کی روشنی سے بھی کئی مہوے بھٹکے مسافر راہ پالیتے اور کئی گڑھوں میں گرتے ہوئے سنبھل جاتے ہیں۔ ایسی طرح دوسرے لڑکوں کے لئے ایسی روشنی چھوڑ جاتا ہے جو اُن کی ترقی کا موجب بن جاتی ہے۔

کیونکہ کئی لڑکے ایسے تھے جن کے سامنے اگر اسکا وجود نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی محنت نہ کرتے۔ انہوں نے اگر محنت کی تو ایسی لئے کہ اُس لڑکے کی محنت اور ذہانت کو دیکھ کر اُن کے دلوں میں بھی رشک پیدا ہوا۔ اور انہوں نے بھی تعلیم میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور رفتہ رفتہ وہ ترقی کر گئے۔

ایسی طرح انسان اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں بھرتا ہے جن میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی دوستی خود غرضانہ ہوتی ہے۔ یادہ اپنے دل میں اُس کے خلاف کئی قسم کے منصوبے سوچتے رہتے ہیں۔ یا اُس کے رشتہ دار بظاہر اس سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے دلوں میں اُس کے بدخواہ ہوتے ہیں۔ اگر پردہ غیب حاصل نہ ہوتا اور انسان کو پتہ لگ جاتا کہ میرا فلاں دوست اپنے دل میں میرے تعلق اس قسم کے خیالات رکھتا ہے یا میرا فلاں رشتہ دار میرا بدخواہ ہے تو ایک قیامت برپا ہو جاتی جس گھر میں دیکھو لڑائی ہو رہی ہوتی۔ ایک کہہ رہا ہوتا کہ تم نے میرے خلاف فلاں فلاں بات کیوں مچوئی تھی۔ اور دوسرا کہہ رہا ہوتا کہ تمہارے دل میں میرے خلاف اس قسم کے خیالات کیوں آ رہے تھے۔ بیوی خاوند سے ناراض ہوتی اور خاوند بیوی سے ناراض ہوتا۔ اور امین اور سکون دنیا سے اٹھ جاتا۔ پس پردہ غیب جو اللہ تعالیٰ نے حامل کر رکھا ہے یہ اُس کی ایک بڑی رحمت ہے۔

پھر اگر پردہ غیب نہ ہوتا تو لڑائیوں میں تمام دنیا تباہ ہو کر رہ جاتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الْحَوْبُ خَذَعَةٌ۔ یعنی لڑائی لڑنے کا مسارا کمال اس میں ہے کہ سب باتیں پردہ اخفا میں

دہیں اور لٹنے والے اپنی سیاست اور تدبیر پر اتماد کریں
لیکن اگر پردہ غیب نہ ہوتا اور جنگوں میں ایک طرف دایوں
کو پتہ لگ جاتا کہ ہمارا دشمن ہر وقت فلاں جگہ پر ہے
تو وہ اپنی توپوں کا منہ عین اسی طرف کر دیتے جدھر
دشمن ہوتا۔ اسی طرح دوسری طرف سے بھی توپوں کے
گولے عین اسی جگہ آکر گرتے۔ جہاں دشمن موجود ہوتا
اور اس طرح کوئی نقص بھی نہ پہنچ سکتا۔ اب تو ایسا
ہوتا ہے کہ اگر ایک لاکھ فوج میدان میں جاتی ہے تو
اس میں سے چند ہزار مر جاتے ہیں اور باقی فوج صحیح و
سلامت رہتی ہے لیکن اگر پردہ غیب نہ ہوتا اور فریقین
کو ایک دوسرے کے حالات کا علم ہو جاتا۔ تو نشہ عین دشمن
پر بیٹھتا اور کوئی شخص بھی محفوظ نہ رہ سکتا۔ اسی طرح سائنس
کی ترقی اور علوم جدیدہ کے انکشاف کی بنیاد بھی غیب پر ہی
ہے۔ اگر ہر چیز ظاہر ہوتی تو سعی و عمل اور ایجابات کا تمام
سلسلہ ختم ہو جاتا اور انسان ایک ناکارہ وجود بن کر
رہ جاتا۔ غرض دنیا کے تمام کاروبار غیب پر چلے ہوئے ہیں
اگر غیب نہ رہے تو دنیا کا تمام کارخانہ بھی ختم ہو جائے
اسی طرح روحانی عظیم میں جزا و سزا کی بنیاد بھی پردہ غیب
پر رکھی گئی ہے۔ اگر پردہ غیب ہٹا دیا جائے تو نہ نیکی
قابل جزا سمجھی جائے اور نہ بدی سے اجتناب قابل ثواب
سمجھا جائے۔

ہم ایک دفعہ مکتبہ گئے۔ دہاں ایک سرحدی مولوی
عبدالکریم تھا۔ جو ہمدانی جماعت کا شدید مخالف تھا۔ اس نے
ہمارے آنے کے بعد ایک تقریر کی جس میں حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک واقعہ کو اس نے نہایت تحقیر
کے طور پر بیان کیا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دہاں آئے گئے دہاں ہمارے
ایک رشتہ دار کے ماموں مرزا حیرت دہلوی تھے۔ انہیں
ایک دن شراوت مو بھی اور وہ جعلی انسپکٹر پولیس بن کر

آگئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈر لے
کے لئے کہنے لگے کہ میں انسپکٹر پولیس ہوں اور مجھے حکومت
کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں آپ کو نوٹس دوں
کہ آپ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ ورنہ آپ کو سخت
نقصان ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
تو اس کی طرف توجہ نہ کی۔ مگر جب بعض دوستوں نے تحقیق
کرنی چاہی کہ یہ کیوں شخص ہے تو وہ دہاں سے بھاگ گئے۔
اس واقعہ کو مولوی عبدالکریم سرحدی نے اس رنگ
میں بیان کیا کہ دیکھو وہ خدا کا نبی بنا پھر تباہے مگر وہ
دہلی گیا تو مرزا حیرت انسپکٹر پولیس بن کر اس کے پاس
چلا گیا۔ وہ کوٹھے پر بیٹھا ہوا تھا۔ (صلوات اللہ علیہ) بات باطل
جھوٹ تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نیچے دھان میں
بیٹھے ہوئے تھے جب اس نے سنا کہ انسپکٹر پولیس آیا ہے
تو وہ ایسا گھبراہٹ سے اٹھ اٹھا کہ میرے صیوں سے اتنے وقت اس کا
پیسہ بھسلا اور وہ موہنے کے بل زمین پر آگرا۔ لوگوں نے
یہ تقریر سن کر بڑے قہقہے لگائے اور ہنسنے لگے۔ لیکن
اسی رات مولوی عبدالکریم کو خدا تعالیٰ نے پکڑ لیا۔ وہ اپنے
مکان کی چھت پر مویا ہوا تھا۔ کہ رات کو وہ کسی کام
کے لئے اٹھا اور چونکہ اس چھت کی کوئی منڈیر نہیں تھی
اور نیند سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اس کا ایک
پاؤں چھت سے باہر جا پڑا اور وہ دھڑم سے پیچھے
آگرا۔ اور گرتے ہی مر گیا۔ اب دیکھو اگر اس کو غیب کا
پردہ نہ ہونے کی صورت میں پتہ ہوتا کہ مجھے گستاخی کی
یہ سزا ملے گی تو وہ کبھی گستاخی نہ کرتا بلکہ آپ پر ایمان
لے آتا تو ایسا ایمان اس کے کسی کام نہ آتا۔ کیونکہ جب
غیب ہی نہ رہا تو ایمان کا کیا فائدہ۔ ایمان تو دہری
کا دامن ہو سکتا ہے جو غیب کی حالت میں ہو۔ ثواب
یا عذاب مانتے نظر آنے پر تو ہر کوئی ایمان لا سکتا ہے۔
حضرت ابو بکر جب ایمان لائے تو یہ سمجھ کر ایمان لائے تھے

کہ مجھے دین داسے میں قربانیاں کرنی پڑیں گی اور اپنی جان دینی پڑے گی اور اگر پردہ غیب نہ ہوتا۔ اور ان کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ ان کیلئے انعامات متعدد ہیں اور وہ ان انعامات کی لالچ میں ایمان لے آتے تو ان کا ایمان کہاں رہتا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ جب ایمان لائے تو ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ خلیفہ بنیں گے۔ بلکہ وہ تو اس ارادہ سے نکلے تھے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دوں گا۔ مگر جب اپنی بہن سے انہوں نے قرآن کریم کے چند اوراق لے کر پڑھے تو ان پر حق کھل گیا۔ اور وہ ایمان لے آئے اور ان حالات میں ایمان لائے کہ وہ جلتے تھے کہ مجھے مسلمان ہو کر اب اپنی جان قربان کرنی پڑے گی۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ ایک خاموش صبیح انسان تھے مگر ان کی قربانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عزت بخشی کہ صبح حدیبیہ کے وقت تمام صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص مکہ میں جانے کے قابل ہے تو وہ عثمانؓ ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ مکہ گئے اور چونکہ ان کی رشتہ داری مکہ میں بہت زیادہ تھی۔ دو سوائے ان سے کہا کہ آپ کعبہ کا حواف کریں مگر حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔ حضرت عثمانؓ کو مکہ والوں سے بات چیت کرتے ہوئے دیر ہو گئی اور اندھیرا ہونے لگا۔ تو مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے وہ ابھی تک واپس نہیں لوٹے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو آپؐ نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور ان میں بیعت لی وہ ایک ہی بیعت تھی جو آپؐ نے موت کے نام پر لی۔ اس بیعت کے موقع پر آپؐ نے صحابہؓ سے یہ

افزادہ کیا کہ ہم دشمن کے مقابلہ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے چاہے ہم سب کے سب مارے جائیں۔ جب سب صحابہؓ بیعت کر چکے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ اوقات عثمانؓ یہاں نہیں ہے۔ اور ممکن ہے وہ مارا گیا ہو۔ لیکن چونکہ اس کے زندہ ہونے کا بھی امکان ہے اس لئے (آپؐ) اپنا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا میں عثمانؓ کی جگہ اپنا ہاتھ بیعت کے لئے رکھتا ہوں۔ اب دیکھو عثمانؓ کے لئے یہ کتنا بڑا اعزاز تھا۔ اس کے مقابلہ میں اگر ان کی ہزار سالہ زندگی بھی قربان ہو جاتی تو بیس بھی۔ لیکن اگر حضرت عثمانؓ کو پتہ ہوتا کہ مجھے یہ اعزاز ملے والا ہے اور میرے لئے فلاں فلاں انعامات مقدر ہیں اور وہ حضرات انعامات کا لالچ کرتے ہوئے ایمان لے آتے تو ان کے ایمان کی کیا حقیقت رہ جاتی۔

اسی طرح حضرت علیؓ جب ایمان لائے تو وہ ابھی بچے ہی تھے اور وہ بھی یہ سمجھ کر ایمان لائے تھے کہ مجھے سلام کے لئے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے پڑیں گے یہاں تک کہ اگر جان قربان کرنے کا وقت آیا تو مجھے اپنی جان بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کرنی پڑے گی۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کے ابتدائی ایام میں ایک دعوت کی جس میں جو عبدالمطلب کو بلایا۔ تاکہ ان تک پیغام حق پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپؐ کے بہت سے رشتہ دار اس دعوت میں شریک ہوئے۔ جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو آپؐ نے کھڑے ہو کر تقریر کرنا چاہی۔ مگر ابولہب نے ان سب لوگوں کو منتشر کر دیا اور وہ آپؐ کی بات سننے بغیر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ آپؐ بہت حیران ہوئے کہ یہ

ہے لوگ ہیں جو دعوت کھا کر بھی بات نہیں سنتے مگر آپ
یا یوس نہیں ہوئے بلکہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دوبارہ
ان کی دعوت کی جائے۔ چنانچہ دوبارہ ان سب کو کھانے پر
مدعو کیا گیا۔ جب وہ میر ہو کر کھا چکے تو آپؐ کھڑے ہوئے
اور فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کا یہ تم پر کتنا بڑا احسان ہے
کہ اس نے اپنا نبی تمہارے اندر بھیجا ہے۔ میں جیسے خدا کی
طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم میری بات مانو گے تو تم دینی اور
دنوی نعمات کے وارث قرار پاؤ گے۔ کیا تم میں سے کوئی
ہے جو اس کام میں میرا مددگار بنے؟ یہ سن کر ساری مجلس
پرستنائے کی سی حالت طاری ہو گئی مگر ایک ایک
کونے سے ایک نو عمر بچہ اٹھا اور اس نے کہا کہ گو میں
ایک کمزور ترین فرد ہوں اور عمر میں سب سے چھوٹا ہوں مگر
میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ یہ بچے حضرت علیؓ تھے جنہوں نے
اس وقت اسلام کی تائید کا اعلان کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ
نے حضرت علیؓ کو یہ عظیم الشان قربانی کرنے کی توفیق عطا
فرمائی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے
لئے رات کے وقت اپنے گھر سے نکلنا چاہا۔ تو آپؐ نے
حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ تاکہ
کفار اگر جھانک کر دیکھیں تو انہیں یہ دکھائی دیتا ہے
کہ کوئی شخص بستر پر سو رہا ہے اور وہ تعاقب کے لئے
ادھر ادھر نہ نکل کھڑے ہوں۔ اس وقت حضرت علیؓ
نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ مکان کے ارد گرد تو قریش کے
پسندیدہ نوجوان ہاتھ میں تلواریں لئے کھڑے ہیں اگر صبح کو
انہیں معلوم ہوا کہ آپؐ کس باہر تشریف لے جا چکے ہیں تو
وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر دیں گے۔ بلکہ وہ بڑے اطمینان
کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے
اور آپؐ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی۔ جب صبح ہوئی اور

قریش نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے
حضرت علیؓ آپؐ کے بستر سے اُٹھے ہیں تو وہ اپنی ناکامی
پر رات میں کہہ گئے۔ اور انہوں نے حضرت علیؓ کو
بکڑ کر مارا پیٹا۔ مگر اس سے کیا بن سکتا تھا۔ خدا کی
نوشتے پورے ہو چکے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سلامتی کے ساتھ مکہ سے باہر جا چکے تھے۔ اس وقت
حضرت علیؓ کو کیا معلوم تھا کہ مجھے اس ایمان کے بدلے میں
کیا ملنے والا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس قربانی
کے بدلے میں صرف حضرت علیؓ ہی عزت نہیں پائیں گے
بلکہ حضرت علیؓ کی اولاد بھی عزت پائے گی۔ چنانچہ اللہ
تعالیٰ نے حضرت علیؓ پر پہلا فضل تو یہ کیا کہ ان کو رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف بخشا اور دوسرا فضل
اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے دل میں ان کے لئے اتنی محبت پیدا کی کہ آپؐ نے
بار بار ان کی تعریف فرمائی۔ جب حضرت علیؓ طری عمر کو
پہنچے ہوئے تو ان کو اللہ تعالیٰ کے یہ فضل دیکھ کر کتنا فخر
محسوس ہوتا ہوگا۔ اور ان کو کتنی راحت ہوتی ہوگی۔ پھر
ایک دفعہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ
کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو
مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ
کیا آپؐ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ چلے ہیں۔ آپؐ
نے فرمایا۔ اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَتْ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ
هَارُوْتَ مِنْ مَّوْصٰی (ترمذی جلد ۲ باب المناقب)
یعنی اے علیؓ! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری مجھ سے
وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ یعنی ہارون
کو بھی تو موسیٰ اپنے پیچھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پھر کیا
ہارون کی عزت کم ہو گئی تھی۔ اب دیکھو یہ اعزاز جو
حضرت علیؓ کو حاصل ہوا۔ اس کے مقابلہ میں ان کی قربانیاں

حضرت علیؓ کی اولاد کو دیکھو کہ اتنی پشتیں گزرے کے بعد بھی خدا تعالیٰ ایک بادشاہ کو رویا میں ڈرانا ہے۔ اور اُن سے سُن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اگر حضرت علیؓ کو اس اعزاز کا پتہ ہوتا اور اُن کو غیب کا علم حاصل ہوتا اور وہ محض اسی عزت افزائی کے لئے اسلام قبول کرتے تو ان کا ایمان صرف سودا اور دکاندازی رہ جاتا۔ کسی انعام کا موجب نہ بنتا۔

اسی طرح حضرت خدیجہؓ جب ایمان لائیں تو اُن کو کیا معلوم تھا کہ اس ایمان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے کیا کچھ برکات مقدر کر رکھی ہیں بیشک انہوں نے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے اپنا تمام مال قربان کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ مکہ کی متول ترین عورت ہوتے ہوئے غربت اور تنگدستی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اور پھر شعب ابی طالب میں متواتر تین سال تک انہوں نے ایسی تکالیف برداشت کیں کہ انہی کے نتیجہ میں آپؐ ہاں سے نکلنے ہی انتقال فرما گئیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی قربانیوں کو ایسا نواز کہ آج تک عالم اسلام اُن کا نام عزت اور ادب کے ساتھ بے درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُن کی ایسی محبت ڈالی کہ جنگ بدر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص جو بھی تنگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے قید ہو کر آئے تو آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے جو ابھی مکہ ہی میں اُن کے ذبیہ کے طور پر اپنے گلے کا مارا تھا کہ بھیج دیا۔ یہ وہ مار تھا جو حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مار کو دیکھا تو آپؐ کو حضرت خدیجہؓ یاد آ گئیں۔ اور آپؐ کی آنکھوں میں آنسو ڈھلکا آئے۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ اگر تم جاؤ تو خدیجہؓ کی یادگار

کیا چیز تھیں۔ اسی طرح اس امت کے اکثر اولیاء اور صوفیاء حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہی تھے۔ اور پھر اُن کے ذریعے خدا تعالیٰ نے ایسے ایسے معجزات ظاہر کئے کہ اُن کو دیکھ کر حیرت آتی ہے۔

حضرت سیح موعود علیہ السلام سے میں نے ایک واقعہ سنا ہوا ہے کہ ہارون الرشید نے امام موسیٰ رضاؑ کو کسی وجہ سے قید کر دیا۔ اور اُن کے ہاتھوں اور پاؤں میں رستیاں باندھ دی گئیں۔ اُس زمانہ میں سپہرنگ دار گدیے تو نہ تھے۔ عام روٹی کے گدیے ہوتے تھے۔ ہارون الرشید اپنے محل میں آرام دہ گدیوں پر سویا ہوا تھا کہ اُس نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اور آپؐ کے چہرہ پر غضب کے آثار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہارون الرشید! تم مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔ مگر تمیں شرم نہیں آتی کہ تم تو آرام دہ گدیوں پر گہری نیند سو رہے ہو۔ اور ہمارا بچہ شدت گرمایں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے قید خانہ کے اندر پڑا ہے۔ یہ نظارہ دیکھ کر ہارون الرشید بیتاب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اور ایک کمانڈر کو ساتھ لے کر امی محل خانہ میں گیا اور اپنے ہاتھ سے اُن کے ہاتھوں اور پاؤں کی رستیاں کھوئیں۔ انہوں نے ہارون الرشید سے کہا۔ آپؐ تو اتنے مخالف تھے اب کیا بات ہوئی کہ خود جل کر یہاں آ گئے۔ ہارون الرشید نے اپنا خواب سنایا اور کہا میں آپؐ سے معافی چاہتا ہوں میں اصل حقیقت کو نہ جانتا تھا۔ اب دیکھو اُس زمانہ میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں کتنا بڑا فاصلہ تھا۔ ہم نے کئی یادشاہوں کی اولادوں کو دیکھا ہے کہ وہ در بدر کھٹکھٹاتی پھرتی ہیں۔ میں نے خود دینی میں ایک مسقر دیکھا جو شاہان مغلیہ کی اولاد میں سے تھا۔ وہ لوگوں کو پانی پلاتا پھرتا تھا مگر اُس میں اتنی حیا ضرور تھی کہ مانگتا کچھ نہ تھا۔ دوسری طرح

اُن کی بیٹی کے پاس محفوظ رہے۔

یہی طرح حضرت خدیجہؓ کی وفات کے کئی سال بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اپنے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہؓ آپ سے ملنے کے لئے آئیں اور دو دانے پر کھڑے ہو کر انہوں نے کہا۔ کیا میں اللہ آسکتی ہوں۔ ہالہؓ کی آواز چونکہ اپنی بہن حضرت خدیجہؓ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ اس لئے اس آواز کے کان میں پڑتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو گئی۔ آپ بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ آہ میرے خدا! یہ تو خدیجہؓ کی آواز معلوم ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایسا احسان کیا کہ ہر ایک کے مواجہ حضرت ماریہؓ قطیفہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہی پیدا ہوئی۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپ کے تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے تو سب کے سب بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ مگر حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ چاروں لڑکیاں زندہ رہیں۔ اور اسلام میں داخل ہوئیں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بطن سے ہی پیدا ہوئے تھے جو حضرت خدیجہؓ کی صاحبزادی تھیں۔ اور انہی کی اولاد آج سادات کہلاتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی تمام نسل کو اپنے غیر معمولی انعامات سے نوازا۔ لیکن اگر حضرت خدیجہؓ کو یہ معلوم ہوتا کہ انہیں ایک دن یہ اعزاز حاصل ہونے والا ہے کہ تمام عالم اسلام انہیں ام المومنین کہیگا اور قیامت تک انکی نسل کو معزز اور کرم قرار دیا جائیگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بلکہ محض اس عزت اور مقام کے حصول کے لئے ایمان لائیں تو ان کا ایمان لانا ان کے کس کام آتا۔ یہی طرح ابو جہل جو سمجھتا تھا کہ میں محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مار ڈالوں گا اور اسلام کو مٹا دوں گا۔ اگر اس کو یہ علم ہوتا کہ اسکی مخالفت نہ کو شمشول کے باوجود اسلام دنیا میں پھیل جائیگا اور دنیا میں اس کا نام لعنت کے ساتھ دیا جائیگا بلکہ خود اس کا بیٹا اسلام میں داخل ہو جائیگا اور وہ اسلام کیلئے دشمنوں سے لڑنا ہوا ملا جائیگا تو وہ کبھی اسلام کے خلاف اپنی آواز بلند نہ کرتا۔ غرض اگر پردہ غیب حائل نہ ہوتا تو نہ ابو بکرؓ ابو بکرؓ ہو سکتا۔ نہ ابو جہلؓ ابو جہلؓ بن سکتا۔ لیکن جہاں نبی اور نبوی کا دوبار پردہ غیب کی وجہ سے چل رہا ہے وہاں مومنوں کے ایمان کی ترقی انکشاف غیب سے متعلق رکھتی ہے۔ جب انبیاء دنیا میں آئے اور لوگوں کو غیب کی خبریں سنائے جن اور پھر مختلف حالات میں اُن کی بتائی ہوئی خبریں پوری ہو جاتی ہیں تو دلوں میں ایک نیا ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی اس طرح عیاں ہو کر لوگوں کے سامنے آ جاتی ہے کہ اُس کے وجود کا کوئی دیا تدار انسان انکار نہیں کر سکتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ کیونچھلے کے احمدیوں اور غیر احمدیوں کا وہاں کا ایک مسجد کے متعلق مقدمہ ہو گیا جس جج کے پاس یہ مقدمہ تھا اُس نے مخالفت رویت اختیار کرنا شروع کر دیا۔ اس پر کیونچھلے کی جماعت نے گھبرا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دُعا کے لئے خط لکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے جواب میں انہیں تحریر فرمایا کہ اگر میں تجا ہوں تو مسجد تم کو مل جائیگی۔ مگر دوسری طرف جج نے اپنی مخالفت بدستور جاری رکھی اور آخر اس نے احمدیوں کے خلاف فیصلہ لکھ دیا۔ مگر دوسرے دن جب وہ فیصلہ سننے کے لئے عدالت میں جانے کی تیاری کرنے لگا تو اُس نے نوکر سے کہا مجھے بوٹ پہنا دو۔ نوکر نے ایک بوٹ پہنایا اور دوسرا ابھی پہنا ہی رہا تھا۔ کہ کھٹ کی آواز آئی۔ اُس نے اوپر دیکھا۔ تو جج کا

ہارٹ فیل ہو چکا تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد دوسرے حج کو مقرر کیا گیا۔ اور اُس نے پہلے فیصلہ کو بدل کر ہادی جٹ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جو دوستوں کے لئے ایک بہت بڑا نشان ثابت ہوا۔ اور اُن کے ایمان آسمان تک جا پہنچے غرض اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے اُمیاء کے ذریعہ متواتر غیب کی خبریں دیتا ہے جن کے پورا ہونے پر مومنوں کے ایمان اور بھی ترقی کر جاتے ہیں۔ یہ غیب کی خبروں کا ہی نتیجہ تھا کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اُن کے دل اس قدر مضبوط ہو گئے کہ اور لوگ تو موت کو دیکھ کر دتے ہیں۔ مگر صحابہؓ میں سے کسی کو جب خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کا موقع ملتا تو وہ خوشی سے اچھل پڑتا۔ اور کہتا کرتا دَسَمْتُ الْغُيُوبَةَ - رُبَّ كَبْهَةٍ كَيْفَ تَسْمَعُ كَيْفَ كَامِيَابٌ هُوَ كَيْفَ - آخر یہ رُوح اُن کے اندر کہاں سے آگئی تھی۔ یہ دہری رُوح تھی جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبریں بتاتا کر مومنوں کے اندر بھردی تھی۔ اگر اُن پر انکشاف غیب نہ ہوتا تو وہ اس اعلیٰ مقام پر کبھی کھڑے نہ ہو سکتے جس پر مسلمان پہنچے۔ پس یہ دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ بنی نوع انسان کے لئے منفعت بخش ہیں غیب بھی اپنی جگہ فائدہ مند ہے اور انکشاف غیب بھی اپنی جگہ نفع دہاں ہے۔ ساری لذتیں غیب کے ساتھ ہیں اور ساری دوحالیت کشف غیب کے ساتھ وابستہ ہے۔

خدا تعالیٰ کی دوسری صفت جس کی طرف ان مقطعات میں توجہ دلائی گئی ہے وہ اسکی صفت سمیع ہے۔ السَّمِيعُ کے معنی ہیں کہ وہ لوگوں کی دُعائیں سُنتا اور انہیں نرالے طور پر قبول کرتا ہے اور یہ کہ اُس کے سوا نہ ذمہ آدمی دوسروں کی دُعائیں سن سکتے ہیں اور نہ مردہ۔ صرف خدا ہی ہے جو لوگوں کی دُعائیں

سُنتا اور اُن کو قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ دیکھو۔ کوئی یورپ میں دُعا مانگ رہا ہوتا ہے۔ کوئی ایشیا میں دُعا مانگ رہا ہوتا ہے۔ کوئی چین میں مانگ رہا ہوتا ہے۔ کوئی جاپان میں مانگ رہا ہوتا ہے۔ کوئی روس میں مانگ رہا ہوتا ہے۔ کوئی مصر شام اور فلسطین میں مانگ رہا ہوتا ہے۔ مگر خدا اُن سب کی دُعائیں سن رہا ہوتا ہے۔ پس اس صفت کے ذریعے بنی نوع انسان کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہارا خدا وہ ہے جو تمہاری دُعائوں کو سُنتے دلا اور تمہاری تمام ضروریات اور حاجات میں کام آنے والا ہے۔ یہی جب بھی کوئی شکل پیش آئے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم خدا کے حضور جھکو۔ اور اس سے دُعا کرو۔ اس کے لئے کسی مل کی ضرورت نہیں۔ کسی ہنر کی ضرورت نہیں۔ کسی طاقت اور قوت کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کے دونوں ہاتھ ہلکے ہوں یا کوئی شخص اتنا نحیف اور کمزور ہو چکا ہو کہ وہ چار پائی سے اٹھ کر نماز کی حرکات بھی ادا نہ کر سکے۔ تب بھی وہ دُعا کر سکتا ہے۔ کیونکہ دُعا ان چیزوں کی محتاج نہیں۔ وہ بیشک لپٹا رہے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا چلا جائے۔ بلکہ اگر اُس کی زبان پر فالج گر جائے اور وہ دُعا کے لئے اپنی زبان بھی نہیں ہلا سکتا۔ تو وہ دماغ میں ہی دُعا یہ فقرات کو دہرا دہرا کرے اور اگر اُس کا دماغ بھی کام کرنے سے رہ جائے تو پھر اُس کا زمانہ عمل ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تک ایک انسان دنیا میں رہتا ہے اور انسانیت کی حدود سے وہ اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔ اُوقت تک ایک معذور سے معذور انسان بھی اس میں حصہ لے سکتا ہے یہاں تک کہ وہ گونگا جس کی زبان نہیں وہ بہرہ جس کے کان نہیں۔ وہ مفنوج جس کے جسم کی حس ماری گئی ہو۔ اور وہ گوشت کا لوتھڑہ بن کر چل پانی پر پڑا ہوا ہو۔ بھی اُسی جو شش و خروش سے اپنے رب سے دُعا کر سکتا

جس طرح ایک نذر دست اور طاقتور انسان -

غرض دعا ایک ایسی چیز ہے جس نے دنیا کے تمام
چھوٹوں اور بڑوں اور امیروں اور غریبوں کو ایک سطح
پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اور دعا ہی وہ ہتھیار ہے جس
کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ
اَمَّا تَنْجِيْبُ الْمُضْطَرِّ اِذَا دَعَا (نمل آیت ۲۸)
وہ کوئی ہستی ہے جو بندہ کی دعائے مضطر میں کو مٹیاب
ہو جاتی اور دُور کر اُس کے پاس آ جاتی ہے۔ فرمایا۔ وہ جس
ہوں۔ پس یہ عمل سب اعمال سے زیادہ طاقتور ہے
بیشک نماز بھی ایک ضروری چیز ہے۔ روزہ بھی ایک
ضروری چیز ہے۔ زکوٰۃ بھی ایک ضروری چیز ہے۔ حج
بھی ایک ضروری چیز ہے۔ جہاد بھی ایک ضروری چیز
ہے۔ مگر دعا وہ عمل ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہا
ہے کہ اگر کوئی مجھے پچھلے دل سے پکارے تو میں ضرور
اُس کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ وَ
اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِي عَنِّيْ خَالِيًّا قَرِيْبًا یعنی جب
کبھی میرے بندے انسانی خداؤں سے ناامید ہو کر
پوچھیں کہ ہمارا آسمانی خدا کہاں ہے۔ ہم پر تو فرعون نے
اور نمرود نے اور شمشاد نے اتنا نصرت کر لیا ہے کہ ہماری
سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کہاں جائیں اور کس طرح ان کے
مصائب اور آفات سے دہائی حاصل کریں تو تو انہیں
کہہ دے کہ ہمیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔
اِنِّیْ قَرِيْبٌ مِّنْ خَوْفِ تَهَادُّسَ تَرْمِیْ اِیَّا ہُو ا ہوں۔ اگر
تمہارا باپ تمہارے کام آ سکتا۔ یا تمہارا چچا تمہاری مدد
کر سکتا۔ یا تمہارا اور کوئی رشتہ دار تمہارے قریب
ہوتا تو تمہیں دُور کر اُس کے پاس جانا پڑتا۔ مگر اب
تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود تمہارا قریب
آیا ہوا ہوں۔ پس تمہاری فریاد سنی جانے میں کوئی
وقت نہیں لگ سکتا۔ دنیا میں تو تمہیں مدد حاصل کرنے

کے لئے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے پاس جانا
پڑتا ہے۔ مگر میں تو آپ دُور کر تمہارے قریب آچکا ہوں
پھر تمہیں کیا مشکل پیش آ سکتی ہے۔

یہ پیغام جو اسلام نے دنیا کے ہر فرد کو دیا
ہے اتنا اہم اور اس قدر عظیم الشان انقلاب پیدا کرنے
والا ہے کہ اس کی موجودگی میں دنیا کا کوئی دُکھ انسان
کو پریشان نہیں کر سکتا۔ دشمن خواہ مسلمان سے بھی بچے
چلے جائیں اگر کوئی شخص سچے دل سے اپنے رب کو پکارتے
تو اللہ تعالیٰ آسمان سے اپنا ہاتھ بڑھا کر ان کی گزریں مرور
سکتا ہے۔ بیشک وہ جہان چھان کر پانی نہیں۔ بیشک
وہ رات اور دن پر پیر کرتے ہیں اگر خدا تعالیٰ اُنکی ہلاکت
کا فیصلہ فرمادے تو وہ ہضیہ یا طاعون یا انفلو انزا کے
کیڑوں کو بھی حکم دے سکتا ہے کہ تم اتنی تعداد میں فلاں
شخص کے اندر داخل ہو جاؤ۔ کہ دنیا کی کوئی دوائی اس پر
اثر نہ کر سکے اور وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو جائے اور
میرا مومن بندہ خوش ہو جائے کہ میں نے اُس کی مدد کی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ اُنکے محلہ میں شاہی دربار
کے بعض آدمی رات کو گانے بجانے کا شغل رکھتے تھے۔ انہوں
نے کئی دفعہ سمجھا یا کہ لوگوں کی خیندیں اور سائیں خراب ہوتی ہیں
تم اس شغل کو ترک کر دو۔ مگر وہ نہ مانے جب انہوں نے بار بار
کہا تو اس خیال کے ماتحت کہ میں یہ محلہ والوں سے مل کر
میں رد کئے کا ہتھیار نہ کریں۔ انہوں نے شاہی پہرہ داروں کا
انتظام کر لیا۔ جب اس بزرگ کو اطلاع ملی تو انہوں نے
کہا اچھا انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے فوج بلا لی ہے
تو ہم بھی رات کے تیروں سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ معلوم
ہوتا ہے ان لوگوں کے دل میں ابھی کچھ نیکی باقی تھی بخوبی
ان لوگوں کے کان میں یہ آواز پڑی کہ ہم رات کے تیروں کے
مقابلہ کریں گے۔ وہ دوڑتے ہوئے اُس بزرگ کے پاس
آئے اور کہنے لگے۔ ان تیروں کے مقابلہ کی ہم میں طاقت

نہیں ہم اپنے شخص سے باز آئے ہیں دعا ایک ایسا ہتھیار ہے کہ اگر کوئی شخص کامل یقین اور پختہ ایمان کے ساتھ اس سے کام لے تو بظاہر ناممکن نظر آنے والی باتیں بھی اس کے لئے ناممکن ہو جاتی ہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں رو دیا پر گیا۔ بھائی عبدالمصاحب جو بچپن میں میرے استاد رہے ہیں اور کچھ اور دوست میرے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ جب ہم کشتی میں بیٹھے ہوئے دریا کی میر کر رہے تھے تو میرے ڈسکے ناصر احمد نے اپنے بچپن کے لحاظ سے کہا کہ آبا جان! اگر اس وقت ہمارے پاس بھلی بھی ہوتی تو بڑا مزہ آتا۔ میں نے کہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یا یوں میں خواجہ خضر کی حکومت ہے۔ اگر خواجہ خضر کو کئی بھلی ہماری طرف پھینک دیں تو تمہاری یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ جب میں نے یہ فقرہ کہا۔ تو بھائی عبدالمصاحب صاحب جھنجھلا کر کہنے لگے کہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں! اس بچے کی عقل ماری جائیگی میں نے کہا۔ ہمارے خدا میں تو مسلماتیں ہیں وہ چاہے تو ابھی بھلی بھجوا دے۔ میں نے یہ فقرہ ابھی ختم ہی کیا تھا کہ یکدم پانی کی ایک لہر اٹھی اور ایک بڑی بھلی کود کر ہماری کشتی میں آگئی۔ میں نے کہا دیکھ بیٹھے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت نمائی کر دی۔ اور ہمارے دل میں جو خواہش پیدا ہوئی تھی۔ وہ اُس نے پوری کر دی۔ خواجہ خضر بے شک وفات پا چکے ہوں مگر ہمارا خدا جو ہمارا خالق اور مالک ہے اور سُبْحٰنَہُ الْعِظَامُ ہے وہ تو زندہ ہے اور وہ ہمارے جذبات کو جانتا ہے اُس نے اس خواہش کو دیکھا اور میری بات کو پورا کر دیا۔

اسی طرح ایک دفعہ بڑی پیش کے بعد بارش آئی جس کمرہ میں میں رہتا تھا۔ اُس کی کھڑکی میں نے کھولی اور بارش کا نظارہ دیکھنے لگا۔ چونکہ بڑی دیر کے بعد بارش آئی تھی۔ اس لئے مجھے اس بارش کا بڑا مزہ آیا۔ مگر

اُس روز مجھے ہمیشہ کی شکایت تھی۔ میں ابھی بارش کا نظارہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے اجابت محسوس ہوئی جب میں جانے لگا تو جیسا ختمہ میرے منہ سے نکلا کہ خدا یا! تو ایسا فضل فرما کہ خواہ درمیانِ عمر میں یہ بارش بند ہو جاوے جب میں واپس آؤں تو پھر بارش شروع ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جونہی میں گیا۔ بارش بند ہو گئی۔ اور جب میں کمرہ میں واپس آیا اور میں نے دوبارہ کھڑکی کھولی تو یکدم بارش شروع ہو گئی جو آدھ گھنٹہ یا یوں گھنٹہ تک جاری رہی۔ اب دیکھو بارش میرے اختیار میں نہیں تھی مگر خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ آدھ گھنٹہ میں پہنچا اور آدھ گھنٹہ میں شروع ہو گئی۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ الاولیٰ جنی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک جماعت نے بڑے اصرار سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ جب میں واپس آ رہا تھا تو چلتے چلتے کسی آئندہ خرچ کے خیال سے میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک روپیہ کم تھا۔ اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ کہ اللہ سیال مجھے ایک روپیہ بھیجے۔ ابھی میرے دل سے یہ دعا نکل ہی رہی تھی کہ قریب کے گاؤں سے ایک آدمی ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ جماعت کے دوست جلدی سے حفاظت کے لئے میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ میں نے کہا کیا ہوا۔ کہنے لگے یہ ہمارے سلسلہ کا شدید دشمن ہے اور احمادیوں پر اکثر حملے کرتا رہتا ہے ہم آپ کے گرد اس لئے کھڑے ہو گئے ہیں کہ وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ جب ہم اُس گاؤں کے قریب پہنچے تو وہ دوڑتا ہوا آیا اور میرے ساتھیوں کو دھکا دیکر آگے بڑھا اور پھر اُس نے ادب کے ساتھ میری طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک روپیہ میرے ہاتھ پر رکھ کر چلا گیا۔ میں نے کہا۔ آپ لوگ تو کہتے تھے کہ یہ مارنے آیا ہے اور اُس نے تو ایک روپیہ نذرانہ کے طور پر دے دیا ہے پھر میں نے انہیں بتایا کہ ابھی میرے دل میں خیال آیا تھا

کہ خدا مجھے ایک روپیہ بھیجے۔ سو خدا نے اس شخص کو بھیج دیا اور اس نے مجھے ایک روپیہ بذرانہ کے طور پر دے دیا۔ غرض انسان کو اگر خدا تعالیٰ پر کامل یقین ہو تو وہ اُسکے لئے بڑے بڑے نشانائے ظاہر کر دیتا ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے ایک امت کے تین آدمی ایک دفعہ ایک طوفان میں پھنس گئے اور وہ اُس طوفان سے پہلے اپنے لئے ایک پہاڑ کی غار میں چھپ گئے۔ اتفاقاً زور کی جو آندھی آئی تو پتھر کی ایک بڑی بھادی ہل اڑھاک کر اُس غار کے منہ کے آگے آگئی اور نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ وہ ایک چھوٹی مصیبت سے بچنے کے لئے پہاڑ کی غار میں گئے تھے مگر اُس سے بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔ اُس جنگل میں جب کہ ایک پہاڑ کی غار میں جو بس تھے کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو انہیں اس مصیبت سے نجات دلاتا وہ سخت گھبرائے اور جب انہیں اپنی نجات کی کوئی صورت دکھائی نہ دی تو ایک شخص کو دھاک کی تحریک ہوئی اور اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آؤ ہم نے اپنی عمریں جو سب سے زیادہ نیکی کا کام کیا ہے اُس کا واسطہ دے کر خدا تعالیٰ سے کہیں کہ وہ اس پتھر کو ہٹا دے۔ تب اُن میں سے ایک نے کہا کہ اے خدا! مجھے معلوم ہے کہ ایک مزدور میرے پاس آیا۔ اُس نے میری مزدوری کی اور پھر مشیر اس کے کہ وہ مجھ سے اجرت لیتا چلا گیا۔ جس نے اُس کی اجرت کے پیسوں سے تجارت شروع کی اور اُس میں سے نفع اٹھاتے ہوئے ایک بکری خریدی۔ اُس بکری سے اور بکریاں پیدا ہوئیں۔ یہاں تک کہ سینکڑوں بکریوں اور بھیڑوں کا گلدہ میرے پاس ہو گیا۔ وہ کئی سال کے بعد میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میری اٹھتی رہتی ہے وہ مجھے دی جائے۔ جس اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور سینکڑوں بکریوں اور بھیڑوں کا گلدہ اُسے دکھا کر کہا

یہ تیری امانت ہے اے لے جا۔ وہ کہنے لگا۔ مجھ سے کیوں مذاق کرتے ہو۔ میری صرف اٹھتی رہتی تھی وہ مجھے دید و - جس نے اُسے کہا۔ اُس اٹھتی سے ہی میں نے تجارت شروع کی تھی اور اب اس قدر بھیڑ و بکریاں ہو گئی ہیں۔ وہ کہنے لگا۔ پھر تو یہ میری نہ ہوئیں۔ تمہاری ہوئیں۔ جس نے اُسے کہا۔ نہیں میں نے اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے لئے تجارت کی تھی تب وہ نہایت ہی حیران ہوا۔ مگر میرے مجبور کرنے پر وہ بھیڑوں اور بکریوں کے گلوں کو ہانک کر اپنے گھر لے گیا اے خدا اگر میں نے یہ کام تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا تو تو مجھ پر رحم فرما اور یہ پتھر راستہ سے ہٹا دے۔ اس دعا کے فیجہ میں زور سے آندھی کا ایک طوفان اٹھا اور وہ پتھر را سا لڑھک گیا۔ مگر ابھی اُن کے نکلنے کا راستہ نہ بنا۔ تب دوسرے نے کہا اے خدا تو جانتا ہے کہ مجھے ایک لڑکی سے جو میری رشتہ دار تھی بڑی محبت تھی مگر وہ کسی طرح میرے قابو میں نہ آتی تھی۔ ایک دفعہ ملک میں شدید قحط پڑا۔ اور وہ اور اُس کے رشتہ دار بھوکے مرنے لگے۔ آخر مجبور ہو کر وہ لڑکی میرے پاس مدد کے لئے آئی۔ جس نے اسے کہا کہ میں تمہاری مدد کے لئے تو تیار ہوں مگر پہلے تم میرے ساتھ ہمبستری کرو۔ وہ مجبوراً اس کام کے لئے رضا مند ہو گئی جب میں اُس کے قریب گیا۔ تو اس لڑکی نے کہا۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیکر کہتی ہو کہ تو مجھے گناہ میں مبتلا مت کر۔ یہ سنتے ہی میں الگ ہو گیا۔ اور میں نے کہا۔ اب تو نے ایک بڑی ذات کا مجھے واسطہ دیا ہے میں اُسی کی رضا کے لئے اس کام کو ترک کرتا ہوں بنا پھر وہ لڑکی اٹھی اور اپنے گھر چلی گئی اور میں نے روپیہ بھی اُسے دے دیا۔ اے خدا! اگر میں نے یہ کام محض تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا تو تو اس پتھر کو ہٹا

راستہ سے ہٹا دے۔ تب پھر زور سے ایک فان اٹھا اور پتھر پھوڑا سا اور سرک گیا۔ مگر راستہ پھر بھی نہ بنا کیونکہ چٹان بہت بڑی تھی اور ابھی وہ اتنی نہیں ٹھنکی تھی کہ ان کے نکلنے کا راستہ بن جاتا۔ تب تیسرا شخص خدا تعالیٰ کے حضور جھکا۔ اور اس نے کہا۔ اے خدا! مجھے معلوم ہے کہ میں بکریاں چرایا کرتا ہوں اور دودھ پر میرا گزارہ ہے۔ ایک دن مجھے بکریاں چراتے چراتے دیر ہو گئی اور میں جلدی گھر نہ پہنچ سکا۔ میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور بچے چھوٹے چھوٹے جب میں گھر پہنچا تو میرے ماں باپ سوچے تھے اور بوی بچے جاگ رہے تھے اور بھوک کی وجہ سے میرا انتظار کر رہے تھے جب میں پہنچا تو انہوں نے کہا لاؤ ہمیں دودھ پلاؤ۔ تاکہ ہم دودھ پی کر سو جائیں مگر میں نے کہا جب تک میرے ماں باپ دودھ نہ پی لیں کسی اور کو دودھ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ میں نے دودھ کا پیالہ بھرا اور اپنے والدین کی پابندی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میری بوی زادی کتنی رہی اور میرے بچے چھینے رہے مگر میں نے ان کی چیخ و پکار کی کوئی پروا نہ کی اور دودھ کا پیالہ اپنے ہاتھ میں لئے برابر کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اسوقت میرے والدین اٹھے تو میں نے انہیں دودھ پلایا اور پھر اپنی بوی اور بچوں کو دودھ پلایا۔ اے خدا! اگر میرا یہ کام محض تیری رضا اور خوشنودی کے لئے تھا اور دنیا کی کوئی غرض اس میں نہ تھی تو تو مجھ پر رحم فرما اور اس پتھر کو راستہ سے ہٹا دے۔ تب پھر زور کا ہوفان اٹھا اور پتھر ٹھٹھک کر نیچے گر گیا۔ اور وہ تینوں شخص غار سے باہر نکل آئے

(دریاض الصالحین ابواب الاخلاص والنیۃ)

غرض دعا ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ جو ہر مصیبت میں انسان کے کام آتا۔ اور اسے ہر قسم کی

مشکلات سے رہائی عطا کرتا ہے۔ اتنے بڑے ہتھیار کے ہوتے ہوئے بڑا ہی نادان وہ شخص ہے جو مصیبت کے آنے پر کسی اور کی طرف بھاگے اور اس سے مدد مانگے۔ سچا مومن دی ہے جو اپنی ہر ضرورت خدا تعالیٰ سے مانگے یہاں تک کہ اسے اگر اپنی جوتی کے لئے تسمہ کی بھی ضرورت ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے اور اس امر پر کامل یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ اور وہ اسے اپنے دروازے سے کبھی خامب و خامرواپس نہیں لوٹا یگا جب مومن کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ سب دنیا کو بھول جاتا اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا حقیقی کارساز سمجھتا ہے میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بیان کیا ہے کہ ہمدانی جماعت کے ایک دوست مولوی امام الدین صاحب جو گوئی صلیح گجرات کے رہنے والے اور قاضی اکمل صاحب کے والد تھے۔ اور آب فوت ہو چکے ہیں وہ ایک صوفی مفتش آدمی تھے۔ اور مجھے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ وہ روزی مقام احمدیت میں ہمیں نصیب نہیں ہو سکا جس کے متعلق ہم بہت کچھ سنا کرتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ وہ کیا مقام تھا جس کا آپ ذکر سنا کرتے تھے کہنے لگے ہمارے پر صاحب کہا کرتے تھے کہ جو شخص ہماری صحبت میں چند دن رہے اسے ہم عرش پر سجدہ کر سکتے ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے میں احمدیت کو اپنی پہلی حالت سے بالا تو تسلیم کرتا ہوں۔ مگر وہ نظارہ مجھے احمدیت میں نظر نہیں آتا۔ میں نے ان کو ایک طبقہ سنا یا کہ حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک صوفی طرز کے پیر نے جب سنا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی ہے تو اس نے اپنے ایک مرید کے ذریعہ مجھے کہلا بھیجا کہ مرزا صاحب کو مان کر اور ان کی بیعت کر کے کیا حاصل ہو سکتا ہے اگر

آپ میری بیعت کریں تو مجھے اتنا کمال حاصل ہے کہ میں
آپ کا پہلا سجدہ ہی عرش پر کھڑا ہوں جب اس کے مُرد
نے مجھے صوفی کا یہ پیغام سنایا تو میں نے کہا بھیجا کہ مجھے
عرش پر سجدہ کرنے سے جو تیل نہ پڑی گی۔ خدا تعالیٰ
کہیں گے میں نے زمین پر سجدہ کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ اور
تو آسمان پر سجدہ کرنے آگیا ہے۔ اس پر مولوی امام الدین
صاحب مرحوم کہنے لگے۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر اس سے
میری تسلی نہیں ہوئی۔ غرض وہ جب بھی مجھ سے ملتے
اسی قسم کی بات کرتے۔ اور میں کسی نہ کسی رنگ میں انکو
جواب دیا کرتا۔ مگر ان کے دل کی غش دور نہ ہوتی۔
آخر ایک دن میں نے ان سے کہا۔ مولوی صاحب! بھی
آپ نے سوچا ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نظر آجائے
اور اُسے اتنے کمالات حاصل ہو جائیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے
عرش پر سجدہ کرنے لگ جائے تو ایسے آدمی کی کیا
حالت ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کا کفیل خود خدا تعالیٰ ہو
جاتا ہے اور اُسے بندوں کی کوئی احتیاج نہیں رہتی
بلکہ وہ جو کچھ مانگتا ہے خدا تعالیٰ ہی سے مانگتا ہے۔
اور چاہے بندے اُس کی کی مدد کریں لیکن اُسکی حالت
يَنْظُرُكَ رَجُلًا ذُو حَيٍّ اِلَيْهِمْ غَيْرِ مِنَ السَّمَاءِ اِلَيْهِمْ
ہوتی ہے۔ اور جو دُک اُس کی مدد کرتے ہیں وہ خود محتاج
ہوتے ہیں ایسی بات کے کہ اس کی مدد کریں۔ وہ اس
بات کا محتاج نہیں ہوتا کہ کوئی اُس کی مدد کرے۔ ایسے
شخص کو کچھ دینے والا سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں اس کی مدد
کر رہا ہوں۔ مگر لینے والا سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں اس سے
لیکر اس پر احسان کر رہا ہوں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ
دینے والا ذیادہ ہو یا بکر اُسے خدا تعالیٰ نے ہی میری
مزدوروں کو پورا کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ میں کسی ذیادہ
یا بکر کا ہرگز محتاج نہیں۔ ایسے شخص کو چاہے کسی ذریعہ
کوئی چیز پہنچے وہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا نے مجھے بھیجی ہے

آپ بتائیں کہ کیا آپ کے پیر صاحب کو بھی یہ مقام
حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام ضروریات کو پورا کرتا
ہو؟ جب میں نے ان سے یہ سوال کیا تو وہ خاموش
ہو گئے اور کہنے لگے میں آپ سمجھ گیا ہوں۔ ہمارے
پیر صاحب جو کہتے تھے کہ ہم یوں نظارے دکھاتے ہیں
اور عرش پر سجدہ کرا دیتے ہیں۔ جب کبھی فصل وغیرہ کا
موقعہ آتا تو زمینداروں کے پاس جاتے اور ان سے کہتے
کہ ہمارا بھی خیال رکھنا۔ اب میں اس بات کو اچھی طرح
سمجھ گیا ہوں کہ اگر فی الواقعہ اُن کا خدا تعالیٰ کے ساتھ
سچا تعلق ہوتا تو کسی بندے سے کیوں کہتے کہ میرا بھی
خیال رکھنا۔ غرض خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے ساتھ
دیکھ لینے والے کے سامنے صرف خدا تعالیٰ کی ہی ذات
رہتی ہے اور وہ اُسی سے اپنی ہر ضرورت طلب کرتا
اور اُسی کو حقیقی کارساز سمجھتا ہے۔ مگر جہاں ایک مومن
کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہمیشہ
دُعائیں مانگتا رہے وہاں اُس کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا
ہے کہ وہ لالچ اور حرص کے جذبات سے کلیتہً بالا رہے
اور کبھی خدا تعالیٰ کا شکوہ اپنی زبان پر نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ
مومنوں کو اس بارہ میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے
كَذَٰلِكَ نُنْذِرُكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِآلِهٖ اَزْوَاجًا
مِنْهُمْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا لِنَنْفِقَنَّهُمْ فِیْہِ
وَدَّرَقَ رَبِّكَ خَيْرًا وَّ اَبْقٰی (سورہ ایت ۱۲۲)
یعنی تم اپنی دنیا میں کر کے یہ نہ بھجا کرو کہ فلاں کو جو کچھ ملا،
وہ مجھے کیوں نہیں ملا۔ تمہیں کیا پتہ کہ اُس چیز کا ملنا
تمہارے لئے فائدہ بخش تھا یا نہیں۔ اگر دہی کچھ تمہیں
مل جاتا تو ممکن تھا تم تکلیف میں پڑ جاتے بے شک
اگر کچھ پس دس رب میرے بھی موجود ہو تو وہ یہ دعا
کر سکتا ہے کہ خدایا میں تیرے مزید فضلوں کا محتاج ہوں
لیکن اگر کسی کے پاس صرف دس روپے ہوں۔ اور وہ

ہر وقت کڑھتا رہے اور ایک بے حسنی اور اضطراب اُس میں پایا جائے اور ۱۱۱ کہے کہ فلاں کے پاس تو سو روپیہ ہے۔ اور میرے پاس صرف دس روپے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کا شکوہ کرتا پھرے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اُس کے انعاموں کو طلب کرو مگر ہمیشہ یہ عادت ڈالو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں جس مقام پر رکھا ہے اُس مقام کے متعلق تمہارے دل میں کسی غمی پیدا نہ ہو۔ اور تم یہ نہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں گمراہ کیا ہوا ہے اور تمہارا غیر تم سے اچھا ہے۔

مشغولی رومی والوں نے ایک حکایت لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ایک سپہ سالار نے ایک ایسا سانپ پکڑا جو کسی اور سپہ سالار کے پاس نہیں تھا۔ وہ سانپ اُس نے نہایت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اُس کے دوست آشنا آتے تو وہ بڑے شوق سے وہ سانپ اُنکو دکھاتا۔ ایک دن جو وہ صبح کو اُٹھا تو اُس نے دیکھا کہ گھڑے میں سے سانپ نکل گیا ہے۔ اتفاقاً اُس کا دھکنا کھلا رہ گیا۔ اور سانپ نکل گیا۔ اب اُسے بڑی گھبراہٹ ہوئی۔ اور اُس نے خدا تعالیٰ کے حضور رونا اور چلانا شروع کر دیا کہ خدایا میرا سانپ مجھے مل جائے۔ خدایا میرا سانپ مجھے مل جائے گھنٹہ دو گھنٹہ دعا کرنے کے بعد وہ گھڑے کا منہ کھول کر دیکھتا کہ سانپ اُس میں واپس آ گیا ہے یا نہیں۔ مگر سانپ کہل آتا۔ وہ پھر دعا میں مشغول ہو جاتا۔ اسی طرح وہ سارا دن اور ساری رات دعا کرتا رہا جب صبح ہوئی تو ایک شخص آیا اور اُس نے اُسے آکر کہا کہ فلاں گھر میں چلیے۔ وہاں ایک نئی قسم کے سانپ نے ایک شخص کو کاٹا ہے اور وہ مر گیا ہے۔ سب سپہ سالار وہاں جمع ہیں سانپ پکڑا ہوا ہے اور آپ کو بھی بلایا گیا ہے تاکہ آپ اُس سانپ کو دیکھیں۔ جب وہ گیا اور اس نے سانپ دیکھا تو وہ وہی تھا جو اُس کے گھر سے بھاگا تھا۔ اور

جس کے لئے جو بیس گھنٹے سے دعائیں کر رہا تھا معلوم ہوتا ہے اُس کے اندر کوئی نیکی تھی جو اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی۔ سانپ اُس کے گھر سے بھاگا اور دوسرے گھر میں چلا گیا۔ دوسرا شخص یہ سمجھ کر کہ یہ نئی قسم کا سانپ ہے اُسے پکڑنے لگا تو سانپ نے اُسے ڈسا اور وہ مر گیا۔ جب اس نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گیا اور کہنے لگا۔ خدایا! میں تو سمجھتا تھا کہ تو نے میری دعا نہیں سنی۔ مگر حقیقت تو نے میری دعا سن لی تھی۔ اور اس کا نہ مٹنا میرے لئے مفید اور بابرکت تھا۔ تو ہزاروں دفعہ انسان ایسی خواہشیں کرتا ہے جو معجز ہوتی ہیں اولادیں ہی بعض دفعہ ایسی گندی نکلتی ہیں کہ انسان کے لئے بدنامی کا باعث بن جاتی ہیں اور ان کو دیکھ کر دیکھ کر روتا ہے۔ آخر اتنا تو سوچو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی جب شادی ہوئی ہوگی تو وہ بھی دعا کرتے ہونگے کہ اللہ میاں! ہمیں اپنے فضل سے بٹھا دے۔ مگر ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بھی ایک غریب گھرانے کی تھیں اور آپ کے والد بھی کوئی مالدار آدمی نہیں تھے ان کی شادی بہت معمولی سراپہ سے ہوئی ہوگی اور صرف چند آدمی ہونگے جو اس شادی میں شریک ہوئے ہونگے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ابو جہل کے باپ کی جب شادی ہوئی ہوگی تو کس دھوم دھڑکے سے ہوئی ہوگی۔ اور کس طرح سات سات اٹھ آٹھ دن تک اونٹ ذبح کر کے مکہ والوں کی ضیافتیں کی گئی ہونگی۔ لیکن اس دھوم دھڑکے کی شادی سے ابو جہل پیدا ہوا۔ اور اس چُرپ چاتے کی شادی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ بظاہر ابو جہل کے باپ کی شادی پر دنیا کیستی ہوگی کہ کیا برکت والا گھوڑا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۱۱ مشغولی مولانا روم دفتر دوم۔

کے باب کی شادی پروٹیا کو جم آتا ہو گا۔ اور لوگ کہتے ہوئے کہ کیسا غریب گھرانہ ہے۔ مگر اُس وقت کبھی واہمہ اور گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ جسے یہ ”برکت والا گھر“ سمجھا جاتا ہے وہ عرب کو تباہ کر کے رکھ دیگا اور جس کو قابلِ رحم سمجھا جاتا ہے اُن کی شادی کے نتیجہ میں وہ وجود پیدا ہونے والا ہے جو نہ صرف عرب کو تباہی سے بچائے والا ہو گا بلکہ وہ ساری دنیا کے لئے رحمت اور برکت کا موجب ہو گا۔

غرض کوئی انسان نہیں جانتا کہ وہ جو کچھ اپنے لئے مانگ رہا ہے وہ اُس کے لئے مفید بھی ہو گا یا نہیں۔ اس بات کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہی ہوتا ہے۔ اور جب انسان اس قدر محدود علم رکھنے والا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے کسی سلوک کو یا اُس کی کسی عطا کردہ نعمت کو برا کیوں سمجھے۔ بیشک وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ بھی کہے کہ الہی تیری طرف سے جو بھی خیر نازل ہو۔ اُس کا میں محتاج ہوں۔ اگر وہ دس کروڑ سے تو تم کہو الہی میں دش ادب کا محتاج ہوں۔ لیکن یہ نہ کہو کہ کچھ پر کتنی سختی ہوئی ہے۔ کتنا ظلم ہوا ہے کتنی تکلیف میں میں مبتلا ہوں۔ کیونکہ اس طرح خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری ہوتی ہے جو جائز نہیں۔

تیسری صفت جس کی طرف ان مقطعات میں توجہ دلائی گئی ہے وہ حمیدہ کی صفت ہے۔ حمیدہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ بڑی بزرگی اور شان رکھنے والا ہے قرآن کریم نے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کی اس صفت کی طرف ان الفاظ میں بھی اشارہ فرمایا ہے کہ مَجْلُودٌ هُوَ فِي شَأْنِ (الرحمن ۲۶) یعنی تمہارا خدا وہ ہے جو ہر وقت ایک نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے اور ہمیشہ اپنے

ایسے نشانات ظاہر کرتا ہے جن سے اُس کی اعلیٰ وارفع شان دنیا پر ظاہر ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ دیکھی ہوئی چیز کو دوبارہ دیکھنا انسان کو کوئی خاص لطف نہیں دیتا۔ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے جدت کا مادہ رکھا ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ نئے نئے جلوے اُس کے سامنے ظاہر ہوں۔ جب ریل گاڑی جاری ہوتی تو شروع شروع میں لوگ اسے عجوبہ سمجھتے ہوئے اسپر بھوکوں کے مار ڈالتے تھے لیکن آہستہ آہستہ اُن کا جوش ختم ہو گیا۔ پھر ہوائی جہاز اور دوسری مواصلات نکلیں تو اُن کی طرف توجہ ہو گئی۔ غرض فطرت انسانی کو ہمیشہ نئی چیزوں سے لطف آتا ہے اور وہ نئی نئی چیزوں سے تسلی پاتی ہے۔ کیونکہ جب وہ کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو ایک نئی امید اُس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ شاید کوئی نیا جلوہ مجھے نظر نہ لگا ہے۔ اسی فطرت کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسم بدلتے ہیں اور نئے نئے پہل پیدا ہوتے ہیں اور انسان بھی کبھی اپنے لباس میں تغیر کرتا ہے کبھی مکان میں اور کبھی نئے نئے کھانے تیار کرتا ہے۔ کیونکہ نئی چیز سے انسانی فطرت تسکین پاتی اور ایک لطیف حلقہ صوفس کرتی ہے۔ اسی فطری تقاضا کے مطابق مجھے قرآن پڑھ کر بھی بڑا مزہ آتا ہے لیکن جب کبھی رات کو خدا تعالیٰ میرے کان میں کوئی بات کہتا ہے تو کچھ نہ پوچھو کہ اُس کا کیا مزہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ جو دل کو لذت اور سرور سے بھر دیتی ہے۔ غرض اسلام بتاتا ہے کہ تمہارا خدا حمید ہے اور وہ ہمیشہ اپنی ایسی قدریں ظاہر کرتا ہے جن سے اُس کی اعلیٰ شان اور مجد کا اظہار ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھ لو۔ کتنی نے یہودیوں کی انجیخت پر گورزین کو آردہ بھجوا یا کہ عرب میں جو ایک نیا مدنی نبوت پیدا ہوا،

اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دیا جائے۔ گورزین نے آپ کی گرفتاری کے لئے اپنے سپاہی بھجوا دیئے اور انہیں کہا کہ میری طرف سے انہیں پیغام دے دیا جائے کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ آپ کا کیا قصور ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ آجائیں۔ ورنہ ممکن ہے کسریٰ کی فوجیں عرب پر دھوا بول دیں۔ اور سارا ملک ایک عصبیت میں گرفتار ہو جائے۔ جب وہ پیغام میرے پاس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ تو آپ نے فرمایا ٹھہرو میں تمہیں پھر جواب دوں گا۔ چنانچہ وہ دو دن ٹھہرے اور پھر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دن اور ٹھہر جاؤ۔ میرے دل جب وہ آپ کے لئے توپ نے فرمایا۔ جاؤ اپنے گورزے کہہ دو کہ آج رات میرے خدائے تمہارے خداوند کو مار ڈالو۔ وہ سخت حیران ہوئے کہ آپ نے یہ کیا بات کہی ہے۔ اور انہوں نے پھر آپ سے تھ چلنے کی درخواست کی۔ مگر آپ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں جواب دے دیا ہے۔ جاؤ اور اپنے گورزے یہ بات کہہ دو۔ چنانچہ انہوں نے واپس جا کر گورزے سے یہی بات کہہ دی۔ گورزین نے یہ بات سنی تو وہ کہنے لگا کہ یا تو یہ شخص پاگل ہے اور یا پھر خدا کا سچا نبی ہے۔ ہم چند دن انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کی یہ بات سچی ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یمن کی بند گاہ پر ایک جہاز لشکر انداز ہوا اور اس میں سے ایک مغیر آؤ۔ جو گورزین کے نام ایک سرسبز لٹا لایا۔ گورزین نے لٹا نہ دیکھا۔ تو اس پر ایک نئے بادشاہ کی ٹھہر تھی۔ اس نے وہ ٹھہر دیکھتے ہی اپنے درباریوں سے کہا کہ عرب کے نبی کی بات سچ معلوم ہوتی ہے۔ پھر اس نے خط کھولا تو وہ کسریٰ کے بیٹے شہر ویہ کا تھا اور اس کا مضمون یہ تھا۔ کہ ہمارا باپ سخت ظالم تھا اور اس نے تمام ملک میں تباہی مچا رکھی تھی۔ میں نے اُسے فلاں رات قتل کر دیا ہے اور

اب میں اس کی جگہ تخت حکومت پر بیٹھا ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی مملکت کے تمام لوگوں سے میری اطاعت کا اقرار لو۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اُس نے جو سفاحیاں کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی سفاحی تھی کہ اُس نے عرب کے ایک مدعی نبوت کے متعلق لکھا تھا کہ اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دیا جائے ہم اس حکم کو بھی منسوخ کرتے ہیں۔ دہلوی جلد ۲ ص ۱۵۸۲ و ۱۵۸۳) اب دیکھو۔ کسریٰ نے چاہا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے آپکو سزا دے اور اس طرح دنیا میں آپ کو ذلیل کرے مگر مجیدہ خدانے آپ کی بزرگی اور عظمت کو اور بھی دوبارہ کر دیا اور کسریٰ کو اس کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل کر لیا۔

اسی طرح حضرت نظام الدین صاحب اولیا جو دلی کے ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ان کے زمانہ کا بھی ایک بادشاہ غیاث الدین تغلق انکا مخالف ہو گیا۔ وہ اُس وقت نکالی کی طرف کسی جنگ پر جا رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ جب میں واپس آؤں گا تو انہیں سزا دوں گا۔ ان سے مریدوں نے یہ بات سنی تو وہ بڑے گھبرائے اور انہوں نے شاہ صاحب سے آکر کہا کہ حضور جو لوگ شاہی دربار میں رسوم رکھتے ہیں اگر ان کے ذریعہ بادشاہ کے پاس سفارش ہو جائے تو بہتر ہو گا آپ نے فرمایا۔ ہنوز دلی دور امت۔ ابھی تو اُس نے لڑائی کے لئے جانا ہے اور پھر دشمن سے جنگ کرنی ہے ابھی سے کسی فکر کی کیا ضرورت ہے۔ اس وقت تو وہ دلی میں موجود ہے اور لڑائی کے لئے گیا بھی نہیں۔ پھر آٹھ دس دن اور گذر گئے۔ تو مرید پھر گھبرائے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اور کہا۔ حضور اب تو آٹھ دس دن گذر چکے ہیں اور بادشاہ لڑائی کے لئے جا چکا ہے۔ اب تو کوئی علاج سوچنا چاہیے۔ مگر آپ نے پھر یہی جواب دیا

غرض ہمارا خدا بڑی بزرگ شان رکھنے والا ہے اور جو بھی اس کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرتا ہے وہ اپنی اپنی روحانیت اور درجہ کے مطابق بزرگی حاصل کر لیتا ہے۔ اور جس طرح خدا تعالیٰ کی شان اور عظمت پر عملہ کرنے والا مزا پاتا ہے اسی طرح ■ نوگ جو خدا تعالیٰ کے مقررین پر عملہ کرتے ہیں وہ بھی اپنے کئے کی مزا پائے بغیر نہیں رہتے۔

دنیا میں ہزاروں انبیاء گندے ہیں جن میں سے اکثر کے نام بھی ہمیں معلوم نہیں۔ ان کے جسم ہزاروں میں مٹی کے نیچے مدفون ہیں اور ان کی اپنی قلم لک ■ جماعتیں بھی دنیا میں موجود نہیں۔ مگر چونکہ وہ ایک خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے کھڑے ہوئے تھے اس لئے خدا نے انہیں ایسی بزرگی عطا فرمائی کہ آج بھی اگر ان کی کوئی ہتک کرتا ہے تو خدا آسمان سے انکی مدد کے لئے دوڑ اچلا آتا ہے اور ان کی عزت اور شہرت پر لگایا جانے والا ہر داغ مٹا کر دکھ دیتا ہے۔ غرض طسّہ ستر میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات لطیفہ - سمیع اور جمیع کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس صوۃ میں خدا تعالیٰ کے عالم اسرار ہونے میں اس کے محسن عظیم ہونے اور اس کے سمیع الدعا ہونے اور اس کے صاحب عظمت و جبروت ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان صفات کو واقعات کے رنگ میں ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں پہلی بات ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ یہ آیات ایک ایسی کتاب کی ہیں جو ہر ایک حقیقت کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کتاب کو نازل کرنے والا خدا انسان کی تمام ضروریات کو جانتا اور اس کی نظر کے مخفی اسرار کی نگاہ

کہ ہنوز دینی دُور امت سے جو جس جنگ پر وہ گیا تھا اس کے متعلق خبر لگی کہ اس میں بادشاہ کو فتح حاصل ہو گئی ہے اور وہ واپس آ رہا ہے مگر یہ گھبرائے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور بادشاہ کی واپسی کی خبر دی۔ مگر آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ ہنوز دینی دُور امت۔ ابھی تو وہ دو چار سو سال کے فاصلہ پر ہے۔ ابھی کسی نگر کی کیا ضرورت ہے۔ جب وہ آٹھ دس منزل کے فاصلہ پر پہنچ گیا تو ■ پھر آئے اور انہوں نے کہا کہ اب تو وہ بہت قریب آ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہنوز دینی دُور امت۔ جب وہ اودھ زیادہ قریب آ گیا اور وہ تین منزل تک پہنچ گیا تو پھر آپ کے مرید سخت گھبراہٹ کی حالت میں آپ کے پاس پہنچ کر آپ سے پھر یہی جواب دیا کہ ہنوز دینی دُور امت۔ آخر یکے نہ تیرہ لگا کہ بادشاہ کی فوجیں میل کسا رہی تھیں۔ ان کے مرید یہ خبر سن کر پھر آپ کے پاس آئے اور کہا حضور اب تو وہ دلی کی فصیلوں تک آ پہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہنوز دینی دُور امت ابھی تو وہ فصیل کے باہر ہے۔ اندر تو داخل نہیں ہوا کہ میں گھبراہٹ جو۔ اسی رات دلی عہد نے فتح کی خوشی میں ایک بہت بڑی دعوت کی اور شاہانہ جشن منایا ہزاروں لوگ اس دعوت اور رقص و سرود کی محفل میں شریک ہوئے دلی عہد نے اس دعوت کا انتظام ایک بہت بڑے محل کی چھت پر کیا تھا چونکہ چھت پر بہت زیادہ لوگ اکٹھے ہو گئے تھے اسلئے اچانک چھت نیچے آ گئی۔ اور بادشاہ اور اس کے رفقاء سب دب کر ہلاک ہو گئے۔ صبح جب بادشاہ کی موت کی خبر آئی۔ تو انہوں نے کہا۔ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ ہنوز دینی دُور امت۔

لے مشاہیر اسلام شائع کردہ ادارہ مولوی ۱۵/۱۱
وتذکرۃ الاولیاء حصہ دوم مصنفہ ذیل احمد جعفری ص ۲۲۲

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مبین کا لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔ قرآن کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔ فصل کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔ یہ جن کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔ ایلیح مور کئی چیزوں کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔ مگر کسی الہامی مجموعہ کے متعلق موائے قرآن کریم کے مبین کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے متعلق صرف ایک دفعہ یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ گردہاں مستبین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے نہ کہ مبین کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَأَنزَلْنَاكَ الْكِتَابَ الْمُبِينَ** (الصافات ۴) ہم نے موسیٰ اور ہارون دونوں کو ایک کامل کتاب دی۔ جس میں تمام احکام بیان کئے گئے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم دونوں مضمونوں میں فرق کرتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اس کی نسبت بارہ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ قرآن کتاب کے ساتھ اور دو دفعہ قرآن کے لفظ کے ساتھ۔ پس ایک جگہ مستبین اور دوسری جگہ مبین کا لفظ استعمال کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ وضاحت اور دوسری جگہ وضاحت اور ایضاً کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ استنبات کے معنی واضح ہو جانے کے ہیں اور بات کے معنی واضح ہونے کے بھی ہیں اور واضح کر دینے کے بھی ہیں۔ پس قرآن کریم کے متعلق مبین کا لفظ استعمال فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ قرآن کریم کو دوسری کتب پر یہ ایک نام فضیلت حاصل ہے۔ کہ وہ نہ صرف خود اپنے مطالب کے لحاظ سے واضح ہے اور ایسی صداقتیں بیان کرتا ہے جو ایک ثابت شدہ

حقیقت ہوتی ہیں بلکہ وہ موضوع بھی ہے یعنی وہ دوسری الہامی کتب کی صداقتوں کو بھی واضح کرتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی فضیلت قرآن کریم کو حاصل ہے جس میں اس کے ساتھ اند کوئی کتاب شریک نہیں باقی جس قدر الہامی کتب ہیں ان کا صرف اس قدر کام تھا کہ وہ اپنے مطالب کو واضح کر دیتیں اور اپنے مدعا کو ظاہر کر دیتیں۔ کیونکہ وہ صرف ایک ایک قوم کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ انکو اس سے کوئی تعلق نہیں تھا کہ باقی کتب جھوٹی ثابت ہوتی ہیں یا سچی۔ باقی انبیاء جھوٹے ثابت ہوتے ہیں یا سچے۔ باقی قومیں خدا تعالیٰ کے نور کی داشتات ہوتی ہیں یا محروم ثابت ہوتی ہیں۔ وہ صرف اپنے ذکر کوئے یعنی تھیں یا اپنے حلقہ اور دائرہ تک محدود رہتی تھیں لیکن قرآن کریم چونکہ سب اقوام کو ایک لفظ مرکزی پر جمع کرنے کے لئے آیا ہے وہ نہ صرف بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والے تمام حکام کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے اور ان کے ہر گوشہ کو بے نقاب کرتا ہے بلکہ وہ پہلی کتابوں کی حقیقت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور پہلے نبیوں پر عائد شدہ الزاموں کو دور کرتا ہے اور پہلی کتب کی کوتاہیوں کو دلائل کے ذریعہ اعتراضات پاک کرتا ہے۔ مثلاً انسانی فطرت کے ارتقاء کی طرف اشارہ کر کے یا لوگوں کی دست اندازی کی طرف اشارہ کر کے یا لوگوں کے استنباط کو غلط بنا کر۔ غرض وہ پہلے نبیوں پہلی کتب اور پہلی اقوام کی خوبیوں کو بھی واضح کرتا ہے اور ان پر عائد ہونے والے اعتراضات کو بھی رد کرتا ہے اس طرح وہ گویا مستبین کے مقام سے نکل کر مبین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی مثال کے طور پر دیکھ لو نبی امراء میں جب مہر سے نکل کر کعبان کی طرف آئے تو بائبل بتاتی ہے کہ نبی امراء کے مسائل سے زائد عمر کے لڑنے کے قابل مردوں کی تعداد بارہویں

لے زخرف آیت ۳۰ دُخان آیت ۱۳ لے نساء آیت ۱۷
لے نمل آیت ۱۷ لے نور آیت ۲۶ -

اسی طرح حضرت سلیمانؑ خدا تعالیٰ کے ایک مقدس نبی تھے مگر بائبل نے اُن پر شرک کا الزام لگا دیا اور کہا کہ "جب سلیمانؑ بڑھا ہو گیا تو اُس کی بیویوں نے اُس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اُس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا" (ملاخیا ۱: ۵)۔
پھر لکھا ہے:-

"خداوند سلیمان سے ناواقف ہوا کیونکہ اُس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا۔ پھر یہ شرک سلیمان نے ایسی حالت میں کیا جبکہ خدا تعالیٰ نے دوبار دکھائی دے کر اُس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پراگندہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند نے دیا تھا۔"

(۱- ملاخیا باب ۱ آیت ۱۰-۹)

مگر یا سلیمانؑ! خود باوجود اتنا خطرناک کافر تھا کہ خود خدا اُس پر ظاہر ہوا اور خود دفعہ اُس نے ظاہر ہو کر کہا کہ: دیکھنا غیر معبودوں کی پرستش نہ کرنا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی بیویوں کے حق کو دیکھ کر ایسا فریفتہ ہوا کہ اُنہی غیر معبودوں کے لئے مندر بنائے اور اُن کے آگے سجدہ کرنے لگ گیا مگر قرآن کریم نے آکر بتایا کہ وَكَافَرُوا بِسُلَيْمَانَ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا (بقرہ آیت ۱۰۲) سلیمان نے کفر کی کوئی بات نہیں کی بلکہ اُس پر الزام لگانے والے اور اُسے کافر اور مشرک قرار دینے والے خود کافر اور بے ایمان تھے چنانچہ تاریخی شہادتیں بھی یہی بتاتی ہیں کہ جو قرآن نے بات کہی ہے وہی ٹھیک ہے اور بائبل کی بات غلط ہے۔

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بلیکا میں لکھا ہے:-

"یہ بات تو صحیح ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی بہت سی بیویاں تھیں۔ کچھ اسرائیلی اور کچھ غیر اسرائیلی۔ لیکن نہ تو انہوں نے اُن سے

قبیلہ کو چھوڑ کر جن کی گنتی نہیں کی گئی چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھی۔ اگر باہویں قبیلہ کا بھی اندازہ کر لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ فوجی خدمات سر انجام دینے کے قابل مرد سادھے چھ لاکھ تھے۔ اگر عورتوں بچوں اور بڑھوں کی تعداد معلوم کرنے کیلئے ہم اس تعداد کو دس گنا کریں کیونکہ عام طور پر چھ سے دس فیصد تک ملک کی آبادی فوجی خدمت کے قابل سمجھی جاتی ہے تو یہ تعداد ساٹھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر عقل اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ بنی اسرائیل ساٹھ لاکھ ہوں۔ کیونکہ اقل تو اتنے آدمی مصر سے اتنے قلیل عرصہ میں نکل میں نکل ہی نہیں سکتے تھے جتنے قلیل عرصہ میں وہ نکلے دوسرے یمن یا بارکی بستی جس میں وہ آکر رہے ہیں اچھا آبادی کی متحمل ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اب بھی فلسطین کی آبادی پندرہ لاکھ ہے۔ حالانکہ اب یہودیوں نے امریکہ کی مدد سے اسے آباد کیا ہے۔ پس اس ملک میں جو پہلے سے آباد تھا۔ ساٹھ لاکھ آدمیوں کا آکر بس جانا بالکل خلاف عقل بات ہے۔ پس بائبل بنی اسرائیل کی جو تعداد بتاتی ہے وہ عقلی لحاظ سے کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں سمجھی جا سکتی مگر قرآن کریم نے آکر بتایا کہ یہ بات غلط ہے۔ ۱۱۔ لوگ صرف چند ہزار تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ نَزِ إِلَى الْاَنْبِيَاءِ خَوْفًا وَبِشَارٍ مُّذِ ابْرٰهٖمَ دَخَلَ الْاَوْثَاقَ حَدَرَ الْمَوْتِ۔ (بقرہ آیت ۲۴۴) یعنی کیا مجھے اُن لوگوں کا حال معلوم نہیں جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے جبکہ وہ چند ہزار تھے۔ پس بائبل نے تو یہ بتایا کہ بنی اسرائیل لاکھوں کی تعداد میں مصر سے نکلے تھے۔ لیکن قرآن کریم نے اس غلطی کی اصلاح کی اور بتایا کہ وہ لاکھوں نہیں بلکہ ہزاروں تھے۔

کے لئے قربان کا ہیں بنائی تھیں اور نہ انہوں
نے اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی عبادت کو کبھی
خدا تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ملایا تھا۔ آپ
خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے انکار کا کبھی تصور
بھی نہیں کر سکتے تھے۔“

گویا تاریخ نے تسلیم کر لیا کہ بے شک حضرت سلیمان
علیہ السلام کی کئی بیویاں تھیں کچھ یہودی اور کچھ غیر یہودی
مگر یہ غلط ہے کہ انہوں نے بت خانے بنائے اور پھر یہی
جھوٹ ہے کہ انہیں نے کبھی کسی مورت کو سجدہ کیا ہو۔
اب دیکھو بائبل تو کہتی ہے کہ انہوں نے جن کو سجدے
کئے اور قرآن کہتا ہے کہ نہیں کئے۔ اور آج کا یہودی محقق
اور آج کا عیسائی محقق بھی کہتا ہے کہ بائبل جھوٹ
کہتی ہے۔ سچی بات وہی ہے جو قرآن کہہ رہا ہے۔
پھر بائبل میں حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق
کہا گیا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو بھڑکانا کر دیا اور
انہیں مشرک کی راہ پر چلایا۔ چنانچہ بائبل میں لکھا ہے۔

”اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے
پہاڑے اُترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون
کے پاس جمع ہو کر اُس سے کہنے لگے اٹھ۔
ہمارے لئے دیوتا بنادے۔ جو ہمارے آگے

آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد مٹی
کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا
ہارون نے اُس سے کہا۔ تہلہ می بیویوں اور
لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے
کی بالیاں ہیں اُن کو اتار کر میرے پاس لے
آؤ۔ چنانچہ سب لوگ اُن کے کانوں سے
سونے کی بالیاں اتار آتار کر اُن کو ہارون
کے پاس لے آئے اور اُس نے اُن کو اُنکے
ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچہ بنایا

جس کی صورت چھینٹی سے ٹھیک کی۔ تب
وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا
جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا؟
(خروج باب ۳۲ آیت ۱ تا ۴)

مگر قرآن نے اکر بتایا کہ یہ بالکل غلط بات ہے۔
حضرت ہارون نے اپنی قوم کو مشرک سے بڑی سختی کے
ساتھ روکا تھا اور کہا تھا کہ یا قَوْمُ جَرِئَةً فَبَشِّرْهُ
بِأَنَّهُ ذَاكَ لَمَكْرُ الرِّحْمَنِ فَاتَّبِعُونِي وَاطِيعُوا
أَمْرِي (طہ آیت ۹۱) یعنی اے میری قوم! اس
بھڑکے کے ذریعہ تمہارا ایمان خراب کر دیا گیا ہے اور
تمہارا رب تو جن ہے اور یہ ایک ذلیل اور بے جان بھڑکا
ہے۔ پس تم میری فرمانبرداری کرو۔ اور میرے پیچھے چلو
سامری کے پیچھے نہ چلو جس نے تمہیں اس مشرک کی طرف
مائل کیا ہے۔ غرض بائبل نے خدا تعالیٰ کے ایک مقدس
نبی ہارون کو داغدار قرار دیا۔ مگر قرآن کریم جو مسیحین
کے مقام پر ہے اُس نے اکر بتایا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے
خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہارون اپنی قوم کو ہمیشہ توحید کا
ہی وعظ کرتا رہا۔ یہ قوم کی بدبختی تھی کہ وہ سامری کے
پیچھے چل پڑی اور اُس نے ایک بھڑکے کی پرستش شروع
کر دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی یہودیوں اور عیسائیوں
نے بعض خطرناک قسم کے الزامات لگائے تھے جن کی
قرآن کریم نے بڑے زور سے تردید کی اور بتایا کہ وہ تمام
الزامات دشمنوں کا افتراء ہیں۔ مثلاً یہود کہتے تھے کہ
آپ کی پیدائش نعوذ باللہ کا وہی کے قیصر میں ہوئی
تھی۔ یعنی یوسف کے نطفہ سے بغیر شادی کے آپ
پیدا ہوئے (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا جلد ۵ صفحہ ۱۰۲)
زیر لفظ CELSUS اسی طرح بعض یہودی یہ الزام
لگاتے تھے کہ آپ نعوذ باللہ ایک رومی سپاہی بنیحقرا

کے بیٹے تھے جن کا حضرت مریم صدیقہ سے ناجائز تعلق تھا
دنیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۷ ص ۱۸۱ کالم اول، مگر قرآن کریم
نے حضرت مریمؑ کو اس الزام سے پاک ٹھہرایا اور یہ اعلان
فرمایا کہ وَاصْبِرْ اَوْصِيَّتَ خَدِيجَةَ فَاَرْجَاهَا فَتُفْعِلُنَّ فَبِهَا
مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا ذَا نَبْهٍ اَيَةُ لِلْعَالَمِينَ
دانیاء آیت ۹۲ یعنی مریم صدیقہ نے جو حضرت سرج کی
والدہ مظہرہ تھیں اپنے تمام سوراخوں کو گناہ سے محفوظ
رکھا تھا۔ اور اُن کو جو حمل ہوا وہ ناجائز نہیں تھا بلکہ
ایک پاک رُوح تھی جو اُن کے اندر ہم نے داخل کی اور
ہم نے اُس کو اور اُس کے بیٹے عیسیٰؑ کو تمام دُنیا کے لئے
ایک نشان بنا دیا۔

اسی طرح عیسیٰؑ آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ
آپ نعوذ باللہ صلیب پر لٹک کر لعلتی موت مرے۔
چنانچہ عہد نامہ جدید میں پوتوس کہتا ہے۔
”سیح جو ہمارے لئے لعلتی بنا اُس نے
ہمیں مولے کے شریعت کی لعنت بھڑایا
کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی ٹکڑی پر لٹکایا گی
وہ لعلتی ہے۔“ (گلتیوں باب آیت ۱۳)

گویا عیسائیوں نے خدا تعالیٰ کے ایک مقرب کو اپنی
نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ملعون قرار
دے دیا۔ مگر قرآن کریم نے اس الزام کو بھی رد کیا
اور خود حضرت سرج کی زبان سے ان الفاظ میں تردید
کی کہ وَاصْبِرْ عَنَّا يَوْمَ مَوْلِدَاتِ يَوْمَ مَوْتِ
وَيَوْمَ بُعِثْتَ حَيًّا۔ (مریم آیت ۳۴) یعنی جو نوک
مجھ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ میری پیدائش حرام کاوی کے
نتیجہ میں تھی وہ غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ میری پیدائش پر خدا
تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہوئی تھی اور جو نوک
یہ کہیں گے کہ میں لعلتی موت مرا وہ بھی غلط کہیں گے۔
کیونکہ میری موت بھی خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہو گی

اور لعنت کی موت سے میں بچایا جاؤنگا۔ اور جو نوک
یہ کہیں گے کہ میں دوسروں کے گناہ اٹھا کر تین دن جہنم
میں پڑا رہا۔ وہ بھی غلط کہیں گے کیونکہ میری دباہ تھی
بھی خدا تعالیٰ کی سلامتی سے شروع ہو گی۔

غرض قرآن کریم اُن تمام اعتراضات کو رد کرتا ہے
جو بائبل میں لوگوں کی دلت اندازی کی وجہ سے شامل
ہو چکے تھے۔ اور اپنے فرستادوں کو ایک بے عیب
شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی قسم کے
الزامات ہندوؤں نے بھی اپنے بعض رشیوں اور
اوتاروں پر لگائے ہیں۔ مثلاً حضرت کرشن کے متعلق
لکھا ہے کہ اُن کی والدہ نے انہیں کہا کہ

”بیٹا! بولا کھ گائیں میرے یہاں دودھ
دینے والی ہیں جتنا دودھ ماگھن چاہئے لکھیا
اور لٹایا کرو۔ دوسروں کے گھر ماگھن کھانے
اور پکانے مت جایا کرو۔“

(شریدھاوت بران اسٹندہ نمبر ۲۸)

گویا حضرت کرشن نعوذ باللہ کھن پڑا کر کھایا کرتے
تھے حالانکہ اُن کے اپنے گھر میں بولا کھ گائے تھے۔

اسی طرح لکھا ہے کہ وہ غیر عورتوں کے ساتھ پیش
و عشرت میں مشغول رہا کرتے تھے اور ایک عورت کا
خاص طور پر نام لیکر لکھا ہے کہ حضرت کرشن نے رات کے
وقت اُسے جگا کر کہا کہ

”سندھی: جیند کو چھوڑ کر مجھ کو شرنکار

دان (یعنی دادیش) دے۔“

(برہم دی دت بران کرشن جیم کھندہ اوجھائے)

مگر قرآن کریم نے حضرت کرشن اور اسی طرح اور کئی
انبیاء کا جن کے نام تک صغیر تاریخ میں محفوظ نہیں اچھالی
طور پر ذکر کر کے فرمایا کہ اُولَئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى اللّٰهُ
فَبِهٰذَا هُمْ اَخْتَبَدُوْا (انعام ۸) یعنی یہ سارے کے سارے

وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی یعنی یہ سب کے سب منعم علیہ گروہ میں شامل تھے اور خدا تعالیٰ کے فضلوں اور اُمس کی تائیدات کے مورد تھے ہیں اب تمہارا کام یہی ہے کہ تم انہی لوگوں کے راستہ پر چلو اور انہی کی تقلید کرو اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم تمام انبیاء کو معصوم قرار دیتا اور ہر الزام کو رد کرتا ہے جو ان پر لگایا گیا۔ خواہ وہ الزام منافقوں کی طرف سے لگایا گیا ہو یا مخالفوں کی طرف سے۔ وہ مومن کے حسین چہرہ پر سے ہر قسم کی گرد و غبار کو دور کرتا اور ان کی نورانیت کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرتا ہے اور یہ قرآن کریم کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کی نظیر دنیا کی اور کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی۔

پھر قرآن کریم نے اپنے مسبین ہونے کے مقام کو اس طرح بھی ظاہر کیا کہ مومن نے دنیا کے ہر نبی کی عزت کو قائم کیا اور ان کی صداقت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کے جس ملک کے حالات سے بھی واقفیت حاصل کی جائے اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ کسی نہ کسی بزرگ کے ٹخنے والے ہیں۔ مگر وہ ساری بزرگی صرف اپنے اپنے بزرگوں تک محدود سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگ اگر حضرت کرشن اور حضرت راجندر جی کو خدا تعالیٰ کا اوتار مانتے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے سوا اور کسی ملک میں کوئی اوتار نہیں ہوا۔ اسی طرح عیسائی اور یہودی وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ صرف ہمارے بزرگ سچے تھے باقی سب جھوٹے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے بتایا کہ ان قن اھلۃ اللہ خلّا فیہا الذین (سورہ فاطر آیت ۲۵) دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا تعالیٰ کا کوئی مصلح اور ہادی مبعوث نہ ہوا ہو۔ چنانچہ جب ہر مختلف اقوام پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کی سب اس بات کی قائل ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی

مصلح آیا تھا۔ ہم ہندوؤں پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں اُن میں حضرت کرشن اور حضرت رام چند جی کا وجود دکھائی دیتا ہے۔ ہم عیسائیوں پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں اُن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود نظر آتا ہے۔ ہم یہودیوں پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے کئی انبیاء نظر آتے ہیں۔ غرض دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جیسے عرب کا خدا ہے ویسے ہی ہندوستان اور چین اور شام اور مصر اور ایران وغیرہ کا بھی خدا ہے۔ اُس نے ساری دنیا کے لئے سورج اور چاند اور ستارے سب ایک جیسے بنائے ہیں۔ ایک ہی زمین سب کے لئے بنائی ہے۔ پھر جب اُس نے سب لوگوں کی جسمانی ضرورتوں کو پورا کیا ہے تو روحانی ضرورتوں کو وہ کس طرح نظر انداز کر سکتا تھا جبکہ روح کی حفاظت جسم سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ جسم فانی ہے اور روح غیر فانی۔ چنانچہ ایک مسلمان جب اس آیت کو پڑھتا ہے تو اُس کے دل میں تصدیق کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہندوؤں کے پاس جاتا ہے اور ڈرنے ڈرنے سے پوچھتا ہے کہ آپ کی قوم میں بھی کوئی نبی آیا تھا۔ وہ کہتے ہیں ہاں حضرت کرشن اور حضرت رام چند جی اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر آئے تھے وہ اپنے وقت کے اوتار تھے۔ یہ سُن کر اس کا چہرہ بشارت سے سسک جاتا ہے اور وہ کہتا ہے الحمد للہ! یہ بات سچی ثابت ہو گئی کہ ہر قوم میں نبی آئے ہیں۔ پھر وہ چین میں جاتا ہے۔ اور وہاں کے لوگوں سے پوچھتا ہے کہ آپ کی قوم میں بھی کوئی نبی آیا ہے تو وہ کئی سو سال کا نام لیتے ہیں۔ اس پر اُس کا دل اور بھی زیادہ مسرور ہو جاتا ہے کہ الحمد للہ چین میں بھی اللہ تعالیٰ کا نبی آیا ہے۔ پھر وہ ایران میں جاتا ہے اور وہاں کے لوگوں سے پوچھتا ہے کہ آپ کے پاس بھی کوئی نبی آیا ہے تو وہ حضرت زرتشت

کا نام لیتے ہیں۔ یہ سُکُردہ خوشی سے اپنے جامہ میں بھولا نہیں سماتا۔ اور کہتا ہے کہ اب تو یہ بات اور بھی بختہ ہو گئی۔ پھر وہ یونان میں جاتا ہے اور دہلی کے لوگوں سے دریافت کرتا ہے کہ تمہارے پاس بھی کوئی اللہ کا پیغام لے کر آیا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ ہاں ہمارے ملک میں مقرّاط اس بات کا دعویدار تھا کہ اللہ تعالیٰ اُس سے پہلا مہکام ہوتا ہے۔ امیر وہ اور زیادہ مُسرور ہوتا ہے اور کہتا ہے اللہ میرا قرآن یہاں بھی سچا ثابت ہوا۔ غرض وہ جس ملک میں بھی جاتا ہے اُس کی گردن فخر سے اونچی ہو جاتی ہے۔ اور اُس کا دل اس لذت اور سرور سے بھر جاتا ہے کہ میری کتاب میں جو کچھ کہا گیا تھا حرف بحرف درست ثابت ہوا۔ لیکن ایک عیسائی ایک ہندو اور ایک یہودی جس ملک میں بھی جاتا ہے۔ اس کا مُنہ غم سے کالا ہو جاتا ہے۔ وہ ٹڈل ایسٹ میں جاتا ہے اور سُنتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسک بڑے نبی ہیں تو اُس کا دل جل جاتا ہے۔ ہر ماں میں جاتا ہے اور سُنتا ہے کہ بدھ نبی ہے تو وہ بٹنے لگ جاتا ہے۔ ہندوستان میں سُنتا ہے کہ کرشن نبی ہے تو اُس پر جنون سوار ہو جاتا ہے۔ یونان میں جاتا ہے اور اُسے پتہ لگتا ہے کہ اس ملک میں مقرّاط گذرا ہے تو وہ چیخیں مارنے لگ جاتا ہے۔ غرض وہ جس ملک میں بھی جاتا ہے اُس پر مصیبت آ جاتی ہے۔ مگر ایک مسلمان جس ملک میں بھی جاتا ہے اُسے خوشی پر خوشی نصیب ہوتی ہے اور ہر ملک میں یہ تعلیم اُس کی سر ملندی اور سرخروئی کا موجب ہوتی ہے۔ غرض یہ ایک جھوٹی سی آیت ہے۔ لیکن اس جھوٹی سی آیت کو ہی لے کر ساری دنیا میں پھر جاؤ۔ کسی جرگ کی بڑائی سُکُردہ ہمارے دل میں انقباض پیدا نہیں ہو گا اور ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم نے یہ تعلیم پیش کر کے باقی

تمام الہامی کتب پر اپنی فضیلت کو ثابت کر دیا ہے۔ پھر خود انسانی وجود جو اللہ تعالیٰ کی دُحی کا ہمبھٹا اور اُس کے انوارِ برکات کا مورد تھا اُس کے متفق بھی بعض مذہب نے یہ غلط نظریہ پیش کیا کہ وہ طبعا میلان گناہ رکھتا ہے۔ اور اُس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی وہ نافذانی ہے جو آدم اور حوا نے کی اور جس کی بنا پر وہ فطری طور پر گنہگار پیدا ہوا۔ اسی طرح بعض دوسرے مذاہب نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ انسان اپنی تمام کوششوں کے باوجود کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کی رُوح کو بار بار مختلف قسم کی چوڑوں کے چکر میں ڈالا جاتا ہے۔ اول الذکر نظریہ عیسائیت کی طرف سے اور ثانی الذکر ہندو مذہب کی طرف سے پیش کیا گیا۔ اور دونوں نے انسانی فطرت کو گندہ اور ناپاک قرار دیا۔ اور اس کا اتنا پروا کیا کہ کیا گیا کہ وہ انسان جو اس نے پیدا کیا تھا کہ اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور اپنے اللہ اعلیٰ مخلوق اور روحانیت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے کلامِ اُور اُس کے الہام کا مودد ہو اُس کا دل مایوسی کا شکار ہو گیا اور اُس نے سمجھا کہ جب میرے لئے ترقی کے تمام راستے بند ہیں اور جب مجھے فطری طور پر گندہ اور ناپاک ٹھہرایا گیا ہے تو پاکیزگی اور تقدس کا تصور میرے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ جو بات متواتر اُس کے کان میں ڈالی جائے اُسے اُہستہ اُہستہ وہ اُس پر اثر کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اگر کسی کو متواتر کہا جائے کہ تم بہت ہی موقوف اور جاہل ہو تو وہ رفتہ رفتہ اپنی عقل کو کھو بیٹھتا ہے۔ اگر کسی کو کہا جائے کہ وہ چور کا بیٹا ہے تو اُہستہ اُہستہ یہ خیال اُس کے دل پر ایسا راسخ ہو جا بیگا کہ جب کبھی اُس کے دل میں لالچ پیدا ہو گا اور کسی کا مل ہٹانے کا ارادہ کرے گا تو وہ اپنے ارادہ کو روک نہیں سکیگا۔

بلکہ کھینکا کہ دنیا تو پہلے ہی مجھے چور کا بیٹا کہہ رہی ہے اور یہی جذبات سلسلہ میرے اندر پائے جاتے ہیں۔
اب میں ان کاموں سے کس طرح رُک سکتا ہوں۔ اِسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے اُمور کو سختی سے ناپسند فرمایا اور انہیں قوی ہلاکت اور بربادی کا اصل باعث قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسانی ذہنیت اس قسم کی ہے کہ جب اُس پر کوئی اثر ڈالا جائے اور اُس کے خیالات کسی خاص طرف مائل کئے جائیں تو آہستہ آہستہ وہ اُن اثرات کو قبول کر لیتا ہے۔ سائنس کا لوجی یا علم النفس کی ابتداء درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے ذریعہ ہی ہوئی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلْكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلُكَ هُمْ
یعنی جب کوئی شخص یہ کہتا پھرتا ہے کہ قوم برباد ہوگئی تو م برباد ہوگئی تو درحقیقت اُس کی بربادی کا موجب وہی بنتا ہے۔ کیونکہ جب متواتر کسی قوم کے کان میں یہ ڈالا جائیگا کہ وہ ہلاک ہو چکی ہے تو لوگوں میں قوتِ مقاومت باقی نہیں رہے گی۔ اور اُس کا منزل ضرور ہو جائیگا۔ عیسائیت نے دنیا کو یہ تعلیم دی کہ آدمؑ نے گناہ کیا جو در نہ میں اُس کی اولاد کو بھی ملا۔ اب دنیا اگر گناہ سے بچنا بھی چاہے تو نہیں بچ سکتی۔ اس عقیدے کے ہونے ہوئے ایک عیسائی کیسے یہ کتنا مشکل ہے کہ وہ گناہ کا خیال آنے پر اُس کا مقابلہ کرے وہ تو کھینکا کہ میں گناہ کا کیا مقابلہ کروں۔ میں تو اس سے بچ ہی نہیں سکتا اور جب وہ گناہ کا مقابلہ کرنے سے گریز کریگا تو لازماً گناہ میں مبتلا ہو جائیگا مگر قرآن کریم

لے سلم جلد ۲ کتاب البر والعلمۃ والاداب باب
النجی عن قول هَلْكَ النَّاسُ -

نے بتایا کہ انسان کو فطرت صحیحہ عطا کی گئی ہے۔ اور خواہ وہ کسی ہی حالت میں ہو اگر وہ کوشش کرے تو وہ قوتی کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورہ ذاریات آیت ۵۷) یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آدمؑ کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ میری عبادت کرے بلکہ فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ چاہے فرمانبرداری کی طبیعت رکھنے والے انسان ہوں چاہے نادری فطرت رکھنے والے وجود ہوں دونوں کو میں نے عبادت اور اپنے قریب کے لئے پیدا کیا ہے۔ انس ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اپنے اندر فرمانبرداری اور اطاعت کا مادہ رکھتے ہیں۔ اور جن اُن لوگوں کو کہتے ہیں جن پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے یعنی جن کی فطرت صحیحہ پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم سے ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جتنی طبیعت والے نادے پیدا کئے گئے ہیں۔ گویا نادری طبیعت والا انسان جو گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُسے بھی میں نے عبادت کے لئے پیدا کیا ہے کیونکہ اُس کی نادری طبیعت طبیعتِ نائیدہ ہوتی ہے طبیعتِ اولیٰ نہیں ہوتی۔ درحقیقت طبیعتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک طبیعتِ اولیٰ جو فطرت میں رکھ دی گئی ہے اور ایک طبیعتِ نائیدہ جو ماحول کے اثرات کے ماتحت پیدا ہوئی ہے اور طبیعتِ اولیٰ پر غالب آجاتی ہے۔ اِسی لئے اُس قسم کی طبیعت رکھنے والے کو جنت کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اُس کی اصل فطرت پر پردہ پڑا ہوا ہے اور جب ہم اُسے جنت کہتے ہیں تو ہمارے مد نظر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اُس کی فطرتِ اولیٰ نظر نہیں آتی۔ اور چونکہ اُس کی

فطرتِ اولیٰ نظر نہیں آتی اس لئے وہ جن کہلاتا ہے۔ پس فرماتا ہے۔ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ سے محبوب ہوتے ہیں اور جنات میں شامل ہوتے ہیں امدہ لوگ جو اپنی طبیعت میں نیکی رکھتے ہیں دونوں کو ہم نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ جب لوگ ایک لمحے عرصہ تک نیکی کو قائم رکھتے اور اللہ تعالیٰ کے عشاء کے ماتحت اپنی زندگیوں بسر کرتے ہیں تو وہ انس کہلاتے ہیں اور جب وہ نبی کی تعلیم سے غافل ہو جاتے ہیں تو وہ جفا ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی فطرت صحیحہ ایسی تھی جو جاتی ہے کہ وہ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ ہماری جماعت کا قیام کیوں ہوا تھا۔ اور ہمارے نظام کی غرض کیا تھی یا نبی نے اس کی تعلیم دی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خواہ جنات ہوں یا انسان یعنی خواہ ایسے لوگ ہوں جن کے دلوں میں محبت الہی کی چنگاری مسلک رہی ہو اور خواہ ایسے لوگ ہوں جن کی فطرت صحیحہ پر پردہ پڑا ہوا ہو فطرتِ ثانیہ غالب آچکی ہو اور سمجھا جاتا ہو کہ ان کی طبیعتِ ثانیہ ہی اصل فطرت ہے دونوں کو ہم نے عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو ہم کیا سمجھاؤں اس میں تو نیکی کا مادہ ہے ہی نہیں بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا متعصب ہے وہ ہدایت پا ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم ایسا مت کہو۔ اس کی طبیعتِ اولیٰ نیکی کی طرف مائل ہے۔ یہ تہا رہی غلطی ہے کہ تم اس کی طبیعتِ ثانیہ کو دیکھتے ہو اور ایک نتیجہ اخذ کر لیتے ہو۔ ہم نے تو سب کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر کسی کی فطرت صحیحہ پر پردہ پڑا ہوا ہے تو یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص نیل کے شے میں پڑے تو وہ نیلا ہو جاتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ آدمی نہیں رہا۔ یا بعض لوگ دیکھ کر کہاں پہن لیتے ہیں اور دیکھنے والے

ڈرنے اور بھاگنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ انسان ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکی فطرتیں ماحول کی خرابی کی وجہ سے سبج ہو جاتی ہیں اور انکی ظاہری شکل جنات والی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ بھی جو غیر مرئی جنات کے قائل ہیں اور ہم پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ لوگ جنوں کے قائل نہیں وہ بھی بعض دفعہ ایسے انسانوں کو جن کی فطرت پر پردہ پڑ چکا ہوتا ہے جن کہنے لگ جاتے ہیں چنانچہ وہ شخص جس کے اخلاق بگڑے ہوئے ہوں مے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ بھیڑیا ہے جس سے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ وہ حقیقی معنوں میں بھیڑیا ہے بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ امیر بھڑیے والی خصلت غالب آگئی ہے۔ اسی طرح کسی کے متعلق کہتے ہیں یہ تو سانپ ہے یعنی سانپ کی طرح لوگوں کو ڈرانا پھرتا ہے۔ یا بچھو ہے یعنی بچھو کی طرح لوگوں کو ڈنگ مارتا ہے۔ تو بعض دفعہ فطرتِ ثانیہ فطرتِ اولیٰ پر غالب آ جاتی ہے کہ یہ بیچارہ بھی شکل ہو جاتا ہے کہ اس شخص کی انسانیت کہاں ہے۔ لیکن جب اس کی فطرت صحیحہ بول اٹھتی ہے تب پتہ لگتا ہے کہ اس کے اندر نیکی پائی جاتی ہے۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کہنے شدید دشمن تھے۔ مگر پھر ان میں کیسی تبدیلی پیدا ہوئی۔ نہ صرف انکی اصلاح ہوئی بلکہ وہ روحانیت کے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے کہ انکا بیچنا بھی مشکل ہو گیا حضرت عمرؓ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑتے پھرتے تھے جب انہیں اسلام لانا نصیب ہوا تو ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ دنیا کے فائدہ کے لئے اپنی جان جو کھوں میں ڈالنے لگے۔ اور دن رات اسلام کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ یہی حال عکرمہ کا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا۔ تو عکرمہ اس شخص کی وجہ سے جو اسے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھا مکہ چھوڑ کر چلا گیا اور اُس نے کہا۔ میں اس ملک میں بھی نہیں رہ سکتا جس میں ایسا شخص موجود ہو۔ اُس کے مظالم کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اُسے معافی نہیں دی جاسکتی وہ جہاں مل جائے اُسے قتل کر دیا جائے۔ آخر اُس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور اُس نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ بڑے رحیم و کریم ہیں۔ آپ نے کتنے ہی لوگوں کو معاف کر دیا ہے اگر عکرمہ کو بھی آپ معاف فرمادیں تو اُس میں آپ کا کیا حرج ہے۔ پھر اُس نے کہا۔ یا رسول اللہ! کیا یہ بہتر ہے کہ عکرمہ کسی غیر ملک میں ذلیل ہو کر رہے یا یہ بہتر ہے کہ وہ آپ کے ملک میں آپ کی رعایا بن کر رہے اور آپ کا عضو اُس کے سر کو نیچا رکھتے۔ آپ کو اُسی یہ بات پسند آئی۔ اور آپ نے فرمایا۔ ہم نے عکرمہ کو معاف کر دیا۔ یہ سنکر اُس کی بیوی اُسی وقت اٹھی اور اپنے خاندان کی تلاش میں چل پڑی۔ وہ اُس وقت جنتہ جانے کے لئے کشتی میں بیٹھ چکا تھا۔ اُس کی بیوی اُس کے پاس گئی اور اُس نے کہا۔ تم کہاں جا رہے ہو۔ واپس میرے ساتھ چلو۔ میں نے تمہارے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی تھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں معاف فرما دیا ہے۔ عکرمہ یہ سنکر حیران ہوا۔ اور اُس نے کہا۔ مجھے کس طرح معافی مل سکتی ہے میں نے تو بڑے بڑے سخت مظالم کئے ہوں؟ میں نے کہا۔ تمہیں ان کے وسعت و وصل کا کیا علم؟ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں تمہارے لئے معافی کی منظوری دے چکی ہوں۔ تم واپس میرے ساتھ چلو۔ عکرمہ کشتی سے اترے اور واپس آ گئے۔ واپسی پر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری بیوی میرے پاس آئی

تھی اور اُس نے کہا تھا کہ میں نے تمہارے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی لے لی ہے۔ کیا یہ سچی ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! بالکل سچ ہے ہم نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں سچے دل سے معاف کر دیا ہے تو اُس نے عرض کیا کہ کیا میں کافر ہونے کی حالت میں مکہ میں رہ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں تم رہ سکتے ہو۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے اور اسکے باپ ابو جہل کے متواتر ارشاد شدید ترین مظالم کے باوجود اُسے معاف فرما دیا اور معافی بھی اسی رنگ میں دی کہ خواہ وہ اسلام نہ لائے اُسے مکہ میں آزادانہ دلگ میں رہنے کی اجازت ہوگی تو اُس کی طبیعت پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اُس نے کہا۔ یا رسول اللہ! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی معافی حوائے خدا کے راستہ باز انسان کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ پھر یہ تو اُس کے دل میں اتنا بغض تھا کہ وہ اس ملک میں بھی رہنا نہیں چاہتا تھا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور یہ پھر اُس کے دل میں اتنا بغیر پیدا ہوا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عکرمہ تمہیں معاف ہی نہیں کیا بلکہ ہم تمہیں انعام بھی دینا چاہتے ہیں مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو۔ تو وہ عکرمہ جو اتنا دیا دار تھا اُس کے اندر فوراً ہی اتنی تبدیلی پیدا ہو گئی کہ اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں سوئے اس کے اور کچھ نہیں مانگتا کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادے۔ اب گنجائش یہ کہ وہ مکہ سے بھاگ جاتا ہے اور گنجائش یہ کہ مسلمان ہوتا ہے اور مکہ میں اسی تبدیلی پیدا ہوتی ہے کہ وہ سب مخافتانہ خیالات کو بھول جاتا ہے۔ پھر یہی عکرمہ تھا کہ یا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے لئے

ڈالیں کیا کرتا تھا اور یا پھر اسلام میں اُس کی فدایت یہاں تک پہنچ گئی کہ غزوہ یرموک میں جب بہت سے صحابہ مارے گئے تو عکرمہؓ اور چند اور نوجوانوں نے ملکر حضرت ابو عبیدہؓ سے جو کمانڈر انجیف تھے کہا کہ ہم سے صحابہ کی موت نہیں دیکھی جاسکتی۔ اگر یہ لوگ مارے گئے تو اسلام کی اشاعت کون کرے گا۔ آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم چند نوجوان اپنی جانوں کو قربان کر کے عیسائی کمانڈر پر حملہ کر کے اُسے مار دیں اور اڑائی ختم ہو جائے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا کہ یہ تو بڑا مشکل ہے۔ دس لاکھ لشکر کے مقابل میں میں نہیں کس طرح بھیج سکتا ہوں۔ اس میں تو تباہی یقینی ہلاکت ہے۔ مگر آخر دوسرے لوگوں نے کہا کہ جب یہ لوگ قربانی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں قربانی کی اجازت دے دیں۔ اور چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہؓ مارے جا چکے تھے ابو عبیدہؓ نے آخر اجازت دیدی۔ چنانچہ عکرمہؓ اور چند دوسرے نوجوانوں نے ملکر قلب لشکر پر حملہ کیا اور دہاں تک پہنچ گئے جہاں اُن کا کمانڈر ماہان تھا۔ وہ اسقدر گھبراہٹ میں تھکا ہوا تھا کہ بھاگ پڑا۔ اور اُس کے بھاگتے ہی فوج میں بھاگ بھج گئی اور لڑائی کا پالہ پلٹ گیا۔ مگر اس جدد جہد میں وہ قربانی سب کے سب شہید ہو گئے۔ اسی جنگ کا واقعہ ہے کہ عکرمہؓ زخموں کی شدت اور پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے تھے کہ اُن کے پاس سے ایک سپاہی گنداحس کے پاس بانی کی ایک چھال گئی تھی۔ اُس نے جب انہیں تڑپتے دیکھا تو وہ قریب آیا۔ اور اُس نے پوچھا۔ کیا آپ کو پیاس لگی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ اُس نے اپنی چھال اُس کے منہ کے قریب کی تاکہ آپ پانی پی لیں۔ مگر ابھی عکرمہؓ نے چھال کو منہ نہیں لگایا تھا کہ اُن کی نظر فضل بن عباسؓ پر پڑی جو اُن کے قریب ہی پیاس سے تڑپ رہے تھے انہوں نے کہا۔ فضل مجھ سے زیادہ پیاسا معلوم ہوتا ہے

تم اُسے پانی پلاؤ۔ وہ فضل کے پاس پہنچا تو انہوں نے اپنے قریب ایک اور مسلمان کو تڑپتے دیکھا انہوں نے کہا وہ مجھ سے زیادہ پیاسا معلوم ہوتا ہے تم پیلے اُسے پانی پلاؤ۔ وہ تیسرے کے پاس پہنچا تو اُس نے چوتھے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور چوتھے کے پاس پہنچا تو اُس نے پانچویں کی طرف اشارہ کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سات آدمی تھے اور ساتوں ہی تڑپ رہے تھے مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ مجھے پانی نہ پلاؤ بلکہ میرے ساتھی کو پلاؤ جب وہ آخری آدمی کے پاس پہنچا تو وہ مر چکا تھا۔ اور جب وہ واپس مڑا تو اُس نے دیکھا کہ باقی چھ بھی فوت ہو چکے تھے۔ اب دیکھو یہ کتنی بڑی قربانی کی جو عکرمہؓ نے کی۔ حالانکہ وہ اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ پس یہ کہہ دینا کہ فلاں کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی بہت بڑی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب ہدایت دینا چاہتا ہے تو آنا فانا دے دیتا ہے۔ یہی معنوں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدَنِي (ذریات آیت ۵۷) اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ہدایت اور اپنے قرب کے لئے پیدا کیا ہے پس بڑا ہی مایوس وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی ناقدری کرے اور سمجھے کہ انسان تو پیدائشی طور پر گنہگار پیدا کیا گیا ہے اس لئے وہ پاکیزگی اور تقدس اختیار ہی نہیں کر سکتا۔

اسلام بتاتا ہے کہ یہ نظریہ قطعی طور پر غلط ہے انسان فطرتی طور پر پاکیزہ قوی سے کر آیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنے قرب کے لئے پیدا کیا ہے اسی طرح وہ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ وَ نَفْسٍ وَ مَا سَوَّاهَا فَأَنصَرَّهَا فَجُودَهَا وَ تَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔ (انشس آیت ۸ تا ۱۱) یعنی ہم انسانی نفس کو اس امر پر مشابہ

کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اُسے ہم نے سب عیوب کے منزہ پیدا کیا ہے اور اُس کی فطرت میں نیکی اور بدی کی شناخت کی قوت رکھی ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنی روح کو میر دینی طوبوں سے پاک رکھتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور جو شخص اُس جبلت پاکیزہ کی کو خراب کر دیتا ہے وہ ناکام ہو جاتا ہے۔ غرض اسلام انسان کو اُس عیوب کا شکار نہیں ہونے دیتا جس کا شکار اُسے دوسرے مذاہب بناتے ہیں بلکہ وہ اُس کی روح میں بلند پروازی کی طاقت پیدا کرتا اور اُسے فرش سے اٹھا کر عرش تک لے جاتا ہے۔

پھر قرآن کریم اس لحاظ سے بھی کتابِ مبین ہے کہ اُس نے ہزاروں ایسی صداقتیں بیان فرمائی ہیں جن کا پہلی اہلای کتب میں کہیں ذکر تک نہیں۔ مثلاً قرآن کریم جو مومنوں اور فرعون کے قریباً بائیس سو سال کے بعد نازل ہوا ہے اُس میں یہ لکھا ہے کہ فرعونوں کے سمندر میں غرق ہونے کے وقت فرعون تو بے شک ڈوب گیا تھا۔ مگر اُس کی لاش محفوظ کر لی گئی تھی۔ تاکہ وہ اُنہدہ آنے والے لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا باعث بنے (یونس: ۹۳)۔

چنانچہ اب جو پرانی میاں نکلی ہیں تو ان میں فرعون مومنوں کی متنی بھی نکلی ہے۔ جو مصر کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے جسے جس نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اب لکھو یہ قرآن کریم کے کتابِ مبین ہونے پر کتنی زبردست شہادت ہے۔ کہ بائبل جو اُس زمانہ کی کتاب ہے جس زمانہ میں فرعون ڈوبا تھا۔ اُس میں تو کہیں یہ ذکر نہیں کہ فرعون کی لاش محفوظ کر لی گئی تھی مگر قرآن کریم نے بائیس سو سال بعد نازل ہو کر اس سچائی کو بیان کر دیا اور پھر اس سچائی کے بیان کرنے کے چودہ سو سال بعد زمین میں سے فرعون مومنوں کی متنی نکلی۔ اور اس طرح ثابت ہو گیا کہ قرآن حقیقتاً اُس خدا کے بلند و برتر کا کلام ہے جو تمام اسرار کو جاننے والا اور تمام غیبوں سے آگاہ ہے۔

پھر قرآن کریم اس لحاظ سے بھی کتابِ مبین ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کی ثبوت کے لئے میر دینی دلائل کا محتاج نہیں بلکہ وہ خود ہی اپنے دعویٰ کے دلائل بھی ہتھ کرتا ہے۔ برصغرت دوسری اہلای کتبوں کے کہ وہ دعویٰ تو کرتی ہیں مگر ان کے دلائل نہیں دیتیں۔ چنانچہ تورات کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جاؤ۔ انجیل کو پڑھ جاؤ۔ دید کو پڑھ جاؤ۔ بس یہ معلوم ہو گا کہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب دنیا مانتی ہے اور اُس کی ذات میں شک کی گنجائش نہیں۔ اُس کی صفات کے متعلق اعتقادِ قلیل بدشتی ڈالی گئی ہے کہ انسانی نفس اُس سے قطعاً تسلی نہیں پاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ یلین پڑا ہے تو معجزات پر انحصار کر لیا گیا ہے اور اس طرح اس اصل الاصول کو جس پر مذہب کی بنیاد ہے بالکل مہمل چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے مقابل پر قرآن کریم کو دیکھو۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے وجود کو پیش کرتا ہے بلکہ اس کا ثبوت بھی دیتا ہے اور نہ صرف اس کا ثبوت دیتا ہے۔ بلکہ اُس کی سب صفات کا ثبوت دیتا ہے اور اس طرح وہ ایک نیا اصل دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے جو یہ ہے کہ جس قدر صفاتِ الہیہ بندہ کے تحقق دیکھنے والی ہیں ان کا ایک ثبوت بھی مزدوری ہے۔ در نہ خدا تعالیٰ کا وجود تو ثابت ہو گا۔ مگر اس کی صفات کا وجود ثابت نہیں ہو گا۔ اس بارہ میں مثال کے طور پر یہ آیت لے لو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَئِنْ دَرَكْتَ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ يَبْصُرُ الْاَبْصَارَ دَهُو اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (العام آیت ۱۰۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ انسانی نظریں اُس تک نہیں پہنچ سکتیں ہاں وہ خود اُس کی نظروں تک پہنچتا اور اپنی طاقت اور قوت کے اظہار سے اور اپنی صفات کے جلوہ سے اپنا وجود اُس پر ظاہر کرتا ہے اور وہ بڑا لطیف اور خبیر ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے

یہ بتایا ہے کہ اُس کا نظر نہ اُن اُس کے وجود کے منافی نہیں کیونکہ یہ اُس کی صفات میں سے ہے کہ وہ نظر نہیں آتا۔ لیکن وہ خود اپنے نشانات کے ذریعے سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور بندوں کی نگہداشت رکھتا ہے اور اُن کی تمام جسمانی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور یہ اس امر کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ سچے لیکن لطیف موعود اللہ تعالیٰ کی بعض صفات جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ ملکر اُس کے وجود کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً خبردار رہنا اور ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر کو بھی غائب نہ ہونے دینا۔ یہ کام ایک لطیف ہستی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایسی ہستی کے بغیر جو موجودات کے ہر ذرہ سے ایک کامل اتصال رکھتی ہو۔ پس خبیر کی صفت لطیف کے لئے بمنزلہ جوڑے کے ہے کہ اُس کے ذریعے سے اس کا بھی ظہور ہوتا ہے یا ان دونوں کا آپس میں روح اور جسم کا تعلق ہے کہ ایک نہ ہو تو دوسری صفت بھی ثابت نہیں ہوتی اور دوسری نہ ہو تو پہلی صفت بھی ثابت نہیں۔ اگر خبیر کی صفت دَ حَوَیْذُ رَکَّہُ اَلَا بَصَارَ سے ثابت نہ ہوتی تو لَا تَدَارِکُہُ اَلَا بَصَلًا بھی ثابت نہ ہوتا بلکہ عدم ثابت ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں اگر لَا تَدَارِکُہُ اَلَا بَصَارَ ثابت نہ ہوتا یعنی اُس کا لطیف ہونا تو خبیر کی صفت بھی نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ جو وجود کامل اتصال نہیں رکھتا وہ خبیر بھی نہیں ہو سکتا۔ غرض قرآن کریم اس لحاظ سے بھی صبیح ہے کہ اُس نے صرف دعویٰ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے اُس کے دلائل بھی دیتا ہے۔ تاکہ بنی نوع انسان ان احکام پر عمل صرف ایک جہی اور بوجہ سمجھ کر نہ کریں بلکہ اس بشاشت اور یقین کے ساتھ کریں کہ انہیں جو کچھ کہا گیا ہے اُن کے اپنے فائدہ اور نجات کے لئے کہا گیا ہے۔

پھر قرآن کریم اس لحاظ سے بھی صبیح ہے کہ وہ تمام امور جو احکام یا اخلاق یا اعتقادات وغیرہ تعلق رکھتے ہیں ان سب کو اس کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قرب اور اُس کی محبت کے حصول کے لئے معقد امور کی ضرورت ہے اُن سب کو اس کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے۔ گویا قرآن کریم ایک جامع کتاب ہے جس میں توحید، نبوت، دُعَا، قَعْدَا، وِقْدَر، بعثت بعد الموت اور عقاد وغیرہ کے متعلق پوری تفصیل موجود ہے جبکہ دوسری کتب نے ان امور ضروریہ سے قریباً خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور اگر اُن میں کچھ ہے تو اس قدر ناکافی ہے کہ گویا کچھ نہیں کہا۔ اسی طرح نبی اور اُس کے فرائض اور نبوت اور اُس کی حقیقت کے متعلق بائبل اور وید اور ژند وغیرہ کتب بالکل خاموش ہیں۔ قرآن کریم نے وجود باری تعالیٰ کے نبوت اور اُس کی صفات پر بھی بحث کی ہے۔ انسان کی روحانی طاقتوں پر بھی بحث کی ہے۔ اُن روحانی امور کو بھی بیان کیا ہے جو انسان کی روحانی طاقتوں کی تکمیل اور امداد کیلئے ضروری ہیں۔ اسی طرح اُس نے انسانی زندگی کے قائل پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اسکے نبوت پیش کیے ہیں اور پھر اُس نے ان تمام امور میں نہ صرف علمی طور پر ایک نئی روشنی بخشی ہے بلکہ عمل بھی اُس نے ایسے انسان پیدا کئے ہیں جنہوں نے قرآن کریم پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا مال حاصل کر لیا اور اُن کی روحانی طاقتیں اپنی تکمیل کو پہنچ گئیں غرض قرآن کریم تمام سابق کتبِ العقبہ پر اپنے صبیح ہونے کے لحاظ سے ایسی نمایاں فوقیت رکھتا ہے کہ جس پہلو سے بھی دیکھیں قرآنی حسن انسانی آنکھوں کو غیر کے بغیر نہیں رہتا۔

پھر قرآن کریم کو دوسری الہامی کتب پر صرف انہی امور میں فضیلت حاصل نہیں جو اُس میں دوسری کتابوں سے زائد پائے جاتے ہیں یا جن میں اُس نے

دوسرے مذاہب کی خامیوں اور ان کی کوتاہیوں کی اصلاح کی ہے بلکہ جن احکام میں اس کی پہلی کتب سے مشابہت دکھائی دیتی ہے ان میں بھی قرآن کریم نے ان سے بہتر اور جامع تعلیم و نیا کے سامنے پیش کی ہے مثلاً اگر ان کتابوں میں کھانا کھانے کا کوئی طریق بیان کیا گیا ہے تو اس کا بھی قرآن کریم نے ان سے اچھا طریق پیش کیا ہے اور اگر ان میں کپڑا پہننے کا کوئی طریق بتایا گیا ہے تو قرآن کریم نے ان سے بھی بہتر اور اعلیٰ طریق کپڑے پہننے کا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ غرض کوئی معمولی سے معمولی بات بھی ایسی نہیں جس میں قرآن کریم نے ان کتابوں سے زیادہ جامعیت اور تفصیل کے ساتھ اپنی تعلیم پیش نہ کی ہو اور جس میں اس نے اپنے صبیح ہونے کے مقام کو ظاہر نہ کیا ہو۔ مثال کے طور پر جس اسوقت امن عالم کا مسئلہ لے لیتا ہوں۔ امن ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے دنیا ہمیشہ سے کوشش کرتی چلی آئی ہے چنانچہ یا تو دنیا بے رونی امن کے لئے جدوجہد کرتی ہے اور یا جب بیرونی امن کے لئے جدوجہد نہیں کر رہی ہوتی یا اس میں کامیاب ہو چکی ہوتی ہے تو اندرونی امن کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے دولتمند اور عالم و فاضل جب آپس میں ملتے ہیں تو ان کی گفتگو کا موضوع اکثر یہی ہوتا ہے کہ اور تو، میں صیب کچھ معتبر ہے مگر دل کا امن نصیب نہیں۔ پس امن صرف بیرونی ہی نہیں ہوتا بلکہ دل کا بھی ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک دل کا امن نصیب نہ ہو اس وقت تک ظاہری امن بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل دنیا کے تمام لوگ امن کے خواہشمند ہیں۔ لیکن امن ان کو میسر نہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اتنی مختلف الانواع مخلوق ہے کہ جب تک کسی ایک قاعدہ کے ماتحت امن کا حصول

نہ ہو اس وقت تک صیب لوگ مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں افسانوں میں ہزاروں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مفاد مختلف ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے جذبات مختلف ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں۔ ان متضاد خواہشوں اور متضاد ضرورتوں کے ہوتے ہوئے دنیا میں امن کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ ایسے متضاد اور مخالف خیالات کی موجودگی میں بھی امن قائم ہو سکتا ہے جب ساری دنیا ایک ایسی ہستی کی تابع ہو۔ جو امن دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی امن میسر نہیں آ سکتا۔ ہم دوزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک گھر میں ماں باپ ذرا ادھر ادھر ہوتے ہیں تو تھوڑی سی دیر میں بچے لہو لہان ہو جاتے ہیں کسی کے گلے پر زخم ہوتا ہے کسی کے بال نوچے ہوئے ہوتے ہیں کسی کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں کسی کی آنکھ مٹی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر جب ماں باپ آتے ہیں تو ان کے سامنے ایسی نرم شکلیں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں کہ گویا دھڑائی جھکڑے کو جانتے ہی نہیں۔ اس لئے کہ ماں باپ کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے بچے امن سے رہیں۔ پس درحقیقت امن اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب دنیا پر ایک ایسی بالا ہستی ہو جو امن کی نعمتی ہو اور جو دوسروں کو امن دینا چاہتی ہو۔ اور ایسے قوانین نافذ کرنا چاہتی ہو جو امن دینے والے ہوں۔ اور وہی شخص حقیقی امن دینے والا قرار پا سکتا ہے جو اس ہستی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ یہ امن دینے والی ہستی کی طرف توجہ دلانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ ہی وہ انسان ہیں جن کے ذریعہ دنیا کو یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے ماموں میں سے

ایک نام امن دینے والا بھی ہے۔ چنانچہ سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کے جو نام گنائے گئے ہیں ان میں سے ایک نام یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْمَلِکُ الْقَدُّوْسُ السَّلَامُ (سورہ حشر آیت ۲۴) اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تو لوگوں کو توجہ دلا اُس خدا کی طرف جو بادشاہ ہے پاک ہے اور السَّلَام یعنی دنیا کو امن دینے والا اور تمام مسلمانوں کا سر خمیدہ ہے یعنی جس طرح ماں باپ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے بچے اسی طرح جھگڑیں یا فساد کریں۔ بلکہ وہ امن شکن کو سزا دیتے اور امن قائم رکھنے والے بچے سے پیار کرتے ہیں اسی طرح تمہارے اوپر بھی ایک خدا ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے مفاد مختلف ہیں۔ تمہارے ارادے مختلف ہیں۔ تمہاری ضرورتیں مختلف ہیں۔ تمہاری خواہشیں مختلف ہیں۔ اور تم بعض دفعہ جذبات میں بے قابو ہو کر امن شکن حالات پر تیار ہو جاتے ہو۔ مگر یاد رکھو خدا ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ سلام ہے۔ جب تک کوئی سلامتی اختیار نہ کرے اُس وقت تک وہ اُس کا محبوب نہیں ہو سکتا۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خالی امن کی خواہش امن پیدا نہیں کر دیا کرتی۔ کیونکہ بالعموم امن کی خواہش اپنے لئے ہوتی ہے دوسروں کے لئے نہیں ہوتی چنانچہ جب لوگ کہتے ہیں۔ دولت بڑی اچھی چیز ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ دشمن کی دولت بھی اچھی چیز ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے لئے اور میرے دوستوں کے لئے دولت بڑی اچھی چیز ہے۔ اور جب وہ کہتے ہیں۔ صحت بڑی اچھی چیز ہے تو اس کے معنی بھی یہ نہیں ہوتے کہ میرے دشمن کی صحت اچھی چیز ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے لئے صحت بڑی اچھی چیز ہے ورنہ دشمن کے متعلق تو انسان ہی چاہتا ہے کہ

وہ نازدار اور کمزور ہو۔ اسی طرح جب لوگ عزت و تہ کے متمنی ہوتے ہیں تو ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ محض اپنے لئے۔ پس جب دنیا کا یہ حال ہے تو خالی امن کی خواہش بھی فساد کا موجب ہو سکتی ہے کیونکہ جو لوگ بھی امن کے متمنی ہیں وہ اس رنگ میں امن کے متمنی ہیں کہ صرف انہیں اور ان کی قوم کو امن حاصل رہے۔ ورنہ دشمن کے لئے وہ یہی چاہتے ہیں کہ اُس کے امن کو مٹا دیں۔ اب اگر اسی اصل کو رائج کر دیا جائے تو دنیا میں جو بھی امن قائم ہوگا وہ چند لوگوں کا امن ہوگا۔ ساری دنیا کا نہیں ہوگا۔ اور جو ساری دنیا کا امن نہ ہو وہ حقیقی امن نہیں کہلا سکتا۔ حقیقی امن بھی پیدا ہو سکتا ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرے اوپر ایک بالائی ہے جو میرے ہی امن نہیں چاہتی بلکہ سارے ملکوں کے لئے امن چاہتی ہے اور اگر میں صرف اپنے لئے یا صرف اپنی قوم کے لئے یا صرف اپنے ملک کے لئے امن کا متمنی ہوں تو اُس صورت میں مجھے اُس کی مدد اُس کی نصرت اور اُس کی خوشنودی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عقیدہ دنیا میں رائج ہو جائے تبھی امن قائم ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ پس اَلْمَلِکُ الْقَدُّوْسُ السَّلَامُ کہہ کر قرآن کریم نے انسانی ارادوں کو پاک و صاف کر دیا۔ اور یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ جب تک ارادے درست نہ ہوں اس وقت تک کام بھی درست نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں اس وقت جتنے فساد اور لڑائیاں ہیں سب اسی وجہ سے ہیں کہ انسانوں کے ارادے صاف نہیں۔ وہ منہ سے جو باتیں کرتے ہیں ان کے مطابق ان کی خواہشات نہیں اور ان کی خواہشات کے مطابق ان کے اقوال اور افعال نہیں۔ آج سب دنیا کہتی ہے کہ لڑائی بُری چیز ہے مگر اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اگر

سمجھتا ہے کہ ••• امن جو دوسرے کے امن کو برباد کر کے حاصل کیا جاتا ہے وہ کسی قائم رہنے والا نہیں ہوتا حقیقی امن وہی ہوتا ہے جو ایسی صورت میں حاصل ہو جب کہ کسی کے حق کو تلف نہ کیا گیا ہو۔

غرض حقیقی امن اُموقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایک بلا ہستی تسلیم نہ کی جائے اور یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ امن دینے والا ہے صرف اسلام نے ہی پیش کیا ہے اور اُس نے کہا ہے کہ اَلْعَمَلُ الْفَدْمُ اَلْاَسْلَامُ۔

اس کے بعد وہ پیغام ہے جو اُس ہستی کی طرف سے آتا ہے۔ کیونکہ جب ایک امن قائم رکھنے کی خواہشمند ہستی کا تہ مل گیا۔ تو انسان کے دل میں یہ معلوم کرنے کی بھی خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ آیا اُس نے امن قائم کرنے کا کوئی سامان بھی کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر اُس نے امن قائم کرنے کا کوئی سامان نہیں کیا تو یہ لازمی بات ہے کہ اگر ہم خود امن قائم کرنے کی کوشش کریں گے تو اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ بجائے امن کے فساد پیدا کر دیں۔ پس محض امن قائم کرنے کی خواہش انسان کو صحیح راستہ پر قائم نہیں کر سکتی جب تک ایک بالادستی کی ایسی ہدایات بھی معلوم نہ ہوں جو امن قائم کرنے میں مدد و معاون ہوں۔ کیونکہ اگر انسان کو اپنے بالا افسر کی خواہشات کا صحیح علم نہ ہو تو انسان باوجود اس اُمد و کے کہ وہ اُس کے احکام کی اطاعت کرے اُسے پوری طرح خوش نہیں رکھ سکتا۔ پس اگر ہم اپنے بالا افسر کی خواہش تو معلوم ہو لیکن اُس خواہش کو پورا کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہو۔ تب بھی ہمارا امن قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے ہم کوئی اور طریق اختیار کریں اور اُس کا فتناء کوئی اور طریق اختیار کرنا ہو۔ پس ہمارے امن کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بلا ہستی ہمیں کوئی ایسا

ہمارے خلاف کوئی لڑے تو یہ بُری بات ہے لیکن اگر انکی طرف سے جنگ کی ابتدا ہو تو یہ کوئی بُری بات نہیں سمجھی جاتی۔ اور یہ نقص اسی وجہ سے ہے کہ لوگوں کی نظر ایک ایسی ہستی پر نہیں جو سلام ہے۔ وہ سمجھتے ہیں جہانگیر ہمارا فائدہ ہے ہم اُن باتوں پر عمل کریں گے مگر جب ہمارے مفاد کے خلاف کوئی بات آئے گی تو اُسے رد کر دیں گے۔ مگر قرآن کریم میں جو خدا تعالیٰ کے نام بتائے گئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسب کا خدا ہے کسی ایک کا نہیں۔ اور یہی عقیدہ حقیقی امن کی طرف دُنیا کو لاسکتا ہے کہ دنیا کا ایک خدا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ مسب لوگ امن سے رہیں۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہو گا تو اُموقت ہماری خواہشات خود غرضی پر مبنی نہیں ہونگی۔ بلکہ دنیا کو عام نفع پہنچانے والی ہونگی اُس وقت ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ فلاں بات کا ہمیں فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان بلکہ ہم یہ دیکھیں گے کہ ساری دنیا پر اس کا کیا اثر ہے۔ یوں تو دنیا ہمیشہ اپنے فائدہ کے لئے دوسروں کے امن کو برباد کرتی رہتی ہے لیکن اس عقیدہ کے ماتحت ایسا کرنے کی جرأت اُس میں نہیں ہو گی کیونکہ وہ سمجھے گی کہ اگر میں نے ایسا کیا تو ایک بلا ہستی مجھے کچل کر رکھ دیگی۔ جیسے ایک بچہ دوسرے کا کھلونا چھین لیتا ہے تو وہ اپنے لئے امن حاصل کر لیتا ہے لیکن اُس کے ساتھ ہی دوسرے کا امن چھینا جاتا ہے۔ اور ایک تو خوش ہو رہا ہوتا ہے اور دوسرا درد مٹا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا تم سمجھتے ہو کہ ماں باپ یا استاد اگر دہان موجود ہوں تو وہ اس کھیل کو جاری رہنے دیں گے؟ وہ کسی اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ بلکہ جس بچہ نے کھلونا چھینا ہو گا اُس کا کھلونا واپس لے کر اُس کے اصل مالک کو دے دیں گے۔ اور جب وہ ایسا کرتے ہیں تب بچہ

ہر قسم کے مسئلے کو بیان کرنے والی ہے پس خدا تعالیٰ نے اسلام کے لئے امن کا مدرسہ بھی قائم کر دیا۔ امن کا کورس بھی مقرر کر دیا اور مدرس امن بھی بچھ دیا۔ مدرس امن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور امن کا کورس وہ کتاب ہے جو یحیدی پہلے اللہ مِّنَ النَّبِّ رَضَوْنَاهُ مُبَلِّغُ السَّلَامِ کی مصداق ہے۔ جو شخص خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے چاہیے کہ اس کتاب کو پڑھے اس میں جس قدر سبق ہیں وہ سُبُلُ السَّلَامِ یعنی سلامتی کے راستے ہیں۔ اور کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں جس پر عمل کر کے انسانی امن برباد ہو سکے۔

ایک بالاحسنی کا وجود ہی ہمارے ارادوں کو درست کرتا ہے۔ مدرسہ کا قیام ہماری عملی مشکلات کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اس کتاب کی عملی تفسیر ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے ذریعہ خدا تعالیٰ نے وہ کتاب بھیجی ہے جس میں وہ تمام تفصیلات موجود ہیں جن سے امن حاصل ہو سکتا ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ یہ امن جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے کس کے لئے ہے؟ اللہ تعالیٰ اس جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی (نمل آیت ۶۰) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کہہ دے الحمد للہ صلب تعریف اُس اللہ کے لئے ہے جس نے دنیا میں امن قائم کر دیا اور انسان کی تربیت اور فکر کو دُر کر دیا۔ اور کہو وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی وہ بندے جو خدا تعالیٰ کے پسندیدہ ہو جائیں اور اپنے آپ کو اُس کی راہ میں خدا کر دیں اُن کے لئے بھی امن پیدا ہو جائے گا اور وہ بھی با امن زندگی بسر کرنے لگ جائیں گے۔ یہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ تمام لوگ

ذریعہ بھی بنائے جو امن قائم کرنے والا ہو۔ سو اس غرض کے لئے جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا امن نے کوئی ایسا ذریعہ بتایا ہے یا نہیں تو سورہ بقرہ میں اس کا جواب نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: - وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْسًا لِّبِقَرۡۃِآیۡتِ (۱۲۶) یعنی یہ جو آسمان پر سلام خدا کی خواہش ہے کہ دنیا میں امن قائم ہو اس کے لئے ضروری تھا کہ ہم ایک مرکز قائم کرتے جو دنیا کو امن دینے والا ہوتا۔ سو ہم نے بیت اللہ کو مدرسہ بنایا۔ یہاں چاروں طرف سے لوگ جمع ہونگے اور امن کا سبق سیکھیں گے۔ پس ہمارے خدا نے صرف خواہش ہی نہیں کی۔ صرف یہ نہیں کہا کہ تم امن قائم کرو ورنہ میں تم کو سزا دینگا۔ بلکہ اس دنیا میں اُس نے امن کا ایک مرکز بھی قائم کر دیا اور وہ خانہ کعبہ ہے۔ فرماتا ہے۔ یہاں لوگ آئیں گے اور اس مدرسہ سے لوگ امن کا سبق سیکھیں گے۔

پھر یہ کہ اس مدرسہ کی تعلیم کیا ہوگی۔ اس کے لئے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے خبر پاکر اعلان فرما دیا کہ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِیۡنٌ یَّهْدِیۡ بِہِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ سُبُلَۃَ اللّٰهِ سُبُلُ السَّلَامِ (مائدہ آیت ۱۶-۱۷) یعنی اے لوگو! تم تاریکی میں پڑے ہوئے تھے۔ تم کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تم اپنے خدا کی مرضی کو کس طرح پورا کر سکتے ہو۔ اس لئے دنیا میں ہم نے تمہارے لئے ایک مدرسہ بنا دیا ہے۔ مگر خالی مدرسہ کام نہیں دیتا جب تک کتابیں نہ ہوں پس فرمایا قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِیۡنٌ۔ خدا کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور اُس کے ساتھ ایک کتاب مبین ہے۔ ایسی کتاب جو

جو آپ کی اتباع کرنے والے اور آپ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے ہیں ان کے لئے کامل امن ہے اور وہ اپنی زندگی کے کسی لمحہ میں بھی بد امنی نہیں دیکھ سکتے۔ پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب خدا سلام ہے تو اُس کی طرف سے امن سادوں کے لئے آنا چاہیے۔ نہ کہ بعض کے لئے۔ کیونکہ اگر خالی اپنوں کے لئے امن ہو تو یہ کوئی کامل امن نہیں کہلا سکتا۔ اس کا بھی اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں جواب دیتا ہے۔ فرماتا ہے۔
 وَقِيلَ لَهُ يَرْبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ
 فَاصْفَعْ عَنْهُمْ وَ قُلْ صَلَٰمٌ فَسَوَفَ يَعْصُوْنَ
 (زفر آیت ۸۹-۹۰) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی تعلیم لیکر آئے ہیں جو سادوں کے لئے ہی امن کا موجب ہے اور ہر شخص کے لئے وہ جنت کا خزانہ اپنے اندر پوشیدہ رکھتی ہے۔ مگر افسوس کہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ اس تعلیم کے خلاف لڑائیاں اور فساد کرتے ہیں جو ان کے لئے نوبہ اور خوشخبری ہے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ کہنا پڑا کہ خدایا میں اپنی قوم کی طرف امن کا پیغام لے کر آیا تھا مگر اِن ہٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ یہ قوم جس کے لئے میں امن کا پیغام لایا تھا یہ تو مجھے بھی امن نہیں دے رہی اَمِّن کے معنی ایمان لانے کے بھی ہوتے ہیں اور اَمِن کے معنی امن دینے کے بھی ہوتے ہیں (اقرب) وَقِيلَ لَهُ يَرْبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ میں اسی امر کا ذکر ہے کہ ہمدانی ہم سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ خدایا باوجودیکہ میں اپنی قوم کے لئے امن کا پیغام لایا تھا وہ اُس کی قدر کرنے کی بجائے میری مخالفت پر مکرر بستہ ہوگئی ہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے میرے امن کو بالکل برباد کر دیا۔ مگر فرمایا فَاصْفَعْ عَنْهُمْ۔ ہم نے اپنے نبی سے یہ کہا ہے کہ ابھی بن لوگوں کو تیری تعلیم کی

عظمت معلوم نہیں اس لئے وہ عقدہ میں آجاتے اور تیری مخالفت پر مکرر بستہ رہتے ہیں تو اُن سے درگزر کر۔ کیونکہ ہم نے تجھے امن کے قیام کے لئے ہی بھیجا ہے۔ وَ قُلْ صَلَٰمٌ اور جب تجھ پر یہ لوگ حملہ کریں اور تجھے ستائیں تو تو یہی کہتا رہ کہ میں تو تمہارے لئے سلامتی لایا ہوں فَسَوَفَ يَعْصُوْنَ عنقریب دنیا کو معلوم ہو جائیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے لئے امن لایا تھا۔ لڑائی نہیں لایا تھا۔ گویا وہ امن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے وہ صرف مومنوں کے لئے ہی امن نہ رہا۔ بلکہ سب کے لئے امن ہو گیا۔

پھر صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی نہیں بلکہ تمام مومنوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
 وَاِذَا صَاحَبْتَهُمْ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا صَلٰمًا سَوْدَ
 فِرْقَانِ (آیت ۶۴) وہ جاہل جو اسلام کی غرض غایت کو نہیں سمجھتے جب مسلمانوں سے لڑنا شروع کر دیتے ہیں تو مومن کہتے ہیں کہ ہم تو تمہاری سلامتی چاہتے ہیں چاہے تم ہمارا برا ہی کیوں نہ چاہو۔ جب دشمن کہتا ہے کہ تم کیسے گندے عقائد دنیا میں رائج کر رہے ہو۔ تو وہ کہتے ہیں یہ گندے عقائد اور بیہودہ باتیں نہیں۔ بلکہ سلامتی کی باتیں ہیں۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑائی ہوئی سلامتی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی نہیں بلکہ مومنوں کے لئے بھی ہے۔ اور صرف مومنوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سلامتی عارضی ہے یا مستقل۔ کیونکہ یہ تو ہم نے مانا کہ السَّلَامُ خدا سے امن ہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو دیا۔ مگر بعض امن عارضی بھی ہوتے ہیں جن کے نیچے بڑی بڑی خرابیاں پوشیدہ ہوتی ہیں جیسے بخارا کے بعض جب نفعہ اپنی پیتا ہے تو اُسے بڑا آرام محسوس

میرا دادا ایسا تھا۔ مگر کبھی تم نے بھی انہوں کو اس بات پر
 رپڑے نہیں دیکھا ہوگا کہ ایک دوسرے کو کہے کہ میں شریف
 النسب ہوں اور تم نہیں۔ اسی طرح جب دنیا میں
 توحید کامل ہوگی تبھی اس قسم کی لڑائیاں بند ہوئیں گی
 پس اخوت و مساوات کا جو سبق توحید سے حاصل
 ہوتا ہے اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم کے متعلق
 دشمن بھی یہ اقرار کرتا ہے کہ اخوت کا جو سبق آپ نے
 دیا اور کسی نے نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کا سبق الگ کر کے نہیں دیا
 بلکہ آپ نے اصل میں توحید کا سبق دیا جس کا لازمی
 نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں اخوت پیدا ہو گئی۔ مثلاً
 جب میں نماز میں کہوں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
 سب تعریف اسی اللہ کی ہے جو عیسائیوں کا بھی رب
 ہے۔ ہندوؤں کا بھی رب ہے یہودیوں کا بھی رب
 ہے۔ تو میرے دل میں ان قوموں کی نفرت کس طرح ہو
 سکتی ہے۔ جبکہ میں رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کے لفظ کے نیچے
 تمام قوموں اور تمام نسلوں کو لے آتا ہوں۔ میں جب
 نماز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہتا ہوں تو دوسرے
 الفاظ میں یہ کہتا ہوں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْمَظاہِبِ
 جگہا۔ یعنی میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو تمام مذاہب
 کا رب ہے۔ اسی طرح جب میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
 رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہتا ہوں تو اس کے معنی یہ بھی ہوتے
 ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْاَقْوَامِ جگہا یعنی میں
 اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو تمام اقوام کا رب ہے
 اسی طرح جب میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہتا
 ہوں تو اس کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
 رَبِّ الْاَیْمَلِہِ جگہا یعنی میں اس خدا کی تعریف کرتا
 ہوں جو تمام ملکوں کا رب ہے۔ اور جب کہ میں

تمام اقوام۔ تمام ملکوں اور تمام لوگوں میں حسن تسلیم
 کر دین کا تو یہ ممکن ہی نہیں کہ میں ان سے عداوت رکھ
 سکوں۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں بتا دیا
 گیا ہے کہ اگر حقیقی توحید قائم ہو اور رب العالمین کی
 حمد سے انسان کی زبان تر ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی
 قوم کا کینہ انسان کے دل میں رہے اور ایک طرف تو
 وہ ان کی بربادی کی خواہش رکھے اور دوسری طرف
 ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف بھی کرے۔
 دوسرا نکتہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ذریعہ یہ نازل فرمایا ہے کہ مَا لَمْ یُنْزَلْ بِہِ عَلَیْکُمْ
 سُلْطَانًا یعنی دنیا میں امن تعمی برباد ہوتا ہے۔ جب
 انسان فطرتی مذہب کو چھوڑ کر رسم و رواج کے پیچھے
 چل پڑتا ہے۔ اگر انسان طبعی اور فطرتی باتوں پر قائم
 رہے تو کبھی لڑائیاں اور جھگڑے نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے
 کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسلام دین فطرت
 ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جو دین فطرت ہوگا۔ وہی
 دنیا میں امن قائم کر سکیگا اور وہی مذہب امن پھیل سکیگا
 جس کا ایک ٹکڑا انسان کے دماغ میں ہو۔ آخر یہ ہو
 کس طرح سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس تعلیم کی طرف
 بلائے جس کا جواب ہماری فطرت میں نہیں اور جس کی
 قبولیت کا مادہ پہلے سے خدا نے ہمارے دماغ اور
 ہمارے ذہن میں نہیں رکھا۔ پس فرمایا مَا لَمْ یُنْزَلْ
 بِہِ عَلَیْکُمْ سُلْطَانًا تم کہہ دو کہ تم ان تعلیموں کے پیچھے
 چل رہے ہو جو فطرت کے خلاف ہیں اور میں تم کو ان
 باتوں کی طرف بلاتا ہوں جو تمہاری فطرت میں داخل ہیں
 اب جو ان انسان اپنی فطرت کو بڑھنے کی کوشش
 کرے گا اس کا دل میکاڑا ٹھٹھے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ہاتھ میں جو کتاب ہے وہ بالکل سچی ہے۔ کیونکہ
 اس کا دوسرا نسخہ میرے ذہن میں بھی ہے۔ اس طرح

آہستہ آہستہ دنیا لیک مرکز پر جائیگی اور ایک ہی خیال پر متحد ہو جائیگی جس کے نتیجے میں امن قائم ہو جائیگا۔

اب ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدرس امن ہیں۔

بے شک آپ نے امن کا مادہ رسد دنیا میں جاری کر دیا ہے۔ بے شک امن کا کورس خدا نے مقرر کر دیا۔ بیشک

اسلام نے تعلیم وہ دی ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور جسے دیکھ کر انسانی فطرت پکاراٹھتی ہے کہ

واقعہ میں یہ صحیح تعلیم ہے۔ مگر کیا لڑائی بالکل ہی بری چیز ہے؟ قرآن کریم اس کا بھی جواب دیتا اور فرماتا ہے کہ امن کے قیام کے لئے بعض دفعہ جنگ کی بھی

ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:- وَكُنُوا
دفعہ ۲۵۷) کہ بیشک امن ایک قیمتی چیز ہے۔

بے شک اس کی تعلیم خدا نے انسانی دماغ میں رکھی ہے۔ مگر کبھی انسان کا دماغ فطرت سے اتنا بعید ہو

جاتا ہے اور انسانی عقیدے مرکز سے اتنے پیسے ہٹ جاتے ہیں کہ وہ امن سے بالکل دور جا پڑتے ہیں۔

اور نہ صرف امن سے دور جا پڑتے ہیں بلکہ حریت ضمیر کو بھی باطل کرنا چاہتے ہیں۔ فرماتا ہے ایسی حالت

میں امن کے قیام اور امن کو وسعت دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جو مٹرائی ہیں ان کا مقابلہ کیا جا

پس وہ جنگ امن ٹھانے کے لئے نہیں بلکہ امن قائم کرنے کے لئے ہوگی۔ جیسے اگر انسان کے جسم کو کوئی

عضو ٹکڑا کر جائے تو فیس خرچ کر کے بھی انسان ڈاکٹر سے کہتا ہے کہ اس عضو کو کاٹ دو۔ اسی طرح

کبھی ایسے گروہ دنیا میں پیدا ہوتے ہیں جو برطانوی ایکسپریس کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور ضروری ہوتا ہے

کہ ان کا آپریشن کیا جائے تا وہ باقی حصہ قوم کو بھی گندہ اور ناپاک نہ کر دیں۔ پس فرمایا وَكُنُوا لَدُنْكُمْ اللَّهُ

النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ۔ مگر بعض کے ذلیلہ اللہ تعالیٰ بعض کی شرارتوں کو دور نہ کر تا تو لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ۔

جائے امن قائم ہونے کے فساد بڑھ جاتا۔ جس طرح سپاہیوں کو بعض دفعہ لاشی چارج کا حکم دیا جاتا ہے

اسی طرح فرمایا۔ بعض دفعہ ہم بھی اپنے بندوں کو اجازت دیتے اور انہیں کہتے ہیں جاؤ اور لاشی چارج کر دو اس لئے

کہ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ اگر لاشی چارج نہ کیا جاتا۔ تو ساری دنیا کا امن برباد ہو جاتا۔ وَلَئِنْ اللَّهُ ذُو فَضْلٍ

عَلَى الْعَالَمِينَ لَئِنْ اللَّهُ تَعَالَى صرف ایک قوم کو ہی امن نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ ساری دنیا کو باہن دیکھے گا خواہشمند

ہے۔ اور چونکہ ان لوگوں سے دنیا کا امن برباد ہوتا ہے اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کا مقابلہ کیا جائے۔ تا

ساری دنیا میں امن قائم ہو۔ بیشک اس کے قیام میں خود ان لوگوں کا امن مرٹ جائے گا۔ مگر دنیا میں ہمیشہ

موازنہ کیا جاتا ہے۔ جب ایک بڑا فائدہ چھوٹے فائدے سے ٹکرا جائے تو اس وقت بڑے فائدے کو لے لیا جاتا

اور چھوٹے فائدہ کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کثیر حصہ دنیا کے امن کی خاطر ایک قلیل گروہ سے جنگ

کی جاتی ہے اور اس وقت تک اسے نہیں چھوڑا جاتا جب تک وہ خلاف امن حرکات سے باز نہ آجائے

یہ ایک مختصر سا ڈھانچہ اس تعلیم کا ہے جو اسلام نے قیام امن کے سلسلہ میں دی۔ اس سے ہر شخص اندازہ

لگا سکتا ہے کہ اسلام نے کس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ امن مسئلہ کو بیان کیا ہے جب کہ باقی مذاہب اس مسئلہ پر بالکل خاموش ہیں اور انہوں نے

نسل انسانی کی کوئی رہنمائی نہیں کی۔ صرف یہ کہہ دینا کہ اگر کوئی شخص تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے

تو تم اپنا دوسرا گال بھی اُس کی طرف پھیر دو۔ اگر کوئی شخص تم سے تمیس مانگے تو اُسے جو غہ بھی اُتار دو۔ اگر کوئی شخص تمہیں ایک کوس بیگار میں لے جانا چاہے تو تم دو کوس چلے جاؤ۔ (متی باب ۱۱ آیت ۳۹ تا ۴۲) میں اِلا تو یہی مشکلات کا کوئی حل نہیں کہتا سکتا۔ اور نہ عیسائیت اور یہودیت صرف اس تعلیم پر عمل کر کے کبھی دنیا میں امن قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تعلیم پر عمل میں نہیں بلکہ بدامنی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اگر کوئی شخص ایک کوس پر اپنے گھر کا سامان لے جانا چاہتا ہے۔ اور ایک مزدور کو وہ مزدورستی پکڑ لیتا ہے تو یہ حقیقت کہتی ہے کہ اسے مزدور پکڑا جا اور مقابلہ نہ کر۔ مگر جب اُس کا گھر آجائے تو وہاں ٹھہر نہیں بلکہ ایک کوس اور آگے چلا جا اب تاؤ اس تعلیم پر عمل کر کے کس کو امن ملا۔ دوسرے شخص کو خود اسباب اٹھا کر دس لانا پڑے گا اور مزدور کو ایک کوس زائد بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ گویا دونوں کو بدامنی ملی۔ امن نہ ملا۔

امن صرف اسی تعلیم پر عمل کر کے قائم ہو سکتا ہے جو اسلام نے پیش کی ہے۔ کیونکہ اسلام ایک کتاب میں پیش کرتا ہے جو اپنے تمام احکام پر با تفصیل روشنی ڈالنے والی ہے اور جس کا مقابلہ نہ تو رات کر سکتی ہے نہ انجیل کر سکتی ہے۔ نہ زندقہ اور ستا کر سکتے ہیں اور نہ دنیا کی کوئی اور کتاب یا محیضہ کر سکتا ہے۔

کتابِ مبین کے ذکر میں اس امر کا بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتابِ مبین کی شناخت کا اخصاص صرف ظاہری دلائل اور براہین پر ہی نہیں دکھا بلکہ اُس نے کتابِ مبین کی پچائی کے لئے ایک اور کتاب بھی تیار کی ہوئی ہے جسے قرآنی اصطلاح میں کتابِ مکنون (سورۃ النور آیت ۷۹)

کہا جاتا ہے۔ کتابِ مکنون کی مثال اُس یانی کی سی ہے جو زمین کے اندر مخفی ہوتا ہے اور کتابِ مبین کی مثال نہروں دریاؤں اور چشموں کے پانی کی سی ہے جو ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح نہروں اور دریاؤں یا بادلوں کے پانی کی وجہ سے کنوؤں کا پانی بھی چڑھ آتا ہے۔ اسی طرح کتابِ مبین کی آمد پر کتابِ مکنون بھی اپنے خزانے کھلنے لگتی ہے۔ اور جب کتابِ مبین کا پانی برسنا بند ہو جائے تو کتابِ مکنون بھی مخفی تر ہو جاتی ہے۔ کتابِ مکنون سے مراد فطرتِ مجیدہ اور ضمیر ہے اور کتابِ مبین خدا تعالیٰ کا تازہ الہام ہے۔ اور کتابِ مبین کی سچائی کا ثبوت یہ ہوتا ہے کہ وہ کتابِ مکنون کے مطابق ہو گویا اصل میں یہ دونوں ٹکڑے ایک ہی کل کے ہیں جسے کتابِ مطلق کہنا چاہیے اور جب کتابِ مکنون اور کتابِ مبین کا اتحاد ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کتابِ مبین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اُنہی دونوں کو دھوکے سے بچانے کے لئے اپنی کتاب کا ایک ٹکڑا اُن کے دلوں اور دماغوں میں بھی رکھ دیا ہے۔ تاکہ جو کتاب اُس کے مطابق ہو وہ اُس کی سمجھی جائے اور جو اُس کے مطابق نہ ہو وہ جھوٹی قرار پائے۔ اسی ہی مثال ہے جیسے سورۃ میں جس جرب دلالت کر دے اُس پر آ رہا تھا تو جہاز کا ایک انجنیئر مجھے علی کی میں نے کیا۔ اور کہنے لگا آپ کے دلالت جانے کے لئے تبلیغ تو ایک بہانہ ہے آپ کسی اور اہم کام کو مبراہم دینے کے لئے گئے ہوئے ہیں نے کہا۔ ہر تو صرف تبلیغ کے لئے ہی گئے تھے اس کے علاوہ اور کوئی کام ہمارے مد نظر نہ تھا۔ مگر چونکہ اُس کے دل میں یہی جھجکا تھا کہ کسی اور کام کے لئے گئے تھے اور تبلیغ کو اڑ بنا دیا تھا وہ کہنے لگا کہ آپ تو انگریزوں کے خلاف کسی قسم کی کوشش کرنے گئے ہوئے اور آپ کا یہ ظاہر کرنا کہ ہم تبلیغ کیلئے

کئے تھے ایک بہانہ ہے۔ میں نے پھر اُسے وہی جواب دیا کہ تبلیغ کے سوا ہمارا کوئی اور مدعا نہ تھا۔ مگر وہ اپنی دھن میں یہی کہتا رہا کہ تبلیغ تو صرف بہانہ ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ میں اپنی خدمات آپ کے پیش کرتا ہوں۔ آپ میرے سپرد کوئی کام کریں۔ اور اگر آپ نے اپنے نمائندوں کو کسی قسم کی غفی ہدایات پہنچانی ہوں تو میں اس کام کو بخوبی سر انجام دے سکونگا اور بڑی حفاظت سے اُن تک پہنچا دیا کرونگا۔ اس کے بعد اُس نے مزید اعتبار جملنے کے لئے ایک وزٹنگ کارڈ VISITING CARD نکالا اور اُسکے دو ٹکڑے پھاڑ کر کہا جب آپ مجھے اس قسم کی ہدایات پر مشتمل خط بھیجیں تو وزٹنگ کارڈ کا نصف حصہ اُس کے ساتھ مجھے بھیجیں اور دوسرا نصف حصہ اپنے اُس نمائندہ کو جس کو وہ خط پہنچانا ہو بھیج دیا کریں وہ نمائندہ جب وہ نصف وزٹنگ کارڈ دکھا کر مجھ سے آپ کے غفی خط کا مطالبہ کرے گا تو میں اُس کے نصف وزٹنگ کارڈ کو اپنے دے دے نصف کے ساتھ ملا کر دیکھ لوںگا۔ اور اگر وہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے تو میں سمجھ جاؤنگا کہ یہ خط اسی کو دینا ہے۔ پھر اُس نے مثال دی کہ فرض کرو میں آپکا خط لے کر دیش میں پہنچا اور وہاں دیکھا کہ ایک ہندوئی شخص میرے انتظار میں کھڑا ہے وہ جب اپنی جیب سے وہ نصف کارڈ نکال کر مجھے دکھایا تو میں اپنے وزٹنگ کارڈ سے ملا کر دیکھوں گا۔ اگر مل گیا تو آپ کا خط اُس کو پہنچا دوںگا۔ یہ مثال تو اس انجینئر نے اپنی اُس غلط فہمی کی بنا پر دی تھی کہ ہم انگریزوں کے خلاف کسی قسم کی سازش کرنے گئے تھے۔ لیکن اتنی بات بالکل درست ہے کہ جب کسی کارڈ کے دو حصے آپس میں فٹ آجائیں تو اس کارڈ کے صحیح ہونے میں کسی قسم کے

شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین کا ایک حصہ انسان کے ضمیر میں رکھ دیا ہے اور جب وہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں تو کتاب مبین کی صداقت بالکل واضح ہو جاتی ہے مگر جس طرح بادشہ ہونے پر کنوؤں کے پانی بھی ٹوٹنے لگتے ہیں۔ اسی طرح کتاب مکھنوں اُس وقت تک کام دیتی ہے جب تک کتاب مبین کا پانی پرستہ ہے جب فتنہ کا زمانہ آجائے تو کتاب مکھنوں بھی محض تر ہو جاتی ہے۔ گویا دونوں کی مثال دو دو تون اور محبتوں کی سی ہے کہ جب ایک قریب آتا ہے تو دوسرا بھی قریب آجاتا ہے اور جب ایک دور چلا جاتا ہے تو دوسرا بھی دور چلا جاتا ہے۔ جب کتاب مکھنوں کسی شخص کی اپنی جلا کی وجہ سے نمایاں ہونے لگتی ہے اور اُس کا مالک اپنی ذکاوت کی وجہ سے اُس کے مطابق اعمال کر کے اُسے اور زیادہ مصفی کر دیتا ہے تو مخالف کتاب مبین یعنی الہام الہی اس پر نازل ہونے لگتا ہے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ يَكَادُ زَيْتُهَا يَعْنِيْهَا وَ زَيْتُهَا تَنْسَسُ نَارُ النُّورِ آیت ۳۶) یعنی فطرت مبارکہ محمدیہ ایسی مصفی اور پاکیزہ تھی کہ قریب تھا کہ خود بخود بغیر آگ کے جل اٹھتی یعنی بغیر اُس کے کہ آسمانی آگ اُس کو چھوتی وہ آپ ہی آپ دقائق اور معرفت کو پالیتی۔ کیونکہ مسنت اللہ یہی ہے کہ جب اس اندرونی تیل میں اتہاب پیدا ہونے لگے تو آسمانی آگ کو وہ خود بخود جذب کر لیتا ہے غرض ان دونوں کتابوں کا عجیب جوڑ ہے کہ ایک کے قریب ہونے سے دوسری بھی قریب ہو جاتی ہے۔ فطرت صحیح ہوتی ہے تو وہ الہام کو کھینچ لیتی ہے اور الہام کی روشنی کسی کو غیب ہو جائے۔ تو

ہے کہ وہ کتاب مبین بھی ہے اور فطرت صحیحہ انسانیہ میں بھی یہ کتاب موجود ہے۔ یعنی اس کا کوئی حکم انسانی فطرت کے مغائر نہیں لیکن چونکہ بغیر آسمانی مدد کے فطرت صحیحہ کے باریک خزانہ کا بھی اظہار نہیں ہو سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ کتاب مبین اتا دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے کتاب مکنون کا ظہور ہو۔ اور کتاب مکنون کے ذریعہ سے کتاب مبین کی لوگوں کو شناخت ہو۔ اسی حقیقت کو صلوا نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ یعنی ذاتِ فطرت کو سمجھنے سے ہی انسان کو خدا ملتا ہے۔ مگر یہ فقرہ ناقص ہے اور شعر کا صرف ایک مصرعہ ہے حق دہی ہے جو قرآن کریم نے بتایا ہے کہ عرفانِ نفس سے خدا متباہر لیکن خدا تعالیٰ کے کلام کے بغیر عرفانِ نفس بھی حاصل نہیں ہوتا گویا انسان اپنی حقیقت کو سمجھنے کیلئے بھی کتاب مبین کا محتاج ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے وابستہ اور پرستہ ہیں۔

پھر فرماتا ہے تَخَلَّافَ بَاخِعَ نَفْسِكَ أَلَا نِيَكُونُوا مُؤْمِنِينَ اے محمد رسول اللہ: یہ عظیم نشان کلام جو ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا اور انہیں اس لازوال دولت سے متمتع کرنے کے لئے تیرے دل میں نبی نوع النسلان کی ہدایت کی اتنی شدید ترپ پائی جاتی ہے کہ شاید تو اپنی جان کو اسی غم میں ہلاک کر لینگا کہ کیوں یہ لوگ اس کتاب مبین پر ایمان نہیں لاتے جو ان کی دنیوی اور اخروی بہبود کے لئے نازل کی گئی ہے اور جس میں ان کی تمام روحانی اور جسمانی ترقیات کے راہِ مغمر ہیں۔ بَخِعَ کے معنی ہوتے ہیں۔ اس طرح چھری پھیری کہ گردن کے پھیلے حصے تک پہنچ گئی۔ گویا ذبح کرنے میں مبالغہ اور سختی سے کام لیا۔ ان معنوں کو مد نظر رکھتے ہوئے

اُس کی فطرت کے صحیح جذبات ابھرتے ہیں۔ اور دونوں میں لازم و ملزوم والی لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کتاب مکنون مٹ جائے تو کتاب مبین بھی نصیب نہیں ہوتی اور جب کتاب مبین سے انسان محروم ہو جائے تو کتاب مکنون بھی مٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کا مل بھی خالی فطرت کے غور سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ فطرت کا مل ہو تو الہام کا مل اُس سے جدا ہی نہیں رہ سکتا۔ وہ فوراً اُس پر اسی طرح آگرتا ہے جس طرح دائرہ لیس کے صحیح آکر پر خود بخود خبر کرنے لگتی ہے یا جواز پ بجلی پر بجلی۔

غرض الہام اور فطرت صحیحہ ایک جوہر کے دو ٹکڑے ہیں اور ان کو الگ الگ سمجھنا سخت نادانی اور بے وقوفی ہے۔ فطرت صحیحہ اور جذبات متناصب کے نتیجہ میں ہی ششِ الہی کی آگ بھڑک اُٹتی ہے جو کلام کو کھینچ لیتی ہے اور دھمال کو آسان کر دیتی ہے پس صحیح اور آسمانی کلام دہی ہو سکتا ہے جس کو فطرت صحیحہ اور جذبات سے کامل اتصال ہو اور بجائے جذبات کو مارنے کے وہ ان کو صحیح طور پر ابھارے اور فطرت صحیحہ اُس کی تصدیق کرے کہ ہاں یہ کلام میرے جسم کا دوسرا ٹکڑہ ہے اور فوراً اُس کی طرف ایک پڑے۔ اُس کے مقابلہ میں جو کلام فطرت صحیحہ کو مارنے کی کوشش کرتا ہے وہ یقیناً کتاب مکنون کے مخالف چلتا ہے اور خواہ مُنہ اُسکی کس قدر ہی تصدیق کریں دل اُس پر مطمئن نہیں ہو سکتے اور وہ ضرور اپنے مقصد کے پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ کیونکہ وہ نصف دھڑکی طرح ہے یا مجرّد زبر ہے کہ جو بغیر مادہ کے پتھر نہیں دے سکتا۔ غرض قرآن کریم کو یہ ایک بہت بڑی نفیست حاصل

اور جو دین کی خدمت یا خدا تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے شعر لکھتے ہیں۔ باقی تمام دہی ہیں جو سیلی مجنوں کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ وہ سیلی اور مجنوں نہیں ہوتے لیکن تم جس وقت اُن کا کلام سُنو گے تو ایسا معلوم ہوگا گویا انہوں نے کبھی کھانا ہی نہیں کھایا۔ کبھی تکبہ سے سر نہیں اٹھایا کہ ساری رات اُن کی آنکھیں نہ کھلی رہی ہوں اور اُن کی آنکھیں کبھی خشک نہیں ہوئیں۔ مگر اور دل اُن کے جسم میں ہے ہی نہیں۔ ہاتھیں ہوئیں کچھ خون بن کر اور کچھ پانی بن کر بہہ چکا ہے اور وہ جیتا جاگتا وجود جو تہارے سامنے بیٹھا ہوگا کئی دفعہ مرا اور دفن ہو چکا اور اُس کے معشوق نے اُس کی قبر کو ٹھکرا دیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سیلی اور مجنوں کو بھی عشق میں پیچھے چھوڑنا چاہتا ہے۔ تو جتنے دنوں پر عشق نے قبضہ کیا ہے عقل نے نہیں کیا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عقل کے میدان میں ہی اپنی برتری ثابت نہیں کی بلکہ جذبات کے میدان میں بھی وہ سب عاشقوں سے آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ کوئی بھی عاشق عشق میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ کے عشق کو جانے دو کیونکہ تمام لوگوں کی رسائی سے بالا ہوتا ہے۔ انسانی عشق کو لے لو۔ مجنوں کیا تھا ایک عورت کا عاشق تھا اُس کا عشق باغرض تھا وہ اُس سے تنقع ہونا چاہتا تھا۔ اُس کے حسن سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا مگر اُس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق جو دنیا سے تھا وہ کسی فائدہ کی غرض سے نہ تھا۔ تنقع کے خیال سے نہ تھا اور پھر وہ ایک دُور سے نہیں۔ دوستوں اور پیاروں سے نہیں حسینوں سے نہیں بلکہ سب سے تھا اور بدعورتوں سے اور بھی زیادہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: - لَعَلَّکَ

اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نوع انسان سے اتنی شدید محبت تھی کہ وہ اُن کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے تھے۔ اور اُن کے ہدایت نہ پانے کو اس طرح محسوس کر رہے تھے جس طرح جوش ہو بھرا ہوا انسان آگے سے پھری پھریا شروع کرتا کر تو گردن کے پچھلے حصہ تک کاٹ جاتا ہے۔ دنیا میں اب تک ہزاروں انبیاء گزرے ہیں۔ مگر نبی نوع انسان کی محبت کا یہ مقام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جہاں ایک طرف عقل و غم کی بہترین مثال ہے وہاں اس کے ذریعہ جذبات کا بھی نہایت پاکیزہ طور پر ظہور ہوا ہے اور یہ جذباتی تمثال حقیقتاً اس نہایت لطیف شعر کا مصداق ہے کہ

ہرگز نمیدانم دلش زندہ شد عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام

دنیا میں خالی عقل نے کبھی زندگی نہیں پائی۔ زندگی ہمیشہ عشق نے پائی ہے۔ جذبات نے پائی ہے۔ دنیا میں بُرے بُرے فلاسفر اور عاشق گزرے ہیں لیکن جو حکومت عشاق نے لوگوں کے دلوں پر کی وہ فلاسفوں کو حاصل نہیں ہوئی۔ انبیاء میں حقیقی عشق کی جوشا میں ہیں انہیں نظر انداز کر دو اور مجازی عشق ہی کو لے لو۔ کتنے آدمی ہیں جو ارسطو یا افلاطون کی باتوں کو جانتے ہیں یا اُن کا نام بھی جانتے ہیں۔ مگر کتنے ہیں جو مجنوں اور سیلی کو جانتے ہیں اور کتنے ہیں جو اُن کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ ہوگا جہاں شاعر نہ ہوں اور یہ شاعر کون ہیں۔ سیلی اور مجنوں کے شاگرد۔ اور اُن میں سے اُن شاعروں کو الگ کر کے جن کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ملحدہ کر دیا

بھی پھلتی ہے۔ مشرق و مغرب۔ گورے اور کالے خوبصورت اور بدصورت سب کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ پھر وہ مکان کی حد بندیوں کو توڑتی ہوئی نکل جاتی ہے اور صدیوں کے بعد صدیاں گزرتی ہیں مگر وہ محبت ختم نہیں ہوتی اور نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کی صف پیٹ دے۔ اور بنی نوع انسان کو دنیا سے اٹھائے۔

یوں تو ہر نیک بندے پر محبت کے پیام کبھی کبھی آتے ہیں۔ حضرت نظام الدین صاحب الدیبا کے متعلق ذکر آتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک خوبصورت لڑکا گزرا۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس کا منہ چوم لیا۔ اس پر شاگردوں نے بھی ایسا ہی کرنا شروع کر دیا کہ شاید اس میں جلوہ الہی جو ایک شاگرد جو آپ کے خاص متلو نظر تھے انہوں نے ایسا نہ کیا۔ باتوں نے اس پر چمکیاں شروع کر دیں۔ آگے چلے تو ایک بھڑادی بھٹی میں آگ جلا رہی تھی اور پتوں کی آگ کے شعلے نکل رہے تھے جو ایک خوبصورت نظارہ پیش کر رہے تھے آپ کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہے پھر جھکے اور شعلے کو بوسہ دیا۔ اس وقت اس شاگرد نے بھی شعلہ کو چوما۔ جس نے لڑکے کو نہیں چوما تھا لیکن باقی شاگرد کھڑے رہے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے خوبصورت بچے کو چوما تھا کیونکہ چوما بچہ سب کو پایا لگتا ہے۔ حالانکہ خواجہ صاحب کو اس میں خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے چوما تھا۔ لیکن مجھے چونکہ نظر نہ آیا۔ اس لئے میں نے نہ چوما۔ اب اس آگ میں مجھے خدا کا جلوہ نظر آیا اور میں نے اسے چوم لیا اور یہاں آپ کی اتباع کی۔ لیکن وہاں میری آنکھیں نہ کھلیں اسلئے

بَاخِعَ نَفْسِكَ اَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ - اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! تیرا اپنی جان کو ہلاک کر دینا اُن خوبصورتوں کے لئے نہیں جنہوں نے البوکر اور عمرؓ کی طرح ایمان لا کر اپنے چہروں کو منور کر لیا تھا بلکہ اُن بدصورت اور بھونڈی شکل کے لوگوں کے لئے جنہیں کچھ کرکھن آتی تھی جنہیں دیکھ کر روحانی شخص کو شنی ہونے لگتی تھی جیسے عقبہ اور شیثہ اور ابو جہل وغیرہ تو اُن کے عشق میں مرا جاتا تھا کہ کیوں اُن کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ مجنون کا عشق اس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ اُس نے اس سے محبت کی جس کی شکل اسے پسند تھی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق اُن لوگوں سے بھی تھا جن کی روحانی شکل آپ کو ناپسند تھی۔ پھر اس کا عشق کسی ایک سے نہیں سادی دنیا سے وابستہ تھا۔ صرف اس زمانہ کے لوگوں سے ہی نہیں بلکہ اُنہی زمانوں سے بھی جیسا کہ فرمایا۔ وَ اٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ رَجَعْتَ، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کو ہی فائدہ پہنچانا نہیں چاہتا بلکہ اُن لوگوں کے لئے بھی جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اپنے دامن فیض کو متدکرا چاہتا ہے پس خود گرد جذباتی دنیا میں اس کا وجود کتنا عظیم الشان ہے۔ اس کے عشق کی انتہا ہی نہیں۔ وہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ سلگاتا ہے۔ پھر اس سے آسمانوں کی طرف پرواز کرتا ہے اور اُس کی روح خدا کے آستانہ پر گر جاتی ہے اور اُس کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے چنگا رہی لیتی ہے گویا محدود محبت غیر محدود محبت کو گھسیٹتی ہے اور پھر دنیا میں آتی ہے اور بعینہ اُسی طرح جس طرح مشرق سے نکل کر آفتاب کی شعاعیں روئے زمین پر پھیلیں شروع ہو جاتی ہیں اُسی محبت

نہ کی لیکن تم نے ہوا دھوس کے ماتحت بچہ کو چوما تھا تو وقتی طور پر ہر بزرگ پر ایسا وقت آتا ہے کہ بنی نوع انسان کی محبت سے وہ لبریز ہو جاتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وقتی نہ تھی اور آپ کی روح اور جسم کا ایک حصہ تھی جس کا پتہ اس سے لگتا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ لَحَنَ اللَّهُ أَيْسَهُوْا وَانْصَارُوا قَبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدُ دَسْمٍ مِلْدَ اَوَّلِ كِتَابِ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاقِعُ اَهْلُوہَا یعنی خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد گاہ بنالیا۔ گویا آپ کے دل میں تڑپ تھی کہ یہود اور نصاریٰ کیوں اپنے لئے جہنم خرید رہے ہیں اور پھر اپنے ماننے والوں کو تنبیہ کی کہ وہ ایسا نہ کریں۔ گویا سکرات موت کے وقت بھی آپ کے اندر سدا ناول اور کفار دونوں کی محبت کا جلوہ تھا۔ ایک طرف یہود اور نصاریٰ کو ترک سے بچانے کا دھتکا۔ دوسری طرف یہ در دھتکا کہ یہی غلطی میرے مٹنے والے بھی نہ کریں۔ غرض آپ کی ساری زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ بنی نوع انسان کے ہر طبقہ کے لئے ہمدردی رکھتے تھے۔

احادیث میں آتا ہے کہ پہلے زمانوں میں خدا تعالیٰ کا دین قبول کرنے والوں کے سروں پر آسے رکھ کر انہیں چیر دیا جاتا تھا اور وہ اُفت تک نہیں کرتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سال نہیں دو سال نہیں تین سال نہیں دس سال نہیں متواتر وفات تک آسے چلتے رہے اور آپ نے اس قدر دکھ اٹھائے کہ زمین و آسمان کے خدا کو یہ کہنا پڑا کہ تو تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ

صبح نے ایک دفتر مصلیب پر چڑھ کر سب گنہگاروں کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔ مگر صبح کو تو ساری عمر میں صرف وہی ایک واقعہ پیش آیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں لوگوں کے لئے مصلیب پر چڑھے اور آپ نے ان کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں موتیں قبول کیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ الفاظ جو ابجگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں نہ نوع کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ نہ ابراہیم کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ نہ داؤد اور سلیمان کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ نہ عیسیٰ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ کیونکہ دنیا کی اصلاح اور ان کی ہدایت کا جو علم آپ کو تھا وہ دنیا میں اور کسی نبی کو نہیں تھا۔ چنانچہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ دعویٰ ایک حقیقت بن کر نظر آتا ہے اور ہمیں قدم قدم پر ایسے واقعات دکھائی دیتے ہیں جو آپ کی اس اعظیم الشان محبت اور شفقت کا ثبوت ہیں جو آپ کو بنی نوع انسان سے تھی۔ چنانچہ آپ کو خدا نے واحد کا پیغام پہنچانے کے لئے سال ہا سال تک ایسی تکالیف میں سے گزنا پڑا کہ جن کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایک دفتر خانہ کعبہ میں کفار نے آپ کے گلے میں ٹیکا ڈال کر اتنا گھونٹا کہ آپ کی آنکھیں سرخ ہو کر باہر نکل پڑیں۔ حضرت ابوبکر نے سنا تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف کی حالت میں دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے ان کفار کو ہٹاتے ہوئے کہا خدا کا خوف کرو۔ کیا تم ایک شخص پر اس لئے ظلم کر

رہے ہو کہ وہ کہتا ہے خدا میرا رب ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایک چٹان پر بیٹھے کچھ گہری فکر میں تھے کہ اچانک ابو جہل نکلا۔ اور اُس نے آتے ہی آپ کو تعظیم مارا اور پھر گندی سے گندی گالیاں آپ کو دینی شروع کر دیں۔ آپ نے تعظیم بھی کھا لیا اور گالیاں بھی سنستے رہے مگر آپ نے زبان سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ جب وہ گالیاں دے کر چلا گیا تو آپ خاموشی سے اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی اپنے گھر میں سے دروازہ میں کھڑی یہ سارا نظارہ دیکھ رہی تھی حمزہؓ اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے وہ سپاہی آدمی تھے اور سارا دن شکار میں بگڑے رہتے تھے اور شام کے وقت اپنے گھر آتے تھے اُس روز بھی وہ شام کے وقت سینہ تان کر بڑے زور زور سے پیراٹتے اور ہاتھ میں تیر کمان پکڑے اچھی بنے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ وہ لونڈی گھری پرانی خادمہ تھی اوپر اُنے کو کبھی برستہ دادوں کی طرح ہوتے ہیں صبح سے وہ اپنا غصہ دبائے بیٹھی تھی جب اُس نے حمزہؓ کو دیکھا تو بڑے جوش سے کہنے لگی تمہیں شرم نہیں آتی تیر کمان لئے جانور مارتے پھرتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے کہ صبح تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ حمزہؓ نے کہا کیا ہوا؟ اُس نے کہا۔ میں دروازہ میں کھڑی تھی تمہارا بھتیجا سامنے پتھر پر آرام سے بیٹھا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا کہ میں نے ابو جہل آیا اور اُس نے پیسے تو اسکو تعظیم مارا۔ اور پھر بے تحاشا گالیاں دینی شروع کر دیں۔ پھر اُس نے اپنے زمانہ انداز میں کہا۔ اُس نے ابو جہل کو کچھ بھی تو نہیں کہا تھا۔ کوئی بات اُس نے نہیں کی تھی جس کی وجہ سے ابو جہل کو غصہ آتا۔ مگر کچھ بھی وہ گالیاں دیتا گیا اور دیتا گیا۔ اور تمہارا بھتیجا چپ

کر کے سامنے کی طرف دیکھتا رہا۔ اور اُس نے اُن کا کوئی جواب نہ دیا۔ ایک عورت اور پھر خاندان کی زبان سے یہ بات سنکر حمزہؓ کی غیرت جوش میں آئی اور خانہ کعبہ کی طرف چل پڑے۔ دروازہ مکہ کا طرفتی تھا کہ شام کے وقت خانہ کعبہ میں بیٹھ کر اپنی بڑائیاں بیان کیا کرتے اور لوگ اُن کی تعریف کرتے تمام رؤساء بیٹھے ہوئے تھے اور ابو جہل بھی اُن میں موجود تھا کہ حمزہؓ گئے اور انہوں نے دہی کمان جو اُن کے ہاتھ میں تھی۔ ابو جہل کے منہ پر مادی اور کہاں نے سنا ہے تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا بھی ہے اور گالیاں بھی دی ہیں اور میں نے سنا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی لفظ تم کو نہیں کہا تھا جس کے بدلہ میں تم گالیاں دیتے۔ پھر حمزہؓ نے کہا تم بہادر بنے پھرتے ہو۔ اور جو چپ کر جاتا ہے اُس پر ظلم اور تعدی کرتے ہو۔ اب میں نے سارے مکہ کے سامنے تمہیں مارا ہے اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے مار کر دیکھو۔ مکہ کے نوجوان حمزہؓ کو پکڑنے کے لئے اُٹھے۔ مگر ابو جہل پر اُن کا ایسا طعن طاری ہوا کہ اُس نے کہا جانے دو۔ صبح مجھ سے ہی کچھ زیادتی ہو گئی تھی۔ (الریضۃ علیہ علیہ السلام ص ۱۵) ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے جب آپ مسجد میں گئے تو بعض شرمیلوں نے آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھری لاکر رکھ دی اور چونکہ وہ بڑی بھاری تھی آپ مسجد سے سر نہ اٹھا سکے حضرت فاطمہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ روتی ہوئی آئیں۔ اور انہوں نے آپ کی پیٹھ پر سے اوجھری ہٹائی دیکھا ابواب الوضوء باب اذا علی علی الصلۃ قدر اربعۃ لم یفسد علیہ منلوۃ، ایک دفعہ آپ بازاو سے گزر رہے تھے کہ مکہ کے ادبا متول کی ایک جماعت آپ کے گرد ہو گئی اور رستہ بھر آپ کی گردن پر یہ کہہ کر تعظیم مانتی چلی گئی۔

کہ لوگو! یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ آپ کے گھر میں ارد گرد کے گھروں سے متواتر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ باورچی خانہ میں گندی چیزیں پھینکی جاتی تھیں جن میں بکریوں اور اونٹوں کی انٹریاں بھی شامل ہوتی تھیں۔ جب آپ نماز پڑھتے تو آپ کے اوپر گرد و غبار ڈالی جاتی۔ حتیٰ کہ عمود ہو کر آپ کو جیان میں سے نکلے ہوئے ایک پتھر کے نیچے چھپ کر نماز پڑھنی پڑتی۔ مگر اس کے باوجود آپ خدا کے واحد کا نام بلند کرتے چلے گئے اور ان لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا میں بھی کرتے رہے۔

جب مکہ دانوں نے دیکھا کہ ہمارے یہ مظالم بھی اس شخص کے پائے استقلال میں کوئی جنبش پیدا نہیں کر سکے تو انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نام اساتھیوں کا کئی طور پر مقابلہ کر دیا۔ اور انہیں شدید اپنی طالب میں محصور کر دیا۔ اور فیصلہ کیا کہ کوئی شخص ان کے پاس سودا فروخت نہ کرے اور نہ ان سے لین دین کرے اور ہر تین سال تک انہوں نے آپ کا مقابلہ جاری رکھا۔ ان آیام میں صحابہؓ کو ایسی تکلیف سے اپنے دن بسر کرنے پڑے کہ بعض دفعہ وہ درختوں کے نیچے کھاکر گزارہ کرتے تھے اور بعض دفعہ انہیں کھجور کی ٹھیلیاں کھانی پڑیں اور یہ سلسلہ صرف چند دن یا چند ہفتے یا چند مہینے جاری نہیں رہا بلکہ تین سال تک جاری رہا۔ تین سال کے بعد مکہ کے چند شرفاء کھدوں میں اس ظلم کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی اور انہوں نے اس معاہدہ کو توڑ کر مصدورین کو باہر نکال دیا۔ مگر ان تین سالہ لمبے مظالم کا یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑے دنوں کے بعد ہی آپ کی دفا شمار میوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا کیونکہ اس لمبے مقابلہ نے ان کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس مقدس خاتون کے مہیوں

غلام تھے اور جو مکہ کے مالدار اشخاص جس قسم جو مہیوں گھرانوں کو کھانا کھلا کر خود کھانا کھایا کرتی تھیں بڑھاپے میں جب انہیں کئی کئی فائے کرنے پڑے اور اگر کچھ کھانے کو ملا بھی تو درختوں کے نیچے یا کھجور کی ٹھیلیاں تو اُس وقت ان کی صحت پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا اور پھر چند دن اور گزرے کہ حضرت ابوطالب بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر اتنے لمبے ظلم کے باوجود آپ نے شعب ابی طالب اپنا قدم باہر رکھتے ہی فیصلہ کیا کہ اگر مکہ کے لوگ خدا تعالیٰ کی آواز سننے کے لئے تیار نہیں تو مکہ سے باہر رہنے والوں کو مجھے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانا چاہیے مشاہدہ ان میں کوئی سعید درج ہو جو اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہے اور اُسے قبول کرے اُس کی برکات کی وارث ہو۔ چنانچہ آپ طائف تشریف لے گئے جو مکہ سے قریب سا ٹھہریں کے فاصلہ پر ایک شہر شہر ہے اور لوگوں کو خدا کے واحد کی طرف بلا یا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سننے اور اُسے قبول کرتے، انہوں نے لڑکوں کو اکسایا اور انہوں نے پتھروں سے اپنی جھولیاں بھر لیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر اور شروخ کر دیا۔ آپ کے پاؤں پتھروں کی بوچھاڑ سے ہولناک ہو گئے اور حضرت زیدؓ بھی جو آپ کے ساتھ تھے آپ کو بچاتے ہوئے سخت زخمی ہوئے۔ مگر وہ برابر کئی میل تک آپ کو پتھر پڑاتے چلے گئے۔ آپ واپس بھاگتے ہوئے کسی جگہ دم لینے کے لئے ٹھہرے تو جسم اطہر سے خون پونچھتے اور ساتھ ہی فرماتے: اے میرے رب! یہ لوگ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں تو انہیں معاف فرما۔ راستہ میں مکہ کے ایک مرد کا کا باغ تھا۔ آپ وہاں دراستہ کے لئے ٹھہر گئے۔ اس نے جب آپ کے کپڑوں کو خون سے

پاؤں کی مٹی کو صاف کیا (تو باب ۳۸ آیت ۲۸) اسی طرح وہ غلام بھی آپ کے قدموں میں گر گیا اور اُس نے اپنے ہاتھوں سے آپ کے پاؤں کی مٹی اور خون صاف کرنا شروع کر دیا۔ اور محبت سے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ جب وہ واپس گیا تو باغ کے مالک نے اُسے ڈانٹا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ مگر اس کا دل کھل چکا تھا۔ اور وہ آپ پر ایمان لا چکا تھا۔ اور اب کوئی مخالفت اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے علیحدہ نہیں کر سکتی تھی۔

بنی نوع انسان کے لئے یہ کسی مفید انسان ترقی ہے جو آپ کے سینہ و دل میں پس پانی جاتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس ایک عورت آئی۔ اور اُس نے کہا۔ اے استاد! مجھے بھی وہ تعلیم سنا جو تو اپنی قوم کو دیتا ہے۔ مگر انہوں نے کہا۔ میرے پاس تیرے لئے کچھ نہیں۔ یہ تعلیم صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے جو میرے بیٹے ہیں۔ اور بیٹوں کی دینی میں کتوں کے آگے کیسے پھینک سکتا ہوں (متی باب ۱۵ آیت ۲۶) مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جو آپ کی قوم کا نہ تھا۔ ایسے وقت میں آیا جب آپ زخموں سے جوڑ جوڑ تھے اور خون سے لت پت و در تک دشمن کے آگے آگے بھاگے چلے آئے تھے۔ اور ایک ایسی جگہ پر آیا جو آپ کے دشمن کی تھی۔ اور ذرا سی تبلیغ کرنے سے بھی ایک بڑی آفت اُسکی تھی۔ وہ آتا ہے اور خود بھی نہیں کہتا کہ مجھے تبلیغ کرو۔ مگر اُسے دیکھتے ہی آپ تبلیغ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے لئے عرب اور غیر عرب برابر تھے۔ آپ کے دکھ اور آپ کی تکلیف صرف عرب قوم کے لئے ہی نہیں تھیں۔ بلکہ کالے گورے عربی

لت پت دیکھا تو اُس کے دل میں درد پیدا ہوا اور اُس نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور اُسے انگور کے چند خوشے دیئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دو آدمی جو درخت کے نیچے بیٹھے ہیں۔ اُن کے پاس جاؤ۔ اور انہیں یہ انگور کھلاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت زخموں سے جوڑ جوڑ تھے اور بہت دیر تک دشمن کے آگے بھاگے آئے تھے۔ لیکن ادھر یہ غلام آپ کے پاس پہنچا اور ادھر آپ نے اُس غلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ اُس نے جواب دیا۔ میں یمنوا کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا! تم میرے بھائی یونس کے وطن کے ہو۔ آپ کا یہ فقرہ سنکر اس غلام کے کان کھڑے ہو گئے کہ یہ عرب کا باشندہ ہونے کے باوجود یمنوا کے رہنے والے یونس کو اپنا بھائی تصور کرتا ہے۔ اُس نے آپ سے پوچھا آپ کا کیا حال ہے اور لوگوں نے آپ سے ایسا سلوک کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تم تو یونس کے ملک کے ہو تہ جاتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو مصلح دنیا میں آتے ہیں۔ اُن سے ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تم ایک خدا کی طرف آؤ اور تمہاری پرستش نہ کرو اور میں تمہیں بھی یہی بات کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی باتوں پر عمل کرو۔ وہ غلام عیسائی تھا۔ اُسے آپ کی باتیں سنکر یقین ہو گیا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ جس طرح انجیل میں حضرت مسیح کے متعلق آتا ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور اُس نے اُنسوؤں سے آپ کے پاؤں دھوئے شروع کر دیئے اور بالوں سے آپ کے

مہری۔ ہندوستانی سب کے لئے تھیں اور آپ اپنی ایک ایک حرکت میں اس بات کا احساس رکھتے تھے کہ لوگوں کو ہدایت میسر آجائے اور وہ خدا کے آستانہ کی طرف لوٹ آئیں۔ آپ کا یہ سفر جو آپ کی قربانی اور ایثار کا ایک زندہ نمونہ ہے سرورِ کیم اور کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اُسے اپنی کتاب "ذائقہ آف محمد" میں یہ الفاظ لکھنے پر مجبور ہونا پڑا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طائفہ کے سفر میں ایک شاندار شجاعانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ سیکلا آدی جس کی اپنی قوم نے اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اسے دھکا دیا خدا کے نام پر بہادری کے ساتھ ملیں گے کیونکہ نبی کی طرح ایک بُت پرست شہر کو توبہ کی اور خدا کی مٹن کی دعوت دینے کے لئے نکلا۔ یہ امر اس کے اس ایمان پر کہ وہ اپنے آپ کو کلی طور پر خدا کی طرف سے سمجھتا تھا ایک بہت بڑی روشنی ڈالتا ہے۔"

سفر طائف سے واپسی پر مکہ والوں نے پھر ایذا دہی اور استہزاء کے دروازے کھول دیئے۔ مگر آپ محبت اور پیاد سے مکہ والوں کو بُت پرستی کے خلاف وعظ کرتے رہے۔ لوگ بھاگتے تو آپ اُنکے پیچھے جاتے۔ وہ منہ پھیرتے تو آپ پھر بھی باتیں سنتے۔ آخر ان کے تواتر مظالم کی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وطن اور وطن جس میں تیرہ سال تک آپ تبلیغ ہدایت کرتے رہے تھے۔ اور جس کے رہنے والوں کو آپ نے مسکے پہلے خطاب کیا تھا رات کے وقت چھوڑنا پڑا اور چھپتے چھپاتے آپ مدینہ پہنچے مگر دشمن نے دہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا

اور متواتر مدینہ پر حملے ہوتے رہے۔ ایک موسم کے قریب وہ لڑائیاں جیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو لڑنی پڑیں اور ان میں سینکڑوں صحابہ اور آپ کے عزیز ترین رشتہ دار مارے گئے۔ مگر آپ نے خدا کے واحد کا نام بلند کرنے کے سلسلہ میں کبھی کسی مصیبت کو ایک پرکاش کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ آپ صبح بھی اور شام بھی اور دن کے اوقات میں بھی اور رات کی تارکیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام لگوں کو پہنچا چلے گئے اور اس بارہ میں نہ آپ نے جانی قربانی سے دریغ کیا۔ نہ مالی قربانی سے دریغ کیا۔ نہ جذبات اور احساسات کی قربانی سے دریغ کیا اور نہ عزیزوں اور رشتہ داروں کی قربانی سے دریغ کیا۔ آپ کی درمیٹیاں، ابولہب کے دو بیٹوں سے یا ہی ہوئی تھیں اُس نے دھمکی دی کہ اگر آپ توحید کی تعلیم ترک نہیں کریں گے تو میں اپنے بیٹوں سے کہہ کر آپ کی دونوں گولوں کو حق و لوداد بنگا۔ مگر آپ نے پروا نہ کی اور اُس بیعت پنے بیٹوں سے کہہ کر آپ کی دونوں بیٹیوں کو طوق دلا دی۔ پھر زہرے کے مقام پر دس گادین نشانہ صرف آپ کا دھج ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی مبتدعا یا آپ نے اس بہادر کی اس خطرے کی آگ میں اپنے آپ کو پھینکا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنی جان کی کوئی تحققت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ خروہ احد کے توخ پر ایک پھر آپ کے خود پرالنگا اور اُس کے کیل آپ کے سر میں گھس گئے اور آپ بے ہوش ہو کر ان صحابہ کی لاشوں پر جا پڑے جو آپ کے اور گرد لڑتے ہوئے شہید ہو چکے تھے اور اُس کے بعد کچھ اور صحابہ کی لاشیں آپ کے جسمِ اطہر پر جا گریں اور لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ آکر جا چکے ہیں۔ مگر جب آپ کو کڑھے سے نکالا گیا۔ اور آپ کو ہوش آیا تو آپ نے یہ خیال ہی نہ کیا کہ دشمن نے مجھے زخمی کیا ہے۔ میرے ذات توڑنے میں

اور میرے عزیزوں اور رشتہ داروں اور دوستوں کو شہید کر دیا ہے بلکہ آپ نے پوش میں آتے ہی دعا کی کہ :-
 رَبِّ اغْفِرْ لِعَمَلِي خَلَقْتَهُمْ لَعَلَّكَ تَعْلَمُونَ - اسے
 میرے رب! یہ لوگ میرے تمام کوشناخت نہیں کر سکے
 اس لئے تو ان کو بخش دے اور ان کے گناہوں کو معاف
 فرما دے۔ اسی طرح طائف میں جب آپ کو پتھروں کے
 ہولناک کیا گیا اور آپ وہاں سے دوڑتے چلے آ رہے
 تھے تو احادیث میں لکھا ہے کہ یکدم آپ پر کشتی حالت
 طادی ہوئی اور پہاڑوں کا فرشتہ آپ کی خدمت میں
 حاضر ہوا۔ اور اُس نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو طائف
 والوں پر ابھی اُن کے پہلو کے دونوں پہاڑ اُٹا دیئے جائیں
 مگر آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا
 ہے جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے کیا ہے۔ مجھے اُمید
 ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کی نسل میں سے وہ لوگ
 پیدا کرے گا جو اسلام کے خدمت گزار ہوں گے۔
 (بخاری کتاب بدء الخلق) چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ
 بادجو دہس کے کہ دشمنوں نے آپ کو مجنون بھی کہا۔ کاہن
 بھی کہا۔ ساحر بھی کہا کذاب بھی کہا اور ہر رنگ میں انہوں
 نے آپ کے مشن کو مٹانا چاہا۔ مگر آخر انہی میں سے ایسی
 مسجد مدین نکل آئی جنہوں نے دیری سے صداقت
 کو قبول کر لیا اور اپنی جانوں کو مقبلی پر رکھ کر وہ دلوں کا
 اسلام کی اشاعت کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور پتھروں سے
 عرصہ میں ہی انہوں نے جہادِ عالم کو اسلامی نور سے
 منور کر دیا۔

عَنْ نَعْلَانَ بْنِ خَتْمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس بے مثال شفقت اور
 محبت کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ کو جی نوع انسان سے تھی
 اور بتایا گیا ہے کہ آپ اُن کی ہدایت کے لئے رات اور
 دن اِس قدر جہد فرماتے اور اتنی دعائیں کرتے تھے

کہ قرب تھا کہ آپ اِس غم سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیتے
 آپ کو نہ اپنے کھانے کی پرواہ تھی نہ پینے کی پرواہ تھی۔
 نہ حینہ اور آرام کی پرواہ تھی۔ آپ لوگوں کو ہلاکت کے
 گڑھوں سے بچانے اور انہیں نجات اور سلامتی کا راہ
 دکھانے کے لئے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور
 گریہ و زاری کرتے اور اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ
 کے پاؤں متوہم ہو جاتے۔ گویا جس طرح جوش کی حالت
 میں بعض دفعہ انسان بکرے پر چھری چلاتے ہوئے اُس
 چھری کو گدگدن کے آخری حصہ تک پہنچا دیتا ہے اور
 قریب ہوتا ہے کہ اگر ذرا سا بھی اور زور لگ جائے۔
 تو اُس کی گردن کٹ کر پڑے جا پڑے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر
 اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اور اگر آپ کی جان بچی تو اس کے
 یہ معنے نہیں کہ آپ نے کوئی کمی کی تھی بلکہ اس کے معنے
 یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی غیر معمولی حفاظت فرمائی
 ورنہ آپ نے اپنی جان کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہیں
 اٹھا رکھی تھی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امتیازی خصوصیت
 جو اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں بیان فرمائی ہے اِس میں
 مومنوں کے لئے بھی بڑا بھاری سبق ہے اور انہیں توجہ
 دلائی گئی ہے کہ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو اپنی قربانیوں
 کو اِس حد تک پہنچاؤ کہ دشمن کی نظر میں تو وہ صریح خودکشی
 ہو۔ مگر تم جانتے ہو کہ وہ خودکشی نہیں بلکہ ایسی ہی تہمدی
 ابدی حیات کا راز مضمر ہے۔ قرآنِ کریم میں جنگِ احد
 کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَمَوتَ مَنْافِقٌ كَيْتَ
 تھے کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ لڑائی ہوگی تو ہم ضرور ساتھ دیتے
 (آل عمران آیت ۱۶۸) اس کے یہ معنے نہیں کہ انہیں علم نہیں
 تھا کہ لڑائی ہوگی بلکہ بات یہ ہے کہ انہوں نے مشورہ
 دیا تھا کہ لڑائی کے لئے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ اور

إِنْ نَّشَأْ نُنْزِلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ

اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایسا نشان اتار دیں کہ اُس کے سامنے اُن کی

اعناقُہم لہما خضیعین ﴿۵﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِّنْ

گردنیں بھلی کی بھلی رہ جائیں۔ اور رحمن کی طرف سے کبھی کوئی نیا ذکر

الرَّحْمَنِ مُحَدَّثٌ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿۶﴾ فَقَدْ

نہیں آتا کہ جس سے لوگ اعراض نہ کرتے ہوں۔ سو وہ بیکار انہوں نے

كَذَّبُوا فَنَسِيَآئِهِمْ اَنْبِؤْا مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾

مذہبِ انسانی کی باتوں کی جھلایا ہے اس کے پیغمبر میں اُن کے استہزاء کی حقیقت ضرور اُن پر کھل جائے گی۔ ۳۷

والہ وسلم کی ایک بے مثال خصوصیت اور اُن کی شفقت علی خلق اللہ کا ایک بے نظیر نمونہ ہی پیش نہیں کیا گیا بلکہ مومنوں کو یہ نصیحت بھی کی گئی ہے کہ اگر تم خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی قربانیوں کو اس حد تک پہنچا دو کہ دوست اور دشمن کی نگاہ میں تمہاری گردن کٹنے کے قریب پہنچ جائے اور ہر شخص یہ سمجھے کہ تم موت کے منہ میں جا رہے ہو۔ یہی وہ مقام ہے جو روحانی جماعتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر انہیں ابدی حیات حاصل نہیں ہو سکتی۔

اعناق

۳۷ حل لغات : اَعْنَاقٌ : عُنُقٌ اور عُنُقٌ کی جمع ہے اور اَلْعُنُقُ کے معنی گردن کے ہیں۔ اسی طرح اس کے معنی ہیں الرَّءُوسُ اَعْرَاسُ مَرَدِّ رِقَمِ الْجَمَاعَةِ مِنَ النَّاسِ لوگوں کی جماعت (اقرب)

خاضعیین

خَاضِعِينَ : خَاضِعٌ کی جمع ہے جو خَاضِعٌ سے اسم فاعل ہے اور خَاضِعٌ لَہُ کے معنی ہیں اَلتَّحَادُ مطیع ہو گیا۔ پس خَاضِعٌ کے معنی ہونے چکے والا مطیع ہونے والا۔ (اقرب)

اس پر دو روز بحث ہوتی رہی پس منافق باہر نکل کر لڑنے کو خود کشتی قرار دیتے تھے اور جب وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہمیں لڑائی کا علم ہوتا تو ہم ضرور جاتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم تو اسے لڑائی نہیں بلکہ خود کشتی سمجھتے تھے۔ اس لئے شامل نہ ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی مومن جماعت کے پیغمبر ہمیشہ ایسے کام کرتا ہے جنہیں لوگ خود کشتی سمجھتے ہیں۔ اُن جماعتوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں اپنے اموال اپنے اوقات اور اپنی عزت داہرہ عرض سب کچھ قربان کر دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ پاگل ہیں جو اتنی بڑی قربانیاں کر رہے ہیں اور منافق بھی کہتے ہیں کہ یہ بیوقوف لوگ ہیں جو ہمیں بھی بیوقوف بنانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح قربانی کر دے جس طرح ہم کر رہے ہیں غرض منافق بھی اور منافق بھی سب اُسے ہلاکت سمجھتے ہیں۔ مگر مومن جانتے ہیں کہ یہ ہلاکت نہیں بلکہ زندگی کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہے پس تَعَلَّكَ بَانِعٌ مِّنْ نَّفْسِكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُمۡنِنِیْنَ میں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ

محدث

محدث کے معنی ہیں تَقِیْعُ الْقَدِیْم یعنی نیا (قرآن)
تفسیر:- فرماتا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے
ہم اُن پر ایسا عذاب نازل کریں کہ جس کی وجہ سے مجبور
ہو کر اُن کی گردنیں جھک جائیں۔ اور یہ لوگ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے لگ جائیں لیکن اگر
ہم ایسا کریں تو پھر اُن کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں
ہو سکتا کیونکہ ایمان اسی حالت میں انسان کے لئے
فائدہ بخش ثابت ہو سکتا ہے جب خیر اور شر دونوں
مخفی ہوں جو چیز کھلے طور پر نظر آ رہی ہو اُس پر ایمان
لانے سے کوئی انعام ملے نہیں آیا کرتا۔ جیسے سورج
ایک خیر رکھنے والی چیز ہے اور اُس کا وجود قطعی طور پر
ظاہر ہے لیکن سورج کے وجود کو تسلیم کر لینا انسان کو
کسی انعام کا مستحق نہیں ٹھہرا سکتا۔ اور اگر کوئی کہے کہ
جب ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے
سے انعام ملے گا تو ہم سورج پر ایمان لانے سے کیوں
انعام نہیں مل سکتا۔ تو ہم اُسے یہی کہیں گے کہ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا علم چونکہ جستجو اور
جدوجہد اور قربانی کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے آپ
پر ایمان لانا انسان کو اللہ تعالیٰ کے روحانی انعامات
کا مستحق بنا دیتا ہے مگر سورج پر ایمان لانے کے لئے چونکہ
کسی جدوجہد جستجو اور قربانی کی ضرورت نہیں ہوتی اور
اُس کی حقیقت کلی طور پر ظاہر ہوتی ہے اس لئے اُس پر
ایمان لانے سے کوئی انعام نہیں مل سکتا اور اگر اس
جواب پر بھی کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو آپ کے ماننے والوں کو
قربانیاں کرنی پڑیں جس کی وجہ سے وہ انعام کے مستحق
ہوئے مگر آپ کے بعد والوں کو تو کوئی قربانی نہیں کرنی
پڑتی اور پھر انہیں انعام کا مستحق کیوں قرار دیا جاتا ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک نسلی مسلمانوں کو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے
کوئی قربانی نہیں کرنی پڑتی مگر انہیں اپنے ایمان کو قائم
رکھنے کے لئے ہر دقت قربانی سے کام لینا پڑتا ہے۔
کیونکہ اسلام کے ہر حکم کے بارہ میں اُن کے دلوں میں یہ
سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس پر کیوں عمل کریں اور اس
کیوں کے جواب کے لئے انہیں نماز اور روزہ اور حج اور
زکوٰۃ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا پڑتا ہے اور پھر اُن
احکام پر عمل کرنے کے لئے انہیں ہر دقت قربانی اور
جدوجہد کے دور میں سے گزرنا پڑتا ہے جس قربانیوں
سے کوئی مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں۔ صحابہ نے ایمان لانے
کے لئے قربانیاں کی تھیں اور بعد میں آنے والے مسلمانوں
کو اپنے ایمان کو قائم رکھنے کے لئے قربانیاں کرنی پڑتی
ہیں پس چونکہ روحانی انعامات کا حصول قربانیوں
کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کبھی ایسے
نشانات ظاہر نہیں کرتا جو اتنے کھلے اور واضح ہوں
کہ شدید سے شدید معانہ بھی اُن کو دیکھ کر سر جھکا
دیں اور ایمان لانے کے لئے دوڑ پڑیں اور اُن کے لئے
انکار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ کیونکہ اگر
ایسا ہو تو پھر اُن کا ایمان لانا ایک قسم کے جبر کا نتیجہ
ہو گا اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ کسی جبر کے
نتیجہ میں ایمان قبول کریں اور اس طرح اپنے انعامات کو
باطل کر دیں۔ مگر افسوس ہے کہ اتنی واضح آیت کی موجودگی
میں بھی مسلمانوں نے جبر اور قدر کے مسئلہ پر بحثیں شروع
کر دیں اور یہ نظریہ قائم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی بعض باتوں
میں جبر سے کام لیتا ہے۔ چنانچہ آج بھی جب کسی
مسلمان سے پوچھا جائے کہ تمہاری مشکلات کا کیا باعث
ہے تو وہ ایک سر دہا کیے بغیر کہہ دیک کہ تمہاری قسمت
وہ یہ نہیں کہیگا کہ چونکہ ہمارے اندر بعض کمزوریاں باقی
جاتی ہیں اور ہم نے قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنا اور خدا تعالیٰ

مستحق ہے۔ پس اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ایسے نشانات نازل نہیں کرتا جو اپنے کھلے اور واضح ہوں کہ انہیں دیکھ کر کفار کی بھی گردنیں جھک جائیں اور وہ ایمان لے آئیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایک قسم کا جبر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ قبول ہدایت کے بارہ میں کسی قسم کا جبر روا نہیں رکھتا۔

پھر فرماتا ہے۔ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنَ الرَّحْمَنِ مُخْتَلِفًا أَوْ كَاثِرًا عَنَّا مُخْتَلِفِينَ جب بھی جن جن خدا کی طرف سے کوئی نیا پیغام آیا ہے لوگوں نے ہمیشہ اس کا انکار کیا ہے۔ پھر یہ لوگ کس طرح اس پیغام کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس مجاہد خدا کی پیغام کو ان معنوں میں نیا نہیں کہا گیا کہ ہر نئی کوئی نئی شریعت لاتا ہے بلکہ ان معنوں میں اسے نیا قرار دیا گیا ہے کہ وہ پیغام دنیا کی نگاہوں میں نیا ہی ہوتا ہے۔ دنیا اسکو قبول چکی ہوتی ہے اور وہ اس سے ایسی غافل اور بیگانہ ہوتی ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ اس کی اپنی کھوٹی ہوئی چیز ہوتی ہے پھر بھی وہ اسے ایک نئی چیز سمجھنے لگتی ہے اور اس سے ڈر کر دُور بھاگنے لگتی ہے۔ انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر پہلی کتب الہامیہ کو بھی حدیث قرار دیا ہے اور قرآن کریم کی تفصیلات ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ اَللّٰهُ نَزَّلَ الْحَقَّ بِالْمُؤَيَّدِ (الزکریٰ ۲۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے بڑی شان اور طاقت اور قوت کے ساتھ اس کتاب کو اتارا ہے جو احسن الحدیث ہے یعنی ساری الہامی کتابوں سے افضل ہے پس ہر نئی جو دنیا میں ظاہر ہو ا۔ وہ دنیا کے لئے ایک نیا پیغام لایا۔ بعض انبیاء و اولاد ان معنوں میں نیا پیغام لائے کہ وہ ایک ہدایت جدیدہ لائے کہ اسے اور کثیر انبیاء ان معنوں میں نیا پیغام لائے کہ انہوں نے وہ پرانی شراب جس کا سرچشمہ الہی نور تھا نئے برتنوں میں لوگوں کے سامنے پیش کیا

کے احکام کی پیروی کرنا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہدایت پر چلنا چھوڑ دیا ہے اس لئے ہم پر مصائب آرہے ہیں بلکہ یہ کہہ کر کہ تمہاری قسمت اس کی ساری ذمہ داری خدا تعالیٰ پر ڈال دیگا۔ حالانکہ یہ آیت بتاتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے جبری کرنا ہوتا تو وہ نیکی اور ہدایت پر جبر کرتا اور ایسے نشانات نازل کرتا جن سے بڑے بڑے کفار کی گردنیں جھک جاتیں اور وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا۔ وہ نشانات تو نازل کرتا ہے مگر ان میں ایک قسم کا اخفاء بھی رکھتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائیں وہ اپنی اپنی کوشش اور جدوجہد کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں میں نشانات الہیہ کے متعلق ایسی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں کہ ایک دفعہ قادیان میں غیر احمدی مولویوں نے جلسہ کیا۔ اس جلسہ میں ایک غیر احمدی مولوی صاحب نے بڑے جوش کے ساتھ تقریر کی اور کہا۔ مرزا صاحب نبی بنے پھرتے ہیں مرزا صاحب کے معجزے بھی کوئی معجزہ نہیں۔ معجزہ تو یہ ہوتا ہے کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کے پاس کوئی شخص مرغ پکا کر لایا۔ آپ نے کھا کر اس سے کہا۔ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے مگر ہم نہیں بھی احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں اور یہ کہہ کر انہوں نے مرغ کی ہڈیاں میں اور ہاتھ میں پکڑ کر انہیں نذر سے دیا یا تو وہی مرغ ٹوک ٹوک کر کھا کر کے اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ اس قسم کے قصے مسلمانوں میں اسی لئے آئے کہ انہوں نے معجزات کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی منت کو نظر انداز کر دیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ اگر ایسے معجزات ظاہر ہوں تو پھر کون شخص ہے جو کسی نبی کا انکار کر سکتا ہے اور اگر ایسے معجزات کے ظہور کے بعد کوئی شخص ایمان لاتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس نے ایمان نہ کر کوئی قربانی کی ہے اور وہ کسی انعام کا

چل رہی ہے لیکن اس قانون کے علاوہ کبھی کبھی خدا تعالیٰ اپنی خدائی ثابت کرنے کے لئے بعض خاص باتیں بھی ظاہر کیا کرتا ہے جن سے پتہ لگ جاتا ہے کہ اس دنیا کا ایک خالق اور مالک ہے جیسے گھڑی چل رہی ہو تو ایک ناواقف آدمی تو یہ سمجھ گا کہ یہ آپ ہی چل رہی ہے کسی اور کا اس پر تصرف نہیں لیکن مالک آتا ہے۔ اُسے چاہی دیتا ہے اور پھر اُسے رکھ دیتا ہے۔ تو اس کو دیکھ کر وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ گھڑی کسی اور کے ذریعہ چل رہی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کبھی کبھی اپنی خاص صفات کے ذریعہ اپنے وجود کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اُس کی صفات کا یہ ظہور اس کے رسولوں اور مصلحین کے ذریعہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ صاف بات ہے کہ جب خدا اس دنیا میں داخل دیگا۔ تو اُس کی کوئی وجہ ہوگی اور وہ وجہ یہی ہوتی ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ سے دُور چلے جاتے ہیں۔ وہ اُس کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ اور اُس کے احکام پر ہنسی اڑاتے ہیں اُس وقت خدا تعالیٰ اُن کو یاد دلانے کے لئے اپنا کوئی مامور اور مُرسل بھیجتا ہے جب وہ مامور اور مُرسل دنیا میں آتا ہے تو وہ زمانہ وہی ہوتا ہے جب لوگ خدا تعالیٰ کو بھول چکے ہوتے ہیں۔ اور جو شخص کسی چیز کو بھول چکا ہو اُس کو اُس کی طرف توجہ دلانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُس نے بھول کر کوئی اور راستہ اختیار کیا ہوا ہوتا ہے اور یہ آنے والا اُس کے روزمرہ اور معمول کے راستہ سے ہٹا کر اُسے دوسری طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اور جو شخص کسی چیز کا عادی ہو چکا ہو اُس سے ہٹانے والا درست نہیں بلکہ دشمن سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں بعض عادی رائج ہو چکی ہیں۔ ہندوستان کی عورتیں پان لکھاتی ہیں۔ اب پان کا زندگی کے کسی شعبہ سے تعلق نہیں۔ پان کے ذریعہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ پان کے ذریعہ

مگر کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی پیغام بر آیا ہو اور دنیا نے اس کے پیغام سے اعراض نہ کیا ہو۔ یا اُسے مختلف قسم کے مصائب اور آلام کا نشانہ نہ بنایا ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ایسے رنگ میں چلایا ہے کہ عام طور پر یہ اس کے عام قواعد کے ماتحت کام کرتی رہتی ہے۔ اور بظاہر خدا کا ہاتھ اس کے کاموں میں نظر نہیں آتا جب سے یہ کائنات پیدا ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایک چکر دے دیا ہے اور یہ زمین سورج کے گرد اور چاند زمین کے گرد چکر کھا رہا ہے۔ اور پھر ساری کائنات کسی مل کر ایک غیر معلوم جہت کی طرف چلی جا رہی ہے۔ بظاہر دیکھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اتفاقی حادثہ ہے اور اس دنیا کو پیرا کر بولا اور چلا بولا کوئی نہیں۔ کیونکہ ایک قانون ہے جو چل رہا ہے۔ مثلاً ایک ایسا شخص جس نے گھڑی نہیں دیکھی اگر وہ ایسے گھر میں آجائے۔ جہاں کوئی آدمی موجود نہ ہو اور مفتہ بھر کی کنبی سے چلنے والی گھڑی چل رہی ہو تو وہ گھڑی کو دیکھ کر یہی سمجھ گا کہ یہ آپ ہی آپ چل رہی ہے۔ اسے چلانے والا کوئی نہیں جب تک وہ وقت نہ آجائے کہ جب گھڑی کو کنبی دی جاتی ہے یا جب تک وہ وقت نہ آجائے کہ جب وہ گھڑی گھڑی ہو جائے۔ درمیانی عرصہ سے وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ کسی اور نے اس کو کنبی دی ہے۔ اور وہ چل رہی ہے۔ اسی طرح دنیا کو چلانے والے نے لاکھوں کروڑوں سال پہلے اس کو کنبی دے دی۔ اور یہ چل رہی ہے جس طرح گھڑی کو دیکھ کر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ آپ ہی آپ چل رہی ہے موائے اس کے کہ وہ واقف ہو۔ اسی طرح دنیا کو دیکھ کر ایک ناواقف انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ آپ ہی

نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس نے قوم کے خیالات کو اتنا دھکا دیا کہ جن کا صدر مسلمانوں سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ مخالفت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پہلے جب مسلمانوں سے کہا جاتا تھا کہ کام کر دو وہ کہتے تھے ہم نے کام کر کے کیا لینا ہے۔ مسیح جب آئیگا تو وہ کافروں کا مال لوٹ کر ہمارے گھروں میں ڈال دیگا۔ حضرت مرزا صاحب کے آنے سے اُن کی سب امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے اُن سے یہ کہا کہ جو کچھ کرنا ہے تم نے کرنا ہے۔ تم نے ہی لڑنا ہے۔ تم نے ہی مرنا ہے اور تم نے ہی اپنی ترقی کے لئے آپ جدوجہد کرنی ہے گویا جو چیز انہیں پہلے بیٹھے بٹھائے حاصل ہونے کی توقع تھی اس کے متعلق انہیں محنت اور قربانی اور جدوجہد کا راستہ دکھایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ تم غلط خیالات میں مبتلا ہو کر اپنی قیمتی زندگی کو ضائع کر رہے ہو۔ اس پر اُن کا غصہ میں مبتلا ہونا اور اُن کا حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کے لئے کھڑا ہو جانا ایک بالکل طبعی بات تھی۔ یہ ایسی ہی بات تھی جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کو کہہ دے کہ آج تمہارے گھر کے تمام افراد کا کھانا ہمارے ہاں ہے لیکن جب کھانے کا وقت آئے تو اُسے پتہ چلے کہ اُسے دھوکا دیا گیا ہے کھانا وغیرہ کسی نے تیار نہیں کیا اب ایسے موقع پر اگر وہ غصہ میں نہ آئے تو کیا کرے کیونکہ اُسے بھوک لگی ہوئی ہوگی۔ بچے دودھ پونگے اور ادھر یہ حالت ہوگی کہ ہمیں گھر میں آٹا گوندھا جا رہا ہوگا۔ آگ جلائی جا رہی ہوگی۔ اور سب کہہ رہے ہونگے کہ یہ کیا معیبت آگئی۔ اب کھانا کب تیار ہوگا۔ اور کب کھا کھینگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے سے حقیقت ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں کو کہا گیا

تھا کہ تمہاری خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت ہے تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آسمان سے مسیح آئیگا اور وہ دنیا کی دو تیس لوٹ کر تمہارے گھروں میں بھر دیگا اور وہ اطمینان اور آرام کے ساتھ بیٹھے تھے۔ سمجھتے تھے کہ نہ ہمیں لکھنے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ نہ دوسرے کمانے کی ضرورت ہے نہ کسی جدوجہد اور قربانی کی ضرورت ہے مسیح آئیگا اور ہم اُس کے اتے ہی باوجود پر جا پہنچیں گے۔ اس عقیدہ کے نتیجہ میں جب وہ علم محروم ہو گئے ترقیات محروم ہو گئے عزت سے محروم ہو گئے بہت سے محروم ہو گئے بستی اور ذلت اور نکت اُن پر پوری طرح چھا گئی تو حضرت مرزا صاحب نے اُن کو کہا کہ جو کچھ غیبا اپنے کام سے بنے گا۔ کسی دوسرے پر امید رکھنا بالکل غلط ہے۔ تم کو ایک دقت کی روٹی نہ ملے سے جتنا صدر مہ پہنچتا ہے اس سے کتنا زیادہ صدر مہ ان لوگوں کو ہوا ہوگا۔ تم تصور کرو کہ اگر کوئی تم سے مذاق کرے کہ رات کو تمہارا ہمارے ہاں کھانا ہوگا اور عین دقت پر جب تمہارے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہوں۔ تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے ساتھ مذاق کیا گیا ہے اور اُس دقت تمہیں کھانا پکانے کی فکر ہو تو جتنا غصہ تمہارے دل میں موت پیدا ہو سکتا ہے اُس سے لاکھوں گنا زیادہ غصہ مسلمانوں کو پیدا ہوا کیونکہ اُن کا اور اُن کی نسلوں کا انحصار ہی اُس لوٹ پر تھا جو مسیح نے کرنی تھی۔ پھر ایک چیز نہیں۔ مسیحوں چیزیں جن جو مسلمانوں میں جھگڑے کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ کہیں دفع بدین پر جھگڑا تھا۔ کہیں امین باجمہر کہیں پر جھگڑا تھا۔ کہیں شہد میں انگلی اٹھانے یا نہ اٹھانے پر جھگڑا تھا۔ کہیں نمازیں پڑھنے پر جھگڑا تھا۔ باندھنے یا ناف کے نیچے باندھنے پر جھگڑا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے ان تمام جھگڑوں کو ختم کر دیا

اور کہا کہ ان باتوں پر لڑنا جھگڑنا فضول ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قوم کو جوش دلانے کے لئے آمین اونچی بھی کہی ہے اور کبھی نیچی بھی کہی ہے۔ کبھی فوج رُوح قائم کرنے کے لئے آپ نے اپنے ہاتھ سینہ پر باندھے اور کبھی انکسار اور تذلل کی حالت میں آپ نے مات کے نیچے بھی باندھ لئے۔ کبھی تشہد کے وقت اپنے انگلی اٹھائی اور کبھی نہیں اٹھائی۔ تشہد میں انگلی اٹھانے کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے ہاتھ سے بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ مگر یہ دونوں طرح جائز ہے۔ خواہ کوئی انگلی اٹھائے یا نہ اٹھائے اسکی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض عربوں کو دیکھ کر کہ اسمیٰ ان میں پوری طرح توحید نہیں آئی تشہد میں انگلی اٹھانے کا حکم دے دیا۔ مگر بعض دفعہ آپ نے انگلی نہیں بھی اٹھائی جو شخص توحید کے عقیدہ پر غلطی کے ساتھ قائم ہو گیا ہے اگر وہ انگلی نہ اٹھائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ مگر اس مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا کہ بعض لوگوں کی محض اس وجہ سے انگلیاں توڑ دی گئیں کہ انہوں نے تشہد میں انگلی کیوں اٹھائی ہے۔ پھر قرآن کے متعلق مسلمانوں میں یہ غلط خیال قائم تھا کہ اس کی کئی آیات منسوخ ہیں لیکن حضرت مرزا صاحب نے اگر کہدیا کہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں۔ بسم اللہ سے لیکر الفاتحہ کے ص تک ایک ایک حرف اور ایک ایک ذرہ اور ایک ایک ذریعہ قلب عمل ہے۔ اب بجائے اس کے کہ مسلمان شکر گزار ہوتے کہ آپ نے ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہمارے سامنے پیش کی ہے جو قرآنی حق کو نمایاں کرنے والی ہے۔ چونکہ یہ تعلیم ان کے خیالات کے خلاف تھی انہوں نے آپ کی مخالفت شروع کر دی اور علماء نے ہندوستان کے

ایک سرے سے لیکر اُس کے دوسرے سرے تک آپ کے خلاف ایک طوفان بے قیڑی برپا کر دیا اور آپ کو کافر اور مرتد اور زندیق اور واجب القتل قرار دیا گیا۔ عرض تاریخ کا یہ دور دَمَائَاتِ مَہْمَرِ مِثْنِ ذِکْرِ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَمَّدٌ إِلَّا كَأَنَّا نَعْنَاهُ مُحَرَّرِ حُرَيْنِ کی سچائی پر شہادت دے رہا ہے جب کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام قوم کی زندگی کا پیغام لے کر آیا ہمیشہ اُس پر ہنسی پڑائی گئی۔ اُسے تباہ کرنے کی کوشش کی گئی اور اُس کے پیغام سے اعراض کیا گیا۔ اسمجد بھی اللہ تعالیٰ اسی اعراض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيَهُمْ أَزْوَاجُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ چونکہ یہ لوگ صداقت کو جھٹلا چکے ہیں اس لئے اب عنقریب ان کے پاس اُن امور کے متعلق جن پر یہ ہنسی اُٹایا کرتے تھے ہمدای عظیم الشان خبریں پوری ہو کر آجائیں گی۔ اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیسی خطرناک چیز ہے۔ اس جگہ سزاؤں کو خبریں اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان کے آخر میں کفار کو تسبیح کی تھی کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے حضور دُعا اور گریہ و زاری سے کام نہیں لو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری کوئی پرواہ نہیں کریگا جس کے معنی یہ تھے کہ اگر وہ توبہ نہیں کریگے تو ان پر عذاب نازل ہوگا اور وہ تباہ کر دیئے جائیں گے پس چونکہ سورہ فرقان کے آخر میں انہیں عذاب کی خبر دی گئی تھی جس پر کفار نے ہنسی اُڑائی اور انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے اعراض کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جن امور پر یہ لوگ ہنسی اُڑاتے رہے ہیں ان کے متعلق اب ہمدای خبریں ان کے سامنے پوری ہو کر آجائیں گی۔ اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے رسول نے جو کچھ کہا تھا۔ سچ کہا تھا۔ نبی کے متعلق

أَوْ لَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ

کیا وہ زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں قسم قسم کے عذ بوٹے

زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝۸ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

بنائے ہیں ۔ اس میں ایک بڑا نشان ہے مگر ان میں سے اکثر

مُؤْمِنِينَ ۝۹ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۱۰

ایمان نہیں لاتے ۔ اور تیرا رب ہی یقیناً غالب (اور بار بار رحم کر نوا لے گا)۔

ع
ہ

تذکرہ

کلمہ لغات :- زَوْج کے معنی ہیں
کُلٌّ وَاجِدٌ مَخْلُوقٌ مُتَحَدٍّ مِنْ جَسَدٍ ۛ ہر وہ چیز جس
کے ساتھ اس کی جنس میں سے ایک اور وجود بھی ہو ۔
أَفْتَنَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۛ ہر چیز کی ایک ایک قسم ۔

(اقرب) تفسیر: سفر مآتا ہے ۔ کیا انہوں نے کبھی
غور نہیں کیا ۔ کہ زمین میں ہم نے کس طرح قسم قسم کی مٹی
ترکاریاں اور پھل وغیرہ پیدا کئے ہیں ۔ اگر وہ اس پر
غور کرتے تو انکو معلوم ہو جاتا کہ دین کے معاملہ میں بھی
خدا ایسا ہی کریگا ۔ اور اعلیٰ روحانی نعمتیں بھیجیگا جو
روح کی غذا بنیں گی ۔ اور اعلیٰ قسم کے انسان پیدا کریگا
جو ایک دوسرے کے ممدود اور خیر خواہ ہوں گے ۔ اور گو
یہ لوگ ابھی خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک نہیں کہہ رہے مگر
تیرا رب بڑا غالب اور رحم کرنے والا ہے وہ ضرور ایسی
تدبیر کرے گا جس سے دنیا پر اس کی بادشاہت قائم ہو
جائے گی ۔ اور اس کے رحم کا لمبا سلسلہ انسانوں کے
لئے جاری ہو جائیگا ۔

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۛ اللہ تعالیٰ نے اس امر
کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ تمام نباتات مردودہ
کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ یعنی ان میں کچھ نر پودے جو ان میں

علامہ ابوالفتح نے اپنی کتاب کلیات میں لکھا ہے کہ
یہ لفظ قرآن کریم میں ہمیشہ ایسے امور کے متعلق استعمال
ہوتا ہے جو بہت بڑی عظمت اور شان رکھنے والے
ہوں ۔ اور چونکہ اسلام کے غلبہ سے بڑی اور عظیم الشان
خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے اس جگہ انبیاء میں نبی
خبروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کفر کی تباہی اور اسلام
کے غلبہ کے متعلق قرآن کریم میں دی گئی تھیں ۔ اور جن پر کفار نے
اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ میں مبنی ڈرائی ۔ مگر تھوڑے نو
کے بعد ہی انہوں نے دیکھا کہ وہی غلام جن کو وہ گلیوں میں
گھسیٹا کرتے تھے اور جن کے سینوں پر بڑے بڑے پتھر
رکھ کر انہیں لات اور مٹا کی پرستش کرنے پر مجبور کیا جاتا
تھا گھوٹے دوڑاتے اور فتح و ظفر کا پرچم لہراتے ہوئے مکہ میں
داخل ہوئے ۔ اور مکہ کے بڑے بڑے صنایع کے لئے سڑے
اس کے کوئی چارہ نہ رہا ۔ کہ وہ اپنے گھروں میں چھپ کر
بیٹھ رہیں یا مکہ کو چھوڑ کر جھاگ جائیں ۔ غرض وہ خبریں
جو ان کی تباہی کے متعلق دی گئی تھیں پوری ہوئیں ۔ اور اسلام
عرب کے کوہ کو نہ میں پھیل گیا ۔ اور اب خدا کے فضل سے
وہ دنیا کے کوہ کو نہ میں پھیل چکا ہے ۔ اور ابھی آئندہ
زمانہ میں اور بھی پھیلیگا ۔

حیوانات میں بھی ہیں۔ اور اب تو بعض سائنسدان اس تحقیق میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ وہ دھاتوں میں بھی نرمادہ کے قائل ہو گئے ہیں۔ ایک سائنسدان کی کتاب میں میں نے پڑھا کہ ٹین بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ٹین نرم ہوتا ہے اور ایک مادہ ہوتا ہے اور وہ بھی ایک دوسرے کے اثر کو قبول کر کے ایک نئی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ اس سے بھی اوپر جاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے اور چیز کے لفظ میں نباتات بھی آ جاتی ہے۔ حیوانات بھی آ جاتے ہیں۔ جمادات بھی آ جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ذرات عالم اور مجموعہ ذرات عالم بھی آ جاتے ہیں اور جب خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا بنایا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ خدا تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز کا جوڑا ہے اور کوئی چیز اپنے جوڑے کے بغیر صحیح نتیجہ پر نہیں کر سکتی جس طرح مادی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے۔ اسی طرح روحانی دنیا میں انسانی رُوح خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا جوڑا ہے اور جب تک الہی فضل انسانی رُوح سے آ کر نہ ملے اس وقت تک روحانی نسل کا سلسلہ قائم نہیں ہو سکتا۔ مجھے یاد ہے۔ میں ابھی بچہ ہی تھا کہ میں نے ایک دفعہ رویا میں دیکھا کہ میں امرتسر میں ہوں وہاں ملکہ کا ایک مُت تھا جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد ایک چوہہ تھا اور وہ بھی سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اور چوہہ ترے پر چڑھنے کے لئے سنگ مرمر کی پیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے رویا میں دیکھا کہ اس پیڑھیوں پر تین چار سال کا ایک بچہ کھڑا ہے جو نہایت حسین اور صاف ستھرا کپڑوں میں ملبوس ہے اور آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے رویا میں میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسیح ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد

اور کچھ مادہ۔ اور جیسے دونوں آپس میں ملتے ہیں تب فصل پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے ماہرین زراعت کہا کرتے ہیں کہ باغوں میں شہد کی مکھیاں رکھنی چاہئیں کیونکہ وہ نرمخت پر بیٹھ کر اس سے زر کا نطفہ لیتی ہیں۔ اور مادہ درخت پر جا کر رکھ دیتی ہیں جس کی وجہ سے اسے خوب پھل آتا ہے۔ عرب لوگ کھجور کے متعلق اس حقیقت کو جانتے تھے اور وہ نرمادہ درختوں کو آپس میں ملایا کرتے تھے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہیں تھا۔ ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھجور کے نرمختوں کو مادہ کھجور دل سے ملا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو نرمکو مادہ پر دالتے ہیں تاکہ فصل اچھی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا کیا فائدہ جو پھل پیدا ہوتا ہے وہ تو ہونا ہی ہے۔ انہوں نے یہ مسئلہ چھوڑ دیا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی فصل ماری گئی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارا یہ تو فصل اچھی نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ کیوں۔ انہوں نے کہا۔ آپ نے جو فرمایا تھا کہ نرمکو مادہ کھجور پر نہ ڈالو۔ آپ نے فرمایا۔ میں تو تہادی طرح کا ایک انسان ہوں یہ علم تو تم جانتے ہو۔ مجھے معلوم نہیں۔ اس نے تم ہی کچھ کر دجے علمی لحاظ سے تم صحیح سمجھتے ہو۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل) غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارہ میں ذاتی طور پر کوئی علم نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تمام نباتات آپس میں جوڑے جوڑے ہیں۔ بلکہ سورہ ذاریات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجِئَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا زَوْجَيْنِ نَعْلَمُ كَيْفَ نَكْوِذُكَ وَذَارِيَاتٍ) یعنی نرمادہ صرف انسانوں میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں ہیں۔ جمادات میں بھی ہیں۔ نباتات میں بھی ہیں۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنَّ أَتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

اور (یاد کر) جب تیرے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا (اور کہا تھا) کہ ظالم قوم یعنی فرعون کی قوم کے پاس جا۔

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ

(اور اُن سے کہہ کہ) کیا وہ تقویٰ نہیں کرتے؟ اُس نے (جواب میں) کہا۔ اے میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ

أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَايَ

وہ میری کذب نہ کریں۔ اور میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے اور میری زبان (اچھی طرح) چلتی نہیں

فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ۝ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذَنْبٍ فَأَخَافُ أَنْ

میں (میرے ساتھ) ہارون کو بھی مبعوث کر۔ اور (یہ بات بھی ہے کہ) ان (لوگوں) کا میرے خلاف ایک الزام بھی ہے اور میں

کہاں پٹا اٹھوں میں سے ایک چیز زمین کی طرف اُڑتی ہوئی نظر آئی۔ وہ خوبصورت رنگوں والے لباس میں پیٹی ہوئی تھی۔ اور اُس کے پر تھے جن سے وہ اُڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ میں روایا میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت مریم ہیں نیچے آ کر جیسے مرغی اپنے پر پھیلا کر بچوں کو اپنے پردن کے نیچے لیتی ہے۔ اسی طرح اُس نے بچہ پر اپنے پر رکھ دیئے۔ اور جب اُس نے ایسا کیا تو میرا زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے:-

LOVE CREATES LOVE

یہی سبق اللہ تعالیٰ نے کفار کو دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ ہم نے اُس میں کیسے کیسے خوبصورت جوڑے پیدا کر دیئے ہیں پھر کیا وہ اس نظارہ کو دیکھتے ہوئے نہیں سمجھ سکتے کہ جس طرح مادی دنیا میں ہم نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے اسی طرح اُن کی دُور بھی اپنی طاقتوں کے اظہار کے لئے ایک جوڑے کی محتاج ہے اور یہ جوڑا خدا تعالیٰ کی رحمت سے مل کر مکمل ہوتا ہے۔ پس اگر وہ اپنی روحانی نسل کو جاری کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس خدائی رحمت کے ہاتھ کو تھام لینا چاہیے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں اُس کی طرف سے بلند ہوا ہے ورنہ جس طرح ایک بانجھ عورت

یعنی محبت محبت پیدا کرتی ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے سمجھا کہ مریم جو روایا میں مجھے بطور ماں کھائی گئی ہے اس سے مُراد خدا تعالیٰ کی محبت ہے اور بچہ جو مسیح کی شکل میں دکھایا گیا وہ دُور کی خدا تعالیٰ کی طرف انابت اور جھلکے کا تشبیہ تھا۔ جب انسانی روح خدا تعالیٰ کی طرف جھلکتی ہے تو اُس کے نتیجہ میں ایک روحانی وجود پیدا ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو ایسا ہی پایا ہوتا ہے جیسے ماں کو اس کا بچہ۔ کیونکہ

يَقْتُلُونَ ﴿١٥﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَادْهَبَا بِأَيْتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ

ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ پس (ہمارا حکم سن کر) تم دونوں ہماری آیتیں لیکر (جسے) جاؤ۔ ہم

مُسْتَمِعُونَ ﴿١٦﴾ فَأَتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ

(تمہارا تمہارا ساتھیوں) ساتھ ہو گئے اور تمہاری دعاؤں کی سنتے رہ گئے۔ پس فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ ہم

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٧﴾ أَنْ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿١٨﴾

رب العالمین (خدا) کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (اس حکم کے ساتھ) کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ۱۷

تم دونوں ہمارے نشان لے کر جاؤ۔ بڑا نشان تو یہی ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری دعائیں سنتے رہیں گے۔ اور فرعون اور اس کے ساتھی تمہارا کچھ بھی نہ کریں گے۔ موقوفہ دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ ہم رب العالمین خدا کی طرف سے تمہاری طرفت رسول بن کر آئے ہیں۔ تم ہمارے پیغام کو قبول کرو۔ ادنیٰ اسرائیل کو غلامی سے نجات دے کر ہمارے ساتھ روانہ کر دو۔ یہ واقعہ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جس خدا نے فرعون کی قوم کے لئے ہدایت کا سامان ہتیا کیا تھا وہ مکہ والوں کے لئے کیوں ہدایت کا سامان ہتیا نہ کرتا۔ فرعون کی قوم کے لئے تو کسی پہلے نبی کی دعا موجود نہیں تھی۔ لیکن مکہ والوں کے لئے تو ابراہیم کی یہ دعا موجود تھی کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۷) یعنی اے ہمارے رب! تو ان لوگوں میں اپنا ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔ انہیں کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ نفوس کرے۔ تو بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ پس اگر بغیر کسی دعا کے

اولاد سے محروم رہتی ہے۔ اسی طرح وہ ان روحانی نعماء سے محروم رہیں گے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لٹائے جا رہے ہیں۔

۱۷ حل لغات :- ذَنْبٌ: يَسْتَعْلِفُ فِي كُلِّ نَحْوٍ يَسْتَوْخِمْ عَقْبَاهُ (مفردات) یعنی ہر وہ فعل جس کا نتیجہ خراب ہو ذنب کہلاتا ہے۔

تفسیر :- فرماتا ہے۔ اُس وقت کو یاد کر جب تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا اور اُسے کہا کہ تو ظالم قوم یعنی فرعونوں کی قوم کے پاس جا اور اُسے کہہ کہ کیا وہ تقویٰ اختیار نہیں کریں گے؟ اس پر موسیٰ نے کہا۔ اے میرے رب! میرے جانے کا کیا فائدہ وہ تو مجھے جھٹلا دیں گے۔ ملا وہ اڑیں میرا سینہ ان کے آنے والے سلوک کا تصور کر کے غمی محسوس کرتا ہے اور میری زبان اس درد سے بند ہوتی رہتی جاتی ہے کہ وہ انکار سے کام لیں گے۔ پس تو اپنا پیغام بارودن کی طرف بھیج۔ نیز وہ مجھ پر گناہ کا الزام بھی عاید کرتے ہیں۔ سو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میری بات سننے بغیر ہی مجھے قتل نہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کی مجال نہیں کہ وہ ایسا کر سکیں۔ لیکن چونکہ تو نے ایک خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ہم بارودن کو بھی مبعوث کرتے ہیں سو

ذنب

سورۃ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر شروع ہوتی ہو
ہر سورۃ سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا
ہوا ہوتا ہے جو ہر یہودی اور عیسائی کو اس امر کی طرف
توجہ دلاتا ہے کہ تم کیوں اس نبی کو نہیں مانتے جو موسیٰ
کی پیشگوئی کے مطابق جب خدا تعالیٰ کا کلام سُنانا ہے
تو اس سے پہلے یہ الفاظ بھی کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ
کا نام لے کر یہ کلام سُنانا ہوں مادہ پھر بھی اس کو
کوئی نرا نہیں مانتی۔

غرض موسیٰ کا ذکر مکہ والوں کو دُعا نے ابراہیمی
کی طرف اور یہودیوں اور عیسائیوں کو تورات کی پیشگوئی
کی طرف توجہ دلانے کے لئے کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے
کہ وہ اس دُعا اور پیشگوئی کی عظمت کو سمجھیں اور محمد رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کا
اسی طرح نشانہ نہ بنیں جس طرح فرعون موسیٰ کا انکار
کر کے نشانہ بنا۔

اَبِ اَنْتَ اَلْقَوَمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ قَوْمَ فِرْعَوْنَ
میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب
فرعون کی طرف بھیجا گیا تو آپ کا بڑا کام یہی تھا کہ
بنی اسرائیل کو اُس کی غلامی سے نجات دلائیں۔ اور
فرعون کو سمجھائیں کہ وہ اس الہی خشاہ میں روک نہ بنے
اور بنی اسرائیل کو اُن کے ساتھ جملنے کی اجازت دیکر
چنانچہ جب بنی اسرائیل مصر سے چلے گئے تو پھر حضرت
موسیٰ علیہ السلام کا مصریوں سے کوئی واسطہ نہ رہا بلکہ
اُن کی تمام تر توجہ بنی اسرائیل کی طرف ہی مبذول رہی
جن کی ہدایت اور ترقی کے لئے وہ مبعوث کئے گئے تھے
گر چونکہ بنی اسرائیل اہل مصر سے مل جل کر رہتے تھے اور
بنی اسرائیل کو الگ محض طلب کرنے اور اُن کے اندر ایک
نئی مذہبی روح پیدا کرنے کی اُس وقت کوئی مودہ نہیں
تھی اس لئے ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اُن کی قوم

اللہ تعالیٰ نے فرعونوں کی ہدایت کے لئے موسیٰ کو مبعوث
فرمادیا تو اتنی بڑی دعا کی موجودگی میں جبکہ اللہ تعالیٰ کا
بھی یہ وعدہ تھا کہ وہ اپنے انعامات کی بارش نازل فرمائے گا۔
پر برسانیکا اور اُسے بھی ایک بڑی قوم بنائے گا۔
(پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰ تا ۲۲) کیوں اُنکی ہدایت کیلئے
اللہ تعالیٰ اپنا برگزیدہ کھڑا نہ کرتا۔ پس محمد رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کا آنا لوگوں کے لئے کسی حیرت کا موجب نہیں بننا
چاہئے حیرت تب ہوتی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے
لوگوں کی ہدایت کا کوئی سامان پیدا نہ ہوتا اور ابراہیمی
دُعا رائیگاں چلی جاتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کا ذکر فرما کر یہود کو بھی
اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم موسیٰ کی کتاب پر
ایمان رکھتے ہو تبہیں معلوم ہے کہ تورات میں یہ پیشگوئی
موجود ہے کہ

”میں اُن کے لئے اُن کھجائیوں میں سے
تجھ سے ایک نبی برپا کروں گا اور جو کچھ میں
اُسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہیں گا۔
اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو
سنیں وہ میرا نام لے کے کہیں گے کہ میں
تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔“

(استغناو باب آیت ۱۵ تا ۱۶)

کیا اس پیشگوئی کے مطابق یہ ضروری نہیں تھا
کہ موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل
میں سے ایک ایسا نبی آتا جو موسیٰ کا مثل ہوتا۔ یعنی
جس طرح وہ صاحب شریعت نبی تھا۔ اسی طرح انبیا
رسول بھی صاحب شریعت ہوتا۔

پھر تورات میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ جب
بھی خدا کا کلام سُنانیکا تو کہیں گا کہ میں خدا کا نام لے کر
تبہیں یہ کلام سُنانا ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کی کوئی

کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت میں شریک کر لیا۔ اور آپ نے
فرعون اور اسکی قوم کو بڑی بھاری تبلیغ کی اور ستوا بتر
کئی نشانات کے ذریعہ اُن پر حجت تمام کی۔ مگر بنی اسرائیل
کے مصر سے چلے جانے کے بعد آپ کا مصر بڑے ساتھ کوئی
واسطہ نہ رہا۔ کیونکہ آپ اصولی طور پر پھر بنی اسرائیل
کی ہدایت کے لئے ہی مبعوث ہوئے تھے لیکن رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کی اور آپ مدینہ تشریف
لے گئے تو مکہ والوں سے آپ کا تعلق منقطع نہیں ہوا
بلکہ آپ برابر اُن کی ہدایت کے لئے کوشش فرماتے رہے
جو آپ کے درجہ اور مقام کی بلندی کا ایک بہت بڑا
ثبوت ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَقُولُونَ فِیْ بُنَیَّائِکَ اَیُّہُمْ
کی اہم غرض تقویٰ کا قیام ہوتی ہے مگر بالعموم لوگ
غفلتی سے نیکی اور تقویٰ کو ایک ہی چیز سمجھ لیتے ہیں حالانکہ
نیکی تو وہ نیک کام ہوتا ہے جو ہم کر چکے ہیں یا کر رہے
ہیں اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان ایسے مقام پر کھڑا ہو
جائے کہ اُس کے دل میں آئندہ جو جذبات بھی پیدا
ہوں نیک اور پاک ہوں۔ کیونکہ جذبات کا اصل
مقام دل ہے گو اُن کا ظہور دماغ کے اعصاب کے
ذریعہ سے ہوتا ہے۔

سائنس دان اس امر پر بحثیں کرتے چلے آئے ہیں
کہ انسانی روح کا منبع دماغ ہے دل نہیں اور یہی
دجہ ہے کہ وہ روح کی حقیقت کو نہیں پاسکے حالانکہ
واقعہ یہ ہے کہ انسانی روح کا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام
کی تعلیموں اور روایا و کثوف سے پتہ چلتا ہے دل سے
تعلق ہے ہاں دماغ چونکہ حضرت اعصاب ہی اسلئے
قلبی علوم کو محسوس کرنا اور دل کے علوم مغیبہ سے تغص
ہونا اس کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
حیاء کا مقام دل کو قرار دیا ہے دماغ کو نہیں۔

اور روح کا سبب گہرا تعلق اُس عضو سے ہو سکتا ہے
جو انسانی جسم میں سبب اہم حیثیت رکھتا ہو اور
جس کا کام سبب نمایاں ہو۔ اور وہ اہم کام دل
کا ہی ہے۔ دماغ کا نہیں۔ دل کی ایک سیکنڈ کی
حرکت بنا ہوئے سے کئی طور پر انسان پر موت وارد
ہو جاتی ہے۔ لیکن دماغ میں اگر فتور پیدا ہو جائے تو
گو اس دجہ سے کہ دماغ کا کام علوم قلبیہ کو محسوس
کرنا ہے علوم پر وہ میں آجاتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ
انسان پر موت بھی وارد ہو جائے۔ غرض دماغ خادم
ہے اور دل وہ اصل مرکز ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنے انوار
نازل کرتا ہے لیکن خواہ فلسفیوں کے تتبع میں کوئی شخص
تدبر اور تفکر اور اخلاق فاضلہ کا تمام بڑا دماغ پر لکھے
یا یہ کہے کہ انسانی عقل اور معرفت کا مرکز دل ہے۔
اور دماغ کو علوم اور معارف کچھ تعلق نہیں پھر خواہ وہ دل اور دماغ
کی بجائے جذبات اور انکار کا لفظ استعمال کرے بہر حال کوئی بے صورت
ہو انسان کیلئے جو چیزوں کی صفائی نہایت ضروری ہوتی ہے اُن میں سے
ایک فکر ہے اور دوسری جذبات لطیفہ ہیں۔ انکار
کی صفائی جسے عربی میں تنویر کہتے ہیں دماغ کی صفائی
سے حاصل ہوتی ہے۔ تنویر اس بات کو کہتے ہیں کہ
انسان کے اندر ایسا نور پیدا ہو جائے جس کی دجہ
سے ہمیشہ صحیح خیالات پیدا ہوتے رہیں جس طرح ایک
تندستی تو یہ ہوتی ہے کہ انسان کہے میں اس وقت
تندرست ہوں۔ اور ایک تندستی یہ ہوتی ہے کہ
انسان آئندہ بھی تندرست رہے۔ اسی طرح تنویر فکر
کی ذہن دہستی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں آئندہ جو خیالات
بھی پیدا ہوں درست ہی ہوں۔ اور تنویر کے جو معنی
دماغ کی نسبت سے ہیں وہی تقویٰ کے معنی دل کی
نسبت سے ہیں۔ یعنی جس طرح فدا صحیح خیال کا پیدا
ہونا تنویر نہیں بلکہ ایسے ملک کا پیدا ہو جانا کہ ہمیشہ

صحیح خیالات ہی پیدا ہوتے ہیں تو میرے۔ ایسی طرح تقویٰ صرف ایک یا چند نیکیوں کا نام نہیں بلکہ انسان کا ایسے مقام پر کھڑا ہو جانا تقویٰ کہلاتا ہے کہ اس کے اندر جو جذبات بھی پیدا ہوں وہ ہمیشہ نیک اور پاک ہوں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے یعنی میرے دل میں جو خیال بھی پیدا ہوتا ہے نیک ہی ہوتا ہے برا نہیں ہوتا۔ غرض انکار کے لئے تو میر اور جذبات کے لئے تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور انسان بڑی کے حلقہ سے اسی وقت معفوظ ہوتا ہے جب کسی انسان کو تو میر انکار بھی حاصل ہو اور تقویٰ قلب بھی حاصل ہو۔ پس اَلَا یَتَّقُونَ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کی طرف تقویٰ اللہ کا پیغام لے کر گئے تھے۔ اور آپ کی بعثت کا بڑا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی دُعاؤں اور تبلیغ اور نصائح کے نتیجہ میں ان کی ایسی اصلاح کر دیں کہ نہ صرف ان کے انکار اور ان کے جذبات میں درستی پیدا ہو جائے بلکہ ان کے اندر ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ آئندہ جب بھی ان کے دماغ میں کوئی خیال پیدا ہو وہ صحیح ہو۔ اور جب بھی ان کے دلوں میں کوئی جذبات پیدا ہوں وہ پاکیزہ ہوں۔ یہی چیز ہے جس پر تمام انبیاء و نوروں دیتے چلے آئے ہیں۔ اور اسلام نے بھی اس کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ روحانی علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل پر نازل ہوتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا دل پاک نہ ہو تو وہ الہی فیضان سے محروم رہتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ رَبِّ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّکَذِّبُوْنِیْ۔ اے میرے رب: میں ڈرتا ہوں کہ وہ میری تکذیب نہ کریں۔ اس کے یہ معنی

نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سنت قدیم کا علم نہیں تھا کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور مبعوث ہوتا ہے تو دنیا اس کا انکار کیا کرتی ہے بلکہ ان کا خوف اس وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ تمام قومیں اپنے اپنے زمانہ میں انبیاء کا انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ پس ان کے دل میں ڈر پیدا ہوا کہ اگر ان لوگوں نے بھی انکار کیا تو یہ بھی خدائی گرفت میں آجائیں گے۔ اور یہ چیز ایسی ہے جو انبیاء کے لئے سخت دکھ کا موجب ہوتی ہے پس انہوں نے فرعون کی طاقت اور اس کے مظالم پر نظر دوڑاتے ہوئے اس امکان کی خطرہ کا اظہار کیا کہ وہ اپنے تکبر اور مکر کی وجہ سے تکذیب پر کمر بستہ ہو جائیگا اور اپنے اس بیخ انجام کو اپنے قریب کر لیگا جو ہمیشہ سے منکرین انبیاء کا ہوتا چلا آیا ہے چنانچہ آیت کا اگلا ٹکڑا ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں وَ یَحْضِقُ صَدْرِیْ۔ اے میرے رب! میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے۔ یعنی ان کے ہدایت کو رد کر دینے کے خیال سے میری یہ کیفیت کہ میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے اور میرا دم گھٹ رہا ہے۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس محبت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو انہیں اپنی قوم سے تھی اور بتایا ہے کہ ان کا سینہ اپنی قوم کے کفر و فسق کا تصور کر کے تنگی محسوس کرتا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی قوم الہی پیغام کا انکار کرے اس کے عذاب کی مستحق ہو۔ مگر اس بارہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک بہت بڑی فضیلت حاصل ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہ کہا ہے کہ رَبِّ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّکَذِّبُوْنِیْ۔ اے میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ

وہ کہیں میری تکذیب نہ کر دیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ فَعَلَمَ اِنَّهٗ لَيَكْذِبُ نَذًا الَّذِیْ یَقُولُ لَا یَاۤیْکُمْ لَآ یُکْذِبُوۡنَکَ وَلَٰکِنَّ الظَّٰلِمِیۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یُحْضِیۡدُوۡنَ (انعام) یعنی ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ مخالف لوگ کہتے ہیں اس سے تجھے بڑا سخت غم پہنچتا ہے کیونکہ یہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فکر نہیں تھا کہ قوم ان کی تکذیب کر رہی ہے بلکہ آپ اگر غمزدہ تھے تو اس لئے کہ قوم خدا تعالیٰ کی آیات کا انکار کر رہی ہے۔ گویا آپ کا غم اپنی ذات کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ آپ کا غم محض اس وجہ سے تھا کہ قوم خدا تعالیٰ کو رد کر رہی ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں نظریوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو یہ ڈر تھا کہ قوم میری تکذیب کرے گی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا غم تھا کہ قوم خدا کا انکار کر رہی ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو اپنی قوم سے فخر اتنی محبت تھی کہ اپنی قوم کے کفر کو دیکھ کر ان کا سینہ تنگی محسوس کرتا تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے کفر کا اتنا درد تھا کہ صدمہ کے مار آپ کی جان نکلی جا رہی تھی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نَحْلَاۡکَ بِاٰیٰتِنَا تَفْسَلٰۤتٍ اَلَّا یُکْذِبُوۡا مَوْعِیٰتِیۡنِ یعنی ان لوگوں کے ایمان نہ لانے اور کافر رہنے کا ہمارے رسول کو اس قدر صدمہ ہے کہ گویا اس کی گردن پر تلوار رکھ کر کسی نے ایک سر سے لے کر دوسرے سر تک اسے کاٹ دیا ہے۔ جب لوگوں کے ایمان نہ لانے کا برا کلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر افسوس تھا تو ان کا کفر کی حالت میں مرجانا آپ پر کس قدر گراں گذرتا ہوگا جو

شخص صرف اس بات سے ہی صدمہ محسوس کرتا ہو کہ ایک شخص خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا اس کے دل پر اس وقت کیا گذرتی ہوگی حسب اسے یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ اب کفر پر اس کا خاتمہ بھی ہو گیا ہے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دنیا میں ہمیشہ بڑی چیزوں پر چھوٹی چیزوں کو قربان کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کمزور انسانیت پر اپنے پیدا کئے ہوئے قیمتی سے قیمتی جوہروں کو قربان کیا۔ آدمؑ اپنے زمانہ کا سب سے قیمتی جوہر تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کمزور لوگوں کیلئے جنہوں نے شیطاں کا ساتھ دیا آدمؑ کی سی قیمتی جان کو قربان کرا دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے قیمتی وجود تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان اذنی شقیوں اور ان بد بخت وجودوں کے لئے جو ہدایت سے محرومی اختیار کر چکے تھے حضرت نوح علیہ السلام کی جان کو قربان کرا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانہ کے سب سے قیمتی وجود تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان کو کمزور اور ناقص انسانوں کے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرب و جلا میں مبتلا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے قیمتی سے قیمتی وجود تھے مگر وہ نبی اسرائیل جو خدا کے لئے صرف اس قربانی کے مالک تھے کہ انہوں نے کہدا یا قَاۤذِیۡبَ اَنْتَ وَ ذٰلِکَ فَخٰبِلًا اِنَّا هٰکُنَا قَاعًا ذٰلَکَ (مائدہ آیت ۲۵) اے موسیٰ! تو اور تیرا بھائی دو دو جاؤ اور ان سے جنگ کرو ہم تو بہر حال اسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔ اس بزدل اور سناسات سے انھیں بند کر لینے والی قوم کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی قیمتی جان کو قربان کرا دیا۔ حضرت یسعی علیہ السلام اپنے زمانہ کے قیمتی ترین وجودوں میں سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جن کے متعلق حضرت یسح علیہ السلام خود کہتے ہیں کہ وہ سانپ اور

اور سچوں کے بچے ہیں (متی باب ۲۲ آیت ۲۷) ان کی زندگی کو
بھینٹ پڑھا دیا۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
زیادہ پاک اور اعلیٰ وجود اس دنیا میں کون آیا کہ جس کے
متعلق ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا کہ
لَوْلَا اَنْتَ لَمْ اَخْلَقْتُ اِلَّا خَلَائِكَ ذَوْنًا يَجْعَلُ مَعْنَفَ
مَلَايِكَتِكَ (اے محمد: میں نے اللہ علیہ وسلم، اگر مجھے پیدا
نہ کرنا ہوتا تو میں زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا۔ مگر وہ
وجود جس کی خاطر بنی نوع انسان پیدا کئے گئے، اب وہ
عقبہ اور شبیہ کی ہدایت اور بھلائی کے لئے اُس کو ایک
ایسی صلیب پر لٹکا دیا جو لوگوں کو تو نظر نہیں آئی مگر
خدا تعالیٰ جس کی نظر میں ہر عیب بھی ظاہر ہے وہ
اس صلیب کے متعلق فرماتا ہے تِلْكَ بَاقِعُ تَفْسَلِكَ اِلَّا
يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،
شاید کہ غم کی چھری تجھ کو ذبح کرتے کرتے تیری گردن کے
آخری تسموں کو بھی کاٹ دیگی اس وجہ سے کہ یہ لوگ
ایمان کیوں نہیں لاتے۔

غرض جہاں تک قربانی اور محبت کا سوال ہے
دنیا کے ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے قربانیاں کیں اور
ہر نبی اپنی قوم کے کفر اور نفاق کو دیکھ دیکھ کر پریشان
حال رہا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے
انبیاء میں یہ فرق ہے کہ پہلے انبیاء کے سینہ میں تو
اپنی قوم کا کفر دیکھ کر صرختیں مچھوس ہوتی تھی۔ مگر
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کفر دیکھ کر ایسا
غم ہوتا تھا کہ قریب تھا کہ آپ اس غم کی وجہ سے اپنے
آپ کو ہلاک کر لیتے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہ کہا کہ
رَبِّ اِنِّیْ اَتَاخَاۤتُ اَنْتَ تَجْعَلُ بُوْدَیْ مَکْرَجِبَ رَسُوْلَیْکَ
صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا کہ جا اور دنیا کو خدا تعالیٰ کا
پیغام پہنچا۔ تو آپ نے فوراً اپنی بیوی کو خبر دی اور

پھر نجد میں اپنی ساری قوم کو خبر دی اور یہ نہیں کہا کہ
قوم میری تکذیب کریگی بلکہ آپ نے دلیری سے خدا تعالیٰ
کے حکم پر لبیک کہا اور کسی ڈر اور خوف کا اظہار
نہیں کیا۔ یہ امر بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بہت بلند تھا
اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
ایک اور بات کی۔ اور فرمایا لَا یَنْطَلِقُ لِسَانُیْ
اے میرے رب: میری تو زبان بھی نہیں چلتی۔ مگر خدا تعالیٰ
کی شان دیکھو کہ وہی موسیٰ جنہیں یہ خوف تھا کہ میں
فرعون کے دربار میں کس طرح بات کر سکو نکاحا درجہ ہوئی
حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ خوبی بیان کی تھی کہ هُوَ
اَفْضَحُ مِنْیْ لِسَانًا (نقص آیت ۲۵) وہ بات
کرنے میں مجھ سے بہت زیادہ فصیح میں جب فرعون کے سامنے
جاتے ہیں تو حضرت ہارون کو ایک فقرہ بھی بولنے نہیں
دیتے اور خود ہی اس کے تمام سوالات کے جواب لیتے
چلے جاتے ہیں۔ اَفْضَحُ مِنْیْ لِسَانًا کے الفاظ بتا
رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یقیناً فصیح انبیاء
تھے۔ اور ان کی زبان میں جیسا کہ پرائے مفسرین
خیال کرتے ہیں کوئی غلطی نقص نہیں تھا صرف اتنی
بات ضرور ہے کہ وہ اپنے آپ کو فصاحت بیان میں
حضرت ہارون علیہ السلام سے کم درجہ پر سمجھتے تھے۔
مگر جب اللہ تعالیٰ نے رسالت کا کام آپ کے سپرد کیا
اور فرعون کے دربار میں آپ تشریف لے گئے۔ تو
وہاں آپ کی فصاحت اور آپ کے دلائل کی مضبوطی
کی ایسی دھاک مچائی کہ فرعون جھجھا اٹھا۔ اور
اُس نے سمجھا کہ اب مقابلہ کے لئے کوئی اجتماعی فرگرم
مرتب کرنا چاہیئے ورنہ یہ لوگوں کو برگشتہ کر دیگا۔
پہم نے اپنی جماعت میں بھی دیکھا ہے کہ
جب کوئی شخص اخلاص کے ساتھ احمدی ہوتا ہے

تو باوجود اس کے کہ وہ ان پڑھ اور جاہل ہوتا ہے۔ احمدی ہوتے ہی اُس کی زبان اس طرح کھل جاتی ہے کہ بڑے بڑے مولوی اُس کے ساتھ بات کرنے سے گھبرانے اور کترانے لگ جاتے ہیں۔ اس کی عقل پہلے سے تیز ہو جاتی ہے۔ اور اُس کی بحث کرنے کی قابلیت غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اُنکا علم اپنا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہوتا ہے جو ہر وقت پر اُن کی تائید کرتا اور انہیں وقت پر ایسی ایسی باتیں سمجھا دیتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ تادیان میں ایک شخص ”پیرا“ ہوا کرتا تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خادم تھا۔ وہ اتنی موٹی عقل کا آدمی تھا کہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ احمدیت کیا ہے لیکن اُسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک ذاتی لگاؤ تھا۔ کہیں اُس کو گنڈھیا کی بیماری ہو گئی۔ وہ پہاڑی آدمی تھا۔ اُس کے رشتہ داروں کو بعض لوگوں نے کہا۔ کہ یہاں اس کا علاج نہیں ہو سکیگا۔ اسے کہیں میدانوں میں لے جاؤ۔ چنانچہ وہ اسے گود واسپورے آئے۔ مگر چونکہ وہ سب غریب آدمی تھے اور ایسے لوگوں کو روٹی بھی کھلائی پڑتی ہے اور دعاؤں بھی دینی پڑتی ہے۔ اس لئے کوئی شخص علاج کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ آخر کسی نے اُنکو بتایا کہ تادیان میں ایک مرزا صاحب ہیں جو بڑے خدا پرست ہیں۔ وہ علاج اور عیم بھی ہیں اُن کے پاس لے جاؤ وہ س کی خبر گیری بھی کریں گے اور دوا بھی دیں گے چنانچہ اس کے رشتہ دار اُسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لے آئے اور اُسے وہاں چھوڑ کر کھسک گئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کا علاج کیا۔ اور آہستہ آہستہ اُسے آرام آنا شروع ہو گیا۔ جب اُس کے رشتہ داروں کو معلوم ہوا کہ اب وہ اچھا ہو گیا ہے اور کام کاج کر سکتا ہے۔ تو دوسری سردیوں میں پھر

اُس کے رشتہ دار آئے اور انہوں نے کوشش کی کہ وہ اُن کے ساتھ چل پڑے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اُس کے قلب میں نیکی تھی۔ جب انہوں نے اُسے کہا کہ ہم تجھے لینے کیلئے آئے ہیں تو کہنے لگا۔ تم بے شک میرے رشتہ دار ہو مگر تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس لئے اب تو جس نے میرا علاج کیا اور جس کی وجہ سے میں اچھا ہوا۔ میرا رشتہ دار وہی ہے میں اُسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ دیورھی پر پڑا رہتا تھا اور جو مہمان آتا تھا اُس کی خدمت کرتا تھا۔ اسی طرح گھر کا معمولی کام کاج بھی کر دیا کرتا تھا۔ اُس کی عقل کا یہ حال تھا کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اُسے براجمبور کیا کرتے تھے کہ وہ نماز پڑھے مگر وہ یہی جواب دیتا تھا کہ مجھے نماز نہیں آتی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو بھی بڑا جوش تھا کہ یہ حضرت مسیح موعود کے دروازے پر بیٹھا رہتا ہے اور نمازیں نہیں پڑھتا لوگ اسے دیکھیں گے تو اعتراض کریں گے اسلئے آپ اسے بار بار نماز پڑھنے کی نصیحت کرتے تھے مگر وہ جواب دیتا مجھے نماز یاد ہی نہیں ہوتی۔ آخر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے تنگ آکر اُسے فرمایا کہ نماز نہیں آتی تو سبحان اللہ سبحان اللہ ہی کہہ لیا کرو۔ چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی ساتویں اٹھویں دن نماز میں شامل ہو جاتا تھا۔ اور سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا رہتا تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے ایک دن اس خیال سے کہ شاید انعام کے لالچ سے اسے نماز پڑھنے کی عادت ہو جائے۔ اُسے فرمایا۔ پیرے اگر تم ایک دن پانچوں نمازیں وقت پر پڑھو اور ایک نماز کا بھی ناعہ نہ کرو۔ تو میں تمہیں دو روپے انعام دوں گا دو روپے اُس زمانہ میں اُس کے لئے بڑا بھاری انعام تھا۔ وہ کہنے لگا۔ آج ضرور میں پانچوں نمازیں پڑھوں گا۔ شاید عشاء کا وقت تھا جب اُس نے نماز شروع کی

صبح ہوئی تو پھر بھی اُس نے ہمت کر کے نماز پڑھ لی۔ ظہر اور عصر میں بھی کسی نہ کسی طرح شامل ہو گیا۔ فجر مغرب کی نماز رہتی تھی۔ اُن دنوں چونکہ ہمارے تھوڑے ہوا کرتے تھے اس لئے اُن کا کھانا ہمارے گھر تیار ہوا کرتا تھا۔ اور مغرب کے وقت اُن کا کھانا گھر سے جایا کرتا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اُس دن مغرب کی نماز نسبتاً دیر سے ہوئی سارو کھانا لے جانے کا وقت ہو گیا۔ جو عورت اندر سے کھانا لایا کرتی تھی اس کے پیرے کو آواز دی کہ پیرے کھانا تیار ہے۔ ہمانوں کے لئے لے جاؤ۔ مگر پیرا مسجد میں تھا۔ اور اُس وقت نماز ہو رہی تھی لیکن بلانے والی عورت کو اس کا علم نہ تھا۔ اُس نے دو چار آوازیں دیں مگر پیرا دہل ہوتا تو جواب دیتا آخر اُس نے زور سے آواز دی کہ پیرا کھانا لے جا نہیں تو میری تیری شکایت کرونگی۔ یہ آواز چونکہ اُس زور سے دی تھی۔ اس لئے پیرے نے بھی سن لی جس پر اُس نے نماز میں ہی جواب دیا کہ ”ٹھہر جا! التحیات پڑھ لوں تے انداز۔“ یعنی ٹھہر جاؤ۔ ابھی تشہد پڑھ کر آتا ہوں۔ گویا عین آخری تشہد میں وہ بول پڑا اور اس طرح اُس نے اپنے دو درپے کھو دیئے۔ تو وہ بہت ہی موٹی عقل کا آدمی تھا۔ اتنی موٹی عقل کا کہ وہ اپنی بیوقوفی کی وجہ سے ہمانوں کو خوش کرنے کیلئے دال میں مٹی کا تیل ڈال کر کھالیا کرتا تھا اور جب لوگ کہتے کہ تم مٹی کا تیل کیوں ڈالتے ہو تو کہتا۔ اس میں کیا حرج ہے۔ سرسوں کا تیل نہ ڈالا تو مٹی کا تیل ڈال لیا۔ اُس وقت قادیان میں نہ تار گھر تھا۔ اور نہ دہل آیا کرتی تھی۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کبھی تار دینے کی ضرورت پیش آتی یا کوئی دیکھ باہل شگوانا ہوتا تو آپؑ بلانے کسی آدمی کو بھیجا دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی پیرے کو بھی بس غرض کہ نے بھیجا

تھے۔ اُن دنوں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو سلسلہ احمدیہ کے اشد ترین مخالفوں میں سے تھے اسٹیشن پر جایا کرتے تھے اور جب کسی نووارد مسلمان کو اُترتے دیکھتے تو اُسے پوچھتے کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے اور جب کسی کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ قادیان جانا چاہتا ہے تو اُسے درغلانے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ یہاں سے واپس چلے جاؤ۔ قادیان میں جا کر تمہارا ایمان خراب ہو جائیگا۔ ایک دن انہیں اور کوئی شکار نہ ملا تو انہوں نے پیرے کو ہی پکڑ لیا۔ وہ اُس دن کوئی تار دینے یا کوئی بٹٹی لینے کے لئے بلے گیا ہوا تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب اُسے کہنے لگے۔ پیرے تیرا تو ایمان خراب ہو گیا ہے۔ مرزا صاحب کا فرار و دجل ہی تو اپنی عاقبت اُن کے پیچھے لگ کر کیوں خراب کر رہا ہے۔ پیرا اُن کی باتیں سنتا رہا۔ جب وہ اپنا جوش نکال چکے تو انہوں نے اپنی باتوں کی پیرے سے بھی تصدیق کر والی چامی اور انہوں نے اُس سے پوچھا کہ بتاؤ میری باتیں کیسی ہیں۔ پیرا کہنے لگا۔ مولوی صاحب۔ میں تو ان پڑھ اور جاہل ہوں۔ مجھے نہ کوئی علم ہے اور نہ میں سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن ایک بات ہے جو میں بھی سمجھ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ میں سال ہا سال سے بٹٹیاں لینے اور تار دینے کے لئے یہاں آتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ اسٹیشن پر آ کر لوگوں کو قادیان جانے سے منع کرتے ہیں۔ آپ کی اب تک شاید میں کوشش میں کتنی ہی جو تیاں گھس گئی ہونگی۔ مگر پھر بھی آپ کی کوئی نہیں سنتا۔ اور مرزا صاحب قادیان میں بیٹھے ہیں پھر بھی لوگ اُن کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔ آخر کوئی بات تو ہے جس کی وجہ سے یہ فرق ہے۔ اب سمجھو! یہ کیسا لطیف اور صحیح جواب ہے۔ وہ فی الحقیقت دینی مسائل کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اور

کتاب نے بتا دیا ہے کہ ہر وہ عیسائی جس کے اندر ایک رانی کے برابر بھی ایمان ہو دیسے ہی معجزے دکھا سکتا ہے جیسے حضرت مسیح نامہری نے دکھائے۔ سو آپ بڑی اچھی بات کی جو ہمیں تکلیف سے بچالیا۔ اور ان اندھوں۔ بہروں۔ ٹوٹوں اور لنگڑوں کو اکٹھا کر دیا۔ اب یہ اندھے۔ بہرے۔ ٹوٹے اور لنگڑے موجود ہیں۔ اگر آپ میں ایک رانی کے برابر بھی ایمان موجود ہے۔ تو ان کو اچھا کر کے دکھا دیجیے۔ آپ فرماتے تھے اس جواب سے پادریوں کو ایسی حیرت ہوئی کہ بڑے بڑے پادری ان ٹوٹوں لنگڑوں کو کھینچ کھینچ کر آگاہ کرنے لگ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے مقررین کو ہر موقع پر عزت بخشتا ہے اور ان کو ایسے ایسے جواب سمجھاتا ہے جن کے نتیجے میں یسین بالکل ہکا بکا رہ جاتا ہے۔

قادیان میں ایک دفعہ پادری زبیر آیا جو دنیا کا مشہور ترین پادری اور امریکہ کا رہنے والا تھا۔ وہ وہاں کے ایک بہت بڑے تبلیغی رسالہ کا ایڈیٹر بھی تھا اور یوں بھی ساری دنیا کی عیسائی تبلیغی سوسائٹیوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اس نے قادیان کا بھی ذکر کرنا ہوا تھا۔ جب وہ ہندوستان میں آیا تو اور مقامات کو دیکھنے کے بعد وہ قادیان آیا۔ اس کے ساتھ ایک اور پادری گاڈن نامی بھی تھا۔ ڈاکٹر غلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اُصوقت زندہ تھے انہوں نے اسے قادیان کے تمام مقامات دکھائے۔ مگر پادری آخر پادری ہوتا ہے یسین زنی سے باز نہیں رہ سکتا۔ ان دنوں قادیان میں ابھی ٹاؤن کمیٹی نہیں بنی تھی۔ اور گلیوں میں بہت گند پڑا رہتا تھا۔ پادری زبیر باتوں باتوں میں ہنس کر کہنے لگا۔ ہم نے قادیان بھی دیکھ لیا اور نئے مسیح کے گاؤں کی صفائی بھی دیکھ لی۔ ڈاکٹر غلیفہ رشید الدین صاحب اسے ہنس کر

کہنے لگے۔ پادری صاحب ابھی پہلے مسیح کی ہی ہندوستان پر حکومت ہے اور یہ اس کی صفائی کا نمونہ ہے۔ نئے مسیح کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی۔ اس پر وہ بہت ہی شرمندہ اور ذلیل ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے کہلا بھیجا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں میری طبیعت کچھ خراب تھی میں نے جواب دیا کہ پادری صاحب بتائیں کہ وہ مجھے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ مگر پہلے نہیں بتا سکتا خیر میں نے ان کو بلالیا۔ وہ بھی آگئے اور پادری گاڈن صاحب بھی آگئے۔ ایک دو دوست اور بھی موجود تھے۔ پادری زبیر صاحب کہنے لگے میں ایک دو سوال کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا فرمائیے۔ کہنے لگے۔ اسلام کا عقیدہ تناسخ کے متعلق کیا ہے؟ آیا وہ اس مسئلہ کو مانتا ہے یا انکار کرتا ہے۔ جو پہنی اس نے یہ سوال کیا۔ مٹا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال دیا کہ بس اس سوال سے خفا یہ ہے کہ تم جو مسیح موعود کو مسیح نامہری کا بروہ اور ان کا شیل کہتے ہو تو آیا اس سے یہ مطلب ہے کہ مسیح نامہری کی طرح ان میں آگئی ہے اگر یہی مطلب ہے تو یہ تناسخ ہوا اور تناسخ کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے چنانچہ میں نے انہیں ہنس کر کہا۔ پادری صاحب آپ کو غلطی لگ گئی ہے۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ مرزا صاحب میں مسیح نامہری کی طرح آگئی ہے بلکہ ہم ان معضوں میں آپ کو مسیح نامہری کا شیل کہتے ہیں کہ آپ مسیح نامہری کے اخلاق اور روحانیت کے رنگ میں رنگین ہو کر آئے ہیں۔ میں نے جب یہ جواب دیا تو اسکا رنگ فق ہو گیا اور کہنے لگا۔ آپ کو کس نے بتایا کہ میں نے یہ سوال کرنا تھا۔ میں نے کہا۔ آپ یہ بتائیں کہ آیا آپ کا اس سوال سے یہی منشا تھا یا نہیں؟

کہنے لگا۔ ہاں میرا مشا تو یہی دریافت کرنا تھا میں حیران
 تھا کہ جب قرآن تنازع کے خلاف ہے تو احمدی مرزا صاحب
 کو کیسے موعودؑ کی طرح کہہ سکتے ہیں۔ پھر میں نے کہا۔ اچھا
 آپ دوسرا سوال پیش کریں۔ کہنے لگا۔ میرا دوسرا
 سوال یہ ہے کہ نبی کی بعثت کیسے مقام پر ہونی چاہیئے
 یعنی اس کو اپنا کام سرانجام دینے کے لئے کس قسم کا
 مقام چاہیئے۔ جو نبی اُس نے یہ دوسرا سوال کیا معاً
 دوبارہ خدا نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس
 سوال سے اس کا غشا یہ ہے کہ قادیان ایک چھوٹا
 سا گاؤں ہے یہ دنیا کا مرکز کیسے بن سکتا ہے۔ اور
 اس چھوٹے سے مقام سے ساری دنیا میں تبلیغ کس طرح
 کی جاسکتی ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کی بعثت
 کا مقصد ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ پہنچانا ہے
 تو آپ کو ایسی جگہ بھیجنا چاہیئے تھا جہاں ساری دنیا
 میں آواز پہنچ سکتی ہو۔ نہ یہ کہ قادیان جو ایک چھوٹا
 سا گاؤں ہے اس میں آپ کو بھیجا جاتا۔ غرض اللہ تعالیٰ
 نے اس کے سوال کے معاً بعد یہ بات میرے دل میں
 ڈال دی اور میں نے پھر اُسے مسکرا کر کہا۔ پادری
 صاحب! ناقصہ یا ناقصہ سے بڑا کوئی شہر ہو وہاں
 نبی آسکتا ہے۔ حضرت یحییٰ ناصری جس گاؤں میں
 ظاہر ہوئے تھے اُس کا نام ناقصہ تھا اور ناقصہ کی
 آبادی بمشکل دس بارہ گھروں پر مشتمل تھی۔ میرے
 اس جواب پر پھر اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ حیران
 ہوا کہ میں نے اس کی اسی بات کا جواب دے دیا جو
 حقیقت اُس کے سوال کے پس پردہ تھی۔ اس
 کے بعد اُس نے تیسرا سوال کیا جو اس وقت مجھے یاد نہیں
 رہا۔ بہر حال اُس نے تین سوال کئے اور تینوں سوالوں
 کے متعلق قبل از وقت اللہ تعالیٰ نے انقار کر کے
 مجھے بتا دیا کہ اس کا ان سوالات سے اصل منشاء

کیا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ وہ پکڑ دیکر پہلے اور سوال
 کرتا تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ اس کا اصل منشاء مجھ پر
 ظاہر کر دیا اور وہ بالکل لاجواب ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ
 قلوب پر عجیب رنگ میں تصرف کرتا اور اس تصرف
 ماتحت اپنے بندوں کی مدد کیا کرتا ہے اور یہ تصرف
 صرف خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوتا ہے بندوں کے اختیار
 میں نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ ایک کچ بخت ملا مسجد میں
 مجھے بلا اور کہنے لگا۔ مجھے مرزا صاحب کی صداقت کا
 ثبوت دیجیئے۔ میں نے کہا۔ قرآن موجود ہے۔ صدار
 قرآن مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت ہے۔ کہنے لگا
 کوئی آیت۔ میں نے کہا۔ قرآن کی ہر آیت مرزا صاحب
 کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اب یہ تو صحیح ہے کہ قرآن
 کی ہر آیت ہی کسی نہ کسی رنگ میں نبی پر چسپاں ہو سکتی
 ہے۔ مگر بعض آیات ایسی ہیں کہ ان کا سمجھنا اور یہ
 بتانا کہ کس رنگ میں اس سے نبی کی صداقت کا ثبوت
 نکلتا ہے بہت مشکل ہوتا ہے۔ فرض کرو کسی آیت
 میں لڑائی کا واقعہ بیان ہو تو آپ کو اس سے بھی نبی
 کی صداقت ثابت کی جاسکتی ہے مگر وہ ایسا رنگ
 ہوتا ہے جو عام طبائع کی سمجھ سے بالا ہوتا ہے۔ مگر
 مجھے اس وقت یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ تصرف فرما کر اسکی
 زبان سے وہی آیت نکلوائے گا جس سے نہایت
 وضاحت کے ساتھ حضرت یحییٰ موعود علیہ السلام کی
 صداقت ثابت ہو جائیگی۔ خیر وہ اصرار کرتا رہا کہ آپ
 کوئی آیت بتائیں۔ مگر میں یہ کہوں کہ آپ کوئی آیت
 پڑھ دیں۔ اسی سے میں حضرت مرزا صاحب کی صداقت
 ثابت کر دوں گا۔ آخر اُس نے یہ آیت پڑھی کہ دَمِنَ
 النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَيَأْتِيَوْمَ الْخِزْرِ
 دَمًا حُمْرًا مُمُؤْمِنِينَ (بقمرہ آیت ۹) میں نے سمجھ لیا
 کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی تصرف ہے کہ اُس نے اسکی زبان سے

یہ آیت نکلوائی ہے چنانچہ میں نے اُس سے کہا۔ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق ہے مسلمانوں کے متعلق ہے یا غیر مسلمانوں کے متعلق۔ اس کا اصل سوال یہ تھا کہ جب مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں حج کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں تو ان کے لئے کسی نبی کی کیا ضرورت ہے۔ جب اُس نے یہ آیت پڑھی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق ہے۔ اُس نے کہا۔ مسلمانوں کے متعلق۔ میں نے کہا تو پھر یہ آیت بتائی ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی بعض لوگ خراب ہو جاتے ہیں۔ وہ مُنہ سے تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں مگر درحقیقت وہ مومن نہیں ہوتے۔ اور قرآن یہ بتاتا ہے کہ خالی اپنے آپ کو مومن کہہ دینا کافی نہیں جب تک انسان اپنے عمل سے بھی ایمان کا ثبوت نہ دے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جب مسلمان بھی بگڑ سکتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ ان کی اصلاح کے لئے کسی نبی کو بھیجیگا یا نہیں بھیجیگا۔ دونوں کو تسلی دینا تو خدا کا کام ہے مگر اس کی زبان بند ہوگئی اور وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکا اور اس بات کا میرے دل میں پہلے ہی یقین تھا کہ جو آیت اس کے مُنہ سے نکلے گی وہ وہی ہوگی جس سے اس کی زبان بند ہو جائیگی تو علم بھی خدا کے اختیار میں ہے۔ حُرّات بھی خدا کے اختیار میں ہے۔ عزت بھی خدا کے اختیار میں ہے اور طاقت بھی خدا کے اختیار میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ میں فرعون کے دربار میں کہاں بول سکوں گا۔ مگر جب وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی تائید فرمائی کہ فرعون دنگ رہ گیا اور اُسے دلائل کے میدان میں موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دینے پڑے۔

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا

کہ خَاوِسِلْ اِلٰی هَارُوْنَ تُو اپنا پیغام ہارون کی طرف بھیج۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ تُو مجھے مبعوث نہ کر بلکہ جیسا کہ سورہ طہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ دُعا کی تھی کہ وَاجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَ هَارُونَ اَخِي اَشَدَّ بَهْ اَزْدِي وَاشْرَحْهُ بَنِي اُمْرِي (طہ آیت ۳۰ تا ۳۲) یعنی اے میرے! میرے اہل میں سے ہارون کو جو میرا بھائی ہے میرا نائب تجویز کر اور اُس کے ذریعہ سے میری طاقت کو مضبوط فرما اور : سے میرے کام میں شریک کر۔ پس اُوَسِّلْ اِلٰی هَارُوْنَ کے یہ معنی ہیں کہ میرے علاوہ اس کی طرف بھی کلام بھیج اور اُسے بھی میرے ساتھ مبعوث فرما۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کسی مقدس انسان کو فوت کا مقام عطا کیا جاتا ہے تو وہ انکسار کی وجہ سے گھبراتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو میں اس عظیم الشان ذمہ وادی کو پوری طرح ادا نہ کر سکیں اور اس میں میری طرف سے کوئی خامی اور نقص رہ جائے یہی طریق تمام انبیاء کا ہے اور اسی طریق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کام لیا اور کہہ دیا کہ ہارون کو بھی میرے ساتھ شامل کر دیجیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے امتداد میں انکسار سے کام لیا اور جب فرشتے نے کہا اَقْبِذْ یعنی پڑھ۔ تو آپ نے یہی فرمایا کہ مَا اَنَا بِقَادِرٍ۔ میں تو پڑھ سے لکھے آدمیوں میں سے نہیں ہوں۔ اس وجہ سے میں نے کیا کام کرنا ہے۔ اور اسی بنا پر ابتدائی ایام میں آپ کو شدید گھبراہٹ رہی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ستوار تائیدات نے آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کر دیا کہ آپ نے سمجھ لیا اب میرا فرض ہے کہ میں آگے کی طرف بڑھتا چلا جاؤں اور کسی شکل کی پدا نہ کر دوں مگر آپ کا عرفان جو کہ

موسوی عرفان سے بہت زیادہ تھا اس لئے آپ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کوئی مددگار دیا جائے۔ بلکہ آپ کیلئے ہی اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ آپ کے سپرد جو کام تھا وہ موسوی کے کام سے بہت بڑا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو متمدن تھی اور تمدن لوگوں کو دینی علوم سکھانا۔ ان میں نظام قائم کرنا اور ان کے اندر جماعتی رُوح پیدا کرنا نسبتاً آسا ہوتا ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی طرف آئے تھے جو تمدن اور تہذیب سے بالکل نا آشنا تھی۔ یہاں تک کہ اطاعت جو دنیا میں مہذبہ مولا کا شعار سمجھا جاتا ہے وہ ان کے نزدیک سخت ذلت کی بات تھی چنانچہ عرب کی ادب کی کتب میں لکھا ہے کہ عرب میں ایک بادشاہ عمرو ابن ہند تھا۔ اس نے ایک علاقہ پر جو شام اور عراق کی طرف تھا اپنی حکومت قائم کی۔ اور عرب کے لحاظ سے اس قدر شوکت حاصل کر لی کہ اُسے یہ خیال پیدا ہوا کہ سارا عرب میری بات مانتا ہے۔ ایک دن درباریوں سے اُس نے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا عرب میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو میری بات ماننے سے انکار کر سکے۔ وہ اس بات کو خوب سمجھتا تھا کہ عرب کے لوگ اطاعت کرنا نہیں جانتے۔ مگر اُس نے خیال کیا کہ مجھے ایسا مطلب حاصل ہو گیا ہے کہ اب عرب کوئی شخص کم از کم میری بات ماننے سے انکار نہیں کر سکتا انہوں نے کہا۔ ایک شخص عمرو ابن کلثوم ہے۔ جو اپنے قبیلہ کا سردار ہے۔ ہمارے خیال میں وہ ایسا شخص ہے جو آپ کی اطاعت نہیں کریگا۔ اُس نے کہا بہت اچھا میں اس کی تصدیق کرنے کے لئے اُسے بلواتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے عمرو ابن کلثوم کو

دعوت دی اور اُسے خط لکھا کہ آپ یہاں تشریف لائیں آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے قبیلہ کے کچھ لوگوں کو لے کر آ گیا۔ جیسے عرب کا دستور تھا بادشاہ اس وقت کسی جگہ خیوم میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہیں اُس نے آکر اپنے خیمے لگا دیئے۔ اُس نے عمرو ابن کلثوم کو یہ بھی لکھا تھا کہ اپنی والدہ اور دوسرے عزیزوں کو بھی لیتے آنا۔ چنانچہ وہ اس کے مطابق اپنی والدہ کو بھی لے آیا۔ عمرو ابن ہند نے اپنی والدہ سے کہا کہ کام کرتے کرتے عمرو ابن کلثوم کی ماں سے کوئی چھوٹا سا کام لے کر دیکھنا تاہم تک سکے کہ ان لوگوں کی کیا حالت ہے۔ چنانچہ جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو عرب کے دستور کے مطابق گودہ بادشاہ کھانا تھا مگر اُس کی ماں خود کھانا تقسیم کرنے بیٹھ گئی۔ اپنے بیٹے کے لئے بھی اور عمرو ابن کلثوم کے لئے بھی۔ گویا عمرو ابن ہند کی والدہ اس وقت عملاً عمرو ابن کلثوم اور اُس کے دوسرے عزیزوں کا کام کر رہی تھی پس ایسے وقت میں عمرو ابن کلثوم کی ماں کا کسی کام میں ہاتھ بٹانا ہرگز اُس کی ہتک کا موجب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ جب بادشاہ کی ماں خود ایک کام کر رہی تھی تو اُس کام میں عمرو ابن کلثوم کی ماں کا ہاتھ بٹانا کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اس کی شان اور عزت کے منافی ہوتی۔ مگر واقعہ کیا ہوتا ہے۔ کھانا تقسیم کرتے وقت ایک تھاں کچھ خالص پر پڑا تھا۔ عمرو ابن ہند کی والدہ کھانا تقسیم کرتے کرتے اُسے کہنے لگی۔ بی بی ذرا دھتال تو سرکا کر ادھر کر دینا۔ اُسے بھی یہ جرات نہیں ہوئی کہ اس سے زیادہ اُسے کوئی کام کرنے کے لئے کہے۔ مگر نایخن میں لکھا ہے کہ جوہی اُس نے عمرو ابن کلثوم کی والدہ سے یہ بات کہی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور اُس نے زور سے پکارتا شروع کر دیا کہ او ابن کلثوم! تیری ماں کی ہتک ہوئی ہے

عمر بن کھٹوم موت بادشاہ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور شاہی اعزاز کی وجہ سے وہ اپنے ہتھیار خیمہ میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ مگر جوہی اس نے اپنی ماں کی اس آواز کو سنا۔ اس نے اپنی ماں سے جا کر یہ نہیں پوچھا کہ تمہاری کیا ہتک ہوئی ہے۔ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگ گیا خیمہ میں بادشاہ کی تلوار رک رکھی تھی۔ اس نے اچک کر تلوار کو میان سے نکالا اور بادشاہ کو قتل کر دیا۔ پھر باہر نکل کر اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا۔ بادشاہ کا سب مال و متاع لوٹ لو۔ چنانچہ اس کا سب مال و متاع لوٹ کر اپنے دھن کی طرف واپس چلا گیا۔

اسی اُٹھ اور وحشی قوم کی طرف جو بالکل بے راہ و تہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے۔ اور پھر موسیٰ کی طرح آپ کا دائرہ ہدایت صرف بنی اسرائیل تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ آپ کے پیرو تمام دنیا کو دین واحد پر جمع کرنے اور انہیں خدا تعالیٰ کے آستانہ پر لڑانے کا کام کیا گیا۔ مگر اتنا عظیم الشان کام میری ہونے کے باوجود آپ نے نہیں کہا کہ اے اللہ! میرے رشتہ داروں یا دوستوں میں سے کوئی ساتھی میرا ساتھ کر دے۔ بلکہ آپ حکم ملتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہا کہ بہت اچھا اور کام شروع کر دیا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو اپنی انفرادیت پر پورا بھروسہ نہ کرتے ہوئے ایک ساتھی کا مطالبہ کیا۔ اور اگرچہ ایک ساتھی مل جانے سے اجتماعیت نہیں ہو جاتی لیکن تاہم اتنی ڈھکارس ضرور ہو جاتی ہے کہ میں اکیلا نہیں بلکہ میرے ساتھ ایک آدمی ساتھی بھی ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انفرادیت کے کمال کا مظاہر کیا اور اس بات کی کوئی پروا نہ کی کہ دنیا آپ سے کیا سلوک کرتی ہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے

بھائی ہارون کو اپنا مددگار مقرر کرنے کی درخواست کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ مگر وہی موسیٰ جنہوں نے خدا تعالیٰ کے سامنے یہ عذر کیا تھا کہ میری تو زبان نہیں چلتی جب فرعون کے دربار میں گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی قوتِ بیانیہ عطا فرمائی کہ آپ خود ہی فرعون کے تمام سوالات کے جوابات دیتے چلے گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بولنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر جب انصار اور مہاجرین میں خلافت کے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ تعقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر تقریر کرنے کیلئے اپنے ذہن میں ایک بہت بڑا مضمون تیار کیا ہوا تھا۔ اور میرا ارادہ تھا کہ میں جاتے ہی ایسی تقریر کروں گا کہ تمام انصار میرے دلائل کے قائل ہو جائیں گے اور وہ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ انصار کی بجائے مہاجرین میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں۔ مگر جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ نے تقریر شروع کر دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ انہوں نے بھلا کیا بیان کرنا ہے مگر خدا کی قسم جتنی باتیں میں نے سوچی ہوئی تھیں وہ سب انہوں نے بیان کر دیں بلکہ ان کے علاوہ انہوں نے اپنے پاس سے بھی بہت سے دلائل دیئے۔ تب میں نے سمجھا کہ میں ابو بکرؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ مجھ سے فرعون کے دربار میں کہاں بولا جائیگا۔ مگر جب وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی تائید فرمائی کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ایک لفظ تک نہ بولنا پڑا اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے انتخاب کی عظمت کو ظاہر کر دیا۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور عذر کیا اور کہا۔

نہیں رکھتی۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کا پیغام دنیا تک پہنچ جائے تو پھر بیشک نبی شہید ہو جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس غرض کے لئے آیا تھا کہ صداقت دنیا میں پھیلانے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خدشہ کا اظہار اپنی موت کے خوف سے نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا کہ کہیں صداقت دنیا میں مٹ نہ جائے۔ اور خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے سے پہلے ہی وہ اس کے ظلم و استبداد کا شکار نہ ہو جائیں۔

وَلَكَمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو یہ فعل سرزد ہوا تھا معنی ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں آپ کو مجرم بنانے والا نہیں تھا۔ کیونکہ ذَنْب ہر ایسے فعل کو کہتے ہیں جس کا نتیجہ خراب نکلے خواہ شرعی نقطہ نگاہ سے وہ انسان کو مجرم بنانے والا نہ ہو (مفردات) مگر اس سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کی بعثت سے پہلے ایک الزام لگایا گیا خواہ وہ جھوٹا ہی تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی بعثت سے پہلے بھی تمام لوگ ایمن اور صدق کہتے اور آپ کی نیکی اور انصاف اور ایمنداری کے قابل تھے بہر حال یہ حادثہ چونکہ ایسا تھا جس میں فرعون تو قہراً ایک آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور فرعون کے دروازے آپ کو قتل محمد کا مرتکب قرار دیکر چلا تھا کہ آپ کو قتل کر دیا جائے جس کے نتیجے میں آپ کو مہر سے بھاگ کر مدین میں پناہ گزین رہنا پڑا اس لئے آپ نے اس فعل کو ذنب قرار دیا۔ اور اس خدشہ کا اظہار فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ میرے اس فعل کی بنا پر مجھے جاتے ہی گرفتار کر لیں اور مجھے قتل کر دیں۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں اس طرح بیان

كَذٰلِكَمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَآخَاذْتُ اَنْتَ يَتَقَلَّبُونَ ۵
لوگ مجھ پر ایک گناہ کا الزام لگاتے ہیں۔ سو میں ڈرنا ہوں کہ وہ کہیں مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دینے سے ڈرتے تھے بلکہ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فرعون مجھے جاتے ہی گرفتار کر لے اور اس وجہ سے کہ میرے ہاتھ سے ایک قبضی مارا جا چکا ہے میرے قتل کے احکام صادر کر دے اور خدا تعالیٰ کا پیغام اُسے نہ پہنچ سکے۔ گویا انہیں اپنی موت کا غم نہیں تھا بلکہ انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں انہیں اپنے فرائض کی بجائے آدمی سے پہلے ہی قتل نہ کر دیا جائے اور اس طرح اُس مشن کو نقصان نہ پہنچے جو خدا تعالیٰ نے اُنکے سپرد کیا تھا۔ ورنہ انبیاء خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دینے سے نہیں ڈرتے۔ بیشک جہاں تک نبیوں کا وجود ان کی اُمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے وہ بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی بڑی حیثیت کہ اگر ساری دنیا کی جانیں بھی ایک نبی کی جان بچانے کیلئے قربان کرنی پڑیں تو وہ قربان کی جاسکتی ہیں۔ مگر جہاں تک صداقت کا سوال ہے نبی بھی اُسی طرح صداقت کا خادم ہوتا ہے جس طرح اس کا عام پیرو صداقت کا خادم ہوتا ہے اگر کسی سلسلہ روحانیہ کے پہلے اور آخری نبی کے علاوہ کہ جن سلسلہ کا انحصار ہوتا ہے کوئی اور نبی مارا جاتا ہے یا جلاد جن کر دیا جاتا ہے لیکن اُس کی پیش کردہ صداقت دنیا سے نہیں ہٹتی تو اُس کا مارا جانا یا ذبح ہو بے ظن ہو جانا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ نبی کے مقابلہ میں صداقت حاکم ہوتی ہے اور نبی خادم۔ جس طرح نبی کے مقابلہ میں اُمت خادم ہوتی ہے اور نبی حاکم۔ جس طرح نبی کے مقابلہ میں اگر ساری دنیا بھی تباہ کر دی جائے تو کوئی حیثیت

کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ رات کے وقت شہر میں پھر رہے تھے کہ انہوں نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے اور دست و گریبان ہوتے دیکھا۔ اُن میں سے ایک اُن کی قوم کا فرد تھا اور ایک اُن کی دشمن یعنی فرعون کی قوم کا فرد تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اُن کی قوم کے آدمی نے انہیں آواز دی اور اپنی مدد کے لئے بلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور انہوں نے مخافت شخص کو ایک مکتا مارا۔ مکتا یا تو اسے زیادہ زور سے مارا گیا یا اُس شخص کا دل اور جگر کمزور تھا اور مکتا اس کے دل اور جگر پر لگا۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گر گیا اور اُس کی جان نکل گئی۔ دوسرے دن وہ صبح کے وقت پھر شہر کی گشت کے لئے نکلے۔ تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہی شخص جو کہ اُن سے مدد مانگ رہا تھا آج پھر کسی اور سے لڑ رہا ہے اور موسیٰ کو اپنی مدد کے لئے بل رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ کل بھی یہی شخص لڑ رہا تھا اور آج بھی یہی لڑ رہا ہے تو سمجھا کہ یہ کوئی جوشیلا آدمی معلوم ہوتا ہے ورنہ وجہ کیا ہے کہ ہر شخص اسی کو مارنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ آپ نے اسے کہا کہ دوسرے شخص کا تصور تو ہوگا۔ مگر تم بھی بہت جوشیلا معلوم ہوتے ہو۔ اس کے بعد انہوں نے چاہا کہ آگے بڑھ کر دوسرے شخص کا مقابلہ کریں۔ مگر اُس نے سمجھا کہ چونکہ ابھی انہوں نے مجھے ڈانٹا ہے اسلئے شاید یہ مجھے ہی مارنے کیلئے آگے بڑھے ہیں۔ چنانچہ اُس نے بے موچے سمجھے جتا جتا کر کہنا شروع کر دیا کہ اے موسیٰ! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ جس طرح کل تو نے ایک شخص کو مارا تھا اسی طرح مجھے بھی مار دے۔ اُس نے اس شور سے اور گردے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ کل جو آدمی مارا گیا ہے وہ موسیٰ نے ہی مارا تھا۔ اور چونکہ مقتول فرعون کی قوم کا آدمی تھا

اس لئے یہ خبر شہر میں جھل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور تمام قوم میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہ خبر ذمہ دارانِ فرعون تک پہنچ گئی اور انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ موسیٰ کو قتل کر دیا جائے۔ ابھی انہی سردارانِ قوم میں سے ایک شخص جو درپردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخلفا نہ تعلقات رکھتا تھا دوڑا ہوا آیا اور اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ سردارانِ قوم تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں اسلئے میری نصیحت یہ ہے کہ فوراً اس شہر سے نکل جاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر سے نکلے اور کئی منزلیں طے کرنے کے بعد مدین میں جا نکلے۔ پس وَتَهَمَّرَ عَلٰی ذَنْبِکَ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا اور اس خدشہ کا اظہار کیا کہ وہ لوگ اس واقعہ کی بنا پر مجھے قتل نہ کر دیں۔ اس سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ظاہر ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ سے اپنی حفاظت کا وعدہ لیا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کچھ بولے کھڑے ہو گئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی قسم کی تکلیف کی پروا نہ کی۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس خدشہ کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم دونوں ہمارے نشانات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور یاد رکھو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہمیشہ تمہاری دعاؤں کو سنتے رہیں گے جب بھی تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تم میرے حضور جھکو اور دعاؤں کرو۔ میں اُسی وقت تمہاری مدد کے لئے دوڑا چلا آؤنگا تمہارا کام یہ ہے کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم رب العالمین خدا کے رسول ہیں۔ اور ہم اسلئے آئے ہیں

کہ تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے ہمارے ساتھ روانہ کر دے۔

اَنَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ پر بعض لوگ یہ عرض کر رہے تھے کہ یہاں موئی اور ہارون دو کا ذکر ہے مگر آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم دونوں رب العالمین کی طرف سے رسول ہیں۔ حالانکہ دو آدمیوں کے لئے رَسُولَتِین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے رسول کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب لوگ کبھی کبھی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ هَذَانِ رَسُوْلَانِی وَ ذَکِیْنِی وَ هُوَ ذَکِیْ رَسُوْلِی وَ ذَکِیْنِی یعنی یہ دو یا سب کے سب میرے رسول اور وکیل ہیں فتح البیان جلد ۱ ص ۱۷۱) اسی طرح قرآن کیم میں بھی دوسری جگہ یہ محاورہ استعمال کیا گیا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِنَّ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ (سجرات) یعنی یہ سب کے سب رب العالمین کے موامیرے دشمن ہیں حالانکہ عام عربی قواعد کے لحاظ سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ یہ سب میرے اعداء ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں اَعْدَاء کا لفظ نہیں بلکہ عَدُوٌّ کا لفظ رکھا ہے جو مفرد ہے۔ پس اس آیت پر نہ عربی زبان کے لحاظ سے کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ محاورہ قرآن کے لحاظ سے کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔

اَنْ اَرْسِلَ مَعَنَا بَنٰی اِسْرَآئِیْلَ مِیْن اَنْتَ تفسیری یہ ہو سکتا ہے اور اَنْتَ مصدق بھی ہو سکتا ہے۔ مصدق ہونے کی صورت میں اس کے یہ معنی ہونگے کہ تَحُوْثُ مَوْسُوْنِیْنَ اَرْسِلَ مَعَنَا بَنٰی اِسْرَآئِیْلَ ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس موقع پر قرآن کریم اور بائبل کے ایک اختلاف کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بائبل میں

لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ "تُو اسرائیلی بزرگوں کو ساتھ لے کر مصر کے بادشاہ کے پاس جانا اور اُس سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا کی ہم سے طاقا ہوئی۔ اب تو ہم کو تین دن کی منزل تک بیابان میں جانے دے تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں۔"

(خروج باب ۳ آیت ۱۸)

گویا نفوذ باللہ خدا تعالیٰ نے ایک ننگ میں حضرت موسیٰ اور ہارون کو دھوکا کی تعلیم دی۔ اور کہا کہ فرعون کو اگر صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ ہم بنی اسرائیل کو اس ملک سے نکال کر لے جانا چاہتے ہیں تو وہ اس کی اجازت نہیں دینگا۔ اس دھوکا اور فریب سے اُس سے اجازت حاصل کی جائے کہ ہم اپنے خدا کے لئے قربانی کرنا چاہتے ہیں اس لئے میں مصر سے نکلنے کی اجازت دی جائے۔ جب وہ اس کی اجازت دیدے تو اس بہانہ سے تمام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے نکل آنا۔ لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ فرعون سے جاتے ہی یہ مطالبہ کرنا کہ اَرْسِلَ مَعَنَا بَنٰی اِسْرَآئِیْلَ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے کہونکہ اب اُن پر مظالم کی انتہا ہو چکی ہے۔ کسی دھوکا اور فریب کی ہم نے انہیں تعلیم نہیں دی تھی۔

اَرْسِلَ مَعَنَا بَنٰی اِسْرَآئِیْلَ کے الفاظ یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مختص القوم نہیں تھے جو صرف بنی اسرائیل کو غلامی کی اُن زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے آئے تھے جن میں وہ سینکڑوں سال جکڑے چلے آتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فیضیت عطا فرمائی کہ آپ کسی ایک قوم

کی طرف نہیں بلکہ تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (سبا آیت ۲۹) یعنی اے محمد رسول اللہ! ہم نے تجھے تمام
بنی نوع انسان کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔
اس میں عربی اور غیر عربی یا مشرقی اور مغربی کا کوئی
امتیاز نہیں۔ دنیا کے ہر شخص کا خواہ وہ کسی ملک کا
رہنے والا ہو اور خواہ وہ کوئی زبان بولنے والا ہو۔
فرمن ہے کہ وہ تیرے پیغام کو قبول کرے اور تیری
ہدایات کے تابع رہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے تھے جو تمام دنیا سے منقطع
تھا۔ وہ ملک تمدن کے لحاظ سے بھی کمزور تھا علمی لحاظ
سے بھی کمزور تھا اور سیاسی لحاظ سے بھی کمزور تھا۔ اس
کمزور ترین ملک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک
کمزور ترین انسان تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپؐ سے کہا کہ
ہم نے تجھے تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔
اگر ہم اس فقرہ کی صحیح ترجمانی کریں تو اس کے معنی یہ
ہونگے کہ خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے کہا۔ اے میرے رسول! تو کہہ دے کہ میں کینیدا کی
ہدایت کیلئے آیا ہوں جس کو تم جانتے بھی نہیں۔ میں یونانیوں کی
اسٹیٹس امریکہ کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں جو ابھی آباد
بھی نہیں ہوئی۔ مجھے خدا تعالیٰ نے برازیل۔ کیوبا۔ بولیویا
چلی۔ کولمبیا اور میکسیکو کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا ہے
جہیں ابھی کوئی جانتا بھی نہیں اور بالکل دیوانہ پڑے ہیں
اور کسی آئندہ زمانہ میں آباد ہو گئے۔ میں جاپان اور فلپائن
کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہوں جن کو کوئی نہیں جانتا بلکہ
میں ان ملکوں کی ہدایت کے لئے بھی مامور کیا گیا ہوں
جو ابھی دریافت بھی نہیں ہوئے۔ غرض اس آیت کو
پھیلا کر دیکھا جائے تو انسان موجود ہو جاتا ہے۔

آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس دعویٰ کو
پورا کرنے کے لئے کوئے مسلمان تھے۔ آپ کے پاس کوئے
ہوائی جہاز تھے کہ جن کے ذریعہ آپ امریکہ جاتے کینیدا
جاتے۔ برازیل۔ کولمبیا اور بولیویا جاتے۔ پھر آپ کے پاس
وہ کوئے ذرائع تھے کہ جن سے آپ اپنی تعلیم کو اپنی
وفات کے بعد بھی تمتد کئے جاتے جب تک وہ ملک
دریافت نہ ہوتے آپ دہاں جا ہی کیسے سکتے تھے۔ لوگ
بات کرتے ہیں تو ان کے بیٹے بھول جاتے ہیں اور اگر بیٹے
یاد رکھتے ہیں تو پوتے بھول جاتے ہیں۔ اگر پوتے یاد
رکھتے ہیں تو پڑ پوتے بھول جاتے ہیں۔ مگر یہ ملک تو
اس وقت دریافت بھی نہیں ہوئے تھے۔ آپ کی
وفات کے نو سو سال بعد امریکہ دریافت ہوا۔ لیکن
فرمن کرو۔ اموقت امریکہ دریافت بھی ہوا ہوتا تو
آپ کے پاس کوئی گاڑی تھی کہ آپ کا دعویٰ پورا ہو
جائیگا۔ میں تو یہی نظر آتا ہے کہ لوگ اپنے بچے قیوان
کرتے ہیں۔ اپنے بھائی قربان کرتے ہیں اپنا عیش اور
آرام قربان کرتے ہیں۔ بعض ناجائز باتوں کیلئے قربانیاں
کرتے ہیں بعض جائز اور بھی باتوں کی قربانیاں کرتے ہیں لیکن ان کے
نتائج بہت محدود ہوتے ہیں اللہ ان محدود نتائج کا بھی کوئی ذمہ دار نہیں
ہوتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح دعویٰ
تمام دنیا سے نرالا تھا۔ اسی طرح آپ کا بدلہ بھی نرالا تھا
چنانچہ باوجود اس کے کہ آپ کے پاس کوئی ایسے مسلمان
نہیں تھے جن سے آپ اپنا پیغام دنیا کے تمام ممالک
تک پہنچا سکتے۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے آپ کو ہنر و اسرار
اور احمد و اصفیاء میں قبولیت بخشی ادا پیک دین
مختلف قوموں اور ملکوں میں پھیلنا شروع ہوا۔
یہاں تک کہ وہ دنیا کے کناہوں تک پھیل گیا۔ چنانچہ
آج چین میں کروڑوں مسلمان ہیں۔ انڈونیشیا میں نوے
فیصدی مسلمان ہیں۔ انڈین یونین میں پچیس فیصدی

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ

اس (فرعون) نے کہا (اے موسیٰ) کیا ہم نے تجھ کو اس وقت نہیں پالا جبکہ تو ابھی بچہ تھا۔ اور تو نے ہم میں اپنی عمر کے

سِنِينَ ۱۹) وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۲۰

ہر سال گزارے ہیں۔ اور تو نے وہ کام بھی کیا ہے جو تو کر چکا ہے۔ اور تو (ہمارے احسانوں کا) ناشکر گزار ہے۔

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا أَنَا مِنَ الصَّالِّينَ ۲۱) فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ

(موسیٰ نے) کہا وہ کام (جبکہ تو نے) شاہ کیا، میں نے اُس وقت کیا تھا جبکہ میں اپنی قوم کی محبت میں سرشار تھا پس مجھے تم ہی درمیں سے ہوا تو

لَمَّا خِفْتُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۲۲

میں تم سے بھاگ کر چلا گیا۔ پھر میرے رب نے مجھے حکم بھی عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے (ایک مہمل) بنا دیا۔

وَمَكَ نِعْمَةً مِّنْهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۲۳

اور یہ نعمت میں مجھے پانے کی نعمت جہاں تم احسان جاتے ہو کیا یہ اس بات کے مقابل میں پیش کی جاتی ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کی ساری قوم کو

خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے توازیں لے کر اُتریں گے اور وہ ہمیں اس جرم کی عبرت ناک مزا دیں گے۔

۲۵ تفسیر - فرماتا ہے جب فرعون نے موسیٰ اور ہارونؑ کا یہ پیغام سنا۔ تو نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا۔ اے موسیٰ! وہ دن بھول گئے جب

ہم تجھے پالا کرتے تھے۔ اور جبکہ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہم میں گزارے۔ اب تجھے بھی باتیں کرنی

آگئی ہیں اور تو جو ہمارے ٹکڑوں پر پلا ہے۔ اب ہمیں ہی نصیحت کرنے کے لئے آگیا ہے۔ یہ الفاظ اُس نے موسیٰ کی تحقیر کے لئے اسی طرح کہے جس طرح

فقہیوں اور خریسیوں نے جب سرج کو کوچوں اور بازاروں میں تبلیغ کرتے اور خدائے واحد کا نام بلند

کرتے دیکھا تو انہوں نے کہا۔ کیا یہ بڑھی کا بیٹا نہیں۔ اور

۲۵ - کیا یہ بڑھی کا بیٹا نہیں۔ اور

مسلمان ہیں۔ پھر افغانستان۔ ایران۔ برما۔ شام۔ فلسطین

ایبے۔ سینیا۔ وسطی افریقہ۔ شمالی وجوبی افریقہ۔ مغربی و مشرقی افریقہ۔ آرمینیا۔ ایشیا اور یورپ کے بہت سے علاقوں

میں لاکھوں کھنڈوں مسلمان پائے جاتے ہیں۔ غرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نمایاں امتیاز حاصل ہے کہ آپ تمام دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے جبکہ موسیٰ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے۔

چونکہ بنی اسرائیل کی خلائی کا اصل باعث فرعون کا پتھر استبداد تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی طرف موسیٰ کو بھیجا یا اور اُسے توجہ

دلائی کہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کی پکار ہمارے عرش تک پہنچ چکی ہے اب ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ تم اپنے فولادی بچہ کی گرفت

کو ڈھیل کر دو اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دو ورنہ

اُس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور یحییٰ اور یسوع اور یونس۔ اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ماں نہیں۔ پھر یہ سب کچھ اس میں کہاں سے آیا۔ اور انہوں نے اس کے سب سے بڑے بھائی۔“

(متی باب ۱۲ آیت ۵۵ و ۵۶)

جس طرح فریسیوں کے لئے یہ بات حیرت کا موجب تھی کہ یہ شخص جو ایک بڑھئی کا بیٹا ہے اور جس کی تمام بہنیں ہمارے ماں یا بیوی ہوئی ہیں ہمیں دغلا دے نصیحت کرنے کے لئے آگیا ہے۔ اسی طرح فرعون کے لئے بھی یہ بات حیرت کا موجب ہوئی کہ مومن سے اس کی ماں نے ہم سے ڈرتے ہوئے مسند کی طوفانی موجوں میں پھینک دیا تھا اور جسے بچا کر ہم نے اپنے گھروں میں رکھا اور اس کی پرورش کی دہی ہمارے گھر سے کھانے کے بعد آج نعوذ باللہ ایسا طوطا چشم نکلا ہے کہ میری طاقت اور عظمت کا اس نے ذرا بھی پاس نہیں کیا اور اس نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ میں اس کی غلامی اختیار کروں۔ فرعون اس وقت مومن کی ابتدائی حالت اور اپنے موجودہ عروج کو دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اس بات کو قبول کیا کہ بعض دفعہ ایک چھوٹا سا بچہ بویا جاتا ہے لیکن بعد میں وہ نشوونما پاتے پاتے اتنا ترقی کر جاتا ہے کہ دنیا حیران ہو جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ ایک چیز ابتداء میں نہایت اہم نظر آتی ہے لیکن اُس کا انجام اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے کہ ایک چھوٹی سی بات کو اتنی اہمیت اور عظمت کیوں دے دی گئی تھی۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل قریشی ہم عمر تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ایسی حالت میں ہوئی کہ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے

پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اگر وہ زندہ بھی ہوتے تو پھر بھی وہ کوئی مالدار آدمی نہیں تھے۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب بھی امیر لوگوں میں نہ تھے اور گو آپ اسودہ حل ضرور تھے لیکن چونکہ آپ ایک سخی آدمی تھے۔ اس لئے آخری عمر میں آپ کی دولت بہت کم ہو گئی تھی۔ پس اول تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان کوئی امیر خاندان نہیں تھا دوسرے آپ خصوصیت سے غریبانہ حالت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ پس آپ کی پیدائش پر آپ کی والدہ نے کیا خوشی کی ہوگی۔ آپ کی والدہ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ لوگ تو دنیا کو دیکھتے ہیں۔ مال اور دولت کو دیکھتے ہیں۔ جہاں مدد یہ ہوتا ہے وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ کی والدہ کے پاس مدد یہ نہیں تھا۔ شاید آپ کے قریبی رشتہ دار مبارکباد دینے کے لئے آگئے ہوں۔ مگر دوسرے لوگوں نے آپ کی پیدائش کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن ابو جہل کا باپ مالدار تھا جب وہ پیدا ہوا ہوگا اس کے ماں باپ نے کتنی خوشیاں منائی ہونگی۔ ابو جہل کا نام ابو لکم تھا یعنی حکمتوں کا باپ۔ عقلمند دانا اور مدبر لیکن بعد میں اُس نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی اور محافقت کا اظہار کیا تو مسلمانوں نے اُس کا نام ابو جہل رکھ دیا۔ ابو جہل کے ماں باپ چونکہ مالدار تھے۔ اس لئے جب وہ پیدا ہوا ہوگا تو ہر شخص جس کی ضروریات اُن سے وابستہ ہونگی اُنکے گھر پہنچا ہوگا اور اس کی پیدائش پر مبارکباد دی ہوگی اور کہا ہوگا ہمارا ملک کتنا ہی خوش قسمت ہے جس میں اس جیسا بچہ پیدا ہوا۔ اس کے چہرہ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اقبال کا مدار کتنا بلند ہے۔

KING NEVER DIES یعنی بادشاہ کبھی نہیں مرتے۔ ایک بادشاہ مر جاتا ہے تو دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے اور پہلے بادشاہ اور دوسرے بادشاہ میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ اگر قوم بیدار ہوتی ہے۔ تو دوسرے بادشاہ کے وقت میں بھی وہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا۔ آپ کی وفات کو تمام عرب نے جو اموقت آپ کی خوبوں، اہمیت اور عظمت کا قائل ہو چکا تھا ایک انسان کی موت خیال نہیں کیا۔ ملک کی موت خیال نہیں کیا۔ بلکہ دنیا کی موت خیال کیا چنانچہ حسان بن ثابتؓ نے آپ کی وفات پر جو شعر کہے یہ ہیں کہ

كُنْتُ السَّوَادَ لِنَاطِرِي فَجَعَى عَلَى النَّاسِ ظِلُّ
مَنْ سَاءَ بَعْدَكَ فَلَيْمَتْ فَحَالِكَ كُنْتُ أَحَاذِرُ
یعنی اے محمدؐ رسول اللہ! آپ تو میری آنکھوں کی پتلی تھے۔ آپ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ میری آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ اب کوئی شخص مرنا پھرے مجھے اس سے کیا۔ میں تو آپ کے متعلق ہی ڈرتا تھا۔ یہ وہ جذبہ عقیدت تھا جو آپ کے متعلق صحابہؓ میں پایا جاتا تھا۔ حسان بن ثابتؓ نے ایک شاعرانہ کلام ہی نہیں کہا بلکہ تاریخ مشاہدے کے تمام عرب نے حسان بن ثابتؓ کے ان شعروں کو اپنے ہی جذبات کا اظہار خیال کیا۔ گویا عرب کی آواز حسان بن ثابتؓ کی زبان پر جاری ہو گئی۔ تاریخ کہتی ہے کہ مفتوں تک مدینہ مکہ اور دوسرے مسلمان شہروں دلچسپ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے۔ بازااروں میں چلتے ہوئے اور اپنے کاروبار کرتے ہوئے یہی شعر پڑھتے تھے کہ
كُنْتُ السَّوَادَ لِنَاطِرِي فَجَعَى عَلَى النَّاسِ ظِلُّ
مَنْ سَاءَ بَعْدَكَ فَلَيْمَتْ فَحَالِكَ كُنْتُ أَحَاذِرُ

غرض اُس کی تعریف میں لوگوں نے ہزاروں مبالغے کئے ہونگے معلوم نہیں اُس کی پیدائش پر کتنے اونٹ ذبح کر کے دعوتیں کی گئی ہونگی۔ خوشی میں فیس بجائی گئی ہونگی۔ عورتوں نے گیت گائے ہونگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر آپ کے گھر کے پاس سے گزرنے والے یہ خیال کرتے ہونگے کہ ایک عرب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے جو خود بخود ختم ہو جائیگا لیکن ابو جہل کی پیدائش پر اس کے گھر کے پاس سے گزرنے والے یہ سمجھتے ہو گئے کہ آج ایک رئیس پیدا ہوا ہے۔ نہ معلوم بڑا ہو کر یہ کیا کچھ کرے گا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء بظاہر ایک ادنیٰ رنگ میں ہوئی لیکن ابتداء کیا ہوئی؟ وہی بچہ جس کو دایاں لینے کے لئے تیار نہیں تھیں جسکی پیدائش پر مکہ والوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا جب فوت ہوا تو عرب کی تاریخ میں ہی نہیں ساری دنیا کی تاریخ میں ایک غیر معمولی حیثیت رکھتا تھا۔ گویا آپ پر یہ الہی نوشتہ اپنی پوری شان کے ساتھ صادق آیا کہ
”وہ پتھر جسے مہمادوں نے ناپسند کیا وہی کوئے کا سرا ہوا۔“

(مترس باب ۱۰ آیت ۱۰) (لو تَابَا بَابُ آيَتِ)

سارے عرب قبائل آپ کے زیر سایہ تھے جو آپ کے پہلے کسی بادشاہ کے مطیع نہیں ہوئے تھے۔ پھر بادشاہوں کو جو ظاہری عظمت حاصل ہوتی ہے اُس کی وجہ سے ڈر کے مارے لوگ اُن کی بڑائیاں بیان کرتے ہیں لیکن دل میں انہیں ہزاروں ہزار گائیاں دیتے ہیں۔ بادشاہ جب مر جاتے ہیں تو بے شک ان کی موت سے ملک کو صدمہ بھی ہوتا ہے لیکن لوگ یہی کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اگر مر گیا ہے تو کوئی دوسرا شخص بادشاہ بن جائیگا۔ اور وہ وہی کام شروع کر دیگا جو پہلا بادشاہ کرتا تھا۔ انگریزی میں ایک شل ہے :-

لیکن ابو جہل جس کی پیدائش پر ہفتوں اونٹ ذبح کر کے لوگوں میں گوشت تقسیم کیا گیا تھا جس کی پیدائش پر دونوں کی آواز سے مکہ کی فضا گونج اٹھی تھی بدر کی لڑائی میں جب مارا جاتا ہے تو پندرہ پندرہ سال کے دو انصافی چھو کرے تھے جنہوں نے اُسے زخمی کیا حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جنگ کے بعد لوگ جب واپس جا رہے تھے تو میں میدان میں زخموں کو دیکھنے کے لئے چلا گیا آپ بھی مکہ ہی کے تھے۔ اسلئے ابو جہل آپ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں میدان جنگ میں پھر ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ابو جہل زخمی پڑا کراہ رہا ہے جب میں اس کے پاس پہنچا۔ تو اُس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں اب بچتا نظر نہیں آتا تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے۔ تم بھی مکہ دے دو۔ میں یہ خواہش کرتا ہوں کہ تم مجھے مار دو تا میری تکلیف دور ہو جائے۔ لیکن تم جانتے ہو کہ میں عرب کا سردار ہوں اور عرب میں یہ رواج ہے کہ سرداروں کی گردنیں لمبی کر کے کاٹی جاتی ہیں۔ اور یہ مقول کی سرداری کی علامت ہوتی ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ تم میری گردن لمبی کر کے کاٹو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے اُس کی گردن ٹھوڑی سے کاٹ دی اور کہا کہ تیری یہ آخری حسرت بھی پوری نہیں کی جاوے گی۔ اب انجیم کے لحاظ سے دیکھو تو ابو جہل کی موت کتنی ذلت کی موت تھی جس کی گردن اپنی زندگی میں ہمیشہ اونچی رہا کرتی تھی دفات کے وقت اس کی گردن ٹھوڑی سے کاٹی گئی۔ اور اُس کی یہ آخری حسرت بھی پوری نہ ہوئی پھر چونکہ کفار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں گڑھے کھودا کرتے تھے اور مسلمانوں کو پتھروں پر گھسیٹتے تھے اور آپ کی یہ پیشگوئی تھی کہ ایک دن ان کفار کو بھی بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جائیگا (علق: آیت ۱۶)

اس لئے بدر کی جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ کفار کی لاشوں کو ایک اندھے کنوئیں میں گرا دیا جائے۔ لیکن اس حکم کے مطابق صحابہ نے کفار کی لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل دونوں کی پیدائش اور وفات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے وقت ہونا قابل لغات نظر آتا تھا دفات کے وقت سید عرب بنا۔ لیکن جو سید عرب نظر آتا تھا دفات کے وقت وہ نہایت ہی ذلیل وجود ثابت ہوا۔ غرض بعض دفعہ ایک چیز کی ابتداء اور ہوتی ہے اور انتہا اور۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جب پیدا ہوئے تو آپ کے ماں باپ نے آپ کی پیدائش پر خوشی کی ہوئی۔ مگر جب آپ کی عمر بڑی ہو گئی اور آپ کے اندر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو گئی۔ تو آپ کے والد آپ کی اس حالت کو دیکھ کر آپہں بھرا کرتے تھے کہ ہمارا یہ بیٹا کسی کام کے قابل نہیں۔ مجھے ایک سکھ نے بتایا کہ ہم دہلی تھے ہمارے والد صاحب بڑے مرزا صاحب (یعنی مرزا غلام قاضی صاحب) کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور ہم بھی بسا اوقات اُن کے ساتھ آجایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مرزا صاحب نے ہمارے والد صاحب سے کہا۔ کہ تمہارے لڑکے غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتے جاتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ اُسے جا کر سمجھائیں۔ ہم دونوں جب آپ کے پاس جلتے کیلئے تیار ہو گئے تو مرزا صاحب نے کہا کہ غلام احمد علیہ السلام کو باہر جا کر کہنا کہ تمہارے والد کو اس خیال سے بہت دکھ ہوتا ہے کہ اُس کا چھوٹا لڑکا اپنے بڑے بھائی کی روٹیوں پر پلے گا۔ اسے کہو کہ میری زندگی میں ہی کوئی کام کرے

میں کوشش کر رہا ہوں کہ اسے کوئی اچھی نوکری مل جائے
میں مر گیا تو پھر سارے ذرائع بند ہو جائیں گے۔ اس
سمکھ نے بتایا کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام)
کے پاس گئے۔ اور کہا کہ آپ کے والد صاحب آپ کا
بہت خیال رکھتے ہیں۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ آپ کچھ کام
نہیں کرتے بہت دکھ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ
اگر میں مر گیا تو غلام احمد کا کیا بنے گا۔ آپ اپنے
والد صاحب کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ آپ کے
والد صاحب اس وقت کپور تھلہ میں کوشش کر رہے تھے
اور کپور تھلہ کی ریاست نے آپ کو ریاست کا انفرسٹیم
مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ سمکھ کہنے لگا کہ جب
ہم نے یہ بات کہی کہ آپ اپنے والد صاحب کی بات
کیوں نہیں مان لیتے۔ آپ کچھ کام کر لیں تو آپ نے
فرمایا۔ والد صاحب تو ابھی علم کرتے رہتے ہیں۔ انہیں
میرے مستقبل کا کیوں فکر ہے۔ میں نے تو جسکی نوکری
کرنی تھی کئی ہے۔ ہم واپس آ گئے اور مرزا غلام احمد
صاحب سے آکر ساری بات کہہ دی۔ مرزا صاحب
نے فرمایا کہ اگر اس نے یہ بات کہی ہے تو ٹھیک کہا
ہے وہ جھوٹ نہیں بولا کرتا۔

یہ آپ کی ابتدا تھی اور پھر ابھی تو انتہا نہیں ہوئی
لیکن جو عارضی انتہا نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی
وفات کے وقت ہزاروں ہزار آدمی آپ پر قربان ہوئے
موجود تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں ۵

لُغَاظَاتُ الْمَوَائِدِ كَأَنَّ أَهْلِي

وَصَوْنُ الْيَوْمِ مَطْعَامُ الْآهَالِي

ایک دن زمانہ تھا جب بچے ہوئے ٹھٹھے مجھے دیئے
جاتے تھے اور آج میرا یہ حال ہے کہ میں سینکڑوں
خاندانوں کو پال رہا ہوں۔ آپ کی ابتدا کتنی چھوٹی تھی
مگر آپ کی انتہا ایسی ہوئی کہ علاوہ ان لوگوں کے جو خدمت

کرتے تھے فکر میں روزانہ دو ادا کی سو آدمی کھانا کھاتے
تھے۔ اس میں کوئی مشبہ نہیں کہ آپ اپنے والد کی
جائیداد میں اپنے بھائی کے برابر کے شریک تھے۔ لیکن
زمینداروں میں یہ عام دستور ہے کہ جو کام کرے وہ تو
جائیداد میں شریک سمجھا جاتا ہے اور جو کام نہیں کرتا
وہ جائیداد میں شریک نہیں سمجھا جاتا اور یہ دستور ابھی
تک چلا آتا ہے۔ لوگ عموماً کہہ دیتے ہیں کہ جو کام نہیں
کرتا اس کا جائیداد میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے
پاس جب کوئی ملاقاتی آتا اور آپ اپنی بھادو کو کھانے
کے لئے کھلا بھیجتے تو وہ آگے سے کہہ دیتیں کہ ۵

یو نہی کھاپی رہا ہے۔ کام کاج تو کوئی کرتا نہیں۔ پھر
آپ پنا کھانا اس مہمان کو کھلا دیتے اور خود فائدہ کرتے
یا چنے چا کر گزارہ کر لیتے۔ خدا کی قدرت ہے کہ ہی جلاؤ
جو اس وقت آپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں
بعد میں میرے ہاتھ پر احمدیت میں داخل ہوئیں۔ غرض
اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی کام شروع کیا جاتا
ہے تو اس کی ابتدا بڑی نظر نہیں آیا کرتی لیکن اس کی
انتہا پر دنیا میں ان ہو جاتی ہے۔

فرعون نے بھی موسیٰ کو ان کی ابتدائی کس میری
کا حوالہ دیا اور کہا کہ تم مجھے نصیحت کیا کر سکتے ہو۔
تمہاری تو خود تمہارے خاندان نے پرورش کی ہے۔
حلا نہ دنیا میں کبھی کسی چیز کی ابتدا کو نہیں دیکھا جاتا
بلکہ اس کی انتہا پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ بڑے بیج
کو دیکھ کر اگر کوئی شخص اسے بے حقیقت خیال کرتا
ہے تو وہ نادان ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر وہ نادان
ہے جو اپنی آنکھوں سے بڑے دخت کا استعد پھیلاؤ
دیکھے کہ سینکڑوں آدمی اس کے سایہ تلے آرام کر
رہے ہوں اور پھر بھی وہ اس کے سایہ میں بیٹھنے سے
انکار کر دے محض اس لئے کہ اس کا بیج کسی زمانہ میں

ایسا حقیر تھا کہ ہوا کا ایک معمولی جھونکا بھی اُسے پرے پھینک دیتا ہے۔ بہر حال فرعون نے ایسی ہی حماقت کی اور موسیٰ کو اس بات کا طعنہ دیا کہ تو ہمارے گھروں میں پلستا رہا ہے۔ وہ اس بات کو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تدبیر سے یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ وہ اپنے غیروں کو دشمنوں کے زیر سایہ ہی ترقی عطا کیا کرتا ہے حضرت مسیح مہدی نے روم کی حکومت کے سایہ تلے پرورش پائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں شقیفہ قوم میں پرورش پائی جس نے ابراہیم کو خانہ کعبہ گرانے کیلئے رامنا دیئے تھے۔ گویا وہی قوم جس نے خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں اللہ تعالیٰ نے اُسی قوم کے زیر سایہ اُس مقدس انسان کو جگہ دی جو دُعا نے ابراہیمی کا مصداق اور خانہ کعبہ کا مقصود تھا۔ اسی طرح خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو حبشہ کی عیسائی حکومت کے سایہ تلے پناہ دی حالانکہ اسی حکومت کے ایک گورنر ابراہیم نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔ موجودہ زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے پھر اسی تدبیر سے کام لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو انگریزوں کے زیر سایہ دکھا حالانکہ آپ عیسائیت کی بنیاد کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ نادان لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں مگر وہ نہیں دیکھتے کہ کیا خدا نے موسیٰ کو فرعون کے زیر سایہ نہیں رکھا کیا خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عیسائی حکومت کے زیر سایہ نہیں رکھا۔ کیا خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شقیفہ قوم کے زیر سایہ نہیں رکھا۔ پھر اگر ان کا دہن پرورش پانا قابل اعتراض ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انگریزوں کے زیر سایہ ترقی کرنا کس طرح قابل اعتراض ہو گیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا نشان ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو خود اپنے دشمنوں کے زیر سایہ کرتی عطا فرماتا ہے اور اس طرح دنیا پر ثابت کر دیتا ہے کہ اُس کے ارادوں کو کوئی شخص روک

نہیں سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر ہی غور کر کے دیکھ لو۔ کیا یہ کہ فرعون نے حکم دے دیا تھا کہ نبی اسرائیل کا کوئی بچہ زندہ نہ رہے اور کہا یہ کہ تعزیت الہی کے ماتحت اُس نے خود اپنے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ گویا وہی جس کی خاطر بچے مارے جاتے تھے اس کی چھاتیوں پر چڑھ کر موسیٰ بڑھا اور بچھو لا اور بچھو لا اور آخر موسیٰ موسیٰ کی مخالفت نے فرعون کو تباہ و برباد کر دیا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے خدا تعالیٰ کی بات پر اعتبار کر کے اپنے بچے کو دریا میں ڈال دیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کئی قسم کی احتیاطوں کے ساتھ اُن کو دریا میں ڈالا مگر کون ہے جو اس سے سوگنا زیادہ احتیاط کر کے بھی اپنے بچے کو دریا میں پھینکنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ انہوں نے خدا کا حکم پورا کرنے کے لئے اس موت کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے موسیٰ کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ اور وہ جس کے متعلق خطرہ تھا کہ دریا کی لہروں میں وہ کہیں غرق نہ ہو جائے خدا اُسے بچا کر فرعون کے گھر میں لے گیا۔ اور اس کی دوٹیاں کھا کھا کر اور اس کے گھر کا دودھ پی پی کر اور اُسی کے کندھوں پر چڑھ چڑھ کر اُس نے تربیت حاصل کی اور آخر ایک دن وہ تمام بنی اسرائیل کو فرعون کے بچے سے بچا کر لے آیا۔ اور فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت غرق ہو گیا اسی پرورش کا اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طعنہ دیا۔ اور پھر کہا کہ وَفَعَلَتْ فَعَلَتْ اَلَّتِیْ فَعَلَتْ وَ اَنْتَ مِنْ اَنْکَا فِیْہِیْنَ۔ اِس دولان میں تجھ سے وہ فعل بھی سرزد ہوا جس کا تجھے خوب علم ہے یعنی قبیلہ قوم کا ایک آدمی تیرے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور تو یقیناً ناشکر دوزخ میں سے ہے۔

اسیجہ اَنْتَ مِنْ اَنْكَادِرِینَ سے یہ مراد نہیں کہ
تو کافروں میں سے ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ
تو سخت ناشکرانہ لگاؤ۔ تو نے ایک محسن قوم کا آدمی مار
ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پہلے تمام حالات
پر غور کرو اور پھر الزام لگاؤ۔ بیشک یہ فعل مجھ سے
سرزد ہوا ہے مگر فَعَلْتُهَا اِذَا دَا اَنَا مِنَ الضَّالِّیْنَ
مجھ سے یہ فعل ایسی حالت میں سرزد ہوا تھا جب کہ
میں اپنی قوم کی محبت میں سرشار تھا۔ یعنی جب میں
نے دیکھا کہ ایک دشمن قوم کا فرد میری قوم کے ایک
آدمی کو بلاوجہ مار رہا ہے تو مجھے اپنی مظلوم قوم کے
ایک فرد کی حمایت میں جوش آگیا اور میں نے ظالم
کا مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں وہ نادانستہ طور پر ہلاک
ہو گیا۔

یہ واقعہ جس کی طرف فرعون نے اشارہ کیا
دہی سے جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے ایک رات ایک قطبی کو دیکھا
کہ وہ ایک اسرائیلی سے لڑ رہا ہے۔ جب حضرت
موسیٰ علیہ السلام اُس کے پاس سے گذرے تو امرائیلی
نے حضرت موسیٰ کو دیکھ کر انہیں اپنی مدد کے لئے پکارا
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھا کہ اگر میں نے اسرائیلی
کی مدد نہ کی تو وہ مارا جائیگا۔ چنانچہ انہوں نے آگے
بڑھ کر قطبی کو ایک گھونسہ مارا۔ اب یا تو جوش کی
حالت میں وہ گھونسہ زیادہ زور سے مار بیٹھے۔ یا
اُس کا دل کمزور تھا گھونسہ لگتے ہی وہ مر گیا۔ اس
واقعہ کا فرعون انہیں طعنہ دیتا ہے اور کہتا ہے
کہ تم نے تو مجھے بچوں کی طرح پالا اور تو نے ہمارے
ہی آدمی کو مار دیا اور ناشکری کا نمونہ دکھایا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے جواب دیتے ہیں کہ
پہلے سب حالات پر غور کرو اور پھر الزام لگاؤ

یہ تو درست ہے کہ میرے ہاتھ سے ایک آدمی مارا گیا
لیکن سوال یہ نہیں کہ آدمی مارا گیا یا نہیں۔ سوال یہ
کہ آیا میرا اُسے مارنے کا ارادہ تھا یا نہیں۔ اگر حالات
میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایسا تھا جس میں فوری
مدد کی ضرورت تھی تو ایسی حالت میں اگر میں نے اپنی
قوم کے ایک مظلوم فرد کی مدد کی تو گو اتفاقی طور پر
ایک آدمی مر بھی گیا لیکن پھر بھی میں قصود واکس طرح
ہوا۔ میرا قصور تو تب ہوتا جب میں جانتے بوجھے
ہوئے محض قتل کرنے کی نیت سے اس پر حملہ کرتا مگر
جبکہ میرا ارادہ اُسے قتل کرنے کا تھا ہی نہیں تو اگر
نادانستہ طور پر ایک آدمی مر گیا تو یہ بات مجھے مجرم
بنانے والی کس طرح ہو گئی۔ مگر بہر حال چونکہ میں نے
ایک مظلوم قوم کے فرد کی حمایت کی تھی اور حاکم قوم کا
ایک فرد مارا گیا تھا اس لئے مجھے ڈر پیدا ہوا کہ میرے
معاظین انصاف سے کام نہیں لیا جائیگا۔ اور
مجھے مزا دینے کی کوشش کی جائیگی۔ چنانچہ میں تمہارے
ملک کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مگر میرے رب نے جو میرے
دلی خیالات کو جانتا تھا مجھے بری قرار دیا اور مجھے
ترغیبت عطا فرمائی اور مجھے اپنا رسول بنا کر کھڑا کر دیا
بانی رہا وہ احسان جو تو جتنا دلا ہے کہ ہم نے تجھے پالا
سو کیا یہ احسان اس جرم کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت
رکھتا ہے کہ تم نے اپنے باپ رئیس ثانی کے زمانہ سے
سارے بنی اسرائیل کو اپنی غلامی میں جکڑ رکھا ہے اور
تم انہیں بیگانہ میں پکڑ کر ان سے بڑے بڑے شقت طلب
کام لیتے ہو اور ان پر ایسے ایسے مظالم ڈھاتے ہو
جو نہایت شرمناک ہیں۔ اگر اتنے لمبے عرصہ تک ایک
قوم کے مردوں اور عورتوں اور بچوں سے ظالمانہ خد
لینے کے بعد اس قوم کا ایک بچہ تم نے پال دیا تو
کیا غضب کیا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ

اس پر فرعون نے (شرمندہ ہو کر اور بات پھیرنے کیلئے) کہا۔ یہ رب العالمین کون؟ (میں کی طرف سے) انعام بیان کرتے ہو۔

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْتِنِينَ ﴿۲۸﴾

(ہوئی) نے، کہا آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کا رب۔ اگر تم میں یقین کرنے کی خواہش ہے

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَ

اپہ اس (فرعون) نے اپنے ارد گرد کے لوگوں کو کہا۔ کیا تم سنتے نہیں کہ مومن کیا کہتا ہے (مومن نے اپنے پہلے بیان کہ

رَبِّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۰﴾ قَالَ إِنَّ سَأْلَكُمْ

تشریح کرتے ہوئے جواب دیا۔ وہی جو تمہارا بھی رب، اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب تھا۔ (اس پر فرعون) بولا۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس فرعون نے پالا تھا اس کا نام عیسیٰ تھا۔ مگر دعویٰ نبوت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس فرعون کے پاس جانا پڑا وہ اس کا میثا منفتح تھا۔ چونکہ وہ بچپن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھروں میں پرورش پاتے دیکھتا رہا تھا اور جانتا تھا کہ اس کے باپ نے کس محبت کے ساتھ موسیٰ کی پرورش کی اس لئے اس نے اپنے باپ کے اس سلوک کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اَنَسْتُ سُرَّتَكَ فَيُنَاثِرُ لِيَدَا کیا ہم نے تجھے اپنے گھروں میں نہیں پالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں اُسی عیسیٰ کے ان مظالم کا ذکر شروع کر دیا جو وہ اپنی زندگی میں بنی اسرائیل پر ڈھاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے حکم دے دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بھی لڑکا پیدا ہو اُسے مار ڈالا جائے۔ اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے۔ عیسیٰ کے مرنے کے بعد اس کا میثا منفتح تخت نشین ہوا اور اس نے بھی اپنے باپ کے

نقش قدم پر چلتے ہوئے بنی اسرائیل پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ آخر جب ان کی دردناک چیخ و پکار نے عرش الہی کو ہلا دیا تو اس نے ان میروں کی رستگاری کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ فرعون کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے۔ مگر بجائے اس کے کہ فرعون اس ظلم سے باز آتا اور بنی اسرائیل کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دیتا اس نے موسیٰ پر طعنہ زنی شروع کر دی کہ تو ہمارے ٹکڑوں پر بٹتا رہا ہے۔ اور اب تو ہی میں دُعا و نصیحت کرنے کے لئے آگیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ سب کچھ درست ہے۔ مگر کیا یہ اس ظلم کے جواز کی کوئی دلیل ہے جو بنی اسرائیل پر کیا جا رہا ہے۔ اگر مجھے پالا تو کیا اس کے نتیجہ میں تمہارے لئے یہ جائز ہو گیا کہ تم ساری قوم کو اپنی غلامی میں جکڑے رکھو۔ اور خدا تعالیٰ کے ان بندوں کو جو تمہاری طرح اس دنیا میں آئے ذلت اور سجادگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرو۔

الَّذِي أَرْسَلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿۲۸﴾

(اے لوگو! تمہارا وہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مژور پاگل ہے کہ)

کے تفسیر:- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو یہ جواب دیا تو اُس نے کھسپا نے ہو کر کلام کا مضموع ہی بدل دیا۔ اور کہنے لگا۔ اچھا ان باتوں کو جانے دو۔ تم یہ بتاؤ کہ تم جو کہہ رہے ہو کہ میں رب العالمین خدا کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تو یہ رب العالمین خدا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ رب العالمین وہ خدا ہے جو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اُن کا رب ہے اگر تم یقین لانے والوں میں سے ہو۔ تو یہ دلیل تمہارے لئے بڑی کافی ہے۔ فرعون اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہنے لگا۔ سنئے ہو کیسی بیوقوفی کی باتیں کرتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اگر آسمان اور زمین کے بنانے والے کو تم نہیں سمجھ سکتے تو پھر یہی دلیل سمجھ لو کہ تمہاری اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کی بھی تو کسی نے پرورش کی تھی۔ وہ رب العالمین خدا ہے۔ فرعون اس دلیل کی طاقت سے جھنجھلا اٹھا اور گالیوں پر اُتر آیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ یہ شخص جو تمہاری طرف رسول ہو کر آنے کا دعویٰ کرتا ہے یقیناً پاگل ہے۔ اس کا مطلب جیسا کہ سورہ نازعات سے ظاہر ہے یہ تھا کہ اے فرعونو! تمہارا رب تو میں ہوں۔ یہ موسیٰ رب العالمین خدا کہاں سے لے آیا ہے اور چونکہ میں اس کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں اور اس کے باوجود یہ اپنے عقیدے پر قائم رہا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دماغ میں کچھ نقص ہے جو اپنے دعویٰ پر اسقدر اصرار کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک دنیا میں خدا تعالیٰ کا کوئی

بھی بنی نہیں آیا جسے اُس کے معنی لغوں نے پاگل نہ کہا ہو کیونکہ جس طرح مجنون انسان اپنی انتہائی طاقت استعمال کر دیتا ہے اور اسے اپنے انجام کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے انبیاء بھی ہر قسم کے ڈر اور خوف اور لالچ سے بے نیاز ہو کر اس ہدایت کو پہنچانا شروع کر دیتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اُن کے سپرد کی ہوتی ہے اور انہیں اپنے انجام کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ انسان جو اُن کی پشت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ دیکھنے سے قاصر ہوتا ہے وہ انہیں جب اپنے مقصد کے لئے ایسے جوش سے کام کرتا دیکھتا ہے جو نظام عقل کے خلاف ہوتا ہے تو انہیں پاگل کہنا شروع کر دیتا ہے۔ علم انفس کے ماہرین نے بھی جنوں کی مختلف کیفیات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب جنون پیدا ہوتا ہے تو انسان اپنے گرد و پیش کے تمام حالات کو بھلا دیتا ہے اور اپنے کام کے متعلق اس میں اس قدر انہماک پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی دوسری چیز کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔ مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت جو استانی تھی پاگل ہو گئی۔ درمیان میں کبھی کبھی اس کی حالت درست بھی ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ عورتوں میں درس ہو رہا تھا اور وہ بھی درس میں شامل تھی کہ یکدم اس عورت کو جنون کا دورہ ہوا اور کھڑکی میں سے کود کر نیچے گرے لگی۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اُسے پکڑ لیا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے دو چار ماہ بعد کا واقعہ ہے جبکہ ابھی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ گھوڑے سے نہیں گرے تھے۔ اور آپ میں

کہتا ہے کہ صرف ایک ہی خدا ہے پس انکی نگاہ میں آپ کی یہ بات نفوذِ باطنہ ایک پاگلانہ بڑے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

پھر رسول کریم علیہ السلام کو دنیا اس نے بھی پاگل کہتی کہ آپ فرماتے تھے۔ شراب نہ پوئے، جوآنہ نہ کھیلو۔ اور دوسروں کے مال نہ لو، جو عرب کے لوگ کہتے تھے۔ یہ کیسا آدمی ہے جو شراب سے منع کیا ہے جو زندگی کا مسودہ ہے اور جو کھیلنے اور مال کوٹنے سے منع کرتا ہے جو ایک فائدہ مند کام ہے، اسکی یہ باتیں تو پاگلوں دلی باتیں ہیں۔ اسی طرح کہا کرتے کہ محمد رسول اللہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم اپنی زندگیوں کو نبی نوع انسان کی خدمت میں لگا دو۔ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرو تو تمہیں ثواب ملے گا۔ یہ تو پاگلوں دلی بات ہے۔

حضرت شیبہ جب لوگوں سے کہتے کہ تم دوسروں کا مال نہ لو، اپنے مال کو ناجائز کاموں میں صرف نہ کرو۔ تو آپ کی باتوں سے آپکی قوم حیران ہوتی تھی اور کہتی تھی کہ شیبہ پاگل ہو گیا ہے۔ اور دیوانوں کی سی باتیں کرتا ہے۔

اس زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لوگوں نے پاگل کہا جب آپ دفاتِ مسیح کا مسئلہ دنیا کے سامنے پیش کیا تو مسلمان سمجھ ہی نہ سکے کہ جب ۱۳۰۰ سال سے یہ مسئلہ گمبھیرہ کے اکابر پیش کرتے چلے آ رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں تو وہ فوت کس طرح ہو گئے لوگوں کو اس مسئلہ کے متعلق حیرت و یقین اور دھوکا تھا وہ اس واقعہ سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ جناب کے ایک شہودِ عیسیٰ بن کی طبیعت کے حضرت

انہی طاقت تھی کہ بعض دفعہ آپ اپنا ہاتھ بڑھا کر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی اسے ٹیڑھا کر کے دکھا دے۔ آپ نے اٹھ کر اس عورت کو کپڑا لیا۔ لیکن باوجود سارا زور لگانے کے وہ دُبی پٹی عورت آپ کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔ اس پر آپ نے عورتوں کو آواز دی کہ یہ تو گرنے لگی ہے میری مدد کے لئے آؤ۔ پھر پانچ سات عورتوں نے آپ کے ساتھ مل کر اُسے باندھا حالانکہ عقل اور ہوش کے زمانہ میں اس کو مترہ اٹھا رہا حال کا بچہ بھی بکڑ سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عقلمند انسان سمجھتا ہے کہ اگر ایک خاص حد سے زیادہ اس نے اپنی طاقتوں کو استعمال کیا تو اُسے نقصان پہنچے گا لیکن پاگل کا دماغ اُسے حد سے زیادہ طاقت خرچ کرنے سے نہیں روکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پاگلوں میں بہت زیادہ طاقت آجاتی ہے اور ایک ایک پاگل کو اٹھ اٹھ دس آدمی لکر کپڑتے ہیں۔ تب وہ قابو میں رہتا ہے پس چونکہ پاگلوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ بسا اوقات ایسے جوش سے کام کرتے ہیں جو عقل کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے جب لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ زمانہ کی رو کے بالکل خلاف آواز اٹھا رہے ہیں اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کیلئے انہیں کسی قسم کی طاقت اور تباہی کی پروا نہیں تو وہ سمجھتے ہیں یہ لوگ پاگل ہیں اگر عقلمند ہوتے تو ایسے عالم کے خلاف اپنی آواز کیوں بلند کرتے۔ چنانچہ رسول کریم صلی علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور آپ نے مکہ والوں کے سامنے یہ بات پیش کی کہ ایک خدا کی پرستش کرو تو عرب کے لوگ جولاں اور مٹاؤ اور عمری کے پرستار تھے ان کے لئے یہ بات حیرت کا موجب ہوئی اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص تو پاگل ہے جو اتنے خداؤں کو ایک خدا قرار دے رہا ہے۔ خدا تو کئی میں مگر یہ شخص

آپ کہتے کہ آئندہ ہم آپ کے بدلے ہوئے دلائل ہی استعمال کیا کریں گے انہوں نے الٹا آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور اسلام کی اتنی عظیم الشان خدمت کیکنے کے باوجود جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیرہ سو سال میں اور کسی نے نہ کی آپ کے خلاف کفر کے فتوے دینے لگے اور اپنی علمیت جتانے لگ گئے۔ اور سمجھنے لگے کہ ہم بڑے آدمی ہیں۔ اس پر مرزا صاحب کو غصہ آنا چاہیے تھا اور آیا۔ چنانچہ انہوں نے مولویوں سے کہا۔ اچھا تم بڑے عالم بنے پھرتے ہو اگر تمہیں اپنی علمیت پر ایسا ہی گھمنڈ ہے تو دیکھ لو کہ حیات مسیح کا عقیدہ قرآن سے اتنا ثابت ہے اتنا ثابت ہے کہ اس کے خلاف حضرت مسیح کی وفات ثابت کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ لیکن میں قرآن سے ہی حضرت مسیح کی وفات ثابت کر کے دکھاتا ہوں۔ اگر تم میں ہمت ہے تو اسکا رد کر دو۔ چنانچہ انہوں نے مولویوں کو ان کی جو فتویٰ جتانے کے لئے وفات مسیح کا مسئلہ پیش کر دیا اور قرآن سے اس کے متعلق ثبوت دینے لگ گئے۔ اب مولوی چاہے سارا اندر لگائیں۔ چاہے ان کی زبانی گھس جائیں اور قلمیں ٹوٹ جائیں۔ سارے ہندوستان کے مولوی مل کر بھی مرزا صاحب کے دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مرزا صاحب نے انہیں ایسا پکڑا ہے کہ ان میں سر اٹھانے کی تاب نہیں رہی۔ اب اس کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ سارے مولوی بلکہ ایک نڈکی متو میں حضرت مرزا صاحب کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ ہم سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگانے میں بے ادبی ہو گئی ہے۔ ہمیں معاف کیا جائے۔ پھر دیکھ لیں مرزا صاحب قرآن سے ہی حیات مسیح ثابت کر کے دکھاتے ہیں یا نہیں؟

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موقت

خلیفہ اول رضی اللہ عنہ جیسے طیب بھی قائل تھے۔ اور جن کا نام حکیم احمد دین تھا اور بھیرہ کے رہنے والے تھے ایک دفعہ ان کے پاس مولوی فضل دین صاحب بھیروی جو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے گہرے دوست اور نہایت مخلص احمدی تھے گئے۔ اور انہیں کچھ تبلیغ کی۔ وہ باتیں سن کر کہنے لگے۔ میں تم مجھ کیا تبلیغ کرتے ہو تم بھلا جانتے ہی کیا ہو اور مجھے تم نے کیا سمجھانا ہے مرزا صاحب کے متعلق تو جو مجھے عقیدت ہے اسکا دموں بلکہ میسوں حصہ بھی نہیں ان سے عقیدت نہیں ہوگی مولوی فضل دین صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ دل میں احمدی ہیں۔ اس لئے انہوں نے کہا اس بات کو سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ کو حضرت مرزا صاحب سے عقیدت ہو اور میں خوش ہونگا اگر آپ کے خیالات سلسلہ کے متعلق کچھ اور بھی سنوں۔ وہ کہنے لگے۔ اچکل کے حبال تو چوہن بات کی تہ تک نہیں پہنچتے اور پڑھنی تبلیغ کرنے کے لئے دھڑ پڑتے ہیں۔ اب تم آئے ہو مجھے وفات مسیح کا مسئلہ سمجھانے۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہی کیا ہے کہ مرزا صاحب کی اس مسئلہ کو پیش کرنے میں حکمت کیا ہے؟ وہ کہنے لگے۔ آپ ہی فرمائیے۔ انہوں نے کہا سنو! اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کتاب کبھی۔ تیرہ سو سال میں بھلا کوئی مسلمان کا بچہ تھا جس نے ایسی کتاب لکھی ہو مرزا صاحب نے اس میں ایسے ایسے علوم بھر دیئے کہ کسی مسلمان کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی وہ اسلام کے لئے ایک دیوار تھی جس نے اسے دوسرے مذاہب کے حملوں سے بچا دیا۔ لیکن مولوی ایسے احمق اور بے وقوف نکلے کہ بجائے اس کے کہ وہ آپ کا مشکرہ ادا کرتے اور زانوئے ادب نہ کر کے

فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۳۲﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَادَاهِيَ

تو اچانک (اہل فرعون نے دیکھا کہ) وہ ایک صاف صاف نظر آنے والا اژدہا ہے۔ اور اُس نے اپنا ہاتھ (اپنی بٹری)

بَيْضَاءُ لِلنَّظَرِ ﴿۳۳﴾

نکالا تو سب دیکھنے والوں نے اچانک دیکھا کہ وہ بالکل سفید ہے

۲
ع
۴

ثُعْبَانٌ

نَزَعَ

۱۔ صلیغات: ثُعْبَانٌ: جُزْبٌ مِّنَ
الْعُثْيَانِ سِرَطَانٌ۔ یعنی ثُعْبَانٌ سانپوں کی اقسام میں سے
ایک قسم کا سانپ ہوتا ہے جو خاصا لمبا ہوتا ہے (اقرب)
نَزَعَ: نَزَعَ يَدَهُ کے معنی ہیں اُخْرَجَهَا
مِنَ جَيْبِهِ۔ ہاتھ کو اپنے گریبان سے نکالا (اقرب)
تفسیر:- فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام
کو مجنون کہا تو آپ سمجھ گئے کہ اب یہ مجھے اہل فرعون
سے دوسری طرف پھیرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش
ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمین پر جو
گفتگو شروع ہے وہ ذاتیات میں الجھ کر رہ جائے
اور میں اس معجون کو ترک کر کے اس امر پر بحث شروع
کر دوں کہ مجھے مجنون کیوں کہا گیا ہے۔ میرے اہل
تو کوئی جنون والی بات نہیں پائی جاتی۔ پس آپ نے
منا سب سمجھا کہ اُس کی اس گلی کا اُسے کوئی جواب
نہ دیں اور اہل فرعون کو جادوی رکھیں۔ چنانچہ آپ نے
فرمایا۔ رب العالمین خدا وہ ہے جو مشرق کا بھی رب
ہے اور مغرب کا بھی رب ہے اور جو کچھ اہل دونوں
کے درمیان ہے اُن کا بھی رب ہے یعنی تو تو صرف
مصریوں کا رب ہونیکا دعویٰ دار ہے حالانکہ مصر کی
دنیا کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا ہے مشرق و
مغرب میں سیٹھ کیوں ملک مصر سے کئی گنا بڑے
موجود ہیں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ فرعون مصر والوں
کو پال رہا ہے تو وہ لوگ جو مشرق اور مغرب اور

ان کے درمیان رہتے ہیں اُن کو کون پالتا ہے۔ بہر حال جو
سادری دنیا کو پالتا ہے وہی رب العالمین ہے۔ فرعون
رب العالمین نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو
مصریوں اور قبطیوں کا خدا کہتا ہے۔ اس پر فرعون کے
غصہ کا پادہ بہت ہی چڑھ گیا اور موسیٰ سے کہنے لگا کہ
یا تو سیدھی طرح مجھے خدا قرار دو ورنہ میں تجھے قید
کر دوں گا۔ اور پھر تجھے تہہ لگیگا کہ تیری اس گستاخی کی
کیا سزا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ وہی جو موسیٰ
کو اہنی سلاخوں کے پیچھے قید کرنا چاہتا تھا خدا تعالیٰ
نے اُسے بحیرہ قلزم کی طوفانی موجوں میں ایسا قید کیا کہ وہ
اپنے تمام لاؤشکر اور مددگاروں کے باوجود اُس قید سے
رہا نہ ہو سکا۔ جب اُس نے قید کرنے کی دھمکی دی۔ تو
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا اگر میں کوئی بیسی دیں
لاؤں جو میری بات کو بالکل واضح کر دے تو کیا پھر بھی
تم قید کر دگے؟ فرعون نے اپنے دل میں سوچا کہ چلو اسنو
تو بحث سے جان چھوٹی دیندہ دیکھا جائیگا اور کہنے
لگا کہ اگر تم سچے ہو تو ایسی دیں پیش کر دو۔ اس پر
موسیٰ نے اپنا مونٹا زمین پر ڈال دیا تو دو گوں کو اچانک
یہ نظر آنے لگا کہ وہ ایک اژدہا ہے جو صاف صاف
نظر آ رہا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ نے اپنے پہلو سے
اپنا ہاتھ نکالا۔ تو وہ دیکھنے والوں کو چمکتا ہوا نظر
آنے لگا۔

اسجگہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے سونے کا سانپ بن جانا اور آپ کے ہاتھ کا لوگوں کو چمکتا ہوا نظر آنا درحقیقت ایک کشفی نظامہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی دکھا دیا۔ اور رؤیا و کشوف کے متعلق یہ ایک مکمل حقیقت ہے جس کی انبیاء اور اولیاء کی تاریخ میں کثرت کے مثالیں پائی جاتی ہیں کہ بعض دفعہ کشفی نظام سے ایسے وسیع کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو بھی نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انشقاقِ قمر کا جو معجزہ ظاہر ہوا وہ بھی ایک کشفی نظامہ تھا جو وسیع کر دیا گیا۔ اور نہ صرف مکہ کے کچھ لوگوں کو نظر آیا بلکہ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ہندوستان کے ایک راجہ کو بھی نظر آگیا اور وہ مسلمان ہو گیا (تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ مقالہ ۱۱) مفسرین نے چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھا اس لئے ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ چاند واقعہ میں جسمانی طور پر پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا حالانکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سونٹا تھا تو سونٹا ہی گمزدعون اور اس کے دو بار یوں کو وہ ایک اذہا کی شکل میں دکھایا گیا۔ اسی طرح چاند تو اپنی جگہ پر ہی رہا تھا مگر کشف میں یہ دکھایا گیا کہ وہ پھٹ گیا ہے۔ اور جس طرح ہر خواب اور کشف تعبیر طلب ہوتا ہے اسی طرح اس کشف کی بھی یہ تعبیر تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو تغیر رونما ہونے والا ہے اس کا وقت اب آچکا ہے اور کفار کی حکومت عرب سے مٹ جائیگی۔ چنانچہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اِنْتَرِیْتَ السَّاعَةَ وَالنَّشَقَ الْقَمَرُ (مؤثر قرآنیہ) یعنی عرب کی تباہی قریب آگئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے

کہ چاند پھٹ گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مساحت کے قریب آنے اور چاند کے پھٹنے میں تعلق تھا۔ مگر ظاہری طور پر چاند کے پھٹنے کا مساحت کی تعلق ہو سکتا ہے۔ اگر مساحت اس کا تعلق ہوتا تو چاہیے تھا کہ قیامت بھی آجاتی۔ مگر چاند کے پھٹنے پر تو سو سو سال کا عرصہ گزرنے کا ہے اور قیامت ابھی تک آئی نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مساحت قریب آگئی ہے اور اس کی موت یہ ہے کہ چاند پھٹ گیا ہے۔ یہی علوم ہوا کہ مٹی کے جو معنی عالم پر پکے جاتے ہیں وہ بھی غلط ہیں اور مساحت جو معنی نے جاتے ہیں وہ بھی درست نہیں۔ دراصل قرآن کریم میں انبیاء کی بعثت اور ان کی ترقی اور غلبہ کے زمانہ اور ان کے مخالفین کی تباہی کے زمانہ کو مساحت کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو مساحت آئی تھی اور آپ کے ذریعہ جو تغیر رونما ہونا تھا اس کا وقت اب آگیا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ چاند پھٹ گیا ہے۔ یہ علامت اسلئے بتائی گئی کہ عربوں میں قمر سے مراد عرب کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت صفیہ جو ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں اور بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ان کی گود میں چاند آگرا ہے۔ وہ کہتی ہیں جب میں نے اپنے باپ کو یہ خواب سنائی تو اس نے میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور کہا کہ کیا تو عرب کے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس سے بترنگتا ہے کہ عرب کے لوگ قمر سے مراد عرب کی حکومت لیتے تھے

پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشفی طور پر

یہ نظارہ دکھایا گیا کہ چاند بھٹ کر دھڑکے ہو گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اب کفار عرب کی تساہی کا وقت پہنچا ہے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر ایک لمبے عرصے سے مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی کہ اب اسلام کی ترقی کا زمانہ آ گیا ہے۔ اور یہ نظارہ نہ صرف آپ کو دکھایا گیا بلکہ کفار کو بھی اس نظارہ میں شامل کر لیا گیا۔ تاکہ وہ بھی اس بات کو سمجھیں کہ اب کفر کے ٹٹنے کے دن آ گئے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ میں خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب "مرثیہ شہید" میں اس معجزہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے روایات و کشف کے دائرہ کی اس وسعت کو تسلیم کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ

"یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کی قوت قدسیہ کے اثر سے دیکھنے والوں کو کشفی آنکھیں عطا کی گئی ہوں۔ اور جو انشفاق قرب قیامت میں پیش آنے والا ہے اس کی صورت انہی آنکھوں کے سامنے لائی گئی ہو کیونکہ یہ بات محقق ہے کہ مقررین کی کشفی قوتیں اپنی شدت حدت کی وجہ سے دوسروں پر بھی اثر ڈال دیتی ہیں۔ اس کے نمونے ارباب مکاشفات کے قصوں میں بہت پائے جاتے ہیں بعض اکابر نے اپنے وجود کو ایک وقت اور ایک آن میں مختلف ملکوں اور مکانوں میں دکھلادیا ہے۔ باذن اللہ تعالیٰ"

(مرثیہ شہید ص ۲۲۹ و ۲۳۰)

یہی طرح فرماتے ہیں :-

"صاحب کشف پر ایسے ایسے سرکار ظاہر ہو

ہیں کہ ان کی کنہ کو سمجھنے میں بکلی عقل عاجز رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات صاحب کشف صدمہ کو صدموں کے فاصلہ سے باوجود حامل ہونے جیسا و محالوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات میں بیداری میں باذنہ تعالیٰ اس کی آواز بھی سُن لیتا ہوں اور اس سے زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اوقات وہ شخص بھی اس کی آواز سُن لیتا ہے جس کی صورت اس پر منکشف ہوتی ہے۔ بعض اوقات صاحب کشف اپنے عالم کشف میں جو بیداری سے نہایت مشابہ ہے اور ارج گذشتہ سے ملاقات کرتا ہے اور ہم طور پر ہر یک نیک بہت روح یا بد بہت روح کے ساتھ کشف قیور کے طور پر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ خود اس میں مولف رسالہ ہذا صاحب تجربہ ہے۔ اور یہ امر مہر دلوں کے مسئلہ تناسخ کی نیچ کنی کرنے والا ہے اور سب سے تعجب کا یہ مقام ہے کہ بعض اوقات صاحب کشف اپنی توجہ اور قوت تاثر کو ایک دوسرے شخص پر باوجود صدمہ کو صدموں کے فاصلہ کے باذنہ تعالیٰ عالم بیداری میں ظاہر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا دجو و عنصری اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا۔ اور عقل کے زور سے ایک چیز کا دو جگہ ہونا محال ہے۔ سو وہ محال اس عالم ثالث میں ممکن الوجود ہو جاتا ہے۔" (حاشیہ مرثیہ شہید ص ۱۳۰)

یہی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اوقات بھی ایسے کشوف ہوئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی شریک کر لیا۔ مثلاً حدیثوں میں آتا ہے کہ

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک اجنبی شخص جس پر سفر کے کوئی آثار معلوم نہیں ہوتے تھے آیا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو ڈانٹو ہو کر بیٹھ گیا۔ اور پھر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا تم نے یہ شخص پہچان لیا ہے؟ اسلام کے کون کون سے ارکان ہیں؟ احسان کس مقام کا نام ہے؟ قیامت کی کیا نشانیاں ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ جب وہ چلا گیا۔ تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ جبریل تھا جو تمہیں دینی مسئلے سکھانے کے لئے آیا تھا۔ (ترمذی جلد ۲۔ ابواب الایمان) اب یہ بھی ایک کشف تھا جس کے دائرہ کو اتنا وسیع کر دیا گیا کہ صحابہ نے بھی جبریل کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے دیکھ لیا۔

اسی طرح جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تائید کے لئے جو ملائکہ نازل فرمائے۔ وہ کشفی حالت میں جہاں بعض صحابہ کو دکھائی دیئے وہاں کفار نے بھی اُن کو دیکھا اور پھر انہوں نے اپنی مجالس میں بھی اس کا حیرت کے ساتھ ذکر کیا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۴۸۔ تفسیر فتح البیان جلد ۲ ص ۱۰۳)

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یحییٰ میں اپنی دانی علیہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے تو روایات میں ذکر آتا ہے کہ آپ کا ایک رضاعی بھائی ایک دن روزِ تہا ہوا اپنے والدین کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ہمارے بھائی (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر کسی نے حملہ کر دیا ہے جلیہ جلدی سے باہر نکلیں تو انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھے ہوئے ہیں۔ جلیہ نے دریافت کیا کہ کیا ہوا تھا؟ آپ

نے فرمایا۔ ابھی تین آدمی آئے تھے جنہوں نے میرا سینہ چیرا اور میرے دل کو دھو کر اندر رکھ دیا اور پھر چلے گئے اب یہ بھی ایک کشفی نظارہ تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا۔ اور علیہ کے بیٹے نے بھی اس نظارہ کو دیکھ لیا۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے ملائکہ کسی کے دل کی صفائی کے لئے ظاہری چیر بھار کے محتاج نہیں ہوتے۔ اسی طرح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں سو رہے تھے جب آپ تہجد کے لئے اٹھے اور وضو فرمانے لگے تو مجھے آواز آئی کہ آپ فرمائیے میں لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ نُصِيْتُ۔ نُصِيْتُ۔ نُصِيْتُ۔ وہ کہتی ہیں جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے کہا۔ یا رسول اللہ! کیا کوئی آدمی آیا تھا۔ اور آپ اس سے باتیں کر رہے تھے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں میرے سامنے کشفی طور پر غزاحہ کا ایک وفد پیش ہوا اور میں نے دیکھا کہ وہ وفد سوجھتا ہے چلے آ رہے ہیں کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے خدا کی قسم دیکر کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ اور تیرے باپ دادوں کے ساتھ ہم نے معاہدے کئے تھے اور ہم تیری مدد کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر قریش نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی۔ اور رات کے وقت ہم پر حملہ کر کے جبکہ ہم میں سے کوئی سجدہ میں تھا اور کوئی رکوع میں ہم کو قتل کر دیا۔ اب ہم تیری مدد حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ جب کشفی طور پر مجھے وہ وفد نظر آیا تو میں نے لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں۔ میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں۔ پھر میں نے کہا۔ نُصِيْتُ۔ نُصِيْتُ۔ نُصِيْتُ۔ مجھے مدد دی جائیگی۔ مجھے مدد دی جائیگی۔ مجھے مدد دی جائیگی؟

مب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کشتی نظارہ دیکھ رہے ہیں اور کشتی حالت میں ہی آپ بتیلا بتیلا کہتے ہیں۔ اور پھر تین دفعہ نصوت نصوت کہتے ہیں۔ اور یہ آواز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی سن لیتی ہیں۔ اور وہ آپ سے دریافت فرماتی ہیں کہ کیا کوئی آدمی تھا جس سے آپ باتیں کر رہے تھے۔ اور آپ فرماتے ہیں۔ یہ ایک کشتی نظارہ تھا۔ یہ واقعہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کشتی حالت میں بعض دفعہ دوسرے لوگ بھی شریک کر لئے جاتے ہیں۔ اب گو حضرت میمونہ نے وہ دفعہ نہیں دیکھا۔ مگر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جواب سن لیا جو آپ نے کشتی حالت میں غزائہ کے دفعہ کو دیا تھا۔ اور پھر چند دن بعد ایسا ہی وقوع پذیر ہو گیا۔

پھر یہ واقعات صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نہیں ہوئے بلکہ بعد میں بھی اللہ تعالیٰ ایسے نشانات ظاہر کرتا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ خطبہ پڑھا رہے تھے کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے آپ نے بلند آواز سے فرمایا۔ یا سادیۃ الجبل۔ اے سادیہ پہاڑ کے دامن میں پناہ لو۔ اور یہ فقرہ آپ نے دو تین مرتبہ دہرایا وہ لوگ جو خطبہ سن رہے تھے بخت حیران ہوئے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کیا کہہ دیا ہے۔ بلکہ بعض منافقوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عمرؓ پاگل ہو گیا ہے کہ اُس نے خطبہ پڑھتے پڑھتے یہ بے جوڑ بات کہہ دی کہ یا سادیۃ الجبل اے سادیہ تو پہاڑ کے دامن میں چلا جا۔ جب لوگوں میں چرمیگوئیاں ہونی شروع ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ لوگ آپ

کے متعلق مختلف قسم کی باتیں کر رہے ہیں اور وہ حیران ہیں کہ آپ نے آج خطبہ میں یہ کیا کہہ دیا کہ یا سادیۃ الجبل۔ آپ نے فرمایا۔ میں خطبہ پڑھ رہا تھا کہ اچانک مجھ پر کشتی حالت طاری ہوئی اور عراق کی سرزمین میرے سامنے آگئی اور میں نے دیکھا کہ ساریہ جہاد لڑی جریں ہے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن فوج سے برابر بیکار رہے مگر دشمن فوج کا پلہ بھاری ہے اور قریب ہے کہ اسلامی فوج شکست کھا جائے۔ میں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو چونکہ اُس وقت میدان جنگ کا سب نقشہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں نے بلند آواز سے سادیہ سے کہا کہ اے سادیہ! پہاڑ کی طرف بھاؤ تاکہ تم دشمن کے حملہ سے بچ سکو۔ چند دن بعد میدان جنگ سے حضرت عمرؓ کو سادیہ کا خط پہنچا۔ تو اس میں لکھا تھا کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز کے وقت ہماری دشمن سے مدبھی ہوئی۔ اور ہم اُن سے لڑتے چلے گئے یہاں تک کہ جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ اُس وقت اچانک ہمارے کانوں میں آپ کی یہ آواز آئی کہ یا سادیۃ الجبل یا سادیۃ الجبل اور ہم فوراً میدان بھجور کہ پہاڑ کی طرف آگے رجس کا فیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی اور دشمن شکست کھا گیا (تاریخ الخلفاء جلد ۲ ص ۲۴۱-۲۴۲)

اب دیکھو اسلامی افواج مدینہ سے سینکڑوں میل دور ہیں۔ اور حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھے ہیں۔ مگر جب آپ پر کشتی حالت طاری ہوئی تو نہ صرف آپ کی آواز کو اُن لوگوں نے سنا جو اُس وقت خطبہ میں شریک تھے بلکہ سینکڑوں میل دور عراق کی سرزمین میں سادیہ اور اُس کے سپاہیوں نے بھی سن لی اور انہوں نے فوراً اس کی تعمیل کی جس کے نتیجے میں اسلامی فوج تباہی سے بچ گئی اور دشمن شکست کھا گیا۔

یہ مثالیں حقیقت کو نہایت صاف ثابت کرتی ہیں

کہ بعض دفعہ کثوف کے دائرہ کو ایسا وسیع کر دیا جاتا ہے کہ سینکڑوں میل دور پہنچنے والے بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح امت محمدیہ میں جو ادیان گذرے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ ۱۱ ہر روز تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کیا کرتے تھے۔ سبک ذات جبکہ وہ دُعا مانگ رہے تھے اُن کا ایک مرید بھی اُن کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ دُعا کرنے کے بعد اُن کو ایک الہام ہوا۔ جو اُس مرید نے بھی سُن لیا۔ مگر ادب کی وجہ سے وہ خاموش رہا۔ دوسرے دن وہ پھر تہجد کے لئے اُٹھے اور انہوں نے دُعائیں کیں تو پھر اُن پر دہی الہام نازل ہوا جو پہلے دن نازل ہوا تھا۔ اور یہ الہام بھی اُن کے مرید نے سُن لیا۔ مگر پھر بھی وہ خاموش رہا۔ تیسرے دن وہ دُعا کے لئے اُٹھے اور نماز سے فارغ ہوئے تو پھر انہیں دہی الہام ہوا۔ جو اُن کے مرید نے بھی سُن لیا۔ اور وہ کہنے لگا حضور میں برابر تین دن سے یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہر روز آپ پر یہ الہام نازل ہوتا ہے کہ میں تمہاری دُعا قبول نہیں کروں گا۔ مگر آپ برابر دُعا کئے جاتے ہیں۔ آپ کو تو چاہیے کہ اب دُعائیں کرنا چھوڑ دیں۔ جب خدا تعالیٰ قبول کرنا نہیں چاہتا تو اتنا زور دینے کا کیا فائدہ؟ انہوں نے کہا۔ تو تو صرف تین دن یہ الہام سن کر ٹھہر گیا ہے مجھے تو تین سال سے برابر یہ الہام ہو رہا ہے۔ مگر میں اللہ تعالیٰ سے مایوس نہیں ہوا کیونکہ بندے کا کام دُعا مانگنے چلے جانا ہے۔ مایوس ہونا مومن کا کام نہیں لکھا ہے کہ دوسرے ہی دن اللہ تعالیٰ نے اُن پر الہام نازل کیا کہ تم نے تین سال کے عرصہ میں جس قدر بھی دُعائیں کی تھیں وہ سب میں نے قبول کر لی ہیں۔ انہوں نے اپنے اس مرید کو بلایا اور کہا۔ دیکھو اگر میں تمہاری بات مان کر دُعائیں کرنا ترک کر دیتا تو میں اللہ تعالیٰ کے کتنے

بڑے فضلوں سے محروم ہو جاتا۔ اور اُس وقت محروم ہونا جبکہ میں کامیابی کے دروازے پہنچ چکا تھا۔ اب دیکھو ایک ہڈنگ کو الہام ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دائرہ کو اتنا وسیع کر دیتا ہے کہ اُن کا ایک مرید بھی الہام کی آواز سُن لیتا ہے اور برابر تین دن تک مستحضر رہتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرنے کے چند روز قبل کشف دکھایا گیا۔ تو مرنے کے چھینٹے نہ صرف اپنی قیص پر پائے گئے بلکہ ایک قطرہ میں عبد اللہ متاب سندھ کی ٹوپی پر بھی آگرا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نشان میں اُن کو بھی شریک کر لیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مجھے بتایا گیا کہ آج ذات حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الہام نازل ہوا ہے کہ رَاجِئُ مَعَ الْخَوَاجِ اَنْبِیَکَ بَخْتِہٖ۔ مسیح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشاعت کے لئے اپنے الہامات لکھ کر دیئے تو اتفاقاً آپ کو یہ الہام لکھنا یاد نہ رہا۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ مجھے تو آج ذات ایک فرشتہ نے بتایا تھا کہ آپ کو یہ الہام ہوا ہے کہ رَاجِئُ مَعَ الْخَوَاجِ اَنْبِیَکَ بَخْتِہٖ مگر آپ نے جو الہامات لکھے ہیں اُن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے مجھے یہ الہام ہوا تھا۔ مگر لکھنا یاد نہیں رہا۔ پھر آپ اندر سے اپنے الہامات کی کاپی اٹھالائے اور مجھے فرمایا کہ دیکھو جس میں میں نے یہ الہام درج کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُس الہام کو بھی اخبار میں شائع کروادیا۔ اب دیکھو ابھر ایک الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی بتا دیتا ہے کہ ابنِ آدم

آپ پر الہام نازل ہوا ہے اور صبح معلوم ہوتا ہے کہ بات بالکل درست تھی۔

غرض دُعا یا دُکھوت میں بعض دفعہ ساتھ دہنے والے بھی شریک کر لئے جاتے ہیں۔ اور یہ چیز ایسی قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملکہ دُکُور یہ کو تسلیخ اسلام کرتے ہوئے کھاکہ ”اگر کوئی طالب حق یت کی صفائی

سے ایک مدت تک میرے پاس ہے اور وہ حضرت مسیح کو کشنی حالت میں دیکھنا چاہے تو میری توجہ اور دُعا کی برکت سے وہ اُنکو دیکھ سکتا ہے۔ اُن سے باتیں بھی کر سکتا ہے اور اُن کی نسبت اُن سے گواہی بھی لے سکتا ہے۔ کیونکہ میں وہ شخص ہوں جس کی رُوح میں بروز کے طور پر مسیح کی رُوح سکونت رکھتی ہے“ (تحفہ نصیر ص ۷۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صوفی کا سانپ بن کر نظر آتا بھی ایسے ہی کشوت میں سے تھا جس کا دائرہ وسیع کر دیا گیا اور فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ کا عصا ایک بہت بڑے اژدہ کی صورت میں دیکھا جسے دیکھ کر وہ ڈرے اور اُن کے دلوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔

یہ نظارہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک غریب شخص جس کا ابو جہل کے ذمہ کچھ فرض تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ابو جہل نے میرا اتنا روپیہ دینا ہے مگر بار بار تقاضوں کے باوجود وہ میرا روپیہ مجھے نہیں دیتا۔ آپ اس بارہ میں میری مدد کریں۔ اور مجھے اس سے روپیہ دلوا دیں۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبشت سے پہلے ایک ایسی مجلس میں شریک رہ چکے تھے جس کا ہر ممبر یہ حلف اٹھاتا تھا کہ میں منکلوں کی مدد کر نہ لگا۔ اور حقدار کو اُس کا حق

دلانے کی کوشش کر نہ لگا۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اُس کے ساتھ ابو جہل کے مکان کی طرف چل پڑے۔ حالانکہ اُس زمانہ میں مکہ میں آپ کی شدید نفی تھی اور گلی کوچوں میں آپ کا اکیلے پھرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا مگر آپ اپنی جان کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے اُس کے ساتھ چل پڑے اور ابو جہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

باہر آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تم نے اس شخص کا کوئی روپیہ دینا ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں! آپ نے فرمایا۔ پھر اسے لا دو۔ وہ چپکے سے اندر گیا اور اُس نے روپیہ لا کر دے دیا۔ جب یہ خبر مکہ کے لوگوں نے سنی تو انہوں نے ابو جہل کو طعن دینے شروع کر دیئے کہ تم جس تو کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ کی کوئی بات نہ مانو مگر خود اتنا ڈر گئے کہ اُس کے کہنے پر تم چپکے سے اندر گئے اور روپیہ لا کر اُس کے حوالے کر دیا۔ وہ کہنے لگا۔ تمہیں کیا معلوم کہ میرے ساتھ کیا واقعہ ہوا۔ جب میں دروازہ کھولا اور مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دائیں اور بائیں دو دست اونٹ کھڑے ہیں اور وہ ایسے جوش میں ہیں کہ میں نے سمجھا اگر اس وقت میں نے ذرا بھی انکار کیا تو یہ دونوں اونٹ مجھے نوچ کر کھا جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ فوراً روپیہ لا کر پیش کر دوں۔ یہ بھی ایک کشنی نظارہ تھا جو ابو جہل کو دکھائی دیا۔ در نہ ظاہر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں کوئی دیوانے اونٹ نہیں تھے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک ہندو جو لاہور کے کسی دفتر میں اکاؤنٹنٹ تھا اور علم توحید کا بڑا ماہر تھا۔ کسی برات کے ساتھ اس نیت اور اوداہ سے قادیان آیا کہ میں مرزا صاحب پر مسمریزم کر دوں گا۔ تو وہ مجلس میں بیٹھے ناچنے لگ جائیں گے اور لوگوں میں

ان کی بڑی شکی ہوئی۔ یہ واقعہ اُس ہندو نے خود لاہور کے ایک احمدی دوست میاں عبدالعزیز صاحب مغل کو سنایا تھا جس کی تقریب اس طرح پیدا ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میاں عبدالعزیز صاحب کو اپنی ایک کتاب دی اور فرمایا کہ یہ فلاں ہندو کو دے دینا۔ انہوں نے اُسے کتاب پہنچا کر پوچھا کہ حضرت صاحب نے آپ کو یہ کتاب کیوں بھیجوائی ہے اور آپ کا اُن کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اسپر اُس ہندو نے یہ سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ مجھے مسمریزم کے علم میں اتنی مہارت حاصل ہے کہ اگر میں تانکے میں بیٹھے ہوئے کسی شخص پر توجہ ڈالوں تو وہ فوراً تانکے کے پیچھے پیچھے بھاگا اُٹے گا۔ حالانکہ نہ وہ میرا واقعہ ہوگا اور نہ میں اُسے جانتا ہوں گا۔ پھر اُس نے کہا۔ کہ میں نے آدیوں اور ہندوؤں سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف بہت سی باتیں سنی ہوئی تھیں جن کی بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ میں مرزا صاحب پر مسمریزم کے ذریعہ اثر ڈالوں گا۔ اور اُنکے مریدوں کے سامنے اُن کی شکی کر دوں گا۔ چنانچہ میں ایک شادی کے سلسلہ میں قادیان گیا اور مرزا صاحب کی مجلس میں بھی جا لیا مرزا صاحب اُس وقت کچھ غلط وضاحت کی باتیں کر رہے تھے۔ میں نے دروازے میں بیٹھ کر اُن پر توجہ ڈالنی شروع کی۔ مگر اُن پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ میں نے سمجھا کہ ان کی قوت ارادی زیادہ قوی ہے چنانچہ میں نے پہلے سے زیادہ توجہ ڈالنی شروع کی۔ مگر پھر بھی اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ اُسی طرح باتوں میں مشغول رہے۔ تب میں نے سمجھا کہ ان کی قوت ارادی بہت زیادہ مضبوط ہے اور میں نے اپنی سادگی توجہ اُن پر صرف کر دی۔ میں ابھی توجہ کر رہا تھا کہ اُن میں سے دیکھا کہ سرے سامنے کچھ

فاصلہ پر ایک شیر بیٹھا ہے۔ میں اُسے دیکھ کر کانپ گیا۔ لیکن میں نے اپنے دل کو ملامت کی کہ تو کیسے دہم میں مبتلا ہو گیا ہے۔ یہاں بھلا شیر کا کیا کام ہے اور میں نے پھر توجہ کرنی شروع کر دی۔ اس پر میں نے دیکھا کہ وہ شیر میرے قریب آ گیا ہر اُسے دیکھ کر میرا جسم بھر کانپ اُٹھا۔ مگر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر توجہ ڈالنی شروع کر دی جب میں نے اپنا پورا زور لگا دیا تو اچانک میں کیا دیکھا کہ وہی شیر کود کر مجھ پر حملہ آور ہوا ہے اور ڈر کے مارے زور سے میری پیچھے نکل گئی اور میں جلدی سے اپنی جوتی لے کر پیچھے بھاگا۔ میری آواز سن کر حضرت مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے کہا کہ دیکھنا یہ کون شخص بھاگا ہے اور اسے کیا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک شخص میرے پیچھے آیا اور اُس نے مسجد کے ساتھ والے چوک میں مجھے آ پکڑا میں چونکہ اُس وقت سخت حواس باختہ تھا۔ اس لئے میں نے اُس سے کہا کہ تم مجھے جانے دو۔ میرے حواس اس وقت درست نہیں ہیں۔ چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں اُس نے یہ تمام واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دکھا اور کہا کہ مجھ سے گستاخی ہو گئی ہے۔ میں آپ کے مرتبہ کو پہچان نہ سکا۔ آپ بڑے خدا و مسیدہ اور بزرگ انسان ہیں۔ آپ میری اس غلطی کو مٹا دیں۔

میاں عبدالعزیز صاحب مغل شتاباً کرتے تھے کہ میں نے اس ہندو سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں نہ سمجھا کہ مرزا صاحب مسمریزم جانتے ہیں اور اس علم میں وہ تم سے بڑھ کر ہیں۔ وہ کہنے لگا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسمریزم کے لئے توجہ کا ہونا ضروری ہے اور یہ عمل کا ان سکون اور خاموشی چاہتا ہے مگر مرزا صاحب تو اس وقت باتوں میں مشغول تھے

اس لئے میں نے سمجھ لیا کہ بن کی توبہ ارادی زمینی نہیں بلکہ آسانی ہے اور وہ خدا رسیدہ انسان میں پچانچہ یہ بند و جب تک زندہ رہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بڑا معتقد رہا اور ہمیشہ آپ سے خط و کتابت رکھتا تھا۔

اسی طرح ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب عہد اتھم کے متعلق پیش گوئی فرمائی کہ وہ پندرہ ماہ تک باویر میں گرایا جائیگا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ تو عہد اتھم کے دل پر اس پیش گوئی کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اُسے قسم قسم کے خوفناک نظارے نظر آنے شروع ہو گئے۔ ایک دفعہ امرتسر میں اُسے ایک خطرناک سانپ دکھائی دیا جس کی اس کے دل پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ جوی جوں کو چھوڑ کر لدھبانا اپنے داماد کے پاس بھاگ گیا۔ مگر وہاں پہنچ کر بھی اُسے سکون نہ ملا۔ بلکہ اُس نے دیکھا کہ بعض آدمی جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں نیزے پکڑے ہوئے ہیں اُس کو قتل کرنے کے لئے مستعد کھڑے ہیں اور کوٹھی کے احاطہ کے اندر آ پہنچے ہیں۔ امپر وہ بھر گھبرایا اور دوڑ کر اپنے دوسرے داماد کے پاس فیردز پور چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اُسے ایسے ہی حملہ آور دکھائی دیئے جو بند قوں اور تلواروں سے مسلح تھے غرض پندرہ ماہ اُس نے سخت بے چینی اور اضطراب میں بسر کئے اور گھبرائے کہ ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ یہ نظارے جو اتھم کو دکھائے گئے درحقیقت کشفی رنگ ہی رکھتے تھے۔ ورنہ اگر کوئی جسمانی سانپ ہوتا تو عہد اتھم اُسے آسانی کے ساتھ مار سکتا تھا۔ اسی طرح اگر انسان حملہ آور ہوتے تو وہ آسانی سے گرفتار کئے جاسکتے تھے۔ مگر یہ چیز تو ایسی تھی جو

صرف اتھم کو دکھائی دی۔ اور اُس نے خود ان واقعات کو بیان کیا۔

غرض جس طرح ابو جہل کو دوست اور ملٹ دکھائی دیئے اور لاہور کے ہندو دوست کو ایک شیر حملہ کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اور عہد اتھم کو سانپ اور تلواروں اور نیزوں وغیرہ سے مسلح افراد دکھائی دیئے اسی طرح فرعون مصر کو موسیٰ کا عصا ایک آزد ہ کی صورت میں نظر آیا جسے دیکھ کر وہ کانپ گیا اور گو اس نے اُسے ایک جسمانی سانپ ہی سمجھا مگر حقیقت اس کی تعبیر یہ تھی کہ موسیٰ کی جماعت ایک دن فرعون اور اس کے تمام لاؤشکر کو آزد ہ بن کر کھا جائیگی اور وہی بنی اسرائیل جن کو وہ موسیٰ کے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار نہیں ایک دن اُس کی تباہی اور بربادی کا باعث بن جائیں گے اور موسیٰ کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

تعلیم الانام میں بھی لکھا ہے کہ حَتَّ رَأَى أَنَّهُ مَلَكٌ ثَعْبَانًا فَإِنَّهُ يُصِيبُ مُسْلِمًا نَاعَظِيْمًا۔ یعنی اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ کوئی بڑا آزد ہ اُس کے قبضے میں آ گیا ہے تو اُس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اُسے بہت بڑا غلبہ حاصل ہو گا۔ پس یہ کشف موسیٰ اور اس کی جماعت کے غلبہ اور فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کی خبر پانے اندر رکھتا تھا۔ اسی طرح اس کشف میں فرعون کو اس طرف بھی توجہ دہائی گئی تھی کہ بنی اسرائیل کا موسے کے ہاتھ میں ہی رہنا ضروری ہے۔ ورنہ اگر یہ تمہارا پاس رہی تو تمہارے اخلاق اطوار ہی ان پر اثر انداز ہونگے۔ مگر پھر یہ انسان نہیں رہیں گے بلکہ سانپ بن جائیں گے۔ اور جس طرح سانپ سفی زمین کی مٹی کھاتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی زمین کے کیڑے بن جائیں گے ایک مضبوط اور مستعد جماعت کی شکل اختیار نہیں کر سکیں گے۔ مگر فرعون نے اس کشفی نظارہ کی حقیقت کو

اس لئے میں نے سمجھ لیا کہ بن کی توبہ ارادی زمینی نہیں بلکہ آسانی ہے اور وہ خدا رسیدہ انسان میں پچانچہ یہ بند و جب تک زندہ رہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بڑا معتقد رہا اور ہمیشہ آپ سے خط و کتابت رکھتا تھا۔

اسی طرح ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب عہد اتھم کے متعلق پیش گوئی فرمائی کہ وہ پندرہ ماہ تک باویر میں گرایا جائیگا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ تو عہد اتھم کے دل پر اس پیش گوئی کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اُسے قسم قسم کے خوفناک نظارے نظر آنے شروع ہو گئے۔ ایک دفعہ امرتسر میں اُسے ایک خطرناک سانپ دکھائی دیا جس کی اس کے دل پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ جوی جوں کو چھوڑ کر لدھبانا اپنے داماد کے پاس بھاگ گیا۔ مگر وہاں پہنچ کر بھی اُسے سکون نہ ملا۔ بلکہ اُس نے دیکھا کہ بعض آدمی جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں نیزے پکڑے ہوئے ہیں اُس کو قتل کرنے کے لئے مستعد کھڑے ہیں اور کوٹھی کے احاطہ کے اندر آ پہنچے ہیں۔ امپر وہ بھر گھبرایا اور دوڑ کر اپنے دوسرے داماد کے پاس فیردز پور چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اُسے ایسے ہی حملہ آور دکھائی دیئے جو بند قوں اور تلواروں سے مسلح تھے غرض پندرہ ماہ اُس نے سخت بے چینی اور اضطراب میں بسر کئے اور گھبرائے کہ ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ یہ نظارے جو اتھم کو دکھائے گئے درحقیقت کشفی رنگ ہی رکھتے تھے۔ ورنہ اگر کوئی جسمانی سانپ ہوتا تو عہد اتھم اُسے آسانی کے ساتھ مار سکتا تھا۔ اسی طرح اگر انسان حملہ آور ہوتے تو وہ آسانی سے گرفتار کئے جاسکتے تھے۔ مگر یہ چیز تو ایسی تھی جو

نہ سمجھا اور یہ خیال کر لیا کہ موسیٰ کوئی بڑا جادوگر ہے۔ جس نے اپنے جادو کے ذریعے سے سونے کو سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عصائے موسیٰ کے سانپ بن جانے کے متعلق قرآن کریم نے تین الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اَوَّلُ نُحْبَاتٍ - دَوْمَ حَيَّةٍ - مَوَاطِنَ حَيَّاتٍ۔ حَبَّاتٍ کا لفظ تو سورۃ اعراف ۳۳ اور سورۃ شعراء کی زیر تفسیر آیت میں استعمال ہوا ہے۔ حَيَّةٌ کا لفظ سورۃ طہ کے پہلے رکوع میں استعمال ہوا ہے اور حَبَّاتٍ کا لفظ سورۃ نمل ۸ اور سورۃ قصص ۲ میں استعمال ہوا ہے۔ دشمنان اسلام اپنی نادانی سے یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ ایک ہی امر کے متعلق قرآن کریم نے اتنے مختلف الفاظ کیوں استعمال کئے ہیں۔

اس سے تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر یہ اعتراض فقط تذبذب کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ غور کرتے تو انہیں اس میں کوئی اختلاف نظر نہ آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرعون کے دربار میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا اور وہ اُڑ دیا تو انہوں نے دیکھا۔ تو اس واقعہ کے متعلق قرآن کریم نے ہر مقام پر صرف حَبَّاتٍ کا لفظ استعمال کیا ہے کوئی اور لفظ استعمال نہیں کیا۔ پس اس بارہ میں اختلاف کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

باقی رہا حَيَّةٌ اور حَبَّاتٍ کے الفاظ کا استعمال سو یہ دونوں الفاظ اُس موقع پر استعمال کئے گئے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے نوازا اور انہیں فرعون کی طرف جانے کی ہدایت فرمائی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اپنا سونٹا پھینک۔ انہوں نے سونٹا پھینکا تو قرآن کریم میں لکھا ہے کہ فَادَّاعِيَ حَقِيْقَةٍ تَمَسَّحُ بِهَا (طہ ۸)

موسیٰ نے کیا دیکھا کہ وہ ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے۔ حَيَّةٌ کا لفظ چھوٹے اور بڑے دونوں قسم کے سانپوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن سورۃ نمل اور قصص میں یہی مضمون اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ فَلَمَّا رَاَهَا تَمَسَّحَ بِهَا تَهَا حَبَّاتٍ وَفِي مَذْبُحٍ وَكَمْ يَعْقِبُ (نمل ۸) جب موسیٰ نے دیکھا کہ وہ لاشعی بل رہی ہے گویا کہ وہ ایک چھوٹا سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اُس نے پیچھے ٹرک کبھی نہ دیکھا۔ سورۃ قصص رکوع ۴ میں بھی یہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں پس اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو صرف اس پر کہ ایک ہی واقعہ کے متعلق ایک جگہ حَيَّةٌ اور دوسری جگہ حَبَّاتٍ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ حَبَّاتٍ کا لفظ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے الگ موقع پر استعمال ہوا ہے اس لئے حَبَّاتٍ کے بارہ میں کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ سوال صرف یہ ہو سکتا ہے کہ حَيَّةٌ کو دوسرے مقام پر حَبَّاتٍ کیوں کہا گیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ سورۃ نمل اور قصص دونوں مقامات پر قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ وہ حَبَّاتٍ تھا بلکہ یہ کہا ہے کہ تَمَسَّحَ بِهَا تَهَا حَبَّاتٍ وہ اس طرح ہٹا تھا جس طرح چھوٹا سانپ ہٹتا ہے۔ گویا تھا تو وہ بڑا سانپ ہی مگر وہ ہٹتا اس طرح تیزی سے تھا جیسے چھوٹا سانپ ہلا کرتا ہے۔ پس قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں اُن کا آپس میں کوئی تضاد نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے حَبَّاتٍ کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اُس سانپ کی صرف تیزی کا ذکر ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سونٹا پھینکا تو وہ چھوٹے سانپ کی طرح تیزی سے دوڑنے لگ پڑا وہاں اُس کی شکل کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ چھوٹا تھا یا بڑا بلکہ یہ بتانا نظر ہے کہ چھوٹے سانپ کی طرح اُس میں

تائید اور اس کی بجزانہ نصرت اس کا ہوگی جس کو مومن کی دعا میں جذب کرینگے اور وہ دعا میں سلسلہ جس کی اس کے ہاتھ سے بنیاد رکھی جا رہی ہے ایک دن دنیا کو اپنے انوار سے روشن کر دے گا۔ گویا جس طرح سورج اور چاند کے طلوع سے تاریکی غائب ہو جاتی ہے اسی طرح مومن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے جو نشانات ظاہر ہوں گے۔ اُن سے وہ ظلمت اور تاریکی دور ہو جائیگی جو لوگوں کے قلوب کا اعطاف کئے ہوئے ہے اور شیطان کی جگہ حُسن کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

پھر مومن کے اس کشف میں آپ کی قوم کی پاکیزگی اور طہارت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کیونکہ ہاتھ کی تعبیر میں جہاں بھائی بیٹے اور رشتہ دار وغیرہ مُراد ہوتے ہیں وہاں یثا سے قوم بھی مُراد ہوتی ہے کیونکہ قوم کے افراد بھی ایک دوسرے کی تقویت اور سہارے کا موجب ہوتے ہیں اور مشکلات میں وہ دوسروں کے کام آتے ہیں۔ پس کشفی طور پر آپ کے ہاتھ کا روشن اور بے عیب دکھایا جانا اس تعبیر کا بھی حامل تھا کہ آج تو نبی امراء میں کئی قسم کے عیوب دکھائی دے رہے ہیں لیکن جب یہ قوم میرے ہاتھ پر جمع ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر ایسا نور پیدا کر دے گا کہ یہ بھوئے بھٹکوں کی راہنما بن جائیگی اور اخلاق اور روحانیت میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل کرے گی۔

یہ خیال کہ کسی انسان کے جسم سے ایسی شعاعیں کس طرح نکل سکتی ہیں جو دوسروں کو بھی نظر آجائیں صرف اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اس نشان کو ظاہر پر محمول کر لیتے ہیں۔ اگر وہ سمجھتے کہ یہ ایک کشفی واقعہ ہے تو اس قسم کے وسوسے بھی اُن کے دلی میں پیدا نہ ہوتے مومن کا زمانہ تو بہت دور کی بات ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے

تیزی پائی جاتی تھی لیکن جہاں شُعَبَات کا لفظ آیا کہ وہ آیات دیکھی جائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ واقعہ فرعون کے سامنے ہوا ہے اور فرعون کو چونکہ ڈرانا مقصود تھا۔ اس لئے اُسے شُعَبَات کی شکل میں سونٹا دکھائی دیا۔ پس قرآنی آیات میں جو تضاد سمجھا جاتا ہے۔ وہ حقیقتاً کوئی تضاد نہیں محض قَلْبِ تَدْبیر یا لغتِ عرب سے ناواقفیت کی وجہ سے ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرا نشان جو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ظاہر کیا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلو سے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ انہیں بالکل سفید اور چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ بھی ایک کشفی نظارہ تھا جو فرعونوں کو دکھایا گیا۔ اور جس میں ایک تو اس طرف اشارہ تھا کہ لئے فرعونوں کو تم سب مریم جانتے ہو اور ہمیں معلوم ہے کہ سفید رنگ نیکی اور پاکیزگی اور طہارت قلب کی علامت ہوا کرتا ہے پس مومن کے ہاتھ کا سفید نظر آنا بتا رہا ہے کہ یہ شخص پاک اور بے عیب ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں جی جھوٹ اور انحراف کی آمیزش نہیں۔ اگر اس کا ہاتھ سیاہ دکھائی دیتا تو یہ اس کی سیاہی قلب اور باطنی تاریکی کا ثبوت ہوتا۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ اس کا ہاتھ سورج کی طرح روشن ہے اور اس کی شعاعیں تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ پس تم اپنے علم کی بناء پر بھی سمجھ سکتے ہو کہ یہ شخص پاکیزہ ہے اور تمہارا فرض ہے کہ یہ جو کچھ کہے تم اسے تسلیم کرو۔

اسی طرح موسیٰ کا روشن ہاتھ اس تعبیر کا بھی حامل تھا کہ اس شخص کے ہاتھ پر بڑے بڑے بھاری ثمراتِ مقدہ ہیں مگر وہ تغیرات کنہی ظہار شدہ دیکھنے میں نہیں ہونگے۔ نہ کمر اور فریب اور جھوٹ اور جلساری اُن میں کام کر رہی ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی

اپنے بعض ایسے نشانات دکھائے ہیں جن میں کشفی نگاہ رکھنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے انوار کو ظاہری شکل میں بھی متشکل دیکھا اور اس کے روحانی کیفیت سے لذت اندوز ہوئے۔ پناہ پورہ ۱۹۰۲ء میں جب حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور شریف لے گئے تو وہاں ایک جلسہ میں آپ نے تقریر فرمائی، ایک غیر احمدی دوست شیخ رحمت اللہ صاحب وکیل بھی اس تقریر میں موجود تھے۔ وہ کہتے ہیں۔ دورانِ تقریر میں میں نے دیکھا کہ حضرت سیح موعود علیہ السلام کے سر سے نور کا ایک ستون نکل کر آسمان کی طرف جارہا تھا۔ اس وقت میرے ساتھ ایک اور دوست بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں کہا۔ دیکھو وہ کیا چیز ہے۔ انہوں نے دیکھا۔ تو فوراً کہا کہ یہ نور کا ستون ہے جو حضرت مرزا صاحب کے سر سے نکل کر آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اس نظارہ کا شیخ رحمت اللہ صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی دن حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کرنی (الفضل ۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

اسی طرح حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت چھ ماہ متواتر روزے رکھے تو آپ نے ان روزوں کے روحانی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:-

”اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پرکھے چنانچہ بعض گذشتہ غیوں کی طاقات میں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے ادیب و اس امت میں گند چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ اور علاوہ اس کے انوار روحانی تخیلی طور پر رنگ ستون مبارک و مرغ ایسے دلکش اور داستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل ناممکن ہے“

سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو میرے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض جگہ اور سفید اور بعض سرخ اور بعض مرغ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ انکو دیکھ کر دل کو نہایت مسرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تخیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرے وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا۔ اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

(کتاب البریۃ حاشیہ ص ۱۶۴ تا ص ۱۶۵)

ایسی طرح آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ:-

”میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے ہیں اور پھر وہاں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں سے نکل کر ان کی لا انتہا توانیاں ہوتی ہیں۔ اور بقدر حصہ و سمدی ہر حق دار کو پہنچتی ہیں“ (الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء ص ۱۶۵)

ایسی طرح ایک دفعہ آپ کو رؤیا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اور آپ نے دیکھا

اور نہ انتہاء۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس نور میں سے ایک ہاتھ نکلا ہے جس میں ایک سفید چینی کا پیالہ ہے اور اُس پیالہ میں دودھ بھرا ہوا ہے۔ اُس ہاتھ نے وہ پیالہ مجھے پکڑا دیا اور میں نے وہ دودھ پی لیا۔ جب میں وہ دودھ پی چکا تو میں نے دیکھا کہ نہ تو کوئی درد ہے اور نہ بخار بلکہ میں اچھا بھلا ہوں۔ اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے

ایسی طرح بعض دفعہ دوسروں کے جسم سے ایسی شعاعیں نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جن سے اُن کے اندہ دلی خیالات بے نقاب ہو جاتے ہیں اور تہ لگ جاتا ہے کہ وہ سچے مومن ہیں یا نہیں۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ ایک شخص میرے ساتھ بات کرتا ہے اور میری رُوح اُس کی رُوح سے مل کر اگر معلوم کر لیتی ہے کہ یہ منافق کی رُوح ہے۔ اسی طرح کئی ایسے ہوتے ہیں جو ظاہر میں بُرے اخلاص کا اظہار کرتے ہیں۔ ہاتھ چومتے ہیں۔ مگر اُن کے ہاتھ جو سننے پر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے ہاتھ کو نجاست لگا دی، اور اُن کی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا وہ گالیوں دے رہے ہیں۔ کیونکہ قلوب کے اسرار بعض دفعہ تو اللہ تعالیٰ اس طرح ظاہر کر دیتا ہے کہ خود انسان کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو اُس کی قلبی کیفیت کا آئینہ دار ہوتی ہیں اور کبھی اُس کے اندر سے باریک شعاعیں نکل کر دوسروں کے قلوب پر پڑتی ہیں۔ اور وہ چیز جسے وہ مخفی سمجھ رہا ہوتا ہے دوسرے پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ خدا کے بندوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی نظر باوجود انسانی ہونے کے لوگوں کے دلوں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ چیز جو دنیا کیلئے پوشیدہ ہوتی ہے اُن کے لئے ظاہر ہو جاتی ہے مگر چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ساری کی چادر اوڑھے ہوئے

کہ جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹی ہیں۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سورج کی طرح چمک رہی ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۳۹)

پھر حلیہ عظیم مذہب لاہور میں ابھی آپ کا مضمون نہیں پڑھا گیا تھا کہ آپ نے رویا میں دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ آرا گیا۔ اور اُس ہاتھ کے چھوٹے سے اُس محل میں سے ایک نور ساطعہ نکلا جو ارد گرد پھیل گیا۔ اور میرے ہاتھ پر بھی اُس کی روشنی پڑی۔ (تذکرہ صفحہ ۳۹)

غرض اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اصلاح خلق کے لئے مبعوث فرماتا ہے، انہیں اپنے انوار اور تجلیات کا جلوہ گاہ بناتا ہے۔ اور یہ نور بعض دفعہ ظاہری طور پر تشبیہ ہو کر دوسرے لوگوں کو بھی نظر آ جاتا ہے تاکہ سعید الفطرت انسان اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے قلوب میں تغیر پیدا کریں۔

خود مجھے بھی اللہ تعالیٰ کا نور بعض دفعہ تشبیہ کے طور پر دکھائی دیا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۳۹۱ یا ۱۳۹۲ کا واقعہ ہے کہ مجھے بخار ہو گیا اور ساتھ ہی مجھے اپنی ران میں شدید درد ہونے لگا۔ چونکہ اُن دنوں طاعون سے بعض اموات ہو رہی تھیں مجھے دہم ہوا کہ کہیں یہ طاعون ہی نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ یہ کیا ہونے لگا ہے۔ اسی اثناء میں جبکہ میری آنکھیں کھلی تھیں میں درد و دیوار کو دیکھ رہا تھا اور مجھے اپنے کمرے کی تمام چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے کسفی طور پر دیکھا کہ ایک سفید اور نہایت چمکتا ہوا نور ہے جو میرے کمرے کے نیچے سے نکل رہا ہے اور آسمان کی طرف چھت پھاڑ کر جا رہا ہے۔ نہ اس کی کوئی ابتداء معلوم ہوتی ہے

ہوتے ہیں اس لئے وہ اُن کے عیب کو چھپا لیتے ہیں۔ وہ ایسا اس لئے نہیں کرتے کہ اُن کے دل کا خیال اُن پر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ خدا نہیں چاہتا کہ اُس کی ستاری کی چادر کو اٹھا دیا جائے۔

مجھے یاد ہے قادیان میں ایک دفعہ ایک بہائی عورت آئی اور مختلف مسائل پر مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن اُس سے باتیں کرنے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے جسم سے کوئی چیز نکل کر اُس کے ساتھ ٹکرا جاتی ہے مگر آگے نہیں گزرتی۔ آخر میں نے دعا کی تو میں نے دیکھا کہ وہ چیز جو اُس کے ساتھ ٹکراتی تھی آگے نکلنے لگی ہے۔ اسی نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو وہ بڑے ہوش سے باتیں کر رہی تھی اور یا پھر یکدم گھبرائی اور اُس نے بحث بند کر دی اور کہنے لگی کہ میرا بچہ بیمار ہے اس لئے میں جاتی ہوں حالانکہ وہ اچھا بھلا تھا۔

غرض انبیاء اور اولیاء کے جسم سے مختلف قسم کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں جو اُن کے روحانی درجہ اور مقام کے مطابق مختلف رنگ کی ہوتی ہیں مگر یہ شعاعیں مادی آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی بلکہ اُن کے دیکھنے کیلئے کشفی نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی میسر آ سکتی ہے۔ یہی نور تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے نکلا۔ اور اپنی تعریف و تہمت فرعون اور اس کے درباریوں نے بھی دیکھ لیا۔ مگر چونکہ وہ روحانی علوم سے بے بہرہ تھے انہوں نے اتنے بڑے نشان کو دیکھ کر بھی موسیٰ کی عظمت اور اُس کے تقدس کو نہ پہچانا اور یہ خیال کر لیا کہ موسیٰ نے اپنے جادو کے زور سے ایسا کر لیا ہے۔ بہر حال موسیٰ کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ نے اپنے جلال اور جمال

کا اظہار کیا اور سانپ کی شکل میں اُسے انداز دی اور یدِ معینا کی شکل میں ہتھیری نشان دکھایا۔ مگر بائبل نے عصا کا سانپ بن جانا تو تسلیم کیا ہے اگرچہ وہ اس نشان کو موسیٰ کی طرف نہیں بلکہ ہارون کی طرف منسوب کرتی ہے مگر موسیٰ کے دربار میں یدِ معینا والے معجزہ کے دکھائے جانے کا اُس نے ذکر کیا نہیں کیا اور یہ اس کی ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا قرآن کریم نے ازالہ کیا۔ بلکہ خود بائبل کی ایک اندرونی شہادت سے بھی ثابت ہے کہ فرعون کے دربار میں یدِ معینا اور انسان بھی ضرور دکھایا گیا تھا۔ اور وہ شہادت یہ ہے کہ جب موسیٰ کو خدا تعالیٰ نے فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تو اُس وقت بائبل بھی تسلیم کرتی ہے کہ

”خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ اُس نے کہا۔ لاشعیرا پھر اُس نے کہا کہ اسے زمین پر ڈال دے اُس نے اسے زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن گئی اور موسیٰ اُس کے سامنے سے بھاگا۔“

(خروج باب ۷ آیت ۲۰)

اسی طرح لکھا ہے کہ

”پھر خداوند نے اُسے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اُس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر اُسے ڈھانک لیا اور جب اُس نے اسے نکال کر دیکھا۔ تو اُس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔“

(خروج باب ۷ آیت ۶)

اور اگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اور معجزات دکھاتے جن کا بائبل میں بھی ذکر آتا ہے اور قرآن کریم میں بھی ان کو بیان کیا ہے۔ پس بائبل کا ایک طرف یہ کہنا کہ اگر فرعون پہلے معجزہ کو دیکھ کر ایمان نہ لایا تو پھر دوسرا معجزہ اُسے دکھایا جائے تاہم ہے کہ فرعون کے سامنے یہ دونوں معجزے دکھائے گئے تھے۔ مگر بائبل چونکہ انسانی دست بُد کا شکار رہی ہے اس نے اُس نے اس معجزہ کا ذکر تو کر دیا اور دوسرے معجزہ کے دکھائے جانے کا کوئی ذکر نہ کیا۔ لیکن خود اس کی اندرونی شہادت بتا رہی ہے کہ فرعون کے دربار میں یہ دونوں معجزات دکھائے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا تھا۔ پس صحیح بات وہی ہے جو قرآن کریم نے کہی ہے اور بائبل نے جو کچھ کہا ہے وہ خود بائبل کی اپنی شہادت سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے۔ باقی رہا بائبل کا یہ کہنا کہ فرعون کے دربار میں موسیٰ نے نہیں بلکہ ہارون نے عصا پھینکا تھا (خروج باب ۱۰)۔ یہ بھی بائبل کی غلط بیانی ہے کیونکہ خود بائبل خروج باب ۸ میں تسلیم کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہارون سے نہیں بلکہ موسیٰ سے کہا تھا کہ

”یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ اُس نے کہا
لاٹھی! پھر اُس نے کہا کہ اسے زمین پر
ڈال دے۔ اُس نے اُسے زمین پر ڈالا اور
وہ سانپ بن گئی۔ اور موسیٰ اُس کے سامنے
سے بھاگا۔ تب خداوند نے موسیٰ سے کہا
ہاتھ بڑھا کر اس کی دم پکڑے۔ اُس نے
ہاتھ بڑھایا اور اُسے پکڑ لیا۔ وہ
اُس کے ہاتھ میں لاٹھی بن گیا۔“
خروج باب ۴ آیت ۲ تا ۴

پھر یہ بات بھی خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے ہی
کہی تھی کہ اگر وہ پہلے معجزہ کو نہ مانیں تو ”وہ دوسرے

اس حوالہ میں اول تو حضرت موسیٰ کے ہاتھ کی سفیدی
کوڑھ کی طرف منسوب کی گئی ہے جو ایک نہایت ہی
شرمناک بات ہے۔ موسیٰ خدا تعالیٰ کا ایک مقدس نبی
تھا۔ اور وہ مقام جہاں اس وقت موسیٰ خدا تعالیٰ سے
ہمکلام ہوا تعلیمات الہیہ کا مرکز تھا۔ ایسے مقدس مقام
پر موسیٰ جیسے مقدس نبی سے خدا تعالیٰ کا ہمکلام ہونا
تو ایک بہت بڑا انعام تھا اور وہ الہی برکات اور
اُس کے فیوض کا وقت تھا۔ ایسے بابرکت وقت میں
خدا تعالیٰ کا یہ عذاب کیسے نازل ہو سکتا تھا کہ موسیٰ
کے ہاتھ کو کوڑھ ہو جاتا۔ یقیناً موسیٰ کے ہاتھ کو
کوڑھ نہیں ہوا۔ بلکہ کسی بد بخت یہودی کا دل روحانی
کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوا اور اُس نے یہ عجیب حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ یہی وجہ ہے
کہ قرآن کریم نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ”مَنْ غَيَّرَ صُوْعَهُ
(ظہار ۱) کے الفاظ بیان فرمائے ہیں کہ ہاتھ کی سفیدی
کسی بیماری کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ایک نشان کے طور پر عطا کی گئی تھی۔

بہر حال ان دونوں معجزات کا ذکر کرنے کے بعد
بائبل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

”اور یوں ہو گا کہ اگر وہ تیرے یقین نہ کریں
اور پہلے معجزہ (یعنی لاٹھی کے سانپ بن جانے)
کے معجزہ کو بھی نہ مانیں تو وہ دوسرا معجزہ
(یعنی ہاتھ کی سفیدی اور چمک کے سبب جو
یقین کریں گے۔) (خروج باب ۸ آیت ۸)

اب اگر لاٹھی کو سانپ کی شکل میں دیکھ کر فرعون
ایمان لے آتا تو ہم تسلیم کر سکتے تھے کہ اُسے دوسرا معجزہ
دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جب وہ ایمان
ہی نہ لایا تو بائبل کے خود اپنے بیان کے مطابق ضروری
تھا کہ موسیٰ اسے یہ بھی اعلان معجزہ بھی دکھاتے۔

معجزہ کے سبب یقین کر گئے " (خروج باب آیت ۹) پس جبکہ تمام گفتگو موسیٰ سے ہی ہوتی رہی اور موسیٰ کی لاطعی ہی سانپ بنی اور موسیٰ کو ہی یہ کہا گیا کہ اگر فرعون اور اس کے درباری پہلے معجزہ کو دیکھ کر ایمان نہ لائے تو دوسرے معجزہ کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ فرعون کے دربار میں موسیٰ کی بجائے ہارون اپنا عصا پھینک دیتے ہیں یہ بات بھی بائبل کی اندرونی شہادت سے باطل قرار پاتی ہے اور صحیح بات وہی ثابت ہوتی ہے جو قرآن کریم نے کہی۔

بہر حال یہ دو بڑے بھاری نشانات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ مگر اس امر کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ حقیقتاً یہ ایک بہت بڑا نشان تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوٹا پھینکا اور وہ سانپ بن گیا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوٹا مارا اور دیابول پھٹ گیا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوٹا مارا اور چٹان سے پانی بہ نکلا پھر بھی اس صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ موسیٰ کے عصا کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عصا عطا فرمایا وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ موسیٰ کے عصا سے بجز قلعہ کا پھٹنا یا ان کے عصا سے پھر کی چٹانوں سے پانی بہہ نکلنا یا خود ان کے عصا کا سانپ بن کر لوگوں کو دکھائی دینا اسکے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں دکھتا۔ موسیٰ کا عصا جیشک بڑے بھاری نشانات کا حامل تھا مگر آج دنیا میں کہیں موسوی عصا کا نشان نہیں۔ وہ عصا موسیٰ کے ہاتھ میں رہا اور موسیٰ کی وفات کے ساتھ ہی اس کی نشان نمائی کا معجزہ ختم ہو گیا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ عصا عطا فرمایا جس پر انسانوں کی موت اور زمانہ کی گردشیں کوئی اثر نہیں کر سکتیں۔ جسے دنیا کی ہر سی بڑی حکومتیں بھی توڑنے کی طاقت

نہیں رکھتیں۔ اس عصا کو نہ کوئی زمینی کثیر اکھانے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ کوئی آسمانی صاعقہ اسے منہ پر ہستی سے معدوم کر سکتا ہے۔ وہ عصا جو آج بھی کفر کے سر کو پاش پاش کر رہا ہے اور قیامت تک شیطان کے پھیلانے ہوئے جاؤں اور اس کی رسیوں کو نگلتا چلا جائیگا قرآن کریم ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا۔ اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ جہادِ عظیم پہلے جہادِ اکبراً (فرقان آیت ۵۳) اے مسلمانو! تم قرآن کریم کو اپنے ہاتھ میں لو اور اس کے ذریعہ لغو سے جہاد کبیر کرو۔ گو یا قرآن کریم ایک کتاب ہی نہیں بلکہ وہ ایک کامیاب ہتھیار بھی ہے جس سے کفر و شیطنت کی پھیلانی ہوئی ظلمتوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور پہلے کہہ کر بتایا کہ یہ قرآن بنی نوع انسان کا مقصد بھی ہے اور ایصال مقصد کا ذریعہ بھی ہے یعنی روحانی دلائل و براہین کے لئے یہ کسی دوسرے کی دکان کا محتاج نہیں بلکہ خود ہی اپنے دعاوی کے دلائل بھی دیتا ہے اور اس طرح بنی نوع انسان کے عقلی اور فکری معیار کو بھی بلند کرتا چلا جاتا ہے۔

فرض قرآن وہ عظمت و شوکت اپنے اندر رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ توپ و تفنگ کے بغیر بھی دنیا کو فتح کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اب دوسرے مسلمانوں میں بھی بیداری اور قربانی کی روح پیدا ہو رہی ہے لیکن قربانی کی وہ روح انہیں توپ و تفنگ کی طرف لے جاتی ہے۔ بے شک موجودہ دور کا مسلمان آج سے سو یا پچاس سال قبل کے مسلمانوں کی نسبت زیادہ میدا رہے لیکن وہ توپوں اور تلواروں کی طرف بھاگ رہا ہے۔ وہ حسرت سے اٹھم بھم بنا خواہوں کی طرف دیکھ رہا ہے اور اس امید میں ہے کہ وہ اسے بھی صدقہ کے طور پر کچھ ہتھیار دے دیں لیکن حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ تہادی توپ قرآن ہے۔ تہادی راقل قرآن ہے۔ تہادی بندوق قرآن ہے۔ تہادی پستول قرآن ہے۔ تہادی دہمستیار ہے جس سے تم نے دنیا کا سر کھنسا ہے پس تم فتح کے لئے اس امر کے محتاج نہیں ہو کہ اٹھنا تمہیں تو میں دے۔ تم فتح کے لئے اس امر کے محتاج نہیں ہو کہ امریکہ تم پر مہربان ہو اور ایک دو ایم بم دے دے۔ یا فرانس اور جرمن نہیں کھیا دی چیزیں پیدا کر کے دے بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم قرآن کریم کو اور دنیا کو فتح کر لو۔

قرآن وہ کتاب ہے جو انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی خشیت پیدا کر کے اُس کو خدا کی طرف لے جاتی ہے اور انسان کی جتنی طبعی اور روحانی ضرورتیں ہیں اُن سب کو پورا کرتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (نبی اسرائیل آیت ۹۰) ہم نے اس قرآن میں ہر چیز کو دہر دہر کر دے دے کر اور نئے نئے اسلوب سے اور نئی نئی طرز سے تمام قسم کی فطرتوں کے لئے مضامین بیان کر دیئے ہیں۔

دنیا میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں جو کئی تعلیم کی برتری کو ثابت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر قسم کے مضامین اس میں بیان ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ مختلف طبقات میں ہر طبقہ کے لئے اس میں مضامین بیان ہوں اور یہ دونوں خصوصیتیں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ گویا کوئی انسان نہیں رہا جو قرآن کریم کا مخاطب نہ ہو اور کوئی بات نہیں رہی جو قرآن نے بیان نہ کی ہو۔ جب ہر بات اس میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور ہر قسم کے لوگوں کی فطرت کو ملحوظ رکھ کر اس میں تعلیم نازل کر دی گئی ہے تو پھر نبی نورع انسان کو اپنے خدا کی محبت اور اس کا پیار

کیوں حاصل نہ ہو۔ بیشک پرانے زمانہ میں موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو خدا ملا اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ہمارا دل اس سے تسلی نہیں پاتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی خدا تعالیٰ کی محبت حاصل ہو۔ اور زندہ کتاب وہی کہلا سکتی ہے جو زندہ خدا سے ہمارا تعلق پیدا کر دے۔ اگر وہ ہمیں خدا سے نہیں ملاتی تو اس کتاب کا وجود اور عدم ہمارے لئے برابر ہو جاتا ہے اور قرآن کہتا ہے کہ ہم نے ہر انسان کی روحانی ضرورتوں کے پورا کرنے کے سامان اس کتاب میں دکھ دیئے ہیں پس جو بھی سچے دل سے اس پر عمل کرے گا وہ اپنے خدا کو پالے گا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ وَ اُذِ حٰی اٰیٰیْ هٰذَا الْقُرْآنُ یُنذِرُکُمْ بِمَکْرَہِ وَحَیْ بَلٰغِ (انعام آیت ۲۰) اے محمد رسول اللہ تو لوگوں سے کہہ دے کہ یہ قرآن میری طرف اس لئے وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں بھی فائدہ پہنچاؤں اور وہ تمام لوگ جن کے کانوں تک اس کی آواز پہنچے انکو بھی فائدہ پہنچاؤں۔ ایک طرف قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کئے گئے ہیں اور ہر قسم کے لوگوں کو بخیر طبع کیا گیا ہے اور دوسری طرف اس نے یہ کہا ہے کہ جس کے ہاتھ میں بھی یہ قرآن ہے اس کو فائدہ پہنچے گا۔ کیونکہ یہ اسی لئے نازل کیا گیا ہے کہ وہ سب لوگ جن کے کانوں تک اس کی آواز پہنچے اُن کو فائدہ پہنچائے

پس قرآن کریم ایک بہت بڑا ہتھیار ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا۔ موسیٰ کا عصا تو صرف تھوڑی دیر کے لئے فرعونوں کو سانپ کی شکل میں نظر آیا تھا جس سے کچھ دیر کے لئے اُن کے جسموں پر لہزہ بھی طاری ہوا مگر قرآن وہ کتاب ہے جو آج تک انذار کا کام کر رہی ہے اور پھر اسکا انذار

کسی ایک قوم یا ایک ملک سے غصوں نہیں بلکہ دنیا کی تمام اقوام اور دنیا کے تمام ممالک اس کے دائرہ انداز میں شامل ہیں اور پھر اس کے انداز کی وسعت زمانوں کی قیود سے بھی بالا ہے۔ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں آسکتا جس میں قرآن و شہادت اسلام کے لئے ایک مذہبین کا کام نہ کر رہا ہو یا اس کے انداز کی نشانیاں ان کی شان و شوکت کو مٹا کر اس کو غلبہ دینے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ پھر مومن کا عصا صرف مومن کے ہاتھ میں ہی نشان دکھا سکتا تھا مگر قرآن جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک زندہ کتاب تھی اسی طرح آج سچے اور غرض مومن کے لئے بھی وہ ایک زندہ کتاب ہے۔ اور جس طرح وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حقائق و معارف کی کان میں سے لاتعداد ہیرے اور جو اس پر چش کرتی تھی اسی طرح وہ اُمت محمدیہ کے ہر شخص فرد کو اس کے ایمان اور اخلاص کے مطابق اپنے معارف سے حصہ دیتی اور اپنے علوم سے بہرہ ور کرتی ہے۔ کیونکہ اس کا نزل اُس ہستی کی طرف سے ہے جسے عیب کا علم ہے اور جو انسان کے خیالات اور جذبات اور افکار کو جانتی ہے۔ دنیا میں کوئی انسان خواہ اُس کا تجربہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو تمام افراد کے تمام افکار تمام جذبات اور تمام خیالات کا واقع نہیں ہو سکتا تمام انسانوں کے جذبات۔ افکار اور ان کے خیالات کو دیکھ ذات سمجھ سکتی ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور وہ قرآن کریم میں بولتی ہے اور ہر شخص اپنی ضرورت کی چیز اس میں سے لے جاتا ہے۔ دنیا میں کسی کو کھدک کی ضرورت ہوتی ہے کسی کو لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کسی کو زربخت و کھواب کی ضرورت ہوتی ہے کسی کو سرد یا گرم سوٹ یا دیشیک کپڑوں کی مختلف اقسام کی ضرورت ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنی ضرورت

کے مطابق کپڑے خرید کر دوکان سے باہر نکلتا ہے تو اُس کی گھڑی میں سے ہر قسم کے کپڑے نہیں مل سکتے ہر قسم کے کپڑے صرف دوکان سے ہی مل سکتے ہیں جو شہر یا گاؤں کے لوگوں کی ضروریات کے لئے قائم ہوتی ہے۔ ایک عالم کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ایک کپڑا خریدنے والا۔ اور ایک بہت بڑے عالم کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ایک بہت بڑا امیر جو اپنے خاندان کی ضرورت کے مطابق دوکان سے مختلف قسم کے کپڑے ایک بڑی مقدار میں خریدتا ہے۔ تم اس امیر شخص کی گھڑی میں کپڑے کی بہت سی اقسام دیکھو گے تم اس میں لکھنے کے تھان دیکھو گے۔ تم زربخت و کھواب دیکھو گے۔ تم کوٹوں کے کپڑے دیکھو گے۔ لیکن پھر بھی کپڑے کی سیلیوں اقسام ایسی رہ جائیں گی جو تہیں اُس گھڑی میں نظر نہیں آئیں گی حالانکہ وہ ہزاروں پے کا کپڑا خرید کر لایا ہو گا۔ اسی طرح جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کا علم خواہ کتنا تھوڑا ہو وہ اگر قرآن کریم کے ساتھ موانعت دیکھتا ہے تو اُس کا دماغ اپنی ضرورت کے مطابق قرآن کریم سے چیزیں لے لیتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی مثال دنیا کی سی ہے جس کے جنگلوں میں تم جاتے ہو اور اپنی ضرورت کے مطابق کوئی نہ کوئی زربخت کاٹ لاتے ہو۔ لیکن اس کے اندر پائی جانے والی دھاتوں کی اصلیت ہمیں معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح قرآنی علوم کو سمجھنے والے افراد قرآن کے سمجھنے میں دوسروں کے عہد تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم کا قائم مقام قرآن کریم ہی ہے۔ بڑے سے بڑا مفسر بلکہ ایک نبی بھی اس کا مؤید۔ معین اور ناصر تو ہے اُس کا قائم مقام نہیں۔ حتیٰ کہ وہ وجود جو خود قرآن تھا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ بھی اس کا قائم مقام

نہیں ہو سکتا۔ وہ زمین جس میں یونیم پائی جاتی ہو جس کے ایٹم بنتا ہے وہ سادی پیزول کو نہیں جانتی۔ وہ ماں بھی بچے کو پوری طرح نہیں جانتی جس نے نواہ تک بچے کو پیٹ میں رکھا ہو۔ قرآن قرآن ہی ہے۔ اور انسان انسان ہی ہے۔ ہر موقع۔ ہر ضرورت، ہر جذبہ اور ہر فکر کی تبدیلی پر قرآن اپنے پڑھنے والے کے لئے ایک نیا روپ بدلتا ہے۔ وہ ہر شلاشی کے لئے نیا روپ بدلتا ہے۔ وہ ہر شخص کے لئے نیا دروازہ کھولتا ہے جو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پس قرآن کریم کے ساتھ محبت اور پیار کرو اور اس پر غور اور فکر کی حادث ڈالو۔ اس کے بغیر نہ خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ صحیح اسلامی رُوح پیدا ہو سکتی ہے۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے قرآن کریم کی اسی فضیلت کا اپنے ایک شعر میں اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ

پہلے سمجھے تھے کہ موتی کا عصا ہے فراق

پھر جو چاہا تو ہر اک لفظ سیما نکلا

یعنی پہلے ہم نے یہ سمجھا کہ جس طرح موتی کا عصا سا حُرُوف کے سانپ نکل گیا تھا۔ اسی طرح قرآن کریم بھی اپنے دلائل و براہین اور معجزات و نشانات کے ذریعہ سے دشمنان اسلام کے پھیلائے ہوئے حالوں کو تار تار کر دیتا ہے اور اس لحاظ سے اسے موتی کے عصا کے ساتھ مشابہت ہے۔ لیکن جب ہم نے زیادہ غور کیا اور قرآن کریم کے مطالب پر گہری نگاہ ڈالی تو ہمیں نظر آیا کہ قرآن کریم موتی کے عصا سے لاکھوں گنا بڑھ کر ہے کیونکہ موتی کے عصا سے تو صرف ساحرین کا بھانڈا بچھوٹا اور ان کے سانپ فنا ہوئے مگر قرآن کریم نہ صرف دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لئے ہر وقت ایک چوکس اور شہید جرنیل کی طرح اپنے ذرائع ہر انجام دیتا ہے بلکہ اسکا ایک ایک لفظ مردوں کو زندہ کرنے والا اور انکے اندر

زندگی کی تازہ روح بھونکنے والا ہے گویا موسیٰ عصا نے صرف اتنا کام کیا کہ دشمن کا سر پاش پاش کر دیا۔ اور اُسے روحانی لحاظ سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا قرآن صرف دشمنوں کو ہلاک ہی نہیں کرتا بلکہ انکو از سر نو زندہ کر کے خدا تعالیٰ کا مقرب بھی بنا دیتا ہے۔ اور وہ صرف دفع شر کی ہی خاصیت اپنے اندر نہیں رکھتا بلکہ ایصالِ خیر کا پہلو بھی اُس میں بدرجہ کمال پایا جاتا ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرنے کی اپنے اندر طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اسی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَسْتَدْعِيْهِمْۤ اِلَيْكُمْ دَلِيْلًا مِّنْ لَّدُنْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ (انفال آیت ۲۵) یعنی اے مومنو! جب خدا اور اُس کا رسول نہیں زندہ کرنے کے لئے آواز دے تو تم اُس کی آواز پر فوراً لبیک کہنا کرو۔ یہ آیت باقی ہے کہ قرآن کریم مردوں کو زندہ کرنے کے لئے آیا ہے بے شک اس کی تعلیم پر عمل کر کے اندھے آنکھیں پا سکتے ہیں۔ بہرے شنوا ہو سکتے ہیں۔ منکڑے ٹوٹے چل سکتے ہیں۔ مگر اس بھی بڑھ کر قرآن کریم میں یہ خوبی ہے کہ اس کی تعلیم پر عمل کر کے مردے بھی زندہ ہو سکتے ہیں اور ان میں بھی ایک نئی روحانی حیات پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی روح تھی جس نے عرب کی سرزمین میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور وہ لوگ جو اصنام و اجماد کے آگے سرسجود رہا کرتے تھے اور ہر قسم کے خواہش کے اسارتکاب میں ایک لذت اور سرور محسوس کیا کرتے تھے خدا نے واحد کے ایسے پرستار ہوئے کہ انہوں نے بھیڑ بکریوں کی طرح اُس کی راہ میں اپنے سر رکھوا دیئے اور خدا تعالیٰ کے قرب میں بڑھتے چلے گئے۔ پس موتی کا عصا اس عظیم الشان انعام کے مقابلہ میں کوئی

حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا۔ اور جو آج بھی دشمنانِ دین کیلئے ایک برہانِ قاطع کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسرا نشان جو فرعون کے دربار میں دکھایا گیا وہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ انہیں بالکل فدائی اور سفید دکھائی دیا۔ یہ نشان بھی شکیک بہت لمبا ہی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقدس اور ان کی اعلیٰ شان کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ان برکات پر روشنی ڈالتا ہے جن کا انکے ہاتھ پر ظہور مقدر تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پہلو میں بھی ایک نمایاں فضیلت عطا فرمائی۔ چنانچہ موسیٰ کا تو صرف ہاتھ سفید دکھائی دیا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سرتاپا ایک نور مجسم قرار دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ
وَ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (نساء آیت ۱۷۵)
یعنی اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک مکمل دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک نہایت روشن نور نازل کیا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ
قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِينٌ۔

(مائدہ آیت ۱۶) تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ پس موسیٰ کے تو صرف ایک ہاتھ سے نورانی شعاعیں نکلتی دکھائی دی تھیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سرتاپا نور کا ایک پاکیزہ بنایا۔ اور یہ فرق اس لئے تھا کہ موسیٰ نے صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کا کام سر انجام دینا تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا۔ اسلئے موسیٰ کا تو صرف ایک ہاتھ نور کی شکل میں دکھائی دیا۔ مگر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے سرے پیر تک نور ہی نور قرار دے دیا۔

پھر موسیٰ کا ہاتھ بیشک نورانی دکھائی دیا مگر ہر حال وہ موسیٰ کا ہی ہاتھ تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو خدا تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا کہ
إِنَّا الْكَلِمَاتُ بَيْنَا يَعْزُوكَ إِنَّمَا يُبَيِّنُ اللَّهُ لَیْسَ اللَّهُ قَوْلَ آيَاتِهِمْ دَرَجَاتٍ (یعنی وہ لوگ جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ تیری بیعت نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر تیرا ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بظاہر انہیں وہ ہاتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دکھائی دیتا ہے مگر حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے اسی طرح غزوہ بدر میں جب آپ نے لغار کی طرف کنکروں کی مٹھی پھینکی اور اُس کے ساتھ ایک طوفان باد اٹھا جس نے لغار کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الأنفال آیت ۱۸) اے محمد رسول اللہ! جب تو نے لغار کی طرف کنکر پھینکے تھے تو تو نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے پھینکے تھے۔ پس موسیٰ کا ہاتھ خواہ کس قدر نورانی نظر آیا۔ بہر حال وہ موسیٰ کا ہی ہاتھ تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو خدا تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دے دیا۔

پھر اگر ہاتھ کی سفیدی سے یہ اشارہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی قوم کو روحانی لحاظ سے بڑی پاکیزگی عطا فرمائے گا اور وہ دین کے لئے بڑی قربانیاں کرنے والے ہونگے تو اس پہلو کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نمایاں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اُسے کنعان کا ملک دیا جائیگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر مصر سے چل پڑے اور جب وہ ملک سامنے آگیا تو آپ نے اپنی قوم سے کہا کہ جاؤ اور لڑائی کر کے اس ملک پر قبضہ کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے غلطی سے یہ خیال کر لیا کہ خدا تعالیٰ نے یہ ملک ہمیں دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس لئے وہ خود ہی اس وعدہ کو پورا کر لیا اور یہ ملک ہمارے قبضہ میں نہ دیا۔ اگر ہم نہ ہی اس ملک کو فتح کرنا تھا تو پھر وعدے کا کیا فائدہ۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہہ دیا کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِندُونَ (مائدہ آیت ۲۵) کہ لے موسیٰ! تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور دشمنوں سے لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے جب تم ملک فتح کر کے میں دید گئے تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس قوم کی یہ بات سخت ناگوار گذری اور اُس نے کہا کہ اب چالیس سال تک تم اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے چالیس سال تک تم جنگوں میں بھٹکتے پھرو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہاری نئی نسل کو اس امر کی توفیق دے گا کہ وہ اپنی جائیں قربان کر کے اس ملک میں داخل ہوں۔ اور خدا تعالیٰ نے انعامات کے موجد ہوں۔ غرض موسیٰ کو وہ قوم ملی جس نے خدا تعالیٰ کا اتنا بڑا نشان دیکھنے کے باوجود کہ اُسے فرعون کی غلامی سے آزاد ملی اُسے اور اُس کی آئندہ نسلوں کو فرعونوں کے لئے اینٹیں بنانے اور مکڑیاں کاٹنے اور ہر ذیل سے ذیل کام کرنے سے نجات ملی پھر بھی موسیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور جب انہیں کہا گیا کہ اٹھو اور اس عظیم الشان ملک پر قبضہ کرو جس پر عاد قوم حکمران ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ تو اور تیرا رب دونوں

جاؤ اور دشمنوں سے لڑتے پھرو۔ جب دشمن مر گیا اور ہمیں اطمینان ہو گیا کہ اب ہماری جانوں کو کوئی خطرہ پیش نہیں آئیگا تو ہم اس ملک کی حکومت سنبھال لیتے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ صحابہ عطا فرمائے جنہوں نے موسیٰ کے مسامحوں کی طرح کسی ایک مقام پر بھی یہ نہیں کہا کہ ہم اپنی جائیں قربان کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ آپ کے دائیں بھی لڑے اور بائیں بھی لڑے۔ اور آگے بھی لڑے اور پیچھے بھی لڑے۔ اور انہوں نے ہر نازک سے نازک مقام پر اپنی فدائیت اور جاں نثاری کو ثابت کر دیا۔ تاویخوں میں لکھا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کی طرف سے آرہا ہے اور راستہ میں تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکٹھا جلاتا ہے۔ قافلہ کا راستہ بھی مدینہ کے پاس سے گذرتا تھا اور گو ایسا قریب تو نہیں تھا مگر مکہ کی نسبت مدینہ سے زیادہ قریب تھا۔ تمام قبائل جو مدینہ کے گرد رہتے تھے وہ شام سے آنے والے قافلہ سے ملے اور تجارتی چیز دیکھیں اس میں تبادلہ کرتے تھے۔ اس لئے شام سے جو قافلہ آتا اس کے تعلقات مدینہ کے تمام قبائل سے ہو جاتے تھے اور چونکہ اُس قافلہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکٹھا کرتے اور اشتعال دلاتے تھے اس لئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہوا کہ ابوسفیان قافلہ کو لے کر مدینہ کے پاس سے گذر رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ والے بھی اس خیال سے کہ قافلہ پر مدینہ والے حملہ نہ کریں کچھ شکوکے کر نکلے ہیں تو آپ نے اپنے دوستوں سے مشورہ لیا کہ اگر ہم مدینہ میں بیٹھے رہے تو دشمن دلیہ ہو جائیگا ہمیں آگے چلنا چاہیے تاکہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ ہم اُس سے ڈرتے ہیں چنانچہ آپ صحابہ کی

قَالَ لِمَلَا حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا السِّحْرُ عَلِيمٌ ۖ يَرِيدُ

اس پر فرعون نے اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا یہ تو کوئی بڑا واقف کار جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ

أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ۖ فَمَاذَا

اپنے جادو کے ذریعہ سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ پس بتاؤ تم کیا

تَأْمُرُونَ ۖ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأُبْعَثْ فِي

مشورہ دیتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ دن ڈھیل دے۔ اور مختلف شہروں کی طرف

الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۖ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سِحَرٍ عَلِيمٍ ۖ

اُنکی بھجوا جو (قابل آدمیوں کو) جمع کر سکیں۔ (اور) ہر بڑے جادوگر اور بڑے جاننے والے کو تیرے پاس لے آئیں۔

فَجَمَعَ السَّحَرَةَ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ وَ

اس پر سب جادوگر ایک معلوم دن پر جمع کئے گئے۔ اور

قِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ۖ لَعَلَّنَا

لوگوں سے کہا گیا۔ کیا تم سب (ایک مقصد پر) اکٹھے ہونے کے لئے تیار ہو رہے ہو؟ تاکہ اگر

اپنی بیوقوفی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیتے تھے مگر محمد رسول اللہ کے صحابہؓ آپ پر اتنے فدا تھے کہ جب وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا مشنا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کریں تو مرد و عورتیں اور بچے باگلوں کی طرح دشمن کے لشکر کے سامنے آ جاتے تھے اور وہ شکست کھانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اگر وہ یہ بیوقوفی نہ کرتے کہ محمد رسول اللہ کے خیمہ کی طرف رجوع کرتے تو ممکن ہے انکو اہزاب میں فتح ہو جاتی۔ غرض صحابہؓ نے اپنے عشق کا جو نمونہ دکھایا مومن کی جماعت کا نمونہ اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ پس محمد رسول اللہ کا یہ مہیا ہوئی

یہ وہ نمونہ ہے جو صحابہؓ نے دکھایا اور پھر مومنہ کی باتوں تک ہی انہوں نے اپنے جذبہ اخلاص کو محدود نہیں رکھا بلکہ عملی رنگ میں بھی وہ رات اور دن اسلام کے لئے قربانیاں کرتے رہے اور انہوں نے ایسی جان نثاری کا نمونہ دکھایا کہ سرورِ قیومؐ لافٹ آفت محمدؐ میں غزوہ اہزاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس جنگ میں کفار کا اتنا بڑا لشکر جمع ہوا تھا کہ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا شکست کھا جانا بالکل یقینی امر تھا۔ مگر اتنے بڑے لشکر کے باوجود کفار کو جو کامیابی حاصل نہ ہوئی تو اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ کفار سے ایک سیاسی غلطی ہوئی۔ اور وہ یہ کہ جب وہ عند قیادہ کر کے آگے آ جاتے تو وہ

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۳۱﴾

جادوگر غالب ہو جائیں تو ہم ان کے کہنے پر چلیں۔ ۳۱

کے یہ بیضاسے افضل ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصائے قرآنی موسیٰ کے عصا پر برکات سے فضیلت رکھتا ہے۔

۳۱ حل لغات :- آيَةُ : اَرْجَةُ الْاَمْرِ

کے معنی میں آخر کا عَن وَقْتِهِ کسی معاملہ کو اس کے وقت سے پیچھے ہٹا دیا (اُتْرِبَ) اَرْجَةُ امر کا معنی ہے اس لئے اس کے معنی ہونگے۔ پیچھے ہٹا دے۔ یعنی ڈھیل دے دے۔

مِثَقَاتٌ : مطلق وقت کو بھی کہتے ہیں۔ اور اس وقت کو بھی کہتے ہیں جو کسی چیز کے لئے مقرر کیا جائے نیز اس کے معنی میں اَلْمَوْعِدُ الَّذِي جُعِلَ لَهُ وَقْتُتٌ وہ وعدہ جس کے لئے کوئی وقت مقرر کیا جائے۔ وَ قَدْ يُسْتَعَادُّ لَلْمَوْعِدِ الَّذِي جُعِلَ وَقْتُتًا لِلشَّيْءِ اور کبھی اس جگہ کو بھی میقات کہہ دیے ہیں جو کسی کام کے سرانجام دینے کے لئے مقرر کیا جائے (اُتْرِبَ) تفسیر :- جب فرعون نے موسیٰ عصا اور پھیناؤ

کا نشان دیکھا تو چونکہ وہ دینی علوم سے بے بہرہ تھا اس نے یہ نہ سمجھا کہ یہ ایک کشف ہے جس میں ارد گرد کے لوگوں کو بھی مثال کر دیا گیا ہے بلکہ سمجھا کہ شاید یہ کوئی جادو گر ہے جو اپنے فن میں بڑا متاق ہے اور چونکہ جادو گر وہ عالمی آدمی نہیں ہوتا اس لئے خیال کر لیا کہ ضرور اس جادو کے پیچھے کوئی غرض ہو گی اور وہ غرض اس نے یہ نیکالی کر لیا کہ جو اپنے ملک سے نکالنا چاہتا ہے اس پر توقف نے یہ نہ موحا کہ تھوڑی ہی دیر پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے کہہ چکے تھے کہ تیرے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تو بنی اسرائیل کو میرا ساتھ بھیج دے

تو چونکہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے کی خواہش کرتا تھا وہ قبطیوں کو جو اس کی مخالفت قوم تھے مقرر نکالنے کا کس طرح ارادہ کر سکتا ہے؟ یہ دونوں باتیں تو متضاد ہیں۔ اگر بنی اسرائیل بھل جاتے تو قبطیوں کے پاؤں اور بھی مضبوط ہو جاتے۔ بنی اسرائیل کے نکالنے کی خواہش سے قبطیوں کے نکالنے کا ذکر کہاں سے نکلا؟ مگر سطور پر ہوتا ہے کہ اس کے درباریوں کے ہوش کچھ ٹھکانے تھے انہوں نے سمجھ لیا کہ بادشاہ بے نیکی باتیں کر رہا ہے موسیٰ کی باتوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو نکالنا چاہتا ہے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ قبطیوں یعنی قوم فرعون کو نکالنا چاہتا ہے اس لئے انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ابھی ڈھیل دیجیئے۔ اور ارد گرد آدمی بھیجیئے کہ وہ تمام بڑے بڑے ساحروں کو جمع کر لیں۔ اگر یہ واقعہ میں ساحر ہے نبی نہیں تو یہ ان سے مار جائیگا۔ اور اس کا دعویٰ باطل ثابت ہو جائیگا۔ چنانچہ لوگوں کو اعلان کر کے جمع کیا گیا اور انہیں کہہ دیا گیا کہ اگر ساحر غالب رہے تو ہم ان کے پیچھے چل پڑیں گے۔ یہ فقرہ بتا رہا ہے کہ کفار کی ذہنیت کیسی پرست ہوتی ہے۔ چونکہ ان کے دل خدائے تعالیٰ کی خشیت سے بالکل خالی ہوتے ہیں اس لئے وہ نبی کو ماننے کے لئے تو کسی صورت میں بھی تیار نہیں ہوتے۔ لیکن ان کا مخالفت تھوڑی سی بھی کامیابی حاصل کرے تو اس کے پیچھے چلنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو ہم فرعون کی اسی انسوسناک ذہنیت کا قرآن کریم نے ایک اور مقام پر ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰی بِآيَاتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبٰیْنٍ

اَرْجَةُ

مِثَقَاتٌ

إِنِّي نَذَرْتُ وَمَلَائِكَهَ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ ذَٰلَ
مَّا أَمَرَ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدِهِ (هود ع) یعنی ہم نے
موسیٰ کو ہر قسم کے نشانات اور روشن دلائل دے کر فرعون
اور اُس کی قوم کے بڑے بڑے عمائد کی طرف بھیجا۔ لیکن
بجائے اُس کے کہ لوگ موسیٰ کی پیروی کرتے، انہوں نے
فرعون کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کی جو تعلیم تھی وہ صحیح
راستہ دکھانے والی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی جو گمراہی کی طرف
لے چلنے والا تھا اس کی بات تو انہوں نے مان لی اور جو
ہدایت کی طرف لے جانے والا تھا اُس کی بات نہ مانی۔

بدقسمتی سے یہی طریق ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے جب
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے تو آپ نے جو تعلیم
دی وہ بنی نوع انسان کو فلاح اور کامیابی کے مقام تک
پہنچانے والی تھی مگر آپ کے دھن کے لوگوں نے اُس کا انکار
کر دیا اور پہلے تو ابو جہل کے پیچھے چلے جو فرعون کا ایک
روحانی قائم مقام تھا اور اس کی ہر گندی اور فساد پھیلانے
والی تعلیم کو انہوں نے قبول کر لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم کو رد کر دیا آپ کے بعد بھی یہی ہوا۔
حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو صحابہ آپ پر ایمان لے آئے
مگر سارے عرب نے بغاوت کر دی اور انہوں نے وہی طریق
اختیار کیا جو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا
تھا اور اس وقت کے فراعنہ کے پیچھے چل پڑے۔ اس وقت کے
فرعون سیسئہ کذاب۔ اسود غسی اور سحارج وغیرہ تھے۔
جہوں نے جھوٹے طوطے پر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور لوگ
اُن کے شیع ہو گئے۔ مگر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
سچا جانشین تھا اور لوگوں کے اندر اسلامی روح پیدا
کرنے والا تھا اُس کو چھوڑ دیا۔ پھر آپ کے بعد حضرت عمرؓ
کو خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا۔ تب بھی یہی بدراہ حضرت عمرؓ
اپنی وفات کے قریب حج کے لئے گئے تو بعض لوگوں نے یہ
کہنا شروع کر دیا کہ عمرؓ مر جائیگے تو ہم فلاں کو خلیفہ

بنائیں گے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی
شیئت کے ماتحت حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اُن کے
نامہ میں بھی عبداللہ بن سبا جیسے لوگوں نے فتنہ کھڑا کر دیا۔ یہ
شخص بھی مصری تھا جیسا کہ فرعون مصری تھا اور لوگوں نے
اُس کی بات ماننی شروع کر دی۔ اُن کے بعد حضرت علیؓ
خلیفہ ہوئے۔ تب بھی لوگوں نے یہی طریق اختیار کیا۔ پہلے
تو حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے پر مجبور کیا گیا اور پھر ایک
چھوٹا سا عذر کر کے کہ معاویہؓ سے صلح کیوں کی انہی لوگوں
نے جنہوں نے آپ کو خلافت کے لئے کھڑا کیا تھا بغاوت
کر دی اور خراج کے نام سے مالگ ہو گئے۔ اور انہوں نے
دو صدیوں تک اسلام میں وہ تسلط چایا کہ لوگوں کا من
بالکل برباد ہو گیا۔ اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا اور امت محمدیہ میں
مختلف اولیا پیدا ہوئے۔ تب بھی یہی ہوا کہ لوگوں
نے اُن کی نہ سنی بلکہ اُن کے دشمنوں کی سنی جو اپنے
وقت کے فرعون تھے اور اُن کے پیچھے چل پڑے۔ چنانچہ
حضرت عیین الدین صاحب چشتی حضرت قطب الدین
صاحب بختیار کاکی حضرت نظام الدین صاحب دلیا اور
حضرت خواجہ فرید الدین صاحب گنج شکر وغیرہ کی بھی
مخالفت ہوئی۔ حضرت سید احمد صاحب سرہندی آئے
تو لوگوں نے جہانگیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ یہ
شخص حکومت کا باغی ہے اسے جلدی سنبھالیں ورنہ
سخت فتنہ پیدا ہو جائیگا۔ چنانچہ جہانگیر نے انہیں گوالیار
کے قلعہ میں قید کر دیا۔ مگر پھر بعض لوگوں نے انہیں سمجھایا
کہ یہ بزرگ انسان ہے اسے رہا کر دو۔ چنانچہ اُس نے
دانائی سے کام لے کر انہیں رہا کر دیا۔

غرض جب سے اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور خلفاء کا
سلسلہ جاری ہے صداقت کی ہمیشہ مخالفت ہوتی چلی
آئی ہے۔ یہی مخالفت کا جذبہ فرعون اور اُس کی قوم

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَنَأْكُمِرًا إِن كُنَّا

ہیں جب جادوگر آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہمیں کوئی

نَحْنُ الْغَلِبِينَ ﴿۶۲﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنكُمُ إِذًا لِّلْمِنِ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۶۳﴾

انعام بھی ملیگا؟ (فرعون نے) کہا۔ ہاں! بلکہ اس صورت میں تم دربار میں مقربین میں جگہ پاؤ گے۔ ۶۳

دنیا میں اتنی طاقت حاصل ہے کہ بڑی بڑی سلطنتیں اُس کی نادرستی سے ڈرتی ہیں۔ آج امریکہ جیسی طاقت اُن کی پیٹھ پر ہے اور فلسطین میں اُن کی حکومت قائم ہے لیکن اُس وقت اتنی کمزوری کی حالت تھی کہ فرعون ہاریلوں کو بلا کر آپ کے مقابلہ پر کھڑا کر دیتا ہے۔ آج اگر ہندو یا عیسائی کسی مسلمان عالم کے مقابل پر بھی ہمداری کھڑا کر دیں تو تمام لوگ شوق و محبت سے متوجہ ہو کر دیں گے کہ ان کی ہتک کی گئی ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خیال سے کہ شاید اللہ تعالیٰ انکو ایسی راہ سے ہدایت دیدے مقابلہ سے انکار نہ کیا۔ اور ہاریلوں کے مقابلہ میں بھی کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن اب اگر وہی فرعون دوبارہ زندہ کیا جائے تو یوں سمجھتا ہوں کہ ۶۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ایک بندے سے بھی زیادہ ذلیل سمجھے اور یہ دیکھ کر حیران ہو کہ اُن کی نسل کا تو دنیا میں کہیں نشان بھی نظر نہیں آتا اور موسیٰ کی قوم فلسطین پر حکومت کر رہی ہے۔

۶۵ تفسیر :- جب جادوگر آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آئے تو کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملیگا؟ اس آیت سے نبی اور غیر نبی کی طبیعت کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں جو اوپر گذر چکی ہیں اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا اور ساری دنیا کو پالنے والا صرف خدا تعالیٰ کو تھلا دیتے تھے کسی مردے پر نبی نگاہ نہیں کرتے تھے۔

کے کا برکت دل و دماغ پر بھی حادی تھا چنانچہ انہوں نے لوگوں کو جمع کیا۔ مگر انہیں یہ کہنے کی توفیق نہ ملی کہ اگر اس مقابلہ کے نتیجہ میں موسیٰ غالب آگیا تو ہم موسیٰ کے پیچھے چل پڑینگے اور اُس کی بات مانیں گے۔ بلکہ انہوں نے اگر لوگوں کے کان میں کوئی بات ڈالی تو صرف یہی کہ اگر جادوگر غالب آگئے تو ہم اُن کے پیچھے چل پڑینگے۔ حالانکہ مقابلہ میں اس بات کا بھی امکان تھا کہ موسیٰ جیت جاتے اور جادوگر ہار جاتے مگر باوجود اس کے کہ دونوں پہلو اُن کے سامنے موجود تھے اور وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر جادوگر غالب آگئے تو ہم جادوگروں کی بات مان لینگے اور اگر موسیٰ غالب آگیا تو ہم موسیٰ کی بات مان لیں گے۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اگر جادوگر غالب آئے تو ہم اُن کے پیچھے چل پڑیں گے اور اس طرح انہوں نے اپنے دلوں کے بغض اور عناد کا اظہار کر دیا۔ اور بتا دیا کہ انہیں صداقت سے کوئی غرض نہیں۔ وہ صرف فرعون کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسی غرض کے لئے وہ اس مقابلہ کا انتظام کر رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ جیسے عظیم الشان نبی کے مقابلہ میں انکا ساحر دل کو بلانا یہ بھی بتاتا ہے کہ انبیاء کی ابتدائی حالت کتنی کمزور ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور آپ فرعون کو تبلیغ کرنے کیلئے آئے تھے مگر وہ انہیں اتنا حقیر سمجھتا تھا کہ اُن کے مقابلہ کے لئے اُس نے ہاریلوں کو بلا کر کھڑا کر دیا۔ مگر کچھ وہ حالت اور کچھ یہ کہ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو

قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَ اَنْتُمْ مُلْكُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَاَلْقَوْا حَبَالَهُمْ وَ

اس پر موسیٰ نے ان سے کہا جو تدبیر تم نے کرنی ہے کرو۔ اس پر انہوں نے اپنی رستیاں اور اپنے

عَصِيَّهِمْ وَقَالُوا بَعْرَۃٌ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَعْنُ الْغُلَبُوْنَ ﴿۲۵﴾

سوٹے (میلین میں نکال کر) دکھ دیئے اور کہا۔ فرعون کے اقبال کی قسم ہم ضرور غالب آئیں گے۔ اے

پھینکنا ہے پھینکو۔

اسجگہ بھی سورہ اعراف سے ایک اختلاف دکھائی دیتا ہے جس کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ سورہ اعراف میں یہ لکھا ہے کہ مداروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اِنَّا اَنْتَ نَقِيٌّ وَاِنَّا اَنْتَ تَكُوْنُ نَحْنُ الْمُظْلِمِيْنَ (اعراف ۶) یعنی پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم پھینکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا پہلے تم پھینکو۔ لیکن اس آیت میں مداروں کے سوال کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ صرف حضرت موسیٰ کا قول درج ہے کہ تم نے جو کچھ پھینکنا ہے پھینک لو۔ لیکن یہ بھی کوئی اختلاف نہیں بلکہ اس موقع کے مناسب یہی کلام تھا۔ حقیقت سورہ اعراف میں مداروں کا یہ یقین ظاہر کیا گیا ہے کہ ہم کو ضرور اجر ملیگا۔ اس یقین کے مطابق انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ پہلے آپ پھینکیں گے یا پہلے ہم پھینکیں۔ لیکن سورہ شعرا میں وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں توقع کا پہلو غالب ہے یقین کا پہلو اتنا نمایاں نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے کلام کی مناسبت کے لحاظ سے مداروں کا سوال حد کر دیا اور صرف حضرت موسیٰ کا قول نقل کر دیا۔ کہ میری نسبت پھر دیکھا جائیگا پہلے تم اپنی امید پوری کر لو۔ اور جو کچھ پھینکنا ہے پھینک لو۔ چنانچہ مداروں نے اپنی رستیاں اور سوٹے پھینک دیئے اور فرعون کو خوش کرنے کے لئے کہا کہ فرعون کے اقبال سے

لیکن جو مداری فرعون نے ان کے مقابلہ کے لئے جمع کئے تھے ان کی نظر اس اتنی بھی اور ان کے حوصلے اتنے پست تھے کہ بادشاہ کے دربار میں آتے ہی بول پڑے کہ حضور اگر ہم جیت گئے تو کیا کوئی انعام بھی ملیگا یا نہیں۔ یہی معنوں سورہ اعراف میں بھی بیان کیا گیا ہے لیکن وہاں طرز کلام بدل دی گئی ہے۔ وہاں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اِنَّا لَنَا كَجَوَارِ اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغُلَبِيْنَ (اعراف ۶) اگر ہم غالب آئے تو ہم کو ضرور اجر ملیگا۔ مگر یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اگر ہم غالب آئے تو کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملیگا یا نہیں۔ گویا بظاہر دونوں میں اختلاف دکھائی دیتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں آیتوں میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔ بیشک یہاں سوالیہ فقرہ استعمال کیا گیا ہے۔ مگر اس سوالیہ فقرہ کے یہ معنی نہیں کہ انکو اجر ملنے کے متعلق کوئی شبہ تھا بلکہ بعض دفعہ سوالیہ فقرہ توقع کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ ضرور ملیگا مگر کہنے والا کہتا یہ ہے کہ کیا کچھ ملیگا بھی؟ پس سورہ اعراف اور سورہ شعرا کی آیتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ مداروں کے انعام کی خواہش ظاہر کرنے پر فرعون نے کہا۔ ہاں ہاں انعام تو ملیگا اور اس کے علاوہ تم میرے مقرب بھی ہو جاؤ گے۔

۱۱ تفسیر: جب فرعون اور آئے والے

سامروں میں بات چیت ہو چکی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ میرے مقابلہ میں

فَالْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٣٦﴾

تب موسیٰ نے بھی اپنا عصا دے مارا۔ تو اچانک وہ اُن کے جھوٹوں کو لیا میٹ کرنے لگا۔

فَالْقَىٰ السَّحَرَةُ سَجْدًا ۖ ﴿٣٧﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٨﴾

تب جادوگر (خدا کے سامنے) سجدہ میں گرا دیئے گئے۔ (اور) انہوں نے کہا: ہم رب العالمین پر جو موسیٰ اور

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٣٩﴾ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ

ہارون کا رب ہے، ایمان لاتے ہیں۔ اس پر وہ (یعنی فرعون) جھنجھلا کر بولا کہ کیا میں تمہیں دینے سے پہلے تم ایمان لے آئے ہو؟

اس قسم کے الفاظ کہا کرتے ہیں۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے انہیں سوچنا چاہیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے تھے جہاں ہادیوں اور ستمگندے کرنے والوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر یہ فقرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے بتایا۔ میں نے عرب کی تاریخ کا بڑا اگر مطالعہ کیا ہے۔ اس کی تاریخ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ عرب لوگ شعر و شاعری کے بڑے دلدادہ تھے اور کلمہ بانی کرنا ان کا پیشہ تھا لیکن ہادیوں اور ستمگندے کرنے والوں کا ان کی تاریخ میں کہیں ذکر نہیں آتا۔ وہ مصر اور ہندوستان وغیرہ میں پائے جاتے تھے مگر ان ممالک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گئے ہی نہیں پھر آپ کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ ہادی جب کھیل دکھاتے ہیں تو وہ یہ فقرہ کہتے ہیں میں نے خود بعض ہادیوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ کھیل شروع کرتے ہیں تو دیکھنے والوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ آپ کے اقبال سے ایسا ہو جائیگا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے ہادیوں نے کہا بجز قہ فِرْعَوْنَ۔ فرعون کے اقبال کی قسم۔ لیکن عرب کی تاریخ میں کوئی محاورہ میں نے آج تک ایسا نہیں دیکھا۔

ہم ہی غالب رہینگے۔ یہ الفاظ جو ہادیوں کی زبان سے قرآن کریم میں استعمال کئے گئے ہیں قرآن کریم کی سچائی اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر زبردست شاہد ہیں عیسائی پادری ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔ ہم تو اُن کے اس اعتراض کو غلط سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے جو گذشتہ اور موجودہ اور آئندہ آنے والے زمانوں کے تمام حالات کو خوب جانتا ہے لیکن اگر دشمن کے قول کے مطابق قرآن کریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام قرار دیا جائے تب بھی ماننا پڑے گا کہ آپ کا ادبی کمال انہما کو پہنچا ہوا تھا اور آپ کے معلومات کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ جب فرعون نے مصر کے جادو گردوں کو موسیٰ کے مقابلہ کے لئے بلایا تو اُس وقت انہوں نے کرب دکھاتے وقت یہ الفاظ کہے کہ بَجِزِّ قَهْرُوتَ إِنَّا لَنَخِفُّ انْخَالِيوتَ۔ فرعون کے اقبال کی قسم ہم ضرور غالب آئیں گے۔ اور یہ فقرات ایسے ہیں جو عربوں کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ کیونکہ عرب میں کوئی ہادی نہیں تھے جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فقرہ سن کر سمجھ بیٹے نہ ہادی کرب دکھاتے وقت ہمیشہ

إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

یہ شخص (یقیناً تمہارا کوئی سردار ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ پس غریب تم (اپنا انجام) معلوم کر لو گے

لَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا صِلْبَانَكُمْ ۝

میں تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (اپنی) خلاف ورزی کی وجہ سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو صلیب پر

اجْمَعِينَ ۝ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۝۵۱

لگا دوں گا۔ انہوں نے کہا (ایس میں) کوئی حرج نہیں۔ آخر کار ہم اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں

إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا ۝

ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے گناہ اس وجہ سے معاف کر دے گا کہ ہم

كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۵۲

سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے بن گئے ۱۲

۱۲ ص ل ن ف ا ت :- تَلَقَّفْ تَلَقَّفْ

مغلغوع واحد مؤنث غاب کا صیغہ ہے اور تَلَقَّفْ التَّشْيُّؤُ کے معنی ہوتے ہیں تَنَادَوْا بِسُورَةِ أُسْكُو جلدی سے بکڑ لیا (اقترب) پس تَلَقَّفْ کے معنی ہونگے جو کام جادوگر کر رہے تھے اُس کو جلدی جلدی بلیسٹ کرنے لگا۔

خِلَافٍ : خِلَافَت کے معنی مخالفت کے بھی

ہیں۔ اور اِس کے معنی یہ بھی ہیں کہ دایاں ہاتھ اور بایاں

پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں (اقترب)

ضَمِيرٌ : الضَمِيرُ کے معنی الضَمِيرُہ کے

ہیں یعنی نقصان (مفردات)

تفسير :- جب مداروں نے اپنی رستیاں اور

سوئے پھینک دیئے تو موسیٰ نے بھی اِساعصا اٹھا

کر دے مارا۔ اور چونکہ ان رستوں اور سوئے میں انہوں نے

جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ہم یہ کام فلاں کے اقبال شروع کرتے ہیں۔ پس یہ فقرہ صاف بتاتا ہے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے۔ لیکن اگر یہ فقرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا بلکہ نوحہ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتایا تھا تب بھی یہ آپ کا اتنا بڑا کمال ہے کہ جسکی مثال نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ یحییٰ اسی رنگ کا فقرہ ہے جو مداری اب بھی کہتے ہیں۔ مگر یہ کتنی ہنسی کی بات ہے کہ ایک طرف تو وہ خدا تعالیٰ کے نبی پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم یقیناً غالب آجائیں گے اور دوسری طرف جس کی خاطر تمنا دکھائے ہیں اُس کی تعریف کرتے چلے جاتے ہیں کہ آپ کے اقبال سے ایسا ہو جائیگا تاکہ کچھ زیادہ پیسے مل جائیں۔

تَلَقَّفْ

خِلَافٍ

ضَمِيرٌ

پارہ بھر رکھا تھا جس سے وہ ہلٹی تھیں۔ اس لئے جب موٹی کا سونٹا اُن کو زور سے لگا تو اُن میں سوراخ ہو گئے اور اُن کا سارا قریب کھل گیا۔ گویا تمثیلی زبان میں موٹی کا سونٹا اُن کے قریب کو کھٹا گیا۔ ہر مداری جو اپنی حقیقت کو خوب جانتے تھے۔ مسجد میں گر گئے اور چلا اٹھے کہ ہم رب العالمین خدا پر جو موٹے اور ہار دین کا خدا ہے ایمان لاتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ موٹی نبی ہے اور ہم محض مداری ہیں۔

اسیجہ انقی السجدة ساجدین کے الفاظ فرما کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جادو گروں کی یہ شکست ایسی نمایاں تھی کہ انہیں یوں محسوس ہوا کہ گویا کسی غفیع طاقت نے اُن کے پاؤں تلے سے زمین نکال لی ہے اور وہ خدا کے سامنے سجدہ میں گرا دیئے گئے اور انہوں نے بلند آواز سے اس امر کا اقرار کیا کہ ہم خدا کے واحد پر ایمان لاتے ہیں اور موٹی اور ہار دین کی اتباع کرتے ہیں۔

اسپر فرعون غصہ میں آگیا اور اُس نے کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے یہ تمہارا سرور ہے جس نے تم کو مداریوں کا فن سکھایا ہے۔ پس تم جلدی ہی اپنے اس من کا نتیجہ دیکھ لو گے۔ گویا اتنی جلدی وہ بھول گیا کہ ابھی تو میں نکو خدا کے ایک نبی کے مقابلہ میں کھڑا کر رہا تھا اور اُن کو اپنا مقرب بنانے کی پیشکش کر رہا تھا اور ابھی اُن کو اتنا ذلیل قرار دے رہا ہوں کہ جو جاہلوں اُن کو مزا دے لوں۔ چنانچہ بولا کہ جو تکم میرے مخالف چل پڑے ہو۔ اس لئے اس جرم کی وجہ سے میں تمہارے ہاتھ اور پیر کاٹ دوں گا اور تم سب کو صلیب پر لٹکا دوں گا تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ مگر وہ پیسے لیکر تماشا دکھانے والے مداری اب مومن بن چکے تھے۔

وہ فرعون جیسے لوگوں کی دھمکیوں سے کب مرعوب ہو سکتے تھے۔ انہوں نے جھٹ کہا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہم نے ایک دن اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہر اگر تمہارے ہاتھ سے مارے گئے تو کوئی بڑی بات ہر اگر تمہارے ہم کو مارا تو ہمارا فائدہ ہی ہے۔ دین کی خاطر دکھ اٹھانے کی وجہ سے ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دیگا کیونکہ ہم ایسے بُرے ماحول میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کے نبی پر ایمان لائے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جب تک کسی انسان کو خدا نظر نہیں آتا دنیا کی مصیبتیں اُسے پہاڑ اور اس کے ابتلا و اے بے کن رہنما نظر آتے ہیں۔ مگر جب خدا نظر آ جاتا ہے تو اس کی نگاہ میں ساری چیزیں ہیج ہو جاتی ہیں۔ تب ایک ہی چیز اس کے سامنے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قول پورا ہو اور خدا کے قول کے مقابلہ میں نہ حکومتیں کوئی حقیقت رکھتی ہیں نہ بادشاہتیں کوئی حقیقت رکھتی ہیں اور نہ جاہل مداریں کوئی حقیقت رکھتی ہیں۔ وہ ہنسنا ہوا جاتا اور اپنی قربانی پیش کر کے خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ ہماری جماعت کے صاحبزادہ عبداللطیف صاحب ہمارے جیسے ہی ایک انسان تھے۔ مگر جب بادشاہ نے اُن کو بلا کر کہا کہ دیکھیں مولوی صاحب میرے دل میں آپ کا بڑا ادب ہے اور میں آپ کو رہا کرنا چاہتا ہوں مگر اگر یہی چھوڑ دوں تو مولوی میرے مخالف ہو جائیں گے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ جب آپ سے پوچھا جائے کہ کیا آپ قادیانی ہیں تو آپ خواہ دل میں کچھ عقائد رکھیں زبان سے کہہ دیں کہ میں قادیانی نہیں ہوں اس طرح میں آپ کو آسانی سے چھوڑ سکوں گا۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب نے کہا۔ بادشاہ تمہیں جان کی قیمت معلوم ہوتی ہوئی مجھے تو اس کی کوئی قیمت معلوم نہیں ہوتی اور میں تو یہ قربانی پیش کرنے کے لئے ہی تمہارا پاس آیا ہوں۔

مجھے تو پہلے ہی کہا گیا تھا کہ میں احمدیت کا اظہار نہ کروں
مگر میں نے انکار کر دیا۔ دراصل وہ گوہر جس کے سامنے
وہ پہلی دفعہ پیش ہوئے۔ وہ بھی اُنکے شاگردوں میں سے
تھا۔ جب آپ اُن سے ملے تو اُس نے بھی کہا۔ کہ
آپ یہاں سے بھاگ جائیں۔ ورنہ آپ کی جان خطرہ
میں پڑ جائیگی۔ مہاجر زادہ صاحب نے کہہ دیا تھا کہ
کہاں میں لاؤ اور میرے ہاتھوں میں پہناؤ مجھے تو
آج رات خدا نے بتایا ہے کہ مجھے مرنے کے ننگن ڈالے
جائیں گے پس میں اپنی موت سے نہیں ڈرتا۔ میں تو
قوم کی نجات کے لئے اپنی جان پیش کرنا چاہتا ہوں
پھر رب! میں پتھر اڑو کیا گیا۔ تو اس وقت بھی اُن کے
دل میں اپنی قوم کا کوئی کینہ اور بغض نہیں تھا۔ بلکہ
سُکھسا کرنے سے پہلے جب انہیں گاڑنے گئے۔ اور
گاڑتے ہی اُن نے کہا کہ پتھروں کے ڈر سے انسان بھاگ
نہ جلتے تو مہاجر زادہ صاحب نے کہا کہ میں بھاگتا تو
نہیں۔ مجھے گاڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر جب اُن پر
پتھر پڑنے لگے تو دیکھنے والوں کی گواہی ہے کہ مہاجر زادہ
صاحب بلند آواز سے یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ اے
میرے رب! میری قوم پر رحم کر۔ کیونکہ وہ جہالت سے
ایسا کر رہی ہے۔ یہ وہ شاندار نمونے ہیں جو قوموں کو
زندہ کیا کرتے ہیں۔ بیشک اُن میں کچھ کمزوری بھی ہوئی
ہیں مگر فوجوان جب اس قسم کے نمونہ کو دیکھتے ہیں تو
اُن کے دلوں میں جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کہتے
ہیں کیسا اچھا انجام تھا اُدھم بھی ایسی ہی قربانی کریں
اور وہ بھی آگ اور خون کی دریا میں چھلا لگیں لگا دیتے
ہیں۔ یہی حکمت ہے جس کی بنا پر انجیل میں روحانی
بادشاہت کو انگوٹھ کے بارے سے تشبیہ دی گئی ہے

کیونکہ انگوٹھ کی بل ہی ایک ایسی بل ہوتی ہے جس کو
سرمیز و شاداب کرنے کے لئے خون کی کھاد ڈالی جاتی ہے
پس اس مثال میں اسی طرف اشارہ تھا کہ خدا تعالیٰ کے
دین کو نازہ کرنے کے لئے ہمیشہ انسانی قربانیوں کی ضرورت
ہوگی اور انسانوں کے خون اس بارے کی جڑوں میں گرا کر
اسے پھر زندہ اور سرمیز و شاداب کیا جائے گا۔ پناہ
روحانی سلسلوں کی ایک لمبی تاریخ اس صداقت کو واضح
کرتی ہے۔ آج تک کوئی نبی بھی ایسا نہیں گذرا جس کی
جماعت شدید ترین مصائب میں سے نہ گذری ہو۔ انکو
گرفتار کیا گیا۔ انکو قتل کیا گیا۔ انکو پھانسی پڑھایا گیا
اُن کو تلواروں سے شہید کیا گیا۔ مگر ان تمام تکالیف
کے باوجود صداقت دنیا پر ہمیشہ غالب آئی۔ حضرت
داؤد کے بعد نجات نصر نے بیت المقدس کی ساری عمارتیں
تہ و بالا کر دی تھیں اور مسجد اقصیٰ کا نشان تک بھی اُس
نے نہ چھوڑا تھا۔ مگر ان باتوں سے کیا ہوا۔ بات تو
وہ تھی جو موسیٰ لایا۔ مگر موسیٰ کی لائی ہوئی بات آج تک
دنیا نہیں مٹا سکی۔ ان کی عزت آج بھی دنیا میں قائم
ہے اور آج بھی اُن کے ناموں پر اپنی جانیں قربان کرنا
لوگ دنیا میں موجود ہیں۔ آج ایک زندہ اور باجبروت اور
قادر اور خبردار اور منتظم بادشاہ کو گالی دے کر ایک انسان
مزار سے بچ سکتا ہے۔ اس کی گرفت سے بھاگ سکتا
لیکن یہ لوگ جو انسانوں جیسے انسان تھے اول توفیق
میں انہوں نے عمر گزار دی اور اگر بعض بادشاہ بھی ہو
تو اُن کی بادشاہتیں اپنی دیوی عظمت کے لحاظ سے بہت
سے دیوی بادشاہوں سے کم تھیں۔ لیکن آج جبکہ وہ
متوں مٹی کے نیچے دفن ہیں اور بعض کی لٹوں کا بھی کوئی
پتہ نہیں چلتا۔ اور بعض کی امتیں بھی مٹ چکی ہیں کوئی
زبردست سے زبردست بادشاہ بھی بے ادبی سے اُن کا
نام لے تو وہ ذلت و رسوائی سے بچ نہیں سکتا کیونکہ

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي ۖ إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات بے جا - تنہا رہا پیچھا کیا جائے گا -

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۵۴﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشُرُذَمَةٌ

اس پر فرعون نے شہروں کی طرف جمع کرنے والے آدمی بھیجوائے (یہ کہتے ہوئے کہ یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل) تو

قَلِيلُونَ ﴿۵۵﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿۵۶﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿۵۷﴾

ایک معمولی سی جماعت ہیں۔ باوجود اسکے وہ ہم کو غصہ دلا رہے ہیں۔ اور ہم ایک بڑی جماعت ہیں جو بہت محتاط ہیں (ہمیں انکا

ابتدائی حصہ میں چلنے کے لئے اسیری کا فعل استعمال کیا جاتا ہے اور رات کے آخری حصہ میں چلنے کے لئے سَرٰی کا (اقراب) پس اسر بعبادی کے معنی ہونگے ۱۷ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر چل (۲) یا رات کے ابتدائی حصہ میں لے کر چل۔

شُرُذَمَةٌ

شُرُذَمَةٌ : الشُرُذَمَةُ : الْجَمَاعَةُ الْقَلِيلَةُ مِنَ النَّاسِ - لوگوں کی تھوڑی سی جماعت (اقراب)

حَاذِرُونَ

حَاذِرُونَ : حَاذِرٌ جمع کا صیغہ ہے۔ اور حَاذِرٌ کے معنی ہوتے ہیں الْمُتَأَقِبُ، الْمُتَسَقِّدُ جو کس اور تیار - (اقراب)

أَسْرِ

تفسیر :- اس آیت میں اسر کا لفظ آتا ہے جو سرنی سے نکلا ہے اور سَرٰی الرَّجُلُ کے معنی ہوتے ہیں سَارَ عَامَّةَ اللَّيْلِ فَلَانَ نَحْضَ رَاتِ کا اکثر حصہ چلتا رہا - اور جب اسَرٰی الرَّجُلُ اسراء کہیں تو اس کے معنی بھی سَرٰی کی طرح ہی رات کو چلنے کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض لغویوں نے کہا ہے کہ اسَرٰی کے معنی ہوتے ہیں رات کے پہلے حصہ میں چلا - اور سَرٰی کے معنی ہوتے ہیں رات کے پچھلے حصہ میں چلا۔ اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

انہوں نے خدا تعالیٰ کی محبت کی ٹھہری کو خوشی سے اپنی گردنوں پر پھروالیا اور وہ خدا کے برے قرار پائے گویا جس طرح ایک بکری کا گوشت اُس کے ذبح ہو جانیکے بعد انسان کی غذا بن کر انسان ہو جاتا ہے اسی طرح جو لوگ خدا کے برے بن کر قربان ہو جاتے ہیں وہ بھی خدا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور ابدی بادشاہت اُن کو عطا کی جاتی ہے۔ موسیٰ پر ایمان لانے والے سامعون نے بھی قربانی کا یہی ثمرہ نمونہ دکھایا۔ اور انہوں نے فرعون سے کہہ دیا کہ ہمارے دل اب نور ایمان سے منور ہو چکے ہیں اب تیری کوئی بھی تکلیف ہمیں مادہ حق سے منحرف نہیں کر سکتی۔ یہی ایمان ہے جو انسان کی نجات کا باعث بنتا ہے اور یہی قربانی کی دُوح ہے جو قوموں کو دنیا پر غالب کیا کرتی ہے۔

۳۵ ص لغات :- اسر : اسری سے

امر کا صیغہ ہے۔ اور اسَرٰی سَرٰی سے باب الفعل کا ماضی کا صیغہ ہے۔ سَرٰی الرَّجُلُ کے معنی ہوتے ہیں سَارَ عَامَّةَ اللَّيْلِ یعنی وہ رات کے اکثر حصہ میں چلتا رہا۔ اور اسَرٰی کے معنی سَرٰی کی طرح ہی ہیں۔ لیکن بعض ائمہ لغت نے کہا ہے کہ اسَرٰی يَذَلِّي اللَّيْلَ وَسَرٰی يَذْخَرُ اللَّيْلَ - رات کے

مولیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب فرعون کافی ڈر گیا ہے۔
 اُس سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ اب خدا کا نام
 لے کر رات کے وقت اپنی قوم کو نکال کرے جاؤ۔ ہاں
 ہوشیار رہنا کیونکہ فرعون اور اسکے ساتھی تمہارا پیچھا
 کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فرعون نے سب تہوں
 میں ڈھنڈو بجا دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ نیا لڑائی
 ایک جھوٹی سی جماعت ہے جو ہمیں غفہ دلا رہی ہے
 حالانکہ ہم سب ایک بڑی جماعت ہیں جو ہر قسم کا ساز
 سامان بھی اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ
 نہیں کہ ہم اکثریت میں ہوتے ہوئے اقلیت سے ڈر
 جائیں اور اسے کھینچنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔

یہی وہ عیب ہے جو ہر نبی کے زمانہ میں اُس کے
 دشمنوں میں دکھائی دیتا ہے کہ وہ اکثریت کے گھمنڈ
 میں بجائے دوسروں کے احساسات کا خیال رکھنے
 کے یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اگر تم نے ہماری بات
 نہ مانی تو ہم تمہیں ڈنڈے سے سیدھا کریں گے۔ مثل
 مشہور ہے کہ کوئی بھیڑیاندی کے کندھے پانی پی رہا
 تھا کہ ایک بکری کا بچہ آیا اور اُس نے بھی پانی پینا
 شروع کر دیا۔ بکری کا بچہ دیکھ کر بھیڑیاندی کے منہ میں
 پانی بھرا آیا اور اُس نے چاہا کہ اُسے کھائے انسانوں
 اور جانوروں کی حالت ایک سی نہیں ہے۔ انسان دلیل تہ ہے لیکن
 ایک جانور دلیل نہیں ہے۔ مثال میں چونکہ دلیل ہی گئی ہو اس لئے یہاں
 بھیڑیاندی کو مذکورہ آدمی کو جو بھیڑیاندی کے خصائل دکھتا ہو
 بکری کے بچہ سے مراد وہ آدمی ہے جو اس کے خصائل دکھتا ہو
 بہر حال بھیڑیاندی کو یہ لالچ پیدا ہوا کہ کسی نہ کسی طرح
 بکری کے بچہ کو کھالے۔ چنانچہ وہ بکری کے بچہ کو
 دیکھ کر کہنے لگا۔ تجھے نہرم نہیں آتی کہ تو میرا پانی کدلا
 کر رہا ہے۔ بکری کے بچہ نے کہا ہر کار یہ کوئی بات
 ہے آپ نے سوچا نہیں کہ آپ اور میں اور میں کیجے

ہوں۔ آپ کا پیا ہوا پانی میری طرف آ رہا ہے نہ کہ
 میرا پیا ہوا پانی آپ کی طرف جا رہا ہے۔ بھیڑیاندی نے
 آگے بڑھ کر بکری کے بچہ کو تھپڑ مارا اور اُسے مار دیا
 اور کہا نالائق آگے سے جواب دیتا ہے۔ یہی حالت
 حق کے مخالفوں کی ہوتی ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ
 سچائی کیا چیز ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اکثریت
 ہمارے طرف ہے اور ہم اکثریت کے بل بوتے پر جو کچھ
 چاہیں کر سکتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ
 صاحب تادیان آئے اور ایک جلسہ میں نظر پائے مگر
 میں انہوں نے کہا میں ایک نکتہ بیان کرتا ہوں۔ مرزا صاحب
 اور میرے درمیان آسان طریق فیصلہ یہ ہے کہ مرزا صاحب

میرے ساتھ کلکتہ تک ٹرین میں چلیں۔ کلکتہ تک
 بیسیوں سٹیشن ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ راستہ میں
 انہیں پتھر پڑتے ہیں یا مجھے اور پھول مجھ پر برساتے
 جاتے ہیں یا ان پر۔ کلکتہ تک جاتے ہوئے اس بات
 کا فیصلہ ہو جائے گا کہ مسلمان کس کی تائید میں ہیں۔
 جماعت کے دوست گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے۔
 اور انہوں نے کہا۔ لوگوں پر بہت برا اثر ہوا ہے
 اور وہ اس وقت سخت جوش میں ہیں۔ شام کو میری
 تقریر تھی۔ میں نے کہا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے
 خود فیصلہ کر دیا ہے کہ سچا کون ہے۔ صرف فرق یہ ہے
 کہ انہوں نے نتیجہ از خود نکال لیا ہے ورنہ اگر نتیجہ
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے نکلا ہوا ہے
 تو پھر ہمارے لئے اچھا ہے۔ میں نے کہا۔ مولوی ثناء اللہ
 صاحب نے کہا ہے کہ مرزا محمود احمد میرے ساتھ کلکتہ
 تک چلیں ہم دیکھیں گے کہ راستہ میں پھول کس پر
 برسے ہیں۔ در پتھر کس پر پھونکے جاتے ہیں اور اس سے
 مولوی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جس پر پھول پڑیں گے
 وہ سچا ہوگا۔ حالانکہ نتیجہ نکالنا ان کا کام نہیں تھا

ہم سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درالوجہل گذر چکے ہیں۔ مولوی صاحب خود بتادیں کہ مکہ میں پتھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑا کرتے تھے یا ابوجہل کو۔ لہٰذا ابوجہل کو پڑا کرتے تھے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور اگر پتھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑا کرتے تھے اور ابوجہل ابوجہل پر برساتے جاتے تھے تو متوجہ ظاہر ہے کہ جس پر پتھر پڑیں گے وہ سچا ہوگا اور جس پر پھول برساتے جائیں گے وہ بھوٹا ہوگا۔

غرض کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو دین سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور اسوجہ ہے وہ ہر قسم کے مظالم پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں لیکن جس طرح کثرت دماغ میں غرور پیدا کر کے عقل مار دیتی ہو اسی طرح عشق بھی ایک عاشق صادق کے اندک کربائی پیدا کر دیتا ہے۔ مگر وہ کربائی کے نشہ میں آکر مادتا نہیں بلکہ مارتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو کثرت دالوں نے ہمیشہ تھوڑی تعداد دالوں کو اپنے غرور میں آکر مارا ہے لیکن عاشقوں نے ہمیشہ اپنے معشوقوں کے لئے جا میں دی ہیں۔ حضرت سید موحود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی حقیقت کی طرف اپنے ہنس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں کہ ۵

در کوئے تو اگر میر عشاق را زند

اول کہے کہ لاف عشق زند

حتمی اگر تیرے کوچہ میں جانے والوں کے متعلق یہ حکم ہو جائے کہ ہر شخص جو عاشقی کا دعویٰ کرے گا اُسے قتل کر دیا جائیگا تو عشق کا دل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور کوئی شخص دعویٰ کرے یا نہ کرے عاشق عاشقی ہوتا ہے لیکن اگر یہ اعلان ہو جائے کہ جو بھی عشق کا دعویٰ کرے گا اس کا سر قلم کر دیا جائیگا تو سب سے پہلا شخص جو عشق کا دعویٰ کرے گا اور کہیگا کہ میں عاشق ہوں وہ میں ہوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ عاشق اور سلمان دوستی و پیوستگی نہیں بلکہ ایک ہی چیز کے یہ دونام ہیں۔ مگر عاشق سے میری مراد ہوس پرست عاشق نہیں بلکہ ایک سچا اور کامل سلمان مراد ہے۔ وہ مصائب کو فخر برداشت ہی نہیں کرتا بلکہ اگر اس پر مصائب نہ آئیں تو وہ اپنے اندر ایک سبکی سی محسوس کرتا ہے اور دوتا ہے کہ کہیں میرا محبوب مجھ سے غفا تو نہیں ہو گیا۔ مصائب سے بھاگنا ایک منافق کا کام ہے اور مصائب کو برداشت کرنا صرف سلمان کا خاصہ نہیں بلکہ ایک کافر بھی اس میں شریک ہو سکتا ہے لیکن سچا سلمان وہ ہے جو نہ صرف مصائب کو برداشت کرتا ہے بلکہ مشکلات کے دور کو اپنی روحانی ترقی کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور اگر اس دور میں الفت و اتقم ہو جائے تو وہ گھبراتا ہے کہ کہیں میرے ایمان میں تو کوئی نقص نہیں آگیا کہ میرا رب میرا ایمان کو دنیا پر ظاہر کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کر رہا۔

پس بے شک اکثریت اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مومنوں پر ظلم کرتی رہے وہ اُسے برداشت کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجرموں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اور اکثریت کے بل بوتے پر ظلم کرنے والے اپنے جرائم کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچ جاتے ہیں چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ فتح کر کے آئے تو آپ نے ان کفار سے جو رات دن آپ پر اور آپ کے صحابہ پر شدید ترین مظالم کرتے رہتے تھے پوچھا کہ اے مکہ والو! بتاؤ اب میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کر دوں؟ آپ کا مطلب یہی تھا کہ تم جو ناناوے فیصدی جو نے کے گھمنڈ میں یہ کہا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حیثیت ہے۔ اس کی کیا طاقت ہے کہ وہ

فَاَخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝۵۸ وَكُنُوزٍ ۝

تب ہم نے اُن (یعنی فرعون اور اُس کی جماعت) کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت والے ملک سے نکال

مَقَامِ کَرِیمٍ ۝۵۹ کَذٰلِکَ ۝ وَاَوْثَنَّا بَنِیْ اِسْرَآئِیلَ ۝۶۰

دیا (یعنی محروم کر دیا) - ایسا ہی ہوا - اور ہم نے اُن (چیزوں) کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا -

رد ہوئی۔ اب دانائی تو یہ تھی کہ دوسرا شخص جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی وہ اپنے اللہ تقویٰ عجز اور انکسار پر اُکرتا اور سمجھتا کہ اس کی قربانی خدا نے رد کی ہے اُس کے بھائی کی وجہ سے رد نہیں ہوئی مگر وہ لکھ لے کر اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اُسے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ مگر اُس کے بھائی نے ویس والا طریق اختیار کیا اور کہا کہ قربانی قبول کرنا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اگر تجھے اس بات پر غصہ آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تیری قربانی قبول کیوں نہیں کی تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں تو اپنے آپ کو ایک عاجز بندہ سمجھتا ہوں۔ یہ فطرت پُرانے زمانہ کی تھی اُس وقت نہ ڈکٹیٹر شپ کے الفاظ تھے نہ جمہوریت کے مگر وہ رُوح موجود تھی جس سے یہ دونوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ رُوح جب سے حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے یا دنیا پیدا ہوئی ہے متوازی چلی آرہی ہے۔ دنیا میں ایک طبقہ ایسا چلا آیا ہے جو ہمیشہ حق و انصاف کا قائل ہوتا ہے اور دوسرا اپنے زور اور طاقت پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر حال ہم نے اپنی مرضی پوری کر لی ہے۔ اگر لوگ ہماری مرضی کے مطابق نہیں چلیں گے تو ہم حکومت جتھہ اور طاقت سے دوسروں کو سیدھا کر دیں گے اور اپنی مرضی چلائیں گے۔ انبیاء کی جماعتیں چونکہ ابداء میں ہمیشہ چھوٹی ہوتی ہیں اور بعض دفعہ تو انکی تعداد

ہمارے مقابلہ میں بول سکے۔ اب اس کے سامنے تم اکثریت کے دعویدار پیش ہو رہے ہو۔ مگر اُس دن وہ ایسے سٹیبلے کہ انہوں نے کہا۔ ہم آپ سے اُسی سلوک کی امید رکھتے ہیں جو یوسف نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اُن سب کو معاف فرمادیا۔ یہی اکثریت کا گھنڈہ فروغ کے مارغ میں بھی جا گرین تھا۔ بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو جب سے دنیا کا آغاز ہوا ہے ہمیشہ دو قسم کی حکومتیں پائی جاتی رہی ہیں۔ ایک عقل اور سمجھ سے کام لینے والی اور دوسری زور اور طاقت سے کام لینے والی۔ ہر زمانہ کے محاورے الگ الگ ہوتے ہیں۔ آج کل جو حکومت عقل اور سمجھ سے کام لے سکو جمہوریت کہتے ہیں۔ اور جو حکومت زور اور طاقت سے کام لے اُس کو ڈکٹیٹر شپ کہتے ہیں یا بعض دفعہ ٹیکرازم بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر نام خواہ کچھ ہی ہو جب سے دنیا بنی ہے یہ دونوں طاقتیں کام کر رہی ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے یہ کام شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک کی اللہ تعالیٰ نے قربانی قبول کرنی اور دوسرے کی رد کر دی۔ ایک کے پیچھے اخلاص اور تقویٰ تھا اس لئے اُس کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی کے پیچھے چونکہ اخلاص اور تقویٰ نہیں تھا اس لئے وہ

فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا تَرَاءَ

پھر صبح کے وقت وہ (یعنی فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بنی اسرائیل کو روکے کیلئے اُن کے پیچھے چلے گئے۔ پھر جب

الْجَمْعِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرِكُونَ ﴿۶۲﴾

دونوں گدہ ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا۔ ہم تو پکڑے گئے۔

قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۶۳﴾

(موسیٰ نے) جواب دیا۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ میرا رب میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے کامیابی کا راستہ دکھائیگا ۱۴۵

جو اُتھوٹ سے اسم فاعل ہے اور اُتھوٹ الذی جمل کے
معنی میں دَخَلَ فِي شُرُوقِ الشَّامِ کسی جگہ
اُتھوٹ داخل ہوا جبکہ مروج نکل رہا تھا (قرب)
پس مُشْرِق کے معنی ہیں کسی جگہ صبح کے وقت داخل
ہونے والا۔

تفسیر:- فرعون کو چونکہ اپنی کثرت تعداد
اور طاقت پر غرور تھا اور بنی اسرائیل کو بالکل تعزیر
سمجھتا تھا۔ اس لئے جب موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ
لے کر نکلے تو فرعون کو بھی تہہ لگ گیا۔ اور وہ اپنا
وولشکر جمع کر کے موسیٰ کے پیچھے چلا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے کہ جب اُس نے ایسا کیا تو ہم نے بھی فرعون اور

اُس کی جماعت کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور
عزت و املاک میں سے نکال دیا اور ہم نے بنی اسرائیل
کو ان چیزوں کا وارث کر دیا۔ ابھی اللہ تعالیٰ نے
فرعون اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ نہیں فرمایا
کہ وہ خود دہاں سے نکلے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم نے
انکو نکالا۔ حالانکہ بظاہر واقعہ یہ تھا کہ وہ خود دہاں
سے نکلے تھے۔ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ

وہ موسیٰ نے اُنے اور اُن کے نکلنے کی وجہ سے باہر
نکلا تھا اور موسیٰ کو یسعیاہ اور بنی اسرائیل کو نکالنے کا

اتنی قلیل ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
کہ بعض انبیاء کو صرف ایک ایک شخص نے مانا۔ اس لئے
ہر شخص ان پر مذاق اڑاتا ہے اور اُن کے وعدوں کو ایک
مجنونانہ بُرے زیادہ حقیقت نہیں دیتا۔ فرعون نے
بھی اسی غمخیز میں شہرِ شہر اپنے ڈھنڈورچی بیجے
اور اُن سے کہا کہ جاؤ اور لوگوں کو یہ کہہ کر اشتعال
دلاؤ کہ بنی اسرائیل جو ایک عقیدہ جماعت ہیں ہمیں
اشتعال دلا رہے ہیں حالانکہ ہم ایک بڑی زبردست
اکثریت ہیں اور پھر بُرے عقائد اور دُور اندیش اور ہر قسم
کے ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس ہیں۔ ہمارا فرض ہے
کہ ہم ان لوگوں کو سختی سے پھیل دیں اور ان پر ترقی کے
تمام دروازے بند کر دیں۔

۱۴۵ حل لغات :- كُنُوزٌ: كنز کی

جمع ہے اور اَلْكَنُزُ کے معنی ہیں وہ مال جو کسی جگہ
میں محفوظ ہو۔ اسی طرح اس کے معنی ہیں اَلذَّهَبُ
سونہ۔ اَلْفِضَّةُ۔ چاندی۔ مَا يُخَوِّرُ فِيهِ اَلْأَمَالُ
كَالْمُخَوِّرِ وَالصَّنْدُوقُ۔ وہ صندوق یا المادی
جس میں مال محفوظ کیا جائے اُس کو بھی كنز کہتے
ہیں (قرب)

مُشْرِقِينَ: مُشْرِقٌ سے جمع کا صیغہ ہے

مُشْرِقِينَ

حکم دینا خدا تعالیٰ کا کام تھا اس لئے بالواسطہ طور پر خدا تعالیٰ ہی فرعون اور اس کے لشکر کو نکالنے کا حجت بنا اور خدا تعالیٰ نے اس فعل کو اپنی طرف منسوب کیا اور بتایا کہ گودہ خود نکلا تھا مگر چونکہ یہ تحریر ہماری طرف سے تھی اور ہم نے ہی موسیٰ کو بنی اسرائیل کے نکالنے کا حکم دیا تھا اس لئے ہم ہی فرعون اور اس کے لشکر کو نکالنے والے بن گئے۔ اور آخر ان نعمتوں کا ہم نے بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

اَوْسَرْنَا بَنِي إِسْرَءِیْلَ سے یہ مراد نہیں کہ انہی باغوں اور انہی چشموں اور انہی خزانوں کا وارث بنا دیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انہیں اسی قسم کے باغوں اور چشموں اور خزانوں کا فلسطین میں وارث بنا دیا۔ یہ ایک غلط خیال ہے جو بعض لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس خیال کی نہ قرآن کریم سے تصدیق ہوتی ہے اور نہ بائبل سے۔ قرآن کریم اور بائبل دونوں سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد اپنی ناخرانیوں کی وجہ سے ایک بے حرمہ تک بیابانوں میں پھرتے رہے اور آخر چالیس سال کے بعد انہیں کنعان پر قبضہ ملا۔ پس اَوْسَرْنَا سے ملک مصر مراد نہیں بلکہ وہ جگہ مراد ہے جہاں انہیں سب چیزیں میسر آگئیں یعنی فلسطین کا ملک۔ جو اپنے باغات اور چشموں میں مصر کے بالکل مشابہ ہے۔

فَاتَّبَعُوهُمْ مُتَسِِّرِينَ سے ظاہر ہے کہ سورج نکلنے وقت فرعون کا لشکر ان کے پیچھے چلا تھا۔ کیونکہ فرعون نے بھی اپنا لشکر جمع کرنا تھا۔ اور موسیٰ پہلے سے تیار تھے۔ پس موسیٰ پہلے نکل گئے اور فرعون پیچھے نکلا۔ مگر جاتے جاتے جب لشکر فرعون اور موسیٰ کے ساتھیوں کا آنا سامنا ہوا تو موسیٰ

کے ساتھی جو صدیوں سے فرعون کے غلام چلے آ رہے تھے ڈر گئے اور شور مچانے لگے کہ اے موسیٰ! ہم تو مارے گئے اور پکڑے گئے۔ اس پر موسیٰ نے کہا کہ ایسا گمان مت کرو۔ اس لشکر کے ساتھ فرعون ہے اور میرے لشکر کے ساتھ خدا ہے اور خدا تعالیٰ یقیناً ہمیں پارے جائیگا۔ خدا تعالیٰ پر توکل کا یہ ایک نہایت ہی شاندار نمونہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا مگر اس صداقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انتہائی خطرات میں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر جس کامل یقین اور ایمان کا مظاہرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میں دکھائی دیتا ہے وہ اس واقعہ سے کہیں زیادہ شاندار اور ایمان افزا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ملا تو آپ حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ لے کر جبل ثور کی طرف تشریف لے گئے جو مکہ سے کوئی چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار میں ٹھپ کر چھپ گئے۔ صبح جب کھانسنے دیکھا کہ آپ اپنے گھر میں موجود نہیں اور ہر قسم کے پہرہ کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کے ساتھ نکل گئے ہیں تو وہ فوراً آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے مکہ کے چند بہترین کھوجی جو پاؤں کے نشانات پہچاننے میں بڑی جانکی دسترس رکھتے تھے اپنے ساتھ لے گئے انہیں جبل ثور تک لے آئے اور انہوں نے کہا کہ بس محمد رسول اللہ اگر ہیں تو یہیں ہیں۔ اس سے آگے اور کہیں نشان نہیں ملتا۔ اسوقت یہ کیفیت تھی کہ دشمن غار کے مین ممر پر کھڑا تھا۔ اور غار کا منہ تنگ نہیں تھا۔ جس کے اندر جھانکنا مشکل ہو کر وہ ایک فراخ منہ کی کھلی غار ہے جس کے اندر جھانک کر بڑی آسانی سے

معلوم کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص اندر بیٹھا ہے یا نہیں مگر ایسی حالت میں بھی محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی خوف طاری نہیں ہوتا بلکہ آپ کی قوت قدسیہ کی برکت سے حضرت ابوبکرؓ کا دل بھی مضبوط رہتا ہے اور وہ موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ ہم کپڑے گئے بلکہ انہوں نے اگر کچھ کہا تھا تو یہ کہ یا رسول اللہ دشمن اتنا قریب پہنچ چکا ہے کہ وہ اگر خدا بھی نظر نہ بھی کرے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُسُکُنْتَ يَا اَبَا بَكْرٍ اِنَّنِیْ اِلَہٌ وَّ تَارَکُہُمَا ابوبکرؓ خاموش رہو ہم اس وقت قُد نہیں بلکہ ہمارے ساتھ ایک تیسرا خدا بھی ہے پھر وہ کیونکی میں دیکھ سکتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ باوجود اس کے کہ دشمن غار کے سرتاک پہنچ چکا تھا پھر بھی اُسے یہ توفیق نہ ملی کہ وہ آگے بڑھ کر بھانک سکتا اور وہ وہیں سے بڑبڑاتے دای تباہی باتیں کرتے ہوئے واپس چلا گیا۔ غرض اس واقعہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ موسیٰؑ کے ساتھیوں نے گھبرا کر یہ کہا کہ اسے موسیٰؑ ہم کپڑے گئے۔ گویا انہوں نے اپنے ساتھ موسیٰؑ کو بھی لپیٹ لیا۔ اور خیال کیا کہ اب ہم سب فرعون کی گرفت میں آئے دالے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل نے آپؐ کے ساتھی پر بھی ایسا اثر ڈالا کہ اس کی زبان سے بھی یہ الفاظ نہ نکلے کہ ہم کپڑے گئے بلکہ اُس نے کہا تو صرف یہ کہ دشمن اتنا قریب آچکا ہے کہ اگر وہ ہمیں دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو بھی برداشت نہ کیا اور فرمایا کہ ایسا خیال بھی مت کرو ہم اس وقت قُد نہیں بلکہ ہمارے ساتھ ایک اور بھی ہستی ہے اور وہ ہمارا خدا ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام جب مصر سے نکلے

تو وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے جسے بائبل نے اپنی شاعرانہ زبان میں لاکھوں بنا دیا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا۔ اور گو وہ ایک آدمی بھی اپنے ایمان کے لحاظ سے سوا لاکھ پر بھاری تھا مگر بہر حال وہ فرد واحد ہی تھا کوئی بڑی بھاری جمیعت اُس کے ساتھ نہیں تھی۔ پھر موسیٰؑ اور اُس کے ساتھیوں کے سامنے بھاگنے کے لئے ایک ٹھکانا راستہ تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ محصور ہوئے اس میں سے نکلنے کا وہ کوئی راستہ نہ تھا مگر باوجود اس کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا اور باوجود اس کے کہ دشمن سے بھاگنے کا آپؐ کے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا اور پھر آپؐ بالکل ہتھ پتے تھے آپؐ نے اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھا اور فرمایا۔ ابوبکرؓ غم مت کرو۔ اِنَّ اللہَ مَخْفَاٌ (توبہ آیت ۴۰) یقیناً ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔

پھر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے تو صرف یہ کہا کہ اِنَّ مَعِیْ ذِیْقِیْ سَبْعَۃٌ مِّنْ مِّمْرِ اَبِیْ سَیْرٍ ساتھ ہے۔ وہ یقیناً مجھے کامیابی کا راستہ دکھائیگا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللہَ مَخْفَاٌ فرما کر حضرت ابوبکرؓ کو بھی اپنے وجود میں مدغم کر لیا اور فرمایا کہ جس طرح مجھے خدا کی معیت حاصل ہے اسی طرح تمہیں بھی خدا کی معیت حاصل ہے۔ اس لئے گھبراہٹ اور تشویش کی ضرورت نہیں۔ پھر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ فرعون نے جب موسیٰؑ کا تعاقب کیا تو اُس نے موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ لیا۔ لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں مکہ والے نکلے تو خدا نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور نہ صرف وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فَاَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی اِنْ اَضْرَبْتَ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ

تپ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنے سونے کو سمندر پر مار۔

فَاَنْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ عَالِطُوْدٍ اَعْظِيْمٍ ۚ

جس پر سمندر پھٹ گیا۔ اور اُس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے طبلے کی طرح نظر آنے لگا۔

وَاَرْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخِرِيْنَ ۚ وَ اَنْجَيْنَا مُوسٰی وَ

اور اُس وقت ہم دوسرے گروہ (یعنی فرعون گروہ) کو قریب لے آئے۔ اور موسیٰ اور اُس کے

مَنْ مَّعَهُ اَجْمَعِيْنَ ۚ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخِرِيْنَ ۚ

سب پیلوں کو نجات دی۔ اور دوسرے گروہ کو ہم نے غرق کر دیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیۃًۭۭۭ وَمَا كَانَ اَلْثَرٰهُمُ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ

اس واقعہ میں ایک بڑا نشان ہے۔ مین ان (منکروں) میں سے اکثر ماننے نہیں۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۚ

اور تیرا رب یقیناً غالب (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ ۱۵

آپ نے دشمن کو گھائل کیا اور پیٹیر اس کے کہ وہ واپس لوٹتا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپ کی عظمت کا قائل ہو چکا تھا گو اسلام میں وہ فتح مکہ کے موقع پر داخل ہوا (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۳۵)

۱۵ حل لغات: اِنْفَلَقَ: اِنْفَلَقَ کے

معنی ہیں اِنْشَقَّ۔ پھٹ گیا۔ (اقراب)

فِرْقٍ: اِنْفِرَاقِ کے معنی ہیں اِنْفِرَاقِۃً

الشَّيْءِ الْمُنْفَرِقِ: یعنی بڑی متفرق چیز کے ایک

حقہ کو کہتے ہیں (اقراب)

اَلطَّوْدُ: اَلْجَبَلُ الْعَظِيْمُ: یعنی طود

عربی میں بڑے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنی

کو ٹکڑے میں کا میاب نہ ہو سکے۔ بلکہ انہیں اپنی آنکھوں سے بھی دیکھنے کی خدا تعالیٰ نے ان کو طاقت نہ دی۔ اور اس طرح

کلی طور پر خدا ناعاً نے ان کو خائب و خامس کیا۔ اور

اگر کسی شخص نے آپ کو دیکھ بھی لیا جیسا کہ مرقہ نے

آپ کو مدینہ جاتے وقت دیکھ لیا تھا تو خدا نے آپ

اُس وقت تک واپس نہیں آنے دیا جب تک محمد رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی صداقت کا نشان

اُس نے نہیں دیکھ لیا۔ گویا دشمن صرف ایک مقام پر آپ

کو دیکھنے میں کامیاب ہوا مگر اُس مقام پر بھی وہ دشمن کی

کامیابی نہیں تھی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

کامیابی تھی کیونکہ دشمن نے آپ کو گھائل نہیں کیا بلکہ

۴۸

۱۱

۱۲

۱۳

ہیں الْمُسْتَوْدِعِينَ مِنَ الرِّمَالِ - ریت کا ٹیلہ - الْقَهْنَبَةُ
چھوٹی سی بہاڑی جو زمین پر پھیلی ہوئی ہو (اقرب)
أَزْلَفْنَا: أَزْلَفْنَا أَزْلَفَتْ سے جمع شکم کا مسیخہ ہے
اور أَزْلَفَتْ کے معنی ہیں قَرَبَتْ - اُس کو قریب کیا
جَمَعَتْ: اُس کو جمع کیا (اقرب) پس أَزْلَفْنَا کے
معنی ہونگے ہم نے قریب کیا یا جمع کیا -

تفسیر :- فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو دجی کی
کہ اپنا سونا سمندر پر مار - جب اُس نے سونا مارا
تو سمندر بھٹ گیا - اور ہر ٹکڑا یعنی سمندر کی طرف کا
پانی بھی اور خشکی کی طرف کا پانی بھی جو جھیلوں کی
شکل میں تھا ایک ادنیٰ ٹیلے کے طور پر نظر آنے
لگ گیا - اُس وقت ہم نے شکر فرعون کو قریب
کر دیا - تب موسیٰ اور اس کے ساتھی تو سمندر اور
جھیلوں کے درمیان کی ریت پر سے آرام کے ساتھ گزر
گئے - مگر فرعون کے لشکر میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور
ان کی گاڑیوں کے پیچھے ریت میں پھنسے لگ گئے -
نتیجہ یہ ہوا کہ گاڑیاں نکالتے ہوئے مدد کا وقت آگیا
اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے -

بائبل میں اس معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے
پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر
ٹھہرایا اور خداوند نے رات بھر نہا پورنی
اندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر
اُسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دوجھے
ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں
سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور
ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار
کی طرح تھا - اور مصریوں نے تعاقب کیا
اور فرعون کے سب گھوڑے اور رتھ
اور سوار ان کے پیچھے پیچھے سمندر کے

بیچ میں چلے گئے - اور رات کے پچھلے پہر
خداوند نے آگ اور ہادل کے ستون میں
سے مصریوں کے لشکر پر نظر کی اور ان کے
لشکر کو گھبرا دیا اور اُس نے ان کے رتھوں
کے پہیوں کو نکال ڈالا - سونا نکالنا
مشکل ہو گیا - تب مصری کہنے لگے اُدھم
اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگیں کیونکہ
خداوند ان کی طرف سے مصریوں کے ساتھ
جنگ کرتا ہے - اور خداوند نے موسیٰ سے
کہا کہ اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھانا کہ
پانی مصریوں اور ان کے رتھوں اور سواروں
پر پھر بہنے لگے - اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ
سمندر کے اوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوئے
سمندر پھر اپنی اصلی قوت پر آگیا اور
مصری اُلٹے بھاگنے لگے اور خداوند نے
سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تر دالا
کر دیا اور پانی پلٹ کر آیا اور اُس نے
رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے
لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا
سمندر میں گیا تھا غرق کر دیا اور ایک
بھی ان میں سے باقی نہ چھوڑا - پر بنی اسرائیل
سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر
چل کر نکل گئے اور پانی ان کے داہنے
اور بائیں ہاتھ دیوار کی طرح رہا - سو
خداوند نے اُس دن اسرائیلیوں کو مصریوں
کے ہاتھ سے اس طرح بچایا اور اسرائیلیوں
نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے
ہوئے پڑے دیکھا اور اسرائیلیوں نے وہ
بڑی قدرت جو خداوند نے مصریوں پر

ظاہر کی دیکھی اور وہ لوگ خداوندِ ہند سے
اور خداوندِ پر اور اُس کے بندے مولیٰ پر
ایمان لائے۔

(خروج باب ۴ آیت ۲۱ تا ۳۱)

مُپرانے مفسرین نے اس موقع پر بعض عجیب حرب
قصے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ وہ خَالِقُ فُكَاكٍ مَلِكٍ
فُؤَاتٍ مَّا لُكُوْرَ اَلْعِظْمِ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سوٹا مارا تو سمند
بارہ جگہ سے بھٹ گیا۔ تاکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل
اُس میں سے علیحدہ علیحدہ گزر جائیں۔ (تفسیر فتح البیان
جلد ۷، ص ۷۸) پھر بعض نے نو ذبادہ مبالغہ سے کام لیا
ہے۔ اور لکھا ہے کہ چونکہ ہر فریق کے درمیان پانی کی
ایک دیوار حائل تھی اور بنی اسرائیل ایک دوسرے کو
دیکھ نہیں سکتے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ جب تک
ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے اُس وقت تک ہم
ایک قدم بھی آگے نہیں چلیں گے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام
نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اور انہیں حکم ملا کہ پانی کی
جو دیواریں کھڑی ہیں اُن میں اپنا سوٹا داخل کرو۔
چنانچہ انہوں نے وہی طرح کیا۔ اور تمام دیواروں میں
چوڑے چوڑے سوراخ ہو گئے اور وہ سب کے سب ایک دوسرے
کو دیکھنے لگ گئے بلکہ ایک دوسرے کی باتیں بھی سننے
لگے اور مہنسی خوشی سمندر میں سے گزر گئے۔ (کشاف جلد
تول ص ۲۱۰ زیر آیت وَ اِذْ فَرَقْنَا بَيْنَكُمْ مَلَجًا)

مفسرین نے یہ قصہ اپنی عمو پسند طبیعت کی
تسلیم کے لئے تو بیان کر دیا مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوٹا کس قدر لمبا تھا کہ
وہ بارہ راستے جن پر سے یہود نے گزرنا تھا انکی دیواروں
میں اُس سوٹے نے اپنے ایک ہی وار سے سوراخ
کر دیئے۔ اور پھر انہوں نے اس سوال پر بھی کوئی مدد

نہیں ڈالی کہ جن بنی اسرائیل میں باہم اس قدر محبت پائی
جاتی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر سمندر میں سے
گزرے کے لئے بھی تیار نہیں تھے وہ ایک ہی راستہ
سے کیوں نہ گزر گئے۔ اور اُن کے لئے الگ الگ
راستے کیوں تجویز کئے گئے۔ ایک طرف اُن کا ایسے
پر خطر وقت میں بھی جب کہ فرعون اُن کے تعاقب میں
تھا الگ الگ راستوں سے جانا اور دوسری طرف
اُن میں اس قدر محبت کا پایا جانا کہ وہ ایک دوسرے
کو دیکھے بغیر ایک قدم بھی اٹھانا گوارہ نہ کریں بالکل
متضاد بیانات ہیں جو اسی قصہ کے بنانے والے کے
افراء کو ظاہر کر رہے ہیں۔ حقیقت صرف اتنی ہی ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایسے وقت میں سمندر
کے سامنے پہنچایا جبکہ جزر کا وقت تھا۔ چنانچہ اُدھر
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر سوٹا مارا اُدھر
اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت پانی ٹھنسا شروع ہو گیا
لیکن جب فرعون کا لشکر پہنچا تو اُس وقت حضرت
موسیٰ علیہ السلام سمندر کے اس خشک ٹکڑے کا اکثر
حصہ طے کر چکے تھے۔ فرعون نے اُنکو پار ہونے دیکھ
کر جلدی سے اپنی رتھیں سمندر میں ڈال دیں۔ مگر
سمندر کی ریت اُس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی
اُس کی رتھوں کے پیٹھے ریت میں پھنسے لگے جن کو
نکالنے نکالتے اس قدر دیر ہو گئی کہ مد کا وقت آ گیا۔
اور فرعون اپنے تمام لشکر کے ساتھ وہیں غرق ہو گیا۔
خَالِقُ فُكَاكٍ کا لفظ بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ
کرتا ہے۔ کیونکہ اَلْفُكَّانُ کے معنی جدا ہوجانے کے
ہیں اور سمندر کے جدا ہونے کا یہی مفہوم ہے کہ ۱۱
کنارہ سے بھٹ گیا تھا اور اُس کی دجے جو خشکی
نکل آئی تھی اُس میں سے بنی اسرائیل گزر گئے۔ انوقت
بنی اسرائیل کے ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف

دہ چھوٹی چھوٹی جھیلیں تھیں جو سمندر کے کنارے واقع تھیں اور وہ درمیان میں سے گزرنے والوں کو ریت کے اونچے ٹیلے کی طرح اٹھی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۚ وَمَا كُنَّا لِنُؤْمِنَهُمْ مَّا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ وَرَأَتْ رَبَّكَ لَكُمُ الْعَذَابُ الْكَرِيمُ۔ اور واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طاقت اور اس کی عظمت کا ایک بہت بڑا نشان مخفی ہے مگر افسوس ہے کہ اتنے بڑے نشانات کو دیکھنے کے باوجود لوگوں کی آنکھیں بند رہتی ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے انبیاء پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا آئے اکثریت اس کا انکار کر دیتی ہے اور بہت تھوڑے لوگ اس پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ اتنے بڑے نشانات کے بعد اکثریت ہمیشہ خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتی اور صرف شاذ نادار کے طور پر ہی چند ایسے لوگ رہ جاتے جو اس کی آواز پر لبیک نہ کہتے مگر یہ کتنے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ اتنے بڑے نشانات بھی لوگوں کی آنکھیں کھولنے کا موجب نہیں بنتے اور وہ مخالفت اور انکار پر ہی کمر بستہ رہتے ہیں۔ مگر ان کے انکار کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ إِنَّ رَبَّكَ لَكُمُ الْعَذَابُ الْكَرِيمُ تیرا رب بڑا غالب اور بار بار دہم کرنے والا ہے۔ یعنی وہ اپنے نبیوں کو غالب کر کے اپنے عزیز ہونے کا ثبوت دیتا ہے اور لوگوں کے استہزاء اور انکار کے باوجود دنیا میں نئی قربانیاں پیدا ہونے پر پھیلنے رسول بھیج کر اپنے رحیم ہونے کا ثبوت دیتا ہے عربی زبان کے قواعد کے مطابق رحیم کے وزن پر جو الفاظ آتے ہیں ان کے معانی میں مہربانی اور تواضع پایا جاتا ہے پس

صفت رحیم کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی سنت کا ذکر فرمایا ہے جو ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے کہ جب بھی دنیا میں خرابی پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کے لئے اپنا کوئی مامور مبعوث فرما دیتا ہے جو پھر بھلے بھٹکے بندوں کا خلافت کے سے تعلق قائم کر دیتا ہے چنانچہ دیکھ لو آج تک دنیا میں کوئی نبی بھی ایسا نہیں آیا جو اپنے دشمنوں پر غالب نہ آیا ہو۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا میں خرابی پیدا ہوئی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کی اصلاح کا سامان نہ کیا ہو۔ اور آیا تو لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ مگر آدم کی مخالفت کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ اب میں اپنا کوئی نبی نہیں بھیجوں گا بلکہ اس نے نوح کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا دیا۔ نوح کی بھی لوگوں نے شدید مخالفت کی۔ مگر اس مخالفت کو دیکھتے ہوئے جب پھر اس کے بندے گمراہ ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ابراہیم کو لوگوں کی ہدایت کے لئے کھڑا کر دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی شدید مخالفت ہوئی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا مگر اتنی مخالفت کے باوجود خدا تعالیٰ جو رحیم تھا اس نے پھر موسیٰ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے کھڑا کر دیا اور پھر ان کی امت میں سینکڑوں انبیاء مبعوث کئے جن میں سے بعض قتل بھی کئے گئے۔ مگر لوگوں کی اتنی عداوت کے باوجود جب پھر تمام دنیا میں گمراہی پھیل گئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما دیا۔

غرض اللہ تعالیٰ کے عزیز اور رحیم ہونے کا ہمیں ہر زمانہ میں ثبوت ملتا ہے۔ ہر زمانہ میں خدا اور اس کا رسول غالب رہے۔ جیسا کہ وہ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ كَتَبَ اللَّهُ

فقلازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَ

اور ان کو براہیم کا واقعہ پڑھ کر سنا ۔ جب کہ اُس نے اپنے باپ اور

قَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۖ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا

اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تمہوں کی پرستش کرتے ہیں ۔

فَنَظَّلْنَاهَا عَلَىٰ يَتِيمٍ ۖ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُم ۖ أَذْ

لہذا اُن کے آگے بیٹے رہتے ہیں ۔ اس پر اُس (یعنی براہیم) نے کہا کہ کیا تم انکو بلاتے ہو تو وہ

تَدْعُونَ ۖ أَوْ يَنْفَعُونَكُم ۖ أَوْ يَضُرُّونَ ۖ قَالُوا

تمہاری دس انگارہ کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کوئی نفع پہنچاتے یا ضرر دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا ۔

بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۖ

یسا تو ہمیں مِلن ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا ہی کرتے دیکھتے آئے ہیں ۔ ۱۶

خدا تعالیٰ نے اپنے رسولوں کا سلسلہ منقطع نہ کیا ۔ بلکہ جب پھر اُس کے بندے روحانی بھوک اور ظلمت کی شکار ہوئے تو اُس نے اُن کی اصلاح کے لئے اپنے رسولوں کو کھڑا کر دیا ۔

۱۶ حل لغات ۔ اَصْنَامٌ : صَنَم کی

جمع ہے ۔ اور صَنَم کے معنی ہیں صُودۃٌ اَوْ تَصَالُ اِنْسَانٍ اَوْ حَيَوَانٍ يَتَّخِذُ لِبَعْبَادَةِ ۔ انسان یا حیوان کا وہ مجسمہ جو عبادت کیلئے بنایا جاتا ہے ۔ اَوْ كُلِّ مَا عِبِدَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۔ یا اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جائے اس کو بھی صَنَم کہتے ہیں (اقرب)

مفردات میں ہے ۔ بَلْ كُلُّ مَا يَشْعَلُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی يُقَالُ لَهُ صَنَمٌ ۔ ہر وہ بات جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اُس کے احکام کی تعمیل میں روک بنے وہ صَنَم کہلاتا ہے ۔

لَا فَلَاحَ اَنَا وَرَسُوْلِيْ وَجَادِلْ آيۃ ۲۲ یعنی خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے ۔ اور پھر ہر زمانہ میں اس کے جیم ہونے کا بھی ثبوت ملتا رہا یعنی باوجود اس کے کہ لوگوں نے اس کے پیادوں کی شدید مبالغہ کی پھر بھی وہ بار بار لوگوں کی ہدایت کا سامان کرتا رہا ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے عزیز اور رحیم ہونے کی صفات کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس واقعہ نے ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے عزیز ہونے کو ظاہر کر دیا اور باوجود اس کے کہ موسیٰ کی فرعون کے لادشکر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں تھی پھر بھی موسیٰ غالب آیا اور فرعون تباہ ہو گیا اور دوسری طرف اس واقعہ نے خدا تعالیٰ کے جیم ہونے کو بھی ثابت کر دیا ۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ موسیٰ کی اتنی شدید مخالفت ہوئی پھر بھی

اَصْنَامٌ

عَالِیُّنَ

اور ایک صاف اور مطہر جگہ میں رکھ کر اُس کی عبادت کر دنگا۔ یہ معید بھی اس خیال پر اپنے جذبات کو نہ روک سکا۔ اور پوچھا۔ تہا دی عمر کیا ہوگی۔ اُس نے اپنی عمر بتائی اور اس پتھر نے نہایت عداوت تعزیر ہنس کر کہا کہ تم اتنے بڑے ہو اور یہ بُت تو ابھی چند دن ہوئے میرے چچانے بوائے کیا تمہیں اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے شرم نہ آئیگی۔ نہ معلوم اُس بڑے کے دل پر توحید کی کوئی جنگاری گری یا نہ گری لیکن اُس وقت اُس بُت کا خریدنا اُس کے لئے مشکل ہو گیا۔ اور وہ بُت دس پھینک کر واپس چلا گیا۔ اس طرح ایک اچھے گاہک کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بھائی سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے اپنے باپ تارہ کو اطلاع دی جس نے اس بچہ کی خوب خبر لی۔ یہ پہلی تکلیف تھی جو اُس پاکباز ہستی نے توحید کے لئے اٹھائی مگر باوجود چھوٹی عمر اور کم سنی کے نہ مانہ کے یہ سزا جو شس توحید کو سر د کرنے کی بجائے اُسے اور بھی بھڑکانے کا موجب ہوئی۔ سزا نے فکر کا دروازہ کھولا اور فکر نے عرفان کی کھڑکیاں کھول دیں۔ یہاں تک کہ بچپن کی جعبی سعادت جو انی کا بختہ عقیدہ بن گئی۔ اور آخر اللہ تعالیٰ کا نور ذہنی نور پر گر کر الہام کی روشنی پیدا کرنے کا موجب ہو گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی اصلاح کے لئے نبوت کے مقام پر مقرر فرمایا۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام خاندان کا گزراہ ہی بتوں کی فروخت پر تھا اور تارہ خود بت پر تھا جیسا کہ بائبل کی کتاب یشوع باب ۲۴ آیت ۲ سے ثابت ہوتا ہے اس لئے اُن کے چچا اور چچا زاد بھائیوں نے ان کو مشورہ دیا کہ ہم پر دہت ہیں اور ہمارا گزراہ ہی اس پر ہے۔ اگر تم نے بتوں کی پرستش نہ کی تو ہمارا رزق بند ہو جائیگا۔ مگر آپ نے نہایت دلیری جواب دیا

عَالِیُّنَ: عَلَفْت سے اسم فاعل مذکر کا صیغہ عَالِفٌ آتا ہے۔ اور عَالِفُونَ اور عَالِیُّنَ سے اسم جمع کا صیغہ ہے۔ عَلَفْت کے معنی ہیں۔ کسی کی عظمت شان کی وجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے ساتھ رہنا (مفردات) پس عَالِفٌ کے معنی ہونگے کسی کی عظمت شان کی وجہ سے اُس کے پاس بیٹھنے والا اور اُس کے پاس رہنے والا۔

تفسیر :- فرماتا ہے۔ اب تو خدا تعالیٰ کے عزیز اور رحیم ہونے کے ثبوت میں انکو ابراہیم کا واقعہ سنا جس نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی اور بتوں کی پرستش سے اُسے روکا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بُت پرست بلکہ بُت ساز گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور چلڈیا کے ایک شہر اور کدیم کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان کے لوگوں کا گزراہ ہی بتوں کے پڑھا دول اور بُت فروشی پر تھا۔ والد بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ اور چچا کی آغوش میں انہوں نے پرورش پائی تھی جس نے اُن کے ہوش سنبھالتے ہی اپنے میٹوں کے ساتھ آپ کو بھی بُت فروشی کے کام پر لگا دیا حقیقت سے نا آشنا چچا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس دل کو خالق کون : مکان چن چکا ہے اُس میں بتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ پہلے ہی دن ایک امیر گاہک جو اپنی عمر کی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا اور تھا بھی مالدار بُت خریدنے کے لئے آیا۔ بُت فروش چچا کے بیٹے خوش ہوئے کہ آج اچھی قیمت پر سودا ہوگا۔ بڑے امیر نے ایک اچھا سا بُت چنا اور قیمت دینے ہی لگا تھا کہ اُس بچہ کی توجہ اُس گاہک کی طرف ہوئی۔ اور اُس نے سوال کیا۔ میان بڑھے۔ تم قبر میں پاؤں ٹھکائے بیٹھے ہو۔ تم اس چیز کو کیا کر دے؟ اُس نے جواب دیا کہ گھر لے جاؤنگا

کہ جن بول کو انسان اپنے ہاتھ سے گھڑتا ہے اُن کو
میں ہرگز سجدہ نہیں کر سکتا۔ اس جواب کی بہتیت کا
اشارہ ہر شخص نہیں کر سکتا صرف وہی کر سکتا ہے جسے
قربانی کرنے کا موقف ملا ہو۔ آج جبکہ منظم حکومتیں دنیا
میں موجود ہیں اس پر امن زمانہ میں بھی میں نے دیکھا ہے
کہ بعض لوگوں پر جب صداقت کھل جاتی ہے۔ تو وہ
مجھے دیکھتے ہیں کہ اگر ہم احمدی ہو جائیں تو ہمارے گزارہ
کی کیا صورت ہوگی؟ ہمارے ساتھ ہمدی کی کیا
صورت ہوگی؟ آج جب احمدیت کو قبول کرنے میں کوئی
خاص تکالیف نہیں ہیں سوائے معمولی تکالیف کے اچھے
بچے تعلیم یافتہ بڑی عمر کے اور موی بچوں والے یہ سوال
کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہمدی کی کیا صورت ہوگی
گزارہ کا کیا انتظام ہوگا؟ لیکن حضرت ابراہیم جو تئیم
ہونے کی وجہ سے اپنے ہی شکستہ دل تھے اور جن کا
پہلے ہی کوئی ٹھکانہ نہ تھا اپنے چچا کے ہاں اور اُس کی
مہربانی سے پرورش پا رہے تھے وہ اپنے دل سے
یہ سوال نہیں کرتے کہ اب گزارہ کی کیا صورت ہوگی؟
بلکہ بلا سوچے بہادرا نہ طور پر یہ جواب دیتے ہیں کہ
جن بول کو انسان خود گھڑتے ہیں اُن کو میں سجدہ نہیں کر
سکتا۔ بعینہ اسی قسم کا واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو بھی پیش آیا۔ جب ایک بے عرصہ تک آپ نے
شرک کے خلاف تعلیم دی اور ایک لمبی کوشش کے بعد
اہل مکہ آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو دوبارہ اپنے دین
میں شامل کر لینے سے باز ہو گئے تو مکہ کے رؤساء
آپ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ آپ
کی خاطر ہم اب تک آپ کے بھتیجے سے نرمی کرتے رہے
ہیں مگر ہمارے سایہ کے نیچے رہتے ہوئے اس نوجوان
نے ہمارے معبودوں کو بہت بُری طرح ذلیل کیا ہے
ہم اس پر سختی کر سکتے تھے مگر میں آپ کا لحاظ تھا۔

اس لئے ہم نے اس سے وہ سلوک نہ کیا جس کا
ستحق تھا۔ مگر اب یہ بات ہمارے لئے ناقابلِ برداشت
ہو گئی ہے اور ہم یہ آخری پیغام لے کر آپ کے پاس آئے
ہیں کہ آپ اسے سمجھائیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ
اپنی تعلیم پیش نہ کرے بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے
معبودوں پر سختی سے عمل نہ کرے اور مبلغ میں نرمی
کا پہلو رکھے اور اگر وہ آپ کے کہنے سے اتنا بھی
کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو آپ اس سے قطع تعلق کریں
اور ہم پر اس کا معاملہ چھوڑ دیں۔ اور اگر آپ اس کے
لئے بھی تیار نہیں ہیں تو گو ہمارے دلوں میں آپ کا
بہت ادب ہے اور آپ کے خاندان کو نفیلت حاصل
ہے۔ لیکن اب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ہم
صبر نہیں کر سکتے اور آپ سے بھی میں مجبوراً قطع تعلق
کرنا پڑے گا۔ ابوطالب مومن نہ تھے اور ایمان کے بعد
جو بہادری انسانی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اس سے
محروم تھے۔ وہ رئیس تھے اور اُن کے نزدیک سب
بُری بات یہ تھی کہ ریامت سے ہاتھ دھو بیٹھے کا غطر
اُن کے سامنے تھا۔ سدا مکہ اُن کو سلام کرتا تھا مگر
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑنے کا
یہ قہر ہو سکتا تھا کہ کوئی اُن کو مُتہ بھی نہ لگاتا۔ اور
یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس قسم کی عزتوں کے لئے
لوگ بُری بُری قربانیاں بھی کر دیتے ہیں اور ایک ایک
سلام کے لئے مرا کرتے ہیں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ
سُنا یا کرتے تھے کہ جب آپ تعلیم سے فارغ ہو کر نئے نئے
بھیروں میں آئے تو بعض مولیوں نے شور مچانا شروع
کر دیا کہ یہ وہابی ہیں اور بعض نے آپ کے خلاف کفر کے
فتوے کی تحریک شروع کر دی۔ اُنوقت اس علاقہ میں
ایک معزز پیر صاحب تھے جن کا بیروہ اور اس کے نواح
میں بہت اثر تھا۔ فتویٰ کفر شائع کرنے والے اُنکے

پاس بھی گئے کہ دستخط کر دیں۔ باقی مولویوں سے تو حضرت
 خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے دوست نہ ڈرتے تھے مگر ان
 پیر صاحب کے متعلق انہیں ضرور خیال تھا کہ اگر یہ بھی
 مولویوں کے ساتھ مل گئے تو فساد بڑھ جائیگا اس لئے
 آپ کے دوستوں میں سے ایک ذریک دوست پیر صاحب
 کے پاس پہنچے اور کہا: سنا ہے مولوی لوگ آپ فتویٰ
 لینے آئے تھے۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہاں آئے تھے
 اور جو باتیں وہ کہتے تھے تمہیک ہیں اور میرا ارادہ ہے
 کہ فتویٰ دے دوں۔ اس پر اس دوست نے کہا کہ
 آپ تو پیر ہیں اور سب نے آپ کو سلام کرنا ہے۔
 خود اندین خواہ کچھ ہو۔ آپ کو سلام تو ضرور کرتا ہے
 اور اگر آپ نے فتویٰ دے دیا تو وہ اور ان کے دوست
 آئندہ آپ کو سلام نہیں کریں گے۔ اس پر پیر صاحب
 گھبرا گئے اور کہنے لگے۔ بھلا ہم پیروں کا فتوہ دے
 کیا تعلق۔ آپ مولوی صاحب سے کہیں کہ سلام
 نہ چھوڑیں۔ اس دوست نے آکر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ
 عنہ سے کہا کہ میں اس طرح کر آیا ہوں اور آپ پیر صاحب
 چاہیں گے کہ آپ ان کو سلام کریں۔ آپ نے فرمایا ہمارا
 کیا حرج ہے کہ دیں گے۔ چنانچہ وہ دوست پھر
 پیر صاحب کے پاس گئے۔ اور پیر صاحب سے کہا کہ
 مولوی صاحب کہتے ہیں کہ پیر صاحب بڑے آدمی ہیں
 ہم انکو سلام کیوں نہ کریں گے۔ اس پر پیر صاحب بہت
 خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اچھا ہم فلاں روز اس
 طرف سے گذریں گے۔ مولوی صاحب سے کہنا کہ ضرور
 سلام کریں۔ چنانچہ پیر صاحب مولوی صاحب کے
 مطب کے سامنے سے گذرے اور حضرت مولوی صاحب
 نے اپنے دوستوں سمیت باہر نکل کر ان کو سلام کیا۔
 پیر صاحب نے گھوڑا کھڑا کر لیا اور حضور مولوی صاحب
 سے باتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہمارے پاس مولوی لوگ

فتویٰ کے لئے آئے تھے مگر ہم نے انکار کر دیا کہ ہم کو ان
 باتوں کا تعلق ہے۔ ہمیں سب نے سلام کرنا ہوتا۔
 یہ واقعہ شہر میں پھیل گیا اور پیر صاحب کے مرید
 اس تحریک سے الگ ہو گئے اور مخالفت کا زور ٹوٹ
 گیا۔ غرض ابوطالب کے لئے یہ بڑا امتحان تھا۔ وہ
 سادے شہر میں مکرم سمجھے جاتے تھے اور ایسا معلوم
 ہوتا تھا کہ اب ان کی عزت جاتی رہے گی۔ انہوں
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا کہ اے
 میرے بھتیجے میں سمجھتا ہوں کہ تو جو کچھ کرتا ہے سچ
 سمجھ کر کرتا ہے اور میں نے بھی ہمیشہ تیری مدد کی
 ہے اور مجھے دشمنوں سے بچایا ہے مگر اب میری قوم
 کے لوگ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے
 کہ یا تو اپنے بھتیجے سے کہو کہ تبلیغ میں نرمی کرے اور
 یا پھر اس سے قطع تعلق کرو اور اگر میں اسے نہ کر
 تو قوم میرے ساتھ قطع تعلق کر لیں گی اور تو جانتا ہو
 کہ تو م کا مقابلہ مشکل ہوتا ہے۔ اب تو بتا تیری
 کیا رائے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس
 وقت یہ بات سنی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر
 آئے اور آپ نے فرمایا۔ اے میرے چچا۔ میرے دل
 میں آپ کا بڑا ادب ہے۔ مگر سچائی کے مقابلہ میں
 میں آپ کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ اگر دشمن
 میری دائیں طرف سورج اور بائیں طرف چاند لاکر
 کھڑا کر دیں تب بھی میں تبلیغ میں نرمی نہیں کروں گا۔
 اور توحید کی اشاعت سے باز نہیں رہوں گا۔ میں
 آپ کے لئے ہر قربانی کرنے کو تیار ہوں لیکن یہ بات
 آپ کی نہیں مان سکتا۔ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ
 دیں اور اپنی قوم سے صلح کریں۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ
 کافی ہے۔ اس پر باوجود اس کے کہ ابوطالب کیلئے
 نوم کا چھوڑنا مشکل تھا اس دلیرانہ جواب کو سنکر

اُن پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے کہا کہ اگر قوم مجھے چھوڑتی ہے تو بیشک چھوڑ دے میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔
ابوطالب کے اس جواب کی اہمیت کا پورا اندازہ وہ لوگ نہیں لگا سکتے جو تاریخ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک اور واقعہ کو نہیں جانتے جس میں ابوطالب کی قلبی کیفیت کا چہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی قوم سے کتنی محبت تھی۔ جب اُن کی وفات کا وقت قریب آیا تو چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن سے بہت ہی محبت تھی۔ اُن کی قربانیاں اور حسن سلوک کی وجہ سے آپ کو اس بات سے سخت دکھ ہوا کہ آپ مسلمان ہوئے بغیر مر رہے ہیں۔ آپ کبھی اُن کے داخل جاتے اور کبھی باہر اور کہتے کہ نہ چھا! اب موت کا وقت قریب ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیجیے۔ مگر ابوطالب خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اصرار کیا۔ آپ پر رقت طاری تھی۔ اور آپ بار بار کہتے تھے اے چھا! ایک دفعہ کلمہ پڑھ لیں تاکہ میں خدا کے حضور کہہ سکوں کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ابوطالب نے آخر میں یہی جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ گویا انکو اپنی قوم سے اتنی محبت تھی کہ وہ اس کے بغیر جنت میں بھی جانا نہ چاہتے تھے۔ مگر اپنی قوم سے اس قدر شدید محبت رکھنے والے شخص پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہادرانہ جواب کا یہ اثر ہوا کہ اُس نے کہہ دیا کہ اچھا اگر قوم مجھے چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔

جو زینب مشہور یہودی نورج پڑانی کُتب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ابراہیم پیسے آدمی تھے جنہوں نے دلیری سے

خدا کے خالق ہونے اور ایک ہونے کا اعلان کیا۔ اور کہا کہ سب ستارے خدا کے قبضہ میں ہیں اور اُسی کے حکم کے ماتحت حرکت کرتے ہیں۔ چونکہ اُن کی قوم ستارہ پرست تھی اُن کی ستارہ پرستی کی مخالفت نے جلد نینر کا عقدہ بھڑکا دیا اور اُن کو اپنا ملک چھوڑ کر کنعان جانا پڑا کہتے ہیں کہ جب آپ جوڈہ بن کے تھے تو ستاروں اور بتوں کی پرستش سے بچنے کے لئے آپ نے اپنے باپ کو چھوڑ دیا اور خدا سے دُعا کی کہ وہ اُن کو انسانوں کی فطیوں سے بچائے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے زراعت کے بعض عمدہ طریق ایجاد کئے اور انہوں نے اپنے باپ تارہ کو توحید کی تعلیم دی مگر وہ لوگوں سے ڈرتا تھا اور اُس نے انکو خانہ کش رہنے کو کہا۔ جب حضرت ابراہیم کے بھائی بھی اُن کے مخالفت ہو گئے تو انہوں نے بت خانہ کو آگ لگا دی اور اُن کے بچانے کی کوشش میں اُن کا بھائی مارا ان جل مرا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نگرانی کے بت تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے توار سے اُن کو کاٹ دیا تھا) لکھا ہے کہ نئے سال کے چاند کو ایک دفعہ دیکھ رہے تھے تاکہ اُمید سال کی فراخی کو معلوم کریں کہ ان کو الہام ہوا کہ خدا کی مرضی کے مقابلہ میں ستاروں کا اثر کیا حقیقت رکھتا ہے۔ آخر بہت دُعاؤں کے بعد آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ تاکہ اعلیٰ صدقوں کو دنیا میں قائم کریں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال کی عمر میں اُن کو سچا علم ملا بعض میں دس اور بعض میں چالیس لکھا ہے۔ فلسفینی رتبوں کے لڑ بچہ میں آپ کے متعلق بہت سی تفصیل دی گئی ہیں اور آپ کے زمانہ کے بادشاہ کا نام نمرود بتایا گیا ہے اور چاند ستاروں کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ تارہ نے نمرود سے

در کر جو ان کے بیٹے کو مارنا چاہتا تھا کیونکہ غموں نے اُسے بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو تیری حکومت کو تباہ کر دینگا، تین سال تک حضرت ابراہیمؑ کو چھپائے رکھا۔ جب وہ بھروسے سے باہر نکلے تو سورج کو دیکھ کر انہوں نے خدا سمجھا۔ جب سورج ڈوبا تو جانبدار کو خدا اور ستاروں کو اس کا نوکر سمجھا۔ جب صبح ہوئی تو دونوں سے انکار کر کے کہا کہ خدا کوئی اور ہوگا۔

امپراطر ابراہیمؑ نے باپ سے پوچھا۔ آسمان و زمین کس نے پیدا کئے ہیں۔ اُس نے جواب میں کہا کہ یہ بت جو سامنے ہے یہ ہمارا خدا ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ میں بے نندہ چڑھاؤں گا۔ اور عمدہ کھانا پکوا کر اُس کو دیا اُس نے نہ کھایا تو اور اچھا کھانا پکوا کر سامنے رکھا جب پھر بھی اُس نے نہ کھایا اور نہ کوئی جواب دیا تو آگ سے اُس کو اور دوسرے بتوں کو جلا دیا جب تادہ واپس آیا تو اُس نے پوچھا۔ ان کو کس نے جلا یا ہے۔ انہوں نے کہا۔ بڑا چھوٹوں پر ناراض ہو گیا۔ اور غصہ میں اُس نے ان کو جلا دیا۔ باپ نے کہا۔ یہ قوت جو نہ سننے نہ دیکھنے نہ چل سکے۔ وہ یہ کام کس طرح کر سکتا تھا۔ انہوں نے کہا۔ پھر تم زندہ خدا کو چھوڑ کر ان کے پیچھے کیوں چل پڑے ہو۔ ایک دن ایک عورت کھانے کی کوئی چیز نذر لائی۔ ابراہیمؑ نے کہا۔ ان کے منہ میں پر بونے نہیں۔ انکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ ہاتھ ہیں مگر پکڑ نہیں سکتے۔ ان کے بنائوالوں اور ان پر اعتبار کرنے والوں کا بھی یہی حال ہو۔ یہ کہہ کر اپنے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور پھر انہیں جلا دیا۔ اس پر آپؐ نمرود کے سامنے پیش کئے گئے۔ اُس نے ان کو کہا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ میں خدا اور دنیا کا حاکم ہوں۔ آپ نے جواب دیا۔ اگر تو خدا اور دنیا کا حاکم

ہے تو کیوں سورج کو مغرب سے نکال کر مشرق کی طرف نہیں چڑھاتا۔ اگر تو خدا اور دنیا کا حاکم ہے تو بتا میرے دل میں اس دقت کیا ہے اور میرا اُمنہ کیا حال ہوگا؟ نمرود کی زبان بند ہو گئی اور وہ حیران رہ گیا۔ اور ابراہیمؑ نے اپنی بات کو جاری رکھا اور کہا کہ تو کوئس کا بیٹا ہے اور اُسی کی طرح ایک فانی وجود ہے تو اپنے باپ کو موت سے نہیں بچا سکا۔ اور نہ تو خود اس سے بچ سکتا ہے۔ یہ بھی دکھا کر کہ نمرود نے کہا۔ آگ کو پوچ۔ ابراہیمؑ نے کہا۔ پانی کو کیوں نہیں دہ تو اُسے بجھا دیتا ہے۔ اس نے کہا۔ بہتر اُسی کو سہی۔ انہوں نے کہا۔ بادلوں کو کیوں نہیں جو پانی سے پر ہوتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ انہی کو سہی۔ انہوں نے کہا۔ ہوا ان کو بھی اڑا دیتی ہے۔ اُس نے کہا اُس کو پوچ۔ انہوں نے کہا۔ انسان اس کے صدمہ سے بھی بچ جاتا ہے اور مکالموں کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ اس نے کہا پھر میں انسانوں کا بادشاہ ہوں۔ مجھے پوچ۔ انہوں نے کہا۔ اگر تو خدا ہے تو پھر سورج کو مغرب کی طرف سے نکال کر دکھا۔ امپراطر نے ابراہیمؑ کے جلانے کا حکم دے دیا۔ ایک نیکو لوں کا انبار بچ کر مریع جمع کیا گیا اور اُس کو آگ لگائی گئی اور ابراہیمؑ کو اُس میں ڈالا گیا۔ اسی کی طرف پیدائش باب آیت ۷ میں اشارہ ہے۔ بعض نسخوں میں اسجگہ لکھا ہے کہ ”مجھے کس دیوں کی آگ سے نکال لایا۔“ رجسٹرس انسائیکلو پیڈیا زیر لفظ ابراہام

جیلڈ نینر میں سورج کی پرستش خاص طور پر کی جاتی تھی دینس انسائیکلو پیڈیا جیلڈ نیر کا خدا MENODACK نامی تھا جو سورج کی شعاع یا دن کی روشنی سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ بنی نوع انسان کو نفع پہنچاتا ہے۔ اس کا نام بعل یعنی آقا بھی تھا۔ اس کے علاوہ نکا

ایک بت شمس تعالیٰ سورج دیوتا۔ ایک ستین تعالیٰ چاند دیوتا۔ ایک نیلو یعنی نی دیوتا یا معتم تھا۔

(نیلینز انسائیکلو پیڈیا جیونیہ کے تحت)

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہنسی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اگر مومنین اور فرعون کے واقعات سے بھی یہ لوگ کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے تو پھر تو ان کے سامنے ابراہیم کے واقعات بیان کر دو کہ ابراہیم وہ نبی ہے جس کی عزت و عظمت کے دلوں کے غلب میں جا گریں ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان کے سامنے وہ واقعہ بیان کر جبکہ اُس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کسی چیز کی عبادت کرتے ہو؟ چونکہ ان کی قوم سورج اور چاند اور ستاروں کے نام پر کئی قسم کے بت بنائے ہوئے تھے جن کی

پرستش کرتے تھے اس لئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو بت پرست ہیں۔ اور ستاروں ان کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اچھا جب تم انکو پکارتے ہو تو کیا ان کی طرف سے کوئی جواب بھی ملتا ہے جس سے پتہ لگے کہ انہوں نے تمہاری دعائیں سن لی ہیں یا نفع اور ہرز کی شکل میں کوئی تجربہ بھی نکلتا ہے؟ یعنی اگر وہ واقعہ

میں اپنے اندر خدائی طاقتیں رکھتے ہیں تو جس طرح خدا تعالیٰ لوگوں کی دعائیں مستجاب فرماتا ہے اسی طرح ان بتوں کو بھی تمہاری دعائیں مستجاب چاہئیں۔ اور جس طرح خدا اپنے بندوں کو ہر قسم کی تکالیف سے بچاتا اور ان کے لئے رحمت اور برکت کے سامان پیدا کرتا ہے اسی طرح ان بتوں کے اندر بھی یہ طاقت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو فائدہ پہنچائیں اور جو لوگ ان کا انکار کریں انہیں تباہ کر دیں۔ مگر کیا یہ بت ایسا کر سکتے ہیں؟ کیا یہ تمہاری باتوں کا جواب دیتے ہیں یا کیا ان میں

طاقت ہے کہ وہ تمہاری کسی تکلیف کو دور کر سکیں یا تمہیں کوئی نفع پہنچا سکیں۔ اگر ان میں کوئی بات بھی نہیں باقی جاتی تو پھر تم ایسے بتوں کی کیوں پرستش کر رہے ہو جو نہ سننے میں نہ بولتے ہیں اور نہ نفع اور ہرز کی اپنے اندر کوئی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ دلیل ایسی زبردست ہے کہ ایک صحابی کہتے ہیں۔ مجھے اسلام قبول کرنے کی تحریک صرف اس لئے ہوئی کہ میں ایک دفعہ سفر پر گیا تو عرب کے دستور کے مطابق میں نے پتھر کا ایک چھوٹا مسابٹ اپنے ساتھ رکھ لیا تاکہ وہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ ایک دفعہ جبکہ میں ایک جنگل میں سے گزر رہا تھا مجھے کوئی ضروری کام پیش آ گیا۔ میں نے اپنا اسباب دہ میں رکھا اور بت کو پاس بٹھا کر کہا کہ حضور میں تھوڑی دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں آپ میری فرما کر میرے سامان کی حفاظت کریں۔ جب میں واپس آیا تو ایک گیدڑ ٹانگ اٹھا کر اُس بت پریشاب کر رہا تھا یہ دیکھ کر میرے دل میں ایک آگ لگ گئی اور میں نے کہا کہ جو بت گیدڑ کے پیشاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکا اُس نے میرے اسباب کی کیا حفاظت کرنی ہو؟ چنانچہ میں نے اُس بت کو وہیں پھینکا اور واپس آ کر مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور صحابی کہتے ہیں کہ مجھے توحید کی اس طرح سمجھ آئی کہ میں ایک دفعہ سفر پر گیا تو میں نے اپنے ساتھ آٹے کا ایک بت بنا کر رکھ لیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ راستہ میں ہمارا آٹا ختم ہو گیا اور بھوک نے میں بے قرار کر دیا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کوئی اور چیز مل جائے تو ہم گزارہ کر سکیں مگر ہمیں کوئی چیز نہ ملی جب بھوک نے ہمیں سخت تنگ کیا تو ہم نے اُسی بت کو کوٹ کاٹ کر آٹا گوندھ لیا اور دہنی پکا کر کھا گئے۔ جب ہم خوب میر پوچھے تو مجھے اپنے آپ پر ہنسی آئی

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۵۶﴾ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ

اُس نے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ جن کی تم عبادت کرتے چلے آئے ہو تم بھی اور تمہارے پرانے

الْأَقْدَمُونَ ﴿۵۷﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۵۸﴾

باپ دادے بھی وہ سب کے سب رب العالمین کے سوا میری تباہی چاہتے ہیں۔

ہو گیا ہے۔ مجھے پتہ نہیں لگا۔ اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا کہ میں رو نہیں رہا تو مجھ پر بے وفائی کا شبہ کر لیا جائیگا اس لئے وہ بھی رونے لگ گیا۔ پھر ایک چوہدار آیا۔ اُس نے جو دیکھا کہ یہ دونوں رو رہے ہیں تو سمجھا کہ ضرور کوئی واقعہ ہوا ہے جس کا مجھے پتہ نہیں لگا۔ اگر کوئی شخص آگیا اور اُس نے دیکھ لیا کہ میں رو نہیں رہا تو وہ خیال کرے گا کہ مجھے بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال کر کے وہ بھی معنوی طور پر رونے لگ گیا۔ پھر لوگ آئے انہوں نے بھی ان لوگوں کو دیکھ کر دانا شروع کر دیا۔ پھر چھوٹے افسر آئے۔ درباری آئے۔ وزراء آئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ ہمارا تو کام تھا کہ ہم ہر وقت خبر رکھیں لیکن ہمیں اس حادثہ کا کوئی علم نہیں ہوا۔ ضرور کوئی بات ہوئی ہے جس کی وجہ یہ لوگ رو رہے ہیں۔ اگر ہم نہ روئے تو ہم پر بے وفائی کا شبہ کر لیا جائیگا۔ یہ خیال کر کے وہ بھی رونے لگ پڑے۔ اور بڑے آدمیوں نے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے انکھوں پر دو مال رکھ کر دانا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک بڑا وزیر آیا وہ کچھ غفلت نہ تھا وہ دوا نہیں۔ اُس نے پاس وزیر سے دریافت کیا کہ کیا بات ہوئی ہے۔ اُس نے کہا۔ مجھے تو معلوم نہیں میرے پاس والے وزیر رو رہے تھے اس لئے میں بھی رونے لگ گیا۔ اُس نے کہا۔ اُس سے پوچھو یہ بات ہے جب اُس سے پوچھا گیا۔ تو اُس نے کہا۔ مجھے تو علم نہیں میرے ساتھ والا وزیر رو رہا تھا

کہ میں بھی کیسا احمق ہوں کہ جس وجود کو میں کوٹ کاٹ کر ہضم بھی کر گیا اُس کو میں اپنا خدا اور حاجت روا سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اس کا رد عمل یہ ہوا کہ سفر سے واپس آتے ہی میں مسلمان ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے اسی عجز اور بجا دلگی کی طرف توجہ دلائی اور اُن سے پوچھا کہ بتاؤ۔ کیا یہ نہیں کوئی نفع دیتے ہیں یا تمہارے دشمنوں کو ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے شرمندہ ہو کر کہا کہ نتیجہ تو کچھ نہیں نکلتا لیکن ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایسا ہی کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے بھی بتوں کی پرستش شروع کر دی۔ ان کا یہ جواب بالکل ایسا ہی تھا جیسے حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ کے دربار میں صفائی کرنے کے لئے ایک خاکروب اور ایک خاکروب آیا کرتا تھا۔ اُس خاکروب اور خاکروب نے سوراہا رکھے تھے۔ اتفاقاً سوکا ایک بچہ مر گیا۔ پالے ہوئے جانور سے بھی انسان کو محبت ہو جاتی ہے چاہے وہ سور ہی ہو یا کوئی اور جانور۔ اُن کے لئے سوکا بچہ ایسا ہی تھا جیسے ہمارے لئے گھوڑا یا کوئی اور جانور۔ دربار کی صفائی کرتے ہوئے خاکروب کو اُس سور کے بچے کا خیال آگیا اور وہ دربار کی ایک دیوار کے ساتھ اپنا سر رکھ کر رونے لگ گئی۔ اتنے میں دربار کا ایک چپڑاسی آیا اور اُس نے خاکروب کو روٹے دیکھ کر یہ خیال کیا کہ خدا نخواستہ اندر کوئی حادثہ

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينُ ﴿٢٩﴾ وَالَّذِي هُوَ

جس (رب العالمین) نے مجھے پیدا کیا ہے اور (اُسکے پیغمبر میں) وہ مجھے ہدایت بھی دیگا۔ اور جس کی صفت یہ ہے کہ وہی

يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٣١﴾

مجھے کھانا کھلاتا اور وہی مجھے پانی پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ شفا دیتا ہے۔

وَالَّذِي يُبَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ

اور جو مجھے مارے گا۔ اور پھر زندہ کرے گا۔ اور وہ ایسا ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں

أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٣٣﴾

کہ میرے گناہ جزا سزا کے وقت مجھے معاف کر دے گا۔ ۱۷

کیا ہے۔ اگر یہ بت اپنے اندر کوئی طاقت رکھتے۔ تو کیا یہ سب ل کر بھٹا کیلے پر غالب نہ آجاتے اور مجھے تباہ و برباد نہ کر دیتے؛ اسلئے عَذُوْا مَعُوْذًا سے مراد یہ ہے جو بھڑکے خبر کے طور پر آیا ہے۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ اَعْدَاءُ کا لفظ استعمال کیا جاتا جو جمع ہے۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عربی زبان کا محاورہ ہے کہ کبھی مبتدا کو جمع اور خبر کو مفرد لے آتے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ کے شروع میں ہی آتا ہے کہ فَقَوْلًا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی اے مومنین اور ہارون؛ فرعون سے کہنا کہ ہم دونوں اپنے رب کے رسول ہیں حالانکہ مومنین اور ہارون دونوں ہی تھے۔ اور بظاہر اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّكَ کی بجائے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّكَ کہنا چاہیے تھا۔ گردہاں رَسُوْلُ رَبِّكَ کی بجائے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّكَ اسی لئے کہا گیا ہے کہ عربی زبان میں یہ طریق کلام رائج ہے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں۔ هٰذَا رَسُوْلِيْ وَ ذٰلِكَ رَسُوْلِيْ وَ ذٰلِكَ رَسُوْلِيْ وَ ذٰلِكَ رَسُوْلِيْ (یعنی یہ دونوں میرے

آخر بات خاکروہ تک پہنچی۔ اس سے دریافت کیا گیا تو اُس نے بتایا کہ میرا سوڑ کا پتہ مر گیا تھا۔ مجھے وہ یاد آگیا تو میں نے رونا شروع کر دیا۔ جس طرح ایک خاکروہ کو روئے دیکھ کر سارا دربار روئے لگ گیا تھا حالانکہ بات کچھ بھی نہیں تھی اسی طرح انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو دیکھا تھا کہ وہ ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ جب ہم نے دیکھا کہ ان بتوں کے آگے ہاتھ جوڑتے اور سجدے کرتے ہیں تو ہم بھی ہاتھ جوڑنے اور سجدہ کرنے لگ گئے۔

۱۷ حل لغات :- اَلَّذِيْنَ کے معنی ہیں اَلْجَزَاءُ وَ اَلْمُكَافَاةُ۔ بدلہ۔ اَلْحِسَابُ۔ محاسبہ اَلْقَضَاءُ۔ فیصلہ (اقرب)

تفسیر :- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ تم مجھے ان معبودوں کی حالت تو بتاؤ جن کی تم پرستش کرتے چلے آئے ہو۔ یعنی تم بھی اور تمہارے پہلے باپ دادا بھی۔ تمہارے یہ سب معبود دیگر دشمن ہیں سو اے رب العالمین خدا کے جس نے مجھے پیدا

الذین

کہ رب العالمین خدا نے ابراہیم کو بچالیا اور اُس کی قوم کے معبود اُس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے۔ اسی طرح اس پیشگوئی کا یہ نتیجہ نکلا کہ یہودی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے تھے وہ کامیاب ہو گئے اور اُن کے دشمن تباہ ہو گئے۔

پھر رب العالمین کے الفاظ استعمال فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ میں جس خدا پر ایمان رکھتا ہوں وہ ایک زندہ اور طاقتور خدا ہے مگر تمہارے معبودوں میں تو جان ہی نہیں انہوں نے کسی کی مدد کیا کبھی ہے؟ بے شک رب العالمین کے معنوں میں یہ بھی داخل ہے کہ ہمارا خدا انسانوں کا بھی خدا ہے اور جانوروں کا بھی خدا ہے اور کیڑوں کوڑوں کا بھی خدا ہے اسی طرح وہ عربوں کا بھی خدا ہے اور ایرانیوں کا بھی خدا ہے اور ہندوستانیوں کا بھی خدا ہے۔ لیکن رب العالمین میں جن جہانوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زمانہ کے لحاظ کر بھی ہو سکتے ہیں۔ پس اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میں جس خدا کو پیش کرتا ہوں وہ ایک زندہ خدا ہے۔ وہ آدم کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا۔ وہ نوح کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور وہ میرے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا ہے اور بعد میں آنے والوں کا بھی خدا ہو گا۔ صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک زندہ خدا، اگر وہ زندہ خدا نہ ہوتا تو ہر زمانہ کے لوگوں کا کس طرح خدا ہو سکتا۔ پس رب العالمین کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ میرا خدا ایک

رسول اندر دکل میں اور یہ سب میرے رسول اور دکل میں حالانکہ ہذا کے بعد دسویں آنا چاہیے تھا یعنی یہ دونوں میرے رسول ہیں اور ہوا کے بعد دسویں آنا چاہیے تھا۔ کہ یہ سب میرے رسول ہیں۔ مگر تثنیہ کی خبر میں بھی واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا اور جمع کی خبر میں بھی واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ پس یہ ایک مردِ عسکری کا طریق ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

فَالْتَمِمْ عَدُوِّيَ اِنَّ رَبَّ الْعَالَمِينَ کے متعلق بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ یہاں پتھر کے بے جان بتوں کو دشمن کیوں کہا گیا ہے۔ مفسرین نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں قلب نسبت سے کام لیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح ہماری زبان میں یہ کہا جاتا ہے کہ پرنا چلتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ پرنا نہیں چلتا بلکہ پانی چلتا ہے اسی طرح یہاں کہا تو یہ گیا ہے کہ وہ میرے دشمن ہیں لیکن مراد یہ ہے کہ میں ان کا دشمن ہوں۔ چنانچہ قرآن نے یہی معنی کئے ہیں اور ان الفاظ کو مقلوب قرار دیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس جگہ مخالفوں کے عقیدہ پر تعرض کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تم تو سمجھتے ہو کہ وہ معبود ہیں مگر میں ان کی عبادت نہیں کرتا اس لئے لازماً وہ میرے دشمن ہونگے سوائے رب العالمین خدا کے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ پس اب ہم دیکھیں میں گئے کہ رب العالمین خدا میری مدد کر کے مجھے بچاتا ہے یا تمہارے معبود میری دشمنی کر کے مجھے ہلاک کرتے ہیں۔ اگر بن تموں میں بھی کوئی طاقت ہے تو چاہیے کہ یہ مجھے ہلاک کر دیں۔ لیکن وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بالکل بے بس ہیں اور ان میں کوئی طاقت نہیں۔ چنانچہ نتیجہ نے بتا دیا

زندہ خدا ہے جس سے ہر زمانہ کے لوگ دیسا ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جیسے پہلے لوگ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں مگر تمہارے بُت نہ پہلے لوگوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکے اور نہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ تم اپنے سارے معبودوں کو میری تباہی کے لئے اکٹھا کر لو اور اُنکے کے آگے رو رو کر دعائیں کرو۔ پھر دیکھو کہ میرا رب العالمین خدا حقیقتاً ہے یا تمہارے بُت فوج حاصل کرتے ہیں۔

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ جس طرح ایک چھوٹا بچہ جب اکیلا گلی میں سے گزر رہا ہوتا ہے اور گلی کے ادباش اور شریر لڑکے اُس کو دق کرنے کے لئے اُس پر حملہ کرتے ہیں تو اُن کی آواز سنکر اُس لڑکے کی ماں بے تاب ہو کر اپنے گھر سے باہر نکل آتی ہے اسی طرح میرا رب العالمین خدا میرے ساتھ ہے۔ تم میری کتنی بھی مخالفت کرو اور مجھے کھنسنے کے لئے خواہ انتہائی طاقت صرف کر دو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میرا خدا مجھے چھوڑ دے اور تمہارے بُت خدا کے واحد پر غالب آجائیں۔ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ۔ دنیا کے بڑے سے بڑے مدبر۔ دنیا کے بڑے سے بڑے فیڈر انسانی امداد پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اُن کی تکلیفوں کے وقت کچھ انسان آگے آتے ہیں جو بعض دفعہ کامیاب ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ناکام۔ مگر جب کسی مومن کو تکلیف دی جاتی ہے تو خدا کے واحد خود آسمان سے اُتر آتا ہے اور وہ لڑنے والوں کے سامنے سینہ میرا ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایک بہترین انعام ہے جو کسی قوم یا فرد کو حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی انعام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو حاصل ہوا۔ یہی انعام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو حاصل ہوا۔ یہی انعام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو حاصل ہوا۔ اور یہی انعام ہے جو حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو حاصل ہوا کہ ایک زندہ خدا اور طاقتور خدا اُن کے ساتھ تھا۔ اور جب بھی دشمن حملہ آور ہوتا تھا خدا آسمان سے اُتر کر اُن کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور وہ اُن کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کرتا تھا۔ اور اس کا یہ پیارا اتنی قیمتی چیز تھا کہ اگر جائز ہوتا تو انسان مٹا کر تاک لوگ میری اور بھی دشمنی کریں تاکہ میرے خدا کی محبت میرے لئے اور زیادہ جوش مارے مگر اسلام نے ایسی خواہش سے منع کر دیا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا تَمْتَنُوا بَعْدَ الْغَدَاةِ الْخَالِصَةِ الْغَدَاةِ الْخَالِصَةِ اے مومنو! تم کبھی دشمن کے حملہ کی تمنا نہ کرو۔ آخر میں سوچنا چاہیے کہ اس فقرہ کے معنی کیا ہیں؟ کون ہے جو دشمن کے حملہ کی تمنا کیا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک لڑائی کا تعلق ہے۔ جہاں تک مرنے کا تعلق ہے جہاں تک تکالیف کا تعلق ہے کوئی شخص بھی دشمن کے حملہ کی تمنا نہیں کر سکتا۔ مگر مسلمان ایسی حالت میں تھے کہ اُن کے دل ایسی نکتہ کے ماتحت جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے بعض دفعہ خواہش کر سکتے تھے کہ کاش ہمارا دشمن ہم پر حملہ کرے تاکہ ہمارا خدا پھر ہماری مدد کے لئے ہمارے پاس آجائے۔ پس صرف یہی وجہ تھی جس کو مد نظر رکھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمانو! جب دشمن تم پر حملہ کرتا ہے تو خدا تمہارے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ بات تمہیں اتنی لذیذ معلوم ہوتی ہے اور تمہیں اس میں اتنا شہوا آتا ہے کہ جب دشمن حملہ چھوڑ دیتا ہے تو تم کہتے ہو کاش ہمارا دشمن ہم پر پھر حملہ کرے۔ تاکہ ہمارا خدا پھر ہمارے پاس آجائے۔ مگر یہ خواہش جہاں تک عشق کا سوال ہے وہاں تک تو درست ہے لیکن الہی حکمتوں اور مشائخ و کلمات کے اس لئے خدا تعالیٰ کے ادب کے لحاظ سے ایسی خواہشات ممت کیا کرو۔

ہاں جب دشمن تم پر خود چڑھ کر دیگا اور تمہارا خدا تعالیٰ تم سے
سچا تعلق ہوگا تو یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ تمہیں چھوڑے
کیونکہ خدا تعالیٰ کی یہ دائمی سنت ہے کہ وہ اپنے رسولوں کی
بھی مدد کرتا ہے اور ان لوگوں کی تائید کے لئے بھی اپنے
نشانات دکھاتا ہے جو ان رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔
پس فَاِنَّهُمْ عَدَاؤُنِیْ اِنَّکُمْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں معترض
ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی اسی سنتِ قدیم کی
طرح اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے یہ سب
بُت جن کے سامنے تم اپنی ناکیں رگڑتے ہو میرے دشمن
ہیں اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو میرے رب العالمین
خدا کے مقابلہ میں جو ایک زندہ اور طاقتور خدا ہے
مجھے نقصان پہنچا کر دکھائیں۔ یقیناً تمہارے بُت
نا کام رہیں گے اور میرا رب العالمین خدا ہمیشہ میرا ساتھ دے گا۔
اسی طرح رب العالمین کے الفاظ میں یہ پیشگوئی
بھی مخفی تھی کہ یہ دین آخر ایک عالمگیر صورت اختیار
کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا نبی مبعوث
ہوگا جو ساری دنیا کی طرف ہوگا اور جس کی فیض رسانی
کے دائرہ سے کوئی متنفس بھی باہر نہیں رہے گا۔
پھر فرماتے ہیں۔ اِذْیَنْیْ خَلَقْتُ ذَکُوْرَیْہُذَیْنِ
رب العالمین خدا وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور
اُس کے نتیجہ میں لازماً وہ تمام خطرات اور حوادث سے
بچاتے ہوئے مجھے منزلِ مقصود پر پہنچائے گا۔ اور
مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ وہ مجھے پیدا کرے اور ایک مقصدِ عظیم کے لئے
کھڑا کرے اور پھر اپنی محبت کا ہاتھ پیچھے مٹالے
اور مجھے حوادث کا شکار ہونے دے۔ اس کی صفت
خلق اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کامیابی بھی اسی
کی طرف سے آئے کیونکہ جو ہستی اپنے معرضِ وجود میں
آنے کے لئے دوسرے کی محتاج ہے وہ ترقی کے وسائل

اور ذرائع بھی خود بخود ہتیا نہیں کر سکتی بلکہ اس کیلئے
بھی وہ اپنے غایت کی محتاج ہوتی۔ اس کی ایسی ہی مثال
ہے۔ جیسے میں اگر کوئی مکان بناؤں تو جب تک میں
اُس میں دروازے نہ لگاؤں جب تک میں اُس میں
کھڑکیاں نہ رکھوں جب تک میں اُس میں طاقے اور
ردشندان نہ بناؤں اس وقت تک اُس مکان میں نہ دروازہ
لگ سکتا ہے نہ کھڑکی لگ سکتی ہے نہ طاقچہ اور دُشدا
بن سکتا ہے۔ کیونکہ وہ میرا مکان ہے اور میں نے ہی اُسے
بنایا ہے۔ اسی طرح جب انسان کو رب العالمین خدائے
پیدا کیا ہے تو رب العالمین خدا ہی جب تک اس کی
مادی اور روحانی ترقی کے سامان ہتیا نہ کرے اس وقت
تک وہ جسمانی اور روحانی طور پر کیسے ترقی کر سکتا ہے۔
ابن الفاظ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں اپنی
قوم کو اپنے غلبہ اور ترقی کی خبر دی ہے اور اپنے اس
یقینِ حکم کا اظہار کیا ہے کہ میرا خدا مجھے کبھی نہیں
چھوڑے گا۔ بیشک میرا چچا مجھے چھوڑ دے میرے
بھائی مجھے چھوڑ دیں میرے دوست مجھ سے الگ
ہو جائیں میری قوم مجھ سے کٹ رہ کرے پھر بھی
رب العالمین خدا جس کے کنارے عافیت میں نے اپنی
زندگی بسر کی ہے اور جس کی گود میں میں نے پرورش
پائی ہے مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اور ہمیشہ مجھے
عزت اور کامیابی اور غلبہ بخشے گا۔ ہاں آپ نے اپنی
قوم کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہمیں اپنی
پیدائش کے مقصد پر غور کرنا چاہیے اور اپنی زندگی کو
رائیگاں نہیں کھونا چاہیے۔ آخر اتنی بات تو ہر شخص
جانتا ہے کہ اُسے کسی اور ہستی نے پیدا کیا ہے مگر
بہت کم لوگ ہیں جو اس بات پر غور کرتے ہیں کہ انہیں
کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ وہ دنیا کی رعنائیوں اور لُحوظیوں
میں کچھ ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اور اُرد

لگتا ہے کہ انسان اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز کے پیدا ہونے کی کوئی وجہ اور غرض ہونی چاہیے مگر انسان کو کبھی یہ بھی خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں پیدا کیا ہے۔ اور میرے پیدا کرنے کی غرض و غایت کیا ہے۔ وہ اور چیزوں کے پیدا کرنے کی غرض و غایت معلوم کرنے کا بہت شوق رکھتا ہے لیکن اس کے دل میں یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ میں کیوں پیدا کیا گیا اور میں اس غرض کو پورا بھی کر رہا ہوں یا نہیں۔ اور اگر میں پیدا نہ کیا جاتا اور اگر میرا وجود نہ ہوتا تو دنیا کو کیا نقصان ہوتا۔ دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی ہوئی نہ ہوئی برابر ہوتی ہے کیونکہ انہیں نہ اپنی زندگی کی غرض و غایت کا علم ہوتا ہے اور نہ وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر تمام لوگ اس سوال پر غور کریں تو ان میں سستی اور غفلت اور کام کو اُدھورا پھوٹنے کی عادت نہ رہے اور وہ ہر قسم کی قربانیوں کے کام لیکر اپنی روحانی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ آخر غور کرو۔ دنیا میں کتنے لوگ شکر، نیتیں اور تیمور بن سکتے ہیں نہ سادی دنیا شکر بن سکتی ہے اور نہ سادی دنیا تیمور بن سکتی ہے۔ کیونکہ دنیوی ترقی کا میدان بہت تنگ ہے۔ لیکن ایک میدان ایسا بھی ہے جہاں ہر انسان اپنے آپ کو نمایاں کر سکتا ہے اور جتنا جی چاہے ترقی کر سکتا ہے اور کسی کو نقصان پہنچائے بغیر اور کسی کا راستہ روکے بغیر ترقی کر سکتا ہے اور وہ خدا رسیدہ بننے کا میدان ہے۔ اس میں کسی کے بڑھنے سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں اور پھر ہر پیشہ اور ہر درجہ کا انسان خدا رسیدہ بن سکتا ہے۔ ایک بادشاہ اور اس کا بیٹا بھی خدا رسیدہ انسان بن سکتا ہے اور ایک فقیر بے نوا بھی خدا رسیدہ انسان بن سکتا ہے اور ایک نائی اور دھوبی بھی خدا رسیدہ انسان

سوالاں تو پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر ان کے دلوں میں اگر سوال پیدا نہیں ہوتا تو صرف یہی کہ "ہ کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔" ہر نے دیکھا ہے بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ایسے جنگلوں میں جہاں کوئی آبادی نہیں ہوتی اور ایسے پہاڑوں میں جہاں انسان کا پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی انسان وہاں پہنچ سکتا ہے نہایت دلکش اور خوب صورت پھول کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر ہزاروں قسم کے کیڑے برسات کے موسم میں نکلتے ہیں ان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسی طرح سمندر میں مچھلیاں اور دوسرے بعض بدشکل سمندری جانور پیدا کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ پھر قسم قسم کی جڑی بوٹیوں کو اتنی کثرت سے کیوں اگایا گیا ہے۔ اور زمین پر رینگنے والے کیڑے سانپ اور گناکھجورا وغیرہ کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔ غرض سمندر اور زمین پر اور ہوا میں ہزاروں ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق انسان سوال کرتا ہے کہ وہ کیوں پیدا کی گئی ہیں۔ دشوار گزار پہاڑوں میں جہاں انسان بڑی مشکل سے پہنچتا ہے بعض اوقات نہایت خوبصورت پھولوں کا نظارہ انسان دیکھتا ہے تو اس کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مقام پر اس قسم کے خوبصورت پھول پیدا کرنے کی کیا غرض تھی۔ غرض اس قسم کے ہزاروں سوالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی عقل کے مطابق ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ زہریلے کیڑوں یعنی سانپ وغیرہ کے زہروں سے اب بہت سی دوائیں تیار ہو رہی ہیں جو نہایت مہربان الاثر ثابت ہوئی ہیں۔ یا یہ کہ دشوار گزار مقامات پر یہ خوش کن نظارے اس لئے بنائے گئے ہیں کہ جو لوگ تکلیف، مشقت اور محنت برداشت کر سکیں وہی ان نظاروں کو دیکھیں۔ ان سوالات اور جوابات سے پتہ

پھر فرماتے ہیں وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ
 رب العالمین خدا ہی ہے جو مجھے کھانا کھلاتا اور پانی
 پلاتا ہے۔ در نہ نہ گندم میری پیدا کی ہوئی ہے۔ نہ
 پانی میرا بنایا ہوا ہے۔ نہ نمک میرا بنایا ہوا ہے۔
 نہ مرچ میری پیدا کی ہوئی ہے۔ نہ گوشت میرا پیدا
 کیا ہوا ہے۔ نہ ترکاریاں میں نے پیدا کی ہیں۔ یہ
 سب چیزیں میرے باپ دادا کی پیدائش سے بھی پہلے
 کی ہیں۔ بڑے سے بڑے خاندان کا ذکر بھی مومنوں
 سے آگے نہیں جاتا۔ لیکن گندم۔ پانی۔ ترکاری۔ گوشت
 نمک۔ مرچ اور مونگ وغیرہ ہزاروں پشتوں سے
 بھی پہلے کی ہیں۔ پھر یہ انسان کی ہر طرح ہو گئیں
 ہر اگر کھاتے ہیں تو اس کے لئے خدا نے ہمیں ان چیزوں
 کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ در نہ ہم میں طاقت
 نہیں تھی کہ یہ چیزیں خود ہتیا کر سکتے۔ اسی طرح جب
 ہم پانی پیتے ہیں اور اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ
 پانی ہمیں کس طرح ملا تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانی
 خدا تعالیٰ نے ہی زمین کی تہوں میں دکھا ہوا ہے۔
 اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار فرماتا ہے کہ اگر ہم
 اس پانی کو کھینچ لیں تو تم پانی کہاں سے لاؤ۔ اور یہ
 بالکل سچی بات ہے کہ ہم میں کوئی طاقت نہیں کہ ہم
 پانی ہتیا کر سکیں۔ یہ سب خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ
 اس نے یہ تمام ضروری اشیاء میں ہتیا کر دی ہیں۔
 اگر تھوڑی دیر میں ہمیں پانی نہ ملے تو ہمیں سخت دقت
 کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جن علاقوں میں پانی کی
 کمی ہے وہاں لوگ ایسی ایسی چیزیں پیتے ہیں جن کو
 ہمارے علاقے میں پانی نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً سندھ
 اور بلوچستان کے بعض علاقے ایسے ہیں جہاں لوگ
 کیچڑ پیتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک دہلے ایسا نہیں کر
 سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں کوئی شکی میں جائے۔

ہن سکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک اقلیم میں دو بادشاہ
 نہیں ہو سکتے۔ مگر اولیاء اللہ کا مقام وہ ہے کہ اقلیم
 تو کیا ایک گھر میں بلکہ ایک گھر تو کیا ایک کمرہ میں بھی
 دس اولیاء اللہ رہ سکتے ہیں۔ اور اس میں کسی کا نقصان
 نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے راستے
 اتنے وسیع ہیں کہ ان میں کبھی تنگی پیدا نہیں ہو سکتی۔
 جس طرح سمندر میں سے چڑیا چونچ بھر کر پانی لے جائے
 تو اس سے سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں آتی اسی طرح
 اللہ تعالیٰ سے تعلق کا حال ہے یہ اتنا وسیع خزانہ
 ہے کہ جس میں کمی کا کوئی امکان نہیں۔ دیکھو رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اتنی محبت حاصل
 ہوئی کہ جس کی مثال باقی انبیاء میں نہیں ملتی مگر اسکے
 باوجود خدا تعالیٰ کے پاس ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور
 علیؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کو دینے کے لئے بھی محبت
 موجود تھی اور تمام صحابہؓ نے بھی اپنے اپنے ظرف کے مطابق
 اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کی۔ پس ہمیشہ اس بات پر غور کرتے
 رہنا چاہیے کہ ہماری پیدائش کی غرض کیا ہے۔ پیدائش کی
 اصل غرض جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ
 انسان اللہ تعالیٰ کا پیارا بن جائے۔ جب وہ یہ مقام
 حاصل کر لیتا ہے تو دنیا بے شک مٹ جائے خدا تعالیٰ
 کے جبرط سے اس کا نام کبھی نہیں مٹ سکتا۔ وہ گڈڑی
 میں پڑا ہوا بھی خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے اور
 اتنا بڑا بن سکتا ہے کہ دنیا کی بڑیاں اس کے مقابلہ
 میں بالکل میچ ہو جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
 اپنی قوم کو ایسی دنیاوی نعمت کی طرف توجہ دلائی ہے
 اور انہیں نصیحت کی ہے کہ تم اپنی پیدائش کے مقصد پر
 خود گردو اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کا جو سامان
 کیا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ تمہاری زندگی بیکار
 چلی جائیگی اور تم اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود دینا ہے تیرا یاد

تو وہ بھی اس قسم کا پانی پی لیں۔ ورنہ عام حالات میں ہمارے ہاں اسے پانی نہیں سمجھا جاتا۔ غرض کھانے اور پینے کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مہیا نہ کی ہو۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کا وجود مخفی ہے اور اس پر وہ احسان کرتا ہے اس لئے باوجود اس کے کہ اس کے احسانات بہت زیادہ ہیں لوگ انہیں محسوس نہیں کرتے۔ ماں اپنی چھاتیوں سے دودھ پلاتی ہے۔ اور بچہ اپنی عقل کے مطابق سمجھتا ہے کہ ماں اس پر احسان کرتی ہے اور اپنا خون اسے چوساتی ہے حالانکہ یہ قربانی کا جذبہ ماں نے خود پیدا نہیں کیا۔ یہ جذبہ اس کی پیدائش سے بھی پہلے اس کے اندر رکھا گیا تھا۔ چنانچہ دیکھ لو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گڑیاں بناتی ہیں اور ان سے کیلےسی ہیں۔ یہ وہی بچہ پالنے کا جذبہ ہوتا ہے جو ان کے اندر پایا جاتا ہے۔ ان کے اندر یہ جس خدا تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہے خواہ وہ عقل کے ماتحت ایسا کرتی ہیں یا بے عقلی کے ماتحت ایسا کرتی ہیں۔ بہر حال عورت کے اندر خدا تعالیٰ نے اولاد سے محبت کرنے کا مادہ رکھا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جو ماں نے خود اپنے اندر پیدا نہیں کی بلکہ اس کی پیدائش سے بھی پہلے اس کے اندر رکھ دی گئی تھی۔ اور جب یہ مادہ ماں کی پیدائش سے پہلے کا اس کے اندر پایا جاتا ہے تو پھر یہ اس کا پیدا کیا ہوا نہ ہوا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ مادہ ماں کا پیدا کیا ہوا نہیں تو آخر یہ مادہ ماں کے اندر کس نے پیدا کیا ہے۔ بہر حال وہ کوئی اور ہستی ہے۔ اور ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ ہستی جس نے سب مخلوقات کو پیدا کیا ہے اسی نے یہ مادہ ماں کے اندر رکھا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ ماں سے محبت کرتا ہے خدا تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا اس لئے کہ خدا تعالیٰ اُسے نظر نہیں آتا۔ جب اُس کی ماں اپنی ماں کے پیٹ میں تھی

اور خدا تعالیٰ کے فرشتے اُس کے دلی میں اولاد کی خواہش اور محبت پیدا کر رہے تھے تو اُس نے اس نظارہ کو دیکھا نہیں تھا۔ اُس نے صرف اتنا ہی دیکھا کہ ماں اُسے اپنی چھاتیوں سے دودھ پلا رہی ہے خواہ ۔۔۔ فاقہ پڑ کر رہی ہو اور بھوک کی وجہ سے مذہال ہو رہی ہو۔ وہ سوکھ کر کاٹا ہو گئی ہو۔ اُس کا گوشت کھل گیا ہو اور ہڈیاں نکل آئی ہوں۔ لیکن ادھر بچہ رویا ادھر ماں نے اپنے سوکھے ہوئے پستان اُس کے مونہہ میں دے دیئے۔ خواہ پستانوں میں دودھ کا کوئی قطرہ ہو یا نہ ہو۔ ماں کے اندر یہ جذبہ کس ہستی نے پیدا کیا ہے وہ بچہ کو نظر نہیں آتی۔ اس لئے وہ اُس سے محبت نہیں کرتا۔ ماں اپنی چھاتیوں سے دودھ پلاتی ہوئی اُسے نظر آتی ہے اس لئے وہ اُس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ انسان کھانا کھاتا ہے جس شخص نے اُسے گندم دی اور اُس نے اُس سے روٹی بنائی وہ اُس کا شکریہ ادا کرتا ہے یا جس کی نوکری کر کے اُس نے پیسے کمائے اور اُس سے اُس نے گندم خریدی وہ اُس کا شکریہ ادا کرتا ہے جس ماں اور بیوی نے اُسے روٹی پکا کر کھلائی وہ اُن کا شکریہ ادا کرتا ہے لیکن جس نے گندم بنائی جس نے نمک بنایا جس نے پانی بنایا وہ اُس کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ اس لئے کہ گندم مہیا کرنے والا یا ملازمت دینے والا اُسے نظر آتا تھا۔ ماں اُسے نظر آتی تھی کہ وہ گرمی کے دنوں میں اُس کے آگے بیٹھی روٹی پکا رہی ہے یا سردی میں جب وہ خود لمحات سے باہر نہیں نکلتا وہ صحن میں بیٹھی اس کیلئے ناشتہ تیار کر رہی ہے چونکہ وہ اُسے نظر آتی ہے اس لئے اُس کے اندر احساس شکریہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اُسے اس احسان کا اصلی بانی نظر نہیں آتا اس لئے اُسے یہ خیال نہیں آتا کہ دراصل

یہ احسان کسی اور ذات نے کیا ہے۔

ہمارے ملک میں لطیفہ مشہور ہے۔ واقد اعلم ۱۱
سچا ہے یا عام حالات میں وہ خود بنا لیا گیا ہے۔ جب
ہمارے ملک پر انگریز حاکم تھے۔ لوگوں میں انہیں خوش کرنے
کے لئے ڈالیاں پیش کرنے کا رواج تھا۔ بعد میں اگرچہ یہ
قانون بنا دیا گیا تھا کہ افسروں کو ڈالیاں پیش نہ کی جائیں
لیکن حکام اور روسا شہر کو جب موقع ملتا اے ۱۱ انگریز افسر
کو ملنے کے لئے جاتے تو ان میں سے بعض ہوشیار لوگ
ڈالیاں بھی لے جاتے تھے۔ کہتے ہیں ایک انگریز افسر کو
ایک ای۔ اے۔ سی اور ایک تحصیلدار ملنے کے لئے گئے
ای۔ اے۔ سی ڈالی بھی ساتھ لے گیا۔ یہ تو سارے جانتے ہیں
کہ ای۔ اے۔ سی بڑا ہوتا ہے اور تحصیلدار چھوٹا ہوتا ہے کئی
علاقوں کا چارج ہی ای۔ اے۔ سی کے پاس ہوتا ہے۔ اور
تحصیلدار اسکا تحت ہوتا ہے پس جب وہ دونوں ملاقات کیلئے گئے
تو اتفاقاً انگریز افسر کے پاس ملاقات کا وقت ٹھوڑا تھا اسلئے بجائے
اس کے کہ وہ دونوں کو الگ الگ بلاتا۔ اُس نے کہا بھیجا
کہ دونوں آ جاؤ۔ جب ای۔ اے۔ سی ڈالی کو اٹھانے لگا
تو تحصیلدار نے آگے بڑھ کر ڈالی اٹھالی۔ اور کہا حضور
ہمارے ہوتے ہوئے آپ یہ تکلیف کیوں کریں۔ چنانچہ
تحصیلدار نے ڈالی اٹھالی اور بڑے آرام سے اندر جا کر
انگریز افسر کے سامنے دکھ دی اور یہ نہ کہا کہ یہ ڈالی
ای۔ اے۔ سی نے پیش کی ہے۔ وہ انگریز افسر اسی اثر کے
تحت کہ ڈالی تحصیلدار نے پیش کی ہے ای۔ اے۔ سی کی
طرف پیٹھ کر کے اور تحصیلدار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا
اور اُس سے حالات پوچھنے لگا۔ ای۔ اے۔ سی دل ہی
دل میں کڑھ رہا تھا۔ لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ برابر دو
گھنٹے تک انگریز افسر تحصیلدار سے باتیں کرتا رہا۔ اور
اُس نے ای۔ اے۔ سی کو پوچھا تک نہیں۔ ملاقات کے
فارغ ہو کر جب باہر آئے تو ای۔ اے۔ سی نے غصہ

نکالنا شروع کیا کہ تم نے کیوں یہ حرکت کی تحصیلدار نے
کہا حضور یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ آپ میرے سامنے بوجھ
اٹھاتے۔ اب ڈالی تو ای۔ اے۔ سی لایا تھا۔ لیکن چونکہ وہ
ڈالی تحصیلدار نے انگریز افسر کے آگے دکھی تھی اس لئے
وہ اس پر مہربان ہو گیا۔ یہی حال انسان کا ہے۔ اللہ تعالیٰ
کی طرف سے اُسے ڈالی آئی ہے لیکن ماں باپ۔ جوی
بچہ۔ بہن یا بھائی وہ ڈالی اٹھا کر اُس کے سامنے رکھ دیتے
ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ اصل ڈالی پیش کرنے والے وہی
ہیں حالانکہ اُن کے پیچھے خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

اسلام نے انسان کو یہ یاد دلانے کے لئے کُر حقیقی
محسن خدا تعالیٰ ہی ہے یہ ترکیب دکھ دی کہ جب تم کھانا
کھاؤ۔ یا پانی پیو۔ تو اس کے شروع کرنے سے پہلے بسم
پڑھ لیا کرو۔ اور کھانے سے پہلے بسم پڑھنے کے یہ سننے
ہیں کہ یہ کھانا تمہارے سامنے دکھا تو ماں نے ہے لیکن
بھئی خدا نے ہے۔ یا کھانا تمہارے سامنے دکھا تو جوی نے
ہے لیکن بھئی خدا تعالیٰ نے ہے یا کھانا تمہارے سامنے
رکھا تو تمہارے بھائی نے ہے لیکن بھئی خدا تعالیٰ نے ہے۔
اور جب انسان کو پتہ لگ جاتا ہے اور بار بار یہ بخون
اُس کے سامنے دہرایا جاتا ہے کہ مدح حقیقت یہ تمام نعمتیں
عطا کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ وہی ہمیں کھانا دیتا ہے
وہی ہمیں پانی دیتا ہے۔ وہی ہمیں پہننے کو کپڑا مہیا کرتا
ہے تو آہستہ آہستہ اُس کی طرف دل مائل ہو جاتا ہے
اور خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِیْ میں یہی نکتہ
بیان فرمایا ہے کہ اصل احسان خدا تعالیٰ کا ہے جس نے
ہمیں کھانے پینے کو دیا۔ اور جب وہی محسن حقیقی ہے تو
انسان کی یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ ۱۱ محسن حقیقی کو تو چھوڑ
دیتے ہیں اور ان لوگوں کے آگے جھکنا شروع کر دیتا ہے جن
کو اُس نے صرف ایک درمیانی واسطہ بنایا ہے۔ گویا ۱۱

شاخ پر تو ہاتھ مارتا ہے اور تنے کو نظر انداز کر دیتا ہے ایسا
انسان یقیناً اپنی روحانی ترقی کا راستہ اپنے ہاتھ سے بند
کرنا اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مورد بننا ہے۔

پھر فرماتے ہیں وَإِذَا مَرَضْتُمْ فَعُولٌ لَّكُم مِّثْقَالُ ذَرَّةٍ
جب بیمار ہوتا ہوں تو خدا تعالیٰ مجھے شفا بخشتا ہے
آپ نے اس جگہ مَرَضْتُمْ میں مرض کو اپنی طرف منسوب
کیا ہے اور شفا کو خدا تعالیٰ کی طرف۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ سب کی سب انسان کے فائدہ
کے لئے پیدا کی ہیں۔ جب انسان اُن کو غلط استعمال کرتا
ہے تو اس وقت وہ بیمار ہو جاتا ہے یا نقصان اٹھاتا ہے
اور جب انسان پھر اس کا کسی رنگ میں ازالہ کر دیتا ہے
اور علاج کرتا ہے تو شفا پا جاتا ہے۔ اس لئے مرض تو
انسان کی طرف منسوب ہوتی ہے اور شفا، خدا تعالیٰ کی
طرف۔ دنیا میں جتنی مصیبتیں اور بلائیں انسان پر وارد
ہوتی ہیں اُن پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ
سادگی کی ساری خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے غلط استعمال کی
وجہ سے آتی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح استعمال
کیا جائے تو انسان ان مصائب اور بلاؤں سے بچ سکتا
ہے۔ مثلاً بیماری ہے۔ یہ کیوں پیدا ہوتی ہے؟ یہ اسلئے
پیدا ہوتی ہے کہ لوگ ایسی چیزیں کھاتے ہیں جن سے
اُن کے اعضا، ہنضم، گارتے ہیں یا وہ ایسی چیزیں کھاتے
ہیں جو اپنے وجود میں تو نقصان دہ نہیں ہوتیں۔ مگر
اعتدال سے زیادہ استعمال کر لینے کی وجہ سے یا غلط
استعمال کرنے کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً
خربوزہ ہے۔ جہاں تک خربوزے کا سوال ہے یہ اللہ تعالیٰ
کی ایک نعمت ہے لیکن اسی نعمت کو اگر اعتدال سے
زیادہ استعمال کیا جائے تو معیشت بن جاتی ہے اور
بیماری پیدا ہوتی ہے۔ یا آم ہے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی
نعمت ہے لیکن حد سے زیادہ کھا لینے سے نقصان ہوتا

ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی نعمتیں ہیں اُن کو ایک
حد کے اندر استعمال کیا جائے تو فائدہ مند ہیں اور جب
حد سے تجاوز کیا جائے تو بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً
بینگن اور کریمے گرم ہوتے ہیں۔ اگر یہ حد کے اندر کھائے جائیں
تو نعمت ہیں لیکن حد سے زیادہ کھائے جائیں تو بینگن سے
بوا میر اور کریموں سے پیمیش وغیرہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح
گتے ہیں۔ اگر اس کا استعمال حد کے اندر کیا جائے تو
نہایت فائدہ مند ہے لیکن اگر زیادہ استعمال کیا جائے
تو پیشاب کی بعض امراض لاحق ہو جاتی ہیں۔ اب جہاں تک
گتے کا سوال ہے وہ بیماری پیدا نہیں کرتا۔ بیماری پیدا کرنے
والی چیز گتے کا حد سے زیادہ استعمال ہے۔ درنہ شوگر
انسانی جسم کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔ گلوکوز کو ہی
دیکھو یہ شوگر ہی ہے۔ لیکن ڈاکٹر جب مریضوں کو گلوکوز
کا انجیکشن کرتے ہیں تو اُن کی چھوٹی ہوئی بعضیں بھی مرن
پڑتی ہیں۔ پہلے زمانہ میں لوگ نادانانہ اقیقت سے زیادہ شکر
کا علاج کرتے ہوئے شکر کو بالکل ختم کر دیتے تھے حالانکہ
اس کا باقی رہنا ضروری ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کئی
لوگ جن کی شوگر بالکل ختم کر دی جاتی تھی اُن کا وارٹ
فیل ہو جاتا تھا۔ اسکل بھی انسولین کا ٹیکہ کرتے وقت
ڈاکٹروں کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ اگر مریض کے قلب پر
اس کا اثر ہو تو فوراً اسے گلوکوز کا ٹیکہ کر دو۔ اور جب
ایسا کیا جاتا ہے تو مریض سنبھل جاتا ہے پس جتنی بیماریاں
انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے
غلط استعمال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ان نعمتوں کا
صحیح استعمال کیا جائے تو کبھی بیماری پیدا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ
نے انسان فائدہ کے لئے لوہا پیدا کیا ہے جب تک اس
کا صحیح استعمال کیا جائے یہ نہایت فائدہ مند چیز ہے
اور ہر قسم کی شینیریاں اس سے تیار ہوتی ہیں جو انسان
کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ لیکن جب اس کا غلط استعمال

کیا جائے تو یہی چیز نقصان دہ ہو جاتی ہے۔ مجھے اپنا بچپن کا ایک واقعہ یاد ہے کہ ہمارے مکانوں کی تعمیر کیسے کیا گیا۔ سب کوٹ سے ترکان آئے ہوئے تھے۔ میں ان کو کام کرتے دیکھتا۔ اور جب وہ تیشہ چلاتے تو میرے دل میں بھی شوق پیدا ہوتا کہ میں اسکو چلا کر دیکھوں۔ وہ تو روزی کمانے کے لئے کام کرتے تھے مگر میں سمجھتا تھا کہ ان کو بس نعل میں مڑا آتا ہے اور میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں کیوں نہ یہ مڑا اٹھاؤں۔ میں نے بہت دفعہ کوشش کی کہ تیشہ چلا کر دیکھوں لیکن وہ مجھے ہاتھ نہ لگانے دیتے تھے اور کہتے تھے۔ زخمی ہو جاؤ گے۔ مگر میں ان کے منع کرنے سے سمجھتا تھا کہ وہ مجھے بس مزے سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ نزدیک دن میرا دل چل گیا وہ لوگ نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں گئے ہوئے تھے اور انکے ہتھیار وہیں پڑے تھے۔ میں نے تیشہ اٹھایا اور چلنا شروع کر دیا۔ مگر پہلی ہی چوٹ لگائی تھی کہ تیشہ میرے ہاتھ پر آ لگا اور میں زخمی ہو گیا۔ چنانچہ اس زخم کا نشان اب تک موجود ہے۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ نے تیشہ اس لئے نہیں بنایا تھا کہ انسان زخمی ہو مگر اس کے غلط استعمال نے میرے ہاتھ کو زخمی کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ سب کی سب انسان کے فائدہ کے لئے ہیں لیکن ان کے غلط استعمال سے اُسے نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی میں دوسرے پر تلوار یا خنجر سے حملہ کیا جاتا ہے جس سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تو اس لئے بنایا تھا کہ دوسرے کے سر پر مارا جائے۔ اگر اسی دوسرے کو بھیجے۔ انسانوں پر استعمال کرنے کے لئے سے چاؤ اور چھریاں بنائی جائیں اور ان سے ترکان یا وغیرہ کاٹنے کا کام لیا جائے یا اس کی کھپڑیاں بنائی جائیں جن سے درخت کاٹتے جائیں یا اس سے

ہل چلانے والے اوزار بنائے جائیں اور اس کی مشینیں تیار کی جائیں تو یہ ایک نہایت ہی مفید چیز ہے۔ لیکن اگر اسی لوہے کو دوسرے کے سر پر مارا جائے تو اس کا سر پھٹ جائیگا۔ پس دنیا میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کا اچھا استعمال کیا جائے تو وہ نقصان پہنچائے۔ نقصان پہنچانے والی چیز ان نعمتوں کا برا استعمال ہوتا ہے نہ کہ خود وہ نعمتیں مثلاً سانپ اور بچھو کا زہر نہایت خطرناک چیز ہے۔ مگر ہومیو پیتھک دواؤں نے کئی قسم کے امراض کے علاج میں اسے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اور اسے نہایت مفید پایا ہے۔ جن مریضوں کے ماضی پھٹ جاتے ہیں ان کو سانپ کا زہر ہومیو پیتھک دوا کی صورت میں دیدو تو فوراً آرام آ جائے گا۔ اسی طرح سنکھیا ہے۔ اس کے کھانے سے لوگ مرتے بھی ہیں لیکن دیکھنا تو یہ چاہیے کہ اس کے کھانے سے کتنے لوگ مرتے ہیں اور کتنے زندہ ہوتے ہیں۔ اگر اندازہ لگایا جائے تو سال میں ہزار دو ہزار آدمی سنکھیا کھانے سے مرتے ہیں لیکن جو لوگ اس سے شفا پاتے ہیں انکی تعداد لاکھوں تک ہے۔ پُرانے طبیبان کے مریض پر جب کوئی دوا اثر نہیں کرتی تو وہ سنکھیا کی قلیل مقدار سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے امراض کے لئے یہ مفید ہے۔ اسی طرح کچلہ ہے۔ یہ بھی زہر ہے اس کے کھانے سے کئی لوگ مر جاتے ہیں لیکن لاکھوں لاکھ انسان اس سے بچتے بھی ہیں۔ اسی طرح بہت بڑی تباہی طواری چیز انیون ہے۔ لیکن اس کی تباہی کے مقابلہ میں اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ اطباء کا قول ہے کہ طب کی ادھی دو ایسی ہیں جن میں انیون استعمال ہوتی ہے اور اس کا اتنا فائدہ ہے کہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جب انسان کو بے چینی اور مکیلی ہوتی ہے۔ جب

انسان کی فینڈ اڑ جاتی ہے۔ جب انسان درد سے مدھال ہو کر خود کشی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کو دنیا کا ٹیکا لگاتے ہیں جس سے اُسے فوراً آرام ہو جاتا ہے پس دنیا میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اپنی ذات میں نقصان دینے والی ہو۔ نقصان دینے والی چیز صرف غلط استعمال ہے جو انسان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کو اپنی طرف اور شفاء کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے مگر ہمارے ملک میں ایک مسلمان خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے جب کسی کام میں ناکام ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے۔ میں نے تو پورا زور لگا دیا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے ناکام کر دیا۔ گویا وہ خوبی کو اپنی طرف اور بُرائی کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی بڑی بھاری ہتک ہے جو ہمارے ملک میں کی جاتی ہے حالانکہ سچے مومن کا یہ طریق ہوتا ہے کہ جب اس کے کام کا اچھا نتیجہ نکل آتا ہے تو وہ کہتا ہے الحمد للہ خدا تعالیٰ نے مجھے کامیاب کر دیا۔ اور اگر خراب نتیجہ نکلتا ہے تو وہ انشاء اللہ وانالہیہ واجہون پڑھتا ہے۔ اللہ کہتا ہے میں اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ناکام رہا ہوں۔ ورنہ خدا تعالیٰ نے تو میرے لئے برکت اور رحمت ہی کے سامان کئے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت اُسی کو ملتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح عیب اپنی طرف اور خوبی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے۔ میرے اس بندہ نے چونکہ عیب اپنی طرف اور خوبی میری طرف منسوب کی ہے۔ اس لئے اب میری مرض ہے کہ میں اسے پوری طرح کامیاب کر دوں تاکہ تمام خوبیاں میری طرف ہی منسوب ہوں لیکن جب وہ ایسا نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کو تمام خرابیوں کا ذمہ وار قرار دیتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کی مدد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں وَالَّذِیْ یُحِبُّ مَنْ یُّحِبُّ لِحَبِیْبِیْنَ میرا خدا وہ ہے جو مجھے مار لگا اور میرے مجھے زندہ کرے گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات مَحَبَّی اور مُحِبِّی کا ذکر کیا گیا ہے یعنی وہ زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ اُس کے زندہ کرنے کا ثبوت تو وہ ہزاروں داکھوں بچے ہیں جو روزانہ دنیا میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسے حالات میں پیدا ہوتے ہیں جو انسان کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں اور ایسے حالات میں گذر کر پڑھتے ہیں کہ اگر کسی بالاجہتی کا تعویذ نہ ہو تو ان کے بڑے کی کوئی موت ہی نہیں ہو سکتی۔ ایک جانور کا بچہ صرف چند دن ہی اپنی ضرورتوں کو خود پورا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ بچوں کے بچے ایک یا دو بڑے ہفتہ میں اُن کے لگ جاتے ہیں۔ مرغیوں کے بچے تین چار ہفتہ میں ہی مائیں کو پورا کرنے لگ جاتے ہیں۔ جو پایوں کے بچے پیدا ہوتے ہیں انھیں دیر میں اچھنے کو دے لگ جاتے ہیں اگر انسان کا بچہ چھ سات مہینے بلکہ بعض دفعہ نو ماہ تک گودی میں اٹھائے رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات تو سات آٹھ بلکہ نو مہینہ تک وہ گھٹنوں کے بل چلنے کے بھی قابل نہیں ہوتا۔ پھر اُس کی غذا جس سے وہ پرورش پا سکتا ہے اس کی مال کی چھاتیوں میں ہوتی ہے کہیں دوا میں سال میں جا کر وہ دانت نکالتا ہے۔ بیشک ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو چھ یا سات مہینہ میں ہی اپنے دانت نکال لیتے ہیں یا نکالنے شروع کر دیتے ہیں مگر بالعموم ایسے دانت جن سے بچہ کسی قدر غذا حاصل کر سکتا ہے وہ بڑھ دو بلکہ اڑھائی سال کے بعد مکمل ہوتے ہیں اتنے عرصہ تک اپنی جان کو جو کھوں میں ڈال کر ایک عورت جو اپنے بچہ کی خدمت کرتی ہے یہ بغیر اس کے کبھی ممکن ہی نہیں تھا جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں پرورش کا خیال اور بچہ کی محبت پیدا نہ کر دی جاتی۔ یہ مدت خیال کر دو کہ صرف ماں ہونا ہی اس محبت کا موجب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ

نظر آتا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کی یہ دونوں صفات کہ وہ محجوب بھی ہے اور مصیبت بھی ہے اس رنگ میں لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہیں کہ کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ حیات انسان کے لئے خوشی کا موجب ہوتی ہے اور موت لوگوں کے لئے رنج کا موجب ہوتی ہے۔ دشمن کی بھی لاش پڑی ہوئی ہو تو مولے کسی شقی القلب انسان کے دوسرے انسانوں کے دلوں میں رحم کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بیس بیس تیس تیس سال کی دشمنیاں اس وقت دلوں سے نکل جاتی ہیں اور دشمن کی لاش دیکھ کر انسان کے دل میں سے مس وقت و ماہی نکلتی ہے۔ یا اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کیلئے دل میں رحم اور مہمردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر انسان جانتا ہے کہ جو دن اس پر آیا ہے وہ مجھ پر بھی آنے والا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو عالم الغیب ہے یہ دونوں مواقع نہ کی طور پر خوشی کا موجب ہونے ہیں اور نہ کی طور پر غم کا موجب ہوتے ہیں۔ جب کوئی بچہ کسی کے گھر میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے ماں باپ اور عزیز سمجھتے ہیں کہ ایک نیا جاندار دنیا میں نکلا ہے ایک رحمت کا نیا دروازہ ہمارے لئے کھلا ہے حالانکہ بسا اوقات پیدا ہونے والی روح دنیا کے لئے کئی قسم کے مصائب اور دکھوں کا موجب ہوتی ہے۔ اس کے رشتہ دار تو اس کی پیدائش پر خوش ہو رہے ہوتے ہیں لیکن آسمان پر خدا کے فرستے اُسکی پیدائش سے غمگین ہو رہے ہوتے ہیں۔

غرض پیدائش دنیا کے نزدیک ایک ہی نکتہ رکھتی ہے یعنی خوشی کا۔ کسی کی پیدائش پر تھوڑے لوگ خوش ہوتے ہیں اور کسی کی پیدائش پر زیادہ۔ لیکن آسمان کے فرستے کسی کی پیدائش پر اگر ان کے لئے رونا ممکن ہو تو آنسو بہاتے یا دوسرے الفاظ میں اپنے رنج کا

ماں کے جذبات اس کے اپنے اختیار پر نہیں اور اختیاری چیز ہی کسی انسان کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے جو چیز کسی انسان کے اختیار پر نہیں وہ اس کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے وہ تو لاکھ بچہ کسی کی طرف منسوب کر لی ہوگی۔ اور وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی ہی ہے جس نے ماں کے دل میں اپنے بچوں کی محبت پیدا کی اور اُسے پیدائش اور پرورش کی تکلیف برداشت کرنے کی طاقت دی چنانچہ ساہا سال تک وہ اپنے بچوں کو پالتی رہتی ہر پہلے نو ماہ تو وہ اپنے بچہ کو پیٹ میں اٹھاتی ہے۔ پھر دو سال اُسے گود میں اٹھاتی ہے۔ گویا اسطرح لائی سال تک ماں اپنے بچہ کی ہی ہو رہتی ہے تب کہیں پرورش پاتا ہے۔ مگر اس کے بعد وہ فارغ نہیں ہو جاتی بلکہ بالعموم اُسی وقت ایک دوسرے بچہ کی آمد شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح اپنی زندگی کا بہترین حصہ عورت اپنے بچوں کی پرورش میں لگا دیتی ہے پس یہ جذبہ محبت جو عورت کے دل میں اپنے بچوں کے متعلق پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ ورنہ اتنی محنت کی برداشت انسانی عقل کے ماتحت نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر خدا تعالیٰ یہ جذبات ماں کے دل میں پیدا نہ کرتا تو آہستہ آہستہ فلسفہ اول عقل کے ماتحت یا تو انسان اولاد پیدا کرنا ہی بند کر دیتے اور یا پھر ان کی پرورش کی طرف سے اپنی توجہ کلیتہً ہٹا لیتے۔

پھر خدا تعالیٰ کے مصیبت ہونے کا نظارہ بھی روزانہ نظر آتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں سینکڑوں آدمی روزانہ مرتے ہیں۔ چنانچہ کسی مٹرک پر چلے جاؤ۔ تمہیں جنازے گزرتے دکھائی دیں گے۔ چھوٹے نصیبات میں بھی پانچویں دھویں کوئی نہ کوئی موت ہوتی رہتی ہر چھوٹے گاؤں میں بھی سال میں دو تین موتیں ہو جاتی ہیں۔ پس موت کا یہ نظارہ بھی ہمیں کثرت دنیا میں

اٹھار کرتے ہیں۔ اور کسی کی پیدائش پر خواہ دنیا کے لوگ خوشی نہ منائیں فرشتے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں یہی حال موت کا ہے۔ موت کے وقت بھی دنیا کے ہر انسان کے رشتہ دار اور دوست تھوڑے ہوں یا بہت رنج محسوس کرتے ہیں۔ ایک ڈاکو مرتا ہے تو اس کے جوئی بھی خوش نہیں ہوتے کہ ہمارا باپ ڈاکو تھا۔ قاتل تھا۔ فتنہ و فساد پھیلاتا تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ مر گیا بلکہ اُن کی اُسی طرح چھین نکل جاتی ہیں جس طرح بڑے سے بڑے محسن اور نیک باپ کے بچوں کی اُس کی وفات پر نکل جاتی ہیں اور وہ دنیا کے لئے اس کی موت کو ایسا ہی خطرناک سمجھتے ہیں جیسے کسی بڑے سے بڑے مصلح کی وفات کو بلکہ شائد اس سے زیادہ جعفر مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ جب ہمارا جہ رنجیت سنگھ کی وفات ہوئی تو چونکہ اُن کے دور حکومت میں امن قائم ہوا تھا۔ اور وہ طوائف الملوک جو پہلے پھیلی ہوئی تھی جاتی رہی تھی اس لئے سکھوں کے علاوہ جو اُن کے ہم مذہب اور ہم قوم تھے ہندو اور مسلمان بھی عام طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اب اُن کی وفات کے بعد پھر نئے پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے اس لئے لوگوں میں ایک گہرا مچا ہوا تھا اور ہر شخص کے آنسو رواں تھے جن کے زیادہ گہرے تعلقات تھے وہ چھین مار رہے تھے۔ فرماتے تھے کہ کوئی چوڑا لاہور کے قریب سے گذرا اور اُس نے جب دیکھا کہ ہر شخص ماتم کر رہا ہے تو اُس نے کسی سے پوچھا کہ آج لاہور والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جس کو دیکھو رو رہا ہے جس کو دیکھو رو رہا ہے اُس نے کہا ہمیں پتہ نہیں۔ ہمارا جہ رنجیت سنگھ فوت ہو گئے ہیں۔ وہ بڑی حیرت کا اظہار کر کے کہنے لگا۔ اچھا! رنجیت سنگھ مر گیا ہے اور اس پر

لوگ دو رہے ہیں۔ پھر کہنے لگا۔ باپو ہواں جیسے مر گئے تے رنجیت سنگھ بکا رکس شمار وچ۔ یعنی جب میرے باپ جیسا آدمی مر گیا تو رنجیت سنگھ بھلا کس شمار میں تھا۔ اب ہمارا جہ رنجیت سنگھ کے ذریعہ بیشک امن قائم ہوا تھا۔ مگر چونکہ اُس چوڑے کا جو تعلق اپنے باپ سے تھا وہ ہمارا جہ رنجیت سنگھ سے نہیں تھا۔ اور سیاسی فوائد کو وہ مجھے کے قابل نہیں تھا اس لئے اُس کے نزدیک سب سے بڑی رنج کی بات اپنے باپ کی وفات تھی۔ اسی طرح کئی بادشاہ بڑے ظالم ہوئے ہیں۔ شائد ہلاکو خان ظالم مشہور ہے۔ مگر جب ہلاکو خان مرا ہو گا تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اُس کی بیوی اور بچوں کو دوسروں کی بیویوں اور بچوں سے کم صدمہ ہوا ہو گا۔ یقیناً نہیں ہلاکو خان کی وفات پر ایسا ہی صدمہ ہوا ہو گا جیسے نوشیروان عادل کی وفات پر اس کے بیوی بچوں کو ہوا تھا۔ حالانکہ نوشیروان عدل کی وجہ سے مشہور ہے اور ہلاکو خان ظلم کی وجہ سے مگر دونوں کے بیوی بچوں کو یکساں صدمہ ہوا ہو گا۔ بلکہ ممکن ہے ہلاکو خان کے بیوی بچوں کو احساسات کے زیادہ تیز ہونے کی وجہ سے نوشیروان کے بیوی بچوں سے بھی زیادہ صدمہ ہوا ہو۔ مگر آسمان پر یہ بات نہیں جس طرح پیدائش پر دنیا میں سارے بندے خوش ہوتے ہیں گو کسی کی پیدائش پر تھوڑے لوگ خوش ہوتے ہیں اور کسی کی پیدائش پر زیادہ لوگ خوش ہوتے ہیں مگر آسمان پر یہ بات نہیں۔ دہاں کسی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے اور کسی کی پیدائش پر رنج کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح موت کا حال ہے۔ موت پر سب لوگ رنج کا اظہار کرتے ہیں گو کسی کی موت پر تھوڑے لوگ رنج کا اظہار کرتے ہیں اور کسی کی موت پر زیادہ لوگ رنج کا اظہار کرتے ہیں مگر آسمان پر

یہ بات نہیں۔ وہاں کسی کی موت پر رنج کا اظہار کیا جاتا اور کسی کی موت پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پھر یہ جذبہ بھی اموات کے لحاظ سے نسیتی طور پر تقسیم ہو جاتا ہے اور فرشتوں کا رنج اور ان کی خوشی بعض دفعہ مرکب ہو جاتی ہے۔ یعنی فرشتے صرف رنج یا صرف خوشی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ان کی خوشی اور ان کا رنج ملا جلا ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی بد قسمت اور گنہگار انسان مرتا ہے یا ایسا ظالم انسان مرتا ہے جس نے دنیا کے سن کو برباد کیا ہوا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے ملائکہ خوش بھی ہوتے ہیں کہ بندوں کو اس ظالم انسان سے نجات ملی۔ اور وہ رنج بھی کرتے ہیں کہ اپنے موٹی کوراہی کرنے سے پہلے وہ شخص مر گیا۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ کے بزرگ اور بیک لوگ فوت ہوتے ہیں اور دنیا میں ان کی وفات کی وجہ سے کھرا بچا ہوا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کی محبت کے خیال سے خوشی منادے ہوتے ہیں۔ موت کیا ہے؟ موت اس دُنیا سے اگلے جہان میں جانے کا ایک دروازہ ہے۔ جس طرح کوئی معصوم یا محسن انسان کسی شہر میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کے رہنے والے خوشی مناتے ہیں لیکن جب وہاں سے نکلتا ہے تو وہ رنج کا اظہار کرتے ہیں مگر آگے جب کسی دوسرے شہر میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کے رہنے والے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ لوگ جو اپنی نیکی اور تقویٰ اور مقام قرب میں ملائکہ سے بڑھ کر ملکہ ملائکہ کو سبق دینے والے ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہے، وفات پا جاتے ہیں تو دنیا کے لوگ تو ان کی وفات پر رنج کا اظہار کرتے ہیں اور اس بات پر غمگین ہوتے ہیں کہ وہ اپنا درد ختم کر کے اگلے جہان چلے گئے۔ مگر فرشتے اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ اب وہ ہمارے ملک میں آگئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر

جب مدینہ میں کھرام پڑا ہوا تھا۔ جنت کے لوگوں میں کتنی خوشی سنائی جا رہی ہوگی۔ لوگ خدا اور اس کے فرشتوں کی زبان سے سنتے ہوئے کہ خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ دُنیا میں پیدا ہو چکا ہے اور وہ بہت بلند روحانی مقامات رکھتا ہے۔ ان باتوں کو سن کر جنہوں کے دلوں میں کتنی خواہش پیدا ہوتی ہوگی اور وہ کس طرح اس بات کے تصور سے خوش ہوتے ہوئے کہ کبھی یہ مبارک انسان ہم میں بھی آئیگا۔ پس جب فرشتوں نے آپ کی روح قبض کی ہوگی اور جب جنیتوں کو پتہ لگا ہوگا کہ اب ان کی سالہا سال کی امیدیں برائے لگی ہیں تو انہوں نے کیسی خوشی ظاہر کی ہوگی۔ مگر ہر حال یہ آسانی بات ہے زمین پر یہی ہوتا ہے کہ موت پر رنج کا اظہار کیا جاتا ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی یہ دو صفات ہیں دنیا میں کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح کئی انسان ایسے ہوتے ہیں جو دنیا نے دلاؤ کا موجب بنتے ہیں یا اس کی حیات کا موجب ہوتے رہتے ہیں مثلاً ماں باپ ہی ہیں وہ نئی نسلیں دنیا میں لاتے ہیں ڈاکٹر اور اطباء ہیں وہ مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ اسی طرح قوی خدمات کرنے والے لوگ ہیں جو ڈوبے ہوئے لوگوں کو بچاتے ہیں کہیں آگ لگ جائے تو بجھاتے ہیں۔ اسی طرح اور کئی واقعات اور حادثات جو رونما ہوتے رہتے ہیں ان میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی صفت محبت کے مورد ہوتے ہیں۔ اور اس کا ایک نمونہ ہوتے ہیں یحییٰ کئی لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ تباہیاں اور بربادیاں اور ہلاکتیں لاتے رہیں کہیں ان کی وجہ سے قتل ہو رہے ہوتے ہیں۔ کہیں قتل ہو رہے ہوتے ہیں۔ کہیں غارتگری کے واقعات رونما ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی صفت محبت کو ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی ہر صفت کی نقل کرنے والا انسان ضرور ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ کا

اور ذیہ قتل ایک ہوتا ہے۔ مگر ایک کے فعل پر تو برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور دوسرے کے فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنتیں اور لعنتیں نازل ہوتی ہیں۔ پس اپنی ذات میں مصیبت ہونا یا محجی ہونا کوئی اچھی یا بُری بات نہیں۔ اگر محجی ہونا خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت ہو تو اچھا ہوتا ہے۔ اگر مصیبت ہونا خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت ہو تو اچھا ہوتا ہے۔ لیکن اگر مصیبت یا محجی ہونا خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے خلاف ہو تو یہی بات بُری بن جاتی ہے۔

پس اسلام یہ سکھاتا ہے کہ اپنے کاموں کو ہمیشہ خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو۔ اور اس بات سے عبرت حاصل کرو کہ دنیا میں لوگ محجی ہو کر بھی ظالم ہوتے ہیں اور مصیبت ہو کر بھی ظالم ہوتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جو امتیاد کے سامان کر رہے ہیں مگر پھر بھی وہ ظالم ہیں اور کئی ایسے ہیں جو امتیاد کے سامان کر رہے ہیں مگر پھر بھی وہ ظالم ہیں۔ لیکن مومن کی یہ حالت نہیں ہوتی وہ محجی بنتا ہے تب بھی اُس پر رحم کیا جاتا ہے اور مصیبت بنتا ہے تب بھی اُس پر رحم کیا جاتا ہے۔ وہ قتل کرتا ہے تب بھی اُسے ثواب ملتا ہے اور پیدائش کا موجب بنتا ہے تب بھی اُسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ پس ایسے انسان بننے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس کے نتیجہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کی رضا حاصل نہ ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں ایٹم بم کی ایجاد کی وجہ سے بڑی بڑی حکومتیں پریشان ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ اس کا کوئی توڑ پیدا ہو تاکہ دنیا اُس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ ہو سکے۔ لیکن دوسری طرف اگر ہم غور کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی ہمیشہ ایٹم بم کرتا رہا ہے۔ اور ہر سال دنیا میں پچاس ساٹھ لاکھ انسان مرتے ہیں۔

مقبول ہو۔ خدا بیشک مصیبت ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قاتل کسی کو بلا وجہ قتل کر دے تو وہ یہ کہے کریں نے چونکہ فلاں شخص کو قتل کر کے خدا تعالیٰ کی صفت مصیبت کا اپنے آپ کو مظہر ثابت کیا ہے اس لئے میں بڑا مقرب ہوں۔ اگر وہ ایسا کیسا۔ تو اُس کا دعویٰ باطل غلط ہوگا کیونکہ بندے کو جن حالات میں مصیبت بننے کا حق حاصل ہے اُن حالات میں اگر وہ مصیبت بنتا ہے تب تو وہ بے شک خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے لیکن اگر ان حالات میں مصیبت نہیں بنتا تو وہ مقرب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ولادت خدا تعالیٰ کی احیاء کی صفت ہے مگر ناجائز ولادت کا موجب خدا تعالیٰ کی صفت محجی سے نسبت دے کر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا مقرب نہیں کہہ سکتا۔ صرف وہی شخص خدا تعالیٰ کی صفت محجی یا مصیبت کو پورا کرنے والا قرار پا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت ان صفات کا مظہر بنتا ہے۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے ماتحت محجی بنتا ہے تو بیشک وہ خدا تعالیٰ کا اس صفت میں مظہر بن سکتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ خدا تعالیٰ کی صفت مصیبت کا مظہر اس رنگ میں بنتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق ہو۔ تو خدا تعالیٰ کا مقرب ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ چنانچہ دیکھ لو جس وقت جہاد ہوتا ہے۔ دونوں فریق ایک سا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ بھی تلوار چلا رہا ہوتا ہے اور یہ بھی تلوار چلا رہا ہوتا ہے۔ کافر مومن کو مارتا ہے اور مومن کافر کو مارتا ہے۔ پس بظاہر اُن دونوں کا فعل یکساں ہوتا ہے مگر جب کافر کی تلوار سے ایک مومن گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ جاتا ہے اور فرشتے اس کافر پر لعنتیں ڈالتے ہیں لیکن جب کسی مومن کی تلوار سے ایک کافر گرتا ہے تو فرشتے خوش ہوتے ہیں اور مومن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ حالانکہ فعل ایک ہوتا ہے مقام ایک ہوتا ہے

بلکہ جب کسی دباؤں پڑتی ہیں تو اس سے بھی زیادہ انسان
مر جاتے ہیں۔ اندر گڑڑ ڈیڑھ گڑ تک یہ تعداد جا پہنچتی ہے
مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اس فعل سے
دنیا میں کبھی گھبراہٹ پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ صرف
یہی ہے کہ خدا تعالیٰ جہاں اپنے ایٹم ہم (یعنی جمیع موت)
سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو مارتا ہے وہاں اتنی ہی تعداد
کو پیدا بھی کر دیتا ہے۔ اور اس کے پاس اگر مارنے کی طاقت
ہے تو زندہ کرنے کی طاقت بھی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
باوجود لاکھوں اندر گڑڑوں انسانوں کے سالانہ مرنے کے
لوگوں میں گھبراہٹ کے آثار پیدا نہیں ہوتے۔ وہ جانتے ہیں
کہ ہمارا خدا تعالیٰ بھی ہے اور مصیبت بھی ہے۔ وہ ادراک
بھی جانتا ہے اور پیدا کرنا بھی جانتا ہے۔ مگر اب ایٹم ہم
یا اسی قسم کی اور ایجابات کے ذریعہ موت ایسے لوگوں کے
قبضہ میں آئی ہے جو صرف مارنا ہی جانتے ہیں جلانا نہیں
جانتے۔ اسی لئے لوگ ایسی چیزوں سے گھبرا اٹھتے ہیں۔
ورنہ دنیا میں لوگ یوں بھی تو مرتے رہتے ہیں لیکن کسی کو
گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ کسی عزیز رشتہ دار کے مرنے پر
اس کے واقعین دو چار روز تک رو دھو کر چپ ہو جاتے
ہیں اور تھوڑا عرصہ ہی گزرتا ہے کہ اسی گھر میں جہاں سے
تھوڑا عرصہ پہلے ماتم ادب چرخ و پیکار کی آوازیں آتی تھیں
ڈھول اور باجے بچ رہے ہوتے ہیں اور کسی خوشی کی تقریب کا
انتظام ہو رہا ہوتا ہے۔ غرض عزیز سے عزیز وجود کے مرنے
پر بھی انسان کے متعلقین میں جو گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے
وہ عارضی ہوتی ہے جو تھوڑے دنوں تک بالکل مفقود ہو
جاتی ہے۔ مگر دیکھ لو ایٹم ہم سے دنیا کتنی گھبرائی ہوئی ہے
اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے ساتھ موت تو واقع
ہو سکتی ہے مگر پیدائش کا کوئی انتظام نہیں۔ اگر اس کے
ساتھ پیدائش کا بھی انتظام ہوتا تو اتنی گھبراہٹ کبھی
نہ ہو سکتی۔ ہندوؤں میں ایک فرقہ ہے جس میں سائل ہوئے

لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ برہما جی پیدا کرتے ہیں اور شو جی
مارتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں برہما جی کے
مند رہیں ہیں اور شو جی کے بہت سے مندر ہیں۔ برہما جی
کا مزارے ہندوستان میں صرف ایک مندر ہے کہتے ہیں
اس فرقہ سے تعلق رکھنے والے ایک راجہ کے ہاں اولاد
نہیں ہوتی تھی۔ اُس راجہ نے اپنے دندار سے مشورہ کیا
کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی کیا کرنا چاہیے۔ دندار نے مشورہ
دیا کہ آپ برہما جی پرستش کریں لڑکا پیدا ہوگا۔ راجہ نے
پرستش شروع کر دی اور ساتھ ہی نذر نیا بھی مانی اور کہا
اے برہما! اگر میرے گھر میں بیٹا ہو تو میں اپنے راج میں
سب لوگوں سے ضروری ہی پرستش کرواؤنگا اور شو جی کی پرستش
چھڑا دوں گا تھوڑے عرصہ کے بعد اُس کے گھر میں بیٹا پیدا
ہوا۔ اور اُس نے شو جی کی پرستش سے تمام رعایا کو منع
کر دیا اور برہما جی کی پرستش شروع کرادی۔ کوئی عقلمند
راجہ اسے آکر بلا اور اُس نے کہا کہ تمہارا جتنا کام برہما جی
کے ساتھ تھا وہ تو پورا ہو گیا اور بیٹا پیدا ہو گیا۔ اس نے
بہتر ہے کہ اب شو جی ہمارا راج کی پوجا کی جائے تاکہ وہ غلط
میں آکر لڑکے کی جان نہ نکالے۔ راجہ نے اس بات کو سمجھ
لیا اور کہا اچھا آئندہ شو جی کی پرستش کی جایا کرے تاکہ
میرا لڑکا زندہ رہے۔ چنانچہ شو جی کی پوجا شروع ہو گئی
اور برہما جی کو بھلا دیا گیا۔ لڑکا جب بڑا ہوا تو اُس نے
کسی کی زبانی یہ سارا واقعہ سنا کہ مجھے برہما جی ہمارا راج نے
پیدا کیا تھا اور اب میرے والد نے برہما جی کو چھوڑ کر شو جی کی
پوجا شروع کر دی ہے۔ اس لڑکے کے اندر اخلاقی جرات
تھی۔ اُس نے سوچا کہ احسان کرنے والے کے احسان کی قدر
ہونی چاہیے تھی۔ اس لئے اُس نے فیصلہ کیا کہ میں تو برہما جی
کی ہی پوجا کرونگا۔ جب راجہ نے اپنے بیٹے کا یہ رویہ
دیکھا تو اُس کو فسکر ہوا کہ اگر میرے لڑکے نے برہما جی کی
پوجا کی تو شو جی ناراض ہو جائیں گے اور اس کی جان

نکال میں گئے۔ چنانچہ راجہ نے اپنے بیٹے کو ڈانٹا کہ برہمائی کی پوجا چھوڑ دو۔ لڑکے نے کہا۔ میں برہمائی کا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔ کچھ مدت باپ بیٹے کا اسی طرح جھگڑا چلتا رہا۔ جب کسی کے دل میں منہ پید ہو جاتی ہے تو وہ روکنے سے اور بھی بڑھتی ہے۔ بیٹے کے دل میں بھی ضد بڑھتی گئی اور باپ کے دل میں بھی بڑھتی گئی۔ آخر باپ نے ناراض ہو کر کہا۔ اے شوجی! اس کی جان نکال لے۔ شوجی نے لڑکے کی جان نکال لی۔ اس پر برہمائی شوجی پر سخت ناراض ہوئے اور کہا اس کی جان کیوں نکالی گئی ہے۔ اور انہوں نے پھر مرنے کو زندہ کر دیا۔ مگر شوجی نے دوبارہ اس کی جان نکال لی اور برہمائی نے پھر انکو زندہ کر دیا۔ اسی طرح دونوں میں طرانی شروع ہو گئی۔ یہ تو منہ دونوں کا عقیدہ ہے۔ مگر حقیقت بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اندر دو طاقتیں ہیں۔ ایک طاقت مارتی ہے اور دوسری پیدا کرتی ہے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مارنے کی طاقت تو دیدی ہے مگر پیدا کرنے کی طاقت نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا گھبراہٹھی ہے۔ اور جن ممالک کے پاس ایٹم بم نہیں ہیں وہ ہر وقت ہیسے ہوئے اور خوفزدہ رہتے ہیں اور دنیا کے کونے کونے سے آوازیں آتی رہتی ہیں کہ ایٹم بم کو لڑائی میں استعمال نہ کیا جائے مگر میں سمجھتا ہوں کہ ایٹم بم دنیا کو توجہ دلاتا ہے کہ انسانوں کے ہاتھ میں آئی چوٹی طاقت کس قدر تباہ کن اور ہلاکت خیز ثابت ہوتی ہے اور انسان اس طاقت کو کس طرح بے موقعہ اور بے محل استعمال کر کے ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور پھر اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ وہ یہ بھی کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اسکو اور بھی زیادہ مہلک بناؤں تاکہ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر تباہی مچا سکے اور زیادہ سے زیادہ انسانوں کو تھوڑے سے تھوڑے دست میں موت کے گھاٹ اتارا جاسکے۔ حالانکہ یہی چیز

اگر جائز ہر لحاظ سے بر محل اور باموقع استعمال کی جائے تو نئی نوع انسان کے لئے حدود جزع مفید ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس گھبراہٹ کا علاج صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اس خدا کی طرف رجوع کیا جائے جو مارنا بھی جانتا ہے اور چلانا بھی جانتا ہے۔ اس کے پاس یہ دونوں طاقتیں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی فرمایا ہے کہ ہمارا خدا سچا بھی ہے اور سمیت بھی ہے پس اسی کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیے جو لاکھوں کو مارتا ہے مگر کسی کے دل میں گھبراہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ کسی گھر میں ایک آدمی مرنے جاتا ہے تو اس کے دو متعین دو چار دن تک اس پر رود و دھوکہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ مگر تھوڑے دن نہیں گزرتے کہ اسی گھر میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو مبارک مبارک کے الفاظ کہے جا رہے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے۔ اس لئے ہمیں بھی خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے انسان کی طاقتیں صرف سطحی ہوتی ہیں۔ جب تک خدا تعالیٰ کا منہ اس دنیا کو قائم رکھنے کا ہے۔ اس وقت تک ایٹم بم کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ خدا ان سب مارنے والوں کو بھی مار سکتا ہے اور ایسے سامان بھی پیدا کر سکتا ہے جن سے یہ ایٹم بم سب بیکار ہو کر رہ جائیں۔ پس انسان کو ان تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر روحانیت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور صرف خدا تعالیٰ کی پرستش کرنی چاہیے۔ جو سمیت تو ہے مگر ساتھ ہی محبت بھی ہے یعنی گودہ مارتا بھی ہے مگر پھر وہ زندہ بھی کرے گا۔ اور اس طرح موت کے بعد بھی اس کی طرف سے فیروزی خیر ملے گی۔ موت کا ایک عارضی زمانہ ہوگا اور آخر میں انسان کے لئے صرف حیات ہی حیات رہ جائیگی۔

پھر فرماتے ہیں وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ میرا ب وہ ہے جس کے متعلق

مجھے امید ہے کہ وہ نتائج کے ظہور کے وقت میری کمزوریوں پر پردہ ڈالتے ہوئے اپنا فضل میرے سوالِ حال رکھیں گا اور مجھے کامیابی اور کامرانی عطا فرمائیگا۔

اس آیت میں جو غصہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے معنی صرف گناہوں کی معافی کے نہیں بلکہ کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے بھی ہیں۔ چنانچہ عربی زبان میں جب غَفَرَ الشَّيْءَ غَفْرًا اَمْسَی تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ مَسْكُوًّا كَمَسِيٍّ كَوْنَهُ دُحَانًا دُيَا۔ اور جب غَفَرَ الْمَنَاعَ فِي الْوَعَاءِ کہا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اَحْضَلَهُ وَ سَتَرَهُ۔ سامان کو کسی ٹریک یا تھیلے میں بند کر کے محفوظ کر دیا۔ اور جب کسی کے متعلق غَفَرَ اللَّهُ ذَنْبَهُ لَكَ لَفْظ استعمال کے جائیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں عَطِيَ عَلَيْهِ وَ عَفَا عَنْهُ۔ خدا تعالیٰ نے اس کے قصور کو ڈھانپ دیا اور اُس کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا۔ اقرب اسی طرح غَفِیْنَتْ لَكَ کا لفظ اَشْرَ کا لفظ تو صرف ایسے قصور کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو عمدہ اور ارادہ کیا جائے لیکن غَفِیْنَتْ کا لفظ اُن بشری کمزوریوں کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے جن میں ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح یَوْمُ کا لفظ صرف دن کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ وقت اور زمانہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بعض جگہ یَوْمُ کا لفظ ایک ہزار سال کے لئے اور بعض جگہ پچاس ہزار سال کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ محاورہ عرب میں بھی یَوْمُ زمانہ اور وقت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے یَوْمًا یَوْمٌ مِّنْ دَمِي وَ یَوْمٌ مِّنْ طَعَانِ

(لسان العرب و تاج العروسی)

یعنی اس شخص کے دُور ہی یوم ہیں۔ ایک سخاوت کرنے کا یوم اور ایک نیزہ مارنے کا یوم۔ اس جگہ یوم وقت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور شاعر اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی زندگی کے کام صرف دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ اس کا کچھ وقت تو سخاوت کے کاموں میں خرچ ہوتا ہے اور کچھ وقت لڑائی میں بسر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ نَبَاكَ اَيَّامُ الْهَرَجِ یہ فتنہ کے ایام ہیں اور مراد یہ ہے کہ یہ فتنہ کے اوقات ہیں۔ اس جگہ بھی یہ وقت اور زمانہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ باقی رہا دین کا لفظ سو اس کے بھی عربی زبان میں کئی معانی ہیں۔ دین کا لفظ اطاعت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جزاء اور مطابق عمل نتیجہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قضا اور فیصلہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہمت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حساب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ غلبہ اور تفوق کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حکومت اور بادشاہت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تدبیر کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عادت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ طریق عبادت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ پریز گاہی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حل کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بلند شان کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سیرۃ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

پس یَوْمُ الدِّین کے معنی صرف قیامت کے نہیں کہ اس دعا کو آخری جزاء نماز کے دن کے لئے مخصوص سمجھا جائے بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے دین کے ایک معنی جزاء اور مطابق عمل نتیجہ کے بھی ہوتے ہیں پس حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے رب پر امید ہے کہ جب میرے اعمال کا نتیجہ نکلے گا تو وہ میری کمزوریوں پر پردہ

مَرَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَٱلْحَقِّنِي ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿۸۳﴾ وَ

اے میرے رب! مجھے صحیح تعلیم عطا کر۔ اور نیکیوں میں شامل کر۔ اور بعد میں

اُجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِی

آنے والے لوگوں میں ایک ہمیشہ قائم رہنے والی تعریف مجھے بخش۔ اور مجھے

کوشش کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ انہی معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اپنی طاقت کے مطابق تو خدا تعالیٰ کی توحید پھیلانے کے لئے رات اور دن جدوجہد کر رہا ہوں مگر میری یہ جدوجہد اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نصرت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے میں اُسی سے مدد کا طلب گار ہوں۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ جب ان کوششوں کے نتائج کا ظہور ہوگا تو اس وقت اللہ تعالیٰ میری حقیر کوششوں میں برکت پیدا فرمائیں گا اور اگر کوئی خامی بشریت کی وجہ سے میرے کاموں میں رہ بھی گئی تو اس کی کو اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا فرمادینا اور مجھے اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائیں گا۔ پھر جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے دین کے ایک معنی غلبہ کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے وَالَّذِیْ اٰطَعَا اَنْ یَّغْفِرَ لِيْ غَیْلَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ کے یہ معنی ہونگے کہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ روحانیہ کی ترقی کے زمانہ میں بھی جسکی ترویج میرے ہاتھ سے ہو رہی ہے میری بشری کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسے سامان پیدا فرمائیں گا کہ جن کے نتیجہ میں تبلیغ اور تربیت کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس کے دین کی کشتی ہر قسم کے حوادث کے تھپیڑوں سے بچتی ہوئی ساحل مُراد پر کامیابی پہنچ جائیگی حقیقت یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کا غلبہ جہاں اپنے اندر بڑی بھاری بنیاد رکھتا ہے۔ وہاں یہ غلبہ

ڈالتے ہوئے اپنی رحمت میرے شامل حال رکھیں گا۔ اور مجھے اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے گا۔ وہ لوگ جو روحانیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں یہ خیال کر لیتے ہیں کہ انسان اسی صورت میں مغفرت کا طلبگار ہوتا ہے جبکہ وہ گناہ آلود زندگی بسر کر رہا ہو۔ مگر یہ خیال اُن کی عربی زبان سے کئی ناواقفیت اور روحانی کوچہ سے قطعی طور پر نا آشنا ہونے کا ثبوت ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان اس بات کا محتاج ہے کہ خدا اُسے اپنے لئے اور سے حصہ عطا فرمائے۔ اُسے اپنی طاقت سے طاقت بخشے اور اپنے علم سے علم عطا کرے جس طرح انسانی آنکھ سورج کی روشنی کے بغیر بیکار ہے اور انسانی کان ہوا کے توسط کے بغیر دوسرے کی آواز سُننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہر انسان خواہ وہ خدا تعالیٰ کا نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو خدائی طاقت اور اُس کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے سکھایا ہے کہ ہر انسان پانچ وقت نماز کی ہر رکعت میں خدا تعالیٰ سے یہ کہے کہ اَیُّاكَ نَعْبُدُ وَ اَیُّاكَ نَسْتَعِیْنُ یعنی اے خدا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں مگر یہ کام ایسا ہے جس میں صرف ہماری کوشش اور ارادہ ہمیں کامیاب نہیں کر سکتا بلکہ اس میں کامیابی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہماری کوشش کے ساتھ تیری مدد بھی شامل ہو جائے۔ جب یہ دونوں چیزیں مل جائیں گی۔ تب کوئی نتیجہ پیدا ہوگا ورنہ محض ہماری

مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝۸۶ وَاعْفُرْ لِأَبْنِي إِنَّهُ

نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا ۔ اور میرے باپ کو معاف کرنے دے

كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۸۷ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝۸۸

بھٹک جانے والوں میں سے تھا ۔ اور جس دن لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں مجھے اُمدن دے دے نہ کیجیو ۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝۸۹ إِلَّا مَنْ

جس دن کہ نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے (نفع دیں گے) ۔ ہاں (وہی نفع پائیگا) جو

أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝۹۰

اللہ تعالیٰ کے پاس ایک تندرست دل لے کر آئے گا ۔ ۱۷۹

اپنے فضل سے خود ہی ایسے سامان پیدا فرما دے گا کہ
جن کے فیجہ میں آنے والوں کی تربیت ہوتی رہے اور
وہ اخلاص اور فدائیت کی درجہ کے ساتھ اُس کے
دین کے جھنڈے کو ہمیشہ بلند رکھیں ۔

۱۷۹ حل لغات: الْحَكْمُ - الْحُكْمُ
بالشئ ع کے معنی میں اَنْ تَقْضِيَ بِأَنَّهُ كَذَا أَوْ كَيْفَ
بَلْكَذَا سَوَاءً أَلَزَمْتَ ذَلِكَ غَيْرَكَ أَوْ لَمْ تُلْزِمَهُ
یعنی کسی امر کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ اُس کی صحیح صورت
کیا ہے ۔ خواہ وہ بات دوسروں پر واجب کی جائے یا
نہ کی جائے ۔ دَ الْحَكْمُ أَحَقُّ مِنَ الْحُكْمَةِ فَكُلُّ
حُكْمَةٍ حُكْمٌ یعنی عربی زبان میں دو لفظ استعمال
ہوتے ہیں ایک حُكْمٌ ہے اور دوسرا الْحُكْمَةُ ہے
اور حُكْمٌ کا لفظ عام ہے اس لئے اس کے ماتحت
حُكْمٌ کے سارے معنی آجاتے ہیں: مفردات

الْحُكْمَةُ کے معنی میں اِصَابَةُ الْحَقِّ بِالْعِلْمِ وَ
الْعَقْلُ یعنی درست بات کو علم اور عقل سے معلوم کر لینا
اور پالینا (مفردات)

اپنے اندر ایک انذار کا پہلو بھی لئے ہوئے ہوتا ہے کیونکہ
اس وقت ہزاروں ہزار لوگ سلسلہ روحانیہ میں شامل
ہو جاتے ہیں ۔ اور چونکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے دین کے
لئے کسی قسم کی تکلیف برداشت نہیں کی ہوتی اور پھر
مذہبی تعلیم سے بھی بہت حد تک ناواقف ہوتے
ہیں اس لئے ان کے اندر کئی قسم کے بگاڑ پیدا ہو جاتے
ہیں ۔ وہ منہ سے تو بے شک ہر قسم کے عقائد کا اظہار
کرتے ہیں مگر اُن کا عمل اپنے دعویٰ کے مطابق نہیں
ہوتا ۔ اور وہ دین میں داخل ہوتے ہوئے بھی دین کی
عائد کردہ پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں ۔
اور اس طرح قومی تزلزل کا بیج پورش پانے لگتا ہے
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی معرفت کی آنکھ سے
اس بیج کو دیکھا اور انہوں نے اس کے ازالہ کے لئے
اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری نسل میں سے کوئی میرا ساتھ ہی
اس اُمید کا بھی اظہار کیا کہ میرا رب میرا ساتھ دیگا ۔
اور وہ میری اس بشری کمزوری کو نظر انداز کرتے ہوئے
کہ کوئی ایک انسان ہزاروں لوگوں کی تربیت نہیں کر سکتا

دعا فرمائی کہ اے میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیک اور پاک لوگوں میں شامل کر دے۔

حکمر کے اصل معنی جیسا کہ امام زاغرب نے اپنی مشہور کتاب مفوات میں لکھا ہے اصلاح کی خاطر کسی کام سے روکنے کے ہوتے ہیں۔ اسی درجہ سے جانور کی نگاہ کو حکمت کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعہ جانور کو روکا جاتا ہے اور الحکم بالشیء کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ کسی امر کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ اسے کس طرح سراہا دیا جائے خواہ وہ بات دوسروں پر واجب کی جائے یا نہ کی جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حکم کا لفظ صرف کسی فیصلہ پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس بات پر بھی دلالت کیا کرتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی معقول وجہ کام کر رہی ہے۔ چنانچہ اسی سے حکمت کا لفظ نکلا ہے جس کے معنی فلسفہ کے ہیں۔ پس حکم کا لفظ صرف نذر اور رطاق کے ساتھ کوئی بات منوانے کے لئے نہیں آتا بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی اہم مقصد کام کر رہا ہے اور اس پر عمل کرنے میں خود انسان کا اپنا فائدہ ہے۔ بلا سوچے سمجھے محض اپنی حکومت جتانے کے لئے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کا اہم مقصد خدا تعالیٰ کی توحید پھیلانا تھا۔ اور اس مقصد کے حصول میں اسی صورت میں کامیابی ہو سکتی تھی جبکہ آپ کی ہر بات حکمت کے ساتھ تعلق رکھتی ہو اور وہ دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے والی ہو۔ اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الہی: تو مجھے ایسی تعلیم عطا فرما جس کی کوئی بات حکمت کے خلاف نہ ہو تاکہ لوگ اُس کو بے اشتباہ قلب کے ساتھ قبول کریں اور انا عجب ہدایت کے راستے کھلتے چلے جاؤں۔

مفسرین میں سے بعض نے اس جگہ حکم سے نبوت اور رسالت مراد لی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس جگہ

اقرب الموارد میں ہے۔ الْحُكْمَةُ - الْقُدْرَةُ وَالْحِلْمُ وَالْعِلْمُ وَالنَّبُوَّةُ - یعنی حکمت کے معنی انصاف - علم - بردباری اور نبوت کے ہیں۔ اسی طرح اس کے معنی ہیں مَا يَنْتَعَزُ مِنَ الْعَجَلِ ہر وہ بات جو جہالت سے روکے۔ وَقِيلَ كُلُّ كَلَامٍ مُؤَافِقٍ الْحَقِّ ہر وہ بات جو حق کے مطابق ہو اُس کو بھی حکمت کہتے ہیں وَقِيلَ وَضَعُ الشَّيْءِ عَرَفِي مُوَضِعَهُ وَصَوَّبُ الْقَمَرِ وَصَدَّادُ - اور بعض ماہرین لغت کہتے ہیں کہ کسی چیز کا بر محل استعمال حکمت کہلاتا ہے۔ (اقرب)

بِسَانَ صِدْقٍ: مفورات میں ہے کہ يُعْبَرُ عَنْ حُلٍّ يُفْعَلُ فَاصْبِلْ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا بِالْعَدَّةِ ہر وہ امر جو ظاہری اور باطنی لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا ہو اس کے ساتھ صدق کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ جو حضرت ابراہیم کی دعا آتی ہے کہ وَاجْعَلْ لِّي بِسَانَ صِدْقٍ اس سے یہ مراد ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ایسا بنائے کہ آنے والی نسلیں جو ہمارا ذکر خیر کریں تو وہ درست ہو اور خلاف واقعہ نہ ہو (مفورات) اقرب الموارد میں ہے کہ بِسَانَ الصِّدْقِ اچھے ذکر کو کہتے ہیں۔

سَلِيمٌ: السَّلَامَةُ کے معنی میں اَلتَّعَاضُوتِ وَالْخَافِئِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ - ظاہری اور باطنی ہرسم کی خواہشوں سے پاک ہونا (مفورات) پس قَلْبٌ سَلِيمٌ کے معنی ہونگے۔ ایسا دل جو ہر قسم کی خواہشوں سے پاک ہو۔ تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ اللہ تعالیٰ پر ایک بہت بڑی امید کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے آپ نے سمجھا کہ اب میرا فرض ہے کہ میں خود بھی اُس کے آستانہ پر ٹھیک جاؤں اور اس سے دعا کروں کہ وہ میری اس خواہش کی تکمیل کے سامان پیدا فرمائے اور مجھے ایسی توفیق بخشے کہ میں اس کے پیغام کو احسن طریق پر لوگوں کو پہنچاتا چلا جاؤں۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو

بِسَانَ صِدْقٍ

سَلِيمٌ

(انعام ۷) اچھی طرح سن لو کہ فیصلہ الہی کے اختیار میں ہے اور وہ حساب لینے والوں میں سے سبک جلدی حساب لینے والا ہے۔

بعض جگہ حکم کا لفظ احکام الہیہ اور تعلیم مذہبی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرمایا کہ دَکَيْفَ يُحْكِمُكَ نَاكَ وَعِنْدَا هُمُ التَّوْرَةُ فَبَيْنَهَا حُكْمُ اللَّهِ (مائدہ ۷) وہ لوگ تجھے کس طرح حکم بنا سکتے ہیں جبکہ ان کے پاس تواریخ موجود ہے جو خود ان کے نزدیک احکام الہی اور مذہبی تعلیم پر مشتمل ہے۔

بعض جگہ حکم کا لفظ عہدہ نبوت کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فَوَهَبْ لِي سَرَاتِي حُكْمًا وَجَعَلْنِي مِنْ الْمُتَوَسِّلِينَ (شعرا ۷) اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم یعنی عہدہ نبوت عطا فرمایا۔ اور مجھے رسولوں میں ایک رسول بنا دیا۔

غرض حکم کا لفظ قرآن کریم میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس جگہ سیاق کلام بتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل اور دماغ پر یہ بات حاوی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا ہے وہ بخیر و خوبی یا یہ تکلیف تک پہنچے اور کوئی ایسی خرابی پیدا نہ ہو جو اس روحانی عمارت کو متزلزل کرنے والی ہو جس کی بنیادوں کو استوار کرنے کے لئے مجھے کھڑا کیا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ کام الہی مدد کے بغیر سرانجام نہیں دیا جاسکتا تھا اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی کہ الہی تو خود مجھے قلبہ عطا فرما۔ تو خود مجھے دینی معاملات میں صحیح فیصلہ کرنے کی فراست عطا فرما اور خود مجھے ان احکام کے نفاذ کی طاقت بخش جن کو قبول کرنے کے لئے فطرت صحیحہ خود بخود ڈھکی چلی آتی ہے۔

حکم سے علم و فہم مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کی معرفت مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس جگہ حکم سے مراد لوگوں کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی طاقت ہے۔ یہ تمام توجہات صرف اسوجہ سے کی گئی ہیں کہ مفسرین نے سیاق کلام کو مد نظر نہیں رکھا اور جو کچھ کسی کے ذہن میں آیا وہ اس نے سننے نہ کر دیئے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں حکم کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے بعض جگہ حکم کا لفظ حکومت اور غلبہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (جاثیہ ۷) ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت بخشی تھی۔ اسی طرح فرماتا ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يُلْهِىَ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ يَدَّائِي سُبْحَانَكَ عِبَادُ اتَّبِعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ (زال عمران ۷) کسی انسان کے یہ شبان شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اسے کتاب اور حکومت اور نبوت دے اور وہ یہ کہنے لگ جائے کہ تم خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

بعض جگہ حکم کا لفظ فیصلہ کرنے کی فراست کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَنَمَّا بَلَّغْ أَشْدَاكَ أَتَيْنَاكَ حُكْمًا وَجَلْمًا (یوسف ۷) جب وہ اپنی توت اور مضبوطی کی عمر کو پہنچا تو ہم نے اسے فیصلہ کرنے کی فراست بخشی۔ اور اپنے پاس سے علم عطا فرمایا۔

بعض جگہ حکم کا لفظ صرف فیصلہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَحُكِّمَ الْعَبَادُ لِهَيْلِيَّةٍ يَتَّبِعُونَ (مائدہ ۷) کیا یہ لوگ کلام الہی کے نازل ہونے سے پہلے کے فیصلہ کو پسند کرتے ہیں یا فرماتا ہے أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ۔

گویا تیرے احکام کو لوگ قبول تو کریں مگر ڈنڈے کے زور سے نہیں بلکہ اس لئے کہ خود ان کی عقل اور ان کی فطرت ان احکام کی عظمت اور برتری کو تسلیم کرتی ہو۔ وَالْحَقِّقَتِیْ بِالصَّلَاحِیْنَ اور اے میرے رب! مجھے نیک اور پاک لوگوں میں شامل فرما۔ اس دُعائیں یہ بات غور کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی کے مُنہ سے جس کی نجات اور جس کا قرب یقینی ہے یہ دُعا جاری ہوئی ہے۔ اگر تو کسی ایسے شخص کی زبان پر یہ دُعا جاری ہوتی جسکی نجات اور جس کا قرب غیر یقینی ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ اُس نے یہ دُعا اپنی نجات اور اپنے قرب کے لئے مانگی ہے۔ کیونکہ اس کی نجات یا قرب یقینی نہیں تھا۔ مگر انبیاء کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی نجات غیر یقینی ہے۔ اگر انبیاء کی نجات یقینی نہ ہو اور اگر انبیاء کا قرب یقینی نہ ہو تو پھر دنیا میں کسی کی نجات اور کسی کا قرب بھی یقینی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ماحور اور اس کے مرسل تو وہ لوگ ہیں جو اپنے دُعوی سے پہلے ہی نجات یافتہ ہوتے ہیں۔ مگر وہ نجات یافتہ نہ ہوں تو دوسروں کو نجات دلانے کے لئے وہ کس طرح کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی نجات کے لئے کھڑا ہونا بتاتا ہے کہ وہ پہلے ہی نجات یافتہ ہوتے ہیں۔ اور جب انبیاء کی یہ حالت ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص جو دنیا کا رہنما بنا کر بھیجا گیا جس کے متعلق لوگوں کو یہ کہا گیا کہ اگر تم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی اقتدا کرو۔ اُس نے یہ دُعا کیوں کی کہ الْحَقِّقَتِیْ بِالصَّلَاحِیْنَ مجھے صالحین کے ساتھ شامل کیجیو۔ کیا اس دُعا کے یہ معنی ہیں کہ وہ نعوذ باللہ صالحین میں سے نہیں تھے یا اس کا کوئی اور مفہوم ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ بعض دفعہ لفظ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر مواقع اور حالات اختلاف

کی وجہ سے دوسری جگہ اُس کا مفہوم بالکل بدل جاتا ہے اس کی موٹی مثال یوں سمجھ لو کہ عام طور پر جس قدو قامت کو میانہ قرار دیا جاتا ہے بعض ممالک میں اس کو چھوٹا یا لمبا سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ناروے کے لوگ انگلستان اور دوسرے کئی ممالک کے باشندوں سے بہت لمبے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ناروے کی دُڈ پادری عورتیں سمیر دسیاحت کی غرض سے ہندوستان میں آئیں تو وہ دونوں اتنی لمبی تھیں کہ عام آدمیوں سے وہ ڈیڑھ ڈیڑھ باشت اونچی تھیں۔ اب یہ تو نہیں تھا کہ ناروے والوں نے سارے ملک میں سے جھانٹ کر انہی دو عورتوں کو بھیجا تھا تاکہ اُن کے قد کی لمبائی کا دوسروں پر اثر ہو۔ بلکہ ناروے کی صا رہی آبادی ہی لمبے قد والی ہے پس لمبائی کا معیار ناروے میں جاکر بالکل بدل جائیگا۔ مثلاً ایک شخص جس کا قد پانچ فٹ چھ انچ ہو وہ ہمارے ہاں میانہ قد والا کہلائیگا۔ لیکن نیپال کے علاقہ میں وہ لمبا کہلائیگا۔ اور ناروے میں جاکر وہ ٹھٹھنا کہلائے گا۔ اسی طرح رنگ کو لے لو۔ ہمارے ہاں جس آدمی کا رنگ ذرا صابھی اُجلا ہو اُس کو گورا کہنے لگ جاتے ہیں مگر انگلستان والے اس کو کالا کہیں گے۔ اور پھر وہی شخص جب حبشیوں میں جائیگا تو اس کو سفید کہا جائے گا۔ بلکہ حبشیوں میں تو جس شخص کو ہم سانوے رنگ والا کہتے ہیں اُسے بھی سفید رنگ والا کہا جاتا ہے۔ ہمارے سابق مبلغ افریقہ مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کا رنگ سفید نہیں تھا بلکہ گندموں تھا۔ مگر جب وہ افریقہ گئے تو وہاں اُنکی حبشی لوگ سفید رنگ والا کہتے تھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے ہاں بزرگوں کی پریشنگو مایاں موجود ہیں کہ جب ہمارے ملک میں سفید رنگ والا مبلغ آئے گا تو بہت زیادہ ترقی ہوگی۔ میں جس طرح رنگ اور قد کے معنی مختلف علاقوں میں بدلتے رہتے ہیں

یہی طرح صالح کے معنی بھی مختلف حالات میں بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (سورہ آیت ۷۷) میں صالحیت کو سب ادنیٰ مقام قرار دیا ہے اور دوسری طرف حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کے متعلق فرمایا کہ كَانَتْ تَخْتُ الْعَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ (تحریم آیت ۱۱) وہ دونوں ہمارے صالح بندوں کے نکاح میں تھیں۔ حالانکہ نوحؑ اور لوطؑ دونوں نبی تھے۔ اسی طرح حضرت اسماعیلؑ اور حضرت یعقوبؑ کے متعلق فرمایا ہے وَكُلًّا بَخَلْنَا صَالِحِينَ (انبیاء آیت ۷۲) ہم نے ان سب کو صالح بنایا۔ حالانکہ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت یعقوبؑ بھی نبی تھے۔ پھر حضرت یحییٰؑ علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ نَبِيًّا حَنِيفًا مِلَّةَ الْغَالِبِينَ (آل عمران آیت ۴۰) وہ مہین میں سے نبوت کا مقام حاصل کرے گا۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کے متعلق آتا ہے کہ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران آیت ۴۷) وہ چھوٹی عمر میں بھی لوگوں سے کلام کرے گا اور بڑی عمر میں بھی اور صالحین میں سے ہوگا۔ حالانکہ حضرت یحییٰؑ، عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح کے لفظ کا استعمال مختلف معانی رکھتا ہے جب ایک عام فرد یہ دُعا کرے کہ اَلْحَقِّقْنِي بِالصَّالِحِينَ تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اے خدا! مجھے صالحیت کا مقام رکھنے والوں میں شامل فرما۔ اور جب ایک شخص یہ دُعا مانگے گا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ■ شہداء کی معیت کا خواہشمند ہوں اور جب ایک شہید یہ دُعا مانگے گا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ مدینوں

میں شامل ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ اور جب ایک مدین یہ دُعا مانگے گا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ اپنے سے بالا درجہ کے صدیقوں یا غیور کی معیت کا خواہمند ہے۔ اور جب ایک نبی یہ دُعا مانگے گا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ اپنے مقام سے بالا مقام رکھنے والے انبیاء کی معیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا گو ہے گویا ہر جگہ اس کے معنی بدلتے چلے جائیں گے۔ جب صالح کا لفظ ایک عام فرد کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے اور معنی ہونگے۔ اور جب صالح کا لفظ شہید اور مدین کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے اور معنی ہونگے اور جب ایک نبی کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے اور معنی ہونگے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے قرآن کریم میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو فرماتا ہے کہ تم مت کہو ہم ایمان لے آئے ہیں۔ تم صرف اتنا کہو کہ اَسْلَمْنَا (حجرات آیت ۱۵) ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْتُ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (بقرة آیت ۱۲۲) جب اُس کے رب نے اُسے کہا کہ ہمارا فرمانبردار بن کر تو اُس نے جواب میں کہا کہ میں تو پہلے ہی رب العالمین کی فرمانبردار بن گیا ہوں۔ گویا ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایمان کا ابتدائی قدم قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اسلام کو ایمان اور معرفت کا انتہائی قدم قرار دیا ہے اسی طرح ایک لحاظ سے تو سارے انسان ہی خدا تعالیٰ کے عبد ہیں مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی عبد اللہ کا لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے (سورہ جن آیت ۲۰) اور صوفیاء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ناموں میں سے سب سے بڑا نام آپ کا عبد اللہ ہی ہے۔

آب یوں تو سب انسانوں کو خواہ وہ مومن ہوں یا کافر
عبداللہ کہا جائیگا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہی
پیدا کیا ہے لیکن جب یہ لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے معنی عام معنوں سے
مختلف ہونگے اور اس سے مراد یہ ہوگی کہ صرف آپ
ہی ایک ایسے وجود میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبودیت
کو اپنے انتہائی کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اسی طرح ایک
صالحیت کا مقام تو وہ ہے جو صدیقیت اور شہادت
سے بھی نیچے ہے۔ اور ایک صالحیت کا مقام وہ ہے
جس کے لئے انبیاء بھی دعائیں کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے غیر مستحق ہی مدارج ہیں اور
انسان کسی مقام پر بھی کھڑے ہو کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ
اُس نے تمام مدارج کو طے کر لیا ہے۔ پس وہ دعائیں
کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ترقی دے
اور انہیں ان لوگوں کی معیت عطا کرے جنہیں اُن سے
بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کا قرب حاصل
ہے۔ آخر معراج کی رات جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے مختلف انبیاء سے ملاقات کی تو وہ تمام انبیاء ایک
ہی آسمان پر تو نہیں تھے بلکہ اُن میں سے کوئی پہلے آسمان
پر تھا کوئی دوسرے آسمان پر تھا۔ کوئی تیسرے آسمان پر
تھا۔ کوئی چوتھے آسمان پر تھا۔ کوئی پانچویں آسمان پر
تھا۔ کوئی چھٹے آسمان پر تھا اور کوئی ساتویں آسمان پر
تھا۔ پس چونکہ انبیاء میں بھی مدارج کا بڑا بھاری فرق
ہے۔ اس لئے جب ایک نبی یہ دعا کرے گا کہ اَلْحَقِّیْ
بِالصَّالِحِیْنَ تو اس کے یہ معنی نہیں ہونگے کہ وہ
اس صالحیت کے مقام کے لئے دعا کر رہا ہے جو شہادت
سے بھی نیچے ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ اُن
لوگوں کی معیت کے لئے دعا کر رہا ہے جو اُس کے علاوہ
رکھنے والے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے

غیر محدود مراتب ہیں اور جب کسی شخص کو ایک مقام حاصل
ہو جائیگا تو اس سے اگلے مقام کے حصول کی خواہش
اُس کے دل میں پیدا ہو جائے گی۔ اور جب وہ بھی اُسے
حاصل ہو جائے گا تو پھر اس سے اگلے مقام کی تڑپ
اُس کے دل میں پیدا ہو جائیگی اِسلئے اَلْحَقِّیْ بِالصَّالِحِیْنَ
کی دعا بھی ہمیشہ جاری رہے گی۔ اور کبھی کوئی ایسا وقت
نہیں آئے گا جب اس دعا سے مستغنی ہو سکے۔
درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا
مانگ کر دنیا کو ایک بہت بڑا سبق سکھایا ہے۔ آپ
نے بتایا ہے کہ کسی شخص کو خواہ کتنا بلند مقام حاصل
ہو چکا ہو یہ کبھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ اُس نے ترقی کے
تمام مدارج کو طے کر لیا ہے۔ کیونکہ حب بھی یہ خیال
اُس کے دل میں پیدا ہوگا وہ تنزل کی طرف گرنا شروع
ہو جائیگا۔ قوموں کی تباہی اور ان کے دوبار کی بڑی
وجہ یہی ہوا کرتی ہے کہ بعض دفعہ افراد یہ خیال کر لیتے ہیں
کہ انہوں نے ترقی کے تمام مدارج طے کر لئے ہیں جب
یہ دوسمہ اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو وہ
تنزل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اُس دنیا کو
ایسا متحرک بنایا ہے کہ کوئی ذرہ ایسا نہیں جو حرکت
نہ کر رہا ہو۔ کسی کی حرکت دائرہ کی صورت میں ہوتی ہے
اور کسی کی حرکت آگے کی طرف ہوتی ہے۔ بہر حال کوئی
ذرہ ایسا نہیں جو متحرک نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے انسانی
زندگی کا مرکز قلب بنایا ہے اور وہ بھی ہر وقت
حرکت کرتا رہتا ہے۔ اگر اُس کی حرکت سکون کے بدل
جائے تو اُمی دقت انسانی زندگی ختم ہو جائے۔ یہی
حالت ایمان کی ہے۔ اور اسی وجہ سے رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کی ترقی یا اُس کے تنزل
کا ذکر کرتے ہوئے قلب انسانی کی مثال دی ہے چنانچہ
آپ نے فرمایا کہ انسانی جسم میں گوشت کا ایک مضغہ ہے

محبوطے صوفیاء کی عادت ہوتی ہے کئی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ ہمیں نماز و روزہ کی ضرورت نہیں۔

میں ایک دفعہ جمعہ کی نماز پڑھا کر فارغ ہوا تو ایک صوفی منش آدمی آگے بڑھا اور کہنے لگا میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں جس نے کہا فرمائیے۔ کہنے لگا۔ اگر کوئی شخص دریا میں سفر کرتے کرتے کنارہ پر پہنچ جائے تو اس کے بعد وہ کشتی میں ہی بیٹھا رہے یا پیچھے اتر جائے۔ جب اُس نے یہ سوال کیا مٹا اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس کے سوال کا مقصد سمجھا دیا۔ دراصل یہ صوفیاء کا ایک دھوکا ہے جس میں وہ عام طور پر مبتلا پائے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ

کی حیثیت سوا بیوں کی سی ہے۔ یہ سواریاں ہیں اپنے محبوب کے دروازہ تک پہنچانے کے لئے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے محبوب کے دروازہ تک پہنچ کر سوار یوں پر بیٹھا رہے اور پیچھے نہ اترے تو وہ اس درجہ کا گستاخ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرے تو اُسے نماز و روزہ کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ وہ خدا کے دروازہ تک پہنچ گیا غرض جب اُس نے یہ سوال کیا۔ مٹا اللہ تعالیٰ نے یہ تمام بات مجھ پر کھول دی اور میں نے اُسے کہا۔ اگر وہ دریا ایسا ہے جو کنارے والا ہے تو بیشک جب کنارہ آئے وہ کشتی سے اتر جائے۔ لیکن اگر وہ دریا غیر محدود ہے اور اس کا کوئی کنارہ ہی نہیں تو وہ یاد رکھے کہ جس جگہ وہ نیچے اترے گا اُسی جگہ وہ ڈوب جائیگا۔ اب آپ بتائیں کہ جس دریا کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ محدود ہے یا غیر محدود۔ کہنے لگا۔ ہے تو غیر محدود۔ جس نے کہا تو پھر غیر محدود دریا میں انسان جس جگہ بھی نیچے اترے گا اُسی جگہ ڈوب جائیگا۔ اسکی سبب امتی ایسی میں ہے کہ

وہ کشتی پر سوار رہے۔ غرض ہم اُس خدا کی طرف جا رہے ہیں جو غیر محدود ہے۔ یہ دنیا تو چند سالوں کی ہے مگر ہمیں یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ اُس دنیا کے بعد پھر ایک زندگی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی اور اسی وجہ سے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ جنہوں کو وہ نعمتیں ملیں گی جو غیر منقطع ہونگی۔ پس جبکہ ہم ایک غیر محدود دریا کے شہنشاہ ہیں اور ہمارا مقصد اس خدا کے قرب میں بڑھنا ہے جو اذلی ابدی ہے تو اس کے بعد ہمارا کسی حالت پر مطمئن ہو کر کھڑا ہو جانا کس طرح درست ہو سکتا ہے اگر ہم کھڑے ہو جائیں تو یقیناً تباہ ہو جائیں۔ مگر بجائے اس کے کہ لوگ اس تختہ کو مد نظر رکھتے ہوئے قرب الہی کی منازل کے حصول کے لئے اپنے قدموں کو تیز تر کر دیں اور اپنی قربانیوں اور ایثار اور خدمتِ خلق اور اعلیٰ اخلاق اور نیک نمونہ اور غریاء پروردی اور خدمتِ قرآن اور امتاعت اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس قسم کی سطحی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں کہ ایک نبی نے یہ کیوں دعا کی کہ الہی مجھے صاحبین میں شامل کر۔ یہ نہیں سمجھتے کہ سارے صلحاء و آفریک جگہ پر تو نہیں ہیں جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے وہاں حضرت ابو ہریرہؓ نہیں پہنچے۔ اور جہاں حضرت ابو ہریرہؓ پہنچے وہاں اہلک کے مسلمان نہیں پہنچے۔ پس اَلْحَقِّیْ بِالْحَقِّیْنَ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہمیں ہر وقت یہ دعا لگنی چاہیے کہ تمہیں سارے صاحبین کی مصاحبت حاصل ہو۔ پہلے ایک صاحب کی مصاحبت حاصل ہو تو تمہارے دل میں دوسرے صاحب سے ملنے کی خواہش پیدا ہو جائے دوسرے صاحب سے ملو تو تیسرے صاحب کے مقام تک پہنچنے کی خواہش پیدا ہو جائے۔ تیسرے صاحب کے مقام تک پہنچو تو چوتھے صاحب کے مقام تک پہنچنے کی خواہش

پیدا ہو جائے اور یہ خواہش اسی طرح بڑھتی چلی جائے یہاں تک کہ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچ جاؤ جو تمام صالحین میں سے سب سے بلند اور سب سے بالا اور سب سے ارفع مقام پر فائز ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اندر بھی یہی رنگ پایا جاتا تھا اور آپ بھی خدا تعالیٰ کے قرب کے غیر متناہی مراتب کے حصول کے لئے ہمیشہ اپنے قدم کو تیز رکھتے تھے آجکل بعض نادان ایسے ہیں کہ دو چار دن کی نمازوں کے بعد ہی یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ انہوں نے قرب کے انتہائی مقامات کو طے کر لیا ہے۔ وہ خدا کو ایک چھوٹی سی چیز سمجھ لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اُس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی ہستی ایسی عظیم الشان ہے کہ بڑے سے بڑے انبیاء بھی اس کے قرب میں جس قدر بڑھ جائیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے قرب کے سب مقامات کو طے کر لیا ہے۔ بلکہ وہ جتنا زیادہ اُس کے قرب میں بڑھتے ہیں اتنا ہی وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں میں اور اس کی طاقتوں میں اور اُس کی قدرتوں میں وسعت پاتے ہیں اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اُن کے لئے قرب کا بھی ایک غیر متناہی میدان پڑا ہے جس کو انہوں نے طے کرنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپ بڑھاپے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس قدر گریز و آری کرتے اس قدر گڑاڑتے اور اس قدر تضرع اور عاجزی سے دعائیں کرتے کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور عبادت میں کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں مروج جاتے۔ یہ دیکھ کر آپ کی بیویوں کے دلوں میں رحم پیدا ہوتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں۔ آخر ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ ہی دی کہ یا رسول اللہ! جب آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے تو آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں اور کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اَنْفَلَا اَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ تم کہتی ہو کہ خدا نے مجھ پر یہ فضل کیا کہ میرے اگلے پچھلے سب گناہوں کو معاف کر دیا۔ اور جب حالت یہ ہے تو کیا میرا فرض نہیں کہ میں خدا تعالیٰ کے اس فضل کا شکریہ ادا کروں۔ اور اس وجہ سے کہ اُس نے مجھ پر یہ انعام کیا ہے میں اس کی دوسروں سے بھی زیادہ عبادت بجالاؤں جب اُس نے مجھ پر اتنے بڑے فضل کئے ہیں تو مجھے دوسروں سے زیادہ شکریہ بھی تو ادا کرنا چاہیے پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لئے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرتے رہے۔ اور یہی سبق ہے جو دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ اگر لوگ اس سبق کو یاد رکھیں تو انکی روحانیت کبھی مُردہ نہ ہو اور شیطان اُن پر کبھی تسلط اور غلبہ نہ پائے۔

پھر فرماتے ہیں۔ وَاجْتَهِ بِرِسَالَتِي صِدْقِي فِي الْآخِرِينَ۔ اے خدا! بعد میں آنے والے لوگوں میں تو مجھے ایک قائم رہنے والی اور ظاہر و باطن طور پر اچھی تعریف مجھے بخش۔ عربی زبان میں جب صدق کی طرف کوئی لفظ مصاف ہو تو اس کے معنوں میں درام اور ظاہر و باطن کی خوبی کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ مفروقات امام راعب میں لکھا ہے۔ اَلصِّدْقُ يُعْبَرُ عَنْ كُلِّ فِعْلٍ خَافِلٍ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا بِالصِّدْقِ

لہ تفسیر درمنثور جلد ۶ زیر آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا و بخاری جلد اول کتاب التہجد۔

فَمَعْنَاهُ إِلَيْهِ خِلَافُ الْفِعْلِ الَّذِي يُؤْمَعْتُ بِهِ -
یعنی صدق سے مراد ہر وہ فعل ہوتا ہے جو ظاہر و باطن
میں خوبی رکھتا ہو اور جس فعل کی صدق کو صفت بنانا
ہو اُس کو صدق کی طرف معنائ کر دیتے ہیں۔ پس
اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ اے میرے خدا! تو آخری زمانہ
کے لوگوں کے دلوں میں میرے لئے دعا کی تحریک پیدا کر
دے لیکن وہ دعا عارضی نہ ہو بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے
ہو۔ اور پھر وہ تعریف صرت لوگوں کی زبانوں پر ہی
نہ ہو بلکہ واقعہ میں میرے نیک کام دنیا میں قائم رہیں
اور اس طرح مجھے ظاہری اور باطنی طور پر اچھی تعریف
حاصل ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو دنیا کے
تمام مذہب میں سے صرت مسلمانوں نے پورا کیا ہے۔
ممکن ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے بیٹے اور
پوتے آپ کے لئے دعا کرتے ہوں۔ لیکن بہت سی نسلیں
گذر جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روحانی
اور جسمانی اولاد ان کو قبول لگی۔ لیکن مسلمان ہیں جو تیرہ سو
سال سے برابر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے دعا
کرتے چلے آ رہے ہیں اور قیامت تک دعا کرتے چلے
جائیں گے۔ چنانچہ ہر نمازی ہر تہجد کے آخر میں کہتا ہے
کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰی اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّکَ حَبِیْبٌ مُّحِبٌّ
اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ
عَلٰی اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّکَ حَبِیْبٌ مُّحِبٌّ
یعنی اے اللہ! تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح
مفضل نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
پر فضل نازل فرمایا۔ گو یا ہم خدا تعالیٰ کی اُس محبت پر
اعتماد درجہ کا اعتماد رکھتے ہیں جو اُس نے حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے ساتھ کی اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے اُن سے انتہا درجہ کا پیار کیا تھا۔ لیکن بعض لوگ جو
حقائق سے نا آشنا ہوتے ہیں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت دینے میں آپ کی
ہنسک خیال کرتے ہیں۔ اور یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ جب
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل تھے
تو اللہ تعالیٰ نے درود میں اپنی برکات اور انعامات کے
نزدوں کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیوں مثال دی
سو اس بارہ میں ایک نکتہ یاد رکھنا چاہیے جس سے
یہ سوال بالکل حل ہو جاتا ہے۔ دنیا میں اگر ایک شخص
سنکترے کا درخت لگائے تو سنکترہ اپنی ذات میں
کچھ خاصیتیں رکھتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ ایک خاص حد
تک اونچا ہو سکتا ہے ایک خاص حد تک پھیل سکتا
اور ایک خاص حد تک پھل دے سکتا ہے۔ اعلیٰ درجہ
کا سنکترہ پندرہ بیس فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ پس
اگر وہ سنکترہ بیس فٹ تک اونچا ہو جائے تو سارے
لوگ کہیں گے کہ سنکترہ اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اگر ایک
سنکترہ پچیس فٹ کے گھیر میں پھیل سکتا ہے اور وہ اتنا پھیل
جاتا ہے تو لوگ کہیں گے کہ اس سنکترے نے کمال کر دیا
اگر ایک سنکترہ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار پھل دے
سکتا ہے اور وہ ایک ہزار پھل دے دیتا ہے تو ہم
کہیں گے اس سنکترے نے کمال کر دیا۔ لیکن اس کے
مقابل میں بڑ کا درخت لے لو۔ بڑ کا درخت دو سو
فٹ تک اونچا ہو جاتا ہے اور عام درخت اسی بڑے
فٹ کے ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص بڑ لگائے اور
وہ پچیس فٹ کا ہو جائے۔ یا اگر اس کا پھیلاؤ ڈیڑھ
دو سو فٹ ہو سکتا ہے اور اُس کا پھیلاؤ بیس پچیس
فٹ ہو جائے اور کوئی کہہ دے کہ اُس نے کمال کر دیا
تو ہم اس کو بوقوت کہیں گے۔ یا فرض کر دے کہ کسی نے بیر
کا درخت لگایا۔ بیر کا درخت ایک ہزار نہیں بلکہ

میں ہزار کے قریب پھل دیتا ہے۔ اب اگر بڑا درخت پچیس فٹ اونچا ہو جائے اور پچیس فٹ اس کا گھیر ہو جائے۔ اور ہر کا درخت ایک ہزار بیر دے اور کوئی لکے کہ چونکہ بڑا پھیلاؤ سنگترے جتنا اور بیر کو پھل بھی سنگترے جتنا لگا ہے اس لئے انہوں نے تو کمال کر دیا ہے تو ہم کہیں گے یہ احمقانہ بات ہے یہ چیز ان درختوں کے کمال کا ثبوت نہیں بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ درخت ناقص ہیں۔ پس ہر کمال نسبت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ مثلاً ہم نے سنگترہ لگایا اور خدا تعالیٰ نے ایسا فعل کیا کہ سنگترہ جتنا اونچے سے اونچا ہو سکتا تھا ہو گیا جتنا زیادہ سے زیادہ پھیل سکتا تھا پھیل گیا اور جتنا زیادہ سے زیادہ پھیل دے سکتا تھا اتنا پھل اُس نے دے دیا۔ پھر ہم نے آم کا درخت لگایا۔ اب اگر آم کا درخت لگاتے ہوئے ہم کہیں گے کہ اے خدا! تو اس میں ایسی ہی برکت دے جیسے سنگترے میں دی تھی۔ تو کوئی شخص اس کے یہ معنی نہیں کرے گا کہ اے خدا! اس کو جس فٹ اونچا کر دے۔ اسی طرح کوئی اس کے یہ معنی نہیں کرے گا کہ خدا تعالیٰ اس کا گھیر پچیس فٹ کر دے اور کوئی شخص اس کے یہ معنی نہیں کرے گا کہ خدا تعالیٰ اس کو ایک ہزار پھل لگا دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے خدا! جتنا زیادہ سے زیادہ آم کا درخت پھیل سکتا ہے تو اسے پھیلاؤ دے اور جتنا زیادہ سے زیادہ آم کا درخت اونچا ہو سکتا ہے اتنا ہی اُسے اونچا کر دے اور جتنا زیادہ سے زیادہ آم کا درخت پھل دے سکتا ہے اتنا اُسے پھل لگا دے تاکہ جس طرح وہ سنگترہ اپنی جنس میں کمال کو پہنچ گیا تھا اسی طرح یہ بھی اپنی جنس میں کمال کو پہنچ جائے۔ **تَوَالَّهِمْ** صَلَّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی

اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح تو میری جنسوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں کمال کو پہنچ گئے تھے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو جمیع عالم کی طرف متوجہ ہیں اور ایک الگ جنس ہیں اس میں وہ اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ جیسے سنگترہ اور ہے اور بڑا آم اور۔ جب ہم کہیں گے کہ سنگترہ کی طرح آم اپنے کمال کو پہنچ جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ ایک ہزار پھل دے بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ آم اللہ دس ہزار پھل دے۔ اسی طرح جب ہم یہ کہیں گے کہ سنگترے کی طرح بڑا اپنے کمال کو پہنچ جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ بیس پچیس فٹ اونچا ہو جائے بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ وہ دس سو فٹ اونچا ہو جائے۔ تو درحقیقت درود کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ابراہیم اپنی جنس میں کمال درجہ کا وجود تھا۔ اسی طرح لے خدا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جو جمیع عالم کی طرف متوجہ ہیں ان کی جنس کے لحاظ سے جو سب سے بڑا درجہ ہے انہیں عطا کر یعنی اس کو جتنا بڑا ہونا چاہیے اُسے بڑے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہو جائیں اور اُس کا جتنا پھیلاؤ ہونا چاہیے اتنا پھیلاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو جائے۔ اور جتنا اُسے پھل لگنا چاہیے اتنا پھل ان کو لگ جائے۔ گویا درود میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا جس طرح ابراہیم اپنی محدود جنس میں کمال کو پہنچا ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا میں اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی نے ایک بکری لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی برکت ڈالی کہ اُس نے ڈیڑھ سیر دودھ دینا شروع کر دیا اور دو بچے ششماہی دینے شروع کر دیئے اس کے بعد جب

کوئی شخص گائے گا۔ تو وہ کہیگا۔ اے خدا جس طرح
تو نے فلاں کی بکری میں برکت ڈالی تھی اسی طرح میری
گائے میں بھی برکت ڈال دے۔ اب کیا اس کا یہ مطلب
ہو گا کہ یہ گائے ڈیڑھ سیر دودھ دینے لگ جائے۔
اور ہر چھ مہینے دو بچے دے۔ کبھی کسی گائے نے ایسا
نہیں کیا۔ اچھی گائے کبھی بھی ڈیڑھ سیر دودھ نہیں دیتی
اور نہ ہی کوئی گائے چھ ماہ میں دو بچے دیتی ہے۔
بلکہ اس کی دُعا کا مفہوم یہ ہو گا کہ جس طرح فلاں
بکری بکریوں میں اچھی ثابت ہوئی ہے اسی طرح یہ
گائے گائیوں میں اچھی ثابت ہو۔ تو اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ
مَّجِیدٌ کے یہی معنی ہیں کہ جس طرح ابراہیمؑ اپنی قوم
کے لوگوں میں سے انتہائی درجہ کے کمال کو پہنچ گئے۔
اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام کے لحاظ
سے کمال کو پہنچ جائیں۔ ابراہیمؑ بنی اسرائیل کے لئے تھے
جس طرح انہوں نے بنی اسرائیل میں اپنا کمال دکھایا۔
اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا میں
کمال دکھائیں۔ تو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَ عَلٰی
اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ کے معنی ہم
یہ کریں گے کہ اے خدا جس طرح تو نے ابراہیمؑ کو
بنی اسرائیل کے لئے برکت دی جو دنیا کا ہزارواں حصہ
ہے اسی طرح تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو
ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور جو بنی اسرائیل
سے ایک ہزار گنا بڑی ہے ابراہیمؑ سے ہزار گنا زیادہ
برکت دے۔ کَمَا کا لفظ بعض اوقات نسبتی
معدول میں بھی بولنیا جاتا ہے۔ جیسے میں نے مثالی
ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس بکری ہو جو اپنے کمال کو

پہنچی ہوئی ہو تو جب کوئی زمیندار گائے خریدے گا تو
وہ کہے گا۔ اے خدا! جس طرح تو نے فلاں کی بکری میں
برکت دی تھی اسی طرح تو میری گائے میں بھی برکت
دے۔ اب اس کے یہ معنی نہیں ہونگے کہ گائے چھ ماہ
میں دو بچے دے یا ڈیڑھ سیر دودھ دے۔ گائے اگر
اچھی ہوگی تو سات آٹھ سیر دودھ دے گی۔ اور اگر بعینہ
لے گا۔ اور وہ دُعا کرے گا۔ کہ جس طرح
فلاں بکری میں برکت ڈالی تھی اسی طرح اس میں بھی
برکت ڈال تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مجھے ایسی بعینہ
دے جو چودہ پندرہ سیر دودھ دینے والی ہو۔ غرض
الفاظ تو ویسے ہی بولے جائیں گے لیکن چونکہ جنس علیحدہ
علیحدہ ہوگی اس لئے معنی بھی الگ الگ ہو جائیں گے
حضرت ابراہیمؑ کی جنس الگ تھی اور رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی الگ۔ آپ کی قوم دو چار لاکھ تھی
دنیا میں یہودی ہودت ڈیڑھ دو کروڑ کی تعداد میں لیکن
ساری دنیا کی آبادی دو ارب سے بھی زیادہ ہے۔
گویا یہودی دنیا کی آبادی کا سوواں حصہ ہیں۔ اس
محاذ سے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ
حَمِیدٌ مَّجِیدٌ کے معنی یہ ہونگے کہ اے اللہ!
جس طرح تو نے ابراہیمؑ کو یہودی قوم کے لئے برکت دی
اسی طرح تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیمؑ سے
سو گنا زیادہ برکت دے۔ اگر دس ارب روپیہ یہود کو
دیا تو اسی نسبت سے اُمت محمدیہ کو سو گنا زیادہ مال
دے۔ پس یہاں کَمَا کے معنی زیادتی کے ہیں برابری
کے نہیں کیونکہ جنس الگ ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم صرف عرب کے لئے مبعوث ہوتے تو پھر
ویسے ہی معنی لئے جاتے کیونکہ بکری کی بکری سے
نسبت ہوتی ہے اور گائے کی گائے سے نسبت ہوتی ہے۔

غرض کھانا کا مفہوم برابر ہی کا نہیں بلکہ اس کے
 معنی یہ ہیں کہ جس طرح ابراہیمؑ اپنی جنس میں کامل وجود بنا
 اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جنس میں کامل
 وجود بنیں۔ آخر ساری دنیا کی طرف آنے والے نبی کو
 جو درجہ ملنا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام تو وہاں پہنچ
 ہی نہیں سکتے تھے جس طرح ایک جعد اور اگر اپنے ماتحتوں
 پر جو کہ بندہ مہیں ہوتے ہیں اچھی طرح کنٹرول رکھتا
 ہے اند ایک کمانڈر دو تین لاکھ فوج کی کمان کرتا ہے
 تو وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم کہیں کہ جس طرح
 اس جعد اور نے بندہ آدمیوں پر کنٹرول کر رکھا ہے ویسے
 ہی یہ کمانڈر بھی کنٹرول رکھتا ہے تو اس کے لیے "کایہ
 مطلب نہیں ہوگا کہ وہ بندہ آدمیوں پر کنٹرول رکھنے
 والا دو تین لاکھ پر کنٹرول کر سکتا ہے۔ بہر حال کوئی
 عقلمند اس فقرہ کے سوائے اس کے اور کوئی معنی
 نہیں دیکھا کہ جس طرح اس جعد اور نے اپنی جنس میں کمال
 پیدا کیا ہے اسی طرح کمانڈر اپنی جنس میں کمال پیدا کرے
 ویسے تو بندہ آدمیوں پر کمان کرنے والے اور دو لاکھ آدمیوں
 پر کمان کرنے والے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بندہ
 آدمیوں پر کنٹرول کرنے والے کو اگر سو آدمی بھی دے
 دیئے جائیں تو وہ فیل ہو جائیگا۔ لیکن تین لاکھ آدمیوں
 پر کنٹرول کرنے والا ایک وقت میں ہزار ہا جعد اوروں پر
 کنٹرول کر لے گا۔ تو جب ہم یہ دُعا کرتے ہیں تو اس کے
 یہ معنی ہوتے ہیں کہ جس طرح تو نے ابراہیمؑ کو اپنی جنس میں
 کمال عطا فرمایا اسی طرح تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو اپنی جنس میں کمال عطا فرما۔ اور اس سے رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ہتک نہیں ہوئی۔ بہر حال
 ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جنس میں بڑا کمال بخشا۔
 اور ایسا بخشا کہ اس جنس میں سے کسی اور کو نصیب نہیں
 ہوا۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ حکومتیں اپنی ملکی رتن کیلئے

دوسم کی پالیسیاں اختیار کیا کرتی ہیں ایک پالیسی
 "شارٹ ٹرم پالیسی" کہلاتی ہے اور ایک لانگ ٹرم پالیسی
 کہلاتی ہے۔ یعنی ایک تو اس ملک کی موجودہ مشکلات کو
 دور کر کے نئے عارضی انتظام ہوتا ہے اور ایک اُس
 ملک کے نئے سب پر دوگرام ہوتا ہے جس کا مقصد اس ملک
 کی حالت کو بہتر بنانا ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی گورنمنٹ
 اپنے ملک کو ایک دن میں اعلیٰ ترقی نہیں دے سکتی بلکہ
 اس کے لئے تیس چالیس سال کی کوشش اور جدوجہد کی
 ضرورت ہوتی ہے لیکن تیس چالیس سال کی کوشش کے یہ
 معنی نہیں کہ اگر کسی حصہ ملک میں قحط پڑ جائے تو حکومت
 کہے کہ ہم نے پروگرام بنایا ہوا ہے کہ تیس سال کے بعد
 ایسے حالات پیدا نہیں ہونگے اب چونکہ ہم اس طرف
 لگے ہوئے ہیں اس لئے ہم قحط زدہ لوگوں کی مدد نہیں
 کر سکتے۔ اگر وہ مرتے ہیں تو سہی۔ ایسے مواقع پر شارٹ
 ٹرم پالیسی کو اختیار کیا جاتا ہے تا چنانکہ پیدا ہونے
 والی باتیں اسی پروگرام میں مغل نہ ہوں۔ لانگ ٹرم پالیسی
 یعنی ایسی پالیسی جس سے آئندہ آنے والے لوگوں کیلئے
 پچھلی نکالیے گا ازالہ کیا جائے اس کے لئے لوگ بڑی بڑی
 قربانیاں کرتے ہیں گرائن میں سے کوئی قربانی بھی ابراہیمؑ
 کی قربانی سے بڑھ کر نہیں۔ یعنی جو لانگ ٹرم پالیسی
 حضرت ابراہیمؑ نے اختیار کی کسی اور نے نہیں کی۔ شارٹ
 ٹرم پالیسی یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسا آدمی نظر آئے
 جو بھوک سے مر رہا ہو اور وہ اس کے سامنے ردی
 رکھ دے اور کہے کہ کھا لو تو ہم اُسے اچھا اور نیک آدمی
 کہیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی بیباک ہو اور کوئی اس کے
 سامنے خالی پانی ہی نہیں بلکہ مشرب رکھے اور کہے
 کہ پی لو تو ہم اُسے اچھا اور نیک آدمی کہیں گے۔ اگر
 وہ ایسا نہ کرنا تو ہم اُسے ظالم کہتے۔ ایسے کاموں کو
 ہم شارٹ ٹرم پالیسی کہتے ہیں اور اس قسم کی نیکیاں

عام طور پر پائی جاتی ہیں مگر ایک نکی وہ ہوتی ہے جو سارے لوگوں کے لئے ہوتی ہے اور جس سے ساری دنیا فائدہ اٹھاتی ہے۔ جیسے مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کہیں سے گذر رہا تھا کہ اُس نے ایک بوڑھے کو ایک درخت لگاتے دیکھا جو اسی نوے سال کے بعد پھل لاتا تھا اور بہت اہستہ اہستہ اُس کی ترقی ہوتی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر وہ کسان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کیا تیری عقل ماری ہوئی ہے کہ تو ایسا درخت لگا رہا ہے جو اسی سال کے بعد مجھے کوئی فائدہ پہنچائے گا۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ تو اسی سال تک زندہ رہ سکیگا۔ تیری تو موت قریب ہے اگر تو زیادہ سے زیادہ بھی زندہ رہا تو آٹھ دس سال تک زندہ رہ سکیگا۔ پھر جب تجھے اس چیز سے کوئی فائدہ نہیں تو تو اسے کیوں لگا رہا ہے۔ کسان نے کہا آپ تو بادشاہ ہیں اور اس مرتبہ کے لحاظ سے آپ کو بڑا بھر کا رہنا چاہیے تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آدمی اٹھارہ بیس سال کا ہو کر کھیتی باڑی کا کام اچھی طرح سنبھال سکتا ہے اگر وہ اس وقت اس درخت کو لگائے اور اسی سال تک یعنی جب اس کی عمر سو سال کی ہو جائے انتظار کرتا رہے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس وقت تک وہ زندہ ہے گا۔ اُن میں سے تو اکثر اس پھل کے اُنے سے پہلے ہی مر چکے ہونگے۔ اور بہت ہی کم تعداد ایسی ہوگی جو اس سے فائدہ اٹھا سکیگی۔ اگر ہمارے باپ دادا بھی ایسی خیال سے درخت نہ لگاتے تو پھر یہ درخت دنیا میں ہوتا ہی نہ۔ ہر شخص کہتا کہ میں کیوں اس درخت کو لگاؤں جبکہ میں نے اس کا پھل کھانا ہی نہیں لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ انہوں نے پھل نہیں کھانا انہوں نے درخت لگائے اور ہم نے ان کا پھل کھایا۔ اب ہم لگائے گئے تو ہمارے اولاد میں کھائیں گی۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ اور اُس نے کہا۔ ”زہ“

زہ کے معنی ہیں واہ واہ۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو جو سفر میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا ہدایت کی ہوئی تھی کہ جب یہ کسی سے خوش ہو کر ”زہ“ کہنا شروع کرے تو تم اُس شخص کو تین ہزار درہم یعنی سارے سات سو درہم انعام دے دیا کرو۔ جس وقت بادشاہ نے کہا ”زہ“ تو وزیر نے اُسی وقت تین ہزار درہم کی قبیلی کسان کو کھڑا دی۔ جب کسان کو قبیلی ملی تو اُس نے پوچھا کہ یہ قبیلی مجھے کس لئے دی گئی ہے۔ وزیر نے کہا کہ جب بادشاہ کسی بات پر خوش ہو کر ”زہ“ کہتا ہے تو اُس وقت یہ تین ہزار درہم کی قبیلی اُس شخص کو دے دی جاتی ہے جس کی بات پر بادشاہ سلامت خوش ہو کر ”زہ“ کہتے ہیں۔ کسان نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ بادشاہ سلامت! آپ فرما رہے تھے کہ تم ایسا درخت لگا رہے ہو جس کا پھل تم نے نہیں کھانا بادشاہ سلامت لوگ یہ درخت لگاتے ہیں تو اسی سال کے بعد اُس کا پھل کھاتے ہیں۔ گندم ہوتے ہیں تو چھ ماہ بعد کاٹتے ہیں لیکن میں نے تو اپنا پھل دم نقد وصول کر لیا ہے اس پر بادشاہ نے پھر کہا ”زہ“۔ یعنی اس نے کیا یہی جی بات کہی ہے۔ وزیر نے جھٹ تین ہزار درہم کی دوسری قبیلی کسان کو دے دی۔ کسان دونوں قبیلوں کو مل کر پھل کھانے لگے۔ بادشاہ سلامت! پھل اور درخت سال میں ایک دفعہ پھل دیتے ہیں بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جو سال میں دو دفعہ پھل دیتے ہیں۔ پھر بعض ایسی فعلیں بھی ہوتی ہیں جو ہمیشہ دو ہمیشہ کے بعد لائی جاتی ہیں غرض کوئی فعل ایسی نہیں کہ جس دن اُسے لگایا جائے اُسی دن وہ پھل دے دے یا کسی قسم کا اُس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ لیکن میں نے ایک منٹ میں دو دفعہ پھل کھا لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا ”زہ“۔ امپر وزیر نے جھٹ تیسری قبیلی کسان کو دیدی۔ اس کے بعد بادشاہ کہنے لگا۔ اس بوڑھے نے تو ہمیں ٹوٹ لیٹا ہے۔ آگے چلو۔

اب دیکھو پورے نے پہلے کا رخت لگایا تاکہ اندہ نسلیں
 کھائیں یہ "لانگ ٹرم پالیسی" کہلاتی ہے۔ لانگ ٹرم پالیسی
 میں لوگ بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں وہ زمینیں خریدتے ہیں
 اس غرض سے کہ ہمارے بیٹوں کے کام آئیں اور وہ شکلات
 میں نہ پھنسیں لیکن میں نے کسی زمیندار کو نہیں دیکھا کہ اس
 نے اپنے پوتوں کے لئے زمینوں کا انتظام کیا ہو۔ اگرچہ
 یہ بھی ایک لانگ ٹرم پالیسی ہے کہ بیٹوں کے مفاد کے لئے
 زمین خریدی جائے لیکن بڑے بڑے زمیندار بھی اپنے پوتوں
 کے لئے زمینیں نہیں خریدتے صرف بیٹوں کا خیال رکھتے
 ہیں۔ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں کی ہر
 اور اس کا اکثر حصہ زمینداروں کا ہے اور ان میں بڑے
 بڑے امیر زمیندار ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کو نہیں
 دیکھا کہ اس نے اس غرض سے زمین خریدی ہو کہ پوتوں
 کے کام آئے۔ پھر ہزاروں غیر احمدی - ہندو اور عیسائی ہیں
 جو مجھ سے ملتے ہیں مشورہ کرتے ہیں اور دعاؤں کے لئے
 کہتے رہتے ہیں اور میں ان کی حالت جانتا ہوں لیکن میں نے
 ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس غرض سے زمین
 بڑھا رہا ہو یا مال جمع کر رہا ہو کہ اس کے پوتوں کے کام
 آسکے۔ ہر ایک اس لئے بڑھاتا ہے کہ اس کے بیٹے
 کے کام آسکے۔ پوتے کا کسی کو خیال ہی نہیں آتا۔ لیکن
 اس کے مقابل پر ابراہیم کی لانگ ٹرم پالیسی دیکھو۔
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ آپ نے ایک
 بیٹے حضرت اسحاق کو کہا کہ آباد ملک میں جا کر تبلیغ کرو
 اور دوسرے بیٹے کو مکہ میں جو کہ دادی غیر ذی ذریعہ تھی
 چھوڑ آئے۔ اس غرض سے کہ وہ بڑھ ہزار سال بعد جو قوم
 یہاں آباد ہو چکی ہوگی اس کو ایک دہبر کی ضرورت ہوگی
 اور اس وقت میری پینسل خدا تعالیٰ کا نام بلند کرے گی۔
 اب دیکھو کتنی بڑی لانگ ٹرم پالیسی ہے۔ کہا جاتا ہے
 کہ دودن کے بعد قبیلہ جرہم کے لوگ وہاں آکر آباد

ہو گئے تھے۔ لیکن وہ بھی کتنے ہو گئے زیادہ سے زیادہ
 پچاس ساٹھ ہو گئے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اور
 گو یہ لوگ وہاں آکر آباد بھی ہو گئے۔ لیکن پھر بھی کہ
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں تو نہیں بنا بلکہ
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ڈیڑھ ہزار سال اس کو
 آباد ہونے لگے۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت
 اسماعیل علیہ السلام کو دادی غیر ذی ذریعہ میں اس لئے بھجوا
 تا ڈیڑھ ہزار سال بعد جب یہ جگہ آباد ہو تو اس وقت
 یہ نسل ان کو تبلیغ کرے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے اشوک
 کے زمانہ میں یا بکرہ جیت کے زمانہ میں کوئی منجھ یا دودن
 یا سناتنی یا جینی اپنی اولاد کو مگر دہا بار یا منٹگری بار
 میں اس لئے بھجواتا کہ کسی نہ کسی یہ علاقہ آباد ہوگا اور
 جب یہ علاقہ آباد ہوگا تو اس وقت یہ خدا کا نام لیں گے۔
 یہ کتنی لانگ ٹرم پالیسی ہے۔ دو ہی بیٹے ہیں۔ ایک کو
 تو آباد علاقہ میں بھیج دیا تاکہ وہ وہاں تبلیغ کرے۔
 اور دوسرے کو دادی غیر ذی ذریعہ میں بھجوا دیا تاکہ جب
 وہ آباد ہو تو اس کی نسل وہاں تبلیغ کرے۔ اتنی
 لانگ ٹرم پالیسی میرے نزدیک نہ سیاسی لحاظ سے
 نہ تجارتی لحاظ سے۔ نہ سائنس کے لحاظ سے۔ نہ کسی قوم نے
 نہ کسی قبیلہ نے۔ نہ کسی خاندان نے۔ نہ کسی علمی گروہ نے۔
 اور نہ کسی فلسفی جماعت نے اختیار کی ہے جو حضرت
 ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ کے لئے اختیار کی۔ حضرت
 ابراہیم علیہ السلام کے سامنے چند دنوں کا سوال نہ تھا۔
 بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں سالوں کا سوال تھا کسی کو
 علم نہیں تھا کہ عرب کب آباد ہوگا اور کتنی دیر تک ان
 کی اولاد کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس میں کوئی
 شبہ نہیں کہ اس تمام واقعہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کے ارادہ کے ساتھ الہام الہی بھی شامل تھا لیکن اللہ تعالیٰ
 بھی اپنے بندے کی طبی کیفیت کو دیکھتے ہوئے ہی اس کے

مطابق الہام نازل فرماتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی کیفیت ایسی نہ ہوتی اور ان کے جذبات ایسے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو کبھی اپنے پیچھے کو قربان کرنے کا حکم نہ دیتا۔ اگر ان کے دل میں یہ تڑپ نہ ہوتی کہ ان کا پیچہ خدا کی راہ میں قربان ہو تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہ کبھی سامان پیدا نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سامان پیدا کرنا بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ تڑپ موجود تھی۔ اور اسی تڑپ کی وجہ سے ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ صَلَّی عَلَیْ مُحَمَّدٍ وَّ عَلَیْ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلَیْ اِبْرٰہِیْمَ وَّ عَلَیْ اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ جَبَّارٌ مُّجِیْدٌ جب ہم درد و پرہتے ہیں تو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جذبہ یاد آجاتا ہے اور ہمارے دلوں میں بھی یہ خواہش موجزن ہوتی ہے کہ تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہو اور کیا آبادیاں اور کیا دیوانے ہر جگہ اللہ اکبر کی آواز بلند ہو۔

دلہندی سے قریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جس کو کھجیاد کہتے ہیں۔ اس میں ایک تالاب ہے اور اس تالاب میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو تیرتا پھرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ حصہ زمین سے علیحدہ ہو گیا۔ اس جزیرہ میں گھاس اور مٹی کے سوا کچھ نہیں۔ وہ تالاب جس میں وہ جزیرہ تیرتا ہے قریباً دو سو فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے اور وہ جزیرہ تیس فیٹس فٹ کے قریب لمبا چوڑا ہے اور ہوا کے چلنے سے ہلتا اور ایک طرف سے دوسری طرف چلا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کوئی خاص کرشمہ ہے۔ وہاں ایک مندر ہے جو ایک سادہ کوئی یادگار کے طور پر بنایا گیا ہے۔ اس سادہ کو کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس تالاب کی تہ کا پتہ لگانے کے لئے اتنی سال تک رسی بٹ بٹ کر پھینکا گیا۔ لیکن باوجود اتنی سال تک رسی بٹنے کے وہ رسی

پانی کی تہ تک نہ پہنچی۔ آخر اس سادہ کو نے تو ہی چھوٹا ہے کہہ کر اس تالاب میں چھلانگ لگا دی اور ڈوب گیا۔ ایک دفعہ ہم کھجیاد گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس جزیرہ پر چڑھنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے ایک دوست سے کہا کہ بہت کرو اور یہ جوتختے اور گیلیاں اور گرد و پری ہیں اٹھاؤ تاکہ ان کے ذریعہ ہم جزیرہ کے زیادہ قریب ہو جائیں۔ اس وقت کوئی ہندو یا سرکاری افسر وہاں نہیں تھا جو ہمیں جزیرہ پر چڑھنے سے روکتا۔ ایک ٹیلی ہم نے تالاب میں ڈالی اور اس سے کہا کہ تم اس کے ساتھ چٹ جاؤ ہم گیلی کو دھکا دیں گے اور تم جزیرے تک پہنچ جاؤ گے اور ساتھ جتو بھی دیر یا اگر ضرورت ہو تو اس سے کام لے لینا۔ چنانچہ ہم نے گیلی کو دھکا دیا اور وہ دو دست جزیرے تک پہنچ گئے اور اس کو آہستہ آہستہ ہمارے پاس لے آئے۔ جب جزیرہ ہمارے پاس آ گیا۔ تو میں نے کہا یہ موقع ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرو اس سے پہلے کسی نے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بلند نہیں کیا چنانچہ ہم اس جزیرہ پر چڑھ گئے اور خوب اذانیں دیں۔ اس بات کا علم ہونے کے بعد گورنمنٹ نے یہ قانون بنا دیا کہ کسی شخص کو اس جزیرہ کو کھینچنے یا اس پر چڑھنے کی اجازت نہیں۔ اب بیشک یہ قانون بن جائے لیکن ہم نے تو اس پر اذانیں دے دیں اور اللہ تعالیٰ کا نام اُسپر بلند کر دیا۔ جب ہم اذانیں دے رہے تھے تو مندر کا ایک بجا دی آ گیا۔ چونکہ ہمیں روکنے کی اس میں جرات نہ تھی اس لئے وہ ہمیں ڈرانے کے لئے کہنے لگا کہ اس جزیرہ پر ایک بہت بڑا سانپ رہتا ہے خطرہ ہے کہ آپ میں سے کسی کو کاٹ نہ کھائے۔ میں نے کہا۔ سانپ کا ٹٹا ہے تو کاٹنے دو۔ مگر ہم اس پر اذانیں ضرور دیں گے کیونکہ مومن کے دل میں یہ تڑپ ہوتی ہے کہ میں وہاں اللہ کا نام بلند کروں جہاں کسی نے بھی نہیں کیا۔ پس اپنے اندر

ابراہیمی جذبہ پیدا کرو۔ اور جو ملک آباد ہیں ان میں تبلیغ کے لئے نکل جاؤ اور جو ملک غیر آباد ہیں وہاں اپنے بچوں کو بسادو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد عرب میں بسا دی تاکہ جب بھی عرب آباد ہو تو ان کی اولاد ان میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے والی ہو۔ یہ گوئی ڈیزرٹ یا دوسرے غیر آباد علاقے جو آج میانان اور دیران نظر آتے ہیں تم ایسے علاقوں کو آباد کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجلی سے چلنے والی مشین یا گلیں ایسی نکال دے جن کے ذریعہ علاقے بھی آباد ہو جائیں اور یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ کیونکہ باقی غیر آباد علاقے بھی تو پہلے اسی طرح دیران تھے پس جہاں امریکہ۔ ازرقیہ۔ انگلستان۔ جرمن۔ اٹلی اور دوسرے آباد ممالک میں ہمارے تبلیغ جائیں وہاں ساتھ ہی ہمیں یہ بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ گوئی جیسے ریگستانوں اور ہندوستان کے ریتلے علاقوں یا عرب کے غیر آباد علاقوں میں بھی ہم احمیوں کو بسا دیں تاکہ جب بھی وہ علاقے آباد ہوں وہاں احمیوں کی نسل موجود ہو جو ان میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا نام بلند کرے۔ ابراہیمی طریق تو یہی ہے کہ جو ملک آباد ہیں ان میں اپنے تبلیغ بھیجو۔ اور جو ملک غیر آباد ہیں وہاں اپنی نسلیں بسادو۔ یہ ایسا جذبہ ہے کہ اس کے ماتحت جو قدم بھی تم اٹھاؤ گے اللہ تعالیٰ اُس میں برکت دیگا اور تمہارے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے کیا۔ ہم دن رات کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ جَدُّکَ مُحَمَّدٌ۔ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ جیسے ہم اسی لئے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں یہ جذبہ تھا کہ اس کا ایک حصہ آبادیوں میں تبلیغ کرنے لگ گیا اور دوسرا حصہ دیرانوں میں جا بسا۔ اب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد بھی تھی جن برکات کی وارث ہو سکتی ہے جب اس کا ایک حصہ آبادیوں میں تبلیغ کرے اور سیدھی راہ سے برگشتہ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف وائے اور دوسرا حصہ غیر آباد علاقوں میں جا کر رہائش اختیار کرے تاکہ جب وہ علاقے آباد ہوں تو کلمہ پڑھنے والے اور محمد صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جاغیر قربان کرنے والے لوگ ہوں موجود ہوں اور دنیا کی تمام آبادیاں اور دیرانے صلب اللہ اکبر کی آوازوں سے گونج رہے ہوں۔

پھر فرماتے ہیں وَاعْبُدُوا رَبَّکُمْ اِنَّکُمْ لَکَانَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اے خدا! تم میرے باپ کو بھی معاف کر دے کیونکہ ہدایت اور راستی کے طریقے سے مغرب ہو جانے والے لوگوں میں سے تھا۔ سمجھو اب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر اس سے مراد ان کا چچا ہے جو بُت پرست تھا۔ کیونکہ تاجریج سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن میں ہی تہیم ہو گئے تھے اور انہیں ان کے چچا نے پالا تھا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش بھی آپ کے والدین کی وفات کی وجہ سے آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے کی تھی جو بُت پرست تھے۔ اور اب کے لفظ کا چچا کے معنوں میں استعمال قرآنی محاورہ سے ثابت ہے جنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت جب اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ بتاؤ تم میرے مرنے کے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے جواب دیا کہ نَعْبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰہَ اَبَاؤِکَ اِبْرٰہِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یٰحٰقَ اِنھَا وَاحِدٌ (بقمرہ ۳) ہم اُسی خدا کے واحد کی پرستش کریں گے جس کی آپ بھی عبادت کرتے رہے ہیں اور آپ کے آباد حضرت ابراہیم اور اسحاق اور اسحاق کی بھی عبادت کرتے رہے ہیں۔ سمجھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی جو حضرت یعقوب کے دادا تھے

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی جو آپ کے چچا تھے اب قرار دیا گیا ہے۔ یہی طرح اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ **وَ اَغْفِرْ لِيْ** یعنی مگر مراد ان کا چچا ہی ہے جو بت پرستی پر قائم رہا تھا۔ یہ دعا جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس لئے کی تھی کہ جب ان کے چچا نے انہیں دھکی دی کہ **لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ كُنْتَ جُنْجُنًا ذَلَّ سَبِيلُہٗ فِیْ مَیْمَنَہٗ** (برہم) اے ابراہیم! اگر تو بتوں کی مذمت سے باز نہیں آئیگا تو میں تجھے سنسلا کر دے گا۔ اگر تو اپنی جان بچانا چاہتا ہے تو مجھ دیر کے لئے میری نظروں سے اوجھل ہو جا تا کہ میں عقدہ کچھ کر نہ بیٹھوں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ **سَلَامٌ عَلَیْكَ مَا مَسَّخَفَصْرٌ لَّكَ سَبَقَیْ اِنَّكَ كَاَنَ فِیْ حَبِطًا** اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے گو آپ انہی سختی سے کام لے رہے ہیں لیکن پھر بھی میں آپ کے لئے اپنے دہ سے مغفرت کی دعا کر دے گا کیونکہ وہ مجھ پر بہت ہی مہربان ہے۔ پس چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے میں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی مغفرت کے لئے دعا کرینگے اس لئے انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ **وَ اَغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ كَاَنَ مِنَ الْغٰفِرِیْنَ** اے میرے خدا! میرے چچا کے گناہ کو معاف فرما دیں۔ وہ یقیناً گنہگاروں میں سے تھا مگر قرآن کریم بتاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حقیقت کھل گئی کہ ان کا چچا توحید کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے اپنی برأت کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا كَاَنَ لِلنَّبِیِّ وَاٰلِہٖٓ ذَا الصَّلٰتِ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لِذٰلِہٖمۡ سُبْحٰنَہٗ
وَلَوْ كَاَنُوْا اُولِیْ فَرْحٰنٍ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّهُمْ
اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ وَ مَا كَاَنَ اَسْتَخْفَارُ اٰیْرَ اٰہِیْمِ
لَیْسَ بِہٖ اَوْفَقَتْ مَوْعِدًا وَ عَدَّہَا اٰیَاہُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ
لَہٗ اَنَّهُ اَعَدَّ ذٰلِہٖ تَدْبَرُ اَمْنُہٗ وَاِنَّ اٰیْرَ اٰہِیْمِ لَآوَاہُ

حٰلِیْمٌ (توبہ ۶) یعنی نبی اور امیر ایمان لانیوالوں کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت طلب کریں۔ خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ امر ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ توحید کا انکار کرنے کی وجہ سے دوزخی بن چکے ہیں ذیبتی یا تو اللہ تعالیٰ ان کا دوزخی ہونا ان پر ظاہر کرے یا وہ شرک کی حالت میں ہی مر جائیں اور اس طرح ان کی مشرکانہ موت سب کو نظر جائے) اس ابراہیم کا اپنے چچا کے لئے استغفار صرف اس وجہ سے تھا کہ اس نے اپنے چچا کو ایک وعدہ کیا تھا مگر جب امیر یہ امر کھل گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ اس سے کلی طور پر سیزاد ہو گیا۔ ابراہیم یقیناً براہمی درد مند دل رکھنے والا اور دربار انسان تھا۔

اسجملہ اب سے چچا اس لئے بھی مراد لیا جاتا ہے۔ کہ قرآن کریم ایک طرف تو یہ بتاتا ہے کہ جب ان پر اپنے اب کے متعلق یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا۔ یعنی شرک کی حالت میں ہی اس کا انتقال ہو گیا تو وہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے پوری طرح دست بردار ہو گئے۔ مگر دوسری طرف قرآن کریم بتاتا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت انہوں نے یہ دعا کی کہ **رَبَّنَا اَغْفِرْ لَنَا وَلِآلِہٖٓ وَ لِمَنۡ سَبَقَنَا بِیْسُوْمٍ یَّحْوَہُ الْحَسَابُ** (ابراہیم ۶) یعنی اے ہمارے رب تو مجھے بھی اور میرے والدین کو بھی اور تمام مومنوں کو بھی قیامت کے دن اپنی مغفرت کے واسطے میں چھپا لیجیو۔

اور ہمارے گناہوں کو بخش دیجیو۔ یہ ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر انہوں نے اس وقت کی ہے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے تھے اور چونکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق دونوں کی پیدائش آپ کے بڑھاپے کے زمانہ میں ہوئی ہے اس لئے **رَبَّنَا اَغْفِرْ لَنَا** و **لِآلِہٖٓ** والی دعا آپ کی عمر کے آخری حصہ تعلق رکھتی ہے

اور دَاغِ غُرْلًا لِكُلِّ آيَةٍ كَانَتْ مِنَ الْعَصَائِفِ دَالِي دُحَاوٍ
 انہیں ترک کرنی پڑی اس سے پہلے کی ہے۔ اگر اب سے مراد
 اُن کے باپ ہی ہوتے تو اس یقینی علم کے بعد کہ وہ اللہ تعالیٰ کا
 دشمن تھا چڑھا ہے میں وہ اپنے والدین کی مغفرت کے لئے
 کیوں دعا کرتے۔ پس اُن کا آخری عمر میں خانہ کعبہ کی تعمیر
 کے وقت اپنے والدین کی مغفرت کے لئے دعا مانگنا بتاتا
 ہے کہ چونکہ اُن کے والدین کا زمانہ فترت میں انتقال
 ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے اُن کی مغفرت کے لئے
 دعا کر دی۔ لیکن اُن کے چھانے چونکہ زمانہ نبوت پایا اور
 اُسے توحید کی تبلیغ بھی کی گئی لیکن پھر بھی وہ اپنے شرک
 پر مصر رہا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا اسلئے
 حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وعدہ سے دست بردار
 ہو گئے۔ اور یہ امر خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ انبیاء
 کی بعثت سے پہلے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں بوجہ اس کے
 کہ اُن پر حجت تمام نہیں ہوتی اُن کا معاملہ ان لوگوں سے
 بالکل مختلف ہوتا ہے جن پر نبی کے زمانہ میں حجت تمام ہو
 چکی ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے
 يَا اَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى
 فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُولِ اَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ
 وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاعْلَمُوْا
 عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (مائدہ ۴) یعنی اے اہل کتاب
 تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو جملہ رسالت
 کے ایک لمحے انقطاع کے بعد تمہیں ہمارے احکام خوب کھول
 کھول کر سناتا رہا ہے تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ
 ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ہمیں جو کس اور
 ہوشیار کرنے والا کوئی نہیں آیا۔ اب دیکھ لو کہ تمہارے
 پاس ہمارا بشیر اور نذیر آچکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر اُس
 امر پر جس کا وہ ارادہ کرے پوری طرح قادر ہے۔ اس
 آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے عدم آگاہی کو ایک

معقول مقررہ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ چونکہ ایسا عذر
 لوگوں کے حق بجانب ہونے کی علامت ہو سکتی تھی اسلئے
 ہم نے اُن کے عذر کو توڑ دیا۔ اور انکی طرف اپنے انبیاء
 بھیج دیئے تاکہ وہ دنیا میں ہمدانی تعلیم پھیلائیں۔ لوگوں
 پر حجت قائم کریں۔ اور اُن کو کسی قسم کے عذر کا موقع نہ
 ملے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خود یہ بات بھی تشریح طلب
 ہے۔ کیونکہ اگر اس کے یہ معنی کئے جائیں کہ جب نبی
 آتا ہے صرف اُسی وقت لوگوں پر حجت ہوتی ہے تو
 اس کے یہ معنی ہونگے کہ جس میں زمانہ میں نبی آئے ہیں
 اُسی زمانہ کے لوگوں پر حجت تمام ہوئی ہے باقی لوگوں
 پر حجت تمام نہیں ہوئی۔ اگر یہ معنی تسلیم کر لئے جائیں
 تو اس طرح دنیا کا اکثر حصہ تمام حجت کے دائرہ سر
 باہر نکل جائیگا۔ کیونکہ ہزاروں سال کے لیے عرصہ میں
 چند زمانوں میں ہی نبی آئے ہیں۔ درمیان میں بڑے بڑے
 وقفے نظر آتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی
 نبی لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ پس اگر
 یہ معنی کئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صرف
 اُس زمانہ کے لوگوں پر ہی حجت ہوتی ہے جس زمانہ میں
 کوئی نبی آیا ہے۔ باقی سب دنیا کسی الزام کے نیچے
 نہیں آتی۔ پس یہ جو شبہ پیدا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے
 میں اسی کے متعلق بتاتا ہوں کہ قرآن کریم کی اس آیت
 کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف کسی نبی کی زندگی میں جو
 لوگ ایمان نہیں لاتے وہی اتمام حجت کے نیچے آتے
 ہیں بلکہ حسیہ کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے ہر نبی کی
 حیات دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اس کی حیات جہانی
 ہوتی ہے اور ایک اُس کی حیات فیضانی ہوتی ہے۔
 ایک وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے جسم کے ساتھ دنیا
 میں زندہ ہوتا ہے اور ایک وہ زمانہ ہوتا ہے جب کہ
 وہ اپنے فیضان کے ساتھ دنیا میں زندہ ہوتا ہے۔

اور کسی نبی کے فیضان کے زمانہ کی زندگی لوگوں کے عذرات کے لحاظ سے ویسی ہی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ اُس کی حیات جسمانی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ زندہ موجود ہوتے ہیں جنہوں نے نبی کی زبان سے خدا تعالیٰ کا کلام سنا ہوتا ہے اور وہ اُسکی توبہ تدریس کے حامل ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی میں مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک زندہ خدا کو نظر آیا، اسی طرح ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی کے ذریعہ بھی لوگوں کو ایک زندہ خدا نظر آتا تھا اور پھر دوسرا ہی ذوق خدا حضرت حسن مجتبیٰ حضرت عمر بن عبد العزیز - حضرت حنفیہ بغدادی - حضرت محمد بن مسلم بن عرقی - حضرت شہاب الدین صاحب سہروردی - حضرت معین الدین صاحب حاشی - اور سید عبدالعزیز صاحب حیلانی وغیرہ کے ذریعہ بھی نظر آتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کے زندگی بخش اثرات کو برابر قائم رکھا۔ اور اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کی زندگی جاری رہی۔ سوال صرف یہ نہیں ہوتا کہ کوئی چیز کتنی نظر آئی ہے بلکہ اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز نظر آئی ہے یا نہیں آئی۔ اگر کوئی چیز نظر آ جائے تو یہ سوال باقی نہیں رہتا کہ وہ چیز چھوٹی ہے یا بڑی۔ دنیا میں مختلف قسم کی گائیں ہوتی ہیں مختلف قسم کے گھوڑے ہوتے ہیں۔ کوئی ادنیٰ قسم کے ہوتے ہیں اور کوئی اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی اعلیٰ درجہ کی گائے یا کسی اعلیٰ درجہ کے گھوڑے کو دیکھ کر یہ کہے کہ مجھے جب تک ایسی ہی گائے یا ایسا ہی گھوڑا دکھائی نہ دے میں مان نہیں سکتا کہ دنیا میں کوئی گائے یا گھوڑا ایسی موجود ہے تو یہ اُس کی غلطی ہوگی۔ میں ایک دفعہ کپور تھک گیا تو وہاں میں نے مہاراجہ کی ایک گائے دیکھی جو تین ہزار روپیہ کی تھی اور جو دلالت سے منگوائی گئی تھی۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے گائے نہیں دیکھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مہاراجہ کپور تھک گیا جو

تین ہزار روپیہ کی گائے ہے وہ میں نے نہیں دیکھی تو کوئی معقول انسان اُس کی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اسی طرح ہم گھوڑوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ٹو بھی ہوتے ہیں جو معمولی سی قیمت پر آجائے ہیں اور وہ گھوڑے بھی ہوتے ہیں جو پچیس پچیس لاکھ روپیہ کو خریدے جاتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص پچیس لاکھ روپیہ ملے گھوڑے کا ذکر سن کر کہے کہ میں نے کبھی گھوڑا نہیں دیکھا اور اُس کا مطلب یہ ہو کہ میں نے پچیس لاکھ روپیہ قیمت والا گھوڑا نہیں دیکھا تو کوئی معقول انسان اُس کی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اگر وہ ایک بیمار اور ضعیف اور کمزور گھوڑا بھی دیکھ لیتا ہے تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے گھوڑا نہیں دیکھا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ثبوت کسی انسان کے ذریعہ سے مل جائے تو چاہے وہ اتنا روشن اور تین نہ ہو اور چاہے وہ اُس فیضان کا ایک چھوٹا سا ظہور ہو بہر حال جب خدا کا عکس اُس کے آئینہ قلب میں سے نظر آ جائے اور دنیا اس کا انکار نہ کر سکے بلکہ اُسے کہنا پڑے کہ میں نے خدا کو دیکھ لیا تو کسی کا یہ کہنا کہ جب تک مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرح خدا نظر نہیں آتا میں تسلیم نہیں کروں گا۔ درست نہیں ہو گا جب ایک چیز موجود ہو تو اس کا انکار واقعات کو جھٹلانا ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ کوئی چیز چھوٹی ہو اور کوئی بڑی۔ میں نبی کی جو حیات فیضانی ہوتی ہے اُس میں جتنے لوگ ہوں سب پر رحمت تمام ہو جاتی ہے کیونکہ نبی کے زیر سایہ اور زیر تسلیم لوگوں کے ذریعہ وہ ایسے نشانات دیکھتے ہیں جن سے زندہ خدا کا ثبوت مل جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ سلسلہ فیوض اللہ تعالیٰ کے بفضل سے ایسے طور پر جاری ہے کہ اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوا۔ یہ سلسلہ ابتداء سے اسلام جاری ہوا

اور حضرت سید احمد صاحب شہید بریلویؒ کے زمانہ تک برابر جاری رہا۔ اور ان کے اور ان کے اتباع کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کا ثبوت لوگوں کو ملتا رہا۔ ان پر الہامات کا نزول ہوتا تھا۔ وہ ان الہامات کو بیان کرتے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا ہوتا تھا۔ اور یہ تو صرف ہندوستان کا ذکر ہے۔ دنیا کے اور حصوں میں بھی مختلف مجددین مبعوث ہوئے اور وہ لوگوں کے لئے ہدایت اور اسناد کی موجودگی محمدین کے متعلق لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ایک ہی مجدد ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر علاقہ میں اللہ تعالیٰ مجدد پیدا کیا کرتا ہے مگر لوگ تو یہ یا علی لحاظ سے اپنی قوم اور اپنے ملک کے مجدد کو ہی اپنی دنیا کا مجدد سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ جب اسلام اسی دنیا کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں اور مختلف ملکوں میں مختلف مجددین کھڑے ہوں۔ حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ بھی بیشک مجدد تھے۔ مگر وہ ساری دنیا کے لئے نہیں تھے۔ بلکہ صرف ہندوستان کے مجدد تھے۔ اگر کہا جائے کہ وہ ساری دنیا کے مجدد تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے عرب کو کیا ہدایت دی انہوں نے مصر کو کیا ہدایت دی۔ انہوں نے ایران کو کیا ہدایت دی۔ انہوں نے افغانستان کو کیا ہدایت دی۔ ان ملکوں کی ہدایت کے لئے انہوں نے کوئی کام نہیں کیا لیکن اگر ان ملکوں کی تاریخ دیکھی جائے تو ان میں بھی ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو صاحب دینی اور صاحب الہام تھے جو جنہوں نے اپنے ملک کی رہنمائی کا فرض سر انجام دیا پس وہ بھی اپنی اپنی جگہ مجدد تھے اور یہ بھی اپنی جگہ مجدد تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کوئی بڑا مجدد ہوتا ہے اور کوئی چھوٹا۔ ہندوستان میں آنے والے مجددین کی

اہمیت اس لئے ہے کہ وہ اس ملک میں آئے جہاں مسیح موعودؑ نے آنا تھا۔ اور اس طرح انکا وجود حضرت مسیح موعودؑ کی آمد تک کبھی مکتور رہا نہیں تھا۔ ورنہ ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ صرف یہی مجدد ہیں باقی دنیا مجددین سے خالی رہی اگر ہر شخص جو الہام کے ساتھ تجدید دین کا کام کرتا ہے وہ روحانی مجدد ہے۔ ہر شخص جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے تجدید کا کوئی کام کرتا ہے وہ مجدد ہے۔ چاہے روحانی مجدد نہ ہو۔ جیسے میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ فرمایا کہ اورنگ زیب بھی مجدد تھا۔ حالانکہ اورنگ زیب کو خود الہام کا دعویٰ نہیں تھا۔ تو نبیؐ کے فیوض روحانی کا زمانہ نبی کی زندگی میں ہی شامل ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فترت کا زمانہ بہت قلیل رہ جاتا ہے۔ گو بعض ممالک ایسے بھی ہیں جن پر فترت کا زمانہ کسی قدر لمبا نظر آتا ہے مگر ان ممالک کے اور گرد بھی روحانی فیوض کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر جاری تھا۔ جیسے عرب کا ملک ہے۔ اس پر فترت کا ایک لمبا دور آیا۔ گو بعض لوگ کہتے ہیں۔ اس عرصہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے بعض انبیاء ان میں مبعوث ہوئے۔ چنانچہ سنان بن خالد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی نبی تھے اور اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو اس طرح عرب پر بھی زمانہ فترت زیادہ عرصہ تک نہیں رہتا۔ لیکن اگر مان بھی لیا جائے کہ ملک عرب پر فترت کا دور لمبے عرصہ تک رہا تو بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل عرب کے دائیں اور بائیں ایسے لوگ مبعوث ہوتے رہے تھے جو خدا تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلاتے اور نشانات کے ذریعہ اسکی ہستی کا ثبوت پیش کرتے۔ آخر یہ کوئی ضروری نہیں تھا کہ اہل عرب پر کسی ایسے نبی کے ذریعہ ہی تمام رحمت کی جاتی جو ان میں سے ہوتا۔ جب داؤدؑ کے ذریعہ خدا ان پر ظاہر ہوا رہا تھا جب سلیمانؑ کے ذریعہ خدا ان پر ظاہر ہوا رہا تھا۔

جب مہدیؑ کے ذریعہ خدا اُن پر ظاہر ہو رہا تھا جب بھی
کے ذریعہ خدا اُن پر ظاہر ہو رہا تھا جب ذوالقرنین کے
ذریعہ جس سے مراد خود شاہ ایران ہے ان پر خدا ظاہر
ہو رہا تھا اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے الہام کا دعویٰ
کیا۔ اور یہ ۱۱۱ لوگ تھے جو اہل عرب کے دائیں بائیں
مبعوث ہوئے تو اس کے بعد اگر عرب میں کچھ دفعہ
بھی ہوا تب بھی وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہمیں یہ
نہیں شرک بری چیز ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت
کا عقیدہ بار بار ان انبیاء کے ذریعہ پیش کیا جا چکا تھا۔
اور یہ انبیاء وہ تھے جو اہل عرب کے دائیں بائیں مبعوث
ہوئے اور جن کے حالات اور جن کی تعلیم سے وہ لوگ
بے خبر نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر اس طرح ہم دیکھیں تو فترت
کا زمانہ بہت ہی قلیل رہ جاتا ہے جب خدا کا نور کہیں
نظر نہ آتا ہو۔ اہل عرب پر بیشک فترت کا کچھ لمبا
زمانہ نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت کی وجہ سے
اور دوسری طرف اہل عرب پر اس رحم کی وجہ سے کہ پہلو
نے فترت کا ایک لمبا دور برداشت کیا تھا اپنے
خاتم النبیین کو عربوں میں مبعوث فرمادیا اور اس طرح
اس کمی کا ازالہ ہو گیا۔ بہر حال لوگوں کے خلاف توحید
احمال اس وجہ سے معاف نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا
کوئی نبی اُن پر حجت قائم کرنے کے لئے مبعوث نہیں
ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس عذر کو ہمیشہ توڑنا رہتا ہے
اور وہ انبیاء کے ذریعہ لوگوں پر حجت قائم کر دیتا ہے
خواہ یہ حجت انبیاء کی جسمانی زندگی میں ہو خواہ اُنکی
فیضانی زندگی میں ہو۔ لیکن وہ لوگ جو نہ تو انبیاء
کی جسمانی زندگی کے زمانہ میں موجود ہوتے ہیں اور نہ
اُن کی فیضانی زندگی میں موجود ہوتے ہیں ان کا معاملہ
ایک جداگانہ نوعیت کا حال ہوتا ہے۔ چنانچہ

احادیث میں آتا ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ
قیامت کے دن دوبارہ اپنا رسول بھیجے گا۔ اور پھر
اُس کی اطاعت کرنے والوں یا اس کا انکار کرنے والوں
کو اپنے اپنے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی۔ اس
حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے زمانہ میں احکام الہی کی
جو اہمیت ہوتی ہے وہ فترت کے زمانہ میں نہیں ہوتی جب
کسی نبی کی فیضانی زندگی بھی ختم ہو چکی ہو یا اُس فیضانی
زندگی میں کوئی دفعہ پڑ چکا ہو جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی حیات فیضانی موجود تھی مگر چونکہ کوئی ایسا بندہ
موجود نہیں تھا جو نبی نوع انسان پر آپ کی روحانیت
کا پرتو ڈالتا اور آپ کا نور اپنے ائمہٴ قلب میں جذب
کر کے اُس کی شعاعوں سے دوسروں کو منور کرنا سسٹے
امت محمدیہ پر بھی فترت کا زمانہ آگیا۔ مگر وہ فترت
کا زمانہ بہت ہی مختصر تھا۔ آخر حضرت سید احمد رضا
شہید بریلویؒ کے وفات پاتے ہی اُن کے تمام شاگرد
تو اپنے فرائض سے غافل نہیں ہو گئے تھے کہ یہ سمجھ
لیا جائے کہ اُنکی وفات کے ساتھ ہی فترت کا زمانہ
شروع ہو گیا تھا۔ آپ کی شہادت ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو
ہوئی مگر حضرت سید مودود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
۱۸۹۴ء کے قریب الہامات شروع ہو گئے تھے اور
۱۸۹۲ء میں آپ نے اسلام کی صداقت کے متعلق
مضامین وغیرہ لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ گویا ابھی
ایک انسانی عمر بھی نہیں گزری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے
ایک آدمی کو لوگوں کی اصلاح کے لئے کھڑا کر دیا
یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے کا
ایک نہایت ہی واضح اور کھلا ثبوت ہے اور بتاتا ہے
کہ اسلام میں فترت کا زمانہ نہایت قلیل ہوتا ہے

بلکہ بعین دفعہ تو صرف نام کے طور پر ہوتا ہے در نہ ادھر ایک زمانہ ختم ہوتا ہے اور ادھر تھوڑے سے وقفہ کے بعد ایک آمد دور شروع ہو جاتا ہے اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان دنیا میں ہمیشہ جاری رہتا ہے لیکن جن انبیاء کی فیضانی زندگی ختم ہو جائے اور ان کے بعد بھی فترت کا دور لبا ہو جائے۔ اس دور میں جو لوگ پیدا ہوتے ہیں ان کے متعلق شرعی احکام بالکل اور رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے کو مغفرت کی دعا بالکل جائز ہوتی ہے۔

ذریعہ تفسیر آیت میں جو مثال دی گئی ہے ایک ایسے شخص کی ہے جو نبوت کے زمانہ میں تھا یعنی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور اس زمانہ میں زندہ موجود تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی۔ پس ایسا انسان جس کے سامنے ایک نبی اپنی تعلیم پیش کرتا ہے اور وہ پھر بھی شرک پر اصرار کرتا ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی توحید سے پھرانے کی کوشش کرتا ہے اس کے متعلق یقیناً اور احکام ہونگے۔ اور زمانہ فترت سے تعلق رکھنے والے لوگوں پر اور احکام نافذ ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے متعلق تو مغفرت کی دعا واپس لے لی اور اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا مگر اپنے والدین کے متعلق انہوں نے بڑھاپے میں بھی دعا کی کیونکہ وہ زمانہ فترت میں انتقال کر چکے تھے۔ اور ان کے متعلق احکام ایک جدا گانہ نوعیت کے حامل تھے۔ اس کی یہی ہی مثال ہے جیسے گذشتہ زمانہ میں جو سلمان حیاتِ سیح کے قابل رہے ہیں حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو بزرگ اور صالح قرار دیا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں اس عقیدہ کو آئیے نے عیسائیت کی مغربوں کی موجب

قرار دیا ہے۔ کیونکہ پہلے لوگوں کو علم نہیں تھا کہ یہ عقیدہ اسلام کے لئے کیسا خطرناک ہے مگر اب یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی ہے۔ پس چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام والدین زمانہ فترت میں انتقال کر چکے تھے آپ نے ان کی مغفرت کی دعا کی۔ اور چونکہ ان کا چچا توحید کی تعلیم سننے کے باوجود اپنے شرک پر مصر رہا آپ نے اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اب کا نام فرانجیم میں اذرتایا گیا ہے (سورہ انعام ۸۵) لیکن بائبل کہتی ہے کہ اس کا نام تارا تھا۔ پیدائش باب ۱۱ میں عیسائی مستشرقین جو بائبل کی ہر بات کو وحی آسمانی سے کہ نہیں سمجھتے بانہوم اعتراض کیا کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام اذرت قرار دے کر غلطی کی ہے۔ حالانکہ بائبل نہ تو کوئی تاریخ کی کتاب ہے اور نہ ہی ہم پر محبت ہے۔ اس کے اپنے بیانات اس قدر متضاد اور ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں اسے کسی طرح درست نہیں مانا جاسکتا۔ بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا جو نام لکھا ہے وہ ٹخنے والے اُن کے وقت میں موجود نہ تھے بلکہ سوا دس سو سال بعد میں پیدا ہوئے۔ پھر ان کی بات تاریخی لحاظ سے کیونکر صحیح مانی جاسکتی ہے۔ اور بائبل کے بیانات کی جو حالت ہے وہ اس ایک مثال سے ہی ظاہر ہے کہ بائبل میں لکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ مصر سے نکلے تھے ان کی تعداد چھ لاکھ سے اوپر تھی (گنتی باب ۴ آیت ۴۶) اور یہ وہ لوگ تھے جو لڑائی کے قابل تھے۔ اس لحاظ سے گویا کل مرد و عورتیں اور بچے جو ہیں پچیس لاکھ ہو گئے۔ مگر یہ بالکل ناممکن ہے کہ سوا دس سو سال میں بنی اسرائیل کی تعداد اس قدر بڑھ جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ تعداد چار ہزار تک

بڑھ سکتی ہے بشرطیکہ ان میں کوئی عورت یا بچہ نہ ہو اور کوئی مرد ناموہ ہو۔ گویا اگر نسل کی انتہائی ترقی مد نظر رکھی جائے جو دنیا میں کسی قوم کی نہیں ہوئی۔ اور یہ تسلیم کریں کہ ہر چالیس سال میں انکی تعداد دگنی ہو جاتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی تعداد چار ہزار ہونی چاہیے۔ مگر بائبل کہتی ہے کہ ان میں چھ لاکھ سے اوپر جو ان لڑنے والے تھے۔ گویا اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چوبیس چھپیس لاکھ کے قریب تھی۔ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی بیان کی جا رہی ہے۔ مگر قرآن کریم دو ہزار سال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی یہ بات ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ وَهَمُّ الْوُفَّاءِ (بقرة ۴۳) وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اور یہی تعداد ہے جو بنی اسرائیل کی زیادہ سے زیادہ نسل بڑھنے کے متعلق اندازہ لگا کر میں نے پیش کی ہے۔ پس جس کتاب کی یہ حالت ہو اُسے تاریخی کتاب کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ تاریخ نہیں بلکہ قصوں اور کہانیوں کی کتاب ہے۔ اگر ہم اس کا احترام کرتے ہیں تو اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ ورنہ اس میں اتنا بگاڑ پیدا ہو چکا ہے کہ اب اس کی کسی بات پر پورے طور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر تو بات کہتی ہے کہ حضرت ہارون نے شرک کیا۔ اور اپنے ہاتھ پرستش کے لئے بچھڑا بنایا۔ مگر قرآن کریم کہتا ہے کہ حضرت ہارون نے شرک نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے دوسروں کو روکنے کی کوشش کی اور یہی بات ایک نبی کے شایان شان ہے۔ غرض جبکہ بائبل کی کئی باتیں تاریخی لحاظ سے غلط ہیں تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا بائبل نے جو نام بتایا ہے وہ درست ہے اور قرآن کریم نے جو نام بتایا ہے وہ غلط ہے۔ اگر بائبل کا بیان کلی طور پر درست ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے باپ کا نام تارا ہی ہوتا تو طالمود میں ان کے باپ کا نام زارا کیوں لکھا جاتا۔ اور جو رئیس جو مشہور یہودی مؤرخ ہے وہ اس کا نام آتھر یعنی آڈر کیوں بتاتا ترجمہ قرآن (از سیل ۱۹۵۱) یہ اختلاف جو خود یہودیوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے باپ کے نام کے متعلق اختلاف تھا۔ اور چونکہ قرآن کریم کا نزدل اسی لئے ہوا کہ وہ پہلی الہامی کتب کے پیدا کردہ اختلافات کو دور کرے اس لئے اس نے اس اختلاف کو بھی دور کر دیا اور بتا دیا کہ اس کا نام آڈر ہی تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ تارا سے ہی قرآن کریم نے آڈر بنالیا ہو۔ کیونکہ تارا سے بدل جاتی ہے۔ اور قلب کے ذریعہ الف پہلے آ جاتا ہے معلوم ہوتا ہے عربوں کی زبان پر تارا کا لفظ نہیں پڑھتا تھا۔ انہوں نے تارا کو زارا بنالیا اور پھر زارا سے آڈر بن گیا۔ چونکہ قرآن کریم عموماً معرب نام استعمال کرتا ہے۔ جیسے ابراہام کو ابراہیم۔ اور یسوع کو عیسیٰ اور یوحنا کو یحییٰ اور جنوک کو ادریس کہا گیا ہے۔ اسی طرح تارا کو زارا کہہ دیا گیا ہے۔ پس یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ ہم تو یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اس جگہ آڈر سے ان کا حقیقی باپ مراد ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اسمجگہ آڈر کا لفظ چچا کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اسی لئے دوسرے مقام پر جب انہوں نے اپنے والدین کے لئے دعا کی تو وہ ان آڈر کی بجائے والد کا لفظ استعمال کیا۔ پس جبکہ ہم آڈر ان کے چچا کا نام سمجھتے ہیں تو بائبل میں اگر ان کے باپ کا نام تارا آگیا ہے تو اس سے قرآن کریم پر کیا اعتراض پڑ سکتا ہے۔ اگر بائبل ان کے چچا کا نام تارا بتاتی تبت تو یہ اعتراض ہو سکتا تھا۔ لیکن بائبل تو ان کے حقیقی باپ کا نام تارا بتاتی ہے اور قرآن کریم ان کے چچا کا نام آڈر بتاتا ہے ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں کہ ایک نام کو دیکھ کر دوسرے نام پر

اعتراف کر دیا جائے۔ اس کی مزید تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بائبل حضرت سارہ کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تھیں تارہ کی بیٹی قرار دیتی ہے۔ (پیدائش باب ۱۲) اگر تارہ کو ان کا حقیقی باپ سمجھا جائے تو اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ آپ نے اپنی سگی بہن سے شادی کی حالانکہ بہن سے شادی کرنا ناجائز تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل وہ باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔ مگر چونکہ انکی پدرش اپنے چچا کے گھر میں ہی ہوئی تھی اس لئے لوگوں کو غلطی لگ گئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تارہ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر مؤرخین نے بھی اسے آپ کا باپ قرار دے دیا۔ اس مقام پر بھی ظالموں نے بائبل کی اصلاح کی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت سارا اُنکے بھائی کی بیٹی تھیں۔ اُن کی حقیقی بہن نہیں تھیں پھر ظالموں میں یہ بھی سمجھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب تہوں کے خلاف آواز بلند کی تو آذر نے تک آکر بادشاہ کے پاس اُن کی شکایت کی اور انہیں سزا دلوانے کی کوشش کی۔ اس لٹل کی بھی عقلی لحاظ سے ایک پاپے توقع نہیں کی جاسکتی۔ پس یہ تمام قرائن اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اسبکہ آپ سے اُن کا چچا ہی مراد ہے اور بائبل سے نام کا اختلاف کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں۔

پھر زمانے میں ذَلَّ عِزُّ بَنِي يُوْنُسَ يُبْعَثُوْنَ۔ يُوْمَرُ لَا يَنْفَعُ مَا لَكَ يَا بَنُوْنَ اٰدَمَ مِنْ اَنْ تَلُوْا اللّٰهَ بِغُلَبٍ صَلِيْمٌ۔ یعنی اے میرے رب! مجھے اُمدن کی رسوائی سے محفوظ رکھیں جو بدن تمام لوگ اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے اٹھنے جائیں گے اور جس دن انسان کو نہ اسکا مال نفع دیگا اور نہ اُس کے بیٹے اس کے کسی کام میں گئے ہوں وہی شخص فائدہ میں رہے گا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ایک پاک اور بے عیب اور مطمئن دل لے کر حاضر ہو گا۔ یہ ظاہر ہے کہ دل بھی مطمئن ہوتا ہے جب انسان کو

یقین ہو کہ اُس نے اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کر لیا، اور اُسے اپنے انجام کے متعلق کوئی اضطراب لاحق نہ ہو مگر یہ یقین اللہ تعالیٰ کے تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا پس قلب سلیم درحقیقت اسی شخص کو میسر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کر لیتا ہے ورنہ ظاہری مال و دولت کسی انسان کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ یورپین قوموں کو دیکھ لو۔ مال و دولت کے لحاظ سے دنیا کی کوئی قوم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر ہر قسم کی طاقت اور جتنے اور مال کے باوجود اُن کے اندر ایک احساس کمتری پیدا ہو رہا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز ایسی ہے جو اُن کے پاس نہیں بلکہ ایشیا میں ہے۔ یہ احساس کمتری ابھی اُن میں اتنا نمایاں نہیں کہ بڑوں اور چھوٹوں سب لوگوں میں پایا جائے لیکن تاہم اُن کے اندر ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو سمجھتا ہے کہ اُنکے پاس دولت بھی ہے مال بھی ہے لیکن انہیں دل کا چین نصیب نہیں۔ وہ لوگ شر میں پیتے ہیں سینکا دیکھتے ہیں۔ ناچ اور گانوں میں دن رات کا ایک ٹرا حصہ بسر کرتے ہیں۔ لیکن جب نشہ اُتر جاتا ہے اور وہ چار پانی پر جا کر بیٹھتے ہیں تو انہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اندر کوئی خلا پایا جاتا ہے۔ اور وہ خلا سوائے تعلق باللہ اور دین کے اور کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ دنیا کی ہر نعمت کو حاصل کر لینے کے بعد بھی اُن کے اندر یہ بے معنی ہوتی ہے کہ کوئی چیز ایسی ہے جو انہیں حاصل نہیں اور وہ انہیں حاصل ہونی چاہیئے۔ دراصل خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کا وصال ایک ایسی نعمت ہے کہ جب وہ کسی شخص کو میسر آجاتی ہے تو دنیا کے سارے علم مٹ جاتے ہیں اور اُسے کوئی حسرت باقی نہیں رہتی۔ عارضی غم بے شک آتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کو کاٹا چبھ جائے تو اس کے نتیجے میں اُسے درد تو ہوتا ہے لیکن اُسے کوئی شخص جاری نہیں

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۹۱﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ

اور جس دن جنت متقیوں کے قریب کر دی جائے گی۔ اور گہراہوں کے لئے دوزخ پر سے پردے

لَبُغُومٍ ﴿۹۲﴾ وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۹۳﴾

اٹھا دیئے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت

مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۹۴﴾

کرتے تھے۔ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟ یا تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟

فَكَبِّبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿۹۵﴾ وَجُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿۹۶﴾

پس اسوقت وہ جھوٹے معبود اور کافراہ اور گہراہ اور ابلیس کے لشکر سارے کے سارے اس دوزخ میں اوندھے منہ گرادیئے جائیں گے

محض ۹۵ مقام ہے جو انسانی جسم پر حکومت کرتا ہے۔ چاہے وہ دماغ ہی ہو۔ لیکن میرے نزدیک یہ تو جبرِ محض ڈر کی وجہ سے کی گئی ہے۔ دہ جہاں تک قرآن کریم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے میرے نزدیک قلب سے مُراد وہی چیز ہے جو سینہ میں ہوتی ہے اور اُس چیز کو دماغ قرار دینا محض دھینگا شستی ہے۔ بہر حال اِس حدیث سے ظاہر ہے کہ انسانی اعمال کی صفائی دل کی صفائی کے ساتھ وابستہ ہے۔ تم اپنے انقوں کی صفائی کر کے پاک نہیں ہو سکتے۔ تم اپنے منہ کی صفائی کر کے پاک نہیں ہو سکتے۔ تم اپنے سر کی صفائی کر کے پاک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ پاکیزگی کا منبع دل ہے۔ لیکن اگر تم اپنے دل کی صفائی کر لو۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور تم ایک مطمئن دل لے کر حاضر ہو گے۔ ہمارا خالق اور مالک جس نے مخلوق کو پاکیزگی کے حصول کے لئے پیدا کیا ہے اس کے نزدیک سب سے مقدم دلوں کی پاکیزگی ہی ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا درخت صرف اُسی زمین میں پرورش پا سکتا ہے جو پاک اور صاف ہو۔ ناپاک دل اُس کی صفائی کا جلوہ دکھائیں

کہہ سکتا۔ اسی طرح عارضی تکلیفیں اور غم تو ایسے انسان پر بھی آتے ہیں لیکن یہ غم اُن کے راستہ میں روک نہیں پڑتے اور اپنے اپنے درجہ کے مطابق انہیں اطمینان اور سکون حاصل رہتا ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹوٹھرا ہے جب ۹۵ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا انسانی جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا انسانی جسم خراب ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا اَلَا وَحَى الْقَلْبُ سُبُو! وہ گوشت کا ٹوٹھرا دل ہے۔

بعض لوگوں نے خصوصاً اس زمانہ کے سائنسدانوں اور تشریح الابدان دانوں نے کہا ہے کہ وہ چیز جو انسانی اعمال، افعال اور ارادوں اور خواہشات کو مضبوط کرتی ہے اور انہیں ایک نظام کے نیچے لاتی ہے وہ دل نہیں بلکہ دماغ ہے۔ اور سائنس دانوں سے ڈر کر بعض مسلمان علماء نے بھی قرآن کریم کی بعض آیات کی ایسی تفسیر شروع کر دی ہے جس سے یہ نکلتا ہے کہ قلب سے مُراد قلب انسانی نہیں بلکہ اس سے مُراد

قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٧﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِي

دہ نہیں ہیں جبکہ وہ میں (یعنی جہنم) میں بھٹک رہے ہو گئے کیونکہ۔ خدا کی قسم ہم کھل کھلی گمراہی

ضَلِّل مُّبِينٌ ﴿٩٨﴾ اِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٩﴾ وَمَا

تیں پڑے ہوئے تھے۔ جب کہ ہم تم کو رب العالمین خدا کے برابر درجہ دیتے تھے۔ اور ہم کو

اَصَلْنَا اِلَّا الْمَجْرُمُونَ ﴿١٠٠﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠١﴾ وَ

تو مجرموں نے ہی راستہ سے بھٹکایا تھا۔ پس (آج) شفاعت کرنے والوں میں کوئی ہماری شفاعت نہیں کرتا۔ اور

لَا صَدِيقٌ حَمِيمٌ ﴿١٠٢﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةٌ فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

نہ ہمارا کوئی غمخوار دوست ہے۔ پس اگر میں لوٹنے کی طاقت ہوتی تو ہم (بوت کر) مژدہ مومنوں میں (داخل) ہو جاتے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةًۭ ۚ وَمَا كَانَ اَلْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَ

اسی (واقعات) میں ایک بہت بڑا نشان ہے لیکن بن ذکافروں میں سے اکثر ایمان ہی نہیں لاتے۔ اور

اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٥﴾

تیرا رب یقیناً غالب (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ ۱۹

موسکت اور نہ ناپاک ہاتھ اس کے غمخوار کے پائے کو چھو سکتے ہیں۔

۱۹ حل لغات :- اُزْلِفَتْ : اُزْلِفَتْ سے

مُؤْت کا فعل مجہول کا مفعول ہے اور اُزْلِفَتْ کے معنی ہیں قَرَّبَہُ۔ اُس کو قریب کیا (اُزْلِفَتْ سے اُزْلِفَتْ اُجْتَبَہُ کے معنی ہونگے جنت قریب کر دی جائیگی۔

مُبَرَّذَتْ : مُبَرَّذ سے مؤث کا فعل مجہول کا مفعول ہے اور مُبَرَّذ کے معنی ہیں اُفْهَرَہُ وَ يَبْنُہُ کسی چیز کو ظاہر اور واضح کر دیا (اُزْلِفَتْ سے اُزْلِفَتْ کے معنی ہونگے ظاہر کر دی جائیگی۔

اَلْبَعْجِيْمُ : النَّارُ السَّيِّدَةُ اَلْاَنْتَجَجُ یعنی

جہنم کے معنی سخت بھڑکنے والی آگ کے ہیں۔ نیز اس کے معنی میں مَحْلُ نَارٍ عَظِيْمَةٍ فِيْ مَهْوَاةٍ نَّهْوٍ جَعِيْمٍ یعنی ہر وہ بڑی آگ جو گڑھے میں ہو۔ اَنْحَاكَ الشَّدِيدُ الْعِزُّ سخت گری والی جگہ۔ نَسَمٌ مِّنْ اَسْمَاءٍ جَعِيْمٍ جہنم کے ناموں میں سے ایک۔ جَعِيْم بھی ہے (اُزْلِفَتْ)

كَبَّكْبُوا : كَتَبَ سے جمع ذکر کا مجہول کا مفعول ہے اور كَبَّكْبَہُ کے معنی ہیں قَبَّہُ وَ هَوَّعَہُ اُس کو پھینکا دیا اور شکست دیدی۔ اور جب كَبَّكْبَہُ اُس کو کہیں تو معنی ہونگے رَمَاہُ فِيْ الْهَوَاةِ اُس کو گڑھے میں پھینک دیا۔ اُزْلِفَتْ اُس کو پھینکا دیا جائیگا (۲) اُنکو گڑھے میں پھینک دیا جائیگا۔ اَلْبَعْجِيْمُ

۵۷

الْعَاوُنَ

الْعَاوُنَ: الْغَاوِيَّ كِي مَجْعُ هُے جَوْ غَوَىٰ سَہِ اسْمِ قَاعِل
کامیغہ ہے۔ اور غَوَى الرَّجُلُ کے معنے ہیں مَنَل۔ گمراہ ہو گیا
خَاب۔ ناکام ہو گیا۔ اِنْخَمَكَ فِي الْبَحْلِ۔ جہالت میں
لگ گیا۔ هَلَكَ۔ ہلاک ہو گیا۔ یَسُ الْغَاوِيَّ کے معنے ہونگے
گمراہ ہونے والا۔ ناکام ہونے والا۔ جہالت کے کاموں میں
مشغول ہونے والا۔ ہلاک ہونے والا۔

جُنُودٌ

جُنُودٌ: جُنْدٌ کی جمع ہے اَلْجُنْدُ کے معنے
ہیں اَلْعَشْكَوْمُ شَر۔ اَلْفَاوَاتُ۔ مددگار (اقرب)
نُسُوْبِكُمْ: نُسُوْبٌ سے فعل مضارع کا جمع متکلم کا صیغہ
ہے اور نُسُوْبٌ کا ہم کے معنے میں عَدَلٌ کسی کو کسی کے برابر قرار
دیا (اقرب) پس لَوْ نُسُوْبِكُمْ کے معنے ہونگے جب ہم تم کو
برابر قرار دیتے تھے

حَمِيمٌ

حَمِيمٌ: اَلْقَرِيبُ الَّذِي تَهْتَمُّ بِأَمْرِهِ۔ وہ
قریب جس کے کاموں کی سرانجام دہی کی فکر رہتی ہو۔ اَلْقَرِيبُ
دوست (اقرب)

كَتَوُا

كَتَوُا: كَتَبَ سے مصدر ہے۔ اور كَتَبَ کے معنے ہیں
رَبَّحَ۔ لَوْ اَلْقَرِيبُ پس كَتَبَ کے معنے ہیں ایک دفعہ لُتَا۔
تَقْسِيرُ۔ فرماتا ہے۔ اُس دن جنت متقیوں کے
قریب کر دی جائے گی۔ یعنی متقی جوں جوں نیک کام کرتا
چلا جاتا ہے نیکی اس پر آسان ہوتی جاتی ہے اور جنت
اُس کے قریب ہوتی جلی جاتی ہے۔ میں نے بالعموم دیکھا ہے
کہ جب کسی کو نیکی کی لذت حاصل ہو جائے تو اس کے بعد
وہ بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے بڑھتا ہے اور ایک کے
بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری نیکی اس کے لئے
آسان سے آسان تر ہو جاتی ہے۔

پاٹن سے پہلے میں ایک دفعہ دہلی گیا۔ چوہدری
ظفر اللہ خان صاحب بموقت تک ابھی دذیر نہیں بنے
تھے۔ ایسے وہ حکومت کی طرف سے ایک خاص مقدمہ
کی ہمدردی کے لئے مقرر تھے۔ ان دنوں ہندوستان کی

حکومت نے انگلستان سے ایات کے ایک ماہر کو منگوایا تھا
تاکہ بعض اہم باتوں میں اس کا مشورہ لیا جاسکے چوہدری
صاحب نے اُسے مجھ سے ملانے کے لئے دعوت دی۔
اور اُس میں اور چیزوں کے علاوہ گلاب جامن یا رس کئے
بھی رکھ دئے۔ اُس شخص کے لئے یہ بالکل ایک نئی چیز تھی
وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ مگر چوہدری صاحب کہا۔ اے
کھا کر دیکھو۔ چنانچہ اُس نے ایک گلاب جامن یا رس کھلا
اٹھا کر کھایا۔ چوہدری صاحب نے پھر ایک گلاب جامن
یا رس کھلا اُسے دیا۔ اُس نے پھر گریز کیا تو چوہدری صاحب
نے اُسے کہا کہ تم نے پہلا گلاب جامن یا رس کھلا تو عجوبہ
کے طور پر کھایا تھا۔ اب دوسرا گلاب جامن یا رس کھلا
اُس کے مزے کی وجہ سے کھاؤ۔ میں نے چوہدری صاحب
سے کہا کہ آپ نے یہ کیا بات کہی ہے۔ انہوں نے بتایا
کہ انگریزی میں یہ محاورہ ہے کہ پہلی چیز محبوبہ کے طور پر ہوتی
ہے اور دوسری چیز اس کے مزے کی وجہ سے استعمال کی
جاتی ہے۔ یہ تو ایک دیوی ضرب الشل ہے لیکن میں نے
روحانیات میں بھی دیکھا ہے کہ پہلے جبکہ لگانے کی ضرورت
ہوتی ہے۔ پھر خود بخود علالت پڑ جاتی ہے۔ شکر پھر نوا کوصل
سے تیار ہوتی ہیں بچے اور جوان اُن کے پینے سے غمراہ
ہیں لیکن یوہپ میں لوگ شراب تک مزے لے لے کر پیتے
ہیں۔ اور روکنے کے باوجود اُسے نہیں چھوڑتے۔ امر کہ میں
جب شراب نوشی کے انسداد کے لئے قانون وضع کیا گیا تو
ہزار ہا عوتیں دہلی صرفت اسوجسے واقع ہوئیں کہ لوگ
شراب پینے کے شوق میں سپرٹ پی لیتے۔ سالہا سال ایسا
ہوتا رہا کہ چونکہ لوگوں کو پیسے کے لئے شراب نہیں ہتی تھی
اس لئے وہ سپرٹ پی لیتے تھے اور سپرٹ میں چونکہ
ذہری چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے اس لئے کئی اندھے
ہو جاتے اور کئی مر جاتے۔ مگر پھر بھی وہ اپنی خواہش کو
مردک سکتے۔ پس ہر چیز کے ددمنرے ہوتے ہیں ایک تو

اُس کا ذاتی مزا ہوتا ہے اور دوسرا مزا عادت کے نتیجہ میں ہوتا ہے چارے ملک میں لوگ پان میں زندہ کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جس نے پہلے زندہ استعمال نہ کیا ہو وہ اگر زندہ کھائے تو اُس کے سر میں چکر اُٹنے لگتا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ مجھے نفوس کی تکلیف ہوئی۔ ایک دوست جو ہندوستان کے تھے انہوں نے کہا۔ آپ پان میں زندہ ڈال کر کھائیں۔ وہ مہلٹ جائیگی۔ میں نے کہا۔ میں نے تو زندہ کبھی نہیں کھایا۔ اس لئے اگر میں نے زندہ کھایا تو سر میں چکر آجائیگا۔ انہوں نے کہا نہیں آپ استعمال تو کریں۔ چنانچہ انہوں نے پان میں زندہ ڈال کر مجھے دیا اور میں نے کھایا۔ اس سے دو دن واقعہ میں کچھ کمی ہوگئی چند گھنٹوں کے بعد انہوں نے پھر مجھے پان میں زندہ ڈال کر دیا۔ غرض دو دن ہم سفر میں رہے اور دونوں دن برابر مجھے پان میں زندہ ڈال کر دیتے رہے۔ دو دن کے بعد میں نے دیکھا کہ درد کی تکلیف کم ہونے لگی ہے تب میں نے اُسے چھوڑ دیا کہ میں اس کی عادت ہی نہ پڑ جائے۔ غرض بڑی تکلیف دہ اور بد مزہ چیزیں بھی اگر علاج کے طور پر استعمال کی جائیں تو ان کی عادت پڑ جاتی ہے اور اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور جب ادنیٰ چیزوں کی عادت پڑ جاتی ہے تو دین کی قربانی کی عادت کیوں نہیں پڑ سکتی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ انسان کو ایک دفعہ قربانی کے لئے اگلا یا جائے اس کے بعد خود بخود اس کے اندر نوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اُسے دین کے کاموں میں ایسی لذت آنے لگتی ہے کہ ان کو ایک لمحہ کے لئے بھی چھوڑنا اُس کے لئے ناقابلِ مصلحت ہو جاتا ہے جس طرح ایک انسان کو روٹی نہیں ملتی تو وہ چلا تا اور خدا تعالیٰ کے حضور گرہ گڑا تا ہے کہ خدایا مجھے روٹی دے۔ اسی طرح اگر اُسے شامت دین کی توفیق ملتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کا ممنون ہوتا ہے اور

اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور اگر کسی وقت اُسے دین کی خدمت کی توفیق نہیں ملتی تو وہ خدا تعالیٰ کے حضور گڑا گڑا تا ہے کہ وہ اس کی کمزوری کو دور کرے اور اس کے اندر دینی خدمات بجا لانے کی زیادہ سے زیادہ قوت پیدا کرے۔ اس طرح قدم بقدم نیکی اُس پر سامان ہوتی جاتی ہے اور جنت اس کے قریب ہوتی چلی جاتی ہے لیکن سچائی سے منحرف لوگوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ان کے لئے دینی قربانیاں جو ایک مومن کے لئے بالکل آسان ہوتی ہیں آگ کے شعلوں کا سارا رنگ اختیار کر لیتی ہیں۔ اور وہ اُن سے دور بھاگتے ہیں اور اپنے آپ کو اُس سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا مومن تو خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے قربانیوں کی آگ میں اپنے آپ کو جھونک دیتے ہیں۔ اور وہ آگ اُن کے لئے گلزار بن جاتی ہے لیکن ایک منافق اور ایک گمراہ انسان کو وہی آگ جہنم کا ایزد بن بنا دیتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اُس کی بے ایمانی پر جو پردہ پڑا ہوتا ہے وہ اٹھ جاتا ہے۔

اسی طرح اَزْ لَیْفَتِ الْجَنَّةِ لِلْمُتَّقِیْنَ میں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ آخری زمانہ میں جنت متقیوں کے قریب کر دی جائیگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا۔ کہ مذہبی باتیں لوگوں کی سمجھ میں آنے لگ جائیں گی اور سائنس جو مذہب کی مخالفت کر رہی ہوگی اُس کی مخالفت آپ ہی آپ ختم ہو جائیگی اس طرح متقی لوگوں کے لئے جنت کا حصول بہت آسان ہو جائیگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں یہ جنگوئی پوری ہو رہی ہے اور احرارِ یورپ میں سے کچھ تو آہستہ آہستہ اپنے بلند بانگ وادی کو چھوڑ رہے ہیں۔ اور کچھ ان باتوں کو جو اس سے قبل انہیں غیر قدرتی نظر آتی تھیں ان کو قدرت میں شامل کر کے مذہب کی طرف آ رہے ہیں گویا دَنَا فَنَدَنَّا کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ یعنی سائنس دان اپری کی

طرف چڑھ رہا ہے۔ اور علماء نے جو مخالفہ کا رنگ مذہب پر چڑھا دیا تھا وہ اتنا جا رہا ہے۔ اور اس طرح دنیا خدائی باتوں کی تصدیق کے لئے تیار ہو رہی ہے اور جنت اُن کے قریب کی جا رہی ہے۔ مگر ایسے زمانہ میں بھی جو لوگ خدائی ہدایت کو قبول کرنے سے اعراض کریں گے، انہیں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ تب اُن سے کہا جائیگا کہ اَیْمَنَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عَلَّیْکُمْ شَکْوٌ وَنُفَرٌ اَوْ یَنْتَعِمُونَ وہ تمہارے معبود کہاں ہیں جن کے آستانہ پر تم سر جھکتے تھے اور جنہیں اپنا خدا سمجھا کرتے تھے۔ آج بتاؤ کہ کیا وہ تمہاری کچھ بھی مدد کر سکتے ہیں یا تمہارا بدلہ لینے کی کوئی طاقت رکھتے ہیں۔ جب وہ اپنی آنکھوں سے اس انجام کو دیکھ لینگے تو وہ بھی اور اُن کے معبود بھی اور تمام ایسی شکر بھی دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیئے جائیں گے۔ اور اُن کی تمام عزتیں خاک میں مل جائیں گی۔ تب وہ آپس میں جھگڑنا شروع کر دیں گے مادمہ لوگ جو دنیا میں اپنے لیڈروں کی مذہبی تقلید کرتے رہے اور خدا تعالیٰ کی آواز پر انہوں نے کان نہ دھرا۔ وہ اُن سے کہیں گے کہ خدا کی قسم ہم تو بڑی غلطی میں مبتلا رہے جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر درجہ دیتے رہے اور ہم نے تمہاری باتوں پر تو کان دھرا مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو منادی آیا۔ اس کی آواز کو ہم نے نہ سنا مگر پھر وہ اپنے دلوں کو قسلی دینے کے لئے کہیں گے۔ اِس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ وَ مَا اَضَلَّنَا الْاَلٰہُ الْمُجْرِمُوْنَ ہمیں تو ان مجرموں نے ہی صحیح راستہ سے جھٹکایا ہے۔ اگر یہ لوگ ہمدانی راہ میں روک بن کر کھڑے نہ ہو جاتے تو آج یہ ہمارا حشر کیوں ہوتا۔ یہ تو ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے سب کو جھٹکھائیں گے اور ہمیں جنت میں پہنچا دیں گے مگر آج یہ حالت ہے کہ خَمَسًا مِّنْ شَافِعِیْنَ وَلَا صَدِیْقِیْ حَیْثُمُ۔ نہ آج سفاعت

کرنے والوں میں سے کوئی ہمدانی سفاعت کرتا ہے اور نہ کوئی دوست اور غمخوار ہمیں اس صحبت سے پھرتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمدانی ایک بہن تھی جو کسی پیر کی مریدہ تھی۔ وہ ایک دفعہ قادیان مجھے ملنے کے لئے آئی۔ تو میں نے کہا بہن تم احمدی کیوں نہیں ہوتیں۔ وہ کہنے لگی مجھے احمدی بننے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے فلاں پیر صاحب کی معیت کر لی ہے اور انہوں نے مجھے کہہ دیا ہے کہ اب تمہیں کسی کی ضرورت نہیں جو میں اُسے کروں۔ تمہارے سب گناہ ہم نے اٹھائے۔ میں نے کہا۔ اب جب پیر صاحب کے بلوگی تو میں سے پوچھنا کہ قیامت کون جب تک ایک شخص کو گناہوں کی وجہ سے جو تیاں پٹنی ہیں تو کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ آپ جنہوں کے سب مریدوں کے گناہ اٹھا لئے ہیں آپ کو کتنی جوتیاں پڑیں گی۔ وہ کہنے لگی اچھا میں یہ بات اُن سے ضرور دریافت کروں گی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ دوبارہ آپ سے ملنے کیلئے آئی تو آپ نے پوچھا۔ کہ بہن پیر صاحب سے وہ بات پوچھی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ ہاں میں نے پوچھی تھی مگر وہ تو انہوں نے فوراً حل کر دی۔ میں نے کہا کس طرح کہنے لگی۔ جب میں نے یہ سوال کیا تو پیر صاحب کہنے لگے۔ دیکھو جب فرشتے تم سے پوچھیں کہ تم نے فلاں فلاں گناہ کیوں کئے ہیں تو کہہ دینا کہ مجھے اس کا کچھ تہ نہیں۔ یہ یہ صاحب کھڑے ہیں ان سے پوچھو۔ اس پر وہ تمہیں چھوڑ دیں گے۔ تم اعلیٰان سے جنت میں چل جانا۔ میں نے کہا۔ پیر صاحب پھر آپ کا کیا فیصلہ کہنے لگے جب وہ مجھ سے پوچھیں گے تو میں جی ہاں ہوں انہیں نکال کر ہونگا کہ کرا میں میرے نانا، اماں کو نے جو قربانی کی تھی کیا وہ کافی نہیں تھی کہ آج کچھ نہیں نہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تیرے لئے کیا؟

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ

نوحؑ کی قوم نے (اپنے) رسولوں کا انکار کیا ۔ جب کہ اُن سے اُن کے

أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَّا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

بھائی نوحؑ نے کہا ۔ کیا تم تقویٰ نہیں کرتے ؟ میں تمہاری طرف ایک امانت دار

أَمِينٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

پیغامبر ہو کر آیا ہوں پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ۔ اور میں اس (خدمت کے بدلہ میں)

اپسر فرشتے شرمندہ ہو کر ایک طرف ہو جائیں گے اور ہم دُگنہ دُگنہ کرتے ہوئے جنت میں چلے جائیں گے ۔

اسی طرح دنیا میں روزِ نہ میں یہ نظارہ نظر آتا کہ لوگ اپنے دوستوں کی خاطر جھوٹ بولنے سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔ وہ اُن کے لئے ہر قسم کے دھوکا اور فریب اور جلسہ بازی سے کام لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ۔ مگر قیامت کے دن نہ کسی کی دوستی کام آئیگی اور نہ اپنے بہروں پر گناہوں کا بوجھ اٹھالینے کا

دعا دہ کرنے والے کسی کو جہنم سے بچا سکیں گے بلکہ انہیں حسرت اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ اگر ہم میں یہ طاقت ہوتی کہ ہم دریا بہ دنیا میں لوٹ کر جاسکتے تو ہم تلافیِ مافات کرنے کے لئے تیار ہیں مگر اُس وقت انکی یہ خواہش چاہی نہیں جیسی کہ کہیں اُس وقت عمل کا

دروازہ بند ہو چکا ہوگا ۔ فرمایا ہے ۔ ابراہیمؑ کے اس واقعہ میں بھی ایک ہیبت بران نشانِ محضی ہے کہ کس طرح ابراہیمؑ نے انتہائی کمزوری اور ضعف کی حالت میں تینوں کے خوف آواز بلند کی ۔ کس طرح اُس کی قوم

نے مخالفت کی اور آخر سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا ۔ مگر آخر ابراہیمؑ ہی فاتح ہوا ۔ اور بُت اس کی قوم کو کوئی غامدہ نہ پہنچا سکے ۔ مگر اتنا بُرا نشان دیکھنے کے باوجود ابراہیمؑ علیہ السلام کی قوم میں سے اکثر لوگ دنیوی لذات میں ہی منہمک رہے ۔ اور انہیں آپ پر ایمان لانے کی سعادت نصیب نہ ہوئی ۔ لیکن فرماتا ہے ۔ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۔ تیرا رب یقیناً بڑا غالب اور بار بار رحم کرنے والا ہے ۔ یعنی بے شک ابراہیمؑ علیہ السلام کی قوم کی اکثریت اُس پر ایمان نہیں لائی مگر تیرا رب بڑا غالب اور مہربان ہے وہ ایک دن تیری قوم کی اکثریت کو تجھ پر ایمان لانے کی سعادت عطا فرما دے گا ۔ اور انہیں ایک ایسے عرصہ تک اپنے انعامات سے مستمع فرمایا چلا جائیگا ۔ چنانچہ نوحؑ کے بعد ایسا ہی ہوا ۔

تَبَّ کی ساری قوم آپ پر ایمان لے آئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس ایمان کی برکت سے انہیں سینکڑوں سال تک اپنے انعامات سے نوازا ۔ اور انہیں ایک لمبا دورِ حکومت عطا فرمایا ۔

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾

کوئی اجر نہیں مانگتا میرا بدلہ تو رب العالمین (خدا) کے ذمہ ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو

قَالُوا أَنْتُمْ مِنْ لَدُنْكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿۱۲﴾

انہیں دینی کانوں نے کہا کہ کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالانکہ ہماری نہایت حقیر لوگ تیرے متبع ہوئے ہیں۔

تفسیر: سفر تاتا ہے۔ نوح کی قوم نے بھی

نوح کی جو کہ اس وقت سب رسولوں کا قائم مقام مخالفین کی۔ نوح نے ان کو سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانے اور یہ بھی بتایا کہ آخر میرے سمجھانے کی غرض کیا ہے۔ جس تم سے کچھ مانگتا تو نہیں۔ میری امید اور میرا توکل تو صرف رب العالمین خدا پر ہے۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔

اَطِيعُوا سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی اطاعت اور شریعت پر عمل مجاہد چیزیں ہیں۔ اہل قرآن کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف قرآن کی اطاعت کا حکم ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم نہیں۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ادنیٰ نبی تھے کہتے ہیں۔ اَطِيعُوا تم میری ذات کی اطاعت بھی کرو۔ تب تمہارا تقویٰ مکمل ہوگا۔ کیونکہ خدائی تعلق کا پہلا ذریعہ خدائی کے نبیوں سے تعلق پیدا کرنا ہوتا ہے جس طرح تمہارے لئے یہ ناممکن ہے کہ تم چھلانگ لگا کر حقیقت پر چڑھ سکو۔ اسی طرح تمہارے لئے یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرنے والے وجودوں کو چھوڑ کر تم خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکو مگر جس طرح کسی کجاء ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقیقت پر چھٹھا ہوتا انسان جب دیکھتا ہے کہ کسی پر شیر یا ڈاگو نے حملہ کر دیا ہے

تو وہ رستی گرا کر اس کو اوپر کھینچ لیتا ہے۔ اسی طرح کسی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس سے ملنے کی سچی ترپ رکھتا ہے لیکن ایسے ماحول میں ہے کہ اسے انبیاء کی راہنمائی میسر نہیں آسکتی تو وہ خود اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ مگر ایسا بہت شاذ ہوتا ہے اور شاذ پر کسی قانون کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ عام قانون یہی ہے کہ جو لوگ خدا نما وجود ہوتے ہیں انہی کے ذریعہ انسان کو روحانی ترقی ملتی ہے اور اس ترقی کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے انسان دنیوی محبتوں کو سر د کر کے ان کی محبت کو اپنے اوپر غالب کر لے۔ جب وہ ان کی محبت کو غالب کر لیتا ہے تو ان کی اطاعت کرنا اور ان کا نمونہ اختیار کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی غیر ہے جس کی عین اقتدا کر رہا ہوں۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا باپ ہے اور اس کا خون میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اسی نکتہ کی طرف اپنی قوم کو توجہ دلائی کہ اگر تم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور میری اطاعت کا جو اپنی گردنوں پر رکھو کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا ہے +

قَالَ وَمَا عَلِمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۳﴾ اِنْ حَسَابُكُمْ

اُس نے کہا مجھے کہاں سے علم آیا ہے کہ اُن کے اندر دنی اعمال کیسے ہیں - ان کا حساب کرنا تو

اِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

میرے رب کے ذمہ ہے - اگر تم سمجھو - اور جو شخص مؤمن ہو کر میرے پاس آتا ہے میرا کام نہیں کہ میں اُسے دھتکا دوں

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۶﴾

میں تو صرف ایک کھلا ہوا نشانہ انسان ہوں - ۲۱۱

۲۱ تفسیر :- اللہ تعالیٰ کے انبیاء پر ہمیشہ یہ اعتراف ہونا چاہیے اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی چڑا کہ اس کے ماننے والے تو ادنیٰ لوگ ہیں ہم اس کی بات کس طرح مان میں حضرت نوح علیہ السلام نے کیا ہی اچھا جواب دیا کہ ہدایت دینا تو خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے - اگر اس نے اُن کو ہدایت کے قابل سمجھا تو ہدایت دے دی - پس جب اُس کے نزدیک اُن کے عمل اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے سے ہیں تو میں ان کو کس طرح دھتکا دے سکتا ہوں - آخر ان کا حساب تو خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے - میرے ذمہ تو نہیں - کاش تم عقل سے کام لو - اور جس کو خدا عموماً بنا دے - اس کی تحقیر نہ کرو - اور اگر تم تحقیر کر دو بھی تو میں بہر حال اسے دھتکا نہیں سکتا کیونکہ اس کو خدا نے میرے حوالہ کیا ہے - میرا کام تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو بُری باتوں سے روکوں - اس کے بعد جب خدا تعالیٰ کسی کو ہدایت دے دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بُری باتوں سے روک گیا ہے اور نہایت عزت والا انسان بن گیا ہے - اس کے بعد وہی معزز ہے تم لوگ معزز نہیں - اسلامی تاریخ میں اس کے متعلق ایک بڑا اچھا واقعہ آتا ہے - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو حج کے بعد عید کے دن لوگ آپ کو

گھنے کے لئے آئے شروع میں مکہ کے رؤساء اور رؤسوں کے بیٹے آئے - اس کے بعد کچھ غلام آئے جو ابتدائے زمانہ میں اسلام لائے تھے - اُن کے آئے پر حضرت عمرؓ نے رؤساء کو پرے کر کے بیٹھے کہا اور اپنے پاس غلاموں کو بٹھالیا - اس کے بعد کچھ اور رؤساء غلام آئے - حضرت عمرؓ نے پھر اُن کو اپنے پاس بٹھالیا - اور رؤساء کو پرے کر کے اشارہ کیا - اسی طرح متواتر ہوتا رہا - آخر شرمندہ ہو کر رؤساء کے رُٹے کے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جا کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھ لیا آج تمہاری کسی بے عزتی ہوئی ہے - اس پر اُن میں سے ایک ہوشیار رُٹا کا بولا کہ اس میں قصور کس کا ہے - یہ غلام جن کو تم ذلیل سمجھتے ہو سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے - اور انہوں نے اپنی زندگیوں اسلام کی قربانی کی تھی - خراج کر دیں جبکہ تمہارے باپ دادا سے اسلام اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کر رہے تھے - اب اسلام کی حکومت آئی ہے تو عزت انہی کو ملے گی - ہم کو نہیں ملے گی - باقی مسافروں نے کہا - تو پھر اس کا علاج کیا ہے - اُس ذہین رُٹے نے کہا - چلو اس کا علاج حضرت عمرؓ سے ہی ہو جائے چنانچہ وہ پھر جمع ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے - حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر بات سمجھ لی - اور کہا -

اے نوجوانو! مجھے معلوم ہے کہ تمہاری مکہ میں کیا حیثیت ہے۔ مگر میں مجبور تھا۔ یہ لوگ جن کو میں نے آگے بٹھایا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو آگے بٹھایا کرتے تھے۔ اب میں ان کے درجہ میں فرق کس طرح کر سکتا تھا۔ ان نوجوانوں نے کہا۔ پھر اس کا کوئی علاج بھی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ان کے خاندانوں کی عزت کو جانتے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور انہوں نے اپنا ہاتھ شمل کی طرف اونچا کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب شام میں عیسیٰ یوں سے جنگ ہو رہی ہے۔ دہاں چلے جاؤ اور اپنے باپ دادا کے گناہوں کا کفارہ ادا کرو۔ چنانچہ وہ نوجوان خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے اور اسی وقت اڑھائی یا گھوڑوں پر سوار ہو کر شام چلے گئے اور اسی ہی لشکر میں مل گئے اور وہیں کفارہ سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ان میں کوئی بھی لوٹ کر نہ آیا۔

سو عزت دہی ہوتی ہے جو خدا دے۔ حال ہودہ سے عزت نہیں ملتی۔ کافروں کا بیٹوں پر ایمان لانے والوں کو اس لئے ذلیل سمجھا کہ وہ غریب ہیں اول درجہ کی حماقت ہے جو نبی پر پیسلے ایمان لاتے ہیں وہی سب سے زیادہ معزز ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ابو بکر۔ علی۔ زید۔ ایمان لائے۔ مکہ کے صنادید کی موجودگی میں ابو بکر کو مسلمانوں نے خلیفہ تسلیم کیا جس پر ان کے باپ نے بھی تعجب کیا۔ مگر ابوبکر عقیلہ اور شیبہ کی عزت تو ابو بکر اور علیؓ کی جوتوں کے برابر بھی نہیں یہی بات حضرت نور نے اپنے مخالفین کے سامنے پیش کی اور کہا کہ دہاں علیؓ پیمانہ گائو ایتملوت۔ جیشک یہ تہیں حقیر نظر آتے ہیں۔ مگر مجھے کیا معلوم کہ ان کی وہ کونسی چھپی نیکیاں تھیں جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے نبی کو قبول کر لیا۔ اور تمہاری وہ کونسی بد اعمالیاں تھیں جو تمہاری راہ میں حائل ہو گئیں اور

جنہوں نے تم سے نور بعیرت چھین لیا اور تم اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنے سے محروم رہ گئے۔ اور جب ان کی نیکیوں کی وجہ سے ہی خدا تعالیٰ نے ان پر نشانہ بڑا انعام نازل کیا ہے کہ انہیں ایک نبی کو ماننے کی سعادت حاصل ہو گئی ہے تو یہ لوگ ذلیل کس طرح ہوئے۔ ذلیل تو وہ لوگ ہیں جن کی بد اعمالیوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کے مامور کی شناخت سے محروم کر دیا ہے۔ پھر فرمایا ان بحسابہم ان علیؓ ذقنی نو تشعروا۔ جیشک یہ آج غریب اور کنگال ہیں۔ کوئی مال اور جائیداد ان کے پاس نہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو کبھی ضائع نہیں کرے گا اور وہ ایک دن انہیں بہت بڑی ترقی عطا کرے گا۔ کاش تم شعور سے کام لیتے۔ اور اس قسم کے مہودہ غذات سے کام لے کر خدا کی ہدایت کو ٹھکرانے کے لئے تیار نہ ہو جاتے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا کہ اس میں مغزوں کو مختلف مقامات مختلف پیراؤں میں بیان کیا ہے۔ کسی جگہ تو فرماتا ہے کہ ہمارے مخالف شعور سے کام نہیں لیتے اور کسی جگہ فرماتا ہے کہ ہمارے مخالف علم سے کام نہیں لیتے شعور اس جس کو کہتے ہیں جو انسان کے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور علم اس جس کو کہتے ہیں جو باہر سے آتی ہے۔ خواہ شکر یا دیکھ کر یا چھو کر یا چکھ کر۔ مثلاً ہم چلے جا رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں ایک جنگل نظر آتا ہے جسے دیکھ کر ہمارا علم بڑھتا ہے۔ یہ علم باہر سے پیدا ہوتا ہے اندر سے نہیں۔ یا کسی شخص کو کوئی چیز چکھ کر جس ذائقہ کا پتہ لگتا ہے وہ علم کہلاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض دفعہ ہم بیٹھے بیٹھے محسوس کرتے ہیں کہ ہماری کیا ضرورتیں ہیں۔ ہماری قوم کی کیا ضرورتیں ہیں۔ ہمارے بچوں کی کیا ضرورتیں ہیں۔ ہمارے خاندان کی کیا ضرورتیں ہیں۔ یہ چیز جب قدرتی طور پر آپٹاپ پیدا ہو تو اسے شعور کہتے ہیں۔ گویا انسان جب ان جبلتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے خود اس کے اندر پیدا کی ہیں محسوس کر کے

اپنے لئے ایک نیک راہ تجویز کرتا ہے۔ تو اُسے شعور کہتے ہیں اور جب محنت کر کے انسان یہ سوچتا ہے کہ فلاں چیز میرے لئے فائدہ مند ہے یا نہیں تو اس کام کا نام فکر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کی طرف بھی بار بار توجہ دلائی ہے کیونکہ یہ قوت ہر دلی ظلم سے مناجی اخذ کرنے میں مدد دیتی ہے اسی کے ایک پہلو کا نام عقل بھی ہے عقل اس قوت کو کہتے ہیں جو انسان کو قلم، فکر اور شعور کے مطابق کام کرنے کی توفیق بخشتی ہے۔ عقل کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ انسان سوچتا اور فیصلہ کرتا ہے کہ یہ چیز میرے لئے مفید ہے یا مفید نہیں جب فیصلہ کرے کہ فلاں چیز میرے لئے مفید ہے اور جب یہ جس اُسے بری چیز سے روک دے تو اُسے عقل کہتے ہیں۔ یعنی دلی کی طرف لے جانے والی چیز سے روکنے والی عقل ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے تفقہ کے لفظ سے بھی توجہ دلائی ہے۔ تفقہ کے معنی ہوتے ہیں۔ کسی چیز کی باریکی کو یا لینا۔ فرماتا ہے تمہارے سامنے کئی چیزیں آتی ہیں۔ مگر تمہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ان سے کیا نتیجہ نکلتا ہے یوں دیکھنے میں ایک مٹھا، ایک کتا اور ایک بلی انسان کے شریک ہیں پھر تمہارے دیکھنے اور ان کے دیکھنے میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہی ہے کہ تم ایک چیز کو دیکھ کر نتیجہ نکال لیتے ہو۔ مین مٹھا اور بلی اور کتا اُسے دیکھ کر کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ بلی اور کتا اگر ایک درخت دیکھتے ہیں تو انہیں اتنا ہی نظر آتا ہے کہ ایک لمبا سا ڈنڈہ کھڑا ہے۔ لیکن انسان صرف یہی فیصلہ نہیں کرتا کہ یہ ایک درخت ہے بلکہ وہ یہ بھی فیصلہ کرتا ہے کہ اُسے چل کیا لگتا ہے کس موسم میں لگتا ہے اور کس موسم میں نہیں لگتا۔ وہ چل غذا کے کام آتا ہے یا دوا کے کام آتا ہے یا اس درخت سے محض سامنے کا کام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن بکری ان باتوں کو نہیں جانتی۔ گیدڑ اتنا ہی جانتا ہے جتنا بکری جانتا ہے کہ دھوپ لگے تو درخت کے سامنے میں بیٹھ جاؤ

لیکن انسان کسی درخت کو دیکھ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کی کڑی مضبوط ہے اور وہ اسے کاٹ کر دوا دے بنالیتا ہے۔ کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ یہ کڑی ہو مجھ زیادہ اٹھا سکتی ہے اُس کے وہ ٹھنڈے اور ہلکے بنالیتا ہے کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اس کی کڑی پانی کو زیادہ برداشت کرنے والی ہے اور وہ اس کڑی کو ایسے مقامات پر استعمال کرتا ہے جہاں بارشیں زیادہ ہوں۔ کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ یہ محض جوتے کے کام آسکتی ہے چنانچہ وہ اُسکا ایندھن بنالیتا ہے یا اُسے کو مکہ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ غرض کڑی دہی ہے۔ جانور بھی اُسکو دیکھتا ہے اور انسان بھی اُس کو دیکھتا ہے۔ انسان اُس کے کئی کئی استعمال نکال لیتا ہے لیکن جانور آدم کے وقت سے صرف سایہ کے نیچے بیٹھتا جاتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ پھر قرآن کریم نے ایک اور طرح بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے اور اُسکا نام استنباط رکھا ہے۔ استنباط کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ مختلف واقعات کو ملے کر انسان اُن سے ایک نتیجہ نکالتا ہے۔ گویا وہ اپنی قوت فکر سے ایک نئی چیز آگاتا ہے۔ ایک شخص کو زید نظر آتا ہے مگر نظر آتا ہے عمر نظر آتا ہے اور پھر وہ دیکھتا ہے کہ یہ سارے ایک پارٹی کے ہیں اور مختلف راستوں اور مختلف مقامات سے ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔ تو وہ انکو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ انہوں نے ضرور کوئی سکیم بنائی تھی جس کے تحت یہ اکٹھے ہوئے ہیں لیکن بکری اور کتا وغیرہ یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے وہ یہی دیکھیں گے کہ زید آیا ہے یا بکر اور عمر اور خالد آیا ہے لیکن انسان یہ دیکھ کر کہ ایک پارٹی کے آدمی مختلف راستوں سے ایک مقام پر اکٹھے ہوئے ہیں سمجھ جاتا ہے کہ انہوں نے پہلے سے کوئی فیصلہ کیا ہوا تھا۔ مادمین کا ردوائی کرتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ مجھے کس طرح اسے زب دینی چاہیئے۔

غرض قرآن کریم نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ تم شعور سے کام لو۔ تم علم سے کام لو۔ تم فکر سے کام لو۔ تم عقل سے کام لو۔ تم تفقہ سے کام لو۔ تم استنباط کی قوت سے کام لو اور وہ بار بار دشمنوں کو توجہ دلاتا ہے کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم شعور سے کام نہیں لیتے۔ تم علم سے کام نہیں لیتے۔ تم فکر سے کام نہیں لیتے۔ تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ تم تفقہ سے کام نہیں لیتے۔ تم استنباط سے کام نہیں لیتے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دشمنوں میں یہی فرق بتایا ہے۔ فرماتا ہے۔ **مَنْ هَبْطَ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي** (سورہ یوسف آیت ۱۰۹) اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے مخالفوں سے کہہ دے کہ تمہارے اور میرے درمیان ایک فرق ہے تم بھی ایک عقیدہ پر ایمان رکھتے ہو اور میں بھی ایک عقیدہ پر ایمان رکھتا ہوں کوئی کہہ سکتا ہے کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عقیدہ ہے اسی طرح ہمارا ایک عقیدہ ہے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو سچا کہیں تو میں بھی یہ حق حاصل ہے۔ ہم کیوں یہ سمجھیں کہ جو بات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، ٹھیک ہے اور جو ان کے دشمن کہتے ہیں وہ غلط ہے۔ بہر حال تم کہہ سکتا تھا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ ہماری بات مانی جائے۔ اس کی وجہ کیا ہے اللہ کیوں ہم آپ کی بات کو تسلیم کریں۔ اس کے کئی جواب ہو سکتے تھے جن میں سے ایک جواب قرآن کریم نے یہ دیا ہے کہ **حَلِي بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي**۔ تو مکہ والوں سے کہہ دے کہ تمہارے جھوٹے ہونے اور میرے سچے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ میں اور میرے ساتھی ہر بات کو دلیل کے ساتھ مانتے ہیں اور تم بے دلیل مانتے ہو۔ تمہارا بلا دلیل ماننا بتاتا ہے کہ تم نے سچا نہیں اور میرا بلا دلیل ماننا بتاتا ہے کہ میں نے سچا کہا مانا ہے اور یہ لازمی بات ہے کہ جو سچا کہتا ہے گا وہ زیادہ

حق پر ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جو بے سوچے سمجھے کسی بات کو تسلیم کر لیتا ہے قطع نظر اس کے کہ ... بلا سوچے سمجھے کسی حق بات کو ہی کیوں نہ مان لے۔ کیونکہ خواہ ... حق پر ہو اللہ تعالیٰ اس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تمہیں کیونکر پتہ لگا تھا کہ یہ سچ ہے تم نے تو بلا سوچے سمجھے ہی یہ بات مانی تھی لیکن فرض کرو۔ ایک شخص غور کر کے ایک نتیجہ پر پہنچا ہو تو خواہ وہ غلط ہی ہو۔ لیکن چونکہ اس نے صحیح جدوجہد سے کام لیا ہوگا اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اپنی طرف سے اس نے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک شخص جو سوچ کر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو خواہ وہ غلط فیصلہ ہی دے تب بھی وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ فیصلہ غلط ہوگا لیکن چونکہ اس نے سوچ کر اپنی طرف سے پورا زور لگانے کے بعد دیا ہوگا۔ اس لئے خواہ وہ فیصلہ کرنے میں غلطی کر جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق یہی کہے گا کہ اس نے اپنے فرض کو ادا کر دیا۔ اس لئے وہ انعام کا مستحق ہوگا مگر انہیں۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس پر محنت تمام نہیں ہوئی وہ دوزخ میں نہیں ڈالا جائیگا۔ کیونکہ اس کے لئے موقع ہی نہیں تھا کہ وہ سوچتا اور غور کرتا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ دیوانہ شخص دوزخ میں نہیں ڈالا جائیگا کیونکہ وہ معذور تھا اور سوچ نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ بچے جو جھوٹی عمر میں مر جائیں گے یا بڑھا جس کی عقل ماری گئی یا بہاؤں پر رہنے والا شخص جس کی میری آواز نہیں پہنچی وہ دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے اس لئے کہ ان کے لئے سوچنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ پس مگر اس شخص بھی وہی ہوتا ہے جسے سوچنے کا موقع ملے۔ اور پھر وہ نہ سوچے۔ اور انعام کا مستحق بھی وہی ہوتا ہے جو سوچ سمجھ کر کسی سچائی کو قبول کرے۔ کسی اور بانی مذہب یا دسی اور بانی طریقہ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کا نہیں ہو سکتا

چنانچہ ظاہری طور پر بھی ہیں یہی قانون نظر آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو۔ آپ نے اپنی قوم کو یہی نصیحت کی کہ ہر بات پر غور کرنے کی عادت ڈالو۔ اور صحابہؓ کو بھی آپ یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ سوچو اور سمجھو اور پھر کسی بات کو مانو۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علمی طور پر صحابہؓ کو اتنی فضیلت حاصل ہو گئی کہ ان کا اثر پڑھ بھی لوگوں کے سامنے اس طرح دلائل دینا کہ مخالفوں کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہتا تھا کہ وہ ڈنڈے کے دوسرے اپنی بات منوانے کی کوشش کریں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دلائل کے میدان میں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ شواہد شرک کی تعلیم ہے۔ ایک کلمہ کا رہنے والا مشرک شرک کی یہ دلیل دیتا تھا کہ میرے ماں باپ نے ایسا کیا ہے۔ کیا وہ جھوٹے تھے۔ کیا ان میں عقل نہیں تھی۔ کیا ان میں تیز نہیں تھی۔ سیدھی بات ہے کہ جب وہ کہیں گے کہ یہ لوگ ہمارے ماں باپ کو جاہل بتاتے ہیں تو جو اون کو جوش آ جائیگا اور وہ کہیں گے۔ اچھا یہ ہمارے ماں باپ کو جھوٹا کہتے ہیں اور اس طرح وہ مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیگے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ دلیل دی جاتی تھی کہ تم غور کر کے دیکھ لو۔ تم میں کوئی بھی طاقت اور قوت ہے جب ان میں کوئی بھی طاقت نہیں تو ان کی پرستش کس لئے کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ تم بھی اگر کھانا اٹھا کر بے جائے تو یہ بت اُس سے چھین نہیں سکتے جب یہ اُس قدر کمزور و اندھے ہیں جس میں تو انہیں خدا کی کا مقام دینا کوئی غفلت ہی ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو شخص دلیل سے کسی بات کو تسلیم کرے گا اُس کا مقابلہ وہ شخص نہیں کر سکتا جو بلا دلیل اور بلا سوچے سمجھے ماننے کا عادی ہو بے دلیل ماننے والا ہر حال کسی نہ کسی جگہ جا کر رہ جاتا ہے ایسی لئے قرآن کریم میں بار بار آتا ہے کہ تفقہ سے کام لو عقل سے کام لو۔ فکر سے کام لو۔ شعور سے کام لو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب کسی پرغوش ہوتے تو اُس کے لئے یہی دُعا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو سوچنے کی عادت ڈالے حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے اللہ تشریف لے گئے میں لوٹا بھر کہ باہر کھڑا ہوں۔ جب آپ اللہ سے نکلے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر پانی پینا کیا اور دھونو کر لیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس فعل سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ تَقَوُّہُ فِی الدِّیْنِ۔ اے اللہ! تو اسے دین کو سوچنے اور مسائل میں غور کرنے کی توفیق بخش۔ اور یہی اصل کام ہوتا ہے کہ انسان سوچے اور پھر کسی نتیجہ پر پہنچے۔ یونہی کسی بات کے پیچھے چل پڑنا اور غور و فکر سے کام نہ لینا انسان کو اُس کے اعلیٰ مقام سے گرا دیتا ہے۔ اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان جہاں بھی جاتے لوگ حیران رہ جاتے کہ وہی لوگوں کا بچہ کچھ علوم جانتا ہے اور لڑی بادل اُل گشتگو کرتا ہے۔ اور میرے سوچنے کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کے ایمانوں میں تزلزل واقع نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ کچھ جانتے تھے۔ سمجھ کر مانتے تھے سوچ کر مانتے تھے اور ساری تشریحات کو مد نظر رکھ کر مانتے تھے اور پھر یہی وجہ تھی کہ مسلمان جان دیتا تھا تو لوگ حیران رہ جاتے تھے کہ یہ کس دلیلی اور حجرات کے ساتھ اپنی جان دے رہے ہیں۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میرے ایمان لانے کی وجہ یہی ہوئی کہ میں نے ایک مسلمان کو اس حجرات کے ساتھ جان دیتے دیکھا کہ میں حیران رہ گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ دشمنوں نے مسلمانوں کی ایک جماعت دھوکا سے گھیر لی۔ اور پھر مزید دھوکا انہوں نے یہ دیا کہ انہوں نے ان گھیرے ہوئے مسلمانوں سے یہ کہا کہ اگر تم پہاڑی سے نیچے اتر آؤ تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے جب وہ نیچے آئے تو انہوں نے حمار کے کُٹن میں سے اکثر کو شہید کر دیا۔ وہ شخص جو اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد ایمان لایا

وہ کہتا ہے کہ میں کسی آدمی قبیلہ کا تھا۔ لیکن ہم سمجھتے تھے کہ یہ مسلمان لوگ بے دین ہیں اور عربوں کے خلاف جذبات رکھتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے کانوں میں بار بار یہ باتیں ڈالی جاتی تھیں کہ مسلمان عربوں کے دشمن ہیں۔ اس لئے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ آکر شامل ہو گیا۔ اور مسلمانوں کا میں مقابلہ کیا۔ اسوقت میں نے دیکھا کہ ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے ایک مسلمان کے سینہ میں نیزہ مارا۔ جو یہی وہ نیزہ اس کے سینہ سے پار گیا ہے۔ اختیار اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ فَزْتُ دَرَبْتَ الْكَلْبَةَ خدا نے کعبہ کی قسم! آج میں نے اپنا مقصد پایا۔ اور یہ کہتے ہوئے وہ گرا اور شہید ہو گیا۔ میں نے یہ الفاظ سنے۔ تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ بات کیا ہے۔ کیا یہ شخص پاگل تھا کہ دشمن اسے نیزہ مارتا ہے۔ اور نیزہ بھی ایسی حالت میں مارتا ہے جب یہ اپنے وطن سے سو ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسوقت بجائے اس کے کہ یہ کہے ہائے امان! بجائے اس کے کہ یہ کہے ہائے آبا! بجائے اس کے کہ یہ کہے ہائے میری موی! وہ کہتا ہے تو یہ کہ خدا نے کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ یہ کامیاب کہاں ہوا؟ یہ تو مر گیا تھا پھر اس نے یہ الفاظ کیوں کہے معلوم ہوتا ہے یہ شخص پاگل تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ کامیابی کیا چیز ہے اور ناکامی کیا چیز؟ چنانچہ طوائف کے بعد میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا یہ کوئی پاگل تھا کہ جب اس پر حملہ کیا گیا تو بجلے اس کے کہ یہ کسی تکلیف کا اظہار کرتا اس نے کہا تو یہ کہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ وہ کہنے لگا۔ مسلمان ایسے ہی جوتے ہیں۔ وہ مرنے میں کامیابی سمجھتے ہیں جب اس نے یہ بات کہی تو میرے دل پر اس کا گہرا اثر ہوا اور میں نے کہا۔ تب ضرور کوئی بات ہے ورنہ اس طرح جان دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو سکتا چنانچہ

ایک دن میں چوری چھپے مدینہ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنیں۔ تو میرا دل کھل گیا اور میں نے سمجھا کہ اصل میں یہی سچائی ہے۔ تب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ مسلمان کیوں جان دیتا ہے۔ مسلمان اس لئے جان دیتا ہے کہ اسے روشنی نظر آ جاتی ہے۔ اور جسے روشنی نظر آ جاسے اس کا مقابلہ وہ شخص کہاں کر سکتا ہے جسے تاریکی ہی تاریکی دکھائی دے۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے بار بار مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ تم سوچو اور سمجھو۔ وہ حقیقت بغیر اس کے جس کسی دوسری قوم نصیحت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم خالی کہیں کہ تم قرآن مانو۔ اور مسلمان بنو تو سند کہیں گے سند بنو اور وہ بڑھو۔ مسلمان کہیں گے کہہ بنو اور گھر بڑھو۔ عیسائی کہیں گے عیسائی بنو اور انجیل بڑھو۔ پھر ہم میں ادا ائی میں کیا فرق رہا پھر ایک ہی فرق ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ہم سوچ کر اس لئے سمجھ کر اس میں جب ہم ہر بات کو سوچ کر اور سمجھ کر اس میں جب ہم ہر بات کو سوچ کر اور سمجھ کر اس کے مدد پر جاتے تو ہی کتاب لایا میں کتاب پر زیکوہ زیادہ مضبوط ہوتا چلا جائیگا اور غلط تعلیم والا زیادہ زیادہ پائی دینگا۔ اسے نظر ہو چلا جائیگا۔ مثلاً ہم قرآن کریم پر غور کریں گے اور اس کی تعلیموں کو سوچیں گے تو زیادہ سے زیادہ اس میں سے دوئل نکلتے چلے آئیں گے اور ہمارا ایمان زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتا چلا جائیگا۔ لیکن ایک عیسائی عیسائیت پر جتنا بھی غور کریگا اس کا ایمان کمزور ہوتا جائے گا۔ ایک یہودی جتنا جتنا تورات پر غور کریگا چونکہ وہ محرف دہمزد ہو چکی ہے اس لئے اتنا ہی اس سے بدظن ہوتا چلا جائیگا۔ اسی طرح جتنا جتنا کوئی دینوں پر غور کرے گا اتنا ہی وہ دینوں سے بدظن ہوتا چلا جائیگا گویا غور اور فکر کا یہ نتیجہ ہو گا کہ مسلمان اپنے ایمان میں مضبوط ہوتا چلا جائیگا اور عیسائی اور موسائی اپنے ایمان میں متزلزل اور کمزور ہوتے چلے جائیں گے۔

کہ اب کی دفعہ میں ایک ایسا آدمی بھیجوں گا جس کے متعلق
مہل نہیں کہ کو نہ والے وقت بھی کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے
ابن ابی لیلیٰ کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ اس وقت اٹنی
عمر ۱۹ سال کی تھی۔ کو نہ والوں کو جب پتہ لگا کہ اب ایک
ایسا نوجوان حملہ آور بن کر آیا ہے جس کی عمر صرف ۱۹ سال
ہے تو بڑے غور سے انہوں نے سوچا کہ اب ہم
اس کا خوب مذاق اڑائیں گے اور اسے اچھی طرح شہرندہ
اور ذلیل کریں گے۔ جب ان کے آنے کی وہاں اطلاع پہنچی
تو انہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کو اکٹھا کیا اور تجویز یہ کی
کہ پڑھوں اور بڑی عمر والوں کا ایک وفد بنایا جائے۔
جو شہر سے باہر نکل کر گورنر کا استقبال کرے۔ اس وفد
کے ساتھ علم لوگوں کا ایک بھاری ہجوم ہو۔ تمام شہر میں
جلوس نکالا جائے اور جب گورنر صاحب تشریف لائیں تو
تسخیر کے طور پر ان سے پوچھا جائے کہ جناب کی عمر کیا
ہے؟ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بڑے بڑے بڑے
لورڈز مودہ کا اور شہر کے رئیس ایک وفد کی صورت میں
جمع ہوئے۔ ان کے ساتھ شہر کے ہزاروں آدمی ایک جلوس
کی صورت میں باہر نکلے تاکہ وہ ابن ابی لیلیٰ کا استقبال
کریں۔ جب وہ قریب پہنچے تو ایک بہت بڑھا آدمی جسکو
انہوں نے سکھایا ہوا تھا آگے بڑھا اور اس نے کہا۔
حضو را آپ کی عمر کیا ہے؟ ان کا خیال تھا کہ وہ جواب میں
کہیں گے ۱۹ سال اور اس پر سب لوگ ہنس پڑیں گے۔
کہ ۱۹ سال کا نوجوان کو نہ جیسے شہر میں گورنر بنا کر بھیجا
گیا ہے۔ مگر ان کو سوچنے کی عادت تھی اور رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خود کرنا ایسا عادی بنا
دیا تھا کہ ان کی نگاہ حقیقت تک فوراً پہنچ جاتی تھی۔
جب انہوں نے کہا۔ حضو را آپ کی عمر؟ تو وہ فوراً مار گئے
کہ ان کی غرض سوال کرنا نہیں بلکہ تسخیر اور استہزاء کرنا ہے
چنانچہ انہوں نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میری عمر

۱۹ سال ہے۔ بلکہ کہا۔ جناب والا! جب رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کو شام کی فوج کا امیر
بنا کر بھیجا تھا جس میں ابو بکرؓ اور عمرؓ جیسے انصاری مشہل
تھے تو جو عمر اُموقت اسامہؓ کی تھی اس سے ایک
سال میں بڑا ہوں۔ جب اسامہؓ کو رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے شام کی فوج کا امیر بنا کر بھیجا ہے اُموقت
ان کی عمر ۸ سال کی تھی۔ یہ جواب سن کر انہوں نے
فیصلہ کر لیا۔ کہ جب تک یہ شخص یہاں رہے اُموقت
تک کوئی شہرت نہیں کرنی۔ چنانچہ انہوں نے ایک
لبے عرصہ تک قضا کی۔ مگر پھر کسی نے ان کے تبادلہ کی
درخواست نہیں کی۔ تو انسان کو ہمیشہ سوچنے اور سمجھنے
نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہ
کرے تو اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ اب کجا تو یہ حالت
تھی کہ مسلمان ہر علم میں ترقی کر رہے تھے اور کجا یہ حالت
ہے کہ جب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو ہونا تھا
ہو چکا اب علوم میں ترقی نہیں ہو سکتی تو وہ گر گئے۔
اور ایسے گرے کہ اب دنیا کی علمی دوسری غیر ذرا ہلکے
لوگ تو آگے میں اور مسلمان پیچھے ہیں۔ اس کے مقابل میں
یورپ نے کہا کہ اگر پہلوں نے ترقی کی تھی تو ہم کیوں ترقی
نہیں کر سکتے ہم بھی سوچیں گے اور غور کریں گے اور اس طرح
اپنی ترقی کے لئے نئے نئے راستے نکالیں گے۔ چنانچہ
ان کے سوچنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے کئی قسم کی ایجادیں
کر لیں۔ مثلاً وہ ریل جس پر تمام دنیا سفر کرتی ہے۔ یہ
کس چیز کا نتیجہ ہے۔ یہ سوچنا اور غور کرنا ہی نتیجہ ہے
ریل کے موجود ہونے دیکھا کہ ہندیا کو جب جو لے پڑھایا
جاتا ہے تو اس کا ڈھکنا سٹیم کے ذریعے اُچھلتا ہے
اس پر غور کر کے اس کا دماغ اس طرف جلا گیا کہ سٹیم
میں بہت بڑی طاقت ہے۔ اگر سٹیم کو بند رکھا جائے
اور ہندیا کے نیچے پھیسے لگا دیئے جائیں تو وہ دوڑنے

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَنْوُحْ لَنَكُونَنَّ مِنَ

انہوں (یعنی کافروں) نے کہا۔ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو تو سنساروں میں شامل

الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِي كَذِبُونَ ﴿۱۱۹﴾

ہو جائیگا (یعنی تم جیسے سنگسار کر دیئے گئے) اس پر اُس (یعنی نوح) نے کہا۔ اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔

سے ایک زیادہ طاقتور ملک امریکہ اُسے مل گیا۔ یہ نتیجہ کس بات کا تھا؟ اس بات کا کہ مسلمانوں کو سوچنے اور غور کرنے کی عادت تھی۔ انہوں نے پہلے سوچا کہ چاند گرہن کیوں نکلتا ہے اور پھر انہوں نے سورج کے یہ نتیجہ نکالا کہ چاند گرہن اس لئے نکلتا ہے کہ سورج اوپر چاند کے درمیان زمین آ جاتی ہے۔ پھر انہوں نے سوچا کہ گرہن کے وقت چاند پر گول نشان کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب اُن کے دماغ نے یہ دیا کہ یہ گول نشان زمین کا ہے۔ اور یہ گول نشان ثابت کرتا ہے کہ زمین چمٹی نہیں بلکہ گول ہے اور جب مسلمان علماء نے یہ کہا کہ زمین گول ہے تو کونیں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جب میں سپین سے چلوں گا تو ساری دنیا کے گرد چکر لگاؤں گا۔ کیونکہ گول چیز کے گرد چکر لگایا جاسکتا ہے۔ چمٹی ہو تو کسادہ پر آ کر قدم رک جاتا ہے۔ غرض چمٹی چھوٹی چیزوں پر غور کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نیا ملک دریافت ہو گیا۔ اتنا بڑا ملک کہ آج ساری دنیا امن کے لئے اس کی طرف دیکھ رہی ہے آج ساری دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ساری حفاظت کا ذریعہ ہی یہی ہے کہ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کی حدود ہمارے ساتھ ہو۔ یہ عظیم الشان نتیجہ آ کر جس طرح نکلا؟ اسی طرح کہ پہلے مسلمانوں نے چاند گرہن پر غور کیا پھر چاند گرہن سے یہ نتیجہ نکالا کہ زمین گول ہے اور کونیں نے زمین کے گول ہونے سے یہ نتیجہ نکالا کہ

لگ جائیگی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ ہنڈیا کے نیچے پیسے لگائے سپین کو بند کیا اور وہ دوڑنے لگ گئی۔ اسی پر قیاس کر کے اُس نے ریل ایجاد کر لی۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ اُس نے ہنڈیا میں سے کبھی سپین نکلتے نہیں دیکھی گھوڑوں میں روزانہ عورتیں کھانا پکاتی ہیں اور مرد روزانہ دیکھتے ہیں کہ سپین کے زور سے ہنڈیا کا ڈھلنا اچھل رہا ہے مگر اُن کا ذہن کبھی اس طرف مائل نہیں ہوتا کہ وہ اس پر غور کریں اور سوچیں کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ریل کے موجود نہ اُسے دیکھا اور اُس نے سورج کو ایک ایسی چیز جانی جس سے آج ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اسی طرح اُنہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جن سے کچھ کا کچھ نتیجہ نکل آتا ہے۔ کونیں کو دیکھو۔ اس نے مسلمانوں سے یہ سنا ہوا تھا کہ زمین گول ہے۔ حالانکہ علم ہیئت کی ترقی اُس وقت اتنی نہیں ہوئی تھی۔ دراصل مسلمانوں نے چاند گرہن پر غور کر کے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ زمین چمٹی نہیں بلکہ گول ہے۔ کیونکہ چاند گرہن کے وقت اس پر ایک گول نشان ہوتا ہے۔ اُس نشان سے مسلمانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زمین گول ہے۔ جب کونیں نے یہ سنا کہ مسلمانوں کے علماء کا یہ خیال ہے کہ زمین گول ہے تو اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر زمین گول ہے تو میں سپین سے چلوں گا اور ہندوستان پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ اُس نے پہلے بادشاہ اور پھر ملکہ کو تحریک کی کہ وہ اُس کی امداد کریں۔ اور آخر وہ ہندوستان تو نہ پہنچا لیکن ہندوستان

فَأَنْتَحَ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتَحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنْ

ہیں تو میرے اور ان کے درمیان ایک قطعی فیصلہ کر اور مجھے اور میرے ساتھی مومنوں کو دشمن کے

الْمُؤْمِنِينَ ۱۱۸) فَأَنْجِنَهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفَلَكَ الْمَشْحُونِ ۱۱۹)

شر سے بچائے۔ پس ہم نے اُس کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے ایک بھری ہوئی کشتی کے ذریعہ دشمن سے بچا

ثُمَّ أَعْرَضْنَا بَعْدَ الْبَقِيَّةِ ۱۲۱) إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ لِشَرِّ

پھر اس کے بعد جو باقی لوگ تھے انکو غرق کر دیا۔ اس میں ایک بہت بڑا نشان تھا کہ ان (یعنی کافروں) میں سے اکثر

مُؤْمِنِينَ ۱۲۲) وَإِنَّ رَبَّكَ لَهْوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۱۲۳)

ایمان لانے پر آمادہ نہیں تھے اور تیرا رب ہی غالب (اور) بار بار کرم کرنے والا ہے۔ ۲۲

ایک نہایت ہی ہزردی چیز ہے جو تو میں بلا سوچے سمجھے صرف
نعرے لگانا جانتی ہیں وہ کوئی کام نہیں کر سکتیں۔ وہ نعروں سے
اُس وقت کی نغنا کو شوش کر سکتی ہیں۔ وہ نعروں سے کمزور
بچوں کو ڈرا سکتی ہیں۔ وہ نعروں کو دھمکتوں کے دلوں کو
دلا سکتی ہیں لیکن اگر وہ کوئی حقیقی کام کر سکتی ہیں تو صرف
سوچ بچار سے اور صحیح نتائج کو اخذ کر کے حضرت نورؑ
علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو مشعوذ کی طرف توجہ دلائی۔
اور فرمایا کہ کاش اس قسم کے فواعتراضات کرنے کی بجائے
تم حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور وہ مخفی جس جو انسان
کو اس کے اندر دینی قوی کا علم دیتی ہے اور جس کے نتیجہ میں
فطرت صحیحہ بیدار ہوتی ہے اُس سے کام لیتے ہوئے تم دو مومنوں
پر اعتراض کرنے کی بجائے اپنے نفس پر غور کرنے کے اُس میں
کی کیا خامیاں ہیں اور بُرے پھلے کی تیز کرکشی طاقت پیدا کرنے۔

۲۲ حل لغات: ۱۔ اَلْمُؤْمِنِينَ، اَلْمُؤْمِنُونَ

سے صحیح کا معنی ہے۔ اور وَجَّعَ سے اہم مفعول ہے۔ اور
وَجَّعَلَهُ کے معنی ہیں۔ رَمَاهُ بِالْحِجَابَةِ۔ اس کو پتھر
مارے۔ فَتَّلَهُ، اُس کو قتل کیا۔ تَدَفَّعًا، اُس پر الزام لگایا۔

کہ اگر وہ گول ہے تو میں سادی دنیا کے گرد چکر لگاؤں گا۔
چنانچہ وہ چلا اور اُس نے ایک نئی زمین دریافت کر لی جو
اب اتنا بڑا ملک بن گیا ہے کہ سادی دنیا کی راسخائی کر دیا
ہے اگر مسلمان چاند کو دیکھتے رہتے جس طرح پہلے دیکھا کرتے
تھے۔ اگر مسلمان اس بات پر غور نہ کرتے کہ امیرِ کربن کے
وقت گول دائرہ کیوں بن جاتا ہے۔ اگر کوئیس یہ نہ سوچتا
کہ زمین کے گول ہونے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سادی دنیا کا چکر
لگایا جاسکتا ہے تو نہ امریکہ دریافت ہوتا۔ نہ موٹر گاڑیں
ہوتیں نہ ہوائی جہاز نکلتے نہ بجلی ایجاد ہوتی نہ آبی فطرت
طاقت دنیا پر مدنا ہوتی کہ جس کے پیچھے آج انگریز اور
فرانس بھی چلنے پر مجبور ہیں۔ اسی طرح موجودہ زمانہ میں
جتنی ایجادات ہیں سادی کی سادی بہت چھوٹی چھوٹی
چیزوں پر غور کرنا نتیجہ ہیں۔ ایڈسین جس نے نو گراف
اور بجلی وغیرہ کئی چیزیں ایجاد کی ہیں میں نے اُس کی سوانح
پڑھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے جس قدر ایجادیں کی
ہیں یہ سب کی سب بعض چھوٹے چھوٹے مسائل پر غور
کرنے کا نتیجہ ہیں۔ پس سوچنا اور غور کرنا قوی تر کی کیلئے

۲۲

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ

(اسی طرح) عاد نے بھی رسولوں کا انکار کیا ۔ جب کہ اُن سے اُن کے بھائی

هُودٌ أَلَّا تَتَّقُونَ ﴿١٣٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٣﴾

ہوئے کہا۔ کیا تم تقویٰ نہیں کرتے ۔ میں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغامبر ہو کر آیا ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٣٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ۔ اور میں تم سے اس (خدمت) پر کوئی بدلہ

اُن کو طوفان میں غرق کر دیا۔ اس واقعہ میں بھی خدا تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی طاقت کا بڑا بھاری نشان ہے۔ مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر لوگ ایمان نہ لائے۔ لیکن ان کے ایمان نہ لانے کے باوجود ترے رب کا عزیز اور رحیم ہونا ثابت ہو گیا۔ نوح اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا۔ اور نوح کے حقیر سمجھے جانے والے ساتھی دنیا کے سردار بن گئے۔

نُوحٌ

اسجگہ نوح کی کشتی کے متعلق اَلْمُشْحُونِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی بھری ہوئی کشتی کے ہیں مگر ظاہر ہے کہ اگر کشتی پہلے ہی بھری ہوئی ہو تو اور لوگ اس میں سوار نہیں ہو سکتے۔ پھر بھری ہوئی کشتی میں نوح کے ساتھی کس طرح بیٹھ سکتے تھے؟ درحقیقت عربی زبان میں بعض دفعہ کسی چیز کو اُس حالت کے مطابق نام دے دیتے ہیں جو اُس پر بعد میں واڑ ہونے والی ہو۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ مَن قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبَةٌ یعنی جو شخص جہاد میں کسی مقتول کو قتل کرنے اس کا مال دے اسباب قتل کرنے والے کو ہی ملے گا۔ اس حدیث میں آپ نے دوسرے کے متعلق قَتِيل کا

قَتْلَہُ۔ اُس پر لعنت کی۔ شَتْمَہُ۔ اُس کو گالی دینا۔ هَجْرَہُ۔ اُس کو مبرا کر دیا۔ طَرَدَہُ۔ اُسکو دھتکار دیا (اقرب)۔

اَلْمُشْحُونِ، شَحَن سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور شَحَن السَّيْفِيَّةُ کے معنی ہیں مَلَأَہَا کشتی کو بھر دیا (اقرب) پس اَلْمُشْحُونِ کے معنی ہونگے۔ بھری ہوئی۔

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین نے جب دیکھا کہ وہ دُؤل سے نوح کو مغلوب نہیں کر سکتے تو انہوں نے کہا کہ اب تو ہمارے پاس ایک ہی علاج ہے۔ اگر تم اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ہم تجھے پھر بار بار کھراک کر دیں گے۔ آخر حضرت نوح علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حضور بھیجے اور انہوں نے کہا کہ اے میرے رب! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے۔ اب تو ہی میرے اور اُن کے درمیان فیصلہ فرما۔ اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو اُن کے شر سے محفوظ رکھ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو سنا اور اُس نے ایک بھری ہوئی کشتی کے ذریعہ انہیں اپنے دشمنوں کے شر سے بچا لیا۔ اور جو باقی لوگ رہ گئے۔

مِنْ أَجْرِهِ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۷۸﴾ أَتَبْنُونَ

نہیں مانگتا میرا بدلہ صرف رب العالمین خدا کے ذمہ ہے (میں نے مجھے بھیجی ہی) ۱۷۸ کیا تم ہر ٹیلہ پر

بِكُلِّ رِيحٍ آيَةٌ تَعْبَثُونَ ﴿۱۷۹﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَارِعَ لَعَلَّكُمْ

نفلوں کا کم کرتے ہوئے عبادت بناتے ہو - اور تم بڑے بڑے محل بناتے ہو تاکہ تم ہمیشہ

تُخْلِدُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿۱۸۱﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

قائم رہو اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو ظالموں کی طرح پکڑتے ہو پس اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو

وَاطِيعُونَ ﴿۱۸۲﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَمَدَّكُمْ

بھی میری اطاعت کرو۔ پھر تم کہتا ہوں کہ اُس ذات کا تقویٰ اختیار کریں جس نے تمہاری اُن چیزوں کی مدد کی جو تم جانتے ہو۔ اُس نے تمہاری

بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿۱۸۴﴾ وَجَنَّتْ وَعُيُونٌ ﴿۱۸۵﴾ إِنْ

مدد کی ہے چار پائے اور بیٹے اور باغ اور چھتے دے کر میں تم پر

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۸۶﴾

ایک بڑے دن کا عذاب نازل ہے جس سے ڈرتا ہوں - ۱۸۶

یہی حکم دیا تھا کہ ملاوہ کلام الہی کی اطاعت کے خود ہوؤ
کی اطاعت بھی مزدی ہے جس کی طرف اُجینعوں میں
اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۷۸ حل لغات: رِيحٌ: الريح، الريح کے

معنی ہیں اَبْلَ الْغَالِي۔ اونچی ٹیلہ۔ اَلْعُيُونُ الْمُنْعَرِفَةُ

فِي الْجَبَلِ۔ پہاڑ میں چڑھائی کا وہ راستہ جو چکر کھا کر

جاتا ہو۔ الْجَبَلُ الْمَوْتَعَةُ۔ بلند پہاڑ۔ وَ قَبِيلٌ

مَسْبُتٌ الْوَادِي مِنْ كُلِّ مَكَانٍ مَرْتَعٍ۔ اور بعض

اُمم لغات کہتے ہیں کہ دیر ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں

اوپھی جگہ سے پانی آئے اور یہ جگہ (اقرب)

تَعْبَثُونَ۔ عِبَثٌ سے فعل مضارع محذوف مع

لفظ استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی زندہ ہوتا ہے۔

اسی طرح چونکہ وہ کشتی حضرت نوح اور انکی جماعت کے

افراد سے بھر جانے والی تھی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بہر دیا کہ

ہم نے انہیں ایک بھری ہوئی کشتی کے ذریعہ نجات دی۔

۱۷۹ تفسیر:- ان آیات میں حضرت ہوؤ

کو پھر تمام رسولوں کا قائم مقام بتایا گیا ہے۔ اور

رسول کا جگہ موسیٰ کا لفظ اس کے لئے استعمال

نیا کیا ہے۔ کیونکہ ایک رسول کا انکار درحقیقت تمام

رسولوں کا انکار ہوتا ہے۔ فرماتا ہے جس طرح نوح کو

اُس کی قوم نے قتل کیا تھا۔ اسی طرح ہوؤ کو بھی اُسکی

قوم عادی نے قتل کیا۔ حالانکہ اُس کے زمانہ میں بھی ہم نے

رِيحٌ

تَعْبَثُونَ

کا میسر ہے۔ اور اَلْعَبَثُ (جو بے ثبات کا مصدر ہے) کے معنی ہیں۔ اَرَبْکَابُ اَمْرٌ غَیْرُ مَعْلُومٍ اَلْفَائِدَةُ اَدْنٰی لَیْسَ فِیْہِ خَوْنٌ وَحَیْثُ یُعَاجِلُہٗ کسی ایسی بات کا کرنا جس کا کوئی فائدہ نظر نہ آتا ہو۔ یا ایسا کام کرنا کہ جس کے کرنے والے کی غرض صحیح نہ ہو (اقرب) پس تَعْبَثُوْنَ کے معنی ہونگے تم بے فائدہ کام کرتے ہو۔

مَصَانِعَ کے معنی ہیں۔ اَلْقُرٰی وَالْمَبَانِی مِنْ اَلْقُصُوْرِ وَالْخُصُوْنَ۔ بستیوں اور بڑی بڑی عمارت (اقرب)

بَطَشْتُمْ: بَطَشَ سے جمع مذکر مخاطب کا میسر ہے۔ اور بَطَشَ کے معنی میں اَخَذَ بِالْعَنْفِ۔ سختی سے پکڑا۔ وَتَنَادٰ لَہٗ بِشِدَّةٍ عِنْدَ الْقَوْلَةِ۔ جملہ کے وقت سختی سے پکڑا۔ (اقرب) پس بَطَشْتُمْ کے معنی ہونگے تم سختی سے پکڑتے ہو۔

جَبَّارِیْنَ: جَبَّارُ کی جمع ہے اور جَبَّارُ کے معنی ہیں۔ مُجَلُّ غَايَةِ مُتَمَرِّدٍ۔ منکبر اور سرکش شخص۔ (اقرب) تفسیر:- قوم عاد جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تین تعمیر میں خاص شغف رکھتی تھی کیونکہ انکی تہذیب کی بنیاد علم ہندسہ کیسٹری اور ہیئت پر تھی۔ اس تہذیب کے بانیوں کا خیال تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے مادی عالم میں سورج اور چاند اور ستارے بنائے ہیں اسی طرح انسانی ترقی کے لئے اس نظام کی نقل کرنا ضروری ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ نظام شمسی پر غور کر کے اور اس کے راز معلوم کر کے ان کی اتباع کرے جس طرح آدین۔ دین اور ایرانی ثقافت نے متمدن دنیا پر ایک گہرا اثر ڈالا۔ اور سابق نظاموں کی جگہ ایک نیا نظام قائم کر دیا اسی طرح بانی تحریک جس کے بانی قوم عاد سے تعلق رکھنے والے تھے اس نے بھی دنیا کے پھر اہل تہذیب پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ اور گو اس تحریک کے بانی کچھ عرصہ بعد سیاسی

طو پر اپنی حکومت کو کھو بیٹھے اور اسکی جگہ دوسری اقوام نے لے لی۔ مگر ان کو شکست دینے والے ان کے فلسفہ سے آزاد نہ ہو سکے۔ یہ تحریک چونکہ انتہائی قدیم تحریک ہے اس لئے موجودہ زمانہ میں اس کے آثار بہت کم ملتے ہیں لیکن جتنے آثار بھی ملتے ہیں وہ قرآنی بیانات کی صداقت اور اس کی عظمت کو روشن کر دیتے ہیں۔

اس تہذیب کی بنیاد قوم عاد کے ہاتھوں رکھی گئی تھی اور اس کو اپنے زمانہ میں اتنی طاقت حاصل تھی کہ ان کے بعد عرب میں کسی اور قوم کو اس قسم کی طاقت حاصل نہیں ہوئی۔ اس تہذیب بابل کی علمبردار دو قومیں ہوئی ہیں۔ ایک وہ جسے عاد اہلی کہتے ہیں۔ اور جو تہذیب بابل کے بانی تھے اور دوسرے نمود جو بعد میں اس تہذیب کے حامل بنے اور جو اسی عاد کی ایک دوسری شاخ تھے۔

ان آیات میں انہی پہلے عاد یعنی بانیان تہذیب بابل کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ جوڈ نے اپنے زمانہ کی مشہور ترین طاقت یعنی قوم عاد سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ تم لوگ ہر بہادری پر شاذ اور عادات بناتے ہو۔ اور بڑی بڑی فیکٹریاں اور کیمسٹری کے مرکز تیار کرتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ تم ہمیشہ قائم رہو گے۔ جیسے یورپ اور روس کے لوگ آجکل یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی تہذیب ہمیشہ قائم رہے گی۔ سمجھو جو مصانع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد بڑی بڑی فیکٹریاں اور کیمیکل ورکس ہی ہیں۔

پھر فرمایا وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بِخَشَعَةِ جَبَّارِیْنَ تمہارے اند اتنی طاقت پائی جاتی ہے کہ جب تم کسی ملک پر غلبہ پاتے ہو تو تم اس کی تہذیب کو بالکل تباہ کر دیتے ہو۔ اسکی جگہ اپنی تہذیب اور اپنا تمدن قائم کر دیتے ہو۔ جَبَّارِیْنَ کے معنی جتنے ہیں دوسرے کو نیچا کر کے اپنے آپ کو اونچا کرنا والا ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم دوسری اقوام کے تمدن اور تہذیب کو تباہ کر کے

مَصَانِعَ

بَطَشْتُمْ

جَبَّارِیْنَ

اپنے تمدن اور تہذیب کو دنیا میں قائم کرتے ہو۔ اسی طرح
 ذَاذَا بَطَلَتْهُمْ بَطَلَتْهُمْ جَبَاوُونَ سے یہ استنباط بھی
 ہو سکتا ہے کہ آلات جنگ کی بعض حیرت انگیز ایجادات
 انہی کے زمانہ میں ہوئی ہیں۔ چنانچہ جس رنگ میں انہوں نے
 پہاڑوں میں عمارتیں بنائی ہیں ان کو دیکھ کر بعض مؤرخین نے
 یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہن قوم نے بارود اور ڈائنامیٹ
 ایجاد کر لیا تھا۔ ان مضمون کی رو سے اس آیت کا یہ مطلب
 ہو گا کہ تم ایسے ایسے سامان جنگ ایجاد کرتے ہو جو
 نہایت ہی مہلک ہیں اور تم ان کے ذریعہ باقی اقوام کو
 تباہ کر کے اپنی تہذیب اور اپنا تمدن قائم کر رہے ہو
 غرض باطنی تحریک میں عمارتوں کی تعمیر اور آلات جنگ
 کی ایجاد اور وعدہ گاہوں کے بنانے پر زیادہ زور تھا۔
 چنانچہ باطنی حکومت کا جو بیان تورات میں آتا ہے اس
 سے بھی قرآنی بیان کی ہی تصدیق ہوتی ہے۔ بائبل میں
 آتا ہے۔

اور انہوں نے کہا۔ آؤ ہم اپنے واسطے ایک
 شہر بنادیں اور ایک برج جس کی چوٹی
 آسمان تک پہنچے۔ اور یہاں اپنا نام کریں۔
 ایسا نہ ہو کہ تمام روئے زمین پر پریشان
 ہو جائیں۔ اور خداوند اس شہر اور برج کو جسے
 بنی آدم بناتے تھے دیکھنے آئے اور خداوند
 نے کہا۔ دیکھ لوگ ایک ہیں اور ان سب کی
 ایک ہی بولی ہے۔ اب دے یہ کرنے لگے
 سو دے جس کام کا ارادہ رکھیں گے اس سے
 نڈرگ ملیں گے۔ آؤ ہم آؤں اور ان کی
 بولی میں اختلاف ڈالیں تاکہ دے ایک دوسرے
 کی بات نہ سمجھیں۔ (پیدائش باب ۱۱ آیت ۱ تا ۹)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ یہودی تاریخ کے مطابق
 بھی ان لوگوں کا بڑا کمائی بلند و بالا عمارات بنانا تھا۔

کیونکہ تورات کے اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ دنیا میں زبانوں کی
 اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسی وقت باطنی کے لوگوں نے ایک
 بلند عمارت بنانی شروع کی تاکہ وہ ان کے لئے ایک
 نشان قرار پائے اور اس کی وجہ سے وہ پراگندگی سے
 بچ جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کی پراگندگی چاہتا تھا اس
 لئے اس نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے ان
 کی زبانوں میں اختلاف ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم میں
 سے اتحاد مٹ گیا۔ اور ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور وہ
 اس عمارت کے بنانے میں ناکام رہے۔

جو وجہ اس حوالہ میں بتائی گئی ہے وہ تو محض ایک
 کہانی ہے لیکن اس سے یہ تاریخی شہادت ضرور معلوم ہو
 جاتی ہے کہ اہل بابل اور انہی عمارتیں بنانے میں یہ مدد ملتی دیکھتے
 تھے۔ اور ایسی بلند عمارتیں بناتے تھے جن کو دیکھ کر یوں
 معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔
 چنانچہ عرب میں اب بھی بعض نہایت پرانی عمارتیں ملتی ہیں
 جو بہت بڑی بڑی ہیں۔ بلکہ مغرب و عرب کے دوران میں عرب
 سے چند میل کے فاصلہ پر عربیوں نے خود بعض بڑی بڑی
 پرانی مونی عمارتیں دیکھی ہیں جو اپنے ٹیلوں پر بنی ہوئی
 تھیں اور ان میں حوض وغیرہ بھی تھے۔ اور لوگ یہی
 کہتے تھے کہ یہ عاد کی بنائی ہوئی عمارتیں ہیں۔

یورپ کے لوگ ایک زمانہ میں عاد کے وجود سے ہی
 انکار کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ عاد نام کی کوئی
 قوم نہیں گذری۔ مگر قریباً نصف صدی سے جب کہ
 عاد کے آثار ملے ہیں۔ وہ بھی ماننے لگ گئے ہیں کہ عاد
 نام کی ایک قوم ہوئی ہے۔ بلکہ مشہور عیسائی مؤرخ
 جرجی زیدان نے "العرب قبل الاسلام" میں لکھا ہے
 کہ عاد کے متعلق مؤرخوں کی سینکڑوں صفحوں کی کتابیں ہیں
 سے زیادہ معلومات بیان نہیں کر سکیں جتنے معلوم قرآن کریم
 نے اپنے چند الفاظ میں بیان کر دیئے ہیں۔

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۳۱﴾

مؤمنوں میں سے نہ بنے۔ اور تیرا رب یقیناً غالب (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ ۱۳۱

۱۳۱ تفسیر :- حضرت ہود علیہ السلام نے جب

انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے کہا۔ میں ایسی نصیحتیں کر دیا نہ کرو ہم نے ماننا تو ہے ہی نہیں۔

پہلے زانوں سے ایسے لوگ ہوتے چلے آئے ہیں جو

کہتے تو ہے ہیں کہ زیادہ دقتیں نہ کماؤ اور دونوں کا

گھمنڈ نہ کرو۔ مگر پھر بھی یہ دنیا کام کرتی ہی چلی آئی ہے۔

ہم کو کارخانے بنانے اور دقتیں کمانے پر کوئی عذاب نہیں

ہو گا۔ اس لئے خواہ تم ہمیں تسلیم کر دیا نہ کرو ہمارے

لئے یہ برابر ہے اور ہم کبھی تمہاری بات نہیں مان سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی انسان سرکشی اور غرور میں بڑھ

جائے تو اُسے نیکی کی طرف توجہ دلانا بڑا مشکل مرحلہ ہوتا

ہے لیکن اس مشکل کو تسلیم کرنے کے باوجود قرآن کریم نے

مسلمانوں کو یہی ہدایت دی ہے کہ خَذِرُوا إِنَّ نَفْعَتِ

الذِّخْرِ لَی دُونَہِ اگلی غائبہا کام یہی ہے کہ تم نصیحت

کرتے چلے جاؤ۔ کیونکہ نصیحت کرنا بہر حال دوسروں کو

فائدہ پہنچاتا ہے۔ پس خواہ کوئی کتنا ہی مخالفت ہو۔ اس کے

متعلق کبھی مایوسی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ دل خدا تعالیٰ

کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم بار بار خدا

اور اس کے رسول کی باتیں لوگوں کے کانوں میں ڈالتے

رہو۔ ایک دن یقیناً ایسا آجائے گا کہ ان کے دل کے رنگ

درد ہو جائیں گے۔ اور وہ ہدایت کو خوشی سے قبول کر

لیں گے۔

ادنیاء کی کتب میں لکھا ہے کہ ایک شخص مسلمانوں

کو سخت دُکھ دیا کرتا تھا۔ اور باوجود سمجھانے کے باز نہیں

آتا تھا۔ آخر کئی لوگوں نے تنگ آکر اس محلہ کو ہی جھوٹ

دیا جس میں وہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بزرگ حج

کر رہے تھے کہ انہوں نے اُسی شخص کو کعبہ کا طواف کرتے

دیکھا۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ تو کہاں؛ تیرا کام تو

سارا دن گانا بجانا اور شرابیں پینا تھا تو کعبہ کا طواف

کرنے کے لئے کس طرح آگیا۔ وہ کہنے لگا۔ ہر چیز کا ایک

وقت ہوتا ہے۔ آپ لوگ مجھے قرآن بھی سُنانے اور

حدیثیں بھی بتاتے مگر میرے دل پر ذرا بھی اثر نہ ہوتا۔

ایک دن مجلس مکی ہوئی تھی۔ دوست احباب بیٹھے تھے

شراب کی صراحیاں قرینے سے دھکی ہوئی تھیں کہ یکدم

مجھے گلے میں سے ایک آواز آئی۔ کوئی اجنبی نہ معلوم کون

گلی میں سے گذر رہا تھا اور قرآن کریم کی یہ آیت بڑی

خوش الحانی سے پڑھتا جا رہا تھا کہ اَنْتُمْ یٰۤاٰیُّہِیْنَ

اٰمَنُوْا اَنْتُمْ تَخْشَعُوْنَ فَاَنْتُمْ بِہُمْ یَذِکِّرُوْا اللّٰہَ۔ کیا تمہوں

پر ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا تعالیٰ کے خوف

سے ہجر جائیں۔ یہ آیت جو پہی میرے کان میں بڑی مجھے

یوں معلوم ہوا کہ یہ آیت ابھی آسمان سے میرے لئے اُتری

ہے۔ میرے آنسو جاری ہو گئے جس نے مجلس پر حراصت

کر دی۔ گانے بجانے کے آلات توڑ دیئے تو بہ کی اور حج کیلئے

چل پڑا۔ تم نے سارا قرآن مجھے سُنا دیا مگر مجھ پر اثر نہ ہوا

لیکن وقت ہوتا ہے۔ ایک آیت سے میری کایا پلٹ دی

اور اب میں توبہ کر کے حج کرنے آیا ہوں۔ تو قلوب بعض دفعہ

ایسے رنگ میں بدلتے ہیں کہ حیرت آجاتی ہے۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک عورت نے

دوسری عورت کو مارا اور اُس کا دانت توڑ دیا۔ اسلامی

شریعت کی رو سے مزدوری تھا کہ اُس عورت کا بھی قصاص

کے طور پر دانت توڑا جاتا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا۔ عورت

جس نے دانت توڑا تھا اس کی طرحت سے حضرت ابوہریرہؓ بطور دلیل پیش ہوئے۔ اور انہوں نے کہا کہ بے شک فصاحت کے طور پر اس کا بھی دانت توڑا جانا چاہیے مگر میں معافی کی درخواست کرتا ہوں اگر دوسرا فریق معاف کر دے تو یہ اس کا احسان ہو گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوسری عورت کے رشتہ داروں سے کہا کہ بیشک شریعت نے ہمیں فصاحت کا حق دیا ہے۔ لیکن اگر تم معاف نہ کرو تو اچھا ہے۔ مگر دوسرے فریق پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ لوگ یہی کہتے چلے گئے کہ دانت کے بدلے جب تک دانت نہ توڑا جائیگا ہم نہیں ٹھیں گے۔ آخر حضرت ابوہریرہؓ کو جوش آ گیا۔ اور انہوں نے کہا۔ خدایا قسم میری رشتہ دار عورت کا دانت نہیں توڑا جائیگا یہ الفاظ انہوں نے ایسے جوش سے کہے کہ وہ لوگ جو اس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش بھی نہیں مان رہے تھے۔ ڈر گئے اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم نے معاف کیا۔ امیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے جسم خداداد اور ہوتے ہیں مگر جب وہ کسی معاملہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھیں تو خدا تعالیٰ ان کے متعلق اپنی غیرت دکھاتا اور اس بات کو پورا کر دیتا ہے جس کے لئے وہ قسم کھاتے ہیں۔ تو دیکھو حضرت ابوہریرہؓ نے جب خدا کی قسم کھا کر یہ کہا کہ میری اس رشتہ دار عورت کا دانت نہیں توڑا جائیگا تو وہ لوگ جو اس بارہ میں خود حضرت ابوہریرہؓ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کیا تم ان کی طبیعت بدل گئی۔ اور انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ پس مومنوں کو اس بات کی بہت سمجھنی چاہیے کہ انہیں ہمیشہ ایک دوسرے کو سمجھاتے رہنا چاہیے اور کبھی خیال نہیں کرنا چاہیے کہ دوسرے کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اور

اگر بالفرض دوسرے کی اصلاح نہ بھی ہو تو کم سے کم جو شخص دوسرے کو سمجھایگا اس کی اپنی اصلاح تو ہو جائے گی۔ بہر حال دوسرے کو سمجھانا فائدہ کے بغیر نہیں ہوتا۔ پس دغظ و نفیست کا سلسلہ اپنے اندر بھی جاری کرنا چاہیے اور غیروں میں بھی جاری کرنا چاہیے۔ جہاں دوست ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھیں ان کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہیں کہ سچ بولیں۔ معاملات میں صفائی رکھیں۔ گائی گلوچ سے کام نہ لیں۔ جھگڑا نہ کر۔ محبت اور پیار سے رہیں۔ جب اس قسم کے دغظ و نفیست کا سلسلہ بند ہو جائے تو نئی پود کئی قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ پرنے لوگ تو شیطان سے بہت سی ٹرائیاں لڑ چکے ہوتے ہیں۔ اور ان کے اندر نیکی اور تقویٰ پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر نئی پود نے وہ لڑائی نہیں کی ہوتی اس لئے شیطان ان کے اندر آسانی سے داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور شیطان کا قصہ اسی لئے بیان کیا ہے کہ در اسی غفلت بھی بہت بڑے نقصان کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر آدمؑ جو شیطان کے ساتھ دیر سے جنگ کرنا چلا آ رہا تھا۔ دھوکا کھا سکتا ہے تو جن سے شیطان کی ابھی جنگ ہی نہیں ہوئی وہ تو اس کے فریب میں بہت جلد آ سکتے ہیں۔ آدمؑ اسی لئے شیطان کے دھوکا میں آیا کہ شیطان مذہب کا بادہ اڑھ کر آدمؑ کے سامنے آیا اور حضرت آدمؑ نے سمجھا کہ اب اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ صلح کر لی۔ اور توجہ خراب نکلا۔ مگر جس شخص نے شیطان سے ابھی لڑائی شروع ہی نہیں کی۔ بر کے سامنے اگر شیطان بزرگ بن کر آ جائے تو وہ جلد ہی دھوکا کھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس قصہ سے بیان کرنے سے یہی فشاء ہے کہ جب آدمؑ شیطان کو دیکھ کر دھوکا کھا گیا تو وہ لوگ جو ابھی شیطان کے

كَذَبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ

ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا ۔ جب کہ انہیں اُن کے بھائی صالحؑ نے

صَلِحٌ إِلَّا تَتَّقُونَ ﴿١٣٣﴾ إِنْ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٣﴾

کہ تمہارا کیا تم تقویٰ نہیں کرتے؟ میں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغامبر بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٣٥﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

پس اللہ (تعالیٰ) کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو ۔ اور میں اس کام پر تم سے کوئی اجر

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣٦﴾

طلب نہیں کرتا میری اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے (جس نے مجھے بھیجا ہے) ۔

اَتَّركُونَ فِي مَا هُمْنَا أَمِينٌ ﴿١٣٧﴾ فِي جَنَّتِ

کیا (تم خیال کرتے ہو کہ) جو کچھ اس (دنیا) میں ہے تمہیں اسی میں اس کے ساتھ (زندگی بسر کرتے ہوئے) چھوڑ دیا جائیگا ۔ یعنی

وَعُيُوبٌ ﴿١٣٨﴾ وَزُرُوعٌ وَنَخْلٌ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٣٩﴾

باغات اور چشموں میں اور پہلہاتے کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے پھل جو کھجور کی طرح سے ٹوٹے جا رہے ہوں

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَرِهِينَ ﴿١٤٠﴾

اور تم لوگ پہاڑ کھود کھود کر (اپنی بڑائی پر) اتراتے ہوئے گھر بناتے ہو ۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہلاک کر دیا ۔

إِنْ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٤١﴾ وَمَا كَانَ الْكُفْرُكُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤٢﴾ وَإِنَّ زَيْدَ بْنَ عَنَزَةَ الْغَزِيَّ الرَّحِيمِ ﴿١٤٣﴾ فَرَمَا بِهِ اٰنْهَوْنِے تُو
بڑے بڑے مکانات بنا کر اپنا نشان قائم کیا تھا مگر ہم نے اُنکی
بستیاں مٹا کر ایک نشان قائم کر دیا ۔ لیکن اس نشان
کا ہود کی قوم کو کیا فائدہ پہنچا ۔ وہ تباہ ہو گئی اور
بعد میں آنے والوں کے لئے ایک عبرت کا نشان قائم
کر گئی ۔

ستھلندوں سے واقف ہی نہیں ۔۔۔ اس کی طرف سے کیے
مطعن ہو سکتے ہیں ۔ پس موجودہ اور اُن رسولوں کو شیطان
کے حملوں سے بچانے کے لئے اسلام یہ نصیحت کرتا ہے
کہ تم اپنے اندر بھی وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھو اور
بیرونی دنیا کو بھی ہمیشہ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہو تاکہ
شیطان و ریت آدم کو گمراہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے مایوس
ہو جائے ۔ بہر حال عاد کی قوم نے ہوڈ کی نصیحتوں پر کوئی
کارت نہ دھرا اور اس کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۖ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنا ۖ فَأْتِ

اِسپرہ (لوگ جو کافر تھے) بولے۔ تجھ کو صرف کھانا دیا جاتا ہے۔ تو ہماری طرح کا ایک آدمی ہے جس اگر تو سچا ہے تو

بَايَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۚ قَالَ هٰذِهِ نَاقَةُ الْاَشْرَبِ

کوئی نشان ظاہر کر۔ اُس نے کہا۔ یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اُس کے لئے گھاٹ پرانی بیٹا مقرر ہے

وَلَكُمْ شَرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۚ وَلَا تَمْسُوْهَا سَوْءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

اور ایک دن تمہارے لئے گھاٹ سے پانی لینا مقرر ہے۔ اور تم اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب

عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۚ فَعَقَرُوْهَا فَاصْبَحُوْا نِدْمِيْنَ ۚ

تم کو، بکڑے گا۔ (یہ سن کر بھی) انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور (دھیر) نہ مندہ ہو گئے۔

فَاْخُذْهُمْ الْعَذَابُ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةٌ وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

تپان کو (موجود) عذاب نے آکر ڈالا۔ اس میں یقیناً ایک بہت بڑا نشان تھا۔ لیکن اُن میں سے اکثر مومنوں میں

مُؤْمِنِيْنَ ۚ وَاِنَّ رَٰبِكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۚ

شریک نہ ہونے۔ اور تیرا رب یقیناً غالب (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ ۷۷

ع
۱۲

اُس قوم نے جو جواب دیا اُس کا قرآن کریم اگلی آیات میں ذکر فرماتا ہے۔

۷۷ حل لغات :- عَقَرُوْهَا، عَقَرُوْا کے

معنی میں جَوَّعَہ۔ اُس کو ذخمی کر دیا۔ نَحَرَہ اُسکو ذبح کیا۔

اور جب اونٹ کے متعلق یہ لفظ استعمال کریں اور کہیں کہ

عَقَرُ الْاِبِلِ تو معنی ہونگے فَطَرَ قَوْمَ الْاِنْمَا بِالْاَسْبَابِ

اُس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں (اُتار) پس عَقَرُوْهَا کے

معنی ہونگے انہوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔

تفسیر :- حضرت صالح علیہ السلام نے جب

انہیں نصیحت کی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اے صالح! ہمیں تو اس معلوم ہوتا ہے کہ تجھے کھانا دیا جا رہا ہے۔

کہ یہ لوگ شہروں کے شہر بہاؤں کی کھود میں بناتے چلے گئے

تھے جتنی کہ بعض جگہ انہوں نے پتھر کاٹ کاٹ کر عجیب و

غریب محل بنائے تھے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اس صواب کے

ادب کی قسم کے مکان نہیں ہوتے تھے بلکہ اس سے انکی خاندانوں

کی طرف اشارہ ہے جس سے اُنکے تمدن کی ترقی ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح بہاؤ کھود کھود کر اپنی رہائش کے لئے مکانات اور

شہر بنانے میں اس طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم

سال کا کچھ حصہ بہاؤں پر مہر و تفریح کے لئے بسر کرتی تھی مگر

اس کے باوجود کسی کو ان کے ملک پر غمزدگ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی

تھی۔ اس قوم نے بھی حضرت صالح کا انکار کیا اور اُن کی باتوں پر کان نہ دھرا۔ چنانچہ حضرت صالح کے سمجھانے پر

عَقَرُوْهَا

كَذَبَتْ قَوْمٌ لُّوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٩١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ

لوٹ کی قوم نے بھی رسولوں کا انکار کیا جب کہ اُن کے بھائی لوٹ نے کہا کہ

الْاِتَّقُوا ۖ ﴿١٩٢﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُولٌ اَمِیْنٌ ﴿١٩٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

کی تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟ میں تمہاری طرف ایک امانت داسیگا میرا کر بھیگا ہوں۔ پس اللہ (تعالیٰ) کا تقویٰ اختیار کرو

وَاطِيعُونَ ﴿١٩٤﴾ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرٰی

اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس (کام) کے بدلہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ تو صرف

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٩٥﴾ اَتَاْتُوْنَ الذِّكْرَ اِنْ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٩٦﴾

رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم غلو قات میں سے تم نے دُور کو اپنے لئے چنی ہے۔

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَرْوَاحِكُمْ ۚ

اور تم انکو چھوڑتے ہو جن کو تمہارے رب نے تمہاری بیویوں کی حیثیت سے پیدا کیا (جو صرف یہی نہیں کہ تم ایسا فعل کرتے ہو)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٩٧﴾

بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم (انسانی فطرت کے) تقاضوں کو ہر طرح توڑنے والی قوم ہو

ہو گئی جس نے خدا تعالیٰ کے نور کی قندیلیں اپنے سینوں میں
دشمن کیں اور بھولی بھشکی دنیا کے لئے ہادی اور راہنما بن گئی۔

۲۸ تفسیر: فرمایا ہے۔ لوٹ کی قوم نے

بھی رسولوں کا انکار کیا۔ اس جگہ بھی لوٹ کے لئے رسولین

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے

کہ لوٹ اپنے زمانہ میں باقی نبیوں کی طرح سب رسولوں

کا قائم مقام تھا اور اس کا انکار درحقیقت سب نبیوں

کا انکار تھا۔ لوٹ نے بھی اپنی قوم سے کہا کہ میں خدا تعالیٰ

کی طرف سے ایک رسول امان کی حیثیت میں تمہاری طرف

آیا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری سنو

تاکہ تم نجات پاؤ۔ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا

نام بلند کرنے کی اجازت نہ دینا تو میں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

کا مستحق بنادیتا ہے۔ مگر یہ چیز تو بعد میں آنے والے لوگوں

کے لئے صرف درس عبرت کا کام دے رہی ہے۔ خود اس قوم

کی اکثریت ایمان سے محروم رہی مگر یہ قوم بھی اپنی ہلاکت

اور بربادی سے خدا تعالیٰ کے عزیز اور رحیم ہونے کو ثابت

کر گئی۔ اُس نے چاہا تھا کہ صالح مغلوب ہو مگر خدا اور

اُس کا رسول ہی غالب آئے۔ اور پھر اُس نے چاہا تھا کہ

صالح کی تبلیغی مساعی ونگ نہ لائیں اور خدا اور اُس

کے رسول کا نام دنیا میں نہ پھیلے مگر خدا تعالیٰ کی رحمت

نے حضرت صالح کی تبلیغی کوششوں میں برکت ڈالی اور

اُن کے افغان قدسیہ سے ایک ایسی جماعت تیار

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ

انہوں نے کہا۔ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو تو ملک بدر کئے جانے والوں

الْمُخْرَجِينَ ۱۹ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ۲۰

میں شامل ہو جائے گا۔ اُس (یعنی لوط) نے کہا (بہر حال) میں تمہارے عمل کو نفرت سے دیکھتا ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ۲۰

اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل کو ان کے اعمال سے نجات دے۔ ۲۰

ظاہری سے نجات مانگنی اتنی اہم نہیں جتنی کہ عمل بد سے نجات مانگنی اہم ہے۔ اور دوسرا سبق یہ دیا گیا ہے کہ نفرت ہمیشہ بُرے اعمال سے لکھنی چاہیے نہ کہ گمراہ اور خطاکار انسان کو بھی قابل نفرت سمجھنا چاہیے۔ مصلح اخلاق کے سلسلہ میں یہ ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے جس پر اسلام نے خصوصیت سے زور دیا ہے اور بد اہل بدی میں فرق کیا ہے۔ وہ یہ تو کہتا ہے کہ بُرائی کو دور کرو مگر وہ یہ نہیں کہتا کہ بُرائی کو دور کرنے کے ساتھ ہی بد کو مٹا دو۔

بلکہ وہ ان دونوں میں ایک حد قائم کرتا اور اُس کو محفوظ رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَلَا يَجْعَلْ مَعَكُمْ شُغْلًا فَتُحِبُّوا عَلَىٰ مَا نَعْدُوْا مَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ فَتَكُونُوا مِمَّنْ يَلْتَفِتُونَ (مائدہ ۵) کسی قوم کی دشمنی تمہاری آنکھوں پر ایسا پردہ نہ ڈال دے کہ تم اس کے متعلق نا انصافی اور ظلم پر آمراؤ۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اُس کے متعلق بھی عدل و انصاف کی حدود کا خیال رکھو ورنہ تقویٰ کے مقام سے تم اپنے آپ کو گرانے والے ہو گے۔ گویا اسلام دشمن کی قابل نفرت حرکات سے تو بیزاری کی تعلیم دیتا ہے مگر دشمن کی دشمنی رکھنے سے منع کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے لَا يَنْهٰكُمْ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا تَكُوْنُوْنَ فِيْهِ الَّذِيْنَ لَا يَخْلُوْا جُحُوْمًا مِّنْ دِيَارِكُمْ اِنَّ تَبٰوَدُّوْهُمْ

اجر صرف رب العالمین خدا کے ذمہ ہے۔ جس تو اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں برائیوں سے بچنے کی نصیحت کر دوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف توجہ دلاؤں۔ تم میں یہ ایک بُری خرابی پائی جاتی ہے کہ تم مردوں سے جنسی تعلقات قائم کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے نسکین جذبات اور باہمی مودت و الفت کے قیام کے لئے جو مرد و عورت کے تعلقات کا سلسلہ قائم کیا ہے اُسکو پس پشت ڈال رہے ہو۔ یہ چیز بتا رہی ہے کہ تم انسانی فطرت کے تقاضوں کو توڑنے والی قوم ہو۔

۲۶ ص ل ن غ ا ت :- قَالِيْنَ : قُلِيْ

اہم فاعل جمع کا مفعول ہے اور قُلِيْ فاعل تائید کے لئے ہیں اَبْخَعَمْنَاهُ وَكَرِهْنَاهُ غَايَةً اَلْكُفْرَ اَصْحٰةً فَتَرْكَلْہُ کسی کو ناپسند کیا اور ناپسندیدگی کی بنا پر چھوڑ دیا (اقراب)

تفسیر :- انہوں نے لوط کی نصیحتوں سے تنگ آکر اُسے دھمکی دی کہ اگر تو باز نہ آیا تو ہم تجھے اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ لوط نے کہا۔ بے شک نکال دو۔ میں تمہارے اعمال کو بُری نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ خدا یا مجھ کو اور میرے خاندان کو اُن کے بُرے اعمال سے بچاؤ۔

اس آیت میں ایک تو یہ سبق دیا گیا ہے کہ عذاب

قَالِيْنَ

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٤١﴾ ۱۴۱ اَلْاَعْجُوزَ اِیْنَ الْغَبِرِیْنَ ﴿١٤٢﴾ ۱۴۲

پس ہم نے اُس کو اور اُس کے اہل کو سب ہی کو نجات دی۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں شامل ہو گئی

ثُمَّ دَمَرْنَا الْاٰخِرِیْنَ ﴿١٤٣﴾ ۱۴۳ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۱۴۴

پھر لوٹ کر نجات دینے کے بعد سب مردوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کی) بارش برساتی۔ اور جن کو خدا کی طرف سے

دانیاء وغ) ہم نے اُسے اپنے سایہ رحمت میں جگہ دی۔ اُس پر بائبل یہ نہایت ہی گندہ اور ناپاک الزام لگاتی ہے کہ اُس نے اپنی لڑکیوں سے بدکاری کی۔ اور پھر اُن لڑکیوں سے ناجائز بچے پیدا ہوئے (پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸) مگر پھر وہی بائبل جو ایک طرف تو حضرت لوط اور اُن کی پاکدامن بیٹیوں پر بدکاری کا الزام لگاتی اور اُن کے بطن سے ناجائز بچوں کی ولادت کا اشتہاد دیتی ہے دوسری طرف یہ بھی لکھتی ہے کہ اس عرصہ بدکاری کے نتیجہ میں ایک بیٹا مواب پیدا ہوا جو موابیوں کا باپ بنا۔ اور دوسرا بیٹا بن عسی پیدا ہوا جو بنی عموں کا باپ بنا۔ گویا ایک طرف تو وہ حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں پر الزام لگاتی ہے اور دوسری طرف یہ کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان بچوں پر ایسا فضل کیا کہ وہ دو بڑے بڑے خاندانوں کے بانی قرار پائے اور خدا تعالیٰ نے اُن سے ایک لمبا سلسلہ نسل جاری کر دیا۔ اگر حضرت لوط ایسے ہی اخلاق کے حامل ہوتے جس قسم کے اخلاق بائبل اُن کی طرف منسوب کرتی ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اُن کی نسل کو ایسی ہی برکت دیتا جیسی بائبل کے بیان کے مطابق نہیں دی گئی۔ پس بائبل کا اپنا بیان جو خدا تعالیٰ کی ایک فعلی شہادت پر مشتمل ہے اُس کے بیان کردہ الزام کو جھوٹا قرار دے رہا ہے۔ اور پھر قرآن کریم جو ایک کتاب میں کی شکل میں نازل ہوا تھا اُس نے کھلے لفظوں میں بتا دیا کہ لوط ہمارے معرّیٰ ہے تھا

وَلَا تُفْسِدُوا الصَّالِحِیْنَ (معتنہ) وہ لوگ جو تمہارے دین کے مخالف تو ہیں مگر تمہیں اپنے مظالم کا فحشہ مشق بنا کر تمہیں جبراً اپنے دین سے منحرف کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ نہ تمہیں اپنے دین سے بے دھن کرتے ہیں اُن کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے اور اُن کے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لینے سے اللہ تعالیٰ تمہیں ہرگز نہیں روکتا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اُن سے نیکی کرو۔ اور اُن کے معاملات میں بھی انصاف کا پورا پورا خیال رکھو۔ غرض اسلام میں نوع انسان کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر کسی فرد یا قوم کو تم تقویٰ و طہارت کے خلاف عمل کرتا دیکھو تو اُس کے نسل سے تو نفرت کرو مگر اُس فرد یا قوم کی خیر خواہی کا جذبہ اپنے دل سے کبھی ٹٹنے نہ دو۔ کیونکہ اگر یہ جذبہ مٹ گیا تو تم اُن کی اصلاح سے بھی غافل ہو جاؤ گے حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اسی اخلاقی کمال کا مظاہرہ کیا اور فرمایا کہ میں تمہاری اصلاح کے لئے تو رات دن کوشش کر رہا ہوں لیکن تمہارے گندے افعال سے مجھے شدید نفرت ہے۔ اس قدر نفرت کہ میں اللہ تعالیٰ سے بھی ڈعا کرتا رہتا ہوں کہ وہ مجھے بھی اور میرے تمام جہانی اور روحانی اہل کو بھی ان برائیوں سے محفوظ رکھے مگر تعجب ہے کہ وہی لوط جن کے اخلاقی کمالات کی قرآن کریم نے اس قدر تعریف کی ہے اور جن کے متعلق اُس نے دوسری جگہ یہ خبر دی ہے کہ اَذْهَلْنَاهُ فِیْ رَحْمَتِنَا

فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِينَ ﴿١٤٧﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا

ہوشیار کروایا جاتا ہے (لیکن پھر بھی باز نہیں آتے) اُن پر برساتی جانواری بارش بہت بُری ہوتی ہے۔ اس واقعہ میں یقیناً ایک بڑا نشان تھا

كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٥٥﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

لیکن ان (کفار) میں سے اکثر پھر بھی مومن نہ بنے ۔ تراویح یقیناً وہ ہے جو

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (١٤٩)

غائب (اد) بار بار کرم کرنے والا ہے

٩٤٣

اور وہ ان تمام گندے اور ناجائز افغان سے منزہ تھا
جن میں اس کی قوم گرفتار تھی۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے
بھی دعاؤں کرتا رہتا تھا کہ وہ اُس کی مدد کرے۔ اور
اُسے اور اُس کے اہل کو ان براؤں سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

سے منافع: عَجُوزًا: العَجُوزُ
الْمَرْأَةُ النِّسْتَةُ لِعَجْزِهَا عَنْ الْكِبَرِ وَالْمَوَدَّةِ فِيهَا
عُورَتٌ۔ اور بڑھیا عورت کو عجز کا نام دینے میں یہ مکتبہ

کہ اکثر امور سرانجام دیئے سے وہ عاجز ہوتی ہے (اقرب)
عَابِرُونَ: غائبوں سے اسم نازل، حیف ہے دور غائب
کے لئے ہے۔ مَلَكٌ وَبَقِي: تمہارا اور رہا (اقرب)
نِزَالُ الْغُيُوبِ کے لئے ہے اِنْجِزْهُ: کہیں (اقرب) پس عَابِرُونَ
کے لئے ہوئے۔ جیسے رہنے والا اور کہنے والا۔

جب عذاب آیا تو وہ بھی اپنی لوگوں کے ساتھ شامل کر دی گئی۔ بائبل نے اس مقام پر یہ بیان کیا ہے کہ حضرت نوٹ کی بیوی بھی بجائے جانے والے لوگوں میں شامل تھی بلکہ مکھا ہے کہ فرشتوں نے اُس کا اور اُس کی جود کا اور اُس کی دونوں بیٹیوں کا ہاتھ پکڑا کیونکہ خداوند کی مہربانی اُس پر ہوئی اور اُسے نکال کر شہر سے باہر پہنچا دیا۔ (دینائش باب ۱۹ آیت ۱۶) مگر پھر بائبل ہی میں کرتی ہے کہ جاتی دفعہ اُس نے پیچھے پھر کے دیکھا اور وہ ملک کا کھیا بن گئی۔ (دینائش باب ۱۹ آیت ۲۶) اول تو جیتے جاگتے انسان کا اعضا پیچھے مڑ کر دیکھنے کی وجہ سے ملک کا کھیا بن جانا ایک ایسا امر ہے جو بائبل کے معتقدین کے نزدیک تو ممکن ہے قابلِ تسلیم ہو۔ مگر کوئی اور شخص اس خوش افتخادی کا قائل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے جب اللہ تعالیٰ کا منشا یہی تھا کہ اُن کی بیوی عذاب سے محفوظ رہے تو اُسے ملک کا کھیا کیوں بنادیا اسی طرح جب خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اُس عورت نے دس بیس قدم کے بعد پھر تباہ ہونا ہے تو اُسے پکڑ کر باہر نکلانے کے کیا مننے تھے، بائبل کے یہ متضاد بیانات تباہ ہے جن کے انسانی دمت بُردنے اُس کی روایات کو انتہائی محذوش بنا دیا ہے۔ سچی بات دہری ہے

محمود

خاموشی

كَذَّبَ أَصْحَابُ عُيُكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۷﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

بن کے رہنے والوں نے بھی رسولوں کا انکار کیا تھا جب کہ ان سے

شُعَيْبٌ ۖ إِلَّا تَتَّقُونَ ﴿۱۷۸﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۷۹﴾

شعیب نے کہا کہ کیا تم تقویٰ نہیں کرتے۔ میں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغامبر کی حیثیت سے آیا ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ

پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۱﴾

میرا بدلہ صرف رب العالمین (خدا) کے ذمہ ہے۔ ۱۸۱

کہے کہ تمہ والوں کو توجہ دلائی کہ اگر تم بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو لوٹ کے دشمنوں جیسا سلوک تم سے بھی کیا جائیگا۔ چنانچہ جس طرح لوٹ کی قوم پر پتھر برسے اسی طرح بدر کی جنگ میں ان پر پتھر پڑے یعنی ایک نشان کے طور پر آندھی چلی جس کے نتیجہ میں ٹنڈر اڑاؤ کہ کفار کی آنکھوں میں گھس گئے اور وہ مقابلہ کی طاقت کھو بیٹھے جس کے نتیجہ میں ان کے بڑے بڑے صنادید بدر کے میدان میں ہی ہلاک ہو گئے۔ اور قریش کی غفلت اور ان کے دبدبہ کا خاتمہ ہو گیا پھر معنوی طور پر بھی ان سے یہی سلوک ہوا۔ چنانچہ جس طرح سدوم کی بستی کے اوپر کے حصہ کو نیچے کر دیا۔ اسی طرح کفار کو کی عزتیں خاک میں مل گئیں۔ ان کے بڑے بڑے خاندان تباہ ہو گئے اور وہی بچے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں پناہ گزین ہوئے۔

۱۸۱ تفسیر: ستونم لوٹ کے ذکر کے بعد

اب اللہ تعالیٰ اصحاب الایکہ کا ذکر فرماتا ہے اور بتاتا ہے کہ اصحاب الایکہ نے بھی رسولوں کا انکار کیا تھا۔ ایک کے معنی ایسے درخت کے ہوتے ہیں جس کی ٹہنیاں بہت

جو قرآن کریم نے بیان کی کہ حضرت لوٹ کی بیوی آپ کے مخالف گرد سے تعلق رکھتی تھی اس لئے جب عذاب آیا تو وہ بھی اس کی بیٹ میں آگئی۔ چنانچہ فرماتا ہے ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برساتی دیکھو ان کا ذکر سورہ حجر ۵ میں کیا گیا ہے، یعنی ایک سخت زلزلہ آیا جس سے ان کی زمین جو پتھر کی تھی پہلے نیچے سے اٹھ کر اوپری اور پھر اوپر سے نیچے گر گئی۔ اور بجائے پانی کے اوپر سے پتھر برسے جس سے تباہ ہو گئے۔ شدید زلزلوں میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ زمین کے ٹکڑے اڑ کر پھر وہیں آکر گرنے لگتے ہیں۔ فرماتا ہے۔ یہ بھی ایک نشان تھا مگر بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے۔ وہ قوم تو مجھ کو بھی ایمان نہ لائی۔ انہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوٹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی حاران کے بیٹے تھے اور اود سے جو عراق کا ایک قصبہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہجرت کر کے فلسطین کی طرف چلے آئے تھے۔ اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے الگ ہو کر سدوم نامی ایک بستی میں رہنے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر

ایسی طرح موشی اور بھڑوں کے گلے بھی (ارض القرآن) اس ناوہجی شہادت سے ظاہر ہے کہ مدین کے پاس جو خلیج عقبہ کے سر پر واقع تھا ایک بڑا جنگل تھا جس میں قد آدم درخت تھے۔ اور پہلو اور جنگلی بیرقد آدم ہی ہوتے ہیں۔ وہاں جنگلی اونٹ رہتے تھے یہ بھی پہلو اور بیرقدے درختوں کی موجودگی کا ثبوت ہے کیونکہ اونٹ اپنی قسم کے درختوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ موشیوں اور بھڑوں کے گلوں کا ذکر بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ مدین کی قوم اسی جنگل میں اپنے جانور چرایا کرتی تھی۔ یہ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد تھی جو ان کی بوی قوتہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے (پیدائش باب ۲۵ آیت ۲۱) اور انہی کے نام پر مدین کہلائے اور پھر اسی نام پر انہوں نے ایک شہر بھی بسایا۔

قرآن کریم نے مدین قوم اور مدین شہر دونوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ قوم کے معنوں میں تو فرمایا ہے وَآلِی مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَیْبَ (ہود ۷۴) یعنی مدین قوم کی طرف ہم نے انہی کے بھائی شعیب کو مبعوث کیا۔ اور شہر کے معنوں میں سورہ توبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ وَاصْبِرْ مَدَیْنِ ذَا النُّوْرِیْنَ فَفُتِحَتْ (توبہ ۱۰) یعنی کیا انکو مدین شہر کے رہنے والوں اور اُن سستیوں کی تباہی کی خبر نہیں پہنچی جو عذاب سے اُن کی گئی تھی یعنی قوم لوط کی بہنیاں۔ حضرت شعیب نے بھی اس قوم سے یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ جس تمہاری طرف خدا کے ایک رسول کی حیثیت سے آیا ہوں اور اپنے کام کے بدلے تم سے کچھ مانگتا نہیں۔

میں ابدال رب العالمین خدا مجھے دیکھا۔ اس آیت میں اور پہلی کئی آیتوں میں گزر چکا ہے کہ جب پرہیزگاروں نے کہا کہ میری اطاعت کرو تو ساتھ ہی انہوں نے بھی کہا کہ میں تمہاری اطاعت کرتا ہوں۔ جس سے

پہلی ہوئی ہوں یا اس جنگل کے ہوتے ہیں جس میں کثرت سے بیرباں اور پہلو کے درخت اُگے ہوئے ہوں۔ اور اُن کے اس کی جمع ہے۔ اسی طرح عربی زبان کا ایک یہ بھی محاورہ ہے کہ خُلَاتُ خَزْعٍ مِنْ اَیْکَ الْمَجْدِ کہ نسلان شمع ایکہ المجد کی ایک شاخ ہے۔ یعنی اُن کے اعلیٰ خاندان کے لوگوں کو بھی کہتے ہیں۔ پس اصحاب الایمہ کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس میں کسی ایسے علاقہ کا ذکر ہے جس جگہ کے لوگ اپنے آپ کو بڑا خاندانی سمجھتے تھے اور چونکہ اعلیٰ آیت یعنی اِذْ خَلَقْنَا نَحْمُ شُعَیْبَ وَتَتَقَوُّنَ مِنْ حَضْرَتِ شُعَیْبَ کا ذکر ہے اور حضرت شعیب مدین کے رہنے والے تھے جو عربوں کا ایک شہر ہے اور عرب اپنے آپ کو عربانوں سے زیادہ اچھی نسل کا سمجھتے تھے۔ پس اُن سے اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ شعیب کی قوم نے جو اپنے آپ کو بڑے خاندان میں سے سمجھتی تھی اپنے رسولوں کا انکار کیا۔ اسی طرح اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ شعیب کی قوم نے جو ایک گھنے جنگل کی ملک تھی اپنے رسولوں کا انکار کیا۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے حضرت شعیب کو مدین کا رسول قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَآلِی مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَیْبَ (ہود ۷۴) ہم نے مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدین کے باشندے ہی اصحاب الایمہ کہلاتے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعہ میں مدین کے پاس کوئی ایسا جنگل تھا جس میں بیرباں اور پہلو کے درخت بکثرت پائے جاتے ہوں۔ سو اس بارہ میں ایک یونانی جغرافیہ نویس کے حوالہ سے ستر فرہین نے اپنی کتاب گوڈ ماؤنڈ آف مدین میں لکھا ہے کہ خلیج عقبہ کے چھوٹے نباتات اور اشجار کے سوا کچھ نہیں جوتا جو انسانی تدبیر فاعلت کے برابر ہوتے ہیں۔ جنگل درجہ سے ہر نوں کے گلے جنگلی اونٹ اور بارہ گھسے۔ ہاں کثرت سے۔ جسے میں

اپنی حکومت اور دنیوی حکومت میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ لوگ اطاعت کروا کے اجر لیا کرتے ہیں مگر ان آیات میں یہ مذکور ہے کہ میری اطاعت کرو۔ میں اس اطاعت کی وجہ سے تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ پس معلوم ہوا کہ آسمان کی طرف سے جس اطاعت کا حکم آتا ہے وہ جبری اطاعت نہیں ہوتی بلکہ اطاعت کروانے والا درحقیقت بندوں کا خادم ہوتا ہے مگر چونکہ خادم ہمیشہ اجرت لیا کرتے ہیں اس لئے ہر رسول کے مُتبع سے یہ کہلوایا گیا کہ میرے اطاعت ایسے ننگ میں ہوگی کہ میں تمہاری خدمت تو کروں گا لیکن تم سے کوئی اجر نہیں لوں گا۔ گو بظاہر تو تم میرے طبع نظر آؤ گے لیکن حقیقتاً میں تمہارا خادم ہوں گا۔ گو تمہاری اطاعت بھی نرالی ہوگی اور میری خدمت بھی نرالی ہوگی۔ تم بظاہر اطاعت کرتے ہوئے مجھ سے خدمت کرواؤ گے۔ اور میں تمہارا درجہ کی خدمت کرتے ہوئے بھی تم سے کوئی اجر نہیں لوں گا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بلند مقام عطا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ قُلْ إِنَّمَا سَأَلْتُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنِّي الْمَوْدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (دفعہ الشوریٰ ۴۷) یعنی اے محمد رسول اللہ! تو لوگوں سے کہہ دے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس محبت اور پیار کے جو اپنے قریب ترین رشتہ داروں کی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں سے بعض لوگ غلطی سے اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ تم ہر جو میرے احسانات ہیں ان کے بدلہ میں میں ذاتی طور پر تم سے کسی چیز کا خواہشمند نہیں ہوں میں تم سے صرف اتنی خواہش کرتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا۔ مگر یہ معنی درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ میں تم سے کوئی اور اجر نہیں مانگتا ہوں یہ اجر ضرور مانگتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں کا خیال رکھنا حالانکہ قرآن کریم کی دوسری آیات میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ میں تم سے کوئی ایسا اجر نہیں مانگتا جس کا

دنیا کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو اللہ تعالیٰ سورہ سماع میں یہاں لکھا فرماتا ہے کہ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنِّي الْكَرِيمُ (یعنی اگر تمہارے خیال میں میں نے کوئی اجر تم سے مانگا ہے تو وہ ہرگز نہ دینا اُسے اپنے ہی گھر رکھو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کہنا کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرے احکام کی اطاعت کرو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی فائدہ ہو۔ ایمان اور اطاعت تو سبہر حال لوگوں کے اپنے فائدہ کی چیز ہے۔ میں اس جگہ جو امر کا لفظ آیا ہے اور جس کے طلب کرنے کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ایسا ہی اجر ہو سکتا ہے جس کا جسمانی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا آپ کے خاندان کو فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ اور جہاں تک ایسے اجر کا تعلق ہے جس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی طور پر فائدہ پہنچ سکتا۔ اس کی نفی دوسری آیت میں جو اسی مفہوم میں آتی ہے موجود ہے۔

پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ بغیر کسی استثنائی کے کہہ دیا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور ساتھ ہی دوسرے انبیاء نے بھی یہی کہا ہے کہ ہم کوئی اجر نہیں مانگتے تو اب اس آیت میں اِنَّ الْمَوْدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کے کوئی ایسے معنی کے جائیں جن کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تعلق ہو تو یہ اولیٰ تو دوسری آیت کے خلاف ہو گا۔ دوسرے اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سابقین پر تفصیلت ثابت ہونے کی بجائے انہیں ثابت ہو گا۔ کیونکہ یہی آیت اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خیر کے مومنین سے بھی لکھا ہے اِنَّ الْمَوْدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ انہوں نے بغیر کسی اجر کی قسم سے خاص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نبی نوع انسان کی خدمت کی۔ ان سے کسی معوضہ کا تقاضا نہیں کیا۔ نہ اپنے لئے

نہ اپنے رشتہ داروں کے لئے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ آپؐ نے غزوہ باندہ کو یہ تو کہا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر پہلے انبیاء کے طریق کے خلاف اتنا ضرور کہا کہ میرے رشتہ داروں کا خیال رکھنا اور ان سے محبت کیا کرنا۔ پس یہ بات ایسی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل کرنے والی اور آپؐ کے درجہ کو گھٹانے والی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اگر استغنیٰ ہے اور استغنیٰ جو نفی کے بعد آئے اُس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پہلے جلد میں جس چیز کی نفی کی گئی تھی اُس کے حکم سے بعد میں آنے والی شے باہر ہے مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میرے پاس پانچ پانچ روپے کے نوٹوں کے حوا اور کوئی نوٹ نہیں۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ اُس نے جو نوٹوں کی نفی کی تھی اُس میں سے پانچ پانچ روپے کے نوٹوں پر وہ نفی اثر انداز نہیں۔ ان معنوں کے بعد اگر اَلْمَوَدَّةُ فی الغرضی کے معنی رشتہ داروں کی محبت کے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر رشتہ داروں سے میں سلوک کرنے کا اجر چاہتا ہوں اور اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کی سخت تفصیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اَلْمَوَدَّةُ کے معنی جسمانی رنگ میں نیک سلوک کے لئے جائیں تو ایسے یہ معنی ہونگے کہ اسے دوگو: میں تم سے جسمانی طور پر نیک سلوک کی امید نہیں رکھتا مگر میرے رشتہ داروں کے جسمانی طور پر نیک سلوک کرتے رہنا اور اگر اَلْمَوَدَّةُ کے معنی روحانی تعلق کے لئے جائیں تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ اسے دوگو: میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ مجھ سے روحانی تعلق رکھو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں کے روحانی تعلق رکھنا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں معنی غلط ہیں۔ جسمانی سلوک کے معنی کر کے یہ مراد لیتا کہ میرے رشتہ داروں کے جسمانی طور پر نیک سلوک کرنا تو اس نے غلط ہے کہ اس میں رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سوال کی نسبت ہوتی ہے اور دوسرے انبیاء سے بھی آپؐ کا درجہ گر جاتا ہے۔ اور روحانی تعلق کے معنی کرنے سے تو یہ معنی بالکل کفر کے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ مجھ سے روحانی تعلق نہ رکھو حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تعلق پیدا کر کے ہی ایمان حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنی بیویوں اور اپنے بچوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے عزیزوں سے زیادہ مجھ سے پیار نہیں کرتے اُس وقت تک یہ مومن نہیں کہلا سکتے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ مجھ سے مودت کرنی ضروری ہے اور ایسی ضروری ہے کہ تمہیں میری خاطر اگر اپنے ماں باپ کو چھوڑنا پڑے۔ اپنی بیویوں کو چھوڑنا پڑے۔ اپنے بچوں کو چھوڑنا پڑے۔ اپنے بھائیوں کو چھوڑنا پڑے۔ اپنے دوستوں کو چھوڑنا پڑے۔ تو ان صوب کو چھوڑ دو۔ پس اس محبت کا نہ صرف وہ ذات ہے بلکہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے اس قسم کی مودت کا حکم ثابت ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اگر تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی محبت نہیں رکھو گے جو دوسری تمام محبتوں پر غالب ہو تو اُس وقت تک تم ایماندار نہیں کہلا سکتے۔ پس یہ دونوں معنی باطل ہیں۔

اب ایک ہی صورت وہ جاتی ہے اور یہ کہ اَلْمَوَدَّةُ فی الغرضی کے الفاظ کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی چسپاں کیا جائے اور اس آیت کے معنی یہ کہے جائیں کہ میں تم سے کوئی دنیوی اجر نہیں مانگتا ہاں تم سے ایک مطالبہ ضرور کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تم میرے ساتھ روحانی تعلق پیدا کرو اور اس تعلق میں ایسے اعلیٰ درجہ کے ثابت قدم نکلو کہ اس کی نظیر کسی دنیوی رشتے میں نہ مل سکے

اور یہ سنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے بالکل مشابہ
ہیں جس قل لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ بَیْنِی
وَالْقُرْبٰی کے یہ معنی ہوئے کہ میں تم سے ایسے ہی تعلقات
محبت کا تقاضا کرتا ہوں جیسے اہل درجہ کے قریبے قریب
رشتہ وادوں کا آپس میں ہوتا ہے۔ گویا وہ مودت جو قریبی
رشتہ وادوں میں ہوتی ہے میں تم سے ایسی مودت کا اپنے
مستحق تقاضا کرتا ہوں۔ یہ دہی معنوں ہے جسے دوسری جگہ
ابن الفراء میں بیان کیا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ
وَالْاِحْسَانِ وَیَنْہٰ عَنِ الْقُرْبٰی (دخل آیت ۹۱) فرماتا ہے
اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان اور ایثار ذی القربی کا حکم
دیتا ہے۔ ایسا ذی القربی سے اس جگہ یہی مراد ہے کہ تمہارا
نیکیوں کی طرف، ایسا بھی میلان ہو جائے کہ تمہیں نیکی کا کام
کرتے وقت یہ خیال ہی پیدا نہ ہو کہ تمہیں اس کے بدلہ میں
کچھ ملے گا یا نہیں۔ گویا تمہیں وہ مقام حاصل ہو جائے
جو تمام دنیوی خیالات اور نتائج اور ثمرات کو نظر انداز
کر دینے والا ہو۔ پس اِنَّ الْمَوَدَّةَ بَیْنِی الْقُرْبٰی کے معنی
یہ ہوئے کہ میں تم سے وہ محبت چاہتا ہوں جو ایک
ماں والدہ کے درمیان ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچے سے جن ملوک
کرتے وقت یہ خیال نہیں کرتی کہ اس کے بدلہ میں مجھے کچھ
ملے گا یا نہیں بلکہ ایک فطری لگاؤ کے ماتحت اس سے
پیاز اور محبت رکھتی ہے۔ یہی حال بچے کا ہوتا ہے۔
ماں کی محبت اس کے دگ و ریشہ میں مزیت کی ہوئی
ہوتی ہے اودہ اس سے ایک دلدہانہ تعلق رکھتا ہے
یہی امر اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ تم مجھ سے ایسی
محبت کرو جیسے ایک بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے۔ بلکہ
دوسری آیت میں مومنوں سے اس سے بھی بڑھ کر مطالبہ
کیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے
انبیاء سے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت ہونی
چاہیئے پس یہ کہ تم سے کہ مطالبہ ہے جو مومنوں سے کیا

نیا ہے۔ اور اگر اس حد تک بھی کسی شخص کے دل میں محبت
نہ پائی جائے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے دعویٰ
ایمان میں جھوٹا ہے۔ پس لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا
اِلَّا الْمَوَدَّةَ بَیْنِی الْقُرْبٰی کے اصل معنی یہ ہیں کہ میں
تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ ماں تمہاری اصلاح اور
تمہاری ترقی کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ دینی
محبت ہو جیسے ذی القربی میں ہوتی ہے یعنی تمہیں یہ
احساس ہی نہ رہے کہ اس کے بدلہ میں تمہیں ملے گا یا نہ ملے
اجر کا خیال تمہارے دل سے بالکل مٹ جائے۔

مفسرین نے اس جگہ قرنی کے معنی یہ کئے ہیں کہ وہ
رستہ جس سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اِنَّ الْمَوَدَّةَ
بَیْنِی الْقُرْبٰی کی تشریح انہوں نے یہ کی ہے کہ میں تم سے کوئی
اجر نہیں مانگتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے اندر خدا تعالیٰ
کے قرب کی محبت پیدا ہو جائے۔ مگر اس میں مشکل یہ ہے
کہ قرنی کے معنی لغت میں قرابت دہی کے ہی ہوتے ہیں۔
قریب کے معنی نہیں ہوتے۔ لغت دئے الْقُرْبٰی وَالْقُرْبُ
اور الْقُرْبٰی میں فرق کرتے ہیں۔ گویا یہ نغظت کے ساتھ
حق کے ساتھ اور بغیرت اور حق کے آتا ہے۔ قُرب کے
معنی قُرب مکانی کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب قُرب مکانی نہ ہو
بلکہ درجہ کا قُرب مراد ہو تو اس کے لئے عربی زبان میں قُرْبٰی

کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جب نہ مکانی قُرب مراد ہو
اور نہ درجہ کا قُرب مراد ہو بلکہ جمعی تعلقات کے لحاظ سے
کسی کا قُرب مراد ہو تو اس کے لئے قُرْبٰی کا لفظ استعمال
کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قُرب المواد میں لکھا ہے۔ قَبِلَ
الْقُرْبٰی فِی الْمَکَانِ وَالْقُرْبٰی فِی الْوَحْدِ وَالْقُرْبٰی
فِی الْمُنَافَقِ۔ پس چونکہ لغت اس میں فرق کرتی ہے
میں نے جس قُرْبٰی کے وہی معنی لئے ہیں جس کے جو لغت
بھی مطابق ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی
کوئی اعتراض نہ ہو کہ یہ قُرب۔ ہوں اور دیکھتی ہی

کر تم سے ایسی محبت کا تقاضا کرتا ہوں جو ذی القربی سے
کی جاتی ہے۔ یعنی وہ تعلق جو ان کا اپنے بچے سے ہوتا ہے یا
بچہ کا اپنی ماں سے ہوتا ہے۔ یا باپ کا اپنے بیٹے سے ہوتا
ہے یا بیٹے کا اپنے باپ سے ہوتا ہے۔ تم ذی تعلق میرے
ساتھ پیدا کرو۔ اس تعلق میں کوئی مادی خواہش نہیں ہوتی
بلکہ نظری لگاؤ کے ساتھ ایک دوسرے سے محبت کی جاتی
ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ چونکہ
میں معلم ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ تمہیں دینی تعلیم سکھاؤں
میں نے ہزندی ہے کہ طبعی طور پر تمہارے اندر یہ احساس
پایا جائے کہ تمہیں میرے پیچھے چلنا چاہیے۔ پس تم ایسی ہی
محبت کرو جیسے بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے تاکہ تمہیں سوچ
موچ میرے احکام کی اطاعت نہ کرنی پڑے بلکہ آپ ہی
آپ میرے احکام کے پیچھے چل پڑو۔ **يَا أَيُّهَا الْمَوْدَّةُ**
فِي الْقُرْبَىٰ کے معنی یہ ہوتے کہ تم میرے ساتھ ویسی ہی
محبت کرو جیسی بیٹا اپنے باپ سے یا بچہ اپنی ماں سے کرتا
ہے اور یہاں تک وہ اپنے ماں باپ کی نفل کرتا ہے کہ اگر
ہم غور کریں تو انسانی خد و خال اور حرکات میں بھی بیٹوں
اور پاپوں اور ماؤں اور لڑکیوں میں اتنی مشابہت پائی
جاتی ہے کہ دیکھ کر حیرت آتی ہے۔ بعض دفعہ باپ کو اپنا
ہاتھ کسی خاص طرز پر ملانے کی عادت ہوتی ہے تو بیٹا
بھی اسی طرز پر اپنا ہاتھ ملانے لگ جاتا ہے یا ماں کو
عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی آنکھ کو کسی خاص طریق پر حرکت
دے تو اس کی مٹی بھی اسی طریق پر آنکھ کو حرکت دینے
لگ جاتی ہے۔ یا اگر کسی شخص کو خاص طور پر لوج اور چٹک
کے ساتھ بات کرنے کی عادت ہو تو بچے بھی اسی طرح لوج
اور چٹک کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ یا باپ کے اندر اگر
گنہ گشت پائی جاتی ہو تو عام پر دیکھا جاتا ہے کہ بچوں میں
بھی گنہ گشت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو بچوں میں نفل کا ایسا مادہ
پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو جس طرح کوئی کام

کرتے دیکھتے ہیں اسی طرح خود بھی کرنے لگ جاتے ہیں۔
پس **يَا أَيُّهَا الْمَوْدَّةُ فِي الْقُرْبَىٰ** میں اس امر کی طرف
اشارہ ہے کہ تم میرے ساتھ صرف ذہنی تعلق نہ رکھو
صرف جذباتی تعلق نہ رکھو بلکہ ایسا تعلق رکھو جیسے بچہ
کا اپنے ماں باپ سے ہوتا ہے۔ جس طرح اپنے ماں باپ
کی خود بخود نفل کرنے لگ جاتا ہے اسی طرح اگر تم مجھ سے
فائدہ اٹھانا چاہو تو میرے ساتھ صرف نظری تعلق نہ رکھو
بلکہ ایسا تعلق رکھو کہ تم اپنے انکار اور اپنے خیالات کو
اپنے اعمال میں خود بخود میری نفل کرنے لگ جاؤ جیسے بچہ
اپنے ماں باپ کی نفل کرتا ہے۔ یہ چیز ایسی ہے جو واقعہ
میں قابل تسلیم ہے کیونکہ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ذی شخص فائدہ اٹھانے کا جو ہر کام میں طبعی طور پر بچی
نفل کرے گا۔ اگر یہ مادہ اس کے اندر نہیں ہوگا تو
آپ سے فائدہ کیا اٹھائیگا۔

ان معنوں سے آپ کی انبیائے سابقین پر
نفیست بھی ثابت ہو جاتی ہے اور وہ احترام بھی دافع
نہیں ہوتا جو بعض لوگوں کے معنی تسلیم کرنے سے آپ
پر عائد ہوتا ہے۔ اس آیت کے فطری سے جو معنی کئے جاتے
ہیں وہ دوسرے نبیوں کے مقابل میں آپ کی تنقیص کرنے
والے ہیں کیونکہ باقی نبی تو اپنی امتوں سے ہی کچھ میسر
کہ ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے گراؤں کے نزدیک محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر یہ کہہ دیا کہ بیشک تم مجھے کوئی
اجر نہ دو مگر دیکھنا میرے بچوں اور میرے رشتہ داروں کا
خیال رکھ لینا۔ لیکن یہ معنی جو میں نے کئے ہیں ان سے
ظاہر ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی
زیادہ مکمل ہے۔ کیونکہ پہلے انبیاء نے صرف یہی کہا کہ
ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
دیکھ کر دیکھ کر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں تم سے
ایک اجر مانگتا ہوں۔ اگر وہ اجر بھی ایسا ہے جس کا

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۱۸۲﴾

(اے لوگو! پیمانہ پورا (بھر کر) دیا کرو۔ اور (دوسروں کو) نقصان پہنچانے والے مت بنو۔

تمہاری ذات کو ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور وہ یہ کہ تم مجھ سے ایسا تعلق رکھو جیسے بچہ اپنی ماں سے رکھتا ہے تاکہ تم رات اور دن میرے اعمال کی نقل کرتے رہو جو کچھ میں کہتا اُس کی تم نقل کرو۔ اور جو کچھ میں کر دوں اُس کی تم نقل کرو جس طرح ماں باپ ہندوستانی لباس پہنتے ہیں تو بچہ بھی ہندوستانی لباس پہننے لگ جاتا ہے۔ ماں باپ جو زبان بولتے ہیں وہی زبان بچہ بھی بولنے لگ جاتا ہے۔ ماں باپ جو حرکات کرتے ہیں وہی حرکات بچہ بھی کرنے لگ جاتا ہے اسی طرح تم میری طرف دیکھو اور میری کامل طور پر اتباع کرو۔ تاکہ جو تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری ہدایت کے لئے مجھے ملی ہے وہ تمہاری رگ و گد اور ریشہ و ریشہ میں سرایت کر جائے۔ یہ معنی ایسے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے انبیاء پر نصیحت اور برتری ثابت کرنے والے ہیں۔ پہلے انبیاء نے اِلَّا الْمَوَدَّةُ بَيْنِي وَالنَّاسِ بَی نہیں کہا۔ اس لحاظ سے اُن کی تعلیم یقیناً اس درجہ کی نہیں تھی جس درجہ کی تعلیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یہ معنی جو میں نے اس آیت کے کئے ہیں ان کی تصدیق ہی آیت کا اگلا حصہ بھی کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّسُودْ لَهُ فِيهَا حَسَنَةً جو شخص نیکی کو کوئی کام کرتا ہے ہم اُس کی نیکی کو اس کیلئے اور زیادہ حسین بنا دیتے ہیں۔ اب اگر اس آیت کے معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے تعلقات محبت رکھنا ہوتا تو مَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّسُودْ لَهُ فِيهَا حَسَنَةً کے ذکر کا موقع ہی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو شخص نیکیوں میں حصہ لیتا ہے ہم اُس کے حسن کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اب اس بات کا بھلا اس سے کیا تعلق ہو

سکتا ہے کہ میرے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا لیکن میں نے جو معنی کئے ہیں اُن کے لحاظ سے یہ آیت بالکل مٹا ہے۔ میں نے یہ معنی کئے ہیں کہ تمہارا میرے ساتھ بچوں والا تعلق ہونا چاہیئے۔ جس طرح بچہ بغیر فکر اور بغیر دیکھنے کے اپنے ماں باپ کی نقل کرتا ہے۔ اسی طرح تمہارا فرض ہے کہ تم میری نقل کرو۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ بچہ تو عقل کے بغیر نقل کرتا ہے پس اگر ہم بھی بچوں کی طرح آپ کی نقل کرتے ہیں اور خود غور و فکر سے کام نہیں لیتے تو یہ ایک ادنیٰ مقام ہے۔ انسان کو تو جو بات مانتی چاہیئے وہ علیٰ وجہ البصیرت مانتی چاہیئے نہ کہ اندھا دھند۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلا درجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا یہی ہوگا کہ تم اُن کی ویسی ہی نقل کرو جیسے بچہ ماں باپ کی نقل کرتا ہے مگر مَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّسُودْ لَهُ فِيهَا حَسَنَةً جو شخص آپ کی نقل کرے گا۔ اعمال میں آپ کی نقل کرے گا جذبات میں آپ کی نقل کرے گا اور ان میں آپ کی نقل کرے گا معاملات میں آپ کی نقل کرے گا اور اس طرح نیکیاں اپنے اندر پیدا کرتا چلا جائیگا تو گو یہ ادھر کے مقام کی نسبت سے ایک ادنیٰ مقام ہوگا مگر جوں جوں اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ یقین پیدا ہوتا چلا جائیگا کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور وہ آپ کی کامل متابعت کرتا رہے گا تو نَّسُودْ لَهُ فِيهَا حَسَنَةً ہم اُسے رفتہ رفتہ ایک ایسے مقام پر پہنچا دیں گے کہ اُسے اعمال کے متعلق ایک کامل بصیرت حاصل ہو جائیگی۔ گویا ہم اُسے پہلے درجہ پر ہی نہیں ہٹنے دیں گے بلکہ براہ راست اس کے دل پر نور نبوت نازل کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور آپ کی

وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۖ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ

اور سیدھی ڈنڈی سے تول کر دو - اور لوگوں کو ان کی چیزیں (ان کے حق سے)

أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۚ

کم نہ دیا کرو - اور ملک میں ہرگز فساد نہ کیا کرو - ۳۲

انفس

۳۲ مل نجات ۱- انفسطاس: انفسطاس

یعنی قسطاس کے معنی ترازو کے ہیں۔ وَاَفْزُومُ الْمُبِزَاتِ۔
اور خاص طور پر اس ترازو کے جو بائبل صحیح قول دینا ہو (قرآن
تفسیر:- حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم
کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دوسروں کو پیانا پورا
بھر کر دیا کرو۔ اور لوگوں کو نقصان پہنچانے سے مت
ہو۔ اور ترازو کی ڈنڈی بھی سیدھی رکھا کرو۔ اور
انہیں جائز حق سے کم مت دیا کرو۔ اور ملک میں فساد
و فساد سے کلی طور پر بچنا رہو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام
کی قوم میں شرک کے علاوہ تجارتی بددیانتی کا بھی بڑا زور
تھا۔ چونکہ ان لوگوں کا گذارہ زیادہ تر تجارت پر تھا اسلئے
وہ دھوکا اور فریب کا کام بننے لگ گئے۔ وہ اول تو وزن
میں کمی کر دیتے تھے جس کے لئے مٹن ہے انہوں نے مختلف
قسم کے باٹ رکھے ہوئے ہوں۔ اشیاء دیتے وقت اور
قسم کے بٹے استعمال کرتے ہوں اور دیتے وقت اور
قسم کے بٹوں سے وزن کرتے ہوں۔ پھر وہ ڈنڈی بھرنے
میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اور باپ اور قول دونوں میں
لوگوں کو بھٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام
نے انہیں تجارتی بددیانتی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔
مگر وہ لوگ جنہیں حرام مال کھانے کی چاٹ لگ گئی تھی اس
سے کب باز آنے والے تھے انہوں نے اور بھی اپنے
ہاتھ دیکھتے شروع کر دیئے اور آخر وہ وقت آیا جب

کامل فرمانبرداری کے بغیر اسے بعسرت بھی مٹا کر دینگے۔
پس تَبْزُدْ لَكُمْ فِيهَا حُسْنًا جو اس آیت کا لگاؤ تھا
ہے یہ بھی بتا رہا ہے کہ اِنَّ الْعَوْدَةَ بِنِي الْقُرْآنِ سے مراد
دنوی ملوک نہیں ورنہ تَبْزُدْ لَكُمْ فِيهَا حُسْنًا کے کوئی
معنی ہی نہیں بنتے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پہلے انبیاء بھی اپنی اپنی
جگہوں پر لوگوں سے یہی کہتے ہوئے تھے کہ ہم تمہارے باپ ہیں۔
جیسا کہ قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ ہر نبی مومنوں کا باپ
ہوتا ہے اور وہ ان کو اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہوں گے
کہ جیسے بچے اپنے ماں باپ کی اطاعت کرتے ہیں اسی طرح
تمہارا فرض ہے کہ ہماری اطاعت کرو لیکن جب انہوں نے
یہ کہا کہ ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے تو اس وقت انہوں
نے اس کے ساتھ یہ دوسرا فقرہ نہیں کہا جو قلوب میں
ایک گدگدی پیدا کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے
کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے سامان میں پیدا
کر دیتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے
جو کام لیا وہ کسی اور نبی سے نہیں لیا۔ اسی لئے آپ پر
جو کلام نازل ہوا وہ بھی ایسا مکمل ہے کہ اس کی آیات
کو پڑھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہمارے
دل کو کپکپا رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ یہ بھی ہے اور
وہ بھی ہے۔

میں کا چمیانہ لبریز ہو گیا اور آسمان سے عذاب کے فرشتے انکی
تباہی کے لئے نازل ہو گئے۔

افسوس ہے کہ یہ مرض اس زمانہ میں بھی بڑے زور
پر ہے اور دیانت ہمارے ملک سے اس حد تک اٹھ چکی ہے
کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کو جس حد تک ممکن ہو لوٹے
اور نقصان پہنچائے۔ گاہک چاہتے ہیں کہ دوکاندار کم قیمت
وصول کریں اور دوکاندار اس کا علاج یہ سوچتے ہیں کہ وہ
ناقص اور گندی چیزیں کم قیمت پر گاہکوں کو دے دیتے ہیں
میں تو سودا لینے نہیں جاتا لیکن چونکہ سودے ہمارے گھروں
میں آتے رہتے ہیں اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ سودوں میں
بالعموم دیانت سے کام نہیں لیا جاتا۔ آٹے میں مٹی ملی ہوئی
ہوتی ہے اور کھانڈ اور شکر میں بھی بہت کچھ سیل اور گند
ہوتا ہے یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو فوراً نظر آ جاتی ہیں چنانچہ
کھانڈ کے ہر چمچ میں انسان اگر آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے
بہت سی مٹی ملی ہوئی دکھائی دے گی جس سے صاف معلوم ہوتا
ہے کہ وزن زیادہ کرنے کے لئے مٹی ملائی جاتی ہے۔ ایسی طرح
آٹے میں ریت اور مٹی ہوتی ہے۔ دانت کے نیچے آٹے کو ذرا
چبا کر دیکھو تو فوراً اس سے کرکر کی آواز آنے لگی۔ عام طور
پر ہمارے ملک میں لوگ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ
اگر وہ لغتہ چبا کر کھانے کی عادت رکھتے تو انہیں معلوم
ہو جاتا کہ وہ آٹا نہیں کھا رہے بلکہ گند کھا رہے ہیں تو اسے
نی صدی آٹا ایسا ہوتا ہے جس میں کرک ہوتی ہے۔ ذرا
اُسے داغون کے نیچے دباؤ تو کر کر کی آواز آنے لگ جائیگی
اور یہ صحت کے لئے سخت مضر ہوتا ہے۔ پھر یہ دھوکا بازی
بھی ہے کہ دوکاندار قیمت خالص آٹا کی وصول کرتے ہیں اور
آٹا دیتے ہیں جس میں ریت اور مٹی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ بددیانتی
صرف اس چیز کا نام نہیں کہ تم کسی کا ناحق روپیہ لے لیتے ہو
بلکہ بددیانتی اس بات کا بھی نام ہے کہ تم کسی کی کوڑی
ٹھالیتے ہو۔ ایسی طرح بددیانتی صرف اس کا نام نہیں کہ

تم ۵ فیصدی آٹا اور ۵ فیصدی مٹی ملا کر دو بلکہ اگر
تم ۸ فیصدی آٹا اور ۲ فیصدی مٹی ملا تے ہو۔ یا
تیناؤے فیصدی آٹا اور اسی فیصدی مٹی ملا تے ہو یا ساڑھے
تیناؤے فیصدی آٹا اور نصف فیصدی مٹی ملا تے ہو بلکہ
اگر تم ۹۹۹ حصہ آٹا اور ایک حصہ مٹی ملا تے ہو تو وہ بھی
وہی ہی بددیانتی اور گندی عادت ہے جیسے ۵ فیصدی مٹی ملا۔
نیکی اور بدی دل سے تعلق رکھتی ہے جس طرح اگر کوئی شخص
خدا تعالیٰ کی راہ میں اخلاص سے ایک پیسہ دیتا ہے اور وہ
یہ امید رکھتا ہے کہ اس کا ایک پیسہ امیر آدمی کے ایک لاکھ
روپیہ سے کم نہ سمجھا جائے اور وہ اخلاص سے ایک پیسہ
دے کر سمجھتا ہے کہ اُس نے ایک لاکھ روپیہ دینے والے
جیسی قربانی کی ہے تو اسی طرح اگر کوئی شخص ۵ فیصدی مٹی
کرنا ہے تو وہ بھی ٹھک ہے اور جو ایک حصہ کی مٹی کرنا ہے
وہ بھی ویسا ہی ٹھک ہے جس طرح نیکی کی جزائیت پر ہر
ایسی طرح بدی کی سزا بھی ریت پر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ
یہ نہیں دیکھتا کہ اُس کی راہ میں ایک غریب نے اخلاص سے
ایک پیسہ دیا اور دوسرے امیر نے ایک لاکھ روپیہ دیا۔
بلکہ وہ اخلاص دیکھتا ہے اور اس کے مطابق جزا دیتا ہے
ایسی طرح خدا تعالیٰ یہ نہیں دیکھے گا کہ ایک نے ۵ فیصدی
مٹی کی ہے اور دوسرے نے آدھ فیصدی بلکہ وہ کہیں کہ
دونوں نے مٹی کی ہے۔ ۵ فیصدی مٹی کرنے والے نے بھی
مٹی کی ہے اور ایک حصہ مٹی کرنے والے نے بھی مٹی کی ہے
تقدس اور نجاست کا دل سے تعلق ہوتا ہے اور جس طرح
زیادہ نیکی بھی نیکی اور تھوڑی نیکی بھی نیکی سمجھی جاتی ہے
ایسی طرح زیادہ بدی بھی بدی اور تھوڑی بدی بھی بدی
سمجھی جاتی ہے۔ ممکن ہے کسی جگہ دوکاندار خود اس قسم کی
حرکات نہ کرتے ہوں اور ماہر سے بے احتیاطی سے اس قسم
کا ناقص مالے آتے ہوں۔ مین اس صورت میں بھی وہ
بری نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر کوئی شخص جاتا ہے اور

خواس دے سے گندا آٹا لے آتا ہے تو یہ اُسی کا قصور ہے
 اگر گندہ آٹا تھا تو وہ کیوں لایا۔ اُسے چاہیے تھا کہ وہ
 نہ لانا۔ اور اگر وہ ناقص مال سمجھ کر سستا لے آیا ہے تو
 معلوم ہوا کہ یہ بڑا مسلفہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ مثلاً دوسری
 جگہ سے اچھا آٹا خریدتا تو اُس کے ایک سو ایک روپے
 فروخ ہوتے۔ لیکن جس خواس دے سے اُس نے خریدنا
 قصور دے دینے پر اُس صورت میں بھی یہ ٹھگ ہے
 کیونکہ یہ دوسرے کی ٹھگ میں شریک ہوتا ہے۔ پس اگر اس
 قسم کی ٹھگ یہ خود نہیں کرتا بلکہ باہر سے ناقص سودا لانا
 اور بیچتا ہے تب بھی وہ ویسا ہی ٹھگ ہے جیسے اپنے
 ہاتھ سے آٹے میں مٹی ملائے والا۔ ولایت میں کئی جہد ایسے
 ہیں جو قیم بچوں کی پودش کرتے اور پھر ان کے ذریعہ چوریا
 کر دیتے ہیں۔ اب کیا تم سمجھتے ہو وہ قیم بچوں کے ذریعہ
 چوریاں کروانے کی وجہ سے کم چور ہیں۔ اگر خود چوری کرتے
 تو زیادہ چور ثابت ہوتے۔ وہ دیسے ہی چور ہیں جیسے
 اپنے ہاتھ سے چوریاں کرنے والے۔ اسی طرح جب تم
 خواس سے ناقص آٹا لاتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ خواس ہے
 تو تم ویسے ہی مجرم ہو جیسے اپنے ہاتھ سے آٹے میں مٹی یا
 ریت ملانے والا۔ پھر کئی لوگ بظاہر دیانت داری بھی ہوتے
 ہیں اور وہ مٹی نہیں ملاتے لیکن جب قیم بچوں کو صاف
 کرنے کے لئے زمین پر پھیلاتے ہیں تو اُسے سمجھتے وقت
 جب جھاڑ دیں گے تو پاؤ یا میرے قریب اُس میں مٹی
 بھی ملا دیں گے اور اپنی طرف سے یہ سمجھیں گے کہ ہم
 تو بڑے دیانت دار ہیں حالانکہ وہ دیانت دار نہیں ہوتے
 اسی طرح بعض غلط فروش کمپنیوں کے ایجنٹ غلط خریدتے
 ہیں۔ تو اُس میں باریک غبار ملا دیتے ہیں۔ چونکہ لاکھوں کا
 غلط ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی یہ چالاکی کبھی رہتی ہے اور
 ہر ایک کو اُس کا پتہ نہیں لگتا۔ بعض لوگ غلے کو پانی کا
 چھینٹا لے دیتے ہیں۔ تاکہ بوجھل ہو جائے۔ اسی طرح

اگر کسی کو کچھ خریدنا ہوتا ہے تو کہتا ہے میں نے اتنا مال
 لیا مگر تم کچھ بھی معاف نہیں کرتے اور اگر بیچنا ہوتا ہے
 تو کہتا ہے کہ کیا تم ہمارا گھروں لوٹ کر لے جاؤ گے۔
 اسی طرح بیسویں کے بعض تجار کی نسبت تو عجیب بات
 سنی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض تاجروں کے تین قسم کے
 باٹ ہوتے ہیں: (۱) پورے وزن کے (۲) بھادی اور (۳)
 ٹٹکے۔ اور ان کے انہوں نے عجیب عجیب نام رکھ رکھے
 ہیں کسی کا نام سبحان اللہ رکھا ہوا ہوتا ہے کسی کا نام
 استغفر اللہ اور کسی کا نام لا حولی ولا قوۃ۔ اور جس قسم کا
 کوئی ادبی دیکھتے ہیں اسی طرز کا اُس سے سلوک کرتے ہیں
 اگر خوشنما ادبی ہوا تو اصل بٹہ ذکر کو لانے کا حکم دیا۔
 اور وہ لفظ بول دیا جس سے اصل بٹوں کی طرف اشارہ
 ہوتا ہو۔ کوئی سادہ لوح آیا تو چھوٹے بٹے منگوا لئے۔
 اسی طرح دھوکا باز عطاروں کا طریق ہے کہ علاقہ میں
 کوئی دیا، شمع، شمع ہو جائے اور حکیم بکھنا شروع کر دیتے
 ہیں کہ میں کو عرق کو اور عرق کاؤ دیاں پلاؤ تو ایک
 دیانت دار عطار تو بعض دفعہ کہہ دینا کہ میرے پاس
 عرق کو اور عرق کاؤ زبان تیار نہیں۔ لیکن بد دیانت عطار
 کہیں کہ میرے پاس دونوں چیزیں موجود ہیں۔ وہ پانی دینا
 بوتل میں بھر دینا اور کہیں کہ یہ عرق کو ہے۔ یہ عرق کاؤ
 ہے۔ یہ عرق گلاب ہے۔ تم جو عرق بھی مانگو گے وہ اُس
 کے پاس موجود ہو گا۔

ہماری تاریخ طب کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا
 ہے کہ ایک دفعہ ایک عباسی بادشاہ نے کہا۔ اب طب
 بڑی ترقی کر رہی ہے۔ اس پر کسی نے کہا۔ طب ترقی کیسے
 کر سکتی ہے جب تک روایں بچنے والوں میں دیانت
 پیدا نہ ہو۔ طبیب چاہے کوئی نسخہ لکھے اس سے کیا
 فائدہ ہو گا۔ بادشاہ نے کہا۔ بغداد میں پانچ چھ سوداگر
 ہیں۔ تم تجربہ کرو۔ امیر انہوں نے کسی دوائی کا مصنوعی نام

مشک کی سی شکل ہو جاتی ہے اور نادان واقف آدمی سمجھتا ہے کہ آج میں نے بڑا سستا سودا کیا ہے۔ میں نے آٹھ آنہ میں مشک کا نافذ خرید لیا ہے۔ حالانکہ اس میں صرف کبوتر کا خون ہوتا ہے اور کبوتر کے خون کی قیمت ایک روپیہ بھی نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایک دفعہ میں کشمیر گیا۔ وہاں ایک قسم کی قالین بنتی ہے جو آدمی کی پٹے کاٹ کاٹ کر اور پھر انگوٹھی کی بناتے ہیں۔ اور اس کو کاٹھا کہتے ہیں۔ میں وہ دیکھ کر پسند آیا۔ چنانچہ میں نے بھی چاہا کہ یہاں سے دو چادر خرید کر لے جاؤں۔ اپنے گھروں میں تحفہ دینگے۔ ایک شخص سلام پو میں اس کام کے لئے اچھا مشہور تھا۔ میں نے اس کو جاکر کہا۔ کہ میں یہ قالین پنجاب میں تحفہ لے جانا چاہتا ہوں تم مجھے اچھے سے قالین بنا دو۔ اس نے کہا۔ اچھا کچھ پیشی دیدیں۔ چنانچہ ہم نے کچھ رقم اس کو پیشی دیدی اور ہم آگے پہاڑ پر میر کیلئے چلے گئے۔ میں نے اسے یہی کہا کہ دیکھنا میں جو اس کی لمبائی چوڑائی بتاؤں گا وہ ٹھیک ہو۔ کیونکہ میں کمروں کے لحاظ سے لے رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ بالکل ٹھیک ہونگے جب وہ آئے تو مجھے دیکھتے ہی چہ نہ لگ گیا کہ وہ ٹھیک نہیں ہیں اور پھر جو ماپ کر دیکھا تو ایک باشت چوڑائی میں کمی تھی اور ایک باشت لمبائی میں کمی تھی۔ میں نے اس کو کہا کہ یہ تم نے بڑی ہمواری کی ہے کہ اس کو چھوڑنا دیا ہے۔ اس پر اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ میں مسلمان ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ میں نے کہا۔ مسلمان تو تم ہوئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے ساتھ تمہارا وعدہ تھا یا نہیں کہ اتنے لمبے چوڑے قالین بناؤں گا۔ اور پھر دو چادر آدمیوں کے سامنے یہ بتا ہونی تھی۔ میں نے ان آدمیوں سے کہا کہ بتاؤ تمہارے سامنے اس نے یہ وعدہ کیا تھا یا نہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے سامنے وعدہ کیا تھا۔ اس پر میں نے اسے کہا کہ دیکھو

دیکھ لیا اور کہا۔ یہ دوا منگوا دو۔ وہ دوا آئی شروع ہوئی کسی دوا فروش نے ملٹھی بھجادی اور کہہ دیا یہی دوا ہے کسی نے غائب بھجوائے اور کہہ دیا یہی دوا ہے غرض سب دوا کا مذاق اڑانے میں ہی طریق اختیار کیا۔ صرف ایک دوا کا مذاق ایسا نکلا جس نے کہا کہ میرے پاس یہ دوا نہیں۔ میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ کس دوا کا مذاق لے رہے ہو۔ تو طبیعوں نے کہا۔ سب جھوٹ بولتے ہیں۔ سچا وہی ہے جو کہتا ہے کہ میں نے یہ نام پہلے نہیں سنا۔ کیونکہ ہم نے مصنوعی نام رکھ کر یہ تجربہ کیا تھا۔ اس تجربہ کی وجہ سے مسلمان بادشاہوں نے دوا ساز کا بھی امتحان رکھا تھا اور دواؤں کی پہچان کے لئے سکول بنائے گئے تھے اور ہر شخص وہ مخصوص امتحان پاس کر لیتا تھا صرف اس کو دوائی بھیجی کی اجازت دی جاتی تھی۔ عام لوگوں کو دوا فروش کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

کشمیر میں میں نے دیکھا ہے وہاں لوگ مشک کا نافذ لاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اس کے اندر ایک تولہ مشک ہے۔ اور اس کی اصل قیمت تیس روپے ہے مگر چونکہ میں پڑے کی مزدور ہوں اس لئے ہم آپ کو چوبیس پیس روپے میں نافذ دے دیں گے۔ پھر وہی نافذ جس کی وہ پچیس پڑے قیمت بتاتے ہیں بعض دفعہ آٹھ آنہ میں بھی دے دیتے ہیں۔ اور جب تم آٹھ آنہ میں مشک کا نافذ لے کر یہ سمجھتے ہو کہ دنیا کے سب سے بڑے ماہر ہو کیونکہ تم نے ایک شخص سے مشک کا نافذ آٹھ آنہ میں لے لیا تو اُس وقت بھی تم دھوکہ خوردہ ہوتے ہو۔ کیونکہ جب اسے کھول کر دیکھا جاتا ہے تو اس میں سے کبوتر کے جیسے ہوئے خون کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا اور ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ بڑے ماہر تم نہیں بلکہ بڑا ٹھک دی تھا جو تمہیں لوٹ کر لے گیا۔ وہ نافذ کے باہر تھوڑی سی مشک مل دیتے ہیں اور اندر کبوتر کا خون بھرتے ہیں۔ کبوتر کے خون کی بعض دوائیوں کے ملانے سے بالکل

تم نے وعدہ کیا تھا۔ وہ اپنے کشمیری طریق پر کہنے لگا۔ "جی میں مسلمان ہوندا۔ میں مسلمان ہوندا۔ میری عمر اس وقت کوئی انیس بیس سال کی تھی۔ مجھے امیر غصہ چڑھے کہ یہ اپنا فعل اسلام کی طرف کبوں منسوب کرتا ہے۔ یہ کہے میں نے ٹھکی کی ہے جلدے دو۔ یہ کیوں کہتا ہے کہ میرے مسلمان ہونے کے لحاظ سے میرا حق تھا کہ میں ٹھکی کرتا۔ غرض میں امیر اور کول کہ اسے پورا کرو۔ اور وہ یہی کہتا جائے کہ میں مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں۔ گویا اسلام اتنا گر گیا ہے کہ اب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان اگر ٹھکی کرے تو یہ بھی اسکا ایک قسم کا جائز حق ہے۔

میں جب پہلی دفعہ کشمیر گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ کشمیر کے تاجروں کی صورت چاندی کے کام کی ایک کروڑ روپیہ کی تجارت یورپ والوں سے تھی۔ ایک کروڑ روپیہ کی تجارت کے یہ معنی ہیں کہ بیس پچیس لاکھ روپیہ نہیں بطور منافع حاصل ہوتا تھا اور کام کی مزدوری الگ تھی۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ اب یہ تجارت سوڑ لاکھ روپیہ تک رہ گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے لوگ کہتے ہیں۔ یہاں کے مال کا کوئی معیار نہیں۔ کبھی کوئی چیز بھیج دیتے ہیں اور کبھی کوئی۔ کبھی تو نہایت اعلیٰ مال روانہ کر دیں گے اور کبھی اس میں کھوٹ ملا دیں گے۔ حالانکہ اگر وہ دیانت داری سے کام کرتے تو وہ ایک کروڑ کی تجارت آج تین چار کروڑ روپیہ تک پہنچی ہوئی ہوتی۔ پہلے زمانہ میں تجارتیں بہت کم تھیں۔ تجارت میں زیادتی ایسی زمانہ میں ہوتی ہے۔ پھر اگر اس زمانہ میں جبکہ تجارت کا دواج بہت کم تھا اسی ایک کروڑ روپیہ کی تجارت ہو سکتی تھی تو اب وہ تجارت تین چار کروڑ روپیہ کی ہو جاتی۔ مگر بجائے اس کے کہ اسکی تجارت تین چار کروڑ روپیہ تک ترقی کرتی اور کروڑ روپہ کروڑ روپیہ نہیں نفع حاصل ہوتا۔ پہلی تجارت بھی بڑھی اور وہ ایک کروڑ سے آگے نہ سوا لاکھ روپیہ تک آگئی۔ اگر وہ

تھوڑے سے نفع کی خاطر بددیانتی کر کے اپنے کام کو نقصان نہ پہنچاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کی یہ تجارت خوب چلتی مگر چونکہ انہوں نے بددیانتی کی اسلئے تجارت میں نقصان ہو گیا انگریزوں کے کئی لوگ دشمن ہیں۔ مگر دشمن بھی اقرار کرتے ہیں کہ تجارت کے معاملہ میں انگریزوں پر زیادہ اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ انگریزوں سے آگے کہ امریکہ اور جرمن کے لوگ ہیں اور ان سے آگے کہ اور ملک کے لوگ ہیں۔ مگر ایشیا تجارت میں اتنا خطرناک طور پر بدنام ہے کہ کوئی قوم اس پر اعتبار نہیں کرتی۔ حالانکہ قومی ترقی ہمیشہ امانت اور دیانت داری کی شہرت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر تمام مسلمان تاجر بدیانتدار ہوں تو لوگ سود کا نوں کو چھوڑ کر بھی اس کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ ان سے سودا اچھا ملتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان دکاندار بھی ایک من آٹے میں میرے بری ملا دیتا ہے تو اس کے اندر وہ کوئی چیز ہوگی جس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف توجہ کریں گے۔ پس ہر شخص کو اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ میں نے بددیانتی کو مٹا ہے۔ اگر اس کا باپ دکاندار ہے تو وہ اپنے باپ سے کہدے کہ میں تمہیں بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کے بھائی دکاندار ہیں تو وہ اپنے بھائیوں سے کہدے کہ میں تمہیں بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کے دوست اور رشتہ دار دکاندار ہیں تو وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے کہدے کہ میں تمہیں بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اگر اس کی بیوی دکان کرتی ہے تو وہ اپنی بیوی سے کہدے کہ میں تمہیں بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ اور اگر تم بازنہ آئے اور اصلاح نہ کی تو میں تمہارے خلاف کھڑا ہو جاؤں گا۔ اگر ہر شخص اس بات کا ہتھ بندھ کر لے کہ میں نے بددیانتیوں کا مقابلہ کرنا ہے تو ایک گھنٹہ کے اندر اندر اس عیب کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر تمہارا بھائی تاجر ہے اور وہ بددیانتی کرتا ہے۔ اگر تمہارا باپ تاجر ہے اور وہ بددیانتی کرتا ہے

اگر تہادی ماں تاجر ہے اور وہ بددیانتی کرتی ہے۔ اگر تہادی بیوی۔ جڑ ہے اور وہ بددیانتی کرتی ہے تو یہ بددیانتی اس وقت تک پسند نہیں کی جاتی جب تک انکو یقین ہے کہ تم ان کی محبت کی خاطر ان کی بازاں فروشوں کے پاس رپورٹ نہیں کرو گے۔ لیکن جب انکو معلوم ہو جائے گا کہ تم ان کی محبت کی پرواہ نہیں کرو گے اور تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ بددیانتی سے باز نہ آئے تو تم اس کی رپورٹ کرو گے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے منٹ میں بددیانتی کریں۔ باپ کبھی بیٹا پھچلا قصور جانے دو آئندہ میں کبھی بددیانتی نہیں کرے گا۔ بھائی کبھی پھچلا قصور معاف کر دے آج سے میں باز آیا ہوں کہے گی۔ اب یہ قصور معاف کر دو آئندہ میں ایسی حرکت نہیں کروں گی۔ بہن تو تم کی اصلاح تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ بیٹے کی اصلاح باپ کے ہاتھ میں ہے۔ باپ کی اصلاح بیٹے کے ہاتھ میں ہے۔ بھائی کی اصلاح بھائی کے ہاتھ میں ہے۔ بیوی کی اصلاح خاوند کے ہاتھ میں ہے۔ اور ان کی اصلاح بیٹوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس طریق کو استعمال کرو تو چند دن نہیں بلکہ ایک گھنٹہ کے اندر ہزاروں توبہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر تمہارا دوست دیکھتا ہے کہ وہ بددیانتی کرے گا۔ تو تم اس پر بدہ ڈالو گے اور جھوٹ بولو گے تو تم اس کو بھی تباہ کرتے ہو اور آپ بھی تباہ ہوتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت روپے سے زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ ایمان سے زندہ رہتی ہے اگر روپیہ ہی میں چیز ہو تو یہودیوں، عیسائیوں، یارسیوں اور ہندوؤں کے پاس مسلمانوں سے بہت زیادہ روپیہ ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا۔ اس نے کہ ایمان کا روپے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی روپیہ دیتا ہے

مگر وہ روپیہ یا تو انعام کے طور پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے ذریعہ غریبوں کی امداد کی جائے۔ اور یا پھر آزمائش کے طور پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اس روپیہ کا کیسے استعمال کرتے ہیں۔ اگر تو روپیہ کے آنے سے انسان کا ایمان سلامت رہے تو وہ روپیہ اس کے لئے خیر اور برکت کا موجب ہوتا ہے لیکن اگر وہ روپیہ انسان کے ایمان کو باطل کر دیتا ہے اور وہ بے ایمانوں جیسی چالاکیاں کرنے لگ جاتا ہے اور چوروں اور کھٹوں کی طرح لوگوں کو لوٹتا ہے۔ مثلاً ایک مارکیٹ شروع کر دیتا ہے۔ مقررہ نرخ پر چیز فروخت نہیں کرتا بلکہ چیز کی موجودگی سے ہی انکار کر دیتا ہے لیکن اگر اسے کوئی جوری چھپے حسب خشار دام دے تو وہ فوراً اسے ہتیا کر دیتا ہے تو وہ روپیہ اس کیلئے عذاب کا باعث بن جاتا ہے۔ اس قسم کے ناجائز منافع خوردوں کی ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کسی حریف آدمی کے پاس ایک مرغی تھی جو روزانہ سوئے کا ایک انڈا دیا کرتی تھی۔ اس کے دل میں لگا بیٹا ہوا کہ اگر میں اسے زیادہ کھلاؤں تو شاید یہ دو انڈے دینے لگ جائے۔ چنانچہ اس نے مرغی کو پکڑ کر اس کا منہ کھول کر روزانہ اسے زیادہ سے زیادہ دانے کھلانے شروع کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرغی بیمار ہو کر مر گئی۔ اور وہ ایک انڈے سے بھی محروم ہو گیا۔ اس قسم کے ناجائز منافع خور بھی روپیہ جمع کرتے جاتے ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب کسی نہ کسی رنگ میں انہیں اپنی اس بددیانتی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ فوری نقصان تو اس رنگ میں پہنچ جاتا ہے کہ جب وہ کسی شخص کو ایک سیر چیز دینے کی بجائے چندہ چھٹانک دیتے ہیں اور وہ تھکر جا کر اس کا وزن کرتا ہے تو اسے پتہ لگتا ہے کہ دوکاندار نے اسے ایک چھٹانک چیز کم کر دی ہے تو وہ

اُمید کے لئے اُس سے سودا لینا بند کر دیتا ہے۔
اس طرح بظاہر تو اُسے ایک چھٹانک کا نفع ہوا تھا
لیکن اُسے نقصان ہزار چھٹانک کا ہو گیا۔ کیونکہ وہ
اُمید کے لئے اُس کی دوکان پر نہیں آئے گا۔ اور
کسی دوسرے سے سودا خریدنا شروع کر دے گا۔

یہ خیال کہ صرف بے ایمانی سے ہی روپیہ کمایا
جاسکتا ہے، اول درجہ کا احقانہ خیال ہے۔ صحابہؓ
کو دیکھ لو وہ ہر امر میں دیانت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ مگر
اُس زمانہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی وفات کے
بعد ان کا بچا کچھ روپیہ دوکڑ نکلا حضرت عبدالرحمن
بن عوفؓ دین کے لئے بہت قربانی کرنے والے تھے لیکن
اس کے باوجود ان کے پاس دوکڑ بقیہ بچ گیا تھا۔

جو اجکل کے دواہ کے برابر ہے۔ اسی طرح تاریخوں میں
آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص گھوڑے کو فروخت
کرنے کے لئے بازار میں لایا اور اُس نے کہا کہ اس کی
پانچ سو درہم قیمت ہے۔ ایک صحابیؓ نے اس گھوڑے
کو دیکھا اور اُسے پسند کیا اور کہا کہ میں یہ گھوڑا لیتا
ہوں۔ مگر اس کی قیمت میں پانچ سو درہم نہیں بلکہ
دو ہزار درہم دوں گا۔ کیونکہ یہ گھوڑا نہایت اعلیٰ قسم
کا ہے اور اس کی قیمت اتنی تھوڑی نہیں جتنی تم
بتاتے ہو۔ اس پر گھوڑا بیچنے والا اصرار کرنے لگا
کہ میں پانچ سو درہم لوں گا اور گھوڑا خریدنے والا ہمارا
کرنے لگا۔ میں دو ہزار درہم لوں گا۔ ایک کہتا رہے
گھوڑے کی پہچان نہیں یہ گھوڑا زیادہ قیمت کا ہے
اور دوسرا کہتا کہ میں حدائقہ لین نہیں چاہتا۔ میں
اپنے گھوڑے کو جانتا ہوں۔ اس کی قیمت پانچ سو
درہم ہی ہے۔

اس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کے
نتیجہ کو طے تک وہ دین میں نظر آتا ہے۔ وہاں تک

یہ تھا کہ چیز خریدنے والا قیمت بڑھاتا تھا اور
چیز بیچنے والا قیمت گراتا تھا۔ اور یہاں یہ حال ہے
کہ دو دو آنے کی چیز بعض دفعہ دس دس روپے میں
فروخت کی جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ
خریدار بھی دوکانداروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش
نہ کریں اور دوکاندار بھی گاہکوں کو فریب سے گزری
چیزیں نہ دیں۔ اور نہ باپ اور تول میں انہیں نقصان
پہنچانے کی کوشش کریں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو
تجارتی دیانت اختیار کرنے کی نصیحت کرنے کے
بعد ایک اور نصیحت یہ فرمائی کہ وَلَا تَغْتَوُوا
بِی الْاَرْضِ مِنْ مُفْسِدٍ یَوْمَ تَمُوتُ الْاَرْضُ مِنْ فُسَادٍ
کہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں قتل
وغارت اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں بھی کثرت سے
ہوتی رہتی تھیں۔ چونکہ یہ علاقہ عرب اور شام اور
مصر کے راستوں پر تھا۔ اور شام اور مصر کو جانے
والے قافلے ان کے پاس سے گذر کرتے تھے معلوم
ہوتا ہے یہ لوگ مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے
اور بعض کو قتل بھی کر دیا کرتے تھے۔ اس قیاس
کو مزید تقویت اس امر سے بھی حاصل ہوتی ہے
کہ یہ لوگ اصحاب الایکہ تھے۔ یعنی ان کے قبضہ
میں ایک بہت بڑا جنگل تھا جس میں بیریاں
اور پیلو کے درخت بڑی کثرت کے ساتھ تھے اور
ایسے جنگل میں ڈاکہ ڈالنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔
کیونکہ درختوں کے پیچھے انسان آسانی سے چھپ جاتا
ہے۔ پس حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں نصیحت کی
کہ تم تجارتی معاملات میں بھی دیانت اختیار کرو اور
چوری ڈاکہ زنی اور قتل وغارت کو بھی ترک کر دو۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ ۖ أَلَا وَرَٰلَيْنَ ۝۱۸۵

اور جس نے تم کو اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا کیا ہے اس کا تقویٰ اختیار کرو ۳۳

جِبِلَّةٌ

۳۳ حل لغات :- جِبِلَّةٌ - مفردات

امام رغب میں ہے۔ جِبِلَّةٌ کَثِيرًا اِی جَمَاعَةٌ مِّنْ جِبِلَّةٍ کے معنی جماعت کے ہیں (مفردات) پس الْجِبِلَّةُ اُولَٰئِکَ کے معنی ہونے پہلی جماعتیں۔

تفسیر :- پھر فرمایا تم اس خدا سے ڈرو جس نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلی قوموں اور جماعتوں کو بھی پیدا کیا ہے یعنی آج تو تم اپنے ان افعال پر نازاں ہو۔ لیکن کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہی ناپسندیدہ حرکات کی وجہ سے تم سے پہلے بھی کئی قومیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ پھر کیوں تم ان کی ہلاکت اور بربادی سے سبق حاصل نہیں کرتے اور کیوں ان کے زوال کے اسباب پر غور کر کے اپنے اندر تغیر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ قومیں دنیا میں بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی ہیں۔ اور جب سے دنیا چلی آ رہی ہے اسی وقت سے یہ سلسلہ بھی چلا آ رہا ہے۔ ہزاروں قوموں کی تباہی اور ہزاروں قوموں کی ترقی پر تاریخ کے اوراق شاہد ہیں مگر تاریخ کے تمام واقعات بحیثیت مجموعی انسانی زندگی کے واقعات کا سوداں حصہ بھی نہیں ہیں۔ وہ زمانہ جو تاریخچی کہلاتا ہے اس سے بھی مدتوں پیشتر انسان دنیا میں موجود تھا۔ اور پھر جو زمانہ تاریخچی کہلاتا ہے اس کا بھی اکثر حصہ ایسا ہے جس کی تاریخ محفوظ نہیں۔ گردہ نلے جن کی تاریخ محفوظ ہے اور وہ زمانے جن کی تاریخ محفوظ نہیں ان دونوں قسم کے زمانوں میں ہزاروں قومیں بگڑتی اور بنتی چلی گئیں۔ ہزاروں قوموں نے پہلے باہم رقت ایک رسانی حاصل کی اور پھر زوال پذیر ہو گئیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یا

یوں کہنا چاہیے کہ جس طرح انسانی پیدائش کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جس طرح انسانی موت کا انکار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح قوموں کی پیدائش اور ان کی موت کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر جس طرح بنی نوع انسان ہر روز موت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود موت بھلا دیتے ہیں۔ اسی طرح قومیں بھی دوسری قوموں کے منزل کو دیکھنے کے باوجود اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اور سورہ فاتحہ سے لیکر سورہ والناس تک سارا قرآن کریم ان بیانات سے بھرا پڑا ہے کہ قومی ترقی کے کیا گرہ ہیں۔

بے شک اور بھی بہت سے مضامین قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے اندر عقلی مضامین بھی بیان کئے گئے ہیں اور علمی بھی۔ روحانی مضامین بھی بیان کئے گئے ہیں اور جسمانی بھی۔ اقتصادی مضامین بھی بیان کئے گئے ہیں اور سیاسی بھی غرض سینکڑوں اور ہزاروں مضامین اس کے اندر بیان ہوئے ہیں لیکن سورہ فاتحہ کی ابتدا ہی ایسے رنگ میں کی گئی ہے کہ اس میں قومی ترقی اور منزل سے تعلق رکھنے والے تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے چھوٹے چھوٹے چشموں سے دیا بھوٹے ہیں تو ایک کو تاہ اندیش انسان چشمہ میں سے نکلتے ہوئے دریا کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ یہ چھوٹا سا نالہ جن گز یا چند فرلانگ تک جا کر ختم ہو جائے گا یا خشک ہو جائیگا کیونکہ اس کی آنکھ صرف چشمہ میں سے بھوٹے ہوئے دریا کے اس پاٹ پر ہی ہوتی ہے جس پر وہ اگر چھلانگ مار کر اس کے پار جانا چاہے تو بڑی آسانی کے ساتھ جاسکتا ہے۔ لیکن جب وہ اس چھوٹی سی نالی

کے ساتھ ساتھ چلا ہے تو یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ اب یہ نالی نالے کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ تھوڑی دُور اور اُگے جا کر وہ اور بھی متعجب ہوتا ہے کہ نالہ ایک نہر کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ ادب کچھ اور فاصلہ طے کرتا ہے تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ وہی چھوٹی سی نالی جو چشمے میں سے دھیمے دھیمے پھوٹ رہی تھی اور جس پر سے چھلانگ لگا کر اس پار ہو جانا ذرا بھی مشکل نہ تھا وہ یہاں پہنچ کر ایک بہت بڑا اور عظیم الشان مدیا بن گیا ہے۔ دریائے جلم جو پنجاب میں پہنچ کر ایک بہت بڑے دریا کی شکل اختیار کر لیتا ہے اپنے دھار پر اتنا تنگ ہے کہ چند فٹ سے زیادہ نہیں۔ اس جگہ کھڑے ہو کر کوئی شخص یہ باور نہیں کر سکتا کہ یہ چشمے میں سے بہنے والا چھوٹا سا نالہ پنجاب کی لاکھوں ایکڑ زمین کو سیراب کرے گا اور لوگ میلوں کی کشتیوں میں بیٹھ کر اپنی مسافرتوں کو طے کریں گے۔ اسی طرح سورہ فاتحہ کے شروع ہونے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے چشمہ میں سے نکلنے ہوئے نالہ کی لیکن آخر پہنچ کر اس کی مثال ایک بہت بڑے مدیا کی سی ہو جاتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں جس مضمون کو چشمے سے نکلتے ہوئے ایک جھوٹے سے نالے کی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اُسے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ تک پہنچ کر ایک عظیم الشان دریا کی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ کوئی شخص اگر روحانی مایہ ہو تو الگ بات ہے رنہ ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ رقی اللہ تنزل کی تمام منزلیں اس چھوٹی سی سورہ کے اندر واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ اَلْہٰدِیَّۃُ الصَّوْا طُ الْمُسْتَقِیْمِ میں تو ترقی کا مضمون بیان ہوا ہے کہ اے اللہ ہمیں وہ راستہ دکھا جس پر چلنے والے انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہمیں ان قوموں میں شامل فرما جن قوموں نے ترقی کی تھی۔ مگر آگے چل کر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ میں بتا دیا کہ ہر وہ قوم جس نے ترقی حاصل کی وہ

آخر کار گر پڑی مگر یہ دُعا سدا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں تنزل اور سستی سے بچنے کا ایک گُر بھی بتا دیا ہے مستقبل کے متعلق تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے اور کیا ہوگا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ دُعا سکھا کر اس امر کی طرف ہمارے دھیانی فرمائی گئی ہے کہ اگر مسلمان توجہ سمجھ اور عقل کو کام میں لائیں تو وہ تنزل سے بچ سکتے ہیں۔ پچھلے دور میں تو مسلمان اس کی طرف سے توجہ نہ دیتے تھے کی وجہ سے نہ بچ سکے لیکن اسلام کے لئے ایک نشاۃ ثانیہ کی بھی خبر دی گئی تھی۔ اور وہ زمانہ صبح موعود کی بعثت سے شروع ہونا تھا۔ پس یہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ کی دُعا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے مسلمان قوم اس پر عمل کر کے دوسری تمام اقوام سے نبی عمر پاسکتی ہے۔ اور ضلالت سے بچ سکتی ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو دُعا اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو سکھاتا ہے اس پر اگر عمل کیا جائے تو وہ ہرگز ضائع نہیں جاتی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدہ مضمر ہوتا ہے کہ اگر تم مجھ سے مانگو گے تو میں تمہیں دے دوں گا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی شان سے بالکل بعید ہے کہ وہ خود اپنے بندوں کو ایک دُعا سکھائے اور جب بندے اُس دُعا پر عمل کریں تو وہ انہیں نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو ایک بہت بڑی چیز ہے ہم کہتے ہیں کہ بعض انسانوں کے وعدے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کوئی بادشاہ کوئی ڈپٹی کمشنر کوئی گورنر یا کوئی اور ایسا ہی بڑا حاکم اگر کسی شخص کے ساتھ وعدہ کرے تو وہ شخص اپنے دل میں بڑا خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ لوگ وعدہ کی غلات درزی نہیں کر سکتے۔ حالانکہ یہ لوگ چشمہ اس کے کہ اپنے وعدہ کا ایفاء کریں مریضی سکتے ہیں اور یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ کہیں کہ اب ہم اس وعدہ کو پورا نہیں کر سکتے۔ یا ممکن ہے کہ وہ

دعہ کرتے وقت تو با اختیار ہوں لیکن دعوے کے الفاظ کے وقت میں سے تمام اختیارات چھین چکے ہوں۔ یا کسی اور محکمہ میں تبدیل ہو گئے ہوں۔ مگر وہ خدا جو ازل الابدی ہے نہ بدلتا ہے اور نہ مرتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی ایسا وقت آسکتا ہے کہ اس سے اختیارات چھین جائیں اسلئے ہمیں ایسے شخص سے ہزاروں گئے زیادہ پُر امید ہونا چاہیئے۔ اور ہمیں اس بات میں ذرا بھی شک نہیں لانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دعہ کا ایفاء کرے گا۔ جب خدا تعالیٰ نے خود ہیں یہ دُعا سکھائی ہے تو اس کے اندر یہ دعہ موجود ہے کہ وہ تنزل جو توہوں پر ان کے مروج کے بعد آتا ہے کمانوں کے اس دُعا مانگنے کی وجہ سے پیچھے ڈال دیا جائیگا۔ اور ان کے مروج کے زمانہ کو سنا کر دیا جائیگا۔ حضرت خلیفہ نواں رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے۔ جو دُرُ الِغَنَاءِ لَیْلَیْنِ کی تد اور شد سے ایک عجیب استدلال کیا کرتے تھے۔ وہ بزرگ کہتے تھے کہ دُرُ الِغَنَاءِ لَیْلَیْنِ جو شد کے بعد مد آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا زمانہ بہت لمبا ہو گا۔ مگر اس سے بھی بڑا نکتہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ میں یہ موجود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کو پورا ہی نہیں کرنا تھا تو اس دُعا پر نہ رہی کیوں دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اس دُعا کو ہم سے بار بار منگوانا بتاتا ہے کہ وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اِذَا اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کا گردہ نہ آتا تھا تو یہ دُعا کمانوں کو سکھائی ہی کیوں گئی تھی۔ اسی طرح میں کہتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچانا نہ تھا تو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ والی دُعا کیوں سکھائی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اِذَا اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کا گردہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ والی دُعا سکھا کر

اس نے بتا دیا ہے کہ اگر مسلمان امپر عامل رہے تو ان کو مغضوب اور مَنَّا لَیْنِ میں شامل ہونے سے بھی بچا جائیگا اگر مَنَّا لَیْنِ کی مد سے یہ تہہ چلتا ہے کہ عیسائیوں کو مروج کا لمبا زمانہ نصیب ہو گا تو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ سے بدرجہ اتم یہ استنباط ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے بھی لمبا زمانہ دیا جائیگا اور مَنَّا لَیْنِ بننے سے بھی بچایا جائیگا۔ حدیثوں سے بے شک یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب دنیا میں انفرادی وہ جائیگے مگر قریب قیامت کی تعین کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ اور خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کب آئے گی۔ کیونکہ قرآن کریم میں ایک ایک دن کو ایک ہزار اور پچاس ہزار سال کا بتایا گیا ہے۔ اس طرح اگر دنیا کی عمر سات ہزار سال شمار کی جائے اور ایک دن ایک ہزار سال کا شمار کیا جائے تو دنیا کی عمر ستر لاکھ سال بنتی ہے۔ اور اگر ایک دن پچاس ہزار سال کا شمار کیا جائے تو یہ عمر ۳ کروڑ سال بنتی ہے۔ اور خدا کے دن تو اس سے بڑے ہو سکتے ہیں اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کی عمر کتنی ہے۔ ہم یہ تو مان لیتے ہیں کہ یہ آخری زمانہ ہے مگر اس کی حد بندی کس طرح کی جائے اس کا علم تو صرف خدا تعالیٰ کو ہی ہے لوگوں کی بحثیں محض نفسانہ ہیں۔ اور فلسفیانہ بحثیں ہمیشہ عبث اور ناقص ہوتی ہیں۔ درحقیقت یہ سب باتیں جو آخری زمانہ کے متعلق بیان ہوئی ہیں استعارات سے ہیں جن کی تفصیلات ہمیں خدا تعالیٰ پر غور و دینی چاہئیں حقیقت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ کہ تو می محاط سے خواہ کتنی بھی رتی کر جاؤ ہمیں ہمیشہ یہ امر نظر رکھنا چاہیئے کہ اگر تمہارا قدم ذرا بھی پھسلا تو یا تو تم مغضوب علیہم میں شامل ہو جاؤ گے اور یا پھر مَنَّا لَیْنِ میں تمہارا شمار ہو جائیگا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے امن کو مضبوطی سے پکڑو گے۔ اور ہمیشہ اس سے دُعا میں کرنے رہو گے کہ وہ تمہارا قدم

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ

(اس پر اس کی قوم نے کہا، تو تو ایسا شخص ہے جسے غذا دی جاتی ہے۔ اور تو صرف ہماری طرح کا ایک

مِثْلُنَا وَإِنْ تَنْظُنُّكَ لِمَنِ الْكَذِبِينَ ۝ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا

انسان ہے اور ہم یقیناً تجھے کاذب سمجھتے ہیں۔ پس اگر تو

كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ

سجھا ہے تو ہم پر کوئی بادل کا ٹکڑا گرے۔ (اپر شعیب نے کہا۔ میرا رب

أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَآخَذَهُمْ عَذَابُ

تہاڑے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ (مگر اس کے سمجھانے کے باوجود) انہوں نے اسکو جھٹلایا پس ان کو ساری کے دن والے عذاب

يَوْمِ الظِّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّ فِي

آجکڑ اور پی گئے اللہ دیر پا بادلوں کے عذاب ہے وہ یقیناً ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تھا۔ اس واقعہ میں

ذَلِكَ لَآيَةٌ ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

ایک بڑا نشان تھا اور (اسے دیکھ کر بھی) ان کا فرد میں سے اکثر مومنوں میں شامل نہ ہوئے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

اور تیرا رب یقیناً غالب (اور) بار بار کرم کرنے والا ہے۔ ۳۴

مرد مستقیم پر قائم رکھے تو اس کا فضل تمہارے شامل حال ہوگا اور وہ تمہیں تنزیل اور انحطاط کا شکار ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اسی نکتہ کی طرف اپنی قوم کو توجہ دلائی اور فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے پہلے بھی کئی قومیں گزری ہیں جنہیں اپنے اپنے زمانہ میں بڑی طاقت حاصل تھی مگر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو وہ تباہ و برباد کر دی گئیں۔ پھر تم کیوں اپنی چند روزہ زندگی

میں تقویٰ اللہ سے کام نہیں لیتے اور مادی لذات کے حصول کے لئے ناجائز ذرائع اور تدابیر اختیار کرتے ہو۔

۳۴ حل لغات: ۱۔ الْمُسَحَّرِينَ: مسخر سے

اسم مفعول کا صیغہ ہے اور مَسَحَرْتُ کے معنی ہیں عَطَا ۱ الشَّحْوُ: اُس کو غذا دی (اقرب)۔ مَقْرَات: جس سے مَسَحَرْتُ، اَلْغِذَاءُ مَسْحَرٌ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَدْرُسُ وَيَلْعَنُ تَأْخِيْرُكَ: یعنی غذا کو عربی زبان میں مسخر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی تاخیر جسم میں بہت باریک اور بے ہوش ہوتی ہے۔

کِسْفًا

الْظَّلَّةِ

پس مُسْتَقَرِّین کے معنے ہونگے جن کو غذا دی جائے۔

کِسْفًا: کِسْفَةً کی جمع ہے اور اَلْکِسْفَةُ کے معنے

ہیں اَلْقِطْعَةُ مِنَ الشَّيْءِ کسی چیز کا ٹکڑا (اقرّب)

الْظَّلَّةُ: اَوَّلُ مَتَابَعَةٍ تَحِلُّ بِاَدْلُوں میں سے

پہلا بادلوں جو زمین پر سایہ ڈالتا ہے۔ (اقرّب) عَذَابٌ

يَوْمَ الظَّلَّةِ: مَتَابَعَةٌ اَظْلَمَتْهُمْ فَلَجَاءُوا اِلَى ظِلِّهَا

كَاطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ وَاهْلَكَتْهُمْ شُعَيْبٌ کی قوم پر

بادلوں آئے اور وہ قوم تو ان کو اچھا سمجھتی رہی۔ لیکن ان

بادلوں نے ان کو برباد کر دیا۔ اس کو قرآن مجید نے عَذَابٌ

يَوْمَ الظَّلَّةِ سے تعبیر کیا ہے (اقرّب)

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام کی نصائح

پر ان کی قوم نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ تم نے جو ہم سے

کہہ کر لی ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی اور تمہیں

اگسا رہا ہے اور تمہیں مالی مدد دے رہا ہے تاکہ تم ہمارے

خلاف ایسی باتیں کرو اور ہماری طاقت کو کمزور کر دو۔

مستقر کے معنے عربی زبان میں کھانا دینے جانے

کے ہوتے ہیں۔ مگر استعارہ انہوں نے یہ الفاظ مدنیئے

جانے کے معنوں میں استعمال کئے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے

کہ ہم چونکہ تجارتی قوم ہیں جو لوگ تجارت میں ہم سے

بڑھ نہیں سکتے انہوں نے تجھ کو دشوت دی ہے کہ تو

ہمیں ان طریقوں سے روک دے جن سے ہماری تجارت

ترقی کر رہی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ

مِثْلُنَا۔ آخر تو ہم سے جیسا ایک آدمی ہے اور کیا ہے

وَ اِنْ تَخْلُقْ لِمَنْ اَلَا ذِبَابٌ اور ہم تو تجھے یقیناً

مھوٹا سمجھتے ہیں فَاصْبِرْ عَلَيْنَا كِمَنْعَةٍ مِنَ السَّمَاءِ

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ اگر تو سچا ہے تو آسمان

سے ہم پر بادل کا کوئی ٹکڑا اگر دے۔ یعنی اتنی شدید بارش

جو کہ بجائے اس کے کہ ہماری کھیتوں اور باغات کا پھل

بڑے سے سارا ملک تباہ ہو جائے۔ ہم تو تیری سچائی کا

صرف یہی ایک معیار سمجھتے ہیں۔ حضرت شعیب نے ان سے

کہا۔ میرا رب تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اور وہ جس

قسم کا سلوک چاہیگا تم سے کرے گا۔ مگر پھر بھی وہ اُس کو

جھٹلاتے ہی رہے۔ آخر ان کو انہی کے معیار کے مطابق

ایک سلسلے والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ یعنی باد و باران

کا ایسا شدید طوفان آیا کہ جس نے اس ملک کو تباہ کر دیا

وہ عذاب ایک ہولناک دن کا عذاب تھا اور اُس نے بعد میں

اُس ملک کو آنے والی نسلیں کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک

نشان بنا دیا۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم نے اس عذاب کے

مستحق ایک اور جگہ صَبِیحَہ اور دوسری جگہ رَحْمَہُہ کا لفظ

استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَمَّا جَاءَ اَمْرًا فَبَعَثْنَا مَعْشِرًا مِنَ الَّذِينَ اَمْرًا مَعَهُ

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا

فِي دِيَارِهِمْ جُثَثٍ (ہود ۷۱) یعنی جب ہمارا عذاب

آگیا۔ تو ہم نے شعیب اور اُس پر ایمان لانے والوں کو اپنے

فضل سے بچا دیا اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کا شیلہ اختیار

کیا تھا انہیں عذاب نے پکڑ لیا اور اپنے گھروں میں

زمین سے چبھتے ہوئے تباہ ہو گئے۔

اسی طرح سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَاخَذَ اللَّهُمُ الرَّجْفَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

جُثَثٍ (عنکبوت ۲۴) یعنی انہوں نے شعیب کو جھٹلا

دیا جس نے نتیجہ میں ایک ہلا دینے والے عذاب نے ان کو

پکڑ لیا اور اپنے گھروں میں زمین سے چبھتے رہ گئے۔

ان دونوں مقامات پر یہ امر بیان نہیں کیا گیا کہ آیا یہ

عذاب ان پر زلزلہ کی شکل میں آیا یا کسی اور شکل میں۔ مگر

سورہ شعرا میں اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کے مستحق وصفا

فرمادی کہ یہ عذاب ایک ہولناک۔ برقی صحت میں آیا

تھا۔ جس کے نتیجہ میں وہ اپنے گھروں میں زمین چٹنے دیکھتے

باقی رہا صِیْحَۃٌ یَّارْجَعْہُ کے الفاظ کا استعمال یہ صِیْحَۃ کے معنی مطلق مذاب کے بھی ہیں اور صِیْحَۃ کے معنی ایسی تباہی کے بھی ہیں جو چاہک آجائے۔ اور رَجْعَۃ کے لفظ میں اُس ہلا دینے والے منظر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انہیں اپنی بد اعمالی کی وجہ سے دیکھنا پڑا اور جس نے انکی بنیادوں کو ہلا ڈالا۔ چنانچہ رَجْعَۃ تِلْکَ الشَّأْنِ کے معنی ہوتے ہیں تَمَّ یَسْتَقْدِرُ رَجْعَۃً عَرْمَیْ لَہ کہ کسی خوف کی وجہ سے اُس کا قرار چھینا گیا۔ اور ایک جگہ آرم سے بیٹھنا اُس کے لئے ناممکن ہو گیا اور وَجَعَتِ الرِّجْلُ کے معنی ہوتے ہیں تَرَدَّدَتْ هَذِهِ تِلْکَ فی السُّجَّابِ بادلوں میں بڑے زور سے اُس کی گڑگڑاہٹ کی آوازیں پیدا ہوئیں۔ پس یہ الفاظ بھی اُس تباہ کن بارش کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس نے اُن کا ایک اُن کے قرار کو چین لیا۔ اور انہیں ایک ایسے مذاب میں تبدیل کر دیا جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ہر شخص اپنے اپنے مکان میں محصور رہا۔ یہاں تک کہ اُن کے مکانوں کی دیواریں چھتوں سمیت اُن پر گر گئیں اور وہ زمین کے ساتھ چٹے کے چٹے رہ گئے۔

فرماتا ہے۔ یَعِیْبُ کی قوم کی اکثریت بھی ایمان سے محروم نہی اور بہت تھوڑے لوگ اپنے زمانہ کے نبی پر ایمان لائے۔ مگر اے محمد رسول اللہ! اِنَّ سَرَّیْکَ لَکَھُ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ تجھے کسی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں کیونکہ تیرا رب جس نے تجھے نہایت ادنیٰ حالت سے ترقی دیتے دیتے اس عظیم الشان مقام تک پہنچایا ہے وہ بڑا غالب اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ بیشک مولیٰ اور ابراہیمؑ اور نوحؑ اور ہودؑ اور صالحؑ اور نوحؑ اور شعیبؑ پر اُن کی قوم کی اکثریت ایمان نہیں لائی۔ مگر جس طرح تیری شان ان تمام نبیوں سے بڑی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا سوگ بھی تیرے ساتھ ان تمام نبیوں سے بڑا ہے وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا کہ تیری قوم کی اکثریت ایمان سے محروم رہے۔ بلکہ اُن کی

شدید ترین مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ اُن کی اکثریت کو اپنے دامن رحمت میں ملکہ دیگا اور انہیں تجھ پر ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ ور فرما دیگا۔ یہی حکمت ہے جس کی بناء پر بار بار اِس آیت کو دہرایا گیا ہے اور بار بار تِلْکَ کے لفظ پر زور دیا گیا ہے۔ سَرَّیْکَ لَکَھُ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے اپنی اس غیر معمولی ربوبیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی۔ اور اِس طرح بتایا کہ جس خدا نے مجھ سے تجھے اپنے کنارِ عاطفت میں رکھا اور تجھے قدم بقدم ترقی دیتے دیتے اِس عالی شان مقام تک پہنچایا وہ اب تجھے کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔ وہ یقیناً تبلیغِ ہدایت کے معاملہ میں بھی تجھ سے ممتاز سلوک کرے گا۔ اور تیری انصافیت کو باقی تمام انبیاء پر ثابت کر دیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ جس غیر معمولی رنگ میں ربوبیت فرمائی اور جس طرح نہایت ادنیٰ حالت سے ترقی دیتے دیتے آپ کو بلند یوں کے اہتمام تک پہنچا دیا اِس کی نظیر دنیا کے اور کسی نبی کی زندگی میں نظر نہیں آتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ میں ہی قسیم رہ گئے تھے۔ آپ کے والد محترم آپ کی بدلتش سے بھی پہلے اور آپ کی والدہ ماجدہ آپ کی پیدائش کے چند سال بعد ہی وفات پا گئی تھیں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ آپ کو آپ کے دوا حضرت عبدالمطلب نے اپنے پاس رکھا مگر جب وہ بھی وفات پا گئے تو آپ اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آ گئے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے بڑی محبت اور پیار کے ساتھ آپ کی پرورش کی اور ہر نازک سے نازک موقع پر انہوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ مگر آپ کی زندگی کا ایک واقعہ ایسا ہے جو ہمیشہ ہی میرے قلب کو مضطرب کر دیا کرتا ہے۔ نادیموں میں نکاح کے آپ کے چچا کے گھر میں جب کھانا تقسیم ہوتا تھا تو آپ کبھی ٹھکر

مانگ نہیں کرتے تھے باقی بچے لڑ جھگڑا کر مانگتے مگر رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف خاموش کھڑے رہتے اور جب
آپ کی چچی آپ کو کچھ دیتی تو آپ لے لیتے۔ خود مانگ کر
نہیں لیتے تھے۔ بالعموم اس واقعہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے وقار اور آپ کی مسافت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے
مگر حق تو جب بھی اس واقعہ کو پڑھتا ہوں میری طبیعت
رقت کے جذبات کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ ■
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ نہیں تھا بلکہ
بچپن کا زمانہ تھا اور آپ زیادہ سے زیادہ اُس وقت
آٹھ نو سال کی عمر کے تھے۔ اور آٹھ نو سالہ بچے کے متعلق
یہ ثابت کرنا کوئی ضروری نہیں ہوتا کہ وہ بڑا با وفار تھا خواہ
آئندہ چل کر وہ نبی ہی بننے والا کیوں نہ ہو۔ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں اَلْحَبَشِيُّ حَبِيبِي وَ لَوْ
كَانَ يَتِيمًا كَرِهَ بَحْرٌ هِيَ خَوَاهُ اَمْنَدَهُ زَمَانٌ مِّنْ دَهَبِي
بننے والا ہو۔ میری طبیعت تو یہ واقعہ پڑھ کر اس خلیل کو
بے تاب ہو جاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچپن
کی عمر میں جو بچہ اپنی ذہانت اور کھجکے بعض بچے جو ذہین
نہیں ہوتے وہ چچی اور ان کا فرق کوئی زیادہ نہیں سمجھتے اور وہ
اسی طرح چچی سے بھی لڑ جھگڑا کر چیزیں مانگ لیتے ہیں ج طرح مانگ
مانگی جاتی ہیں مگر یہ محبت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی عقل کی کمی کا
نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ محسوس کرتے تھے کہ میں اس گھر سے بطور
حق کے کچھ نہیں مانگ سکتا۔ مجھ پر تو میرے چچا اور
چچی کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے محبت اور پیار سے مجھے
اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ پس کبھی بھی اس واقعہ کو پڑھتے ہوئے
میں بغیر اس کے کہ وقت مجھ پر غلبہ نہ پائے آگے نہیں گذر
سکتا۔ اور میں ہمیشہ سوچتا ہوں کہ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے قلب میں کیا جذبات پیدا ہوتے ہوئے تھے بعض
دعا آپ کے چچا بھی موجود ہوتے اور چچی کو۔ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی وہ ایسی تھی کہ باپ

کی طرح ہی تھی۔ اسی وجہ سے بعض دفعہ ابو طالب جب گھر
میں آتے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام بچوں سے
انگ ایک طرف کھڑے دیکھتے اور یہ بھی دیکھتے کہ باقی بچے
شہر کر رہے ہیں اور لڑ جھگڑا کر چیزیں لے رہے ہیں مثلاً
سٹھائی تقسیم ہو رہی ہے تو ایک کتا ہے۔ میں سٹھائی کی ایک
ڈوئی نہیں دوہ لیاں لوں گا۔ دوسرا کہتا ہے۔ اتاں مجھے تو تونے
کچھ بھی نہیں دیا۔ اسی طرح ہر بچہ اپنا اپنا حق جتا کر چیز کا
مطالبہ کر رہا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک
کو نہ میں خاموش بیٹھے ہوئے ہیں تو ابو طالب انکو بازو سے
پکڑ لیتے اور کہتے میرے بچے تو یہاں کیوں خاموش بیٹھا ہے
بھیرہ آپ کو لا کر پتی بوی کے پاس کھڑا کر دیتے اور
کہتے تو بھی اپنی چچی سے چڑھ جا اور اس سے مانگ۔ مگر
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ چپستے اور نہ کچھ مانگتے تھے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دراصل انہی جذبات
کا نتیجہ تھی کہ آپ سمجھتے تھے۔ میرا اس گھر پر کوئی حق نہیں۔
اور جو کچھ مجھے ملتا ہے بطور احسان ملتا ہے۔ مجھ پر یہ نکتہ
اُس وقت کھلا جب میری بوی سارہ میگہ فوت ہوئی
اُس وقت اخبار میں جو میں نے مضمون شائع کر لیا تھا
اُس میں بھی اس واقعہ کا ذکر کر دیا تھا۔ سارہ میگہ کی چچی
کی جوتی ایک دفعہ پھٹ گئی جن گھر میں میں نے اُسے رکھا
تھا انہوں نے نوکر کو کہا کہ بازو سے جا کر اس جوتی کیسے
بوٹ لے آؤ۔ چار پانچ سال اس کی عمر تھی وہ بوٹ لایا
میں اُس وقت صحن میں ایک طرف کھڑا تھا۔ میں نے کچھ کہ
اُس نے بوٹوں کے جوڑے پہن گودی میں لے لئے اور خوشی
سے گودی اور کہا۔ آہ میرے بوٹ آگئے میرے بوٹ آگئے۔
مگر پھر میں نے دیکھا کہ مگر میں اس کا چہرہ تغیر ہو گیا۔ اُس نے
زمین پر بوٹ رکھ دیئے۔ زمین ہو کر کھینچ ہو گئی۔ اور
بے اعتبار اُس کی زبان سے نکلا۔ ہائے اللہ۔ اب میں یہ
بوٹ لے لیاں گے۔ تب میرے لئے یہ امر عمل ہوا کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علیحدہ بیٹھنا بھی اسی قسم کا تھا یہ بچی ۲۹ برس میں پیدا ہوئی تھی اور ۳۳ء کا یہ واقعہ ہے ایک چار سال کے بچے کے منہ سے یہ فقرہ مجھے عجیب قسم کا معلوم ہوا کہ حیران ہو کر اس نے بوٹ زمین پر رکھ دیئے اور کہا۔ ہائے اللہ! اب میں بوٹ دکھاؤں کیسے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو علیحدہ بیٹھنا تھا۔ وہ بھی اسی رنگ کا تھا۔ اب یہ جذبات خواہ کتنے ہی بے چین کرنے والے ہوں اگر کوئی شخص اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کیلئے خرچ کر دیتا ہے تو پھر بھی غم کے جذبات جو دراصل کمزوری کے جذبات ہیں اُسے کب کب نہیں پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف اُس بچے کو دیکھو جو من کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ہے سارے بچے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور اپنی والدہ کے پاس پہنچ کر کوئی اس کے کندھے پر چڑھ جاتا ہے کوئی اُس کے دامن سے بٹ جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے امان! میں فلاں چیز ایک نہیں دو لونگا۔ کوئی کہتا فلاں کو کیوں زیادہ دیا میں بھی اتنا ہی لونگا۔ غرض کوئی کچھ کہہ رہا ہے اور کوئی کچھ۔ گردہ ایک گوشہ میں خاموش بیٹھا ہے سارے کا خیال اس کے دل میں نہیں آتا۔ اُس کے دل میں آدمے کا خیال بھی نہیں آتا۔ اُس کے دل میں چوتھے حصے کا خیال بھی نہیں آتا۔ اُس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ بیسویں حصہ کا حقدار ہے۔ بلکہ اُس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میری محی مجھے کچھ دیتی ہے یا نہیں۔ باقی تمام بچے چٹ چٹ کر مانگتے ہیں، امرار کر کے مانگتے ہیں گردہ ایک گوشہ میں کھڑے یہ خیال کرتا ہے کہ دنیا میں میرا حصہ ہے ہی نہیں۔ میں اگر مانگوں تو کیوں مانگوں۔ اور اگر مانگوں تو کس سے مانگوں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی راہ میں زندگی بسر کرنے کے بعد دی بے کس اور تیر جب فوت ہوتا ہے تو دنیا میں اس کے سوا کسی اور کا حصہ باقی نہیں رہتا۔ سادہ سی ہی دنیا اُس کی ہو جاتی ہے۔ اور دنیا ہی نہیں خالق نون و کھل

بھی کہتا ہے کہ تُو لَوْ لَمْ تَلَمْ تَخْلَقْتَ اَلَا خَلَقَ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی زمانہ تھا کہ تُو یہ سمجھا کرتا تھا کہ مٹھائی کی ایک ڈلی۔ دلی کے ایک ٹکڑے اور گوشت کی ایک بوٹی میں بھی تیرا حصہ نہیں اور تُو گوشت تنہائی میں بیٹھا یہ خیال کیا کرتا تھا کہ جن پر میرا حق تھا وہ دنیا میں نہیں رہے۔ مگر لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے پتہ بھی ہے کہ تیری میدانش سے بھی پہلے جبکہ ابھی کائنات عالم وجود میں نہیں آئی تھی۔ ہم نے اُسے پیدا ہی تیری خاطر کیا تھا اور ہم نے اُسی وقت سے یہ فیصلہ کیا ہوا تھا کہ یہ تمام زمین و آسمان میں تیری خاطر بناؤں گا۔ اگر تو نہ ہوتا تو زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا۔ گو یہ حدیث مرویہ کی احادیث میں سے ہے ان احادیث میں سے نہیں جن کو محدثین صحیح قرار دیتے ہیں مگر حضرت سید مودود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہام نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سچی حدیث ہے۔ کیونکہ آپ کا بھی اہام ہے کہ تُو لَوْ لَمْ تَلَمْ تَخْلَقْتَ اَلَا خَلَقَ (تذکرہ ص ۱۷۱) اب مقابلہ کرو اس کیفیت کا اُس قسم کا جو گوشت تنہائی میں بیٹھا ہوا اپنے آپ کو کامل لاوارث سمجھتا تھا۔ جو مکہ کے ایک چھوٹے سے غریب گھر میں پیدا ہوا۔ جو ردی کے ایک ٹکڑے اور گوشت کی ایک بوٹی پر بھی اپنا حق نہیں سمجھتا تھا۔ وہی ایک دن مکہ میں داخل ہوتا ہے اور مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار و مجرموں کی طرح اُس کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور وہ پوچھتا ہے۔ بتاؤ اب تم سے کیا سلوک کیا جائے۔ گو یادہ جن کے گھر کی ایک دھجی پر بھی وہ اپنا تصرف نہیں سمجھتا تھا ان کے جسم کا تسمہ تسمہ اُس کے تبقہ میں تھا اور وہ تمام سردار گردن ڈالے ہوئے اُس کے سامنے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے آپ ہم سے وہی سلوک کریں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا۔ چنانچہ وہ تسمہ جس سے دنیا نے حین سلوک نہیں کیا تھا جسے دنیا نے غیر حقدار اور لاوارث قرار دیا تھا جب خدا نے اُس کو طاقت دی تو اُس نے

وَأَنَّهُ لَتَتَزِيلُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٣﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٤﴾ عَلَى

اور یقیناً یہ قرآن رب العالمین خدا کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اُس کو لئے کہ ایک امانت دار کلام ہوا اور فرشتہ رحیم اُسے دل پر اتارے

قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٥﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ﴿١٩٦﴾

تاکہ تو پوشیدہ کریمانی جماعت میں شامل ہو جائے۔ (اسکو جبریلؑ نے خدا کے حکم سے) کھول کر بیان کر فوالبی عربی زبان میں اتارا ہے۔

وَأَنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٧﴾ أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ

اور یقیناً اُس کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی موجود تھا۔ کیا اُن کے لئے یہ نشان کم ہے کہ بس (قرآن) کو

أَن يَّعْلَمَهُ عُلَمَؤُا بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿١٩٨﴾

علمائے بنی اسرائیل بھی پہچانتے ہیں (یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن انیسائے بنی اسرائیل کی پہلی کتابوں کا حصہ ہے)

اب بھی تجھے کبھی منافع نہیں کرے گا بلکہ تیری ساری مُرادیں
تجھے دیگا۔ اور تجھے ساری دنیا پر غلبہ اور فتح عطا کرے گا۔
اور یہ غلبہ صرف ایک زمانہ تک محدود نہیں ہوگا۔ بلکہ
جس طرح خدا تعالیٰ بار بار رحم کرنے والا ہے اُسی طرح وہ
بار بار تجھے غالب کرے گا۔ گویا ہر تیرائی کا دور جب بھی
دور ہوگا دنیا دیکھے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا آفتاب حقانیت اپنی پوری شان کے ساتھ چمک رہا ہے۔

۳۵ فصل لغات :-

جمع ہے اور الذُّبُور کے معنی ہیں الْکُتُب۔ کتاب (قرآن)
تفسیر :- حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم حضرت
نوحؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد
جو بعض مخصوص اقوام کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے
تھے اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کلام جو محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے یہ سب دنیا کو
مخاطب کر کے نازل کیا گیا ہے۔ جبکہ پہلے کلام صرف بعض
خاص خاص قوموں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئے تھے
اور جبکہ وہ کلام صرف اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ثبوت تھے۔

اُن سے یہ سوچ لیا کہ کہا لَتَتَزِيلُ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ جاؤ تم پر
کوئی گرفت نہیں۔ غرض یہ وہ شخص تھا جو اپنی وفات سے
ستادوں اٹھادوں سال پہلے اپنے گھر کے صحن میں اسٹخاموش
کھڑا رہتا اور گھر کی مالک سے دوسرے بچوں کی طرح نہ چمکتا
کہ وہ سمجھتا تھا کہ میرا اس گھر میں کوئی حق نہیں۔ مگر پھر اس
حالت میں اتنا عظیم الشان اختیار آیا کہ یا تو آپ ایک یتیم اور
بے کس تھے اور یا پھر تمام دنیا کا مہربان آپ ہی بن گئے اور
تمام دنیا کی ماں آپ ہی بن گئے۔ وہی یتیم بچہ جو کسی وقت
بے باپ اور بے ماں کے تھا۔ ایک وقت اُس پر آیا جب وہ
ساری دنیا کا باپ اور ساری دنیا کی ماں بن گیا۔ بلکہ وہی
باپ نہیں بنائیں کی جو ماں بھی مومنوں کی ماں بن گئیں۔
گویا ابوت صرف آپ تک محدود نہ رہی بلکہ آپ سے تعلق
رکھنے والوں کی عظمت بھی آپ ہی کے ذریعہ قائم ہوئی۔

غرض اِنَّ رَبَّكَ لَکَھُ الْعَزِیْزُ الْمُجِیْمُ میں اللہ
تعالیٰ نے ان عظیم الشان احسانات کا ذکر فرمایا ہے جو اُس
نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائے اور بتایا
ہے کہ جس خدا نے تجھے اتنی عظیم الشان ترقی بخشی وہ

یہ کلام ربوبیت عالمین کا ثبوت ہے اور اس کلام کو رُوح الامین لے کر نازل ہوا ہے۔ کیونکہ پیسے غیروں کے کلام میں کئی قسم کی خرابیاں واقع ہو گئی تھیں اور بندے نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی تھی۔ پس خدا تعالیٰ نے اس دُرح کے ذریعہ سے جو اہم ہے محفوظ طور پر یہ کلام آپ پر نازل کیا۔ اور چونکہ کلام الہی کے پہنچانے کے لئے اس کا سمجھنا بھی ضروری تھا تاکہ لوگوں تک اس کے پہنچانے میں کسی قسم کی خرابی واقع نہ ہو اسلئے وہ کلام تیرے دل پر نازل کیا گیا ہے اور یقیناً یہ کلام پہلی کتب میں بھی مذکور ہے۔ اس طرح بھی کہ اس کے اصول اُن میں پائے جاتے ہیں اور اس طرح بھی کہ ان کتابوں میں اس کی پیشگوئی موجود ہے۔

قرآن کریم کو دوسری الہامی کُتب پر تفصیلت حاصل ہیں اُن میں سے ایک بہت بڑی تفصیلت یہ بھی ہے۔ کہ قرآن کریم سے پہلے رب العالمین کا خیال دنیا میں عین صورت میں موجود نہیں تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک ہستی کو سب دنیا کا خالق و مالک مانتے تھے مگر چونکہ انکی تعلیم قومی تھی اور مشرکین خاص طور پر اپنے اپنے خدا الگ پیش کرتے تھے بس نے انسانی ذہن محدود خیالات کا مرجع رہتا تھا۔ اسی وجہ سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وَمَا رَبُّ الْخَلِیْقِیْنَ (شعرا ۱۶) اے موسیٰ یہ رب العالمین کون ہے جس کی طرف سے معوث کئے جانے کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ اور پھر ڈرتے وقت بھی اُس نے کہا کہ میں رب بنی اسرائیل پر ایمان لاتا ہوں (یوسف ۱۰) نیکن قرآن کریم نے اس خیال کو ایک عین صورت میں پیش کیا اور اس طرح اتحاد بین الاقوام کی ایسی داغ بیل ڈال دی جو پہلی تعلیموں کے لحاظ سے ناممکن تھی۔ بائبل پر پھر دیکھ لو۔ اُس میں بھی دکھائی دے گا کہ ”خداوند بنی اسرائیل کا خدا مبارک ہے جس نے تمھے بھیجا ہے“ ذرا سمجھو! باب ۲۵-۲۲ خداوند اسرائیل کا خدا اہل اباد مبارک ہو۔ (عد تواریخ باب ۳)

”خداوند خدا اسرائیل کا خدا جو ایسا ہے عجائب کام کرتا ہے۔“ (زبور باب ۱۳۵ آیت ۱) لیکن قرآن کریم نے اس نقطہ نگاہ کو بالکل بدل دیا۔ اس نے خدا تعالیٰ کو رب العالمین کی شکل میں پیش کیا اور بتایا کہ وہ صرف افراد اور قوموں کا ہی خدا نہیں بلکہ سب مخلوق کا خدا ہے اُس کی ابتدا ہی الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْخَلِیْقِیْنَ سے ہوئی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ جو سب جہانوں کا رب ہے اُس کی برکات کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں بلکہ جس طرح مسمانی طور پر اُس کے فیوض سب کو پہنچتے ہیں اسی طرح مدد عانی طور پر بھی اُس نے اپنے فیض سے کسی کو محروم نہیں کیا۔ کفاد کو اس خیال پر اس قدر حیرت ہوئی کہ وہ بے اختیار کہہ اُٹھے کہ اَخْلَقَ الْاِنْسَانَ اَلْهٰی وَ اَجْزَا (ص ۸) یعنی اس نے تو کئی خداؤں کو کوٹ کاٹ کر ایک خدا بنا دیا ہے۔ اُن کے خیال میں یہ امر ہی نہیں سکتا تھا کہ اصل میں ایک ہی خدا ہے اور باقی سب مصنوعی خدا ہیں کیونکہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے یہی الفاظ سُنتے تھے کہ ”ہمارا خدا اور تمہارا خدا اور“ گو توحید اُن کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ مگر وہ توحید کا یہ مطلب نہیں لیتے تھے کہ سب کا خدا ایک ہے۔ بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تو ایک ہے مگر وہ بنی اسرائیل کا یا سبھیوں کا خدا ہے اور اگر وہ سچا ہے تو پھر ہم بغیر خدا کے ہیں۔ مگر اسلام نے بتایا کہ وہ مومن دکاندار سب کا خدا ہے اور پھر وہ ایک ہی خدا ہے۔ یہ میان اس صفائی کے ساتھ دنیا کے لئے بالکل نرالا تھا۔ مگر یہ نرالا پیغام محمدؐ بولی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو دیا گیا اور پھر نرالے طور پر آپ کو مادی دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا جسکے پہلے انبیاء صرف ایک ایک قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور اس طرح آپ کے ذریعہ رَبُّ الْخَلِیْقِیْنَ کا تصور دنیا میں قائم کیا گیا حالانکہ آپ ایک ایسے

ملک میں پیدا ہوئے تھے جس کے باقی دنیا سے کوئی تعلقات نہیں تھے۔ عرب باقی مادی دنیا سے کٹ ہوا ملک تھا اور عرب کی دنیا صرف عرب تک ہی محدود تھی۔ اور اگر وہ دیکر قوموں کے متعلق کوئی خیال رکھتے بھی تھے تو صرف منافرت کا خیال تھا۔ عربوں میں کثیر اتنا زیادہ پایا جاتا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ اُن سے بڑا کوئی ہے ہی نہیں۔ صرف رومن اور ایرانی حکومتوں کی سیاسی برتری کو وہ تسلیم کرتے تھے گویا سیاسی نقطہ نگاہ سے تو وہ عرب کو ادنیٰ سمجھتے تھے لیکن قومی نقطہ نگاہ سے وہ باقی تمام دنیا کو ذیل خیال کرتے تھے اور قومیت کا خیال آتے ہی وہ عرب کو باقی تمام قوموں سے بالا سمجھنے لگتے تھے۔ ان جب مہاسمت کا سوال آتا تو وہ رومن اور ایرانیوں کے درباروں میں جا کر رومی اور ایرانی بادشاہوں کو معنور کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے کیونکہ جب وہ اُن کے درباروں میں جاتے تھے تو کچھ لینے کے لئے جاتے تھے۔ غرض نہ وہ جغرافیائی حیثیت سے ایک دنیا کے قائل تھے اور نہ قومی لحاظ سے ایک دنیا کے قائل تھے۔ پھر جو لوگ رومن اور ایرانی درباروں میں جاتے بھی تھے اُن کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی تھی بالعموم اُن میں وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے گھروں کے اور گرد و مومیل سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ اس کے مقابلہ میں بنی اسرائیل ایک ترقی یافتہ قوم تھی۔ وہ مصر میں رہتے تھے اور ایک ایسی قوم کے اقتدار میں رہتے تھے جس کی اپنی حکومت تھی۔ پھر مصر ان دنوں سب سے زیادہ متمدن ملک تھا۔ مصر کے جہاز یورپ، افریقہ اور ہندوستان وغیرہ دوسرے ممالک میں بھی جاتے تھے اور اُس کی بیرونی مالک سے تجارت تھی جس کے نتیجہ میں وہ اُن ممالک سے سیاسی اور تمدنی تعلقات رکھتا تھا۔ غرض مصر میں رہنے والی قوم باقی دنیا کے حالات سے غافل نہیں رہتی تھی۔ مصری قوم اس زمانہ میں دینی متمدن تھی جیسے آج کل انگلستان کی حکومت ہے۔ انگلستان میں

اور تمدنی طور پر اتنی ترقی کر چکا ہے کہ اُس میں رہنے والا دنیا کے حالات سے غافل نہیں رہ سکتا۔ افغانستان میں رہنے والا غافل رہ سکتا ہے کیونکہ تمدنی اور سیاسی ترقی میں وہ ابھی بہت پیچھے ہے۔ یہی حالت عرب کی مصر کے مقابلہ میں تھی۔ لیکن مصر میں رہتے ہوئے مصری اقتدار کے ماتحت رہتے ہوئے اور مصری تہذیب کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیل کا خدا پیش کیا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے تورات میں بار بار یہی ذکر آتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل کا خدا یوں کہتا ہے بنی اسرائیل کا خدا یوں کہتا ہے پھر حضرت مسیح علیہ السلام جن کے زمانہ میں تمدن بہت پھیل چکا تھا اور یورپ اور ایشیا اُس میں غوطہ ہو چکے تھے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھٹیروں کو اکٹھا کرنے کے لئے آیا ہوں۔ گویا دنیا میں اتحاد ہو جانے کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام قومی نظریہ سے اوپر نہیں جاسکے حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے سوا باقی لوگ خدا تعالیٰ کی مخلوق نہیں۔ وہ یہ بھی خیال نہیں کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی مخلوق کا خدا خدا نہیں سمجھتا حضرت مسیح علیہ السلام ہی سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی مخلوق بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے اور خدا بنی اسرائیل کے علاوہ دیکر لوگوں کا بھی خدا ہے مگر باوجود اس کے موسیٰ نظریہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہی نظریہ پیش کیا کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کا باپ ہے اور باقی لوگ اُس کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے بہت پیچھے تھا اور باقی دنیا سے بالکل کٹ ہوا تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے دنیا کے سامنے پہلی دفعہ یہ نظریہ پیش کیا کہ تمام قومیں خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور خدا تعالیٰ تمام قوموں کا خدا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بیشک عرب قوم میری مخاطب ہے اور میں ہی میں پیدا ہوا ہوں مگر میں قرآن میں یہودی اور

یابہت کم علم رکھتے تھے۔ وہ صرف بائیں جانتے تھے اور
 لوہا کو ٹا کر تھے۔ آپ اُن دونوں بھائیوں کو اشارہ دے
 ساتھ تبلیغ کیا کرتے تھے جب آپ وہاں سے گذرتے تو
 اُن کے پاس کھڑے ہو جاتے۔ وہ دونوں یونانی تھے اور
 آپ کی باتیں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن آپ محبت کی وجہ سے
 وہاں کھڑے ہو جاتے اور اُن کی باتیں سننے۔ پھر آپ انہیں
 تبلیغ کرنے لگ جاتے۔ زبان تو وہ سمجھ نہیں سکتے تھے
 آپ اشاروں سے انہیں تبلیغ کرتے۔ مثلاً اللہ کا لفظ لکھ
 آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ آسمتہ آسمتہ اُن دونوں کو
 آپ سے اُنس ہو گیا۔ اور بالآخر ۱۱۱ دونوں ایمان لے گئے
 اسی طرح بلال حبشی تھے۔ اور حبشی غلام بنائے جاتے تھے
 لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے نہیں تھے
 جن کے نزدیک کوئی غیر قوم مقہور و ذلیل ہو بلکہ آپ کے
 نزدیک سب قومیں یکساں طور پر خدا تعالیٰ کی مخلوق تھیں
 آپ کو یونانیوں اور حبشیوں سے بھی ویسا ہی پیار تھا
 جیسے عربوں سے۔ یہی محبت تھی جس نے ان غیر قوموں
 کے دلوں میں بھی آپ کا وہ عشق پیدا کر دیا جس کو عرب
 کے بھی بہت سے لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے۔ پھر عرب قوم میں پیدا ہوئے
 اور ربوہ میں سے بھی قریش قبیلہ میں پیدا ہوئے جو دوسری عرب
 قوموں کو بھی حقیر اور ذلیل سمجھتا تھا۔ آپ کو حبشیوں سے کیا
 جڑ تھا۔ اگر آپ کسی قوم یا قبیلہ کو محبت ہونی چاہیے تھی تو وہ
 بنو ہاشم کو ہونی چاہیے تھی۔ آپ سے کسی کو محبت ہونی
 چاہیے تھی تو قریش کو ہونی چاہیے تھی یا پھر عرب کے لوگوں
 کو ہونی چاہیے تھی۔ غیر قوموں کے دلوں میں جن کی حکومتوں کو
 آپ کے لشکروں نے تباہ کر دیا تھا جن کی توہمی برتری کو آپ ہی
 سلطنت نے بیکار کر کے رکھ دیا تھا محبت ہو ہی کیسے سکتی
 ہے۔ نہیں تو آپ سے شہمی ہونی چاہیے تھی مگر رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کے عشق کا یہ حال تھا کہ آپ کی

وفات کے کئی سال بعد ایک دن کچھ لوگ دمشق میں اکٹھے ہوئے
 اور انہوں نے باتوں باتوں میں کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے زمانہ میں جن اذان دیا کرتے تھے ہم چاہتے ہیں کہ پھر
 اُن کی اذان سنیں۔ چنانچہ انہوں نے بلالؓ سے جو رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ سے شام چلے گئے تھے
 اور پھر شام سے دمشق جا پہنچے تھے اپنی اس خواہش کا اظہار
 کیا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا۔ رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بعد میں نے اذان دینا چھوڑ دیا ہے۔ کہہ نہ جب
 بھی میں اذان دینے کا ارادہ کرتا ہوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کا زمانہ مبارک میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور یہ
 بات میری برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ بھی
 اُن دونوں دمشق آئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے آپ سے عرض
 کیا کہ آپ بلالؓ سے کہیں کہ وہ اذان دیں۔ ہم میں وہ لوگ بھی
 ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور سنا
 کان ترس رہے ہیں کہ پھر بلالؓ کی اذان سنیں۔ اور ہم میں
 وہ بھی ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں
 دیکھا صرف باتیں سنی ہیں وہ بھی خواہش رکھتے ہیں کہ اُن
 شخص کی اذان سن میں جس کی اذان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 سُنا کرتے تھے حضرت عمرؓ نے بلالؓ کو بلایا اور فرمایا لوگوں
 کی خواہش ہے کہ آپ اذان دیں۔ آپ نے فرمایا۔ آپ خلیفہ وقت
 ہیں آپ کی خواہش ہے تو میں اذان دے دیتا ہوں۔ لیکن میرا دل
 برداشت نہیں کر سکتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے
 ہو گئے اور انہوں نے بلند آواز سے اُسی رنگ میں اذان دی جس
 رنگ میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان
 دیا کرتے تھے۔ بلالؓ کی آواز جو نہی فصاحت کو بھی رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کو یاد کر کے آپ کے صحابہؓ
 جو عرب کے باشندے تھے اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں
 ہو گئے اور بعض کی آنکھیں بھی نکل گئیں۔ لیکن حضرت بلالؓ
 جو حبشی تھے جن سے عربوں نے خدمتیں میں جنہیں عربوں

کوئی خونی رشتہ نہیں تھا اور نہ بھائی چارے کا تعلق تھا وہ اذانِ تم کرتے ہی بے ہوش ہو گئے اور چند منٹ کے بعد انکی روح نفسِ غصہ کی سے پرواز کر گئی۔ یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ پر غیر قوموں کی گواہی تھی کہ میرے نزدیک عرب اور غیر عرب میں کوئی فرق نہیں۔ یہ گواہی تھی غیر قوموں کی جنہوں نے آپ کی محبت بھری آواز کو سنا اور اس کا اثر جو انہوں نے دیکھا اس نے انہیں اس یقین پر بھر دیا کہ ان کی اپنی قوم ان سے وہ محبت نہیں کر سکتی تھی جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کی۔

پھر لوگ مرتے ہیں تو اپنی تکلیف اور دکھ کی وجہ سے انہیں دوسروں کا خیال تک نہیں آتا۔ کیونکہ وفات کے وقت غیر معمولی تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پہلے جس شخص کو وفات کے وقت زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔ میں خیال کرتی تھی کہ وہ گنہگار ہے۔ مگر جب میں نے آپ کی وفات دیکھی تو سمجھا کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ آپ کی نزاع کی حالت نہایت تکلیف دہ تھی۔ وفات کے وقت مرنے والوں کو عموماً یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنا کام اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو سنبھال جائیں مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور بیماری کی وجہ سے جب ایسی حالت کو پہنچے کہ آپ کے لئے چلنا بھی مشکل ہو گیا۔ تو ایک دن آپ سہارا لے کر مسجد میں آئے اور صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔ ہر ایک انسان آخری وقت میں کوئی نہ کوئی نصیحت کرتا ہے۔ میں بھی تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ یہ غلام تمہاری طرح خدا تعالیٰ کے بندے ہیں اور تمہارا بھائی ہیں ان کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرنا اور جو شخص یہ برداشت نہ کر سکتا ہو کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے اسے چاہیے کہ انہیں اذیت نہ دے کہیں جو شخص ان سے کام لینا چاہتا ہو وہ جو کچھ خود کھائے وہی انہیں کھلائے

جو خود پہنے وہی انہیں پہننے کو دے جس حالت میں وہ خود رہے اسی حالت میں انہیں بھی رکھے۔ اور اگر تم میں کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا تو اسے ان سے خدمت لینے کا بھی کوئی حق نہیں پھر فرمایا۔ اسے میرے صحابہ! عورت پر بہت برا ظلم ہوتا رہا ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان کے حقوق ادا کرو۔ ہمیں انبیاء سابقین کے متعلق یہ ظلم نہیں کہ وہ کیسے فوت ہوئے۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ لگتا ہے کہ جب آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا تو اگرچہ وہ انکی وفات کا وقت نہیں تھا تاہم آپ نے انکھیں کھولیں اور حضرت عروہ کو رنجیدہ کھڑے دیکھ کر آپ نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے بیٹے کے مصوب ہو جانے کے بعد اپنے کسی ولی اور نگہبان کی عدم موجودگی پر افسوس کر رہی ہیں۔ آپ نے اپنے حواری تھوس سے کہا۔ جو جذبات کی وجہ سے آپ اپنا غم مکمل نہ کر سکے کہ اسے تھوس یہ ہے تمہاری ماں اور بے عورت یہ ہے تمہارا بیٹا۔ جس کے یہ معنی تھے کہ میں تھوس پر اعتبار کرتا ہوں اور اسے تمہارا بیٹا مانتا ہوں۔ اور اسے تھوس میں تم پر اعتبار کرتا ہوں اور اسے تمہاری ماں مانتا ہوں۔ یہ بڑا نیک جذبہ ہے جو حضرت مسیح کے دل میں پیدا ہوا۔ مگر اس شخص کی محبت کتنی بڑا ہے جو وفات کے وقت اپنے اعزاء و اقرباء کو بھول جائے اور غریب اور مظلوم کی ہمدردی میں اپنے آخری لمحات گزار دے۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے وقت اگر کسی کا خیال کیا تو وہ صرف مظلوموں، مقومروں، مزدوروں اور ان بے بس اور بے کس لوگوں کا تقاضا جن کی پشت پر

بصر عین وفات کا وقت آتا ہے تو آپ کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوتا ہے کہ خدا بہود اور نصاریٰ بولنت کرے جنہوں نے اپنے بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا ہے

امکان باقی نہ رہا۔ کیونکہ روح الامین اُسے لے کر نازل ہوا اور دوسری طرف نازل کے بعد مستقل طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمادیا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۹) یعنی ہم نے ہی اس ذکر کو اتارا ہے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔ گویا قرآن کریم کے متعلق دونوں زمانوں میں حفاظت کا انتظام کر لیا گیا۔ لیکن انجیل کے دونوں مالوں کے متعلق کوئی وعدہ نہیں۔ نہ تو انجیل میں کوئی ایسی آیت ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ جب انجیل کی وحی آئی تو دستہ میں اُس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ یا جب تک وہ حضرت مسیح کے دماغ میں رہی اور دنیا میں نہیں پھیلی اُس وقت تک اُس کی حفاظت کی گئی اور نہ کوئی ایسی آیت ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ جب مسیح نے وہ وحی کھوا دی یا سنا دی تو اُس کے بعد قیامت تک خدا تعالیٰ نے اُس کی حفاظت کی ضمانت لے لی پس انجیل کی حفاظت کا ثبوت خود انجیل سے کوئی نہیں ملتا۔ لیکن قرآن کریم کی مکمل حفاظت کا ثبوت خود قرآن کریم سے ہی ملتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ پر وحی الہی کے نازل ہونے تک جب تک وہ وحی دنیا میں شائع نہیں ہوئی اُس وقت تک کی حفاظت کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے اور دنیا میں شائع ہو جانے کے بعد اس کی حفاظت کا ثبوت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ سے ملتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی الہی کے نازل ہونے کے وقت سے لیکر قیامت تک قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ موجود ہے جس کے مشابہ وعدہ بھی انجیل میں کوئی موجود نہیں۔

غرض روح الامین میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کلام کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر انتظام کیا گیا ہے تاکہ پہلی کتب کی طرح اس میں کوئی بگاڑ پیدا ہو۔ ورنہ ہر فرشتہ اپنی ذات میں امین ہی ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی صفت کا خاص طور پر ذکر

کیا جائے تو اُس سے مراد اُس کے خاص ظہور کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً جہاں روح القدس کا لفظ استعمال کیا جائے وہاں اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہوگا کہ یہ کلام اپنے اُحد تدبیریت کی صفت رکھتا ہے اور یہ صفت سب نبیوں کے اہام میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ لیکن امتین کی صفت سے جبریل صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ صرف آپ کے کلام کی حفاظت کی گئی جبکہ پہلی انہما کی کتب انسانی دست برد کا شکار ہو چکی ہیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ روح الامین نے یہ کلام تیرے دل پر نازل کیا ہے یعنی روح الامین کا فرض حفاظت اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وحی تیرے دل پر نازل نہ ہو جائے تاکہ اُس کے تعجیجس تو لوگوں تک اس وحی کو عمدگی سے پہنچا دے۔ اس جگہ وحی الہی کو قلب پر نازل کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح کلام الہی لفظوں میں نازل ہوتا ہے اسی طرح نبی کے دل کو بھی ساتھ ساتھ تعویذ دی جاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا کلام جس شخص پر نازل ہوتا ہے اُسے ایک قلبی پاکیزگی اور استقامت بھی عطا کی جاتی ہے تاکہ وہ اُسے دنیا میں قائم کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ پس قلب پر نازل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ صرف دنیا میں ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ کلام اُس کے دل کے اندر جذب ہو جاتا ہے اور وہ اُس کا جزو ہو جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شرعی اور غیر شرعی یا فنی وحی میں ایک فرق ہوتا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ ہر شرعی وحی نبی کے قلب پر بھی نازل ہوتی ہے۔ چونکہ اُس وحی کے متعلق یہ حکم ہوتا ہے کہ اِس پر اِنَّا اَوَّلُ الْكِتَابِ مِّنْ نِّبَاتِ کہو۔ اس لئے یہ قلب پر نازل ہوتی ہے اور چون جوں نازل ہوتی ہے وہ ایمان کو مضبوط کرتی چلی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت کے ایک غلطی کھائی ہے خصوصاً بہابیوں کو اس سے غلطی لگی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو خیال بھی دل میں آجائے وہ وحی

ہوتا ہے حالانکہ قرآن کریم اور احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ
وحی زبان پر بھی نازل ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے: **لَا تُخَافُهَا** یہ
يَسْأَلُكَ لَتَعْلَمَ الْكُلُّ کہ تو زبان کو جلدی جلدی حرکت
نہ دیا کر۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وحی زبان پر بھی نازل ہوتی
ہے۔ اصل میں یہ دوہری وحی ہوتی ہے۔ یہ وحی زبان پر بھی
نازل ہوتی ہے اور دل پر بھی اس کا نزول ہوتا ہے۔ لیکن
دوسرے دل کو جو وحی ہوتی ہے وہ بروزی اور فطری طور پر ہوتی
ہے اور اس قسم کی ہر وحی قلب پر نازل نہیں ہوتی۔ وہ بعض
دفعہ کان پر نازل ہوتی ہے مثلاً انسان ایک کلام سنتا ہے۔
اور کہتا ہے مجھے یہ الہام ہوا ہے۔ یا اس کی زبان پر کوئی الفاظ
جاری ہو جاتے ہیں اور وہ کہتا ہے مجھے الہام ہوا ہے یا
فلاں کلام میری زبان پر جاری ہوا ہے۔ مگر تشریحی انبیاء کی
جو وحی ہوتی ہے یا بعض اوقات فطری اور بروزی انبیاء کی
وحی بھی صرف کان اور زبان پر ہی نازل نہیں ہوتی بلکہ وہ
ایک ہی وقت میں کان یا زبان اور اس کے ساتھ قلب پر
بھی نازل ہوتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تین جگہ نازل
ہوتی ہے۔ ایک تو وہ زبان یا کان پر نازل ہوتی ہے۔ دوسرے
قلب پر نازل ہوتی ہے اور تیسرے دماغ پر نازل ہوتی ہے
جیسے قرآن کریم میں ہے کہ یہ وحی کتاب مکنون میں ہے یعنی
یہ وحی ایک طرف تو اس قرآن میں نازل کی گئی ہے۔ اور
دوسری طرف اسے انسانی فطرت کے اندر رکھ دیا گیا ہے
پس تشریحی انبیاء کی وحی زبان یا کان پر نازل ہونے کے
علاوہ قلب پر بھی نازل ہوتی ہے اور شیخ کی طرح دل میں
گڑ جاتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تَنْزِيلُ يَهْدِي الْوَدَّحُ
الْمُحْيِينَ عَلَى قَلْبِكَ یعنی چونکہ یہ وحی تیرے قلب پر
نازل ہوتی ہے اس لیے تیرے اندر اس وحی کے متعلق غیر معمولی
استقامت پائی جاتی ہے۔ اور تو کہتا ہے کہ اگر تم سورج

کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لاکر بھی دکھ دو۔ اور
پھر مجھ سے کہو کہ میں خدائے واحد کی توحید کی اشاعت کرنے
سے رک جاؤں تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ
کی وحی میرے دل پر نازل ہوئی ہے۔ اگر وہ میرے قلب پر
نازل نہ ہوتی تو میں تمہاری باتوں کو بھی سنتا لیکن اب یہ
سوال ہی باقی نہیں رہا کہ میں تمہاری بات سنوں۔ کیونکہ خدا
تعالیٰ نے میرے دل پر اپنی وحی نازل کی ہے اور میرے
دل میں آہنی شیخ کی طرح توحید کا عقیدہ راسخ کر دیا ہے۔
بہر حال جیسا کہ میں نے بتایا ہے بعض لوگوں نے اس
آیت سے دھوکا کھا یا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں
کہ جو خیال بھی دل میں پیدا ہو وہ وحی ہوتا ہے۔ حالانکہ وحی
زبان اور کان پر بھی نازل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی سکا
قلب پر بھی نزول ہوتا ہے تاکہ اس کی تائید ہو جائے لیکن
ہماد ائمہ ایک طرف تو اقرار کرتے تھے کہ مجھے لفظی وحی
نہیں ہوتی اور دوسری طرف ان کے دل میں جو خیالات بھی
پیدا ہوں ان کو وہ الہام قرار دے دیتے تھے۔ یہی کیفیت
گاندی جی کی تھی۔ وہ بھی بعض دفعہ اپنے خیالات کا نام
الہام رکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن اسمجد جس وحی کا ذکر ہے اس
میں مقررہ الفاظ ہوتے ہیں جو تکرار کے ساتھ دہرائے جاتے
ہیں اور زبان یا کان کے علاوہ انسانی قلب پر بھی جاری
ہوتے ہیں اور ان میں اس قدر تکرار ہوتا ہے کہ بعض دفعہ
اُدھّا دھگھٹھ تک ایک ایک فقرہ کو دوہرایا جاتا ہے۔
پھر اگر قرآن کریم میں صرف یہی آیت ہوتی کہ تَنْزِيلُ
يَهْدِي الْوَدَّحُ الْمُحْيِينَ عَلَى قَلْبِكَ تو ہمیں دھوکا لگ
سکتا تھا کہ شاید اس میں دل کے خیالات کو ہی وحی قرار
دیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ بعض آیات بھی قرآن کریم
میں آئی ہیں جن سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور آپ کے کان پر بھی وحی نازل
ہوتی تھی اور وہ وحی معین الفاظ میں ہوتی تھی۔ مثلاً

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَحْزَنْ لِحُكْمِ اللَّهِ بِسَانَكَ لَتَعْلَمَنَّ بِطُ
اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۖ اِذَا فُزِنَا بِهِ فَانْتَبِهْ
قُرْآنَهُ ۖ (القیامہ ۸) یعنی اے محمد رسول اللہ! تو اپنی
زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیا کر۔ اس قرآن کو جمع کرنا
بھی ہمارے ذمہ ہے اور اس کا دُیا کو سنانا بھی
ہمارا کام ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو اس کے
بعد تو بھی اسے پڑھ لیا کر۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ چونکہ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الہی بڑی سرعتِ نازل
ہوتی تھی اس لئے آپ جلدی جلدی اس کلام کو اپنی زبان
سے دہرائے گئے تھے تاکہ مَن الفاظ پر تالو پاسکیں اور وہ آپ
کے دماغ میں پوری طرح محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو
تسلّی دی کہ ایسا کرنے کی ضرورت نہیں آپ پر جو کلام نازل
کیا جا رہا ہے یہ شریعتِ الہیہ کا حامل ہے اور شرعی الہام
مقبول نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر وہ مقبول جائے تو وحی متلو ہی
ادھوری رہ جائے۔ ہاں ہم یہ کلام پڑھ لیا کریں تو اس کے
بعد تو بھی اسے پڑھ لیا کر۔ یہ آیت اہل رب پر بعض مرتبہ ہے
کہ قرآن کریم صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مطہر
پر ہی نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ السّماءِ آپ کو پڑھایا بھی
جاتا تھا اور پڑھایا اُسی صورت میں جاسکتا ہے جب کہ
وہ آپ پر معین الفاظ میں نازل ہوتا۔

اسی طرح قرآن کریم صراحتاً اس کلام کو کلام اللہ قرار
دیتا ہے جس سے نہ صرف اس وصومہ کو دور کیا گیا ہے
کہ نفوذِ باللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں
جو خیالات پیدا ہوتے تھے انہی کو آپ وحی الہی قرار دے
دیتے تھے۔ بلکہ کلام اللہ کہہ کر اس بات کی طرف بھی اشارہ
کیا گیا ہے کہ اس کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک جو
کچھ لکھا ہے یہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلامِ مجید اس
میں کسی کے دل کے خیالات کا تو کیا ذکر ہے کوئی ایک لفظ
بھی ایسا نہیں جو کسی انسان کا بنایا ہوا ہو۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَانْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ
غَاجِرُهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ اتَّخَذَهُ مَأْشَهُ
(توبہ ۸) یعنی اگر ان مشرکوں میں سے جو تجھ سے برسرِ جنگ
ہیں کوئی شخص پناہ مانگے۔ تو تو اسے پناہ دے تاکہ ■
اس کتاب کو سن سکے جو تجھ پر نازل ہوئی ہے اور جو سادی
کی سادی کلام اللہ ہے۔ پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے کلام
کو سن لے اور چاہے کہ اپنی قوم کے لوگوں کے پاس واپس
چلا جائے تو چاہیے کہ اُسے پوری حفاظت کے ساتھ اس
علاقہ میں پہنچا دیا جائے جو اُس کے لئے امن کا مقام ہے
اسی طرح قرآن کریم کا یہ فرمان کہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ دُسرۃ
العلق ۸) یعنی اے محمد رسول اللہ! تو اپنے رب کا نام
لے کر پڑھ جس نے سب اشیا کو پیدا کیا ہے۔ تو اپنے
اُس رب کا نام لے کر پڑھ جس نے انسان کو خون کے
ایک دھڑے سے پیدا کیا ہے۔ یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ
قرآنی آیات میں الفاظ میں آپ پر نازل ہوتی تھیں جن
کی آپ پوری طرح تلاوت فرما سکتے تھے۔ پھر قرآن کریم
کا بار بار یہ فرمان کہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۚ قُلْ
يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۚ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۚ
قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہ سب آیات وحی الفاظ
پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے۔ کہ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بعض اوقات مجھ پر
وحی مصلیٰ الجوس کی طرح آتی ہے اور مصلیٰ
الجوس یعنی گھنٹی کی آواز کو کان کے ذریعہ سنا جاتا
ہے۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں زَاخِيَانَا يَتَمَثَّلُ
بِلِجْنِ الْمَنَافِكِ دَجَلًا فَيَكَلِّمُنِي فَأَعْبَىٰ مَا يَقُولُ
(بخاری باب کیف کان بدء الوحي) یعنی کبھی اللہ تعالیٰ کا
فرشتہ آدمی کی شکل میں متمثل ہو کر میرے پاس آجاتا ہے
اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے جسے میں اپنے دماغ میں محفوظ

رکھ لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی زبان اور کانوں
آنکھوں پر بھی نازل ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اُس کا دل پر
بھی نازل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شخص جس پر وحی نازل
ہوتی ہے سب سے بڑا مومن ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے
کانوں اور زبان کے ساتھ ساتھ اُس کے دل پر بھی وحی کا
نزل ہوتا ہے۔ اور چونکہ سارے عقائد اور خیالات دل پر
ہی پیدا ہوتے ہیں اس لئے اگر دل پر وحی نازل ہو گئی تو
یہ ساری چیزیں آپ ہی آپ درست ہو جاتی ہیں۔ غرض
وحی کے کئی مراتب ہوتے ہیں۔ انبیائے تشریف کی وحی اور درجہ کی
ہوتی ہے اور انبیائے برہنہ کی وحی اور درجہ کی ہوتی ہے
انبیائے برہنہ کی وحی کو بھی بھول سکتے ہیں انبیائے تشریف کی وحی
کو نہیں بھولتے۔ کیونکہ اگر تشریف ہی بھول جائے تو
اُن کی اُمت تباہ ہو جائے۔ اسی طرح انبیائے برہنہ کی
وحی اور وحی کی ایسی وحی جو کسی پہلی وحی کی تفصیل بیان
کرنے یا کسی خاص نکتہ معرفت کے بیان کرنے کے لئے آتی
ہے وہ بھی نہیں بھولتی کیونکہ اس کے لئے بھی وہی قانون
جاری ہے جو تشریف کی وحی کے لئے ہے اور اس کی بھی لوگوں
کو ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عام
وحی کی بھی ایک قسم کی حفاظت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر یہ
وحی ہو کہ نفل شخص مر جائیگا یا طاعون آجائے گی تو اس
وحی کی بھی ایک قسم کی حفاظت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ
اعتقاد غیبی جن پر خدا تعالیٰ نے اپنے کسی بندہ کو اطلاع دینا
ہے ساری کی ساری بھول جائیں تو وہ لوگوں کو مٹائی
کیسے جا سکیں لیکن بہر حال اُسے وہ مقام حاصل نہیں
ہوتا جو تشریف کی وحی کو حاصل ہوتا ہے کہ اُس کے ایک
ایک لفظ اور ایک ایک شے غیب کی حفاظت ہوتی ہے۔
پھر فرماتا ہے پِلِسَّانِ عَزْرَجِیْ تَبِیْنُہُ اَسَہُ
خدا تعالیٰ نے ایک ایسی زبان میں نازل کیا ہے جو اپنے
مطالب کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ وحی حقیقت

کسی کلام کی حفاظت کا ایک یہ بھی پہلو ہوتا ہے کہ جو کلام
نازل ہو اس کو سمجھنے والے لوگ دنیا میں پائے جاتے ہوں
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس نے قرآن کریم کو حفاظت
کے اس پہلو سے بھی نوازا ہے اور اسے ایک ایسی زبان
میں نازل کیا ہے جو اپنے معنوں کو آپ واضح کرتی ہے
اور پھر وہ ہر قسم کے دلائل بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔
مفرداتِ غیب جو قرآنی نکتہ کی مشہور کتاب ہے
اُس میں الْعَزْرَجِیْ کے معنی الْمُفَصِّلُ کے نکتے ہیں یعنی
اپنے مدعا کو خوب صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان
کرنے والا اور اَنْزِلَ عَرَابُ کے معنی کھولنے اور واضح
کرنے کے نکتے ہیں۔ پس پِلِسَّانِ عَزْرَجِیْ میں تو یہ
بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری شرعی کلام اُس زبان میں
نازل فرمایا ہے جو مطالب کے اظہار کے لئے اپنے اندر
پورا سامان رکھتی ہے اور ہر مسئلہ پوری وضاحت اور
تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے اور تَبِیْنُہُ میں یہ
بتایا کہ وہ صرف مقاصد کے اظہار پر ہی قدرت نہیں رکھتی
بلکہ اپنے ساتھ دلائل اور براہین کا بھی ذخیرہ رکھتی ہے۔ گویا
قرآن کریم کا صرف عربی زبان میں ہونا معجزہ نہیں بلکہ قرآن کا
عَرَبِیٌّ تَبِیْنٌ ہونے میں معجزہ ہے یعنی اس کی ایسی زبان ہے
کہ اُس کے اندر دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں اور بتایا گیا
ہے کہ ہم کیوں حکم دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو کیوں منواتے ہیں
فرشتوں کو کیوں منواتے ہیں۔ رسولوں کو کیوں منواتے ہیں
جھوٹ سے کیوں منع کرتے ہیں سچ کی کیوں تائید کرتے ہیں
ظلم سے کیوں روکتے ہیں۔ انصاف کی کیوں تائید کرتے ہیں
غرض یہ عربی تَبِیْنٌ میں ہے اور اپنے احکام کی دلیل بھی
دیتا ہے۔ جھوٹا آدمی بات تو کہہ دیکر اگر اسکی دلیل
کہاں سے آئیگی۔ مگر یہ کلام تو ایسی زبان میں نازل ہوا ہے
جو عربی ہی نہیں بلکہ متین بھی ہے یعنی جو بات بھی کہتی
ہے اُس کو کھول کر رکھ دیتی ہے اور اسکی معقولیت کے

دلائل بھی دیتی ہے۔

پھر فرمایا **وَرَبُّكَ الْكَافُّ**۔ قرآن کریم کو ایک اذنیلیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کا ذکر پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اور ان میں صراحتاً اس کے نزول کی خبر دی گئی ہے۔ بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ کلام دنیا کو ایک عربی نبی کی زبان سے سنایا جائیگا۔ چنانچہ مثال کے طور پر اس کے ثبوت میں مسیحیہ نبی کی ایک پیشگوئی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی کتاب کے اٹھائیسویں باب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”وہ کس کو دانش سکھائیگا کس کو وعظ

کر کے سمجھائیگا۔ ان کو جن کا دودھ چھڑایا گیا

جو چھاتیوں سے جدا کئے گئے کیونکہ حکم پر حکم

حکم پر حکم۔ قانون پر قانون۔ قانون پر قانون ہوتا

جاتا۔ تھوڑا ساں تھوڑا۔ ہاں وہ وحشی کے

سے ہونٹوں اور اجنبی زبان سے اُس گردہ کے

ساتھ بات کرے گا کہ اُس نے اُن سے کہا کہ یہ

وہ آرام گاہ ہے۔ تم اُن کو جو تھکے ہوئے ہیں

آرام دیکھو۔ اور یہ جان کی حالت ہے۔ پر تھے

شہوانہ ہوئے۔ سو خدا کا کلام اُن سے یہ ہوگا

حکم پر حکم۔ حکم پر حکم۔ قانون پر قانون۔ قانون پر

قانون۔ تھوڑا ساں تھوڑا دیاں۔ تاکہ دے

سے جاویں اور بچھا دی گئیں اور شکست کھائیں

اور دام میں پھنسیں اور گرفتار ہو جائیں۔“

(سیدہ باب ۲۸ آیت ۱۲۹)

سیدہ نبی نے اس کلام میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ

ایک زمانہ میں اللہ تعالیٰ پھر لوگوں کی روحانی تشنگی اور

بھوک کو دور کرنے کے لئے آسمان سے ایسا دودھ نازل

فرمایا مگر یہ دودھ اُن سے آدم کو بنایا جائیگا۔ لیکن اُن

ایک بے علمہ سے چھاتیوں سے جدا وہ بچے ہونگے یعنی جن پر

فترت کا ایک لمبا زمانہ اچکا ہوگا۔ اور اس کلام کی ایک

خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ یکدم نازل نہیں ہوگا اور نہ کسی

ایک شہر اور مقام میں نازل ہوگا۔ بلکہ قانون پر قانون اور

حکم پر حکم مختلف مقامات میں نازل ہوگا اور ایک بے زمانہ

میں اس اپنی قانون کی تکمیل ہوگی۔

پھر اس کلام کا ایک اور صفت یہ ہوگا کہ ایک

اجنبی یعنی غیر زبان میں نازل ہوگا۔ اور آنے والا مقدس

رسول وحشی کے سے ہونٹوں کے ساتھ گفتگو کرے گا۔ یہ

وحشی کا لفظ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عربی نبی

ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ بائبل کی اصطلاح

میں عربوں کیلئے وحشی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی بنا پر

پیدائش باب ۱۲ آیت ۱۲ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی

”وحشی“ قرار دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ لفظ اُس تعصب

کے اظہار کے لئے جو اسرائیل نے اختیار کیا تھا جو اُن کے

دلوں میں جو اسماعیل کے متعلق پایا جاتا ہے۔ اگر وہ تعصب

کا شکار نہ ہوتے تو آسانی سے وہ عرب کا لفظ استعمال

کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے اس لفظ کو اختیار کرنے کی بجائے

پہلے اس کا ترجمہ کیا اور پھر ترجمہ کے لئے بھی وحشی کا لفظ

اختیار کر لیا۔ اس لفظ کا انتخاب اس بنا پر کیا گیا کہ عربی

زبان میں ع رب کے معنی اپنے مافی الضمیر کو پوری عمدگی

کے ساتھ بیان کرنے کے ہوتے ہیں اور عربوں کا نام عرب

بھی اسی لئے رکھا گیا تھا کہ وہ ادب کے دلدادہ اور

نہایت فصیح و بلیغ کی کام کرنے کے عادی تھے۔ مگر چونکہ وہ

حنکوں میں رہتے تھے انہیں میں اُن کی زندگی کشتی تھی

اُن کے نہایت نہیں خیال اور حنکوں میں رہنے والا کہنے

کی بجائے وحشی کہنے لگ گئے۔ اور بائبل نے بھی یہی

طریق اختیار کیا۔ اسی وجہ سے سیدہ نبی کی پیشگوئی

میں یہ لکھا گیا ہے کہ وہ

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۝۱۹۹ فَقَرَأَهُ

اور اگر ہم اس کو عجیوں میں سے کسی پر اُتارتے۔ اور وہ اس کو ان کے سامنے پڑھ کر

عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۝۲۰۰ كَذَلِكَ

سُنَّاتُ تَوَدَّ کہیں بھی اس پر ایمان نہ لاتے ۔ اسی طرح

سَلَّكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝۲۰۱ لَا يُؤْمِنُونَ

ہم نے مجرموں کے دلوں میں یہ بات داخل کر چھوڑی ہے ۔ پس وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے

بِهِ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝۲۰۲ فَيَأْتِيَهُمْ

یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں ۔ پس وہ (عذاب) اُن کی علمی میں

بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۲۰۳ فَيَقُولُوا هَلْ

اُن کے پاس اچانک آجائے گا ۔ تب وہ کہیں گے کیا

”دستی کے سے ہونٹوں سے کلام کرے گا۔“

یعنی وہ عرب میں مبعوث ہوگا ۔ اور عربی میں اُس پر کلام الہی نازل ہوگا ۔ چنانچہ اسی امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے پہلے پلٹسٹان صحرائی قَسَبِیْن کے الفاظ لائے گئے ہیں اور پھر کہا گیا ہے کہ تمہیں اس کلام کے قبول کرنے میں کسی قسم کے تردد اور محکمی ہٹ سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ تمہارے اپنے نبیوں کی کتابوں میں اس کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں۔ پھر فرمایا۔ اَدَلِّمُکُمْ لَہُمْ آیَۃً اَنْ تَنۡزِلَہُ عَلٰیہُمْ یٰحٰی یٰحٰی اَنۡزِلۡہُ عَلٰیہُمْ کُوۡلۡہُمَا بَنٰی اِسْرَآئِیۡلَ ۔ کیا میں کیسے یہ نشان کم ہے کہ اس قرآن کو کلمائے بنی اسرائیل بھی پہچانتے ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل

کے انبیاء نے جب اس قرآن کی خبر دی ہے ۔ اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدتوں پہلے گزر چکے تھے اور اُن کی بتائی ہوئی خبریں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر پوری اُتر آئی ہیں تو کیا قرآن کریم کے ماننے کے لئے یہ نشان کافی نہیں۔

اس آیت سے ایک اور مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وَ اَنۡشِئْ ذُرِّیَّۃً اٰلَہٗٔ اٰیۡمَیۡنَ یعنی قرآن کریم کا پہلی کتابوں میں بھی ذکر ہے۔ اور کتاب میں ہمیشہ نبیوں پر ہی نازل ہوا کرتی ہیں۔ اس آیت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کیا بن لوگوں کے لئے یہ نشان کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء اس کو جانتے ہیں۔ پس سیاقی کلام کو مدنظر رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہے کہ سمجھنے والے سے وہی لوگ مراد ہیں۔ جن پر زبور نازل ہوئی اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

لے اس بارہ میں تفصیلات کے شائق تفسیر کبر حلد اول ص ۳
”ما صفحہ ۳۹ ملاحظہ فرمائیں جہاں بائبل کی ان پیشگوئیوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔“

نَحْنُ مُنْظَرُونَ ۝۳۴ اَفَبَعْدِ اِٰنْ يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۳۵

ہمیں ڈھکیل کے تھے۔ سو (بتاؤ کہ) کیا یہی لوگ ہمارے عذاب کو جلد ہی مانگا کرتے تھے۔

اَفَرَأَيْتَ اِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِيْنَ ۝۳۶ ثُمَّ

پس کیا تجھے یقین نہیں ہے کہ اگر ہم ان کو سالوں تک فائدہ پہنچاتے جاتے۔ پھر

جَاءَهُمْ مَا كَانُوْا يُوعَدُوْنَ ۝۳۷ مَا اَغْنٰ عَنْهُمْ

ان کے پاس وہ (عذاب) آجاتا جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو جو کچھ بھی ان کو دیا گیا ہے وہ

مَا كَانُوْا يَمْتَعُوْنَ ۝۳۸ وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ

ان سے اس (عذاب) کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ اور ہم نے کسی بستی کو بغیر اس کے کہ اس کی طرف

اس کی ضرورت پر کیسا کامل اور لطیف معنوں بیان کیا گیا ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ (۱) یہ وہ کتاب ہے جو خدا نے اتاری ہے (۲) یہ وہ کتاب ہے جو جبریل لایا ہے (۳) یہ وہ کتاب ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پاک اور مقدس انسان کے دل پر اتاری گئی ہے۔ (۴) یہ وہ کتاب ہے جس کی غرض گمراہوں کو ہوشیار کرنا اور ان کو آمندہ زندگی میں پیش آئے والے خطرات سے آگاہ کرنا ہے (۵) یہ وہ کتاب ہے جس کا ذریعہ بیان عربی میں ہے (۶) یہ وہ کتاب ہے جس کی خبر پہلی کتب میں بھی موجود ہے۔ یا یہ کہ اصولی تعلیم میں اس کی پہلی کتب کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے اس کا انکار و حقیقت تمام مذاہب اور رسولوں کا انکار ہے۔ اور اس پر ایمان لانا انسان کو مجموعی طور پر ان تمام برکات اور انوار سے مستفیض کرنا، جن انوار اور برکات سے انفرادی طور پر پہلے صرف ایک ایک قوم مستفیض ہو کر تھی بلکہ ذوق ایمان رکھنے والے کے لئے تو صرف یہی ایک نشان کافی ہے کہ انبیاء و ائمہ

نے بھی فرمایا ہے کہ عَلَمًا اُمِّيًّا كَانَ نَبِيًّا وَنَبِيًّا سَوَاءً مِّلًّی (مکتوب امام ربانی وفرادی حصہ چہارم ص ۲۳۲) اس لئے ہم اس آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کا صحت ہی مفہوم ہے کہ اَنَّبِیَاؤُا اُمِّيِّیْنَ كَانَ نَبِیًّا وَنَبِیًّا سَوَاءً مِّلًّی یعنی جس قسم کے نبی بنی اسرائیل میں گذرے ہیں دیئے ہیں نبی میری امت میں بھی آئیں گے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صاحب شریعت نبی میری امت میں آ سکتے ہیں۔ کیونکہ مشابہت کسی تمام اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے اور کسی چند اجزاء پر۔ چونکہ قرآن کریم کی دائمی حفاظت کا ذکر پہلے آچکا ہے اس لئے قرآن کریم کے بعد کسی نئی شریعت کا آنا تو ناممکن ہے۔ پس ایسے ہی انبیاء آ سکتے ہیں جو بغیر شریعت کے ہوں اور حدیث بتاتی ہے کہ اس قسم کے انبیاء کا آنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسیم فرمایا ہے۔

ان آیات پر غور کر کے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ ہمچکہ قرآن کریم کی صداقت اور اس کی عظمت اور

إِلَهُكُمْ مُنْذِرُونَ ﴿۲۶﴾ ذُعْرَىٰ ۖ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۷﴾

نبی بھیجے ہوں ہلاک نہیں کیا۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ انکی نصیحت پہنچ جائے۔ اور ہم ظالم نہ ہیں۔ ۳۶

نوذت عرب کے لحاظ سے انجھ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا کلام نصیحت نہ ہو اور اپنے مانی الغیر کو اچھی طرح واضح نہ کر سکے۔ خواہ وہ شخص عرب ہی کیوں نہ ہو اور انجھ کا لفظ ایسے شخص کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو عربی نہ ہو۔ خواہ عجمی زبان میں وہ بڑا نصیحت ہو (اقرب) اس میں بتایا کہ اگر کلام کا حامل کوئی غیر عربی شخص ہو تا تو یہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ یہ ایک غیر قوم کا آدمی ہے ہم اسکے حالات سے واقف نہیں ہم کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ہم کو دھوکا دے رہا ہے یا نہیں دے رہا بلکہ مجھڑ لوگ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اپنی قوم کے آدمی ہیں اور یہ لوگ آپ کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔ پھر یہ کیوں نصیحت نہیں کر سکتے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ جس نے سادی عمر انسانوں پر جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر کس طرح جھوٹ بول سکتا ہے۔ اسی لئے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ اعلان فرمایا کہ قَعْنَدَ لَيْثَتُ فَيَكُفُّمُ مِمَّا أَقْبَلُ قَبْلَهُ أَخْلَا تَعْقِلُونَ (یونس ۶) یعنی اے لوگو! میں اپنی زندگی کا ایک بیشتر حصہ تم میں گزار چکا ہوں کیا اس کو دیکھتے ہوئے تم پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے اور یہ نہیں سمجھ سکتے کہ جس شخص کی راست بازی اور دیانت کے تم آج تک تامل رہت ہو وہ اب صداقت کے خلاف امتا بڑا قدم کس طرح اٹھا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر اقرار کرنے لگا جائے زیر تفسیر آیت میں بھی اسی نکتہ کی طرف کفار کو توجہ دلائی گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود عربوں میں سے ہیں اور میں بھی مکہ کے رہنے والے۔ اگر انہوں نے کسی غیر ملک میں زندگی بسر کی ہوتی تو تم کہہ سکتے تھے

بھی اپنی پیشگوئیوں میں ذکر کرتے رہے ہیں۔ پھر اگر اتنے بڑے خواہد کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اسکا انکار کرتا ہے تو سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس کی انھیں وحالی بینائی سے محروم ہو چکی ہیں۔

۳۶ حل لغات: - اَلَا تُعْجِبُونَ۔ اَلَا تُعْجِبُہُمُ کی جمع ہے۔ اور اَلَا تُعْجِبُہُمُ کے معنی ہیں مَن لَّیْفَعِصَہُ وَلَا یُتَبِّعُہُ کَلَامَہُ وَارِثَ کَانَ مِنَ الْعَرَبِ۔ وہ شخص جو اپنے مانی الغیر کو عربی زبان میں پوری طرح کھول کر ادا نہیں کر سکتا خواہ وہ شخص عرب کے علاقہ کا ہو اور عربی جانتا ہو۔ اسی طرح اَلَا تُعْجِبُہُمُ کے معنی ہیں مَن لَّیْسَ یَعْرِی وَارِثَ اَلْفَصْحَہِ بِالْعَرَبِیَّۃِ۔ وہ شخص جو عرب کے علاقہ کا نہ ہو اور خواہ وہ اپنی زبان خوب فصاحت سے بولتا ہو لیکن اس کو بھی انجھ ہی کہیں گے (اقرب)

سَلَّکُنْہُ: سَلَّکَ سے جمع ستکلم کا صیغہ ہے اور سَلَّکَ الشَّیْءَ فِی الشَّیْءِ کے معنی ہیں اَدْخَلْہُ فِیْہِ۔ کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کیا کَمَا سَلَّکَ الْبَیْءُ فِی الْجَبِیْبِ وَالْحَیْطُ فِی الْبُزْءِ۔ جیسے ہاتھ جب میں داخل کیا جاتا ہے یا دھاگہ سوئی میں۔ (اقرب) پس سَلَّکُنْہُ کے معنی ہونگے ہم نے اس کو داخل کیا۔

مُنْظَرُونَ: مُنْظَرٌ کی جمع ہے جو مُنْظَرٌ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور مُنْظَرٌ کے معنی ہیں اَصْطَلٰہُ اس کو مہلت دی (اقرب) پس مُنْظَرُونَ کے معنی ہونگے مہلت دیے ہوئے۔

تفسیر: اب فرماتا ہے کہ اگر ہم اس کلام کو کسی انجھی پر نقل کرتے اور وہ نہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پر ہر ہر کر سکتا تو یہ لوگ اس پر کبھی ایمان نہ لاتے

اَلَا تُعْجِبُونَ

سَلَّکُنْہُ

مُنْظَرُونَ

کہ گوئی شخص ہماری قوم کا ہے مگر دہا باہر ہے۔ اس نے ہم
اس کے حالات کو نہیں جانتے۔ اور یقین سے نہیں کہہ سکتے
کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا۔ لیکن اب تو تمہارے لئے انکار کی
کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ایک تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خود تمہاری قوم میں سے آئے ہیں اور دوسرے انہوں نے اپنے
بچپن اور جوانی کی عمر میں گزاری ہے اور تم لوگ ان کے
اخلاق سے اچھی طرح واقف ہو۔ اور تم خود اس بات کے
گواہ ہو کہ اُس نے مداقت کے خلاف کبھی کوئی قدم نہیں
اٹھایا۔ بلکہ اس کی مداقت اور دیانت کا یہ عالم ہے کہ
تم لوگ اسے اپنی قوم کا سرگ بڑا راستہ اور دیانتدار
انسان قرار دیتے رہے ہو۔ ایسے حالات میں تم اس کو
کس طرح جھوٹا قرار دے سکتے ہو۔ جبکہ اس کی مداقت
کے خارجی ثبوت بھی موجود ہیں اور پرانے اخبار کی پیشگوئیاں
بھی اس پر مصادق آ رہی ہیں۔ مگر چونکہ ان تمام شواہد کو
نظر انداز کرتے ہوئے اب عرب نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی نفی پر کربستہ ہو جانا تھا اس لئے فرمایا۔ كَذٰلِكَ
سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِحَقِّ
يَزُوْا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قوم کا انکار تیار ہے کہ یہ صرف پہلی امتوں کے نقش قدم
پر چل رہے ہیں۔ پہلی امتوں نے بھی موسیٰ اور ابراہیم اور
نوح اور ہود اور صالح اور لوط اور شعیب کے نشانات
دیکھنے کے باوجود اپنے خیالوں کا انکار کیا تھا۔ اسی طرح
یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ اور اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے
جب تک کہ وہ خدا کی عذاب کو نہیں دیکھ لیں گے۔ پھر بتایا کہ وہ
عذاب تو اگر بھیگا مگر تمہاری قوم بھٹکے ڈھمکے لے سٹھو گے
وہ اچانک آئیگا جیسا کہ قیر سے اللہ تعالیٰ کی سنت علی آ
ہی ہے اور اسی طرح پوشیدہ برہتے ہوئے آئیگا کہ ان کو
تہ نہیں لگیگا۔ چنانچہ دیکھو تو فتح مکہ کا واقعہ ایسا اچانک ہوا
کہ ابوسفیان جیسا جانبدار سردار بھی حیران رہ گیا اور

جب اُس نے کہہ کر اور گردنات کی تادیب میں دس ہزار
سپاہیوں کے خیموں کے سامنے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے
دیکھے تو گھبرا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ یہ کیا ہے
کیا آسمان سے اچانک کوئی لشکر اتر آیا ہے۔ کوئی نعرہ
کی کسی قوم کا اتنا بڑا لشکر نہیں ہو سکتا۔ اُس کے ساتھیوں
نے مختلف قبائل کے نام لینے شروع کر دیئے کہ شاید
فلان ہو مگر ابوسفیان ان کی ہر بات کو رد کرتا چلا گیا
اور کہنے لگا نہیں نہیں عرب کی کسی قوم کا لشکر بھی اتنا بڑا
نہیں۔ ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اسلامی گارڈ
جو پہرہ پر مقرر تھے پہنچ گئی اور انہوں نے ابوسفیان اور
اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا پھر دیکھو کس طرح قرآنی
پیشگوئی کے مطابق اس عذاب کو دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے
آئے جبکہ پہلے نبیوں کی قوموں میں سے اکثر ان پر ایمان نہیں
لائے اور اس طرح خدا نے اپنے عزیز اور رحیم مومنان کو توبہ دیا۔
پھر فرمایا ہے۔ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ۔
اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ۔ اَفَرَأَيْتَ اِنْ مَتَّعْنَاهُمْ
سِنِيْنَ۔ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوْا يُوعَدُوْنَ۔ مَا غَفَى
عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَمْتَعْثُوْنَ۔ یہ لوگ اپنی مجالس میں عذاب
آنے میں دیر لگنے کی وجہ سے کہتے ہیں کہ شاید ہمارا حال پہلی
امتوں جیسا نہیں ہوگا۔ شاید ہم کو دھیل دی جائیگی اور عذاب
جلدی نہیں آئیگا۔ فرمایا۔ اس کے بغیر تو یہ ہیں کہ یہ لوگ
اپنی ہنسی اور مسخرے سے ہمارے غضب کو بھڑکانا چاہتے ہیں اور
عذاب بہت جلدی لانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ اتنا تو سمجھیں کہ
اگر ہم کچھ مدت تک ان پر عذاب نہ بھی لائیں اور اسکے بعد
ان پر عذاب آجائے تو عذاب کے دفعہ کا درمیانی عرصہ
ان کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ فائدہ تو انہیں ہدایت
ہی پہنچ سکتا ہے مگر وہ ہدایت اختیار کرنے کی طرف کوئی
توجہ نہیں کر رہے۔

پھر فرمایا ہے۔ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِ اِلَّا لَهَا

وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۖ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا

لورشیطان (قرآن) کو لے کر نہیں اترے ۔ اور نہ یہ کام ان کے مطابق حال تھا اور نہ

يَسْتَطِيعُونَ ۖ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُونَ ۖ فَلَا

اس کی طاقت رکھتے تھے ۔ (یعنی کلام الہی کے) سننے سے دُور رکھتے گئے ہیں ۔ پس تو

تَدْعُمَعَ اللَّهُ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ ۖ

اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکار ۔ ورنہ تو مبتلائے عذاب لوگوں میں سے ہو جائیگا ۔ ۳۷

عذاب آجائے تو نصیحت حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں رہتا

۳۷ تفسیر :- ان آیات میں اللہ تعالیٰ

نے کفار کے ایک اعتراض کی تردید فرمائی ہے ۔ اُن کا

اعتراض یہ تھا کہ اس شخص کے ساتھ شیطان کا تعلق ہے

اور اُس کی طرف سے اُس پر کلام نازل ہوتا ہے ۔ چنانچہ

گو قرآن کریم نے اُن کے اس اعتراض کو الفاظ کی شکل میں

تعلیل نہیں کیا ۔ لیکن اس اعتراض کی طرف قرآن کریم مختلف

مقامات میں اشارات ضرور پائے جاتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ

سورہ تکویر میں فرماتا ہے وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ

ذکویرؑ یعنی اس رسول پر نازل ہونے والا کلام کسی

دھتکارے ہوئے شیطان کا قول نہیں ہے ۔ اسی طرح

زیر تفسیر آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا تَنْزَلَتْ

بِهِ الشَّيَاطِينُ ۔ شیطانوں نے اس کلام کو نہیں اتارا ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا

کہ اس پر شیطان نازل ہوتا ہے ۔ افسوس ہے کہ بعض

مسلمان مفسرین نے اس قول کو ادھر بھی پکار کر دیا اور کفار

کے ہاتھوں میں انہوں نے ایک خطرناک ہتھیار دے دیا

اور وہ اسی طرح کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کفار مکہ

کے صدار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور

انہوں نے کہا کہ آپ کے مننے والے تو ادنیٰ لوگ ہیں ۔ اگر

مُتَذَكِّرُونَ ۚ ذُكِرَٰهُ وَمَا كُنَّا مُخْلِصِينَ ۚ اِنْ لَّوْكَوْا اِتَّسَا

سوچنا چاہیے کہ کیا کبھی ایسا ہوا کہ ہم نے کسی بستی کو اتمام

حجت کے بغیر ہلاک کر دیا ہو ۔ ہر قوم پر حزب بھی عذاب آیا

تاریخی شہادت موجود ہے کہ اس سے پہلے ایک نبی آیا جس کی

بڑی غرض یہی تھی کہ انہیں سمجھائے اور بدلوں سے باز رہنے

کی نصیحت کرے ۔ اگر بغیر اس انداز کے ہم ان لوگوں پر عذاب

نازل کر دیتے ۔ تو ہم لوگوں کی نگاہ میں ظالم ٹھہرتے مگر ہم ایسے

نہیں ہیں ۔ اور ہر بغیر ہوشیار کرنے کے کسی قوم کو اپنے

عذاب سے ہلاک نہیں کیا کرتے ۔ پس ان لوگوں کو بھی سمجھ

لینا چاہیے کہ جب ان کی طرف ایک ہوشیار کرنے والا

انسان آگیا ہے تو اُس کے انکار پر عذاب بھی ضرور آئیگا

کیونکہ جس طرح ڈرانے والے کے بغیر عذاب نہیں آتا اسی

طرح ڈرانے والے کے بعد اُس کے انکار پر ضرور عذاب

آتا ہے کیونکہ اگر اُس وقت عذاب نہ آئے تو ڈرانے والا

مجبوراً قرار پاتا ہے ۔

ذخیر کہہ کر بتایا کہ ڈرانے والے کی اصل غرض

یہ ہوتی ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں ۔ یہ غرض نہیں ہوتی

کہ لوگ تباہ ہو جائیں ۔ اسی لئے ڈرانے والے کے بعد بھی

عذاب میں ڈھیل دی جاتی ہے ۔ تاکہ جو لوگ ایمان لاسکتے

ہوں وہ ایمان لے سکیں ۔ اگر کسی نبی کی بعثت کے مقابلہ

آپ دین میں کچھ نرمی کر دیں تو ہم لوگ بھی آپ کے پاس آکر بیٹھا کریں۔ اس طرح دوسرے لوگ بھی آپ کے پاس آئے گئے۔ اتنے میں آپ نماز پڑھنے لگے جب آپ نے یہ آیت پڑھی کہ اَفْشَوْفِیْمُ الْاِلٰتِ وَالتَّعْزٰی وَصَوۡۃُ الثَّلٰثَةِ الْاَخْوَی کہ تم بھی ذرا لات اور غری کا حال سناؤ اور میرے مٹاؤ کا بھی جو انکے علاوہ ہے۔ تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری کر دیئے کہ بَلٰکَ الْغَرٰیۡنِی الْغُلٰی وَ اِنَّ شَعَاۡعَتَہُنَّ لَتَرٰۡحِیۡ یعنی یہ لمبی گرہیں رکھنے والے بُت بڑی اعلیٰ شان کے مالک ہیں اور ان کی شفاعت کی یقینی طور پر امید کی جاسکتی ہے کفار نے یہ بات سنی تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ چنانچہ جب آپ نے سورہ فہم کی اور سجدہ کیا تو سب کفار نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ آپ نے دین میں نرمی کر دی ہے۔ اس روایت کو اتنے طریقوں سے بیان کیا گیا ہے کہ ان حجر جیسے آدمی بھی کہتے ہیں کہ اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔ میں اس وقت اس کی تاویل میں نہیں پڑتا۔ یونکہ اس پر تفصیلی بحث سورہ حج میں گذر چکی ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کیا واقعہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہوا۔ مجھے قاضی عیاض کا یہ قول بے انتہا پسند ہے کہ بعض محدثین کی قلم سے شیطان نے یہ حدیث نکلوا دی ہے گویا اگر شیطان کا تسلط تسلیم ہی کرنا ہے تو کیوں اس کا تسلط محدثین پر تسلیم کر لیا جائے۔ یہ تو قاضی عیاض کا جواب ہے۔ قرآنی جواب یہ ہے کہ بَلٰکَ الْغَرٰیۡنِی الْغُلٰی وَ اِنَّ شَعَاۡعَتَہُنَّ لَتَرٰۡحِیۡ کا فقرہ جہن جہاں بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے معانی یہ آیت آتی ہے کہ اَحْکُمُ اللّٰہُ کَرِّ وَ کَلَّہُ الْاُنْثٰی بَلٰکَ اِذَا قِیْمَۃُ ضِیْرَہِ اِنَّ حٰجِی الْاَسْمَآءِ سَمِیۡتُمُوہَا اَنْتُمْ وَ اَنَا وَ کُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰہُ یَحٰجِیۡنَ سُلْطٰنِی (سورہ نجم ۷) یعنی کیا نہیں تو اپنے لئے بیٹے پسند ہیں اور خدا تعالیٰ کے لئے تم کر دیاں

تجویز کر رہے ہو۔ یہ تقسیم تو نہایت ہی ناقص اور ظالمانہ تقسیم ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف چند نام ہیں جو تم نے اہم ہمارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے ان تہوں کی تائید کے لئے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ آپ بتاؤ کہ کیا اس فرضی کلام کے بعد جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کوئی شخص ان آیتوں کو سنکر یہ خیال بھی کر سکتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عقائد میں نرمی اختیار کر لی ہے اور اس پر کوئی بے وقوف سے بے وقوف مشرک بھی سجدہ کر سکتا تھا۔ پس یہ آیات ہی بتا رہی ہیں کہ ان میں فقرے داخل ہی نہیں ہو سکتے تھے جو تہوں کی تعریف میں بیان کئے جاتے ہیں۔ آخر کفار عربی تو جانتے تھے۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس سورہ کے تو لفظ لفظ میں مشرک کی مذمت کی گئی ہے پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے دینی عقائد میں نرمی اختیار کر لی ہے۔ یہی مضمون زیر تفسیر آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کا یہ الزام کہ اس شخص پر شیطان کلام نازل کرتا ہے درست نہیں کیونکہ (الف) اس شخص کا اپنا چال چلن ایسا اعلیٰ اور پاکیزہ ہے کہ ایسے آدمیوں کا شیطان سے کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ (ب) پھر جو تعلیم اس پر نازل ہوئی ہے وہ ایسی مطہر اور پاک ہے کہ ناپاک شیطان اس تعلیم کو آباد ہی نہیں سکتا۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ شیطان خود اپنے خلاف تعلیم آتا ہے۔ پھر جبکہ اس کلام میں شیطان کے خلاف تعلیم ہے۔ تو یہ کلام اس کی طرف سے کیسے نازل ہو سکتا ہے (ج) اس کتاب میں آسمانی علوم ہیں اور اس میں شیطانی کلام کا اس قدر رد ہے کہ اگر شیطان یا اس کے ساتھی اس میں کچھ ملانا بھی چاہیں تو نہیں ملا سکتے کیونکہ کہیں کوئی عبارت ٹھیک ہی نہیں سکتی اور پھر وہ آسمانی کلام

آسمانی نشان طلب کرنے لگے۔ مگر اس نے ان کے خیالات کو جان کر ان سے کہا جس سلطنت میں بچوٹ پڑے وہ دیران ہو جاتی ہے اور جس گھر میں بچوٹ پڑے وہ برباد ہو جاتا ہے اور اگر شیطان بھی اپنا مخالفت ہو جائے تو اس کی سلطنت کی طرح قائم رہے گی کیونکہ تم میری بات کہتے ہو کہ یہ بدرجوں کو بلبرنوں کی عود سے نکالتا ہے۔“

(تو باب ۱۱ آیت ۱۳ تا ۱۸)

اسی طرح سنی میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے ان سے کہا :-

”اگر شیطان ہی نے شیطان کو نکالا تو وہ آپ اپنا مخالفت ہو گیا۔ پھر اس کی بادشاہی کس طرح قائم رہے گی۔“

(صحیح باب ۱۲ آیت ۲۶)

قرآن کریم بھی یہی دلیل مخالفوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور انہیں توجہ دلاتا ہے کہ اگر تمہارا یہ اعتراض صحیح ہو کہ شیطان نے یہ کلام نازل کیا ہے تو اس کے مننے یہ ہونے کہ شیطان نے اپنا بیڑہ آپ غرق کر لیا۔ کیونکہ اس کتاب کے لفظ لفظ میں شیطان کو دھتکارا گیا ہے اور اس کی ایک ایک تعلیم میں اس پر پھٹکار ڈالی گئی ہے۔ اب یہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ شیطان نے خود اپنے خلاف اتنا برا مواد فراہم کر دیا۔ یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح دَمَا سْتَطِيعُونَ میں جو دلیل استعمال کی گئی ہے کہ اس قرآن میں تو غیب کی خبریں ہیں اور غیب کی خبریں بیان کرنا شیطان کے اقتدار سے باہر ہے۔ ایسے بھی انجیل میں استعمال کیا گیا ہے اور حضرت مسیح نے واضح کیا ہے کہ علم غیب صرف خدا تعالیٰ کو حاصل ہے اور شیاطین تو الگ وہ فرشتے بھی ان کے رازوں کا گاہ نہیں

کے بیان کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے کیونکہ اِنَّهُمْ عَنْ السَّمْعِ لَمَخْرُؤُونَ خدا تعالیٰ نے انہیں آسمان کی باتیں سننے سے محروم کیا ہوا ہے گویا آسمان پر جا کر باتیں سنا تو الگ رہا دامن تک کسی کے جانے کی طاقت بھی قرآن کریم نے تسلیم نہیں کی مگر عجیب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیطان آسمان پر جاتا ہے اور وہ ملاوعلیٰ اور جبریلؑ اور مرسل کی باتوں کو سنکر زمین پر آ جاتا ہے اور پھر وہ اپنے چیلے چانٹوں کو وہ خبریں بتاتا پھر تا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ شیطان آسمانی کلام سننے کی طاقت نہیں رکھتا۔ خدا تو خدا ہے۔ اس دنیا کے معمولی معمولی بادشاہوں کے پاس بھٹکنے کی بھی لوگوں کی طاقت نہیں ہوتی اور وہ ان کے قریب جانے سے لڑتے اور گھبراتے ہیں۔ پھر یکس طرح ہو سکتا ہے کہ زمین و آسمان کے خدا کے راز شیطان اُچک کرے اُٹے۔ اور وہ انہیں بگاڑ کر دنیا میں پھیلا نا شروع کر دے۔ غرض قرآن کریم کفار کے اس الزام کی تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ شیاطین نے اس کلام کو نازل نہیں کیا اور یہ کام نہ ان کے مناسب حال تھا اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے تھے۔ یعنی قرآن کریم میں تو وہ وہ نصیحتیں ہیں جو شیطان تعلیموں کے بالکل خلاف ہیں۔ پھر کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ شیطان نے خود اپنے خلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تعلیم نازل کر دی۔ یہ دلیل حضرت مسیح نے بھی انجیل میں استعمال کی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ :-

پھر وہ ایک گونگی بد مدح کو نکال دیا تھا۔ اور جب بد روح نکل گئی تو ایسا ہوا کہ گونگا بولا اور لوگوں نے تعجب کیا میں ان میں سے بعض نے کہا۔ یہ تو بدرجوں کے مردار بلبرنوں کی مار سے بدرجوں کو نکالتا ہے۔ بعض اور لوگ ان نفس کے لئے اس سے

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۖ وَ اخْفِضْ

اور تو (سب سے پہلے) اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا۔ اور جو تیرے پاس

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَإِنْ

مومن ہو کر آئیں اُن کے لئے محبت کے بازو جھکا دے پھر اگر

عَصَوَكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۚ

وہ تیری نافرمانی کر میں تو کہہ دے کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحِيمِ ۚ الَّذِي يَرْفَعُ

اور غالب ادا بار بار کرم کرنے والی ہستی پر توکل کر۔ جو تجھے اُس وقت بھی دیکھتا ہے۔

انہار اور شیا میں کائناتی علوم کے بیان کرنے کی طاقت
ہی نہ رکھتا بتا رہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر جو یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ آپ کے ساتھ شیطان
کا تعلق ہے اور اُس نے آپ پر یہ کلام نازل کر دیا ہے
سر اسر غلط اعتراض ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا شیطان سے نہیں بلکہ خدا سے تعلق ہے اور اسی نے
آپ پر یہ کلام نازل فرمایا ہے

پھر فرماتا ہے فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا
آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُضَعِفِينَ۔ اے مسلمان! تو
خدا کے سوا کسی معبودت دعا نہ کر۔ کیونکہ نہرت صحیحہ کے
راز صرف خدا سے مل سکتے ہیں۔ اور کوئی غیر اللہ اس
میں تیری مدد نہیں کر سکتا۔ اگر تو نہرت صحیحہ کے راز
معلوم کرنے کے لئے غیر اللہ کی طرف جائے گا تو
فَتَكُونَ مِنَ الْمُضَعِفِينَ اُس کی طرف جو تعظیم
تجھے ملے گی۔ اُس کے نتیجہ میں تو دکھ ہی دکھ اٹھائے گا
کیونکہ تجھے نصیب نہ ہوگا۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت یحییٰ نے جب اپنی آمدنی کی
مطلبات بتائیں تو اُس کے ساتھ ہی آپ نے اس امر کی بھی
وضاحت فرمادی کہ گو میری یہ باتیں سمجھی نہیں گئیں گی
” لیکن اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت

کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے۔ نہ

بیٹا۔ مگر صرف باپ جیسا نوح کے دنوں

میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کے آنے کے وقت

ہوگا۔ کیونکہ جس طرح ہوفان کے پہلے سے

دنوں میں لوگ کھاتے پیتے اور بیاہ شادی

کرتے تھے اُس دن تک کہ نوح کشتی میں

داخل ہوا۔ اور جب تک ہوفان آکر اُن سب

کو یہاں سے لے گیا اُن کو خبر نہ ہوئی اسی طرح

ابن آدم کا آنا ہوگا۔ “

(تو باب ۲۴ آیت ۲۶ تا ۴۰)

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور
بے عیب زندگی اور آپ کی تعلیم کا پاک اور مطہر ہونا اور
پھر قرآن کریم میں آسمانی علوم اور غیب کی خبروں کا بکثرت

قوم کی ہا۔ سے انہیں یہ ٹوس ملا تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا۔ اے میرے بیٹے میری قوم آج کہہ رہی ہے کہ اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتا تو پھر ہم بھی تجھ کو چھوڑ دیں گے۔ اس وقت یہ خیال کر کے کہ ساری عمر میں نے اپنی قوم کی خدمت میں لگا دی تھی مگر آج بڑھاپے میں اگر وہی قوم مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئی ہے حضرت ابوطالب پر رقت طاری ہوئی اور انکی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ دیکھ کر کہ میرے چچا باوجود اس کے کہ مسلمان نہیں ہمیشہ میری خدمت کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ انہوں نے میری تائید کی ہے اور اب میری خدمت اور میری تائید کی وجہ سے ان کی ایک ہی قیمتی دولت جو ان کے پاس تھی یعنی قوم میں عزت وہ کھوئی جانے لگی ہے وقت طاری ہو گئی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اے چچا جو پیغام میں لایا ہوں وہ خدا نے میرے سر پر کیا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی کے کہنے پر میں اسے چھوڑ دوں۔ اے میرے چچا! میں جانتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔ لیکن میں اپنی قوم کی خاطر یہ نہیں کہہ سکتا کہ خدا ایک نہیں۔ اگر میری قوم سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں بھی لاکر کھڑا کر دے اور اتنا بڑا نشان دکھائے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی اور پھر کہے کہ اب بھی یہ مان جاؤ کہ دنیا کا پیدا کرنے والا خدا ایک نہیں تب بھی میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اے میرے چچا! میں آپ سے بھی یہ امید نہیں کرتا کہ آپ میری خاطر اتنی بڑی قربانی کریں۔ آپ نے جو خدمت کی ہے۔ میں اس کا ممنون ہوں۔ لیکن آئندہ کے لئے میں یہ بوجھ آپ پر ڈالنا نہیں چاہتا۔ آپ بیشک میرا بھتیجا ہیں اور اپنی قوم سے کہہ دیں کہ میں نے اپنے بھتیجے کو چھوڑ

دیا ہے اور اب میں تمہارے ساتھ ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور یقین کے ساتھ یہ حیرت انگیز محبت ایک طرف تھی اور دوسری طرف وہ محبت کھڑی دیکھ رہی تھی جو ابوطالب کو اپنے بھتیجے کے ساتھ تھی۔ ابوطالب اس وقت ان دو محبتوں کے درمیان آگئے۔ یوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے بھتیجے تھے مگر ابوطالب نے اپنے بیٹوں سے بڑھ کر آپ سے محبت کی اور اپنے بیٹوں سے زیادہ آپ کی خبر گیری کی۔ پس ایک طرف وہ محبت کھڑی تھی جو ابوطالب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور دوسری طرف بھتیجے کا یہ یقین اور ایمان تھا کہ میں نے جس صداقت کو قبول کیا ہے میں اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ ان کی ایک آنکھ کے سامنے ایک وقت یہ دو محبتیں آکر کھڑی ہو گئیں اور دوسری آنکھ کے سامنے اپنے باپ عبدالمطلب کی روح آکر کھڑی ہو گئی جنہوں نے مرتے وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ابوطالب کے ہاتھ میں پرستے ہوئے دیا تھا کہ ابوطالب اس کا باپ فوت ہو گیا ہے اس کی ماں بھی فوت ہو گئی ہے میں نے اس کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھ کر پالا ہے۔ اب میں مرنے لگا ہوں اور مجھ کو تجھ پر یہ اعتبار ہے کہ تو اس کام میں سستی اور کوتاہی نہیں کرے گا میں اپنی سب سے زیادہ قیمتی امانت تیرے سپرد کرتا ہوں غرض باپ کی روح ایک طرف کھڑی تھی اور صداقت کے ذوالی اور سچائی پر جان دینے والے بھتیجے کی روح دوسری طرف کھڑی تھی مگر باوجود اسلام نہ لانے کے ابوطالب ان دو محبتوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے میرے بیٹے! جاؤ! اور جس چیز کو سچی سمجھتے ہو بھٹائیو۔ قوم کا مذہب تو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن میری خاطر اگر تو مجھے چھوڑ

کوئے کوئے کے لوگوں کو ڈرا۔ لیکن پہلے اپنے عزیزوں کو ڈرا۔ اس لئے کہ ان کا بھہرہ دوسرا حق ہے۔ ایک حق تو یہ ہے کہ باقی دنیا کی طرح یہ بھی تباہ ہو رہے ہیں اور ایک حق یہ کہ یہ تیرے رشتہ دار ہیں اور ان کے باپ داداؤں نے تیرے ساتھ کبھی جس سوک کیا تھا۔ انگریزی میں بھی مثل مشہور ہے کہ

CHARITY BEGINS AT HOME

یعنی صدقہ و خیرات پہلے گھر سے شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی ہمیشہ گھر سے ہی شروع ہونا چاہیے۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی اس طرح تعمیل کی کہ آپ مکہ کے دستور کے مطابق کوہ صفا پر کھڑے ہو گئے اور آپ نے مختلف قبائل کو نام لے لے کر بلانا شروع کیا۔ پہلے آپ نے آل غالب کو بلایا اور وہ مسجد حرام سے نکل کر کوہ صفا کے دامن میں آ گئے۔ اُوقت ابولہب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آل غالب تو آتے ہیں آپ نے جو کچھ کہنا ہے کہہ لیں مگر آپ نے ابولہب کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور لوئی قبیلہ کے افراد کو آپ نے آواز دی۔ وہ پہنچ گئے تو ابولہب نے پھر کہا کہ اب تو لوئی قبیلہ بھی آ گیا ہے اب تو آپ بتائیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اس کی بات کو درخور اعتنا نہ کیا اور آل مرہ کو آواز دی۔ چنانچہ وہ بھی آ گئے۔ پھر آپ نے آل کلاب اور آل قحطی کو بلایا۔ یہاں تک کہ سب لوگ جمع ہو گئے اور جو لوگ خود نہ آ سکے انہوں نے اپنا ایلچی بھیج دیا تاکہ وہ معلوم کر کے انہیں اطلاع دے کہ آج انہیں کس غرض کے لئے جمع کیا گیا ہے۔ جب مکہ کے تمام قبائل قریش سمیت جمع ہو گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب شروع کیا اور فرمایا۔ دیکھو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس مہاد کے مجھے ایک بہت بُرا نذر جمع ہے جو نہ پرچہ نہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری

تو میں تیرے لئے یہ قربانی بھی کروں گا۔ اور ہمیشہ تیرا ساتھ دوں گا۔ تب قوم نے یہ فیصلہ کیا کہ جو ہاشم کا مقاطعہ کیا جائے اس اعلان پر جو ہاشم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر ایک وادی میں جو ابوطالب کی ملکیت میں تھی چلے گئے۔ وادی سے مُراد کوئی سبز و شاداب علاقہ یا وسیع زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ مکہ میں بے پانی اور بے سبزی کے وادیاں ہوا کرتی ہیں گویا بے آب و گیاہ زمین کے کچھ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں کوئی کوئی بھاری بھی پائی جاتی ہے جس میں اذیت وغیرہ چر لیتے ہیں اس لئے انہیں وادی کہہ دیا جاتا ہے۔ مکہ کے پاس ایک ایسی ہی وادی ابوطالب کی تھی۔ ابوطالب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر دارُ اُن جنہد سلاؤن کو لے کر جو اس وقت مکہ میں تھے اُن وادی میں چلے گئے۔ جب وہ اس وادی میں گئے تو وہ ہاشمی دشمن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موہبہ پر بعض دفعہ گالیاں دیا کرتے تھے وہ ہاشمی دشمن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکنے میں خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ وہ ہاشمی دشمن جو ابوجہل کو اُکسا اُکسا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچایا کرتے تھے وہ بھی تو ہی مصیبت اور رشتہ داری کی دجر سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر اس وادی میں محصور ہو گئے۔ اور ان سب سے کہا کہ ہم اپنے رشتہ داروں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

تو رشتہ داری بڑا بھاری اثر رکھتی ہے۔ اور فونی تعلق کبھی کبھی ایسی قربانیاں بھی کروا لیتا ہے جو دوسرے حالات میں ناممکن نظر آتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔ اَشِدَّازُ عَتِیْقَةٍ تَلٰکَ الْاَقْرَبٰیْنَ۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا کے

اس بات کو مانو گے یا نہیں۔ انہوں نے کہا۔ کیوں نہیں ہم آپ کی بات ضرور مانیں گے کیونکہ ہم نے ہمیشہ آپ کو راستہ باز پایا ہے۔ مکہ کے حالات سے باخبر لوگ جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطالبہ درحقیقت ایسا ہی تھا جیسے کسی ناممکن چیز کو ممکن تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا جائے کیونکہ مکہ کے لوگوں کے جانور وادی میں چرا کرتے تھے اور وہ ایسا علاقہ ہے کہ اس میں کسی شکر کا چھپ رہنا ناممکنات میں سے ہے۔ مگر ان لوگوں پر آپ کی راستبازی کا اس قدر اثر تھا کہ انہوں نے کہا۔ خواہ ہمدانی انھیں اس بات کو تسلیم نہ کریں ہم آپ کی بات کو ضرور مانیں گے کیونکہ آپ کی راستبازی ہمارے نزدیک مسلم ہے۔ جب انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متفق یک زبان ہو کر اپنے اس یقین اور اعتقاد کا اظہار کیا۔ تو آپ نے فرمایا لو سنو! میں تمہیں ایک اہم خبر سناتا ہوں۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے جس میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب محفوظ رہنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ ابولہب جو جس سے کہنے لگا کہ نَبَا لَكَ سَائِرُ الْاَيَّامِ اَبْهَذَا جَمْعًا یعنی نواز باللہ تجھ پر پاکت ہو۔ اتنی سی بات کیسے تو نے نہیں اٹھا کیا تھا۔ اور اسی طرح دوسرے لوگ ہنسی مذاق کرتے اور مسخر اڑاتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی مخالفت اور مسخر اور استہزاء کے باوجود اساعت توحید کے کام

کو جاری رکھا اور متواتر لوگوں کو پیغام حق پہنچاتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایسے لوگ پیدا کر دیئے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کیلئے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان پر کچھ نہ کچھ میدان کی کے اوقات بھی آتے ہیں۔ اور جب کسی پر میدان کی گھڑی آتی ہے اور اس کے دل کی گھڑی کھلتی ہے تو وہ سچی کو قبول کر لیتا ہے۔ آخر وہ لوگ بھی تھے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے دن ایمان لائے۔ جیسے حضرت ابو بکرؓ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ۔ اور وہ لوگ بھی تھے جو آپ پر کئی سال بعد ایمان لائے۔ جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ وغیرہ بیشک خالد بن ولیدؓ میں پہلے سال بھی عقل موجود تھی۔ لیکن فرق یہ تھا کہ پہلے سال ان کے دل کی گھڑی نہیں کھلی تھی۔ حضرت عمر بن العاصؓ میں بھی عقل موجود تھی جو انہیں پہلے سال مسلمان بنا سکتی تھی لیکن ان کے دل کی گھڑی بھی نہیں کھلی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کی گھڑیاں کھلی تھیں۔ اسلئے وہ پہلے دن ہی ایمان لے آئے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہوں تو میں سب نے اسناد صدقہا کہا۔ لیکن کچھ لوگوں کی گھڑیاں ایک سال بعد کھلیں کچھ لوگوں کی گھڑیاں دو سال بعد کھلیں کچھ لوگوں کی گھڑیاں چار سال بعد کھلیں اور بعض لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ایمان لائے۔ پس گھڑی کھلنے کی بات ہے درحقیقت کبھی اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

میں دیکھا جو کہ ہمدانی جماعت کے دوستوں میں یہ لغزوری پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے دستہ داروں کو

نے بخاری کتاب التفسیر زیر آیت: وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ
تفسیر رازی زیر آیت: تَبَيَّنَتْ يَدَايَیْ لَهَا نَبَا
تفسیر روح المعانی زیر آیت: مَا فِي يَدَايَیْ

تبلیغ نہیں کرتے اور ان پر اتنا دباؤ نہیں ڈالتے جتنا ڈالنا چاہیے۔ یعنی نے ایک خاص طور پر زور دیا اور بعض احمدیوں نے ایسا کیا تو اس کا نمایاں اثر ہوا۔ چنانچہ ایک احمدی دوست نے بتایا کہ میں ایک دن اپنے ایک رشتہ دار کے گھر میں بیٹھ گیا اور اسے کہہ دیا کہ یا تو تم مجھے اپنا ہم خیال بنا لو اور یا تم احمدی بن جاؤ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے دلائل چونکہ معقول تھے وہ امپائر کر گئے اور وہ احمدی ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جس سمجھا جے کہ ہم غلطی پر ہیں تو جس اُس کی بات ماننے میں کوئی حرج نہیں لیکن انہوں نے تو یہ ہے کہ جماعت کے دوست دلیری سے کام نہیں لیتے۔ آخر یہ صاف بات ہے کہ جس کی دلیل بختہ ہوگی وہ یقیناً دوسرے شخص کو اپنی طرف مائل کر لیگا۔ پس اگر لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں کے پاس جائیں تو یقیناً لاکھوں لاکھ لوگ احمدیت کی طرف متوجہ ہو جائیں گے آگے بھڑانے کے رشتہ دار ہونگے جنہیں وہ تبلیغ کریں گے اور اس طرح یہ سلسلہ اتنا غیر معمولی وسیع ہو سکتا ہے کہ ہمارا احساس اور اندازہ سے بھی بالا ہو سکتا ہے۔ آخر غور کرو کہ کیا صحابہؓ نے تبلیغ کی تھی یا نہیں۔ مگر کیا صحابہؓ کے پاس پولیس ہوا کرتے تھے کیا ان کے ہاں کتے ہیں چھپا کرتے تھے۔ کیا وہ تنخواہ دار مہینہ دکھا کرتے تھے۔ کیا ان کے ہاں جلے ہوئے کرتے تھے؟ ان سے کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف یہی ہوتا تھا کہ بھائی اپنی بہن کو ملنے گیا۔ تو وہ پوچھتی کہ بھائی! تم نے اپنے باپ دادے کے مذہب کو کیوں چھوڑ دیا ہے وہ جواب دیتا کہ میں تو اپنے باپ دادا کی عزت کرتا ہوں۔ لیکن تمہوں کو خدا کا شریک بنالینا بڑی بھاری غلطی ہے۔ بت نہیں کیا دے سکتے ہیں۔ دینے والا تو صرف خدا ہے۔ اس طرح وہ تو حید کا سبق سکھاتا اور پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو دوسرا شخص بھی مان لیتا۔ نہ کوئی تقریریں کرتا تھا نہ لکھتا

شائع کرتا تھا نہ جیسے منعقد کرتا تھا خود رشتہ داروں سے میل جول اور ملاقات کے ذریعہ ہی سلسلہ وسیع ہوتا چلا جاتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے جماعت میں سے بعض نے اپنے رشتہ داروں کو تبلیغ کرنی چھوڑ دی ہے اور اپنے تعلقات ایسے محدود کر لئے ہیں کہ گویا ■ اپنے رشتہ داروں سے بالکل کٹ چکے ہیں۔ حالانکہ مذہب اور اخلاق اور شرفاء ان کا فرض تھا کہ وہ بار بار اپنے رشتہ داروں سے ملنے اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے مگر ادھر وہ احمدی ہوتے ہیں اور ادھر اپنے رشتہ داروں سے بچنا شروع کر دیتے ہیں۔ تم اپنے آپ کو اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہو۔ تمہارے پاس ایمان ہے تمہارے پاس زندہ صداقت ہے تمہارے پاس تازہ معجزات اور نشانات ہیں۔ تمہارے پاس خدائی تائید کے نشانات ہیں۔ تمہارے اندر تو اتنی دلیری ہونی چاہیے کہ اگر تمہارا کوئی چچا ایسا ہے جس سے تم سال بسال ملے نہیں ملے۔ تو احمدی ہونے کے فوراً بعد اُس کے پاس جاؤ اس سے اپنے تعلقات بڑھاؤ اور اُس سے اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم اپنے رشتہ داروں کو تبلیغ کرنا شروع کر دو تو میں سمجھتا ہوں کہ پچاس لاکھ احمدیوں کا رشتہ دار اس ملک میں موجود ہو گا۔ پس ہمیں غیروں کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں تم اپنے پچاس لاکھ رشتہ داروں کے پاس جاؤ اور حق ان پر واضح کر دو یہی کام اتنا بڑا ہے کہ ایک نیسے عرصہ تک ہمیں اسی کام سے فرصت نہیں مل سکتی۔ اور جب تم ان پچاس لاکھ کو احمدی بنا لو گے تو ان پچاس لاکھ سے دو کروڑ اور رشتہ دار مل گئے جن کو سمجھانے کے لئے پھر ہمیں ایک لمبی جدوجہد کی ضرورت ہوگی پس تم تبلیغ کا وہ طریق اختیار کرو جو قرآن کریم نے اس آیت میں بنایا ہے۔ جب تم اپنے

رشتہ داروں سے ملو گے اور انکی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرو گے تو تم دیکھو گے کہ ان میرے ہزاروں بڑا سعید رو ہیں احمدیت کو قبول کرنے کیلئے دوڑتی چلی آئیں گی اور اگر احمدیت قبول نہیں کریں گی تو کم از کم سلسلہ پر اعتراض کی آئندہ انہیں جرأت نہیں ہو گی۔

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ جب میں حج کیلئے گیا تو میں مصر کے راستہ گیا تھا۔ اصل میں میری سکیم یہ تھی کہ میں مصر میں عربی تعلیم حاصل کروں گا اور اگلے سال حج کروں گا مگر اتفاقاً قاہرہ جانے سے پہلے میں پورٹ سعید میں پھیر گیا۔ اسی رات میں نے رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم نے حج کرنا ہے تو سب سے پہلے جہاز میں چلے جاؤ۔ چنانچہ میں نے اسی وقت پتہ لیا اور تین چار دن کے بعد جو جہاز جانے والا تھا اس میں حج کے لئے سوار ہو گیا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مصر کے لوگ ایک دو سال تک حج کے لئے نہ جاسکے۔ اس سفر میں میرے ساتھ دو مسلمان اور ایک ہندو برہمن بھی تھے۔ ان کو کسی طرح پتہ لگ گیا کہ میں احمدی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے میرے ساتھ بحث شروع کر دی۔ مگر میں نے انہیں یہ پتہ نہ لگنے دیا کہ میں بانے سلسلہ احمدیہ کا لڑکا ہوں۔ آخر بڑھتے بڑھتے انہوں نے نہایت نامناسبہ اعتراضات شروع کر دیئے۔ میں پھر بھی دلیل کے ساتھ انکے اعتراضات کو دور کرتا رہا۔ گیارہ دن میں ہم پورٹ سعید پہنچے۔ ہم نے اپنا بھاری سامان پورٹ سعید میں رکھوا دیا جب میں گودام سے اپنا ٹرانک نکلا کر باہر نکلا۔ تو اتفاقاً میرے ٹرانک پر کسی نے مرزا بشیر الدین محمود احمد

SON OF THE FOUNDER OF THE
AHMADIYYA MOVEMENT

لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی ٹرھی

سے اتر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ وہ تینوں سرپٹ ڈٹے میری طرف چلے آ رہے ہیں۔ میں نے کہا کیا بات ہے کہنے لگے۔ معاف کیجئے ہم نے بڑی میوقوفی کی۔ میں نے کہا اہی ہوا۔ کہنے لگے ہم آپ سے بڑی سناخی سے بات کرتے رہے۔ اگر ہمیں پتہ لگ جاتا کہ آپ بانی سلسلہ احمدیہ کے فرزند ہیں تو ہم اپنے خیالات کے اظہار میں یہ ناشائستہ طریق کبھی اختیار نہ کرتے۔ میں نے کہا آپ جسمانی تعلق کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور میرے نزدیک روحانی تعلق زیادہ اہم ہوتا ہے۔ بہر حال میں نے اس کا اظہار اس لئے نہیں ہونے دیا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کے دل میں جو اعتراضات ہیں وہ سامنے آجائیں۔ تو جب مذہبی بات حیت کی جائے دوسرا شخص بعض دفعہ غصہ بھی نکال لیتا ہے۔ برا بھلا بھی کہہ لیتا ہے۔ لیکن اگر دل میں خشیت پیدا ہو جائے تو پھر وہ معذرت بھی کرنے لگتا ہے۔ ہم نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو سلسلہ کو شدید گالیاں دیا کرتے تھے۔ مگر پھر وہ اخلاص کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہوئے اور انہوں نے اپنے تعلقات کو آخر تک بڑی وفاداری سے نبھایا۔ تاریخوں میں آتا ہے حضرت عمر بن العاص جب وفات پانے لگے تو انتہائی کرب کی حالت میں روئے لگ گئے۔ ان کے روتے نے انہیں کہا کہ آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام کی خدمت کی بڑی توفیق بخشی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہتر جزا دے گا۔ انہوں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ مجھ پر دوزخ لگنے لگا ہے۔ ایک زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا آسا بعض میرے دل میں پناہ جاتا تھا کہ میں نے انتہائی نفرت کی وجہ سے کبھی آنکھ اٹھا کر آپ کی شکل نہیں دیکھی۔ پھر خدا نے مجھے ہدایت دی اور میرے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی محبت

پیدا ہوئی کہ فرط محبت اور عشق کی وجہ سے مجھے کبھی حیرت نہیں ہوئی کہ میں آنکھ اٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ سکوں۔ چنانچہ اب اگر مجھ سے کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علیہ پوچھے تو میں بتا نہیں سکتا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد ہم سے کئی غلطیاں ہوئیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اُن غلطیوں کا خدا تعالیٰ کو کیا جواب دہنگا؟ تو دیکھو ایک ایسا شخص جس کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا بغض تھا کہ وہ آنکھ اٹھا کر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھتا تھا، ایک دن اُس کے دل میں اتنا عشق پیدا ہو گیا کہ پھر اس عشق کی وجہ سے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکا۔ سرسری طور پر تو انہوں نے آپ کو دیکھا ہوگا۔ لیکن پوری شکل دیکھنے کی انہیں ہمت نہیں پڑی۔ پس لوگوں کی ہدایت سے یوں مت ہو۔ اور اس غرض کے لئے میرے پہلے اپنے رشتہ داروں کے پاس جاؤ۔ تمہارے اپنے بھائی بہنیں سارے خسر اور دوسرے رشتہ دار موجود ہیں۔ تم اُن کے پاس جاؤ اور اُن سے اپنے تعلقات کو وسیع کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ کس طرح خدا تعالیٰ تمہاری تبلیغ میں برکت پیدا کر دیتا ہے۔

مجھے یاد ہے میں چھوٹا تھا اور اپنے ایک رشتہ کی نانی کے ہاں دہلی میں ٹھہرا ہوا تھا کہ اُن کے ایک بھائی حیدر آباد دکن سے اُن کے ملنے کے لئے آئے۔ انہوں نے ایک دن مجھے بلایا اور کہا۔ میاں تمہارا اور دوسرے مسلمانوں کا آپس میں کس بات پر اختلاف ہے۔ میں اُس وقت زیادہ علمی باتیں تو جانتا نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور دوسرے مسلمان کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں۔۔۔ اس طرح کہتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ میں۔۔۔ اس پر

قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی یا عیسیٰ ابی متوکلنا وراعتنا ابی وملتہمک من الذین حکموا و جاعل الذین اشعوک فوق الذین کفرؤا الی یوم القیامۃ۔ میں نے کہا دیکھیے اس میں صاف لکھا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دے دنگا اور پھر تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ پس وفات پہلے ہے اور رفع بعد میں۔ اس پر باوجود اس کے کہ وہ ستر سال کے بڑے تھے۔ کہنے لگے تمہاری باتیں تو سب معقول ہیں۔ پھر مولوی کیوں مئی نفرت کرتے ہیں۔ ہمدانی نانی بڑی متعصب تھیں وہ عقیدہ سے کہنے لگیں کہ اگے ہی لڑکے کا دماغ خراب ہے اور اب تم اس کو اور خراب کر رہے ہو۔ اب دیکھو وہ حیدر آباد دکن سے اپنی بہن کو ملنے آئے تھے اور میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ مگر محض اس وجہ سے کہ میں اُن کی بہن کا نواسہ بلکہ پرنواسہ تھا انہوں نے مجھ سے بات پوچھ لی۔ اگر ایک چھوٹے بچے سے بات پوچھی جاسکتی ہے تو اپنے جوان اور بالغ داماد سے اپنے خسر سے۔ اپنی ساس سے۔ اپنے چچا اور ماموں سے کیوں دریافت نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب تم سے کوئی بات دریافت کر لیں تو اُن کی مثال اس شخص کی سی ہو جائیگی جو کبیل کو تو چھوڑنا چاہتا تھا۔ مگر کبیل اُسے نہیں چھوڑتا تھا۔

کہتے ہیں۔ کسی نہ کے کنارے دو شخص جا رہے تھے سر دی کا موسم تھا کہ ایک شخص نہیں کھل تیرتے دیکھا۔ وہ دراصل دیکھ رہا تھا کہ اُس نے غلطی سے اُسے نبل سمجھ لیا اُس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں نہر سے کبیل نکالوں تو تمہارا ٹھہرہ۔ جب وہ نہر میں کودا اور اُس نے کبیل پکڑنا چاہا۔ تو اُس کی دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ یہ کبیل ہے جو سر دی کی وجہ سے سڑے ہوئے تھے کھل گئے اور اُس نے اُس کی کوئی نہ کیا۔ اب با۔۔۔ دے۔۔۔ اور میں

ہی شروع کیں کہ عہدی باہر نکلو سفر خواب ہو رہا ہے۔ اگر کبیل
ہاتھ نہیں آتا تو اسے چھوڑ دو۔ اور باہر آ جاؤ۔ وہ کہنے لگا
کہ نہیں تو کبیل کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوں مگر کبیل مجھے نہیں
چھوڑتا۔ اسی طرح پہلے وہ تم سے پوچھنے کے بتائے۔
آپ کے کیا اعتقادات ہیں مگر اس کے بعد تہا سے لئے
تبلیغ کا ایسا راستہ کھل جائیگا کہ جس پر نہ شرعی طور پر
کوئی اعتراض ہوگا اور نہ قانونی طور پر کوئی اعتراض ہو
سکتا ہے جب وہ آپ سوال کرینگے تو کونسا مولوی انہیں
کہہ سکتا ہے کہ ان کی بات نہ سنو۔ اگر کوئی کہے بھی تو
ماں کی بیٹی یہ میرا بچہ ہے میں اس سے ایک بات پوچھ
رہی ہوں تم بیچ میں ذمہ دینے والے کون ہوتے ہو۔ خسر
کہیگا یہ میرا داماد ہے میں نے اس سے ایک بات پوچھی ہے
تم مجھے روکنے والے کون ہو۔ اور چونکہ حق تمہارا ساتھ
ہے اس لئے آخری نتیجہ یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک دن
اس کا مال بھی کھول دے گا۔ اور اُسے کھینچ کر صداقت
کی طرف لے آئیگا۔

یہ امر یاد رکھو کہ تبلیغ کوئی دینی چیز نہیں بلکہ
ہمیشہ کئے ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت یسح
علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہارے
ماننے والے نہ ماننے والوں پر قیامت تک غالب رہینگے
اب اس کے صاف یہ معنی ہیں کہ ہمیشہ ایسے آدمی موجود
رہیں گے جو حضرت یسح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائینگے اور
جب حضرت یسح علیہ السلام پر ایمان لانا قرآن کریم نے بھی
ضروری قرار دیا ہے تو جو لوگ یسح کو نہیں مانتے گے وہ
قرآن کریم کو بھی نہیں مانتے گے۔ پس لازماً قیامت تک کچھ
ایسے لوگ موجود رہیں گے جو اسلام میں داخل نہیں ہونگے
اور اگر قیامت تک ایسے لوگ موجود رہیں گے جو اسلام
میں داخل نہیں ہونگے تو ان کو منوانے کے لئے تبلیغ کی بھی
ضرورت رہے گی۔ ہمارے ملک میں لڑکیاں ایک کھیل

کھیلتی ہیں۔ اب تو وہ کھیل کھیلنے میں لڑکیوں کو
نہیں دیکھنا سیکھنے پہلے اس کھیل کا دواج زیادہ تھا۔ وہ
کھیل اس طرح ہوتی ہے کہ پانچ چھ لڑکیاں ایک طرف
کھڑی ہو جاتی ہیں اور پانچ چھ لڑکیاں دوسری طرف
کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف کی لڑکیاں دوسری طرف
کی لڑکیوں کے پاس آتی ہیں تو وہ غالباً ان سے رشتہ
مانگتی ہیں یا کوئی اور چیز مانگتی ہیں۔ بہر حال مسائل
بن کر آتی ہیں اور ایسا سوال پیش کرتی ہیں تو دوسری طرف
کی لڑکیاں کہتی ہیں ہم نے نہیں دینا۔ اور جب کہتی ہیں نہیں دینا تو
کھیل شروع ہو جاتا۔ ایک طرف کی لڑکیاں کہتی ہیں "ہیوین
دینا"۔ اور دوسری طرف کی لڑکیاں کہتی ہیں -

تے کے رہنا" اور دیر تک یہ مشغلہ جاری رہتا ہے
دونوں فریق اپنی ضد پر مصر رہتے ہیں۔ اسی طرح
قرآن کریم کہتا ہے کہ قیامت تک کچھ ایسے لوگ موجود
رہیں گے جو کہیں گے ہم نے نہیں ماننا۔ پس تمہارا بھی
یہی کام ہے کہ تم کہو ہم نے منوا کر چھوڑنا ہے۔ تمہارا
ایمان اور جذبہ بہر حال چھوٹی بچیوں سے زیادہ ہونا
چاہیے۔ تمہاری غیرت ان سے زیادہ ہونی چاہیے۔ اگر
ان میں سے ایک فریق کہتا ہے کہ ہم نے نہیں دینا تو
دوسری لڑکیاں کہتی ہیں کہ ہم نے لے کر جانا ہے۔ اسی
طرح تمہارا بھی یہ کام ہے کہ اگر کچھ ایسے لوگ ہوں جو
کہیں ہم نے نہیں ماننا تو تم کہو ہم نے منوا کر چھوڑنا ہے
اور اپنے اس عزم کو کبھی ترک نہیں کرنا۔

میں نے دیکھا ہے لوگ عام طور پر یہ غلط کیا
کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی یا بیٹے یا دوست یا دھاری یا نہیں سنتے
یا ہماری تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ
آزادہ بھی تو کسی کے بھائی تھے۔ وہ بھی تو کسی کے بیٹے تھے۔ وہ بھی تو کسی
بھانجے تھے۔ وہ بھی تو کسی کے داماد یا خاندان تھے۔ پھر
اگر انہیں خدا تعالیٰ نے ہدایت سے دی تو ان کے رشتہ دہانہ کو

کیوں ہدایت نہیں مل سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ جماعت کے دوست اپنے رشتہ داروں اور قریبی دوستوں کو صحیح طور پر تبلیغ ہی نہیں کرتے۔ ورنہ کوئی دجر نہیں کہ ان پر اثر نہ ہو۔ آخر ہر رشتہ دار کا اپنے رشتہ دار پر اور ہر دوست کا اپنے دوست پر اور ہر بھائی کا اپنے بھائی پر حق ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہو سکتی جو یہ کہے کہ میرا خاوند خواہ جہنم میں چلا جائے مجھے اُسی پر واہ نہیں اور نہ کوئی خاوند ایسا ہو سکتا ہے جو کہے کہ خواہ میری بیوی جہنم میں چلی جائے مجھے اس کی پر واہ نہیں۔ پس خاوند کا اپنی بیوی کو یا بیوی کا اپنے خاوند کو حق بات پہنچانا دراصل تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اپنے فرض کو ادا کرنا ہے۔ اسی طرح بھائی کا اپنے بھائی کو حق پہنچانا تبلیغ کرنا نہیں بلکہ بھائی کا اپنے بھائی کو حق پہنچانا فرض ہے۔ اسی طرح دوست کا اپنے دوست کو حق پہنچانا تبلیغ نہیں بلکہ اُس کا فرض ہے اور اگر وہ اپنے اس فرض کو ادا نہیں کرتا تو وہ دوست نہیں بلکہ دشمن سمجھا جائیگا۔ اور اس کا دوست بھی اُسے اپنا غیر خواہ نہیں بلکہ بدخواہ قرار دینگا کہ اُس نے اُسے سچائی سے محروم رکھا۔ اگر اس رنگ میں ہر رشتہ دار اپنے رشتہ دار کو اور ہر دوست اپنے دوست کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے حق پہنچائے تو تھوڑے عرصہ میں ہی لاکھوں افراد تک صداقت پہنچ سکتی ہے۔

پھر فرماتا ہے ذَاخِفْضُ جَنَاحَکَ رَسْمِیْنِ اتَّبَعَاکَ مِنْ اَتَقْوِیِّیْنِ۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ تیری بات مان لیا کریں اُن کے ساتھ ہمیشہ نیک برتاؤ کرنا کہ تیرے حسن سلوک کی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ اسلام کے گردیدہ ہو جائیں اور اُن کی تربیت کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ اُن کی طاقتیں صحیح رنگ میں فائدہ اٹھایا جاسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح دیا نکلتے اور بہتے چلے جاتے ہیں لیکن نااہل قومیں اُن سے فائدہ اٹھانے کی بجائے صرف اتنا نقصان اٹھاتی ہیں کہ دریا کی طغیانوں سے اُن کے دیہات غرق ہو جاتے یا اُن کی زمینیں بیکار اور بخر ہو جاتی ہیں یا زیادہ سے زیادہ وہ لوگ انا فائدہ اٹھا لیتے ہیں کہ دریاؤں سے عملیات یکٹ لیتے ہیں۔ لیکن جو عقل مند اور ذہین قومیں ہوتی ہیں وہ اُن سے نہریں نکالتی اور بخر زمینوں کو آباد کرتی ہیں اور اس طرح اربوں ارب دوپیر کماتی ہیں۔ اسی طرح اگر افراد کی صحیح تربیت کی جائے اور اُن کے اندر جذبہ قربانی پیدا کیا جائے تو انکی طاقت سے اتنا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ قوم ترقی کے میدان میں کہیں کی کہیں نکل جاتی ہے۔ حقیقت پرانی نسل کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی چشمہ یا دریا کا منبع لیکن نئی نسل کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ایک نالہ اور اس سے اگلی نسل کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ایک چھوٹا دریا اور پھر اس سے اگلی نسل کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ایک بڑا دریا۔ اور پھر اُس سے اگلی نسل کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ایک بڑا سمندر۔ چشمہ سے پانی پینے کے لئے ہمیں خود چشمہ پر جانا پڑتا ہے لیکن نالہ جو شش و خردش سے گھروں کے پاس سے گزرتا ہے۔ اُس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر جب وہ ایک چھوٹا دریا بن جاتا ہے تو صرف یہی نہیں کہ وہ گھروں کے پاس بہتا ہے بلکہ اور زیادہ پھیل کر وہ گھروں کے قریب آجاتا ہے۔ پھر جب وہ چھوٹا دریا وسیع ہوتا ہے تو اور بھی زیادہ گھروں کے پاس سے گزرتا ہے اور اُسکے زمین میں جذب ہونے یا دیت میں غائب ہونیکا کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔ وہ پہاڑیوں اور دیوبوں پر سے کودتے اور دیوبوں پر سے بہتے ہوئے سمندر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب وہ دریا سمندر بن جاتا ہے۔ تو ساری

زمینوں کے کنارے اس سے ملنے لگ جاتے ہیں اور کوئی حصہ زمین پر کیا نہیں رہتا جو اس سے متصل نہ ہو۔ اسی طرح جب جماعت کے افراد کی صحیح تربیت کی جائے اور اگلی نسلیں میں قربانی اور ایثار اور فدایت کا زیادہ جذبہ پیدا کیا جائے تو وہ دنیا میں امن کے قیام کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ دنیا کا اٹیم ہم جو یوحنا دھات سے بننے والی ایک چیز ہے دنیا کی تنہا ہی اور بربادی کا ایک ہلک بھلکا ہتھیار ہے لیکن افراد جماعت کی کی طاقت کو صحیح استعمال کرنا اور اُمدادِ نسل کے اندر جذبہ قربانی پیدا کرنا اور اس کی صحیح تربیت کرنا تو ہم کو زندہ رکھنے کا ایک حتمی اور یقینی ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس طرح ہر فرد کے دل میں یہ احساس قائم رہتا ہے کہ دنیا کو نفع کرنے اور اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کرنے کے لئے میری ذاتی جدوجہد کی بھی ضرورت ہے یہی نکتہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے کہ تیرے دو طریق ہونے چاہئیں۔ ایک نفعین کے ساتھ اور ایک موافقین کے ساتھ۔ نفعین کے ساتھ تو تیرا یہ طریق ہونا چاہیے کہ تو ان کو ڈرا جن میں تیرے رشتہ دار بھی شامل ہیں اور جو ایسے راستہ پر چل رہے ہیں۔ جو ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ لیکن اس کے علاوہ تیرا دوسرا کام یہ بھی ہے کہ تو مومنوں کی تربیت کرے کیونکہ اب دنیا کی نجات انہی لوگوں کی صحیح تربیت پر منحصر ہے۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں جو تیرے رشتہ دار نہیں مگر وہ تیرا حکم مانتے اور تیری اطاعت کرتے ہیں پس تو لوگوں کو بتا دے کہ تیرے رشتہ داروں میں سے جو کوئی تیرے خلاف چلیگا اور تیری باتیں نہیں مانے گا وہ سزا پاؤں گا اور جو تیرا رشتہ دار تو نہ ہو گا مگر تیری باتوں پر ایمان لے آئیگا وہ انعام پائے گا۔ یعنی

تیرا منکر اگر قریبی بھی ہو گا تو سزا پائے گا اور تیرا متبع اگر بعیدی بھی ہو گا تو انعام پائے گا۔ ایسے ایمان لانے والوں کے لئے خواہ وہ قریبی ہوں یا بعیدی تو اپنا بازو جکھا ہے۔ گویا ایک طرف تو تو قریبی کو ڈراتا رہا کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو سزا ملے گی اور دوسری طرف وہ بعیدی جو تیرے رشتہ دار تو نہیں مگر تجھ پر ایمان لے آئے ہیں میں سے بعض روم کے ہیں بعض ایران کے ہیں۔ بعض حبشہ کے ہیں بعض شام کے ہیں اور بعض قبائل عرب میں سے ہیں انکی طرف تیری بہتر سے بہتر توجہ ہونی چاہیے۔ کیونکہ تیرے اصل رشتہ دار اب دی ہیں۔ جو لوگ تیرے قریبی رشتہ دار تو ہیں مگر تجھ پر ایمان نہیں لائے وہ ایمان نہ لانے کا وجہ سے تیرے رشتہ داروں میں سے نکل گئے ہیں اور اب تیرے اصل رشتہ دار دی ہیں جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اور تیری ہر بات کو مانتے اور تیری پیروی کرتے ہیں اگے فرماتا ہے۔ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّ بَرِيءٌ مِّنْكُمْ تَعْمَلُونَ۔ یہاں عَصَوْكَ کے یہ معنی نہیں کہ اِنْ عَصَوْكَ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ بَلْ هِيَ عَصَوْكَ یعنی نفعین کے لئے آیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ عام قاعدہ ہے کہ جب ایک ہی آیت میں دو باتوں کا ذکر ہو تو ان میں سے ایک فقرہ الگ گروہ کے لئے ہوتا ہے اور دوسرا فقرہ الگ گروہ کے لئے۔ یہاں جو عَصَوْكَ کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں اِنْ عَصَوْكَ عَشِيرَتُكَ یعنی تیرے رشتہ دار اگر باوجود ڈرانے کے بھی نہ مانیں اور اپنے پیسے وامتنہ پر ہی گامزن رہیں تو تو ان کو کہہ دے إِنَّ بَرِيءٌ مِّنْكُمْ تَعْمَلُونَ کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں یعنی پھر تو ان سے قطع تعلقی کر لے اور کہہ دے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ تم اس گھمنہ میں نہ رہنا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار اور قریبی ہیں۔ اس لئے اگر ہم نے اس کی

بات نہ مانی تب بھی ہم نجات پا جائیں گے۔ بے شک تم میرے رشتہ دار ہو۔ مگر نجات رشتہ داری اور قرابت پر موقوف نہیں ہے۔ نجات کا راستہ صرف یہی ہے کہ تم میری پیروی کرو۔ ورنہ تم باوجود میرے ساتھ رشتہ دار اور قرابت رکھنے کے سزا پاؤ گے۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا طریقہ تبلیغ ہے۔ جو قرآن کریم نے بتایا ہے۔ اگر مسلمان اس پر عمل کرتے تو بڑی کامیابی کا منہ دیکھتے جہاں جہاں اسلام پھیلے وہاں نئے ماننے والوں کو یہ سمجھانا چاہیے کہ فوراً اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی طرف جاؤ اور تبلیغ کے علاوہ ان سے نیک سلوک بھی کرو۔ اور اگر وہ تمہاری بات نہ سنیں تو ان سے ایک حد تک الگ ہو جاؤ تاکہ ان کے اندر نہ امت پیدا ہو اور تم بھی ان کے بد اثر سے بچ جاؤ۔ جیسا کہ حضرت مسیح نے بھی اپنے حواریوں کو نصیحت کی کہ

”اگر کوئی تم کو قبول نہ کرے۔ اور

تمہاری باتیں نہ سنے تو اس گھر یا اس شہر

سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ

دینا۔“ (متی باب ۱۰ آیت ۱۴)

اس کے بعد دوسرے گروہ یعنی مومنین کے متعلق فرمایا وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے بازوؤں مومنوں پر جھکا دے جو تیری اتباع کرتے ہیں بازو جھکانا عرب میں ایک محاورہ ہے اور یہ محاورہ جانوروں کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ جب تک جانوروں کے بچے کمزور ہوتے ہیں۔ اور اڑنے کے قابل نہیں ہوتے یا ابھی طرح چل پھر نہیں سکتے جانور ان پر اپنے پر پھیلائے رکھتے ہیں تاکہ بچوں کو چل وغیرہ نہ لے جائے۔ انسان تو اپنے بچوں کو کپڑے پہنا دیتے ہیں۔ مگر جانوروں کے پاس

کپڑا نہیں ہوتا اسلئے وہ بچوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپائے رکھتے ہیں۔ مومنوں کو دیکھو۔ اگر بچوں والی مرغی کسی جگہ بیٹھی ہو اور اُسے کوئی اٹھا دے تو اُس کے پروں کے نیچے سے آنکھیں کھلنے لگیں گے اور پڑے ہیں۔ پس وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے چاہیے کہ تو اپنی تمام تر توجہ مومنوں کی طرف رکھ اور ان کی اعلیٰ سے اعلیٰ تربیت کرنے کی کوشش کرو۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تربیت کا کام اور مومنین کو اعلیٰ مدارج تک لے جانے کا کام اس قسم کا تھا کہ اس میں تکالیف اور مشکلات میں آنے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ۔ الَّذِي يَرْفَعُ دَرَجَاتٍ لَّكَ وَيُخْرِجُكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ انذار کا کام تو صرف مُنہ سے ہوتا ہے اور زبان سے ڈرا دینا کافی ہوتا ہے لیکن تربیت اور اصلاح کا کام محنت طلب ہے اور یہ کام ایسا ہے جو کسی کے اپنے اختیار میں نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک باپ چاہتا ہے کہ میرا بیٹا حج بن جائے مگر وہ چٹھی رسان بھی نہیں بن سکتا۔ یا ایک باپ چاہتا ہے کہ اُس کا بیٹا عالم دین بن جائے لیکن جب وہ بڑا ہوتا ہے تو علم دین کی طرف اُسے کوئی رغبت ہی نہیں ہوتی۔ حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک عالم دین جو صرف و نحو کے سمجھ عالم تھے اور سامے ہندوستان میں انکی ملیت کا شہرہ تھا۔ وہ بہت سادہ طبع تھے اور اگر انہیں کوئی ایسا شخص دیکھتا جو ان کو پہلے سے نہ جانتا تو وہ بھی سمجھتا کہ یہ گھاس کا ٹکڑا ہے۔ ان کا نام مولوی خان ملک صاحب تھا۔ وہ کہیں سے حضرت سید موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے متعلق خبر سُن کر قادیان آئے اور آپ کی باتیں سن کر ایمان لے آئے۔ واپسی پر جب وہ لاہور پہنچے تو

انہوں نے ارادہ کیا کہ مولوی غلام احمد صاحب سے جتنے چاہیں مولوی غلام احمد صاحب شاہی مسجد میں درس دیتے تھے اور وہ مولوی خان ملک صاحب کے شاگرد رہ چکے تھے۔ مولوی غلام احمد صاحب بھی بہت مشہور عالم تھے اور چونکہ لاہور کے لوگ اچھے متمول تھے اس لئے مولوی غلام احمد صاحب کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور سینکڑوں مصلحین ان کے پاس پڑھتے تھے جب مولوی خان ملک صاحب شاہی مسجد میں پہنچے تو وہاں کے طلباء کو تو اس بات کا علم نہ تھا کہ یہ کس پایہ کے آدمی ہیں انہوں نے ان کے معمولی لباس اور ظاہری صورت سے یہ اندازہ لگایا کہ یہ کوئی معمولی آدمی ہیں۔ مولوی غلام احمد صاحب مولوی خان ملک صاحب پوچھا: فرمائیے کہاں کے تشریف لائے ہیں انہوں نے کہا: قادیان۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا: قادیان؟ انہوں نے کہا: ہاں قادیان۔ انہوں نے کہا: کیوں کہتے تھے مرزا صاحب کا مرید ہونے کیے گیا تھا، انہوں نے کہا: آپ اتنے بڑے عالم ہیں آپ نے ان میں کیا خوبی دیکھی کہ ان کے مرید ہونے کیلئے چلے گئے مولوی خان ملک صاحب نے پنجابی میں انہیں کہا کہ ”تو اپنا کم کر مینوں تے تال نیقول دی چنگی طرح نہیں آوندا۔“ یعنی تو اپنا کام کر تجھے تو ابھی تال نیقول بھی اچھی طرح نہیں آتا۔ چونکہ مولوی غلام احمد صاحب بھی بڑے مشہور عالم تھے اس لئے جب مولوی خان ملک صاحب نے یہ الفاظ کہے تو مولوی غلام احمد صاحب کے شاگردوں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے مولوی خان ملک صاحب سے مخاطب ہو کر کہا: بڑھے تو نے یہ کیا بات کہی ہے۔ مولوی غلام احمد صاحب نے ان کو منع کیا اند کہا خاموش رہو کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں بالکل ٹھیک ہے غرض مولوی خان ملک صاحب مرحوم کو صرف دعو پر اتنا مجبور تھا اور وہ اپنے فن میں اتنے ماہر تھے کہ تمام ہندوستان میں ان کا شہرہ تھا اور ان کی بعض

تصانیف کے متعلق لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان کتب کا طبع وہ چار پانچ سو سال پہلے کا کوئی عالم ہے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ان کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ ان کے بڑے لڑکے کا نام عبداللہ تھا۔ انہوں نے ایک دفعہ عبداللہ کے متعلق حضرت خلیفہ اول سے شکایت کی کہ میرا یہ لڑکا علم کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا آپ اس کو سمجھائیں کہ اگر آج اس نے تعلیم حاصل نہ کی تو یہ نقصان اٹھائے گا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عبداللہ کو بلوایا اور کہا: تمہارے والد صاحب اپنے علمی پایہ کی وجہ سے سارے ہندوستان میں شہرت رکھتے ہیں تم کیوں نہیں پڑھتے۔ وہ کہنے لگا: میں پڑھتا تو ہوں مگر وہ مجھے پڑھاتے ہی نہیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ تو میرے پاس شکایت لے کر آئے تھے کہ تم پڑھتے نہیں اور تم کہتے ہو کہ میں پڑھتا ہوں اور وہ مجھے پڑھاتے نہیں۔ وہ کہنے لگا: بات دراصل یہ ہے کہ وہ مجھے عربی پڑھنے کے لئے کہتے ہیں اور میں عربی پڑھنا نہیں چاہتا بلکہ میں انگریزی پڑھنا چاہتا ہوں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عربی کیوں پڑھنا نہیں چاہتے اور انگریزی کیوں پڑھنا چاہتے ہو۔ وہ کہنے لگا: بات یہ ہے کہ جب نئی نئی دین آئی تو میں اور والد صاحب ایک سفر پر گئے۔ اور آپ تو کہتے ہیں وہ بڑے عالم ہیں مگر ان کو اتنا بھی پتہ نہ تھا کہ گاڑی میں فرسٹ اور سینکڑ کلاس بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ اپنی گھٹری اٹھائے ہوئے فرسٹ کلاس کے ڈبے میں گھس گئے۔ وہاں کوئی اینگلو انڈین ٹکٹ کلکٹر کھڑا تھا اس نے انہیں کہا: ہٹ بابا تیرا یہاں کیا کام ہے جب اینگلو انڈین نے ان کو جھڑکا تو یہ پلٹ ٹام پر ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں ان کے پیچھے دوڑا مگر یہ اسٹیشن سے دوڑ نکلی گئے اور کوئی میل بھر تک

بھاگتے چلے گئے۔ آخر میں نے انہیں جا کر پکڑا اور پوچھا۔ آپ بھاگتے کیوں ہیں۔ کہنے لگے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی اس لئے خطرہ تھا کہ مجھے سرکادی آدمی پکڑ کر نہ لیجائیں اس دن سے میں نے اپنے دل میں یہ تہنید کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے میں نے عربی نہیں پڑھنی اور اگر پڑھنی ہے تو انگریزی پڑھنی ہے۔ کیونکہ عربی کے اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود جب اس قدر جہالت رہتی ہے کہ گاڑی کے فرسٹ اور تھرڈ کلاس کے ڈبوں کی شناخت بھی نہیں ہو سکتی تو اس علم کا فائدہ ہی کیا ہے اس لئے اگر یہ مجھے پڑھانا چاہتے ہیں تو انگریزی پڑھائیں عربی تو میں کبھی بھی نہیں پڑھوں گا۔ اب دیکھو آنا اعلیٰ پایہ کے عالم و فاضل کا بیٹا باوجود باپ کی خواہش کے کہ وہ علم حاصل کرے دینی علم سے محروم رہ گیا۔ پس وَاعْتَصِفْ بِنَاتِكَ بِمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُتَعَالِیْنَ نے یہ بتایا ہے کہ تربیت اور اصلاح کا کام تبارک تعالیٰ سے ہے کہ یہ بہت زیادہ محنت چاہتا ہے اور یہ کام ایسا ہے کہ جب تک تربیت اور اصلاح پانے والوں کے اندر جوش اور اخلاص اور فرمانبرداری کا مادہ موجود نہ ہو اس کو سر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں مخالفین منکرین اور غیر متبعین کے متعلق فرمایا کہ فَإِنَّ عَصَوْنَكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِحْتُ وَإِنَّمَا تَعْمَلُونَ۔ یعنی انکو تو ڈرا لیکن اگر وہ تیری بات نہ مانیں تو تو ان سے کہہ دے کہ میں تمہارے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہوں وہاں مومنوں کے متعلق فرمایا دَتَوَقَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرْزُقُكَ حَتَّى تَقْوُمَ وَتَقْلُبَكَ فِي السَّجْدِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مومنوں کی خبر گیری اور تربیت کا حکم دیا تھا وہ پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک تین باتیں نہ ہوں۔ ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ کی تائید ہو

دوسرے یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ان کی تربیت کا کامل جذبہ موجود ہو اور تیسرے یہ کہ جن کی آپ تربیت اور خبر گیری کرنا چاہتے تھے ان کے اندر ماننے کا جذبہ موجود ہو۔ ان قبول چیزوں کے متعلق فرماتا ہے مَا دَتَوَقَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ فَإِنَّهُ يَرْزُقُكَ كَرِهَ اس کام کو شروع کر دے وہ تیری ضرورت مدد کرے گا۔ یعنی میں تیری مدد کر دوں گا۔ (۲) الَّذِي يَرْزُقُكَ حَتَّى تَقْوُمَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تیرے اندر کیا روح کام کر رہی ہے۔ یعنی تو اپنے اندر یہ جذبہ دکھتا ہے کہ ان کی تربیت کرے۔ اگے فرماتا ہے (۳) وَتَقْلُبَكَ فِي السَّجْدِ مَن پھر تیری بات بھی سمجھے حاصل ہے یعنی تو ان لوگوں میں پھرتا ہے جو ہر رنگ میں تیری اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ تین مشکلات تھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر کیا ہے۔ فرماتا ہے یہ کام اللہ تعالیٰ کی تائید چاہتا ہے۔ مومن تیری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ کام تیرے اندر دوسروں کی تربیت اور اصلاح کرنا کا جذبہ چاہتا ہے۔ سو وہ تیرے اندر موجود ہے۔ یہ کام ان لوگوں کے اندر جن کی تو تربیت اور خبر گیری کرنا چاہتا ہے کامل اطاعت اور فرمانبرداری کی روح چاہتا ہے سو وہ ان کے اندر موجود ہے۔ اس لئے مجھے اس کام میں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں ہو سکتا۔ بعض مفسرین نے غلطی سے وَتَقْلُبَكَ فِي السَّجْدِ مَن کے یہ معنی کئے ہیں کہ اسمجگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مومن یعنی ساجد تھے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ مجھے اپنی

والدہ کے لئے مستغفار کی اجازت دیدے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۵۵، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین کا یہ نظریہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مومن تھے درست نہیں۔ حضرت عبدالملک کے متعلق بھی جہاں توحید کی باتوں کا ذکر آتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مدبہ کی حاکمیت میں تھے۔ کبھی توحید کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور کبھی شرک کی طرف۔ ان کا چاہہ زمزم کی تلاش کے وقت یہ نذر مانا کہ اگر خدا انہیں دس بچے دے گا اور وہ ان کی آنکھوں کے سامنے جو ان ہونگے تو وہ ان میں سے ایک کو قربان کر دیں گے۔ اور پھر ہٹل کے سامنے ان کا قرعہ اندازی کرنا بتا رہا ہے کہ توحید کا صحیح مقام انہوں نے نہیں سمجھا تھا۔ پس یہ کہنا کہ تَقَلَّبْتَ فِي الشَّجَرِ کے معنی یقینی اور حتمی طور پر یہی ہیں درست نہیں۔ اصل معنی یہ ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعریف کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ تمہارا دن ایسے لوگوں میں گزر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پرستار اور اس کی عبادت کریں گے۔ تَقَلَّبَ کا لفظ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ تَوَلَّى تَقَلَّبَ وَجْهَكَ فِي السَّمَاوَاتِ یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ تیری نظر بار بار اس معاملہ میں آسمان کی طرف اٹھتی ہے۔ پس تَقَلَّبَ کے معنی کسی چیز کی طرف بار بار جانے کے ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تَقَلَّبَ صحابہ میں ہی تھا۔ کبھی جتنی مشاورت ہو رہی ہوتی تھی اور جبریل آپ کے گرد جمع ہوتے تھے۔ کبھی قضاء کے معاملات کا فیصلہ ہو رہا ہوتا تھا اور قاضی اور تفتہ رکھنے والے صحابہ آپ کے گرد جمع ہوتے تھے کبھی تصوف کے

ذریعہ بنائے جاتے تھے اور صوفیاء کا گروہ آپ کے گرد جمع ہوتا تھا۔ کبھی صدقہ و خیرات کا ذکر ہو رہا ہوتا تھا اور صدقہ و خیرات دینے والے آپ کے گرد جمع ہوتے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی اطاعت کا نمونہ دکھانے والے ہر قسم کے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ جس قسم کے کام کی آپ کو ضرورت ہوتی تھی نہ صرف اس کام کے ماہر آپ کے پاس موجود تھے بلکہ اُس کے ساتھ ہی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور دن رات اُس کی پرستش کرنے والے بھی تھے۔ اور رات دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے ہی لوگوں میں چکر لگا رہتا تھا۔ تَقَلَّبْتَ بھی یہی ہوتا ہے کہ ادھر ادھر چکر کاٹنا۔ اور آپ کا ادھر ادھر چکر کاٹنا بھی اُن کی ذات کے لحاظ سے ہی تھا۔ پس تَقَلَّبْتَ فِي الشَّجَرِ کے معنی یہ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے اعلیٰ درجہ کے ساتھی ملے جو آپ کے پاس جس طرف بھی منہ کرتے ادھر ساجد ہی ساجد نظر آتے تھے۔ جبریلوں کی طرف منہ کرتے تو آپ کے پاس ساجد جبریل تھے۔ قاضیوں کی طرف منہ کرتے تو آپ کے پاس ساجد قاضی تھے۔ مدرسوں کی طرف منہ کرتے تو آپ کے پاس ساجد مدرس تھے۔ صوفیاء کی طرف منہ کرتے تو آپ کے پاس ساجد صوفیاء تھے۔ اقتصاد اور تمدن کے ماہرین کی طرف منہ کرتے تو آپ کے پاس ساجد ماہرین اقتصاد اور ساجد ماہرین تمدن تھے۔ غرض جس طبقہ کی طرف بھی آپ منہ کرتے آپ کو ایسے لوگ مل جاتے جو اس فن کے بھی ماہر ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور عبادت گزار بھی ہوتے۔ یہی احسان کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے گرد و پیش سب بوجہی موحید ہیں

بجگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک حوالہ پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے جس کا اسی آیت کے ساتھ تعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب تریاق القلوب میں فرماتے ہیں :-

”ایک اور جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے
وَنُوحِّنُ عَلَى الْغُزَيْرِ الرَّحْمِيمِ الَّذِي
يَزِدُّكَ جَنَّتِنِ نَفْوُماً وَنَقْلَتِكَ فِي
الشَّجَرَيْنِ۔ یعنی خدا پر توکل کر جو غالب
اور رحم کرنے والا ہے۔ وہی خدا جو تجھے
دیکھتا ہے۔ جب تو دعا اور دعوت کے
لئے کھڑا ہوتا ہے۔ وہی خدا جو تجھے اُس
وقت دیکھتا تھا کہ جب تو تخم کے طور پر
راستبازوں کی پشتوں میں چلا آتا تھا۔
یہاں تک کہ اپنی بزرگ والدہ آمنہ کے
پیٹ میں پڑا۔“

(تریاق القلوب ص ۱۲۳ ایڈیشن سوم)

یہ حوالہ چونکہ بظاہر اوپر کی تشریح کے خلاف نظر آتا ہے اس لئے یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ مساجد کے
نقطی معنی ایسے فرمانبردار کے ہوتے ہیں جو ہر بات کو
تسلیم کرتا ہو اور بغاوت اور نشوز کے آثار اُس میں نہ
پائے جاتے ہوں۔ لیکن اگر ہم گہرا غور کریں تو مساجد کا
لفظ دو جگہ استعمال ہو سکتا ہے ایک مومن ساجد کے
لئے اور ایک موسائٹی کے ساجد کے لئے۔ مومن ساجد
وہ ہوگا جو خدا تعالیٰ کی باتیں ماننے والا ہو اور خدا تعالیٰ
کے قوانین سے بغاوت کرنے والا نہ ہو۔ اور موسائٹی کا
ساجد وہ ہوگا جو موسائٹی کی باتیں ماننے والا ہو اور
موسائٹی کے قوانین سے بغاوت کرنے والا نہ ہو۔ اب
ہم اس آیت کے معنی کی طرف آتے ہیں۔ رسول کریم

اور تو ذات دن ان موحدین میں پھرتا ہے۔ یہ ہمارا کتنا
بڑا احسان ہے کہ مکہ حبیبی شرک کی سرزمین میں ہم نے
موحد ہی موحد پیدا کر دیئے ہیں اور ان لوگوں کو توحید
پر عامل کر دیا ہے جو ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں
کی پوجا کرتے تھے۔ تو وائیں جاتا ہے تو تجھے موحد نظر
آتے ہیں۔ تو بایں جاتا ہے تو تجھے موحد نظر آتے ہیں۔
تو ادھر جاتا ہے تو تجھے موحد ملتے ہیں اور تو ادھر جانا
ہے تو تجھے موحد ملتے ہیں۔ غرض تو جہاں بھی جاتا ہے
تجھے موحد نظر آتے ہیں۔ اور مکہ حبیبی بستی میں جہاں
دات دن بتوں کی برستش ہوتی تھی ہم نے تیرے ساتھ
موحدین پیدا کر دیئے ہیں۔ پس بَقْلَتِكَ فِي الشَّجَرَيْنِ
کا وہ مفہوم نہیں جو مفسرین نے سمجھا ہے بلکہ اسی آیت
میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کیا گیا ہے جو اُس نے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کہ اُس نے آپ کے گرد
ساجد ہی ساجد جمع کر دیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ
بعض انبیاء کی بیویاں ان پر ایمان نہیں لائی تھیں بعض
کی اولاد نے ان کی نبوت کا انکار کر دیا تھا۔ اور گویوں
یا اولاد کے انکار سے نبی کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا
لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
بیویاں تھیں تو خدا تعالیٰ کے دین پر خدا۔ آپ کی اولاد
تھی تو وہ بھی دین پر قربان۔ آپ کے ساتھی تھے تو وہ
اسلام کے بچے عاشق۔ یہاں تک کہ صلب تعلق رکھنے
والوں کو اللہ تعالیٰ نے مساجد بنا دیا۔ اور یہ ایک ایسی
خصوصیت ہے جو اور کسی نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔
پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو
جہاں کہیں جاتا ہے موحدین اور مساجدین میں پھرتا ہے
تیرے گھر میں توحید۔ تیرے دوستوں میں توحید۔ پھر تو
جدھر جاتا ہے توحید کا بیج پوتا جاتا ہے اور تو نے
ہزاروں مشرکین کو مساجد بنا دیا ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کئی بطن ہیں۔ ایک بطن تو قرآن کریم کا یہ ہے کہ کسی آیت کے معنی کرتے وقت اس کے سیاق و سباق کی تمام آیات کو دیکھا جاتا ہے اور اس کے معنی سیاق و سباق کی آیات کو مد نظر رکھ کر کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر سیاق و سباق کو مد نظر نہ رکھا جائے تو معنوں میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ پھر ایک بطن یہ ہے کہ کسی آیت کے معنی کرتے وقت اس کے کچھ آئے آئے دانی آیتوں اور کچھ پیچھے آئیوں کو دیکھا جاتا ہے اور ان کے معنوں میں تطابق کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پھر ایک بطن یہ ہے کہ جس آیت کے معنی مطلوب ہوں اس مساوی سورہ کو دیکھا جاتا ہے پھر ایک بطن یہ ہے کہ کئی سورتوں کو ملا کر اس کے معنی اخذ کئے جاتے ہیں۔ پھر ایک بطن یہ ہے کہ سارے قرآن مجید کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بعض بطن ہیں۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا ہے بعض دفعہ ایک معنوں کا تعلق ابتدائی سورتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض دفعہ بعد والی سورتوں کے ساتھ پھر ایک معنی کسی آیت کے منفرد ہوتے ہیں اور ایک معنی دوسری آیتوں کے ساتھ ملا کر کئے جاتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان فرمودہ معنوں کی سمجھ کیا صورت ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس آیت کے منفرد آئے ہیں سیاق و سباق کو نہیں لیا۔ آپ نے جس مضمون میں اس آیت کو بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مرسل اچھے اور شریف خاندانوں میں آتے ہیں اور ان کی قوم ایسی اعلیٰ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس سے کراہت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں جس کو اس شہر یا علاقہ یا ملک کے لوگ ذلیل اور حقیر سمجھتے ہوں تو ان کا ماننا

طباع پر گراں گذرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مصیبت اور حکمت کے خلاف ہے کہ وہ حقیر قوموں میں سے نبیوں کو مبعوث کر کے لوگوں کو تکلیف دلا یا بطلان میں ڈال دے۔ پس چونکہ ایسے خاندان سے کسی نبی یا رسول کا مبعوث ہونا جو ذلیل سمجھا جاتا ہو طباع کے لئے عقوبت کا موجب ہوتا ہے اور اس میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو شریف اور حبیبہ خاندانوں میں سے مبعوث کرتا چلا آیا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب میں ان کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا نہ ہوں۔ پس آپ نے اس آیت کے جو معنی لئے ہیں وہ منفرد آئے ہیں سیاق و سباق کے لحاظ سے نہیں لئے۔ آپ نے ان معنوں کو اس رنگ میں لیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباد و اجداد موسماٹی کے ساجد تھے موسماٹی سے بغاوت نہ کرتے تھے بلکہ اچھے شہری تھے اور ان لوگوں میں سے نہ تھے جن کو قوم حقیر، نافرمان یا فدا سمجھتی تھی۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا ہر نبی ہی ایسا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سمجھنے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی چسپاں نہیں ہونگے بلکہ سب نبیوں پر ہو جائیں گے۔ ان معنوں کے لحاظ سے یہاں ساجد کے معنی خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے کے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ تو مسلمہ امر ہے کہ بعض انبیاء کے آباد و اجداد ساجد اللہ نہ تھے۔ اس لئے لازماً اس کے یہ معنی کرنے پڑیں گے کہ موسماٹی کے ساجد اور موسماٹی کے قوانین سے بغاوت نہ کرنے والے۔ ہر موسماٹی کے اندر شرافت کا ایک خاص مبیاد ہوتا ہے۔ مثلاً شراب پینا ایک فعل ہے۔ اب فرض کرو ایک مسلمان بھی شراب پیتا ہے اور ایک انگریز بھی شراب پیتا ہے۔ توجیب مسلمان شراب پیئے گا تو اسے اس کی موسماٹی غیر شریف قرار دیں اور جب انگریز شراب پیئے گا اسے اس کی موسماٹی شریف کہیں۔

غرض فصل ایک ہی ہے مگر جب اسے دو الگ الگ سوسائٹیوں کے معیاروں پر رکھا جائیگا تو ایک سوسائٹی کے معیار کے مطابق وہ فعل گناہ بن جائیگا اور اس کا مرتکب سخت گنہگار قرار پائیگا اور دوسری سوسائٹی کے معیار کے مطابق وہ فعل عین شرافت سمجھا جائیگا اور اس کا مرتکب سوسائٹی کا فرمانبردار قرار پائیگا۔ پس شرافت کا معیار ہر سوسائٹی کے اپنے اپنے قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد عرب کی سوسائٹی کے مطابق شریف تھے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ معیار اسلام کے مطابق ان میں نیکیاں نہیں پائی جاتی تھیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کے جو معنی لئے ہیں منفرد لئے ہیں۔ سیاق و سباق کے لحاظ سے نہیں لئے۔ اور قرآن کریم کے ایک لفظ کے لحاظ سے وہ بھی درست ہیں۔ اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے سات لفظ ہیں۔ اس لئے ایک ایک آیت کے کئی معنی کئے جاسکتے ہیں جو اپنے اپنے رنگ میں سب کے صواب و درست ہونگے۔ ایک معنی منفرد آیت کے ہوتے ہیں۔ ایک معنی کئی آیتوں کے تسلسل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ ایک معنی پوری سورۃ کے تسلسل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ ایک معنی کئی سورتوں کے تسلسل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اور ایک معنی سارے قرآن کریم کے تسلسل کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور وہ سارے معنی بنی صحیح ہوتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کے جو معنی کئے ہیں وہ انفرادی لحاظ سے کئے ہیں اور آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد سوسائٹی میں شریف اور معزز سمجھے جاتے تھے اور سوسائٹی کے قوانین کے پابند تھے۔ گویا عرب کی سوسائٹی کے لحاظ سے جن خاندانوں کو شرفاء کے خاندان قرار دیا جاتا تھا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان نہایت شریف تھا۔ چنانچہ بس فرق کو قرآن کریم نے بھی اتنا تسلیم کیا ہے کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا کھانا جائز قرار دیا ہے اور مشرک کے ہاتھ کا کھانا ناجائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ اہل کتاب شراب بھی پیتے ہیں اور مود کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں مشرکین میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو مود نہیں کھاتے (یہاں مشرک کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو کسی کتاب کو ماننے والا نہ ہو۔ یہ نہیں کہ جو اہل کتاب ہو وہ مشرک کہ تاہی نہیں۔) باریک معنوں کی دوسرے اہل کتاب بھی مشرک ہوتے ہیں اور دہریہ بھی مشرک ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم کی اصطلاح میں مشرک کا اور مفہوم ہے اور عزت عام میں مشرک کا اور مفہوم ہے۔ قرآن کریم نے اہل کتاب ان کو قرار دیا ہے جو کسی کتاب کے قوانین کو ماننے ہیں چاہے وہ ان قوانین پر عمل نہ ہوں۔ ان قوانین کو تسلیم کرنا ہی ان کو اہل کتاب کا نام دینے کیلئے کافی ہے۔ جیسے بہت مسلمان بھی قرآن کریم کے احکام پر نہیں چلتے مگر وہ کہلاتے مسلمان ہی ہیں) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے کھانے کو اس نے جائز قرار دیا ہے کہ ان میں کسی کتاب کو ماننے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ اخلاق ضرور ہونگے اور ہم ان پر یہ حسن فطرت کر سکتے ہیں کہ چونکہ اہل کتاب میں سے کسی بھی کتاب میں دھوکا دینا جائز نہیں اس لئے یہ دھوکا دہیں میں کوئی ایسی چیز نہیں کھلا دیں گے جو ہمارا مذہب کی دوسرے ناجائز ہو۔ لیکن جو شخص خود کہتا ہے کہ میں کسی قانون کا پابند نہیں تو چاہے وہ شریف ہی کیوں نہ ہو ہم اس پر حسن ظنی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم یہ سمجھیں گے کہ چونکہ اس کے لئے کسی قانون کے پابند نہ ہونے کی وجہ سے دھوکا یا فریب کرنے میں کوئی روک نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ یہ ہم سے مراد دھوکا کر جائے اور ہمیں کوئی ایسی چیز کھلا دے جو ہمارا مذہب میں

ناجائز ہو۔ پس قرآن کریم نے جو اہل کتاب کا ذبحہ کھانے کی اجازت دی ہے وہ بھی ایسی ہے کہ ایک ایک قانون کے پابند ہیں۔ حالانکہ وہ سور کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ مگر مشرک کے ہاتھ کا کھانے کی قرآن سے اجازت نہیں دی کہ وہ کسی قانون کا پابند نہیں۔ اور اس کو دھوکا یا فریب دینے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے۔ ایک اہل کتاب چاہے دعویٰ محاذ سے بااخلاق نہ ہو اس کا کھانا کھانے کی اجازت ہے۔ اور مشرک چاہے دعویٰ محاذ سے بااخلاق ہو اس کا کھانا کھانے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب کسی نہ کسی قانون کے پابند ہیں۔ یہودی تورات کو مانتے ہیں۔ عیسائی انجیل کو مانتے ہیں اور ہندو ویدوں کو مانتے ہیں اور ان سب کا قانون اس امر پر متفق ہے کہ کسی کے ساتھ دھوکا کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی لئے شریعت اسلامیہ نے اہل کتاب کو دوسروں سے نامہ حقوق دیئے ہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد چونکہ اچھے شہری تھے اور صومالی کے قانون کے پابند تھے اس لئے انہیں مساجد کہا گیا۔ مگر وہ مساجد اللہ نہیں تھے بلکہ ملی قانون کے مساجد تھے۔ اور شریف خاندان رکھتے تھے۔ اور انبیاء و شریف اور اعلیٰ خاندانوں میں سے ہی آتے ہیں۔ اگر کوئی نبی ادنیٰ اقوام میں سے آجائے (جو سنت اللہ کے خلاف ہے) تو لوگ اس کو مان نہیں سکتے۔ وہ کہیں گے کہ اس کا خاندان اچھا نہیں ہے۔ یا یہ غلام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی دیکھ لو۔ آپ غلام نہ تھے مگر چونکہ کچھ عرصہ آپ نے فرعون مصر کے گھر سے روٹی کھائی تھی اس لئے فرعون نے کہہ دیا کہ یہ وہی ہے جس کو ہم نے روٹیاں کھلا کھلا کر پالا ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ عیسائی آج تک آپ کے متعلق یہ طعنہ دیتے ہیں کہ آپ نوٹڈی کی نسل میں سے

تھے۔ وہ لوگ حضرت ہاجرہؑ کو نوٹڈی قرار دیتے ہیں حالانکہ تورات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ مصر کے بادشاہ کے رشتہ داروں میں سے تھیں۔ اور اس بادشاہ نے انہیں اخلاص کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں تحفہ پیش کیا تھا مگر عیسائیوں نے صرف اس لئے کہ حضرت ہاجرہؑ تحفہ دی گئی تھیں ان کو نوٹڈی قرار دے دیا۔ غرض زمین تو ہمیشہ تعصب کی نگاہ سے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مرسل اعلیٰ اور شریف خاندانوں میں سے آتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کو ماننے ہوئے انقباض پیدا نہ ہو۔ اسی لئے جب ہرقل قیصر روم نے ابوسفیان سے سوال کیا کہ یہ شخص (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جو موت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کا خاندان کیسا ہے تو ابوسفیان نے یہی جواب دیا کہ وہ اچھے خاندان کا ہے اور میرے رشتہ داروں میں سے ہے۔ پس حضرت یحییٰ بن ماریہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کے معنی سیاق و سباق کے تسلسل میں بیان نہیں فرمائے۔ بلکہ صرف یہ ثابت کیا ہے کہ نبی اپنی قوم میں شریف ہوتے ہیں اور ابتدائے فریض سے آج تک جتنے انبیاء آئے ہیں وہ سب کے سب معزز خاندانوں میں سے تھے۔ اچھے شہریوں اور قانون وقت کے ساتھ چلنے والوں اور صومالی کے مفید ترین لوگوں کی اولادوں میں سے تھے اس لئے لوگ ان کی تحقیر و تہذیب نہ کر سکتے تھے بلکہ ان کا پورا ادب اور احترام کرتے تھے۔ غرض اس آیت کے ایک معنی تو وہ ہیں جو حضرت یحییٰ بن ماریہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منقردہ اکٹھے ہیں اور دوسرے معنی وہ ہیں جو میں نے سیاق و سباق کے تسلسل کے لحاظ سے بیان کئے ہیں۔ لیکن اس آیت کے ایک

تیسرے یعنی سادی سورۃ کے تسلسل کے لحاظ بھی ہیں
اس سورۃ (الشعراء) میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ
علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا ذکر آتا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آتا ہے
پھر حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ پھر حضرت
لوط علیہ السلام کا ذکر آتا ہے اور پھر حضرت شعیب
علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ ان سب انبیاء کا ذکر کرنے
کے بعد اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر
فرماتا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے انبیاء ایسے بھی ہیں
جن کے نام قرآن کریم میں نہیں آئے اور ان کی تاریخ بھی
محفوظ نہیں۔ قرآن کریم نے قاعدہ کلید کے طور پر بیان
کر دیا ہے کہ تمام انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خبر دیتے چلے آئے ہیں اور سب نے آپ کے متعلق
پیشگوئیاں کیں۔ مگر ان میں سے بعض کی پیشگوئیاں تو
محفوظ ہیں اور باقی انبیاء کی پیشگوئیاں محفوظ نہیں ہیں جیسے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئیاں موجود ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
پیشگوئیاں تورات میں موجود ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئیاں
انجیل میں موجود ہیں۔ یہ تو ایسے ہیں جن کی پیشگوئیاں ان کی کتابوں میں
موجود ہیں۔ لیکن جن انبیاء کے نام قرآن کریم میں بیان
نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کی کوئی تاریخ موجود ہے۔
ان کی پیشگوئیاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ ان تمام انبیاء
کا جن کے نام میں نے اوپر بتائے ہیں ذکر کرنے کے بعد
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا اس پر شیطان اتر سکتا ہے اگر
شیطان اترتا تو ان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت
بھی ہونا چاہیے۔ آخر ان منکرین میں سے بعض ایسے لوگ
بھی ہیں جو کسی نہ کسی نبی کو مانتے ہیں۔ ان میں عیسائی بھی
ہیں یہودی بھی ہیں اور کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں۔ عیسائی
حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں۔ یہودی حضرت موسیٰ۔ نوح
ابراہیم اور لوط کو مانتے ہیں اور دوسرے کفار ہود

اور صالح کو مانتے ہیں۔ ان سارے گروہوں میں کلمہ دہانوں
کے جدا جدا حضرت ابراہیم کی پیشگوئیاں محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود تھیں۔ عیسائیوں کے
جدا جدا موسیٰ کی پیشگوئیاں موجود تھیں۔ غرض اللہ تعالیٰ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے تَقْلِبْكَ
بِی السَّجْدِیْنَ۔ تیری صداقت کا ایک بہت بڑا ثبوت
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء تیری خبر دیتے چلے
آئے ہیں۔ تَقْلِبْكَ کے معنی ہوتے ہیں چلن پھرنا یعنی
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو موسیٰ کے سامنے کشتی حالت
میں موجود تھا۔ تو ابراہیم کے سامنے موجود تھا۔ تو نوح
کے سامنے موجود تھا۔ تو ہود کے سامنے موجود تھا۔ تو
صالح کے سامنے موجود تھا۔ فرماتا ہے جب تو ان تمام
انبیاء کے سامنے موجود تھا جن کو یہ لوگ اپنے بزرگ
تسلیم کرتے ہیں تو یہ کس طرح تیرا انکار کر سکتے اور کہہ سکتے
ہیں کہ تو راستبازوں میں سے نہیں ہے۔ ابراہیم نے
کشتی حالت میں مجھے دیکھا۔ اسی لئے اُس نے تیری آمد
کی خبر دی۔ موسیٰ نے کشتی حالت میں مجھے دیکھا اسی لئے
اُس نے تیری آمد کی خبر دی اور عیسیٰ نے مجھے دیکھا۔
اسی لئے اُس نے تیری خبر دی اور ان تمام نبیوں نے
بتایا کہ اس شان کا ایک نبی پیدا ہونے والا ہے پس
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان انکار کرنے والوں کے جھٹنے
باب داد سے تھے۔ وہ تیرے متعلق گواہیاں دے چکے
ہیں کہ میں اس شان کا ایک نبی آئیگا اُس کو مان لینا
اب یہ کس طرح تیرا انکار کر سکتے ہیں اور اپنے بزرگوں
کی شہادت کو رد کر سکتے ہیں۔ غرض سادی سورۃ کے
تسلسل کے لحاظ سے تَقْلِبْكَ بِی السَّجْدِیْنَ کے معنی ہیں
تَقْلِبْكَ بِی الْاَنْبِیَاءِ۔ یعنی ابراہیم نے، موسیٰ، اٹھائی اور
کہا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، راستباز ہے۔ نوح نے، موسیٰ
اٹھائی اور کہا یہ راستباز ہے۔ موسیٰ نے، موسیٰ اٹھائی

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۖ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ

کیا میں تجھے بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ (شیطان) ہر جھوٹے گناہگار پر

أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۚ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَكَثُرُهُمْ كَذِبُونَ ۚ

اُترتے ہیں۔ وہ اپنے کان (آسمان کی طرف) گگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ ۳۹

مُراد ہوتی تھی کہ اے خدا! ہمارے رسولؐ کے ذریعے
میں کامل سے کامل تر شریعت عطا فرما۔

۳۹

۳۹ ص لغات :- اَفَّاكٍ کے
میں الَّذِیْ یَصُدُّ النَّاسَ عَنِ الْحَقِّ بِبَاطِلِهِ۔ وہ
تھیں جو لوگوں کو حق و صداقت کے قبول کرنے سے
اپنے جھوٹ اور باطل طریقوں سے روکتا ہے (اقرب)

تفسیر :- پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ
بتایا تھا کہ اس قرآن کو شیاطین نے نازل نہیں کیا
اور نہ ان میں طاقت تھی کہ وہ ایسا کر سکتے۔ اب
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس اعتراض کے
جواب میں یہ معنوں میں فرماتا ہے کہ شیاطین جن لوگوں
پر نازل ہوتے ہیں ان کی کیا علامات ہوتی ہیں۔
چنانچہ فرماتا ہے تَنَزَّلُ عَلَىٰ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ۔
شیطان ہر جھوٹے گناہگار پر اترتا ہے۔ یعنی شیطان
کا تعلق تو أَفَّاكٍ اور أَثِيمٍ کے سوا کسی سے ہو ہی
نہیں سکتا۔ کیونکہ شیطان خود جھوٹ بولتا ہے اور
اس کا نام شیطان ہی بتا ہے کہ وہ بڑا گناہگار ہوتا
ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ جھوٹا ہے
اور نہ گناہگار پھر اس پر شیاطین کس طرح اتر سکتے
ہیں۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہیں جنکی
صداقت اور راستبازی کے تم بھی قائل ہو۔ چنانچہ
تاجون میں لکھا ہے کہ جب لڑائی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے دعویٰ کیا تو چونکہ مکہ عرب کے لوگوں کا مرکز تھا

اور کہا۔ یہ راستباز ہے۔ عیسیٰ نے انگلی اٹھائی اور کہا یہ
راستباز ہے۔ ہوؤ۔ صالح۔ لوط اور شعیب نے
انگلیاں اٹھائیں اور کہا یہ راستباز ہے۔ فرماتا ہے
ان تمام انبیاء جن کو تم اپنے بزرگ تسلیم کرتے ہو خبر
دی تھی کہ یہ راستباز ہے۔ اب تم اس کا کس طرح
انکار کر سکتے ہو؟

اس کے بعد فرماتا ہے إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
یقیناً وہ خدا جس نے مجھے مبعوث کیا ہے دعاؤں کو
قبول کرنے والا اور اپنے بندوں کے حالات کو جاننے والا
ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں نمازوں اور
دعاؤں کا ہی ذکر ہے نہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے باپ دادوں کا۔ بھی وہ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ دعائیں
سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یعنی تیری اور میرے
ساتھیوں کی دعائیں تعلیم اسلام کو مکمل سے مکمل کرئی
چلی جاتی ہیں۔ اسی کی طرف دوسری جگہ قرآن کریم میں
ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ قُلْ دَعَايَ عِلْمًا
دُعَايَ یعنی تو ہمیشہ اللہ سے یہ دعا کرتا رہ۔ کہ
اے میرے رب! میرے علم کو بڑھا۔ چونکہ یہ قرآنی دعا
ہے۔ اس لئے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی
یہ دعا نہیں مانگتے تھے بلکہ سارے مسلمان مانگتے تھے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تو اس دعا سے یہ
ہوتی تھی کہ اے خدا! تو مجھ پر قرآن کریم کو مکمل سے
مکمل تر کر کے امار اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ

اور لوگ ہاں حج کرنے کیلئے آیا کرتے تھے۔ اس لئے چند
سہرے برادر وہ لوگوں نے جمع ہو کر تجویز کی کہ اس سال جب
یابہر سے لوگ حج کرنے کے لئے آئیں گے تو اگر ہم ان کو
آپ کے متعلق مختلف باتیں بتائیں گے تو وہ ہماری باتوں
کو غلط سمجھیں گے۔ چاہیے کہ بل کر ایک فیصلہ کر لیا جائے
اور وہی جواب انہیں دیا جائے۔ اس پر ان میں سے
ایک شخص نے کہا کہ ہم کہہ دیا کریں گے کہ وہ جھوٹا ہے۔
جب اس نے یہ بات کہی۔ تو اسی وقت ایک شدید
ذہن النضرین الحارث جوش سے کھڑا ہو گیا اور کہنے
لگا۔ تم یہ کیا بات کر رہے ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو
ہم صادق اور امین کے طور پر پیش کیا کرتے تھے اس لئے
اب اس کو ایسے جھوٹا کہیں گے۔ وہ لوگ تو اس جواب
میں لازم قرار دینگے اور کہیں گے کہ تم غلط بیانی سے کام لے
رہے ہو (شفاء قاضی عیاض) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی کے
تم بھی قائل ہو تو پھر اُسی منہ سے یہ کس طرح کہہ رہے
ہو کہ اس پر شیطان کلام لے کر نازل ہوتا ہے شیطان
تو جھوٹوں اور گھٹکاروں پر نازل ہوا کرتا ہے اور محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ جھوٹوں والا نہیں بلکہ اس کا
چالیس سالہ عمل اور کردار و تمہارے سامنے ہے اور تم صاب
جلتے ہو کہ یہ شخص تم صاب میں سے زیادہ راستباز تھا۔
بھیر یہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ تم شیطان کے نزول
کے لئے اُسی شخص کا نام لے رہے ہو جو شیطان کا صاب
سے بڑا دشمن ہے۔

پھر فرماتا ہے یٰلَاقُوا الشَّعْمَ وَاکْثُرُوْهُمْ
ذَٰلَکُمْ یُّوْنُسُ۔ وہ لوگ اپنے کان آسمان کی طرف لٹکائے
رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ آسمان
کا ہر اپنے کان لٹکائے رکھنے کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی
تو یہ ہیں کہ وہ اس بات کی خواہش اور تمنا کیا کرتے ہیں

کہ ان پر الہام نازل ہو اور انہیں کچھ غیب کی خبریں معلوم ہو
جائیں۔ اور وہ اپنی اس خواہش میں اس قدر بڑھ جاتے
ہیں کہ آخر انہیں شیطانی الہام ہونے لگ جاتے ہیں۔
جس کی وجہ سے وہ خود بھی ٹھوکر کھاتے ہیں اور دوسروں
کے لئے بھی ٹھوکر کا موجب بنتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ حالت ہے کہ بجائے اس کے کہ
وہ خدا تعالیٰ سے کہے کہ مجھ پر کلام نازل کر خدا خود
اس پر کلام نازل کرتا ہے اور وہ نفسانی رنگ میں کبھی
یہ خواہش نہیں کرتا کہ خدا اس پر کلام نازل کرے تاکہ
وہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے۔ ہاں جو کلام خود
اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس پر
وہ اس کا شکر بجا لاتا ہے لیکن جو آناک اور اشیام
ہوتے ہیں ان کے دلوں میں ہر وقت یہی خواہش موجزن
رہتی ہے کہ کسی طرح ان پر کلام نازل ہو جائے۔ وہ
لوگ کہیں مسموم نہیں کرتے ہیں کہیں ہینا بزم کا عمل کرتے
ہیں اور کہیں طیفیہ کرتے اور پٹے کاٹتے ہیں اور اس
تمام حد و جہد سے ان کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے
کہ انہیں کچھ غیب کی خبریں معلوم ہو جائیں۔ حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرمایا کرتے تھے
کہ تم کبھی یہ خواہش نہ کرو کہ خدا تعالیٰ کا کلام تم پر نازل ہو
ہاں اگر خدا تعالیٰ کا کلام تم پر نازل ہوتا ہے اور تم
کو کوئی الہام ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔
تم اگر اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہتے ہو تو اس کا فضل
مانگو۔ ہاں اگر کسی خاص موقع پر انسان استخارہ کر کے
خدا تعالیٰ سے ہدایت طلب کرے تو اور بات ہے۔
لیکن کلام الہی مانگنا اور اس کی خواہش کرنا تو اس
بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے مد نظر صرف اپنی
بڑائی کا خیال ہے خدا تعالیٰ کے قرب کی اُسے کوئی
خواہش نہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

مُتَّبِعٌ (طوراً) یعنی کیا اُن کے پاس کوئی ایسی میٹر تھی جس کے ذریعہ وہ آسمان پر جا کر خدا تعالیٰ کی باتیں سُن سکتے ہیں۔ اگر اُن میں کوئی اس امر کا مدعی ہے کہ وہ آسمان پر گیا تھا۔ اور اس نے خدا تعالیٰ کی باتیں سُنیں تھیں تو وہ اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ آسمان کی باتیں سُننا تو اَللّٰہ دِلّٰہ تک کسی کے جانے کی اہلیت بھی قرآن کریم نے تسلیم نہیں کی۔ اور جب یہ حقیقت ہے تو یَلْقَوْنَ السَّمْعَ کے یہ معنی کرنے کس طرح جائز ہو سکتے ہیں کہ وہ آسمان کی باتیں سُننے کے لئے اپنے کان لٹکائے رکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایسا آسمان کی باتیں سُننے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مومن انسانوں سے خدا تعالیٰ کی باتیں سُننے ہیں۔ لیکن اُن میں جھوٹ ملا کر قرآن کریم کو بدنام کرنے کے لئے لوگوں میں شہور کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کا جھوٹ لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے۔ پس اس کے یہ معنی نہیں کہ شیطان آسمان پر جا کر ملا علی اور جبریل اور عرش کی باتوں کو سُن لیتا ہے اور پھر وہ زمین پر آ جاتا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ شیطان کے مشیل ہوتے ہیں اور جنہوں نے بلیسی جا رہیں تو یہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ وہ آسمانی باتوں کو ایسے رنگ میں بگاڑ کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ایک فتنہ برپا ہو جاتا ہے اور کئی لوگ اُن کے فریب میں آ جاتے ہیں۔ گویا براہ راست کلام الہی کے سُننے سے تو وہ محروم ہی ہوتے ہیں۔ آسمانی کتابوں سے وہ جو کچھ آسمانی باتیں حاصل کرتے ہیں اُن میں بھی اپنی عادت کے مطابق اپنے پاس سے جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اور اس طرح لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہی حقیقت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی بیان فرمائی ہے کہ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَیْطَانِ الْفِئَسِ وَالْجِبِّ يُؤْتِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ

زَخَرَفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (انعام ۴) یعنی اے ہمارے رسول! جس طرح تیرے زمانہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے زمانہ میں انسان شیطانوں اور جن شیطانوں کو چھوڑ رکھا تھا اور وہ ایک دوسرے کو دھوکا دینے کیلئے جھوٹی باتیں سُناتے تھے۔ یہ آیت بھی باقی سے کہ انبیاء کے دشمن جو بڑے لوگوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور عوام الناس میں سے بھی ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو غیب کی باتیں نہیں بتاتے بلکہ جھوٹی باتیں بتاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو مسلمان علماء نے قرآن کریم کی تفسیر کبھی نہیں اور بعض دوسرے تفسیرین نے بھی قرآن کریم کی تفسیر لکھی ہیں۔ لیکن عیسائی پادریوں نے اپنی تفسیر میں اسلام کو بدنام کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ پس آسمانی باتیں سُننے کے لئے کان تو مومن بھی رکھتے ہیں اور کافر بھی۔ مگر مومن تو اس لئے کان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سُنیں اور اس پر عمل کریں۔ اور کفار اس لئے رکھتے ہیں کہ وہ اس میں جھوٹ ملا کر لوگوں کو اور زیادہ گمراہ کریں اور انہیں خدا اور اُس کے رسول سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔ پھر فرماتا ہے۔ وَ أَكْثَرُھُمْ كَذِبُونَ۔ اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ تَنْزِيلٌ عَلَى كُلِّ نَبِيٍّ اَنْبِیَہُمْ شَیْطَانٌ یَّجْھُوتُ گنہگار پر نازل ہوتے ہیں اور یہاں فرماتا ہے کہ اَكْثَرُھُمْ كَذِبُونَ۔ ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ جب اکثر جھوٹے ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سارے جھوٹے نہیں ہوتے حالانکہ کُلِّ اَقْلَامٍ اَنْبِیَہُمْ کہہ کر ان میں سے ہر ایک کو بلا استثناء جھوٹا کہا گیا تھا۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ اَكْثَرُھُمْ کے الفاظ اَقْلَامِ اَنْبِیَہُمْ کے متبعین کے لئے آئے ہیں یعنی اَقْلَامِ اَنْبِیَہُمْ کے متبعین میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۵﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي

اور شعراء کی جماعت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہوتے ہیں۔ (اے مخاطب) کیا تیری سمجھ میں (اب تک) نہیں آیا

كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۲۲۶﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۷﴾

کہ وہ (یعنی شعراء) تو ہر وادی میں بے مقصود کے پھرتے ہیں۔ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ

سوائے (شاعروں میں سے) مومنوں اور نیک عمل کرنے والوں کے اور ان کے جو اللہ تعالیٰ کا

كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۚ وَ

(اپنے شعروں میں) کثرت کی ذکر کرتے ہیں اور اگر سچو کرتے ہیں تو ابتدا میں کرتے بلکہ مظلوم ہونے کے بعد جائز بدلہ لیتے ہیں اور

سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۸﴾

۱۱
ع
۱۵

وہ لوگ جو ظالم ہیں ضرور جان لیں گے کہ کس مقام کی طرف ان کو لوٹ کر جانا ہو گا۔

کہ وہ کہہ جا رہا ہے (اقرب) پس یٰٰهِيْمُونَ کے معنی ہونگے وہ مگر گردان پھرتے ہیں۔

۱۲
ع
۱۵

انْتَصَرُوا: انتصروں سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور انتصروں کے معنی ہیں انتقم منہ اُس سے بدلہ لیا۔ اور جب انتصروں علیہ کہیں تو معنی ہوتے ہیں استظہر۔ اس پر غالب آ گیا۔ وَ اِنتَصَرَ مِنْ ظُلْمِهِ: اُس کے ظلم سے محفوظ ہو گیا۔ (اقرب) پس انتصروں کے معنی ہیں۔ وہ انتقام

۱۳
ع
۱۵

لیتے ہیں۔ تقسیم:- کفار کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو شکر اپنے جن خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے قرآن کریم نے ان کا مختلف مقامات میں ذکر کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ وہ کسی آپ کو بخون کہنے لگ جاتے تھے۔ کسی کہتے کہ اسے پریشان خواب آتی ہیں۔

ضروری نہیں کہ ان کا اِثِم کے متبعین سارے کے سارے جھوٹے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اُن میں سے بعض غلطی خوردہ ہو اور وہ اپنے لیڈروں کو سچا سمجھ کر ان کے پیچھے چل رہے ہوں۔ پس چونکہ دنیا میں اس قسم کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو جھوٹ کو سچ سمجھ کر اختیار کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے تمام متبعین جھوٹ اور کذاب ہوتے ہیں۔ بلکہ فرمایا کہ اَلشُّرُكُومُ كَذِبُونَ اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ ہاں ایک قلیل تعداد غلطی خوردہ لوگوں کی بھی ہوتی ہے۔

۱۴
ع
۱۵

مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور هَامَ عَلَى ذُجْهٍ کے معنی ہیں ذُحْبٌ مِنَ الْعَشَقِ اَوْ غَيْرِهِ لَا يَدْرِي اَيُّنَ يَتَوَجَّهُ کہ اپنے عشق یا کسی اور مقصد کی خاطر ادھر ادھر گھومتا پھرتا ہے اور اس کو معلوم نہ ہوا

جن کی وجہ سے یہ ایسا دعویٰ کر بیٹھا ہے کبھی کہتے یہ ساحر ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ خود تو نیک بخت ہے۔ لیکن کسی اور نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ گویا یہ ساحر نہیں بلکہ مسحور ہے۔ کبھی کہتے یہ کاہن ہے۔ کبھی کہتے کہ ایسے کوئی اور شخص باتیں سکھا دیتا ہے یہ کلام اس کا اپنا نہیں۔ کبھی کہتے کہ اس کے ساتھ شیطان کا تعلق ہے کبھی کہتے یہ مغتری اور کذاب ہے اور کبھی کہتے کہ یہ شاعر ہے۔ چنانچہ مورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ بَلْ قَالُوا أَأَعْجَبَاتِ أَخْلَاقِهِمْ بَلْ افْتَرَاكَ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ۔ (انبیاء ۷) یعنی مخالف کہتے ہیں کہ یہ کلام تو پریشان خواہ میں ہیں بلکہ پریشان خواہیں بھی نہیں اسے دیدہ دلستہ یہ باتیں اپنے پاس سے بنائی ہیں بلکہ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک شاعرانہ مزاج رکھنے والا آدمی ہے جس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات اٹھتے رہتے ہیں اور جس طرح مشہور اور قادر الکلام شعرا کے اشعار میں بڑی بھادی فصاحت و بلاغت اور لہجہ پروازی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کا کلام بھی شاعرانہ فصاحت و بلاغت کا حامل ہے۔ پس درحقیقت یہ بھی ایک شاعر ہے کوئی روحانی آدمی نہیں۔

اللہ تعالیٰ زیر تفسیر آیات میں کفار کے اس ادعا کو بھی اظہارِ ثابت کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ تمہارا یہ خیال بھی غلطی طور پر غلط ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شعرا پر ایسے لوگ ہی گردیدہ ہوتے ہیں جن کا تقبی اور روحانیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چونکہ شعرا اپنے شعر میں عموماً عشق اور محبتِ نفسانہ اور شہوانیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس لئے ایسے ہی لوگ ان کے پیچھے چلتے ہیں جو خود بھی تقویٰ سے دور ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض آوارہ نوجوانوں کو ان کے سینکڑوں

اشعار یاد ہوتے ہیں اور بعض شاعروں کی غزلیں رنڈیاں لگاتی ہیں کیونکہ ان میں خدا اور اس کے رسول کا کہیں ذکر نہیں ہوتا بلکہ عموماً ان کے مذہبیہ نوجوانوں کے شہوانی جذبات کو تحریک دی جاتی ہے اور داعی اور ناصح پر پھبتیاں اڑائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے ان کی ایسے ہی لوگوں میں مقبولیت ہوتی ہے جن کا روحانیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنی صداقت اور دیانت اور عفت اور پاکیزگی کا ایک بے مثال نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کر رکھا ہے۔ ان کی راتیں قیام و سجود میں اور ان کے دن ذکر الہی اور اعلا کلمہ اسلام میں بسر ہوتے ہیں۔ پھر تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ جس مقدس انسان کا دامن چھو کر ان کے اندر ایسی پاکیزگی پیدا ہوئی ہے وہ تمہارے مدعی شاعروں کی طرح ایک ایسا انسان ہے جو جذبات کو بھڑکا کر لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر رہا ہے۔ اس کی جماعت کی پاکیزگی اور ان کا تقویٰ و طہارت میں بے مثال نمونہ قائم کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمہارا یہ ادعا بالکل باطل ہے۔ اور تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ پھر فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي ضَلَلٍ وَاِذْ يَتْلُوُ شِعْرًا كَاِذَا تَمْتَلَعُ لِيُحْيِيَهُمْ وَاِذْ يَتْلُوُ شِعْرًا كَاِذَا تَمْتَلَعُ لِيُحْيِيَهُمْ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شاعر مختلف طبائع کو خوش کرنے کے لئے کبھی ادھر کی بات کرتے ہیں کبھی ادھر کی۔ ان کے سامنے کوئی خاص مقصد اور مادہ نہیں ہوتا بلکہ جو چیز بھی ان کے ذہن میں آجائے اسی کے متعلق وہ کچھ نہ کچھ کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ شاعروں کی کوئی غزل لے لو فی حُلٍّ وَاِذْ يَتْلُوُ شِعْرًا كَاِذَا تَمْتَلَعُ لِيُحْيِيَهُمْ۔ ان کی ہر غزل میں نظارہ نظر آ جا سکا۔ ایک شعر میں تو لکھا ہو گا۔ تِسْ مَرَّ لِيَا۔ میرا معشوق مجھ سے بے وفائی کرتا ہے۔ اور میں اس کے ہجر میں مایوسی بے انتہائی

کی وجہ سے جاں بلب ہوں۔ مگر ساتھ ہی اگلے شعر میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ مجھے اپنے معشوق کا دھال نعیب ہوا۔ میں جی اٹھا اور میں زندہ ہو گیا۔ سادی غزل کا ایک شعر بھی دوسرے شعر سے جوڑ نہیں رکھتا۔ ایک شعر میں وہ کچھ اور بیان کر رہے ہوتے ہیں اور دوسرے شعر میں وہ کہیں اور نکل جاتے ہیں۔ ایک شعر میں تو وہ کہتے ہیں۔ میں محبوبک ملنے کی تیاری کر رہا ہوں۔ اور دوسرے میں کہتے ہیں۔ ہائے مر جا رہا ہوں۔ غرض ان کی غزلوں کا ہر شعر دوسرے سے متعلق ہوتا ہے اور ان کی باتوں کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہوتا کبھی بھر کہتے ہیں کبھی دھڑکے بھی کہتے ہیں۔ میں اپنے محبوبک عشق میں مر گیا حالانکہ وہ زندہ ہے شعر میں کہتے ہیں کبھی کہتے ہیں اپنے معشوق کے عشق میں سرگردان ہوں۔ حالانکہ وہ اچھے بھلے دنیا کے کام کر رہے ہوتے ہیں کبھی کہتے ہیں معشوق ہر وقت ہمارے دل میں ہے اور یہ بالکل جھوٹ ہوتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ میں اپنے محبوبک لئے خون کے، نسو پی رہا ہوں۔ حالانکہ وہ آرام سے زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ نہ مر رہے ہوتے ہیں نہ خون کے، نسو پی رہے ہوتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ لوگوں کے جذبات کو ابھارا جائے چاہے وہ ابھارنا اچھے رنگ میں ہو یا برے رنگ میں کبھی وہ خوشی کی باتیں کرتے ہیں اور کبھی غمی کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَحْمَتِيْ جَبَّ وَادَّ يَتَيْمِيْمُوْنَ یعنی وہ ہر جنگی میں اور ہر وادی میں سرگردان پھرتے ہیں۔ انکو کسی جگہ بھی جذبات کے ابھارنے کا سامان مل جائے پے پے کہیں سے ملے لیتے ہیں۔ وہ عاشقوں کو بھی خوش کرتے ہیں اور معشوقوں کو بھی۔ وہ غریبوں کو بھی خوش کرتے ہیں اور امیروں کو بھی۔ وہ مظلوموں کو بھی خوش کرتے ہیں اور ظالموں کو بھی۔ وہ غالب کو بھی خوش کرتے ہیں اور مغلوب کو بھی۔ ان کو تو ہر قسم کی خوشی مطلوب ہوتی ہے۔

چاہے میں ان کو اپنے شعروں میں کتنا بھی جھوٹ کیوں نہ بولتا پڑے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی غریب ہمارے شعر پڑھے یا امیر۔ ظالم پڑھے یا مظلوم۔ عاشق پڑھے یا معشوق، غالب پڑھے یا مغلوب سب کے سب خوش ہو جائیں چاہے ان کے اشعار حقیقت سے کہتے ہی دُور ہوں۔ پس شعراء کا مقصد اور مدعا یہی ہوتا ہے کہ ہر خاص و عام ان سے خوش ہو جائے اور ان کے شعروں کی داد دے۔ چنانچہ کبھی وہ کسی امیر کی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ کچھ پڑے مل جائیں یا کوئی وظیفہ مقرر ہو جائے ورنہ اسکی ذات سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ نظم شعروں کے ایک شخص نے جو سخت بھوکا تھا ایک دفعہ چند لوگوں کو جو اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہیں جاتے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ یہ غالباً دعوت پر جا رہے ہیں میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ جب یہ کھانا کھانے لگیں گے تو میں بھی وہیں سے کھانا کھا لوں گا۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جاتے جاتے وہ بادشاہ کے دربار میں جا پہنچے اور انہوں نے اس کی تعریف میں قصائد پڑھنے شروع کر دیے۔ تب اسے پتہ لگا کہ یہ تو شاعر ہیں اور اپنے اپنے قصائد سناتے آئے ہیں۔ چنانچہ ہر شاعر نے اپنی اپنی باری پڑھ کر قصیدہ سنانا شروع کر دیا۔ یہ اب سخت سیران ہوا کہ میں کیا کروں شعر کہنے کی ٹیم میں قابلیت نہیں تھی۔ مگر طبیعت وظیفہ سنج تھی۔ جب سب شاعر اپنے اپنے قصائد سننا چکے اور بادشاہ سے انعام ملے کہہ روں کو روانہ ہو گئے تو بادشاہ اس سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔ اب آپ قصیدہ شروع کریں وہ کہنے لگا حضور میں شاعر نہیں ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ وہ کہنے لگا حضور میں۔ تو سب ان جیسے کا

قرآن کریم میں اس طرح ذکر آتا ہے کہ وَالشَّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُنَّ
الْبَغَاذُ شاعروں کے پیچھے غادی آیا کرتے ہیں۔ وہ
شاعر تھے اور عین غادی ہوں۔ بادشاہ کو اس کا یہ
لطیفہ پسند آگیا اور اس نے حکم دے دیا کہ اسے بھی
کچھ انعام دے دیا جائے۔ اب یہ ہے تو ایک لطیفہ
لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شاعروں کے پیچھے
چلنے والے عموماً گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں کیونکہ شاعر
کبھی کبھی کہہ دیتے ہیں کبھی کچھ۔ ان کا کوئی اصول نہیں ہوتا
کبھی ہنر لیکھ کلام سے لوگوں کو ہنسالتے ہیں۔ کبھی شہادت
امام حسینؑ کا واقعہ لکھ کر لوگوں کو رلاتے ہیں کبھی مدح
تصائد پڑھتے ہیں اور کبھی اس کی تجویز کرنا شروع کر دیتے
ہیں۔ غرض ہر جگہ میں مگر گردان پھرتے ہیں۔ کوئی ایک
مقصد اور مدعا لے کر کھڑے نہیں ہوتے مگر محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا میں توحید پھیلانے کے لئے
آیا ہے اور یہی ایک مقصد ہے جو رات اور دن اس
کے دماغ پر حاوی رہتا ہے اور اسی کے لئے وہ تکلیفیں
اٹھا رہا ہے۔ پھر تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ یہ ایک
شاعر ہے۔ اگر تشریح ہوتا تو اس کا بھی کوئی مقصد نہ
ہوتا۔ جدھر لوگوں کی اکثریت ہوتی ادھر ہی چل پڑتا
اور ان کو خوش کرنے کی کوشش کرتا۔ مگر اس نے تو
سب دنیا کو اپنا منافع بنالیا ہے اور ہر ایک کو توحید
کی طرف لانے کی کوشش کر رہا ہے پھر یہ شاعر
کس طرح ہوا؟

پھر فرماتا ہے وَانَّهُمْ يَفْعَلُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ

شاعروں میں ایک یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ انکا قول
اور ہوتا ہے اور فعل اور۔ اور وہ جو کچھ منہ سے کہتے
ہیں عملاً وہ ایسا نہیں کرتے۔ یعنی اگر وہ اپنے اشعار
میں لوگوں کو اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے
ہیں تو خود مشابہ ہیں پتے میں اور اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے

کی نصیحت کرتے ہیں تو آپ نماز اور روزہ کے قریب بھی
نہیں جلتے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو
قول ہے وہی اس کا عمل ہے اور جو بات اس کے عمل
میں ہے۔ وہی اس کی زبان پر ہے۔ پس تمہارا یہ کہنا کہ
محمد رسول اللہ ایک شاعر ہے محض حقائق پر غور نہ کرنے
کا نتیجہ ہے۔ اگر تم غور کرو تو تمہیں نظر آجائے گا کہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شعراء کے کلام اور
ان کے کردار میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے اور دونوں
کی آپس میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

پھر فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصَّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَانْتَصَرُوْا مِنْ
بَعْدِ مَا ظَلَمُوْا۔ ہاں ان شاعروں کو ہم مستثنیٰ کرتے
ہیں جو مومن ہیں اور مناسب حال عمل کرتے ہیں۔ وہ
اگر شعر کہتے ہیں تو ان کا شعر حقیقت پر مبنی ہوتا ہے
اور وہ وہی کچھ شعر میں کہتے ہیں جو عملی زندگی میں ان کے
اندہ پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال کے طور پر ہم حضرت
حسان بن ثابتؓ کے وہ اشعار پیش کرتے ہیں جو انہوں
نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہے۔
جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
وفات پا گئے ہیں تو انہوں نے اپنے درد اور کرب کا
اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

كُنْتَ الشَّوَادِلَنَا ظِرْفِيْ نَجْحِيْ عَلَى النَّاطِلِ
مَنْ سَأَلَ بَعْدَكَ فَلَيْتَ فَعَلَيْكَ كُنْتَ اَمَّادًا

یعنی اے محمد رسول اللہ! تو تو میری آنکھوں کی شبلی تھا
آج تیرے مرنے سے میری آنکھیں اندھی ہو گئیں اب
خواہ کوئی مرے۔ میرا باپ مرے۔ میری ماں مرے۔ میری
مرے۔ بھائی مرے۔ بیٹا مرے۔ مجھے ان میں سے کسی کی
موت کی پرواہ نہیں جس تو میری موت سے ہی ڈرا کرتا تھا
حضرت حسان بن ثابتؓ جنہوں نے یہ شعر کہے۔ وہ

خود بھی نیک تھے اور ان کے یہ اشعار بھی حقیقت پر
پر مبنی تھے۔ پس یقیناً ایسے لوگ پہلے گروہ میں شامل
نہیں۔

پھر فرمایا: ان کی عادت میں یہ بات داخل ہوتی
ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ اور
غیر مومن شاعروں کی طرح حرف موند سے یہ نہیں
کہتے رہتے کہ ہم اپنے محبوب کے لئے یہ یہ قربانیاں کر گئے
بلکہ جب دین کے بارہ میں ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو
وہ عسلاً اس کا بدلہ لیتے ہیں اور ثابت کر دیتے ہیں کہ
جس ذرا بیت کا انہوں نے اپنے شعروں میں ذکر کیا تھا
عملاً بھی وہ ذرا بیت ان کے اندر پائی جاتی ہے۔ مگر اسکے
ساتھ ہی ان کا یہ رویہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے غیبت
پر ظلم کریں بلکہ وہ ہمیشہ ظلم کے بعد بدلہ لیتے ہیں خود
کسی دوسرے پر ظلم نہیں کرتے۔

اس آیت میں بھی اور قرآن کریم کی متعدد دوسری
آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح
کو لازمی قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ
منافی بھی زبان سے کہہ دیتا ہے کہ میں ایمان لایا ہوں یا
میں خدا تعالیٰ اور اس کی شریعت کو مانا ہوں اور لوگ بھی
اس کے اس ظاہری قول کے مطابق یہ خیال کرنے لگتے
ہیں کہ وہ مومن ہے۔ حالانکہ نہ تو وہ خود اپنے دل میں
اسلام کو مان رہا ہوتا ہے اور نہ ہی خدا تعالیٰ اس کے
اس ایمان کو تسلیم کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی طلب کر کے فرماتا ہے کہ
بعض دفعہ لوگ تیرے پاس آتے ہیں اور تمیں کھا کھا کر کہتے
ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم بھی گواہی
دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ مگر یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں
صرف زبان سے ہی کہتے ہیں ان کے دل میں ایمان نہیں۔
اس کے مقابلہ میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے

دل میں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایمان کی حقیقت کو پوری
طرح جانتے ہیں مگر واقعہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں
جانتے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے بعض باتیں جو
اشاروں میں کہی جاتی ہیں ان کے متعلق بعض دفعہ دوسرا
سمجھتا ہے کہ میں نے فلاں کے اشارے کو سمجھ لیا ہے
اور اشارہ کر دیا لا بھی سمجھتا ہے کہ دوسرے نے میرا
اشارہ سمجھ لیا ہے۔ لیکن جب بات کھلتی ہے تو معلوم
ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کے مطلب کو
نہیں سمجھا تھا۔ لطیفہ مشہور ہے کہ اکبر بادشاہ کے دربار
میں ایک دفعہ ایران کا کوئی صوفی آیا۔ اور اس نے
کہا۔ آپ اپنے علماء کو بلا لیں میں ان سے کچھ سوال
کرنا چاہتا ہوں۔ اکبر نے علماء کو بلوایا۔ جب وہ پہنچ گئے
تو اس صوفی نے اشارے کرنے شروع کر دیئے۔ اکبر
نے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کوئی بات کریں جس کی
سمجھ بھی آ سکے۔ صوفی نے کہا باتیں تو جہلاً بھی کر
لیتے ہیں۔ علماء کا کام تو صرف اشارے سمجھنا ہے۔
اگر یہ اشارے نہ سمجھ سکیں تو علماء کیسے ہوئے۔ آخر
جب علماء ان اشاروں کو نہ سمجھ سکے تو ان کو مقابلہ
سے عاجز سمجھا گیا۔ اور کہا گیا کہ یہ ہار گئے ہیں۔ امیر
نائب الامین بن ابو حسان جو ملا دوپاڑہ کے نام سے مشہور
ہے اٹھا۔ اور اس نے کہا۔ میں اس صوفی کے ساتھ
مقابلہ کرتا ہوں۔ بادشاہ نے ایرانی صوفی سے کہا۔
اب کوئی سوال کرو۔ صوفی نے ہاتھ کی ایک انگلی دکھائی
ملا دوپاڑہ نے اس کے جواب میں دو انگلیاں کھولیں
صوفی نے ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ہجہ دکھایا۔ اس
کے جواب میں ملا دوپاڑہ نے مسطحی بند کر کے مٹکا
دکھا دیا۔ اس کے بعد صوفی نے زمین پر ایک گول
دائرہ بنایا۔ اور ملا دوپاڑہ نے اس گول دائرہ
کے درمیان ایک نقطہ لگا دیا۔ اور وہ صوفی کہنے لگا۔

واقعہ یہ شخص قابل ہے۔ اور میں اس کے سامنے اب کوئی سوال نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے صوفی سے پوچھا۔ کہ تمہارا انگلی دکھانے سے کیا مطلب تھا۔ اس نے کہا۔ میرا یہ مطلب تھا کہ اللہ ایک ہے اور لا دو پیازہ نے اس کا بالکل ٹھیک جواب دیا کہ اللہ تو ایک ہے مگر اس کے ساتھ اس کا رسول بھی ہے۔ پھر میں نے پانچ انگلیاں دکھائیں جس سے میرا مطلب یہ تھا کہ پانچ ہی میں جن پر اسلام کی بنا ہے۔ اس کے جواب میں لا دو پیازہ نے کہا کہ واقعی پانچ ہی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ایک ہی ہیں اور اس کے منکاً دکھانے کا یہی مطلب تھا۔ پھر میں نے زمین پر گول دائرہ بنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ زمین گول ہے۔ اس کے جواب میں لا دو پیازہ نے اس میں نقطہ لگا کر یہ کہا کہ زمین تو گول ہے مگر وہ اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ جب لا دو پیازہ سے پوچھا گیا کہ تم نے کیا سمجھا تھا۔ تو اس نے کہا کہ جب صوفی نے ایک انگلی دکھائی تو میں یہ سمجھا کہ یہ کہتا ہے کہ میں تیری ایک آنکھ بھوڑ دوں گا۔ مگر میں نے اس کے جواب میں دو انگلیاں دکھا کر کہا کہ میں تیری دونوں آنکھیں بھوڑ دوں گا۔ پھر میں نے پنجہ دکھایا تو میں نے سمجھا کہ یہ مجھے کہتا ہے کہ میں تیرے منہ پر تھپڑ ماردں گا۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تمہیں گھونہ ماردں گا۔ پھر میں نے زمین پر حجب گول دائرہ بنایا۔ تو میں نے سمجھا کہ یہ کہتا ہے کہ انسان کے لئے دو ٹی ضروری چیز ہے۔ اس پر میں نے درمیان میں نقطہ لگا کر کہا کہ صرف دو ٹی سے کچھ نہیں بنتا ساتھ پیازہ بھی ہونا چاہیے۔

اسی طرح ایک شخص زبان سے تو کہہ دیتا ہے کہ میں ایمان لایا اور وہ سمجھتا بھی یہی ہے کہ میں ایمان کی حقیقت سے واقف ہوں مگر وہ ایمان کی حقیقت

کو نہیں سمجھ رہا ہوتا۔ پس ایک ایمان تو اس قسم کا ہوتا ہے کہ ایک شخص منافقانہ طور پر معرفت زبان سے کہتا ہے میں ایمان لے آیا اور اس کے قول کے مطابق لوگ بھی سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ ایمان لے آیا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کے ایمان کی حقیقت کو ابھی طرح جانتا ہے اور وہ منافق بھی اپنے دل میں کہتا ہے کہ میں تسخیر کر رہا ہوں۔ لیکن دوسرا ایمان اس قسم کا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھتا ہے کہ میں ابھی طرح ایمان کی حقیقت کو سمجھتا ہوں مگر دراصل وہ کچھ بھی نہیں سمجھتا ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں تیسری قسم کا ایمان یہ ہے کہ ایک شخص فی الحقیقت ایمان کو سمجھ جاتا ہے اور لوگ بھی کہتے ہیں یہ ایمان دار ہے اور اللہ تعالیٰ بھی کہتا ہے کہ یہ ایمان دار ہے۔ اس کی مثال اس درخت کی سی ہوتی ہے جس کی جڑ زمین کے اندر دود تک چلی گئی ہو اور کسی قسم کی آندھیاں اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ پہلی قسم کے ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کوئی چھوٹا سا پودا اکھڑ کر ہاتھ میں بٹھا ہوا ہو۔ اور اس کی جڑوں کا زمین کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ اور دوسری قسم کے ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک درخت بظاہر زمین میں نکا ہوا ہو مگر اس کی جڑیں بالکل زمین کی اوپر والی مٹی میں ہوں۔ اور وہ کسی کے ذرا سے دھکے کے ساتھ ہی زمین پر آ رہے اور تیسری قسم کے ایمان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک بڑا تناور درخت ہو۔ اور اس کی جڑیں بھی پاتاں تک چلی گئی ہوں۔ یہی اصل ایمان ہے جو انسان کی نجات کا موجب بنتا ہے اور اس ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے ہاں جن باتوں کو نیک عمل کہتے ہیں یا انگریزی میں جنہیں گڈ ایکشنز (good actions) کہتے ہیں

کہتے ہیں قرآن کریم انہیں عمل صالح قرار نہیں دیتا۔ سارے قرآن میں شاذ و نادر کے طور پر شاید ہی کسی ایک مقام پر نیک عمل کے لئے خیر کا لفظ استعمال ہوا ہو تو ہوا ہو۔ دہ نہ قرآن کریم ہمیشہ عمل صالح کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک نیکی وہی ہے جو مطابق حالات ہو۔ اور اگر حالات کے مطابق کوئی عمل نہ ہو تو وہ عمل صالح نہیں کہلائیگا۔ مثلاً اگر لوگوں سے مدد یافت کیا جائے کہ نیک عمل کوئے ہیں تو وہ کہیں گے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد وغیرہ۔ حالانکہ قرآن کریم سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض نمازیں بڑی ہوتی ہیں۔ اسی طرح روزے اور بعض صدقہ و خیرات انسان کو ثواب پہنچانے کی بجائے مے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنا دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خالی نماز نیک عمل نہیں۔ اگر خالی نماز نیک عمل ہوتا تو ذیل لِمُحْصَلَاتٍ کیوں آتا۔ اور کیوں اللہ تعالیٰ فرماتا کہ بعض نمازیں پڑھنے والے جو ریاء کے لئے پڑھتے ہیں جو اس لئے پڑھتے ہیں کہ لوگ کہیں یہ بڑے بزرگ ہیں۔ یہ بڑے زاہد اور عابد ہیں۔ اُن پر ہماری لعنت ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض روزے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا انسان کو مورد بنا دیتے ہیں۔ مثلاً انسان حید کے دن روزہ رکھے تو وہ اسلامی نقطہ نگاہ سے شیطان بن جائیگا۔ یا حج ہے۔ اگر انسان اسی حالت میں کرے جب اُس میں حج کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ یا زکوٰۃ اسی حالت میں دے جبکہ زکوٰۃ اُس پر فرض نہ ہو تو یہ اعمال صالح نہیں کہلا سکتے۔ عمل صالح وہی عمل ہے جو مطابق حالات اور موقع کے مناسب ہو۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ عَلِمُوا الصَّالِحَاتِ کا ذکر کیا ہے۔ لوگ غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نماز نجات دلائیگی۔ یا

روزہ نجات دلائیگی۔ یا حج نجات دلائیگا۔ یا زکوٰۃ نجات دلائیگی۔ حالانکہ نماز وہ نجات دلا سکتی ہے جو نماز پڑھنے کے موقع پر پڑھی جائے۔ اگر کسی وقت کفار سے جہاد ہو رہا ہو۔ طائی لڑی جا رہی ہو۔ مسلمان مارے جا رہے ہوں۔ کفار بڑے چلے آ رہے ہوں اور کوئی شخص معنی بھیجا کر نماز پڑھنے لگ جائے۔ تو ہم کہیں گے اس کی نماز کوئی نماز نہیں۔ اس وقت جہاد کا کام کرنے کا وقت تھا۔ معنی پڑھ کر تبصرہ پھیرنے کا وقت نہیں تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز کے وقت نماز نہ پڑھے اللہ کے میں جہاد کیلئے چلا ہوں تو ہم کہیں گے وہ نماز سے بچنے کا بہانہ تلاش کر رہا ہے غرض اپنی ذات میں نہ نماز نجات دلا سکتی ہے۔ نہ روزہ نہ زکوٰۃ نہ حج نہ جہاد۔ بلکہ جو نیک کام بھی موقع اور محل کے مطابق ہو وہی انسان کے کام آتا ہے۔ مومنوں کی دوسری خصوصیت اس آیت میں بتائی گئی ہے کہ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بڑی کثرت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا میں بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو صرف اس وقت ذکر کی طرف توجہ قائم رکھ سکتی ہیں۔ جب وہ اکیلے ذکر میں مشغول ہوں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو دوسروں کو ذکر کرتا دیکھیں تب اُن میں ذکر کر نیکا جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انفرادی اور جماعتی دونوں قسم کے ذکر نمازوں میں جمع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ظہر اور عصر کی نمازیں اس طرح پڑھی جاتی ہیں کہ ہر شخص اپنا اپنا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ امام اپنے خود پر خاموشی سے ذکر کر رہا ہوتا ہے اور مقتدی خاموشی سے اپنے طور پر ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن مغرب مشاء اور فجر کے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ طریق مقرر کر دیا کہ جب امام سورۃ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اگر جب وہ قرآن پڑھے تو

تم خاموش رہو۔ غرض نمازیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا طریق رکھا ہے کہ بعض جگہ لوگوں کو کلیئہ امام کے تابع کیا ہے۔ امام کہتا ہے اللہ اکبر تو مقتدی بھی کہتا ہے اللہ اکبر۔ امام رکوع میں جاتا ہے۔ تو مقتدی بھی رکوع میں چلا جاتا ہے۔ امام سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی بھی سجدہ میں جھک جاتا ہے لیکن جو خاموشی کا حصہ ہوتا ہے اس میں ہر شخص آزاد ہوتا ہے۔ مقتدی کوئی دُعا مانگ رہا ہوتا ہے اور امام کوئی دُعا مانگ رہا ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں طبائع کا علاج کر دیا۔ ان کا بھی جو دوسروں کو ذکر میں مشغول دیکھ کر ذکر کرنے کی عادی ہوتی ہیں اور ان کا بھی جنہیں اس وقت عبادت میں لذت آتی ہے جب وہ علیحدہ ہوں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں مجلس میں دُعا کرتے وقت رقت آتی ہی نہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جو بھی وہ کسی کی چیخ سُننے میں ان کی بھی جنہیں نکل جاتی ہیں پیچھے انہیں جوش نہیں آتا۔ لیکن دوسرے کی گریہ و زاری دیکھ کر انہیں بھی رونا آ جاتا ہے لیکن کامل مومن وہ ہوتا ہے کہ جب وہ علیحدہ بیٹھتا ہے تب بھی خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جب مجلس میں بیٹھتا ہے تب بھی اس کا ذکر کرتا ہے۔ اسی درجہ سے اسلام نے انفرادی ذکر پر بھی بڑا زور دیا ہے اور اجتماعوں کے مواقع پر بھی ذکر الہی پر زور دیا ہے۔ چنانچہ مسلمان جب حج کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الہی ہوتا ہے۔ عیدین کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الہی ہوتا ہے۔ شادی اور بیاہ کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الہی ہوتا ہے۔ جنازہ کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی ذکر الہی ہوتا ہے۔ گویا ہر قسم کے اجتماعوں کو باہر کرتے ہوئے اسلام نے یہی بنایا ہے کہ ذکر الہی پر زور دیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں انفرادی

ذکر کی اہمیت بھی اسلام نے بار بار بتائی ہے یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت۔ کھانے سے فارغ ہوتے وقت سوتے وقت جاتے وقت۔ سفر پر جاتے وقت۔ پھر سے آتے وقت۔ غم کے وقت خوشی کے وقت۔ مسجد میں آتے وقت اور مسجد سے جاتے وقت۔ بلندی پر چڑھتے وقت اور بلندی سے اترتے وقت۔ اسی طرح آئینہ دیکھتے وقت۔ کپڑے بدلتے وقت۔ نیا چاند دیکھتے وقت۔ یہاں تک کہ عوی کے پاس جاتے وقت بھی دعاؤں اور ذکر الہی کی تاکید کی ہے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ ورنہ تمہارا کام بے برکت ہو جائیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر نماز کے بعد تین دفعہ مَبْتَحَاتُ اللہ تین دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ مگر اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ مومن کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ صرف تین تین یا چونتیس دفعہ تسبیح و تحمید کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بات بات پر وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ مَبْتَحَاتُ اللہ یا اللہ اکبر کہتے رہتے ہیں۔ اور درحقیقت اگر عذر سے کام لیا جائے تو یہ دونوں باتیں ہی ضروری تھیں۔ کیونکہ عشق میں انسان کی دونوں حالتیں ہوتی ہیں۔ عشق میں ایک حالت تو وہ ہوتی ہے جب انسان اور کاموں سے فارغ ہو کر اپنے محبوب سے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور عشق کی دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ خواہ اور کاموں میں مشغول رہے اس کا دل اپنے محبوب کی طرف ہی رہتا ہے۔ پس عشق دونوں باتوں کا تقاضا کرتا ہے۔ عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے لئے اور کاموں سے فارغ ہو جائے۔ اور عشق یہ بھی چاہتا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کا ہر وقت ذکر کرتا رہے۔

اور اُس کے فضلوں اور احسانات کا بار بار ذکر کیا جائے۔

تیسری خصوصیت اللہ تعالیٰ نے مجاہد مومنوں کی یہ بتائی ہے کہ **وَأَنْتُمْ مُرْدَأَمٌ بَعْدَ مَا ظَلَمُوا**۔ وہ خود تو کسی پر ظلم نہیں کرتے لیکن اگر کوئی دوسرا اُن پر ظلم کرے تو پھر وہ پیچھے نہیں ہٹتے بلکہ دلیری سے ظالم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ چونکہ یہ سورۃ لکھی ہے جب کہ ابھی عہدِ جاہلیہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے درحقیقت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی فرمائی ہے کہ اس وقت تو مسلمان دشمن کے ظلم و ستم سہہ رہے ہیں لیکن مت سمجھو کہ دشمن کے یہ مظالم رائج یا چلے جائیں گے بلکہ ایک دن آئے گا کہ ہم انہی مظلوم اور بے کس بندوں کو دشمن کے مقابلہ کی اجازت دے دیں گے۔ مگر اس وقت بھی یہ اپنے دشمن پر کوئی ظلم نہیں کریں گے بلکہ صرف جائز حد تک اس کے مظالم کا انتقام لیں گے۔ اور پھر آخر میں سب سے بڑی دلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے کہ **وَسَيُخْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِلَّا الَّذِينَ مُنْقَلَبٌ يَنْتَقِلُونَ**۔ وہ لوگ جو ظلم کر رہے ہیں منقرِب جان لیں گے کہ اُن کا انجام کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور شیطان کے بندوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر امر پر قادر ہے اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے لیکن شیطان ایسا نہیں کر سکتا یہ منقرِب خدا تعالیٰ اپنی مدد کو ظاہر کر دے گا اور اسلام کے ظالم معترض دیکھ لیں گے کہ اُن کا آخری ٹھکانہ کہاں ہے اور اس طرح دنیا کو پتہ لگ جائے گا کہ آیا وہ شیطان کے پیچھے چل رہے تھے یا مسلمان شیطان کے پیچھے چل رہے تھے +

میں چونکہ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اس لئے اسلام نے بعض جگہ تسبیح و تحمید کی ایک معین مقدار بھی مقرر کر دی اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ مومن صرف اس تعداد پر رخصت نہیں رکھتے بلکہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہر وقت اُن کی زبانیں ذکر الہی سے تر ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں ملی کر ایک مومن کے مشق کو مکمل کرتی ہیں۔ اگر اسے یہ خیال آتا رہے کہ میں فلاں وقت میں ذکر کرونگا اُگے پیچھے نہیں کرونگا تو اس کے سامنے یہ ہونگے کہ وہ اپنے اوقات کو گلی طور پر خدا تعالیٰ کی یاد میں صرف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ مقررہ وقت آئے تو وہ ذکر کرے۔ حالانکہ مومن وہی ہے جو ہر حالت میں خدا تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بزرگ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے کہ "دست در کارِ دل بایار" یعنی انسان کے ہاتھ تو کاموں میں مشغول ہونے چاہئیں لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ میں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کروں۔ تو انہوں نے کہا کہ "محبوب کا نام لینا اور پھر گن گن کر"۔ تو اصل ذکر وہی ہے جو اُن گنت ہو۔ مگر ایک معین وقت مقرر کرنے میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اس وقت اپنے محبوب کے لئے اور کاموں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ دونوں حالتیں ضروری ہیں اس لئے صحیح طریق یہی ہے کہ معین رنگ میں بھی ذکر الہی کیا جائے اور غیر معین طور پر بھی اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔

سُورَةُ النَّملِ

سورة نمل

مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعٌ وَتَسْعُونَ اَيَةً وَسَبْعَةٌ رُّوْعًا

یہ سورۃ مکی ہے۔ اور بسم اللہ سمیت اس کی چورائوسے (۹۴) آیتیں اور سات (۷) رکوع ہیں۔

وقتِ تنزیل

اس سورۃ کو ابن عباسؓ اور ابن جریرؓ نے مکی قرار دیا ہے اور باقی مسلمان علماء بھی اسی کی تصدیق کرتے ہیں۔ دہریہ نے بھی اسے مکی ہی قرار دیا ہے۔

قریبی تعلق

اس سورۃ کا سورۃ شعراء سے قریبی تعلق یہ ہے کہ سورۃ شعراء کے آخر میں یہ بتایا گیا تھا کہ مومن غالب آئیں گے اور کفار خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق تباہ ہوں گے مگر چونکہ مضمون کفار کی تباہی کا تھا سورۃ کا سارا زور اس قانون الہی کی تفصیل میں تھا کہ کفار ہمیشہ تباہ ہوتے چلے آئے ہیں آپ کیون تباہ نہ ہونگے۔ سورۃ نمل میں اس مضمون کے دوسرے معنی پہلو کو زیادہ واضح کیا گیا ہے کہ مومن باوجود کمزور ہونے کے ترقی پاتے رہے ہیں۔ کفار کی تباہی کا ذکر بے شک سورۃ کے آخر میں کیا گیا ہے لیکن زیادہ زور اس سورۃ میں اس اصول پر ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی آواز میں کرعیہ ذہنی اور فکری اور اخلاق اور نظام الہی کو قبول کرتے رہے ہیں وہ ہمیشہ عزت پاتے رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی عارضی نہ ہوگی بلکہ ایک نئے عرصہ تک وہ ترقی کرتے چلے جائیں گے اور بنی اسرائیل کی طرح صرف اپنے ہی ملک کے بادشاہ نہیں ہونگے بلکہ غیر ملکوں کے بھی بادشاہ ہونگے۔

اس سورۃ کا سورۃ شعراء سے دوسرا تعلق یہ ہے کہ سورۃ شعراء کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ اس نبی کو شاعر کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر شیطان نازل ہوتا ہے حالانکہ شیطان جھوٹ بولنے والے اور گنہگار پر نازل ہوا کرتا ہے۔ اور پھر شیطان کا طریق یہ ہے کہ وہ خدائی تعلیمات کو شکر نہیں لوگوں کے سامنے اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ یعنی آسمانی تعلیموں میں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اس لئے وہ تعلیمات فوجیہ نیز نہیں ہوتیں اور شعراء جو کہ شیطانوں کی پیروی کرتے ہیں ان کے پیچھے صرف گمراہ لوگ چلتے ہیں کیونکہ وہ کسی مقصد کو لئے کرکھڑے نہیں ہوتے صرف دلچسپ باتیں کرنے کا انہیں شوق ہوتا ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ وہ ہر وادی میں بہکتے پھرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔

اب اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سورۃ کی آیتیں ایک ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو ہمیشہ پڑھی جاتی رہے گی اور جو تمام دینی امور کو خوب کھول کر اور با دلیل بیان کرتی ہے اور جو مومنوں کو سچا راستہ دکھانے والی ہے اور جو اس پر عمل کرتے ہیں ان کو نیک انجام کی خبر دیتی ہے۔ اس لئے یہ شیطان کی تعلیم نہیں ہو سکتی کیونکہ شیطان نہ سچا راستہ دکھاتا ہے نہ اس کی تعلیم پر چل کر کوئی شخص خدا کی

حمت اور برکت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اس کتاب پر ایمان لانے والے وہ ہیں جو خدا کی عبادت کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور بعد میں آنے والے کلام پر یا بعد میں آنے والی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یعنی اَدُل تَوْشِیْطًا کی نازل کردہ تعلیم میں جھوٹ ہوتا ہے ہدایت نہیں ہوتی دوسرے اس تعلیم کے متبع ہدایت سے ہٹکے ہوئے جاتے ہیں اور نیکو کار نہیں ہوتے۔ لیکن اس کتاب میں ہدایت ہے اور سمجھائیاں ہیں اور اس کے ماننے والے لوگ خدا تعالیٰ کی بھی عبادت کرتے ہیں اور بندوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے ہیں اور ہمیشہ ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والی باتوں کے ماننے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری زندگی کا احساس بھی ہر وقت اُن کے دل میں رہتا ہے۔

پس نہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان اُتر سکے ہیں جو ایسی کتاب لائے ہیں جو ہدایت اور بشارت ہے اور نہ آپ کو شاعر کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آپ کے ماننے والے انسانوں کی ہمدردی اور خدا تعالیٰ کی محبت کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اور شاعر نہ خود عمل کرتا ہے اور نہ اس کے اتباع عمل کرتے ہیں۔

خلاصہ مضامین | اس سورۃ کے شروع میں طسّسِ حمدت مقلعات میں سوائے ہیں جو نہ کہ یہ حمدت مقلعات م کی نیادتی کے ساتھ سورۃ شعراء سے بھی پہلے آئے ہیں اس لئے یہ سورۃ سورۃ شعراء کے مضامین کے سلسلہ میں ہی ہے۔

طسّس میں ط لطیف کا قائم مقام ہے اور مں مسمیٰ کا۔ پھر فرماتا ہے بَلِّغْ آيَاتِ الْقُرْآنِ وَكِتَابِ مَسِيحٍ۔ اس سورۃ میں جو آیتیں بیان کی گئی ہیں وہ قرآن کا حصہ ہیں اور ایک ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو اپنی دلیل خود بیان کرتی ہے اور

یہ کتاب کامل ہدایت بھی ہے جیسا کہ ہُدٰی کی تخریج سے جو اس کو نگرہ بناتی ہے ظاہر ہے اور نگرہ غفلت کے لئے آیا کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے بشارت کا موجب ہے۔ ایسے مومنوں کے لئے جو اپنی دینی عبادتوں کو خدا تعالیٰ کے حضور میں ہمیشہ پیش کرتے رہتے ہیں اور اکیلے ہی عبادت نہیں کرتے بلکہ دوسرے بنی نوع انسانوں کو بھی عبادت کی طرف راغب کر کے باجماعت نماز ادا کرتے ہیں (جیسا کہ یقینوں کے لحاظ سے ظاہر ہے اور اجماعت ہمیشہ نماز باجماعت میں ہی کہی جاتی ہے) اس طرح وہ مومن جن کے لئے قرآن بشارت ہے وہ ہیں جو اپنے احوال میں سے ایک حصہ ہمیشہ خدا تعالیٰ راہ میں غریبوں اور ناداروں پر خرچ کرنے کے لئے دیتے رہتے ہیں اور وہ یہ خرچ لوگوں کا میسر بننے کے لئے نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو جائے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اُن کو یقین ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے نتیجہ میں آخران کو روحانی اور جسمانی درجات میں اعلیٰ مرتبہ (آیت ۳۲ و ۳۳)

لوگ جو انجامِ آخر پر خواہ وہ دنیوی ہو یا اُخروی ایمان نہیں لاتے اُن کو اپنی سب کڑیوں میں غور نظر آتی ہیں اور وہ جیتے پھرتے ہیں اُن کو بڑا عذاب ملے گا اور وہ آخر کار ناکام رہیں گے اور نقصان اٹھائیں گے (آیت ۶۵)

تجہ پر جو یہ قرآن نازل ہوا ہے یہ بڑی حکمت والے اور ہم دالے خلا کی طرف سے ہے۔ اس لئے اس میں بڑی برکتیں ہیں۔ بڑی حکمتیں ہیں اور بڑا علم ہی (آیت ۳)

لے کتاب العوس بسبکی شرح مختصر المعانی جزو اول ۳۴۹

جانے والے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ فرمانبرداری سے نکلے ہوئے تھے۔ لیکن ہوا کہ جب موسیٰ وہ نشان لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس آیا تو باوجود اس کے کہ وہ نشان بڑے واضح تھے اور حقیقت کو دکھانے والے تھے انہوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اور کہا یہ تو کھلا کھلا فریب ہے۔ اور بڑی سختی سے ان نشانوں کا انکار کیا۔ حالانکہ ان کے دلوں نے ان کو سمجھا ہی تھا۔ ان کا یہ انکار ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا۔ پھر دیکھ کہ ایسے فساد کی لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ (آیت ۱۴۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت داؤد اور سلیمان کا ذکر کرتا ہے اور ان دونوں کا قول یہ بیان فرماتا ہے کہ ہمیں بہت سے مومن بندوں پر خدا تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے۔ یعنی خلافت لدعائی اور عباسی کے ذریعہ۔ (آیت ۱۶)

اس کے بعد فرماتا ہے کہ حضرت داؤد کی وفات پر سلیمان تخت نشین ہوئے اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ مجھے بھی وہ بولی سکھائی گئی ہے جو بلندی کی طرف پرواز کرنے والے لوگوں یعنی اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو سکھائی جاتی ہے۔ اور مجھے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے خدا تعالیٰ ان کو مہیا کر دیتا ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ (آیت ۱۷)

پھر فرماتا ہے۔ ایک دفعہ سلیمان کے سامنے جوڑوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے ان کے لشکر حاضر کئے گئے اور انہیں ترتیب وار الگ الگ کھڑا کیا گیا۔ یہ انفاظ دلائل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان اس وقت کسی ملک پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہے تھے (آیت ۱۸)

آپ اپنے لشکر کے ساتھ جارہے تھے کہ راستہ میں آپ منہ قوم کی دادی میں سے گزرے۔

موسیٰ کا واقعہ ہم تجھے بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ اس نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ میں نے اللہ کے کچھ الگ دیکھی ہے میں وہاں جا کر یا تو کوئی معلومات اس ملک یا اس راستہ کی لاتا ہوں یا کوئی انگارہ لاتا ہوں تاکہ تم آگ سینکو۔ (آیت ۸)

جب موسیٰ اس آگ کے پاس آئے تو انہیں پکار کر کہا گیا کہ اس آگ میں جس کا جلوہ نظر آیا ہے یعنی خدا تعالیٰ کا وہ بڑی برکت والا ہے اور اس آگ کے ارد گرد کا علاقہ بھی برکت والا ہے۔ یعنی جو لوگ اس کلام کو قبول کرینگے وہ بھی بڑی برکت ملیں گے۔ وہ رب انظرین خدا جس نے اپنا جلوہ اس آگ میں دکھایا ہے بڑا پاک ہے۔ (آیت ۹)

پھر کہا گیا کہ اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں اور بڑا غالب اور حکمت والا ہوں۔ یعنی جو نظارہ تم نے دیکھا ہے وہ خدا کا جلال ہے اور تو اپنا عصا پھینک دے۔ جب انہوں نے عصا پھینکا تو دیکھا کہ وہ اس طرح ہلتا تھا جس طرح سانپ ہلتا ہے۔ موسیٰ ڈسے اور پیٹھے پھیر کر بھاگے۔ اس پر ان کو الہام ہوا کہ اے موسیٰ! ڈر نہیں۔ ڈر میرے دشمنوں کے لئے ہے۔ ڈر میرے رسولوں کے لئے نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص غلطی سے ظلم کرے اور پھر اس کے بعد نیکی اختیار کرے تو میں معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں (آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴)

اور اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال۔ جب تو اس کو نکالے گا تو دیکھے گا وہ بالکل سفید ہے۔ یعنی وہ چمکتا ہوا نظر آئے گا۔ مگر کسی قسم کا عیب اس میں نہیں ہوگا۔ (آیت ۱۳)

یہ نشان جو ہم نے موسیٰ کو دیا یہ ان نشانوں میں سے ایک تھا جو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجے

کہ تو سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ مگر پہلے میرا یہ خط لے جا
اور اسے ملکہ اور اس کے درباریوں کے سامنے دکھو اور
خود مؤدبانہ طور پر پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور
دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں (آیت ۲۳ تا ۲۹)
جب ہڈ ہڈ نے وہ خط پیش کیا۔ تو ملکہ نے
اپنے درباریوں سے کہا کہ یہ ایک بڑا معزز مکتوب
ہے جو سلیمان کی طرف سے آیا ہے اور اس میں لکھا
ہے کہ میرے خلاف سرکشی مت کرو اور فرمانبردار ہو کر
میرے حضور حاضر ہو جاؤ۔ (آیت ۳۰ تا ۳۲)

اس کے بعد ملکہ سبا نے اپنی قوم کے سرداروں
سے کہا کہ اس شکل مسئلہ کے حل کے لئے مجھے ضرور
دو۔ انہوں نے کہا حضور ہم تو بڑے طاقتور ہیں اور
آرمودہ کا درجہ میں ہیں۔ مگر فیصلہ بہر حال آپکے اختیار
میں ہے۔ ملکہ سبا نے کہا۔ بات دراصل یہ ہے کہ
بادشاہ جب اپنے زبردست لشکروں کے ساتھ کسی
ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ کر رکھ دیا کرتے
ہیں اور وہاں کے معزز شہریوں کو ذیل جانوروں کی طرح
بنا دیتے ہیں۔ اس لئے میں نے تو یہ تجویز سوچی ہے
کہ میں حضرت سلیمان کو ایک تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھ
ہوں کہ میرے آدمی کیا جواب لاتے ہیں (آیت ۲۳ تا ۳۵)
حضرت سلیمان کو جب وہ تحفہ پیش کیا گیا۔ تو
انہوں نے کہا کہ خدا نے مجھے اس سے بہتر چیزیں دے
رکھی ہیں۔ یہ تحفہ جو مجھے دشوت کے طور پر پیش کیا
گیا ہے مجھے اپنے عزائم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ لے
ہڈ ہڈ ان کی طرف واپس لوٹ جا اور انہیں بتا دے
کہ اب میں ایک ایسا لشکر لے کر ان پر چڑھائی کرونگا
جس کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں ہوگی۔

پھر حضرت سلیمان نے اپنے سردار ابن شکر سے
کہا کہ بیشتر اس کے کہ یہ لوگ میسرہ اطاعت کا

جس کو غلطی سے مفسرین نے چوٹیوں کی دادی سمجھ لیا،
آپ کو اور آپ کے لاؤشکر کو دیکھ کر ملکہ قوم کی ملکہ
نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ اے ملکہ قوم کے لوگو
اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ تاکہ یہ خیال کر کے کہ
تم سلیمان کے لشکر کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو سلیمان اور
اس کا لشکر تمہیں پاؤں کے نیچے نذرانہ ڈالے۔ حضرت
سلیمان ملکہ قوم کی ملکہ کے اس اعلان پر نہیں پڑے اور
اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ اس نے دور دراز کے ملکوں
میں بھی یہ بات پھیلادی ہے کہ سلیمان ظالم نہیں اور
وہ اپنی قوموں کے ساتھ بھی انصاف کرتا ہے (آیت

۲۰ تا ۱۹)

اس وقت حضرت سلیمان نے اپنے لشکر کا بازو
لیا تو ایک سردار لشکر کو جس کا نام ہڈ ہڈ تھا غائب
پایا۔ ایسے نازک موقع پر ایک فوجی افسر کے غائب
ہونے سے آپ کو شدید تشویش ہوئی اور آپ نے کہا
کہ میں یقیناً اُسے سخت ترین سزا دینگا یا اُسے قتل
کر دوں گا۔ اور یا پھر اُسے واضح دلیل کے ساتھ بلانا پڑے گا
کہ وہ کیوں غائب رہا۔ (آیت ۲۱ تا ۲۲)

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ وہ سردار واپس آگیا
اور اس نے بتایا کہ چونکہ آپ ملک سبا پر حملہ کرنے
کے لئے جا رہے تھے۔ میں پہلے سے اس ملک کے حمایت
دریافت کرنے کے لئے وہاں چلا گیا اور اب میں یہ دپوڑ
لے کر آیا ہوں کہ اس ملک کی حکمران ایک عورت ہے
لیکن غضب کی حاکم ہے۔ ہر قسم کے ساز و سامان اس
کے پاس موجود ہیں اور اس کی بادشاہت بہت بڑی ہے
لیکن روحانی لحاظ سے یہ خرابی بھی ہے کہ ملکہ اور اس کی
قوم سورج کی پرستش کرتی ہے اور توحید سے روگردان ہے
حضرت سلیمان سمجھ گئے کہ وہ شرارتا غائب نہیں ہوا تھا
اور انہوں نے کہا۔ بہت اچھا ہم وہاں جا کے دیکھیں گے

آئی۔ (آیت ۴۴ تا ۴۵)

حضرت سلیمانؑ کے واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ
شود کا ذکر فرماتا ہے۔ کیونکہ شود کی قوم کا بہت سا
علاقہ حضرت سلیمانؑ کے ماتحت آگیا تھا۔ اور بتا
ہے کہ ان کے نبی نے بھی ان کو توحید کی تعلیم دی مگر
وہ لوگ دوگرہوں میں تقسیم ہو گئے۔ بعض نے مالِ باد
بعض نے نکار کر دیا۔ حضرت صالحؑ کے سمجھانے پر انہوں
نے کہا کہ اسے صالحؑ! ہم تو تجھے سبزدان سمجھتے ہیں۔ انہوں
نے کہا: مجھے بھی تہلوی خیر نظر نہیں آتی کیونکہ تم ایک
ایسی قوم ہو جو سچے دین کو چھوڑ بیٹھی ہو۔ شود کی قوم
میں نو بڑے بڑے محاذ تھے جنہوں نے آپس میں ملکر
تسمیں کھائیں اور ایک دوسرے کو اکسایا کہ ذات کے
وقت صالحؑ اور اس کے اہل و عیال پر چھاپہ مارو اور
اُسے قتل کر دو۔ اور جب کوئی پوچھے تو صاف انکار
کر دو اور کہو کہ ہم نے تو اس کی ہلاکت کا واقعہ دیکھا
ہی نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی غالب آئی چنانچہ
دیکھ لو کہ ان کے گھر تہارے سانے اُڑے پڑے ہیں۔
اور غالی اور دیران ہیں۔ (آیت ۴۶ تا ۵۴)

اس کے بعد لوطؑ کا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ
انہوں نے اپنی قوم کو جیسی بے اعتدالیوں سے روکا۔
مگر قوم نے مخالفت کی۔ آخر زلزلہ سے ان کے شہر کو
اُٹا دیا گیا اور وہ قوم تباہ کر دی گئی۔ (آیت ۵۵ تا ۵۹)
ان انبیاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
اب بتاؤ کہ کیا اللہ اچھا ہے جو اپنے بندوں کو
بچاتا رہتا ہے یا معبودانِ باطلہ اچھے ہیں جن کے
ماننے والے کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ (آیت ۶۰)
پھر فرماتا ہے۔ تم اتنا تو سوچو کہ زمین و آسمان کا
خدا جو بادلوں سے پانی اتار کر قسم قسم کے باغ اُگاتا
ہے وہ بہتر ہے یا وہ معبودانِ باطلہ بہتر ہیں جو ان

دم بھرتے ہوئے میرے پاس آئیں۔ تم میں سے کون ملک کا
تخت میرے پاس لا لینگا۔ ایک مرداد بولا کہ آپ کے چڑھائی کرنے
سے بھی پہلے میں وہ تخت لے آؤنگا اور اس ممتی دولت
کے لانے میں کسی قسم کی خیانت مجھ سے سرزد نہیں ہوگی
لیکن ایک اور شخص جس کو دینی علم حاصل تھا اُس نے کہا
کہ یہ تو پھر بھی دیر میں لا لینگا میں آپ کی آنکھ جھپکنے
سے بھی پہلے وہ تخت لے آؤنگا۔ یعنی ایک نیا اور
اعلیٰ درجہ کا تخت بنوا کر آپ کے دربار میں فوراً حاضر
کر دوں گا۔ جب حضرت سلیمانؑ نے دیکھا کہ ایک اعلیٰ
درجہ کا تخت بن کر آگیا ہے تو وہ اللہ کا شکر بجا
لائے۔ مگر انہوں نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ایسا تخت
بنا کر لاؤ جسے دیکھ کر ملک کو اپنا تخت حقیر نظر آنے
لگے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا اس بات کو دیکھ کر
وہ اپنے گھنڈ پر ہی قائم رہتی ہے یا میری برتری
اور فوقیت کو تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا
آخر ملک آئی تو اُس سے پوچھا گیا کہ بتاؤ تمہارا تخت
بھی ایسا ہی ہے۔ اس پر بجائے پوری طرح تسلیم کرنے
کے وہ کہنے لگی کہ یہ ویسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (آیت
نمبر ۳۶ تا ۴۳)

تب حضرت سلیمانؑ نے اُس پر شرک کی برائی واضح
کی اور عملِ رنگ میں اُس پر توحید کی حقیقت آشکار کرنے
کے لئے ایک محل بنوایا جس میں شیشہ کے ٹکڑے لٹکائے
گئے تھے۔ ان کے نیچے پانی بہہ رہا تھا۔ ملک سب اُس
محل میں داخل ہوئی تو اُس نے سمجھا کہ سچ سچ پانی
بہہ رہا ہے اور گھبرا کر اُس نے اپنے کپڑے اُس لئے
حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ بلنی تجھے غلطی لگی ہے۔ یہ
پانی نہیں بلکہ شیشہ میں سے پانی نظر آ رہا ہے۔ اس
ذیل سے وہ سمجھ گئی کہ توحید ہی سچی ہے اور وہ شرک
جھوٹا ہے حضرت سلیمانؑ علیہ السلام پر ایمان لے

ہاتوں پر اٹھ کر گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں مجھے ان کی تباہی پر غم نہیں کھانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ہر حال آنے والی ہے۔ ایسی طرح ان کی مخالفت نہ تدریجاً اس سے ہراساں نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انکی تمام تدبیریں ناکام رہیں گی۔ یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب کب آئیگا؟ فرماتا ہے کچھ تو جلدی آنے مقدہ ہیں اور کچھ دیر میں آئیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے وہ ان کے مخفی ارادوں اور ظاہری افعال کو خوب جانتا ہے۔ لیکن اپنے فضل کی وجہ سے ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔ (آیت ۶۸ تا ۷۵)

فرماتا ہے۔ آسمان اور زمین میں جتنے مخفی امور ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ چنانچہ اسکے نبوت میں قرآن کریم کو دیکھ لو کہ وہ بھی بات بیان کر دیتا ہے جبکہ بائبل اور دوسری الہامی کتب میں مرد زمانہ کی وجہ سے کئی قسم کی غلط باتیں باقی جاتی ہیں۔ یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا پیغام ہے اور وہ اس کے ذریعہ صرت بنی اسرائیل کا صداقت سے منحرف ہونا بھی ظاہر نہیں کریگا بلکہ وہ اسرائیلی قوموں کے درمیان فیصلہ بھی کریگا اور سچوں کو غالب اور جھوٹوں کو مغلوب کر دیگا۔ (آیت ۷۶ تا ۷۹)

فرماتا ہے۔ تیرا کام یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔ بیشک تیرا کام لوگوں کو حق پہنچانا ہے مگر پھر بھی جو مردہ دل لوگ ہیں ان کو نہیں منوایا جا سکتا۔ ایسی طرح بہر جب پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ تو اشارہ دیکھنے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اور اسکی ہدایت کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ یہی حال اس اندھے کا ہوتا ہے جو بینا کے پیچھے چلنے کے لئے تیار نہ ہو صرف اُسی کو سچائی سمجھائی جا سکتی ہے جو خدا تعالیٰ کے

باغوں اور پانیوں کے محتاج ہیں۔ ایسی طرح غور کرو کہ وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹکھرنے کے قابل بنایا ہے۔ اور اُس کے اندر دریا چلائے ہیں اور پھر اس نے میٹھے اور نیکین پانی میں ایک روک بنا دی ہے۔ کیا ایسے مدبّر خدا کا کوئی اور شریک پیش کیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بھی تو دیکھو کہ معصیت زدہ لوگوں کی دعاؤں کو کون قبول کرتا ہے اور کون ان کی دعاؤں کو قبول کر کے انہیں دنیا کا بادشاہ بنا دیتا ہے۔ کیا ایسے خدا کا کوئی اور ہمسر ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ (آیت ۶۱ تا ۶۳)

پھر فرماتا ہے کہ خشکیوں اور سمندر کے اندھیرے میں تمہیں کون راستہ دکھاتا ہے۔ ایسی طرح بادلوں سے پہلے بجلی چمکی ہوئی ہو اُس کون چلاتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو ایسا کر رہا ہے۔ ایسی طرح وہ جو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور پھر مہلث کے سلسلہ کو جاری رکھتا ہے اور جو آسمان اور زمین سے تپیں ہفت دیتا ہے کیا اُس قادر مطلق خدا کے سوا اور کوئی بھی معبود ہے۔ زمین و آسمان کے خیر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ مگر تمہارے معبود تو وہ ہیں جو اتنا بھی نہیں بتا سکتے کہ ان کا مشرک کاذب دنیا میں کب قائم ہو گا؟ (آیت ۶۴ تا ۶۷)

فرماتا ہے کفار بس ایسی الجھن میں پڑے رہتے ہیں کہ جب ہم اور تمہارے باپ دادا مر کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہم زندہ کس طرح ہونگے۔ یہ باتیں پہلے سے ہی جانی رہی ہیں اور حقیقت انہی کی نقل میں اب بھی رہی باتیں دہرائی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ کہانیاں ہی تھیں تو پھر پہلے منکرین نے اپنے اپنے زمانہ میں سزاؤں کیوں پائیں۔ اور اگر وہ سزا پاتے رہے ہیں تو اسے محمد رسول اللہ تیرے مخالفین بھی ان

يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ

نماز باجماعت ادا کرتے ہیں - اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں - اور

بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۵﴾

اور آخری زندگی پر (یا بعد میں آنے والی موعود باتوں پر) یقین رکھتے ہیں۔ ۵

میں موسیٰ اور داؤد اور سلیمان کا ذکر کیا گیا ہے جن کے وجود سے اللہ تعالیٰ کے واقف امراء و جانہ ہونیکا ثبوت تو ضرور ملتا ہے۔ اسی طرح اُس کے سمیع ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے مجید ہونے کا ثبوت جتنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زندگی سے ملتا ہے اتنا ثبوت حضرت موسیٰ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان یا ان کے ساتھیوں کی زندگی سے نہیں ملتا۔

تِلْكَ آيَاتُ الْفُرْقَانِ ذِكْرًا لِلَّذِينَ هُمْ عَنْهَا يُوقِنُونَ۔ فرماتا ہے اس سورہ کی آیتیں قرآن کریم کی آیتیں ہیں اور ایک ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو اپنے مضمون کو آپ کھول کر بیان کرتی ہے۔ اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت کا موجب ہے۔ مگر ان مومنوں کے لئے نہیں جو صرف منہ سے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان کے لئے جو نمازیں قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت میں تِلْكَ آيَاتُ الْفُرْقَانِ فرما کر قرآن کریم کی ایک ایسی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے جس سے باقی الہامی کتب کلیۃً محروم ہیں۔ دُنیا میں کوئی ایسی الہامی کتاب نہیں جو اس کثرت کے ساتھ طرہی جاتی ہو جس کثرت کے ساتھ دنیا میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور یہی وہ فضیلت ہے جو تِلْكَ آيَاتُ الْفُرْقَانِ میں بیان کی گئی ہے۔ اور

چوں جو مکہ میں ابراہیم کے ذبیحہ ظاہر ہوا تھا اور عملاً فرمانبروادی کا نمونہ بن کر دکھاؤں اور قرآن سب کو پڑھ کر سناؤں۔ میں کسی پر زبردستی نہیں کر دنگا بلکہ میرا کام صرف لوگوں کو پیغام حق پہنچانا ہے۔ آگے ماننا یا نہ ماننا اُن کا کام ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ خاموش بیٹھا رہیگا۔ وہ آسمان سے اترے گا اور ایسے نشان دکھائیگا جو تمہارے سامنے خدا تعالیٰ کے وجود کو لا کر کھڑا کر دیں گے۔ (آیت ۹۲ تا ۹۴)

۵۔ تفسیر :- اس سورہ سے پہلے بھی حروف مقطعات طس آئے ہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ط الحقیق کا قائم مقام ہے اور من سمیع کا۔

پہلی سورہ اور اس سورہ میں یہ فرق ہے کہ پہلی سورہ کے آخر میں متیم بھی آتا تھا جو مجید کا قائم مقام تھا۔ مگر اس سورہ میں اُسے اڑا دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی سورہ میں خدا تعالیٰ کی مجد اور بزرگی پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ اور اس سورہ میں مضمون تو مشترک ہے لیکن خدا تعالیٰ کے مجید ہونے پر اس میں اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا پہلی سورہ میں دیا گیا تھا اور اس کی ظاہری دلیل یہ ہے کہ پہلی سورہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر زیادہ کیا گیا تھا اور خدا تعالیٰ کی مجد اور اُس کی بزرگی زیادہ تر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ظاہر ہوئی ہے اور اس سورہ

بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن کی آیات ہیں یعنی اس کتاب کی آیات ہیں جس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن ہے یعنی وہ تلاوت میں اس قدر آتا ہے کہ دنیا کی اور کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

درحقیقت جو کتاب سب دنیا کو نائدہ پہچانے والی ہو ضروری تھا کہ وہ قرآن ہو یعنی کثرت سے پڑھی جانے والی ہو۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ تورات اور انجیل کے تراجم کے باوجود وہ اس قدر نہیں پڑھی جاتی جس قدر کہ قرآن پڑھا جاتا ہے حالانکہ وہ عربی زبان میں ہے اور لوگ بھی اسے عربی زبان میں ہی پڑھتے ہیں۔ مخالفین کا یہ کہنا کہ چونکہ ایسے ذرائع اختیار کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے لوگ اسے پڑھتے ہیں جیسا کہ نمازوں وغیرہ میں پڑھنا اور اس وجہ سے اس کا پڑھا جانا ایک طبعی امر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پھر بھی طبعی امر نہیں کیونکہ اول جس کتاب کو نماز میں پڑھنے کا حکم ہو ضروری نہیں کہ لوگ کثرت سے اُمیر ایمان لے آئیں۔ آخر

کثرت نسبت سے ہوتی ہے۔ دوسری کتب کے مقابل میں کثرت تلاوت اس کی بھی ہو سکتی تھی جبکہ اسکے ماننے والوں کی تعداد بھی بہت ہو۔ ورنہ اس کی کثرت سے تلاوت کس طرح ہو سکتی تھی۔ اور لوگوں سے منوالین تو طبعی امر نہیں ہے۔ سمجھ لوگ گرنہ پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ قرآن نہیں۔ کیونکہ ماننے والے نہایت محدود ہیں۔ اور کثرت سے پڑھنے والوں کا وجود یقیناً پیشگوئی کے تحت آ سکتا ہے۔

دوہم۔ اگر ماننے والے بھی کثرت سے ہوں تب بھی ضروری نہیں کہ لوگ حکم کو ماننے والے ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود غیر زبان ہونے کے لوگ کثرت سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ بھی طبعی امر نہیں ہے۔

سوم۔ پھر سوال یہ ہے کہ جبکہ الہامی کتب خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں اور خدا تعالیٰ عالم غیب ہے۔ یہ تدابیر جن سے قرآن پڑھا جاتا ہے اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہو سکتی تھیں۔ پھر کیوں نہ اُس نے دوسری کتب کے متعلق بھی وہ تدابیر اختیار کر لیں۔ یا اب کیوں وہ لوگ یہ تدابیر اختیار نہیں کر لیتے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جاہتا تھا کہ یہی ایک کتاب قرآن بنے۔ اور جب کتب کے نازل کرنے والے خدا نے صحت ایک کتاب کو ہی قرآن بننے کے لئے چنا ہے تو یقیناً وہ افضل ہے۔

چہارم۔ یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی عبادت اس قسم کی ہے کہ وہ بہ نسبت دوسری کتب کے جلد یاد ہو سکتی ہے۔ اس لئے لوگ اسے زیادہ حفظ کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیوں نہ دوسری کتب نے بھی ایسا ہی کر لیا اور پھر کیا اس قسم کی عبادت بنا کر کوئی امر ثابت ہے۔

غرض قرآن کریم کا قرآن ہونا ایک بہت بڑی بات ہے جس میں دوسری کتب شامل نہیں۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ بعض آریہ مباحثوں میں قرآن کریم کی آیات پڑھ کر فخر کیا کرتے ہیں کہ دیکھو ہم تمہاری کتب پڑھ لیتے ہیں مگر تم ہماری کتاب نہیں پڑھ سکتے۔ حالانکہ حقیقت میں ان کا یہ دعویٰ قرآن کریم کی تائید ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قرآن اپنے دعویٰ کے مطابق قرآن ہے اور دشمن بھی اسی کی زبان میں اُسے سیکھ سکتے ہیں اور دیدوں کا خود اس کے ماننے والے بخیر نہیں پڑھ سکتے۔ پس جو نام اس کا غیر معمولی حالات میں قرآن دکھا گیا تھا وہ سچا ثابت ہوا۔ اور دشمن نے خود اپنے فعل سے اسکی صدا پر مہر لگا دی۔

پس یہ ہم پر جنسی نہیں بلکہ ہماری اہامی کتاب کی تصدیق ہے۔

یہ ایک عجیب امر ہے کہ سورۃ حجر میں تو اللہ
تبارک آیات الکتاب و قرآن میں فرمایا ہے اور
اس سورۃ میں طس۔ تبارک آیات القرآن و
کتاب میں فرمایا ہے۔ گویا ایک جگہ کتاب کو پہلے
رکھا ہے اور قرآن کو بعد میں اور مبین کی صفت
قرآن کے ساتھ لگائی ہے اور دوسری جگہ قرآن کو پہلے
رکھا ہے اور کتاب کو بعد میں اور مبین کی صفت
کتاب کے ساتھ لگائی ہے۔ یہ فرق کیوں ہے؟

اس کے تعلق یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ سورۃ بقرہ کی اس آیت کے بعد کہ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَرَوَّانَ مُبِينٍ کفار کا ذکر ہے اور فرمایا ہے رُبَّمَا كَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا فَذَا نَارُ الْمُسْجَلِينَ اور سورۃ نمل کی آیت کے بعد مومنوں کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ اور یہ بات واضح ہے کہ کفار قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتے۔ اُن کا علم زیادہ تر مسلمانوں سے اُس کر ہوتا ہے اور سننے پر لفظ قرآن دلالت کرتا ہے۔ پس اُن کے لئے قرآن میں ہوتا ہے۔ اور مومن اپنے مولیٰ کے کلام کو پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں اور اُن کا پڑھنا اُن کے سننے سے زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ان میں اگر وہ ایک بارہ کی تلاوت کرتے ہیں تو شاید ایک بار سنستے ہیں۔ پس اُن کا علم زیادہ تر صفت کتاب سے ہوتا ہے۔ اس دہرے اُن کے لئے صفت کتاب زیادہ میں ہوتی ہے۔ پس اول الذکر مقام پر قرآن کے ساتھ میں کو لگایا اور ثانی الذکر مقام پر کتاب کے ساتھ۔ اور یہ جو آگے پیچھے ان لفظوں کو لیا گیا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ ہرگز یہ تعلق قرآن سے ہوا ہے۔ یعنی پہلے

وہ الفاظ سُنتا ہے۔ پھر اُس کا دل صاف ہو تو وہ اُسے اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ اور میں اُسے پہنچے واجب سمجھ کر ہونے ہوتا ہے چہرہ اُس کے بعد وہ اُس کی قرأت کی طرف توجہ کرتا ہے۔ پس جس چیز کو جس سے زیادہ قرب تھا اُس کے قریب اس لفظ کو رکھ دیا گیا ہے۔

پھر میرے نزدیک سورہ جہر میں کتاب کا لفظ پہلے اور قرآن کا لفظ بعد میں اور سورہ نمل میں قرآن کا لفظ پہلے اور کتاب کا لفظ بعد میں اُٹھے بھی دکھا گیا ہے کہ سورہ جہر میں کتاب کی صفت سے زیادہ اُس کے قرآن ہونے کی صفت پر زور دیا گیا ہے۔ اور چونکہ کسی چیز کا درجہ اور مقام بیان کرتے وقت چھوٹی چیز کو پہلے بیان کیا جاتا ہے اور بڑی کو بعد میں۔ اس لئے سورہ جہر میں کتاب کو پہلے اور قرآن کو بعد میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس سورہ میں چونکہ قرآن کریم کی زبانی تلاوت سے زیادہ اس کی تحریر کے اثر کو نمایاں کرنا تھا۔ اس لئے اس میں قرآن کا لفظ پہلے دکھا گیا اور کتاب کا بعد میں۔ مگر قرآن اور کتاب یہ دو نام نہیں بلکہ دو صفات ہیں جو قرآن کریم کی بیان کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب بھی ہے اور قرآن بھی۔ کتاب میں اُس کے تحریر میں آنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور قرآن میں اس کے بکثرت پڑھے جانے کی تشریح کی گئی ہے۔ اور یہ دونوں صفات یکجا ہی طور پر صرف قرآن کریم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ یعنی یہ کتاب تحریر میں بھی موجود ہے اور اس نسبت سے اس کی تلاوت بھی کی جاتی ہے کہ دماغ میں اور کوئی کتاب نہیں جس کی اس کثرت سے تلاوت کی جائے۔ ہمیشہ قورات اور انجیل بھی پڑھی جاتی ہیں مگر اتنی تودہ اس کثرت کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی۔

پر زور دیا گیا ہے جو بنی اسرائیل میں سے تھے اور جن میں کتابت کا رواج زیادہ اور زبانی یاد رکھنے کا رواج کم تھا۔ ان انبیاء کی اقوام نے جو کہ محمد ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے کلام کی صفت کتاب سے بہ نسبت صفت قرآن کے زیادہ فائدہ اٹھانا تھا اس لئے اس کی مناسبت سے اس کے قرآن کے لفظ پر کم اور کتاب پر زیادہ زور دیا۔ مگر دونوں صفات کا اکٹھا ذکر کر کے اس امر کی طرف توجہ دوئی گئی کہ قرآن کریم حفظ بھی کیا جائیگا۔ اور کھائی جائیگا لیکن وہ تو میں جو تحریر سے زیادہ فائدہ اٹھائی وہ اسے کتاب سے بڑھ کر زیادہ فائدہ اٹھائی اور اس سورۃ میں دہی تو میں غلطی کی گئی ہیں۔ گویا وہ تو میں جو حافظہ سے زیادہ کام لیتی ہیں ان کیلئے تو یہ قرآن مبین ہوگا۔ اور جو تو میں تحریر سے زیادہ فائدہ اٹھاتی ہیں ان کیلئے یہ کتاب مبین ہوگا۔

قرآن کریم پر نظر فرمادئے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآن مبین کا لفظ صرف دو دفعہ اور کتاب مبین کا لفظ بارہ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا کتاب ہونے کے لحاظ سے حلقہ زیادہ وسیع ہوگا اور اکثر لوگ اس کے کتاب ہونے سے ہی فائدہ اٹھائیں گے گو ایک طبقہ ایسا بھی ہوگا جو حفظ کے ذریعہ اس کی برکات سے بہرہ اندوز ہوگا۔ اور اس طرح مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ تعلیم کا رواج زیادہ کریں تاکہ مسلمان قرآنی برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہو سکیں۔

پھر تِلْكَ آيَاتُ الْفُرْقَانِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ میں قرآن کریم کی دوسری فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک کتاب ہے یعنی وہ لکھی ہوئی اور محفوظ ہے

کثرت کے ساتھ قرآن کریم پڑھا جاتا ہے۔ پھر قد تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسے عشاق عطا فرمائے ہیں جو اس کے ایک ایک لفظ کو حفظ کرتے اور رات دن خود بھی پڑھتے اور دوسروں کو بھی سنا تے رہتے ہیں۔ لیکن تورات اور انجیل کا دنیا میں کوئی حافظ نہیں۔ یہ دونوں کا ایک ایک لفظ یاد رکھنے والا دنیا میں کوئی فرد نہیں۔ یہی حال تہذیب اور اوستا کا ہے۔ صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جسے کتابی صورت میں بھی پڑھا جاتا ہے اور حفظ بھی کیا جاتا ہے۔ اور پھر نمازوں میں بھی پڑھا جاتا ہے۔ پس چونکہ اس سورۃ میں قرآن کریم کی زبانی تلاوت سے زیادہ اس کی تحریر کے اثر کو زیادہ نمایاں کرنا تھا۔ اس لئے اس سورۃ میں قرآن کا لفظ پہلے اور کتاب کا لفظ بعد میں رکھا گیا۔

پھر ایک نود حکمت بھی ان الفاظ کے آگے پیچھے کرنے میں ہے۔ اور وہ یہ کہ سورۃ بقرہ میں ان انبیاء کا ذکر تھا جن میں کتابت کا رواج کم تھا اور علوم کو زبانی یاد رکھا جاتا تھا۔ جیسے حضرت آدمؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت شعیبؑ اور حضرت صالحؑ وغیرہ۔ ان سب کے زمانوں میں تحریر کا رواج کم تھا۔ اور چونکہ سورۃ بقرہ میں انہی انبیاء کی قوموں سے خطاب کیا گیا ہے جن میں تحریر کا رواج کم تھا اور جنہوں نے حفظ کے ذریعہ سے قرآنی علوم سے فائدہ اٹھانا تھا۔ اس لئے اس سورۃ میں قرآن کے ساتھ مبین کا لفظ رکھا اور بتایا کہ ان اقوام میں اس کلام کی صفت قرآن لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچائیگی۔ لیکن کتاب کی صفت بھی ساتھ ہی بیان کر دی تاکہ قرآن کریم کی مکمل حفاظت کا اظہار ہو۔ لیکن اس سورۃ میں کتاب کے ساتھ مبین کا لفظ لگا دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہم السلام واقعات

”اسی طرح سر تسلیم میسر اپنی کتاب ”لأنت آت محمد“
میں لکھتا ہے کہ

”اس زمانہ میں جو قرآن موجود ہے اس
کے متعلق ہم ویسے ہی یقین سے کہہ سکتے ہیں
کہ وہ اصلی صورت میں محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے جس
یقین سے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ وہ خدا کا
غیر مبدل کلام ہے۔“

اس کے مقابل میں تورات اور اناجیل کے متعلق
خود بڑے بڑے پادری تسلیم کرتے ہیں کہ وہ محض
و مبدل ہو چکی ہیں۔ پس دنیائے ذامب کی تمام
الہامی کتب میں سے صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی
کتاب ہے جسے صحیح معنوں میں کتاب کہا جا سکتا ہو
اور جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اسی
شکل میں محفوظ ہے جس شکل میں وہ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

پھر مل کو لو۔ تو عیسائی کہنے کو تو کہتے ہیں کہ مسیح
نے یہ کتنی اچھی تعلیم دی ہے کہ
”ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے
داہنے گالی پر ٹھانچہ مارے دوسرا بھی
اُس کی طرف پھیر دے۔“

(متی باب ۵ آیت ۳۹)

مگر آج اس تعلیم پر کہیں بھی عمل نہیں ہو رہا۔ اگر
عمل ہو رہا ہے تو صرف قرآنی تعلیم پر جس نے کہا
ہے کہ تم مجرم کو کپڑو اور اسے سزا دو۔ لیکن اگر
تمہیں دکھائی دے کہ سزا سے وہ اور بھی بگڑ جائیگا
تو اگر اُسے معاف کر دیا جائے تو اس کے دل میں غارت
پیدا ہوگی اور اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریگا
تو تمہارا فرض ہے کہ تم اُسے معاف کر دو۔ کیونکہ

جبکہ باقی الہامی کتب اب صرف نام کی کتاب رہ گئی ہیں
حقیقتاً وہ اب کتاب نہیں رہیں اور ان کے الفاظ اور
اُن کی عبارتیں ہی بتا رہی ہیں کہ اُن کی حقیقت بدل گئی
ہے۔ نیز کتاب و جوب پر دلالت کرتی ہے۔ اور صرف
قرآن کریم ہی اب ایک ایسی کتاب ہے جس پر عمل
کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج بھی اس کے ہر حکم پر لاکھوں
بلکہ کروڑوں لوگ عمل کرتے ہیں۔ مگر تورات۔ انجیل
دید اور ژند پر بہت کم عمل ہوتا ہے۔ پس قرآن کریم
ہی ایک کتاب ہے کیا بلحاظ اس کے کہ وہ ساتھ کے
ساتھ لکھی جاتی رہی اور اب تک بغیر کسی زیر اور زبر
کے فرق کے وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر نازل ہوئی اور کیا بلحاظ اس کے کہ یہی وہ کتاب
ہے جس پر دنیا میں عمل کیا جاتا ہے باقی ذامب کی مشنک
اپنی الہامی کتب کو شائع کرتے اور ان کے متعلق اپنی
عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کی تعلیموں
سے اختلاف رکھنے والوں کو برا بھلا بھی کہتے ہیں مگر
جب عمل کا سوال آتا ہے تو وہ ان کتابوں کو بالائے طاق
رکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں حقائق ظاہر
و باہر ہیں۔

تو لہذا کے جرم کا مشہور مستشرق لکھتا ہے کہ

”میں نے تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں ہوئی

تو ہوں۔ لیکن جو قرآن عثمانؓ نے دنیا کے

سامنے پیش کیا تھا اس کا معنوں وہی ہے

جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔

گو اس کی ترتیب عجیب ہے۔ یورپین علماء

کی یہ کوششیں کہ وہ ثابت کریں کہ قرآن

میں بعد کے زمانہ میں بھی کوئی تبدیلی ہوئی

ہے بالکل ناکام ثابت ہوئی ہیں۔“

دانسکیو پیٹ یا برٹینیکا زیر لفظ قرآن

تمہارا کام دوسروں کی اصلاح کرنا ہے۔ ناداجب سزا یا ناداجب عفو سے کام لینا تمہارے لئے جائز نہیں۔ غرض عمل کے لحاظ سے بھی صرف قرآن کریم ہی کتاب کہلانے کی مستحق ہے جبکہ باقی کتاب میں عمل کے میدان میں بالکل بیکار ثابت ہو چکی ہیں۔ پھر قرآن کریم اس لحاظ سے بھی کتاب ہے کہ اس پر عمل کر کے انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے۔

کتاب کے معنوں پر بحث کرتے ہوئے ماہرین لغت نے لکھا ہے کہ الْكِتَابُ مَا يَكْتُبُ فِيهِ شَيْءٌ بِهِ يَجْمَعُهُ الْبَوَابُ وَفُتُوهُ وَحَسَابُهُ یعنی کتاب اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں کچھ لکھا گیا ہو اور اسے کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں مختلف فصلوں اور ابواب اور مسائل کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کتاب کے معنے خط کے بھی ہیں اور کتاب کے معنے فرض کے بھی ہیں۔ حکم کے بھی ہیں اور قضا و تدبیر کے بھی ہیں۔ اسی طرح کُتِبَ السَّعَاءُ کے معنے ہوتے ہیں غَزَاةٌ يَسِيرُونَ مَشْكِرَةً کو چوڑے کے قسم کے ساتھ سی دیا اور كُتِبَ النَّاقَةُ کے معنے ہوتے ہیں اونٹنی کو دوسرے بچے کے ساتھ عادی بنانے کی کوشش کی۔ اور اس کے قصوں کو سی دیا تاکہ بُو یعنی بھس بھری کھال کی بُو نہ سونگے (اقرب)

ان معانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کتاب اصل میں جمع کرنے کے معنے رکھتی ہے۔ کتاب کو بھی کتاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مختلف معنایں جمع ہوتے ہیں۔ اور خط کو بھی اس لئے کتاب کہتے ہیں کہ وہ دو دوستوں کو جمع کر دیتا ہے۔ اور فرض اور حکم کو بھی اسی لئے کتاب کہتے ہیں کہ فرض اور حکم کو پورا کر کے انسان اپنے مطلوب سے مل جاتا ہے۔ اور قضا و قدر کو بھی اسی لئے کتاب کہتے ہیں کہ انسان اسے کہیں

بھاگ نہیں سکتا اور وہ اُسے پا کر رہتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی وحی کو بھی اسی لئے کتاب کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور بندے کو جمع کرنے والی اور ان کے درمیان ایک واسطہ ہوتی ہے اور اُنکے درمیان ایک تقریب پیدا کر دیتی ہے۔ پس جو کتاب بندہ اور خدا تعالیٰ کا تعلق پیدا کر دیتی ہے وہ تو فی الواقع کتاب کہلانے کی مستحق ہے لیکن جو کتاب انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتی وہ حقیقی معنوں میں کتاب نہیں کہلا سکتی۔ اور یہ خصوصیت صرف قرآن کریم کو ہی حاصل ہے کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان اتصال پیدا کر دیتا ہے اور امپر عمل کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی خصوصیت پر اتنا اند دیا ہے کہ وہ فرماتا ہے

ہم نے انسان کی فطرت میں ہی تعلق باللہ کا مادہ رکھ دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اُن نے انسان کے اندر تعلق باللہ کا مادہ رکھا ہے۔ بیشک اس آیت کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ اُن نے انسان کو ایسی حالت سے پیدا کیا ہے جبکہ وہ دم سے چٹا ہوا تھا۔ لیکن اس آیت کے ایک تحت اسطے سے بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ عربی محاورہ میں خَلَقَ جِن شَيْءٍ کے یہ معنے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کی فطرت میں یہ چیز رکھی گئی ہے۔ مثلاً وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ کے یہ معنے ہوں گے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ لیکن جب خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ آجائے تو اُن کے یہ معنے نہیں ہونگے کہ ہم نے انسان کو جلدی سے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ جلدی کوئی مادہ نہیں کہ اُسے گھوٹا اور انسان پیدا کر دیا۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہونگے کہ انسان کی فطرت میں محبت رکھی گئی ہے۔ پس جہاں خلق

بُو یعنی بھس بھری کھال کی بُو نہ سونگے (اقرب)

ان معانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کتاب اصل میں جمع کرنے کے معنے رکھتی ہے۔ کتاب کو بھی کتاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مختلف معنایں جمع ہوتے ہیں۔ اور خط کو بھی اس لئے کتاب کہتے ہیں کہ وہ دو دوستوں کو جمع کر دیتا ہے۔ اور فرض اور حکم کو بھی اسی لئے کتاب کہتے ہیں کہ فرض اور حکم کو پورا کر کے انسان اپنے مطلوب سے مل جاتا ہے۔ اور قضا و قدر کو بھی اسی لئے کتاب کہتے ہیں کہ انسان اسے کہیں

کے ایک معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کو اس حالت سے پیدا کیا ہے کہ وہ رحم سے چٹا ہوا تھا وہاں اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ہم نے انسان کی فطرت میں محبت اور ملاقہ کا مادہ رکھا ہے اور اس کی فطرت میں یہ بات مرکوز کر دی گئی ہے کہ وہ کسی کا ہو رہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پنیابی کا ایک مصرع سنایا کرتے تھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ یا تو تو کسی کا ہو جا یا کوئی تیرا ہو جائے۔ پس خَلَقَ اِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ ہم نے انسانی فطرت میں محبت اور ملاقہ کا مادہ رکھا ہے یعنی ہم نے اُسے ایسی حالت پر پیدا کیا ہے کہ وہ سوائے اس کے چین پا ہی نہیں سکتا کہ وہ کسی کا ہو رہے۔ بیشک جب تک اسے اس چیز نہیں ملتی اُس وقت تک وہ کسی بیوی کا ہو رہتا ہے کسی بہن بھائی کا ہو رہتا ہے کبھی ماں باپ کا ہو رہتا ہے کبھی دوستوں کا ہو رہتا ہے اور اس طرح وہ درمیان میں بھولتا پھرتا ہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ کے ملنے کا راستہ اُس پر کھل جاتا ہے تو پھر وہ خدا تعالیٰ کا ہی ہو جاتا ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے موقع پر دیکھا کہ ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا ہے اور وہ میدان جنگ میں اپنے بچے کو تلاش کرنے کے لئے مادی مادی پھر رہی ہے۔ اُسے جہاں کوئی بچہ ملتا وہ اُسے پیار کرتی اور گھمے لگاتی۔ لیکن جب وہ دیکھتی کہ وہ اس کا اپنا بچہ نہیں تو اُسے چھوڑ دیتی اور اگے چلی جاتی یہاں تک کہ اُسے اپنا بچہ مل گیا۔ اُس نے اسے پیار کیا اور گلے لگایا۔ اور ایک جگہ آرام سے بیٹھ گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے صحابہؓ کو مٹی طب کر کے فرمایا۔ تم نے اس عورت کو

دیکھا جس طرح یہ اپنے بچہ کے لئے بیابا رہی اور جب اُسے اپنا بچہ مل گیا تو سکون اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے بھولے بھٹکے بندہ کے لئے ہر وقت بے تاب رہتا ہے۔ لیکن جب اُس کا بندہ صحیح رنگ میں توبہ کر کے اُسے مل جاتا ہے تو وہ ایسا ہی سکون محسوس کرتا ہے جس طرح اس ماں نے محسوس کیا ہے۔ پس قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ہر تعلق اور محبت پیدا کرنے کا مادہ رکھ دیا ہے اور پھر وہ اس کے حصول کے ذرائع پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز جو بچے مذہب کو دوسرے مذہب یا عقائد پر نفرت بشتی ہے وہ تعلق باللہ ہی ہے۔ ایک انسان بچے مذہب میں شامل ہوئے بغیر محنتی ہو سکتا ہے۔ وہ بچے مذہب میں شامل ہوئے بغیر اچھا تا جرن سکتا ہے وہ بچے مذہب میں شامل ہوئے بغیر اچھا متاع بن سکتا ہے اور وہ بچے مذہب میں شامل ہوئے بغیر صدقہ و خیرات بھی کر سکتا ہے۔ مگر دنیا کا کوئی انسان بچے مذہب میں شامل ہوئے بغیر خدا رسیدہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ چیز ہے جو بچے مذہب پر چلنے والے اور نہ چلنے والے میں ماہر الاقبا زہے اور جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص سچے مذہب پر چلتا ہے یا نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا رسیدہ وہی ہو سکتا ہے جو اس راستے پر چلتا ہے جو خدا تک پہنچتا ہے جو شخص خدا تک جانے والے راستہ پر نہیں چلتا وہ خدا تک کن طرح پہنچ سکیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا کوئی مادی چیز نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی خاص مکان ہے مگر مادی روحانی اور معنوی چیزوں کے لئے رستے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پڑھنا یا علم حاصل کرنا مادی چیز نہیں۔ زبان جاننا مادی چیز نہیں۔ اسی طرح بغیر ذہن

تاریخ اور حساب کا علم حاصل کرنا مادی نہیں مگر ان سب کے حصول کے لئے کچھ راستے مقرر ہوتے ہیں جن تک زبان دانی کے لئے زبان نہ سیکھی جائے۔ جب تک علم حساب کے لئے حساب کی کتابیں نہ پڑھی جائیں جب تک جغرافیہ کے علم کے لئے جغرافیہ کی کتابیں نہ پڑھی جائیں اور جب تک تاریخ دانی کے لئے تاریخ کی کتابیں نہ پڑھی جائیں تب تک انسان زبان تک حساب تک جغرافیہ تک اور تاریخ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح کہ خدا کوئی مادی چیز نہیں مگر اس تک پہنچنے کے لئے ایک راستہ مقرر ہے۔ چنانچہ اسلام اس بارہ میں اعلان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّ كُنْهُنَّ حُجُبَاتُ اللّٰهِ فَاَنْتُمْ حُوْٓفِیْ مُّحِبِّیْنَہُمْ اللّٰہُ یعنی اے محمد رسول اللہ! تو تمام بنی نوع انسان کو یہ بشارت دے دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا خدا تم سے محبت کرنے لگ جائیگا۔ اور تم اُس کے محبوب اور پیارے بن جاؤ گے۔ یہ کتنی بڑی بشارت ہے جو دنیا کو دی گئی ہے اور کتنا امید افزا پیغام ہے جو مردہ قلوب میں بھی حیات نو پیدا کر دیتا ہے۔ آج مادی دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اُس نے قوت یا انجیل یا وید یا ژند اور اوستا پر عمل کر کے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیا ہے اور خدا اس سے ہم کلام ہوتا اور اُس پر اپنے غیب کے امرا ظاہر کرتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں ہر زمانہ میں ایسے پاکباز لوگ گذرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا اور اس کے انوار اور برکات سے حصہ لیا۔ بلکہ وہ مادی طور پر مسلمانوں سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَفْتَوْا مَا تَنْزِلُ عَلَیْہِمْ اَمْلَکُہُ اَلَا تَخَافُوْنَ

وَلَا تَحْزَنُوْنَ اَبَشِرُوْا بِالْحَبَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ فَتَحْنُ اُولَیْٓکُمْ فِی الْغُیُوْبِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَ لَکُمْ فِیْہَا مَا تَدْعُوْنَ (خدا مسجد ۷۷) یعنی لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ استقلال کے ساتھ اس عقیدہ پر قائم ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے الہام سے نوازے جائیں گے اور خدا تعالیٰ کے فرشتے اُن پر یہ کہتے ہوئے اُن میں گئے کہ درد نہیں اور نہ کسی پھلی کوتاہی کے بد نتائج کا خوف کرو۔ بلکہ اس جنت کے ملنے سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم اس دنیا میں بھی تمہارے دوست ہیں۔ اور اُن جنت میں میں بھی تمہارے دوست رہیں گے۔ اور اُن جنت میں جو کچھ تمہارا حق ہے گا وہ تم کو ملے گا اور جو کچھ مانگو گے وہ بھی تم کو دیا جائیگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام ہر مومن کے لئے قرب الہی کے مدوانہ کو کھلا تسلیم کرتا ہے اور وہ بنی نوع انسان کو یقین دلاتا ہے کہ اگر وہ سچے دل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں گے تو خدا تعالیٰ انہیں یقیناً اپنا محبوب بنائے گا۔ اور انہیں اپنے کلام اور الہام سے نوازیگا اور مشکلات میں اُن کی مدد کریگا اور انہیں غیر معمولی کامیابیوں اور برکتوں سے حصہ بخشے گا مگر دنیا کی اُمور کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں جو اپنے سینے کو ان برکات کا کرڈر وال حصہ بھی دے سکتی ہو۔ پس صحیح معنوں میں صرف قرآن کریم ہی کتاب کہلانے کا مستحق ہے۔ جبکہ دوسری الہامی کتب نام کے لحاظ سے تو کتاب کہلاتی ہیں۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے وہ کتاب نہیں کیونکہ وہ خدا اور بندوں کا باہمی تعلق پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔

پھر قرآن کریم صرف کتاب ہی نہیں بلکہ وہ کتاب
مبین بھی ہے۔ یعنی وہ نہ صرف انسان کا اللہ تعالیٰ
سے تعلق پیدا کر دیتا ہے بلکہ تقرب الی اللہ کے لئے
جس قدر امور کی ضرورت ہے ان سب کو اُس نے پوری
تفصیل سے بیان کر دیا ہے گویا احکام یا اخلاقی قانون
یا اعتقاداتِ صحیحہ سے تعلق رکھنے والی کوئی بات
ایسی نہیں جو قرآن کریم نے بیان نہ کی ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ جو چیز مدون پردہ ہو۔

جب تک وہ آپ ہمیں آواز نہ دے اور آپ ہماری
راہنمائی نہ کرے ہیں باہر سے اُس کے متعلق کچھ معلوم
نہیں ہو سکتا۔ فرض کرو۔ ایک مکان کا دروازہ اندر
سے بند ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اس کے اندر کون
ہے۔ تو ہمیں اندر کا حال کس طرح معلوم ہو سکتا ہے
اگر ہم محض اپنے قیاس سے اس کے متعلق کوئی فیصلہ
کر لیتے تو وہ دیسی ہی بات ہو گی جیسے مشہور ہے کہ
کسی شہر میں چار اندھے رہا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک
دن اس شہر میں ہاتھی آ گیا۔ اور سینکڑوں آدمی اس
کے دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ ان اندھوں نے
شہر والوں سے کہا کہ میں بھی وہاں بے چلو سارا شہر
دیکھ آیا ہے۔ اگر ہم نہ گئے تو لوگ کیا کہیں گے چنانچہ
کوئی شخص انہیں سہارا دے کر وہاں لے گیا۔ اب
وہ دیکھ تو نہیں سکتے تھے انہوں نے کہا جلو ہم ٹول
کر ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ
ایک نے ہاتھ مارا تو وہ اُس کی دم پر پڑا۔ دوسرے
نے ہاتھ مارا تو کان پر پڑا۔ تیسرے نے ہاتھ مارا تو
سونڈ پر پڑا۔ چوتھے نے ہاتھ مارا تو پیٹ پر پڑا۔
اس کے بعد وہ داپس آ گئے۔ اور پھر انہوں نے بیٹھ کر
آپس میں ہاتھی کے متعلق باتیں شروع کر دیں۔ ایک
نے کہا کہ ہاتھی بس ایک لمبی چیز ہوتی ہے۔

جس کے آگے تھوڑے سے بال ہوتے ہیں۔ دوسرے نے
کہا کہ تم بالکل جھوٹ بولتے ہو۔ ہاتھی تو ایسا ہوتا
ہے جیسے چھانچا ہوتا ہے۔ تیسرے نے کہا تم نے ہاتھی
دیکھا ہی نہیں وہ تو ڈھول کی طرح ہوتا ہے۔ چوتھے
نے کہا کہ سب غلط کہتے ہو وہ تو ایک موٹی سی ٹھکانہ
چیز ہوتی ہے اور کچھ بھی نہیں ہوتا (اُسکا ہاتھ سونڈ
پر پڑا تھا) یہ اختلاف اسی لئے ہوا کہ انہوں نے
بے دیکھے محض قیاس سے ایک چیز کا اندازہ لگایا تھا۔

ایسی طرح جو چیز مدون پردہ ہو اُس کا پتہ باہر سے
نہیں لگ سکتا اور اگر کوئی پتہ لگانے کی کوشش
کرے گا تو اندھوں کی طرح غلط نتیجہ پر ہی
پہنچے گا۔ یہی حال خدا تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی
دیسی تعلیموں کا ہے۔ یہ علم صرف خدا تعالیٰ کی کتاب
سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اسے باہر
سے سیکھنے یا سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان اندھوں
کی طرح ہوتا ہے جن میں سے کسی نے سونڈ پر ہاتھ
مار کر سمجھ لیا تھا کہ میں نے ہاتھی دیکھ لیا ہے۔ کسی
نے دم پر ہاتھ مار کر سمجھ لیا تھا کہ میں نے ہاتھی دیکھ
لیا ہے کسی نے پیٹ پر ہاتھ مار کر سمجھ لیا تھا کہ میں
نے ہاتھی دیکھ لیا ہے اور کسی نے کان پر ہاتھ مار کر
سمجھ لیا تھا کہ میں نے ہاتھی دیکھ لیا ہے۔

اس زمانہ میں بعض بے وقوف سائنسدان کہتے
ہیں کہ ہم عقل سے خدا کو معلوم کر سکتے ہیں۔ جیسے بعض
بے وقوف علماء یہ کہتے ہیں کہ مذہب کا عقل سے
کیا تعلق ہے۔ یہ دونوں بے وقوف ہیں۔ خدا کو ہم
عقل سے نہیں دریافت کر سکتے اور مذہب کو بغیر
عقل کے ہم سمجھ نہیں سکتے۔ جس طرح دنیا کی تمام
معقول باتوں کے سمجھنے کیلئے عقل کی ضرورت ہے
ایسی طرح مذہب کے سمجھنے کیلئے بھی عقل استعمال کی جاتی ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَعِيْثٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعِيَ (سورہ صافات آیت ۱۰۹) یعنی اے محمد رسول اللہ! تو لوگوں کو یہ کہہ دے کہ میرا طریق یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ اور میں اور میرے متبع سب بعیرت پر قائم ہیں۔ یعنی ہر بات کو ہم دلیل اور عقل کے ساتھ ٹالتے ہیں یہ وہی نہیں مانتے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی انسان محض عقل سے خدا کو پاسکتا ہے۔ خدا کو پانے کے لئے مذہب ہمارا رہنا ہے اور مذہب کے سمجھنے کے لئے عقل کا پاسبان ضروری ہے اور عقل کو صحیح راستہ دکھانے کیلئے نبی کا وجود ضروری ہے ورنہ خالی عقل سے جن لوگوں نے مذہب کو پانے کی کوشش کی ہے انہوں نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔ پنجابی میں ایک ضرب المثل ہے۔ "گھروں میں آئیاں تے سنبھے تو دینا ہاں"۔ یعنی گھر سے تو میں آیا ہوں اور پیغام تم دے رہے ہو۔ بالکل یہی بات خدا تعالیٰ کے متعلق کہی جاسکتی ہے۔ جب کوئی شخص خدا سے ملنا چاہے تو لازماً خدا ہی اُسے بتا سکتا ہے کہ تم اس اس طرح مجھے مل سکتے ہو۔ وہ خود بخود اس تک نہیں پہنچ سکتا پس وہ سائنسدان پاگل ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا کو اپنی عقل کے ذریعے پاسکتے ہیں۔ خدا کو خدا کے ذریعہ ہی پایا جاسکتا ہے اور خدا کی راہنمائی حاصل کرنے کا سب سے بڑا اور کامیاب ذریعہ یہی ہے کہ انسان خدا کے کلام پر غور کرے اُسے سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

پھر فرماتا ہے۔ هُدًى وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ قرآن مومنوں کے لئے بہت بڑی ہدایت اور بشارت کا موجب ہے۔ اس جگہ ہُدًى کی توحید تعلیم کے لئے استعمال کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ ہدایت بہت

بڑی شان رکھتی ہے۔ یعنی ہدایت کا کوئی درجہ اور مقام ایسا نہیں جس کی طرف قرآن کریم ہی نوع انسان کی راہنمائی نہ کرتا ہو۔ یوں تو اپنے زمانہ میں تو رات بھی دنیا کی ہدایت کا موجب تھی اور انجیل بھی دنیا کی ہدایت کا موجب تھی اور ژند و اوستا بھی دنیا کی ہدایت کا موجب تھی مگر کامل ہدایت جس نے انسان کو نقطہ کمال تک پہنچا دیا اور جس کے بعد قیامت تک کے لئے کسی اور ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف قرآن کریم ہی ہے۔ یہی درجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر ہدایت کے مختلف ذرائع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى (سورہ محمد ۱۷) یعنی جو لوگ ہدایت کے راستہ پر چل پڑتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت پر ہدایت دیتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح خدا تعالیٰ غیر محمدؐ کے اسی طرح اُس کے قرب کی راہیں بھی لاہتا ہی ہیں۔ مگر قرآن حکیم کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر مرحلہ پر انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے راستہ میں کوئی مقام بھی ایسا نہیں آتا جب انسان اپنے آپ کو قرآنی راہنمائی سے مستغنی سمجھ سکے۔ وہ شروع سے لیکر آخر تک قرآنی ہدایت کا محتاج رہتا ہے۔ اور قرآن بھی اُسے قدم قدم پر اپنے افواہ اور برکات سے عقدہ دیتا چلا جاتا ہے۔ یہیں تک کہ وہ خدا تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ مومنوں کے لئے بشارت کا بھی موجب ہے یعنی یہی نہیں کہ قرآن انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے قرب کے غیر قناری دواڑے کھولتا ہے بلکہ وہ اس کی تائید میں اپنے نشانات بھی ظاہر کرتا ہے اور اپنی بشارتوں سے بھی اُسے حصہ دیتا ہے اگر مومن کی تائید میں الہی نشانات ظاہر نہ ہوں تو چونکہ ہدایت ایک دوحالی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب دوسروں کو

دیتے ہیں اور نہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے نہ قرآن ہدایت کا موجب بنتا ہے اور نہ الہی تائیدات اور اس کی برکات اُن کے شامل حال ہوتی ہیں قرآن کریم کی کامل ہدایت اور اس کی بشارت کے شیری ثمرات سے صرف وہی لوگ متمتع ہوتے ہیں جو باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں ہمیشہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب کا اہم ترین حصہ جو اُس کے لئے دل اور دماغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ عبادت الہی ہی ہے۔ اگر عبادت الہی کو ترک کر دیا جائے تو مذہب صرف رسم و رواج کا نام بن کر رہ جائیگا۔ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کا دعویٰ محض ایک ڈھکوسلہ ہوگا۔ اس لئے اس جگہ مومنوں کی پہلی صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یُحِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وہ نمازوں کو قائم کرتے ہیں یعنی خود بھی باجماعت نماز ادا کرتے ہیں جس کی طرف یُحِیْمُوْنَ کا لفظ اشارہ کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ گویا بحیثیت جماعت وہ نمازوں کی ادائیگی کا ہمیشہ التزام رکھتے ہیں۔ اگر یہاں صرف انفرادی نمازوں کا ذکر ہوتا تو یُحِیْمُوْنَ کہنا کافی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یُحِیْمُوْنَ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ یُحِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے اور مقامات میں بھی اُحِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کے الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں اور اقامت ہمیشہ باجماعت نمازیں ہی ہوتی ہے۔ پس مومنوں کی ایک بڑی علامت اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں اور نہ صرف خود نمازوں کی پابندی کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی نمازوں کی

بلوی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا۔ اس لئے لوگ اس شبہ میں مبتلا رہ سکتے تھے کہ معلوم نہیں یہ سچ بھی کہہ رہے یا نہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی تائیدات مومنوں کے شامل حال رکھتا ہے اور اپنے نشانات اُن کی ایمانی تقویت کے لئے اور اُن کے دشمنوں پر جرح تمام کرنے کے لئے نازل کرتا رہتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہوتے ہیں کہ یہ لوگ حقیقتہً ہدایت یافتہ ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کر لیا ہے۔ ایک جھوٹا اور مغتری انسان یہ تو کہہ سکتا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہے مگر وہ خدا تعالیٰ کے نشانات اپنی تائید میں نازل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کسی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی نصرت اور اس کی تائید کی فعلی شہادت ہو۔ اُس پر اللہ تعالیٰ کے اہامات نازل ہوتے ہوں۔ اُس کی دعائیں غیر معمولی طور پر قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہوں۔ اُس کے دشمنوں کو ناکام دکھا جاتا ہو۔ اور اُسے اپنے مقاصد میں کامیابی پر کامیابی حاصل ہوتی ہو تو یہ ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ وہ اپنے دلوں میں بھی سچا ہے کہ اُسے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہے اور قرآن کریم بتاتا ہے کہ اُس کے احکام پر عمل کرنے والوں کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ وہ اس مستقل ہدایت نامہ پر عمل کرنے کرتے خدا تعالیٰ کے قرب میں بھی بڑھ جاتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ بھی اُنکی تائید کے لئے آسمان سے آرائے ہے اور وہ انہیں مشکلات کے هجوم میں بشارت سے حقتہ دیتا اور انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے اور جس مقصد کو لے کر وہ کھڑے ہوتے ہیں اُس میں انہیں کامیابی عطا کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے یہ قرآن ہدایت اور بشارت کا موجب ہے مگر اُن کے لئے نہیں جو اپنے منہ سے تو ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن عمل دیکھو تو نہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ

ادائیگی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے بعض لوگ خود تو نماز کے بڑے پابند ہوتے ہیں مگر اپنے بیوی بچوں کے متعلق کوئی پروا نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر ان کے دل میں سچا اخلاص ہو تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی بچے کا یا بیوی کا یا بہن بھائی کا نماز چھوڑنا انسان گوارہ کر سکے۔

ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے لڑکے نے ایک دفعہ مجھے لکھا کہ میرے والد صاحب میرے نام الغفل جاری نہیں کرواتے۔ میں نے انہیں لکھا کہ آپ کیوں اس کے نام الغفل جاری نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ مذہب کے معاملہ میں اسے آزادی حاصل رہے اور وہ آزادانہ طور پر اس پر غور کر سکے۔ میں نے انہیں لکھا کہ الغفل بڑھنے سے تو آپ سمجھتے ہیں اس پر اثر پڑے گا اور مذہبی آزادی نہیں رہے گی۔ لیکن کیا اس کا بھی آپ نے کوئی انتظام کر لیا ہے کہ اس کے پروفیسر اس پر اثر نہ ڈالیں۔ اس کی کتابیں امپائر اثر نہ ڈالیں۔ اس کے دوست اس پر اثر نہ ڈالیں۔ اور جب یہ سارے کے سارے اثر ڈال رہے ہیں تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ اسے ذہن تو کھانے دیں اور تریاق سے بچایا جائے۔ غرض اقامتِ صلوٰۃ ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ اور اس میں خود نماز پڑھنا۔ دوسروں کو پڑھوانا اور اخلاص اور جوش کے ساتھ پڑھنا۔ با وضو ہو کر ٹھہر ٹھہر کر باجماعت اور پوری شرائط کے ساتھ نماز پڑھنا شامل ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ نماز خدا اور بندے کے درمیان ملاقات کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ گویا اس کے ذریعہ الوہیت کا رنگ جو نبی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے مومنوں پر چڑھ جاتا ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت کا اس قدر احترام فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا مکان مسجد سے بہت دُور ہے اور چونکہ مجھے مسجد پہنچنے میں صعوبت دقت پیش آتی ہے اس لئے اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کروں داموقتِ دینہ میں کچے مکانات ہوتے تھے اور جب بارش کے دنوں میں پانی گھیلوں میں بہتا تھا تو چونکہ پانی دیواروں کی بنیادوں کے ساتھ ٹکرا کر گزرتا تھا اور دیواریں پانی سے ٹوٹ جاتی تھیں اس لئے پانی کی زد سے دیواروں کو بچانے کے لئے لوگوں نے گلی میں دیواروں کی بنیادوں کے ساتھ ساتھ چلے ہوئے پتھر جن کو پنجابی زبان میں کھنکر کہتے ہیں رکھتے ہوتے تھے۔ گلیوں میں کھنکر رکھنے کا رواج ہمارے ملک میں بھی ہے اور چونکہ ایک نابینا کے لئے مڑک کے بیچ میں چلنا مشکل ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ دیواروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دیوار کے ساتھ ساتھ مارتے جاتے ہیں۔ اگر وہ ایسی دیوار کے ساتھ چلیں جس کے ساتھ کھنکر رکھے ہوئے ہوں تو ان کے گرد زخمی ہونے کا خطرہ ہوتا ہے جب اس نابینا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ چونکہ دیواروں کے ساتھ پتھر رکھے ہوتے ہیں اور گلی کے بیچ میں میں چل نہیں سکتا اور اگر دیوار کے ساتھ چل کر مسجد میں آؤں تو گرد زخمی ہونے کا خطرہ ہے اس لئے مجھے اجازت ہو تو میں گھر پر نماز ادا کر لیا کروں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ اگر تمہیں مسجد میں آتے ہوئے مشکل پیش

آتی ہے تو تم اپنے گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کرو۔ یہ سکر
 نابینا گھر کی طرف چل پڑا۔ مگر ابھی وہ تھوڑی دُور ہی گیا
 تھا کہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ اس کو واپس بلاؤ۔ وہ
 جب واپس آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ
 کیا تمہارے گھر میں اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ اُس نے
 عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! اذان کی آواز تو پہنچ جاتی
 ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر اذان کی آواز تمہارے گھر میں
 پہنچ جاتی ہے تو چاہے تمہیں مسجد میں اتنے وقت ٹھوکرین
 لگیں اور تم زخمی ہو جاؤ مسجد میں ضرور آیا کرو۔ اسی طرح
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا۔ میرا جی
 چاہتا ہے کہ جب عشاء یا صبح کی نماز ہو تو میں اپنی جگہ
 کسی اور کو کھڑا کر دوں اور کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر
 اُن کے سردوں پر بیکریوں کے گٹھے رکھ کر سارے شہر کا
 چکر لگا دوں اور جو لوگ گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں ان
 کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ اب دیکھو گو اپنے عملاً
 ایسا کیا تو نہیں۔ مگر اس سے اتنا تو ظاہر ہے کہ آپ کے
 دلی میں نماز باجماعت کی کس قدر اہمیت تھی۔ آپ نے
 اس مثال کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا کہ جو لوگ باجماعت
 نماز ادا نہیں کرتے وہ اپنے آپکو دوزخ کا ایندھن
 بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیشک دنیا میں نیکی کے
 اور بھی بہت سے کام ہیں۔ لیکن نماز کو خدا تعالیٰ نے
 سب سے مقدم قرار دیا ہے اور سوائے اس کے کہ کوئی
 معذوری ہو یا کوئی ہنگامی کام پڑ جائے نمازوں کے
 اوقات میں مسجد میں آنا نہایت ضروری ہے۔ ہنگامی
 کاموں سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی جگہ آگ لگ گئی
 ہو تو اُس وقت آگ بجھانا ضروری ہو گا۔ نماز بعد
 میں ادا کر لی جائیگی۔ لیکن اس قسم کے استثنائی حالات
 کے بغیر جو شخص نماز باجماعت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا
 ہے وہ ایک بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔

دوسری چیز جس کی طرف ان آیات میں توجہ دلائی
 گئی ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کی ضرورت اور اس کی
 اہمیت درحقیقت غربت کے سوال سے پیدا ہوتی ہے۔
 اور غربت ایک ایسی چیز ہے جو کبھی بھی بنی نوع انسان
 سے جدا نہیں ہوتی۔ عام طور پر لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ
 جب دنیا کی آبادی بڑھ جاتی ہے تو ایک حصہ غریب
 ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ آبادی کی
 کمی کی صورت میں بھی میں غربت ویسی ہی نظر آتی ہے
 جیسے اس کی کثرت کی صورت میں۔ چنانچہ حضرت
 آدم علیہ السلام کے زمانہ میں باوجود اس کے کہ اُس وقت
 صرف چند ہی افراد تھے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ
 کہ اُن میں سے بھی بعض پر غربت کا زمانہ آیا تھا کیونکہ
 فرماتا ہے کہ اگر تو اس جنت میں رہیگا تو تو پیاسا نہیں
 رہیگا۔ تیرے ساتھی بھوکے نہیں رہیں گے۔ اور
 تیرے ساتھی ننگے نہیں رہیں گے۔ اس وسیع دنیا میں جہاں
 ہر دولت اور ہر خزانہ خالی پڑا تھا اور کسی کا کوئی مالک
 نہیں تھا کسی مخصوص قانون میں رہ کر روزی ملنے کا
 سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا تھا۔ ساری دنیا کا سونا
 اُن کے قبضہ میں تھا۔ ساری دنیا کی چاندی اُن کے
 قبضہ میں تھی۔ ساری دنیا کا پتیل اُن کے قبضہ میں
 تھا۔ ساری دنیا کا لہا اُن کے قبضہ میں تھا۔ ساری
 دنیا کے پھل۔ پھول اور اعلیٰ درجہ کی زمینیں اُن کے
 قبضہ میں تھیں۔ پھر یہ سوال کیونکر پیدا ہوا کہ اگر تو
 ایک خاص قانون کے ماتحت رہیگا تو بھوک اور ننگ
 سے بچ جائیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باوجود ساری
 دولتوں کے پھر بھی اس بات کا امکان تھا کہ بعض
 لوگ بھوکے رہیں۔ بعض پیاسے رہیں اور بعض ننگے
 رہیں۔ اور یہ صحیح بات ہے۔ درحقیقت دنیا میں دولت
 دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بالقوۃ اور ایک بالفعل۔

پھر بافضل بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بافضل دولت ایسی ہوتی ہے جو سکہ کی صورت میں ہو یا ان چیزوں کی صورت میں جن سے دوسری اشیاء خریدی جاسکتی ہیں۔ اور ایک بافضل دولت اجناس کی صورت میں ہوتی ہے جن کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر اجناس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بغیر کسی آمدنی یا دی کے انسان کے استعمال میں آجاتی ہیں اور ایک وہ جن کی تیاری کے لئے کوشش اور سعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں تک بالقوہ دولت یعنی وجود دولت کا سوال ہے، مگر یہ دونوں نے اس کا نام دیکھ رکھا ہے اور اس سے مراد کسی ملک کے وہ سامان دولت ہوتے ہیں جو اس میں قدرتی طور پر پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اگر کسی ملک میں سونے کی کانیں ہیں یا چاندی کی کانیں ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس دیکھ ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہونگے کہ اس کے پاس روپیہ ہے۔ اگر وہ چاندی اس تک پہنچ نہیں سکی یا لوگوں کے پاس زرخیز زمینوں میں گندم اور روٹی بونے کے سامان نہیں تو پھر بھی وہ لوگ بھوکے اور پیاسے اور تنگے رہیں گے۔ پس ایک دولت تو اس قسم کی ہوتی ہے جو بالقوہ ہوتی ہے۔ اگر اس ملک کے لوگوں میں صنعت و حرفت نہیں یا انہیں زینداری کا علم نہیں تو باوجود اس کے کہ وہ کانوں پر بیٹھے ہونگے اور گردنوں کو روڑ روہم کا سونا ان میں موجود ہوگا۔ وہ زرخیز زمینوں پر بیٹھے ہونگے۔ ایسی زمینوں پر کہ اگر اس میں ایک دانہ بھی ڈال دیا جائے تو سینکڑوں دانے پیدا ہوں۔ لیکن پھر بھی وہ فاقے مر رہے ہونگے۔ گویا ان کے پاس دولت تو ہوگی لیکن ماکن دولت ہوگی۔ لیکن اگر دنیا میں کوئی ایسا نظام قائم ہو جاتا ہے جو لوگوں کو مختلف قسم کے فنون سکھاتا ہے خواہ الہام کے ذریعہ سے یا القائے الہی کے ذریعہ سے۔ اور وہ

کہتا ہے کہ اوہم نہیں زینداری کا طریق بتاتے ہیں کپڑا بننے کے طریق سکھاتے ہیں یا اسی قسم کے اور فنون سکھاتے ہیں جن سے تم اپنی تمدنی حالت کو مددگار کو تو یقیناً اس کے ذریعہ لوگوں کی بھوک اور ان کی پیاس دور ہو جائیگی۔ جیسے اسلام کی مداحوں میں خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں یہ آتا ہے کہ حضرت آدمؑ نے لوگوں کو زراعت سکھائی۔ اور حضرت شیبثؑ نے انکو کپڑا بننا سکھایا۔ اب چاہے انہیں آدمؑ نے سکھایا ہو یا شیبثؑ نے یا کسی اور نے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں اس قسم کے امور میں الہام الہی مدد کرتا تھا۔ جیسے قرآن کریم میں صاف طور پر یہ ذکر آتا ہے کہ زبان ابتدائی میں الہام سکھائی گئی تھی۔ چنانچہ فرماتا ہے: عَلَّمَ اَدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ اس سے قیاس کر کے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح ابتدائی زمانہ میں الہام کے ذریعہ زبان کا سکھایا جانا ضروری تھا۔ اسی طرح الہام کے ذریعہ انہیں فنون سکھائے جانے بھی ضروری تھے۔ مگر اس کے بغیر انسان مدتوں تک تکلیف اٹھاتا چلا جاتا۔ پس اگر کوئی نبی آجائے اور وہ یہ کہے کہ تم زمین میں ہل چلاؤ اور کھیتی باڑی کرو۔ اسی طرح وہ مختلف قسم کے درخت اور باغات لگانے کی تعلیم دے تو یقیناً اس کے قبیعہ میں اس کے ماننے والوں کو روٹی ملنے لگ جائے گی اور وہ لوگ جو نبی کے تابع نہیں ہونگے اگر وہ زبان سیکھنے سے انکار کر دیں گے تو گونگے رہیں گے۔ اور اگر کھیتی باڑی نہیں کریں گے یا کپڑا بننا نہیں سیکھیں گے یا کنوئیں نہیں کھودیں گے تو بھوکے اور پیاسے اور تنگے رہیں گے۔ یہ فنون ابتدائی دور میں خواہ کسی ہی ابتدائی شکل میں ہوں۔ خواہ کھال کردہ اپنا تنگ ڈھانکتے ہوں یا پھلوں پر ان کا گزارہ ہوتا ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو لوگ اس

کہہ سکیں گے کہ یہ موسیٰؑ نہ بھوکا نہ پیاسا نہ تنگی اور نہ
پیماسی۔ اگر کوئی ٹولا لٹکھا ہوگا تو دوسرے لوگ اسی
مدد کریں گے۔ اور اگر لوگ بھوکے ہونگے تو وہ نذاعت اور
باغبانی اور کان کنی کے ذریعہ اپنی اس تکلیف کو دور
کر سکیں گے اور اس طرح دنیا کو دوسرے بھی مل جائیگا۔
اور ان کی تکلیف بھی دور ہو جائیگی۔ پس غربت کا
مسئلہ اس زمانہ کی پیداوار نہیں بلکہ جبکہ انسان اس
دنیا میں پیدا ہوا ہے اس وقت سے یہ سوال زیر بحث
چلا آیا ہے۔ جب ساری دنیا کے مالک صرف دو چار
گھرانے تھے تب بھی غربت موجود تھی اور تب بھی
ایک قانون کی ضرورت تھی اسی لئے حضرت آدمؑ علیہ السلام
کے ذریعہ بنی نوع انسان کو پیغام دیا گیا کہ اگر تم ان قواعد
کی پابندی کرو گے تو بھوکے اور پیاسے نہیں رہو گے۔
جس کے معنی یہ ہیں کہ آدمؑ کے زمانہ میں بھی جب صرف
چند آدمی تھے ممکن تھا کہ لوگ بھوکے رہیں۔ ممکن تھا کہ
وہ پیاسے رہیں اور ممکن تھا کہ وہ تنگے پھریں۔ پھر لوگ
بڑھنے شروع ہوئے۔ پندرہ سے بیس اور بیس سے تو
سئو سے ہزار۔ ہزار سے دہزار اور دہزار سے لاکھ
تک تعداد جا پہنچی اور بڑھتے بڑھتے اب تو دو ارب پائی
ارب تک آبادی پہنچ چکی ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے
بتایا ہے پندرہ آدمیوں کی صورت میں بھی دنیا بھوکے
اور تنگی رہ سکتی تھی۔ سو آدمیوں کی صورت میں بھی دنیا
بھوکے اور تنگی رہ سکتی تھی۔ ہزار اور لاکھ آدمیوں کی صورت
میں بھی دنیا بھوکے اور تنگی رہ سکتی تھی۔ بھوک اور تنگ
کی بنیاد دلیقہ پر نہیں ہوتی یہ ایک غلط خیال ہے
جو لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ غربت آبادی کی کثرت
کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ غربت
اور امارت کا دارو مدار اس امر پر ہے کہ قانون قدرت
نے زمین میں جو خزانے مخفی رکھے ہیں انسان ان کو کس تک

نظام کے ماتحت آجائیں گے وہ بھوک اور پیاس اور
تنگ سے بچ جائیں گے۔ لیکن باوجود اس کے پھر
بھی ایک طبقہ ایسا ۱۱ جاتا ہے جو غریب ہو۔ کیونکہ
حوادث آتے ہیں اور انسان کو بے دست و پا بناتے
ہیں۔ فرض کرو۔ دنیا کے پردہ پر ایک ہی انسان ہر
کشمیر بھی اس کے قبضہ میں ہے۔ ہزارہ بھی اس کے
قبضہ میں ہے۔ کابل کی وادیاں بھی اس کے قبضہ
میں ہیں اور اس طرح دنیا کے سارے انگوٹھ ساری
نہایتیاں سارے سیب اور سارے آم اس کے قبضہ
میں ہیں لیکن اس کے ہاتھ بھی کٹے ہوئے ہیں اور پیر بھی
کٹے ہوئے ہیں تو وہ اس دولت سے فائدہ نہیں اٹھا
سکیگا۔ اور پھر بھی بھوک اور پیاسا رہیگا پس ابتدائی
زمانہ میں باوجودیکہ دولت موجود تھی دنیا اس کو فائدہ
نہیں اٹھا سکتی تھی کیونکہ اسے فنون نہیں آتے تھے
جب آدمؑ کے ذریعہ دنیا نے فنون سیکھے اور ان کی
بھوک اور پیاس اور لباس کی وقت دور ہوئی تو پھر بھی
ایک طبقہ ایسا رہ گیا جو ان چیزوں سے پوری طرح فائدہ
نہیں اٹھا سکتا تھا جیسے لوے۔ سنگڑے اور اپارچ وغیرہ
اب چاہے ساری دنیا میں صرف پندرہ آدمی ہوں اور
دو لوے ہوں پھر بھی ۱۱ لوے اپنی بھوک اور پیاس
کیسے دور کر سکتے ہیں جب تک ان پندرہ میں کوئی
نظام موجود نہ ہو اور وہ ان لوگوں سنگڑوں کی بھوک
اور پیاس دور کرنے کا ذمہ وار نہ ہو۔ آدمؑ کی موت کی
بنیاد اصل میں ان ابتدائی تعلیم پر ہی تھی جن سے انسان
انسان بنا۔ آپ نے بنی نوع انسان کو زبان سکھائی۔
مختلف قسم کے فنون کی تعلیم دی۔ تمدن کے اصول
بتائے۔ انہیں بتایا کہ آپس میں ملکر رہنا چاہیئے اور
اگر کوئی غریب یا ٹولا لٹکھا ہو تو اس کی مدد کرنی چاہیئے
جب اس قسم کی موسیٰؑ قائم ہو جائیگی۔ تو ہم

استعمال کرتا ہے اور کس حد تک ان کے استعمال کرنے کی عقل اور سمجھ رکھتا ہے۔ مثلاً اگر سونا ہو اور غلہ نہ ہو تو بعض سونے سے لوگوں کی بھوک دور نہیں ہو سکی گی یا اگر غلہ بھی آجائے مگر روٹی پکانی نہیں آتی تو پھر بھی انسان بھوکا رہے گا۔ ایسی صورت میں ضروری ہو گا کہ کچھ مددگار ہوں کچھ لوگ کمانے والے ہوں اور کچھ لوگ پکانے والے ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ غرض کئی قدم ہوتے ہیں جب تک وہ سارے کے سارے ہتیا نہ ہوں انسان بھوک اور تنگ سے بچ نہیں سکتا۔ یہ دور ابتدائے عالم سے چلتا چلا آیا ہے ایک زمانہ ایسا تھا جب بنی نوع انسان کے پاس نالغ آمد زیادہ ہوتے تھے اور کم حصہ مجبوروں میں گرفتار ہوتا تھا۔ مثلاً اگر ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے لوگوں کو دیکھا جائے یا ان لوگوں کی تعداد معلوم کی جائے جو بڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے کسی کام کے قابل نہیں رہتے تو وہ کہتے ہونگے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک دو فیصدی کو زیادہ نہیں ہونگے۔ لیکن کام نہ ملنے کی وجہ سے ہزاروں میں سے نو سو بھی بیکار ہو سکتے ہیں جب کسی ملک کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ذرائع آمد ترقی نہیں کرتے تو دل میں بعض خوف بیکار پھرتے ہیں۔ مگر اس لئے نہیں کہ وہ معذور ہوتے ہیں بلکہ اس لئے کہ انہیں کام نہیں ملتا۔ پس جب دنیا کی آبادی بڑھ گئی۔ تو یہ سوال نہ رہا کہ زمین میں سے دولت کس طرح نکالی جائے بلکہ اس سوال کی صورت بالکل بدل گئی۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے تھے کہ باوجود اپنا سارا زور صرف کرنے کے کام سے محروم رہتے تھے۔ یہی حالت میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ نئے کام نکالے جائیں غرض یہ دور اسی طرح چلتے چلے آئے ہیں اور دنیا نے فقر و فاقہ کی تکالیف دور کرنے کے لئے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ کبھی ایسا دور آیا کہ لوگوں نے

فیصلہ کر دیا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتے جیسے ہندوستان میں شوروں کی کثرت تھی مگر ہرمین اور کھشتروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں کہ دنیا میں زندہ رہیں۔ یہ اگر مرتے ہیں تو جیشک مری۔ چنانچہ انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور شوروں کا کوئی حق تمدن زندگی میں تسلیم نہ کیا گیا۔ پھر بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس مصیبت کا علاج صدقہ و خیرات ہے۔ جن کے پاس زیادہ مال ہو انہیں چاہیے کہ وہ غرباء کی مدد کر دیا کریں۔

غرض مختلف تدابیر اپنے اپنے رنگ میں اختیار کی گئیں۔ مگر کوئی بھی تدبیر ایسی کامل نہیں تھی جس سے اس مصیبت کو کلیتہً دور کیا جاسکتا۔ اسلام ہی تھا جس نے اس سوال کا صحیح معنوں میں حل کیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا کہ اس قسم کا صدقہ کوئی چیز نہیں ایک معین اور منظم صورت میں مزا دی کی بیودی کا انتظام ہونا چاہیے چنانچہ اس کے لئے اس نے سرخوۃ اور عشر کا طریق جاری کیا جس میں امراء سے باقاعدہ ایک نظام کے ماتحت روپیہ لیا جاتا اور غرباء کی ضروریات پر صرف کیا جاتا۔ پھر اس نے خبر گیری کے طریق بھی معین کر دیے یوں تو پہلے بھی حکومتیں ٹیکس لیا کرتی تھیں۔ مگر ان کا خرچ معین نہیں تھا۔ اسلام نے

اول آمد پر ایک مقرر حصہ ادا کرنا واجب کر دیا اور اس امر کا فیصلہ کیا کہ امراء سے بہر حال اتنا روپیہ لے لیا جائے۔ دوسری طرف اس نے خرچ معین کر دیا اور اس طرح غرباء کے گزارہ کی صورت پیدا کر دی۔ آمد اور خرچ سے تعلق رکھنے والے یہ دو نقطے ایسے ہیں جو اسلام سے پہلے اور کسی قوم میں نہیں پائے جاتے تھے زکوۃ بیودوں میں بھی ہے مگر ناقص صورت میں۔ نہ

لیکن اسلام نے اس قانون کو مدن کر کے ایک ایسا عظیم الشان نظام قائم فرمایا جو ہمارے لئے ہر تادیبی کی گھڑی میں شمع ہدایت کا کام دیتا ہے۔ مگر ان سوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اس نظام کی پوری اہمیت نہ سمجھی اور لادھیائے کے بڑھے دریا کی طرح یہ نظام بھی ریت میں غائب ہو گیا۔ اور مسلمان اس سے کلیتہً غافل ہو گئے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر پہلا کام ہی یہ کیا تھا کہ جائیداد والوں کو بے جائیداد والوں کا بھائی بنادیا۔ انصارؓ جائیدادوں کے مالک تھے اور مہاجرؓ بے جائیداد تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ اور مہاجرینؓ دونوں میں مواخات قائم فرمادی۔ اور ایک ایک جائیداد والے کو ایک ایک بے جائیداد والے سے ملا دیا اور اس میں بعض لوگوں نے اتنا غلو کیا کہ دولت تو الگ رہی بعض کی اگر دو بیویاں تھیں تو انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت میں پیشکش کی کہ وہ ان کی خاطر اپنی ایک بیوی کو طلاق دینے کیلئے تیار ہیں۔ وہ ان سے بیشک شادی کریں۔ یہ مساوات کی پہلی مثال تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جاتے ہی قائم فرمائی۔ کیونکہ حکومت کی بنیاد دراصل مدینہ میں ہی پڑی تھی اس زمانہ میں زیادہ دوستیں تھیں یہی صورت تھی کہ امیر اور غریب کو اس طرح ملا دیا جائے کہ ہر شخص کو کھانے کے لئے کوئی چیز مل سکے۔ پھر ایک جنگ کے موقع پر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق کو مستعمل فرمایا۔ گو اس کی شکل بدل دی لیکن جنگ کے موقع پر آپ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے پاس کھانے کو کوئی چیز نہیں رہی یا اگر ہے تو بہت ہی کم اور بعض کے پاس کافی چیزیں ہیں۔ تو یہ صورت حالات دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس جس کے پاس جو کوئی چیز ہے۔ لے لے

اور ایک جگہ جمع کر دی جائے۔ چنانچہ سب چیزیں لائی گئیں اور آپ نے راشن معقول کر دیا۔ گویا یہاں بھی وہی طریق آگیا کہ سب کو کھانا ملنا چاہیئے۔ جس تک ممکن تھا سب لوگ الگ الگ کھاتے رہے مگر جب یہ امر ناممکن ہو گیا اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ بعض لوگ بھوکے رہنے لگ جائیں گے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تمہیں علیحدہ کھانے کی اجازت نہیں اب سب کو ایک جگہ سے برابر کھانا ملے گا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر ہم نے اس سختی سے عمل کیا کہ اگر ہمارے پاس ایک مچھوڑ بھی ہوتی تو ہم اس کا کھانا سخت مدد دیتا ہی سمجھتے تھے اور اس وقت تک چین نہیں لیتے تھے جب تک کہ اس کو سٹور میں داخل نہیں کر دیتے تھے۔ یہ دوسرا نمونہ تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دولت بھی آئی اور غنائتوں کے مُنہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیئے۔ مگر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اس بارہ میں تفصیلی نظام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوتا لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ یہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ کوئی اور شخص اسے جاری نہیں کر سکتا چنانچہ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہاتھ سے ایک نمونہ قائم کر دیا اور ادھر مدینہ پہنچتے ہی انصارؓ نے اپنی دوستیں مہاجرین کے مسائل پیش کر دیں۔ مہاجرین نے کہا ہم یہ زمینیں مفت میں لینے کے لئے تیار نہیں ہم ان زمینوں پر بطور مزارع کام کر چکے اور تمہارا حصہ ہمیں دیں گے۔ لیکن یہ مہاجرین کی طرف سے اپنی ایک خواہش کا اظہار تھا۔ انصارؓ نے اپنی جائیدادوں کے دینے میں کوئی پیسہ پیش نہیں کیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے گورنمنٹ راشن دے

تو کوئی شخص نہ لے۔ اس سے گورنمنٹ زیر الزام نہیں آئیگی۔ یہی کہا جائیگا کہ گورنمنٹ نے تو واضح مقرر کر دیا تھا۔ اب دوسرے شخص کی مرضی تھی کہ وہ چاہے لیتا یا نہ لیتا۔ اسی طرح انصار نے سب کچھ دیدیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ مہاجرین نے نہ لیا۔ غرض علی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام اپنی زندگی میں ہی شروع فرما دیا تھا۔ یہاں تک کہ جب بحرن کا بادشاہ مسلمان ہوا تو آپ نے اُسے ہدایت فرمائی کہ تمہارے ملک میں جن لوگوں کے پاس گزادہ کے لئے کوئی زمین نہیں ہے تم ان میں سے ہر شخص کو چار درہم اور لباس گزادہ کے لئے دو تاجہ وہ بھوکے اور ننگے نہ رہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کے پاس دوئیں آنی شروع ہو گئیں۔ چونکہ مسلمان کہتے تھے اور دولت زیادہ تھی اس لئے کسی نئے قانون کے استعمال کی اس وقت ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ کیونکہ جو غرض تھی وہ پوری ہو رہی تھی۔ اصول یہ ہے کہ جب خطرہ ہو تب قانون جاری کیا جائے اور جب نہ ہو اسوقت اجازت ہے کہ حکومت اس قانون کو جاری کرے یا نہ کرے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور مسلمان دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلنے شروع ہوئے تو اس وقت غیر قومیں بھی اسلام میں شامل ہو گئیں۔ عرب لوگ تو ایک جگہ اور ایک قوم کی شکل میں تھے اور وہ آپس میں مساوات بھی قائم رکھتے تھے جب اسلام مختلف گوشوں میں پہنچا اور مختلف قومیں اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں تو ان کے لئے روٹی کا انتظام بڑا مشکل ہو گیا۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کی مردم شماری کرائی اور راشننگ سسٹم قائم کر دیا۔ جو بنو امیہ کے عہد تک جاری رہا۔ یورپین مؤرخ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سب سے پہلی مردم شماری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کرائی تھی۔ اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ سب سے پہلی مردم شماری رعایا سے دولت چھیننے کے لئے نہیں بلکہ ان کی غذا کا انتظام کرنے کے لئے جاری کی تھی۔ اور حکومتیں تو اس لئے مردم شماری کرائی ہیں کہ لوگ قربانی کے بکرے نہیں اور فوجی خدمات بجالائیں۔ مگر حضرت عمر نے اس لئے مردم شماری نہیں کرائی کہ لوگ قربانی کے بکرے نہیں بلکہ اس لئے کرائی کہ ان کے پیٹ میں روٹی ڈالی جائے۔ چنانچہ مردم شماری کے بعد تمام لوگوں کو ایک مقررہ نظام کے ماتحت غذا ملتی اور جو باقی ضروریات رہ جاتیں ان کے لئے انہیں ماہوار کچھ رقم دے دی جاتی اور اس بارہ میں اتنی احتیاط سے کام لیا جاتا کہ حضرت عمر کے زمانہ میں جب شام فتح ہوا اور وہاں سے زیتون کا تیل آیا تو آپ نے ایک دفعہ لوگوں سے کہا کہ زیتون کے استعمال سے میرا پیٹ بھول جاتا ہے۔ تم مجھے اجازت دو تو میں بیت المال سے اتنی ہی قیمت کا گھی لے لیا کروں۔ غرض یہ پہلا قدم تھا جو اسلام میں لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اٹھایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر یہ نظام قائم ہو جائے تو اس کے بعد کسی اور نظام کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ ہمارے ملک کی ضروریات کی ذمہ د حکومت ہوگی۔ ان کا کھانا۔ ان کا مینا۔ ان کا پہنا ان کی تعلیم ان کی بیماریوں کا علاج اور ان کی رہائش کے لئے مکانات کی تعمیر یہ سب کا سب اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر یہ ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ تو کسی بیمہ وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر کسی سے بد میں آنے والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بادشاہ کی

مرضی پر منحصر ہے۔ وہ چاہے تو کچھ دے دے اور چاہے
تو نہ دے۔ اور چونکہ اسلامی تعلیم بھی پورے طور پر
راسخ نہیں ہوئی تھی وہ لوگ پھر قیصر و کسریٰ کے
طریق کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے
کہ وہ بڑھا دیا جو ریت میں غائب ہو چکا تھا۔ اللہ
تعالیٰ نے اُسے پھر میرے دل میں اذ سر نو جاری کیا۔
میں پہلا شخص ہوں جس نے قرآن کریم کی یہ تعلیم
لوگوں کے سامنے رکھی۔ مسلمان مجھ سے کثرت کے ساتھ
پوچھا کرتے ہیں۔ کاجوں کے پر دھیر اور طلباء بھی سوال
کیا کرتے ہیں کہ اگر اسلامی تعلیم یہی تھی تو پھر یہ
غائب کیوں ہو گئی، اور میں ہمیشہ انہیں کہا کرتا ہوں
کہ اس تعلیم کا غائب ہونا ہی بتاتا ہے کہ یہ الہی تعلیم
تھی۔ اگر یہ انسانی تعلیم ہوتی تو لوگوں کے دلوں میں
ضرور قائم رہتی۔ کیونکہ انسانی تعلیم کو قبول کرنے کیلئے
لوگوں کے دماغ تیار ہو چکے ہوتے ہیں اور ماحول مناسب
ہوتا ہے۔ پس اس کا غائب ہونا ہی بتا رہا ہے کہ یہ
تعلیم خدا کی طرف سے آئی تھی۔ وہ ایک دفعہ ہر
کی صورت میں اٹھی اور پھر اس میں انحطاط واقع
ہو گیا۔ اب مقدیر یہ ہے کہ پھر دوبارہ اس کی ہر
بلند ہو اور اس کی دوسری ہر پہلی ہر سے زیادہ اونچی
ہو۔ قانون قدرت پر غور کر کے دیکھو۔ اس میں یہی
نظارہ نظر آئیگا۔ بچپن میں جب ابھی میں نے پہاڑ
نہیں دیکھا تھا میں یہ خیال کیا کرتا تھا کہ پہاڑ کنار
کی طرح ہوتا ہو گا اور رستہ پکڑ کر اوپر چڑھنا پڑتا ہو گا
مگر جب میں پہلی دفعہ شملہ گیا تو میں نے دیکھا کہ پہلے
ایک ٹیلہ آتا ہے اس کے بعد دوسرا ٹیلہ آتا ہے۔
پھر تیسرا ٹیلہ آتا ہے۔ اور ہر ٹیلہ پہلے پہلے سے زیادہ
بلند ہوتا ہے۔ مگر ہر ٹیلے کے بعد ایک انحطاط بھی
ہوتا ہے۔ جب انسان پہلے پہلے پر قدم رکھتا ہے

تو اُس کے بعد اُسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں اب نیچے
جارہا ہوں۔ مگر درحقیقت وہ پہلی سطح سے اونچا
ہو رہا ہوتا ہے۔ پھر دوسرے ٹیلے کے بعد حرب
نیچے اُترتا ہے۔ تو پھر اُس کے دل میں یہ خیال
پیدا ہوتا ہے کہ اب میں نیچلی طرف جارہا ہوں مگر
حقیقت میں اُس کا قدم اونچا اٹھ رہا ہوتا ہے۔ اسی
طرح قدم بقدم ارتفاع اور انحطاط کے دونوں میں
سے گزرتے ہوئے وہ بہت بلند پہاڑ پر چڑھ جاتا
ہے۔ جس طرح قانون قدرت میں ہمیں یہ نظارہ نظر آتا
ہے۔ اسی طرح انسانی دماغوں کا ارتقا بھی ہے۔
جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وقت
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیوض
حاصل کرنے کے فیوض میں یہ تعلیم لوگوں نے اپنا لی۔ مگر
چونکہ دماغی ارتقا ابھی ہر دین کی صورت میں چلتا ہے اسلئے
پہلی ہر کے بعد اُس میں ایک انحطاط کی صورت واقع ہو
گئی۔ اب دوسری ہر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ذریعہ بلند ہوئی ہے۔ اور یہ ہر قانون قدرت کے مطابق
پہلی ہر سے زیادہ بلند ہو گی۔ مگر ہر حال ہر ہر کے بعد
ایک انحطاط بھی آتا ہے اور لوگ اصل تعلیم کو بھول
جاتے ہیں جب تک یہ چیز قائم ہے اس وقت تک کسی
انشوئس وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ انشوئس کی غرض
آخر کیا ہوتی ہے یہی کہ اگر ہم مہرجائیں تو ہمارے بوی بول
کو روٹی ملتی رہے۔ کپڑا ملتا رہے۔ سامان خورد و نوش
اور مکان ملتا رہے۔ جب حکومت ان تمام چیزوں کی
ذمہ دار ہو گی تو انشوئس کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ سارے
کو مکان ملے گا۔ غذا بھی ملے گی۔ کپڑا بھی ملے گا۔ ہر کام
تعلیم کا بھی انتظام ہو رہا ہو گا۔ اور ان کی بیماریوں کا علاج
بھی ہو رہا ہو گا۔ یہی وہ قوی اخراجات ہیں جن کی
ادائیگی کے لئے اسلام نے زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا

کیونکہ ایسا انسان غریب کے حقوق کو نظر انداز کرنے والا ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے مومنوں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ عیناً لِحْوَرۃً ہُمْ رِیۡضُوۡنَ - وہ آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ یعنی قرابائیاں کرتے اور کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس امر کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ ان قرابیوں کا پھل انہیں زندگی میں بھی ملتا ہے یا نہیں ملتا۔ کیونکہ وہ آنے والی زندگی پر یقین رکھتے ہیں اور یہ یقین ان کے اندر اتنی جرأت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ قرابیوں کی آگ میں اپنے آپ کو بلا دریغ جھونک دیتے ہیں۔

دنیا میں بھی جب ایک سہاوی لڑائی میں جاتا ہے تو آخر کو نئے فائدہ کے لئے جاتا ہے۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ میں مارا جاؤں گا اور سب اوقات وہ مارا جاتا ہے مگر فائدہ اُس کی قوم اٹھاتی ہے۔ اسی طرح ماں جب اپنے بچے کو اپنا خون چوسا رہی ہوتی ہے تو اُسے کیا فائدہ حال ہو رہا ہوگا۔ درد کا ایک ایک گھونٹ اس کو خون پی رہے ہیں ایک ایک گھونٹ جو بچے کے گھسے اترتا کر وہ درحقیقت چھان کا خون ہوتا ہے جسے وہ چوستا ہے۔ اگر تہا دی ماں تہا دے موہند میں اپنا دودھ نہ ڈالتی۔ اگر تہا دی ماں بھی یہی کہتی کہ میں اپنا خون کیوں چوسنے دوں تو تم زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ تہا دی ماں نے تمہیں اپنا خون دیا اس لئے کہ تم زندہ رہو۔ اب تہا را کام یہ ہے کہ تم اپنا خون گراؤ تاکہ تہا دی اولاد ابد تہا دی قوم اور تہا را ملک زندہ رہے۔

بد کی جنگ میں جو صحابی شہید ہوئے تھے ان صحابیوں نے دنیا کا کونسا سکھ دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کو چھوڑا اور اپنے رشتہ داروں کو چھوڑا اپنے ساتھیوں کو چھوڑا پھر تیرہ برس تک کھار کے

دسیع نظام جاری فرمایا ہے۔ اور مومنوں کی علامت ہی اُس نے یہ بتائی ہے کہ وہ زُھوۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اس طرح حقوق کی خدمت کے لئے خالق کی محبت کو عمل کرتے ہیں۔ دنیا میں بہترین ذلیعہ کسی کی محبت حاصل کرنا یہی ہوتا ہے کہ اس کے کسی عزیز سے محبت کی جائے ربوے سفر میں غذا نہ یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ پاس بیٹھے ہوئے دوست کے بچہ کو غذا پھینکا دیں یا اُسے کھانے کے لئے کوئی چیز دے دیں تو تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس کا باپ اُس سے محبت کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے کہ گویا اُس کا بہت پرانا دوست ہے۔ یہی طریق روحانی دنیا میں بھی جاری ہے۔ جب انسان بنی نوع انسان کی بھوک اور ان کے افلاس کو دھڑکرنے کے لئے اپنا دیرینہ خرچ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ چونکہ یہ میرے پیاروں کی خدمت کرتا ہے اس لئے اسے بھی میرے پیاروں میں داخل کر لیا جائے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے کہیگا کہ دیکھو میں بیمار تھا مگر تم لوگ میری عیادت کے لئے نہ آئے۔ میں بھوکا تھا۔ مگر تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں تنگ تھا۔ تم نے مجھے کپڑا نہ دیا۔ اس پر وہ بندے کہیں گے کہ اے ہمارے رب! تو کس طرح بیمار ہو سکتا تھا یا تو کس طرح بھوکا اور تنگ ہو سکتا تھا تو تو ان تمام نقائص سے منزہ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمایگا کہ جب میرے بندوں میں سے بعض لوگ بیمار تھے یا بعض لوگ بھوکے اور تنگ تھے اور تم نے ان کی تیمارداری نہ کی نہ انہیں روٹی کھلائی اور نہ ان کا تنگ ڈھانچنے کے لئے انہیں کپڑا دیا تو تم نے انہیں ان چیزوں سے محروم نہیں کیا بلکہ مجھے محروم کیا۔ پس زُھوۃ اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے جس کو نظر انداز کرنا انسان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنا دیتا ہے۔

حفاظت میں کمزوری دکھاؤ۔ دیکھو ایسے وقت جب انسان سمجھتا ہو کہ میں مرد رہا ہوں۔ کیا کیا خیالات اس کے دل میں آتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے میری بیوی کا کیا حال ہوگا۔ میرے بچوں کو کون پوچھے گا۔ مگر اس صحابی نے کوئی ایسا پیغام نہ دیا۔ صرف یہی کہا۔ کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے اس دنیا سے جاتے ہیں تم بھی اسی راستہ سے ہمارے پیچھے آ جاؤ۔ ان لوگوں کے اندر یہی ایمان کی طاقت تھی جس سے انہوں نے دنیا کو تہ و بالا کر دیا اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے۔ قیصر و دم حیران تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کسریٰ نے اپنے سپہ سالار کو لکھا کہ اگر تم ان عربوں کو بھی شکست نہیں دے سکتے تو پھر واپس آ جاؤ اور گھر میں جوڑیاں بہن کو بیٹھو یہ گوہیں کھانے والے لوگ ہیں ان کو بھی تم نہیں روک سکتے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تو آدمی معلوم ہی نہیں ہوتے۔ یہ تو کوئی بلا ہیں۔ یہ تلواروں اور نیزوں کے اوپر سے کودتے ہوئے آتے ہیں

یہ جرات مردوں پر ہی موقوف نہیں۔ مجھے تو ایک ماں کی قربانی پر حیرت آتی ہے۔ حضرت حمزہؓ کے زمانہ میں جب عراق میں قادیسہ کے مقام پر جنگ جاری تھی۔ تو کسریٰ میدان جنگ میں باقی لایا۔ اونٹ باقی سے ڈرتا ہے اس لئے انہیں دیکھ کر بھاگتے تھے اور اس طرح مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا اور بہت سے مسلمان مارے گئے۔ آخر ایک ان مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہو آج ہم میدان سے ہٹیں گے نہیں۔ جب تک دشمن کو شکست نہ ملے اس ایک عورت حضرت خنساء اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان جنگ میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگیں کہ پیارے بیٹو! تمہارے باپ نے اپنی زندگی میں

سخت ترین مقام کا نشانہ بننے کے بعد ایک دھکتے ہوئے دل کے ساتھ، ایک رستے ہوئے زخم کے ساتھ انہوں نے مکہ کو بھی چھوڑ دیا اس امید کے ساتھ کہ انہیں پھر مکہ کی زیارت نصیب ہوگی۔ مگر ابھی ہجرت پر ڈیڑھ سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ اپنے وطن سے دور۔ پرلنہ وطن سے بہت دور اور نہ اپنے وطن سے بھی میلوں دور ایک تپتے ہوئے ریت کے جنگل میں کفاد کی تلوار سے کٹ کر ترپنے لگ گئے۔ ان کے سر ایک طرف تھے اور دھڑ دھڑی طرف۔ اگر یہ لوگ بھی یہی کہتے کہ ہم نے قربانی کر کے کیا لینا ہے پھل تو دوسرے لوگوں نے کھانا ہے تو اسلام کو وہ شان و شوکت جو بعد میں اسے حاصل ہوئی کہاں حاصل ہو سکتی تھی۔

اسی طرح جنگ احد کا ایک واقعہ ہے۔ جنگ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ کو فرمایا کہ جاؤ اور زخمیوں کو دیکھو۔ وہ دیکھتے ہوئے حضرت سعد بن ربیعؓ کے پاس پہنچے جو سخت زخمی تھے اور آخری سانس لے رہے تھے۔ انہوں نے ان سے کہا کہ اپنے متعلقین اور اعزاء کو اگر کوئی پیغام دینا ہو تو مجھے دیں۔ حضرت سعدؓ نے سکرانے ہوئے کہا کہ میں غصہ ہی تھا کہ کوئی مسلمان ادھر آئے تو پیغام دوں۔ تم میرے ہاتھ میں ہاتھ دیکر وعدہ کرو کہ میرا پیغام ضرور پہنچا دو گے۔ اور اس کے بعد انہوں نے جو پیغام دیا۔ یہ تھا کہ میرے بھائی مسلمانوں کو میرا سلام پہنچا دینا اور میری قوم اور میرے رشتہ داروں سے کہنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس خدا تعالیٰ کی ایک بہترین امانت ہیں۔ اور ہم اپنی جانوں سے اس امانت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اب ہم جاتے ہیں اور اس امانت کی حفاظت تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس کی

ساری جائیداد تباہ کر دی تھی۔ اور مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے بھائی سے کہوں کہ وہ مجھے حصہ دے چنانچہ میں اُس کے پاس گئی۔ اُس نے میرا بڑا اعزاز کیا۔ بڑی دعوت کی اور پھر اپنی جائیداد میں سے اُدھی مجھے بانٹ دی۔ میں وہ لے کر چلی گئی۔ تو تہارے باپ سے میں نے کہا۔ کہ اب تو آرام سے گزارہ کرو۔ مگر اُس نے پھر اُسے بھی برباد کر دیا۔ اور پھر مجبور کر کے میرے بھائی کے پاس مجھے بھیجا۔ پھر میں اُس کے پاس گئی۔ اُس نے پھر میرا اعزاز و احترام کیا۔ اور پھر بقیہ میں سے مجھے اُدھی جائیداد بانٹ دی مگر وہ بھی تہارے باپ نے برباد کر دی اور پھر مجھے مجبور کیا کہ اپنے بھائی سے جا کر حصہ لوں۔ چنانچہ میں پھر بھائی کے پاس گئی اور اُس نے پھر بقیہ جائیداد بانٹ دی مگر وہ بھی تہارے باپ نے برباد کر دی اور جب تہارا باپ مرا تو اُس نے کوئی جائیداد نہ چھوڑی۔ میں اُس وقت جوان تھی۔ تہارے باپ کی کوئی جائیداد نہ تھی۔ پھر اپنی زندگی میں اُس نے میرے ساتھ کوئی حسن سلوک بھی نہ کیا تھا۔ اور اگر عرب کے رسم و رواج کے مطابق میں بکرا دو جاتی تو کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔ مگر میں نے اپنی تمام عمر نیکی سے گزار دی اب کل فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے۔ میرے تم پر بہت حقوق ہیں۔ کل کفر اور اسلام میں مقابلہ ہوگا اگر تم فتح حاصل کئے بغیر واپس آئے۔ تو میں خدا تعالیٰ کے حضور کہو گی کہ میں ان کو اپنا کوئی بھی حق نہیں بخشی۔ اس طرح اُس نے اپنے چاروں بیٹوں کو جنگ میں تیار کر کے بھیج دیا۔ اور پھر گھبرا کر خود جنگ میں چلی گئی اور وہاں تنہائی میں مسجد میں گر کر اور درد کر اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگنے لگی۔ اور دُعائے کی کہ اے میرے خدا میں نے اپنے چاروں بیٹوں کو دین کی خاطر مرنے کیلئے بھیج دیا، لیکن تجھ میں یہ طاقت ہے کہ اُن کو زندہ واپس لے آئے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ مسلمانوں کو فتح بھی ہو گئی اور اُس کے چاروں بیٹے بھی زندہ واپس آ گئے یہ جرات اور بہادری ایمان بالآخرۃ ہی کا نتیجہ تھی۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ دنیا کی نجات اسلام سے وابستہ ہے اور ہم خواہ مارے بھی جائیں تب بھی پرواہ نہیں کیونکہ دنیا بچ جائیگی۔ اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے گا بیشک ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ آج تو اسلام کو کہیں غلبہ حاصل نہیں۔ مگر اس منزل کے زمانہ میں بھی اُن لوگوں کی قربانیوں نے ہی مسلمانوں کو یہ عظمت دی ہوئی ہے کہ اسلام کا نام بوجہ اس کثرت کے جو مسلمانوں کو حاصل ہے دنیا کے تمام لوگ ادب کے ساتھ لینے پر مجبور ہیں۔ یہ رعب مسلمانوں کو کہاں سے حاصل ہوا؟ انہی لوگوں کی قربانیوں کے نتیجہ میں حاصل ہوا، جو باوثاقہ سے ملت کو سنے اور باوثاقہ فائدے سے ہی صبح کو اٹھے بسا اوقات ان کی گردن کاٹ دی جاتی تھی تو انہیں پہننے کیلئے دوسری گردن کاٹ دی جاتی تھی جو جی پی پی ہوئی ہوتی تھی تو انہیں پہننے کیلئے دوسری جگہ نہیں ملتی تھی۔ یہ دہی رعب ہے جو تہارے باپ دادا کی قربانی کے نتیجہ میں نہیں حاصل ہوا۔ کہتے ہیں نام بڑا ہوتا ہے کام بڑا نہیں ہوتا۔ اب کام عام طور پر مسلمانوں کے چھوٹے ہیں۔ لیکن انہیں نام ایسا حاصل ہو گیا ہے کہ سب لوگ اُن سے ڈرتے ہیں۔

حضرت سید مود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ رستم کے گھر میں ایک دفعہ چور آ گیا۔ رستم اُسکا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا اور دونوں میں کشتی شروع ہو گئی چور کو یہ پتہ نہیں تھا کہ جس شخص کا وہ مقابلہ کر رہا ہے وہی رستم ہے۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کوئی رستم کا نوکر ہے۔ آخر مقابلہ کرتے کرتے چور غالب آ گیا اور یہ سینہ پر پڑ پڑ کر رستم کی گردن کاٹنے لگا۔ اتنے میں رستم نے یکدم شور مچا دیا کہ اُلیا رستم۔ اُلیا رستم۔

بہتے پھرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکار کی بدعملی اور ان کے انکار کی بنیادی وجہ آخرت کا انکار قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ چونکہ یہ لوگ کسی جزا سزا کے قائل نہیں اسلئے نہیں اپنے اعمال کے متعلق کبھی فکر پیدا نہیں ہوتا اور نہ صداقت پر غور کرنے اور اپنے اعمال و کردار کا جائزہ لینے کا نہیں کبھی احساس ہوتا ہے۔ اگر انہیں یقین ہوتا کہ میں ایک روز اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا پڑیگا اور ہمارے ناپسندیدہ اعمال میں گرفت میں لے آئیں گے تو ان کا رویہ بالکل اور ہوتا اور ان کے اندر متانت اور سنجیدگی کے جذبات نمایاں ہوتے۔ مگر اب چونکہ گرفت کا احساس ان کے اندر نہیں پایا جاتا اس لئے ان کے دل ایسے غبی ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے نادرہ اعمال میں بھی ایک لذت اور سرور محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کو قابلِ نفرت چیز قرار دینے کی بجائے قابلِ تحریف سمجھنے لگ گئے ہیں۔ آخر دنیا میں کیوں کوئی شخص کسی سانپ کے موراخ میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالت۔ کیوں وہ جلتی ہوئی آگ میں نہیں کود جاتا۔ کیوں وہ شیروں کی کچھاد میں اپنے آپ کو نہیں پھینک دیتا۔ کیوں وہ زہر کا جام اپنے ہونٹوں سے نہیں لگاتا۔ اسی لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے سانپ کے موراخ میں اپنا ہاتھ ڈالا تو میری موت یقینی ہے۔ اگر میں جلتی ہوئی آگ میں کودا تو میرا جھلس جانا یقینی ہے۔ اگر میں نے اپنے آپکو شیروں کی کچھاد میں ڈال دیا تو میری ہلاکت یقینی ہے اگر میں نے زہر کا پیالہ اپنے منہ سے لگایا تو میرا جانا یقینی ہے۔ پھر اگر ایسا ہی ایمان کسی شخص کا آخرت پر بھی ہو تو وہ کب کی گناہ کا دلیری کے ساتھ انکسار کر سکتا ہے۔ گناہوں پر دلیری اور غیوروں کے انکار کی بڑی وجہ یہی ہوتی ہے کہ آخرت کا یقین دل میں نہیں ہوتا۔

انسان بڑی دلیری سے کہہ دیتا ہے کہ

”ایہ جہان مٹھا اٹھا کین ڈٹھا“

یعنی اس جہان کے تو مزے ہیں ٹوٹے دو۔ اٹھا جہان کس نے دیکھا ہے۔ کہ ایک آن دیکھ دین کے لئے ابھی ہم ان لذائذ کو ترک کر دیں۔ غرض اعمال کی خوبی یا برائی صرف جزا سزا کے عقیدہ سے تحقق رکھتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سمجھ فرمایا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ اپنے برے اعمال کو بھی اچھا سمجھتے ہیں یعنی نیکی اور بدی میں وہ اصولاً کوئی فرق نہیں کر سکتے کیونکہ جب قیصر کوئی نہیں۔ نہ اچھے کام کا کوئی انجام ہے اور نہ برے کام کی کوئی سزا ہے تو پھر کسی فعل کا اچھا اور کسی کا برا ہونا کیا سمجھ سکتا ہے۔

یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تمام اعمال نیت کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ یوں تو کافر بھی بعض اعمال ایسے کرتا ہے جو مومنوں کے اعمال کے مشابہ ہوتے ہیں مگر چونکہ اس کے ساتھ نیت نیک نہیں ہوتی اور نہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی مطلوب ہوتی ہے اس لئے اس کا عمل اُسے کسی انعام کا مستحق نہیں بناتا لیکن مومن کے عمل کا مشاذاً نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ مومن کے عمل کے ساتھ نیت نیک بھی شامل ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کی جستجو بھی اس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔

زَيِّنَا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ بِرَبِّهِمْ
کہتے ہیں کہ جب ان کے برے اعمال خدا تعالیٰ ہی ان کو خوبصورت کر کے دکھاتا ہے تو پھر ان کا تصور کیا ہوا۔ سو اس باب میں یاد رکھنا چاہیے کہ درحقیقت یہ خدا تعالیٰ کی ایک سنت ہے اور اس میں انسانی ترقی کے بہت سے راز مضمر ہیں۔ کہ جب کوئی شخص کچھ مدت تک ایک کام کرتا رہتا ہے تو اس کو اس کام کو ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگتا ہے،

اور یہاں اسی قانون قدرت کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کسی خاص تقدیر کی طرف۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ انہوں نے سچے راستہ کو چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کر لیا تھا اور انسانی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ کوئی کام ایک لمحہ عرصہ تک کرتا چلا جاتا ہے تو اس کام کی محبت اُس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اُسے اچھا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اس لئے انہیں بھی اب اپنی بد عملی کو بصورت دکھائی دینے لگی ہے۔ اور چونکہ فطرت انسانی کا خدا تعالیٰ ہی خالق ہے اس لئے رَبَّنَا لَکُمُ اَعْمَالُکُمْ فَرَاکُمُے خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ورنہ اس کے یہ معنے نہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں بُرے اعمال اچھے کر کے دکھاتا ہے۔ بلکہ وہ خود فطرت کی اعلیٰ درجہ کی خوبی کا غلط رنگ میں استعمال کر کے بُرے اُن کو بھی اچھے سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ یہی بات ہے جیسے اُنک خدا تعالیٰ نے اس لئے بنائی ہے کہ اُس سے کھانا تیار کیا جائے یا سردی بچاؤ کا سامان پیدا کیا جائے لیکن اگر کوئی شخص لگ میں گر کر اپنے آپ کو جلے تو یہ اس کا اپنا قصور ہوگا اُنک کو پیدا کرنے والے خدا کا قصور نہیں ہوگا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے انسانی ترقی کے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص کسی کام کا عادی ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ اُسے اچھا سمجھنے لگ جاتا ہے اور اُس سے اُسے ایک طبعی موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ اس قانون کو اس رنگ میں استعمال کریں کہ ۱۱ براہیوں کا انکاء شروع کر دیں اور اس قانون کے نتیجہ میں انہیں اپنی برائیاں ہی حسین نظر آنے لگیں تو اس میں خود ان کا اپنا ہی قصور ہوگا صانع فطرت پر اس سے کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص نیک عمل کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کے ملائکہ اس کے قلب پر ایک سفید نقطہ

لگا دیتے ہیں۔ دوسرا نیک عمل بجا لاتا ہے تو دوسرا سفید نقطہ لگا دیتے ہیں یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اس کا تمام دل نورانی ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی بدی اس میں سے دُور ہو جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل جب کوئی شخص بدی کرتا ہے تو فرشتے اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیتے ہیں۔ اور جب وہ دوسری بدی کرتا ہے تو دوسرا سیاہ نقطہ لگا دیتے ہیں اور پھر اگر وہ بدیوں میں بڑھتا جائے تو اُن نقطوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا تمام دل تارک ہو جاتا ہے اور اس کی نیکیوں کا خمیر جل کر رکھ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی اسی قانون فطرت کی تشریح ہے۔ کہ جب کوئی شخص نیکیوں پر دوام اختیار کرتا ہے تو نیکی اس کے جسم کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ اور جب بدیوں پر دوام اختیار کرتا ہے تو بدیاں اس کے جسم کا ایک حصہ بن جاتی ہیں۔ اور جو چیز انسان کے جسم کا ایک حصہ بن جائے وہ اُسے اچھی ہی دکھائی دیتی ہے بُری نظر نہیں آتی۔ اگر اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان پر رحم کرتے ہوئے انسانی فطرت میں یہ بات نہ دکھ دیتا تو نیکی اختیار کرنا یا کسی کام میں دوام اختیار کرنا اس کے لئے بڑا مشکل ہوتا۔ مگر اس قانون کی وجہ سے نیکیوں میں ترقی کرنے کا سفر بڑا آسان ہو گیا ہے۔ اور ہر عمل اس سے اگلے عمل کو آسان تر بنا دیتا ہے آخر ایک ماہر فن کی کیوں تعریف کی جاتی ہے اسی لئے کہ مسلسل ایک کام کرنے کی وجہ سے وہ اپنے اندر ایک ایسی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ اس فن سے اُسے ایک مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اُس میں سے دوسروں سے اگے نکل جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسانی فطرت میں یہ ملکہ نہ دکھ دیتا کہ مسلسل کام کے نتیجہ میں اُسے اپنے کام سے ایک مشابہت پیدا ہو جاتی ہے تو کوئی شخص بھی اپنے فن میں ترقی نہ کر سکتا۔ یہی قانون نیکی اور بدی کے

میدان میں بھی جاری ہے۔ ایک نیک انسان پیپے اپنے نفس پر بوجھ محسوس کرتے ہوئے کسی نیک کی طرف اپنا قدم بڑھاتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ وہی نیک اُس کے رگ وریشہ میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے کہ اس کا ترک کرنا اُس کے لئے ناممکنات میں سے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص بدی میں اپنے آپ کو ملوث کرنا شروع کر دیتا ہے تو خواہ پہلی بدی اُس کے دل میں اضطراب پیدا کر دے مگر رفتہ رفتہ وہی بدی اس کی غذا بن جاتی ہے جس کو چھوڑنا اس کے لئے بڑا دھبہ ہوتا ہے۔

عرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی قانون کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ چونکہ ان لوگوں کی آخرت کا انکار کر دیا ہے جسکی وجہ سے انہیں کسی گرفت کا خوف نہیں رہا۔ اس لئے ان کے دلوں میں گناہوں پر دلیری پیدا ہو گئی ہے اور پھر متواتر گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر ایسا زنگ لگ گیا ہے کہ وہ اپنے بُرے افعال کو بھی اچھا سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دفعہ ایک چور حلاج کرانے کے لئے آیا۔ تو آپ نے اُسے وعظ و نصیحت کرنی شروع کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہاتھ پاؤں اس لئے نہیں دیئے کہ تم ان سے حرام روزی کھایا کرو۔ بلکہ اس لئے دیئے ہیں کہ تم ان کے ذریعے حلال روزی کھا کر کھاؤ۔ تم چوری کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ اور کیوں حلال روزی نہیں کاتے جب اپنے اُسے یہ وعظ و نصیحت کی تو اس کی آنکھیں غصے کی وجہ سے مٹرخ ہو گئیں۔ اور کہنے لگا۔ اچھا مولوی صاحب اگر یہ حلال کی روزی نہیں تو پھر اور کونسی حلال کی روزی ہے۔ آپ لوگ میٹھی میند سو رہے ہوتے ہیں اور ہم مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو ہمارے متعلق علم ہو جائے تو وہ ہمیں گولی مار کر مار دے۔

ہم اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر چوری کرتے ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کونسی حلال روزی ہو سکتی ہے؟ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اسے چوری کی عادت پڑ چکی ہے اور یہ کام کرتے کرتے اس کی فطرت اتنی مسخ ہو چکی ہے کہ اب یہ کام اس کی نگاہ میں بُرا نہیں رہا۔ اس لئے اب بحث کے رنگ میں سمجھانے سے کوئی خاص فائدہ! اسے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہیں نے بات کو طلا دیا۔ اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں تاکہ یہ بات اس کے ذہن سے نکل جائے۔ جب کچھ دیر گزر گئی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ تم چوری کس طرح کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ ایللا آدی چوری نہیں کر سکتا بلکہ ہم پانچ سات آدمی ملکر چوری کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی گھر کا رازدار ہوتا ہے اور وہ عام طور پر منفقہ یا چوہڑا وغیرہ ہوتا ہے کیونکہ رازدار کے بغیر چوری نہیں ہو سکتی۔ وہی کمروں اور دروازوں کے متعلق بتاتا ہے اور وہی اس بات کے متعلق اطلاع دیتا ہے کہ نقدی اور زیورات کہاں ہیں اس کے بعد ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے جسے سیندھ لگانی آتی ہو اور وہ ایسے طور پر افلاک کو استعمال کرے کہ سیندھ لگانے کی آواز پیدا نہ ہو اور اس کی آواز سے گھر والے بیدار نہ ہو جائیں۔ پھر ایک قیسر آدی ایسا ہونا چاہیئے جو تالے وغیرہ کھولنے میں مشاق ہو۔ جب دوسرا آدمی سیندھ لگا لیتا ہو تو وہ ایک طرف ہو جاتا ہے اور پھر اس قیسر آدمی کا کام شروع ہو جاتا ہے اور وہ منہ دتوں کے تالے کھولتا جاتا ہے اور پھر ایک چوہڑا آدمی ایسا ہونا چاہیئے جو کہ ایسے طور پر چلنے میں مہارت رکھتا ہو کہ اُس کے پاؤں کی آہٹ محسوس نہ ہو۔ قیسر آدمی تالے کھول کر اور سامان نکال کر چوہڑے آدمی کو دیتا جاتا ہے۔

وَأَنْتَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝

اور تجھ کو یقیناً قرآن اُس ذہنی کی طرف سے مل رہا ہے جو بہت حکمت والی اور بہت جاننے والی ہے ۱۹

اُسے جو بصورت نظر آنے لگتا ہے وہاں اُس کا ایک یہ بھی قانون ہے کہ کسی بُرے کام کا اچھا نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ باوجود اس کے کہ انہیں اپنے بُرے اعمال میں لذت آ رہی ہے اور وہ انہیں اچھا سمجھ رہے ہیں پھر بھی یہ اُن اعمال کے بد نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتے بلکہ انہیں دنیا میں بھی اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے رسوا ہونا پڑے گا۔ اور آخری زندگی میں بھی وہ سب زیادہ نقصان اٹھانے والے ہونگے۔

۱۹ حل لغات :- تَلْقَى کے معنی برآہ راست

مُنْهَ دَرْمَنْهَ کلام سُننے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ لُفْت میں لکھا ہے۔ تَلْقَى الشَّيْءَ أَخَذَهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ مُشَافَعَةً (اَقْرَب) یعنی تَلْقَى الشَّيْءَ کے معنی براہ راست دوسرے کے مُتَدِیْعے کلام سُننے کے ہوتے ہیں۔

تفسیر :- اب فرماتا ہے۔ شکرِ مشکِ انکار

کرتے چلے جائیں۔ گالیاں دینے والے گالیاں دیتے ہیں اور بُرا بھلا کہنے والے بُرا بھلا کہتے ہیں۔ خدا حکیم و علیم نے اپنی سکیم دنیا میں نافذ کر دی ہے ادا اب دنیا کی کوئی طاقت اُسے پورا ہونے سے روک نہیں سکتی۔ اب حاسدوں کے لئے حسد کے انگاروں پر لوٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وہ اپنے موبہد کی چوٹیوں سے نہ

خدا تعالیٰ کے اس روشن کردہ چراغ کو بجھا سکتے ہیں اور نہ تیر و سنان سے اسلام کی ترقی اور اس کی عظمت کو روک سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ تعلیم وہ ہے جو حکیم و علیم خدا تعالیٰ بالمشافہ سکھا رہا ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ ایک علیم ہستی جو ساتھ ہی علیم بھی ہے اُس کی تعلیم کو دنیا قبول نہ کرے یا اُس کی تعلیم کو مٹانے پر وہ

ادوہ ہر دلوں کو بکڑاتا جاتا ہے۔ پھر ایک پانچویں آدمی کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ گلی کے سرے پر کھڑا رہے اور اگر کسی شخص کو آتا جاتا دیکھے تو سیٹی بجا دے یا کوئی ادا اشارہ کر دے تاکہ سب ہوشیار ہو جائیں۔ پھر چھٹا شخص ایسا ہونا چاہیے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے ہو اور کسی کو اس کے چلنے پھرنے پر شک نہ گذرے۔ کیونکہ ہم تو ننگ و دھڑنگ ہوتے ہیں اور ہمیں کوئی دیکھنے تو یقیناً ہم پر چمد ہونے کا شبہ کرے لیکن یہ آدمی ایسے کپڑوں میں پھرتا ہے کہ کسی کو اس پر شک نہیں گذر سکتا۔ ہم نقدی اور زیورات وغیرہ اُس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ نہایت اطمینان سے مال میکر چلا جاتا ہے۔ اور ساتویں شخص کو جو سٹار ہوتا ہے دیدیا ہے۔ جو سونے کو اور ہیرے اور جواہرات کو لاکھ سے جدا کرتا ہے اور اُسے لکھلا کر ایک نئی شکل دے دیتا ہے۔ اور اُس سونے کو اُنکے جیچا ہے اور پھر ہم سب آپس میں برا بکھیم کر لیتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں نے اُسے کہا کہ اگر تمہاری اتنی محنت کے بعد سناو تمہارا سونا کھا جائے تو پھر تم کیا کرو۔ اس پر بے اختیار اُس جوڑے مُنْهَ سے نکلا کہ کیا وہ اتنا حرام خورد ہوگا کہ دوسرے کا مال کھا جائیگا۔ جس نے کہا۔ بس اب تم سمجھ گئے ہو۔ معلوم ہوا کہ دوسروں کا مال کھانا حرام ہے اور تمہاری فطرت بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے مگر جوہر کی عبادت نے تمہاری فطرت کو ایسا مسخ کر دیا ہے کہ تم اس کام کو بھی حلال کی کمائی سمجھنے لگ گئے ہو۔ مگر جہاں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ایک ایسے عرصہ تک کسی فعل کا ارتکاب کرتا رہتا ہے وہ رفتہ رفتہ

تَلْقَى

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا

(یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے اہل سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں یقیناً تمہارے پاس اُس (آگ) سے

مُخْبِرٌ أَوْ أُنْتِمْ بِشَهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۸﴾

کوئی اطلاع دینے والا ہوگا۔ یا تمہارے پاس ایک چمکتا ہوا انگارہ لاؤنگا۔ تاکہ تم آگ سینکو۔ ۸

قدرت پائے۔ اچانک بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کچھ سورۃ میں تو یہ فرمایا تھا کہ رُوح الامین تجھ پر کلام نازل کرتا ہے اور یہاں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر براہ راست کلام نازل کرتا ہے۔ ان دونوں میں اختلاف کیوں ہے؟ سو یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ رُوح الامین سے مراد یہ ہے کہ جس صورت میں خدا تعالیٰ نے فرشتے کو کلام دیا تھا اُسی صورت میں اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا اور نسیان یا غلطی کا اس میں کوئی امکان ہی نہ رہا۔ اور جو کلام غلطی اور نسیان سے پاک ہو اور لفظاً اور معنیاً اور حرکتاً اور حرکتاً اس شخص کو پہنچ جائے جس کو کلام بھیجا گیا تھا تو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ بالمشافہہ بات کرنا۔ کیونکہ بالمشافہہ بات کرنے میں یہی مد نظر ہوتا ہے کہ کوئی غلطی نہ رہ جائے یا پیغامبر کچھ بھول نہ جائے۔ جب پیغامبر کے متعلق بھی یہ احتیاط کر لی گئی کہ نہ وہ کچھ بھولے نہ غلطی کرے نہ اُس کا سنایا ہوا کلام مخاطب کو بھولے اور نہ وہ اُس میں کوئی غلطی کھے تو دونوں کلاموں کو ایک سا درجہ حاصل ہو گیا۔ پس اِنَّكَ تَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ دانی آیت سورہ شعرا کی اس آیت کے خلاف نہیں کہ نَزَّلَ فِيهِ الْوَحْيُ الْكَافِرَاتِ عَلَى قَلْبِكَ بلکہ وہ اس کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ اس آیت میں درحقیقت عیسائیوں کے اس

افتراء کا جواب دیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو خدا تعالیٰ بالمشافہہ کلام کرتا تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل نازل ہوتا تھا۔ اسکا بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خدا تعالیٰ بالمشافہہ گفتگو کرتا تھا۔ رُوح الامین کے واسطے بننے کا ذکر پہلو تفسیل کے کیا گیا ہے۔ ورنہ آپ سے بالمشافہہ کلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۸ حل لغات: اَنَسْتُ: اَنَسْتُ سے

واحد مکمل کا معنیہ ہے اور اَنَسْتُ النَّاسِ کے معنی ہیں اَبْصَرْتُ۔ اُس کو دیکھا۔ اَنَسْتُ الْقُرْآنَ: صَمِعْتُ وَ اَحْسَنْتُ بِهِ۔ اگر اَنَسْتُ الْقُرْآنَ کا فقرہ کہیں تو اُس کے معنی ہونگے آواز کو سنا اور محسوس کیا (اقرب) پس اَنَسْتُ کے معنی ہونگے۔ میں نے دیکھا۔

۲ شِهَابٌ شِهَابٌ: الشَّهَابُ کے معنی ہیں شُعْلَةٌ

مِنْ نَّارٍ سَاطِعَةٍ۔ آگ کا شعلہ جو اوپر کو اُٹھ رہا ہو۔ مَحْضٍ مُمْتَلِئٍ مِنْ نَّارٍ۔ آگ سے پیدا ہونے والی روشنی (اقرب)

۳ قَبَسٍ قَبَسٍ: الْقَبَسُ کے معنی ہیں شُعْلَةٌ نَارٍ

تُؤَمِّدُ مِنْ مَّعْظَمِ النَّارِ۔ آگ کا شعلہ جو بڑی آگ سے لیا جائے۔ (اقرب)

تَصْطَلُونَ: اصْطَلَى سے نعل مفارِع جمع

مذکر مخاطب کا معنیہ ہے اور اصْطَلَى بِالنَّارِ اصْطَلَاؤُ کے معنی ہیں اِسْتَدْفَأَ بِهَا آگ تپانی اور اُس سے

گرمی حاصل کی۔ (اقرب)

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے لطیف اور وسیع ہونے کی دلیل کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے مصر آنے وقت ایک آگ دیکھی اور اپنے رشتہ داروں سے کہا۔ کہ میں اس آگ کی طرف جاتا ہوں۔ اور یا تو میں اس آگ کے پاس سے کوئی خبر لاؤں گا۔ یا تمہارے لئے کوئی ایسا انگارہ لاؤں گا جس سے تم آگ سینک سکو۔

قبس کا لفظ اس جگہ شہاب کا بدل ہے یعنی شہاب سے میری مراد قبس ہے۔ اور چونکہ یہاں ناز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک روحانی نظارہ تھا جسمانی نظارہ نہیں تھا۔ مادی آنکھ سے دیکھنے والا کبھی یہ نہیں کہا کرتا کہ میں نے "ایک آگ" دیکھی ہے۔ بلکہ وہ یہ کہا کرتا ہے کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ اسی طرح مادی آگ صرف ایک شخص کو نظر نہیں آتی بلکہ سب لوگوں کو نظر آتی ہے۔ مگر یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ وہ مجھے نظر آتی ہے جس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ آگ آپ کے باقی ساتھیوں کو نظر نہیں آتی تھی۔

پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے کشفی طور پر ایک آگ کا نظارہ دیکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نظارہ کے دکھانے سے خدا تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ میں اس آگ تک جاؤں۔ سو میں اس آگ تک جاؤں گا۔ اور چونکہ وہ آگ ایک کشفی نظارہ تھا۔ اور کشفی طور پر آگ دیکھنے سے مراد ہدایت ہوتی ہے اور ہدایت یا دیکھنے والے کیلئے

مخصوص ہوتی ہے یا مادی قوم کے لئے عام ہوتی ہے اور ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تہ نہیں تھا کہ جو انکشاف مجھ پر ہونے والا ہے وہ میرے لئے مخصوص ہے یا میرے خاندان اور قوم کے لئے عام ہے اس لئے انہوں نے اپنے اہل سے کہا۔ کہ اگر وہ ہدایت صرف میرے لئے مخصوص ہوئی تو میں اس کی خبر نہیں آکر سٹانوں گا۔ اور اگر وہ ہدایت ایسی ہوئی کہ مجھے دوسروں تک بھی پہنچانے کا حکم ہوا تو میں اس میں سے کوئی انگارہ تمہارے سینکے کے لئے بھی لے آؤں گا۔ یعنی کچھ تعلیم اس میں سے تم کو بھی سلاؤں گا تاکہ تم اس سے روحانی مردی دور کرو۔

اس جگہ جو قبس وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یہ بھی حقیقی آگ پر دلالت نہیں کرتے۔ کیونکہ جب کسی چیز کو کسی اور چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے تو اس کی صفات کو بھی اس کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی کو شیر کہیں تو یہ نہیں کہیں گے کہ وہ شیر کی طرح تقریر کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہیں گے کہ وہ شیر کی طرح چٹکھاتا ہے۔ پس چونکہ اس جگہ جلوہ الہی کا نام آگ رکھا گیا تھا اس لئے آگ کے آثار وغیرہ کا نام بھی انگارہ رکھا گیا۔

پس اس جگہ آگ اور انگارے سے مراد وہ نور الہی ہے جو انہوں نے دیکھا تھا۔ اور چونکہ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کامل وحی نازل نہیں ہوئی تھی وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ آیا جو نور میں کو نظر آیا ہے صرف ان کی ذات کے لئے ہے یا باقی خاندان اور قوم کے لئے بھی ہے۔ یعنی یہ جلوہ جو دکھائی دیا ہے یہ جلوہ نبوت ہے یا جلوہ ولایت۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ آگ کے پاس جا کر یا تو میں کوئی خبر لاؤں گا یعنی غم کو یہ بتاؤں گا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ

پھر جب وہ اُس یعنی آگ کے پاس آئے تو اُنکو آواز دی گئی کہ جو کوئی آگ میں ہے اور جو اُس کے گرد ہے

وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اُس کو برکت دی گئی ہے۔ اور اللہ رب العالمین پاک ہے۔ ۵۵

دیکھا کہ وہ دیکھنے کو نزدیک آیا تو خدائے
اُس بوٹے کے اندر سے پکارا اور کہا کہ
اے موسیٰ! اے موسیٰ! وہ بولا۔ میں یہاں
ہوں۔ تب اُس نے کہا۔ یہاں نزدیک مت
آ۔ اپنے پاؤں سے جو نام آگ۔ کیونکہ یہ جگہ
جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے۔

(خروج باب ۲ آیت ۲۵ تا ۲۷)

مگر قرآن اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ فرماتا
ہے کہ موسیٰ پر ہم نے یہ الہام نازل کیا کہ بُورِكَ مَنْ فِي
النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا کہ وہ جو اس آگ میں ہے اُسے
بھی برکت دی گئی ہے اور اس کے ماحول کو بھی برکت
دی گئی ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ دوسروں کو خود برکت دیتا
ہے۔ اُسے کوئی اور برکت نہیں دیتا۔ گویا وہ تبارک تو کہا
سکتا ہے مگر بُورِكَ نہیں کہلا سکتا۔ پس یہ معنی کہ
مَنْ فِي النَّارِ سے خدا تعالیٰ مراد ہے کسی صورت میں بھی
درست نہیں ہو سکتے۔

پھر بعض لوگوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے
بُورِكَ کا لفظ بولنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو برکت
نہیں دی جاتی بلکہ وہ خود برکت دیتا ہے فی کے معنی
پیچھے کے کئے ہیں اور مراد یہ لی ہے کہ وہ شخص جو آگ
کے پیچھے آ رہا ہے یا اُس کی تماش میں ہے اُسے برکت
دی گئی ہے۔ مگر یہ معنی محاورہ کے خلاف ہیں۔ اس میں
کوئی شبہ نہیں کہ فی کے معنی پیچھے کے بھی آتے ہیں۔

یہ نفل نازل فرمایا ہے۔ اور اگر وہ نور خاندان اور قوم
کے لئے ہوا یعنی یہ جلوہ ولایت نہ ہوا بلکہ جلوہ
نبوت ہوا اور مجھے حکم ہوا کہ دوسروں کو بھی تعلیم دو
تو میں ایسی تعلیمات لاؤنگا جن سے خاندان اور قوم
فائدہ اٹھائے اور اُن سے گرمی حاصل کرے۔

۵۵ تفسیر:- اپنے رشتہ داروں کو
پریشانہ کر کے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس جگہ
پہنچے جہاں اُن کو وہ نفاذ دکھایا گیا تھا تو اُنکو
الہام ہوا کہ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا
یعنی جو شخص اس آگ میں ہے اُسے بھی برکت دی گئی
ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے اُسے بھی برکت دی
گئی ہے۔

بعض مفسرین نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ
اُس آگ میں اللہ تعالیٰ کا وجود تھا۔ اور تورات نے
بھی یہی نظریہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ خروج باب ۳
میں لکھا ہے:-

”خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ
کے شعلہ میں اُس پر ظاہر ہوا۔ اُس نے
نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا
آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا
تب موسیٰ نے کہا کہ میں اب نزدیک جاؤں
اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا
کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے

اُگ سمجھ لیا جائے تو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی۔ کشف یا خواب میں اُگ دیکھنے سے مراد ہمیشہ محبت الہی کا جذبہ ہوتا ہے۔ پس بُورُک کے لفظ سے نہ خدا تعالیٰ مراد ہے نہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ مجسم نہیں اور نہ اس کو کوئی برکت دیتا ہے۔ اور نہ بُورُک مَن فی النار سے مراد مومن ہیں۔ بلکہ اس آیت میں ایک عام قانون الہی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو محبت الہی کی اُگ میں مل رہا ہو اس کو برکت دی جاتی ہے۔ اسی طرح نہ تو فی کے معنوں کا جھگڑا رہتا ہے نہ مَن کے معنوں کا۔ نہ بُورُک کی ترکیب کا اور آیت بالکل حل ہو جاتی ہے۔ اور مَن حَوْلَکَا کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی جو شخص محبت الہی کی اُگ میں پڑا ہوا ہو نہ ظن اس کو برکت دی جاتی ہے بلکہ اس کے ہم محبت بھی برکت پاتے ہیں۔ محبت کو دنیا کی تمام زبانوں میں اُگ سے تشبیہ دی جاتی ہے اور دُویا و کشوف میں بھی اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اُگ میں جلتا ہوا دیکھے تو اُسکی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ وہ عشق الہی کے مقام کو حاصل کرے گا۔ پس بُورُک مَن فی النار مَن حَوْلَکَا کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص اس اُگ میں پڑے گا وہ برکت پا جائے گا اور جو اس کے اندر نہیں پڑے گا وہ برکت سے محروم رہے گا۔ اگر مَن فی النار سے مراد مومن ہوتے تو پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ مَن حَوْلَکَا سے کیا مراد ہے۔ اس وقت سوائے حضرت مومن کے اُگ کے پاس اور کون تھا جس کے لئے مَن حَوْلَکَا فرمایا گیا۔ پس اس جگہ کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ قانون بتایا گیا ہے کہ جو اس اُگ میں پڑے گا وہ بھی برکت پائے گا اور جو اسکے پاس اُگ کی گری مال کرے گا وہ بھی برکت پائے گا اور ماضی کا لفظ مضارع کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے یعنی برکت دیا جائے گا۔

مگر یہ معنی ایسے موقع پر استعمال کئے جاتے ہیں جبکہ فی کے بعد کسی روحانی یا مادی چیز کا ذکر ہو۔ ایسے موقع پر استعمال نہیں کئے جاتے جبکہ اس کے بعد اشیاء یا اشخاص کا ذکر کیا گیا ہو۔ اور چونکہ مفسرین اس اُگ کو جسمانی اُگ قرار دیتے ہیں اور جسمانی چیز کے لئے جب فی کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کے معنی پیچھے کے نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ معنی بھی درست نہیں سمجھے جاسکتے۔

پھر بعض لوگوں نے فی کے معنی قرب کے لئے ہیں اور فی النار کے معنی ننگ کے قریب ہونے کے لئے ہیں۔ اور مَن حَوْلَکَا کو اس کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے حالانکہ مَن حَوْلَکَا کے الفاظ ہی ان معنوں کو رد کر رہے ہیں۔ کیونکہ خود مَن حَوْلَکَا کے معنی بھی قریب کے ہیں اور دو الفاظ سے ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پس یہ معنی بھی صحیح نہیں۔

پھر بعض نے کہا کہ گو مَن کا لفظ عام طور پر ذی عقل و حودوں کی طرف اشارہ کرتا ہے مگر اِجْماع مَن سے مراد لا یعقل اشیاء ہیں۔ اور مراد یہ ہے کہ وہ لکڑیاں جو اس اُگ میں ہیں۔ اور اس کے اور گرد کی جگہ بھی الہی تجلی کی وجہ سے بارکت ہو گئی ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب معانی غلط ہیں۔ اور صرف نار سے دھوکا کھا کر کئے گئے ہیں۔ چونکہ انہوں نے نار کو جسمانی نار سمجھا اس لئے وہ ان مشکلات میں گرفتار ہو گئے۔ لیکن جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں نار اُگ کے لفظ سے ثابت ہے کہ یہ نظارہ مادی اُگ کا نہیں تھا بلکہ روحانی نار کا تھا۔ اور جب اس اُگ کو روحانی اُگ قرار دے دیا جائے اور اُگ سے مراد محبت الہی کی

يُوسَى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَالْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا

اے مولیٰ! بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں جو غالب (اور) حکمت والا ہوں۔ اور تو لاکھ پیچنیک۔ اور جب اُس نے

رَاهَاتَمَزَّكَانَهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَمُوسَى

اس (یعنی لاشی) کو دیکھا کہ وہ بل ہی ہے، گویا کہ ایک جھوٹا سانپ ہے۔ نوہ بیٹھ کر بھاگا اور مجھے مرکزہ دیکھا تب ہم نے کہا، اے بیٹے!

لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ۝ إِلَّا مَن

ڈر نہیں۔ - میں وہ ہوں کہ رسول میرے حضور میں ڈرا نہیں کرتے۔ - مگر جس نے

ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٣﴾

ظلم کیا۔ لیکن پھر اس ظلم کو جھوٹ کر نیکی اختیار کی۔

اسی طرح سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہہ کر اس امر کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو برکت دیتا ہے جس کے ذریعہ دنیا میں اس کی سبوحیت کا اظہار ہوتا ہے اور قسم کے عیوب جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان کا ازالہ کر دیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کا حسین چہرہ دنیا کو ایک بار پھر اپنی پوری شان کے ساتھ نظر آنے لگ جاتا ہے۔

۱۵ صلوات :- تَهْنِئُ . اِهْتَزَّ . تَهْنِئُ

فعل مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور اھتَرَبَ
الْبِلّ کے معنی ہیں تھوڑکت فی سبیلِ یُحَدِّثُ اَوْ اَلْمُحَادِّثِ
جُدی خواں کے جلدی کرنے پر ادھتَرَبَ تیز ہے۔ اور جب اھتَرَبَ
الْمُصَاغَرِ جَبْرِیَانہ کہیں تو معنی ہو گئے تَطْلُقَ۔ پانی تیزی
سے بہا اور اھتَرَبَ الْکُؤْبُ فی انْقِصَانِہ کے معنی
ہیں اُسْرَع۔ ستارہ جلدی سے ٹوٹا (اقرب) پس اھتَرَبَ
کے معنی ہو گئے۔ جلدی جلتا ہے۔

الْحَمْدُ

الْجَنَّةُ : کے معنی میں حیاتِ بے پیمانہ و کمالِ اعلیٰ
و توفیقِ سفید رنگ و سرگس، انھوں والا باریک صافی

پڑنے زمانہ میں دلی کے ایک بزرگ تھے اُن کے پاس ایک دفعہ اُن کا ایک مرید آیا۔ اور اس نے کہا کہ ہمارا جو یہ خیال ہے کہ حضرت کرشن اور حضرت رام چندر جی ہندوستان کے نبی تھے یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں خواب میں دیکھا ہے کہ ایک آگ جل رہی ہے اور حضرت کرشن جی تو اس کے اندر ہیں اور حضرت رام چندر جی اسکے کنارہ پر کھڑے ہیں۔ وہ بزرگ کہنے لگے تم نے اس خواب کی تعبیر غلط سمجھی ہے۔ آگ کے معنی محبت والہی کی آگ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ بتایا ہے کہ کرشن جی خدا تعالیٰ کی محبت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور رام چندر جی اُن سے کم درجہ رکھتے تھے۔ اسی لئے حضرت کرشن جی تو آگ کے اندر جلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اور رام چندر جی آگ کے کنارہ پر کھڑے ہوئے نظر آئے۔ اُنے فرمایا ہے ﴿وَصَبَّحْنَا لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ خدا تمام مہیبوں پاک ہے۔ یعنی جنہوں نے یہ کہا ہے کہ آگ میں خدا تعالیٰ تھا جیسا کہ بائبل والوں نے وہ صوب غلطی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر قسم کے جہنم سے پاک اور منزہ ہے۔

وَأَدْخَلَ يَدَاكَ فِي جَبِّكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ

اور تُو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال - وہ بغیر کسی بیادہی کے سفید

سُوءٍ قَتْنِي تَسْعِ اَيْتٍ اِلَى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ط اَلْهَم

نکلیا - یہ اُن نو نشافوں میں سے ہے جو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف بھیجے جانے والے ہیں

جو کاٹتا نہیں - (اقرب)

تفسیر: سنا رہا ہے۔ ہم نے اُس وقت مومنوں سے کہا کہ اے موسیٰ! میں اللہ ہوں جو بڑا غالب حکمت والا ہوں۔ اس سے بھی یہ مراد نہیں کہ آگ کے اندر خدا تعالیٰ تھا جس نے کہا کہ میں اللہ غالب اور حکمت والا ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم کے کسی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آگ کے اندر سے آواز آئی تھی۔ قرآن کریم صریحاً یہ بتاتا ہے کہ ایسی آواز آئی تھی خواہ وہ کہیں سے آئی ہو۔

حقیقت یہ آیت بُورُکْ مَن فِي النَّارِ مَن حَوَّلْنَا کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ محبت الہی کی آگ میں جلنے والا انسان بڑی برکت پاتا ہے اور یہ امر اس بات سے ظاہر ہے کہ میں اللہ غالب اور حکمت والا ہوں یعنی جو میری محبت میں جلے گا وہ غالب ہوگا اور دُشمنوں کے دُشمن سے غالب نہیں ہوگا بلکہ اس کو بڑی کمیتیں عطا کی جائیں گی اور وہ دلائل اور براہین کے ساتھ غالب آئیگا۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء دلائل کے ساتھ دنیا پر غالب آئے۔

پھر فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو ابھام کیا کہ اپنا سونٹا پھینک دے۔ جب اُس نے اپنا سونٹا پھینک دیا تو اس نے دیکھا کہ وہ تیزی کے ساتھ ہل رہا ہے جیسا کہ چھوٹا سانپ ہلتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نظارہ کو دیکھ کر دوڑ پڑے اور پیچھے کی طرف

انہوں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

جیسا کہ سورہ شعراء کی تفسیر میں بتایا جا چکا ہے یہ بھی ایک کشفی نظارہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا۔ اور عسا سے مراد اُن کی جماعت تھی چنانچہ عربی زبان میں بھی کہتے ہیں شَقَّ الْعَصَا اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اُس نے جماعت کی وحدت کو توڑ دیا۔ ایسی طرح اس نظارہ کے دکھانے سے اللہ تعالیٰ کا خشاء یہ تھا کہ جب تک تُو اپنی جماعت کو اپنے ہاتھ میں رکھیگا۔ اور اس کی نگرانی کرتا رہے گا۔ وہ ایک عصا کی شکل میں

کار آمد وجود رہے گی۔ لیکن جب وہ تیری کامل متابعت کو ترک کر کے تیرے بدعانی وجود سے الگ ہو جائے گی تو وہ ایک سانپ کی شکل اختیار کر لیگی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشفی حالت میں اپنا عصا پھینک دیا تو اُن کو اپنی قوم کا وہ حال نظر آگیا جو اُن کی غیر حاضری میں ہونے والا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ بیٹھ پھیر کر دوڑ پڑے اس پر اُن کو ابھام ہوا کہ يَا مُوسٰى لَا تَخَفْ اِنِّىْ لَا يَخَافُ الَّذِى الْمُرْسَلُوْنَ - اے موسیٰ: ڈرنے کی

کو نہی بات ہے۔ رسول جب ہماری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو انعام لینے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ سزا پانے کے لئے حاضر نہیں ہوتے۔ پس یہ نظارہ تجھے ڈرانے کے لئے نہیں بلکہ تجھے حقیقت حال سے آگاہ کرنے اور قوم کی نگرانی کی طرف توجہ دلانے کیلئے دکھایا گیا ہے۔

كَانُوا قَوْمًا فَسِقِينَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً

وہ اطاعت سے نکل جانے والی قوم ہے۔ پس جب ان کے پاس ہمارے نشانات جو انکس کھول دینے والے تھے اُسے

قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ وَجَعَدُوا إِلَٰهًا وَسَيِّفَتُهُمْ

تو انہوں نے کہا۔ یہ تو ایک کھلا کھلا جادو ہے۔ اور انہوں نے امرائے ظلم اور تکبر کرتے ہوئے ان نشانوں کا انکار کیا حالانکہ

أَنفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۵﴾

۱
ع
۱۴

ان کے دل ان پر یقین لائے تھے۔ پس دیکھ کہ نساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا کرتا ہے۔ ۱۷

بیاری کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی نشان نمائی کی وجہ سے وہ نورانی اور سفید ہو گا۔

مِنْ غَيْرِ سَوْءٍ كَافٍ لِّمَا نَادَا
الزام کو رد کر رہے ہیں جو اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان الفاظ میں لگایا کہ

”اُس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر اُسے ڈھانک لیا۔ اور جب اُس نے اُسے نکال کر دیکھا تو اُس کا ہاتھ کوڑھ سے برت کی مانند سفید تھا۔“

(خروج باب ۴ آیت ۷۶)

نویا یا سب نوسوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی سفیدی کو کوڑھ کی طرف منسوب کر دیا تھا مگر قرآن کریم جو حضرت موسیٰ کے دو ہزار سال کے بعد آیا اور جس کی مخالفت میں یہودیوں اور عیسائیوں نے اڑی چوٹی کا زور لگایا۔ وہ حضرت موسیٰ کو جو یہودیوں اور عیسائیوں کا نبی تھا اُس الزام سے پاک ٹھہرا کر جو خود موسیٰ کے متبعین نے اُن پر لگا دیا تھا۔ اور اُن کے ہاتھ کی سفیدی کو کوڑھ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک عظیم الشان نشان قرار دیتا ہے۔

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ فِيمَا تَلَدَّ فَاذْهَبْ

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ اس آیت کے متعلق بعض لوگوں نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ اس سے تو پتہ لگتا ہے کہ رسولوں میں سے بعض ظالم بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کا یہ اعتراض جو نبی و انبیاء کی وجہ سے ہے۔ بالکل سمجھی استثناء متصل کے لئے آنا ہے اور کبھی استثناء منقطع کے لئے۔ یعنی اِلا کے بعد بعض دفعہ نئے گروہ کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور پہلا ذکر ختم ہو جاتا ہے۔ اس جگہ بھی اِلا استثناء منقطع کے طور پر استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے جو شخص ظلم سے کام لے اور پھر ظلم کے بعد نیکی اختیار کرے تو وہ درجہ ہے کہ معلوم نہیں میری توبہ قبول بھی ہوئی ہے یا نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ اس لئے انبیاء تو الگ رہے۔ ایسے شخص کے لئے بھی ڈھنگ کی تحقیق و جانچ

۱۷
ع
۱۴
سے مؤنث کا مینہ ہے اور اِسْتَفْتَيْتُ کے معنی تَبَيَّنْتُ کے ہیں چنانچہ کہتے ہیں تَبَيَّنَ اَلْمَرْءُ عِلْمَهُ وَتَحَقَّقَهُ۔

یعنی کسی بات کو یقینی طور پر جان لیا۔ (اقرب)

تفسیر:- پھر فرمایا کہ اپنے گریبان میں ہاتھ تو ڈال جب تو اُسے نکالے گا تو وہ سفید ہو گا۔ مگر کسی

مقدور ہی تھی معاملہ کی قوم پر جو تلوار کی دھنی تھی اور ہر قسم کے ساز و سامان اُس کے پاس موجود تھے غالب آجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں علیہ عطا فرما دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب انہوں نے اپنی نادانی سے یہ کہہ دیا کہ اَذْهَبْ اَنْتَ وَرَبَّكَ فَتَبَايَعَا اَنَا هَهُنَا قَاعِدُونَ۔ یعنی تو اور تیرا خدا دونوں دشمنوں سے لڑتے پھرتے۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں اور تربیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندر ایسا تغیر پیدا کیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو بلا دروغ قربانیوں کی آگ میں جھونک دیا اور آخر کائنات کے دروازے اُن کے لئے کھل گئے۔ اور غلام کسلانے والے دنیا کے بادشاہ بن گئے۔ پھر نہ صرف خدا تعالیٰ نے اُن کو دنیوی حکومت عطا فرمائی بلکہ حضرت موسیٰ کی تعلیم پر عمل کر اُن میں بڑے بڑے دینی اور احباب بلکہ خدا تعالیٰ کے انبیاء تک پیدا ہوئے جو چودہ سو سال تک دنیا کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتے رہے۔ یہ تمام پاکبازوں کا گروہ دَاخِلٌ يَدْخُلُ فِيْ جَنَّةٍ مِّنْ حَوْزٍ مِّنْ مَّيْمَنٍ کی صداقت کا ایک عملی ثبوت تھا۔ اور پھر یہ تمام مقدسین مِّنْ غَيْرِ سُوْعَہ کے مطابق معصوم اور بے عیب تھے۔ بائبل نویسوں نے اپنی نادانی سے خدا تعالیٰ کے ان انبیاء کو جو بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے مبعوث تھے بتے بترسم کے نادر الزام لگائے ہیں کیسے متعلق کہا کہ اُمکا دی غیر معبودوں کی طرف پھر گیا کیسے متعلق کہا کہ اُس نے دوسرے بیوی اور اُس کے خاندان کو مردار کیا کیسے متعلق کہا کہ اُس نے جھوٹ بولا۔ مگر قرآن کریم ان تمام اتہامات کو ان کو پاک ٹھہراتا ہے اور بتاتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو پہلے سے یہ خبر دے دی تھی کہ تیری تربیت کے نتیجہ میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو نورانیت کا مجسمہ ہوں گے اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ چونکہ تجھ پر جو کلام نازل ہوا ہے۔ تیری قوم کے لئے ہے اس لئے تو جا اور اپنی قوم کو اپنے ساتھ چٹالے۔ یعنی اُن کو اپنے ظلِ عاطفت میں لے۔ اور اُن کی نیک تربیت کر۔ اس تربیت کے نتیجہ میں اس قوم میں سے نہایت اعلیٰ درجہ کے لوگ پیدا ہونگے۔ جن میں کوئی عیب نہیں ہوگا۔ وہ دل کے متا اور خدا تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ اور اس کے مقبول ہونگے۔ اور دنیا کو اپنے نور سے منور کرنے والے ہونگے لیکن جب وہ تجھ سے الگ ہو گئے۔ یعنی تیری روحانی تعلیم کو انہوں نے پس پشت پھینک دیا تو وہ دین کی طرف جھک جائیں گے اور جس طرح سانپ سفلی زمین کی مٹی کھاتا ہے اسی طرح وہ بھی دنیا کے کپڑے بن جائیں گے چنانچہ دیکھ لو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی جو تعمیرِ دل کا کام کرنے والے تھے اُن کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو فتح کو قریب لانے والی ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کے نتیجہ میں انہیں ایسی ہمت اور طاقت بخشی کہ انہوں نے معاملہ کی قوم پر فتح حاصل کی اور کائنات پر خدائے انہیں حکمرانی عطا فرمادی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا معاملہ کی قوم پر فتح حاصل کر لینا ایسا ہی تھا جیسے چوہا بلی کو مارے۔ عمانقہ قوم کی شام اور کائنات پر حکومت تھی۔ اور وہ بڑی بھادی شوکت اور عظمت رکھتی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی انٹیں پاتھنے والے غلامی کی زندگی بسر کرنے والے اور سیاست سے کلی طور پر نااہل تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ وہ اس جاہل اور نادانقت اور غلامی کی زندگی بسر کرنے والی قوم کو معاملہ کی زمین کا وارث کر دیگا اور یہ سینکڑوں سال تک غلام رہنے والی قوم جس نے کبھی تلوار نہیں چلائی تھی اور ہمیشہ غلامی کی زنجیروں میں

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور ہم نے دَاوُد اور سُلیمان کو علم عطا کیا - اور دونوں نے کہا اللہ ہی سب تعریف کا مالک ہے

الَّذِيْ فَضَّلْنَا عَلٰی كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهٖ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۹

جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرعونوں پر ٹڈیوں کا عذاب بھی نازل کیا۔ یعنی اتنے ٹڈیوں نے اُسے کہ ملک کی تمام فصلیں تباہ ہو گئیں اور لوگ بھوکے مر گئے۔ جو اُن کا عذاب بھی نازل کیا۔ یعنی اتنی شدید سردی پڑی کہ لوگوں کے لئے غسل کرنا مشکل ہو گیا۔ اور اُن کے بال جو اُن سے بھر گئے۔ جیٹکوں کا عذاب بھی نازل کیا یعنی اتنی کثرت سے بارشیں ہوئیں کہ جگہ جگہ فیلڈ پیدا ہو گئے۔ خون کا عذاب بھی نازل کیا جس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اُن کا خون خراب ہو گیا اور انہیں کثرت کے ساتھ پھوٹے وغیرہ نکلنے لگ گئے یا اُن میں نکسیر کا مرض پھوٹ پڑا۔ یا بواسیر دومی کے مرض نے آگھیرا۔ یا اُن میں وہ طاعون پھیل گئی جس میں مریض کے ناک۔ مونہ اور مقعد سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ اور کبھی جلد کے نیچے جریان خون ہو کر تمام جسم پر سیاہ سیاہ داغ پڑ جاتے ہیں۔ اور ستر اسی فیصدی مریض ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرض پے در پے اُن کے انتباہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب نازل ہوتے رہے۔ مگر فرماتا ہے باوجود اس کے کہ فرعون کی قوم نے وہ نشانات دیکھے جو اُن کی آنکھیں کھولنے والے تھے پھر بھی انہوں نے یہی کہا کہ یہ تو بڑی پرفریب باتیں ہیں۔ یعنی بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر اصل میں بعض اتفاقات ہیں اور انہوں نے ان نشانات کا انکار کر دیا۔

اُن میں کوئی ایسا عیب نہیں ہو گا جو اُن کی معصومیت کو داغ دار کرنے والا ہو۔

فرماتا ہے یہ دونوں نشان اُن کو نشانوں میں سے ہیں جو فرعون اور اُس کی قوم کے لئے دکھائے جانوالے ہیں۔ کیونکہ وہ اطاعت سے نکلنے والی قوم ہے۔

ان کو نشانات میں سے عطا اور ید میناء کے معجزات کا تو اس جگہ ذکر ہے اور دو معجزات کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ آخَذْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَتَقَطَّيْنَ السَّمَوَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (اعراف ۷) یعنی ہم نے آل فرعون کو قحط اور بچوں کی ہلاکت کے عذاب میں گرفتار کیا۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ باقی پانچ نشانات کا اس آیت میں ذکر آتا ہے۔ فَازْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الْخُلُوفَ وَانْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضُّفَادَ وَالدَّمَ اَيْتٌ مِّمَّعْمَلَتْ فَاسْتَكَبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (اعراف ۷) یعنی ہم نے آل فرعون پر کئی قسم کے عذاب بھیجے جن میں طوفان۔ ٹڈیوں۔ جو اُن کے جیٹکوں کا خون کا عذاب شامل تھا۔

بائیں کی کتاب خروج کے مختلف ابواب میں ان عذابوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ طوفان کا عذاب تو دہی تھا جو بحیرہ احمر میں ظاہر ہوا۔ جب فرعون اور اس کا لشکر اس میں غرق کر دیئے گئے لیکن اس کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید میں

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عِلْمُنَا

اور سلیمان داؤد کا وارث بنا۔ اور اُس نے کہا اے لوگو! ہمیں

مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا

پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہر ضروری چیز (یعنی نعیم) ہم کو دی گئی ہے۔ یہ

لَهُوَ الْفَضْلُ الْبَیِّنُ ﴿۱۷﴾

کھلا کھلا فضل ہے۔ ۱۷

یعنی خلافت روحانی اور خلافت جسمانی کے ذریعہ سے اُس نے ہمیں مومنوں کا انصر بنایا ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ سلیمان داؤد کا وارث ہوا۔ یعنی اُن کے امتعال کے بعد اُن کا جانشین ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگلی آیات میں جہاں جہاں خدا کا لفظ آیا ہے اُس سے مراد صرف حضرت سلیمان ہی ہیں اور خدا کا لفظ شاہی سطوت اور جبروت کے اظہار کیلئے ہے نہ یہ بتانے کے لئے کہ حضرت داؤد اُس میں شامل ہیں۔ کیونکہ آیت کے شروع میں ہی بتایا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اُس وقت فوت ہو چکے تھے۔ پس یہ جو کہا گیا ہے کہ اے لوگو! ہم کو منطق الطیر سکھائی گئی ہے۔ اس سے مراد صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہی ہیں نہ کہ حضرت داؤد۔ کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اس سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔

مفسرین نے منطق الطیر کے یہ معنی کئے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کبوتروں اور تیردوں اور چڑیوں اور بیرون وغیرہ کی زبان سکھائی گئی تھی اور وہ ان کی بولی کو اسی طرح سمجھ لیتے تھے جس طرح ایک انسان کی گفتگو کو دوسرا انسان سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے

حالا کہ اُن کے دل سمجھ چکے تھے کہ یہ بعض اتفاقات نہیں بلکہ اُن کی بداعمالی کی سزا کے طور پر یہ عذاب آئے ہیں۔ اُن کا یہ انکار محض ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ صداقت کا اپنی زبان سے اقرار کر کے اپنی بُرائی کو منہٴ پھینچائیں۔ مگر دیکھ لو کہ پھر ان مفسد لوگوں کا انجام کیسا خطرناک ہوا جب فرعون اور اُس کے ساتھی ہلاک ہو گئے تو آج تیرے مٹی نعوں کا انجام کس طرح اچھا ہو سکتا ہے جو اُسی رستہ پر چل رہے ہیں جس پر فرعون اور اُس کے ساتھی چلے اور انہی کی طرح اللہ تعالیٰ کے نشانات کا انکار کرتے چلے جا رہے ہیں۔

۱۷ ص لغات :- مَنْطِقُ الطَّيْرِ: الْمَنْطِقُ الْكَلَامُ بِمَعْنَى مَنَاقِبِ مَوْلَايَاہِ عَلَیہِ السَّلَامُ كَمَا وَاقِعَ بَيَانِ كَرْنِہِ كَ بَعْدَ ابِ اللّٰہِ تَعَالٰی حَفَرَتْ دَاوُدَ اَوْرَحَفَرَتْ سُلَيْمَانَ كَا ذَكَرَ فَرَمَاتَاہِ حَفَرَتْ دَاوُدَ عَلَیہِ السَّلَامُ كَا چُونَكَاہِ یُہودیوں مِی حَفَرَتْ مَوْہِی عَلَیہِ السَّلَامُ كَا خَا صَ مِثْلَا تَسْلِیْمَہِ كِیَا جَاتَاہِ اَسَ نَہِ حَفَرَتْ مَوْہِی عَلَیہِ السَّلَامُ كَا بَعْدَ اُنْ كَا ذَكَرَ كِیَا كِیَا ہِے اَوْر اُنْ دَوْنوں كَا یہ قَوْل بَیَان كِیَا كِیَا ہِے كَا ہِمِی خُدا تَعَالٰی نَہِ بَہِیْت سَے مَوْہِی بِنْدوں پَر فَضِیْلَتِ بَہِیْت ہِے

۱۷ ص لغات :- مَنْطِقُ الطَّيْرِ: الْمَنْطِقُ الْكَلَامُ بِمَعْنَى مَنَاقِبِ مَوْلَايَاہِ عَلَیہِ السَّلَامُ كَمَا وَاقِعَ بَيَانِ كَرْنِہِ كَ بَعْدَ ابِ اللّٰہِ تَعَالٰی حَفَرَتْ دَاوُدَ اَوْرَحَفَرَتْ سُلَيْمَانَ كَا ذَكَرَ فَرَمَاتَاہِ حَفَرَتْ دَاوُدَ عَلَیہِ السَّلَامُ كَا چُونَكَاہِ یُہودیوں مِی حَفَرَتْ مَوْہِی عَلَیہِ السَّلَامُ كَا خَا صَ مِثْلَا تَسْلِیْمَہِ كِیَا جَاتَاہِ اَسَ نَہِ حَفَرَتْ مَوْہِی عَلَیہِ السَّلَامُ كَا بَعْدَ اُنْ كَا ذَكَرَ كِیَا كِیَا ہِے اَوْر اُنْ دَوْنوں كَا یہ قَوْل بَیَان كِیَا كِیَا ہِے كَا ہِمِی خُدا تَعَالٰی نَہِ بَہِیْت سَے مَوْہِی بِنْدوں پَر فَضِیْلَتِ بَہِیْت ہِے

حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَطِئَةَ الَّتِي بَعِثَ مِنَ الْخَطِئَةِ الْإِسْوَدِ
 مِنَ الْغَيْثِ (بقمر ۷) یعنی رمضان کے ایام میں مہری کا د
 دقت تک ہے جب تک کہ صبح کی سفید دھادی سیاہ
 دھادی سے الگ نظر نہ آنے لگے۔ مگر خیاب میں بہت
 سے زیندار رمضان کی راتوں میں سفید اور سیاہ تاگا
 اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور چونکہ تاگا اچھی روشنی میں ہی
 نظر آتا ہے اس لئے وہ اس دقت تک خوب کھاتے
 پیتے رہتے ہیں۔ جب تک انہیں سیاہ اور سفید تاگا
 الگ الگ نظر نہ آنے لگے۔ اسی طرح تشبیہ اور استعارہ
 کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں اگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ کا ذکر
 آجائے تو بعض لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ خدا کا
 ہاتھ بھی نوز با اللہ اسی طرح گوشت پوست کا ہے
 جس طرح ہمارا ہے۔ اور اگر انہیں کہا جائے کہ ہاتھ سے
 مراد خدا تعالیٰ کی طاقت ہے تو وہ کہیں گے کہ تم تاویلیں
 کرتے ہو۔ جب خدا نے ہاتھ کا لفظ استعمال کیا ہے تو
 تمہارا کیا حق ہے کہ تم اس کی تاویل کرو۔ یا خدا تعالیٰ
 نے متعلق استثنوی عَنِ الْغُرُثِ کے الفاظ پڑھیں تو
 جب تک وہ خدا تعالیٰ کو ایک سنگ مرمر کے تخت پر
 بیٹھا ہوا تسلیم نہ کریں، انہیں چلن ہی نہیں آئیگا۔ حالانکہ
 دنیا کی ہر زبان میں تشبیہ اور استعارہ کا استعمال موجود
 ہے۔ ہمارے ملک میں محاورہ ہے کہ آنکھ بیٹھ گئی۔
 مگر کوئی نہیں کہتا کہ آنکھ کی ٹانگیں نہیں یادہ بیٹھی ہے
 تو کس پلٹ اور کس پر بیٹھی ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا
 ہے کہ آنکھ بیٹھنے کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ ضائع ہو گئی۔
 اور پھوٹ گئی۔ اسی طرح اور کئی قسم کے استعارات
 ہمدادی زبان میں استعمال کئے جاتے ہیں اور کوئی ان پر
 اعتراض نہیں کرتا بلکہ ان استعارات کو زبان کی خوبی کو
 اس کا ثناء سمجھا جاتا ہے۔

غرض جس طرح دنیا کی ہر زبان میں محاورہ اور

ایک بل کو دیکھا کہ ایک شاخ پر بیٹھی ہوئی اپنی دم اور سر
 ہلا کر کچھ بول رہی ہے۔ اس کی آواز سن کر آپ نے اپنے
 اندر گرد بیٹھنے والوں سے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ بلبل
 کیا کہہ رہی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا
 رسول ہی بہتر جانتے ہیں میں کیا علم ہے۔ حضرت سلیمان
 علیہ السلام نے کہا۔ یہ کہہ رہی ہے کہ دنیا کے سر میں خاک
 پڑے۔ جس نے تو آج صرف ادھی کھجور کھائی ہے۔ پھر
 فاختہ بولی۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہ کہتی ہے کاشش یہ
 سب مخلوق پیدا ہی نہ ہوتی۔

اسی طرح مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ
 فرمایا کرتے تھے کہ کبوتر کہتا ہے۔ مرنے کے واسطے اپنی
 اولادیں پیدا کرو۔ اور دیوان ہونے کے لئے مکانات
 بناؤ۔ اور کھانا کہتا ہے کہ جو کچھ تو کریگا اسکا بدلہ
 پائیگا۔ اور بدمذہب کہتا ہے کہ جو دوسرے پر رحم کرینگا
 خدا اس پر رحم کرے گا۔ اور ابابیل کہتی ہے کہ نیک
 اعمال کو آگے بھیجنا کہ تم انہیں خدا کے پاس پاؤ اور
 کبوتر کہتا ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ اَلَا عَلَى مَلَأَ مَكَانَهُ وَ
 اَزْجَلَهُ۔ اور فحشا کہتا ہے کہ جو خاموشی اختیار کریگا
 سلامت دے گا۔ اور طوطا کہتا ہے کہ افسوس میری جیسا
 مقصود اور مطلوب دنیا ہے۔ اور مرغی کہتا ہے کہ اے غافلو
 اللہ کو یاد کرو۔ اور مینڈک کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَلَّامِ
 اور چڑیا کہتی ہے۔ اے گنہگارو استغفار کرو۔ اور چیل
 کہتی ہے کہ کھل شیء فُحْشًا لَّهِ اَلَا وَجْهَهُ یعنی خدا کے
 سوا ہر چیز چاک ہونے والی ہے۔ غرض انہوں نے یہ
 ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام
 پر نازل کی بولی کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے پرندوں
 میں مینڈک وغیرہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ مگر بعض استغناء
 اور بجا زکو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور ایسی ہی بات ہے جیسے
 قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ كَلَّا اَوَّلَ شَرِّ ذٰلِكَ

استعدادات کا استعمال پایا جاتا ہے اسی طرح الہامی کتابیں بھی ان استعدادات کو استعمال کرتی ہیں۔ مگر وہ لوگ جو استعداد اور مجاز کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ انہیں ظاہر پر معمول کر لیتے ہیں اور اس طرح خود بھی ٹھوکر کھاتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی ٹھوکر کا موجب بنتے ہیں۔

یہی حال منطق الطبیح کا ہے۔ مفسرین نے صرف طبع کو لفظ کو دیکھ کر خیال کر لیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اختیاری طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ انہیں تیروں ادب و تیروں کی بولی بھی سکھا دی تھی مگر سوال یہ ہے کہ اس بولی کے سکھانے کا فائدہ کیا تھا۔ یا تو یہ تسلیم کیا جائے کہ پرندے بھی بڑے بڑے علوم اور معارف جانتے ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ انہیں چاہتا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس علم سے محروم رہیں اس لئے اس نے آپ کو ان کی زبان بھی سکھا دی۔ مگر پرندے تو ایک جاہل سے جاہل اور غبی سے غبی انسان جتنی بھی عقل نہیں رکھتے پھر ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا علم سیکھنا تھا۔ پھر اگر ان کا دماغ واقعہ میں اتنا اعلیٰ ہوتا کہ حضرت سلیمان جیسے نبی کو بھی ان سے معارف اور علوم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو شریعت انکو ذبح کرنے کی اجازت کیوں دیتی۔ اللہ تعالیٰ کا انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہ دینا اور جانوروں کو ذبح کر نیکی اجازت دینا صاف بناء ہا ہے کہ یہ اختیاد صرف دماغ کے فرق کی وجہ سے دکھایا گیا ہے۔ اور ان کا دماغ عام انسانی دماغ سے بھی ادنیٰ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کی زبان کس حکمت کے تحت سکھائی گئی تھی۔

پھر مفسرین صرف میں تک میں نہیں کرتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی تھیں بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر پرندہ جو ایک پرندہ تھا وہ اتنی عقل اور سمجھ رکھتا تھا کہ اس نے حکم سنا ہی باتیں سمجھیں۔ اس کے درباریوں کی باتیں سمجھیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کی باتیں سمجھیں۔ مگر ہر پرندہ کی باتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ گویا ایک پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تمام درباری علماء اور فضلاء سے بھی بڑا تھا۔ کیونکہ وہ ان سب کی باتیں سمجھتا تھا لیکن اس کی بات کو کوئی نہیں سمجھتا تھا اور اگر کوئی سمجھتا تھا تو وہ صرف حضرت سلیمان تھے۔ گویا اگر ہر پرندہ سے کسی کو برابری حاصل تھی تو صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو تھی باقی جتنے امراء اور وزراء تھے وہ سب اس کھٹ بڑھی سے نیچے تھے۔ یہ اتنا احمقانہ نقشہ ہے کہ اس کو ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بات مانی جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ پرندے انسان سے افضل ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ پرندوں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہاں انسان کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے کیونکہ پرندے نفوذ باشند انسان سے افضل ہیں۔ یہ تو ”اندھیر گری“ جو پٹ راجہ“ دالی بات ہوگی جس کو کوئی بھی معقول انسان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ایک استعارہ اور مجاز ہے جس کو لوگوں نے نہ سمجھا اور وہ صحیح راستہ سے بھٹک کر دور انداز کا دجھن میں الجھ کر رہ گئے۔ طبع عربی زبان میں اڑنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اور استعداد اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو عالم روحانی کی فضاؤں میں پرواز کرتے اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور اس کے محبوب ہوتے ہیں۔ پائے سلسلہ احمدیہ کا ایک الہام بھی ان معنوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپ کو ایک نور الہام ہوا کہ :- ”ہزاروں آدمی تیرے پرندوں کے نیچے ہیں“

(تذکرہ منصف)

اب ظاہر ہے کہ ہر ہمیشہ پرندوں کے ہی ہوا کرتے ہیں اور پرندے کے پرندوں کے نیچے بیٹھنے والے بھی پرندہ ہی

ہوئے ہیں۔ گویا اس الہام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی پرندہ قرار دیا گیا۔ اور پھر یہ بھی بتایا گیا کہ وہ لوگ جو آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے والے ہیں وہ بھی عالم روحانی کے پرندے ہیں۔ اس الہام نے قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح کر دی اور بتا دیا کہ طیور سے مراد جسمانی پرندے نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف پرواز کرنے والے ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں کو استعارہ اس لئے بھی پرندہ کہا جاتا ہے کہ پرندہ آسمان کی طرف اڑتا ہے اور علوم سماوی آسمان سے نیچے کی طرف اترتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے کی طرف برہی ہوگی تو وہ سب سے پہلے اسی کوٹھے گی جو اوپر پرواز کر رہا ہوگا۔ پس عالم روحانی کی فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے کو اس لئے بھی پرندہ کہا جاتا ہے کہ آسمانی علوم اور امر و غیبی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے انہی لوگوں کو الہام یا رؤیا و کشف کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں جو اوپر پرواز کر رہے ہوں۔ اور انہی آسمانی طیور کو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اپنے فیوض سے مستمع فرماتا ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کی صحبت میں آکر بیٹھتے ہیں وہ بھی اپنے اپنے اخلاص اور درجہ کے مطابق ان فیوض سے مستفیض ہوتے چلے جاتے ہیں۔

غرض طیور کے اس مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے عَلِمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ کے یہ معنی ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! مجھے بھی وہ بولی سکھائی گئی ہے جو بلندی کی طرف پرواز کرنے والے لوگوں کو سکھائی جاتی ہے۔ یعنی فیوض کے معارف اور تعارف اور یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام انہی نہیں تھے بلکہ صرف ایک بادشاہ تھے۔ چنانچہ بائبل میں کہیں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہیں نہیں قرار دیا گیا بلکہ ایک فلاسفر اور عالم قرار دیا گیا

ہے۔ چنانچہ مسلاطین باب ۴۴ میں لکھا ہے:-
”اور خدا نے سلیمان کو حکمت اور سمجھ بہت ہی زیادہ اور دل کی وسعت بھی عطا کی جیسی سمندر کے کنارے کی ریت ہوتی ہے۔ اور سلیمان کی حکمت سب اہل مشرق کی حکمت اور مصر کی ساری حکمت پر فوقیت رکھتی تھی۔“ (آیت ۲۹، ۳۰)

اسی طرح لکھا ہے:-
”اُس نے تین ہزار تین کہیں اور اُس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے۔ اور اُس نے درختوں کا یعنی لبنان کے دیودار سے لیکر زردفانک کا جو دیوداروں پر لگتا ہے اور جو پائوں اور پرندوں اور درختوں کے جانداروں اور پھلیوں کا بھی بیان کیا۔ اور سب قوموں میں سے زمین کے سب بادشاہوں کی طرف سے جنہوں نے اُس کی حکمت کی شہرت سنی تھی وہ سلیمان کی حکمت کو سُنے آتے تھے۔“ (آیت ۴۲، ۴۳)

غرض بائبل حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک حکیم اور فلاسفر قرار دیتی ہے مگر نبی قرار نہیں دیتی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ الزام لگاتی ہے کہ

”جب سلیمان بڑھا ہو گیا تو اُس کی بیویوں نے اُس کے دل کو غیر مہبودوں کی طرف مائل کر لیا۔ اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا۔“

(مسلاطین باب ۱۱- آیت ۵۴)
پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس خیال کی تردید کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ حضرت

وَحْشَرِ لَسْلِيمَانَ جُنُودَهُ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ

اور (ایک دفعہ) سلیمان کے سامنے جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے اُنکے لشکر ترقیباً اکٹھے کئے گئے۔

فَلَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۸﴾

پھر اُن کو کوچ کا حکم ملا۔ ۱۸

کے لفظ کے یہ معنی نہیں کہ اُن کو دنیا کی ہر نعمت ملی بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ اُس زمانہ کی اور اُن کے ملک کی پڑی بڑی نعمتوں سے انہیں حصہ ملا۔ اسی طرح اہل مکہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: - اَوَلَمْ نَكُنْ لَهُمْ مَعْرَاضًا اِمَّا يَنْجِبُوْنَ اِلَيْهِ فَنُصْرَتٌ لِّحَاشِيٍّ يَرْزُقَانِ لَدُنَّا (قصص ۷) یعنی کیا اہل مکہ کو ہم نے ایک عزت ملے اور محفوظ مقام میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہمارے انعام کے طور پر قسم کئے ہوئے لائے جاتے ہیں۔ اسی آیت میں بھی کُل سے تمام دنیا کے میوے مراد نہیں بلکہ بہت سیوے مراد ہیں جو اہل مکہ کی محنت اور اُن کی لُذَّت کے سامان پیدا کرنے کیلئے ضروری تھے۔ اسی طرح شہر کی کھیتی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَحْنُ اَنْشَرُتُ تَوَاتَا بَحْلُونَ كَوْنًا۔ حالانکہ شہر کی کھیتی سارے بھون کو نہیں کھاتی بلکہ بعض بھون کو کھاتی ہے۔ اسی طرح یہاں دَاوُودُ تَبَاثُ مَحْلُ شَیْءٍ کے معنی ہر چیز کے نہیں بلکہ ہر باقی ضرورت چیز کے ہیں اور مراد یہ ہے کہ جن جن چیزوں کی حضرت سلیمان علیہ السلام کو ضرورت ہوتی تھی خدا تعالیٰ اُنکی مہیا کر دیتا تھا اور جن جن چیزوں کی اپنے زمانہ میں ملا سب کو ضرورت ہوتی تھی وہ اُس کو میسر آ جاتی تھیں چنانچہ یہ دعویٰ کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے کھنے فضل سے حاصل ہوتی ہے بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل کے انسانی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔

فَلَهُمْ لُغَاتٌ: سَيُوزَعُونَ: اَوْرَعَ

فعل مضارع بھول جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اَوْرَعَ دَرَّعَ سے ہے اور دَرَّعَ کے معنی میں کَفَّهَ وَصَحَّحَ وَ

سلیمان علیہ السلام ہی تھے اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دی گئی اور معارف عطا کئے گئے تھے جو اللہ تعالیٰ کے اُن برگزیدہ بندوں کو عطا کئے جاتے ہیں جو اس کی طرف پروا نہ کرتے اور اس کے قرب میں بہت بلند اور بالا مقام رکھتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں دَاوُودُ تَبَاثُ مَحْلُ شَیْءٍ ہے ہر ضروری

چیز عطا کی گئی ہے۔ اسمجگہ مَحْلُ شَیْءٍ کے معنی ہر چیز

کے نہیں بلکہ ہر ضروری چیز کے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کی مذکورہ سب کے متعلق بھی اسی سورہ میں آتا ہے کہ

دَاوُودُ تَبَاثُ مَحْلُ شَیْءٍ (آیت ۲۴) حالانکہ وہ دنیا کے

ایک نہایت مختصر علاقہ کی بادشاہ تھی۔ اگر دَاوُودُ تَبَاثُ مَحْلُ

شَیْءٍ کے معنی ہر چیز کے کئے جائیں تو اسی آیت کا مفہوم یہ

قرار پاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک سب اور اُس کی محنت

بھی حاصل تھا اور جب ہر ہر نے ملک کا ذکر کیا اور کہا کہ اُسے

ہر نعمت حاصل ہے تو اس کے معنی یہ تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

بھی اور اُن کے لشکر بھی اُس کو حاصل تھے حالانکہ یہ دونوں باتیں

بالبداهت غلط ہیں۔ دراصل عربی زبان کے عادیہ کے مطابق یہ ضروری

نہیں ہوتا کہ مَحْلُ کا لفظ تمام افراد جن میں مشتمل ہو بلکہ باوقات

یہ لفظ صرف ضرورت کے مطابق اشیاء پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَخَلَقْنَا نَسْمُوَ اَمَّا دُكْرُوْا

یہ فَخَلَقْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابُ مَحْلُ شَیْءٍ پر انعام ہے یعنی جب

پہلی قوموں کے افراد نے اُس نصیحت کو سمجھ لیا جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے اُن پر پہلے تو ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھول دیے

اور پھر اُن پر عذاب نازل کر دیا۔ اسی آیت میں بھی مَحْلُ

یُوزَعُونَ

جَنَسَهُ یعنی اُس کو ہٹایا۔ دو کا یا رو کے رکھا۔ اور جب
وَرَعَ الْجَنِّشَ کہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں جنس اَوَّلَهُمْ
عَلَى الْاِخْوَانِ یعنی شکر کو اول سے لیکر آخر تک رو کے رکھا
اور جب کہیں کہ رَأَيْتُمْ يَرَعَ الْجَنِّشَ تو معنی ہونگے
يُرَاقِبُهُمْ وَيَسْتَوِيهِمْ وَيَصِفُهُمْ لِلْحَرَبِ یعنی
میں نے اُسے دیکھا کہ وہ شکر کو ترتیب دے رہا تھا اور
انہیں ٹھیک کر رہا تھا اور طائی کے لئے صف بستہ کر
رہا تھا۔ (اقرب) پس يُؤَدُّعُونَ کے معنی ہونگے کہ (۱)
شکروں کو ترتیب دی جاتی تھی (۲) شکروں کا پورا پورا
انتظام رکھا جاتا تھا۔

تفسیر: فرماتا ہے۔ ایک دفعہ سلیمان کے
صانع جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے اُس کے
شکر حاضر کئے گئے اور ان کو ترتیب دار الملک الملک
کہا دیا گیا۔ یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان
علیہ السلام اُس ذمت کسی ملک پر چڑھائی کرنے کے لئے
تیار تھے اور انہوں نے اپنی تمام فوج انکشی کی تھی جن
میں جنات کا بھی شکر تھا۔ انسانوں کا بھی شکر تھا۔
اور پرندوں کا بھی شکر تھا۔

جنات کا لفظ سانسے آئے ہی مفسرین کا ذہن
پھر اس طرف متغزل ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی غیر مرئی مخلوق
ہے جو حضرت سلیمان کے قبضہ میں تھی۔ حالانکہ اگر وہ
قرآن کریم پر غور کرتے تو انہیں اسقدر دور از کار تاویلات
کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ جنات کی حقیقت پر
مورن نے کئے لئے سب سے پہلے ہیں یہ دیکھنا چاہیے
کہ آیا قرآن کریم میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے
متعلق ہی یہ ذکر آتا ہے کہ اُن کے پاس جن تھے یا کسی
اور نبی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ اُس کے پاس جن آئے۔
اس غرض کے لئے جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو
ہمیں سورۃ احقاف میں یہ آیات نظر آتی ہیں:-

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَشْعُرُونَ الْقُرْآنَ
فَلَمَّا حَقَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصَبُوْا عَلٰٓى فُلْمَا فَنُصِیْضُ وَنُلَوِّا۟ اِلٰی
تُورِهِمْ مُّثٰبِ دٰۤیۡنٍۭۚ قَالُوْا يٰۤهٰٓؤُنَّا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰۤبًا
اُنۡزِلَ مِنۡۢ بَعْدِ مُوسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا يٰۤنُۨیۡنُۚ يٰۤهٰٓؤُنَّا اِنۡتِغٰی
اِلٰی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیۡمٍۭۚ یٰۤهٰٓؤُنَّا اِجْبُوْا
دٰۤیۡنَ اللّٰهِ وَارۡتَبُوْا بِهٖ یَغْفِرَ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوبِکُمۡ وَیَجۡزِلَ لَکُمۡ مِّنۡ عَذَابِ الۡعِۡمِۡ
(احقاف ۱۷) فرماتا ہے اُس وقت کو بھی یاد کرو جبکہ
ہم جنوں میں سے کچھ لوگوں کو تیری طرف لائے جو قرآن
سننے کی خواہش رکھتے تھے جب وہ تیری مجلس میں
پہنچے تو کہنے لگے چپ کرو۔ تاکہ اس کی آواز ہمارے کانوں
میں اچھی طرح پڑے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ختم ہو گئی
تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے اور کہنے لگے اے
ہماری قوم ہم نے ایک کتاب کی تلاوت سنی ہے۔ جو
موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے
اتری ہیں ان سب کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف
بلائی اور سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ اے قوم! اللہ تعالیٰ
کے مادی کی آواز کو سنو اور اُسے قبول کرو اللہ تعالیٰ ہمارے
گناہ بخش دیگا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچا دیگا۔

پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جن تو رات پر۔
حضرت موسیٰ پر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے
تھے۔ پس سلیمان ہی ایک ایسے نبی ہیں جن پر جن ایمان
لائے۔ بلکہ موسیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی
قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جنات اُن پر ایمان لائے۔ مگر
افسوس ہے کہ مفسرین حضرت سلیمان کے جنوں کے متعلق تو
عجیب عجیب قصے سناتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ
السلام قاین پر بیٹھ جاتے اور چار جنوں کو جاگرتے کہ کڑوا
دیتے اور وہ انہیں اڑا کر انسانوں کی میر کرتے مگر رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جن ایمان لائے اُن کے
متعلق کسی ضعیف سے ضعیف روایت بھی یہ ثابت نہیں کرتے

کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایسی مدد کی ہو حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر سفر کرتے تھے۔ آپ کے صحابہؓ کو کئی دفعہ سواریاں نہ ملتی تھیں اور وہ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہتے کہ ہمارے لئے کسی سواری کا انتظام فرما دیجئے تو ہم جانے کے لئے حاضر ہیں۔ کسی دفعہ صحابہؓ نے ننگے پیر بے جے سفر کئے ہیں۔ مگر یہ تمام دکھ اور تکلیفیں دیکھنے کے باوجود ان سنگدل جنوں کا دل نہ پسپا وہ حضرت سلیمانؑ کے وقت تو شکر کا شکر اٹھا کر دوسری جگہ پہنچا دیتے تھے اور یہاں ان سے اتنا بھی نہ ہوا کہ دس میں ہزار جن کو ہی اٹھا کر میدان جنگ میں پہنچا دیتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جن غیر از انسان وجود ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان معنوں کو قرآن کریم تسلیم کرتا ہے۔ اگر یہ ایک استعارہ ہے تو یقیناً قرآن کریم نے اس کو اپنی کسی دوسری آیت میں حل کیا ہوگا۔ اور استعارہ تسلیم نہ کرنے کی صورت میں قرآن کریم کی دو آیتیں باہم ٹکرا جائیں گی اور اس طرح قرآن کریم میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ پس ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس کو استعارہ تسلیم نہ کرنے سے قرآن کریم میں اختلاف پیدا ہوتا ہے یا استعارہ تسلیم کر کے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

استعارہ کے متعلق یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لوگ اسے استعارہ نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہی لفظ ہے جیسے شیطان کا لفظ آتا ہے۔ جس طرح شیطان مراد ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے علیحدہ ہے۔ اسی طرح جن بھی ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے الگ ہے حالانکہ وَادَّآ خَلَقُوا اِلٰی ضَلٰیطٰتِنٰہُمْ میں

مفسرین بالاتفاق کہتے ہیں کہ اس جگہ شیاطین سے مراد یہود اور ان کے بڑے بڑے سردار ہیں۔ پس اگر انسان شیطان بن سکتا ہے تو انسان جن کیوں نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَلَدْنَا جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شٰیْطٰنًا اِلٰہِیۡنَ وَ اِلٰہِیۡنَ یُوحٰیۡ بِفَضْلِہُمْ اِلٰی بَعْضِ رُحُوۡتِ الْغَوٰلِ عَلٰی دُہٰا۔ (انعام ۶) کہ ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں شیطان آدمیوں میں سے بھی اور جنوں میں سے بھی جو لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں اور انہیں نبی اور اس کی جماعت کے خلاف برا سمجھتے کرتے رہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ انسان بھی شیطان ہوتا ہے۔ پس اگر شیاطین الانس ہو سکتے ہیں تو جن الانس کیوں نہیں ہو سکتے۔ یعنی جس طرح انسانوں میں سے شیطان کہلائے والے پیدا ہو سکتے ہیں اسی طرح ان میں جن کہلائے والے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ بہر حال قرآن کریم سے ہمیں جہہ لگ گیا کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں ہی جن نہیں تھے بلکہ حضرت موسیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جن ایمان لائے تھے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کن کی طرف ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سورہ نساء میں اس کے متعلق فرماتا ہے وَ اَوْسَلٰتُکَ لِلنَّاسِ دُہُوۡاۃً وَّ نِسَآءً، ہم نے تجھے تمام آدمیوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس آیت میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا حالانکہ اگر آدمیوں کے علاوہ کوئی اور بڑی مخلوق جیسے جن کہتے ہیں آپ پر ایمان لائی تھی تو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اَوْسَلٰتُکَ لِلنَّاسِ وَ اِلٰہِیۡنَ وَ دُہُوۡاۃً مَّرۡکُۃً یہ نہیں فرماتا بلکہ فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے تمام آدمیوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ تو جب آدمیوں کی طرف ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مبعوث کئے گئے تھے تو صامت پہ لگ گیا کہ جہاں یہ ذکر ہے کہ جن آپ پر ایمان لائے وہاں اُن سے جن الانس ہی مراد ہیں نہ کہ کوئی اور نرالی مخلوق جس کا نقشہ عام لوگوں کے دماغوں میں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں جس کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پانچ ایسی خصوصیتیں عطا کی گئی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ اُن میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ کَانَ النَّبِيُّ يَبْخُثُ رَأْيَ تَوَجُّهِ حَاضِرَةٍ کہ پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا وَ يَبْخُثُ إِلَى النَّاسِ عَامَةً مگر اُن سے روئے زمین کے تمام آدمیوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ یہاں سونے کی گئی صلی اللہ علیہ وسلم قطعی طور پر بیان فرماتے ہیں کہ انبیائے سابقین میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں جو اپنی قوم کے سوا کسی اور قوم کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ لیکن مسلمان یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں اور طیور اور حیوانوں کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اگر واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں اور طیور کی طرف مبعوث ہوئے تھے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفوذ باللہ درجہ میں بڑھ گئے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے پھر اگر یہ جن غیر از انسان ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے محی طیب کیونکر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے وَ يُؤْمَرُ بِحُسْنِ طَبْعِهِمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْبَشَرِ قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ (انعام ۱۱) یعنی جب قیامت کے دن سب لوگ جمع ہونگے تو ہم جنوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہیں گے اے جنوں کے گروہ : تم نے اکثر حقہ انعام کو اپنے قابو میں کیا ہوا تھا ہم تو جنوں کو تلاش کرتے کرتے لڑتے تھک گئے مگر قرآن یہ کہتا ہے کہ جنوں نے اکثر ان کو قابو کیا ہوا ہے۔

حالانکہ ہم تلاش کرتے ہیں تو وہ ملتے نہیں۔ لوگ دھیسے پڑھتے ہیں چکر کشیاں کرتے ہیں اور جب اُن کا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور خشکی سے کان بچنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں جن آگیا۔ حالانکہ اس وقت جن نہیں آتا بلکہ اس وقت وہ خود دنیا سے کھوئے جاتے اور پاگل ہو جاتے ہیں۔ تو تازہ دماغ کے ہوتے ہوئے جن کبھی انسان کے پاس نہیں آتے۔

عزیز جنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ تم نے انسانوں سے بہت سے فائدے اٹھائے ہیں۔ اور وہ جو انسان ہیں وہ بھی کہیں گے کہ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ہم میں سے بعض نے بعض سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ اب اپنے اپنے عہد اور گاؤں میں پھر کر لوگوں سے دریافت کر لو کہ کیا پچاؤش یا اکادقہ نفعیدی لوگ جنوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، تو میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں ملے گا جو یہ کہتا ہو کہ میں جنوں سے فائدہ اٹھاتا ہوں اور میرے ان سے تعلقات ہیں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جن سے مراد انسانوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق نہیں بلکہ انسانوں میں سے ہیں بعض جن مراد ہیں۔ اور انسانی جنوں کی دستیائیں بڑی کثرت سے نظر آتی ہیں۔

پھر اس سے بڑھ کر ایک اور دلیل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لِيَمْعَسُوا الْحَبْنَ وَالْاَنْبَسَ قَدْ يَأْتِيَكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ۔ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ جو ہمارے سامنے کھڑے ہو۔ بتاؤ کیا تمہارے پاس ایسے رسول نہیں آئے جو تمہیں میں سے تھے۔ اب بتاؤ جب خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض جن بھی ایمان لائے اور دوسری طرح یہ فرماتا ہے کہ ہمارا رسول بھی نہیں آیا تھا

روٹی بھی نہ دی۔ پھر وہ مومن کس طرح ہو گئے۔ وہ تو کپے کا فرشتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال ہی بالکل غلط ہے کہ جن کوئی ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے نفرتی ہے۔ وہ جن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ بھی انسان ہی تھے اور جس طرح آدم و نوحوں نے آپ کی مدد کی وہ بھی مدد کرتے رہے۔ اگر کوئی نفرتی مخلوق مانی جائے تو پھر اس سوال کا حل کرنا ان لوگوں کے ذمہ ہوگا جو جنات کے قائل ہیں کہ کیا درجہ ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مدد نہ کی۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ اور انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں۔

پھر اس سے بڑھ کر ایک اور دلیل ہے اللہ تعالیٰ سورہ احزاب میں بطور قاعدہ کلیہ کے فرماتا ہے۔
 اِنَّا عَزَمْنَا الْاِيْمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ
 وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا
 وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔
 (احزاب ۷) کہ ہم نے اپنی شریعت اور کلام کو آسمانوں کی مخلوق کے سامنے پیش کیا اور کہا کوئی ہے جو ایسے مانے اور اس پر عمل کرے۔ پھر تمام آسمانی مخلوق نے یک باق ہو کر کہا کہ ہم یہ بار امانت اٹھانے کے ہرگز قابل نہیں۔ پھر ہم نے زمینوں کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور کہا۔ تو یہ جو جہ اٹھاتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے بھی انکار کیا حالانکہ لوگ عام طور پر یہ کہا کرتے ہیں کہ جن پہاڑوں پر رہتے ہیں فَأَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا سارے ڈر گئے اور کسی نے بھی اس ذمہ داری کو اٹھانے کی جرأت نہ کی فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ صرف ایک انسان آگے بڑھا اور اس نے کہا۔ مجھے شریعت دیجیئے۔ میں

تو کیا اس سے صاف ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جن بھی انسان ہی تھے کوئی غیاز انسان وجود نہیں تھے۔ پھر یہیں تک بات ختم نہیں کی بلکہ فرمایا وَيَنْذِرُكُمْ لَعْنَةُ تَوْحِيدِكُمْ هَذَا۔ وہ ہمیں انداز بھی کرتے تھے اور قیامت کے دن سے ڈراتے تھے۔ گویا حضرت موسیٰ حضرت سلیمان اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کو ڈرایا بھی کرتے تھے۔ اور انہیں یوم آخرت اور اللہ تعالیٰ کا خوف دلا کر تھے تھے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ جن جن الانس ہی تھے کوئی اور مخلوق نہیں تھے۔ جس طرح شیاطین الانس ہوتے ہیں اسی طرح جن الانس بھی ہوتے ہیں۔
 اب ایک اور موٹی مثال سنو۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَتَسُوْلُوْهُ وَتَقُوْذُوْا دِيْنَكُمْ فِرْعَوْنُ (الفتح ۷) کہ ہم نے اس رسول کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ تم ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔ اب جبکہ جن بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے تو کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ ان جنوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی مدد کی ہو۔ ایک معمولی ملاکے لئے تو وہ انگودوں کے خوشے لاسکتے ہیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ لائے اور آپ کو بسا اوقات فاتے کرنے پڑے ایک دفعہ آپ کے چہرہ پر منعفت کے آثار دیکھ کر صحابہؓ نے سمجھا کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک صحابی نے بکری ذبح کی اور آپ کو اور بعض اور صحابہؓ کو کھانا کھلایا۔ مگر ایسے مواقع میں سے ایک موقع پر بھی تو جنوں نے مدد نہیں کی۔ میں سمجھتا ہوں وہ بڑے ہی بے شرم جن تھے کہ وہ آجکل کے ملوثوں کو تو سیب اور انگور لاکر کھاتے ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن پر وہ ایمان لائے تھے انہوں نے بھی ایک جو کی

اس پر عمل کر کے دکھاؤں گا۔ فرماتا ہے إِنَّكَ كَانَتْ ظُلُمًا
 جَہْلُوتًا۔ انسان نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ کیونکہ
 ہمارے مشق میں مرشاد تھا۔ اُس نے یہ نہیں دیکھا کہ بوجھ
 کتنا بڑا ہے۔ بلکہ شوق سے اُسے اٹھانے کے لئے آگے
 نکل آیا۔ اب دیکھو یہاں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا
 ہے کہ شریعت کو اٹھانے والا صرف انسان ہے۔ اور
 کوئی شریعت کا مکلف نہیں۔ اب جبکہ انسان کو ہی
 خدا نے شریعت دی تو سوال یہ ہے کہ اگر جن غیر از انسان
 ہیں تو وہ کہاں سے نکل آئے اور انہوں نے رسول کریم صلی
 علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان کا کیوں اظہار کیا۔ اگر یہ
 تسلیم کیا جائے کہ وہ غیر از انسان تھے تو خدا تعالیٰ کا
 کلام باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ انسان
 کے سوا سب مخلوق نے اس شریعت پر عمل کرنے سے
 انکار کر دیا تھا۔ اور جبکہ قرآن سے بھی ثابت ہے کہ
 جن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو صاف
 معلوم ہو گیا کہ یہ جن انسان ہی تھے غیر از انسان نہیں
 تھے۔ یہاں بھی جن سے مراد جن انسان ہی ہیں۔ ایسی
 مخلوق مراد نہیں جو انسانوں کے علاوہ ہو۔ اور نہ ایسے
 جنوں کا قائل ہوں جو انسانوں سے آکر چٹ جاتے ہیں۔
 مجھے یاد ہے ایک دوست نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام
 کی خدمت میں لکھا کہ میری ہمشیرہ کے پاس جن آتے ہیں اور
 وہ آپ پر ایمان لانے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت مسیح موعود
 علیہ السلام نے انہیں خط لکھا کہ آپ ان جنوں کو یہ پیغام
 پہنچا دیں کہ ایک عورت کو کیوں سستا ہے جو اگر سستا
 ہی ہے تو مولوی محمد حسین شاہ مولوی شاد اللہ کو
 جا کر سستائیں۔ ایک غریب عورت کو تنگ کرنے سے
 کیا فائدہ؟ تو ایسے جن کوئی نہیں ہوتے جن کو عام لوگ
 مانتے ہیں۔ بیشک کئی ایسے لوگ بھی ہونگے جو انگریزی تعلیم
 کے ماتحت پہلے ہی اس امر کے قائل ہوں۔ لیکن مومن

کے سامنے اصل سوال یہ نہیں ہوتا کہ اُس کی عقل کیا کہتی ہے
 بلکہ اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کیا کہتا ہے۔ اگر قرآن
 کہتا ہو کہ جن ہوتے ہیں تو ہم کہیں گے آمت و حد تھا۔ اور
 اگر قرآن سے ثابت ہو کہ انسانوں کے علاوہ جن کوئی
 مخلوق نہیں تو پھر ہمیں یہی بات ماننی پڑے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگ بڑے شکسٹر اور
 سرکش ہوتے ہیں جو کسی دوسرے کی اطاعت کرنے کے لئے
 تیار نہیں ہوتے۔ مگر جب انبیاء کے سامنے آتے ہیں تو
 یکدم اُن کی حالت بدل جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 کو ہی دیکھ لو۔ ابتدا میں وہ اسلام کی کوئی بات برداشت
 نہیں کر سکتے تھے اور ایک دفعہ تو انہیں یہاں تک جوش
 آیا کہ تلوار صونت لی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔
 مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو
 آپ کھدے دُوب کی دھر سے کانپنے لگ گئے۔ تو بعض
 طبائع نادبی ہوتی ہیں۔ مگر جب نبیوں کے سامنے جاتی ہیں
 تو مضطرب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ایسی طبائع رکھنے والے
 انسانوں کو عربی زبان میں جن کہتے ہیں۔ اسی طرح جنوں
 سے وہ لوگ بھی مراد ہوتے ہیں جو محلات میں رہتے ہیں
 اور اُن کے دروازہ پر آسانی سے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔
 چنانچہ نوبت میں لکھا ہے جَنَّ النَّاسِ مُعْظَمُهُمْ (آزاد)
 یعنی جن کا لفظ انسانوں میں سے بڑے آدمیوں کے لئے
 بولا جاتا ہے کیونکہ اُن کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے
 مضبوط پیریدار مقرر ہوتے ہیں اور ہر شخص آسانی سے اُن
 تک نہیں پہنچ سکتا۔

پُرانے زمانہ میں تمام بڑے بڑے بادشاہوں کا
 یہ دستور تھا کہ وہ خاص خاص مقاموں پر رہنے کیلئے
 اور اپنے باڈی گارڈز کے طور پر اعلیٰ قبیلوں کے آدمیوں
 کو بھرتی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جرمن کے بادشاہ فلیسلیم نے

دستوں میں معزز خاندانوں کے افراد بھرتی کئے جاتے تھے جو گھروں میں اور پیروں کے پیچھے رہنے کے عادی ہوتے تھے اور جن کہلانے کے مستحق تھے جس کے معنی پوشیدہ وجود کے ہیں۔ یعنی لوگ جو عام طور پر نظر نہیں آتے اور پوشیدہ رہتے تھے۔ چنانچہ نعت میں لکھا ہے کہ جن کے معنی ہر ایسی چیز کے ہوتے ہیں جو حواس سے چھپی ہوئی ہو (اقرب) یعنی جن کی آوازیں سنائی نہ دیں۔ اور آنکھوں کو نظر نہ آئیں۔ گویا دنیا سے الگ تھلک رہنے والے لوگ یا دوسرے لفظوں میں امرار جیسا کہ نعت نے واضح معنی اس کے امرار بھی کر دیئے ہیں۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر تین قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا (۱) امرار کا خاص حفاظتی دستہ۔ (۲) عوام الناس کی فوج (۳) روحانی لوگوں کا دستہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کو الگ الگ کھڑا کیا کرتے تھے۔ جس طرح تیمور بھی اپنی فوج کے مختلف لوگوں کو الگ کھڑا کرتا تھا۔ مگر وہ روحانی لوگوں یا مولویوں کو فوج کے پیچھے کھڑا کیا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ جنگ میں سب سے پہلے بھاگیں گے۔ اس لئے ان کو پیچھے کھڑا کرنا چاہیے۔ مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں بھی علماء کا یہی حال تھا یاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علماء کا یہ حال نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور پھر انہوں نے کہا کہ جنگِ بدر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک علیحدہ چوترا بنایا گیا تو اس وقت سوال پیدا ہوا کہ آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا کام کس کے سپرد کیا جائے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فوراً ٹٹو اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے

بھی ایسا دستہ بھرتی کیا ہوا تھا۔ اور یونین نے بھی ایسا دستہ بھرتی کیا ہوا تھا اور ہندوستان کے بادشاہ اکبر نے بھی باہرہ کے سیدوں میں سے ایسا دستہ بھرتی کیا ہوا تھا۔ چنانچہ جب اکبر نے چٹوڑ کے قلعہ پر حملہ کیا اور وہ قلعہ جلد فتح نہ ہو سکا تو اکبر نے اُن رجمنٹوں کو جو باہرہ کے سیدوں میں سے بھرتی ہوئی تھیں حکم دیا کہ وہ چٹوڑ پر حملہ کریں اور وہ اس وقت تک کٹ کٹ کر مرتے چلے گئے جب تک کہ چٹوڑ فتح نہ ہو گیا۔ چٹانوں نے بھی ایک خاص قبیلہ میں سے اپنی حفاظت کا دستہ بھرتی کیا تھا۔ جس کو بڑی عزت دی جاتی تھی۔ اور اُس دستہ کے افسروں کو بادشاہ کے دربار میں خاص مقام پر بٹھایا جاتا تھا۔ یونین کے محافظ دستہ کا ایک عجیب و افسانہ مشہور ہے۔ کہ جب دائرہ کو کے میدان میں یونین کی فوج کو شکست ہوئی تو اس کا محافظ دستہ میدان سے نہیں ہٹا۔ لارڈ دکنگن کی فوج گوڑے پرگوڑے برسا رہی تھی اور وہ مرتے چلے جاتے تھے لیکن اپنی جگہ نہیں چھوڑتے تھے اُس وقت یونین کی فوج کا ایک جرنیل جو ایک خاص کام پر بھیجا گیا تھا واپس آیا اور اُس نے جرنیل کو جاس خاص دستہ کا افسر تھا جا کر کہا کہ ہمارا گولہ بارود ختم ہو چکا ہے اور دشمن بڑھتا چلا آ رہا ہے تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ پیچھے ہٹو تاکہ کسی طرح بادشاہ کی جان بچائی جاسکے اور پھر جمع ہو کر دشمن پر حملہ کریں اس پر جرنیل نے جرات سے اُس کی طرف دیکھا۔ اور نہایت سادگی سے کہا۔ ”مگر میں کیا کروں مجھے یونین نے پیچھے ہٹنا نہیں سکھایا۔“

اس جگہ پر جو جن کا لفظ بولا گیا ہے وہ ایسے ہی خاص دستوں کے لئے بولا گیا ہے۔ کیونکہ اُن

حَتَّىٰ إِذَا اتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ ۖ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ

یہاں تک کہ یہ وہ وادی نمل میں پہنچے تو نملہ قوم میں سے ایک شخص نے کہا اے نملہ قوم!

ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ ۖ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ ۖ وَهُمْ

اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہارے حالات کو نہ جانتے ہوئے تمہیں

لَا يَشْعُرُونَ ۚ فَتَبَسَّمْ ضَاكِحًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ

پیروں کے نیچے مسل دیں۔ پس وہ (یعنی سلیمان) اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔ اور کہا۔ اے میرے رب!

اَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ

مجھے توفیق دے کہ تیری نعمت کا جو تُو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے شکریہ ادا کر

وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ

سکون۔ اور ایسا مناسب عمل کروں جسے تُو پسند فرمائے۔ اور لے خدا! اپنے رحم کے ساتھ تُو

فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝۲۰

مجھے اپنے بزرگ بندوں میں داخل کر۔ ۲۰

کمزور ہوتے تھے چنانچہ عسان بن ثابتؓ کے متعلق آتا ہے کہ
اُن کا دل بہت کمزور تھا۔

وَيُعْطِيكُمْ

نملہ ص ل غات :- لَا يَحْطِمَنَّكُمْ : عَطَمَ

یَعْطِمُ سے مضارع منفی کا صیغہ ہے اور عَطَمَ کے
معنی ہیں کسٹوڑا کسی چیز کو توڑ دیا (اقرب) پس لَا
يَحْطِمَنَّكُمْ کے معنی ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو توڑ
دیں۔

اَوْزِعْنِي

اَوْزِعْنِي : اَوْزِعَ اَوْزَع سے امر کا صیغہ ہے
اور اَوْزَعُ اللّٰهُ فَلَا تَا کے معنی ہیں اَلْحَمْدُ الشُّكْرُ
خدا اُسے شکر کی توفیق دی۔ (مفردات) پس اَوْزِعْنِي
کے معنی ہونگے مجھے شکر کی توفیق عطا کر۔

پس انتہائی خطرہ کے موقع پر نہایت دلیری کے ساتھ آپ کی
حفاظت کا فرض سر انجام دیا (تا۔ یخ الحفظ سیوطی ص ۲۹)
اسی طرح احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک دفعہ فرمایا۔ اَنَا مَبْدِئَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَاقِيَتُهُ
الجامع الصغير جلد اول ص ۹۷ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ
اُس کا دواڑہ ہیں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء میں سے قرار دیا ہے مگر خیر کی حث
میں سب سے نازک وقت میں اسلام کا جند رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کے ہاتھ میں دیا تھا۔ جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت علماء
بُزول نہیں تھے بلکہ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ہاں شاعر

تفسیر فرماتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے تو چلتے چلتے ان کا وادی انمل میں سے گزر ہوا جس کے ایک منہ چیونٹیوں کی وادی کے بھی ہیں، اس لشکر جبار کو دیکھ کر ایک منہ نے کہا۔ اے بھائیو! اپنے اپنے گھروں میں ٹھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان کا لشکر تمہیں بے خبری میں اپنے پاؤں سے روند ڈالے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس کا یہ قول سُکر منس پڑے اور انہوں نے کہا۔ اے میرے خدا! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہیں ادھر اسیے نیک اور مناصب حال اعمال بجا لاؤں جن سے تو راضی ہو جائے اور تو مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔

مفسرین نے جس طرح جنوں اور پرندوں کے متعلق مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اسی طرح وادی انمل کے متعلق بھی بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک وادی تھی جس میں چیونٹیاں بہتی تھیں اور چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی جانتے تھے اس لئے جب چیونٹی بولی تو حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ اس نے کیا کہا ہے۔ نہ معلوم ہمارے مفسرین نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ چیونٹیاں بھی پرندوں کی ایک قسم ہیں اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا تھا کہ ہم نے سلیمان کو منسلک الطیر کا علم دیا تھا مگر ہمارے مفسرین نے انکو چیونٹیوں کی بولی کا علم بھی بخش دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بے عرصہ تک بارشیں نہ ہوئیں تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ چلو شہر سے! ہر نکل کر استسقا کی نماز پڑھیں۔ جب آپ نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ تو آپ نے دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر اور آسمان کی طرف منہ کر کے خدا تعالیٰ سے یہ دعا مانگ

رہی ہے کہ خدایا ہم بھی تیری مخلوق ہیں ہمیں بارش سے محروم نہ رکھ۔ آپ نے یہ دعا سننے ہی فرمایا کہ اب استسقا کی نماز پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں واپس چلو۔ اس چیونٹی کی دعا ہی کافی ہے اور اسی کے نتیجہ میں بارش برس جائیگی۔ (تفسیر ابن کثیر رحاشید فتح البیان جلد ۷ ص ۲۸)

بعض مفسرین نے اپنی تحقیق یہیں تک ہی نہیں رہنے دی بلکہ انہوں نے چیونٹیوں کے قبیلوں کا بھی پتہ لگایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح انسانوں میں مثل اور راجوت اور چھان وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح چیونٹیوں میں بھی مختلف قومیں اور قبائل ہیں۔ چنانچہ یہ علم آپ لوگوں کے کام آئیگا کہ چیونٹیوں کے ایک قبیلہ کا نام انہوں نے بنو شیمان بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اسی قبیلہ کی ایک چیونٹی نے یہ بات کہی تھی اور پھر انہوں نے بڑی تحقیق کے بعد اس کے نام کا بھی پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ گو افسوس ہے کہ کسی ایک نام پر ان کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ چنانچہ بعض نے اس کا نام منذرہ بعض نے طافیہ یا لافیہ اور بعض نے خرمی بتایا ہے اور پھر یہی لکھا ہے کہ وہ چیونٹی ایک پاؤں سے لٹک رہی تھی۔ اسی طرح مفسرین نے اس کا قد بھی بتایا ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں وہ مرغ کے برابر تھی۔ بعض کہتے ہیں بھیڑ کے برابر تھی اور بعض کہتے ہیں وہ بھیڑیے کے برابر تھی۔ اسی طرح مفسرین نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ اس منہ کے ساتھ چالیس ہزار چیونٹیاں بطور نقیب اور ہر نقیب کے ساتھ چالیس چالیس ہزار چیونٹیاں بطور چوہدار رکھتی تھیں۔

(تفسیر ابن کثیر رحاشید فتح البیان جلد ۷ ص ۲۸ و تفسیر حسینی)

حالانکہ پہلی بات جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس منہ کے ساتھ چالیس ہزار چیونٹیاں نہیں یہ ہے کہ اوپر ذکر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو

مطلق الطیر سکائی تھی۔ مگر اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ چیونٹی بولی تو حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ اُس نے کیا کہا ہے۔ حالانکہ جب دعویٰ یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی آتی تھی تو دلیل میں کسی پرندہ کی مثال پیش کرنی چاہیے تھی۔ مگر مفسرین کہتے ہیں کہ چیونٹی بولی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھ آگئی جو حُطَمَاءُ مَطْلُوعِ الْخَلِیْقِ کا ثبوت ہے۔ حالانکہ چیونٹی پرندہ نہیں۔ پس مسئلہ سے مراد اگر چیونٹی لی جائے تو یہ دلیل باطل عقل میں نہیں آسکتی۔ قرآن جو کچھ کہتا ہے ۱۱ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی آتی تھی۔ اور وہ اس کو سمجھتے تھے مگر بولنے لگ جاتی ہے نمل۔ اور ۱۲ اس بات کو سمجھ جاتے ہیں۔ غرض پہلی بات جو اس ضمن میں قابلِ فور ہے ۱۱ یہ ہے کہ نمل کیا چیز ہے؟

دوسری چیز یہ قابلِ غور ہے کہ یہاں حطہ کا لفظ آتا ہے اور حطَمَ کے معنی توڑنے اور غصہ سے حملہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ عام طور پر لوگ اس کا ترجمہ یہ کر دیتے ہیں کہ سلیمان اور اس کا لشکر ہمیں اپنے پیروں کے نیچے نہ بچل دیں۔ مگر یہ حطَمَ کے درست معنی نہیں۔ عربی میں حطہ کے معنی توڑ دینے اور غصہ میں حملہ کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوزخ کی آگ کا ایک نام حُطَمَاءُ بھی رکھا گیا ہے کیونکہ ۱۱ جلادتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ آگ کے پیر مونگے اور وہ لوگوں کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیگی۔ پس لَا یَحْطِمَنَّکُمْ کے معنی یہ ہوئے کہ ایسا نہ ہو سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں توڑ دے یا غصہ سے حملہ کر دے اور تباہ کر دے اب سوال یہ ہے کہ حضرت سلیمان جو اتنے بڑے نبی تھے جن کے پاس جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر و لشکر تھے کیا ان کا سارا غصہ چیونٹی پر نکلنا تھا اور کیا ان سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ چیونٹیوں پر

حملہ کرنے لگ جائیں گے۔ پس بتا چکا ہوں کہ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ کے معنی پیروں میں مسل دینے کے نہیں بلکہ طاقت کو توڑ دینے اور حملہ آور ہونے کے ہیں۔ اسی لئے عربی زبان میں حطہ کو حاظوم کہتے ہیں کیونکہ اُس سے ملک کی طاقت ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر یہ معنی کئے جائیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چیونٹیوں نے ایک دوسری سے کہا کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر کہاں کہاں اور کہاں لے کر آجائے اور ہمدانی بلوں کو کھود کھود کر غلہ کے دانے نکال لے اور اس طرح ہماری طاقت کو توڑ دے۔ مگر کیا کوئی عقلمند ان منوں کو درست تسلیم کر سکتا ہے؟

تیسری دلیل جو نہایت ہی جین اور واضح ہے وہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے جِنِّے صِیْفِ اسْتِعَال کے معنی میں سب وہ ہیں جو ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اَذْخُلُوا کا لفظ آتا ہے۔ حالانکہ چیونٹیوں کے لحاظ سے اَذْخُلُوا کا لفظ آنا چاہیے تھا اسی طرح لَا یَحْطِمَنَّکُمْ میں کُتْمَ کا لفظ آتا ہے۔ حالانکہ کُتْمَ کا لفظ آنا چاہیے تھا۔ پس قرآن مجید کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ کوئی انسان تھے جن کے لئے کُتْمَ اور اَذْخُلُوا وغیرہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں پھر دُھَمَّ لَا یَشْعُرُونَ کہہ کر بھی اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیاں نہیں تھیں۔ کیونکہ لشکر تو الگ رہے چیونٹیاں تو نبیوں کے پاؤں کے نیچے بھی آ جاتی ہیں۔ پس اگر اس جگہ نمل سے مراد چیونٹی لی جائے تو یہ کہنا کہ سلیمان اور اس کا لشکر تم کو بے جا لے اپنے پاؤں کے نیچے بچل نہ دے ایک بالکل بے معنی فقرہ بن جاتا ہے۔ کیا دنیا کی کسی بھی مذہبی کتاب میں لکھا ہے۔ خواہ اسلامی ہو یا قبل از اسلام کی کوئی مذہبی کتاب کہ کوئی نبی سر جھکا کر زمین کی طرف دیکھتے ہوئے چلتا تھا کہ

کہیں کوئی چوڑی اُسی کے پیروں کے نیچے نہ آجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ دادی النسل کوئی چوڑیوں کی دادی نہیں تھی بلکہ ایک حقیقی دادی تھی جس میں انسان بستے تھے۔ چنانچہ تاج العروس جو لغت کی مشہور کتاب ہے اُسی میں لکھا ہے کہ شام کے ملک میں جبرین اور عسقلان کے درمیان ایک علاقہ ہے جسے دادی النسل کہا جاتا ہے۔ اور عسقلان کے متعلق تفویم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ ساحل سند کے بڑے بڑے شہروں میں سے ایک شہر ہے جو غزوة سے جو سینا کے محقق فلسطین کی ایک بند گاہ ہے بارہ میل اوپر شمال کی طرف واقع ہے اور جبرین شمال کی طرف کا ایک شہر ہے جو ولایت دمشق میں واقع ہے تفویم البلدان ص ۳۸ وجم البلدان جلد ۱ ص ۱۸۱

پس دادی النسل ساحل سند پر یروشلم کے مقابل پر یاسس کے قریب دمشق سے حماد کی طرف آتے ہوئے ایک دادی ہے جو اندازاً دمشق سے سو میل نیچے کی طرف تھی ان علاقوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت تک عرب اور ہین کے بہت سے قبائل بستے تھے (مقام کی وضاحت کے لئے دیکھو نقشہ فلسطین و شام بعد قدیم و جدید نیلسن سائیکو پڈیا)

اب یہ گیا نعلہ سو قوموں میں البرق کے وقت لکھا ہے۔ وَأَلْبَزَقَهُ مِنْ مَّنْيَاهِ النَّعْلَةَ (قاموس جلد ۱ ص ۱۸۱) کہ سند قوم کے چشموں میں سے ایک چشمہ کا نام ابرق تھا۔ غرض لغت اور جغرافیہ کی مدد سے ہمیں سند قوم بھی مل گئی اور دادی النسل کا بھی پتہ چل گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ علاقہ شام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاقہ کے نزدیک تھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کے نام پڑنے زمانہ میں بڑے مقبول تھے چنانچہ جنوی امریکہ میں بعض قوموں کے نام بھی پڑے۔ مثلاً پھو اور کتھی وغیرہ پڑا کرتے تھے۔ بلکہ ہمارے

ملک میں بھی ایک قوم کا نام کاڑھا ہے۔ نور الدین کاڑھا اور کے ایک شہر و شخص ہوئے ہیں۔ اسی طرح ایک قوم کا نام کیڑھے ہے۔ ایک کا نام کورے ہے۔ کشمیر میں ایک قوم کا نام ہاپت ہے جس کے سنے دیچھ کے ہیں۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام جب ملک سبا پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ملک سے ہین کی طرف پلے تو اُن کا گذر سند قوم کی دادی میں سے ہوا جس کو غلطی سے مفسرین نے چوڑیوں کی دادی بنا لیا ہے۔ جب آپ ہاں پہنچے تو سند قوم کی ملک نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ اسے سند قوم کے لوگو! اپنے اپنے گھروں میں کس جاؤ اب نہ ہو کہ یہ خیال کر کے کہ تم سلیمان کے لشکر کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں پاؤں کے نیچے روند ڈالیں۔ ان الفاظ نے مفسرین کو اور بھی جرأت دہائی اور انہوں نے یقینی طور پر اسے ایک چوڑی کا کلام قرار دے دیا۔ حالانکہ جب کوئی ملک اور کسی مقابل قوم کو سختی سے شکست دیتا ہے تو اس کے لئے محاورہ میں روند ڈالنے کے الفاظ ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔ پس اولیٰ تو محاورہ کے لحاظ سے لفظ بالکل واضح تھا لیکن اگر وہ لغت کو دیکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ حطمت کے معنی توڑ ڈالنے کے بھی ہیں (اُقرّب) اور مراد یہ ہے کہ اُس ملک قوم کی ملک نے کہا کہ سلیمان تم کو توڑ دے گا یعنی تمہاری قوت اور شوکت کو کھل نہ دے۔ فَلَبَسْتُمْ فِيهَا حَتَّىٰ قَوْلًا لَّهَا۔ (پرسہ سلیمان اُسی ملک کی باتیں کر رہے ہیں یہاں مفسرین نے یہ عجیب بات نکالی ہے کہ سلیمان جیسے خدا نے ہندوں کی بولی سمجھا لی تھی اور مفسروں نے چوڑیوں کی۔ اُس نے چوڑیوں کے مردار کی بات توڑا سمجھ لی اور نہیں پڑا کہ دیکھو چوڑیاں بھی مجھے کتنا انصاف پسند سمجھتی ہیں کہ بے سوچے مجھے تو میرا پیر چوڑی پر پڑ سکتا ہے۔ لیکن میں جان بوجھ کر کسی چوڑی پر بھی پیر نہیں رکھوں گا۔ حالانکہ کوئی شریف آدمی بھی

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدًى هَدًى

اور اُس نے سب پرندوں کی حاضری لی۔ پھر کہا۔ مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہُدھد کو نہیں دیکھتا۔

أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿۱۱﴾ لَا عَذَابَ عَظِيمًا

یا وہ (جان بوجھ کر) غیر حاضر ہے۔ میں اُس کو یقیناً سخت سزا

نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھس جائیں گے اور دروازے بند کر لیں گے۔ تو اُن سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ یہی مسئلہ نے کہا۔ کہ اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ اور دروازے بند کر لو۔ حضرت سلیمان سمجھ جائیں گے کہ یہ میرا مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔ اگر ہم باہر بیٹھے تو ممکن ہے وہ حملہ کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب مسئلہ قوم کی ملکہ کا یہ اعلان پہنچا۔ تو وہ پہنچے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میری نیکی اور تقویٰ کی کتنی دُور دُور خبر پہنچی ہوئی ہے۔ یہ قوم بھی جو اتنی دُور رہتی ہے سمجھتی ہے کہ سلیمان ظالمانہ طور پر حملے نہیں کیا کرتا۔ اگر ہم اپنے دروازے بند کر لیں گے تو یہ ہم پر حملہ نہیں کریگا حالانکہ اس زمانہ کے جنگی دستور کے مطابق جو فاتح قوم ہوتی تھی وہ ملک کو لوٹ لیا کرتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے اللہ! یہ نیک شہرت تیرے فضل سے ہوئی ہے۔ پس تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس انعام کا شکریہ ادا کر دوں جو تو نے مجھ پر اور میرے مال باپ پر نازل کیا ہے اور ہمیشہ ایسے کام کر دوں جن سے تو راضی ہو۔ یعنی جس طرح اب ایک مسئلہ نے تسلیم کیا ہے کہ سلیمان اور اُس کے ساتھی جانے بوجھتے ہوئے ہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ان لوگوں کے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچا

خواہ وہ غیر غری ہو جان بوجھ کر چوٹیوں کے اوپر نہیں رکھا کرتا۔ ہم نے تو کئی شریف آدمیوں کو دیکھا ہے کہ برسات کے موسم میں جب کیڑے زمین میں سے نکل آتے ہیں تو وہ بچ بچ کر ملتے ہیں کہیں زیادہ کیڑے اُن کے پیر کے نیچے آکر نہ مارے جائیں۔ پس یہ بات تو غلط ہے۔ اصل بات صرف اتنی تھی کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ مسئلہ قوم کی ملکہ نے اپنی قوم کو کہہ دیا ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ اور مخالفت منظر پر نہ کرو۔ تاکہ اس مظاہرہ سے بھڑک کر حضرت سلیمان کا شکریہ ادا کر دے۔ اور اُن کو تہ بھی نہ ملے کہ مہربان قوم نے اپنی قوم کو مجبور و کمسار کا حکم دیا ہے۔ تو آپ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح دُور دراز کے ملکوں تک بھی یہ بات پہنچا دی ہے کہ سلیمان ظالم نہیں اور وہ اس نے اقوام کے ساتھ بھی انصاف کا سلوک کرتا ہے۔ مسئلہ قوم کی ملکہ کا یہ اعلان کرنا کہ اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ اور دروازے بند کر لو۔ دراصل اس جنگی دستور کے مطابق تھا کہ جب کوئی لشکر کہیں سے گزرتا ہے اور وہاں کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھس جائیں اور دروازے بند کر لیں تو اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ وہ اپنی شکست تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ فتح ملنے کے موقع پر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

شَدِيدًا أَوْ لَا أَدْبَحْنَهُ أَوْ لِيَأْتِنِي بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۲۲﴾

دولن گا۔ یا اُسے قتل کر دوں گا۔ یا وہ میرے سامنے کوئی کھلی دلیل دہنی غیر حاضری کی پیش کرے گا۔ ۱۱

تو وہ بعض غفلت کا نتیجہ ہو گا۔ درہنہ ارادہ کوئی ظلم اور تعدی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح تو مجھے اور میرے شکریوں کو توفیق عطا فرما کہ وہ ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق سے آراستہ رہیں اور ہمیشہ لوگ یہ تسلیم کرتے رہیں کہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے دیدہ و دانستہ کوئی ظلم سرزد نہیں ہو سکتا۔ اور تو اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما دے۔

۱۱ تفسیر۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ملے شکر کا جائزہ لیا اور امرا و لشکر کو اپنے سامنے حاضری کا حکم دیا تو اُس وقت علماء میں سے ایک سردار کو جس کا نام ہُد ہُد تھا، انہوں نے غائب پایا اس نہایت ہی نازک موقع پر جبکہ آپ ایک ملک پر حملہ کرنے کے لئے جا رہے تھے اپنے لشکر کے ایک سردار کو غائب دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کا غصہ بھڑک اٹھا اور ان کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ مبادا اس میں کوئی سازش کام کر رہی ہو۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ کیا ہُد ہُد پر میری نظر نہیں پڑی یا وہ کہیں بھاگ گیا ہے۔ اب میں اُسے یا تو کوئی شدید ترین سزا دوں گا یا اُسے قتل کر دوں گا اور یا پھر اُسے میرے سامنے کوئی واضح ثبوت پیش کرنا پڑے گا کہ وہ کیوں غائب رہا۔

مفسرین خیال کرتے ہیں کہ سچ مچ کے پرند حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے اور شکر کا ایک سردار ہُد ہُد پرند تھا جس کو چھوٹے بچے بھی غیبیوں سے مار لیتے ہیں۔ اس زبردست شکر کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام مین کا ملک

فتح کرنے کے لئے نکلے تھے۔ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ قدر ہُد ہُد کو سردار ثابت نہیں کرتا بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نعوذ باللہ بڑی قوت ثابت کرتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے نبی بوقت نہیں ہوا کرتے۔ مین کا ملک فتح کرنے کے لئے کبوتر۔ فاختہ۔ چڑیاں۔ ہُد ہُد۔ بیڑ اور تیسرے کر نکلنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایسے لشکروں کو فتح کرنے کے لئے بادشاہ کی فوجوں کو نکلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے لشکروں کے آنے کی خبر سن کر تو سارے شہر کی گلیوں میں بچے اپنی غلیں لیکر نکل پڑیں گے اور سارے شہر کیے عی کا دن آجائیکا اور خوب پرندوں کا گوشت کھایا جائیکا۔ آخر یہ جنگ ہونے لگی تھی یا چڑیا اردن کا مظاہرہ ہوا تھا۔

تفسیروں کے ان قصوں کو پڑھ کر خیال آتا ہے کہ تیمور جو کچھ کرنا تھا ٹھیک ہی کرتا تھا۔ کیونکہ جو علماء جنگ کو ایسی حقیر کہیں سمجھتے تھے ان کو شکر کے پیچھے ہی رکھنا مناسب تھا۔ پھر لطیف یہ ہے کہ حضرت سلیمان جن کے متعلق ابھی یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایک چوہنمی کو بھی جانتے ہوئے اپنے پرندوں کے پیچھے نہیں کھینچتے تھے۔ اب اتنے غصے میں آگئے کہ ہُد ہُد جیسے جانور کے متعلق جو ایک پدی کے برابر ہوتا ہے اور کوئی عقل نہیں رکھتا فرماتے ہیں کہ یا تو وہ کوئی زبردست دلیل لائے ورنہ میں اُس کو ذبح کر دوں گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پرندوں سے وہ امید رکھتی جو بلند عقل کے مالک انسانوں سے رکھی جاتی ہے ایک نبی کا کام نہیں ہو سکتا۔ نہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا کرتے تھے۔ آخر قرآن ہمارے سامنے ہے کیا قرآن سے ہی پتہ لگتا ہے کہ پرندے ایسی عقل کے مالک ہیں۔ اگر ان سے کوئی قصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام پر بندوں کی بولی سمجھتے تھے حالانکہ اصولی طور پر یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ بیان ہونا چاہیے تھا۔ مگر میان ہد ہد کا معجزہ ہوتا ہے جو سلیمان علیہ السلام کے معجزہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ (۴) ایک اور بات یہ بھی ہے کہ ہد ہد اُن جانوروں میں سے نہیں جو تیز پرواز ہوں اور اس قدر دور کے سفر کرتے ہوں۔ یہ جہاں پیدا ہوتا ہے وہیں مرتا ہے۔ مگر قرآن یہ بتلاتا ہے کہ ہد ہد دمشق سے اڑا اور اٹھ سو میل اڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سب کے سب کے ملک ملک پہنچا اور وہاں سے خبر بھی لے آیا۔ گویا وہ ہد ہد آجکل کے ہوائی جہازوں سے بھی زیادہ تیز رفتار تھا۔ اور معجزہ دکھانے والا ہد ہد تھا نہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ حالانکہ بتانا یہ مقصود تھا کہ حضرت سلیمان نے معجزہ دکھایا۔

(۵) اسی ہد ہد کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ «شُرک لہ تو حید کے باریک امراء سے بھی واقف تھا۔ اور اس کو وہ وہ مسئلے معلوم تھے جو آجکل کے مولویوں کو بھی معلوم نہیں۔ کتنی اعلیٰ توحید وہ بیان کرتا ہے کہتا ہے۔ وَ بَعْدُ شَحَا وَ ذُو مَہَا یُسَہِدُوْنَ بِالشَّمْسِ مِنْ ذُوِّ اللہِ وَ زَیِّنَ لَہُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَا لَہُم فَصَدَّ اَہُم عَنِ السَّبِیْلِ فَہُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ۔ یعنی میں نے اُسے اور اُس کی قوم کو دکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور شیطان نے اُن کے عمل انہیں خوبصورت کر کے دکھائے ہیں اور انہیں سچے راستہ پر چلنے سے روک دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔ پھر اُس کی غیرت دینی دیکھو آجکل کے مولویوں کے ہمسایہ میں بُت پرستی ہو رہی ہو تو وہ اس کے دکنے کی کوشش نہیں کرتے مگر ہد ہد چاروں طرف اڑتا پھرتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ

مرزد ہو تو آدمی توار لے کر کھڑا ہو جائے اور اُسے کہے وجہ بیان کرو ورنہ ابھی تمہارا سر کاٹ دوں گا۔ یا کبھی تم نے دیکھا کہ تمہارا کوئی ہمسایہ ہد ہد پکڑ کر اُسے سوئیاں مار رہا ہو اور کہہ دیا ہو کہ میرے دانے تو کیوں کھا گیا تھا اور اگر تم کسی کو ایسا کرتے دیکھو تو کیا تم اُسے پاگل نہیں قرار دو گے۔ پھر وہ لوگ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف یہ امر منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے ہد ہد کے متعلق یہ کہا وہ اپنے عمل سے یہی فتویٰ حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی لگاتے ہیں بلکہ حضرت سلیمان تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میں اُسے سخت ترین سزا دوں گا۔ اَذَلِّیَا یَسِیْرُیْ بَسْطِیْنِ تُسِیْرُیْنِ۔ ورنہ وہ اسی دلیل پیش کرے جو نہایت ہی واضح اور منطقی ہو۔ گویا وہ ہد ہد سقراط بقراط اور افلاطون کی طرح دلائل بھی جانتا تھا۔ اور حضرت سلیمان اس سے بہ توقع رکھتے تھے کہ وہ اپنے دلائل پیش کرے گا۔

(۶) پھر قرآن تو یہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جتنوں انسانوں اور طیور کے لشکر تھے مگر حضرت سلیمان کی نظر صرف ہد ہد کی طرف جاتی ہے۔ اور فرماتے ہیں مَا لَیْکَ لَا اَدْعٰی اِلَہٰہُہَا کَیَا ہُوَا کہ اس لشکر میں ہد ہد کہیں نظر نہیں آتا۔ دُیُوٰی حکومتوں میں تو جس کا قد باج ڈنٹ سے کم ہو۔ وہ فوج میں بھرتی کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ عجیب بھرتی شروع کر دی تھی کہ ہد ہد بھی اُن کے لشکر میں شامل تھا۔ پھر ہد ہد کی کوئی فوج آپ کے پاس ہوتی۔ تب بھی کوئی بات بھی۔ بتایا یہ جاتا ہے کہ ہد ہد صرف ایک آپ کے پاس تھا۔ اُس ایک ہد ہد نے بھلا کیا کام کرنا تھا۔ اور ایک جانور ساتھ لے جانے سے کیا مطلب تھا۔

(۷) تیسری بات یہ ہے کہ قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ ہد ہد نے یہ یہ کہا۔ اور معجزہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ

شرک ہے۔ فلاں جگہ بت پرستی ہے۔

۱۷، پھر وہ سیاسیات سے بھی واقف تھا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اَوْتِیَتْ مِنْهُنَّ صَحٰیۃٌ - یعنی ملکہ سبا کے پاس بادشاہت کی تمام صفات موجود ہیں۔ گویا وہ اس کے تمام خزانے اور محکمے چیک کر کے آیا۔ اور اس نے رپورٹ کی کہ تمام وہ چیزیں جن کی حکومت کے لئے ضرورت ہے وہ اس کے پاس موجود ہیں۔

۱۸، پھر شیطان اور اس کی کارروائیوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے میں جانتا ہوں انسان کا جب شیطان سے تعلق پیدا ہو جائے تو بڑے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ملکہ وہ ان خیالات کے نتائج سے بھی واقف تھا۔ کیونکہ کہتا ہے فَصَدَّھُمْ عَنْ السَّبِیْلِ اِیْسَیٰ خِیَالَاتِ کے نتیجے میں شیطان نے انہیں اللہ تعالیٰ کے قرب کے راستہ سے دور پھینک دیا ہے۔

یہ ہد ہد کیا ہوا۔ اچھا خاصہ عالم ٹھہرا۔ ایسا ہد ہد اگر آج مل جائے تو سارے مولویوں کو نکال کر اسی کو مفتی بنا دینا چاہیے۔

۱۹، ہاں ایک بات رہ گئی۔ اور وہ یہ کہ وہ تخت سلطنت کی حقیقت سے بھی خوب واقف تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ملکہ سبا کے پاس ایک عظیم الشان تخت ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ گویا وہ لالچ بھی دلاتا ہے اور کہتا ہے اس پر جسد کیجیے۔

یہ سادی باتیں بتاتی ہیں کہ یہ ہد ہد کوئی پرندہ نہیں تھا۔ کیونکہ قرآن میں صاف موجود ہے کہ وہ امانت جسے فرشتے بھی نہ اٹھا سکے۔ جسے آسمان اور زمین کی کوئی چیز اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ اسے انسان نے اٹھا لیا۔ وہی ہے جو ہمدانی شریعت کے رموز کو چانتا ہے۔ فرشتہ ایک ہی بات سمجھتا ہے یعنی نیکی کی بات کو

مگر انسان نیکی اور بدی دونوں پہلوؤں کو جانتا۔ ہمدانی حالات پر مکمل نگاہ رکھتا ہے۔ مفسر کہتے ہیں کہ ہد ہد کوئی جانور تھا۔ حالانکہ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ والی آیت موجود ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کے سوا کوئی اور مخلوق اسرار شریعت کی حامل نہیں پس جبکہ ہد ہد بھی اسرار شریعت سے واقف تھا تو لازماً وہ بھی انسان ہی تھا نہ کہ پرندہ۔

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ اگر یہ ہد ہد آدمی ہی تھا تو اس کے لئے ذبح کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں ذبح کا لفظ قتل کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا (ایچ اے اے) جیسے قرآن کریم میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے متعلق ہی آتا ہے کہ یَذَّبِحُ اَبْنَاءَھُمْ (قصص آیت ۵) وہ نبی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ اگر ذبح کے لفظ سے ہڈ کو پرندہ قرار دینا درست ہو سکتا ہے تو کیا یَذَّبِحُ اَبْنَاءَھُمْ کے یہ منہ ہیں کہ وہ سب پرندے تھے جن کو ذبح کیا جاتا تھا۔

پھر بعض دفعہ جب کسی مناسبت کی بنا پر کوئی نام رکھا جاتا ہے تو جن کلام کے لئے الفاظ بھی مسمیٰ رنگ کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے کسی کو شیر قرار دیا جائے تو کہا جائیگا کہ وہ شیر کی طرح دھاڑتا ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ شیر کی طرح مڑتی آواز سے گاتا ہے۔ اسی طرح جب ہد ہد کا ذکر کیا گیا تو گودہ ایک سردار تھا مگر ہد ہد کی مناسبت سے اس کے لئے ذبح کا لفظ استعمال کر دیا گیا جو جن کلام کا ایک لطیف نمونہ ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ قرآن میں ہد ہد نام کیوں رکھا گیا۔ اور گو اس کا عقلی جواب میں قرآن کریم سے ہی دے چکا ہوں۔ مگر اب بتاتا ہوں کہ ہد ہد

سے مراد کیا ہے۔ ہڈ ہڈ کا پتہ لینے کیلئے جب ہم بنی اسرائیل کی کتابیں دیکھتے ہیں اور اس امر پر غور کرتے ہیں کہ کیا ان میں کسی ہڈ ہڈ کا ذکر آتا ہے۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں میں کثرت سے ہڈ ہڈ نام ہوا کرتا تھا۔ جو عبرانی سے عربی میں بدل کر ہڈ ہڈ ہو گیا۔ جیسے عبرانی میں ابراہام کہا جاتا ہے مگر عرب یہ لفظ عربی میں آیا تو ابراہیم بن گیا۔ اسی طرح عبرانی میں یسوع کہا جاتا ہے اور عربی میں عیسیٰ کہتے ہیں اسی طرح عبرانی میں موشے کہا جاتا ہے اور عربی میں موسیٰ نام تو منیٰ ہو گیا۔ اب بھی کسی اہل عرب کو لکھنؤ کہنا پڑے تو وہ لکھنؤ نہیں بلکہ لکھنا ہوو کہے گا۔ اسی طرح عبرانی میں ہڈ ہڈ کہا جاتا تھا مگر چونکہ قرآن کریم عربی میں ہے اس لئے جب یہ نام اس میں آیا تو ہڈ ہڈ ہو گیا۔

تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈ ہڈ کئی ادوی بادشاہوں کا نام تھا۔ اور اس کے معنی بڑے شور کے ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں بھی ہڈ کے ایک معنی اَلْعَوْتُ اَلْفَلِیْظُ یعنی بڑی بلند آواز کے ہیں۔ اسی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اور بھی آواز دینے لڑنے کا نام ہڈ ہڈ یا ہڈ ہڈ رکھ دیتے تھے مگر یہ نام تیسرے ادوی بادشاہ کا بھی تھا جس نے دین و نیت دی تھی۔ اور آخری بادشاہ کا نام بھی یہی تھا حضرت اسحاق علیہ السلام کے بک ذکے کا نام بھی ہڈ ہڈ تھا (میدانش باب ۲۵ آیت ۱۷)

بائبل کی کتاب۔ سلطین باب ۱۱ آیت ۱۷ میں بھی ادم کے خاندان کے ایک شہزادہ کا ذکر آتا ہے جس کا نام ہڈ تھا اور جو اب کے قس عام سے ڈر کر مصر بھاگ گیا تھا۔ جو شس انسانوں پیڑیاں میں بٹھا ہے اچرا نے عہد نامہ میں عرب یہ لفظ اکید آدے تو

اُس کے ساتھ کوئی صفاتی فعل یا لفظ نہ ہو تو اس کے معنی ادوی خاندان کے آدمی کے ہوتے ہیں۔ غرض یہ ہڈ ہڈ عبرانی زبان کا لفظ ہڈ ہڈ ہے جو عربی زبان میں آکر ہڈ ہڈ ہو گیا۔ چونکہ مفسرین کو یہ شوق ہوتا ہے کہ اپنی تفسیر کو دلچسپ بنائیں اس لئے وہ بعض دفعہ بے ہودہ قسے بھی اپنی تفسیروں میں درج کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خبث عربی میں گوہ کو کہتے ہیں۔ مگر خبث عرب کے ایک قبیلے کے سردار کا بھی نام تھا۔ اور یہ ایسا ہی نام ہے جیسے ہندوؤں میں طوطا رام نام ہوتا ہے وہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُس نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا۔ اب دلف کی کتابوں میں اس بات کو ایک قصہ کا رنگ دیتے ہوئے یوں بیان کیا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک سوداگر میں سے گوہ نکلی۔ اور اُس نے قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اب جن لوگوں نے یہ بنا لیا کہ ایک گوہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ پڑھا تھا ان کے لئے ہڈ ہڈ کا پرندہ بنانا کوئی ناسا شکل کام تھا۔ چنانچہ مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہڈ ہڈ کے خائب ہونے کا اس طرح پتہ چلا کہ ایک دفعہ چلتے چلتے وہ ایک ایسے میدان میں پہنچے جہاں پانی نہیں ملتا تھا۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے وضو کرنا چاہا مگر پانی نہ ملا۔ انہوں نے کہا۔ ہڈ ہڈ کہاں ہے اُسے کہو کہ پانی تلاش کرے۔ کیونکہ پہلے بھی جو بک شکر کو پانی کی ضرورت ہوتی تھی تو ہڈ ہڈ ہی پانی کی جگہ بتا کر آتا تھا۔ مگر اُس روز اُسے ڈھونڈا تو وہ نہ ملا جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آ گیا۔ اور

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تَحِطُ

ہیں کچھ دیر وہ ٹھہرا (اسنے میں ہڈ ہڈ حاضر ہوا) اور اُس نے کہا کہ میں نے اس چیز کا علم حاصل کیا ہے جو مجھے معلوم نہیں

بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿۲۳﴾ إِنِّي وَجَدْتُ

اس میں سب (کی قوم کے علاقہ) سے تیرہ پاس (آیا ہوں) (اور) ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ (جو یہ ہے کہ) میں نے (وہاں)

أَمْرًا ۖ تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهُمَا

ایک صورت کو دیکھا جو ان (کی مادی قوم) پر حکومت کر رہی ہے۔ اور ہر نعمت اُسے حاصل ہے۔ اور اس کا ایک

عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۴﴾ وَجَدْتُهُمَا وَقَوْمَهُمَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ

بڑا تخت ہے۔ اور میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کے آگے سجدہ

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ

کرتے دیکھا۔ اور شیطان نے ان کے عمل ان کو خوبصورت کر کے دکھائے ہیں۔

بادشاہت میں بستا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے
خاندان کا رقیب تھا۔

اس قوم کے سردار کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام

نے نہ پایا۔ تو سمجھا کہ یہ رقیب قبیلہ کا سردار ہے

ممكن ہے کہ کسی شراکت کی نیت سے دشمن کے ملک

میں چلا گیا ہو۔ اور اس پر ان کو غصہ آگیا۔ لیکن یہ بھی

ممكن ہے کہ یہ ہڈ ہڈ عرب قبیلہ کا کوئی سردار ہو۔

کیونکہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل

علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام بھی ہڈ ہڈ تھا۔ اور

تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کے وقت تک اس رستہ میں جو فلسطین سے یمن کی

طرف آتا ہے عرب قبیلہ بستے تھے (تقویم البلدان)

اور چونکہ عربوں اور یہودیوں کی باہم سخت چپقلش تھی

اور گو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت آگئے تھے

انہوں نے کہا کہ ہڈ ہڈ آیا تو میں اُسے شدید مرزا دوں گا

یا اُسے ذبح کر دوں گا۔ مگر بعض نے اس واقعہ سے

اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ اصل واقعہ یہ نہیں

بلکہ بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ہڈ ہڈ

کے جھنڈ ہمیشہ سایہ رکھتے تھے۔ ایک دن چانک

ایک سوداغ میں سے دھوپ آگئی۔ حضرت سلیمان

علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ کو پتہ لگ گیا

کہ ہڈ ہڈ کی جگہ خالی ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

غرض مفسرین نے عجیب و غریب حکایات اپنی

تفسیروں میں لکھ دی ہیں حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے

کہ قرآن کریم میں جو ہڈ ہڈ کہا گیا ہے یہ حدّ دکا عرب

ہے اور اس سے مراد ادومی خاندان کا کوئی شہزادہ

ہے جو آپ کے فوجی سرداروں میں سے ایک سردار

تھا۔ یہ ادومی خاندان حضرت سلیمان علیہ السلام کی

فَصَدَّ هُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۳۵﴾ أَلَا

اور ان کو بچے راستہ سے روک دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔ اور مقرر ہیں کہ

يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ

اللہ کو سجدہ نہ کریں جو کہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ تقدیر کو ظاہر کرتا

وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۳۶﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ

ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اند ظاہر کرتے ہو ان تدبیروں کو بھی جانتا ہے۔ حالانکہ اللہ

إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۳۷﴾

جس کے سوا کوئی معبود نہیں (۳۷) ایک بڑے تخت کا مالک ہے

مجھے اس بات کا یقینی طور پر علم ہو چکا ہے۔ کہ
اس وقت اس ملک میں ایک عورت حاکم ہے لیکن غضب
کی حاکم ہے ہر قسم کے ساز و سامان اس کے پاس موجود
ہیں اور اس کی بادشاہت بہت بڑی ہے۔

اُذِیَّتَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ سے یہ مراد نہیں کہ ملکہ
سبا کو ہر نعمت میسر ہے۔ کیونکہ اگر اُسے ہر نعمت میسر ہوتی
تو جب اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تحفہ بھیجا تھا
تو آپ اس وقت یہ نہ کہتے کہ میرے پاس تو اس سے بھی
بڑھ کر چیزیں ہیں۔ میں ان تحفوں سے کیونکر متاثر ہو سکتا
ہوں۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میرے پاس
تو ملکہ سبا سے بھی بڑھ کر مال و دولت اور سامان کو بوجھ
ہے بتاتا ہے کہ اُذِیَّتَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ سے صرف یہ
مراد ہے کہ ملکہ سبا کو اپنی مملکت کے لحاظ سے جتنی
چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ تمام چیزیں اُسے میسر
ہیں۔ اور وہ بڑی بیدار و مقرر حکمران ہے۔ شاید یہ کہہ کر
اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ڈرانا چاہا کہ کہیں وہ
اُس کے ملک کے ایک حصہ پر تعلق نہ کریں۔ لیکن ساتھ ہی

لیکن مخالفت اب تک باقی تھی۔ اس نے جب حضرت
سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ عرب قوم کا ایک سردار
غائب ہے تو ان کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور وہ
نادار بن ہو گئے۔ اور میں چونکہ عرب کا ایک حصہ ہے
اس لئے یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

لَا حُلَّ لِنَاثِ ۚ۔ اَلْخَبْءُ کے معنی ہیں
مَخْپِیَّ وَ غَائِب۔ یعنی وہ چیز جو چھپائی جائے اور غائب
ہو۔ اور خَبْءُ الْاَرْضِ کے معنی ہیں مَبْتَاکھا زمین کی
انگوری۔ اور خَبْءُ السَّمَاوِیَّاتِ کے معنی ہیں مَحْکُوْھا
بارش (اقرب)

تفسیر :- فرماتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام
کو وہاں پڑاؤ کئے، یہی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ
سردار واپس آگیا۔ اور اُس نے بتایا کہ چونکہ آپ ملک
سبا پر حملہ کرنے کے لئے جا رہے تھے اور سبا کا علاقہ
میرے ملک کا ایک حصہ ہے میں پہلے سے خبر لینے کے
لئے وہاں چلا گیا۔ کیونکہ زبان اور قوم کے ایک ہونے کی
وجہ سے میرے لئے وہاں کے حالات معلوم کرنا آسان تھا

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذِبِينَ ﴿۲۸﴾

(اس پر ایمان نہ لے) کہا۔ کہ ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ بولا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔

إِذْ هَبُ بَكِشْبِي هَذَا فَاَلْقَاهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ

تو میرا یہ خط لے جا اور اُسے اُنکے (یعنی سب کی قوم کے) سامنے پھینک دے۔ پھر ادب سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿۲۹﴾

اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ۱۳

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِنِّي أَتِيَّتُكِ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿۳۰﴾

جب اُس نے ایسا کیا تو وہ (ملکہ) بولی۔ اے میرے درباریو! میرے سامنے ایک معزز خط رکھا گیا ہے۔

۱۳ تفسیر: امیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ بہت اچھا ہم نے جانا تو ضرور ہے۔ ہم وہاں جا کر دیکھیں گے کہ تو نے سچ بولا ہے یا ایک جھوٹی رپورٹ پیش کر دی ہے۔ تو میرا یہ خط لے جا۔ اُن لوگوں کے سامنے جا کر انہیں یہ خط پیش کر دے اور پھر ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

ذرا دیکھو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا عقلمند نبی ایک پرندے کو کیا نصیحت کرتا ہے۔ کہوتوں کی گردن میں تو لوگ خط باندھا ہی کرتے تھے۔ گر ہوا۔ کہ وہ ایک بنانے کا لطیفہ تھا مفسرین کو ہی سوجھا۔ پھر ایک بے عقل جانور کو کیسے آداب سکھائے جاتے ہیں کہ براہِ راست ملکہ کے ہاتھ میں خط نہ دیکھو۔ کیونکہ یہ ایک بے ادبی سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ اُس کے درباریوں کے سامنے خط دکھائو۔ وہ خود اُس کے آگے خط پیش کر دیں گے۔ جیسا کہ سلطانی آداب میں یہ بات شامل ہے۔ پھر حلدی سے جواب نہ مانگیو۔ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہی پرندوں کی بولی نہیں آتی تھی بلکہ ملکہ سب کو بھی

اُس نے ایسی بات کہہ دی جس کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ارادہ میں اور بھی پختہ ہو گئے۔ اور وہ یہ کہ میں نے ملکہ اور اُس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کرتے دیکھا ہے اور شیطان نے اُن کو اپنے اعمال پر بڑا نازاں کر دیا ہے اور توحید کے رستے سے ہٹا دیا ہے اور وہ بس بات پر مقرر ہیں کہ اُس خدا کو سجدہ نہ کریں جو آسمان اور زمین کے تمام چھپے رازوں کو ظاہر کرنے والا ہے اور جس نے سورج اور چاند کو محض ایک خادم کی حیثیت دی ہے اور علوم ظاہری اور باطنی اپنے انبیاء کو بتا دیئے ہیں۔ وہ اللہ جو کہ موعودوں کا خدا ہے اُس کی بادشاہت اُس ملکہ کی بادشاہت سے بہت بری ہے اور ضرور اُس کی بادشاہت غائب ہوگی اس طرح اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خوش کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ وہ بلاوجہ غیر حاضر نہیں رہا۔ بلکہ اُس نے ملکی مفاد کے لئے یہ تحقیق کرنا ضروری سمجھا تھا۔

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

(جگہ منسوب ہے اگر یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ جو ہے، تمہارا کہہ کر آیا اور بار بار تم کو یاد دلائے، اس کے نام کو تم میں سے کون سے

أَلَا تَعْلَمُوا عَلَيَّ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ ۝

(اور کہتے ہیں) کہ ہم پر زیادتی نہ کرو۔ اور تمہارے حضور میں فرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ ۱۷۷

۲
۴
۱۷

۱۷
التمل

کیا تھا۔ اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا۔ کہ اگر تم فرمانبرداری اختیار کرو گے تو میں تمہارا پہلا تصور معاف کر دوں گا۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط سے پہلے جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ لکھے ہیں۔ اُن کو دیکھ کر دشمنان اسلام کی طرف سے بالعموم یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنی ہر سورۃ کے ابتدا میں جو بسم اللہ لکھی ہے وہ حقیقت پرانی کتب کی ایک چوری ہے اور پہلے لوگ بھی اس کا علم رکھتے تھے۔ چنانچہ رافضیوں نے کہا ہے کہ یہ کلمہ

یہودی الاصل ہے (دہریہ ص ۲۸۹ جلد اول) اور دہریہ لکھتا ہے کہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ کلمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں اور صابیوں سے مستعار لیا ہے۔ افرالذکر حبشیہ اپنی تحریروں سے پہلے یہ لکھا کرتے تھے "بنام خدا بنی بنی گزدار (دہریہ ص ۲۸۹ جلد اول) یا دہریہ سیف کلیرٹنڈل صاحب نے اپنی کتاب "تشیخ الاسلام" میں اس عبارت کو دو تئیسوں کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ کتاب دساتیر میں ہرنی کے مصنف سے پہلے یہ عبارت ہے۔ "بنام ایزد بخش گزداران دادگر"۔

(اردو ترجمہ تشیخ الاسلام ص ۱۷۷)

یہ عجیب بات ہے کہ تین مسیحی مصنف اس آیت کو سرودقہ ثابت کرنے کے لئے تین سرچشموں کے بیان کرتے ہیں۔ ایک یہودیوں کو اس کا سرچشمہ بتاتا ہے۔

آتی تھی۔ اور سب انتظار کے بعد جب وہ جواب دیں تو اسے آئیو۔

۱۷۷ ص لغات :- اَلَمْ لَا کے معنی ہیں

اَلَمْ لَا شَرَفَاتٍ مِثْرَے لوگ۔ صاحب ترجمہ وجاہت دالسم قیل سَمُوا بِذَلِكَ بِمَلَايَمَتِهِمْ بِمَا يَلْتَمِسُونَ عِنْدَ مِنَ الْمُعْزُوفِ وَجُودَةِ الرَّأْيِ اَوْ لَا تَهْمُ بِمَلَايَمَتِ الْغُيُوثِ اَبَهَةِ وَالصُّدُورِ هَيْبَةِ۔

اور مرداروں کو مَلَا اس لئے کہتے ہیں کہ جس امر کے متعلق اُن سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق ملے دینے کے لئے اُن کا دماغ بھر لو رہوتا ہے۔ نیز اُن کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں اور دل دُوب سے بھر جاتے ہیں۔

(اقرب الموائد)

تفسیر :- جب ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام

کا خط ملکہ کے درباریوں کے آگے رکھ دیا اور انہوں نے ملکہ کے آگے پیش کر دیا۔ تو ملکہ نے کہا۔ ایک بڑا معزز خط میرے آگے پیش کیا گیا ہے وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اُس کے شروع میں بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھی ہے۔ اور اس کا معنوں یہ ہے کہ میرے خلاف سرکشی مت کرو۔ اور فرمانبردار ہو کر میرے حضور حاضر ہو جاؤ۔

دیکھو یہ کتنا واضح اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلاوجہ اس ملک کی طرف نہیں گئے تھے بلکہ پہلے اس ملک کے لوگوں نے کوئی سرکشی کی تھی اُس سرکشی کو دبانے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جن کا رُخ

دوسرا صابول کو تیسرا مذہبیتوں کو۔ ان لوگوں کا اس آیت کو مسروقہ ثابت کرنے کے لئے اس قدر کوشش کرنا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک یہ آیت اپنے معنوں کے لحاظ سے ایک مہمند ہے۔ ورنہ ان کا یہ کھدینا ہی کافی ہوتا کہ اس آیت کے معنوں میں کوئی خاص خوبی نہیں پھر سوال یہ ہے کہ تینوں مترشحوں میں سے اصل مترشحہ کونسا ہے؟ تینوں قوموں کو اس آیت کا موجد تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پس ضروری ہے کہ یہ مسیحی معصفت یا ان کے شاگرد یہ تصفیہ بھی کریں کہ آیا یہودیوں نے زردشتیوں یا صابیوں سے جڑیا ہے یا برعکس معاملہ ہے۔ یہ لطیفہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہودیوں میں اس کلمہ کے استعمال کا ایک بھی حوالہ نہیں دیا گیا۔ اور نہ وہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ جن میں یہودی اس معنوں کو بیان کیا کرتے تھے۔ بلکہ باوجود اس بات کے کہ مسیحیت یہودیت کی ایک شاخ ہے اور یہودی کتب گویا مسیحیوں کی اپنی مذہبی کتب ہیں پھر بھی مسیحی معصفت یہودی کتب کا حوالہ نہیں دے سکے اور نہ ان کے الفاظ نقل کر سکے البتہ زردشتیوں اور صابیوں کی کتب کے حوالے نہ ہونے نقل کر دیئے ہیں۔ جس سے یہ بات اور بھی روشن ہو جاتی ہے کہ اس آیت کے حُسن کو دیکھ کر وہ کچھ ایسے بدحواس ہو گئے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی مذہبی کتب میں اس کا وجود ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

باقی رہے صابی اور زردشتی سوا صابیوں کی کتب تو محفوظ نہیں۔ ہاں زردشتیوں کی کتب کے بعض حصے اس وقت بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کتب کی نسبت خود زردشتی لوگ کہتے ہیں کہ وہ اصل صورت میں محفوظ نہیں ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ان کے بعض حصے اسلام کے بعد ہی بنائے گئے ہوں۔ لیکن اگر ان کتب کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی قرآن کریم پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا

کیونکہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ یہ آیت پہلی دفعہ قرآن کریم میں نازل ہوئی ہے۔ بلکہ وہ خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ آیت پہلے بھی دنیا میں موجود تھی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو خط ملکہ سبا کو لکھا۔ اُس کے الفاظ بتائے گئے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّ تَخْلُقُوْا عَلٰی وَاَنْتُوْیْ مُسْلِمٰیْمَ۔ پس اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہود یا زردشتیوں یا صابیوں یا کسی اور قوم میں یہ آیت پہلے سے موجود تھی تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ جب قرآن کریم خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ آیت حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم تھی۔ تو جو آیت حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم تھی وہ یقیناً ان کے اہماع کو بھی معلوم ہو گی اور بالکل ممکن ہے کہ دوسری قوموں کے نبیوں کو بھی معلوم ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کا معنوں عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اور پہلی قوموں میں ان کی اپنی زبانوں میں ہو گا۔ مگر ہاں ہمہ قرآن کریم میں ہر سورۃ سے پہلے اس آیت کی موجودگی نقل نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ قرآن کریم میں اس آیت کا وجود ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ہے اور جو کلام کسی نئی غرض کے لئے دوہرایا جائے اور کسی خاص فائدہ کے لئے اختیار کیا جائے وہ نقل یا چوری ہرگز نہیں کہلاتا۔

یہ پیشگوئی خروج باب ۲۰ و ۱۹ اور ستھنا باب ۱۵ میں مذکور ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بنی اسرائیل کو بال کر کے سینا کے نیچے لا کھڑا کر۔ تاکہ وہ سنیں کہ میں تجھ کو کلام کرتا ہوں۔ پہلے تو وہ پہاڑ کے پاس کھڑے رہیں۔ لیکن جب قرآن کی آواز بہت بلند ہو تو قریب آجائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وہاں گئے اور خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوا تو اُس کے ساتھ ہی بجلی چکی اور دھواں اٹھا

اور گھڑ پید ا ہوئی۔ ۱۱ لوگ ڈر کے دُور جا کھڑے ہوئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں۔ لیکن خدا ہم سے نہ بولے۔ کہیں ہم مر نہ جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن لوگوں سے کہا کہ تم مت ڈرو۔ اس لئے کہ خدا آیا ہے تاکہ تمہارا امتحان کرے اور تاکہ اُس کا جلال تمہارے سامنے ظاہر ہو۔ کہ تم گناہ نہ کرو۔ مگر پھر بھی وہ لوگ دُور ہی کھڑے رہے اور صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ کے پاس گئے (خروج باب ۱۹ آیت ۲۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے جا کر عرض کیا کہ اپنی میری قوم تو میرے پاس آنے سے دُرتی جو تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ :-

”خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اُس کی طرف کان دھریو۔ اس سب کی مانند جو تُو نے خداوند اپنے خدا سے حورب میں جمع کے دن مانگا۔ اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ میں پھر دیکھوں تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا سوا چھایا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سے ایک نبی برپا کروں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُسے کہیں گا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہیں گے سنیں گا تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی

کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو ۱۱ نبی قتل کیا جائے۔“

(استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۲۰)

یہ پیشگوئی میں بتایا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی اُن کا شیل بن کر سنے گا۔ اور وہ جب بھی خدا تعالیٰ کا کلام سُنا کر دیکھے گا کہ میں خدا کا نام لے کر یہ کلام سُنا رہا ہوں۔ اور خدا کا نام لیکر کا ترجمہ عربی زبان میں بِشیرِ اللہ ہے۔ پس بِشیرِ اللہ میں اسم کا لفظ بڑھا کر اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا قرآن کریم کی ہر سورۃ کے شروع میں ہی ایک ثبوت پیش کر دیا گیا ہے تا یہودیوں اور عیسائیوں پر آپ کی سچائی کھل جائے۔ اور اُن پر محبت پوری ہو کہ وہ موعود جس کا اُن کی کتابوں میں ذکر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جو ہر بات کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بیان کرتے ہیں۔ پس ہر سورۃ سے پہلے بِشیرِ اللہ ہر یہودی اور ہر عیسائی کو توجہ دلاتی ہے کہ تم کیوں اس نبی کو نہیں ماننے جو موسیٰ کی پیشگوئی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کا کلام سُنا رہے تو اُس سے پہلے یہ الفاظ بھی کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ کا نام لے کر یہ کلام سُنا رہا ہوں۔ بہر حال اس پیشگوئی میں بتایا گیا تھا کہ ۱۱ نبی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے ایک نبی آئے گا۔ ۲، اُس کو حضرت موسیٰ کی طرح شریعت دی جائیگی ۳، وہ جو نیا مضمون بھی خدا کی طرف سے پاکر دینا کے سامنے پیش کرے گا اُس سے پہلے یہ کہہ لے گا کہ میں خدا تعالیٰ کا نام لے کر اس کلام کو شروع کرتا ہوں۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ

پھر اُس (ملکہ) نے کہا۔ اے سردارو! میرے معاملہ میں اپنی پختہ رائے دو۔ کیونکہ میں کبھی بھی

قَاطِعَةٌ أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ﴿۴۳﴾ قَالُوا نَحْنُ

کوئی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس حاضر ہو (کر مشورہ نہ لے لو)۔ انہوں (یعنی درباریوں) نے کہا

أُولُوا قُوَّةً وَ أُولُوا بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْرٌ

ہم بڑی طاقت والے ہیں اور بڑے جنگجو ہیں۔ اور (آخری) معاملہ آپ کے

إِلَيْكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿۴۴﴾ قَالَتْ إِنَّ

ہاتھ میں ہے۔ پس خود کریں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں ہم اُس کی اتباع کریں گے۔ اُس نے کہا کہ جب

الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا

بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور اُس کے باشندوں میں سے

غرض باوجود اس کے کہ بِسْمِ اللہ پہلے انبیاء کی اُمتوں میں بھی مروج تھی۔ قرآنِ کیم میں اسکا وجود جوہی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ قرآنِ کیم خود تسلیم کرتا ہے کہ اس سے پہلے بِسْمِ اللہ تھی (۲) اس لئے کہ اس میں بِسْمِ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے آئی ہے۔ اگر اُس کی ہر موعودہ بِسْمِ اللہ سے شروع نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی جھوٹی ہو جاتی۔ مگر کیا یہ امر دستِ تیر کے متعلق ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اُن کے معصن نبی اسرائیل میں سے تھے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح شریعت لائے تھے۔ یا اُن کی ہر وحی سے پہلے بِسْمِ اللہ لکھا ہوا ہوتا تھا۔ وہ تو ایک تاریخ کی کتاب ہے جس میں انبیاء کا حال ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے یہ الفاظ تھے کہ "ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو

(۳) اگر کوئی جھوٹا انسان اس پیشگوئی کو اپنے اوپر چسپاں کرنا چاہیگا تو وہ ہلاک ہو جائیگا (۵) اور جو اس پیشگوئی کے مصداق کا انکار کرے گا۔ وہ بھی ہلاک کیا جائے گا۔

پس اس پیشگوئی کے مطابق ہر سورۃ سے پہلے بِسْمِ اللہ رکھ دی گئی۔ اور اس طرح یہود اور نصاریٰ کو توجہ دلائی گئی کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہیل موسیٰ اور وہ موعود نبی نہیں تو انہیں منزا لے گی کیونکہ پیشگوئی کے مطابق اس پیشگوئی کا جھوٹا مصداق منزا سے نہیں بچ سکتا۔ لیکن اگر وہ وہی موعود ہیں اس پیشگوئی کے مطابق خدا کا کلام اُس کا نام لے کر بیان کرتے ہیں تو پیشگوئی کے مطابق تم انکار کر کے منزا سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ تم سے ضرور حساب لے گا۔

رٹتے دیکھا ہے۔ وہ بچا دے گھر کر کھڑے ہوئے تو ان سپاہیوں نے دہیں گویوں سے اُنکو مار ڈالا۔

ملکہ سبار اسی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اِنَّ الْمَلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا اَرْضَیْہَا اَخْسَدُوْا وَهَآ دَجْعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِہَا اِذْ لَہُمْ مَعِنَا دَسْتُوْرًا وَقَانُوْنٌ

یہی ہے کہ جب کسی ملک میں نئے بادشاہ آتے ہیں تو معزز لوگوں کو ذیل کر دیا کرتے ہیں۔ یہ خدائی قانون ہے جو کبھی نہیں بدل سکتا۔ سوائے اس کے کہ داخل ہونے والا دنیوی اصطلاح میں نیک نہ ہو۔ جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفاء تھے۔ وہ روحانی بادشاہ تھے

دنیوی اصطلاح میں ملک نہیں تھے۔ اسی طرح دو چار اور لوگ جنہیں بطور استثناء پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ

گو بادشاہ کہلاتے ہوں گران معنوں میں بادشاہ نہیں تھے جن معنوں میں دنیا دار بادشاہ ہوتے ہیں بلکہ وحقیقت وہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے تھے۔ چنانچہ ماری یورپی

تاریخ میں صرف ایک شال ایسی نظر آتی ہے جس میں فاتح نے غیر قوموں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ اپنی قوم کے ہی ایک حصہ کے مقابلہ میں عفو اور درگزر کا سلوک کیا۔ یہ شال ابراہیم لنکن کی ہے۔ جو امریکہ کا پرنسپل تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ایک دفعہ یونائٹڈ سٹیٹس

امریکہ کے ایک حصے نے دوسرے حصہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ جب شہابی یونائٹڈ سٹیٹس نے جزئی یونائٹڈ سٹیٹس پر فتح پائی اور وہ ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہونے لگا تو جرمنیوں نے فتح کا مظاہرہ کرنے کی بہت بڑی

تیاری کی ہوئی تھی اور ان کی تجویز تھی کہ مینڈیجی تے ہوئے ہم شہر میں داخل ہونگے۔ مگر جب ابراہیم لنکن

نے ان انتظامات کو دیکھا تو اُس نے اپنے جرمنیوں کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ کیا یہ خوشی کا مقام ہے کہ امریکنوں نے امریکنوں کو قتل کیا ہے۔ لڑائی تو ہمیں مجبوراً کرنی پڑی

یا ایک دو اور بادشاہوں کو مستثنیٰ کر کے بناؤ تو یہی کہ کسی قوم نے کسی ملک پر غلبہ حاصل کیا ہو۔ اور اُس نے وہاں ظلم و ستم کا بازار نہ گرم کر دیا ہو۔ قیادت پڑھ کر دیکھ لو وہاں بھی یہی احکام ہیں کہ

”جبکہ خداوند تیرا خدا نہیں تیرے محلے کرے۔ تو تو انہیں ماریو اور حرم کیبیو۔

نہ تو ان سے کوئی عہد کر لو۔ اور نہ ان پر رحم کر لو۔۔۔۔۔۔ تم ان کے مذبحوں کو ڈھا دو اور ان کے بتوں کو توڑ دو۔

ان کے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کی تراشی ہوئی مورچوں آگ میں جلا دو۔“

(استثناء باب ۷ آیت ۲ تا ۶)

یہی طرح لکھا ہے:-

”جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے

قبضہ میں کر دے تو تو وہاں کے ہر ایک

مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔۔۔۔۔ اور

جو کچھ اُس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹاپے

لے۔“ (استثناء باب ۱۶ آیت ۱ تا ۱۶)

غرض جب کوئی قوم فاتح ہو تو وہ یہی کچھ کیا کرتی ہے۔ انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا تو انہوں

نے بھی یہاں کے لوگوں پر بڑی بڑی سختیاں کیں اور جب غصہ نکل گیا تب اُمتال پر آئے۔ ورنہ غدر کے ایام

میں انگریزوں نے جو جو کارروائیاں کی ہیں ان کا ذکر سن کر انسان کا منہ اُٹھتا ہے۔ اُس وقت کے کسی شخصید واقفا

کا ذکر میں نے بھی سنا ہے۔ ہمارے بچے پڑانا کا حال

ہماری نانی صاحبہ سنایا کرتی تھیں کہ غدر کے دنوں میں وہ

سخت جلا تھے۔ ایک دن اچانک انگریزی فوج کے بعض

سپاہی مکان کے اندر گھس آئے اور ان میں سے ایک نے

ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص کو بھی میں

تھی دوزخ اپنی قوم کا خون بہانا کوئی پسندیدہ بات نہیں ہو سکتی۔ پھر اُس نے اپنے جرنیلوں سے کہا کہ تم پیچھے کھڑے رہو میں ایکلا شہر میں داخل ہونگا۔ چنانچہ وہ ایکلا شہر میں داخل ہوا اور باغی فوج کے افسر کے دفتر میں جا کر اُس کے ڈیسک پر سر جھکا کر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر پر پُرم آنکھوں کے ساتھ دُعا میں مشغول رہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ تمام یورپین تاریخ میں صرف ایک مثال ہے۔ جہاں فاجر نے مفتوح کو ذلیل کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ آپ نے جب مکہ فتح کیا تو باوجود اس کے کہ کلفا مکہ سال یا سال تک آپ کو اور آپ کے صحابہ کو سخت سے سخت تکالیف پہنچاتے رہے تھے آپ نے ان سب سے کہدیا کہ لَا تَغْرِبْ غَلَبْتُکُمْ الْیَوْمَ جاؤں تم پر کوئی گرفت نہیں کرتا۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہود درگذر یہیں تک محدود نہیں بلکہ آپ نے ایک دفعہ صحابہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر مصر کو فتح کر گیا۔ جب تم فاتحانہ حیثیت سے اُس میں داخل ہو تو اُس وقت تم اس بات کو یاد رکھنا کہ تمہاری دادی ہاجرہ مصر کی تھی۔

اب کہاں حضرت ہاجرہ کا زمانہ اور کہاں صحابہ کا زمانہ مگر اتنی دوری کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیس سو سال پہلے کی دادی ہاجرہ کا ذکر کر کے اپنے صحابہ کو نصیحت فرمائی کہ تم اس تعلق کی بنا پر مصر کے لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔ اور اُن سے جن سلوک کرنا۔ پس اس قسم کا نمونہ دکھانا انبیاء و کاہن کا کام ہوتا ہے۔ دوزخ عام دستور دنیا کے بادشاہوں کا بھی ہے کہ جب وہ کسی ملک میں فاتح بن کر داخل ہوتے ہیں تو بڑے بڑے غلام کرتے اور ہزاروں لوگوں کو بے دریغ قتل کر دیتے ہیں۔

پس ملکہ سبا کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملا تو اُس نے اپنی سلطنت کے اکابر سے مشورہ لیا۔ اُن سب نے کہا کہ ہم ملک کی خدمت کے لئے تیار ہیں اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں۔ آپ جو حکم دینا چاہتی ہیں۔ دیں۔ اُس نے جواب دیا کہ ہماری موت سے ملک کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ دیکھنا صرف یہ نہیں کہ لوگ جنگ کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری موت کوئی فائدہ پہنچائے گی یا نہیں۔ اگر ہم زندہ رہیں اور سلیمان کی بادشاہت قبول کر لیں تو یہ زیادہ مفید ہوگا یا یہ زیادہ مفید ہوگا کہ ہم لڑیں اور مر جائیں اور سلیمان ہمارے ملک پر قابض ہو جائے۔ غرض حکومت کا کئی تغیر ہم پر اثر انداز ہو سکتا ہے یا اُس کا جزوی تغیر۔ ایک تغیر تو یہ ہے کہ سلیمان کو اس ملک کی عظمت اور بڑائی حاصل ہو جائے۔ بادشاہت ہمارے پاس ہی ہے ہم صرف اس کے باکلزار ہو جائیں۔ اور ایک تغیر یہ ہے کہ ہم مارے جائیں اور ملک بھی سلیمان کے قبضہ میں چلا جائے۔ ان تمام امور پر خود کر کے جو کچھ کہتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی ملک میں کوئی نئی بادشاہت آیا کرتی ہے تو جَعَلُوا أَجْرَةً أَهْلِهَا اِذْ لَکَ وہ اُس ملک کے معزین کو ذلیل کر دیا کرتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں جیسا کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ حکومتوں میں جب تغیر ہو تو نئی حکومت بڑوں کو چھوٹا اور چھوٹوں کو بڑا کر دیتی ہے۔ یہاں یہ معنوں بیان نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر اس کے یہی معنی ہوں تو گو بڑے چھوٹے ہو جائیں گے لیکن چھوٹوں کے بڑا بن جانے سے پھر بھی اس ملک کو ہی فائدہ پہنچے گا اور اُسے کوئی نقصان نہیں رہے گا۔

حالانکہ قرآن کریم کی آیت صرف نقصان اور تباہی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ دراصل اس آیت میں غیر قوم کی حکومت کا ذکر ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جب اس قسم کی

بھینک دیتی ہے اور ایسے لوگوں کو حکومت کی باگ ڈور دیدی جاتی ہے جو پہلی حکومت سے بغض رکھتے ہوں تاکہ وہ ان لوگوں کو ابھرنے کا موقع نہ دیں۔ انگریزوں کو ہی دیکھ لو۔ انہوں نے راجوں ہمارا جوں کو ادبچا کر دیا اور غلبہ سنا ہی خاندان کو اس طرح گرا دیا کہ آج ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

غرض ملکہ سب بعد قانون بات بیان کرتی ہے کہ بادشاہ جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اُس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں۔

بھرتھلوا اچھڈا اھلچھا اڈلے میں امرتہ کے صرت ہی مئے نہیں کہ جو لوگ دائمی معزز ہوتے ہیں ان کو ذلیل کیا جاتا ہے بلکہ اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے کہ جو لوگ غریبوں، کمزوروں اور نادانوں کو جوتیاں لٹنے کی وجہ سے اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہیں اُن کے اس فعل بد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خیریت اور اُسکی محبت غریبوں کے لئے جوش میں آتی ہے اور اُن پر کسی ایسے بادشاہ کو مسلط کر دیتا ہے جو اُن کے خود ساختہ اعزاز کو مٹا کر انہیں ذلیل کر دیتا ہے۔ گویا جو قوم جوتوں کے ساتھ دوسروں کو سیدھا کرنا چاہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو مغلوب کر دیتا ہے اور دوسروں کو اُن پر غلبہ دے دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا جب آپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا تو اس نے رعایا کے ساتھ شریفانہ سلوک روا نہ رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کے دل قبائل نے بغاوت کر دی اور سلیمان کی وسیع سلطنت ایک ریاست کی شکل میں محدود ہو کر رہ گئی۔ رعایا کے چند قبائل نے اس سے چیتہ بھی ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں مضمحل کیا تھا کہ ہم حکومت کو موقع پا کر کمزور کر دیں

نئی بادشاہت کا قیام میں آئے تو وہ بڑوں کو ذلیل کر دیتی ہے اور جو پہلے ہی ذلیل ہوں وہ اس حکومت میں اور بھی زیادہ ذلیل اور بے حیثیت ہو جاتے ہیں گویا خارجی قوم کی حکومت نے عالم مقرر کرتی۔ نئے سردار بناتی اور نیا نظام قائم کرتی ہے۔ پھر وہ لوگ اپنا قانون جاری کرتے۔ اپنے افسروں اور اپنے حکام کا تقرر کرتے اور اپنے ہی نظام کو رائج کرتے ہیں۔ جیسے انگریز یہاں آئے تو انہوں نے انگریزوں کو افسر بنایا۔ مغل آئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ترقی دی۔ چٹھان آئے تو انہوں نے اپنے ہم قوم افراد کو ذمہ داری کے عہدے دیئے۔ اسی طرح آدین لوگوں نے حکومت کی تو انہوں نے آریوں کو عروج پر پہنچایا اور گوند اور بھیل وغیرہ اقوام جو کسی زمانہ میں اعزہ میں سے تھیں انہیں ذلیل کر دیا غرض ہر خارجی بادشاہت دنیا میں ایک نیا تغیر پیدا کرتی ہے پہلے نظام کو بدل کر ایک نیا نظام قائم کرتی ہے تاکہ وہ لوگ دوبارہ اقتدار حاصل کر کے بغاوت نہ کریں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ دی گئی تھی مجھے ایک شخص کے متعلق بتایا گیا کہ یہ مظلمہ خاندان میں سے ہے۔ اُس کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ حقہ اٹھائے پھر تمام اور چاندنی چوک میں اور لالہ کے سامنے لوگوں کو حقہ پلاتا تھا۔ اور حقہ پینے والا اُسے آندہ دوانے دے دیتا تھا۔ وہ ہر شخص کے سامنے جاتا اور کہتا حقہ پی لیجئے۔ وہ لوگ جو حقہ کے عادی ہوتے وہ اُس سے حقہ لے کر پی لیتے اور جاتے ہوئے آندہ دوانے دے دیتے۔ اُس نے عزت نفس کی وجہ سے بجائے ہاتھ پھیلانے کے یہ طریق اختیار کر لیا تھا۔ بس دنیا کے واقعات اس قانون کی تائید کرتے ہیں کہ جب بھی کسی ملک کی حکومت پر کوئی اور حکومت قبضہ کرتی ہے وہ ملک کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتی ہے اور حکمران خاندان کو کھلی طور پر حکومت کے کاموں سے علیحدہ کر کے گمراہ و گمناہی میں

اور بغاوت کر دیں۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے تائب ہونے سے اس قسم کی بغاوتوں کو دبا دیا۔ دیکھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا تخت نشین ہوا تو بارہ قبائل میں سے دس نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ جو بادشاہ کے پاس چل کر درخواست کریں کہ آئندہ ہم پر سختی نہ کی جائے انہوں نے سمجھا کہ اس طرح اکٹھے ہو کر جانے سے بادشاہ مرعوب ہو جائیگا اور ہم اس سے بعض باتیں منوائیں گے اگر تو وہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے پاس جاتے اور اپنی شکایات پیش کرتے تو چاہے آپ ان کی کوئی بات مانتے یا نہ مانتے اتنا ضرور تھا کہ آپ ان قبائل کا اعزاز کرتے اور انہیں احسن طریق سے سمجھانے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں تمہارے فائدہ کے لئے کر رہے ہیں۔ مگر آپ کی وفات کے بعد آپ کا بیٹا چونکہ مؤید من اللہ نہیں تھا۔ اور اس کے اندر تقویٰ نہیں پایا جاتا تھا اس نے جب قبائل کے اس قسم کے مشورہ کی خبر سنی تو وہ اُگ بگولہ ہو گیا اور اس نے امراء و دربار اور دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ وہ دربار اور امراء بھی بادشاہ کے بھائی تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ ”گر یہ کشتن روز اذل“ جب وہ قبائل آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کی خوب خبریں۔ چنانچہ جب وہ قبائل بادشاہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا۔ بادشاہ سلامت! ہم نے آپ کے باپ دادا کی بھی خدمت کی ہے اور اطاعت گزار رہے ہیں مگر اس وقت بعض معاملات ایسے ہیں جن میں ہم سمجھتے ہیں کہ ہم پر سختی کی جا رہی ہے۔ ان میں غریبی ہونی چاہیے۔ یہ سُن کر بادشاہ غریبی شان سے بیٹھ گیا۔ اور اس نے بڑے جوش میں کہا تمہارے آکر میرے باپ دادا کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تھی تو کونسا احسان کیا تھا۔ انہوں نے غم سے جوتوں کے ساتھ اطاعت کردانی تھی۔ یہی طرح میں بھی تمہارے

شور و شر سے ڈرنے والا نہیں۔ بلکہ یاد رکھو میرے باپ دادا۔ نے تو تم سے جوتوں سے اطاعت کردانی تھی اور میں ڈنڈے مارا کہ تم سے اطاعت کرواؤں گا۔ اسلئے مطالبات کو ترک کر دو۔ اگر تم میں سے کوئی خدا بھی بولا تو گدھی سے اس کی زبان کھینچنی جا بیگی۔ وہ یہ سختی کا جواب سن کر سخت برہم ہوئے اور انہوں نے دس قسرت ہی کی ڈیڑھ ہی میں کھڑے ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہمارے لئے موائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم بغاوت کر دیں۔ چنانچہ ان دس قبائل کے آدمیوں نے دس ڈیڑھ ہی میں کھڑے ہو کر اپنا ایک بادشاہ چُن لیا اور سلیمان کے بیٹے سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت سے بغاوت کرتے ہیں۔ چنانچہ انہی بادشاہت سینکڑوں سال تک چلتی رہی اور سلیمان کے بیٹے کی حکومت صرف ایک ریاست بن کر رہ گئی۔ یہی طرح وہ لوگ جو ڈنڈے کے زور سے دوسروں پر حکومت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اعزہ میں سے سمجھتے ہیں ان کی جبرہ دستیاں بھی جب حد سے زیادہ تجاوز کر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی خیریت جوش میں آتی ہے اور ملک میں ایسا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ ملک میں بڑے بڑے معزز سمجھے جانے والے ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں اپنے نامردا افعال کی سزا جلتی پڑتی ہے۔

پھر گو ملکہ سبا کا یہ قول ایک سیاسی ذکر کے دوسرا میں بیان کیا گیا ہے کہ إِنَّ الْعُرُوفَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَسْهَدُهَا وَجَعَلُوا أَعَزَّ أَهْلِهَا أَذَلَّةً مگر اس میں اس روحانی قانون کی ظہری اشارہ کیا گیا ہے جو انبیاء کی بعثت پر دنیا میں جاری کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح دنیوی ملوک اپنے ساتھ ایک انقلاب لاتے ہیں اسی طرح انبیاء جو مملکت و روحانی کے بادشاہ ہوتے ہیں ان کی آمد کے ساتھ بھی جَعَلُوا أَعَزَّ أَهْلِهَا أَذَلَّةً

کا نقشہ انسانی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ اور اُنکے زمانہ میں بھی کئی چھوٹے بڑے اور کئی بڑے چھوٹے کرئیے جاتے ہیں۔ کئی حقیر اور ذلیل سمجھی جانے والی قومیں خدا تعالیٰ کے مامور کو قبول کر کے عزت حاصل کر لیتی ہیں۔ اور کئی معزز سمجھی جانے والی قومیں خدا تعالیٰ کے مامور کو رد کر کے ذلیل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ دنیا کا ایک لمبا تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ انہی صدائیں ہمیشہ ایسے علاقوں میں ہی زیادہ کثرت اور زیادہ دور کے ساتھ پھیلی ہیں جو باقی دنیا کی نگاہوں میں جاہل اور وحشی ہوتے ہیں۔ جب کبھی کسی تعلیم نے یکدم کسی قوم کو پکڑا ہے تو وہ قوم ہمیشہ ایسی ہی ہوتی رہی ہے جو اپنے ظاہری علوم کے لحاظ سے دوسری قوموں سے ادنیٰ اور گری ہوئی سمجھی جاتی ہے۔ مگر پھر وہی قوم خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہہ کر دنیا کی فاتح اور حکمران بن جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خواہ کوئی کتنا ہی جاہل کیوں نہ ہو انسانی فطرت اپنے ذہن میں کچھ نہ کچھ نتائج نکالتی رہتی ہے بلکہ انسان تو ایک طرف دیا ہم جانوروں اور درختوں میں بھی یہ بات دیکھتے ہیں۔ سائنس سے ثابت ہے کہ بعض جانور بعض درختوں پر رہنے کی وجہ سے خاص قسم کے رنگ پیدا کر لیتے ہیں۔ تیزی کتنا چھوٹا سا جانور ہے نہ اُس میں گوشت ہوتا ہے نہ ہڈی جب تیز رفتاری سے چلے گا پس اس پر ہی ہوتی ہیں تو وہ کتنی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ کتنی حسین اور دلکش نظر آتی ہیں۔ مگر اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان تیزوں کا رنگ زیادہ تر مہرہاں منت ہوتا ہے اُن پتوں اور پتوں کا جن میں وہ رہتی ہیں۔ وہ مختلف قسم کے پتوں اور مختلف قسم کے پتوں میں رہتی ہیں اور انہی پتوں اور انہی پتوں کے رنگ کا انعکاس اپنے پتوں میں پیدا کر لیتی ہیں۔ چنانچہ اکثر تیزوں کے رنگ دوسرے جانوروں کے رنگ

کے خلاف عارضی ہوتے ہیں۔ اگر ایک طوطے کا سبز رنگ تم مٹانا چاہو تو تم نہیں مٹا سکتے۔ اگر ایک فاختہ کا بھورا رنگ تم مٹانا چاہو تو نہیں مٹا سکتے۔ لیکن تیزی کا پر اپنے ہاتھ میں مسلو تو اس کا رنگ فوراً تباہ دے ہاتھ کو رنگ جائیگا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا رنگ درحقیقت ایک فوٹو اور انعکاس ہوتا ہے اُن شعاعوں کا جو اُن پتوں اور پتوں میں رہنے کی وجہ سے اُس کے پتوں پر پڑتی ہیں۔ جب یہ انعکاس ایک بے عرصہ تک چلتا چلا جاتا ہے تو اسی قسم کا ایک مستقل رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بالعموم ریت کے اندر رہنے والے جانور بھوسلا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ امدیت کے تودوں میں اُن کی شکل نظر نہیں آتی۔ ہرن سامنے بیٹھا ہوا ہوتا ہے بلکہ گلے کا گلا بعض دفعہ سامنے ہوتا ہے مگر بعض اُن کو پہچان نہیں سکتا۔ صرف ماہر شکاری ہی اختیار کر سکتا ہے۔ ورنہ عام انسان بسا اوقات پاس سے گزر جاتا ہے اور اُسے معلوم تک نہیں ہوتا کہ سامنے ہرن بیٹھا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ریت میں ایک لمبا عرصہ رہنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ وہ ریت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یہی حال درختوں کا ہوتا ہے کہ درخت بھی اپنے اپنے ماحول کے مطابق رنگ اختیار کرتے ہیں اور یہی حال انسانوں کا ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنے اپنے ماحول کے مطابق رنگ اختیار کرتے ہیں۔ ہم اُن کو وحشی کہہ دیں۔ ہم اُن کو جاہل کہہ دیں۔ ہم اُن کو تہذیب و تمدن سے کھینچ کر کہہ دیں۔ لیکن کیا اُن کا دماغ اتنا بھی کام نہیں کر رہا جتنا جننا ایک طوطے یا ایک تیز یا ایک ہرن کا دماغ کام کر رہا ہوتا ہے۔ اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو یہ کہ جس طرح طوطے اور ہرن نے معین صورت میں اپنے تنازعات کو باہر نہیں نکالا وہی طرح ایک جاہل اور وحشی نے بھی اپنے ماحول کے تنازعات کو باہر نہیں نکالا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار

حکات سے ظاہر ہونے لگتا ہے کہ کبھی ہیں ہماری اُمیدوں کے برآئے کا وقت آگیا۔ ہماری خوشیوں کے دور ہونے کا زمانہ آگیا۔ اُوہم اس نئی کو قبول کر کے دنیا پر حکمرانی کریں اور اپنے کھوئے ہوئے حق کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔

وہ زمین جس میں ایک لمبے عرصہ تک ہل چلایا جاتا ہے جو مختلف قسم کی سبزیاں پیدا کرتی ہے جو مختلف قسم کے پھل اور پھول تیار کرتی ہے بیشک اُسکی بے پیمانگی انسانی آنکھوں کو تراوت بخشتی ہے۔ اُس کے پھل انسانی غذا کے کام آتے ہیں۔ اُس کے پتے جانوروں کی بھوک مٹانے کا کام دیتے ہیں مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک لمبے استعمال کی وجہ سے اپنی طاقت کو کھو بیٹھتی ہے۔ لیکن اُس کے پاس کی پڑی ہوئی زمین جو ابھی استعمال میں نہیں آئی ہوتی وہ اس بات کی زیادہ بے ہوش ہوتی ہے کہ اُس میں بیج بویا جائے اور اُس سے اعلیٰ درجہ کی پیداوار حاصل کی جائے۔ اچھا فلاح ہمیشہ اُس زمین کی طرف جاتا ہے جو غالی پڑی ہو۔ اُس زمین کی طرف نہیں جاتا جسے ہزاروں سال سے بویا جا رہا ہو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے اب مجھے اس استعمال شدہ زمین سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مجھے اگر فائدہ ہوگا تو اُس زمین سے جو بظاہر بخر ہے۔ جو بظاہر ویران ہے جو بظاہر غیر آباد ہے۔ بیشک اُس پر محنت زیادہ ہوگی۔ مگر اُس کی فصل دوسری زمینوں سے زیادہ بہتر ہوگی۔ نادان لوگ گاؤں کی ہمسائی زمین خریدتے ہیں۔ لیکن ہوشیار زمیندار مرلجوں والی زمین خریدتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گاؤں کی زمینوں کے مالک بعض دفعہ ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سو ایکڑ زمین اپنے پاس رکھتے ہیں مگر اُن کی تہ بند بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ اُن کے جسم پر پوری چادر بھی نہیں ہوتی۔ لیکن ایک دوسرا

نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے مطابق ایک رنگ اپنے اندر پیدا کرتا رہتا ہے۔ تم اگر کسی جتنی سے پوچھو کہ کیا تم نے اپنی زندگی کے ماحول کے نتیجہ میں کوئی اثر قبول کیا ہے یا نہیں تو وہ کہیں گے۔ جس نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس نے اثر قبول کیا ہوتا ہے۔ مگر وہ اس سے ایسا ہی ناواقف ہوتا ہے جیسے قیر ہی نہیں جانتی کہ وہ پھولوں کے رنگ کا اثر قبول کر رہی ہے۔ ہرن یہ نہیں جانتا کہ وہ دیر کی رنگت اپنے اندر پیدا کر رہا ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی بغیر اس بات کے جانے کے کہ وہ کیا پیدا کر رہی ہے۔ اور اس کے کیا کیا فوائد ہیں۔ مختلف پھولوں پر میٹھ کر شہد کے باریک ذرات اپنے منہ میں سے نکالتی رہتی ہے اور وہ نکالنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ قومیں جنہیں دنیا نے الگ چینک رکھا ہے۔ اپنے ماحول کے اثرات سے متاثر ہو رہی ہوتی ہیں گو وہ خود بھی نہ سمجھ سکیں کہ اُن کا ماحول اُن کو کسی خاص رنگ میں رنگین کر رہا ہے۔ مگر ہر حال اُن قوموں کے دلوں میں باریک طور پر یہ حس پائی جاتی ہے کہ خدا نے ہم کو دنیا سے فائدہ اٹھانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ باقی لوگ اپنا حقد لے چکے مگر ہم نے اس دور میں اپنا حصہ نہیں لیا ہیں دنیا نے دھنکا رکھا ہے۔ ہمیں اُس نے فوائد سے محروم کر دیا ہے۔ وہ اور اُس کی نسلیں فائدہ اٹھا رہی ہیں مگر ہمیں فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ یہ وہ خیال ہوتا ہے جو اُن قوموں کے دلوں میں بغیر کسی خاص احساس کے یا بغیر کسی معین صورت کے اندر ہی اندر پیدا ہوتا رہتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی کے ذریعہ یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ میں دنیا کی گری ہوئی قوموں کو تیری کی بند یوں پر پہنچانے کے لئے آیا ہوں تو اُن قوموں کے اندر ایک خلش سی پیدا ہو جاتی ہے ایک بے چینی سی رونما ہو جاتی ہے۔ ایک اضطراب سائن کی

شخص عمدہ لباس پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ اچھا کھانا پیتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے زمیندار ہیں مگر اُس کے پاس صرف ایک مربع زمین ہوتی ہے۔ حالانکہ ایک مربع کے معنی میں صرف ۲۵ ایکڑ۔ لیکن باوجود اس کے اُس کے پاس صرف ۲۵ ایکڑ زمین ہوتی ہے اور دوسرے کے پاس چھ گن زیادہ زمین ہوتی ہے۔ وہ غربت میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور ایک مربع رکھنے والا کشائش کی حالت میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک شخص نے عقلمندی سے وہ زمین اختیار کی جس نے اپنی طاقت خرچ نہیں کی تھی اور دوسرے نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے اس زمین کو خرچ دی جو اپنی طاقت کو کھوکھلی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ مدد پر خرچ کر نیکی باوجود وہ گھلے میں رہا اور تھوڑا خرچ کرنے والا فائدہ میں رہا جسٹیک شہری محافظ سے زمین بھی مفید ہوتی ہے۔ اور مکانون کے لئے گراں قیمت پر فروخت ہو جاتی ہے۔ مگر جہاں تک فصل کا سوال ہے خالی پڑی ہوئی زمین زیادہ مفید ہوتی ہے۔ اور زمیندارہ اصول بھی یہی ہے کہ جب کسی زمین سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہوتا ہے تو اُس کو کچھ عرصہ کے لئے خالی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

عرب میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہم جانتے ہیں کہ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل تھا اور پیشگوئیوں کے مطابق عرب میں ہی آپ کا مبعوث ہونا ضروری تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ خدا بھی اپنے سائے کام حکمت کے ماتحت کرتا ہے۔ اسی لئے اس کا ایک نام حکیم ہے۔ وہ بھی بلا سوچے یا بغیر کسی حکمت کے وہ کوئی کام نہیں کرتا اور جبکہ اُس کا ہر کام حکمت کے ماتحت ہوتا ہے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اُس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث کرنا کسی بہت بڑی حکمت کے ماتحت تھا۔ اور وہ حکمت یہی تھی کہ

عرب وہ ملک تھا جسے ہزار ہا سال سے دنیا میں کوئی عزت کا مقام حاصل نہیں ہوا تھا۔ بے شک عربوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نئی لغت کی۔ آپ کی تفسیر و تفسیر کی۔ آپ کو برا بھلا کہا۔ آپ کو مٹانے کے لئے انہوں نے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا۔ مگر اس کے باوجود جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز عرب میں گونجی تھی۔ کہ اے عربو! میں تمہیں دنیا کا بادشاہ بنانے کے لئے آیا ہوں تو ان کا دل جلدی جلدی حرکت کرنے لگ جاتا تھا وہ کہتے تھے۔ یہ کیسی آواز ہے جو ہمارے کانوں میں آرہی ہے پھر وہ کچھ اور سوچتے اور کہتے یہ تو وہی آواز ہے جس کے لئے ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ سے ترستے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ جب انہیں اپنی نئی لغت بھولی عداوت ان کے دلوں سے دُور ہوئی۔ اس آواز نے اُنکے قلوب میں بیجان پیدا کر دیا۔ اور دیوانہ وار لبیک یا رسول اللہ لبیک یا رسول اللہ کہتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہماری ترقی کا زمانہ آگیا۔ ان کے دلے مٹے جذبات ابھر آئے۔ ان کی دیرینہ خواہشات جوش میں آگئیں اور ہر دم کو تونر کردہ اس آواز دینے والے انسان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

مورخ لکھتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آواز پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا خشک صحرا سمندر میں گیا ہے۔ اُسکی بہریں اٹھ اٹھ کر ہمایہماںک اور پھرائن کے ساتھ دالے مہاکاں تک پہنچیں اور ان سب کو انہوں نے اپنے زیر نگین کر لیا۔ یہ دلی بولی جس ہی تھی کہ ہمیں دنیا میں ترقی کرنے کا موقع نہیں ملا جس عربوں میں ایک دیوانہ کی پیروی کر دی جنہوں کی سی کیفیت ان میں رونما ہو گئی۔ انہوں نے کہا یہ بول ہوا کہ دنیا ترقی میں اپنا حصہ لے چکی مگر ہم اس سے محروم رہ گئے۔ تب

وہ اپنے اونٹوں کی مہادیں پچڑے نکلے اور اس جوش و خروش میں وہ لوگوں کے ساتھ نکلے کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں پاش پاش ہوئیں اور وہ دنیا کے کناروں تک اپنی حکومت پھیلانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ سامان تھا جو حدّ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی اور عظمت کے لئے کیا کہ آپ کو اُس ملک میں خدا تعالیٰ نے بھیجا جس ملک میں رہنے والوں کے جذبات سینکڑوں سال سے دبے چلے آ رہے تھے۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ اور لوگ تو حصّہ لے چکے مگر ہم اب تک محروم ہیں۔ گویا اُن کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کہتے ہیں کہ کوئی اڈھا اور سو جا کھا کھانا کھانے بیٹھے۔ اڈھے نے سمجھا کہ سو جا کھا زیادہ کھانا کھا رہا ہو گا۔ کیونکہ اُس کی آنکھیں ہیں اور میں اڈھا ہونے کی وجہ سے اُسکے مقابلہ میں کم کھا رہا ہوں۔ یہ خیال آنے پر اُس نے پہلے تو جلدی جلدی کھانا شروع کر دیا۔ پھر اس خیال کے آنے پر کہ میری یہ حرکت سو جا کھے نے بھاپ لی ہوگی اور وہ بھی ضرور جلدی جلدی کھانے لگ گیا ہوگا اُس نے دونوں ہاتھوں سے کھانا شروع کر دیا۔ پھر جو خیال آیا تو ایک ہاتھ سے وہ چادر منہ میں ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے جھولی میں ڈالتا۔ اس پر پھر اُسے خیال آیا کہ اب ضرور سو جا کھا بھی ایسا ہی کرے گا ہو گا۔ چنانچہ اب کی دفعہ اُس نے تعانی اٹھائی اور کہنے لگا۔ اب میرا ہی حصّہ وہ گیا ہے۔ تم اپنا حصّہ کھا چکے۔ اور اُس سو جا کھے کی یہ حالت تھی کہ اُس نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ اندھے کی حرکات کو دیکھ دیکھ کر ہی ہنستا جا رہا تھا کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ عربوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ انہوں نے دنیا کی بادشاہت کی پیٹھ اٹھا کر اپنے سامنے دکھ لی اور کہا کہ تم اپنا حصّہ لے لیتے یہ ہمارا حق ہے۔ غرض یہ الہی سامان تھا۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے

اُس قوم میں مبعوث کیا جو ایک لمبے عرصہ سے ترقی سے محروم چلی آئی تھی اور جس کے جذبات گودے ہوئے تھے مگر وہ ایک آواز کے منتظر تھے۔ اُس آواز کے جو انہیں دنیا کا فاتح اور حکمران بنا دے۔ اُن کے دل یہ دیکھ کر اور لوگ تو اپنا حصّہ لیتے جاتے ہیں اور ہمیں کوئی پوچھتا بھی نہیں حصّہ سے بے تاب ہو رہے تھے اور تم جانتے ہو کہ انسان کا ایک ایک سال کا دبا ہوا حصّہ باہر نکلے تو وہ دوسرے کو کھل ڈالتا ہے۔ پھر کیا حال ہوگا اس قوم کا جس نے مدیون سے اپنے حصّہ کو دلوں میں دبا دکھا ہو۔

حضرت یحییٰ بن مرقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ہمارا چچ زنجبیت سنگھ نے ایک دفعہ اپنے باورچی کو محض اس جرم میں کہ کھانے میں اُس نے کچھ نمک زیادہ ڈال دیا تھا ایک موکوڑے لگا دیے کی سزا دی و عزیر الدین ایک مسلمان اُن کے وزیر تھے۔ وہ بڑے نرم دل تھے۔ کہنے لگے۔ یہ بادشاہ کی شان سے بعید ہے کہ کھانے میں ذرا نمک زیادہ ہو جائے تو وہ اس پر جڑا کر ایک موکوڑے لگانے کا حکم دے دے ہمارا چچ کہنے لگا۔ وزیر صاحب! آپ یہ خیال نہ کریں کہ میں اسے نمک کی زیادتی پر یہ سزا دے رہا ہوں۔ اس نے میرا ایک موکوڑا کھایا ہوا ہے اور ایک ایک بکرے پر ایک ایک دُڈے کی سزا میں اسے دے رہا ہوں۔ کھانے میں نمک کی زیادتی محض ایک بہانہ ہے۔ اس ذلیل سے تو سمجھیں اس کو گدہ مشدّد تصور دل کی سزا دینے کا موقع مل گیا ہے۔

غرض ایک ایک دو دو سال کے جذبات اگر دبیے ہوئے ہوں تو انسان پاگل ہو جاتا ہے۔ پھر کیا حال ہوگا اُن قوموں کا جنہوں نے سالہا سال سے اپنے جذبات کو دبا رکھا تھا۔ جو سمجھتی تھیں کہ دنیا اپنا حصّہ لے چکی مگر ہمارا حصّہ اس نے نہیں دیا۔ یہ بے چارے جذبات

تو میں کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ بے شک یہ جذبات خود ان کی نظروں میں بھی معین نہیں ہوتے جیسے تیری نہیں جانتی کہ وہ ٹھوگلوں کا رنگ اختیار کر رہی ہے فاختہ نہیں جانتی کہ وہ بھورا رنگ پیدا کر رہی ہے طوطا نہیں جانتا کہ وہ سبز رنگ پیدا کر رہا ہے۔ ہرن نہیں جانتا کہ وہ بھوسلا رنگ پیدا کر رہا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک مخفی اثر اپنے ماحول کا ہر چیز پر پڑتا ہے۔ اسی طرح انسان اس رنگ میں رنگین ہوتا جاتا ہے جو اس کا ماحول اس کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اگر ہرن کی زبان ہوتی اور کوئی شخص اس سے پوچھتا کہ کیا تم کوئی رنگ پیدا کر رہے ہو تو وہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں بھوسلا رنگ پیدا کر رہا ہوں۔ لیکن اس کی یہ خواہش کہ میں صحران کی ریتوں میں چھپ جاؤں خود بخود اس کے اندر ایک رنگ پیدا کر دیتی ہے جسے وہ خود بھی نہیں سمجھ سکتا۔ سرخ ٹھوگوں میں رہنے والی تیری اگر اس کی زبان ہوتی یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ میں سرخ رنگ پیدا کر رہی ہوں۔ مگر اس کی یہ خواہش کہ میں سرخ ٹھوگوں میں چھپ جاؤں خود بخود اس کے پردوں میں سرخ رنگ پیدا کر دیتی ہے۔ ایک سبز رنگ کا طوطا اگر اس کی زبان ہوتی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں سبز رنگ پیدا کر رہا ہوں۔ لیکن اس کی یہ خواہش کہ میں سبز رنگ کے پتوں میں چھپا دوں خود بخود اس کے جسم پر سبز رنگ پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح وہ جاہل اور وحشی اقوام جو تمدن دنیا سے علیحدہ ہیں جو حکمت سے محروم ہیں جو دنیا سے فائدہ نہیں اٹھا رہے گو اپنی زبان سے نہ کہہ سکیں کہ وہ اس ماحول سے کوئی اثر قبول کر رہی ہیں مگر ان کی دلی ہوئی خواہشات ان کے جسم پر ایک رنگ پیدا کرتی چلی جاتی ہیں۔ وہ دیکھتی ہیں کہ ہماری نسل کے بعد

نسل پیدا ہوئی مگر دنیا نے ہمارا حق ہم کو نہ دیا۔ ہمارا حق اس نے چھین لیا۔ ہماری دولت اس نے چھین لی ہماری تعلیم اس نے چھین لی۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دنیا پر چھپائیں اور اس سے اپنا حق واپس لیں۔ یہ وہ تاثر ہے جو اس ماحول کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور یہی وہ تاثر ہے جو اقوام کو فاسخ بنایا کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم میں آئے جو مہذب سمجھی جاتی تھی جو تعلیم یافتہ تھی جو دنیا کی ترقی کی دھڑ میں اپنا حصہ لے چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کو تین سو سال تک محنت اور تکاؤ دکھنا پڑا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم میں آئے جو مظلوم تھی جو ترقی سے محروم تھی جو دیکھتی تھی کہ اور قومیں تو آگے نکل گئیں مگر ہم پیچھے رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موسیٰ کی آواز پر وہ یکدم آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ انہیں فطرتیں نکال رہی تھیں کہ ہماری ترقی کا دقت آگیا جب ان کی فطرت کی آواز خدائی آواز کے ساتھ مل گئی تو انہوں نے دنیا کو روند ڈالا اور اپنا حق لوگوں سے حاصل کر لیا۔

یہی قانون اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ روحانی دنیا میں بھی جب انبیاء کے ذریعہ ایک انقلاب پیدا کیا جاتا ہے تو اس وقت بھی جَعَلُوا آيَةً اٰهْلِيْهَا اِذْ لَمْ يَنْظُرُوْا اِلَيْهِ اَنَّهُمْ اٰتٰوْا بِهٖ بَعْضُ كُفْرٍ كَبِيْرٍ یعنی کئی بڑے بڑے معزز اور عقلمند کہلانے والے ذیل ہو جاتے ہیں اور کئی چھوٹے اور حقیر نظر آنے والے افراد یا حقیر اور ذلیل سمجھے جانے والی اقوام بڑی بڑی عزتیں حاصل کر لیتی ہیں۔ البتہ اپنی قوم میں کتنا عقلمند اور معزز سمجھا جاتا تھا لوگوں نے اس کا نام ہی ابوالحکم یعنی دانائی کا باپ رکھا ہوا تھا۔ مگر جب

وَاِنِّیْ مُرْسَلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنَظَرَةً بِمَا یَرْجِعُ

اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجوں گی۔ پھر دیکھوں گی کہ میرے بھیجی کیا جواب دے گا

اَلْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَیْمٰنُ قَالَ اَتُمِدُّوْنِیْ

واپس آتے ہیں۔ پھر جب وہ تحفہ سلیمان کے سامنے لا کر رکھا گیا تو اس نے کہا۔ کیا تم مال کے ذریعہ میری مدد کرنا

بِمَالٍ زَفَمًا اَتِیْنِ اللّٰهُ خَیْرُ مِمَّا اَتٰکُمْۤ اَبَلْ اَنْتُمْ

چاہتے ہو۔ (اگر یہ بات تو یاد رکھو کہ) اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہت بہتر کر جو تم کو دیا ہے اور (تو اس پر ہنس کر)

بِهَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ

تم اپنے تحفہ پر بڑے نازاں ہو۔ (میں نے ہنس کر) تو ان کی طرف لوٹ جا اور (ان سے کہہ دے کہ) میں ایک بڑے شکر کے ساتھ

بِجُنُوْدٍ لَاۤ اَقْبَلَ لَہُمْ بِہَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْہَا

ان کے پاس آؤں گا۔ ایسا شکر کہ اس کے مقابلہ کی انکو طاقت نہ ہوگی اور میں انکو اس ملک سے (مفتوح ہوئے بعد) ایسی طاقتیں

اِذْلَۃً وَہُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۸﴾

نکال دوں گا کہ وہ بادشاہت (کی عزت) کو بچے ہو گئے۔ ۱۷

میں میں طرح دنیوی بادشاہتوں کے متعلق یہ قانون کہ
کہ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَنۡشَدُوْهَا وَہَا دَ
بَعۡثُوْا اَعۡزَدَۃً اَہْلِہَا اِذْلَۃً اِسی طرح مدعا دنیا
میں بھی یہ قانون جاری ہے اور انبیاء کی بعثت پر بھی
کئی بڑے سمجھے جانے والے چھوٹے کر دیئے جاتے ہیں اور
کچھ چھوٹے سمجھے جانے والے بڑی بڑی عزتوں کے مالک
بن جاتے ہیں۔

اَلْقَبِلُ

۱۷ حل لغات: اَلْقَبِلُ: اِنطاقة

طاقت۔ یُقَالُ مَالِیْ یَبِہُ قَبْلُ۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے
مجھے اس کی کوئی طاقت نہیں۔ (فارغ)

صٰغِرُوْنَ: صاغر سے جمع کا سیغہ ہے اور

اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو وہ اتنا ذلیل
ہو گیا کہ لوگوں نے اسے بوجھل یعنی جہالت کا باپ کہنا
شروع کر دیا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو دیکھ لو
وہ صرف گیارہ سال کے تھے جب وہ دین کی تائید کے
لئے کھڑے ہوئے۔ مگر پھر خدا تعالیٰ نے انکو اتنی عزت
دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ خلیفہ بنے
اور پھر ان کی نسل کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا نیک بنایا
کہ بارہ نسلوں تک برابر ان میں بارہ امام پیدا ہوئے۔
لیکن وہ لوگ جو اس وقت اپنے آپ کو مگر کے رؤسا میں
سمجھتے تھے اور بڑی بڑی عزتوں کے مالک تھے آج ان کا کوئی
نام بھی نہیں لیتا اور نہ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ

(اس کے بعد) اُس نے اپنے دو بادلوں کا مقابلہ کر لیا۔ اُسے دربار لو: تم میں سے کون اس کے تخت کو میرے پاس لے آئیگا پیشتر اس کے

يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَفَرْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا

(وہ لوگ) فرمانبردار اور کریم خدمت میں حاضر ہوں۔ (بادی تو ہوں جس) ایک سرکش مردار نے کہا۔ آپ کے (اس)

أَتَيْكَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِّنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ

مقام سے جانے سے پہلے میں وہ (عرش) لے آؤں گا۔ اور میں اس بات پر بڑی

جیسے ذیل لوگ ہی اس بدیر پر خوش ہو سکتے ہیں جسکو ہد ہد اٹھا لایا ہے۔

پھر فرمایا۔ اے ہد ہد! اُن کی طرف لوٹ جاؤ اب ایسا شکر لے کر اُن پر چڑھائی کرونگا جس کے مقابلہ کی طاقت اُن میں نہیں ہوگی۔ کیونکہ اُس لشکر میں ہد ہد بھی ہونگے۔ چڑیاں بھی ہونگی۔ ہدیاں بھی ہونگی اور بے بھی ہونگے اور میں ملک سب کے لوگوں کو ملک سب سے ذیل کر کے نکال دوں گا۔ اور وہ دیر تک ایسے بدست لشکر کی ماتحتی میں رہیں گے۔ (صاغر اسم فاعل ہے جو دوام پر دلالت کرتا ہے)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس بدیر پر ناواض ہونا درحقیقت اس لئے تھا کہ پرانے زمانہ میں بادشاہوں کا یہ طریق تھا کہ وہ زیادہ زبردست بادشاہوں کا مونس و رفعت سے بزد کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے جب بقیس کے حوالے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہنچے تو انہوں نے سمجھا کہ اُس نے مجھے بھی ایسا ہی بد اخلاق اور رفعت تو سمجھا ہے۔ اور اُس کے من میں پرنا پسندیدگی کا اظہار کیا۔ یہ وراثت کی پیشکش ایسی ہی تھی جیسے مسلمانوں نے جب ایران پر حملہ کیا تو بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا۔ کہ میرے یقین نہیں کر سکتا کہ عرب کے رہنے والے

آتھا جو کہ میں اس کا دلائل بالذکر والظہیر یعنی رسوا شدہ۔ وہ شخص جو ذلت اور ظلم پر راضی ہو جائے گویا یہ لفظ صفا سے ہے جس کے معنی ذلت اور ظلم کے ہیں (اقرب)

تفسیر :- جب درباری اپنا مشورہ پیش کر چکے تو ملک سب نے کہا کہ تمام حالات پر غور کرنے کے بعد میں نے یہ سوچا ہے کہ میں انہیں ایک تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتوں کہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کیا جواب لاتے ہیں پھر اُس نے ایک تحفہ ہد ہد کے سپرد کیا۔ یہ چڑیا اپنی چونچوں جو معزز تحفہ لے گئی ہوگی معزز قادیں خود ہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں حضرت سلیمان نے بھی اس تحفہ کو دیکھتے ہی کہا کہ کیا تم یعنی ملک کے ملک والے لوگ میری مان سے حد کرنا چاہتے ہو۔

ہد ہد کی چونچ میں ایک دھیلے کا دوسرا حصہ بھی لایا ہوگا جب وہ تحفہ حضرت سلیمان کے آگے رکھا گیا ہوگا تو ان کو کسی طرح فوری طور پر یقین آگیا ہوگا کہ ملک سب کے پاس ہر قسم کا مال موجود ہے۔ مگر خیر ہد ہد جو کچھ لایا ہوگا اس کو ہم خوب سمجھ سکتے ہیں۔ پتا چلے کہ اسے دیکھ کر حضرت سلیمان نے کہا کہ یہ کیا تحفہ میرے پاس لائے ہو۔ انہوں نے اس سے بہتر چیزیں مجھے دے رکھی ہیں انبار

لَقَوِيَّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ

قدرت رکھنے والا اور امانت دار ہوں۔ (اس پر) اُس شخص نے جس کو (الہی) کتاب کا علم حاصل تھا کہا کہ

أَنَا أَرْبُوكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ

میں تیرے پاس اس وقت تک رہوں گا کہ تیرے آنکھ جھپکنے سے پہلے اُس کا۔

فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ

پس جب اُس نے (یعنی سلیمان نے) اُس کو پاس رکھا ہوا دیکھا۔ تو اُس نے کہا۔ یہ میرے رب کے فضل

فَضْلِ رَبِّي ۖ لِيَبْلُوَنِي ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ

کی وجہ سے ہوا ہے۔ تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو

شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ

شکر کرے وہ اپنی جان کے فائدہ کے لئے ایسا کرتا ہے۔ اور جو ناشکری کرے تو یقیناً

تھے اور اپنی ماؤں سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ میں
تبارداً لحاظ کرتے ہوئے تمہارے ہر سپاہی کو ایک ایک
اشرفی اور ہر افسر کو دو دو اشرفی دو لگا۔ تم واپس
پلے جاؤ۔ اور حملہ کا ارادہ ترک کر دو۔ اُس صحابی نے
جواب دیا۔ بادشاہ! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہماری یہی
حالت تھی۔ ہم گوہیں کھاتے تھے اور ماؤں سے نکاح
کر لیا کرتے تھے۔ لیکن اب ہماری وہ حالت نہیں رہی۔

اب خدا تعالیٰ نے ہم میں اپنا ایک وصول مبعوث کیا کہ
جس نے ہمارا نقشہ ہی بدل کر دکھ دیا ہے اور اُس نے
ہمیں حلال اور حرام کی تمیز سکھا دی ہے۔ اب وہ زمانہ
چلا گیا جب لوگ ہمیں رشوت دے کر اپنی بات منوا
لیتے تھے۔ اب جب تک ہم تمہارا ملک نفع نہ کر سکیں
پہچھے نہیں بیٹیں گے۔ بادشاہ نے کہا۔ میں تمہیں اس
گستاخی کی سزا دوں گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے ایک سپاہی

میرے ملک پر حملہ آور ہوئے ہوں۔ وہ تو نہایت ذلیل
لوگ ہیں۔ انہیں میرے ملک پر حملہ آور ہونے کی کیسے
جرات ہو سکتی ہے۔ تم اُن کے جرنیل کو پیغام دو۔ کہ
مجھ سے آکر ملے۔ چنانچہ اُس کا پیغام میرا سلامی جرنیل
کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اپنے ایک صحابی افسر کو ایک
دستہ کے ہمراہ بادشاہ ایران کے پاس بھیج دیا۔ صحابہؓ
کے ہاتھ میں بڑے بڑے نیزے تھے اور دربار میں لاکھوں
روپے کی قالینیں بھیچی ہوئی تھیں۔ صحابہؓ اُن قالینوں پر
اپنے نیزے مارتے ہوئے گزر گئے۔ بادشاہ کو سخت غصہ
آیا کہ لاکھوں روپے کے قالین ہیں لیکن یہ لوگ ان پر
نیزے مارتے ہوئے آ رہے ہیں۔ جب وہ صحابیؓ قریب
پہنچ گئے تو بادشاہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا
کہ تم لوگوں کو مجھ پر حملہ آور ہونے کی کس طرح جرات ہوئی
تم لوگ تو بس قدر ذلیل تھے کہ تم گوہ کو گوشت کھا کر تھے

رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ

میرا رب بے نیاز (اور بڑی سخاوت کرنے والا ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ اس (یعنی ملکہ) کیلئے اسکا عرش خفیہ کر کے دکھاؤ۔ ہم نہیں گئے کہ

أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۳۲﴾

کیا وہ ہدایت پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے بنتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے۔ ۳۲

کلمہ حل لغات: - الْغُفْرَانِيَّةُ کے معنی میں النَّافِذُ فِي الْأَمْرِ الْغُفْرَانِيَّةُ مَعَ ذَهَابٍ - کسی کام کو کر گزرنے والا - الْغَيْثُ الْمُنْكَرُ - بُرّا - اور ناپسندیدہ (اقرب)

تفسیر: - پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس کو لائے ہوئے شخص سے تو کچھ نہیں بٹا کوئی اور جبرِ مَلَكُوتِ - اور فرمایا - اے میرے سردار و پیشتر اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس فرما ہوا ہو کہ اُس ملکہ کا تخت کون میرے پاس لائے گا۔ وہ لوگ جو خاص باڈی گارڈ تھے ان کا ایک سردار بولا کہ آپ کے چڑھائی کرنے سے پہلے میں وہ تخت لے آؤں گا۔ چونکہ وہ سردار لشکر تھا، اُس کو پتہ تھا کہ اس لشکر کا جہاں گئے عرصہ تک چلاؤ ہوگا۔ اس لئے اُس نے اندازہ کر لیا کہ اتنے دنوں میں ملکہ کو مرعوب کر کے وہ تخت لایا جاسکتا ہے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ میں ایک طاقتور سردار ہوں اور اس جھوٹے سے ملک کی فوج میرا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور میں آپ کا مطیع بھی ہوں۔ اس مال کچھ لانے میں کسی قسم کی غافلت مجھ سے نہیں ہوگی۔ لیکن ایک اور شخص جس کو دینی ظلم حاصل تھا اُس نے کہا کہ آپ کے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے میں وہ تخت لے آؤں گا۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ طوط کے معنی خراج کے ہوتے ہیں۔ مگر میری نظر اب تک یہ معنی نہیں گزرتے۔ اس لئے جب تک وہ

بلا یا اور اُسے حکم دیا کہ ایک ہوا مٹی سے بھر کر لاؤ جب وہ مٹی کا بورا لے آیا تو اُس نے سلمان افسر سے کہا۔ آگے آؤ۔ وہ آگے آگئے۔ اُس نے کہا۔ نیچے جھکو۔ امیر وہ نیچے جھک گئے۔ اُس نے مٹی کا بورا اُس کی پیٹھ پر رکھ دیا اور کہنے لگا۔ جاؤ میں اس بورے سے زیادہ تمہیں کچھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے تمہیں اشرافیاں پیش کی تھیں۔ لیکن تم نے انہیں قبول نہ کیا۔ اب تمہیں اس مٹی کے بورے کے سوا اور کچھ نہیں مل سکتا۔ وہ صحابی بورا اٹھا کر جلدی سے باہر نکل گئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا آ جاؤ۔ بادشاہ ایران نے اپنی امانت زمین خود اپنے ہاتھ سے ہمارے سپرد کر دی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لٹکائی تو لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مشرک تو ذیبی ہوتا ہے۔ ایران کے بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو اُس نے لوگوں سے کہا جلدی جاؤ اور اُس سلمان افسر سے مٹی کا بورا لے آؤ۔ یہ تو بڑی بدشگونی ہوئی۔ کہ میں نے اپنے ملک کی مٹی اپنے ہاتھ سے اُن کے حوالے کر دی۔ لیکن وہ اُسوقت تک بہت دُور نکل چکے تھے۔

ملکہ سبانی بھی چاہا کہ کچھ ہدیے اور تحائف بھیجا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس حملہ سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ مگر انہوں نے ان تحائف کو رد کر دیا۔ کیونکہ وہ تحفہ نہیں تھے بلکہ ایک رشوت تھی۔

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَزَّيْشِكُمْ قَالَتْ

ہیں جب وہ آگئی تو کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے! اور اُس نے کہا۔

كَأَنَّهُ هُوَ ۖ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا

کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے اور ہم کو اس سے پہلے ہی علم حاصل ہو چکا تھا اور ہم (تیسرے)

مُسْلِمِينَ ﴿۲۴﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ

فرما برابر بن چکے تھے۔ اور اس (یعنی سلیمان) نے ملکہ کو اللہ (تعالیٰ) کے سوا پرستش کرنے سے

میرے رب کا فعل ہے کہ اُس نے ایسے ہوشیار
افسر مجھے عطا کئے ہیں اور میری ہر تہمت پوری ہو جاتی
ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ میں اُس کا
شکر گزار بندہ بننا ہوں یا ناشکر۔ اور چونکہ
سودہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا كَفَرْنَا
مُسْلِمِينَ اِس لئے قرآن کریم نے ہی اس بات کی
وضاحت کر دی کہ ان انعامات کے نتیجہ میں سلیمان
شکر گزار بنا تھا ناشکر نہیں بنا تھا۔

پھر فرماتا ہے کہ شکر گزار بننا خود انسان کے لئے
فائدہ بخش ہوتا ہے اور ناشکر گزار ہونے سے اللہ تعالیٰ
کو کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی ذات پر کامل
ہے اور اسے کسی کی احتیاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی شکر گزاری کے
جذبات کا اظہار کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام
نے پھر پہلے مضمون کی طرف رجوع کیا اور فرمایا کہ نیکو
لکھا عرش تھا۔ یہ تخت جو تم لائے ہو ہے تو اچھا لیکن
میں یہ چاہتا ہوں کہ اُس کے تخت سے بھی زیادہ اچھا
تخت ہو۔ پس تم ملکہ کے لئے اُس کے تخت کو حقیر بنا دو
یعنی ایسا تخت بناؤ کہ اُسے اپنا تخت حقیر نظر آنے
لگے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ اس بات کو

مننے نہ میں میں تو یہی کہوں گا کہ اس فقرہ کے وہی
مننے میں جو عام طور پر بول چال میں استعمال ہوتے
ہیں۔ یعنی جلدی کے۔ چنانچہ جب کسی کام کے جلدی
کرنے کا ذکر کرنا ہو تو یہی کہا کرتے ہیں کہ آنکھ جھپکنے
میں یہ کام ہو جائیگا۔ یا آنکھ جھپکنے سے پہلے یہ
کام ہو جائیگا۔ پس جب ایک سردار نے یہ دعویٰ
کیا کہ وہ ملکہ سبا کا تخت اُس کی فوج سے لے لے گا
کہ اس لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے لاسکتا ہے۔ تو
ایک یہودی عالم بول پڑا اور اُس نے کہا کہ وہ تخت
نہیں اس شخص کے تخت لانے سے بھی پہلے حاضر کر
دیتا ہوں۔ یعنی جتنی دیر میں یہ غیر یہودی سردار یا
ادبی یا عرب سردار کام کرے گا اُس سے پہلے میں یہ
کام کر لوں گا۔ یعنی ایک نیا اور اعلیٰ درجہ کا تخت
بنا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دوں گا
اور چونکہ وہ یہودی کا ملک تھا۔ اس لئے عبرانی عالم
کو یقین تھا کہ یہودی ماہرین صنعت میرے لئے
بہت جلد یہ کام کر دیں گے۔ پس اُس نے عفریت
سے بھی پہلے عرش لانے کا وعدہ کیا۔ جب
حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے یہ تخت پیش
کیا گیا۔ اور آپ نے اُسے دیکھا تو فرمایا۔ یہ

دُونِ اللَّهِ إِنَّمَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

رد کا ۔ وہ یقیناً ۔ کافر قوم میں سے تھی ۱۸

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَ

اور اُسے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ ۔ پس جب اُس نے اس (محل) کو دیکھا تو اُس کو گہرا بانی سمجھا اور

كَشَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۚ

گھبرا گئی ۔ تب اُس (یعنی سلیمان) نے کہا ۔ یہ تو محل ہے جس میں شیشے کے ٹکڑے لگائے گئے ہیں ۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ۖ وَاسْلَمْتُ مَعَ

تب وہ (ملکہ) بولی ۔ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ۔ اور میں سلیمان کے ساتھ

سَلِيمٍ ۚ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۸﴾

رب العالمین خدا پر ایمان لاتی ہوں ۔ ۱۸

۱۹ محل لغات: الْمَرْدُ: ... الْقَصْرِ:

محل - (۱) محل بناؤ عمارت - ہر اونچی عمارت (اقرب)

أَجَلَةً: نَجَّةً کے معنی میں مُخْطَرُ الْمَوْتِ ۔

گہرا بانی - الْمُرَادُ: اُئِمَّة - الْفَعْلَةُ: چاندی (اقرب)

مُمرَّدٌ: مُرَدَّ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور

مَرْدُ الْبِنَاءِ کے معنی میں مَلْسَبَةٌ وَ مَوَاقِفُ عمارت

کو درست اور عمدہ اور نرم بنایا ۔ (اقرب) پس

مُمرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ کے معنی ہیں جس پر شیشے لگائے

گئے ہوں ۔ اب اُسے نازک بنایا گیا ہے ۔

قَوَارِيرَ: قَادُورَةٌ کی جمع ہے اور قَادُورَہ کے

معنی شیشے کے ہیں (اقرب) پس قَوَارِيرَ کے معنی ہونگے

شیشے ۔

تفسیر: مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان

عزیز السلام غداً بقیس سے شادی کرنا چاہتے تھے ۔ مگر

دیکھ کر تسلیم کر لیتی ہے کہ نہیں کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کے بڑے

نفل میں یا اپنے گھمنڈ پر قائم رہتی ہے ۔

۱۸ تفسیر: جب ملکہ آگئی تو اُس سے

کہا گیا کہ یہ تخت جو ہمارے بادشاہ کے پاس بڑا ہے

کیا تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے ۔ اس پر اُس کا گھمنڈ

اس کے راستہ میں حائل ہو گیا ۔ اور بجائے یہ کہنے کے کہ یہ

تو اُس سے بہت اعلیٰ ہے اُس نے کہا ۔ یوں معلوم ہوتا ہے

کہ گویا یہ ویسا ہی تخت ہے ۔ مگر پھر کہنے لگی اِن تدبیروں

کی کیا ضرورت تھی ۔ ہم تو سلیمان کے دربار کے حالات

مُن کر پیسے ہی معلوم کر چکے ہیں کہ اُس کا دین سچا ہے ۔

اور ہم فرمانبردار بن چکے ہیں ۔

تب حضرت سلیمان نے اُس کو اُن چیزوں کی پریش

کرنے سے روکا جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتی

تھی اور اُسے وعظ و نصیحت کی کیونکہ وہ کافر قوم میں تھی

۳
ع
۱۸

الْقَصْرِ

نَجَّةً

مُمرَّدٌ

قَوَارِيرَ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنْ عِبُدُوا

ادہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو ضرور رسول بنا کر بھیجا تھا۔ (یہ کہتے ہوئے) کہ اللہ تعالیٰ

اللَّهُ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۹﴾ قَالَ يَقَوْمِ

کی عبادت کرو۔ پس وہ مشتے ہی دو گروہ ہو گئے جو آپس میں جھگڑنے لگے۔ اُس (یعنی صالح) نے کہا اے میری قوم!

تعلق ہے نہ عرفان سے اور نہ خدا تعالیٰ کے انبیاء سے
لفو کا کم کیا کرتے ہیں۔ اصل بات صرف اتنی ہے۔ کہ
ملکہ سہا ایک مشرکہ عورت تھی اور سودج پرست
تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ شرک
چھوڑ دے۔ اس کے لئے آپ نے اُسے زبانی بھی نصیحت
فرمائی۔ مگر پھر آپ نے چاہا کہ عللاً بھی اس کے عقیدہ
کی غلطی اُس پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اس کے لئے آپ نے
یہ طریق اختیار کیا کہ اُس کے قیام کے لئے آپ نے
ایک ایسا عمل تجویز فرمایا جس میں شیشہ کا فرش تھا اور اُس
کے نیچے پانی بہتا تھا جب ملکہ اُس کے فرش پر سے گزرتے
تھے تو اُسے شبہ ہوا کہ یہ پانی ہے اور اُس نے جھٹ اپنی ہڈیوں
پر سے کپڑا اٹھایا یا اُسے دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔

دکھت عت ساقی کے یہ دونوں معنی ہیں (اِس پر حضرت
سلیمان علیہ السلام نے اُسے تسلی دی اور کہا کہ بی بی! دھوکا
مست کھاؤ۔ جسے تم پانی سمجھتی ہو یہ تو دراصل شیشہ کا
فرش ہے اور پانی اُس کے نیچے ہے۔ چونکہ پیسے آپ
دلائل سے شرک کی غلطی اُس پر واضح کر چکے تھے اُس نے
خود سمجھ لیا کہ انہوں نے ایک عملی مثال دے کر مجھ پر
شرک کی حقیقت کھول دی ہے اور سمجھایا ہے کہ جس طرح
پانی کی جھلک شیشہ جیسے تجھ نظر آئی ہے اور تو نے اسے
پانی سمجھ لیا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کا نور اجرام فلکی میں
جھلک رہا ہے۔ چنانچہ اِس دلیل سے وہ بڑی متاثر ہوئی
اور بے اختیار کہہ اٹھی کہ رَبِّ ارْنِي ظِلْمَتِي نَفْسِي

اُن کو جنوں نے خبر دی کہ اُس کی پندلیوں پر بکری کی طرح
بال ہیں۔ انہوں نے اس بات کی تحقیق کے لئے ایک
عظیم الشان عمل بنایا۔ اور اس میں ایک بہت بڑا حوض
کھدوا کر اُسے پانی سے لبریز کر دیا اور پھر اُس پر
پورے ٹکڑوں کا ایسا فرش بٹھایا کہ انسانی نگاہ دھوکا
کھا جائے اور وہ یہ سمجھے کہ صحن میں پانی بہ رہا ہے۔ جب
یہ عمل تیار ہو گیا۔ تو انہوں نے بقیں کو وہ محل ٹھہرنے
کے لئے پیش کیا۔ جب وہ صحن میں سے گزرنے لگی۔ تو
چونکہ فرش پر شیشہ لگا ہوا تھا اور اُس کے نیچے پانی
بہ رہا تھا۔ اُس نے سمجھا کہ سچ کچ پانی بہ رہا ہے اور
گھبرا کر اُس نے اپنے کپڑے اُس لئے اور پندلیاں نشی
کر دیں۔ اس طریق سے آپ نے معلوم کر لیا کہ واقعہ میں
اُس کی پندلیوں پر بال موجود ہیں۔ اور پھر آپ نے ایک
بال صفا پوڑ تیار کیا جس سے اُس کے بال دور ہوئے۔
بعد کہتے ہیں۔ پندلیوں کے بال دیکھنے کے لئے حضرت

سلیمان علیہ السلام نے اس قدر انتظام کرنا تھا اس بات
پر ہے کہ چونکہ انہوں نے ملکہ کا تخت منگوا یا تھا انہیں
خیال آیا کہ تخت منگوانے سے بری سبکی ہوئی ہے۔
چنانچہ اس سبکی کا ازالہ کرنے کے لئے آپ نے یہ عمل کروایا
تاکہ اپنی وقعت قائم کر سکیں۔ مگر کیا دنیا کا کوئی بھی سمجھدار
انسان کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں ایسی اہم ہیں کہ ان کا
ذکر خدا تعالیٰ کے کلام میں اور خصوصاً آخری منزلت کے
حائل کلام میں ہونا چاہیے تھا۔ ان باتوں کا تو نہ دین

لَمْ تَسْتَعِجِلُونِ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا

تم خوشحالی کے آنے سے پہلے خراب حالی کے لئے کیوں جلدی کرتے ہو؟ کیا تم خدا (تعالیٰ)

تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۷﴾ قَالُوا أَطِیرْنَا

ہے اپنے گنہگاروں پر استغفار نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ انہوں نے کہا (اے صالح!) ہم نے (جبنا سوا جا ہے)

بَلَّكَ وَیَمَنْ مَعَكَ ۚ قَالَ طَیِّرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ

بجھے اور تیرے ساتھیوں کو منحوس ہی پایا ہے (یعنی تم لوگ اپنی قوم کے لئے کسی ترقی کا نہیں بلکہ تباہی کا موجب ہوئے) اُس (یعنی صالح)

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۳۸﴾

نہے کہا۔ تمہاری قومیت کا سبق اللہ کے پاس جو حقیقت ہے کہ تم ایک ایسی قوم ہو جس کو آزمائش میں ڈالائی ہو ۳۸

پر چل۔ اسی طرح کہتے ہیں ہُوَ مِیْمُونٌ الطَّائِرُ۔
اور مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ مبارک چہرے والا ہے۔
اسی طرح انسانی اعمال کو بھی خواہ وہ اچھے ہوں یا
برے طائر کہتے ہیں۔ اور ستارے کو بھی طائر کہتے
ہیں کیونکہ ستاروں سے بھی نعمت اور بھلائی کے
حالات معلوم کئے جاتے ہیں۔ (اقرب)

تَفْتَنُونَ : فُتِنَ الرَّجُلُ فِی دِیْنِهِ کے معنی
ہوتے ہیں مَالِ عِنْدُ۔ اپنے دین سے علیحدہ ہو گیا اور
فُتِنَ مُلَاقَ کے معنی ہوتے ہیں اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ۔
فَدَهَبَ مَالُهُ دَعْفَةً : اس پر کوئی مصیبت نازل ہوئی
جس کی وجہ سے اُس کا مال یا اُس کی عقل جاتی رہی۔
تفسیر: حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ
کے بعد اللہ تعالیٰ ثمود کا ذکر فرماتا ہے۔ یہ قوم یہودی
ترقی کے زمانہ سے پہلے گذر چکی تھی اور حضرت موسیٰ کے
قریب زمانہ کی تھی۔ مگر اس کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام
کے ذکر کے بعد اور اُن کے واقعہ سے ملا کر اس لئے کیا
گیا ہے کہ ثمود کی قوم کا بہت سا علاقہ حضرت سلیمان

وَأَسْلَمَتْ مَعَهُ سَلِیْمَتٌ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ یعنی لے بیڑ
رَبِّ میں نے ترک کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ اب میں
سلیمان کے ساتھ یعنی اُس کے دین کے مطابق اُس خدا پر
ایمان لاتی ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے اور صوبہ
اور چاند وغیرہ بھی اُسی سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

۳۷ حل لغات : - اَطِیرْنَا اصل میں
تَطِیرَے ہے اور اس میں قلب اور ادغام کا قاعدہ
استعمال ہوا ہے اور تَطِیرَ کے معنی ہیں تَشَاوَمَ یعنی
نحومت کا اندازہ لگایا یا نحومت محسوس کی۔ اہل عرب
کہتے ہیں اَطِیرَہ وَ اَطِیرَ مِنْہُ اور مطلب یہ
ہوتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے نحومت
کے آثار دیکھے۔ (اقرب)

طَائِرُكُمْ : طائر کے معنی پرندے کے ہیں۔
لیکن عرب لوگ چونکہ پرندوں سے شگون لیا کرتے تھے
اس لئے شگون کے لئے بھی طائر کا لفظ بول لیا جاتا ہے
چنانچہ مسافر کو نصرت کرتے وقت دعا کے طور پر کہتے
ہیں سَمِعْنَا عَلَى الطَّائِرِ الْخَمِیْمُونَ۔ مبارک شگون

اَطِیرْنَا
تَفْتَنُونَ

طَائِرُكُمْ

میلہ السلام کے ماتحت آگیا تھا۔

قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں کہ تاریخوں کے لحاظ واقعات بیان کرے۔ قرآن کریم مذہب اور تمدن کی کتاب ہے۔ اس لئے مذہب اور تمدن کے لحاظ سے جو واسطے مختلف قوموں میں تھا اس کے لحاظ سے وہ ان کا ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ نمود جو پہلے گندے تھے مگر ان کا علاقہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت آگیا تھا اور یہودی تمدن نے ان پر اثر ڈال لیا تھا لہذا انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت قبول کر لی تھی اس لئے ان کی قوم کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوم کے بعد کر دیا گیا۔ کیونکہ درحقیقت جن لوگوں کا نام چیتا رکھا گیا ہے وہ نمود کی قوم کے ہی لوگ تھے۔ جنہیں ایک غیر قوم کے افراد ہونے کی وجہ سے جن کہہ دیا گیا میں چونکہ ان کی زنجیر یہودیوں کی زنجیر میں مل گئی تھی اور ان کا ایک ادنیٰ حصہ ہو گئی تھی اس لئے ان کا ذکر یہودیوں کے ذکر کے بعد کیا گیا۔

قوم نمود کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کے بنی حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں توحید کی تعلیم دی تھی۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ اس کی آواز کو سننے اور اس پر تدبیک کہتے انہوں نے جھگڑا اور فساد شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں ددگروہ ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے تو حضرت صالح علیہ السلام کو مان لیا۔ اور کچھ لوگوں نے انکار کر دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ نمود عاد کے قائم مقام تھے اور یہ لوگ عرب کے جنوب سے بڑھتے ہوئے عرب کے شمال کے تمام علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ ادبعت ہی مودعہ قوموں کا ان سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ "فتوح الشام" کا مصنف ابو اسنعلین لکھتا ہے کہ نمود قوم بصری سے لے کر دجہل شام کا ایک شہر ہے، علاوہ

پھیلی ہوئی تھی اور وہیں ان کی حکومت تھی۔ پھر حمیر اور سبا کی طاقت کے زمانہ میں جب ان کو ہجرت کرنی پڑی تو اس وقت وہ جنوبی شمال کو نکل گئے۔ چنانچہ پہلے حجاز پھر تہامہ اور پھر عجم میں چلے گئے۔ پس وہ لوگ جو توحید کے زیر اثر تھے انہوں نے تو حضرت صالح علیہ السلام کو مان لیا۔ مگر جو توحید سے دور علاقہ کے رہنے والے تھے انہوں نے آپ کی سخت مخالفت کی حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں سمجھایا مگر بجائے اس کے کہ یہ نصیحت حاصل کرتے انہوں نے کہا اے صالح! ہم تو تجھے مبارکباد سمجھتے ہیں۔ ہمیں تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ تیری تعلیم سے جو ہماری قوم میں تفرقہ پیدا ہوا ہے یہ ہماری قوم کو تباہ کر دیگا۔ ان نادانوں نے یہ نہ سمجھا کہ صالح ہمیں زندہ کرنے کے لئے آیا ہے۔ یہ ہمیں تعزیرات سے اٹھا کر باہر رخت پر پہنچانے کے لئے آیا ہے۔ انہوں نے صرف یہ دیکھ کر کہ صالح کے آنے سے قوم کے اندر ایک ہلچل پیدا ہو گئی ہے اور کچھ لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ ہم ایک غلط راستہ پر چل رہے تھے اب ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور برے اعمال سے اجتناب اختیار کرنا چاہیے۔ یہ کہنا شروع کر دیا کہ قوم میں یہ بگاڑ صرف صالح کی غمخیز کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اگر صالح نہ آتا تو ہماری کمیہ کو یہ صدمہ نہ پہنچتا۔ حالانکہ مردہ انسان خواہ لاکھوں بھی ہوں دنیا میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا کرتے۔ تغیر ہمیشہ زندہ وجودوں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے خواہ ان کی کتنی ہی قلیل تعداد کیوں نہ ہو۔ صالح کے آنے سے پہلے وہ لوگ مردہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کے ذریعہ ان کی اصلاح کا سامان کیا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ اس سامان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے انہوں نے حضرت صالح کو قوم کا بڑا عرق کرنے والا

قرار دیدیا۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے توحید کے قیام کے لئے کھڑا کیا تھا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی قوم نے نفرتہ انداز قرار دیا تھا۔ اسی طرح کفار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قوی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والا قرار دیا۔ بلکہ وہ ایک دفعہ حضرت ابوطالب کے پاس محض اس لئے آئے کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں اور انہیں توحید کی اشاعت سے روکنے کی کوشش کریں۔ کفار مکہ کی یہ گھبراہٹ بالکل بے بی ہی تھی جیسے حضرت صالح کے زمانے میں ان کے مخالفین نے جب انہیں توحید کی تعلیم دیتے دیکھا تو انہوں نے بڑا کر حضرت صالح کو منحوس اور سبز قدما کہنا شروع کر دیا۔ مگر نہ حضرت صالح نے خدائے واحد کا پیغام پہنچانا ترک کیا اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم ترک کی۔ اور آخر اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک دن مردہ عرب زندہ ہو گیا۔ آخر ایک زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہوتا ہے یہی فرق ہوتا ہے کہ مردہ کو کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے اس کے کسی عزیز ترین وجود کو گالی دی جائے یا اسے قتل کر دیا جائے وہ دفاع کے لئے کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ نہ اس ظلم کا اسے کچھ احساس ہوتا ہے لیکن زندہ انسان اپنے نفع اور نقصان کو بھی سمجھتا ہے۔ اور دوسروں کے حقوق کے لئے بھی جدوجہد کرتا ہے۔ یہی کیفیت ردعانی مردوں میں بھی پائی جاتی ہے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ہر قسم کے مظالم دیکھتے ہیں لوگ ان کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں دھوکہ بازیاں کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر انہیں پرواہ تک نہیں ہوتی مگر جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی دنیا میں آتا ہے تو وہ کہتا ہے اگر تم کسی کو جھوٹ بولتے دیکھو تو اسے منع کرو۔

اگر کوئی ظلم کر رہا ہو تو اسے ظلم سے روکو۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب مومن کوئی بُری بات دیکھے تو ہاتھ سے اس کا ازالہ کرے۔ اور اگر ہاتھ سے ازالہ نہ کر سکتا ہو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے۔ اور اگر زبان سے بھی نہ روک سکتا ہو تو اپنے دل میں ہی بُرا منائے۔ مگر ردعانی مردوں میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جاتیں۔ وہ بُرائی ظلم اور جھوٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر نہ تو وہ ہاتھ سے اس کا ازالہ کرتے ہیں نہ زبان سے کسی کو منع کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کے بُرے فعل پر اپنے دل میں ہی بُرا مناتے ہیں۔ بے شک بعض دفعہ وہ دکھادے کے طور پر زبان سے کہہ بھی دیتے ہیں۔ مگر کہتے وقت ان کے چہرے پر غیرت کے آثار نہیں پائے جاتے۔ مگر زندہ انسان کی یہ علامت ہے کہ اس کے اندر ان تینوں باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ وہ بُری بات کو دیکھ کر یا تو ہاتھ سے اس کا ازالہ کرے گا۔ یا زبان سے دوسرے کو روکے گا۔ اور یا پھر دل میں ہی بُرا منائیگا۔

اس کی ایک نمایاں مثال حضرت عثمان بن مظعون کا واقعہ ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون چھوٹی عمر میں ہی اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ تو عثمان بن مظعون نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا۔ جب وہ تیار ہوئے تو مکہ کے ایک رئیس نے ان سے کہنا کہ تمہارا باپ میرا دوست تھا اور وہ میری بھائی بنا ہوا تھا۔ اگر تم اس درجے سے ہجرت کر رہے ہو کہ لوگ تمہیں تکلیفیں دیتے ہیں تو میں سارے شہر میں اعلان کر دیتا ہوں کہ عثمان آج سے میری پناہ میں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ حضرت

تھا اُس کو ایک اٹھارہ سالہ بچے کا داد دینا چھٹا اور اُس نے رؤساء سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے مکہ والو! کیا تم میں اب کوئی ادب باقی نہیں رہا۔ اس لڑکے نے مجھے کیوں داد دی ہے۔ اس کا داد دینا جاتا ہے۔ کہ اب تم میں اپنے شاعروں کا کوئی ادب باقی نہیں رہا۔ اس پر لوگوں نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو ڈانٹا اور انہیں کہا کہ بڑوں کی مجلس میں بولنے کا نہیں کوئی حق نہیں۔ تم خاموش بیٹھو اور شعر سنو۔ اس کے بعد لبید نے اُسی شعر کا اگلا مصرع پڑھا کہ

وَحُلَّ نَعِيمٌ لَمْ مَحَالَةَ زَائِلٌ

یعنی ہر نعمت آخر ایک دن زائل ہونے والی ہے۔ یہ مصرع سن کر حضرت عثمان بن مظعونؓ پھر بول اُٹھے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہوتیں سب وہ شخص جس نے عثمان کے داد دینے پر بھی براہِ نبا تھا وہ اُنکی خدمت کیسے رواشت کر سکتا تھا۔ اُس نے شعر سننے بند کر دیئے اور کہا کہ میں یہی مجلس میں آئندہ کوئی شعر سننے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ اس پر ایک شخص بڑے جوش سے اُٹھا اور اُس نے عثمان بن مظعونؓ کو گھونسا مارا جو سیدھا اُن کی آنکھ میں لگا اور اُن کی ایک آنکھ کا ڈیلا باہر نکل آیا۔ وہ رئیس جس نے پہلے انہیں پناہ دی تھی وہ بھی اُسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا وہ رؤساء کی موجودگی میں اتنی جرات تو نہیں کر سکتا تھا کہ کھلم کھلا عثمان کی حمایت کرتا مگر جیسے کسی نوکر کا بچہ اگر آقا کے بچے سے لڑا پڑے اور آقا کا بچہ نوکر کے بچے کو مارے تو نوکر اپنے بچے کو ہی ڈانٹنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اُس رئیس نے بھی حضرت عثمانؓ کو دیکھا اور غصہ سے کہا۔ میں نہیں کہتا تھا کہ میری پناہ میں سے نکلے۔ اب دیکھا پناہ میں سے نکلنے کا کیا مزہ آیا۔ اب بظاہر تو یہ الفاظ غصہ والے نظر آتے ہیں مگر درحقیقت

عثمان بن مظعونؓ نے اُس کی بات مان لی۔ اور اُس نے دستور کے مطابق اعلان کر دیا کہ میں عثمانؓ کو پناہ دیتا ہوں۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ انہیں تکلیفیں پہنچانے سے رُک گئے۔ اور وہ آزادانہ طور پر ادھر ادھر پھرنے لگے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مکہ کے لوگ دوسرے مسلمانوں پر برا بھلا کہہ رہے ہیں تو اُن کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ وہ آرام سے پھرتے رہیں اور اُن کے بھائی اسلام کی وجہ سے تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ اُس رئیس کے پاس پھر آئے اور کہنے لگے کہ اپنی پناہ واپس لے لو مجھ کو یہ برداشت نہیں ہو سکتا کہ میرے بھائیوں پر ظلم ہو اور میں آرام سے پھروں۔ اُس نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور آخر اُس نے اعلان کر دیا کہ آج سے عثمانؓ میری حفاظت میں نہیں ہے۔ اس اعلان کے کچھ دن بعد عکاظ کا میلہ لگا اور بستیہ جو ایک بہت بڑے شاعر گزرے ہیں انہوں نے ایک مجلس میں اپنا قصیدہ سننا شروع کیا۔ مکہ کے بڑے بڑے علماء اور رؤساء بیٹھے شعر سن رہے تھے اور مجبوم مجبوم کہ اُس کے شعروں کی داد دے رہے تھے کہ بستیہ نے یہ مصرع پڑھا کہ

أَوْ حُلَّ شَيْءٌ مَّا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ

یعنی سنو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہو جائیواری ہر۔ یہ مصرع سنستے ہی حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اونچی آواز سے کہا کہ بالکل درست ہے تم نے سچ کہا ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہو جائیواری ہے۔ وہ شاعر عثمانؓ سے عمر میں بہت بڑا تھا۔ اُس وقت اُسکی عمر اسی سال کے قریب تھی اور بعد میں وہ ایک سو بیس سال کی عمر یا کر فوت ہوا۔ جب اُس نے دیکھا کہ ایک اٹھارہ سال کی عمر کے بچے نے اُس کے شعر کی داد دی ہے تو چونکہ وہ اپنے آپ کو بڑا کہندہ مشن اور نہایت تجربہ کار سمجھتا

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ

اور شہر میں نو آدمی تھے جو ملک میں
فِي الْأَرْضِ وَلَا يَصْلِحُونَ ﴿۳۹﴾ قَالُوا اتَّقُوا رَبَّ لَّهُ

فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم سب اس پر (اللہ تعالیٰ) کی قسم کھاؤ

اندر زندگی کی ایک نئی دُور چھوٹی تودہ دیکھتے ہی دیکھتے
چین، سپین، بھارت، اٹلی، افریقہ اور مدینہ کی سرحدوں
تک جا پہنچے۔ اور اسی آدمی مدینہ بھی نہیں گزرتی تھی
کہ مسلمان ساری دنیا پر چھا گئے۔ یہی وہ زندگی تھی جو
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُن کو عطا ہوئی
اور یہی وہ زندگی تھی جس کا جام ہر نبی کو دیا گیا۔

اور انہوں نے چاہا کہ روحانی لحاظ سے بڑے بڑے
بھی وہ جام اپنے ہونٹوں سے لگا کر ایک نئی زندگی حاصل
کریں۔ مگر اس لئے کہ انہوں نے ایک نیا نظام جاری کرتے ہیں
اور ہر نظام اپنے ساتھ ایک انقلاب دباہت رکھتا ہے
وہ لوگ جو روحانیت کے دشمن ہوتے ہیں اُن کی مخالفت
جو کر رہے ہو جانتے ہیں۔ اور انہیں ہر قسم کی خوشیوں کا
موجب قرار دے دیتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھی ہم
دیکھتے ہیں کہ جب باطنی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی پیشگوئیوں کے مطابق طاعون اور زلزلہ سے اموات
ہوئیں تو گو ایک طبقہ نے ہدایت حاصل کی مگر کچھ لوگوں
نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ یہ بلائیں اور وباؤں محض
مرزا صاحب کی نحوست کی وجہ سے آ رہی ہیں۔ اگر یہ
مہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ
نہ کرتے تو دنیا پر یہ مذاب کیوں آتے۔ یہی بات حضرت
صالح علیہ السلام کے مخالفین نے بھی کہی کہ یہ سب تیری
نحوست کا نتیجہ ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کی
بات مستکر کہا۔ کہ تمہارا نخس اور مبارک شگون تو خدا کا

ان میں محبت کی ایک جھلک پائی جاتی تھی۔ جب اُس دین نے
یہ بات کہی تو عثمان بن مظعون نے جواب دیا کہ اگر میری
ایک آنکھ نکل گئی تو کیا ہوا۔ خدا کی قسم میری تو دوسری آنکھ بھی
اس بات کا انتظار کر رہی ہے کہ اُسے خدا کی راہ میں نکلنے
کا کب موقع ملتا ہے۔ یہ وہی زندگی ہے جو رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحابہؓ کو ملی اور جس نے انہیں
بیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

اس کے مقابلہ میں ابوجہل کے سامنے ہر قسم کے برے کام
کئے جاتے تھے مگر وہ انہیں منہ سے خوشی برداشت کر لیتا تھا۔ ابوجہل
کے برداشت کر لینے اور صحابہؓ کے برداشت نہ کر سکنے کی وجہ
یہی ہے کہ ابوجہل مردہ تھا اور صحابہؓ زندہ تھے۔ پھر صحابہؓ
کی زندگی کا اس امر سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ مکہ کی بنیاد
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے رکھی گئی تھی۔ مگر
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مکہ کے لوگ کوٹھو
کے بیل کی طرح صرف ایک ہی جگہ جکر کاٹتے رہے اور عرب
کبھی باہر نہیں نکلے۔ مگر جو نبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے صحابہؓ میں زندگی کی ایک نئی دُور چھوٹی۔ ایک
قلیل عرصہ میں ساری دنیا پر چھا گئے حالانکہ صحابہؓ انہی
لوگوں کی اولاد تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ
سے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک جو اڑھائی
ہزار سال کا عرصہ بنتا ہے ساکت اور جامد بیٹھے رہے
اور کوٹھو کے بیل کی طرح عرب کے اندر ہی جکر کاٹتے رہے
لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے

لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

کرم اُس کے اور اُس گھروالوں پر رات کے وقت حملہ کرینگے پھر جو بھی اُسکے خون کا مطالبہ کرنے آئیگا ہم اُس سے کہیں گے کہ ہم نے

مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَآنَا لَصَادِقُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَكْرُؤًا مَكَرًا

اُس کے اہل کی ہلاکت دے واقعہ کو نہیں دیکھا اور ہم جتھے ہیں - اور انہوں نے ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ایک

مَكَرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۲﴾ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تدبیر کی اور وہ جانتے نہیں تھے - پھر دیکھ اُن کی تدبیر کا نتیجہ کیا

مَكْرِهِمْ ؕ اَنَّا دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۳﴾ فَبَلَكَ

نکلا - ہم نے اُن کو اور اُنکی قوم کو سب کو تباہ کر کے رکھ دیا - پس (دیکھ) یہ

بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلموں کی وجہ سے گرے ہوئے ہیں - اس میں علم والی قوم کے لئے

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ وَانْجَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۵﴾

بڑا نشان ہے - اور ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے نجات دی - ۲۷

لَنُبَيِّتَنَّهُ

لَنُبَيِّتَنَّهُ : بَيَّتَ سے فعل مضارع جمع شکم کا صیغہ ہے۔ اور بَيَّتَ الَاہِرَ کے معنی ہیں عملہ او ڈبڑا قیلا۔ رات کو کام کیا۔ یا اس کام کے کرنے کے متعلق رات کو تدبیر کی (اقرب) پس نُبَيَّتَنَّهُ کے معنی ہونگے ہم اُس کی ہلاکت کے متعلق رات کو تدبیر کریں گے۔

دَمَرْنَاهُمْ

دَمَرْنَاهُمْ : دَمَر سے جمع شکم کا صیغہ ہے اور دَمَرْنَاهُمْ دَعَلْنَاهُمْ کے معنی ہیں اہلکرم۔ اُن کو ہلاک کیا۔ (اقرب)

خَاوِيَةٌ

خَاوِيَةٌ : خَاوَى سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ اور خَوَاتِ الدَّار کے معنی ہیں مَقَطَّتْ وَتَهَدَّمَتْ - مکان گر گیا اور تباہ ہو گیا اور خَوَاتِ الدَّار کے معنی

کے اقداس ہیں۔ اگر تم اُس کو مزار پر آمادہ کرو گے تو وہ تمہیں مزار دیگا اور اگر انعام پر آمادہ کرو گے تو انعام دیگا لیکن مجھے بھی تمہاری غیر نظر نہیں آتی۔ کیونکہ تم ایک ایسی قوم ہو جو پچھے دین کو چھوڑ بیٹھی ہے۔ اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم مزار ہی پاؤ گے۔

۲۷ حل لغات :- رَهَطٌ - الرَهْطُ کے

معنی ہیں تَوَمُّرُ الرَّجُلِ وَتَبَيُّلَتُهُ - یعنی قوم اور قبیلہ وَعَدَةٌ يُجْمَعُ مِنَ الثَّلَاثَةِ إِلَى الْعَشْرَةِ وَ لَا لَيْسَ فِيْهِمْ اَمْرًا ؕ - اور تین سے دس تک کے عدد کی گنتی جس میں کوئی عودت نہ ہو اسے بھی رَهْطُ کہتے ہیں۔ (اقرب)

ہوتے ہیں خَلَّتْ مِنْ أَهْلِهَا۔ رہنے والوں سے گھر خالی ہو گیا۔ (اقرب)

تفسیر: فرماتا ہے حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس شہر میں مبعوث فرمایا تھا اُس میں قوم ثمود کے نو ائمۃ الکفر رہتے تھے جو رات دن تحریبی سرگرمیوں میں مشغول رہتے تھے اور حضرت صالحؑ کے مشن کو نقصان پہنچانے اور آپ کی اشاعتِ توحید کی مساعی کو ناکام بنانے کی جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ اگر وہ اپنی بُرائی اور عزت کو اصلاحی کاموں میں صرف کرتے اور لوگوں کو صلاحیت اور رشد کے راستہ پر چلانے کی کوشش کرتے تو اُن کی عزت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا۔ مگر انہوں نے اس راستہ پر قدم مارا جو انہیں ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جانے والا تھا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر معاہدہ کرو کہ ایک رات ہم سب مل کر صالحؑ اور اُس کے اہل و عیال پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں گے اور پھر حسب اُس کے درناؤ ہم سے خونبھا مانگیں گے تو ہم اُن سے صاف صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے اِس کے اور اس کے اہل کے قتل کے واقعہ کو دیکھا تک نہیں اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے حضرت صالحؑ کی تباہی کا منصوبہ سوچا۔ مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ آسمان پر ایک خدا موجود ہے جو صالحؑ کی حفاظت کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی تدبیریں کیں مگر اُن کے بالمقابل ہم نے بھی تدبیریں کیں اور وہ ہماری تدبیروں کو کہاں سمجھ سکتے تھے۔ وہ اسی دھوکا میں مبتلا رہے کہ صالحؑ کے قتل کے منصوبے میں انہیں کامیابی حاصل ہو جائیگی۔ اور وہ سمجھ بھی نہ سکے کہ آسمانی تدبیر غالب آ رہی ہے اور اُن کی تدبیر ناکام جا رہی ہے چنانچہ دیکھ لو کہ اُن کی تدبیروں کے باوجود ہم نے اُن کو آدمیوں کو بھی اور اُن کی

قوم کے تمام چھوٹوں اور بڑوں کو بھی جو اس قاتلانہ منصوبہ میں اُن کے شریک تھے یا اُن کی ہمدردی انہیں حاصل تھی اپنے عذاب کا نشانہ بنا دیا اور ان سب کو تباہ و برباد کر دیا۔ تباہی کے سامنے نئی بُجری ہوئی بستیاں اور گرسے ہوئے مکانات اور مکینوں سے خالی مکان موجود ہیں جو لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ہوتا کر رہے ہیں۔ اور اِس میں عقل اور دانش رکھنے والی قوم کے بڑے بھاری نشان ہے۔ مگر جو لوگ صالحؑ پر ایمان لائے تھے اور جنہوں نے تقویٰ اور طہارت میں اپنی عمر بسر کی تھی ہم نے اُنکو اس عذاب سے بچا لیا اور اُن کی ترقی کے سامان پیدا کئے۔

قوم ثمود کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اِن بَنیٰ ذٰلِکَ لَآئِیۃً فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلانی ہے کہ جس طرح حضرت صالحؑ کے قتل کے لئے اُن کی قوم کے نو ائمۃ الکفر نے ایک خطرناک سازش کی تھی اسی طرح مکہ کے نو ائمۃ الکفر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے ہم معاہدہ کر چکے اور آخر وہ اُسی فیصلہ پر پہنچیں گے کہ تمام قبائل مل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیں۔ مگر جس طرح حضرت صالحؑ کے دشمن ناکام رہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ مکہ کے نو ائمۃ الکفر کو بھی ناکام کرے گا۔ اور پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ اور اُن پر ایمان لانے والوں کو نجات دی اور انہیں عذاب کے مقام سے نکال کر لے گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بھی دشمن کے زور سے نکال کر مدینہ لے جائیگا اور آپ کی کامیابی اور فتوحات کا دروازہ کھول دیگا۔

ہر شخص جو تاریخ سے معمولی واقفیت بھی رکھتا ہو جانتا ہے کہ کس طرح یہ پیشگوئی حروفِ بحرف پوری ہوئی جس طرح حضرت صالحؑ کے زمانہ میں نو بڑے بھاری مفسد تھے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

مقابلہ میں تو ہی اُمۃ الکفر تھے۔

(۱) سب سے بڑا مفسد جو گویا رُاس المعادین تھا ابوہل تھا جسے کہ دے، ابوہلکم یعنی دانائی کا باپ کہا کرتے تھے (۲) دوسرا مفسد ابوہلب تھا (۳) تیسرا مفسد امیہ بن خلف تھا۔ (۴) چوتھا مفسد النضر بن الحارث تھا (۵) پانچواں مفسد عقبہ بن ابی معیط تھا (۶) چھٹا مفسد ولید بن مغیرہ تھا (۷) ساتواں مفسد عاص بن داؤد تھا (۸) آٹھواں مفسد عقبہ تھا اور (۹) نواں مفسد شیبہ تھا۔

ان میں سے ابوہل - امیہ - عقبہ بن ابی معیط عقبہ اور شیبہ پانچوں جنگ بدر میں مارے گئے۔ النضر ابن الحارث جنگ بدر میں قید ہوا۔ اور پھر اپنے جرائم کی پاداش میں مارا گیا۔ ولید ہجرت کے تین ماہ بعد پاؤں میں تیر چھبے جانے کی وجہ سے ہلاک ہوا۔ عاص بن داؤد ہجرت کے دوسرے ماہ اچانک پاؤں سوجھ جانے سے مر گیا اور ابوہلب جنگ بدر کے تھوڑا عرصہ بعد مکہ میں بیمار ہو کر ہلاک ہوا۔

ان لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو نقصان پہنچانے اور آپ کو جسمانی رنگ میں بھی ہر رنگ کا دکھ پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی اور پھر انہوں نے ہمیں تک بس نہ کی بلکہ ایک دن قریش مکہ کے تمام رؤساء دارالندۃ میں جمع ہوئے۔ اور انہوں نے کہا کہ اب ہمیں اسلام کے مٹانے کے لئے متحدہ طور پر کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ اور آخر ابوہل کی اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک نوجوان چنا جائے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تلوار دے دی جائے۔ پھر ہر سارے کے سارے اٹھے ہو کر ایک رات محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ جو نیک تمام

قبائل کے چُنیدہ نوجوان اس میں شریک ہونگے۔ اس لئے نبو عبد مناف کو یہ جرات نہیں ہوگی کہ وہ ساری قوم کے ساتھ لڑ سکے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے کہ خوبیاں مانگ لیں۔ سو وہ ہم دے دیں گے۔ غرض انہوں نے یہ تدبیر کی اور اپنے دلی میں خوش ہوئے کہ اب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے مگر جس خدا نے حضرت صدیق اور ان پر ایمان لانے والے غلصین کو دشمنوں کی سازش محفوظ رکھا تھا اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچاؤ کے متعلق بھی تدبیر کی۔ اور ادھر تو وہ یہ منصوبہ کر کے باہر نکلا اور ادھر سے نبی کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیدی اور آپ کو ہجرت کی اجازت مل گئی۔ یہ ہجرت کی اجازت درحقیقت اسلام کے غلبہ کی ایک عظیم نشان فیوضی اسی ہجرت کے نتیجہ میں جنگ بدر کی صورت میں اہل مکہ پر وہ عذاب آیا جس نے ان کی طاقت کو بالکل توڑ کر رکھ دیا۔ اور پھر دوسرا عذاب ان پر اس وقت آیا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار دویوں کے ساتھ مکہ کو فتح کر لیا۔ مکہ والوں پر جو یہ عذاب آیا۔ وہ ان کے لئے نہایت دردناک تھا۔ مکہ کے رؤساء کو لوگوں میں اس قسم کی عزت اور عظمت حاصل تھی کہ لوگ ان کے سامنے بات تک کرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے اور ان کے احسانات بھی لوگوں پر اس کثرت کے ساتھ تھے۔ کہ کوئی ان کے سامنے آنکھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ان کی اس عظمت کا پتہ اس واقعہ سے لگ سکتا ہے کہ مکہ حرم کے موقع پر جس سردار کو مکہ والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے بائوں باتوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا دیا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی نے اپنی تلوار کا گنڈہ اس کے ہاتھ پر مارا اور کہا اپنے ناپاک ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو مت لگا۔

وَلَوْ طَآ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ

اور ہم نے، لو ط کو (یہی قول بنا کر بھیجا) جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم بدیاں کرتے ہو۔ اور تم

تَبْصِرُوْنَ ۝ اَيْنَكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ

دیکھ رہے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کی نیت سے

صلی اللہ علیہ وسلم سے منوانے کی خاطر آپ کی ریش مبارک کو
پھر ہاتھ لگا دیا۔ اور گو آپ کی ریش مبارک کو اُسکا ہاتھ
لگانا بجاغت کے رنگ میں ہی تھا اور اس لئے تھا کہ آپ
وہ اپنی بات منوائے مگر چونکہ اس میں تحفہ کا پہلو بھی پایا
جاتا تھا۔ اس لئے صحابہ اُسے برداشت نہ کر سکے۔ اور
جونہی اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی کو ہاتھ
لگایا۔ پھر کسی شخص نے زور سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر مارا
اور کہا اپنے ناپاک ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
ریش مبارک کی طرف مت بڑھا۔ اُس نے پھر اُنکھ اٹھائی
اور غور سے دیکھا ہا کہ یہ کون شخص ہے جس نے مجھے روکا
اور آخر پہچان کر اُس نے اپنی آنکھیں پھینکی اور کہا ابو بکرؓ
میں جانتا ہوں کہ تم پر میرا کوئی احسان نہیں۔ پس وہ دوسروں
پر اسقدر احسان کرنے والی قوم تھی کہ سوائے حضرت ابو بکرؓ
کے اسقدر انصار اور مہاجر وہاں تھے ان سب پر اُس میں
کوئی نہ کوئی احسان تھا۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے سوا اور
کسی میں یہ جرات نہیں تھی کہ وہ اُس کے ہاتھ کو روک سکے۔
اب ایک تو وہ زمانہ تھا کہ اہل مکہ کو اس قدر عزت
حاصل تھی کہ ان کا ایک سردار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی مجلس میں جاتا ہے اللہ آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا کر
کہتا ہے۔ میں عرب کا باپ ہوں۔ نیز یہی بات مان لو۔ اور
جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو
ہاتھ لگاتا ہے تو سوائے حضرت ابو بکرؓ کے اور کوئی مصیبت
جرات نہیں کر سکتا کہ اُسے روکے۔ کیونکہ اُن میں سے

اُس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا نہ کہ معلوم کرے کہ یہ کون شخص ہے جس نے
میرے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارا ہے۔ صحابہ چونکہ خود پیچھے ہونے
تھے اس لئے ان کی صرف آنکھیں اور اس کے حلقے ہی دکھائی
دیتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر غور کر کے دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔
تم فلاں شخص ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں: اُس نے کہا۔ کیا تمہیں
معلوم نہیں میں نے فلاں موقع پر تمہارا خاندان کو فلاں مصیبت
سے نجات دی تھی۔ اور فلاں موقع پر تم پر فلاں احسان کیا
تھا۔ کیا تم میرے سامنے بولتے ہو۔ اب تو احسان فراموشی
کا مادہ لوگوں میں اسقدر عام ہو چکا ہے کہ کسی پر صبح کو احسان
کر دو تو شام کو بھولی جاتا ہے اور شام کو کر دو صبح کو
بھول جاتا ہے اور کہتا ہے کیا میں اب ساری عمر اسکا غلام
ہی بنا رہوں۔ وہ ساری عمر کے احسانات چھوڑ ایک
رات کے احسان کی قدر تک برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر
عربوں میں احسان مذہبی کا جذبہ کمال پایا جاتا تھا
جب اُس نے اپنے احسانات گنوائے تو گو یہ ایک نہایت
ہی نازک موقع تھا مگر پھر بھی اس صحابی کی نظر میں زمین میں
گرگڑائیں اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اس پر پھر اُس نے رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنی شروع کر دیں اور کہا۔ میں
عرب کا باپ ہوں۔ میں تمہاری منت کرتا ہوں کہ تم اپنی
قوم کی عزت رکھ لو۔ اور دیکھو یہ جو تمہارے ارد گرد جمع ہیں
یہ تو مصیبت آنے پر فوراً بھاگ جائیں گے اور تمہارے کام
آؤ تمہاری قوم ہی آئیگی۔ پس کیوں اپنی قوم کو ذلیل کرتے ہو
یہی دوران میں اُس نے اپنی بات پر زور دینے اور رسول کریم

إِنِّسَاءٌ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۶﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

آئے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم ایک جاہل قوم ہو۔ پس اُس کی قوم کا جواب صرف

قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ

یہ تھا کہ (وہ لوگو!)، لوط کے خاندان کو اپنے شہر سے نکال دو۔

إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۵۷﴾ فَانْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا

وہ ایسے لوگ ہیں جو بڑا نیک بننا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُس (یعنی لوط) کو اور اُس کے خاندان کے لوگوں کو

أَمْرَاتِهِ زَقَدَرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۵۸﴾ وَأَمْطَرْنَا

سوائے اسکی بوی کے نجات دی۔ ہم نے اُس (یعنی بوی) کو پیچھے رہنے والوں میں گن چھوڑا تھا۔ اور ہم نے اُن پر

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۵۹﴾

ایک بارش برسائی۔ اور جن کو عذاب کا پیغام پہنچ چکا ہو اُن کی بارش بہت بُری ہوتی ہے ۲۲

۲۷
ع
۱۹

غَابِرِينَ

۲۲ مل لغات: غَابِرِينَ: غَابِرُ کی جمع

ہے اور غَابِرُ کے معنی ہیں اُنباقی۔ باقی رہنے والا۔ نیز غَابِرُ کے معنی ہیں اَلْخَفْدُ۔ کینہ۔ (اقرب) پس غَابِرُ کے معنی ہونگے باقی رہنے والا یا کینہ رکھنے والا۔

تفسیر:۔ قوم نود کی ہلاکت کے ذکر کے بعد اللہ

تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتا ہے حضرت

لوط علیہ السلام بھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے بہت پہلے گنہگار تھے

یعنی حضرت سلیمان موصیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جو اُن کے مشرک بائیم

علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جن کو لوط پچھاڑا تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ یہاں اس لئے

بیان کیا گیا ہے کہ اُن کے واقعہ کو حضرت صالح علیہ السلام

کی قوم کے واقعہ سے مشابہت ہے حضرت صالح علیہ السلام

کی قوم نے بھی رات کے وقت منصوبہ کر کے اُن پر حملہ

کرنا چاہا تھا۔ اور لوط کی قوم نے بھی رات کے وقت

ہر ایک پر دوسارے کو کوئی نہ کوئی احسان تھا۔ اور یا پھر وہ زمانہ آیا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو یہ تمام دوسارے مجرموں کی طرح آپ کے سامنے پیش کئے گئے اور آپ نے اُن سے پوچھا۔ کہ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے! موت! ان لوگوں نے نہایت ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اپنے سر جھکا لئے اور کہا کہ ہم آپ سے اُسی سلوک کی اُمید رکھتے ہیں جو لوہے نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا مکہ سے نکالا جانا حضرت صالحؑ اور اُن کے ساتھیوں کی طرح بڑی بھاری کامیابیوں اور فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور اسلام مکہ سے نکل کر عرب میں اور پھر عرب نکل کر سارے عالم میں پھیل گیا اور مشرکین مکہ کا نشان تک باقی نہ رہا۔

منصورہ کر کے ان کو گھر سے نکالنا اور ان کے ہماروں کو ذلیل کرنا چاہا تھا۔ یہی مشابہت کی وجہ سے اس واقعہ کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ اور درحقیقت یہ تمام واقعات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے بطور پیشگوئی بیان کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی حضرت ٹوٹ کی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت ٹوٹ کی قوم نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ ان کو ان کے شہر سے نکال دیں۔ یہی فیصلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے بھی کیا تھا اور دونوں کا الزام ایک تھا گو وجوہ مختلف تھے۔ دونوں کہتے تھے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو ہم سے زیادہ پاکیزہ قرار دیتے ہیں مگر ہوا یہ کہ خدا نے ٹوٹ اور اس کے اہل کو موائے اس کی بیوی کے بچا لیا۔ کیونکہ وہ آپ کے مخالفوں میں سے تھی۔ اور وہ آپ کی تعلیم سے کینہ اور بغض رکھتی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بچا لیا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ بھی محفوظ رہے پس اس آیت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ یقیناً آپ کے اہل میں شامل ہیں۔ بیشک حضرت ٹوٹ کے متعلق یہ بھی آتا ہے کہ ان کی بیوی پیچھے رہ گئی۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام چونکہ حضرت ٹوٹ سے بہت بالا تھا۔ اس لئے آپ کی کوئی بیوی ان معنوں میں پیچھے نہیں رہی تھی جن معنوں میں کہ حضرت ٹوٹ کی بیوی پیچھے رہی تھی۔ کوئی بیوی اپنی مرضی سے پیچھے نہیں رہی اور کوئی بیوی دائمی طور پر پیچھے نہیں رہی اور نہ کوئی بیوی کسی عذاب میں مبتلا ہوئی بلکہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں بعد میں مدینہ پہنچ گئیں حضرت سودہؓ اور آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو تو حضرت زیدؓ نے آئے جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف لاتے ہی دواڑٹ اور پانچ سو درہم دیکر لے بھیجا تھا تاکہ وہ آپ کی بیٹیوں اور ازواج مطہرات کو لے آئیں۔ اور حضرت عائشہؓ اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کے

ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ اور اس طرح آپ کی سب بیویاں آپ کے انعامات میں حصہ دار بنیں۔ حضرت ٹوٹ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور ان کو باہر سے آنے والے لوگوں پر ظلم کرنے نساہ کرنے اور جنسی معاملات میں بے راہ روی اختیار کرنے سے منع کیا تو بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتے انہوں نے حقارت سے حضرت ٹوٹ علیہ السلام کے ماننے والوں کے متعلق یہ کہنا شروع کر دیا کہ اَنتُمْ اَناسٌ یَتَطَهَّرُونَ کہ یہ لوگ بڑے نیک بنے پھرتے ہیں۔ یعنی حقیقتاً تو نیک نہیں مگر ہمارے افعال پر اعتراف کرنے کے یہ لوگ اپنی بڑائی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یا یہ ایک ایسا گروہ ہے جو تکلف سے نیکی ظاہر کرتا ہے۔ یعنی نیکی اور تقویٰ کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن دراصل نیک نہیں ہے۔

فَوَاتَا هَـٓذَا مَظْطَرًّا عَلَيْهِمُ مَطَرًا خَسَافًا مَظْطَرُّ الْمُتَنَذِرِينَ۔ ہم نے ان کے جرائم کی پاداش میں ان پر ایک تباہ کن بارش برساتی۔ اور جن کے لئے تباہی اور بربادی کا فیصلہ ہو چکا ہو ان پر نازل ہونے والی بارش بہت ہی ہولناک اور خطرناک نتائج کی حامل ہو کر رہی ہے یہ بارش دراصل پتھروں کی تھی جو ایک خطرناک زلزلہ کے نتیجہ میں ہوئی۔ یعنی زمین کا تختہ الٹ گیا۔ اور مٹی سینکڑوں فٹ اوپر جا کر پھرنے لگی۔ اور اس طرح گویا مٹی اور پتھروں کی ان پر بارش ہوئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس بارش کو عذاب کے طور پر نازل کیا گیا تھا وہ ظاہری بارش بھی تھی جو جنگ بدر کے وقت ہوئی۔ اور ریت اور کنکروں کی بارش بھی تھی جو اسی وقت آئی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بعد کنکروں کی ایک مٹی اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی۔ آپ کا یہ کنکر پھینکنا گویا آسمانی طاقتوں کو ایک اشارہ تھا

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ

تو کہدے ہر تعریف کا اللہ ہی مستحق ہے۔ اور اس کے وہ بندے جن کو اُس نے جن لیا ہو

اصطفٰی اللہ خیر امّا یُشرکون ﴿۶۰﴾

اُن پر ہمیشہ سلامتی نازل ہوتی رہے گی۔ اللہ (تعالیٰ) بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو وہ (اُس کا) شریک قرار دیتے ہیں۔ ۶۰

مستحق ہے جس نے ہر زمانہ میں لوگوں کی ہدایت اور اہل ایمان کے لئے اپنے انبیاء بھیجے۔ کسی زمانہ میں اُس نے مومنوں کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ کسی زمانہ میں داؤد اور سلیمان کو بھیج دیا۔ کسی زمانہ میں حضرت صالح کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا۔ کسی زمانہ میں حضرت نوح کو نبوت کے مقام پر کھڑا کر دیا اور پھر خدا نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کو کبھی اپنی نصرت اور تائید سے محروم نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اُن کے لئے سلامتی نازل ہوتی رہی اور ہمیشہ ہی اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی نازل ہوتی رہتی ہے۔ اب بتاؤ کیا اللہ اچھا ہے جو اپنے بندوں کو بچاتا اور ترقی دیتا رہتا ہے اور جس نے لوگوں کی راہنمائی کئے اپنے کلام اور الہام کا سلسلہ جاری کیا ہو؟ یا یہ معبودان باطلہ اچھے ہیں جن کے ماننے والے ہمیشہ تباہ ہوتے ہیں اور جن کی طرف سے کبھی کوئی رسول اس پیغام کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا کہ مجھے جہنم نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا یا؟ یا لات اور منات نے بھیجا یا ہے اور جس نے اپنے مخالفوں پر غالب رہوں گا۔

سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر ہمیشہ اُس کی طرف سے سلامتی نازل ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے مومنوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جب بھی کسی نبی کا نام لیں تو اس کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ ضوفا کہیں۔

اور آپ نے کنکروں کی مٹھی پھینکی اور ادھر ایک تیز آندھی مسلمانوں کی نشت کی طرف سے چل پڑی اور اُس کے ساتھ ریت اور کنکروں کا ایک طوفان اُٹھا جس نے کفار کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اُن کے تیر بھی ہوا کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں تک پہنچنے سے رک گئے۔ اور میدان کے درمیان میں ہی بے کار اور بے فائدہ ہو کر گر گئے اور اس طرح کفار کھدے پر وہ عذاب آگیا جو قوم کو طوفان کی مشابہت میں اُن پر نازل ہوا تھا۔ اور جس کے لئے ابوجہل نے بھی یہ دعا کی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اَخْرِجْنَا بِعَذَابِ الْيُسْرِ (افعال ۶) یعنی اے خدا اگر اسلام ایک سچا مذہب ہے اور ہم غلط راستہ پر جا رہے ہیں تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے۔ یا ہمیں کوئی اور دوزخ کا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے نتیجہ میں آسمان سے اُن پر پتھر بھی برسائے اور پھر انہیں اس عذاب الیم میں بھی مبتلا کیا کہ اُن کے چنیدہ افسر اس جنگ میں ہلاک ہو گئے۔ اُن کی عزتیں خاک میں مل گئیں۔ اُن کی دھاتوں کا خاتمہ ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت دنیا پر آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر ہو گئی۔

۶۰ تفسیر: فرماتا ہے محمد رسول اللہ

تو لوگوں سے کہدے کہ ہر قسم کی تعریف کا اللہ تعالیٰ ہی

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ

(بتاؤ تو) آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے! اور کس نے، تمہارے لئے بادل سے

السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَاتُبَسَّطَ مِنْهُ خُضَاءً ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ

پانی اتارا ہے۔ پھر اُس (یعنی پانی) کے ذریعہ سے ہم نے خوبصورت باغ نکالے ہیں۔

انبیاء نے اس طرح کر دیا تھا تو ہم کیوں نہ کریں۔ عیسائیوں تو تمہ سے دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باطل معصوم اور بے گناہ تھے مگر تفصیلات میں وہ ان پر بھی الزام لگانے سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ کسی کا گدھا بے پوچھے لئے گئے اور اُس پر سواری کرتے پھرتے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو گالیاں دیتے اور انہیں گتے اور زنا کا دغیرہ کہتے تھے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کے گناہ اٹھا کر صلیب پر لٹک گئے اور اس طرح نعوذ باللہ بعضی بنے۔ اور تین دن تک دفن میں رہے۔ پھر کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کے مژدوں کے گتے بغیر ان کے مالکوں کو کوئی قیمت دینے کے تباہ کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہندوؤں کو تو وہ حضرت کرشن اور حضرت راجندر جی کو اپنا اذنا دے مانتے ہیں مگر راجندر جی کاسیتا سے جو سلوک بیان کرتے ہیں وہ اگر ایک طرف رکھ لیا جائے اور دوسری طرف ان کی بزرگی اور نیکی دیکھ جائے تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ایسا عمل کیا ہو گا مگر وہ حضرت راجندر جی کی طرف بغیر کسی جھجک کے یہ ظلم منسوب کرتے ہیں۔ پھر حضرت کرشن کے متعلق

وہ لوگ جو حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں بعض دفعہ ان دعائیہ کلمات کے متعلق سوال کر دیا کرتے ہیں کہ انبیاء کیلئے سلامتی کی خاص طور پر کیوں دعا کی جاتی ہے جبکہ ان کا خدا تعالیٰ کے سایہ رحمت میں ہونا ایک قطعی اور یقینی امر ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سلامتی تو ان کو بیشک حاصل ہے کہ وہ وفات پا کر اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت میں چلے گئے۔ لیکن ایک اور بات ایسی ہے جس کے لحاظ سے ان کے مرنے کے بعد بھی ہمیشہ سلامتی کی دعا کرتے رہنا ضروری ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انبیاء دنیا میں ایک بہت بڑی روحانی جائیداد چھوڑ کر جاتے ہیں۔ دنیوی جائیدادیں تو اگر نا اہل ہاتھوں میں چلی جائیں تب بھی ان کی تباہی کا اثر بہت محدود ہوتا، لیکن انبیاء جو جائیداد چھوڑ جاتے ہیں اگر اُس کو گمراہی کا ذریعہ بنا لیا جائے تو صدیوں تک لوگ گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کے لئے دعاؤں کے سلسلہ کو ہمیشہ جاری رکھا جائے۔ انہوں نے تو وہ جائیداد اس لئے چھوڑی ہوتی ہے کہ لوگ اُس سے روشنی اور نور حاصل کریں۔ مگر پیچھے آنے والے روشنی اور نور حاصل کرنے کی بجائے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو کئی قسم کے گناہ ہیں جو نبی اسرائیل نے حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت نوح علیہم السلام کی طرف منسوب کر دیئے۔ لوگ جب ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو کمزور طبع لوگ ان سے متاثر ہوتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جب

۱۔ مرقس باب ۱۵ آیت ۲۰ - ۲۱ متی باب ۲۷ آیت ۶ و

متی باب ۲۷ آیت ۲۹ و متی باب ۲۷ آیت ۳۹ -

۲۔ ۱ پطرس باب ۲ آیت ۱۸ تا ۲۰ -

۳۔ متی باب ۲۸ آیت ۲۸ تا ۳۲ و مرقس باب ۱۶ -

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

تم اُن (انہوں) کے درخت نہیں اُگا سکتے تھے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہے جو سب کائناتِ عالم کا انتظام

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعِدُونَ ﴿٦١﴾

کر رہا ہے) لیکن یہ (کافر) ایسی قوم ہیں جو اُس کے شریک بنا رہے ہیں ۲۴

يَقْجَدُ

بَهَجَةٌ : الْبَهَجَةُ کے معنی ہیں اَلْحُسْنُ -

خصوصی - دِیْقَالُ هُوَ حَسَنٌ تَوْنِ الْقِسْمِ بِرَأْسِهِ
 بھی کہا جاتا ہے کہ بھجۃ کسی چیز کے رنگ کی نوعیت
 کا نام ہے۔ دِیْقِلُ هُوَ فِي الثَّبَاتِ التَّحَارُّقُ وَ
 فِي النَّسَبِ ضَعْفُ اسَاسٍ بِرَأْسِهِ اَوْ هُوَ الْفَرْجُ
 الْبَيْتُ۔ بعض ائمہ لغت کہتے ہیں کہ بھجۃ کا لفظ اگر بنا
 کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنی تازگی اور سرسبزئی
 ہوتے ہیں اور جب انسان کے متعلق اس لفظ کا استعمال
 ہو تو یہ معنی ہونگے کہ اس کا چہرہ متماثل یا نہ کہ اس
 خوب خوشی ظاہر ہوئی۔ (اقریب)

تفسیر :- فرماتا ہے ۔ تم آسمانی اور زمینی نظام پر غور کر کے دیکھو کہ یہ زمین اور آسمان کس نے پیدا کئے ہیں اور پھر کون ہے جو بالوں سے پانی آباد کر قسم قسم کے باغ آگاتا ہے علانہ کہ تم ایک درخت بھی پیدا نہیں کر سکتے تھے ۔ پھر سوچو کہ وہ غذا جس نے یہ نظام کا کائنات بنایا وہ بہتر ہے یا وہ موجودات یا طلہ بہتر ہیں جو ان بالوں اور بیجوں اور آسمان اور زمین سب کے محتاج ہیں ۔ تم اس غذا جیسا کوئی آدم دکھاؤ تو سہی ۔ یعنی تم نہیں دکھا سکتے ۔ مگر کتنے انفس کی بات ہے کہ لوگ یہ بھی عقل سے کام نہیں لیتے اور وہ خواہ مخواہ خدا تعالیٰ کے ہمسر بناتے ہیں جیسے جاتے ہیں ۔

حَدَّثَنَا

اس آیت کے پہلے حصہ میں غائب کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ لیکن دوسرے حصہ میں اَنْفُسُنَا لیکر جمع متکلم

ہے ہیں کہ وہ ممکن چڑا چڑا کر کھایا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ پس انبیاء جہاں ہدایت پھیلانے کا ذریعہ ہوتے ہیں وہاں شیطان لوگ اُن کو ایک قسم کی مگرہی اور شیطنت پھیلانے کا بھی ذریعہ بنالیتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء پر سلام کا خصوصیت کو ذکر کیا ہے تاکہ ہم جب بھی اُن انبیاء کا نام لیں ساتھ ہی یہ دُعا بھی کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان فتنہ گروں کو تباہ کرے جو اُن کا نام لے کر دنیا میں مگرہی پھیلاتے ہیں تاکہ اُنکی کوششیں اکارت نہ چلی جائیں حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الموت سے بیمار ہوئے۔ تو آپ اپنی آخری گھڑیوں میں بڑے اضطراب کے ساتھ کمرٹیں بدلتے اور بار بار فرماتے کہ خدا! یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد گاہ بنالیا۔ آخر یہ لازمی بات ہے کہ جب نبیوں کی قبروں کو مسجد گاہ بنالیا جائیگا تو لوگوں میں توحید نہیں رہے گی۔ اور شرک روز بروز بڑھتا چلا جائیگا۔ پس انبیاء پر سلام اسی حکمت کی وجہ سے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے انوار اور برکات کے سلسلہ کو وسیع کرے اور وہ فتنہ گر تباہ ہوں جو اُن کی روحانی جامد کو غارت کرنے والے ہیں۔

۲۴۰ حل لغات :- حَدَّثَنَا حَدِيثُهُ كِي

جمع ہے اور اَلْحَدِیْقَةُ کے معنی ہیں اَلْبُسْتَانُ یَكُونُ عَلَیْهِ حَاطُطٌ ایسا باغ جس کے گرد دیوار ہو (اقرب)

کی غیر استعمال کی گئی ہے۔ یہ قرآنی کمالات میں سے ایک بہت بڑا کمال ہے کہ وہ بعض دفعہ ایک چھوٹے سے نقطہ کے ذریعے ایک بہت بڑا اشارہ کر دیتا ہے۔ اچانک بھی غائب سے متکلم کی طرف غیر درجہ نہیں پھیری گئی۔ بلکہ اس لئے پھیری گئی کہ زمین و آسمان کی پیدائش اور آسمان سے بارش نازل ہونے اور اُس کے ذریعہ زمین سے ہر قسم کی سبزیاں اور باغات پیدا ہونے پر جب انسان غور کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی قدرت اور اُس کے جلل اور مجرب و کائنات کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور وہ اُسے غائب نہیں بلکہ حاضر سمجھنے لگتا ہے چنانچہ اسی مضمون کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اس آیت میں اَنْتُمْ نَسَا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا خدا بندوں کے سامنے کھڑا ہے اور وہ انہیں اپنے احسانات گنوا رہا ہے۔ پس یہ غلطی نہیں بلکہ قرآن کریم کے اعلیٰ درجہ کے کمالات میں سے ایک بڑا کمال ہے۔

پھر اچانک خدا تعالیٰ نے ظاہری پیدائش عالم کو پیش کر کے روحانی پیدائش کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ جس طرح مادی دنیا میں زمین و آسمان کی پیدائش اور بادلوں سے بارش نازل ہونے کا سلسلہ جادی ہے اسی طرح روحانی دنیا میں بھی ایسا ہی قانون جاری ہے۔ اور انبیاء کی آمد بھی ایک بارش سے مشابہت رکھتی ہے جس طرح وہ بادل جو ضرورت کے مطابق ابدیہ انتظار کے بعد خشک زمین پر برستا ہے جب لوگ گرمی کی شدت اور جس کی تکلیف کی وجہ سے بے کل ہو رہے ہوتے ہیں جب انسان اور جانور تازہ اور اچھے پانی کے لئے رُطَب رہے ہوتے ہیں۔ جب کھیت اپنی روئیدگی کو نکالنے اور سبزہ کو ابھارنے کے لئے پانی کی چھینٹوں کو ترس رہے ہوتے ہیں اور اُسے دیکھ کر دنیا خوش ہوتی ہے کہ اب اُس کی امیدیں برائیں گئی اور اُس کی فصلیں تر و تازہ ہو جائیں گی۔ اسی طرح روحانی ظلمات کی تکلیف اور

ایک لمبے انتظار کے بعد انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں ظہور ہوا کرتا ہے جو اپنے انفس قدسیہ سے پیاسی دنیا کو میراب کرتے اور عظم و عرفان کے دریا بہا دیتے ہیں جن سے بڑے بڑے روحانی بارش تیار ہوتے ہیں جو آنکھوں کی طراو اور دلوں کی تسکین کا موجب بنتے ہیں۔ مگر جہاں بارش خدا تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک بہت بڑا فضل ہے اگر بر وقت بارش نہ ہو تو فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اور کوٹوں کے پانی تک خشک ہو جاتے ہیں۔ وہاں اس کے ساتھ کچھ تکالیف بھی وابستہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنا پڑتا ہے۔ یا مودا سلف کیلئے بازار جانا پڑتا ہے تو انہیں کچھ کی وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے دقت پر مکانوں کی چھتوں پر پانی نہ کرائی ہو ان کی چھتیں ٹپک پڑتی ہیں جس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے پاس جانور باندھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ عام حالات میں تو وہ محض دغیرہ میں انہیں باندھ دیتے ہیں مگر بارش آئے سردی میں انہیں جانور اپنے گرد میں باندھنے پڑتے ہیں اور وہ دس کو بردغیرہ کرتے ہیں۔ ان کو بدبو بھی آتی ہے تکلیف بھی ہوتی ہے گردہ مجبور ہوتے ہیں۔ تو جہاں بارش خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا فضل ہے وہاں اُس میں کچھ تکلیف کے پہلو بھی ہیں۔ پھر اُس میں اندھیرا بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات تو شدید کراک ہوتی ہے جس سے بچوں اور کمزور لوگوں کے دل بل جاتے ہیں اور بعض کمزور بچے ڈر سو رہے جاتے ہیں۔ پھر بارش میں بعض اوقات بجلی بھی چمکتی ہے اور کبھی گرتی بھی ہے جس سے جان و مال کا نقصان ہوتا ہے اور یہ سب تکلیف کے مختلف پہلو ہیں۔ مگر بارش کے مقابل میں لوگ ان تکالیف کی کوئی پروا نہیں کرتے سب جانتے ہیں کہ بارش ہوگی تو اُس کے ساتھ کچھ بھی ہوگا۔ کیا کوئی ایسا زندہ رہے جو بھٹکا ہو کہ

بارش ہوگی تو زمین کیسی نہ ہوگی۔ اور کیچڑ نہ ہوگا۔ یا پھر کوئی ایسا زمیندار ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ بارش ہونے سے مراد بڑھ جائیگی پھر کوئی نہیں جو یہ نہ جانتا ہو کہ بارش کے ساتھ کڑک بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات بجلی بھی گرتی ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ سب لوگ ان باتوں کو جانتے ہیں مگر بھروسہ یہی دُعائیں کرتے ہیں کہ یا اللہ بارش ہو۔ وہ کیوں یہ دُعائیں کرتے ہیں اس لئے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بارش کے ساتھ جو فضل وابستہ ہوتا ہے اور اس سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں تکلیف بہت کم ہے۔ یہی حال انبیاء کی بعثت کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اَوَكَلَّيْنَا بَنِي اِسْمَاعٰلَ عَلَيْهِمْ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعَدٌ وَّ بُرْقٌ يَعْلَمُ حَرَجُ بَابُلُوں میں سے بارش ہوتی ہے تو جان اس کے مینا و فاشے اور برکتیں ہوتی ہیں دُعاں میں ظلمات کڑک اور بجلی بھی ہوتی ہے اور اُس سے کچھ تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات نقصان بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی بعثت کا حال ہے۔ اس میں برکتیں بھی بہت ہوتی ہیں مگر کچھ تکلیف بھی ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح بارش کی تکلیف کے باوجود اس کی ناقدری نہیں کی جاتی۔ اسی طرح انبیاء کی بعثت کی بھی ناقدری نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ان تکالیف کی قیمت اس وقت معلوم ہوگی جب قیامت کے دن نتیجہ نکلے گا۔ جب فصل پکیتی ہے۔ تب زمیندار کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھیرے اور کڑک اور برقی کتنی قیمتی تھی اگر یہ نہ ہوتی تو زمیندار جب اپنے کھیت میں فصل پکنے پر جاتا۔ تو سوائے تھوڑے سے سوکھے اور جلے ہوئے دانوں کے اُس کے ہاتھ کچھ نہ آسکتا لیکن بارش ہونے کے بعد جب اُس کی فصل پکیتی ہے تب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندھیر اور وہ کڑک اور وہ بجلی کتنی مفید تھی۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کے نتیجہ میں اُس کے ہاں غلہ پیدا ہوا

کپڑوں اور دھڑکے اخراجات مثلاً شادیوں یا ہوں کے لئے سامان میسر آیا۔ ایک ایک دانہ کے ستر ستر اسی اسی ادب سو سو دانے ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ بھی کچھ تکالیف وابستہ ہوتی ہیں مگر جو انسان ان تکالیف کے باوجود اس نعمت کی قدر کرتا ہے اُس کی مثال دیسی ہی ہوتی ہے جیسے اس زمیندار کی جس کی فصل پر ابھی بارش برس چکی ہو۔ بیشک اُس کے ساتھ اندھیرے بھی ہوتے ہیں۔ کڑک بھی ہوتی ہے۔ بجلیاں بھی ہوتی ہیں مگر پھر بھی لوگ اس کے لئے دُعائیں کرتے ہیں اور اُس کے فوائد کے مقابلہ میں ان تکالیف کی کوئی پروا نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہو جاتا کہ ہر زمیندار اگر دس دفعہ پہلے تو پھر بارش ہوگی تو تم دیکھتے کہ کھیت زمیندار میں سے دفعہ پہلے یا اگر خدا تعالیٰ یہ قانون بنادیتا کہ ہر بارش کے ساتھ دس دفعہ کڑک پیدا ہوگی تو زمیندار کہتے خدا یا تیس دفعہ کڑک پیدا ہو کر بارش ہر روز ہو جائے۔ غرض انبیاء کی بعثت کی بارش کے مسائل دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان کی بعثت کے ساتھ جو تکالیف وابستہ ہوتی ہیں۔ مومن کو دلیری سے اُن کو برداشت کرنا چاہیے۔ جب وہ ایک دفعہ دین کو سچا سمجھ کر قبول کرتا ہے تو پھر خواہ اُسے کتنی تکالیف آئیں خواہ اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اُسے ہرگز کمزوری نہیں دکھانی چاہیے اور دین کے ساتھ اس طرح چمٹے رہنا چاہیے جس طرح چوٹا جسے پنجابی میں کاڈھا کہتے ہیں چمٹ جاتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد ہے۔ میں جان محمد صاحب کشمیری قادیان کی مسجد اقصیٰ کے امام ہوا کرتے تھے۔ ہمارے دادا صاحب نے انہیں مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ ہمارے گھر کا کام کاج بھی کرتے تھے ایک دن کوئی دوست مچھلی تحفہ کے طور پر لائے۔

ہمدی ڈورھی کے آگے ایک تخت پوش بچھا دیتا تھا۔ وہ اسپرٹیکر کھیل صاف کرنے لگے اور ہم چار پانچ بچے تماشہ دیکھنے کے لئے پاس بٹھ گئے۔ میرے ہاتھ میں ایک پیڑو تھا جو میں کھارہا تھا۔ بھیجی کے خیال میں شاید میرا ہاتھ تخت پوش سے لگ گیا اور ایک چیوٹا پیڑے پر چڑھ گیا۔ میں جب اسے کھانے لگا تو اس چیوٹے نے میرے ہونٹ پر کاٹ لیا۔ میں نے اسے بہت برا کھینچا۔ بعد چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر اس نے نہ چھوڑا۔ آخر میں جان محمد صاحب نے اسے چھری سے کاٹ دیا۔

یہی حال مون کا ہونا چاہیے۔ یا تو وہ دین کو اختیار ہی نہ کرے اور اگر کرے تو پھر اس کے ساتھ اس طرح چمٹ جائے جس طرح چیوٹا چمٹ جاتا ہے اور پھر چاہے اسے کاٹ ڈالا جائے وہ دین چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہو۔ آخر ایمان کی فصل تو مرنے کے بعد ہی کٹی ہے۔ اگر وہ جس حد دہد میں مر بھی جائیگا تو کیا ہوگا۔ صرف اتنا ہی فرق پڑے گا کہ لوگوں کی فصل اگر مٹی میں کٹی ہے تو اس کی فوری میں کٹ جائیگی اور اس کے دانے پچھے اس کے گھر آجائیں گے۔

پھر بادش کے ساتھ انبیاء کی مشابہت میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ جب مادی بادل بوستے ہیں تو ان کے برسنے سے ہر قسم کی روئیدگی ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بادش ایک ہی جوتی ہے مگر اسی بادش سے ایک طرف میٹھے پھل پیدا ہوتے ہیں اور دوسری طرف اسی بادش سے کڑوے پھلوں کو بھی نشوونما حاصل ہوتا ہے۔ بادش کا ایک ہی قطرہ جہاں انگ کو زیادہ شیریں بنا دیتا ہے۔ جہاں کم کو زیادہ شیریں بنا دیتا ہے جہاں مختلف میٹھے پھلوں کو زیادہ شیریں بنا دیتا، وہاں بادش کا دھڑلا لیکر اور منخل کو زیادہ تلخ بنا دیتا ہے کچھ چیزیں کو زیادہ ترش بنا دیتا ہے۔ وہ بادش کا قطرہ جو انسان کے اندر گوشت پیدا کر دیتا، وہی قطرہ

گھاس کے اندر روئیدگی پیدا کرتا ہے۔ جنگل میں لگی ہوئی مختلف قسم کی جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں جن کے نام بھی نہیں معلوم نہیں اور پہاڑیوں کی دادیوں میں پیدا ہونوالی بوٹیاں بھی اسی بادش سے اپنی روئیدگی کو اُجھارنا شروع کر دیتی ہیں۔ غرض بادش کا وہی قطرہ جہاں انسان کے اندر تردنازگی اور نمو پیدا کرتا ہے وہاں وہ جنگل میں اُگنے والی ہزاروں قسم کی جڑی بوٹیوں میں بھی روئیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ یہی حال انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی ہوتا ہے۔ یعنی جب روحانی بادش آسمان نازل ہوتی ہے تو دونوں قسم کی روئیدگی ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ایک طرف سویا ہوا کفر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ایمان بھی تردنازہ ہو جاتا ہے کفر بھی اس زمانہ میں اپنی شان دکھانا شروع کر دیتا ہے اور مخالفت لوگوں کے اندر بھی ایک نئی قسم کی بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آخر مکہ میں وہی تھا اور عرب بھی وہی تھا۔ لیکن آپ کی بعثت سے قبل عرب کے سرداروں کا کوئی نظام معلوم نہیں ہوتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہم کفار کو بھی منظم اور مصروف عمل پاتے ہیں اور وہ سارے کے سارے اس کام کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں کہ کسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو پھیلنے سے روکیں اور سادہ متحد ہو کر اس دین کو مٹانے کے لئے کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ یہ تعظیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب آسمان سے بات آتی ہے تو ہر قسم کی چیزوں میں روئیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور کفر بھی اپنا سر اُٹھانا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جب جھوٹے مدعی کھڑے ہوتے ہیں تو لوگ ان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے کیونکہ کفری

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَافَهَا أَنْهَرًا

(بتاؤ تو) جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا ہے اور اس کے نیچے میں دریا چلائے ہیں۔ اور

وَجَعَلَ لَهَا سَرَادِسِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا

(اس کے (خاندہ) کے لئے پہاڑ بنائے ہیں اور دو سمندروں کے درمیان زمین میں ایک ٹیٹھا اور ایک کھادی بنوائی) ایک روک

عَالِهِ مَعَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

بنائی ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر جانتے نہیں۔ ۲۱

اور کہتا ہے۔ جھوڑو این باتوں کو تم بھی جانتے اور ہم بھی جانتے۔ جو دونوں مل کر احمدیت کا مقابلہ کریں۔ تو جس طرح بادشہ کا بانی کرنے سے ہر قسم کی روئیدگی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح روحانی بادشہ کے وقت کفر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور ایمان بھی تروتازہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں (دھڑکتی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے ایک شخص نے) قائم ہوئی۔ وہ جماعت جس کے اندر تقویٰ اور اخلاص پایا جاتا ہے اور اس کے ایمان کے اندر ایک بیداری اور ہمدی کی انسگ پائی جاتی ہے اور ادھر آپ کے آنے سے کفر میں بھی بیداری اور حرکت پیدا ہو گئی۔ غرض جس طرح بادشہ کے آنے پر تلخ بوٹیاں جو آپ ہی آپ لگ آتی ہیں وہ اپنا جوش اور ابھار دکھاتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کی جماعتوں سے بھی امید رکھتا ہے کہ ان تلخ بوٹیوں کے مقابل میں اسی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اپنا ابھار دکھائیں اور روحانی حسن کو ظاہر کرنے کی ایسے رنگ میں کوشش کریں کہ شیطان کا حسن بالکل ماند پڑ جائے۔

۲۱ لغات - رُؤِی - رُؤِی - رُؤِی - رُؤِی

میں ہیں انجیل الشَّوَابِطِ الرَّؤِی - مضبوط کر کے ہوئے پہاڑ - (اقرب)

حَاجِزًا : خِجَاز سے اسم فاعل ہے۔ اور

بکری سے کبھی نہیں درتی۔ بکری شیر سے ڈر کر تھی ہے۔ اس نے جب کوئی جھوٹا مدعی کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس سے نہیں ڈرتے۔ لیکن جب کبھی فطرت انسانی یہ سمجھتی ہے کہ سچا موجود آگیا ہے تو اس وقت کافر بھی بیدار ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ سچا خطرہ ہے اس کو دود کرنے کی کوشش کرنا میرے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ جس قسم کی عظیم مخالفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی کہ یا اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوئی ہے، ایسی مخالفت کسی جھوٹے مدعی کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ باب کے زمانہ میں بے شک شورش اور فساد پیدا ہوا۔ لیکن یہ فساد باہیوں کے اپنے افعال کے نتیجہ میں تھا۔ پہلے باہیوں نے بعض لوگوں کو قتل کیا ان قتلوں کے نتیجہ میں حکومت نے انکو مارا۔ لیکن پہلے خاموش رہی اور اس نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تمام غیر قوموں میں آپ کے مقابلہ کا جوش پیدا ہو گیا اور ہر ایک نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح احمدیت کو کچلا جائے۔ یہ چیز دنیا کے پردہ پر آدھی مدعی کے مقابلہ میں نظر نہیں آتی۔ بہائی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کہلاتا ہے کہ ایک بہائی کی باہیوں میں باہیوں کے واسطے

رُؤِی

حَاجِزًا

حَجَرًا حَجَرًا وَحَجَرًا حَجَرًا كَيْفَ مَنَعَهُ
 دَكَّهُ دَكَّهُ اس کو روکا اور ہٹایا۔ اور اَلْحَاجِزُ
 کے معنی ہیں اَلْبُزْدُخُ - برزخ - روک - پردہ (اقرب
 التفسیر) - فرماتا ہے - وہ کون ہے - جس نے
 زمین کو رہائش کے قابل بنایا ہے - اور اُس کے اندر
 دیا چلائے ہیں - جن کے پانی کو سلامت رکھنے کے
 لئے اُس نے پہاڑوں کا ایک سلسلہ قائم کیا ہے جن
 سے دریاؤں کو مدد ملتی رہتی ہے - پھر زمین میں اُس نے
 سمندر بنائے ہیں اور سمندروں کے نیکیں پانی کو دریاؤں
 کے میٹھے پانی کے درمیان ایک روک بنا دی ہے
 یعنی سمندر کا نیکیں پانی دھلوان کی طرف ہے - وہ
 دریاؤں کے میٹھے پانی کو خراب نہیں کر سکتا - اور
 دریاؤں کا میٹھا پانی سمندر کے نیکیں پانی کے مقابلہ
 میں اتنا تھوڑا ہے کہ باوجود سمندروں میں گرنے کے
 پھر بھی وہ سمندر کے پانی کے مزے کو بدل نہیں
 سکتا - اور اس طرح میٹھے اور نیکیں پانی میں ایک
 دائمی روک قائم رہتی ہے - کیا ایسے مدبر خدا کا
 کوئی اور شریک پیش کیا جاسکتا ہے؟ کبھی نہیں -
 لیکن مشرک لوگ اکثر جاہل ہوتے ہیں - وہ اتنے بڑے
 نشانات کو دیکھنے کے باوجود کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے
 اور اندھوں کی طرح ادھر ادھر ہاتھ مارتے پھرتے
 ہیں -

کائنات عالم کا یہ نظارہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ
 نے بنی نوع انسان کو اس امر کی طرف توجہ دلائی
 ہے کہ جب تمہارے مادی فوائد کے لئے اتنے بڑے
 سامان پیدا کئے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ تمہاری روحانی
 ضرورتوں کو کس طرح نظر انداز کر سکتا تھا - تم
 جانتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ زمین میں ایسے نشیب پیدا
 نہ کرتا جن میں دریاؤں کا پانی سرکار چلتا تو سب

زمین پر پانی ہی پانی ہوتا - اور یہ دُنیا رہنے کے قابل
 نہ ہوتی - اسی طرح اگر پہاڑ نہ ہوتے جو سارا سال برف
 کے ڈھیر جمع رکھتے ہیں اور جن کی مدد سے تمام دریا
 ملک کو سال بھر پانی مہیا کرتے رہتے ہیں تو تہا دی
 باؤلیاں اور حوض ہمیں کب تک زندہ رکھ سکتے تھے
 یہی کیفیت روحانی عالم میں بھی پائی جاتی ہے -
 انسانی تدبیر جو باؤلیوں اور حوضوں کی طرح ہوتی
 ہیں صرف عارضی طور پر ایک محدود دائرہ میں بنی نوع
 انسان کو کام دیتی ہیں مستقل ہدایت جو آسمانی بانی سے
 مشابہت رکھتی ہے - اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آتی ہے
 اور وہی لوگوں کی روحانی تشنگی کو فرو کرنے کا
 سامان مہیا کرتی ہے - پھر جس طرح پہاڑ قسم قسم
 کی ضروری ادویہ اور پھل اور پھول اور نہ ختم ہونے
 والے لکڑی کے ذخائر جمع رکھتے ہیں اسی طرح
 روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بھی ایک
 ایسے کلام کی ضرورت تھی جو دائمی طور پر دُنیا
 کے لئے ہدایت اور رحمت کے ذخائر اپنے اندر جمع
 رکھتا - پھر جس طرح نیکیں اور میٹھے پانی میں اللہ
 تعالیٰ نے ایک روک بنا دی ہے اسی طرح کفر
 اور ایمان میں بھی اُس نے دلائل کی ایک دیوار حائل
 کر دی ہے جس کی وجہ سے ایمان کا پانی اپنی حلاوت
 کی وجہ سے اور کفر کا پانی اپنی تلخی اور مرارت کی
 وجہ سے فوراً اچھا نا جاتا ہے - ایسے محسن خدا کا
 دوسروں کو شریک قرار دینا اور اس کے دروازہ
 کو چھوڑ کر بتوں کے آگے اپنا سر جھکانا ایسے ہی
 لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے جو عقل اور فہم سے
 کلیتہً عاری ہوں -

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ

(نیز بتاؤ تو) کون کسی بے کس کی دعا کو سنتا ہے جب وہ اُس (یعنی خدا) سے دعا کرتا ہے۔ اور (اُسکی تکلیف

الشَّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ طَعَّ إِلَهُ مَعَ

کو دور کر دیتا اور وہ تم (دعا کرنے والے انسانوں) کو (ایک دن) صابری زمین کا وارث بنا دیتا۔ کیا (اس تبار مطلق)

إِلَهُ طَقِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿۶۳﴾

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ۶۳

۶۳ تفسیر:- فرماتا ہے۔ تم یہ بھی تو دیکھو کہ مصیبت زدہ انسان کی دعاؤں کو کون قبول کرتا ہے اور کون اُس کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔ اور کون تم کو زمین کا وارث بناتا ہے۔ کیا ایسی صفات حسنہ رکھنے والے خدا کا کوئی ہمسرہ نہیں نظر آتا ہے مگر انہوں نے کہ تم لوگ قطعاً نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس آیت میں جو مُضْطَرَّ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے ایسا شخص مراد ہے جو اپنے چاروں طرف شکلات ہی شکلات دیکھتا ہے اور اُسے اپنی کامیابی کا کوئی مادی رستہ نظر نہیں آتا۔ صرف ایک جہت اللہ تعالیٰ دانی باقی رہ جاتی ہے اور اُس پر اُس کی نظر پڑتی ہے۔ گویا مُضْطَرَّ کے صفت یہی معنی نہیں کہ اُس کے دل میں گھبراہٹ ہو۔ کیونکہ گھبراہٹ میں بعض دفعہ ایک شخص بے تحاشہ کسی طرف چل پڑتا ہے بغیر اس یقین کے کہ جس طرف وہ جا رہا ہے وہاں اُسے امن بھی حاصل ہو گا یا نہیں۔ بلکہ بعض لوگ گھبراہٹ میں ایسی طرف چلے جاتے ہیں جہاں خود خطرہ موجود ہوتا ہے اور وہ اُس سے نہیں بچ سکتے۔ پس محض اضطراب کا دل میں پیدا ہونا اضطراب پر دلالت نہیں کرتا۔ اضطراب پر وہ حالت دلالت کیا کرتی ہے جب چاروں طرف کوئی پناہ کی جگہ انسان کو نظر نہ آتی ہو اور ایک طرف نظر آتی ہو۔

گویا اضطراب کی نہ صرف یہ علامت ہے کہ چاروں طرف آگ نظر آتی ہو بلکہ یہ بھی علامت ہے کہ ایک طرف امن نظر آتا ہو اور انسان کہہ سکتا ہو کہ وہاں آگ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی دعا خدا تعالیٰ کے حضور قبول کی جاتی ہے جس کے کرنے وقت بندہ اس رنگ میں اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے کہ اُسے یقین کامل ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے میرے لئے اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ یہی وہ مضطر کی حالت ہے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنَاجَا وَمَنْكُ رَانَ إِلَهِكَ یعنی لے خدا تیرے مذاب اور تیری طرف سے آنے والے ابتلاؤں سے کوئی پناہ کی جگہ نہیں سوائے اس کے کہ میں سب طرف سے مایوس ہو کر اور انکھیں بند کر کے تیری طرف آ جاؤں۔ تو لَا مَنَاجَا وَلَا مَنَاجَا دانی جو حالت ہے یہی اضطراب کی کیفیت ہے اور جب خدا نے اس آیت میں یہ کہا کہ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاہ ط اس کے معنی یہ ہونے کے ایسے شخص کی دعا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ملجاء و دادی نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا متجاور قرار نہیں دیتا ضرور سنی جاتی ہے اور یہ شرط بلاوجہ نہیں رکھی گئی ہے

کہ گو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی ہر مضر کا علاج ہے مگر بعض دفعہ
 اُس کے دیئے ہوئے انعام کے ماتحت کوئی زندہ بھی دوسرے
 کے اضطراب کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ بعض
 دفعہ ایک آدمی سخت غریب ہوتا ہے۔ اُس کے کپڑے
 پھٹ جاتے ہیں اور اُسے نظر نہیں آتا کہ وہ نئے کپڑے
 کہاں سے بنوائے کہ اچانک ایک امیر آدمی جو بعض دفعہ
 ہندو ہوتا ہے بعض دفعہ سکھ ہوتا ہے بعض دفعہ پاڈی
 ہوتا ہے بعض دفعہ جینی یا بت پرست ہوتا ہے اُسے
 دیکھتا ہے اور کہتا ہے تمہارے کپڑے پھٹ گئے ہیں
 اُوں میں تمہیں نیا جوڑا بنوا دوں۔ اب گو ہمارے یقین کے
 مطابق خدا تعالیٰ نے ہی اس امیر آدمی کے دل میں تحریک
 پیدا کی کہ وہ اُسے کپڑے بنوا دے مگر جو کامل الایمان نہیں
 ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ میری اضطراب کی حالت میں فلاں
 آدمی میرے کام آیا ہے مگر وہی آدمی جس نے اُسے کپڑے
 جوڑا بنا کر دیا تھا جب یہ ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا
 ہے کہ اس کے لئے کھانا اور پینا حرام ہو جاتا ہے۔ پانی
 تک اُسے ہضم نہیں ہوتا۔ تمام جسم کی حالت خراب
 ہو جاتی ہے اور چل پھر بھی نہیں سکتا تو ایسی حالت
 میں وہ امیر آدمی اُس کی مدد نہیں کر سکتا بلکہ اگر کوئی اچھا
 لائق اور محمد طیب ہوتا ہے اور وہ اُسے اس حالت
 میں دیکھتا ہے تو کہتا ہے تمہیں علاج پر دوپیر خرچ کرنے
 کی توفیق نہیں تو میں تمہیں مفت دوائی دینے کے لئے
 تیار ہوں تم میرے پاس دو اور اپنے مرض کا علاج
 کر دو۔ اب ایسی اضطراب کی حالت میں امیر اس کے کام نہیں
 آیا بلکہ طیب اس کے کام آیا۔ جب وہ کپڑوں کے
 لئے مضطرب تھا تو امیر آدمی اُس کے کام آگیا مگر جب
 وہ علاج کے لئے مضطرب ہوا تو ایک طیب اُس کے
 کام آگیا۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُس پر کوئی مقدمہ
 بن جاتا ہے۔ وہ بے گناہ ہوتا ہے اُس کا دشمن زبردست

ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے ناراض ہو کر اُسے کسی مقدمہ
 میں ماخوذ کر کے عدالت تک پہنچا دیتا ہے۔ اب اُسے نہ
 وکیل کرنے کی توفیق ہے اور نہ اُس میں خود مقدمہ لڑنے
 کی قابلیت ہے اور وہ حیران ہوتا ہے کہ کیا کرے۔ اُوں کوئی
 محمدی وکیل اُسے مل جاتا ہے اور وہ کہتا ہے میں بغیر نفیس
 کے تمہاری وکالت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اب ایسے موقعہ
 پر نہ امیر اُس کے کام آسکا۔ نہ طیب اُس کی شکل کو
 دُور کر سکا۔ صرف وکیل اُس کے کام آیا۔ اسی طرح ایک
 اور وقت میں یہ مضطرب ہوتا ہے۔ بوجھ اٹھائے جا رہا ہوتا
 ہے کہ تھک کر چُور ہو جاتا ہے اور بوجھ اُس سے گر جاتا
 ہے۔ اُس میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اُس بوجھ کو پھر
 اٹھا سکے۔ اب ایسے وقت میں نہ امیر اس کے کام آسکتا
 ہے۔ نہ طیب اُس کے کام آسکتا ہے۔ نہ وکیل اُس کے
 کام آسکتا ہے۔ البتہ کوئی مضبوط زمیندار پتے ہوئے اُسے
 دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تو یہاں کیوں بیٹھا ہے۔ وہ
 جواب دیتا ہے بوجھ مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا۔ اس پر
 وہ زمیندار اُس کا بوجھ اٹھا لیتا ہے۔ اب یہ مضطرب تو
 تھا۔ مگر اس حالت میں نہ امیر اس کے کام آسکا۔ نہ طیب
 اُس کے کام آسکا۔ نہ وکیل اُس کے کام آسکا۔ بلکہ اُسکا
 ایک زمیندار بھائی اُس کے کام آگیا۔ تو ایک ہی انسان
 کے مختلف اضطرابوں میں مختلف لوگ اُس کے کام آسکتے
 ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمِّنٌ يُّعِيبُ الْمُسْتَظَرَّ
 اِذَا ذُكِّرَ - مطلق مضطرب جس کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ
 کسی قسم کا مضطرب ہو۔ خواہ وہ بھوکا ہو۔ ننگا ہو۔ پیاسا ہو
 بیمار ہو۔ بوجھ اٹھائے جا رہا ہو۔ کسی قسم کا اضطراب ہو
 اُس کی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ
 ذات ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے پیٹے پرانے
 کپڑے ہوں۔ تو کوئی امیر اس کے کام آجائے۔ مگر طیب
 اُس کے کام نہیں آسکتا۔ کوئی بیمار ہو تو طیب اُس کے

کام آجائے مگر دیکھیں اُس کے کام نہیں آسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بے گناہ کسی مقدمہ میں مبتلا ہو تو دیکھیں اُس کے کام آجائے۔ مگر بوجہ اٹھانے کے وقت دیکھیں اُس کے کام نہیں آسکتا۔ ہو سکتا ہے بوجہ اٹھانے کے وقت ایک زمیندار اُس کے کام آجائے لیکن امیر طبیب اور دیکھیں اُس کے کام نہیں آسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ سارے کام کر سکتا ہے۔

باتی انسان جس قدر میں وہ تو کسی کسی ضرورت میں کام آسکتے ہیں۔ کوئی ایک قسم کے مضطر کے کام آسکتا ہے کوئی دوسرے قسم کے مضطر کے کام آسکتا ہے۔ مگر ہر قسم کے مضطربین کی ضرورتیں پورا کرنے والی خدا کی ہی ذات ہوتی ہے اور انسان کے اضطراب کی ہزاروں حالتیں ہوتی ہیں۔ بھلا ان حالتوں میں کوئی بندہ کسی کے کام آسکتا ہے۔ ان حالتوں میں تو کوئی بادشاہ بھی کسی کے کام نہیں آسکتا۔ فرض کرو ایک شخص سخت بیمار ہے۔ اب بادشاہ کا خزانہ اُس کے کام نہیں آسکتا۔ بادشاہ کی زوجہ اُس کے کام نہیں آسکتیں۔ بادشاہ کا قرب اُس کے کام نہیں آسکتا۔ اُس کے کام تو اللہ تعالیٰ ہی آسکتا ہے۔ جو ہر قسم کی بیماریوں کو دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یا ایک جنگل میں گزرنے والا شخص جس پر بھیڑ یا شیر اچانک جھپٹ کر حملہ کر دیتا ہے۔ وہ بادشاہ کا چاہے کتنا ہی منہ چڑھا ہو یا بادشاہ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو بادشاہ اُس کے کام آسکتا ہے یا طبیب جو اُس کا علاج کرتا تھا وہ اُس کے کام آسکتا ہے یا امیر جو نئے کپڑے سلا دیتا تھا وہ اس کے کام آسکتا ہے یا دیکھیں جس نے رحم کر کے اس کا مقدمہ لے لیا تھا اُس کے کس کام آسکتا ہے۔ جنگل میں وہ تنہا جا رہا ہوتا ہے کہ شیر چیتا یا بھیڑ یا اُس کے سامنے آجاتا ہے ایسی حالت میں دلائل اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو کام آتی ہے۔ کوئی انسان کام نہیں آسکتا۔ تو جب تک

انسان کے اندر یہ یقین پیدا نہ ہو کہ ہر قسم کے اضطراب کی حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کام آتا ہے اُس وقت تک وہ مضطر نہیں کہلا سکتا۔ مگر ہر حال جب وہ مضطر ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو خدا اُس کے پاس دوڑتے ہوئے آجاتا ہے اور اُس کی ہر تکلیف اللہ مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ دنیا میں تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ لوگ اگر دوسروں کے خلاف فریاد کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے، افسران سے کہتے ہیں کہ اگر تم نے ہمارے خلاف شکایت کی تو ہم تمہاری زبان گدھی سے کیچیں گے۔ لہذا یہ کہ اگر میں نے فریاد کی تو بعد میں میری افسر جے اور رنگ میں مصیبتوں میں مبتلا کر دیں گے۔ مگر یہاں یہ حالت ہوتی ہے کہ رات کی تاریکی سایہ ڈالے ہوئے ہوتی ہے اور مصیبت زدہ بندہ اپنے محاف میں پڑا آپس بھر رہا ہوتا ہے اور دنیا کا کوئی فرد نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے یا کیا کہہ رہا ہے۔ کوئی افسر اسے دھکا نہیں دے سکتا۔ کوئی افسر اسے فریاد کرنے سے روک نہیں سکتا۔ محاف میں بیٹے بیٹے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنی آواز بلند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا! غفل نے مجھ پر ظلم کیا ہے تو میری طرف سے آپ اس کا بدلہ لے۔ ظالم نہیں جانتا کہ اس کے خلاف بادشاہ تک شکایت پہنچ چکی ہے۔ وہ نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ اُس کے دل میں کوئی خیال گزرتا ہے۔ مگر مظلوم کی فریاد اللہ تعالیٰ کے عرش کو بلا دیتی ہے۔ پس فرماتا ہے اَمَّا تَجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَا وَ يَكْشِفُ السُّوءَ۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور مضطر ہو کر فریاد کرتا ہے جب کوئی اُس کے پاس نہیں ہوتا تو اُس وقت کون اُس کی مدد کے لئے آتا ہے۔ دنیا غافل ہوتی ہے مگر خدا اپنے بندے کی مدد سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ خود آتا ہے اور کہتا ہے اے میرے بندے۔ یحییٰ تیری مدد کے لئے آگیا ہوں۔ اور پھر وہ

اُس سے ایسی محبت اور پیار کا سلوک کرتا ہے کہ اُسکا ہر دکھ دُور ہو جاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ صرف یہیں تک اپنے انعامات کو محدود نہیں رکھتا کہ مضطر کی دعا کو قبول کر کے اُسکی تکلیف کو دُور کر دیتا ہے بلکہ یَجْعَلْکُمْ خُلَفَاءَ اُولَٰئِہِمْ۔ وہ بڑے بڑے سرکشوں اور ظالموں کو تباہ کر کے مظلوم اور کمزور نظر آنے والے لوگوں کو اُن کا خلیفہ اور جانشین بنا دیتا ہے۔ گویا انفرادی رنگ میں بھی پریشان حال لوگوں کی تکلیف کو دُور کرتا ہے اور توہمی رنگ میں بھی مظلوم اور اسیر اقوام کو بام دخت تک پہنچاتا ہے اور بڑے بڑے مغرور اور خود سر اور ظالم اور عیاش مکران اُن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی

حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ وَ لَقَدْ اٰهَلْنَا الْقُرْیٰۃَ مِنْ قَبْلِکُمْ نَمَآ ظَلَمُوْا وَ جَاۤءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ مَا کَانُوْا لَیۡدُۢمِنُوْا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْفٰثِمِ الْمُجْرِمِیۡنَ ۚ ثُمَّ جَعَلْنَاکُمْ خُلَفَآءَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ کَیۡفَ تَعْمَلُوْنَ

(یوسف ۷) یعنی ہم یقینی طور پر تم سے پہلے بھی قوموں کے بعد قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جبکہ انہوں نے باوجود اس کے کہ اُن کے پاس اُنکے رسول کھلے کھلے نشانات لے کر آئے تھے ظلم سے کام لیا اور وہ ایمان نہ لائے

اور ہم مجرموں سے اسی طرح انتقام لیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں اُن کا جانشین بنا دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم دنیا میں کیسے عمل کرتے ہو۔ اور مظلومیت کی حالت میں جو تمہارے اندر نیکی اور تقویٰ پایا جاتا تھا آیا اپنی طاقت کے زمانہ میں بھی تم اُس کو قائم رکھتے ہو یا نہیں

اصل بات یہ ہے کہ مضطر کی دعا اُسے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تو مستحق بنا دیتی ہے مگر انعامات کو

قائم رکھنے اور اُس کے تسلسل کو لمبا کرنے کیلئے پھر اور جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی قوم اس میں غفلت سے کام لیتی ہے تو وہ اس انعام کو کھو بیٹھتی ہے۔

زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے فردی اور توہمی طور پر قسم کے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انفرادی رنگ میں بھی یہ سلوک ہے کہ وہ مظلوم کی دعا کو قبول کر کے اُس کی تکلیف کو دُور کر دیتا ہے۔ اور توہمی رنگ میں بھی اُس کا یہ قانون ہے کہ وہ ظالم قوم کو مٹا کر مظلوموں کو اُن کا جانشین بنا دیتا ہے اور تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انیس واقعات کو اپنی ہستی کے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے بنی نوع انسان کو توجہ دلاتا ہے کہ کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ اس کی تہ میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہی کام کر رہا ہے۔ مگر انہیں کہ تم پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کے آستانہ کو ترک کر کے جنوں کے آگے اپنے سر جھکتے پھرتے ہو۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی ذات کا یقین دلانے اور اپنے وجود کا علم دینے اور انہیں اپنی طرف کھینچنے کے لئے دعا کا دروازہ کھولا ہے جو ہر مذہب ملت سے تسبیح و تحنہ والے کیلئے یکساں طور پر کھلا ہے یعنی خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا انسان ہو اگر وہ مضطر ہو کہ اللہ تعالیٰ کو پکار کر یقیناً اللہ تعالیٰ اُسکی دعاؤں کو مستجاب کرے گا اور اس کے لئے سزا دے گا کھول دیگا جس سے اُس کی مشکلات دُور ہو جائیں گی اور اُسے اطمینان قلب حاصل ہو جائیگا۔

مجھے یاد ہے قادیان میں ایک دفعہ ایک ہندو میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے میرے آقا نے آپ کے پاس بھیج دیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ کیا نور طے کا بھی کوئی طریق ہے پہلے تو اُس نے یہ نہ بتایا کہ کون اُس کا آقا ہے اور وہ

کہاں رہتا ہے اور اُس نے بات کو چھپانا چاہا۔ مگر جب میں نے جرح کی تو کہنے لگا وہ بڑے ٹھیکیدار ہیں۔ اُن کے پاس عمارتوں اور نہروں کا ٹھیکہ موتا ہے اور ہندوستان میں اُس کا ایک بڑا بھاری کارخانہ بھی ہے۔ آخر بہت سی باتوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ سرورِ بلدیہ سنگھ صاحب جو ہندوستان کے ڈیفنس منسٹر رہے ہیں اُن کے والد نے اُسے بھجوا دیا تھا۔ ٹاٹا ان کے پاس اُن کا بڑا بھاری کارخانہ ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ تو سکھ ہیں اور تم ہندو ہوتے ہو اُن کے ساتھ کیسے تعلق ہوا۔ امیر اُس نے کہا کہ میں اور وہ بچپن میں اکٹھے بڑھتے رہے ہیں اور اُن کے ساتھ میری بڑی دوستی ہے۔ اب انہوں نے اُس دوستی کی وجہ سے ہی ایک دفتر کا مجھے انچارج بنایا ہوا ہے اور مذہبی خیالات کا تبادلہ مجھ سے کرتے رہتے ہیں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تم مرزا صاحب کے جا کر پوچھو کہ کیا نور ملنے کی بھی کوئی تدبیر ہے۔ ہم مسلمان پیروں کے پاس بھی گئے ہیں۔ ہندوؤں کے پاس بھی گئے ہیں۔ سکھوں کے پاس بھی گئے ہیں۔ مگر میں کہیں نور نہیں ملا۔ میں نے کہا۔ یہ ہمارا تو اصطلاح نہیں سکھوں کا ایک محاورہ ہے جو اُن میں رائج ہے۔ مگر بہر حال ہم جس چیز کو ہدایت کہتے ہیں وہ اُس کا نام نور رکھتے ہیں۔ اور ہدایت ملنے کا راستہ میں بتانے کیلئے تیار ہوں۔ مگر چونکہ اُس نے شروع میں ہی کہہ دیا کہ وہ بڑے مالدار ہیں۔ اور کروڑ پتی ہیں۔ اس لئے میں نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ گو میں عیسائی نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ہرگز کی کاغذی ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ اور ظکام صوفی کے ناکر میں سے گذر جانا آسان ہے لیکن دولت مند کا خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اس لئے گو میں تمہیں نور

حاصل کرنے کا راستہ بتا دینا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ نور کو قبول نہیں کریں گے۔ کہنے لگا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نور مل بھی جائے اور پھر بھی انسان اس کو چھوڑ دے میں نے کہا۔ حضرت عیسیٰ نے ایسا ہی کہا ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے نور دیکھنے کے باوجود اُسے قبول کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔ اُس نے کہا۔ آپ ہیں نور حاصل کرنے کا راستہ بتائیں۔ وہ اُسے ضرور قبول کرینگے۔ اس پر میں نے اپنے پرامیوں کو سکڑی کو بلایا۔ اور اُسے کہا کہ چونکہ میری عمر نہیں جانتے اس لئے انہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھُمْ غَیْرَ الْمَغضُوْبِ عَلَیْھُمْ ذَکَ الْعَاصِیْنَ کا پنجابی میں ترجمہ لکھ کر دے دو۔ چنانچہ انہیں اس کا پنجابی ترجمہ لکھ کر دے دیا گیا اور میں نے کہا روزانہ سوتے وقت آپ لوگ یہ دُعا پڑھا کریں مگر جس وقت یہ دُعا کریں اُس وقت اپنے دل میں اَللّٰھُمَّ سے یہ عہد کریں کہ اے خدا تو ہمیں کہیں بھی ہدایت دکھا ہم اُسے قبول کریں گے۔ اگر اُس دُعا کے کرتے وقت آپ نے دل میں یہ فیصلہ نہ کیا کہ خدا تعالیٰ جو بھی ہدایت دیگا ہم اُسے قبول کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو نور نہیں دکھائیگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری نہیں وہ غفلت کھلیں نہیں دکھایا کرتا۔ ہاں اگر آپ کے دل میں کمزوری کی وجہ سے بعد میں آپ سے کچھ غلطی ہو جائے تو یہ اور بات ہے۔ جو ضروری سے تو یہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے قبول کر لیتا ہے۔ حالانکہ دوسرے دن وہ تو یہ نور کر پھر چوری کرنے تک جاتا ہے۔ پس اگر آپ کے نفس میں کوئی کمزوری ہوئی تو اللہ تعالیٰ اُس کی پرواہ نہیں کریگا وہ صرف یہ دیکھے گا کہ اس وقت آپ کی نیت یہ ہے کہ اُس کی ہدایت کو قبول کریں گے۔ اس پر وہ چلا گیا پندرہ مئی دن کے بعد اُس کی چھٹی آئی کہ آپ کی بات

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ

(بتاؤ تو) خشکیوں اور سمندروں کی مصیبتوں میں کون تم کو نجات کی راہ دکھاتا ہے - اور کون اپنی رحمت

يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ عَالِه

(یعنی بارش) سے پہلے خوشخبری کے طور پر ہواؤں کو بھیجتا ہے ؟ کیا اللہ کے سوا

مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۶۷﴾

کوئی اور معبود ہے ؟ اللہ تمہاری شرک کی باتوں سے بہت بلند ہے - ۶۷

ہیں جن میں الہام الہی تو پایا جاتا ہے لیکن وہ انسانی
دعائیں اندازوں کی وجہ سے سمندر کے پانی کی طرح شور
ہو گیا ہے - چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم میں ان معنوں
کی وضاحت موجود ہے - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم ۴۱) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ وہ تو میں
بھی بگڑ گئی تھیں جن میں الہامی پانی کا وجود نہیں ہے
اور وہ اپنی عقل سے اپنے لئے قانون بناتی ہیں - اور
وہ تو میں بھی بگڑ گئی تھیں جن میں الہامی پانی تو ہے لیکن
سمندر کے پانی کی طرح شور ہو کر انسان کے استعمال
کے قابل نہیں رہا -

اسی طرح بتاؤ تو سہی کہ بادلوں سے پہلے بھیگی
ہوئی ہوائیں کون چلاتا ہے - کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
اور معبود ہے جو یہ ہوائیں چلاتا ہے - یقیناً وہ شرکوں
کے شرکیہ خیالات سے بہت بالا ہے -

جہاں تک ظاہری ہواؤں کا تعلق ہے بیشک ان کا
وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ثبوت ہے لیکن اس جگہ
پر روحانی ہواؤں کا ذکر ہے اور رحمت سے مراد بعثت انبیاء
ہے - یعنی اللہ تعالیٰ بعثت انبیاء سے پہلے انکی قبولیت

سچی ہو گئی - خدا تعالیٰ کا نور میرے آقا کو نظر آ گیا ہے - مگر
اس کے ساتھ ہی آپ کی یہ دوسری بات بھی سچی ہو گئی
کہ ان سے مانا نہیں جائیگا - اب نور تو نظر آ گیا ہے مگر
انہیں اس کو قبول کرنے کی ہمت نہیں - معلوم ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی صداقت کے متعلق کوئی
اشادہ کر دیا ہوگا - مگر پھر اس نے سوچا ہوگا کہ اگر
میں نے اسلام قبول کر لیا تو میرے بیٹے کی وزارت
بھی جائیگی اور میرا کارخانہ بھی تباہ ہو جائیگا اس لئے
قبول کرنے کا کیا فائدہ -

غرض اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر زمانہ کے لوگوں
کے لئے دُعاؤں کا راستہ کھلا رکھا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ
کی طرف سے دل سے توجہ کرنا والا خواہ وہ کسی مذہب سے
تعلق رکھتا ہو اگر وہ مضطر ہو جائے تو خدا تعالیٰ اس کی
دُعا کو یقیناً سُنتا ہے - مگر افسوس ہے کہ لوگ اس سے
فائدہ نہیں اُٹھاتے اور وہ سیدھا راستہ اختیار کرنے کی
 بجائے غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں -

۶۷ تفسیر :- فرماتا ہے - بتاؤ تو سہی کہ

خشکیوں اور سمندروں کے اندھیروں میں تمہیں کون رستہ
دکھاتا ہے اس جگہ بتاؤ سے مراد ایسی تو ہیں جن میں
الہام الہی نہیں پایا جاتا - اور تجھ سے مراد ایسی تو ہیں

و اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو۔
یورپ کا ایک پروفیسر جس کا نام میکنزی ہے
اُس نے ایک کتاب ”انٹروڈکشن ٹو سوشل لوجی“ میں
اس امر پر بحث کرتے ہوئے کہ کال انسانوں کے بغیر
موسمیٹی معراج کمال تک نہیں پہنچ سکتی لکھا کہ
”میں بھی ترقی کے لئے ایک مسیح کی
ضرورت ہے۔“

اسی طرح نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بڑی
جے تابی کے ساتھ لکھا کہ

”حساب کی دوسری مہدی کا ظہور ہو گیا
مدی کے شروع میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر
یہ مدی پوری گزر گئی اور مہدی نہ آئے اب
چودھویں مدی جہاد سے سر پر آئی ہے۔ شاید
اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اور چار یا پچھ
برس کے اندر اندر مہدی ظاہر ہو جائیں۔“
علامہ اقبال نے بھی اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے
ہوئے لکھا کہ

یقیناً اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کہہ رہے جہاں لا الہ الا اللہ
پھر اور لوگ تو انکس رہے مولانا مودودی صاحب
کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ

• اکثر لوگ اقامتِ دین کی تحریک کرنے
کے لئے کسی ایسے مردِ کامل کو ڈھونڈتے
ہیں جو ان میں سے ایک ایک شخص کے تقدیر
کمال کا مجسمہ ہو اور جس کے سامنے پہلو

کے لئے لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ یہ
محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ اب کوئی نبی ہی آئے
تو وہ قوم کی اصلاح کر سکتا ہے ورنہ اس کے مولا قوم
کی اصلاح کا اور کوئی ذلیعہ نہیں اور یہ اس بات کا ثبوت
ہوتا ہے کہ آئے والا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور
چونکہ مہدوں کی طرف سے ایسے کوئی آدمی نہیں آئے اسلئے
آئے والوں کے ذریعہ شرک کی تردید اور توحید کا قیام ہو
جاتا ہے اور اس طرح خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کے
مشترک نہ خیالات سے بہت بالا ہونے کا ثبوت لوگوں کو
نظر آتا ہے۔

اس زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سراج موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آئے سے پہلے خدا تعالیٰ نے ایسی رد
چلا دی تھی کہ تمام کے تمام لوگ خواہ وہ کسی مذہب سے
تعلق رکھنے والے ہوں یہ تسلیم کرنے لگ گئے تھے کہ یہ
زمانہ مہدی اور مسیح کا محتاج ہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی صاحب
نے ایک دفعہ ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت کی تو اسکے بعد
انہوں نے اپنے سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ
”ممالکِ اسلامیہ کے سفر میں جتنے مشائخ

اور علماء سے ملاقات ہوئی میں نے ان کو
امام مہدی کا بڑی جے تابی سے منتظر پایا۔“
اسی طرح یورپ کا ایک مفکر جس کا نام مارٹن اندرس
تھا۔ وہ بھی ایک دفعہ اسلامی ممالک کی سیاحت کے
لئے گیا۔ تو اُس نے بعد میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے
ہوئے لکھا کہ

”دشمنِ بیروت بغداد کہ طہران کا ہر وہ
اور اُن کے ساتھ لندن اور واشنگٹن بھی
ایک پیغمبر کے انتظار میں ہیں جو سماجی مقصد

لے بحوالہ رسالہ نگار ”جنودی دفتوری“ ۱۹۵۱ء

۵۔ بحوالہ مکتب اقبال صفحہ ۴۶۲، ۴۶۳

۶۔ ”اقترب الساعة“ ص ۲۱

لے اہل حدیث ۲۶، جنوری ۱۹۱۲ء

أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ

(بناؤ تو کہ) وہ جو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور پھر (پیدائش کے) سلسلہ کو جاری کرتا ہے۔ اور جو بادلوں اور

مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ط عِزَّ إِلَٰهٍ مَّعَ اللَّهِ ط قُلْ

زمین سے کہیں رزق دیتا ہے۔ کیا (اس تادریک) اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ تو کہہ دے

بھی خشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح جسمانی طور پر آسانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جو شش پیدا کرتا ہے اسی طرح روحانی طور پر جو آسانی پانی ہے (یعنی خدا کی وحی) وہی سفلی عقولوں کو تازہ کی بخشش ہے۔ سو یہ زمانہ بھی اس روحانی پانی کا محتاج تھا۔

میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں عین ضرورت کے وقت خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جبکہ اس زمانہ میں بہتوں نے یہود کا رنگ پکڑا اور نہ صرف تقویٰ اور طہارت کو چھوڑا بلکہ ان یہود کی طرح جو حضرت عیسیٰ کے وقت میں تھے سچائی کے دشمن ہو گئے۔ تب بالمقابل خدا نے میرا نام سچ دکھ دیا۔ نہ صرف یہ ہے کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں بلکہ خود زمانے نے مجھے بلایا ہے۔

غرض اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے یَسُودُ السَّيْلَ الْمَرْيُوحَ بِشَرْءٍ بَيْنَ يَدَيْ وَحْيِهِ کے مطابق بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت پر ایک نئی بھاری

قوی ہی قوی ہوں۔ کوئی پہلو کمزور نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں یہ لوگ دراصل نبی کے طالب ہیں اگرچہ زبان سے ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور کوئی اجرائے نبوت کا نام بھی لے تو اس کی زبان گڈی سے کھینچنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مگر اندر سے میں کے دل ایک نبی مانگتے ہیں اور نبی سے کم کسی پر راضی نہیں ہوں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسی رو چلا دی کہ تمام دنیا بڑی بے تابی سے ایک مسیح اور مہدی کا انتظار کرنے لگ گئی۔ یہ بھٹی بھٹی ہوا میں بس بات کا ثبوت تھیں کہ اب جلد ہی آسمان روحانیت پر ایسا بادل چھانے والا ہے جو اپنی موسلا دھار بارش سے پیامی روتوں کو میراب کر دیگا اور ان کی بے قراری کو دور کر دیگا۔ اسی لئے بانی سلسلہ احمدیہ نے لوگوں کو محی طہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

”مے بندگان خدا! آپ لوگ جاننے میں کہ جب اسباب باراں ہوتا ہے اور ایک مدت تک مینہ نہیں برستا تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کنوئیں

فرمایا۔ یہ لوگ شرک تو کرتے ہیں لیکن اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر رات کو اللہ تعالیٰ قیامت تک کیلئے مبارک دے تو خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو ان کے پاس روشنی دے گا۔ یا اگر دن کو قیامت تک کے لئے مبارک دے تو خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو ان کے لئے رات کا وقت دے۔ خدا تعالیٰ ہی ہے جو سورج کو چڑھاتا اور غروب کرتا ہے۔ پھر فرمایا یہ رات اور دن کا تسلسل اس لئے ہے کہ رات میں تم سکون حاصل کر سکو اور دن میں کام کاج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو۔ مگر شرک لوگ اپنے مزمومہ معبود کو اس کا خریک قرار دے دیتے ہیں حالانکہ کوئی شرک نہیں جو یہ تسلیم کرتا ہو کہ سورج کو اس کا معبود چڑھاتا ہے یا اس کا غروب ہونا کسی بت کے اشارہ سے ہوتا ہے۔

(آیت ۷۲ تا ۷۴)

فرمایا۔ ایک دن انے والا ہے جب ان مشرکوں سے کہا جائیگا کہ آج تمہارے مزمومہ شرک دکھائیں۔ وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتے۔ اگر تمہارے پاس شرک کی تائید میں دلائل تھے تو تمہاری وہ دلیلیں کہیں چلی گئیں۔ تب مشرکوں پر اپنے بتوں کا بھوٹا ہونا بالکل واضح ہو جائیگا اور وہ کہیں گے کہ سچی بات وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے کہی تھی۔ اور ان کے تمام مفتر یا نہ دعائیں ان کو بھول جائیں گے۔ (آیت ۷۵، ۷۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ مخالفوں کے سامنے قاتل کی مثال پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس نے دولت کے نشہ میں اپنی قوم پر سختی کرنی شروع کر دی وہ خزانوں کا انصر تھا جن کی کنجیاں اٹھانا بھی ایک مضبوط جماعت کے لئے دودھ بھرتا تھا۔ اس کی قوم نے اسے سمجھایا کہ تکبر نہ کر۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مگر اس نے کہا۔ یہ تمہارے لئے نہیں ملا بلکہ میں نے

خدا تعالیٰ کے سامنے یہ عذر کر دئے کہ ہم نے تو ان لوگوں کو وہی باتیں سکھائی تھیں۔ جن کو ہم سچا سمجھتے تھے مگر ان لوگوں پر ہمارا کوئی اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے ہمارے باتوں کو اس لئے مانا کہ خود ان کا اپنا دل ان باتوں کو ماننا چاہتا تھا ورنہ درحقیقت یہ ہمارے پیچھے نہیں چلے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی ہی انہوں نے تقلید کی ہے۔ (آیت ۶۳)

(۶۴ و ۶۵)

اس کے بعد ان کے بھوٹے معبودوں کی بے جا دگی ظاہر کرنے کے لئے انہیں کہا جائیگا کہ اب اپنے معبودوں کو بلاؤ اور انہیں کہو کہ وہ تمہیں اس عذاب سے نجات دیں۔ وہ آوازیں دیں گے مگر ان کا کوئی معبود انہیں جواب نہیں دے گا۔ اس وقت گمراہ ہونے والے حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ کاش ہم ہدایت اختیار کرتے اور اس غلط راستے پر نہ چلتے۔ (آیت ۶۵)

پھر خدا تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ بناؤ جو رسول میں نے تمہاری طرف بھیجے تھے، انہیں تمہارے کیا جواب دیا تھا۔ اس پر وہ ایسے گھبرا جائیں گے کہ تمام خیالات ان کے دماغ سے نکل جائیں گے اور وہ ایک دوسرے سے بھی کوئی بات پوچھنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ ان وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے وہ یقیناً بامراد ہونگے۔ (آیت ۶۶ تا ۶۸)

پھر بتایا کہ تمام تغیرات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ جو تغیر بھی چاہتا ہے جاری کرتا ہے۔ لیکن کفار کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور ان کے دل کے مخفی رازوں سے بھی آگاہ ہے اور وہ وحدہ لا شریک ہو اور ابھی اسی کی طرف ہوتی ہے اور انجام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے ہر کام میں حمد کا ہی مستحق ہوتا ہے۔ (آیت ۶۹ تا ۷۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ①

(یہی اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو بے حد کرم کرنے والا اور) بار بار رحم کرنا والا ہے (پڑھتا ہوں) -

طسّم ②

ظاہر (پاک) سمیع (دعا میں سننے والا) مجید (بڑی بزرگی والا) خدا اس سورۃ کو نازل کرنا والا ہے، اے

ذات کی قسم کھا کر تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ تجھے پھر کب
میں واپس لائے گا اور تجھے ان لوگوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔
خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون اسکا
انکار کر کے گمراہ ہو چکا ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے
کہ یہ ہدایت لائے گا اور لاکھوں رہے اور گمراہ کامیاب ہو جائیں
(آیت ۸۵-۸۶)

اے قرآن کے مخاطب اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان
نشان کو دیکھنے کے بعد تیرا فرض ہے کہ تو کفار کا کبھی
مددگار نہ بن اور کبھی شرک کے قریب مت جا اور کبھی
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنا۔ کیوں کہ
حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ ہر مرموعہ معبود بھی ہلاک ہو گا اور صرف
وہی بچے گا جس نے جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ ہو گی کیونکہ حکم
بھی اللہ تعالیٰ کا ہی چلتا ہے اور سب مخلوقات نے
پیش بھی اُسی کے حضور ہونا ہے۔

اے اس سورۃ کے ابتداء میں خود مقطعات
طسّم رکھے گئے ہیں۔ جو لطیف۔ سمیع اور مالک یا
مجید کے قائم مقام ہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا
لطیف ہے اور وہ لطف اور مہربانی سے کام لیتا ہے
جبر اور سختی سے کام نہیں لیتا۔ وہ مستمیع ہے۔ جب
دنیا ہدایت محمود ہوئی اور ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ
کی طرف پکار اُٹھی کہ ہمیں ہدایت دے تو اُس نے یہ
قرآن بھیج دیا۔ وہ مالات ہے مخلوق کا اسلئے وہ اپنے

اپنے علم کے زور سے اسے حاصل کیا ہے۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ
اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو تباہ کر چکا ہے جو اس
بھی زیادہ طاقتور تھیں۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک دن وہ بڑی شان
و شوکت سے اپنی قوم کے سامنے سے گزرا اور توہم نے اُس پر
رشک کیا مگر جو لوگ روحانی نگاہ رکھنے والے تھے انہوں نے
کہا کہ یہ کوئی قابلِ رشک چیز نہیں۔ رشک کے قابل وہ جزا
ہے جو مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ مگر یہ جزا
انہی لوگوں کو ملاتی ہے جو مشکلات میں صبر سے کام لیتے
ہیں۔ آخر قادیان کی سزا کا وقت آگیا اور ہم نے اُسے اور
اُس کے سارے خاندان کو ایسا ذلیل کیا کہ نہ تو کوئی گروہ
اُس کی مدد کے لئے نکلا اور نہ وہ خود اپنی حالت کو بدل
سکا۔ اور لوگوں کو اقرار کرنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی
ناشکری کرنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوا کرتا ہے (آیت
۸۷ تا ۸۹)

اس کے بعد بتایا کہ جو لوگ ملک میں ناجائز غلبہ
کے حصول کی کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد پھیلاتے ہیں
اللہ تعالیٰ انہی کو ترقیات سے حصہ دیا کرتا ہے (آیت ۸۴)
پھر نیک اور بد کی جزاء کے متعلق روشنی ڈالی اور بتایا
کہ ہمارا یہ اصول ہے کہ نیکی کا بدلہ تو کام کی نسبت بہت
زیادہ دیا جاتا ہے لیکن بدی کی سزا صرف اسی قدر دی جاتی
ہے جس قدر قصور ہوتا ہے۔ اور پھر بتائی کہ جو لوگ
اعلان کیا کہ گو ایک دنیوی قوم تجھے مکہ سے نکال دیگی
لیکن وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن فرما دیا ہے وہ اپنی

ان لوگوں میں یہ بحث کی گئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان اتنی جلد ہی کیوں خراب ہو گئے۔ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ کے ظہیم الشان احسانات ان پر تھے۔ اعلیٰ درجہ تمدن اور بہترین اقتصادی تعلیم انہیں دی گئی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ گر گئے اور ان کی حالت خراب ہو گئی۔ یہ نوٹ انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جو انگریزی لکھی ہوئی تھی وہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو نہیں لکھی ہوئی تھی۔ بلکہ دائیں طرف سے بائیں طرف کو لکھی ہوئی تھی لیکن پھر بھی میں اسے پڑھ رہا تھا۔ اور اس میں سے ایک فقرہ کے الفاظ قریباً یہ تھے کہ

THERE WERE TWO REASONS FOR
IT. THEIR TEMPERAMENT BECO
MING MORBID AND ANARCHICAL

یعنی وہ خرابی جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی طبع میں دو قسم کے نقائص پیدا ہو گئے تھے۔ ایک یہ کہ وہ ماربڈ MORBID ہو گئے تھے یعنی اُن غیر UN-NATURAL اور ناخوشگوار ہو گئے تھے۔ اور دوسرے اُن کی سڈ لیسر TENDENCIES ANARCHICAL ہو گئی تھیں۔ یعنی اُن میں

فساد اور بغاوت کی رُوح پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا کہ واقع میں یہ دونوں باتیں صحیح ہیں انکا ماربڈ MORBID ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ انہیں جو بھی ترقیات ملیں وہ اسلام کی وجہ سے ملی تھیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملی تھیں۔ اُن کی ذاتی خوبی یا کمالات کا اُن میں کوئی دخل نہیں تھا۔ مگر انہوں نے ان ترقیات کو اپنی ذاتی قابلیتوں کا نتیجہ سمجھنا شروع کر دیا حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکہ والوں کی جو کچھ حالت تھی اس کا اندازہ صرف اسی بات سے ہو سکتا ہے

کہ لوگ اُن کا صرف مجاور سمجھ کر ادب کرتے تھے۔ درندہ ذاتی طور پر اُن میں کوئی ایسی خوبی نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ اُن کی عزت کرنے پر مجبور ہوتے۔ ایسی طرح جب وہ غیر قوموں میں جاتے تو وہ بھی اُن کا مجاور سمجھ کر ہی اعزاز کرتے۔ یا زیادہ سے زیادہ تاجر سمجھ کر ادب کرتے تھے۔ انہیں کوئی حکومت قرار نہیں دیتی تھیں اور پھر ان کی حیثیت اتنی کم سمجھی جاتی تھی کہ دوسری حکومتیں سمجھتی تھیں کہ ہم جب چاہیں ان کو کچل سکتے ہیں جیسے مین کے گورنر نے بیت اللہ کو گرنے کے لئے حملہ کر دیا۔ جس کا قرآن کریم نے اصحاب الفیل کے نام سے ذکر کیا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت فرمایا تو تیرہ سال تک تو صرف تھوڑے سے آدمی آپ پر ایمان لائے مگر ہجرت کے اٹھویں سال بعد سارا عرب ایک نظام کے ماتحت آ گیا اور اسلام کو ایسی طاقت اور قوت حاصل ہو گئی کہ بڑی بڑی حکومتیں اس کو جوتے لگیں۔ اُس وقت دنیا حکومت کے لحاظ سے دو بڑے حصوں میں منقسم تھی۔ اول رومی حکومت دوم ایرانی سلطنت رومی سلطنت کے ماتحت تمام مشرقی یورپ۔ ترکی۔

ایچ سینیا۔ یونان۔ مصر۔ شام اور اناطولیہ تھا۔ اور ایرانی سلطنت کے ماتحت عراق۔ ایران۔ شین ٹری ٹوری کے بہت سے علاقے۔ افغانستان۔ ہندوستان کے بعض علاقے اور چین کے بعض علاقے تھے۔ ان دونوں حکومتوں کے سامنے عرب کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن ہجرت کے اٹھویں سال بعد سارا عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گیا۔ اس کے بعد جب سرحدات پر عیسائی قبائل کی شراکت کی آپ کو خبر ملی شروء ہوا تو پہلے تو آپ خود وہاں تشریف لے گئے اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ کوئی شاہی لشکر اس وقت جمع نہیں ہو رہا تو آپ بعض قبائل سے معاہدات کر کے

بیزری لڑائی کے واپس آگئے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد قبائل نے پھر نئے شروع کی۔ تو آپؐ نے اُن کی سرکوبی کئے حضرت اسمہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر تیار کیا۔ اس لشکر نے بہت سے قبائل کو سرزنش کی اد بہتوں کو معاہدے سے تابع کیا۔ پھر آپؐ کی وفات کے بعد اڑھائی سال کے عرصہ میں ہی یہ حکومت عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بھی یعنی شروع ہوئی۔ فتح مکہ کے پانچ سال کے بعد بڑائی حکومت پر حملہ ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعض علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا گیا تھا۔ اور چند سالوں میں رومی سلطنت اور دوسری سب حکومتیں تباہ ہو چکی تھیں۔ اتنی بڑی فتح اور اتنے عظیم الشان تغیر کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ تاریخ میں صرف یونین کی ایک مثال ملتی ہے لیکن اُس نے معاہدہ میں کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو تعداد اور طاقت میں اُس سے زیادہ ہو۔ جرمن کا ملک اسوقت ۱۴ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ اور اس طرح کی تمام طاقت منتشر تھی۔ چنانچہ ایک مشہور امریکن پرنسپل سے کسی نے پوچھا کہ جرمن کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے اُن نے کہا۔ ایک شیر ہے۔ دین کو مڑا رہی اور کچھ چوہے ہیں۔ شیر سے مراد دشیا تھا۔ کو مڑے مراد دوسری حکومتیں تھیں۔ اور چوہوں سے مراد جرمن تھے۔ گویا جرمن امن و تھکوتے ٹکڑے تھے۔ دوسرے ایک بڑی طاقت تھی۔ مگر دوسرے کے ساتھ ملکر آیا اور دہان سے ناکام واپس لوٹا۔ اسی طرح انگلستان کو بھی فتح نہ کر سکا اور انجام اس کا یہ ہوا کہ وہ قید ہو گیا۔ پھر دوسرا بڑا شخص ہٹلر ہوا۔ بلکہ زوڈرے آدمی دو ٹکوں میں پیدا ہوئے یعنی ہٹلر اور مسدینی۔ دونوں نے بیشک ترقیات حاصل کیں لیکن دونوں کا انجام شکست ہوا۔ مسلمانوں میں سے جس نے یکدم بڑی حکومت حاصل کی وہ تیمور تھا۔ اُس کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بیشک دنیا کے کئی دنوں تک گیا

لیکن وہ اپنے اس مقصد کو کہ ساری دنیا فتح کرے حاصل نہ کر سکا مثلاً وہ چین کو تابع کرنا چاہتا تھا لیکن تابع نہ کر سکا اور جب وہ مرنے لگا تو اُس نے کہا۔ میرے سامنے انسانوں کی ہڈیوں کے ڈھیر ہیں جو مجھے طاقت کر رہے ہیں۔ پس ہر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آدم سے لیکر اب تک ایسے گندے ہیں جنہوں نے خود واحد سے ترقی کی اور تھوڑے عرصہ میں ہی سارے عرب کو تابع فرمان کر لیا۔ اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے ایک خلیفہ نے ایک بہت بڑی حکومت کو توڑ دیا اور باقی علاقے آپؐ کے دوسرے خلیفہ نے فتح کر لئے۔ یہ تغیر جو واقع ہوا محض خدائی نصرت کا نتیجہ تھا۔ کسی انسان کا کام نہیں تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مکہ میں پہنچی تو ایک مجلس میں حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب پیغامبر نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو سب لوگوں پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہو گئی اور سب نے سہی سمجھا کہ اب ملکی حالات کے ماتحت اسلام پرالگندہ ہو جائیگا۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔ ایک ہی ہوگا؛ پیغامبر نے کہا۔ آپؐ کی وفات کے بعد حکومت قائم ہو گئی ہے اور ایک شخص کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کون خلیفہ مقرر ہوا ہے؛ پیغامبر نے کہا ابوبکرؓ۔ ابو قحافہؓ نے حیران ہو کر پوچھا۔ کن ابوبکرؓ؟ کیونکہ وہ اپنے خاندان کی حیثیت کو خوب سمجھتے تھے اور اس حیثیت کے لحاظ سے وہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اُن کے بیٹے کو سارا عرب بادشاہ تسلیم کرے گا۔ پیغامبر نے کہا۔ ابوبکرؓ جو فلاں قبیلہ میں سے ہیں۔ ابو قحافہؓ نے کہا۔ کس خاندان میں سے ہے۔ پیغامبر نے کہا۔ فلاں خاندان میں سے۔ اسپر ابو قحافہؓ نے دوبارہ دریافت کیا۔ وہ کس کا بیٹا ہے؛ پیغامبر نے کہا۔ ابو قحافہؓ کا بیٹا۔ اس پر ابو قحافہؓ نے کہا

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ اور پھر کہا۔ آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تھے۔ ابو قحافہ پہلے صرف نام کے ہی مسلمان تھے لیکن اس واقعہ کے بعد انہوں نے سچے دل سے سمجھ لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں راستباز تھے کیونکہ ابو بکرؓ کی خاندانی حیثیت ایسی نہ تھی کہ سارے عرب آپ کو مان لیتے۔ پس یہ الہی دین تھی۔ بعد میں مسلمانوں کی ذہنیت ایسی بڑی کہ انہوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ یہ فتوحات ہم نے اپنی طاقت سے حاصل کی ہیں۔ کسی نے کہنا شروع کر دیا کہ عرب کی اصل طاقت بنو امیہ ہیں۔ اس نے خلافت کا حق اُن کا ہے۔ کسی نے کہا۔ بنو ہاشم عرب کی اصل طاقت ہیں کسی نے کہا بنو مطلب عرب کی اصل طاقت ہیں کسی نے کہا بنو نضیر زیادہ عقدار و نصا رہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ گو یا تھوڑے ہی سالوں میں مسلمان مارہا MORBID ہو گئے۔ اور اُن کے دماغ بگڑ گئے اُن میں سے ہر قبیلہ نے یہ کوشش شروع کر دی کہ وہ خلافت کو بزدل حاصل کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت ختم ہو گئی پھر مسلمانوں کے بگڑنے کا دوسرا سبب انارکی ANARCHI ہے۔ اسلام نے سب میں مساوات کی مروج پیدا کی۔ لیکن مسلمانوں نے یہ نہ سمجھا کہ مساوات پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک آرگنائزیشن ہو۔ اس کے بغیر مساوات قائم نہیں رہ سکتی۔ اسلام آیا ہی اسی لئے تھا کہ وہ ایک آرگنائزیشن اور ڈسپلن قائم کرے اور ڈسپلن بھی ایسا جو ظالم نہ ہو لیکن چند ہی سال میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ خزانے ہمارے ہیں اور اگر حکام نے۔ اُن کے راستہ میں روک دانی تو انہوں نے انہیں مارنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ روح تھی جس نے مسلمانوں کو خراب کیا۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ یہ حکومت الہیہ ہے اور اسے خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ پس اسے

خدا تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ نور میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ خلیفہ ہم بنائیں گے۔ لیکن مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ خلیفہ ہم نے بنائے ہیں۔ اور جب انہوں نے یہ سمجھا کہ خلیفہ ہم نے بنائے ہیں تو خدا تعالیٰ نے کہا۔ اچھا اگر خلیفہ تم نے بنائے ہیں تو اب تم ہی بناؤ۔ چنانچہ ایک وقت تک تو وہ پہلوں کا مارا ہوا شکار یعنی حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا مارا ہوا شکار کھاتے رہے۔ لیکن مارا ہوا شکار ہمیشہ کام نہیں دیتا۔ زندہ بکرا۔ یا زندہ بکری یا زندہ مرغ مرغی تو ہمیں ہمیشہ گوشت اور اڈے کھانا ملے لیکن ذبح کی ہوئی مرغی یا بکری زیادہ دیر تک نہیں جا سکتی کچھ وقت کے بعد خراب ہو جا سکتی۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں تو مسلمان شکار کا تازہ گوشت کھاتے تھے لیکن جب انہوں نے اپنی زندگی کی روح کو ختم کر دیا تو تازہ شکار کی بجائے اپنے باپ دادا کا مارا ہوا شکار انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ مگر یہ شکار کب تک کام دے سکتا تھا۔ ایک ذبح شدہ بکری میں اگر بیس بیس میسر گوشت بھی ہو۔ تو آخر وہ ختم ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اُن کا مارا ہوا شکار بھی ختم ہو گیا اور پھر ان کا وہی حال ہوا کہ ”ہتھ پڑائے کھو مڑے بستے ہو رہی آئے“

وہ ہر جگہ ذلیل ہونا شروع ہوئے۔ انہیں ماریں پڑیں۔ اور اُن کی تمام شان و شوکت جاتی رہی۔ عیسائیوں نے تو اپنی مردہ خلافت کو آج تک سنبھالا ہوا ہے لیکن انہوں نے اپنی زندہ خلافت کو اپنے ہاتھوں زمین میں گاڑ دیا۔ جو محض نفسانی خواہشات۔ دنیوی ترقیات کی تمنا اور وقتی جوشوں کا نتیجہ تھا۔

اب چونکہ خدا تعالیٰ نے پھر اپنے فضل سے مسلمانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ

(بھرنو) کہدے کہ آسمانوں اور زمین میں جو مخلوق بھی ہے خدا کے سوا (ان میں سے کوئی) غیب کو

إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ بَلِ

ہیں جانتی ۔ اور ان میں سے کوئی یہ بھی نہیں سمجھتا کہ ان کو کب زندہ کر کے اٹھایا جائیگا ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ

میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تم ایک ایسی قوم بن جاؤ گے جو کبھی نہیں مرے گی ۔ اور اگر تم اس فیضان الہی کے رستہ میں روک بن گئے ۔ اس کے رستہ میں پتھر بن کر کھڑے ہو گئے ۔ تو وہ تمہاری قوم کی تباہی کا دقت ہوگا پھر تمہاری عمر کبھی لمبی نہیں ہوگی اور تم اسی طرح مرجائے جس طرح پہلی قومیں مریں ۔

پھر فرماتا ہے وَمَنْ يُزِدْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ دَافِقًا ۖ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ ۔ تم اس امر پر بھی غور کرو کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق دیتا ہے ؟ کیا خدا تعالیٰ کے صوا کوئی اور معبود ہے جو تمہیں یہ رزق بہرہنچا رہا ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ قوم کی مالی حالت میں جو ترقی جوتی ہے وہ بھی الہی سامانوں سے ہی جوتی ہے ۔ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جس میں محنت کی عادت نہ ہو ۔ اور کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جس میں سچ کی عادت نہ ہو ۔ اور قوم کے اندر محنت کرنے اور سچ پر قائم رہنے کا مادہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی آتا ہے پس قوی ترقیات کو کس خیر کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا مرنے ایک خدا کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے اور اس کے خلاف کوئی شخص دلیل پیش نہیں کر سکتا اور اگر کریگا تو خود تاریخ اس کو رد کر دیگی ۔

پھر اس آیت میں بنی نوع انسان کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ جب تمہاری جسمانی حیات کے لئے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق پہنچاتا ہے تو یہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اس لئے روحانی حیات کے لئے

کے ذریعہ جماعت احمدیہ میں خلافت قائم کی ہے اس لئے میں اپنی جماعت سے کہتا ہوں کہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھو ۔ اور خلافت کے قیام کے لئے قربانیاں کرتے چلے جاؤ ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خلافت تم میں ہمیشہ رہے گی ۔ خلافت تمہارے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے دی ہی اسی لئے ہے تا وہ کہہ سکے کہ میں نے اسے تمہارے ہاتھ میں دیا تھا ۔ اگر تم چاہتے تو یہ چیز تم میں قائم رہتی ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے الہامی طور پر بھی قائم کر سکتا تھا مگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اُس نے یہ کہا کہ اگر تم لوگ خلافت کو قائم رکھنا چاہو گے تو میں بھی اسے قائم رکھوں گا تو یا اُس نے تمہارے منہ سے کہلانا ہے کہ تم خلافت چاہتے ہو یا نہیں چاہتے ۔ اب اگر تم اپنا منہ بند کر لو ۔ یا خلافت کے انتخاب میں اہلیت نہ نظر نہ رکھو تو تم اس نعمت کو کھو بیٹھو گے ۔ پس مسلمانوں کی تباہی کے اسباب یہ غور کرو ۔ اور اپنے آپ کو موت کا شکار ہونے سے بچاؤ ۔ تمہاری عقلیں تیز ہوتی جائیں گی ۔ اور تمہارے حوصلے بلند ہو جائیں گی ۔ تم وہ چٹان نہ ہو جو دریا کے رخ کو پھیر دیتی ہے ۔ بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم وہ چینل CHANNEL بن جاؤ جو پانی کو آسانی سے گزرتی ہے ۔ تم ایک مثل موجیں کا کام یہ ہے کہ وہ فیضان الہی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہے اُسے آگے چلاتے چلے جاؤ ۔ اگر تم ایسا کرنے

ادْمَرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ تَفْبَلُ هُمْ فِي شَكٍّ

اجزئی زندگی کے بارے میں ان کا علم باطل ختم ہو گیا ہے۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں

مِنْهَا تَفْبَلُ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٤﴾

پڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کے بارے میں باطل اندازے ہیں ۶۴

ع
۱

جو انسانی پیدائش کا منہتی ہے کوئی انتظام نہ کیا ہو۔ اس کا انسانی جسم کی حفاظت اور اس کے بقا کے لئے رزق جتیا کرنا بتا رہا ہے کہ اسانی رزق کی دستی اور اس کی ترقی کے لئے بھی سامان جتیا کرتا ہے اور انبیاء و مصلحین کا وجود اس کی اس رزاقیت کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ اگر شرکین کا یہ دعویٰ کہ ان کے بُت بھی اپنے اندر خدائی طاقتیں رکھتے ہیں درست ہے تو انبیاء کے مقابلہ میں کیوں وہ مدعی پیش نہیں کرتے جو ان کے بتوں نے کھڑے کئے ہوں اور اگر وہ ایسا کوئی مدعی پیش نہیں کر سکتے تو یہ صاف طور پر اس امر کا ثبوت ہے کہ انہیں خدا تعالیٰ کا شریک قرار دینا ایک بے دلیل بات اور محض لاف زنی ہے۔

۶۴ ص ل غات۔ اِذْ ذٰلِكَ اَمَلٌ مِّنْ تَذٰوْلِكَ
تھا۔ ت کو دال سے ہم جرجز ہونے کی وجہ سے دال بنا کر دال میں ادغام کر دیا۔ پہلا حرف ساکن ہونے کی وجہ سے پہرہ وصل ابتداء میں لایا گیا۔ اور تَذٰوْلِكَ الْقَوْمُ کے معنی میں تِلْكَ حَقُّوْا اَعْنٰی لَجِئْ اَخْبَرُهُمْ اَوْ لَكُمُ بَعْنٰی قوم کا آخری حصہ اول حصہ سے مل گیا راقب)
عَمُونَ: عَمِیْیٰ کی جمع ہے اور النعمیٰ کے معنی ہیں دُو النعمیٰ اندھا جس کی آنکھوں کی مینائی جاتی رہے (راقب)

تفسیر:- فرماتا ہے زمین و آسمان میں سوائے خدا کے اور کوئی عذاب نہیں جانتا۔ یعنی مصطفیٰ علم غیب صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ اور یہ لوگ جو بتوں کے

پرستار ہیں یا ستاروں وغیرہ کو کچھ کر غیب کی خبریں بتانے کے دعویدار ہیں یہ تو اپنی ترقی کا زمانہ بھی نہیں بتا سکتے اور اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ان کی قوم کب ترقی کرے گی یہ برابر تباہ ہوتے جا رہے ہیں مگر نہیں جانتے کہ ان کی تباہی کب دور ہوگی۔ اس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو پہلے آئیے تھے آج کو دلوں کے سردار بنے ہوئے ہیں۔ اگر ان لوگوں کے معبود بھی اپنے اندر کوئی طاقت رکھتے یا انہیں ستاروں سے علم غیب حاصل ہو سکتا ہے تو کیوں یہ اپنی ترقی کا زمانہ بھی نہیں بتا سکتے اور کیوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی جو غیر اللہ سے علم غیب حاصل کرنے کے فائل نہیں روک نہیں دیتے جب یہ اپنی ترقی کا زمانہ بھی نہیں بتا سکتے تو انہوں نے اور کوئی غیب کی خبر بتانی ہے۔ پھر فرمایا کہ بَلِ اِذْ ذٰلِكَ عَلِمَهُمْ فِي الْآخِرَةِ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے انجام کے بارے میں علم سے بالکل خالی ہیں بَلِ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْکَ خود بھی اپنی ترقی کے متعلق انہیں کوئی یقین نہیں۔ صرف اندھوں کی طرح ٹھنسنے کرتے ہیں جس طرح اندھا ادھر ادھر مارتا ہے تو کبھی اس کے ہاتھ میں بکری آ جاتی ہے اور کبھی لوط۔ کبھی سیدی مرثک پر چلنے لگتا ہے اور کبھی گڑھے میں گر جاتا ہے اسی طرح ان کو کبھی کبھی کوئی ایک ادھ بات ٹھنسنے سے درست معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی حق سے دور باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔ بہر حال ان میں اور خدا تعالیٰ کے انبیاء

۱۰۰
اِذْ ذٰلِكَ

۱۰۰
عَمُونَ

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُنَا أَيْسًا

اور کانہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر زمین سے

لَمُخْرَجُونَ ﴿۶۸﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاءُنَا مِنْ

زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ ہم اور ہمارے باپ دادوں سے اس سے پہلے ایسا ہی وعدہ

قَبْلُ وَإِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۶۹﴾ قُلْ

کیا گیا تھا۔ مگر یہ صرف پہلے لوگوں کی باتیں ہیں (جو کبھی پوری نہیں ہوتیں)۔ تو کہہ دے کہ

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۷۰﴾

زمین میں پھرد اور دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا تھا۔ ۷۰

الْمُبَرَّدُ جَنَّةٌ أُسْطُورَةٌ۔ امام لغت مبرّد نے کہا کہ اسطویر اسطویر کی جمع ہے اور اسطویرۃ کے معنی ہیں مَا يُسْطَرُّ اَنْ يَلْتَبَّ۔ یعنی ہوئی تحریر (اقرّب) تفسیر:- فرما ہے۔ کفار کہتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہو جائیں گے تو اس وقت ہم دوبارہ زندہ کیا جائیگا۔ بیشک ہیں اور ہمارے گذشتہ آباء اجداد کو بھی اس سے پہلے ایسے ہی وعدے کیے جاتے رہے ہیں مگر ہم تو سمجھتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور یہ قیامت کا شور و غصّ پڑانے لوگوں کی ایک نفل ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم زمین میں پھر کر دیکھو۔ کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔ پھر کیوں تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو خدا اس دنیا میں مجرموں کو اپنے کیفر کردار تک پہنچا سکتا ہے۔ اس دنیا میں انہیں قیامت کا ایک نظارہ دکھایا جاتا ہے۔ اس کیسے انہیں دوسری قیامت کا نظارہ دکھانا کونسا مشکل امر ہے۔ تمہارا بڑا اعتراف آخر یہی ہے کہ ہزاروں سال سے کہنے والے کہتے چلے آئے

میں ایک نیاں فرق پایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انبیاء پر جرحی نازل ہوتے ہیں اس میں آسمان و زمین کے غیب بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر غیر اشد میں سے کوئی نہیں جو آسمان و زمین کا غیب بتا سکے۔ پھر نبی تو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ انہی قوم اور ان کے ماننے والے کب ترقی کریں گے۔ لیکن معبود باطلہ کا کوئی نمائندہ کسی نہیں بتا سکتا کہ معبودان باطلہ کب زندہ ہونگے۔ یعنی ان کا مشرک نہ دین کب دنیا میں قائم ہوگا۔ اس بارہ میں ان کا علم ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ اب تو انہیں اپنی ترقی کے متعلق خود بھی کوئی یقین نہیں رہا۔ صرف اٹکل بچو باتیں کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ اٹکل بچو باتیں بھی الگ ہیں اس حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس بارہ میں بالکل اندھے ہیں۔ اور اپنے مستقبل کے متعلق کچھ بھی نہیں کہہ سکتے جبکہ خدا کا دوسل توحید کی امتاعت اور اس کے غلبہ کی خبروں کے بعد خبریں دے رہے ہیں اور دنیا میں ایک تغیر عظیم پیدا ہو رہا ہے۔

۷۰ حل لغات اسطویر: سطر کی جمع اسطویر ہے اور اسطویرۃ کی جمع اسطویر ہے۔ وقال

استاذ

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٤١﴾

اور تو اُن پر غم نہ کھا اور اُن کی تدبیروں کی وجہ سے تنگی محسوس نہ کر۔ اللہ

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٢﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟

قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي

تو کہہ دے کہ ممکن ہے کہ وہ (عذاب) جس کے لئے تم جلدی کر رہے ہو اُس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے

تَسْعُجِلُونِ ﴿٤٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

جلا آ رہا ہو۔ اور تیرا رب نیکووں پر فضل کرنے والا ہے

۳۱ تفسیر:۔ چونکہ ادھر یہ بتایا گیا تھا

کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اپنی سزا سے نہیں بچ سکتے۔ اور وہ بھی پہلے مجرموں کی طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوں گے۔ اور یہ

بات ایسی تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں سخت قلق اور اضطراب پیدا کرنے والی تھی۔ کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی قوم ہلاک ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تو

ان کی تباہی پر غم نہ کر۔ کیونکہ یہ تباہی کی گھڑی ان پر ضرور آنے والی ہے مگر چونکہ ابھی اُن کی کامل تباہی میں کچھ دیر ہے۔ اس عرصہ میں یہ لوگ تیرے خلاف برا بر منصوبے کرتے چلے جائیں گے اور تجھے مٹانے کیسے

ہر قسم کی تدابیر عمل میں لائیں گے پس تو اپنی تدبیر پانچوں میں تنگی محسوس نہ کر۔ کیونکہ آخر اپنی تدبیریں ناکام رہیں گی اور

دیکھی کا سیلابی کامنہ نہیں دیکھ سکیں گے۔

ہیں مگر قیامت اب تک نہیں آئی۔ اور تمہارے نزدیک یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قیامت کا آنا بالکل باطل ہے۔ لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا خدا قیامت نہیں لا سکتا؟ اگر وہ لا سکتا ہے اور تم اپنی آنکھوں سے دنیا میں اس کے

نظارے بھی دیکھ رہے ہو تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ قیامت کیوں نہیں آئی ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ سَيُزِيلُ فِي الْأَرْضِ مَا نَظَرُوكَ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ تم زمین میں پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔ کیا

منزائیں پاتے رہے۔ اور جب آج تک تمام مجرم سزا پاتے چلے آئے ہیں تو تم یہ کس طرح سمجھ سکتے ہو کہ ہمیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ جس طرح پہلی

مجرم قوموں پر دنیا میں ہی قیامت کا آ جانا اور اُن کا مصلوب ہوتی سے معدوم کر دیا جانا اخروی قیامت کا ایک ثبوت ہے۔ اسی طرح تم پر جو دنیوی عذاب آئیں گے

یہ بھی اخروی قیامت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہونگے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۴۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ

بہنوں میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔ اور تیرا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے

مَا تَكُنْ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۴۴﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ

جی کو ان کے سینے چھپا رہے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کر رہے ہیں ﴿۴۴﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی

فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۴۵﴾ إِنَّ

چھپی ہوئی چیز ہے ایک بیان کرنے والی کتاب میں (محفوظ) ہے۔

هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكُثْرَ الَّذِي

یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں سناتا ہے جن میں

هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً

وہ اختلاف کر رہے ہیں اور وہ ضرور مومنوں کے لئے ہدایت

لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ

اور رحمت ہے۔ تیرا رب ان (یعنی بنی اسرائیل) کے درمیان اپنے حکم (یعنی قرآن) کے ساتھ دیکھا فیصلہ کرتا ہے۔

مَنْكُنْ

۴۳ ص ل لغات: مَنْكُنْ: كُنْ سے

باب افعال فعل مضارع معرود واحد مونث کا صیغہ ہے۔ اور كُنْ الثَّانِيَّةُ وَكَانَتْ کے معنی میں مَسْتَوْدُ فِي كَيْتِهِ وَغَطَّاهُ وَانْخَفَاہُ۔ کسی چیز کو پردے میں چھپا دیا۔ (اقرب)

تفسیر:- فرماتا ہے۔ یہ کفار اس قدر سرکش ہو گئے ہیں کہ بجائے اس کے کہ انہیں جو ڈھیل دی گئی ہے اس سے یہ نادمہ اٹھاتے ہوئے اپنے نفس کی اصلاح کرتے اور خدا تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے یہ بڑی بے باکی سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہو گا۔ تو ان سے کہہ دے

کو ممکن ہے وہ عذاب جس کیلئے تم جلدی کر رہے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو۔ یعنی تباہی کی کامل گھڑی تو کچھ دیر میں آگئی لیکن اس کے پہلے بعض اور چھوٹے چھوٹے عذابوں کا جلدی آنا بھی مقدور ہو سکتا ہے۔ تبس انہی بیباکی سے تو بگڑتی چلیں کہ کوئی انسان بھی خدا تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کر سکی طاقت نہیں رکھتا۔ باقی رہا یہ سوال کہ بڑا عذاب جلدی کیوں نہیں جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا فضل کرتا ہے، یعنی وہ چاہتا ہے کہ جس طرح بھی ہو لوگوں کو ڈھیل دیکر بچا لوں مگر انہیں کہ بجائے اس کے کہ بتاؤ اس شکر گزار ہوں ڈھیل دیکھ کر وہ بھی شکریہ بوجھتے ہیں اور شراوتوں میں رتی کر جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ تیرا رب ان کے نفسی ارادوں کا ہر باتوں سب کو جانتا ہے اور ان کو جو ہے انہیں سزا کا مستحق سمجھتا ہے مگر محض اپنے فضل کی وجہ سے انہیں ڈھیل دے رہا ہے۔

جو خود ملہم من اللہ ہوئے خدا تعالیٰ کے وجود میں کس طرح
شہر ہو سکتا ہے۔ پس علم النفس کی شہادت سے بھی
ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر بائبل نے
جو الزام لگایا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ اور یہ چیز ایسی ہی
جو عقلمند کو تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا
برٹینیکا جسے انگلستان کے بڑے بڑے علماء نے لکھ کر
مرتب کیا ہے اس میں بھی اس امر پر بحث کرتے ہوئے
تسلیم کیا گیا ہے کہ ہارون علیہ السلام کے شرک کرنے کا
واقعہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے
ہوئے لکھتا ہے کہ بائبل میں خود بھی کئی واقعات بعد
میں لڑھا دیئے گئے ہیں۔

اسی طرح بائبل بیان کرتی ہے کہ جب بنی اسرائیل
نے مصر سے ہجرت کی تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے
مگر قرآن کریم کہتا ہے کہ وَهْمُ أَوَّلَتْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ
ہزاروں تھے اور تاریخ سے اور بائبل کی تفصیلات
سے بھی پتہ لگتا ہے کہ وہ ہزاروں ہی ہو سکتے تھے
لاکھوں نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ لاکھوں آدمی اتنی
جلدی مصر کے دوردراز علاقہ سے بحیرہ قلزم تک
نہیں پہنچ سکتے تھے۔ نہ لاکھوں آدمیوں کے لئے
سواریاں میسر آ سکتی تھیں۔ آجکل مشینوں کا زمانہ
ہے۔ لیکن پھر بھی اگر تیس چالیس ہزار آدمی ایک جگہ
سے دوسری جگہ جانا چاہیں تو دیس اور لاریاں اُنکے
لے جانے سے عاجز ہو جاتی ہیں کجا یہ کہ گھوڑوں کیوں
اور گھوڑوں کا زمانہ ہو اور ایک رات میں لاکھوں آدمی
کئی سو میل پر پہنچا دیئے جائیں۔

۵ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا جلد ۴ زیر لفظ دی
گوڈن کاف جلد ۱۵ زیر لفظ موسیٰ۔

۶۵ حدود باب ۱۲ آیت ۳۸۔

۶۶ سورہ بقرہ ۳۲۔

اسی طرح قرآن کریم بھی بیان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم
علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بیٹے کو قرآن کہنے
کا حکم دیا اور بائبل بھی یہی بیان کرتی ہے مگر تفصیلات
کو دیکھا جائے تو بائبل کا حکم بالکل بے معنی معلوم ہوتا
ہے۔ لیکن قرآن کریم کا حکم اپنے اندر بڑی بھاری حکمتیں
رکھنے والا دکھائی دیتا ہے۔ بیشک قرآن اور بائبل کا
اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ بائبل کہتی ہے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔
اور قرآن کریم حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام لیتا ہے لیکن
ذبح اسحاق ہوا اسماعیل اس سے کوئی خاص فرق نہیں
پڑتا بات ایک ہی رہتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بیٹے کی قربانی کا حکم دیا
اور آپ نے اُسے قبول کر لیا۔ لیکن جہاں تک اس واقعہ
کے اخلاقی پہلو کا تعلق ہے قرآن کریم کا بتایا ہوا واقعہ
اپنے اندر بڑی بھاری معقولیت دکھاتا ہے۔ لیکن بائبل
کے بیان کردہ واقعہ میں کوئی معقولیت دکھائی نہیں
دیتی۔ بائبل کہتی ہے کہ

”خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اُسے کہا

اے ابراہام! اُس نے کہا۔ میں حاضر ہوں۔

تب اُس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اسماعیل

کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے

ساتھ لے کر موریہ کے ملک میں جا اور

وہاں اُسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر

جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے

طور پر چڑھا۔

بائبل کہتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
ایسا ہی کیا۔ لیکن جب انہوں نے اسحاق کو باندھا

نے پیدائش باب ۲۲ آیت ۲۱

اور اُسے قربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھا اور جھیری لی تاکہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے

تب خداوند کے فرشتے نے اُسے آسمان

سے پکارا کہ اے ابراہام! اے ابراہام!

اُس نے کہا میں حاضر ہوں۔ پھر اُس نے

کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور

نہ اُس سے کچھ کر۔ کیونکہ میں اب جان گیا

کہ تو خدا سے ڈرتا ہے۔ اس لئے کہ تو نے

اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے

دریغ نہ کیا۔ اور ابراہام نے نگاہ کی اور

اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے

سینگ جھاڑی میں اٹکے تھے۔ تب

ابراہام نے جا کر اُس مینڈھے کو پکڑا اور

اپنے بیٹے کے بدلے سوختنی قربانی کے

طور پر چڑھایا۔

گویا بائبل کے بیان کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کسی شکل میں بھی ذبح نہیں کیا گیا۔ نہ ظاہری رنگ میں اور نہ تشبیہی رنگ میں اور اس طرح یہ مبارک واقعہ بائبل کے بیان کے مطابق ایک کھیل تھا جو نوزائیدہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کھیلا۔ آخر اس میں کب لطف تھا کہ پہلے تو خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تو اسماعیل کو ذبح کر اور پھر انہیں منع کر دیا۔ اگر اس واقعہ سے خدا تعالیٰ کا صرف اتنا ہی فساد تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان ظاہر ہو تو کب خدا تعالیٰ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ ابراہیم صادق الایمان اور راست باز انسان ہے اور اُسے جو بھی حکم دیا جائیگا وہ اُس کی تعمیل کے لئے فوراً کھڑا ہو جائیگا۔ اور جبکہ خدا تعالیٰ کو پہلے ہی سے اس بات کا علم تھا تو حضرت اسماعیل کو ذبح کرنا حکم دینا

نہ پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۴ تا ۱۹

اور پھر اُس سے روک دینا ایک بالکل بے معنی بات بن جاتی ہے۔ اور اس کی تہ میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی۔ لیکن قرآن کریم بتاتا ہے کہ اسماعیل کی قربانی کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا وہ تشبیہی زبان میں تھا۔ یہ مراد نہیں تھی کہ آپ واقعہ میں اپنے بیٹے کو جھیری سے ذبح کر دیں بلکہ ذبح سے مراد اُسکو دین کی خاطر ایسی جگہ پر رکھنا تھا جہاں کھانے پینے کے سامان مہیا نہیں تھے۔ چنانچہ گو قرآن کریم کے مطابق بھی حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے سے منع کیا گیا لیکن خواب کا جو اصل مفہوم تھا یعنی حضرت اسماعیل کو ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ آنا۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس حکم پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عمل کروایا چنانچہ آج تک مکہ اسماعیل کی نسل سے آباد ہے اور خدا نے واحد کی دہاں پرستش کی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے۔ پس قرآنی تشریح کے مطابق یہ قربانی ظالمانہ اور وحشیانہ نہیں تھی۔ بلکہ پُر مغز اور بامعنی قربانی تھی جس سے آج تک دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اور اب بھی اسماعیل کے ذریعہ اس بے آب و گیاہ جنگل میں خدائے واحد کا نام بلند کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لاکھوں آدمی حج کے موقع پر اس دادی غیر ذی ذراع میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر شخص بلند آواز سے کہتا ہے کہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ۔ یعنی اے میرے خدا میں حاضر ہوں۔ جس طرح کہ ابراہیم نے کہا تھا کہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تیری توحید کو پھیلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اب اس واقعہ پر غور کرو اور سوچو کہ کیا بائبل میں بیان کیا ہوا واقعہ قرآن کریم

بیان کردہ واقعہ سے کوئی بھی مناسبت رکھتا ہے۔ بائبل کا حکم تو ایک وحشیانہ اور ظالمانہ حکم معلوم ہوتا ہے جس میں کوئی محبت نہیں تھی۔ اسحاق کے گلے پر پھری پھیرنے سے دنیا کو کیا فائدہ ہو سکتا تھا یا خود اسحاق کو کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ مگر اسمعیل کو مکہ میں چھوڑنے سے اسمعیل کو بھی فائدہ ہوا اور دنیا کو بھی فائدہ ہوا اسمعیل توحید سکھانے کا ایک بہت بڑا استاد بن گیا اور دنیا اس کے ذریعہ خدائے واحد کی عبادت کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مکہ کو دنیا کے نقشہ سے الگ کر دو تو ساری دنیا میں توحید کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا۔ اور اسمعیل کی قربانی کو حذف کر دو تو خدا تعالیٰ کے لئے زندگیاں وقف کرنے والا دلولہ پیدا کرنے کی کوئی صورت دنیا میں باقی نہیں رہتی۔ پس قرآن کریم ہر قسم کے گمراہی کو جو مردہ زمانہ کی وجہ سے بائبل کے واقعات پر چھایا تھا صاف کر کے پتھے اور درست واقعات دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ **وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ** یعنی آسمان اور زمین کی ہر مخفی سے مخفی بات خدا تعالیٰ کے علم میں محفوظ ہے پھر قرآن کریم صرف انہی حقائق پر روشنی نہیں ڈالتا جن میں مسلمانوں اور بنی اسرائیل کا باہم اختلاف ہے بلکہ وہ یہود اور نصاریٰ کے آپس کے اختلافات کو مد نظر رکھتے ہوئے بھی دنیا کے سامنے صحیح حقیقت کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ مثلاً پیدائش مسیح کے متعلق ہی تمام یہود اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت مسیح کی ولادت لغزو باللہ ناجائز تھی۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح یوسف نبی کے نطفہ سے بغیر شادی کے پیدا ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ متیہر انائی، ایک

ودی سپاہی تھا جس نے حضرت مریم کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے اور انہی تعلقات کے نتیجہ میں حضرت مسیح کی ولادت ہوئی۔ اس کے مقابلہ میں انجیل یہ بیان کرتی ہے کہ یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اُس کی ماں مریم کی سنگینی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو اُن کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی باب ۱ آیت ۱۸)

غرض یہود اور نصاریٰ میں ولادت مسیح کے مسئلہ پر ہی عظیم الشان اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہود آپ کی ولادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور عیسائی اس ولادت کو روح القدس کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ قرآن کریم یہود اور نصاریٰ کے اس باہمی نزاع کا فیصلہ کرتے ہوئے نہایت واضح الفاظ میں اعلان فرماتا ہے کہ **وَالْحَقُّ أَخْصَنَتْ نَجَّجْنَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ دُونِ جَنَّا وَجَعَلْنَاهَا ذَا بَنِينَ آيَةً لِلْعَالَمِينَ** (انبیاء ۱۷) یعنی حضرت مریم نے اپنے تمام سوراخوں کو گندہ سے محفوظ رکھا تھا۔ پس اُن پر بدکادی کا الزام لگانا ایک شرمناک افتراء ہے۔ اُن کو جو حمل ہوا تھا وہ درحقیقت ایک پاک روح تھی جو ہم نے خود اس کے اندر نفخ کی تھی۔ اسی طرح حضرت مسیح کے دعویٰ مسیحیت کو لو۔ تو یہودی تو سرے سے ہی آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ اور عیسائی آپ کو خدا تعالیٰ کا رسول تسلیم کرنے کی بجائے خدا تعالیٰ کا بیٹا تصور کرتے ہیں۔ اسلام ان دونوں نظریات کے خلاف ایک صحیح اور درست عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہود بھی غلطی پر ہیں جو حضرت مسیح کے کئی طور پر مسکرتے ہیں۔ اور عیسائی بھی غلطی پر ہیں جو اُن کو خدا تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۷ صفحہ ۱۰۱ پر لکھتا ہے

بھی بات صرف ہی ہے کہ حضرت مسیح بنی اسرائیل کی طرف صرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے یہ

اسی طرح یہودی حضرت مسیح کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مصلوب ہو کر لہنتی بنے۔ اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ وہ موت کے بعد گنہگاروں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے صرف تین دن جہنم میں رہے اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر خدا تعالیٰ کے واسطے ہاتھ جابیٹھے۔ لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ صلیب پر لٹکائے جانے کے بعد اُن کے بے ہوش ہو جانے کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ وہ صلیب پر فوت ہو گئے ہیں ورنہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے تھے یہ اور پھر صلیب سے نجات پانے کے بعد وہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں کشمیر میں لایا۔ اور انہوں نے ایک بے عرصہ تک اشاعتِ دین کے فرائض سر انجام دیئے۔ مومن قرآن کریم یہود اور نصاریٰ کے باہمی اختلافات کو بھی دُور کرتا ہے اور اُن امور پر بھی روشنی ڈالتا ہے جو مسلمانوں اور بنی اسرائیل میں مابہ النزاع ہیں اور اس طرح بنی نوع انسان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان چمٹا کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ سے صرف بنی اسرائیل کے باہمی اختلافات کو ہی دُور نہیں کرے گا بلکہ وہ چونکہ غالب اور علم والا ہے۔ اس لئے وہ اپنی مختلف قوموں اور فرقوں کے درمیان فیصلہ بھی کر دیگا اور سچوں کو غالب اور جھوٹوں کو مغلوب کر دیگا۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد عیسائی ہر جگہ غالب آگئے اور یہودی جو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر تھے ہر جگہ مغلوب ہو گئے مگر عیسائیت کا غلبہ چونکہ اسلام کے لئے ایک متعل خطرہ کا باعث تھا اور مسلمانوں پر اشاعتِ اسلام کی بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد ہونے والی تھیں اس لئے عیسائیت کے غلبہ کی خبر دیتے ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ قَتَوْا هَٰذَا هَٰذَا عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنے دین کی اشاعت کرتے چلے جاؤ کیونکہ وہ عیسائیت اور یہودیت کے باہمی نزاع میں عیسائیت حق پر ہے مگر حق میں صرف اسلام کے پاس ہی ہے اس لئے تمہارا کام یہ ہے کہ تم اسلام کی اشاعت کے لئے ہر قسم کی تدابیر کام میں لاؤ اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھو۔ کہ وہ تمہیں ضرور کامیاب کرے گا۔ اور اسلام کا جھنڈا اُڑانے کا تمام جھنڈوں سے اونچا لہرائیگا۔ مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں نے توکل کا نہایت غلط مفہوم سمجھ لیا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کسی تدبیر سے کام نہ لے اور اپنے تمام کاموں کی سرنگام ہو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں تو توکل ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن دنیا کے معاملہ میں کبھی توکل نہیں کرتے۔ کبھی کسی کا عزیز پیار ہو جائے تو تم یہ نہیں دیکھو گے کہ وہ خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ رہے اور کہے کہ جی اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں وہ خود اُسے اچھا کر دیگا۔ بلکہ وہ فوراً دوائی لینے کے لئے ہسپتال کی طرف دوڑے گا۔ وہ کبھی نہیں کہے گا کہ بھلا، ملیر یا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے یا مہضہ بھیجے کیا کر سکتا ہے یا طاعون بھیجے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے وہ فوراً علاج کر لیگا۔ اور ڈاکٹروں کی نیسوں پر مردہ بھی خرچ کر لیگا۔ اور اس معاملہ میں توکل سے کام لینے کی بجائے تدبیر سے کام لیگا اسی طرح کبھی تم نہیں دیکھو گے

لے آل عمران آیت ۵۰ لے نساء آیت ۱۵۸

لے مومنون آیت ۵۱

کہ کوئی لڑکا سکول میں داخل ہو تو نہ کنایہ خریدے نہ پڑھائی
کرسے اور یہی کہتا رہے کہ اللہ مجھے پاس کر دیگا میں اس
پر بچے طوطہ پر توکل کرتا ہوں۔ یا کسی کو اپنے لئے مکان کی
ضرورت ہو تو نہ اینٹیں مہیا کرے۔ نہ چونا خریدے۔ نہ
کارا بنوائے نہ مزدور اور دستری بوائے اور کہے کہ مجھے
کیا ضرورت ہے کہ میں یہ تردد کروں۔ اللہ تعالیٰ خود مکان
بنادیکے۔ یہ مثلاً کھانے کی ضرورت ہو تو جوئی کھانا تیار
نہ کرے اور شام کو جب خاندان گھر آئے اور پوچھے کہ
کھانا تیار ہے تو وہ کہے کہ مجھے کھانا تیار کرنے کی کیا
ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہر جاندار کو روزی
پیشیانا ہے وہ خود ہمیں کھانا پہنچا دینگا۔ اب کیا تم
سمجھتے ہو کہ خاندان اس کی بات سن کر یہ کہے گا کہ
میری جوئی نے ٹرا توکل کیا۔ وہ یقیناً میرا لاشکی کا
انہار کرے گا۔ بلکہ ایک غیر تعلیم یافتہ گنوار تو کچھ تعجب نہیں
کہ وہ چار سو ٹھیاں بھی رسید کر دے۔ مگر اس قسم کا توکل لوگوں
کو دین کے معاملہ میں فوراً یاد آ جاتا ہے۔ ہم اپنی روٹی
کے لئے توکل نہیں کرتے۔ ہم اپنے مکان کے لئے توکل
نہیں کرتے ہم اپنی ملازمت کے لئے توکل نہیں کرتے۔ ہم
اپنے دوسرے کاموں کے لئے توکل نہیں کرتے بلکہ تمام
تدابیر اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں
میں مقرر فرمائی ہیں۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے کہ موت اور حیات میرے اختیار میں ہے۔ ذات اور
عزت میرے ہاتھ میں ہے۔ رزق کی فراخی اور تنگی میرے
ہاتھ میں ہے۔ ہم موت سے بچنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم
حیات کے پید کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ذات سے
محفوظ رہنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم عزت اور ترقی کے
محصول کے لئے بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم رزق بڑھانے اور
آمدنی کو وسیع کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ گو یا ہم وہ
سادی تدابیر اختیار کرتے ہیں جن تدابیر کا اختیار کرنا

دنوی کاموں کی سرانجام دہی کے لئے ضروری ہے۔ مگر جب
دین کا سوال آ جاتا ہے ہم نہایت بے تکلفی سے کہہ دیتے
ہیں اللہ تعالیٰ آپ کرے گا۔ میں اس میں فکر کرنے کی کیا
ضرورت ہے۔

میں ایک دفعہ لاہور سے آ رہا تھا۔ یہ حضرت خلیفۃ الاولیاء
رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے جس کمرہ میں میں صوار
ہوا اسی کمرہ میں ایک مشہور پیر صاحب بھی صوار ہوئے۔
انہیں مجھ سے کچھ کام تھا۔ اور وہ مجھ سے ایک معاملہ میں
مدد لینا چاہتے تھے۔ دو دین گفتگو میں انہوں نے مجھے ممنون
کرنے کے لئے ایک دو مال نکالا جس میں کچھ میوہ بندھا ہوا
تھا۔ اور دو مال کھول کر میرے سامنے بچھا دیا اور کہا کہ
کھائیے۔ وہ مجھ سے کسی احمدی کے پاس ایک معاملہ میں
مداخلت کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس سے پہلے وہ پیر صاحب
یہ فتویٰ بھی شائع کر چکے تھے کہ احمدیوں سے ملنا جلنا اور
گفتگو کرنا بالکل حرام ہے اور اگر کوئی ان سے ملے یا گفتگو
کرے یا ان کے جلسہ میں شریک ہو تو اس کی جوئی پر طلاق
واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ جب سیالکوٹ تشریف لے
گئے اور وہاں ایک جلسہ ہوا جس میں آپ نے تقریر فرمائی
تو راستہ میں بڑے بڑے مولوی ان پیر صاحب کے فتویٰ کے
اشتمعات اٹھائے ہوئے لوگوں کو کہہ رہے تھے کہ جو مرزا صاحب
کے کچھ میں جائیگا اس کی جوئی کو طلاق ہو جائیگی۔ جو احمدیوں
سے طلیقا اس کی جوئی کو بھی طلاق ہو جائیگی اور جو ان کے
سلام کا جواب دیکھا اس کی جوئی کو بھی طلاق ہو جائیگی
مجھے یاد ہے جلسہ میں جب لوگ جاتے تو ہاں بڑے بڑے
مولوی کھڑے ہو کر لوگوں کو روک کر کہتے کہ اندر مت جانا۔ ورنہ
تمہارا نکاح منسوخ ہو جائیگا۔ اس پر کئی جوش میں آ جاتے اور
کہتے نکاح کا کیا ہے نکاح تو سودا و بیع دیکر پھر بھی پڑھا
نہ جائیگا۔ مرزا صاحب نے روز روز نہیں مانا۔ اس لئے

ان کا ٹیکو ضرور پھٹس گئے۔ اور یہ کہہ کر وہ جلسہ میں شامل ہو جاتے تھے وہی پیر صاحب نے جن کا یہ فتویٰ تھا کہ احمدیوں سے شے اور باتیں کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ یس بنائے سلسلہ احمدیہ کا لڑکا ہوں مدال بھکا کر میرے سامنے میوہ دکھ دیا اور کہا کھائیے۔ مجھے اس فتویٰ کی وجہ سے یوں بھی افسوس تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا سامان بھی پیدا کیا ہوا تھا۔ اودہ یہ کہ اُس روز مجھے کھانسی اور نزلہ کی شکایت تھی۔ میوہ میں کشش بھی تھی جس کا کھانا نزلہ کی حالت میں نزلہ کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے اسلئے میں نے معدت کی کہ آپ مجھے معاف رکھیں مجھے نزلہ کی شکایت ہے میں میوہ نہیں کھا سکتا۔ پیر صاحب فرمائے گئے کہ نہیں کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کھائیں تو سہی۔ میں نے پھر انکار کیا کہ مجھے اس حالت میں ذرا سی بد پرہیزی سے بھی بہت تکلیف ہو جاتی ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ یہ تو باتیں ہی ہیں۔ کرنا تو سب اللہ نے ہوتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو اللہ کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ پیر صاحب آپ نے یہ بات بہت بعد میں بتائی۔ اگر آپ لاہور میں ہی بنا دیتے تو آپ اور میں ایک نقصان سے بچ جاتے۔ کہنے لگے وہ کیا۔ میں نے کہا غلطی یہ ہوئی کہ آپ نے بھی دین کا ٹکٹ لے لیا اور میں نے بھی وہ امر سرا رہے تھے اور میں بنالہ آ رہا تھا) اگر اس مسئلہ کا پیسہ علم ہوتا تو نہ ہم ٹانگے پر کرا یہ خرچ کرتے نہ دین کا ٹکٹ مول لیتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہنچانا ہی تھا تو وہ آپ کو امر سرا پہنچا دیتا اور مجھے نادیاں پہنچا دیتا۔ میں ٹکٹ پر روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کہنے لگے تدبیر بھی تو ہوتی ہے۔ میں نے کہا۔ بس یہی اسباب کی رحمت کی وجہ سے مجھے بھی میوہ کھانے میں عذر تھا۔ تو جب انسان کا ذاتی سوال ہو تو اُس وقت اُسے ہزاروں تدبیریں یاد آ جاتی ہیں مگر جب خدا تعالیٰ کے دین کا معاملہ ہو تو انسان نہایت بے تکلفی

سے کہہ دیتا ہے کہ مجھے تدبیر سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے اللہ خود کہے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دین کا کام اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے اور ہمارے کام بھی دراصل وہی کرنا ہے۔ ہم ہزاروں کام جو کرتے اور کامیاب ہو جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا ہی نتیجہ ہے۔ ہماری کسی کوشش کا خالصتہ اس میں دخل نہیں ورنہ ہمیں ہر کام میں کامیابی ہو۔ لیکن کامیابی ہر بات میں نہیں ہوتی۔ کسی بات میں ہو جاتی ہے اودہ کسی میں نہیں ہوتی۔ ہزاروں لڑکے محنت کر کے پاس ہو جاتے ہیں اور ہزاروں لڑکے محنت کرنے کے باوجود فیل ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں کوشش کرتے ہیں اور انہیں عزت مل جاتی ہے اور ہزاروں عزت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ پیسے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ تو تمام کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تدبیر کا تعلق ہو وہاں اگر مومن تدبیر نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مزا نازل ہوتی ہے اور وہ اُس کی گرفت اور عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک نہایت واضح مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی پیش کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ کنعان کی سرزمین کا انہیں وارث بنا دیا جائیگا۔ جیسے ہمارا ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں دنیا کا حکمران اور بلائیاں بنائیگا۔ مگر اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جاؤ اور جنگ کرو۔ اس جنگ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے دیگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کا یہ حکم سنا یا تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ وہ ہمیں کنعان کی سرزمین دیگا وہ اپنے وعدہ کو آپ پورا کرے۔ ہم اپنی جانوں کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں۔ موسیٰ اور اُس کا خدا دونوں جا کر دشمنوں سے لڑیں اور جب فتح ہو جائے تو ہمیں آ کر

بنا دیا جائے ہر کھان کی سرزمین میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر جانے ہو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ باوجود وعدہ کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر نے وہ زمین ان پر چائیس سال تک حرام کر دی اور ان پر ایسی وقت نازل کی کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے یہ اعتراض کیا تھا ایک ایک کے جگلوں میں جھٹک کر مر گئے۔ اور پھر ان کی نسوں کے ذریعہ یہ اپنی وعدہ پورا ہوا۔ تو جن تدبیر کا تعلق جو دہاں باوجود وعدہ کے۔ باوجود الہی فیصلہ کے۔ باوجود الہی مشیت اور ارادہ کے اس وقت تک خدا جتنے کی نصرت نازل نہیں ہوتی جب تک تمام کی تمام قوم قربانی کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتی۔ اور اگر کوئی قوم قربانی کے لئے تیار نہ ہو تو جھوٹا توکل اسے کامیاب نہیں کر سکتا۔ صدقوں میں آتا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم سے اللہ علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا میں پہلے اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھوں اور پھر توکل کروں یا اسے آزاد رہنے دوں اور توکل کروں۔ آپ نے فرمایا اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ بِسَیِّئِیْہِ اَوْنْتَہَا گھٹنا باندھو اور پھر توکل کرو۔ یعنی پہلے عمل کرو اور پھر خدا تعالیٰ پر نتیجہ چھوڑ دو۔ جن درجہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات دن کام میں مشغول رہتے تھے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر عبادت کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں تنورم ہو جاتے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے گلے پچھلے سب گناہ معاف نہیں کر دیئے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

اگر توکل کے یہ معنی ہوتے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے تو سب سے زیادہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ آپ سب سے بڑھ کر متوکل تھے مگر آپ سب سے زیادہ مشغول رہتے تھے۔ پھر ان معنوں میں سب سے زیادہ توکل توحیت میں ہو سکتا ہے۔ مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی مشغولیت ہوگی جیسے فرمایا فَمَنْ شَکَلَ فَلْیُکَلِّمْہُ۔ اگر توکل کا یہی مفہوم ہوتا تو جب وہاں ہر چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے تو ہونہوں کو توحیت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا چاہیے تھا مگر وہاں کے لئے بھی شغل کو نکرہ کے طور پر استعمال کر کے بتایا کہ وہاں بڑا عظیم الشان کام کرنا ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں انسان کام سے تنگ نہیں آجائیگا اور ٹھیکیا نہیں بلکہ خوشی محسوس کریگا اور کام کرنے کے باوجود اس کے اندر بشارت قائم رہے گی۔

غرض آجکل لوگوں نے توکل کا نہایت غلط مفہوم سمجھ رکھا ہے۔ جو کام ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اُسے تو وہ کر لیتے ہیں۔ اور جو کام نہیں کرنا چاہتے اُس کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ ہم توکل سے کام لے رہے ہیں۔ اگر توکل کے یہ معنی ہوتے کہ عمل ترک کر دیا جائے۔ تو پھر نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرنا ہی انسان کو نجات دے دیتا۔

پس توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ سامانوں سے پوری طرح کام لے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور جھٹک جائے اور اُس سے کہے کہ اے خدا! جو سامان میرے اختیار میں تھے وہ تو

خبر ۲۷ ص ۲۷۱ باب صفة القیامة -

۱۰ - کرد کتاب الصلوٰۃ باب التفریض علی قیام لیل

لہ - درہ بس آیت ۵۶

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدَّعَاءَ

تو ہرگز مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اور نہ بہروں کو بھی (اپنی) آواز سنا سکتا ہے۔

إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۳۷﴾ وَمَا أَنْتَ بِمُهْدِي الْعُمَىٰ

فصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اور تو اندھوں کو بھی اُن کی گڑبڑ سے بھرا

عَنْ ضَلَلَتِهِمْ، إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ

ہدایت نہیں دے سکتا تو تو مرنے والی کو سناتا ہے جو ہمارے آیتوں پر ایمان

بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۳۸﴾

لاتے ہیں۔ اور وہ (مسلم بھی) نہ ان پر دار ہوتے ہیں۔ ۳۸

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً

اور جب اُن کی تباہی کی پیشگوئی پوری ہو جائے گی تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک کڑا

تیس نے سب استعمال کر لئے ہیں اب کوئی کمی۔ وہ گئی ہے تو تو خود اپنے فضل سے اُسے پورا فرما اور میری کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کام کے نیک نتائج پیدا فرما۔ جب ایسا کریگا تب اُسے اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل ہوگی اور وہ اپنے ہر کام میں کامیابی حاصل کرے گا۔ لیکن جو شخص کام نہیں کرتا اور پھر اپنے آپ کو متوکل کہتا ہے وہ تو کل کے ساتھ تسمیر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بنتا ہے۔

۳۸ تفسیر :- چونکہ اوپر یہ کہ گیا تھا کہ إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدَّعَاءَ سچائی پر قائم ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ واضح سے واضح سچائی کا انکار کرنے والے بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے محض کسی ہدایت کا کال ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہوتا کہ اسے سب لوگ مان لیتے

چنانچہ فرماتا ہے إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ جو مردہ دل لوگ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اُس کی محبت کے جذبات سے باطل عادی ہوں تم ان کو خدا تعالیٰ کی باتیں نہیں سنا سکتے وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدَّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ اور نہ تم بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جائیں یعنی آواز تو پیٹھ ہی نہیں سن سکتے۔ پیٹھ پھیر کر چلے جانے کی وجہ سے وہ دوسروں کے اشارے دیکھنے سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور اُن کی رایت کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح جو مردہ ہو اور ہنا کے پیچھے چلنے کے لئے تیار نہ ہو اُس کو بھی اس کی گڑباز سے کون نہیں بچا سکتا مرنے والی کو سچائی سنائی اور سمجھائی جاسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نشانات پر ایمان رکھتے ہوں اور ایسے ہی لوگ آخر میں مسلمان ہوتے ہیں۔

مَنْ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۚ إِنَّ النَّاسَ كَانُوا

نکالیں گے جو ان کو کاٹے گا اس درجہ سے کہ لوگ ہمارے

بَايْتَنَا لَا يُوقِنُونَ ۝

نشانات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ۳۵

۴۲

۳۵ حل لغات: ۱۔ تُكَلِّمُهُمْ: کلمہ

سے مخاطب واحد نون غائب کا صیغہ ہے اور کلمۃ کے معنی ہیں حَدَّثَ۔ بات کی۔ وَجَّزَحَهُ اُس کو زخمی کیا۔ (د اقرب) ہیں تُكَلِّمُهُمْ کے معنی ہوں گے اُن کو بڑھی کرے گا۔

تفسیر:۔ اس میں بتایا کہ جب ان روحانی مردوں

اور بہروں اور اندھوں کے خلاف خدا تعالیٰ کا فتویٰ جاری ہو جائے گا اور آسمان سے اُن کی سزا کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ زمین میں سے ایک کپڑا نکالے گا۔

جو ان کو کاٹے گا۔ اور یہ عذاب اُن پر اس لئے اُسے گا کہ وہ لوگ ہمارے نشانات کی سچائی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

اس آیت میں ذَاتِجَنۃ الْاُخْرٰی کے خدج کی چٹنگولی

کی سی ہے اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث

میں بتا دیا ہے کہ اس کا خدج آخری زمانہ میں ہوگا

جوسیح اور ہمدی کا زمانہ ہے۔ دوسرے رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جب اُنے واسے یسح کی مخالفت

بڑھ جائیگی تو فَسَّیْسِلُ اللّٰهُ عَنْہُمْ الشَّعَفَ جَنۃ

رَقَابَتِہُمْ۔ اللہ تعالیٰ مخالفین کی گردنوں میں ایک پھوڑا

پیدا کرے گا جس سے اُن کی ہلاکت واقعہ ہوگی۔ ان

دو بڑی حدیثوں کو ملا کر دیکھا جائے تو ان سے صاف

طور پر یہ قیوم نکلتا ہے کہ داۃ الارض جس کے خدج کی خبر دی گئی ہے وہ درحقیقت طاعون کا ہی مرض ہے جو حضرت بائی بسلا کے زمانہ میں پھیلا اور جس سے لاکھوں لوگ لقمۃ اجل بن گئے۔ چونکہ یہ مرض ایک کیڑے سے پیدا ہوتا ہے جو زمین سے انسان کے جسم میں داخل ہوتا ہے اور اُس کے ساتھ ہی گردن یا بڑی دان میں ایک خطرناک قسم کا پھوڑا بھی نکلتا ہے جو مہلک ہوتا ہے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے داۃ الارض بھی قرار دیا۔ اور نفع کی باری بھی اُس کا نام رکھا۔ اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داۃ الارض کا خدج آخری زمانہ کی علامات میں سے قرار دیا ہے اس لئے لازماً قَدْ اَوْتِیَ الْفَوٰی عَلَیْہِمْ سے دی لوگ مردوں میں جوسیح موجود کی تکذیب کرنا شروع ہو گئے۔ اور جو اپنی روحانی نابینائی کی درجہ سے نہ آسمانی لٹاؤ کو دیکھیں گے۔ نہ روحانی شنوائی کے فقدان کی وجہ خدا تعالیٰ کے کام کو سنیں گے اور نہ روحانی حیات سے کلمۃ محمد جوئے کی وجہ سے نیکی کا کوئی فعل اُن سے سرزد ہوگا۔ ایسے لوگ اپنی بد اعمالیوں کی درجہ سے خدا تعالیٰ کی گرفت میں آجائیں گے۔ اور ایک زمینی کپڑا اُن کی ہلاکت کے لئے اُن پر مسلط کیا جائیگا۔ چونکہ وہ بھی ایک رنگ میں زمینی کیڑے بن چکے ہونگے۔ اس لئے خدا تعالیٰ بھی اُن کی سزا کے لئے ایک مٹی کی کپڑا ہی اُن پر مسلط کرے گا اور انہیں آیات الہیہ پر ایمان نہ لانے کی سزا دیگا۔

غرض یہ ایک بڑی بھاری چٹنگولی ہے جو بائی بسلا صلی

نے تفسیر ابن کثیر و حاشیہ فتح البیان ج ۷ ص ۲۳۱

۱۔ کتاب الفتن باب ذکر الدجال و صفات

دیکھیں گے گرمیزا فرض ہے کہ میں اس کو نوح فلان
کی ہمدی کے لئے ظاہر کروں اور وہ یہ ہے کہ
آج جو ۹ فروری ۱۸۹۹ء کو روز یکشنبہ
ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے
طائفہ پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ
رنگ کے پودے لگا رہے ہیں۔ اور وہ درخت
نہایت بد شکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک
اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانے والوں
سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے
جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو
منقرض ملک میں پھیلنے والی ہے۔ میرے پر
یہ امر شبہ رہا کہ اُس نے یہ کہا کہ آئندہ جاؤ
میں یہ مرض پھیلے گا یا یہ کہ اس کے بعد کے
جاؤے میں پھیلے گا۔ لیکن نہایت خوفناک
نمونہ تھا جو میں نے دیکھا۔ اور مجھے اس کو
پہلے طاعون کے بارہ میں الہام بھی ہوا اور
وہ یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ
حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اِنَّهٗ اَدْعٰى
الْقَرْيَةَ۔ یعنی جب تک دلوں کی دباؤ
معصیت دور نہ ہوگی تب تک ظاہری دباؤ
بھی دور نہیں ہوگی۔

اس استہوار کے آخر میں آپ نے چند فارسی اشعار
بھی لکھے جو یہ ہیں کہ
گر اں چیزے کے بے بنیم عزیزاں نیز دیدندے
ز دنیا تو بہ گردندے بچشم زار دعوں بادے
خوب تاباں سید گشت امت از بد کا دی مردم
زمین طاعون بچھے آرد پے تحویل و اندازے
بہ تشویش قیامت ماند این تشویش گریمنی
علاجے نیست بہر دفع اں جز حسن کردارے

میں از ہمدی ات گنتم تو خود ہم نگر کن بار
خرد از ہیراں روز امت اسے دانا دہوشیار
یعنی اگر وہ چیز جسے میں دیکھ رہا ہوں اور دوست بھی
دیکھتے تو وہ دنیا سے دو دو کر تو بہ کرتے۔ لوگوں کی بدکاری
کی وجہ سے چمکتا ہوا سورج بھی سیاہ ہو گیا ہے۔ اور
زمین بھی ڈرانے اور دھمکانے کی خاطر طاعون پیدا کر رہی
ہے۔ اگر تم خود سے کچھ تو یہ معصیت قیامت کی معصیت
کی طرح ہے اور اس کو دور کرنے کا علاج سوائیک اعمال
کے آدھ کچھ نہیں۔ میں نے صرف ہمدی کی وجہ سے یہ بات
کہی ہے۔ اب اسے دانا اور سمجھدار انسان تو آپ بھی
خود کرے۔ کیونکہ عقل اسی دن کے لئے ہوا کرتی ہے۔
(ایام الصبح مطبوعہ ۱۳۲۹ھ)

بن پیگ کوئوں سے ظاہر ہے کہ آپ نے ۱۸۹۳ء
سے پہلے ایک خطرناک عذاب اور پھر کھلے لفظوں میں بار
کی پیشگوئی کی۔ اور پھر جبکہ ہندوستان میں بھی طاعون
نمودار ہی ہوئی تھی کہ آپ نے خصوصیت کے ساتھ پنجاب
کی سیاہی کی خبر دی اور آنے والی طاعون کو قیامت کا
نمونہ قرار دیا۔ اور فرمایا کہ یہ طاعون اُس وقت تک
نہیں جائیگی جب تک کہ لوگ دلوں کی اصلاح نہیں کریں گے
اس کے بعد جو کچھ ہوا الفاظ اسے ادا نہیں کر سکتے۔

طاعون کی ابتداء گو مبینی سے ہوئی تھی اور قیاس چاہتا
تھا کہ وہیں اس کا دورہ سخت ہوتا۔ وہ تو پیچھے رہ گئی
اور پنجاب میں طاعون نے اپنا ڈیرہ لگا لیا۔ اور اس
سختی سے اُس نے حملہ کیا کہ بعض دفعہ ایک ایک ہفتہ میں
تیس تیس ہزار آدمیوں کی موت ہوئی۔ اور ایک ایک سال
میں کئی کئی لاکھ آدمی مر گئے سینکڑوں ڈاکٹر مقرر کئے گئے
اور بیسیوں قسم کے علاج نکالے گئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا
ہر سال طاعون مزید شدت اور سختی کے ساتھ حملہ آور
ہوئی اور گونٹ منہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی اور بہت سے

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يَكْذِبُ

اور اُس دن (کو یاد کرو) جب ہر قوم میں سے جو ہمارے نشانات کا انکار کرتی رہی ہوگی ہم ایک بڑا گروہ نکالیں گے۔

بَايْتَنَا فَهُمْ يُوْزَعُونَ ۝۸۲ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ قَالَ

پہنچے۔ ہم اُس گروہ (کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جائیگا) تا خدا تعالیٰ کی عہد میں حاضر ہو کر جواب دیں) اور جب اُنکے پاس پہنچے گئے

اَكْذَبْتُمْ بَايْتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا

کہے گا۔ کیا تم نے میرے نشانات کا اس کے باوجود انکار کیا تھا کہ تم نے علم کے اندر سے اُنکی پوری واقفیت حاصل نہیں کی تھی یا یہ بتاؤ کہ

لوگوں کے دلوں نے محسوس کیا کہ یہ عذاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکار کی وجہ سے آیا ہے۔ چنانچہ ہزاروں نہیں لاکھوں آدمیوں نے اس قہری نشان کو دیکھ کر صداقت کو قبول کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے مامور پر ایمان لائے۔ اور اُس وقت تک طاعون کے زور میں کمی نہ ہوئی جب تک اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کو یہ نہ بتایا کہ

”طاعون تو گئی مگر بھلا رہ گیا۔“

اس کے بعد سے طاعون کا زور ٹوٹنا شروع ہو گیا اور برابر کم ہوتی چلی گئی۔

یہ پیشگوئی ایسی واضح اور محسوس دکا فر سے اپنی صداقت کا اقرار کرنے والی ہے کہ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص منکر ہے تو اُس کی حالت نہایت قابلِ رحم ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں وہ دیکھ سکتا ہے کہ (۱) طاعون کی جراثیم لمبا عرصہ پہلے دی گئی تھی۔ اور کوئی طبعِ طریقی ایسا ایجاد نہیں ہوا جس سے اتنا لمبا عرصہ پہلے دباؤں کا پتہ دیا جاسکے۔ (۲) طاعون کے نمودار ہونے پر یہ بتایا گیا کہ یہ عارضی دورہ نہیں ہے۔ بلکہ

سال بسال یہ بیماری عود کرتی چلی جائیگی (۳) یہ بھی قبل از وقت بتایا گیا کہ یہ بیماری پنجاب میں نہایت سخت ہوگی۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ پنجاب میں ہی یہ بیماری سب سے زیادہ پھیلی اور اس صبا سے زیادہ موتیں ہوئیں۔ (۴) ڈاکٹروں نے متواتر اطلاعات کئے کہ اب یہ بیماری قابو میں آگئی ہے۔ مگر آپ نے بتایا کہ اُس وقت تک اس کا زور ختم نہیں ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا علاج نہ ہو۔ اور ایسا ہی ہوا کہ اس کا دورہ برابر نو سال سختی سے ہوتا رہا۔ (۵) آخر میں خدا تعالیٰ نے خود رحم کر کے خود اس کے زور کو توڑ دینے کا وعدہ کیا اور آپ کو بتایا گیا کہ ”طاعون تو گئی مگر بھلا رہ گیا۔“ چنانچہ اس اہم امر کے بعد طاعون کا زور ٹوٹ گیا۔ اور بخار کا شدید حملہ پنجاب میں ہوا جس سے قریباً کوئی گھر خالی نہ رہا۔ اور سرکاری رپورٹوں میں بھی تسلیم کیا گیا کہ بخار کا وہ حملہ غیر معمولی تھا۔

غرض اس آیت میں بتایا گیا تھا کہ جب لوگوں پر آسمانی نشانات اور عقلی دلائل کے ساتھ محنت پوری ہو جائے گی تو مسوقت روحانی مُردوں اور روحانی بہرین اور روحانی اندھوں کی سرزادہی کے لئے ایک ذریعہ کیڑا

لئے حاشیہ مذکورہ قریشی دوم ص ۵۱

کُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا

ہم اسلام کے خلاف کیا کیا سازشیں کیا کرتے تھے۔ اور اُن کے ظلموں کی وجہ سے اُنکے خلاف کی گئی پیشگوئی پوری

ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۶﴾

ہو جائے گی۔ اور وہ کچھ بات نہ کر سکیں گے۔ ۳۶

ہو رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ اسوقت تک چلتا چلا جائیگا جب تک اُن کے متعلق منہ کا فتویٰ جاری نہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ کا اُن کو یہ پیغام نہ پہنچ جائے کہ کیا تم نے میرے نشانوں کا انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ تم نے اُن پر لپڑی طرح غور بھی نہیں کیا تھا۔ اور نہ اُن کی دیلوں کو پرکھا تھا۔ یا اگر یہ نہیں تو اور تم کیا کہتے رہے ہو۔ اس میں بتایا کہ جب آخری زمانہ کے موعود کے ذریعہ سے اسلام کی صداقت ظاہر کی جائیگی تو مختلف قومیں تعلیم کے نام پر دھرت پھیلانے کیسے کھڑی ہو جائیگی اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیگی یعنی مختلف ایسی ہی ایشیائیں اور یورپیوں و ایشیائیں بن جائیگی اور دین حق کا انکار کرنے لگ جائیگی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پہلے زمانوں میں بھی دین حق کا انکار کرنے والے لوگ پائے جاتے تھے مگر جہاں تک منظم مخالفت اور مقصد بندی کا سوال ہے۔ یہ پہلے زمانوں میں نظر نہیں آتی۔ اس زمانہ میں تو تاجردوں نے بھی اپنی تنظیم قائم کی ہوئی ہے۔ عناصروں نے بھی اپنی تنظیم قائم کی ہوئی ہے۔ مزدوروں نے بھی اپنی تنظیم قائم کی ہوئی ہے۔ اور سرمایہ داروں نے بھی اپنی تنظیم قائم کی ہوئی ہے۔ بلکہ چوروں اور ڈاکوؤں اور عورتوں اور بچوں کو اغوا کرنے والوں کے بھی منظم گروہ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کفر کا بھی اسلام پر ایک تنظیم کے ماتحت حملہ ہو رہا ہے۔ مگر جہاں شیطان لشکر اپنی تنظیم میں مشغول ہے آسمان کے

پیدا کیا جائے گا جو لوگوں کو کاٹے گا اور انہیں زخمی کریگا۔ اس نے کہ لوگ خدا تعالیٰ کے نشانوں پر ایمان نہیں لائے تھے۔

بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ دائۃ الارض کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں یہ ڈال گیا ہے کہ اس سے طاعون مراد ہے اور آپ نے اپنی کتاب ”نزل المسیح“ میں مختلف قرآن کو اس کو ثابت کیا ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس دابہ کے خدوچ کی پیشگوئی میں صرف طاعون ہی کی خبر نہیں بلکہ خوردبین کی ایجاد کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر دنیا کو کوئی معلوم ہو سکتا تھا کہ اس بیماری کا باعث ایک مایت ہے۔ پہلے لوگ تو لغت مقرر۔ متواتر اور دم برہی سب بیماریوں کے باعث کی زنجیر کو قسم کر دیتے تھے۔

۳۶ تفسیر ۱۔ فرماتا ہے۔ اُس دن کو بھی یاد کرو۔ جبکہ ہم ہر اس قوم میں سے جو ہمارے نشانات کا انکار کرتی۔ سی ہوگی ایک بڑی جماعت کھڑی کریں گے اور پھر وہ گروہ جماعت در جماعت تقسیم کر دیا جائیگا۔ یعنی آخری زمانہ میں ہر مذہب کے پیروؤں میں بے دینی پھیل جائیگی۔ اور سب قوموں میں سے ایک ایک گروہ بے دینی کی تعلیم دینے لگ جائیگا جب کہ اس زمانہ میں

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الْيَلَّ لَيْسُ كُنُوْا فِيْهِ وَ

کیا ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے رات کو اس لئے بنایا ہے کہ وہ اُس میں آرام حاصل کریں اور

النَّهَارُ مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۷﴾

دن کو دیکھنے کی طاقت دینے والا بنایا - اِس میں یقیناً مومن قوم کے لئے بڑے نشان ہیں - ۵۷

امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے متواتر کام نہیں کر سکتا۔ اگر اُسے متواتر کام پر لگا دیا جائے تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ وہ تھک جائیگا اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔ انسان کی اس کمزوری کو ڈھانپنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رات بنائی ہے۔ جو اُسے دوبارہ کام کرنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ یہی حالت روحانی ترقیات کی بھی ہے۔ انسان پر ایسے وقت بھی آتے ہیں جب اُس کی روحانیت بعض کی حالت میں ہوتی ہے۔ اور اُس پر ایسے وقت بھی آتے ہیں جب اُس کی روحانیت پر بسط کی حالت ہوتی ہے۔ ایک معمولی درجہ کے مومن پر بھی کوئی وقت ایسا آتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مل گیا ہے اور اُس کا خدا اس کے سامنے ہے اور اپنے اپنے سارے جلال اور سادسی شان و شوکت کے ساتھ اُس پر ظاہر ہو رہا ہے۔ اور دوسرے وقت میں وہی مومن اپنی نماز کو کھڑا کرنے میں مشغول ہوتا ہے۔ وہ اُسے کھڑا کرتا ہے مگر وہ گر جاتی ہے۔ وہ اُسے پھر کھڑا کرتا ہے اور وہ پھر گر جاتی ہے۔ وہ پھر کھڑا کرتا ہے۔ اور وہ پھر گر جاتی ہے۔ اور یہ حالت معمولی درجہ کے مومن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اونچے درجے کے مومن بھی اپنے اپنے مدارج کے لحاظ سے اس حالت میں سے گزرتے ہیں اور اُن پر بھی رات اور دن کی طرح قبض اور بسط کی کیفیات وارد ہوتی رہتی ہیں۔ اگر

فرشتے بھی خاموش نہیں اور وہ بھی تباہی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتَقَعُ الْحَوَالُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَاَنَّهُمْ لَا يَنْظُرُوْنَ۔ ایک دن یہ عذاب اُن کے گھروں تک پہنچ جائیگا اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں پوری ہو جائیں گی۔ یعنی اسلام غالب آجائیگا اور کفر کی صفت ہمیشہ کے لئے پیٹ دی جائیگی تب اُن کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والے یا تو آپ پر درود اور سلام بھیجے لگ جائیں گے یا تباہی اور بربادی کا شکار ہو جائیں گے۔

۵۷ تفسیر:- فرماتا ہے۔ کیا مسلمانوں نے

اتنا بھی نہ سوچا کہ ہم جو ان پر رات یعنی نوبت سے بعد کا زمانہ لائے تھے تو اس لئے لائے تھے کہ وہ اُس میں نئی روحانی طاقتیں حاصل کریں اور ظلمت کے مقابلہ کے لئے ہر جگہ نورانی تبدیلیاں روشن کریں لیکن انہوں نے نوبت کے اس عظیم الشان موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اب ہم اُن کے لئے دن چڑھائیں گے۔ یعنی اپنا ایک مامور اُن میں مبعوث کریں گے۔ اور یہ دن اس لئے چڑھیکا تاکہ وہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں لیکن اس سے فائدہ صرف مومن اٹھائیں گے جن کے دل مرچے ہوئے تھے وہ پھر بھی پرانی تاریکیوں میں ہی پڑے رہیں گے۔

اس جگہ رات اور دن کے چکر کی مثال سے کر رہا

ذکر کیا۔ اور بتایا کہ وہ دن قریب ہے جب تمام قوموں کو ایک دوسرے کے مقابل پر کھڑا کر دیا جائیگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی رہتے ہیں سب گھبرا اٹھیں گے۔

اس آیت میں ہوائی جہازوں اور ایٹم بموں کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز آسمان میں اُڑتے ہیں اور ایٹم بم زمین میں پھٹ کر زمین میں دھننے والوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور پھر آتشیں مادے کو آسمان کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّا أَفْئِدَةً مِنْ تَحْتِهَا يَدًا ۖ وَبَدَّلْنَا بِحَقِّهَا آيَةً ۚ وَكَانَ بَدَلًا ۚ

یہ تباہی عام ہوگی پھر بھی خدا تعالیٰ کے حضور دعا کا رستہ کھلے رہے گا۔ اور جو خدا تعالیٰ کو خوش کر سکے گا وہ اس تباہی سے محفوظ رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سائنسدانوں

نے اپنی کوششوں اور تدبیروں کے ساتھ موت کے ذریعہ کو معلوم کر لیا ہے۔ مگر اسلام کو قائم کرنے والا وہ خدا ہے جس کے ہاتھ میں موت بھی ہے اور حیات بھی۔ وہ موت کے ذریعہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا پر حاکم ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اصل حاکم وہ ہے جس کے قبضہ میں موت اور حیات دونوں ہیں ابد اس نے بتایا ہے کہ اگر لوگ دعاؤں سے کام لیتے رہیں گے تو وہ اس تباہی سے بچاؤ کا کوئی نہ کوئی سامان پیدا فرمادینگا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایٹم بم بظاہر قیامت کا ایک نشان نظر آتا ہے مگر قیامت خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے اس نے یہ قیامت نہ دس کے ہاتھ میں رکھی ہے اور نہ امریکہ کے ہاتھ میں چند سال ہوئے دس کا ایک سائنسدان جو ایٹم بم سے تعلق رکھنے والی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا انچارج تھا مجھے ملا۔ جس نے اُسے یہی کہا کہ تم تو کہتے ہو کہ ہم پبلک کو فائدہ پہنچانے کے لئے کام کرتے ہیں مگر تم نے جو ایٹم بم بنایا ہے اُس کا کیا فائدہ ہے؟ اگر تم

ایٹم بم گرا دو تو امریکہ تباہ ہو جائیگا اور اگر پہلے امریکہ گرا دے تو دس تباہ ہو جائیگا۔ مگر امریکہ یا دس کی تباہی سے پبلک کو کیا فائدہ۔ ہمیں تو پبلک کا فائدہ صونچنا چاہیے۔ اور ایٹم بم کا کوئی تو بڑا شے کرنا چاہیے۔ تا دنیا اس سے محفوظ نہ سکے وہ کہنے لگا۔ اس کا کوئی تو نہیں نکلا اور نہ ہمارے ذہن میں اس کا کوئی توڑ آتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کا توڑ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اور جب وہ لوگوں کو بچانا چاہیگا تو وہ اس کا کوئی نہ کوئی توڑ پیدا کر دیگا۔ باقی سلسلہ ایچ کے جو اہلہامات چھپے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک جگہ کچھ ہندو سے درج ہیں (تذکرہ صفحہ ۲۱۲) اور ساتھ ہی ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ بعض احمدی سائنسدانوں کا خیال ہے کہ اس میں جو خول بنے ہوئے ہیں یہ بالکل دیوی ہیں جو ہندو جن ہم میں استعمال ہوتے ہیں۔ حالانکہ نقشہ آج سے قریباً ساٹھ سال پہلے کا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا عرصہ پہلے اس طرف توجہ دلائی گئی تھی اور انہیں بتایا گیا تھا کہ ایسی ایجاد ہونے والی ہے تو جس خدا نے اپنے بندوں کو اس ایجاد کی توفیق دی وہ لوگوں کو اس سے بچانے کا بھی کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر دے گا۔

مجھے بھی ایک دفعہ ایک گیس کے متعلق خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے دو باس دیکھا کہ میں ایک کمرہ میں بیٹھا ہوا ہوں کہ کسی شخص نے ایک گیس بیسٹن میں نے اس گیس کو سونگھ کر کہا کہ اس میں تو کلورین کی بو آ رہی ہے اور پھر اس کا خیال کرتے ہی میں باہر کی طرف بھاگا۔ (آنکھ کھلنے کے بعد میں نے بعض سائنسدانوں سے اسکا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ بیہوش کر دینا ایسی گیس بھی کلورین ہی بنتی ہے مگر میں نے جو خواب میں گیس دیکھی تھی

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

اور تو پہاڑوں کو اس صورت میں دیکھتا ہے کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔

صَنَّ اللَّهُ الَّذِي آتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ عِطَ إِنَّهُ خَبِيرٌ

یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ وہ تہا رہے

بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿۴۹﴾

۴۹ اعمال سے خوب خبردار ہے۔

اب جس خدا نے اپنے بندوں کو ایٹم بم بنانے کا علم دیا ہے کیا وہ اس کا توڑ پیدا نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا میں تو ایک مذہبی آدمی ہوں اور مذہبی آدمی ہونے کی وجہ سے اگر مجھ سے کوئی سوال کرے کہ آیا ایٹم بم کے نکلنے کے بعد کوئی اس کا توڑ بھی پیدا کر سکتا ہے یا نہیں تو میرا جواب یہی ہوگا کہ ہاں۔ ایٹم بم کا علم خدا نے ہی اپنے بندوں کو دیا ہے اللہ اگر وہ کسی وقت اپنے بندوں کو اس کا توڑ بھی سمجھا دے تو اس کے فضل سے یہ کوئی بعید بات نہیں۔ مگر اس فضل کے حصول کا یہی طریق ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے دعائیں مانگی جائیں اور اس امر پر یقین رکھا جائے کہ ایٹم بم کا نکلانے والا خدا اس کا کوئی نہ کوئی توڑ بھی پیدا کر دینگا اور دنیا کے امن کا سامان پیدا فرما دینگا۔

وَمَنْ يَخْلُقْ أَفْعَدُكُمْ ذَاخِرِينَ ﴿۵۰﴾ میں بتایا کہ رب کے سب اس کے حضور صلح و فرماں بردار ہو کر حاضر ہونگے یعنی کافر مٹا کر اور مومن یقین ایمان سے معذور ہو کر۔

۵۰ تفسیر: فرماتا ہے تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ ٹھہرے ہیں حالانکہ وہ اس طرح اڑتے چلے جا رہے ہیں جس طرح بادل۔ یہ خدا تعالیٰ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو نہایت مضبوط بنایا ہے

وہ عارضی بیہوش کرنے والی تھی) اس کے بعد مجھ پر سے بھی اُتر جاتا رہا۔ اور دوسرے لوگوں پر بھی کوئی اثر نہ رہا۔ اس دنیا سے بھی میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ جن کے قیوم میں دشمن پر فوقیت بھی حاصل ہو جائیگی اور عام تباہی بھی نہیں آئیگی۔ مگر اس کا ذریعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی جائے۔ اور دعاؤں سے اس کی مدد اور نصرت حاصل کی جائے۔

میں جب بیماری کے علاج کے سلسلہ میں یورپ گیا تو جماعت احمدیہ لندن کی طرف سے میرے اعزاز میں ایک دعوت کا انتظام کیا گیا۔ جس میں لندن کے میئر۔ پاکستان کے ہائی کمشنر۔ پارلیمنٹ کے ممبر اور کئی سربراہان لوگ شامل ہوئے۔ میں نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے یورپین باشندوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ایٹم بم کی ایجاد کی وجہ سے آجکل لوگوں کے دلوں میں بڑی گھبراہٹ پائی جاتی ہے اور وہ حیران ہیں کہ اللہ دنیا کی سلامتی کی کیا راہ ہوگی۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ ایٹم بم کا علم آج سے جس سال پہلے کہاں تھا۔ اس وقت تو کسی کو یہ بھی نہیں تھا کہ ایسی ایجاد ہو سکتی ہے لیکن پھر علوم نے ایسی ترقی کی کہ ایٹم بم نکال لیا گیا۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا، وَهُمْ مِنْ

جو کوئی نیکی کرے گا اُس کو اُس سے بہتر پاداش ملے گی اور ایسے لوگ

فَرَجَ يَوْمَئِذٍ اٰمِنُونَ ﴿۹۰﴾ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

انہوں کے خوف سے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے محفوظ رہیں گے۔ اور جو لوگ بُرے عمل بیکر خدا کی خدمت میں پہنچائیں گے

فَكَبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا

اُن کی سرداروں کو دوزخ میں اوندھا کر کے گرا دیا جائیگا۔ اور کہا جائیگا کہ کیا تمہاری جزا

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۱﴾

تمہارے عمل کے مطابق نہیں؟

اور وہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

تَمْرًا مِّنَ الشَّجَرِ اِذْ يَخْتَفِیْ ہ یہ مراد نہیں کہ پہاڑ الگ

چلتے ہیں اور زمین الگ چلتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمین

چلتی ہے تو وہ بھی اُس کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جس طرح

زمین بادلوں کو اپنے ساتھ کھینچے چلی جاتی ہے۔ اِیسی طرح

وہ پہاڑوں کو بھی اپنے ساتھ اٹھائے چلی جاتی ہے۔

اِس آیت میں ظاہری طور پر تو پہاڑوں کے چھنے کی

طرف اشارہ کیا گیا ہے اور بادلوں کے ساتھ اُنکی مشابہت

بیان کی گئی ہے لیکن باطنی طور پر اس میں بڑی بڑی حکومتوں

کی تباہی کی خبر دی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ تمہیں تو

اپنے زمانہ کی حکومتیں ایسی مضبوط دکھائی دیتی ہیں کہ تم سمجھتے

ہو وہ صدیوں تک بھی تباہ نہیں ہو سکتیں مگر خدا تعالیٰ

اسلام کی شوکت ظاہر کرنے کے لئے ان کو اس طرح ہلاک کیا

کہ ان کا نشان تک بھی نظر نہیں آئیگا۔ چنانچہ اس کی

مثال دیتے ہوئے بتایا کہ جس طرح ہوائیں بادلوں کو اڑا کر

لے جاتی ہیں اِیسی طرح جب اسلام کی تائید میں خدا تعالیٰ

کی طرف سے ہوائیں چلی شروع ہوئیں تو کفر و شرک کے

بُڑے بُڑے دیوتاؤں کی پیکر اس طرح اڑیں گے کہ اُن کا

نشان بھی دکھائی نہیں دیگا۔ مگر یہ سب کچھ انسانی ذہان سے

نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے ہوگا۔ اور اُس کی قدرت

اور صنعت کا اس سے ظہور ہوگا۔ آخر میں فرمایا کہ

اِنَّهٗ یَجْبِیْہُمْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ہ یہ ظہیم انسان انقباض اس

صورت میں آسکتا ہے جبکہ مسلمان بھی اپنے اندر انقباض

پیدا کریں۔ اگر تم اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرو گے اور

خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ظالم بنو گے تو خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت

ہے کہ وہ ایک ظالم کو شاکر دوسرا ظالم اُس کی جگہ چھوڑے

خدا تعالیٰ اُسی صورت میں ان پہاڑوں کو اڑائیگا جب

تم اپنے آپ کو اسلامی احکام کا نمونہ بناؤ گے۔ اور

خدا تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کا مقام حاصل

کر لو گے۔

۹۰ ۹۱ لغات: کَبَّتْ کَبَّتْ کے

معنی ہیں قَلَبَتْ عَلٰی ذَا سِبْہ ہ برتن کو سر کے بل اُٹا دیا۔

کَبَّتْ زَیْدٌ اَعْلٰی وَجْہِہٖ وَ لَوْجِہِہٖ کے معنی ہیں مَرَعَا

زید کو بچھاڑ دیا (اقرب) پس کَبَّتْ کے معنی ہونگے

کَبَّتْ

اُن کو ڈال دیا جائیگا یا بچا دیا جائیگا ۔

تفسیر :- فرماتا ہے ۔ تم میں سے جو شخص نیک اعمال بجالائیگا اُسے اپنی نیکیوں سے بہت بہتر بدلہ ملیگا اور ایسے ہی لوگ اُس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے ۔ لیکن جو لوگ برائیوں میں ملوث ہونگے وہ جہنم میں اودھ سے مُنہ گرا دیئے جائیں گے ۔ اور اُن سے پوچھا جائیگا کہ تباہ کیا یہ جزا تمہارے اعمال کے مطابق ہے یا نہیں ۔

اس آیت میں اسلامی تعلیم کا ایک بڑا اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے ۔ اُدیہ مذہب نجات کے بارہ میں یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب نیکیوں کی جزا دیتا ہے تو وہ ہر ایک روح کا کوئی نہ کوئی گناہ رکھ لیتا ہے جس کی سزا اُسے بعد میں دی جاتی ہے ۔ وہ پہلے انسانی روح کو نجات دے دیتا ہے اور اُسے جنت میں داخل کر دیتا ہے ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر اس گناہ کی وجہ سے جو اُس نے کیا ہوتا ہے اور جس کی سزا ابھی اُسے نہیں ملی ہوتی پھر اُسے مختلف جنوں کے چکر میں ڈال دیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا جاتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ بھی ان مندہما جنوں کی طرح ہے جو فرض کا ایک حصہ تو وصول کر لیتے ہیں لیکن کچھ نعوذ باللہ ساتھی دہنے دیتے ہیں تاکہ سود کا سلسلہ جاری رہے ۔ اور کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر سود سمیت ایک بڑی رقم کا مطالبہ کر دیتے ہیں ۔ اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے بھی نعوذ باللہ دنیا کا سلسلہ اسی رنگ میں جاری کیا ہوا ہے ۔ کہ پہلے تو وہ نیک اعمال کی انسان کو جزا دے دیتا ہے اور پھر کسی مژبے سے اُس کی سزا میں اُسے دنیا میں مختلف جنوں کی شکل میں لوٹاتا ہوتا ہے ۔ مگر قرآن کریم اس عقیدہ کو کلیتہً رد کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ رُوح اور مادہ کا خلق خدا جتنی رُو میں اور جتنا مادہ جب چاہے صرف ایک کی کہنے سے پیدا کر سکتا ہے ۔ اُسے رُوحوں کے ساتھ

آریوں کا بتایا ہوا مسخر کرنے کی ضرورت نہیں ۔

دوسرے :- یہ بھی بتاتا ہے کہ گو انسان کی نیکی محدود ہے مگر اس کا اوارہ محدود نہیں ۔ اس نے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے عمل سے بہت زیادہ بدلہ دیا ۔ اور سزا کے دن خواہ دنیا میں اُسے یا آخرت میں مومنوں کو محفوظ رکھے گا ۔ اور یہ نہیں دیکھے گا کہ اُن کے عمل حقیر تھے ۔ بلکہ وہ اپنے فضل سے انہیں دائمی نجات عطا فرمائیگا ۔ ہاں جو لوگ بدیاں کرتے تھے اُن کو آگ میں اودھ سے مُنہ گرا دیا جائیگا ۔ اور کہا جائیگا کہ کیا تمہارے عملوں کے مطابق تم کو جزا نہیں مل رہی ؛ یعنی بدی کی جزا بہر حال عمل کے مطابق ہوگی زیادہ نہیں ہوگی ۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اس بارہ میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ دَحْمَتِی وَصَعَتِی حُلَّ شَتِیْ (اعراف ۹) میری رحمت ہر چیز پر غالب ہے ۔ حتیٰ کہ شدید ترین مخالفت کی مخالفت اور دشمنی پر بھی غالب ہے ۔ پس اس آیت کے ماتحت بد سے بدتر انسان بھی خدا تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائیگا اور آخرت کے دروازے اُس کے لئے کھل جائیں گے ۔ یہ مضمون تو اُردو حیات کے لحاظ سے ہے ۔ دنیوی نقطہ نگاہ سے اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو افراد اسلام کے دوبارہ امیاد کے قربانیاں کریں گے انہیں اپنی ان قربانیوں کا جب بدلہ ملیگا تو وہ ایسا حیرت انگیز ہوگا کہ اس کے مقابلہ میں اُن کی قربانیاں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتی چنانچہ دیکھ لو بیشک حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے اسلام کے لئے بڑی قربانیاں کیں ۔ لیکن آج :- دوبارہ زندہ ہو جائیں اور وہ دنیا کے گلی کوچوں میں سے گذرتے ہوئے سُنیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے یوں فرمایا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے یوں فرمایا ہے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے یوں فرمایا ہے ۔ اور

إِنَّمَا أَمْرُهُ أَنْ عَبَّدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَ هَاوُلَهُ

مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (یعنی مکہ) کے رب کی جس کو اُس (یعنی اللہ) نے معزز بنا دیا میری عبادت کروں اور میری

کُلُّ شَيْءٍ زَوَّارْتُهُ أَنْ أَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۲﴾ وَأَنْ

اُسی کے قبضہ میں ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں۔ اور یہ بھی کہ

اس پر تمہارے باپ نے کہا کہ خدا یا میری صرف اتنی خواہش ہے کہ مجھے دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجا جائے تا میں پھر اسلام کی خدمت کر تا ہوا مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی جان ہی کی قسم ہے کہ اگر میں نے یہ قانون نہ بنا دیا ہوتا کہ میں کسی انسان کو دوبارہ دنیا میں داپس نہیں بھیجوں گا۔ تو میں تیری اس خواہش کو ضرور پورا کر دیتا۔

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کو وقت سے پہلے قربانیاں بڑی بھاری اور گراں نظر آتی ہیں مگر جب ان قربانیوں کا نتیجہ نکلتا ہے تو اُسے اپنی قربانیاں بالکل تغیر نظر آنے لگتی ہیں۔ ہر طالب علم جو سکول جاتا ہے وہ اپنا سکول جانا کتنی مصیبت سمجھتا ہے۔ لیکن تیس کوئی طالب علم ایسا نظر نہیں آئیگا جو اپنی گذشتہ محنت پر افسوس کا اظہار کرتا ہو۔ بلکہ جب اُس کی محنت کا نتیجہ نکلتا ہے اور وہ دنیا میں بڑے بڑے مراتب حاصل کرتا ہے تو اُسے اپنی محنت بالکل حقیر نظر آتی ہے۔

یہی معنوں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ جو شخص نیک اعمال یا لامیکا اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بدلہ ملیگا جو اُس کی قربانیوں سے

دوسری طرف وہ یہ دیکھیں کہ کچھ لوگ اپنے ہاتھوں میں لٹھ لئے چلے جا رہے ہیں اور غصہ سے اُنکی آنکھیں سُرخ ہو رہی ہیں۔ اور جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو فلاں شخص نے برا بھلا کہا ہے یا حضرت عمرؓ کو برا بھلا کہا ہے یا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو برا بھلا کہا ہے تو میں سمجھتا ہوں اُن کو اپنی قربانیاں اس لازوال عزت اور شہرت کے مقابلہ میں بالکل حقیر نظر آئے لگیں گی۔ اور وہ خیال کرنے لگیں گے کہ ہم نے کوئی قربانی نہیں کی۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی شہید ہوئے۔ آپ نے اُنکے بیٹے کو دیکھا کہ وہ مرنے والے ہوئے افسردگی کی حالت میں جا رہا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ میرا باپ شہید ہو گیا ہے اور مجھے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اُن کے خیال سے میں متفرک ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں علم ہو تا کہ تمہارے باپ سے اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا ہے تو تم اس طرح افسردہ نہ ہوتے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کی رُوح کو اپنے سامنے حاضر کیا اور کہا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگو۔ میں تمہاری ہر خواہش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

لے ترمذی جلد ۲ ابواب التفسیر زیر آیت وَلَمْ تَكُنْ مِنَ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا -

اَتْلُوا الْقُرْآنَ ۚ فَمِنْ اِهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ

یہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔ پس جو اُسے سن کر ہدایت پا جائیگا تو اُس کا ہدایت پانا صرف اُسی کی جان کے

لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

کام آئیگا۔ اور جو اُسے سن کر گمراہ ہو جائیگا تو تو اُسے کہہ دے کہ میں صرف ایک ہوشیار کر نیا لاد دوں ہوں ۹۳

معاویہ کے طور پر دوسرے انبیاء اور ان کے پیچھے متبعین کو بھی مسلم کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان سب مسلمان ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد از ظہور ایمان لانے کی وجہ سے تو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے سامنے تو قرآن مجید کی شکل میں کامل شریعت موجود تھی اور نہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت معرض وجود میں آئی تھی۔ دراصل قرآنی معاویہ کے رو سے ان کا مسلمان قرار پانا صاف اشاہہ کر رہا ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والا مسلمان ہے اور دوسرے وہ شخص بھی مسلمان کہلاتا ہے جو مطیع اور فرمانبردار ہو۔ چنانچہ مسلمان کی مؤخر الذکر حیثیت کے اعتبار سے ہی ہر وہ شخص جو مطیع و فرمانبردار تھا خواہ وہ آدم کا فرمانبردار تھا یا نورج کا فرمانبردار تھا یا ابراہیم کا فرمانبردار تھا یا موسیٰ و عیسیٰ کا فرمانبردار تھا وہ مسلمان تھا۔ لیکن مسلمانوں کو دو قسم کا اسلام حاصل ہے ایک تو اس اعتبار سے وہ مسلمان ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا نام ہی مسلم رکھا گیا ہے۔ دوسرے اطاعت و فرمانبرداری کی اس دوح کے اعتبار سے بھی وہ مسلم ہیں جو مرنے کے متبعین کے لئے دنیا میں وجہ امتیاز بنی۔ پس تمام دوسرے انبیاء کی جماعتوں پر

نہادوں گنا افضل ہوگا۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس سکیم کے راستہ میں روک بن کر کھڑا ہوگا۔ وہ اپنے منہ کے بل گرے گا اور ناکامی و نامرادی کا جہنم اُسے مجلس کر دکھ دیگا اور وہ اور اسکی آئندہ نسلیں اللہ تعالیٰ کی برکات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گی۔

۹۳ تفسیر :- بن آیات میں بتایا کہ خدا تعالیٰ نے مختلف مقامات کو اپنی بحیثیت کا مرکز بنایا ہے کبھی وہ نورج کے ذریعہ جودی سے ظاہر ہوا۔ کبھی ابراہیم کے ذریعہ مکہ مکرمہ سے ظاہر ہوا۔ کبھی موسیٰ کے ذریعہ سینا سے ظاہر ہوا۔ کبھی عیسیٰ کے ذریعہ جبل زیتون سے ظاہر ہوا۔ لیکن مجھے اُس نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں یعنی اُس جلوت کے پیچھے چلوں جو مکہ مکرمہ میں حضرت ابراہیم کے ذریعہ ظاہر ہوا تھا۔ اور جس نے اس شہر کو عزت اور حفاظت بخشی تھی۔

اور اس بات کا اعلان کروں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ کہوں کہ مجھے صرف باتیں بنانے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اَنْ اَكُوْنَتَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ میں مسلمان فرمانبرداری کا نمونہ بن کر دکھاؤں۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ اسلام اُس مذہب کا نام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملا ہے۔ لیکن ہم کے نام سے وہی لوگ پکارے جاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین پر ایمان لاکر آپ کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں لیکن قرآن کریم

لے دیکھو آل عمران آیت ۶۸ و یوسف آیت ۱۰۲ و

بقرہ آیت ۱۲۹ و بقرہ آیت ۱۳۳ -

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا

اور یہ بھی کہدے کہ اللہ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے وہ تم کو اپنے نشان دکھائیگا یہاں تک کہ تم انکو پہچان لے

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

اور تمہارا رب

تہارے عمل سے غافل نہیں۔ ۴۲

نہ کہیں جس بلکہ سہارا عل اور ہمارا کہہ ادا بھی اس بات کی
گواہی دے کہ فی الواقع ہم اس نام کے مستحق ہیں اور
ہمارا مقصد اور ہمارا جیٹھنا اور ہمارا چلنا اور ہمارا پھرنے
غرض ہمارا ہر حرکت اور ہمارا ہر سکون اس نام کے
شایان شان ہو۔

پھر فرماتا ہے: **وَأَن تَأْكُلُوا الرِّقَاقَ** مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں مس لوگوں کو قرآن کی طرح سناؤں اور انہیں اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کروں۔ **فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ** وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ اس کے نتیجہ میں جو شخص ہدایت پائے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور اگر وہ گمراہ ہو جائے تو مجھے یہ کہنے کا حکم ہے کہ میں کسی پر جبر نہیں کروں گا۔ مرنے والا کوئی ایمان پہنچاؤں گا آگے ہر شخص آزاد ہے وہ چاہے تو مان لے اور چاہے تو انکار کر دے۔

۵۴۲ تفہیم :- آخر میں فرمایا کہ

مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہنے کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ یعنی اسلام جس خدا کو پیش کرتا ہے وہ ایک زندہ اور طاقتور خدا ہے اُس نے آدمؑ کے زمانہ میں بھی اپنے نشانات دکھائے اور نوحؑ کے زمانہ میں بھی اپنے نشانات دکھائے اور ابراہیمؑ کے زمانہ میں بھی اپنے نشانات دکھائے اور موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی اپنے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو فیضیت حاصل ہے کہ وہ دوسرے مسلم ہیں۔ انبیاء کی جماعت اطاعت و فرمانبرداری کے باعث تو مسلم ہوئی ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ خاص طور پر ہمارا نام بھی مسلم رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی کا نام رکھتا ہے تو وہ بندہ کی طرح محض تقاد کے طور پر نہیں رکھتا بلکہ وہ قادر و توانا جب ارادہ کرتا ہے کہ کسی قوم کے افراد خاص خاص صفات کے حامل ہوں جیسی وہ انہیں کوئی مخصوص نام عطا کرتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا ہمیں مسلم کا لقب عطا فرمانا نہ صرف اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم وہ صفات اپنے اندر پیدا کریں جنکا یہ نام تمھل ہے۔ بلکہ اس میں یہ اشارہ بھی مضمر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے اہل امت و فرمانبرداری کے اعلیٰ معیار پر قائم ہوتے ہوئے جب بھی دینی اور دنیوی اعتبار سے بڑھنے اور ترقی کرنے کی کوشش کریں گے تو خدا تعالیٰ انہیں اعلیٰ درجات سے ضرور نوازے گا۔ پس حقیقی اسلام کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کی روح ہمارے اندر اس طرح بچی ہوئی ہو کہ اس کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی ایک قدم اٹھانا بھی ہمارے لئے ناممکن ہوتا کہ ہم محض نام کے اعتبار سے ہی مسلمان

اپنے نشانات دکھائے۔ اور داؤدؑ اور سلیمانؑ اور صالحؑ اور لوطؑ کے زمانے میں بھی اپنے نشانات دکھائے اور عیسیٰؑ کے زمانے میں بھی اپنے نشانات دکھائے۔ اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کی تائید میں بھی وہ اپنے نشانات دکھاتا رہا۔ اور پھر جب مسلمانوں پر تنزیل کا دور آیا تو اسلام کے دوبارہ احیاء کے لئے اُس نے مسیح موعودؑ کو مبعوث فرما کر پھر اپنی قدرت اور جلال کے تازہ نشانات دکھانے شروع کر دیئے۔ پس تمام تعریفوں کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ہر زمانہ میں اپنی زندگی کا ثبوت دیا۔ اور ہر زمانہ میں نشانات کے ذریعہ دنیا کو اپنا چہرہ دکھایا۔ اگر وہ صرف آدمؑ یا نوحؑ یا ابراہیمؑ یا موسیٰؑ یا داؤدؑ یا سلیمانؑ یا عیسیٰؑ کے زمانہ تک

اپنی قدرت نمائی کو ختم کر دیتا تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ الحمد للہ! ہمارا الحمد للہ کہنا اُسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جبکہ ہم خود بھی اپنی ذات میں خدا تعالیٰ کے چمکنے ہوئے نشانات دیکھیں۔ اور ہر زمانہ میں اُس کی قدرتوں کا ظہور ہوتا چلا جائے پس فرمایا تو دنیا کو سنا دے کہ اسلام ایک زندہ خدا پیش کرتا ہے۔ اگر تم اُس سے تعلق پیدا کر لو گے تو وہ تمہیں ایسے نشانات دکھائیگا جس کے نتیجے میں تم اپنی روحانی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کو دیکھ لو گے۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ اور اللہ تعالیٰ تمہارا اعمال سے غافل نہیں وہ جانتا ہی کہ تم اندھیر میں پڑے ہو اور دھمکیوں میں جکڑے ہو ہو پس وہ تمہیں آزاد کرنے کیلئے خود آسمان اُترے گا اور ایسے نشانات دکھائیگا جو تمہارا سامنے خدا تعالیٰ کے وجود کو ظاہر کر دیتے

سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ

سورة قصص - یہ سورة مکی ہے -

وَهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعٌ وَتَمَازُونَ آيَةً وَتَسَعُ كُرُوعًا

اور بسم اللہ سمیت اس کی نویسی (۸۹) آیات ہیں اور (۹) رکوع ہیں۔

وقت نزول

حسنؓ اور کریمؓ کہتے ہیں کہ یہ سورۃ مکی ہے۔ ربوڑ دیوبند بھی اس سورۃ کو مکی قرار دیتے ہیں۔ لیکن مقاتل کے نزدیک اس میں چار آیات مدنی ہیں یعنی الَّذِينَ آمَنُوا مِنَّا هُمُ الْكُتُبُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ سے لیکر سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ تک (آیت ۵۲ تا ۵۶)۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیات مدینہ میں نہیں بلکہ مکہ اور جحفہ کے درمیان اتری تھیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مکہ اور جحفہ کے درمیان نہیں بلکہ ہجرت مدینہ کے وقت میں جحفہ کے مقام پر ان آیات کا نزول ہوا تھا۔ لیکن ابن سلام کہتے ہیں کہ ہجرت کے وقت جحفہ مقام میں صرف اِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأَوْكَ اِلٰى مَقَادِیْ اٰیْتِ نَازِلٌ ہوتی تھی۔ باقی تمام سورۃ مکی ہے (بحر محیط)۔

عمر ابن محمد کہتے ہیں کہ یہ سورۃ مکہ سے مدینہ کی طرف سفر کے وقت نازل ہوئی تھی۔ اس خیال کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ سورۃ مکی ہی سمجھی جائیے کیونکہ ابھی ہجرت مکمل نہیں ہوئی تھی۔

دیوبند دیوبند کا خیال ہے کہ عمر ابن محمد کا یہ خیال اس وجہ سے ہے کہ اس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأَوْكَ اِلٰى مَقَادِیْ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پھر مکہ واپس لائیکا۔ مگر دیوبندی کا یہ استدلال بہت کمزور ہے۔ صحابہؓ تو دقت نزول کی بنیاد عام طور پر کسی تاریخی گواہی پر رکھتے ہیں۔

پادری دیوبند صاحب چونکہ اس بات کے قائل نہیں کہ قرآن کریم میں کوئی سچی پیشگوئیاں ہیں اس لئے اپنے عقیدہ کے مطابق خود بخود کوئی وجہ تلاش کر لیتے ہیں جو کہ جس کتاب میں پیشگوئیاں ہوتی ہیں وہ تو بعض دفعہ موشال بعد کی خبر دے دیتی ہے چنانچہ اسی صحت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہودی طرح جن کو اُس نے فرعون پر غالب کر دیا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کو بھی مکہ والوں پر غالب کر دیگا۔ (آیت ۶) اودیہ ہا ہجرت کے آخری سالوں میں جاکر پوری ہوئی۔ اگر مذکورہ بالا آیت سے وہ استدلال ٹھیک ہے جو کہ دیوبندی نے کیا ہے تو پھر فرج مکہ کے معنوں سے یہ قیہر نکالنا چاہیے کہ یہ سورۃ فرج مکہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔ مگر یہ دونوں استدلال غلط ہیں۔ اصل میں یہ دونوں پیشگوئیاں ہیں جو عالم الغیب خدا نے کئی سال پہلے مکہ میں بیان کر دی تھیں۔ اور مختلف آیات کے مضمونوں سے تشریح کا وقت نکالنا ایک ڈھکوسلہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بار بار بیان ہو چکا ہے صحابہؓ عام طور پر دقت نزول تاریخ کی گواہی کی وجہ سے مقرر کرتے تھے نہ کہ آیتوں کے مضمون کی وجہ سے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ایک مانی ہوئی مکی سورۃ میں لَرَأَوْكَ اِلٰى مَقَادِیْ کا آنا بتاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں ہی تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی خبر دی اور پھر فرج مکہ کی بھی خبر دی۔ لَرَأَوْكَ کے الفاظ بتاتے تھے کہ آپ مکہ سے جا چکے اور اِلٰى مَقَادِیْ کے الفاظ بتاتے تھے کہ آپ مکہ واپس آ چکے ہیں یہ بیت

دیکھتی رہ۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور دُور سے ٹوکرسے کو دیکھتی رہی۔ لیکن فرعونوں کو اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔

جب موسیٰ شاہی محلات میں جا پہنچے اور انہیں دُور بلانے کا سوال پیش آیا۔ تو موسیٰ نے اپنی تصرف کے تحت

دوسری دایوں کا دودھ پیئے سے انکار کر دیا۔ اس پر موسیٰ کی بہن جو ساتھ ساتھ آئی تھی کہنے لگی کہ میں تیس ایک گھر کا پتہ دیتی ہوں جس کے افراد اسے بخوشی چل لیں گے۔ اور وہ اس کی ہر طرح نگہداشت رکھیں گے چنانچہ اس اپنی تدبیر سے موسیٰ پھر اپنی ماں کی گود میں واپس آ گئے اور اُس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچی۔ (آیت ۱۱ تا ۱۴)

جب موسیٰ اپنی روحانی بلوغت کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح فیصلہ کرنے کی قوت دی اور آسمانی علوم

سے نوازا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ رات کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں گئے تو انہوں نے دو آدمیوں کو آپس

میں دست دگر بیان ہوتے دیکھا۔ ایک ان کا ہم قوم تھا اور دوسرا اپنی دشمن قوم کا فرد تھا۔ موسیٰ کو دیکھ کر ان کے

ہم قوم شخص نے، انہیں اپنی مدد کے لئے آواز دی۔ جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو انہوں نے دوسرے شخص کو ایک

گھونسہ مار دیا جس کے گتے ہی وہ شخص گرا اور گر کر مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

کہ اے میرے رب! میرے اس فعل پر جو میں نے اپنی قوم کے ایک مظلوم شخص کی مدد کے لئے کیا تھا۔ مگر نادانستہ طور پر ایک آدمی مر گیا۔ اپنے فضل سے پروردگار ڈال دے۔

اور مجھے اس کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ گورنرٹ کا کوئی آدمی

اُس وقت نہ آیا اور معاملہ مخفی رہا۔ دوسری صبح وہ پھر شہر میں آئے اور انہوں نے دیکھا کہ وہی شخص جس نے

انہیں اپنی ہمدردی سے بلایا تھا۔ آج پھر کسی شخص سے لڑ رہا ہے موسیٰ کو، لیکن جس نے پھر آپ کو آواز دی۔ حضرت

اور فرعون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جو واقعہ ہم بیان کر گئے وہی سچا ہو گا۔ یعنی بائبل میں جو واقعات

بیان کئے گئے ہیں قابل اعتبار نہیں ہیں (آیت ۲۵ تا ۲۸) فرما ہے فرعون نے بہت تکبر سے کام لیا تھا۔

اور رعایا میں شدید اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ وہ اپنی سرکھ کے بیٹوں کو ہلاک کرتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا

تھا اور اس طرح ان کی طاقت کو کھٹا جاتا تھا لیکن ہم نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ جو ملک میں کمزور

سمجھے جاتے ہیں اُن کو دنیا کا لیڈر بنا دیں اور انہیں ویسی ہی نعمتوں کا وارث بنا دیں جیسی فرعون کو حاصل

تھیں۔ اور فرعون اور ہامان دونوں کو وہ انجام دکھا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔ (آیت ۵ تا ۷)

پھر موسیٰ کی پیدائش کا واقعہ بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ہم نے اُمّ موسیٰ کو وحی کی کہ اسے بیشک دھ

پلاؤ گرجب مجھے اس کی جان کا خطرہ محسوس ہو تو اُسے دریا میں ڈال دے۔ اُمّ موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔

اور اُسے ٹوکرسے میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔ ٹوکرا بہتے بہتے فرعون کے محلات کے پاس سے گذرا تو فرعون کے

خاندان میں سے کسی نے اُسے اٹھالیا۔ اور اس خاندان کی ایک عورت نے بادشاہ سے سفارش کرتے ہوئے کہا کہ

اسے قتل نہ کریں، ممکن ہے یہ بڑا ہو کر میں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں (آیت ۸ تا ۱۰)

اور موسیٰ کی والدہ کا یہ حال تھا کہ جب اُس نے اپنے بیٹے کو سمندر میں ڈال دیا تو اس کے دل پر

سے فکر و غم کا بوجھ اتر گیا اور اس کی ایسی حالت ہو گئی کہ اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو قریب

تھا کہ وہ اس راڈ کو ظاہر کر دیتی۔ موسیٰ کی ماں نے اُس وقت موسیٰ کی بہن کو بلایا۔ اور اُسے کہا کہ تو اس ٹوکرسے کے پیچھے پیچھے جا اور دُور سے اسے

ہم بانی نہیں بلایا کرتیں۔ کیونکہ ان ادبائوں کے گروہ میں ملنا میں پسند نہیں۔ اور ہم خود اس لئے آتی ہیں کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے۔ وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا اور پھر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الہی میرے لئے خیر و برکت کے سامان مہیا فرما۔ (آیت ۲۳ تا ۲۵)

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ان میں سے ایک لڑکی شرماتی ہوئی آئی۔ اور اس نے کہا کہ میرا باپ آپکو بلاتا ہے تاکہ آپ کو اس نیک سلوک کی جو آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے جزا دے۔ وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تمام سرگزشت بیان کر دی۔ لڑکی کے باپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ اب کوئی فکر نہ کرو۔ ظالم قوم سے تم نجات پا چکے ہو۔ اسی دوران میں ان میں ایک لڑکی نے کہا کہ آبا جان! آپ انہیں لازم رکھ لیں۔ یہ مضبوط بھی ہیں اور دیانت دار بھی۔ لڑکیوں کا باپ بھی اپنی لڑکیوں سے یہ ذکر سنکر آپ کی دیانت کا قابل ہو چکا تھا اس نے فوراً یہ تجویز پیش کر دی کہ اگر آپ آٹھ سال تک خدمت کریں تو میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک آپ سے نکاح کر دوں گا۔ اور اگر آپ آٹھ کی بجائے دس سال تک خدمت کریں تو یہ آپ کا احسان سمجھا جائیگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور فرمایا کہ دونوں مدتوں میں سے جو میعاد بھی میں پوری کر سکا میرے لئے اس کا پورا کرنا جائز ہو گا۔ (آیت ۲۶ تا ۲۹)

مقررہ میعاد پوری کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔ راستہ میں انہوں نے طور کی طرف ایک آگ کا شعلہ دیکھا۔ اور اپنے اہل سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے جس کا جاکر یا تو تمہارے لئے کوئی خیر لاؤں گا۔ یا اس آگ میں سے

موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ آج بھی وہی شخص دوسرے سے لڑ رہا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ یہ شخص بھی گرم مزاج اور لڑاکا معلوم ہوتا ہے۔ اور انہوں نے اسے طاقت کرتے ہوئے کہا کہ تو بھی بڑا جوشیلو اور تیز مزاج ہے کہ ہر وقت لڑتا دھنسا ہے۔ مگر جب انہوں نے دوسرے شخص کو بکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو ان کے ہم قوم شخص نے غصے سے یہ سمجھا کہ شاید موسیٰ آج مجھے مارنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور کہنے لگا۔ اے موسیٰ! کیا تو یہ جانتا ہے کہ آج مجھے بھی اسی طرح مار دے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو مارا ہے۔ اس کے اس فقرہ سے اندازہ کے سب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ کل جو شخص مرا ہے اسے موسیٰ نے ہی مارا تھا۔ اور چونکہ عقول فرعونی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ (آیت ۲۰ تا ۲۱)

اسی دوران میں اچانک ایک شخص شہر کے دوسرے حصہ سے دوڑتا ہوا آیا۔ اور اس نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ! سرداران قوم تجھے قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ اس لئے تو فوراً اس شہر سے نکل کر کسی اور جگہ چلا جا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی وقت شہر سے نکل کر دین کی طرف چل پڑے۔ وہ چاروں طرف احتیاط کے طور پر دیکھتے بھی جاتے تھے اور دعا بھی کرتے جاتے تھے کہ الہی مجھے ظالم قوم کی شرارتوں سے نجات دے۔

(آیت ۲۱ تا ۲۲)

آخر چلتے چلتے وہ دین کے چشمہ پر پہنچے وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور لڑکیاں اپنے جانوروں کو روک کر انگ کھڑی ہیں۔ یہی موسیٰ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ وہ اس طرح کیوں کھڑی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ جب تک سب لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں

کوئی انگارہ لاؤنگا۔ تاکہ تم سینک سکو (آیت ۳۰)
جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس سبک مقام
کے دائیں طرف کے کنارہ کی طرف سے ایک درخت کی جہت
سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں رب العالمین خدا ہوں۔
پھر اللہ ہوا کہ تو اپنا عصا پھینک دے۔ انہوں نے
عصا پھینکا۔ تو وہ انہیں ایک چھوٹے سانپ کی طرح
تیزی سے حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
اس نگارہ کو دیکھ کر دہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ! ڈر نہیں۔ تو سہمی پانے
والوں میں سے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے
ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال اور اپنے بازو کو ڈر کی وجہ سے
اپنے جسم سے ملا لے۔ یہ دو نشان ہیں جو فرعون اور
اس کے سرداروں کے لئے تجھے عطا کئے گئے ہیں۔ (آیت
۲۱ تا ۲۲)

جب موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ملا۔
تو انہوں نے کہا کہ خدا یا میرے ہاتھ سے تو اس کی قوم
کا ایک فرد مچکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تیرے پیغام کے
پہنچانے سے پہلے ہی میں مارا جاؤں۔ پھر انہوں نے کہا
کہ خدا یا ہارون جو میرا بھائی ہے وہ مجھ سے زیادہ نصرت
رکھتا ہے تو اس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج
دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کیا اور فرمایا ہم
ہارون کے ساتھ تیرے بازو کو مضبوط کر دیں گے۔ اور تم
دونوں کو کھلا کھلا غلبہ عطا فرمائیں گے۔ فرعون تم دونوں
کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیگا۔ (آیت ۳۴ تا ۳۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس گئے۔
اور آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تو فرعون اور
اُس کے سرداروں نے آپ کی شدید مخالفت کی۔ اور
اُسے ایک سکیم کے تحت تیار شدہ فریب قرار دیتے
ہوئے کہا کہ ایسی باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا سے

کبھی نہیں سُنیں۔ پھر فرعون نے ہامان سے کہا۔ کہ ایک
بہت بلند اور اونچی عمارت بناؤ۔ شاید میں اُس پر چڑھ کر
موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ اس طرح اُس نے اور اُس کے
ساتھیوں نے تکرار سے کام لیا۔ مگر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ہم
اُسے اور اُس کے لشکر کو سمندریں غرق کر دیا اور اب اس
دنیا میں بھی اُن پر لعنت برسی چلی جائیگی اور قیامت کے
دن بھی وہ ذیل ترین لوگوں میں کھڑے کئے جائیں گے۔ (آیت
۳۷ تا ۴۳)

فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی جو
لوگوں کو دعائی جیانی بخشنے والی اور ہدایت اور رحمت
کا سامان اپنے اندر رکھنے والی تھی۔ مگر انہوں نے اس سے
کوئی فائدہ نہ اٹھایا جیسا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ کے یہود بھی اُس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے
اس کے بعد اللہ تعالیٰ تورات کی ان پیشگوئیوں کی طرف
اشادہ کرتا ہے جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کی خبر دی گئی تھی۔ اور فرماتا ہے کہ تو اُس وقت موسیٰ کے
ساتھ نہیں تھا جب ہم نے طور کے مغربی جانب رسالت
کا کام اُس کے سپرد کیا۔ اور نہ تو مدین والوں کے ساتھ
رہتا تھا جبکہ ہم نے دہاں تیرے متعلق پیشگوئی کی۔ اگر
ایسا ہوتا تو سمجھا جاسکتا تھا کہ تم دونوں نے مل کر باہم
منصوبہ کر لیا ہوگا۔ لیکن موسیٰ تو تیری پیدائش سے دو ہزار
سال پہلے گذر چکے تھے۔ پھر اس کی کتاب میں تیرے متعلق
پیشگوئیوں کا پایا جانا تیری صداقت کا کیوں ثبوت
نہیں۔ (آیت ۴۴ تا ۴۷)

پھر بتایا کہ نبیوں کی بعثت تو ہمیں ہر جہت تمام
کرنے کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ اگر نبی نہ آئیں تو لوگ خدا
تعالیٰ کے سامنے عذر کر سکتے ہیں کہ ہماری طرف تو کوئی
سمجھانے والا نہیں آیا۔ پھر میں کیوں مرزا دی جاتی ہے۔ مگر
اب جبکہ خدا تعالیٰ نے اُنکی اصلاح کے لئے ایک نبی کو

مبعوث فرما دیا ہے وہ اس پر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موسیٰ کی طرح امیر کدیم کٹھی کتاب کیوں نازل نہیں ہوئی۔ فرماتا ہے۔ اگر یہی صداقت کی دلیل ہے تو پھر موسیٰ کا کیوں انکار کیا گیا۔ اس کے زمانہ میں بھی تو لوگوں نے یہی کہہ دیا تھا کہ موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ پس تورات کا بھی انکار کیا گیا اور قرآن کا بھی انکار کیا گیا۔ تورات کا تو اس نے انکار کیا گیا کہ وہ کٹھی کیوں نازل ہوئی ہے اور قرآن کا اس نے انکار کیا گیا کہ یہ کڑے ٹکڑے کر کے کیوں نازل ہوا۔ اب تم کوئی ایسی کتاب لاؤ جو کسی تیسرے طریق سے نازل ہوئی ہو۔ اور اس نے دنیا میں بن دوں کتابوں سے زیادہ ہدایت پھیلانی ہو مگر تم ایسا بھی نہیں کر سکتے (آیت ۲۸ تا ۵۰)

ان لوگوں کے یہ اعتراضات بتا رہے ہیں کہ انہیں کسی سچائی سے عرض نہیں بلکہ جو بھی پرانگندہ خیال ان کے دل میں آتا ہے۔ وہ اسے ظاہر کر دیتے ہیں اور ایسے لوگ جو پرانگندہ خیالات اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے والے ہوں کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتے (آیت ۵۱) فو، اگر تم نے اس وحی کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے نازل کیا ہے اور سارے قرآن میں ایک اعلیٰ درجہ کی ترتیب پائی جاتی ہے۔ وہ لوگ جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی اور جو سچے معنوں میں ہل کتاب ہیں وہ تورات پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کریم کی سچائی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور درجہ بدرجہ کے مستحق ہیں۔ (آیت ۵۲ تا ۵۵) یہ ان لوگوں کی علامات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دہی کا نیکلی سے مقابلہ کرتے اور اپنی تمام طاقتوں کو خدا تعالیٰ کے رستہ میں خرچ کرتے ہیں اور ہر قسم کی لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اور دشمنی کرنے والوں کی

بھی سلامتی چاہتے ہیں۔ (آیت ۵۵ تا ۵۶) پھر بتایا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی میسر آتی ہے۔ مگر اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنے دل کو ایسا صاف رکھے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کا پامناہ دل ہدایت کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ (آیت ۵۷)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم اسلام قبول کر لیں تو اور گرد کی قومیں ہیں خود را تباہ کر دیں گی۔ حالانکہ ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے تھا کہ جس خدا نے ابراہیمؑ کے زمانہ سے مکہ کو حرم قرار دیا ہوا ہے اور اس بے آب و گیاہ جنگل میں ساری دنیا کے پل اور غلہ لا رہا ہے وہ اس زمانہ کی ہدایت کو قبول کر لینے والوں کی کیوں حفاظت نہیں کرے گا اور کیوں انہیں بے بار و مدد کا دھچکور دیگا۔ مگر ان لوگوں کو خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کر رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ بستان موجود ہیں جو عذاب سے تباہ ہو گئیں۔ مگر پھر بھی یہ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یہ تباہی ان بستیوں میں رہنے والوں پر اسی لئے آئی تھی کہ انہوں نے رسولوں کا انکار کیا۔ بے شک دنیوی مال و دولت بھی اچھی چیز ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو ترقی ملتی ہے وہ اس مقوڑے سے دنیوی مال یا مقوڑے سے سونے چاندی سے بہت بہتر ہوتی ہے مگر ان لوگوں کی عقل ایسی کمزور ہے کہ اتنی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ (آیت ۵۸ تا ۶۱)

پھر بتایا کہ جس کے پاس دنیوی دولت ہو وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتا جن سے اللہ تعالیٰ نے دہی روحانی برکات کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ کیونکہ اچھی چیز دہی ہے جس کا انجام اچھا ہو۔ اور ان لوگوں کا انجام یہ ہو گا کہ قیامت کے دن انہیں جواب دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ (آیت ۶۲) موت ائمہ الکفر جو لوگوں کو اپنے پیچھے چلائے

فرمایا۔ یہ لوگ شرک تو کرتے ہیں لیکن اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر رات کو اللہ تعالیٰ قیامت تک کیلئے لمبا کر دے تو خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو ان کے پاس روشنی لائیگا۔ یا اگر دن کو قیامت تک کے لئے لمبا کر دے تو خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو ان کے لئے رات کا وقت لائے۔ خدا تعالیٰ ہی ہے جو سورج کو چڑھاتا اور غروب کرتا ہے۔ پھر فرمایا یہ رات اور دن کا تسلسل اس لئے ہے کہ رات میں تم سکون حاصل کر سکو اور دن میں کام کاج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو۔ مگر شرک لوگ اپنے مزعومہ معبود کو اس کا شریک قرار دے دیتے ہیں حالانکہ کوئی شرک نہیں جو تسلیم کرتا ہو کہ سورج کو اس معبود چڑھاتا ہے یا اس کا غروب ہونا کسی بت کے اشارہ سے ہوتا ہے۔

آیت ۷۲ تا ۷۴

فرمایا۔ ایک دن اُسے دالا ہے جب ان مشرکوں سے کہا جائیگا کہ آج تمہارے مزعومہ شرک کہاں ہیں۔ وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتے۔ اگر تمہارے پاس شرک کی تائید میں دلائل تھے تو تمہاری وہ دلیل کہاں چلی گئیں۔ تب مشرکوں پر اپنے تئوں کا جھوٹا ہونا بالکل واضح ہو جائیگا اور وہ کہیں گے کہ سچی بات وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے کہی تھی۔ اور ان کے تمام مضرتیانہ دعویٰ ان کو بھول جائیں گے۔ (آیت ۷۵، ۷۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ مخالفوں کے سامنے قاتل کی مثال پیش کرے اور بتائے کہ اُس نے دولت کے نشہ میں اپنی قوم پر سختی کرنی شروع کر دی وہ خزانوں کا افسر تھا جن کی کنجیاں اٹھانا بھی ایک مضبوط جماعت کے لئے دو بھر ہوتا تھا۔ اُس کی قوم نے اُسے سمجھا کہ تکبر نہ کر۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مگر اُس نے کہا۔ یہ رتبہ مجھے یونہی نہیں ملا بلکہ میں نے

خدا تعالیٰ کے سامنے یہ عذر کر رکھے کہ ہم نے تو ان لوگوں کو وہی باتیں سکھائی تھیں۔ جن کو ہم سچا سمجھتے تھے مگر ان لوگوں پر ہمارا کوئی اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے ہمارے باتوں کو اس لئے مانا کہ خود ان کا اپنا دل ان باتوں کو ماننا چاہتا تھا ورنہ درحقیقت یہ ہمارے پیچھے نہیں چلے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی ہی انہوں نے تقلید کی ہے۔ (آیت ۶۳ و ۶۴)

اس کے بعد ان کے جھوٹے معبودوں کی بے جا اور ظاہر کرنے کے لئے انہیں کہا جائیگا کہ اب اپنے معبودوں کو بلاؤ اور انہیں کہو کہ وہ ہمیں اس عذاب سے نجات دیں۔ وہ آوازیں دیں گے مگر ان کا کوئی معبود انہیں جواب نہیں دے گا۔ افسوس گمراہ ہونے والے حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ کاش ہم ہدایت اختیار کرتے اور اس غلط راستے پر نہ چلتے۔ (آیت ۶۵)

پھر خدا تعالیٰ اُن سے پوچھے گا کہ بناؤ جو رسول میں نے تمہاری طرف بھیجے تھے انہیں تمہارے کیا جواب دیا تھا۔ اس پر وہ ایسے گھبرا جائیں گے کہ تمام خیالات اُن کے دماغ سے نکل جائیں گے اور وہ ایک دوسرے سے بھی کوئی بات پوچھنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے وہ یقیناً باہر آدھونگے (آیت ۶۶ تا ۶۸)

پھر بتایا کہ تمام تغیرات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ جو تغیر بھی چاہتا ہے جاری کرتا ہے۔ لیکن کفار کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور اُن کے دل کے مخفی رازوں سے بھی آگاہ ہے اور وہ دھوکا لا شرک پر بندہ بھی اُسی کی طرف ہوتی ہے اور انجام بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے ہر کام میں حمد کا ہی مستحق ہوتا ہے (آیت ۶۹ تا ۷۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ①

(اے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (پڑھتا ہوں)۔

طسم ②

طاہر ریاض السبع دُعائیں سننے والا مجید بڑی بزرگی والا خدا اس سورۃ کو نازل کرنا لازمی ہے

ذات کی قسم کھا کر تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ تجھے پھر کدہ میں واپس لائے گا اور تجھے ان لوگوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون اُسکا انکار کر کے گمراہ ہو چکا ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ ہدایت لائے اور انا کلام دے اور گمراہ کامیاب ہو جائیں (آیت ۸۵-۸۶)

اے قرآن کے مخاطب اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ انسان نشان کو دیکھنے کے بعد تیرا فرض ہے کہ تو کفار کا کبھی مددگار نہ بن اور کبھی شرک کے قریب مت جا اور کبھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنا۔ کیوں کہ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ ہر مژمومہ معبود بھی ہلاک ہو گا اور صرف وہی بچے گا جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ ہو گی کیونکہ حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہی چلتا ہے اور سب مخلوقات نے پیش بھی اُسی کے حضور ہونا ہے۔

طسم اس سورۃ کے ابتدا میں خود مقطعات طسم رکھے گئے ہیں۔ جو لطیف، سمیع اور مالک یا مجید کے قائم مقام ہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا لطیف ہے اور وہ لطف اور مہربانی سے کام لیتا ہے جبر اور سختی سے کام نہیں لیتا۔ وہ سمیع ہے۔ جب دنیا ہدایت محروم ہوئی اور اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی طرف پکار اُٹھی کہ میں ہدایت دے تو اُس نے یہ قرآن بھیج دیا۔ وہ مالک ہے مخلوق کا اُس نے اپنے

اپنے علم کے زور سے بے حاصل کیا ہے۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو تباہ کر چکا ہے جو اُس بھی زیادہ طاقتور تھیں۔ پھر ایسا ہو کہ ایک دن وہ بڑی شائق و شوکت سے اپنی قوم کے سامنے سے گزرا اور تو نے اُس پر رشک کیا مگر جو لوگ روحانی نگاہ رکھنے والے تھے انہوں نے کہا کہ یہ کوئی قابل رشک چیز نہیں۔ رشک کے قابل وہ جزا ہے جو مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ مگر یہ جزا انہی لوگوں کو ملتی ہے جو مشکلات میں صبر سے کام لیتے ہیں۔ آخر قادیان کی مزار کا دقت آگیا اور ہم نے اُسے اور اُس کے سارے خاندان کو ایسا ذلیل کیا کہ نہ تو کوئی گروہ اُس کی مدد کے لئے نکلا اور نہ خود اپنی حالت کو بدل سکا۔ اور لوگوں کو اترا کر بنا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوا کرتا ہے (آیت ۸۳ تا ۸۷)

اس کے بعد بتایا کہ جو لوگ ملک میں ناجائز غلبہ کے حصول کی کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد پھیلاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہی کو ترقیات سے محدد دیا کرتا ہے (آیت ۸۴) پھر نبی اور بڑی کی جزا کے متعلق روشنی ڈالی اور بتایا کہ ہمارا یہ اصول ہے کہ نیکی کا بدلہ تو کام کی نسبت بہت زیادہ دیا جاتا ہے لیکن بڑی کی مزار صرف اسی قدر دی جاتی ہے جس قدر تصور ہوتا ہے۔ اور پھر رشک کوئی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ تو ایک دن تیری قوم تجھے کدے سے نکال دیگی لیکن وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ اپنی

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ

یہ (یعنی اس سورۃ کی آیات) ایک مثال کتاب کی آیات ہیں۔ ۲۰

بندوں کو یونہی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ یا مسیح مجید کا قائم مقام ہے۔ اس صورت میں اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا بڑی بزرگی والا ہے۔ پس یہ اس کی شان کے خلاف تھا کہ اس کے کمزور بندے ہدایت سے محروم ہوتے۔ اور وہ ان کی خبر نہ لیتا۔ اور چونکہ اپنی صفات کو سورۃ شعراء کے ابتداء میں بھی بیان کیا گیا ہے اس لئے مغیر مضمون کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے۔ بعض لوگ قرآن کریم پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے کہا کرتے ہیں کہ اس کی آیتیں اور سورتیں یوں ہی بے جوڑ رکھی گئی ہیں۔ حالانکہ ایک ادنیٰ غور سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتیں بھی کسی خاص مقصد کے ساتھ آگے پیچھے رکھی گئی ہیں۔ اور اس کی آیتیں بھی اپنے اندر ترتیب اور جوڑ رکھتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ شعراء اور سورۃ قصص کو دیکھ لو۔ سورۃ شعراء سے پہلے بھی طسّم حروف مقطعات کے طور پر رکھے گئے ہیں۔ اور سورۃ قصص سے پہلے بھی طسّم حروف مقطعات کے طور پر رکھے گئے ہیں۔ اور سورۃ شعراء میں بھی ان حروف کے بعد یہ آیت ہے کہ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ۔ اور اس سورۃ میں بھی طسّم کے بعد یہ آیت ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات کسی خاص غرض کے لئے ہوتے ہیں۔ اور ایک جیسے حروف مقطعات ایک ہی قسم کے مضمون

پر دلالت کرتے ہیں۔

ہم نے سورۃ نمل کے تفسیری نوٹوں میں بتایا تھا کہ سورۃ نمل کو طسّم کی بجائے جو شعراء سے پہلے رکھے گئے ہیں صرف طسّم سے شروع کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مجید اور اس کی بزرگی جتنی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ظاہر ہوئی ہے جن کا سورۃ شعراء میں ذکر آتا ہے اتنی بزرگی موسیٰ اور سیمان علیہم السلام کے وجود سے ظاہر نہیں ہوئی جن کا ذکر سورۃ نمل میں آتا ہے۔ اب اس سورۃ میں پھر طسّم کے بعد مسیح برہا دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے خصوصاً فتح مکہ کا۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی بزرگی ظاہر ہوئی۔

۲۰ تفسیر:- فرماتا ہے:- اس سورۃ میں جو آیتیں بیان کی گئی ہیں وہ ایک کتاب مبین کی آیتیں ہیں۔ یعنی اس کتاب کی جو سب مضمونوں کو کھول کر بیان کرتی ہے یا دوسرے لفظوں میں ہر مضمون کی دلیل دیتی ہے۔

اس آیت میں سورۃ نمل کی آخری آیت دَ مَنْ حَتْلُ قَحْلُ اَنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ۔

پر دادر ہونے والے اس سوال کا بھی جواب دیدیا گیا ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف منذر بنایا ہے زبردستی کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ

تَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبِإِ مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

موسىٰ کو تم کے فائدہ کے لئے ہم موسیٰ اور فرعون کے صحیح سوانح تیرے سامنے

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۴۷﴾ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ

پڑھتے ہیں۔ ۴۷ فرعون نے (اپنے) ملک میں بڑی تعالیٰ سے کام لیا تھا

وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةً

اور اُس کے رجنے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ وہ اُن میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنا

مِّنْهُمْ يَذَّكَّرُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَعِي نِسَاءَهُمْ

چاہتا تھا۔ (اس طرح کہ) اُن کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور اُن کی بیویوں کو زندہ رکھتا تھا۔

إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۴۸﴾ وَنُرِيدُ أَنْ

اور وہ یقیناً فسادوں میں سے تھا۔ اور ہم نے ارادہ کر رکھا تھا کہ

نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا فِي الْأَرْضِ وَ

جن لوگوں کو اُس نے ملک میں کمزور سمجھ رکھا تھا اُن پر احسان کریں اور

نَجْعَلَهُمْ أُمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿۴۹﴾ وَ

اُن کو سردار بنا دیں اور اُن کو (تمام نعمتوں کا) وارث کر دیں۔ اور

۴۷ تفسیر:- فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ!

خدا تعالیٰ کے لطیف اور وسیع ہونے کی مثال کے طور پر ہم تجھے موسیٰ کا واقعہ سناتے ہیں لیکن اُس شکل میں سناتے ہیں جس شکل میں وہ ہوا تھا۔ یعنی تورات نے اُس میں بہت سے انسانی خیالات ملا دیے ہیں۔ تو اُن انسانی خیالات کو الگ کر کے اصل حقیقت لوگوں کے سامنے بیان کر۔

قرآن شریف کی اس آیت کی تصدیق پادری دہریہ

اُن پر نازل ہونے والی کتاب ہر مضمون کے دلائل پیش کرتی ہے۔ اور جس کے ساتھ مدلل کتاب ہو اور جس کے ہر دعویٰ کا ثبوت موجود ہو اُسے نہ بدکتی کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص اُس کی باتوں کو سن کر سچے دل سے خود کرے گا تو آپ ہی ہدایت پا جائیگا۔ اور اگر غور نہیں کرنا چاہے گا تو اُس پر زبردستی کرنا بیکار ہے کیونکہ جس کو دلیل ٹھیک نہیں کر سکتی جبری بھی اُس کو ٹھیک نہیں کر سکتا۔

نُمَكِّنْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيْ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ

اُن کو ملک میں تملکت بخشیں اور فرعون اور ہامان

وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿۵﴾

اور اُن کے لشکروں کو وہ کچھ دکھائیں جس کا اُن کو خوف لگا ہوا تھا۔ ۵

کے نوٹ سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ اس جگہ سمجھتے ہیں کہ یہاں محمد رسول اللہ نے موسیٰ کے سارے حالات بیان نہیں کئے جس سے پتہ لگتا ہے کہ انہیں یہودیوں سے نامکمل حالات پہنچے تھے۔ لیکن قرآن نے پہلے ہی یہی کہے ہیں اس امر میں کو مد نظر رکھتے ہوئے بتا دیا تھا کہ سچا واقعہ وہی ہے جو ہم سمجھ سے بیان کرتے ہیں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ نیزے پاس بیان کیا جائے تو اس کو ہرگز سچا نہ سمجھ۔

۵ حل لغات :- شَيْعًا : شَيْعَةُ کی

جمع ہے اور شَيْعَةُ الْوَجَلِ کے معنی ہیں اَتْبَاعُهُ وَ اَنْصَارُهُ کبھی شخص کے پیروکار اور مددگار۔ نِزَالِ شَيْعَةٍ کے معنی ہیں اَنْفِصَافَةً۔ گردہ (اقراب)

يَحْذَرُونَ : يَحْذَرُ سے فعل مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور يَحْذَرُ يَحْذَرُ يَحْذَرُ يَحْذَرُ يَحْذَرُ يَحْذَرُ

کے معنی ہیں يَحْذَرُ مِنْهُ اس سے بوجہ خوف اجتناب کیا (اقراب) پس مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ کے معنی ہوئے جس کا اُن کو خوف لاحق تھا۔

تفسیر :- فراتے ہیں موسیٰ کا واقعہ یوں ہوا کہ فرعون نے اپنی حکومت کے غمگین میں کبتر شروع کر دیا۔ اور لوگوں پر تعدی کرنی شروع کر دی۔ وہ تمام رعایا کے ساتھ ایک ماسلوک نہیں کرتا تھا۔ نہ اُن کی نرتی کی طرف توجہ کرتا تھا۔ بلکہ مختلف نسلوں اور مختلف مذہبوں سے تعلق رکھنے والوں کو آپس میں

لڑاتا تھا۔ اور بعض لوگوں کو پسندیدہ اور منتخب جماعت قرار دیتا تھا۔ اور بعض کو حقیر اور حکومت کی حفاظت سے خارج قرار دیتا تھا۔ اور رعایا کے ایک طبقہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور اُن کی نرمیہ اولادوں کو ہلاک کر دیتا تھا اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ وہ یقیناً زمین میں فساد کر رہا تھا۔ لیکن ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا (اور اس زمانہ میں بھی فیصلہ کیا ہے) کہ جن کو کمزور کیا جا رہا ہے ہم اُن پر احسان کریں اور ہم اُن کو دنیا کا سرمدار بنادیں اور ہم اُن کو اُن انعامات کا وارث کر دیں جو فرعون اور اس کے قریبوں کو حاصل تھے۔ اور ہم اُن کو ملک میں طاقت بخشیں۔ اور ہم نے یہ بھی فیصلہ کر دیا تھا کہ فرعون اور اس کے ساتھی ہامان کو اور اُن دونوں کے لشکروں کو وہ انجام دکھادیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔ یعنی یہ خوف کہ ملک کی بعض قومیں طاقتور ہو کر اُن کو نقصان نہ پہنچا دیں۔

وَجَعَلَ اٰهْلَهَا شَيْعًا سے ظاہر ہے کہ فرعون نے ڈیولائیڈ اینڈ دہلی کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی اور وہ جابر بادشاہوں کی طرح لوگوں کو ہمیشہ آپس میں لڑاتا رہتا تھا تاکہ اُن میں اتحاد اور یکجہتی پیدا نہ ہو اور اُس کے مظالم کی طرف لوگوں کی توجہ نہ پھیرے جس طرح جابر بادشاہ بعض قوموں کی حمایت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اس طرح مسلسل طور پر ایک دوسرے

شَيْعًا

يَحْذَرُونَ

کے خلاف منافرادینغ اور حسد کے جذبات بھڑکاتے ہیں
ایسی طرح فرعون کی بھی یہی کوشش رہتی تھی کہ اسرائیلیوں
اور غیر اسرائیلیوں کا جھگڑا قائم رہے اور اس کی حکومت
کے ظالمہ اعمال کی طرف اُن کی توجہ نہ پھیرے۔ بہر حال
قرآن مجید اس پالیسی کی شدید مذمت کرتا ہے اور اسے
فساد فی الارض کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک
قانون کا اطلاق غریب اور امیر اور عالم اور جاہل پر
یکساں ہونا چاہیے اور اس بارہ میں کسی قسم کا امتیاز روا
نہ رکھنا چاہیے۔ اور حقیقت دنیا میں وہی حکومت
پائیدار اس قائم کرنے کا موجب ہو سکتی ہے جو اس
امتیاز کو کفایت دے۔ اور قومی ملی نسلی یا
مذہبی اختلاف کی بنا پر عدل و انصاف کے تقاضوں
کو نہ سمجھے۔

فرعون چونکہ بنی اسرائیل کو کمزور کرنا چاہتا تھا
اس لئے اُس نے پہلے تو بنی اسرائیل کی نسل کو دایوں کے
ذریعہ بند کرنا چاہا۔ مگر جب اس سکیم میں اُسے ناکامی ہوئی
اور دایوں نے احم سے کام لیا تو اس نے لڑکوں کو
دریا میں ڈالے جانے اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا حکم
دیا۔ چنانچہ خروج باب میں اُس کی تفصیل بیان کرتے
ہوئے لکھا ہے:-

”بھر کے بادشاہ نے عبرانی دایوں سے
جن میں ایک کا نام سفورہ اور دوسری کا فوطہ
تھا، ایسے کس۔ اور کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے
تم بچہ جنم دے۔ اور ان کو پتھر کی ٹیٹھکوں پر
بٹھیس دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو اُسے مار ڈالنا
اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے۔ لیکن وہ
دائیاں خدا سے ڈرتی تھیں۔ سو انہوں نے
مصر کے بادشاہ کا حکم نہ مانا بلکہ لڑکوں کو
جیت چھوڑ دیتی تھیں۔ پھر مصر کے بادشاہ

دایوں کو بلوا کر ان سے کہا۔ تم نے ایسا کیوں
کیا کہ لڑکوں کو جیتا رہنے دیا؟ دایوں نے
فرعون سے کہا۔ عبرانی عورتیں مصری عورتوں
کی طرح نہیں ہیں۔ وہ ایسی مضبوط ہوتی ہیں کہ
دایوں کے پیچھے سے پہلے ہی جن کر فارغ
ہو جاتی ہیں۔ پس خدا نے دایوں کا بھلا کیا
اور لوگ بڑھے اور زبردست ہو گئے۔ اور
اس سبب سے کہ دایاں خدا سے ڈریں اُس
نے اُن کے گھر آباد کر دیئے۔ اور فرعون نے
اپنی قوم کے سب لڑکوں کو تاجید کیا۔ کہ
ان میں جو بیٹا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دینا
اور جو بیٹی ہو اُسے جیتی چھوڑنا۔“

(خروج باب ۱۵ آیت ۲۲)

قرآن کریم نے اس واقعہ کے متعلق یَذِّیْحُ اَبْنَاءَهُمْ
کے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں اس سے بعض لوگ
غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ فرعون بچوں کا گلا گھونٹ دیا
کرنا تھا۔ مگر یہ درست نہیں۔ ذبح کے ایک معنی
لغت میں ہلاک کر دینے کے بھی لکھے ہیں (تاج العروس)
پس یَذِّیْحُ اَبْنَاءَهُمْ کے معنی یہ ہیں کہ وہ بنی اسرائیل
کے لڑکوں کو ہلاک کر دیتا تھا۔ خواہ یہ ہلاکت دریا
میں ڈبو دینے سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ اسی وجہ
قرآن کریم نے ایک دوسری جگہ یَقْتُلُونَ اَبْنَاءَکُمْ
کے الفاظ بھی استعمال فرمائے ہیں (اعراف آیت ۱۴۲)
جس سے ان معنوں کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل ہونیکا
واقعہ بیان کرتے ہوئے سورہ بقرہ میں بھی یَذِّیْحُونَ
کی بجائے یَقْتُلُونَ کے الفاظ استعمال کئے ہیں
(بقرہ آیت ۵۰) کیونکہ عربی زبان کے قواعد کی رو سے
یَذِّیْحُونَ کے معنوں میں زیادہ شدت اور سختی

پائی جاتی ہے۔ اگر یہ بھڑکتا کہا جاتا تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا کہ وہ ہلاک کرتے تھے لیکن یہ بھڑکتا کہہ کر اس قوم کے غصہ اور کینہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ لوگ تلاش کر کر کے بنی اسرائیل کے لوگوں کو ہلاک کرتے تھے۔

وَنَزَّيْنًا اَن تَنَمَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتَعْصَفُوْا فِي الْاَرْضِ مِن دَجَلَتِهِمْ اِنَّهُمْ اَوْدَارِيْلِيْن۔ جس اللہ تعالیٰ نے نزیہ کو لفظ استعمال فرمایا ہے جو معنایں کا صیغہ ہے جس میں استقبال کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ بھی ہمارا ہی ارادہ ہے۔ اس لفظ کو استعمال فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نہ صرف موسیٰ کے وقت ہم نے یہ ارادہ کیا تھا بلکہ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ حکومت علی جن لوگوں کو ظالمانہ طور پر کمزور کرنا چاہتی ہے ان کو طاقت دی جائے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور گو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبر کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا لیکن جس طرح الہی تدبیروں کوئی کے وقت کام لیا گیا اور فرعون کو تباہ کیا گیا اور اس کے درباروں کے تختہ مشق لوگوں کی مدد کی گئی اور ان کو اونچا کیا گیا اسی طرح الہی تدبیروں کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی کام لیا جائیگا اور ان کو تباہ کیا جائیگا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درباروں کے تختہ مشق لوگوں کی مدد کی گئی اور وہ الہی تدبیروں کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی بیان کر دی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا ایک پر حکمت اور بادل کا کام ہے جس کے نزل اور طاقت لوگوں کے دل فتح ہو جائیں گے۔ گویا نتیجہ تو وہی نکلے گا جو موسیٰ کے وقت میں نکلا مگر موسیٰ کے وقت میں تو احکام الہی کی تعمیل کے لئے آپ کو اپنی قوم کے ساتھ سختی بھی کرنی پڑی اور پھر موسیٰ کی ساری قوم ایمان بھی نہ لائی صرف سیاسی

طور پر موسیٰ کے ساتھ ہونٹیں جیسا کہ بائبل سے ظاہر ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک موسیٰ کی قوم موسیٰ پر اصرار کرتی چلی گئی۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں چونکہ حکمت اور بادیل کا کام دیا گیا ہے۔ آپ کی قوم پورے طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے گی۔ اور موسیٰ کی قوم سے بھی بڑھ کر اسکو عزت حاصل ہوگی۔ موسیٰ کی قوم تو صرف فرعون کی شکن و شوکت کے ایک حصہ کی وراثت ہوئی تھی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم اس سے بہت زیادہ ترقیات پائے گی کیونکہ اس کے ساتھ کتاب مبین ہوگی۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (فرقان ۶) یعنی اے محمد رسول اللہ تجھے لڑائیاں تو پیش آئیں گی لیکن وہ لڑائیاں تیری زندگی کا حاصل نہیں ہونگی بلکہ تیری زندگی کے کاموں کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ ہونگی۔ حاصل تیری زندگی کا یہ ہے کہ قرآن سے اپنی قوم کے ساتھ جنگ کر اور یہ جنگ ہی بڑی جنگ ہوگی۔ تلوار کی جنگ اس کے مقابلہ میں چھوٹی ہوگی۔

اب دیکھ لو یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی کہ والوں کو بے شک بعض عرب قبائل سے جلیں پیش آئیں۔ لیکن وہ قبائل بھی چھوٹے تھے اور ان کا نتیجہ بھی چھوٹا تھا۔ مگر جو جنگ آپ کو قرآن کریم کے ذریعہ کرنی پڑی وہ عرب سے بھی ہوئی ایران سے بھی ہوئی اور پھر بعد میں ساری دنیا سے ہوئی اور ہر ہی جس دن اس جنگ کا نتیجہ نکلیگا ساری دنیا کے دل اسلام کے لئے فتح ہو جائیں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت میدانوں اور سمندروں کو بھانڈتی ہوئی دنیا کے کناروں تک پہنچ جائیگی۔ اس کے مقابلہ میں ظاہری جنگوں کا نتیجہ بہت چھوٹا تھا مگر

تعب ہے کہ ان کھلی آیات کی موجودگی میں مغربی لوگ اب تک یہ اعتراض کرتے چلے جا رہے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگوں کے ساتھ اپنے دشمنوں کو مغلوب کیا اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات جنگوں کے ساتھ وابستہ تھیں تو پھر قرآن کریم نے اشارۃً ان کو چھوٹا کیوں کہا اور قرآنی جنگ کو بڑا کیوں کہا۔ اُس نے یہ کیوں فرمایا کہ جَاهِدْهُمْ بِمَا جَاءُواكَ بِهَا۔ اُس نے محمد رسول اللہ تیری اصل جنگ قرآن کریم کے ہتھیار ہے۔ تو اس ہتھیار کے ساتھ اپنے دشمنوں سے جنگ کر۔ یہی جنگ بڑی جنگ ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ یہ آیت جس میں دو جہادوں کی خبر دی گئی ہے ایک تلوار کے جہاد کی جو چھوٹا ہو گا اور ایک دلائل اور براہین کے جہاد کی جو بڑا ہو گا یہ سورۃ فرقان کی آیت ہے جو مکی سورۃ ہے۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں ہی تھے۔ نہ کوئی فوج آپ کے ساتھ تھی۔ نہ کوئی ملک آپ کے ساتھ تھا کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ تجھے اپنے مخلصوں کے ساتھ دلائل میں اُس کی کچھ تلوار کی اور کچھ دلائل اور براہین کی۔ دلائل اور براہین کی دلائل بڑی ہونگی اور تلوار کی جھوٹی۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرق کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ جہاد سے واپس آئے تو آپ نے فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (رواحۃ الری الدائمۃ جلد ۳ صفحہ ۲۳۵) ہم ایک جھوٹی لڑائی سے واپس آئے ہیں تاکہ بڑی لڑائی یعنی دلائل اور براہین کی لڑائی اور اشاعت قرآن کی لڑائی کو شروع کریں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دلائل اور براہین کی لڑائی کو بڑی لڑائی اور تلوار کی لڑائی کو جھوٹی لڑائی قرار دیا ہے۔

ان آیات میں جو ہمان کا ذکر کیا گیا ہے اس کے

متعلق سیل نے اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن میں اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن نے ہمان کو فرعون موشی کا ہم عصر قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ ہمان ایک ایرانی بادشاہِ خسرویس کے وزیر کا نام تھا۔ جو موشی کے ایک لمبا عرصہ بعد موشا اور پھر نکھتا ہے کہ گو یہ غلطی بالکل واضح ہے لیکن ایک مسلمان کو اس غلطی کا یقین دلانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ریورنڈ ڈیوی نے بھی اپنی کتاب کفری ان دی قرآن میں اس اعتراض کو نقل کیا ہے۔ اسی طرح بعض اور یوروپین مستشرقین نے بھی لکھا ہے کہ ہمان۔ فرعون موشی کا کوئی وزیر یا اعلیٰ افسر نہیں تھا بلکہ پانچویں صدی قبل مسیح کے ایک ایرانی بادشاہ کا وزیر تھا۔ جس نے خسرویس کے عہد حکومت میں یہودیوں کے قتل عام کی سازش کی مگر بالآخر بادشاہ اس سے ناراض ہو گیا اور اُس نے ہمان کو صلیب پر لٹکا دیا۔

یوروپین مستشرقین کے اس اعتراض کی بنیاد بائبل کی کتاب استراب ۳ تا ۷ پر ہے جس میں لکھا ہے کہ "خسرویس بادشاہ نے اجاجی عہدائے بیٹے ہمان کو ممتاز اور صرفرازا کی اور اُس کی کرسی کو صوبہ امرا سے جو اُس کے ساتھ تھے برتر کیا۔ اور بادشاہ کے سب ملازم جو بادشاہ کے پھاٹک پر تھے ہمان کے آگے جھک کر اُس کی تعظیم کرتے تھے کیونکہ بادشاہ نے اُس کے بارے میں ایسا ہی حکم کیا تھا۔ پر مرد کی (جو ایک یہودی سردار تھا) نہ جھکت نہ اُس کی تعظیم کرتا تھا۔ تب بادشاہ کے ملازموں نے جو بادشاہ کے پھاٹک پر تھے مرد کی سے کہا تو کیوں بادشاہ کے حکم کو توڑتا ہے جب وہ اُس سے دردمند کہتے رہے اور اُس نے اُن کی نہ مانی تو انہوں نے ہمان کو بتا دیا تاکہ انہیں

اس سے دوسرے لوگوں کو بھی اس کے جھوٹا ہونے کا یقین ہو جائے گا۔

اب اگر قدیم مصر کی تاریخ سے ہمیں کسی ایسی شخصیت کا پتہ لگ جائے جو فرعون ملائی کے زمانہ میں ہو اور پھر ہمیں یہ بھی پتہ لگ جائے کہ اس کے ساتھ فوجی طاقت بھی تھی اور ملندہ بالا عمارات اور قلعے وغیرہ بنانے کا کام بھی اُس کے سپرد تھا تو قرآن کریم کی صداقت بالکل واضح ہو جائیگی۔ اس غرض کے لئے جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مصر قدیم میں بہت سے دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی اور ہر شخص کا تعلق کسی خاص دیوتا یا چند مخصوص دیوتاؤں کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ مصر کے دار الخلافہ تھیس کے رہنے والے اپنے دیوتا کو آمان یا آمون کہا کرتے تھے۔ قدیم ایام میں تو اس کا نام آمانا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اسے آمان یا آمون نام لوگوں میں مروج ہو گیا۔ چونکہ آسن یا آمان یا آمون اُن لوگوں کا دیوتا تھا جو مصر کے پایہ تخت میں رہتے تھے اور دار السلطنت کا ملک کے دوسرے حصوں پر اثر پڑنا ایک لازمی امر تھا۔ اس لئے رفتہ رفتہ آمان نے سب دیوتاؤں پر برتری حاصل کر لی اور یہ نام ایسا مقدس سمجھا جانے لگا کہ جس طرح مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے اور اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں اسی طرح مصری ناموں اور القابات میں بھی آسن یا آمون کا لفظ بکثرت استعمال ہونے لگ گیا۔ چونکہ ہر دیوتا کا الگ الگ معبد تھا اور ہر دیوتا کے الگ الگ کاہن مقرر تھے۔ اس لئے جب آمان دیوتا کی مقبولیت بڑھی تو آمان کا کاہن بھی تمام کاہنوں کا رئیس تسلیم کیا جانے لگا۔ اور رفتہ رفتہ اس نے اتنا اقتدار حاصل

کر لیا کہ بے شمار املاک اور جاہلادیں جو آمان دیوتا کے لئے وقف تھیں وہ اُس کے قبضہ میں آ گئیں۔ اور وہ معبد آمان کی متعلقہ عمارات کی تولیت پر بھی قابض ہو گیا۔

جیمز ہنری بریسنڈ اپنی کتاب "تاریخ مصر میں ان امور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"مصر کے نئے درہ حکومت میں فوجی طاقت کے ساتھ ساتھ ایک نئی موثر اور طاقتور تحریک جو قدیم نظام کہانت پر مبنی تھی ظہور پذیر ہوئی۔ درحقیقت سلطنت مصر میں معاہدہ کی بے پناہ دولت کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ کہانت ایک مخصوص پیشہ کی صورت اختیار کر گئی اور جوں جوں کاہنوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ دیسے دیسے وہ زیادہ سے زیادہ سیاسی روض اور طاقت حاصل کرتے چلے گئے معاہدہ کی دولت و ثروت میں اضافہ کے ساتھ ہی ایک انبوہ کثیر افسران معاہدہ کا بھی پیدا ہو گیا جن کے ذمہ ان معاہدہ کا انتظام تھا حالانکہ قدیم ایام میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ آخر ملک کے تمام الگ الگ دیوتاؤں کے کلیسیائی نظام ایک عظیم الشان مقدس تنظیم کے ماتحت متحد ہو گئے۔ اس تنظیم کا رئیس اعلیٰ دار السلطنت تھیس کے معبد آمان کا پڑا کاہن تھا۔ اس طرح آمان کے کاہن اعظم کی طاقت پہلے کی نسبت کئی گنا بڑھ گئی۔ فرعون مصر نے جب مفتوحہ ممالک کو دولت حاصل کی تو اس کا بیشتر حصہ معبدوں کی نذر کر دیا گیا اور معبد وسیع اور عالیشان

لے تاریخ مصر صفحہ جیمز ہنری بریسنڈ ص ۶۰۴

لے تاریخ مل قدیم مصر صفحہ سنوئیس ترجمہ اردو سید محمد رفیع ص ۳۹

محلّات کی صورت اختیار کر گئے۔ جن میں کاہنوں کے گردہ در گردہ رہتے تھے۔ آمان کا کاہن اعظم اس مقدس مذہبی تنظیم کا رئیس اعلیٰ تھا وہ ایک مقدس شہزادہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اُس کی بیوی "خدادند کی کنیز اعلیٰ" کے لقب سے یاد کی جاتی تھی اور اُسے ملکہ کا درجہ حاصل تھا۔

(تاریخ مصر مضمون جمینر مہری بریسیڈیٹا۔ ایچ ٹی
۲۴۴ و ۲۴۵)

آمان دیوتا کا یہ کاہن جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اُس کے یوں تو اور بھی بہت سے خطابات تھے۔ لیکن عرف عام میں اُسے "ہَم آمان" کہا جاتا۔ جیسا کہ مصر قدیم میں رِخ دیوتا کے بڑے کاہن کو "ہَم رِخ" اور "کا" دیوتا کے بڑے کاہن کو "ہَم کا" کہتے تھے۔

("THE DWELLERS ON THE NILE"
BY SIR E.A. WALLIS BUDGE, KT.
P. 148, 163, 170)

ہَم کے معنی خادم یا غلام کے ہوتے ہیں۔ پس "ہَم آمان" کے معنی تھے "آمان دیوتا کا خادم یا غلام" لیکن اصطلاحاً "ہَم" بڑے کاہن کو کہتے تھے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی وہ رععیسیس دوم تھا۔ اور جو آپ کی مخالفت کی وجہ سے تباہ ہوا وہ منعتاح تھا۔ آمان دیوتا کے بڑے کاہن کا پسلی مرتبہ انتخاب رععیسیس دوم کے زمانہ میں ہوا تھا اور اسی زمانہ سے آمان کا کاہن اعظم فرعون کے نظام حکومت کا ممتاز ترین فرد سمجھا جانے لگا تھا۔ چنانچہ اس بارہ میں "ایگنڈا ر مادلٹ" اپنی کتاب "نیل اور مصر کی تہذیب میں لکھتا ہے۔

"رععیسیس دوم نے اپنے عہد حکومت کے سال اول میں "نئے بُن نیف" کو آمان کا کاہن اعلیٰ منتخب کیا۔ یہ شخص اس سے قبل ہا توہ دیوتا کا کاہن اول اور مصر کے صوبہ دیوتاؤں کے کاہنوں کا سردار تھا۔ اور بادشاہ اس کی نشاندہی بھی کر چکا تھا لیکن اُسے باقاعدہ طور پر نامزد اُس وقت کیا گیا جبکہ بادشاہ نے آمان دیوتا کے حضور معبد کرناک میں حاضر ہو کر اپنے دربار کے تمام افسروں، تمام کاہنوں اور تمام بزرگوں کو اس عہدہ کے لئے پیش کیا۔ مگر آمان دیوتا نے سوئے "نئے بُن نیف" کے اور کسی پر رضا مندی کا اظہار نہ کیا۔ جب انتخاب عمل میں آچکا تو بادشاہ نے "نئے بُن نیف" سے مخفی طلب ہو کر کہا۔ اب آپ ہی آمان کے کاہن اعلیٰ ہیں۔ معبد آمان کے دونوں خزانے اور اُس کے دوسرے غلہ کے گودام اب آپ کی مہر کے ماتحت ہیں۔ ہا توہ دیوتا کا معبد اب آپ کے بیٹے کے حصے حکومت کے تحت ہو گا۔ اور اسی منصب پر فائز ہو گا جو آپ کے لئے مخصوص تھا۔ تمام دریا دیووں اور اس کے تین نجوں نے اس انتخاب پر بادشاہ اور کاہن اعظم کو مبارکباد دی۔ پھر بادشاہ نے اپنی دو خاص طلائی مہرین اور سونے کا شاہی عصا "نئے بُن نیف" کو نذر کیا اور اُسے مندرجہ ذیل خطابات کے ساتھ اپنے عہدہ پر فائز کیا :-

FIRST PROPHET OF AMON

کیا اور ہر حصہ فوج کو اپنے بڑے دیوتاؤں امان۔ رع
پتاح اور ستیح میں سے کسی ایک کے نام سے موسوم
کیا۔ اس کے بعد وہ دستہ فوج جو امان دیوتا کے
نام پر تھا۔ اُس کی کمان اُس نے خود سنبھال لی۔
(۲۲۵)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے زمانہ میں فرعون مصر کے بعد دوسرے درجہ پر امان
کا کاہن سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ امان کو تمام دیوتاؤں
کا بادشاہ سمجھا جاتا۔ اس لئے امان کے کاہن کو بھی
تمام مذہبی تعلیم کا دین اعلیٰ قرار دے دیا گیا۔ اُسے
دوسرے خزانوں اور گوداموں کا منصرم اور سپاہ مصر
کا ڈائریکٹر قرار دے دیا گیا۔ اور اُسے اس قدر عظمت
حاصل ہوئی کہ فرعون موسیٰ کی فوج میں ایک ڈیوٹن
کا نام ہی امان کے نام پر رکھا گیا۔ اور پھر اس
وجہ سے کہ اس کے زیر انتظام تمام مذہبی عمارات کی
تعمیر ہو ا کرتی تھی اُسے صناعتوں کے رئیس اعلیٰ
کا خطاب بھی دیا گیا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مصر
میں چرچہ غالباً شان مندر۔ مقابر۔ محلات اور
کئی قسم کے بُت اور عورتیاں بنائی جاتی تھیں اور
یہ صوبہ کام امان دیوتا کے کاہن کی نگرانی میں ہی
ہوا کرتا تھا۔ اسی لئے اسے GREAT CHIEF

OF THE ARTIFICERS.

یعنی صناعتوں کے رئیس اعلیٰ کا خطاب بھی دیا گیا۔

(انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا زیر لفظ مصر ص ۲۷)

پس قرآن کریم نے جس شخص کو ہامان قرار دیا
ہے وہ کوئی فرضی وجود نہیں بلکہ ایک اہم تاریخی
شخصیت ہے جسے مصر قدیم میں ہَمَّ امان یا
ہَمَّ امین کہا جاتا تھا۔

DIRECTOR OF THE DOUBLE
TREASURY AND DIRECTOR
OF THE SOLDIERS AND ALL
THE CRAFTSMEN OF THEBES

یعنی ۱۔ امان کا کاہن اعظم

۲۔ دوسرے خزانوں اور دوسرے گوداموں
کا مدارا لہام۔

۳۔ سپاہ مصر کا ڈائریکٹر

۴۔ دہلا حکومت قیصر کے تمام
کارکنوں اور صناعتوں کا ناظم منصرم

"THE NILE AND EGYPTIAN
CIVILIZATION"

BY ALEXANDER MORET P. 334

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے زمانہ میں فرعون مصر کے بعد امان دیوتا کا بڑا کاہن سب
سے زیادہ اثر و سوج دکھتا تھا۔ اُس کا فوج میں بھی
دخل تھا اور مذہبی عمارات کی تعمیر کا کام بھی اُس کے
سپرد تھا۔ جیمز مینری بریٹنڈ بھی اپنی کتاب "تاریخ مصر"
میں ہَمَّ امان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

HE (RAMSES III) DIVIDED THESE
TROOPS INTO FOUR DIVISION.

EACH NAMED AFTER ONE OF

THE GREAT GODS: AMON, RE,

PTAH AND SUTEKA, AND HIMSELF

TOOK THE PERSONAL COMMAND

OF THE DIVISION OF AMON.

یعنی رئیس دوم نے فوجوں کو چار حصوں میں تقسیم

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى اُمِّ مُوسٰى اَنْ اَسْرِضِعِيْهِۦ ۖ فَاِذَا

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی تھی کہ اس کو دہنی موسیٰ کو (دودھ پلا۔ پس جب تو اس کے جلان)

خَفْتِ عَلَيْهِۖ فَالْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا

کے متعلق خائف ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور ڈر نہیں اور نہ کسی بھیجے واقعہ کی وجہ سے

تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَاٰۤاُ ذُوْلَ الْاَلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

غم کر۔ ہم اس کو تیری طرف لوٹا کے دیکھیں گے اور اس کو رسولوں میں سے ایک رسول بنائیں گے۔ چنانچہ موسیٰ کی ماں اس وحی کے مطابق

فَالْتَقَطَهُ الْاُلُفْرَعَوْنَ لِيَكُوْنَ عَدُوًّا وَّحَرَنَاهُ

سو اس کے بعد اس (یعنی موسیٰ) کو فرعون کے خاندان میں سے ایک نے اٹھالیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ اس کی خدمت میں ثابت ہوا

کہ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ یہ آیات ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو تمام حقائق کو روشن کرنے والی اور تمام اسرار کو کھولنے والی ہے اور پھر فرمادیا تھا کہ تَلُوْا عَلَیْكَ مِنْ سَبَءِ مُّوْسٰی ذِیْۤاُفْرَعَوْنَ بِالْحَقِّ لِنَعُوْۤمِرُوْهُۤا مَوْتًا۔ ہم بائبل کے واقعات کو نہیں دہرا رہے بلکہ موسیٰ اور فرعون کے زمانہ کے سچے واقعات بیان کر رہے ہیں۔ مگر اس سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جن کا کام صرف اعتراض کرنا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ چنانچہ دیکھ لو سبیل اور وہیبر میں اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور انہوں نے مکہ دیا کہ انجیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تاریخی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے مسیح سے پانچ سو سال پہلے گزرے ہوئے ایک ایرانی بادشاہ کے وزیر ہامان کو موسیٰ کا ہم عصر قرار دے دیا مگر تاریخی کتب نے ظاہر کر دیا کہ ان کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے اور سچی بات وہی ہے جو قرآن نے بیان کی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بائبل نے موسیٰ اور فرعون کے حالات بیان کرتے ہوئے ہامان کا کہیں ذکر نہیں کیا لیکن جبکہ تاریخی شواہد یہ ہیں ایک ایسے وجود کا پتہ دے دیا ہے جو فرعون مصر سے دوسرے درجہ پر سمجھا جاتا تھا اور جس کے نام پر اس نے ایک بڑا بھاری لشکر بھی رکھا ہوا تھا اور جس کے سپرد تمام مذہبی عمارات کی تعمیر کا بھی کام تھا تو بائبل میں اس کا ذکر نہ آنا اس بات کا ثبوت نہیں کہ قرآن کریم نے لغو و باطل کوئی غلط بات کہی ہے بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بائبل جو موسیٰ کے زمانہ میں لکھی گئی اور جو اس زمانہ کے صحیح واقعات بیان کرنے کی دعویدار ہے اس نے تو ایک تاریخی غلطی کا ارتکاب کیا اور ہامان جیسی شخصیت کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن قرآن کریم نے جو تواریک کے دو ہزار سال کے بعد نازل ہوا تھا اس نے تواریک اس غلطی کی طرف اشارہ کر دیا اور بتا دیا کہ صحیح بات وہ ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ وہ بات صحیح نہیں جو بائبل نے بیان کی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے اس سورۃ کے شروع میں ہی فرمادیا تھا

یہاں کیا اور موسیٰ کو دریا میں ڈال دیا

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خٰطِرِيْنَ ۝۹

فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر قلعی میں جلا تھے - ۵۵

اَلَيْكُمُ

فَالْتَقَطَهُ

۵۵ اصل لغات :- اَلَيْكُمُ : اَلَيْكُمُ (اقترب)

یعنی میں اَلَيْكُمُ - سمندر - (اقترب)

فَالْتَقَطَهُ : اَلْتَقَطَهُ کے معنی میں عَلَّقَ عَلَيْنَا

مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ لَا حُلَاقَ - کوئی چیز بغیر قصد اور

تلاش کے مل گئی اور اُس نے اُسے اٹھا لیا - (اقترب)

تفسیر :- فرماتا ہے - مونہ کی پیدائش پر ہم نے

اُس کی والدہ کی طرف وحی نازل کی کہ کچھ مدت تک تو

تو اسے دودھ پلاتی رہ - مگر جب تجھے اس کی جان خطر

میں نظر آئے اور اس راز کے ظاہر ہو جانے کا ڈر ہو تو

تو اسے دریا میں ڈال دے اور ڈر نہیں اور نہ ہی غم کر -

کیونکہ ہم اسے ایک دن تیری طرف لوٹا کر لے آئیں گے

اور اس کو اپنا وصول بنا دیں گے - چنانچہ مونہ کی

والدہ نے ایسا ہی کیا - اور اسے سمندر میں ڈال دیا -

اور چونکہ مونہ کے ہم خود محافظ تھے اس لئے جگا اس کے

کہ وہ غرق ہوتا - فرعون کے خاندان کے بعض آدمیوں نے

اُسے اٹھا لیا تاکہ وہ اُن کا دشمن بنے اور آئیو الے دور

میں اُن کے لئے غم کا موجب ثابت ہو - (اسجملہ لام

لام حاقبت ہے)

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان

کرتے ہوئے سورۃ طہ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ

انہیں ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا جائے وہی نہیں

چنانچہ اس بارہ میں قرآنی الفاظ یہ ہیں کہ اِنَّ اَوَّلَ فِئْتِهٖ

فِي السَّابُوتِ فَاقْدِفِيْهِ فَاَلَيْكُمُ فَاَلَيْكُمُ فَاَلَيْكُمُ

اَلَيْكُمُ فَاَلَيْكُمُ فَاَلَيْكُمُ فَاَلَيْكُمُ فَاَلَيْكُمُ فَاَلَيْكُمُ

(طہ - آیت ۴۰) یعنی موسیٰ کی والدہ سے ہم نے کہا کہ

اُسے تابوت میں رکھ دے اور پھر اس تابوت کو دریا

میں ڈال دے - دریا ہمارے حکم سے اُسے ساحل کی طرف

دھکیل دینگا - اور اُس کو وہ شخص اٹھا کر اپنے گھر لے

جائیگا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا - اور

بچے کو سمندر میں ڈال دیا -

بائبل بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتی ہے - چنانچہ

اس میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے

سرکٹوں کا ایک ٹوکرا لیا اور اس پر چکنی مٹی اور رال

لگا کر راکے کو اُس میں رکھا اور اُسے دریا کے کنارے

چھوڑ آئی - (خروج باب ۲ آیت ۳)

سرکٹوں کا ٹوکرا اور تابوت دراصل ایک ہی چیز

ہے - یہ ضروری نہیں کہ تابوت سے مراد کھڑکی کا بس

ہی ہو - ہاں یہ ضروری تھا کہ وہ چیز جس میں حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو رکھا جائے ایسی ہو جس کے اندر پانی

داخل نہ ہو سکے - اسی لئے بائبل بتاتی ہے کہ حضرت

موسیٰ کی والدہ نے چکنی مٹی اور رال لگا کر ٹوکرے کے

سوراخوں کو بند کیا اور جب اُسے پوری طرح محفوظ

کر لیا گیا تو وہ ٹوکرا نہ رہا بلکہ تابوت بن گیا -

فَالْتَقَطَهُ اَلْفِرْعَوْنُ كِي تَشْرِيْعٌ مِّنْ بَعْضِ

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے آسبہ امراء فرعون

مراد ہے - وہ اُس دن دریا پر غسل کرنے آئی تھی اُس نے

جب پانی پر ایک چھوٹا سا تابوت تیرتے ہوئے دیکھا تو

اُسے اٹھا لیا اور جب اُسے کھولا اور اُس میں ایک

خوبصورت بچہ دکھائی دیا تو اُسے دم آگیا اور =

اُسے اپنے گھر لے گئی اور اُس نے بچہ کو پالنا شروع کر دیا

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قَرَّتْ عَيْنِي لِي وَلَكَ ط

اور فرعون کی عورت (یعنی فرعون کے خاندان کی ایک عورت) نے کہا۔ یہ تیرے لئے اور میرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک کا موجب ہوگا

لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

اس کو قتل نہ کرو ممکن ہے کہ ایک دن وہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔ اور

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۰ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أَمِ مُوسَىٰ

اور اُن کو اصل حقیقت معلوم نہ تھی ۱۰ اور موسیٰ کی ماں کا دل (غم سے)

فِرْعَاءُ إِنْ كَادَتْ لِتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنَّ رَبَّنَا

فارغ ہو گیا۔ قریب تھا کہ اگر ہم اُس کے دل کھولنے کے لئے مضبوط نہ کرتے تو

عَلَىٰ قَلْبِهَا لَتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱ وَقَالَتْ

وہ اس واقعہ کی سب حقیقت ظاہر کر دیتی۔ اور اُس

آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا۔ اور اسے فرعون تیری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہوگا۔ اس لئے اسے اس میں نہیں ممکن ہے یہ ہم کو نفع دے اور ایک اچھا غلام ثابت ہو۔ یا اگر بہت ہی زمین نکلے تو ہم اسے بیٹا بنا کر پالیں اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس میں کیا الہی راز ہے اور آئندہ جیل کر کیا ظاہر ہونے والا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بیٹی نے ہی اٹھایا تھا اور وہی انہیں اپنے گھر لے گئی تھی۔ لیکن چونکہ کوئی ماں اپنے بیٹے کو اس طرح دریا میں نہیں پھینک سکتی تھی جب تک کوئی شدید خطرہ لاحق نہ ہو اور وہ شدید خطرہ صرف نبی اسرائیل کے لوگوں کو ہی لاحق تھا جن کے بیٹے مارنے کا فرعون نے دائیوں کو حکم دیا ہوا تھا اس لئے جب وہ

لیکن بائبل کا یہ بیان ہے کہ فرعون کی بیٹی دریا پر غسل کرنے آئی اور اُس نے جھاڑ میں ایک ٹوکرا پڑے ہوئے دیکھا۔ اُس نے اپنی ایک سہیلی کو بھیجا کہ وہ جا کر اُس ٹوکرا کو اُٹھا لائے۔ جب وہ ٹوکرا اُس کے پاس پہنچا۔ اور اُس نے اُسے کھولا تو اُسے ایک خوبصورت بچہ دکھائی دیا اُسے بچے کو دیکھتے ہی دھم آگیا۔ اور اُس نے موسیٰ کی پرورش شروع کر دی۔ چونکہ قرآن کریم نے خَالَتْ قُطْعَهُ آلُ فِرْعَوْنَ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس میں صاف طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُسے فرعون کے خاندان اور تہذیب میں سے کسی نے اٹھایا تھا۔ اس لئے یہاں بالی فرعون سے اُس کی بیٹی ہی مراد ہے۔ بیوی مراد نہیں۔

۱۰ تفسیر :- فرما ہے جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بیٹی اپنے گھر لے گئی تو فرعون کی بیوی نے اُس کے متعلق فرعون سے سفارش کرتے ہوئے کہا کہ یہ میری

اِخْتِهَ قَصِيْدُهُ زَبَصَرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَهَمُّ

(یعنی مونہ کی ماں) نے اُس (یعنی مونہ) کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے جا۔ پس وہ اُس کو دُور سے دیکھتی رہی اور

لَا يَشْعُرُونَ ۱۲ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

وہ (یعنی فرعون کے لوگ) بے خبر تھے۔ اور ہم نے اُس (یعنی مونہ) پر اس سے پہلے دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلَىٰ اَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَهُ لَكُمْ

پس اُس (یعنی مونہ) کی بہن نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسے گھر والوں کی خبر دوں جو اس کو تمہارے لئے پال دیں۔

وَهَمُّ لَهُ نَصْحُونَ ۱۳ فَرَدَدْنَاهُ اِلٰى اُمِّهِ كَىٰ تَقَرَّ

اور وہ اس کے خیر خواہ ثابت ہونگے۔ اس طرح ہم نے اُس (یعنی مونہ) کو اُس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ

عَيْنَهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۱۴

لیکن (مذکورہ میں سے) اکثر جانتے نہیں۔ ۱۴

کہتے ہیں کیونکہ وہ جذبات کا عمل ہونے کی وجہ سے
بھڑکتا اور جلتا ہے۔ فُؤَادُ فَاذ سے ہے۔ اور
فَاذَ اللَّحْمِ فِي النَّارِ کے معنی ہوتے ہیں شَوَاءُ
گوشت کو آگ میں بھونا۔ وَجِيلٌ لِّتَحْمُكِهِ يَاقَ
اَصْلُ الْفَاذِ الْخَوَكَةُ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے
کہ دل کو فُؤَادِ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حرکت
کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ فَاذ کے اصل معنی حرکت کرنے
کے ہیں۔ (اقرب)

تفسیر:- حضرت مونہ علیہ السلام کی والدہ
پر جب اللہ تعالیٰ کی یہ وحی نازل ہوئی اور آپ کو
معلوم ہو گیا کہ اب اللہ تعالیٰ اس بچہ کی خود حفاظت

مونہ کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئی تو فرعون نے سمجھ لیا کہ
یہ کوئی اسرائیلی لڑکا ہے اور وہ اُسے قتل کرنے کیلئے
تیار ہو گیا۔ مگر فرعون کی بیوی نے سفارش کرتے ہوئے
کہا کہ یہ لڑکی جو کچھ کرتی ہے اسے کرنے دیں اور بے
میری خاطر مت ماریں۔ لیکن ہے کہ یہ آگے چل کر ہمارے
لئے نفع رساں وجود ثابت ہو یا اس کی اعلیٰ قابلیت
ظاہر ہونے پر ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ لیکن
نہیں جانتے تھے کہ آئندہ زندگی میں کیا معاملہ پیش
آنے والا ہے۔

۱۴ ص ل لغات :- الْفُؤَادُ - الْفُؤَادُ کے
معنی ہیں اَنْفَلَبَ لِيَتَوَقَّدَ ۶۔ یعنی فُؤَادِ دل کو

۱۴ ص ل لغات

اَلْفُؤَادُ

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ

اور جب ۱۵ اپنی پختہ جوانی کو پہنچا اور اپنے اعلیٰ اخلاق پر مضبوطی سے قائم ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم بخشا۔

وَكَذَٰلِكَ نُجَزِّي الْمُحْسِنِينَ ۝۱۵

اور ہم محسنوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ۱۵

مطہن ہوتیں۔

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ - پھر انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔ چنانچہ ۱۶ دُور سے اُس کو دیکھتی رہی اور فرعون یوں کو اس کا پتہ نہ لگا۔

وَحَمَلَهَا عَلَيْهِ الْوَرَاثَ مِن قَبْلُ - اور ہم نے اس سے پہلے اس پر دودھ پلایا یوں کو حرام کر دیا۔ اہل آیت کے ددوں سے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ کوئی دالی اُس وقت میسر نہ آئی اور یہ بھی کہ موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوسری دایوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ اس پر موسیٰ کی بہن نے کہا کہ تم ہمیں ایک گھر کا پتہ دیتی ہو جس کے افراد اس کو پالیں گے اور وہ اس کی ہر طرح خیر خواہی کریں گے۔ اس طرح ہم نے موسیٰ کو اُس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور وہ غم نہ کرے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اپنی بیوقوفی سے ان باتوں کو نہیں جانتے۔

۱۷ مل لغات :- اَشُدُّهُ : محارہ میں اَشُدُّهُ

کہا جاتا ہے بَلَغَ خُلُوًّا اَشَدُّهُ اور اس کے معنی ہوتے ہیں قُوَّاهُ وَهُوَ مَا يَبِينُ سَمَائِي عَشْمَرَةً اِنِّ تَلَا ثَلَاثًا - یعنی فلاں اپنی جوانی کو پہنچا اور یہ زمانہ ۱۸ ۳۰ سال کی عمر کا ہوتا ہے۔ (اقرب)

تفسیر :- فرماتا ہے جب موسیٰ اپنی جوانی کو

کر گیا اور فرعون اُسے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکیگا تو اُس کے دل پر سے غم کا بوجھ اُٹھ گیا۔ اور اُسے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر ہم اس کے دل کو موہن بنانے کیلئے مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ ۱۷ اس راڈ کو ظاہر کر دیتی۔

مفسرین تو اس کے یہ سننے کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے اپنے بیٹے کو دریا میں بہا دیا تو ان کو ہر وقت موسیٰ کا خیال ہی رہنے لگ گیا۔ اور کوئی بات انہیں سوچتی ہی نہیں تھی۔ یہی فکر تھا جو انھوں پر انہیں بے تاب رکھتا تھا۔ مگر یہ جتنے باطل غلط ہیں۔ وَاصْبِرْ فَاُذِ اُمِّ مُوسٰی خَارِعًا مِّنْ مَّحْجٍ سے یہ ہیں کہ جب موسیٰ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشخبری دی کہ فرعون کے حملہ سے وہ محفوظ رہیگا تو ان کا دل مطہن ہو گیا اور ان کا تمام غم جاتا رہا۔ بلکہ انہیں اس بشارت سے اس قدر خوشی ہوئی کہ قریب تھا کہ وہ بول اُٹھتیں اور کہتیں کہ یہ میرا بچہ ہے جس کی حفاظت کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ تَبَدَّلَتْ بِلَهٍ مِّنْ خَلْقٍ اَمْرٌ اَمْرٌ جاسکتی ہے یعنی ان کا حال بنا دیتی اور اس امر کی طرف بھی جاسکتی ہے کہ یہ واقعہ لوگوں کو سنائی پھرتی کہ مجھے اس طرح اہام ہوا اور پھر میں نے اُس کی نعیں میں اس طرح کیا۔ اگر ان کو موسیٰ کے متعلق کوئی خطرہ لاحق ہوتا تو ان کے بول اُٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بولنے کا خیال تو انہیں بھی آ سکتا تھا جبکہ وہ خوش ہوتیں اور موسیٰ کی زندگی کے متعلق وہ بڑی طرح

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ

ہر (ایک دن) وہ شہر میں ایسے وقت میں آیا کہ لوگ غفلت کی حالت میں تھے (یعنی آرام سے اپنے گھروں میں سوئے)

فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا

تھے دو پہر کو یا آدھی رات کو) اُس نے اُس شہر میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک اُنکے دوستوں کے گھر میں تھا اور

مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَامْتَنَاسَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى

دوسرا اُس کے دشمنوں میں سے تھا۔ پس اُس نے جو اُس کی جماعت میں سے تھا اُس شخص کے غلات جو

الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَوَكَّزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ

اُس کے دشمنوں میں سے تھا اُس کی مدد طلب کی۔ اس پر موسیٰ نے اُس (یعنی دشمن) کو ایک گھونسا مارا۔ اور اُس (دشمن) نے

قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ عَدَاؤُ

اُس کا کام تمام کر دیا۔ پھر موسیٰ نے کہا۔ یہ سب واقعہ شیطانی کر توت سے ہوا ہے۔ وہ (یعنی شیطان) اور (موسیٰ) دونوں

مُضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي

اور تُوں نے اس کے راستہ سے گھٹا گھٹا بہکا نے والا ہے۔ پھر (موسیٰ نے) دعا کی کہ اے میرے رب مجھ نے اپنی جان کو تکلیف

فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٧﴾

میں ڈال دیا ہے پس تُو میرے اس نسل پر پردہ ڈال دے۔ سو اُس نے اس نسل پر پردہ ڈال دیا۔ وہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا

وہ مختلف زمانوں میں سبوت ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں سبوت ہوئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسیحیوں اور مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ وہ تیس سال کے تھے۔ جب خدا نے انکو نبی بنایا (طبری جلد ۲ ص ۲۷) دو تینا بار (آیت ۲۲) اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی جب اُن کو نبوت ملی۔ (تفسیر خازن زیر آیت وَآتَيْنَاهُ الْكِتَابَ صَدِّيقًا) پس تاریخ کو مد نظر

پہنچا۔ اور وہ اپنے اعلیٰ افق پر مضبوطی سے قائم ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم بخشا اور ہم محسنوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے بَلَّغَ فَلَانٌ أَشَدَّهُ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ۱۸ سال سے ۳۰ سال کی عمر تک پہنچ گیا۔ (اُتْرَب) لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی خاص عمر نبوت پر فائز ہونے کے لئے مقرر ہے انبیاء کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۵۸﴾

تَبَّ اُمِّی دینِ مومن نے عرض کی اے میرے رب: چونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے میں بھی مجرموں کی طرح کسی مجرم کی مدد نہیں کروں گا۔

بولتا تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ لگ گیا کہ یہ شخص میری قوم میں سے ہے اور آپ نے اُس کی مدد کرنا ضروری سمجھا۔

یہاں اَعْدَاؤِہ کی جگہ عَدُوِّہ کا لفظ آئے رکھا گیا ہے کہ عَدُوِّہ سے قوم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور قوم کی صفت مفرد بھی آسکتی ہے پس هَذَا مِنْ عَدُوِّہ سے یہ مراد ہے کہ وہ اس شخص کی دشمن قوم میں سے تھا۔ تب ان کو دیکھ کر وہ شخص جو ان قوم میں سے تھا اس نے اُس شخص کے خلاف جو انکی دشمن قوم میں سے تھا۔ مدد کی درخواست کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ اگر میں نے مدد نہ کی تو ضروری قوم کا آدمی اسرائیلی کو مارنے پر تیار ہوا ہے آگے بڑھ کر اُس شخص کو ایک گھونسہ مارا۔ یا تو موقع کی نزاکت کی وجہ سے انہوں نے گھونسہ بہت زور سے مارا یا اُس شخص کا دل یا جگر طبعی طور پر کمزور تھا اور وہ گھونسہ اُس کے دل یا جگر کے مقام پر لگا۔ اور وہ مر گیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ یہ بات نعمت میں ہو گئی ہے۔ شیطان کے معنی غضب کے بھی ہوتے ہیں کیونکہ شَيْطَان کا مادہ شَطْن بھی ہے اور شَطَط بھی۔ اگر شَطَط اس کا مادہ مانا جائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ شخص جو غصہ سے آگ بگولہ ہو جائے۔ چنانچہ شَطَط الشَّيْطَان کے معنی ہوتے ہیں اِخْتَوَتْ کوئی چیز جل گئی اور اِسْتَشْطَطَ غَضَبًا کے معنی ہوتے ہیں غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا۔ پس اس جگہ شَيْطَان کا لفظ غضب کے معنوں میں ہی

رکتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر زمانہ کے حالات کا تحت ہر مامور کا زمانہ بعثت الگ الگ ہوتا ہے۔ پس بَلَّغْنَا آيَاتِنَا لَكَ کے زمانہ کی تعیین نہ تو لغوی طور پر ہم کر سکتے ہیں اور نہ ہی تاریخی طور پر۔

۵۹ صُلُحَات : - وَكَذَہ : وَكَذَہ کے معنی ہیں دَفْعَہ اُس کو ہٹایا۔ وَكَذَہ فُلَانَا کے معنی ہیں مَقَرَّبَہ بِجَمْعِہ اُنکے معنی بھیج کر اُس کو مارا۔ وَقَالَ اَلْكَسَابِيُّ وَكَذَہ لَكُمْہ۔ کسائی کہتے ہیں کہ وَكَذَہ کے معنی میں مٹا مارا۔

ظَهِيرٌ : اَلظَّهِيرُ کے معنی ہیں اَلْمُعِينُ مددگار۔ (اقراب)

تفسیر :- آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک اہم واقعہ کو بیان کرتی ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس جگہ ترتیب زمانی کا ذکر نہیں کیونکہ قرآن کریم کی دوسری آیات سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت مدین سے واپسی کے وقت ہوئی۔ لیکن یہ واقعہ جو اس آیت میں بتایا گیا ہے مدین جانے سے پہلے کا ہے۔ پس اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک اہم واقعہ کا بیان کرنا مقصود ہے جو آپ کی بعثت کا موجب تھا۔ نہ کہ ترتیب زمانی کا بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ واقعہ اس طرح پر ہوا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت (عَلَىٰ حِلْيَةٍ غَفَلَةٍ) شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک انکی قوم کا تھا اور ایک ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ شخص جو ان کا ہم قوم تھا عبرانی تھا

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا

اس کے بعد وہ شہر میں صبح کے وقت دشمنوں سے خوف کرتا ہوا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا نکلا۔ تو

الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ قَالَ

کیا دیکھتا ہے کہ جس نے اُس سے کل مدد طلب کی تھی وہ پھر اُسے مدد کیلئے بکا رہا ہے۔۔۔ اس پر موسیٰ نے

لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ۱۹ فَلَمَّا أَنْ

اُس سے کہا۔ تُو یقیناً ایک کھلا کھلا گمراہ ہے۔ پس جب اُس نے

أَمْرًا أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا

ارادہ کیا کہ اُس شخص کو پکڑے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو

قَالَ يَمُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ

اُس شخص نے کہا کہ اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ تو مجھے قتل کر دے جس طرح تو نے کل ایک اور

معصیت پر پردہ ڈالنے کے ہی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس
معصیت پر اس طرح پردہ ڈال دیا کہ گورنٹ کا کوئی اٹھی
اس موقع پر نہ آیا۔ اور پھر بعد میں بھی خدا تعالیٰ نے آپ کی
حفاظت فرمائی اور فرعون کی حکومت آپ کو قتل کرنے کے
ارادہ میں ناکام رہی اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی معصیت
کو دُور کرنے والا اور بُرا رحم کرنے والا ہے۔ تب حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا!
چونکہ تو نے مجھ پر ایک بُرا احسان کیا ہے اُنہ میں کبھی
مجرم کا مددگاہ نہیں ہو سکا۔ واقعہ سے تو ظاہر ہے کہ جس
شخص کی انہوں نے مدد کی تھی وہ مجرم نہیں تھا۔ لیکن
اس آیت میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کیلئے
مجرم کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ انہوں نے روحانی طور پر یہ اعزازہ لگایا نہ کہ واقعی
طور پر۔ انہوں نے سمجھا کہ میں نے تو نیک دلی سے اس

استعمال ہوا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اِنَّهُ عَدُوٌّ
مُخْتَلِئٌ مُّبِينٌ۔ یہ غصہ انسان کا بڑا دشمن ہے
اور اس پر سیان غالب کر دیتا ہے۔ چنانچہ جمل
الْمَاجِئِ کے معنی ہوتے ہیں غَابَ عَنْهُ حِفْظُ
الشَّيْءِ جو کوئی بات یاد نہ رہی یا ذہن سے نکل گئی
واقرب) تب انہوں نے سوچا کہ اب فرعون اور اُس
کی قوم تو میرے دشمن ہو جائیں گے۔ اور دعا کی کہ
اے میرے رب! اپنی قوم کے ایک آدمی کو معصیت میں
دیکھ کر میں نے اپنے نفس کو تکلیف میں ڈال دیا ہے
پس میری خاطر اس معصیت پر پردہ ڈال دے۔
غصہ کے اصل معنی پردہ ڈالنے کے ہوتے ہیں خواہ
معصیت پر پردہ ڈالنے کے ہوں۔ خواہ گناہ پر پردہ ڈالنے
کے۔ چنانچہ غَصْرُ الشَّيْءِ غَصْرًا کے معنی ہوتے ہیں چھتوڑا
اُس کو دھانپ دیا (اقرب) اَلْجَدُّ فَاعْغِرْ بَنِي کے معنی

نَفْسًا بِأَلَا مُسِيءٌ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا

شخص کو قتل کیا تھا۔ تو صرت یہ چاہتا ہے کہ کمزوروں کو ملک میں

فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلُحِينَ

دبا دے اور اصلاح کرنے والوں میں شامل ہونا تیری غرض نہیں۔ ۵۰

شخص کے مدد کا تھی۔ مگر نتیجہ نکلا کہ فرعون قوم کا ایک آدمی مارا گیا۔ اور یہ مصیبت میں پڑ گیا۔ پس یہ نتیجہ بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں اس شخص کا کوئی جرم تھا۔

۵۱۔ تَرَقَّبَ

سے مضارع معرفت واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور تَرَقَّبَ کے معنی ہیں اِنْتَظَرَ۔ اُس کا انتظار کیا مقرب،

مفردات میں ہے۔ تَرَقَّبَ: اِخْتَوَزَ رَاقِبًا یعنی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنی حفاظت کی پس تَرَقَّبَ کے معنی ہونگے۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنی حفاظت کرتا ہے۔

تَسْتَصْرِخُهُ: اِسْتَصْرَحَ سے فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اِسْتَصْرَحَ کے معنی ہیں اِسْتَعَاثَ اُسے مدد کے لئے بلایا (اقرب) پس تَسْتَصْرِخُهُ کے معنی ہیں وہ دوسرے کو مدد کے لئے بلاتا ہے۔

تفسیر :- حضرت موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت پھر شہر کی گشت کے لئے نکلے۔ اور اس بات کو تاثر رہے تھے کہ کوئی میرا پیچھا تو نہیں کرتا۔ اُس وقت انہوں نے اچانک دیکھا۔ کہ وہ شخص جو کل اُن سے مدد مانگ رہا تھا پھر اُن کو مدد کے لئے بلاتا رہا ہے چونکہ وہ روحانی طور پر سمجھ چکے تھے کہ غالباً پہلے دن بھی

اُس کا کوئی قصور تھا۔ دوسرے انہوں نے سمجھا کہ ایک ہی شخص کو ساری دنیا مارنے پر کیوں تیار ہوئی؟ معلوم ہوتا ہے یہ شخص بھی جوشیلا ہے اور لوگوں کو بھڑکا دیتا ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ اِنَّكَ لَخَدِيْعٌ مُّبِينٌ۔ اُسے شخص تو بڑا فساد ہی معلوم ہوتا ہے۔ غَوِيٌّ غَوِيٌّ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کے ایک معنی فساد کے بھی ہوتے ہیں (لسان العرب) پھر جب انہوں نے یہ سمجھ کر کہ بظاہر حالات میں تو دوسرا شخص ہی ظالم ہے۔ اُس دوسرے شخص کو بکڑنے کے لئے قدم اٹھایا تو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موند سے اپنی قوم کے آدمی کو کہا تھا کہ تو بڑا فساد ہی معلوم ہوتا ہے اُس نے سمجھا کہ شاید مجھے مارنے کے لئے موسیٰ آگے بڑھ رہا ہے۔ اور بے سوچے سمجھے چلا اٹھا کہ اے موسیٰ! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ آج مجھے مار دے جس طرح کل تو نے ایک اور شخص کو مارا تھا۔ تو کمزوروں کو دبا کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور اصلاح تیری نیت نہیں۔

جَبَّارَ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور اس کے معنی لوگوں کی حاجات پوری کر نیوالے کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب کسی غیر اللہ کے متعلق جبار کا لفظ استعمال ہو تو اس کے معنی سرکش اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کے ہوتے ہیں (اقرب) اُس کے شور مچانے پر ارد گرد کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ موسیٰ ہی

تَرَقَّبَ

تَسْتَصْرِخُهُ

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ

اور اُس وقت ایک شخص شہر کے دور کے حصہ سے دوڑتا ہوا آیا - اور کہا -

يُمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَأْتِمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ

اے موسیٰ! (ملک کے) رؤساء مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں -

فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿۳۱﴾ فَخَرَجَ

پھر (میری بات سن اور) اس شہر سے نکل جا - میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں - تب وہ اُس شہر سے

مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ

ٹھٹھانے ہوئے نکل گیا - اور وہ ہوشیاری سے ادھر ادھر دیکھتا جاتا تھا - اُس وقت اُس نے دعا کی اور کہا اے میرے رب:

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۳۲﴾

مجھے ظالم قوم سے نجات دے - ۳۱

پہلے دن یعنی رات کے پہلے حصہ میں ایک شخص کو مار چکے ہیں - اور چونکہ وہ مقتول فرعونی قوم کا تھا - جس طرح آج کا حملہ اور بھی فرعونی قوم کا تھا - اس لئے یہ خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی اور فرعونیوں میں جوش پیدا ہو گیا -

۳۱ تفسیر:- تب ایک شخص شہر کے دھڑ علاقہ سے دوڑتا ہوا آیا - جہاں یہ خبر پہلے پہنچ گئی تھی اور اُس نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ! سرداران قوم تیرے قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں - پس میں ایک خیر خواہ کے طور پر تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ شہر سے بھاگ جا - اس پر موسیٰ اُسی وقت شہر سے بھاگ گئے - اور چاروں طرف دیکھتے بھی جاتے تھے کہ میرا کوئی پیچھا تو نہیں کر رہا - اور دعا کرنے جاتے تھے کہ الہی فرعون کی قوم ظالم ہے - میں دُور دفعہ دیکھ چکا ہوں کہ فرعونیوں

کا آدمی ایک اسرائیلی کو قتل کرنا چاہتا ہے - پس تو مجھے اُن کے مظالم سے نجات دے اور دہاں سے انہوں نے مدین کا رخ کیا - مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا جو قصورہ کے بن بن سے تھے - ان کا ذکر بائبل کی کتاب پیدائش باب ۲۵ میں آتا ہے - جہاں لکھا ہے کہ ۱ -

" ابراہام نے پھر ایک اور بیوی کی - جس کا نام قطورہ تھا - اور اُس نے زمران اور لقیان اور مدان اور مدیان اور اسباق اور شوخ پیدا ہوئے - " (آیت ۲۱)

چونکہ قدیم زمانہ میں اطلاق اپنے باپ کے نام سے پکاری جاتی تھی اس لئے مدین سے جو نسل پیدا ہوئی

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنُ

اور جب وہ مدین شہر کی طرف چلا - تو اُس نے کہا - مجھے اُمید ہے کہ میرا رب مجھے

يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۳۴﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ

سیدھا راستہ دکھا دیا - اور جب وہ مدین شہر کے چشمہ کے پاس آیا -

وَجَدَا عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَا

تو اُس نے اُس پر لوگوں کا ایک گروہ کھڑا دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے - اور اُن سے

مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَدَا بِكُمَا

مجھے ہٹ کر کھڑی دو عورتیں دیکھیں جو اپنے جانوروں کو دُور سے پرے، ہٹا رہی تھیں۔ عورتوں نے اُن سے کہا تم دونوں کو کیا کام

قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ

درمیش ہے۔ اسی پر دونوں عورتوں نے کہا ہم پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ دو سرے چرواہے چلے نہ جائیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا

كَبِيرٌ ﴿۳۵﴾ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ

جے (اسلئے ہمارے ساتھ نہیں آسکا) پس اُس نے اُن دونوں کی خاطر (جانوروں کو) پانی پلایا۔ پھر ایک سایہ کی طرف چلا گیا۔ پھر کہا -

رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿۳۶﴾

اے میرے رب! اپنی بھولائی میں سے جو کچھ تو مجھ پر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَىٰ اسْتِحْيَاءٍ ۖ قَالَتْ

اِس کے بعد اُن دونوں لڑکیوں میں سے ایک چلتی ہوئی آئی اور وہ شرمناک تھی - اور اُس نے کہا -

ساحل کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے۔ جو شاخ عرب کے

ساحل کے ساتھ ساتھ جاتی ہے اُس کو خلیج عقبہ کہتے

ہیں۔ مدین شہر خلیج عقبہ کے پاس عرب کی طرف سمندر

کے بالکل قریب واقع تھا۔ عرب سے جو قافلے مصر کو

وہ بھی مدین ہی کہلاتی اور پھر اس قوم نے جو مرکزی

شہر بنایا اُس کا نام بھی مدین ہی رکھا۔ یہ شہر خلیج

عقبہ کے پاس تھا۔ یعنی بحیرہ احمر جہاں ختم ہونے

لگتا ہے وہاں اُس کی ایک شاخ مصر کے ساحل کے

ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے اور دوسری شاخ عرب کے

إِنَّ إِلَىٰ يَدِ عُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا

میرا باپ تجھے پلاتا ہے تاکہ تجھے ہماری جگہ پر (جانوروں کو) پانی پلانے کا اجر عطا کرے۔

فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ وَقَالَ لَا تُخَفِّفْ

پس جب اس (یعنی رکھوں کے باپ) کے پاس آیا اور اس کے آگے (اپنا) سارا واقعہ بیان کیا تو اس نے کہا - ڈر نہیں۔

نَجَوْتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾

تو اب ظالم قوم کے بچہ سے نجات پا گیا ہے۔ ۲۹

کَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ (یوسفؑ ۹۵) یعنی اگر تم میرے متعلق یہ نہ کہنا شروع کر دو کہ یہ بڑا ہاٹھیا گیا ہے اور اسے ہر وقت یوسف کا ہی خیال رہتا ہے۔ تو میں تبیں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اب یوسف کی ہوا دی ہے، اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی ملاقات کے دن اب دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس وقت مدین کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آئی اور آپ نے فرمایا۔ عَسَىٰ وَفَىٰ أَنْ يَفْنَىٰ بَيْنِي وَسَوَاءَ السَّبِيلِ۔ مجھے امید ہے کہ اب میرا اب مجھے اس منزل پر پہنچا دیگا۔ جو میرے لئے فیروز برکت کا موجب ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور جب وہ مدین کے چشمہ پر پہنچے تو اس کے ارد گرد انہوں نے ایک جماعت دیکھی جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہی تھی۔ اور اس جماعت سے پرسے کھڑی ہوئی، انہوں نے دو عورتیں دیکھیں جو اپنے جانوروں کو پانی سے پٹا رہی تھیں تاکہ وہ لوگوں کے جوہم میں گھس کر کہیں کم نہ جو عاقل ہیں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان عورتوں کی طرف بڑھے اور ان سے کہا کہ مَا خَطْبُكُمَا تم دونوں کو کیا کام؟ درپیش ہے جس کا تمہیں فکر لاحق ہے۔ خَطْبُک کے معنی خاص حالت کے بھی ہوتے ہیں اور خَطْبُ ہر اہم امر کو

اس میں شہر تو اب موجود نہیں لیکن اس نام کی کئی بستیوں چھوٹے چھوٹے قصبات کی شکل میں اب بھی وہاں ملتی ہیں۔ **۲۹ ص لغات** ۱۔ تَفَنَّدَ وَفَىٰ: ذَاذ يَذُوذُ (ذُو ذَاوِ ذِيَاذُ) سے مضارع غنیمہ نوٹ غائب کا صیغہ ہے اور ذَاذ کے معنی میں طرد کا ذَا ذَعْلُ۔ اُسے دھتکارا اور ہٹایا۔ (اقرب) پس تَفَنَّدَ وَفَىٰ کے معنی ہونگے۔ وہ دونوں بٹا رہی تھیں۔

خَطْبُكُمَا: الْخَطْبُ کے معنی ہیں اِنْبَاءُ مُسْرُ الْغَنِيمِ الَّذِي يَكْتَرِيهِ النَّحْلُ طَبْ (مغربی) ایسا اہم معاملہ جس میں کثرت سے باہر لفت و شنید کی جائے۔ **يُفَنِّدُ**: اَمْتَدَدَ سے فعل مضارع ہے۔ اور اَمْتَدَدَ فَلَا نَا کے معنی ہیں دھتکا۔ اُسے لے گیا۔ (اقرب) پس **يُفَنِّدُ** کے معنی ہونگے۔ وہ لے جاتا ہے یا لے جائیگا۔ **الزَّعَاوُ**: الزَّعَاوِی کی جمع ہے۔ راہی چرواہے کو کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنی ہیں کھل مَنَ ذِي اَمْتَدَرِ قَوْمٍ۔ ہر وہ شخص جو قوم کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہوا (اقرب) پس **الزَّعَاوُ** کے معنی ہونگے۔ چرواہے۔

تَقْسِمْ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کی طرف چلے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اِنِّیْ لَا اَجِدُ رِجْلَیْوُ سَفَتْ

تَفَنَّدَ وَفَىٰ

خَطْبُكُمَا

يُفَنِّدُ

الزَّعَاوُ

قَالَتْ أَحَدُهُمَا يَبْتَ اسْتَأْجِرْ لَكَ زَانًا خَيْرَ مَنْ

اس پر ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا۔ اے میرے باپ! اسکو تو ملازم رکھ لے کیونکہ جن کو تو ملازم رکھے

اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيَّ الْأَمِينُ ﴿۳۷﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ

ان میں سے بہتر شخص وہی ہوگا جو مضبوط بھی ہو اور امانت دار بھی۔ تب وہ شخص بولا اے مومن! میں چاہتا ہوں

أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ

کہ اس شرط پر اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے نکاح کر دوں۔ کہ تو

تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَبِيبٍ، فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا

آٹھ سال تک میری خدمت کرے۔ پس اگر تو آٹھ کے عدد کی جگہ پر دس کے عدد سے اپنے

فَمِنْ عِنْدِكَ، وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۖ

دعہ کو مکمل کر دے تو یہ تیرا احسان ہوگا۔ اور میں تجھ پر کوئی بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا۔

سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۸﴾

اگر اللہ نے چاہا تو تو مجھے نیک معاملہ کرنے والوں میں سے پائیگا۔

بھی کہتے ہیں۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ واقرب!

ان دونوں نے کہا کہ ہماری عادت ہے کہ

جب تک چڑا ہے پانی پلا کر اپنے جانوروں کو دہیں

نہ لے جائیں ہم پانی نہیں پلایا کرتیں۔ کیونکہ ان اداغٹوں

کے گردہ میں ملنا ہمیں پسند نہیں۔ پھر انہوں نے خیال

کیا کہ ہماری اس بات سے یہ نو وارد ہمارے باپ یا

ہمارے مشرقتہ داروں کی نسبت بدلتی کرے گا کہ وہ آپ

کیوں نہیں آتے اور لڑکیوں کو کیوں بھیجتے ہیں۔ اس لئے

انہوں نے جھٹ یہ فقرہ اپنی پہلی بات پر زائد کر دیا۔

کہ ہمارا صرت باپ ہے اور وہ بوڑھا ہے۔ وہ یہ کام

نہیں کر سکتا۔ اس پر مومن کو ان لڑکیوں پر رحم آیا۔

اور انہوں نے لڑکیوں کے جانور دیکر اسی چشمہ سے انکو پانی

پلوا دیا۔ پھر بغیر کسی مزدوری یا کسی شکر تہ کی امید ظاہر

کرنے کے ایک درخت کی طرف چلے گئے اور اس کے سارے

میں بیٹھ گئے اور خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ تیرا پانی لعلاً

أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَتَقَبَّلْ۔ یعنی اے میرے

رب! میں تو اس ملک میں مسافر اور اکیلا ہوں۔ اور

میرے پاس کچھ نہیں تو جو کچھ بھی بھلائی کا سامان

میرے لئے کرے جس میں اس کا محتاج ہوں۔ چنانچہ وہ

تھوڑی دیر دہاں بیٹھے رہے۔ اس کے بعد ان دونوں

بہنوں میں سے ایک شرماتی ہوئی ان کے پاس آئی اور

کہنے لگی کہ میرا باپ تجھے بناتا ہے تاکہ تیرے پانی پلانے

ضرورت ہوتی ہے۔ یس یہ کہتا ہوں کہ ہم دونوں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اپنے اس عہد کا گواہ قرار دیتے ہیں۔

انہیں آیات سے استدلال کرتے ہوئے اگر کوئی شخص مہر کے متعلق مجھ سے مشورہ لے تو میں اُسے یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اپنی چھ ماہ کی آمد سے ایک سال تک کی آمد بطور مہر مقرر کر دو۔ اور میرا یہ مشورہ دو وجوہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اول تو اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے "الوصیۃ" کے توہین میں سبب حقہ کی شرط رکھوائی ہے گویا اسے بڑی قربانی قرار دیا ہے۔ اس بنا پر میرا خیال ہے کہ اپنی آمدنی کا دسواں حصہ باقی اخراجات کو پورا کرتے ہوئے مخصوص کر دینا معمولی قربانی نہیں بلکہ ایسی بڑی قربانی ہے کہ جس کے بدلہ میں ایسے شخص کو جنت کا مدہ دیا گیا ہے۔ اس حساب ایک سال کی آمد جو گویا ستواڑس سال تک کی آمد کا دسواں حصہ ہوتا ہے موی کے مہر میں مقرر کر دینا مہر کی اغراض کو پورا کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ بلکہ میرے نزدیک انتہائی مدہ ہے۔ لیکن "الوصیۃ" کے ارشاد کے علاوہ قرآن مجید کی ان آیات سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آٹھ سال بطور مہر کام کرنے کا ذکر آتا ہے اور انہیں بڑھا کر دس سال بھی کام کرنے کی اجازت ہے۔ گویا اس واقعہ میں بھی آٹھویں حصہ بلکہ دسویں حصہ کی آمد کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی قربانی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس پر مراد تو نہیں کہ اس آٹھ یا دس سال کے عرصہ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام خود کچھ کھاتے پیتے اور پہنتے نہیں تھے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسران کے اور اُن کی موی کے اخراجات ادا کرتے ہونگے۔ ان اخراجات کو ادا کرنے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ جس سخاوت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام حقدار تھے اس کا دسواں حصہ

بطور امانت اُن کے خسر کے پاس رہتا تھا اور اُسے انہوں نے رط کی کامیابی قرار دیا تھا۔

بائبل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا نام نہیں تو بیرو بتایا ہے جیسا کہ خروج باب ۲ سے ظاہر ہے اور کہیں رعوایل بتایا ہے جیسا کہ خروج باب ۱۸ سے ظاہر ہے۔ لیکن قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا کہیں نام نہیں بتایا۔ البتہ مسلمان مفسرین نے لکھا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ خسر حضرت شعیب علیہ السلام تھے جو دین قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت قوم شعیب کی تباہی کے بعد ہوئی تھی جیسا کہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ قوم شعیب کی ہلاکت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ تَسْمِعُ بَعَثْنَا هٰذَا بَعْدَ هٰذَا مُوسٰی بِآیٰتِنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهٰذَا فَظَلَمُوْا بِهَا۔ (اعراف ۱۰) یعنی اس قوم کی ہلاکت کے بعد مجھے موسیٰ کو فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف کھلی آیت کے ساتھ مبعوث کیا مگر انہوں نے حکم سے کام لیا۔ پس جبکہ قرآن کریم بوضاحت بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت شعیب کی قوم کی تباہی کے بعد ہوئی تھی تو حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خسر قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم بتاتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ لَا یَجْعَلْ مٰکُمْ شَعْلٰبٌ اَنْتَ یُضِیْبُکُمْ مِّثْلَ مَا اَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ اَوْ قَوْمَ هٰوْدٍ اَوْ قَوْمَ ضَلٰحِجٍ وَمَا قَوْمٌ یُّؤْذِیْکُمْ بِشَیْءٍ۔ (ہود ۷) یعنی اے میری قوم! دیکھنا کہ کہیں میری دشمنی نہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اپنے لئے دوسری نصیحت سہیڑ جیسی نوچ یا ہود یا صالح کی قوم پر آتی تھی۔

طاقتور بادشاہوں کو بھی جو فرعون کی طرح خدائی احکام کے سامنے اپنا سر جھکانے کے لئے تیار نہیں ہونگے سرزادیکا اور ان کی حکومتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کا ایک ایک دور قیاسی شکیوں کی تصدیق کر رہا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت واضح کر رہا ہے۔ ان واقعات قرآنی کا بائبل کے جن امور میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ یہ ہیں :-

اول :- بائبل نے اس امر کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً حکم دیا تھا کہ جب موسیٰ کی جان کے متعلق تمہیں خطرہ لاحق ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا۔ بلکہ وہ اس تدبیر کو خود اہم موسیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ لیکن قرآن کریم اس امر کو واضح فرماتا ہے کہ اہم موسیٰ کو یہ خیال خود بخود نہیں آیا۔ بلکہ ہمارے حکم سے اس نے ایسا کیا۔ اگر اہم موسیٰ کا یہ ذاتی فعل ہوتا اور خدائی تائید اس کے پیچھے کام کر دیتی نہ ہوتی تو موسیٰ کی سلامتی اور اس کی شاہی گھرنے میں پرورش کے جو واقعات بعد میں ظاہر ہوئے وہ کبھی نہ ہوتے۔ یہ واقعات خود اپنی ذات میں اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ جو کچھ ہوا الہی مشاہدے کے ماتحت ہوا۔

حدم :- بائبل یہ بیان کرتی ہے کہ موسیٰ کی والدہ نے

”سرکنڈن کا ایک ٹوکہ لیا۔ اور اس پر کپنی مٹی اور دال لگا کر رٹ کے کو اس میں رکھا اور اسے دریا کے کنارے جھلو میں چھوڑ آئی۔“

(خروج باب ۲ آیت ۳)

گویا بائبل کے نزدیک انہیں یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ہاتھ سے انہیں دریا میں ڈال دیں۔ زیادہ سے

اور لوٹ کی قوم تو تم سے کچھ ایسی دور بھی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت لوط کی قوم کے قریب عرصہ بعد ہوئے ہیں۔ پس حضرت شعیب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قتل دینا اور انہیں آپ کا خسر بنانا ان آیات کی رو سے درست نہیں ہو سکتا۔ پس میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے خسر بنائے۔ آپ کے خسر کا تیرا نام ہو یا دھواں یا کچھ اور بہر حال اور شخص ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام اور شخص ہیں۔ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک تباہ ہو چکی تھی۔ اور آپ کے زمانے میں صرف اسکی نسل کا کچھ بقیہ موجود تھا۔ اس کی اصل شان و شوکت بالکل زائل ہو چکی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے نبوت سے پہلی زندگی کے یہ حالات جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں ان کے متعلق قرآن کریم نے اس سورہ کے ابتدائی یہ امر واضح فرما دیا تھا کہ ہم یہ واقعات بائبل کی نقل کے طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ موسیٰ کی زندگی کے صحیح واقعات بیان کر رہے ہیں اور پھر یہ واقعات صرف ایک قصہ کے طور پر نہیں بلکہ ان واقعات میں مومن قوم کے لئے بڑے بھاری نشانیاں ہیں یعنی انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ جس طرح موسیٰ کی خدا تعالیٰ نے تائید فرمائی اور ان کے ذریعہ اس نے ایک بے کس اور مظلوم قوم کو بادشاہ بنا دیا۔ اسی طرح وہ لوگ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے بیشک انہیں اسرائیلیوں کی طرح مارا مٹا جائیگا۔ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں انہیں اپنی جانوں اور اموال کے علاوہ اپنی آئندہ نسلوں کی بھی قربانی کرنی پڑے گی۔ مگر جس طرح خدا تعالیٰ نے فرعون کا تختہ الٹ کر دکھ دیا تھا اور بنی اسرائیل کو اسی قسم کی نفع کا وارث کر دیا تھا جو فرعون اور اس کے ساتھیوں کو میر تقی میری طرح اللہ تعالیٰ اس زمانہ کے

نیا وہ انہوں نے یہ کیا کہ دریا کے کنارے ایک جھاؤ میں جا کر انہیں چھپا دیا۔ اور پھر بائبل یہ بھی بیان کرتی ہے کہ فرعون کی بیٹی جب دریا پر غصے کرنے لگی اور اُس نے جھاؤ میں ایک ٹوکرا اٹھا تو اُس نے اپنی ہسیل کو بھیجا کہ وہ جا کر ٹوکرا اٹھالائے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"فرعون کی بیٹی دریا پر غصے کرنے آئی اور

اُس کی ہسیلیاں دریا کے کنارے گنا دے

ٹہننے لگیں۔ تب اُس نے جھاؤ میں وہ ٹوکرا

دیکھ کر اپنی ہسیل کو بھیجا کہ اُسے اٹھالائے۔

جب اُس نے اُسے کھولا تو رُٹے کو دیکھا اور

وہ بچہ رو رہا تھا۔ اُسے اُس پر رحم آیا اور کہنے لگی

کسی جرنی کا بچہ ہے۔ تب اُس کی بہن نے فرعون کی بیٹی

سے کہا۔ کیا یہ جا کر غریبی عورتوں میں ایک دائی بیگ

پاس بلاؤں جو تیرے لئے اس بچہ کو دودھ پلا کرے۔

فرعون کی بیٹی نے کہا۔ جا۔ وہ لڑکی جا کر بچے کی ماں کو بلا لائی۔

فرعون کی بیٹی نے اُسے کہا۔ تو اُس بچے کو لے جا کر

میرے لئے دودھ پلا۔ میں تجھے اجرت دیا کروں گی

وہ عورت اس بچے کو لے جا کر وہ دھ پلانے لگی

جب بچہ کچھ بڑا ہوا تو وہ اُسے فرعون کی بیٹی

کے پاس لے گئی۔ اور وہ اُس کا بیٹا ٹھہرا۔

اور اُس نے اُس کا نام موسیٰ یہ کہہ کر رکھا کہ

میں نے اسے پانی سے نکالا۔"

(خروج باب ۲ آیت ۵ تا ۱۰)

لیکن تعجب ہے کہ بائبل ایک طرف تو یہ کہتی ہے کہ موسیٰ کی والدہ نے اپنے بچے کو جھاؤ میں جا کر چھپا دیا اور یہ بھی کہتی ہے کہ فرعون کی بیٹی نے بھی اُسے جھاؤ میں سے ہی اٹھایا۔ مگر دوسری طرف وہ یہ بھی بیان کر رہی ہے کہ فرعون کی بیٹی نے اُس کا نام موسیٰ یہ کہہ کر رکھا کہ میں نے اسے پانی سے نکالا۔ جب

موسیٰ پانی میں ڈالا ہی نہیں گیا تھا بلکہ ایک جھاؤ میں چھپا کر رکھ دیا گیا تھا اور جب فرعون کی بیٹی نے بھی اُسے پانی سے نہیں نکالا بلکہ اسے جھاؤ میں سے اٹھایا تو اُس کا نام موسیٰ کیوں رکھا گیا۔ اور اُس نے یہ کیوں کہا کہ میں نے اس کا نام موسیٰ اس لئے رکھا ہے کہ میں نے اسے پانی سے نکالا ہے۔ بائبل کے اس حوالہ کا آخری فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ موسیٰ پانی سے نکالا گیا تھا۔ جس کے دوسرے فقروں میں یہ بھی معنی ہیں کہ موسیٰ کی والدہ نے بھی انہیں مدیا میں ہی ڈالا تھا۔ اور یہی حقیقت قرآن کریم نے بیان کی ہے پس قرآن کریم بائبل کی اس غلطی کو واضح کرتا ہے کہ موسیٰ کو انکی والدہ نے جھاؤ میں جا کر رکھ دیا تھا اور بتاتا ہے کہ انہیں جھاؤ میں جا کر نہیں رکھا گیا بلکہ ایک تابوت میں بند کر کے دریا میں بہا دیا گیا تھا۔

موسم :- بائبل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگاتی ہے کہ انہوں نے عمداً ایک مصری کو مار کر ریت میں چھپا دیا۔ چنانچہ بائبل کہتی ہے :-

"جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا۔ اور اُن کی مشغولیت پر اس کی نظر پڑی اور اُس نے دیکھا کہ ایک مصری اُس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اُس نے ادھر ادھر نگاہ کی۔ اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اُس مصری کو جان سے مار کر اُسے ریت میں چھپا دیا۔ پھر دوسرے دن وہ باہر گیا اور دیکھا کہ وہ عبرانی آپس میں مار پیٹ کر رہے ہیں۔ تب اُس نے اُسے جس کا قصور تھا کہا کہ تو اپنے ساتھی کو کیوں مارتا ہے؟ اُس نے کہا تجھے کس نے ہم پر حاکم یا نصف مقرر کیا؟ کیا جس طرح تو نے اس مصری کو مارا؟"

مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے، تب موسیٰ یہ سوچ کر ڈرا کر بلا شک یہ بعید فاش ہو گیا۔ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ کو قتل کرے پر موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگ کر ملک مدائن میں جا بسا۔

(خروج باب ۲ آیت ۱۵ تا ۱۵)

بائبل کے اس بیان میں بعض باتیں قرآنی بیان کو مختلف دکھائی دیتی ہیں لیکن ہر شخص جو معمولی عقل و سمجھ بھی اپنے اندر رکھتا ہو دونوں بیانات پر نظر ڈالنے سے فوراً اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان دونوں بیانات میں سے قرآنی بیان عقلی لحاظ سے صحت اور سچائی کے زیادہ قریب ہے۔ مثلاً پہلی بات تو یہی ہے کہ بائبل کہتی ہے جب موسیٰ نے ایک مصری شخص کو اپنی قوم کے ایک فرد سے لڑتے دیکھا تو موسیٰ نے پہلے ادھر ادھر جھانکا کہ کوئی پولیس مین تو نہیں کھڑا۔ اور جب تسکی ہو گئی تو آگے بڑھ کر اس مصری کو مار دیا۔ اور اُسے ریت میں چھپا دیا۔ گویا بائبل موسیٰ پر قتلِ عمد کا الزام لگاتی ہے اور کہتی ہے کہ موسیٰ کا ارادہ ہی اُسے مار ڈالنے کا تھا۔ چنانچہ اُس نے احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے ادھر ادھر دیکھا تاکہ گرفت نہ ہو سکے اور پھر اُسے قتل کر کے ریت میں چھپا دیا مگر قرآن بتاتا ہے کہ موسیٰ نے جب دونوں کو لڑتے دیکھا تو موسیٰ خود بخود آگے نہیں بڑھے بلکہ پہلے ان کی قوم سے تعلق رکھنے والے فرد نے انہیں اپنی مدد کے لئے آواز دی۔ اس پر موسیٰ بغیر ادھر ادھر دیکھنے کے فوری طور پر اُن کی مدد کے لئے پہنچ گئے اور اپنے مصری کو ایک گھونسلہ مارا اور آپ کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ اسے قتل کریں مگر سوء اتفاق سے وہ کسی نازک مقام پر جا لگا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔

پس قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتلِ عمد

کے الزام سے بری ٹھہرتا ہے مگر بائبل جو موسیٰ کو خدا کا نبی بھی قرار دیتی ہے ■ بڑی دلیری سے کہتی ہے کہ موسیٰ نے جان بوجھ کر اُس مصری کو قتل کیا۔ پھر دوسرے دن جو واقعہ ہوا اُس میں بھی قرآن یہ کہتا ہے کہ اُس روز پھر وہی عبرانی اور ایک اور مصری آپس میں لڑ رہے تھے مگر بائبل کہتی ہے کہ اُس روز کسی مصری سے لڑائی نہیں ہوئی۔ بلکہ دو عبرانی آپس میں لڑ رہے تھے۔ حالانکہ اگر دونوں عبرانی تھے تو موسیٰ کو اُس میں دخل دینے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ موسیٰ کا دخل دینا بتاتا ہے کہ پھر یہ جھگڑا ایک قومی سوال بن گیا تھا جس کے لئے انہیں دخل دینا پڑا۔ اسی طرح بائبل کہتی ہے کہ تب اُس نے اُسے جس کا قصور تھا کہا کہ

”تو اپنے ساتھی کو کیوں مارتا ہے“

حالانکہ موسیٰ کو کس طرح پتہ لگ سکتا تھا کہ دونوں میں سے قصور دار کون ہے۔ جب دونوں انہی اپنی قوم کے افراد تھے اور دونوں آپس میں سمجھ رہے تھے تو موسیٰ کو یہ کس طرح پتہ لگ گیا کہ قصور دار کون ہے اور انہوں نے کس بنا پر اُسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ یہ بات بتاتی ہے کہ بائبل سے اس واقعہ کے بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اصل واقعہ وہی تھا جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے کہ اُس روز بھی مصری قوم کے ایک فرد سے لڑائی ہو رہی تھی۔ مگر بائبل جو انسانی دست برد کا شکار ہو چکی ہے اس میں یہ لڑائی دو عبرانیوں کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔ انجیل نے بھی سچی واقعہ بیان کرنے کی بجائے موسیٰ کو ہی ملزم قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

”پھر دوسرے دن وہ باہر گیا۔ اور

دیکھا کہ دو عبرانی آپس میں مار پیٹ کر رہے

ہیں۔ تب اُس نے اُسے جس کا قصور تھا

کہا کہ تو اپنے ساتھی کو کیوں مارتا ہے؟

اُس نے کہا۔ تجھے کس نے ہم پر حاکم یا مُصنّف مقرر کیا؟ کیا جس طرح تو نے اُس مصری کو مار ڈالا مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟

(خروج باب ۲ آیت ۱۴۱)

اسی طرح اَمّال میں لکھا ہے :-

”پھر دوسرے دن اُن میں سے دو لڑتے ہوئے کے پاس آ نکلا اور یہ کہہ کر نہیں صلح کرنے کی ترغیب دی کہ اسے جو انو! تم تو بھائی بھائی ہو کیوں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہو، لیکن جو اپنے پریمی پر ظلم کر رہا تھا اُس نے یہ کہہ کر اُسے ہٹا دیا کہ مجھے کس نے ہم پر حاکم اور قاضی مقرر کیا؟ کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح کل اُس مصری کو قتل کیا تھا، موئیٰ یہ بات سُن کر بھاگ گیا اور میان کے ملک میں پرہیزی رہا کیا۔ اور وہاں اُس کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔“

(آیت ۲۶ تا ۲۹)

مگر جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے قرآن کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ دوسرے دن بھی ایک مصری اور عبرانی ہی لڑ رہے تھے اور پھر یہ کہ دوسری عبرانی لڑ رہا تھا جس سے کل جھگڑا ہوا تھا۔ کوئی نیا عبرانی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے موئیٰ سے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ جس طرح تو نے کل اُس مصری کو مار دیا تھا اُسی طرح آج مجھے مار ڈالے۔ اگر کوئی تور عبرانی ہوتا تو اُسے کل کے اس واقعہ کا کس طرح علم ہو سکتا تھا اور اُسے کیونکر پتہ لگ سکتا تھا کہ کل جو واقعہ ہوا تھا وہ موئیٰ کے ہاتھ سے ہی ہوا تھا۔ یہ الفاظ جو توراۃ اور انجیل دونوں میں نقل کئے گئے ہیں خود اس بات کی اندرونی شہادت ہیں کہ یہ دہی شخص تھا جس نے کل رات کوئی نیا آدمی نہیں تھا۔

اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ بائبل ایک طرف تو یہ کہتی ہے کہ موئیٰ نے جس آدمی کو مارا تھا۔ اُسے اُس نے ریت میں چُپا دیا تھا جس کے معنے یہ ہیں کہ یہ معاملہ بالکل مخفی رہا۔ مگر پھر وہی بائبل یہ بیان کرنا شروع کر دیتی کہ دوسرے دن ایک اور عبرانی نے کہہ دیا کہ کیا تو مجھے بھی اُسی طرح مارنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک آدمی کو مار دیا تھا۔ گویا یہ واقعہ تمام لوگوں میں مشہور ہو چکا تھا۔ حالانکہ جس شخص کو نظروں سے بچا کر ریت میں چُپا دیا گیا ہو اُس کی موت کا دوسروں کو علم ہی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسکا علم تو صرف ایک شخص کو تھا۔ پس یہ فقرہ لازماً اسی شخص کے مُنہ سے نکل سکتا تھا جس نے پہلے دن کے واقعہ کو دیکھا تھا ورنہ کوئی دوسرا شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بائبل کے نزدیک مقبول کو ریت میں چُپا دیا گیا تھا اور اُس کا کسی کو قتل نہیں ہو سکتا تھا۔

چھٹا مزم :- بائبل کہتی ہے کہ جب حضرت موئیٰ

علیہ السلام بھاگ کر مدین پہنچے تو

”وہاں وہ ایک کنوئیں کے نزدیک بیٹھا تھا۔ اور میان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں وہ اُس اور پانی بھر بھر کر گھڑوں میں ڈالنے لگیں تاکہ اپنے باپ کی بھڑکریوں کو پلا لیں۔ اور گڈریے اُکرتے اُن کو بھگانے لگے لیکن موئیٰ کھڑا ہو گیا اور اُس نے اُن کی مدد کی اور اُن کی بھڑکریوں کو پانی پلا یا۔“

(خروج باب ۲ آیت ۱۵)

۱۔ گویا بائبل کہتی ہے کہ مدین کے کاہن کی سات بیٹیاں پانی لینے کے لئے آئیں۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ اُس کی صرف دو لڑکیاں اپنے جانوروں کو پانی پلانے کیلئے آئی تھیں۔ یہ فرق اس لئے ہے کہ قرآن کریم میں صرف

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ

جب موسیٰ نے وقت مقررہ کو پورا کر لیا اور اپنے گھر والوں کو لے کے چلا تو اُس نے

جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۚ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي

طُور کی طرف سے ایک آگ دیکھی - (اور) اپنے گھر والوں سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے

آنَسْتُ نَارًا تَعْلَىٰ ۚ أَتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ

ایک آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے تمہارے لئے کوئی دھندری (خبر) لاؤں - یا کوئی آگ کا

مِّنَ النَّارِ تَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا

انگڑہ لاؤں تاکہ تم سیکو - پھر جب وہ اُس (آگ) کے پاس پہنچا

نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ

تو مبارک مقام کے ایک مبارک حصہ کی طرف سے

الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِنِّي

ایک درخت کے پاس سے اُسے بیکار لایا کہ اے موسیٰ! میں

سچ - بائیں کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ جب گڈریوں نے اُن رطکیوں کو بھگایا تو موسیٰ ٹکڑے ہو گئے اور انہوں نے رطکیوں کی مدد کی۔ گویا دوسرے الفاظ میں انہوں نے گڈریوں سے لڑائی کی اور سختی کے ساتھ اُن کا مقابلہ کیا۔ مگر قرآن بتاتا ہے کہ اُس وقت موسیٰ نے کوئی مقابلہ نہیں کیا بلکہ رطکیوں کی طرف اس رنگ میں مدد کی کہ اُن کے جانوروں کو آگے بڑھ کر پانی پلا دیا۔ اور عقل بھی قرآن کریم کے بیان کی ہی تصدیق کرتی ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اُس وقت ایک اجنبی علاقہ میں تھے بالکل بے مردمانی کی حالت میں تھے۔ کوئی دوست اور مددگار اُن کا نہیں تھا ایسی حالت میں اُن سے لڑائی کی سطح

بڑی رطکیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر اُن کے پیادہ کا معاملہ پیش آنے والا تھا۔ لیکن بائیں نے اس کے خلاف جھوٹی بڑی سب رطکیوں کا ذکر کر دیا۔ تب - پھر قرآن کہتا ہے کہ وہ رطکیاں آگے نہیں بڑھیں بلکہ شرم و حیا کی وجہ سے اپنے جانوروں کو روک کر ایک کھڑی رہیں تاکہ دوسرے لوگ فاسخ ہوئیں تو پھر وہ اپنے جانوروں کو پانی پلائیں۔ مگر بائیں کہتی ہے کہ وہ پہلے سے پانی بھر رہی تھیں مگر گڈریوں نے آکر انہیں روک دیا۔ حالانکہ جب وہ کنوئیں پر اُن سے پہلے پہنچ چکی تھیں اور پانی بھی بھر رہی تھیں تو بعد میں آکر گڈریوں کا انہیں روکنا خلاف عقل بات ہے

أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۱﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ

اللہ ہوں سب جہانوں کا رب - اور یہ کہ تو اپنا عصا پھینک دے -

فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَ

پس جب اُس نے اُس (یعنی عصا) کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا گویا کہ وہ ایک چھوٹا سا بیٹہ ہے، وہ پیچھے ہٹ کر بھاگا اور

لَمْ يَعْقُبْهُ يَمُوسَىٰ أَقْبَلُ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ

پیچھے مڑ کر نہ دیکھا - (تب اُسے کہا گیا) اے موسیٰ! آگے بڑھ اور ڈر نہیں - تو

مِنَ الْأَمِنِينَ ﴿۳۲﴾ أَسْلُكْ يَدَاكَ فِي جَيْبِكَ

سلامتی پانے والے لوگوں میں سے ہے - (اور) اپنے ہاتھ کو اپنے گیب میں ڈال -

تَخْرُجُ بِيضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ

وہ بغیر کسی بیماری کے سفید نکلے گا - اور اپنے بازو کو خوف کی وجہ سے (زور سے) کھینچ کر (لپٹے) ہے

جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذِنِكَ بُرْهَانِ

پلائے - یہ دو دیسلیں (علاوہ دوسری دلیلوں کے)

میلے سکتے تھے - انہوں نے صرف ہمدردی اور خدمتِ خلق

کے نقطہ نگاہ سے اُن لوگوں کی مدد کی اور اُن کے جان و مال

کو پانی پلا دیا -

پھر بائبل نے یہ نہیں بتایا کہ جب لوگوں نے

اپنے باپ سے یہ واقعہ بیان کیا اور اُن کے باپ نے

کہا کہ

”تم اسے کیوں چھوڑ آئیں - اُسے بلا لاؤ

کہ رزق کھائے -“ (خروج باب آیت ۱)

تو آیا ساتوں لڑکیاں انہیں بلانے کے لئے آئی تھیں یا

دو یا چار - مگر لڑکیاں بتاتا ہے کہ صرف ایک لڑکی آئی

تھی اور وہ بھی شرماتی ہوئی - اور اُس نے اپنے باپ کا

آپ کو پیغام دیا -

اسی طرح بائبل نے اس معاہدہ کا کوئی ذکر نہیں

کیا جو موسیٰ اور اُن کے خُمر کے درمیان ہوا تھا مگر

اتنا مکھ دیا کہ

”موسیٰ اُس شخص کے ساتھ رہنے کو رضی

ہو گیا -“ (خروج باب آیت ۲۱)

حالانکہ بتانا یہ چاہیے تھا کہ موسیٰ کا خُمر انہیں رکھنے

پر راضی ہو گیا - ورنہ موسیٰ تو چاہتے ہی تھے کہ انہیں

کوئی ٹھکانہ مل جائے جہاں وہ رہائش اختیار کر سکیں -

لیکن قرآن کریم بتاتا ہے کہ موسیٰ اور اُن کے خُمر کے درمیان

ایک معاہدہ ہوا تھا - اور حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ

مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا

جو فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف تیرے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہیں۔ کیونکہ وہ

تَوَمَّا فَسَيَقِينُ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ

اطاعت سے نکلنے والے لوگ ہیں۔ (مومن نے) کہا۔ اے میرے رب! میں نے فرعون کی قوم میں ایک شخص کو قتل کیا تھا

نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾ وَآخِ هَرُونَ

پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں (اور میرا پیغام نہ پہنچ سکے) اور میرا بھائی ہارون

هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا

بات کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اُس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج۔

يَصَدِّقُنِي زَارِي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾

تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ میری تکذیب نہ کریں۔

تورات نے مومن کی کتاب کہلا کر کئی واقعات کو
چھوڑ دیا اور کئی واقعات کو غلط بیان کر دیا۔ اسی
درجہ سے قرآن کریم نے اس سورۃ کے شروع میں ہی یہ
بیان فرما دیا تھا کہ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ
یہ آیات ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو تمام ضروری
باتوں کو کھول کر بیان کرنے والی ہے یعنی بے شک
تورات بھی کتاب ہے مگر انسانی دست برد کا شکار
ہونے کی وجہ سے اب اس سے استفادہ ناممکن ہو
کتاب میں جو تمام مہربانہ رازوں سے پردہ اٹھانے
والی اور تمام احکام کو دلائل کے ساتھ پیش
کرنے والی ہے وہ صرف قرآن کریم ہی ہے۔ اور
اسی کی اقتداء و اتباع انسانی کو نجات دلا سکتی ہے۔

یادس سال تک اُس کی خدمت کرنے کو تیار ہو گئے
تھے۔ چنانچہ بائبل نے اس معاہدہ کا کوئی ذکر نہیں
کیا۔ مگر اتنا اُسے بھی تسلیم کرنا پڑا ہے کہ
مومن اپنے خسر یقرو کی جو مدیاں کا
کاہن تھا بھڑکریاں چراتا تھا۔“

(خروج باب ۲ آیت ۱)

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ قرآن کریم نے جس معاہدہ
کا ذکر کیا ہے اُسی کے مطابق حضرت مومن علیہ السلام
یہ کام کیا کرتے تھے۔

غرض قرآن کریم کو یہ عظیم الشان تفصیلت
حاصل ہے کہ اُس نے دو ہزار سال کے بعد نازل ہو
کر حضرت مومن علیہ السلام کی زندگی کے صحیح
واقعات دنیا کے سامنے پیش کئے جب کہ

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا

فرمایا: ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرے بازو کو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کے لئے

سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِأَيِّتِنَا أَنْتُمَا

غلبہ کے سامان پیدا کریں گے پس وہ تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ تم دونوں اور جو تم دونوں کے متبع ہونگے

وَمَنْ اتَّبَعَكُمَا الْغُلُوبُونَ ﴿۳۹﴾

ہماری آیات کے ذریعہ سے غالب ہونگے۔ ۳۹

الصلوات: - اَنْسَ: اَنْسَ الشَّيْءَ کے معنی میں اِنْصَرَفَ۔ اُسے دیکھا۔ نیز اَنْسَ الصَّغُوتَ کے معنی میں سَمِعَهُ وَ اَمْسَقَ پہلے۔ آواز کو سنا اور محسوس کیا۔ پس اَنْسَتْ کے معنی ہونگے۔ جس نے دیکھا۔ جَذْوَةٌ: اَلْجَذْوَةُ کے معنی میں اَلْجَمْرَةُ اَلْمُلْتَحِجَةُ۔ سُلْطَانًا ہوا انگارہ۔

تَضَطُّوْنَ: تَضَطُّوْنَ اِمْطَلَى سے نفل مضارع معرود جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اور اِمْطَلَى بِالنَّارِ اِمْطَلَاوُ کے معنی میں اِسْتَدْقَابَهَا اُگ سبکی۔ (اقرب)

شَاطِئُ: شَاطِئُ الْوَادِئِ کے معنی میں جَانِبُ الْوَادِی کا کنارہ (مفردات)

تَهْتَرُ: اِهْتَرَا سے نفل مضارع معرود واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور اِهْتَرَتْ اَلْبِلْدُ کے معنی میں تَحَرَّكَتْ بِی تَسْبِيْہًا۔ یعنی اونٹ تیز رفتاری سے چلے۔ اور اِهْتَرَا اَلْعَاوُ فِيْ جَزَیَانِہ کے معنی میں تَعَلَّقَ۔ پانی خوب بہ پڑا۔ (اقرب) پس تَهْتَرُ کے معنی ہونگے۔ وہ تیزی سے چلتا ہے۔

جَانٌّ: جَنَّتْ سے اسم نازل ہے اور جَانٌّ وَفَرِہ رہنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اِسْمُ جَنِّعِ بَنِ الْجِنِّ۔ جن

کا اسم جمع ہے۔ نیز جَانَّتْ کے معنی میں جَنَّتْ بِنَعْمَانٍ كَعَدُوِّ الْعَيْنِ لَا تُؤْذِي۔ سفید رنگ کا سانپ جس کی آنکھیں سرگرم ہوتی ہیں اور کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

برادَعُو: اَلْبِرْدَةُ کے معنی ہیں اَنْعُوْ۔ مدد کرنا اَلنَّاصِي۔ مددگار۔ (اقرب)

تَفْسِيْر: فرماتا ہے جب موسیٰ نے پیش کردہ مدت پوری کر لی اور اپنے اہل کو لے کر چل پڑا۔ تو راستہ میں طوفان کی طرف اُس نے ایک آگ کا شعاع دیکھا اور اپنے اہل سے کہا کہ ذرا ہمیں ٹھہرو۔ میں نے ایک قسم کی آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ میں وہاں سے

تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں۔ یا اُس آگ میں سے کوئی انگارہ ڈاؤں جس سے تم سینگو۔ جب وہ اُس آگ کے پاس آیا تو اُس مبارک زمین کے ایک مبارک حصہ کی طرف سے

ایک درخت کی جہت سے آواز آئی۔ (یعنی موسیٰ کو ابھام پڑا) کہ اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔ پھر دوسرا ابھام یہ ہوا کہ اے موسیٰ! تو اپنا عصا پھینک دے

موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔ لیکن جب اُس نے اُسے ایک چوٹے سانپ کی طرح تیزی سے ہلتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر

چلا۔ (تفسیر)

لہٰ طوفاً تشریح کیے دیکھیں تفسیر گیر سورۃ تین جلد ۹

بھاگا۔ اور اُس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ہم نے کہا۔
 نے موسیٰ اور ڈر نہیں۔ تو سستی پانے والوں میں کر
 ہے۔ پھر ہم نے کہا کہ اپنے ہاتھ کو اپنے گیمبان میں
 ڈالو۔ بغیر کسی بیماری کے سفید نکلے گا۔ اور اپنے
 بازو کو خوف کی وجہ سے اپنے جسم سے چمٹا لے۔ یہ
 دو دیسیں تیرے رب کی طرف سے تجھے ملی ہیں تاکہ
 تو ان کو فرعون اور اُس کے سرداروں کے سامنے پیش کر
 کیونکہ وہ ایک اطاعت سے نکلی ہوئی قوم ہے۔ ہوئی
 نے کہا۔ اے میرے رب: فرعون کی قوم کا ایک آدمی
 میرے ہاتھ سے مارا جا چکا ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں
 کہ وہ کہیں مجھے دیکھتے ہی قتل نہ کر دیں اور تیرا پیغام
 فرعون اور اُس کے سرداروں کو نہ پہنچ سکے۔ اور اے
 میرے رب! میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصاحت
 رکھنے والا ہے۔ اُس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر
 مقرر فرما دیجئے۔ تاکہ وہ میرے دعادی کی تصدیق کرے
 اور میری صداقت اور راستبازی پر گواہی دے۔ مجھے
 یہ ڈر ہے کہ صرف میری زبان سے اس پیغام کو سنکر
 وہ پُرانی عادات کی وجہ سے فوراً ہی جھٹلائے پر آمادہ
 نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی
 کو تیرے ساتھ ہی مبعوث کر کے تیری مدد کرینگے اور
 تمہارے لئے اپنے پاس سے دلائل ہتیا کریں گے جس کا
 نتیجہ یہ ہوگا کہ فرعون اور اُس کے ساتھی تم کو کوئی
 نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ بلکہ تم دونوں اور تمہارے
 اتباع ہماری نشانوں کے ذریعہ غالب رہو گے۔

ان آیات میں خودی جٹ شاعری و انوا ج
 الیٰ یمن فی البقعة المبارکة من الشجرة ان
 یمؤمنی اِنی انا الله رب العالمین سے یہ مراد
 نہیں کہ درخت نے کہا کہ میں اللہ سب جہانوں کی ربوبیت
 کرنے والا ہوں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جگہ حضرت

موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا۔ اور
 انہیں یوں معلوم ہوا جیسے الہام کی آواز درخت کی
 طرف سے آرہی ہے۔

وَ اٰتٰنٰهُمْ اَلْثَلَاثَ بَنٰی خَلْفَ مِنَ الرَّهْبِ
 میں بازو سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ
 تمہارا بنی اسرائیل کو اپنے وجود سے دور رکھنا خطرے کا
 موجب ہوگا۔ پس تو اس خوف سے کہ وہ کہیں بے دین
 نہ ہو جائیں انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ چمٹائے رکھیو۔ اور
 ان کی نیک تربیت کی طرف توجہ رکھیو۔

یہ واقعہ بھی ایسا ہے جس میں بائبل اور قرآن کریم
 کے بیان کردہ امور میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں
 مثلاً اول :- بائبل کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی
 مدین میں ہی تھے کہ ایک دن اپنے خسر کی بھیڑ بکریوں کو
 چراتے ہوئے وہ حورب پہاڑ پر جا پہنچے اور وہاں
 "خداوند کا فرشتہ ایک جھاڑی میں سے
 آگ کے شعلہ میں سے اُس پر ظاہر ہوا۔"
 اور خداوند تعالیٰ نے انہیں فرعون کی طرف جانے کا حکم
 دیا۔ اس کے بعد لکھا ہے :-

"موسیٰ لوٹ کر اپنے خسر پترو کے پاس
 گیا اور اُسے کہا کہ مجھے ذرا اجازت دے
 کہ اپنے بھائیوں کے پاس جو مصر میں ہیں
 جاؤں اور دیکھوں کہ وہ اب تک جیتے ہیں
 کہ نہیں۔ پترو نے موسیٰ سے کہا سلامت
 جا۔ اور خداوند نے میدان میں موسیٰ سے
 کہا کہ مصر کو لوٹ جا کیونکہ وہ صوبہ جو
 تیری جان کے خواہاں تھے مر گئے۔ تب
 موسیٰ اپنی بیوی اور بیٹیوں کو لے کر اور انکو
 ایک گدھے پر چڑھا کر مصر کو لوٹا۔"

(خروج باب ۴ آیت ۱ تا ۲۰)

پھر اُس نے نہ صرف موسیٰ اور ہارون کو علیہ کا وعدہ دیا بلکہ انہیں یہ بھی نبادت دی کہ وہ لوگ جو تم پر ایمان لائیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں بھی علیہ عطا فرمائے گا غرض بائبل نے تو موسیٰ کو مورد قہر قرار دیا ہے۔ مگر قرآن کریم انہیں خدائی نعمات اور برکات کا مورد قرار دیتا ہے۔

سوم ۱۔ بائبل کہتی ہے کہ

”پھر خداوند نے اُسے یہ بھی کہا۔ کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اُس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر اُسے ڈھانک لیا۔ اور جب اُس نے نکال کر دیکھا تو اُس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔“

(خروج باب ۴ آیت ۶)

لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ اَصْلَافٌ يَدَّكْ فِي جَنَابِكَ تَخْشَوْنَ بَيْتَهُمْ مِنْ غَيْرِ مَوَاقِفٍ تو اپنے اپنے گریبان میں ڈال دہ بغیر کسی بیادہی کے سفید ہو گیا یعنی تیرا ہاتھ سفید تو ہو گا مگر کوڑھ کی وجہ سے نہیں جیسا کہ بائبل کہتی ہے بلکہ ایک الہی نشان کے طور پر اُس میں نور نظر آئیگا۔

چھ آدم :- بائبل کہتی ہے کہ جب تعزیر موسیٰ علیہ السلام پر خدا تعالیٰ کا قہر بھڑکا تو اُس نے کہا :-

”کیا لادلوں میں سے ہارون تیرا بھائی نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں کہ وہ فصیح ہے۔ اور تیری ملاقات کو آ بھی رہا ہے۔ اور تجھے دیکھ کر دل میں خوش ہو گا۔ سو تو اُسے سب کچھ بتانا اور یہ سب باتیں اُسے سکھانا اور میں تیری اور اُس کی زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تم کو سکھاتا رہوں گا کہ

لیکن قرآن کریم بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس وقت بھڑکے کمریاں چرنے کے لئے نہیں گئے تھے۔ بلکہ معاد مقررہ پوری ہو جانے کے بعد اپنے دل کو ٹیکر کسی دوسری جگہ شریعت سے جا رہے تھے کہ راستہ میں اللہ تعالیٰ اُن سے بھلا کام ہوا۔ اور اُس نے انہیں رسالت کے مقام پر کھڑا کر کے فرعون مصر کی طرف جانے کا حکم دیا۔

دوم :- بائبل کہتی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا۔ تو انہوں نے بار بار انکار کیا اور کہا کہ ”میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں۔“ (خروج باب ۳ آیت ۱۱)

بلکہ انہوں نے یہاں تک کہا کہ ”اے خداوند! میں تیری منت کرتا ہوں کہ کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج۔“ (خروج باب ۴ آیت ۱۳) جب انہوں نے بار بار انکار کیا تو بائبل کہتی ہے کہ :-

”تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا۔“

(خروج باب ۴ آیت ۱۴)

گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کا وہ قہر جس کے مورد خدا اور اُس کے نبیوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اُس کا پہلا نشانہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی بن گئے اور اُن پر خدا تعالیٰ کا قہر بھڑکنا شروع ہو گیا۔ لیکن قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان تمام الزامات سے بری قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ اِنَّا لَنَرِيكَ مِنْ الْاٰمِنِيْنَ ۔ اے موسیٰ! تجھے کسی قسم کا خطہ و محسوس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تو مسلمان ہی بنے دلوں میں ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا

پس جب موئیؑ ہمدی کھلی کھلی آیتیں لے کر آیا۔ تو فرعون کے لوگوں نے کہا۔

مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَعْنَا بِهَذَا

یہ تو ایک فریب ہے جو بنایا گیا ہے۔ ہم نے اپنے باپ دادوں سے

فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ

ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ اور موئیؑ نے کہا میرا رب اُس کو

احسان قرار دیتا ہے۔ لیکن بائبل کہتی ہے کہ جب حضرت موئیؑ علیہ السلام پر خدا کا قہر بھڑکا تو اُس نے ہارون کو بھی ساتھ لے جانے کا حکم دیدیا۔ پنجم :- بائبل کہتی ہے کہ حضرت ہارون صرف خاندان بنی لاوی کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے حضرت موئیؑ کے بھائی تھے حقیقی یا مادی بھائی نہیں تھے۔ لیکن قرآن کریم حضرت ہارون کو حضرت موئیؑ علیہ السلام کا سگا بھائی یا کم از کم ماں کی طرف سے بھائی قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے:-

قَالَ يُفْقِدُونَ لَنَا نَاخِدُ بِالْحَيَاتِي
وَلَا يَزَالُ سَيِّئًا ۝ (طہ ۷)

یعنی حضرت ہارون نے کہا۔ اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو نہ بچڑھ۔

غرض قرآن کریم نے جو اس سورۃ کے شروع میں ہی فرمادیا تھا کہ تَشْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبِیِّا مُّوسٰی وَ هَارُوْنَ بِالْحَقِّ لَقَوْمٌ یُّؤْمِنُوْنَ۔ اسکی صداقت بائبل اور قرآن کے بیان کردہ واقعات کے اختلاف سے بالکل ظاہر ہو جاتی ہے۔

تم کیا کیا کرو۔ اور وہ تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور وہ تیرا منہ بنے گا۔ اور تو اُس کے لئے گویا خدا ہوگا

(خروج باب ۴ آیت ۱۶ تا ۱۷)

یہ عبارت بتاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اظہار ناراضگی کے طور پر موئیؑ کے ساتھ ہارون کو بھی مبعوث کر دیا۔ لیکن قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ حضرت موئیؑ علیہ السلام نے خود یہ درخواست کی تھی کہ ہارون کو میری تائید کے لئے میرے ساتھ لے کر گیا جائے چنانچہ قرآن کریم حضرت موئیؑ علیہ السلام کے یہ الفاظ بیان فرماتا ہے کہ وَ اِجْعَلْ هٰرُوْنَ هُوَ اَقْرَبُ مِنِّیْ بِسَانَا فَادْبِسْ لَہٗ مِیْحَیْ رَدًّا یُعْصِدُ قِیْسَیْ ۝ اِجْعَلْ اَخَا تُکَدِّبُوْنَ۔ یعنی اے خدا! ہارون بات کرنے کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ پس تو اس کو میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ میری تکذیب نہ کریں چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُن کی اس دعا کو قبول فرماتے ہوئے حضرت ہارون کو بھی اُن کی معیت میں نبی بنا دیا۔ پس قرآن کریم حضرت ہارون کی بعثت کو حضرت موئیؑ علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اور اُسے اپنا انعام اور

بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ

جو اُس کی طرف سے ہدایت لائے خوب جانتا ہے۔ اور اُس کو بھی جس کا

عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۸﴾

انجام اچھا ہو۔ حق یہ ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے ۲۸

۲۸ تفسیر: فرماتا ہے جب موئیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی کھلی آیات سے کر گیا تو بجائے اُس کے کہ فرعون اور اُس کے سردار اُن نشانات پر غور کرتے اور اُن سے فائدہ اٹھاتے نہوں نے اُن نشانات کو سحر کہنا شروع کر دیا۔ نعت کے لحاظ سے سحر ایسی بات کو کہا جاتا ہے جس کا اخذ بہت دقیق ہو۔ اسی طرح جھوٹ کو سچ بنا کر دکھانا بھی سحر کہلاتا ہے۔ اور سحر کا اطلاق ہر فریب اور چالاک کی پر بھی کیا جاتا ہے اور سحر کے معنی ہوتے ہیں سحر یعنی دوسرے کو اپنی چالاکي سے دھوکا دے دیا۔ پس فرعون کا یہ کہنا کہ یہ تو ایک سحر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک بڑا دھوکا اور فریب ہے جو تمہیں دیا جا رہا ہے۔ یا یہ ایک بڑا جھوٹ ہے جو سچ کی شکل میں تمہارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ یا یہ ایک ظری چالاکي ہے جس کے ذریعہ تمہیں درغلانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور چونکہ یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ چالاکیاں موئیٰ نے کہاں سے سیکھیں اس لئے اُس نے کہا کہ یہ تمام فریب خود موئیٰ کا طبع زاد ہے۔ اُس کا یہ کہنا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے یہ نشانات دیئے ہیں ایک افتراء ہے جس کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کو اُن کے مذہب منحرف کرنے کی کوشش کی جائے پھر اُس نے لوگوں کو بھڑکانے کے لئے ایک دوسرا ہتھیار استعمال کیا اور کہا کہ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا بَلْآيَاتُنَا

الَّذِينَ ہماری ہمارے باپ دادا کہتے عقلمند اور دانا تھے اور انہوں نے اپنی حکمت اور دانائی کے کیسے کیسے مظاہرے کئے گریہ شخص ہمارے اُن باپ دادا سے بھی اپنے آپ کو بڑھ کر سمجھنے لگا ہے اور ہمیں وہ رستہ بتاتا ہے جس کو ہمارے اصلاط نے کبھی اختیار نہیں کیا۔ اگر موئیٰ کا بتلایا ہوا راستہ ہی سچا راستہ ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے باپ دادا سب بے وقوف اور جاہل تھے اور انہیں وہ روشنی دکھائی نہ دی جو موئیٰ کو نظر آگئی۔ اس طرح اُس نے موئیٰ کے خلاف دہی حربہ استعمال کیا جو ہمیشہ سے حق کے مخالف لوگوں کو اشتغال دلانے کے لئے استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت موئیٰ علیہ السلام نے اس کا کیا ہی لطیف جواب دیا ہے۔ فرمایا۔ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ میرا رب اُس شخص کو جو اس کی طرف سے ہدایت لایا ہے خوب جانتا ہے۔ اور اُسے بھی خوب جانتا ہے جس کا انجام اچھا ہوگا۔ یقیناً ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے یعنی تم نے مجھے مغتری تو قرار دے دیا ہے لیکن سوچئے دالی بات یہ ہے کہ کیا میں اپنے دعویٰ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کروں یا ہوں یا نہیں؛ جب میں بار بار اپنا دعویٰ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہوں تو مغتری ہونے کی صورت میں کیا خدا تعالیٰ مجھے مراد دے کیلئے کافی نہیں

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ

لور فرعون نے کہا اے درباریو! مجھے اپنے سوا تمہارا کوئی معبود

إِلَهُ غَيْرِي، فَأَوْقِدْ لِي يَهَامُنْ عَلَى الطِّينِ

معلوم نہیں - پس اے ماں! میرے بے گیلی مٹی پر آگ جلا (یعنی اینٹیں بنوا)

فَجْعَلْ لِّي صِرْجًا تَعْلَىٰ أَطْلِعْ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ

پھر میرے لئے ایک قلعہ تیار کر ۔ شاید میں اس پر چڑھ کر موٹی کے خدا کو معلوم کر لوں۔

جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ ان
گوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بد قسمتی ہے
کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت
ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ
سے لگا دیا ہے۔ جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے
اُس کا نتیجہ مجھ پر اس کے کچھ نہیں کہ وہ قائدوں
اور بہودہ اسکرپٹی اور ایجوکیشنل کے نصیب
سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے۔

(اربعین ۲ صفحہ ۵۱)

پھر حضرت مولیٰ علیہ السلام اس کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ۔ یقیناً ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ یعنی میری بچائی کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب کرے گا اور تم نے مجھے مغتری قرار دیکر جس ظلم کا ارتکاب کیا ہے اُس کی پاداش میں تم پر عذاب نازل ہوگا۔

اس جگہ ظالم سے مفتری علی اللہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور وہ شخص بھی مراد ہے جو کسی سچے مامور کا انکار کرنے والا ہو۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ اتَّخَذَ عَلٰی اللّٰهِ كِبًا وَاذْكُرَ اللّٰهَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءُوْكَ وَعَكَبْتُ عَلٰی ۙ یعنی طے ظالم دوسرا ہے

جب ذہنی گونشیں بھی برداشت نہیں کر سکتیں کہ
اُن کی طرف سے کوئی جبری افسرین کر لوگوں کو دھوکا دے
اور ۱۱ ایسے شخص کو خود پکڑ کر جیل خانہ میں ڈال دیتی ہیں
تو یہ کس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر میں نے افسر
کیا ہے تو خدا کہ اس کا علم نہیں اور وہ مجھے سزا
نہیں دیگا۔ خدا تعالیٰ اس شخص کو جو اس کی طرف
سے ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہے خوب جانتا ہے
اور اُسے بھی خوب جانتا ہے جس کے لئے اُخیر میں
فتح اور کامیابی مقدر ہے۔ اسی لئے بجائے اس کے
کہ تم مجھے عیبیٰ اور مغتری کہو تم اس معاملہ کو خدا تعالیٰ
کے فیصلہ پر چھوڑ دو۔ اگر میں مغتری ہوا تو خدا تعالیٰ
کا ہاتھ میری رگ جان کو کاٹ کر رکھ دیگا۔ اور میرا
انجام دہی ہوگا۔ جو ہمیشہ سے افسر کرنے والوں کا ہوتا
چلا آیا ہے۔ لیکن اگر میں اُس کے حکم سے تمہاری طرف
آیا ہوں اور اُس نے مجھے اپنی کامیابی کی بشارت دی
میں تو تم خود سوچ لو کہ تم نے مجھے مغتری قرار دے کر کتنے
بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ ویسا ہی فقرہ ہے
جیسے حضرت سید مومنان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک
مقام پر اپنے غافین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ
”دنیا مٹھو نہیں مہانتی لیکن وہ مجھے

وَاِنِّیْ لَآظُنُّهُ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَاسْتَکْبَرَ هُوَ وَ

اور میں تو اُس کو جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔ اور اُس نے بھی اور اُس کے لشکروں نے

جُنُودَهُ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْا اَنَّهُمُ الْبٰنِیْنَ

بھی ملک میں بغیر کسی حق کے تکبر سے کام لیا۔ اور خیال کیا کہ وہ ہماری طرف

لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ

ٹوٹا کر نہیں لائے جائیں گے۔ پس ہم نے اُس کو بھی اور اُس کے لشکروں کو بھی پکڑ لیا۔ اور اُن کو

فِی السِّمِّۃِ فَاَنْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

سمندر میں پھینک دیا۔ پس دیکھ کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا! ۱۶

دو ہی شخص ہوا کرتے ہیں۔ ایک وہ جو خدا تعالیٰ پر افتراء کرے اور دوسرا وہ جو کسی سچے مدعی نبوت کا انکار کرے پس اِنَّہٗ لَا یُغْلِیْجُ الظَّالِمُوْنَ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اس طرف توجہ دلائی کہ جہاں خدا تعالیٰ پر افتراء ایک قابلِ بادشاہ جرم ہے وہاں ایک سچے مدعی کا انکار بھی بڑا بھاری جرم ہے۔ اس نے صرف مجھے برا بھلا کہہ خوش نہ ہو جاؤ۔ بلکہ سوچو کہ کس تم ہی ایک سچے امو کا انکار کر کے ظالم تو نہیں بن رہے۔

۱۶ ص ل لغات :- صَوَحًا : الْقَوْرُم کے معنی ہیں الْقَصْرِ، مضبوط مکان۔ وَ کَلَّ یَسَآؤُ عَالِی : نیز ہر عبادت کو بھی صَوْرَتُ کہتے ہیں (اقرب) تفسیر :- جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عداقت کے نبوت میں بار بار خدا تعالیٰ کو چیل کیا۔ اور کہا کہ میرا رب جانتا ہے کہ میں اُس کی طرف سے آیا ہوں اور میرا رب مجھے حن انجام اور کامیابی کی بشارت دے رہا ہے اور اُس کی تائیدات اور نشانات میری صداقت پر گواہ ہیں تو فرعون نے اپنے درباریوں کی طرف

دیکھا۔ اور انہیں کہا کہ مجھے تو اپنے سوا تہاد کوئی معبود نظر نہیں آتا۔ پھر نہ معلوم یہ کونسا خدا ہے جس کا نام موسیٰ بار بار لے رہا ہے۔ پھر موسیٰ جوش کی حالت میں اُس نے ہان کو بلوایا اور اُسے حکم دیا کہ فوراً بڑے بڑے بطنوں میں بختہ نہیں تیار کرواؤ۔ اور پتھروں کو بٹا کر ایک اونچا محل بناؤ۔ شاید اُس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ اور آخر میں کہا کہ میں تو اسے بالکل جھوٹا سمجھتا ہوں۔ یعنی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھے شبہ ہے کہ میں جس خدا کا موسیٰ ذکر کرتا ہے وہ موجود ہے جس تو میں ایک اونچا محل اس کی تلاش کے لئے بنوانا چاہتا ہوں میرے اس حکم کی غرض شبہ نہیں بلکہ میری غرض موسیٰ کو جھوٹا ثابت کر کے دکھانا ہے یعنی دنیا دیکھ لی کہ باوجود اسکے کہ میں نے اتنا بڑا محل بنوایا پھر بھی موسیٰ کا خدا اہیں نظر نہیں آیا۔ دراصل قدیم اقوام میں بڑی شدت سے یہ تصور پایا جاتا تھا کہ بلند میناروں پر آسمانی ارواح اتر آتی ہیں۔ بلکہ بلند میناروں پر خود خدا تعالیٰ کے اترنے کا تصور بھی اُن میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے نبوت میں

صَوَحًا

وَجَعَلْنَاهُمْ اٰیٰتًا يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ، وَيَوْمَ

اور ہم نے انکو (یعنی فرعونوں کو) سردار بنایا تھا جو اپنی سرداری کے غرور میں لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔ اور

الْقِيٰمَةِ لَا يَنْصُرُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِيْ هٰذِهِ

قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور اس دُنیا میں بھی ہم نے

نیچے نہ اترا۔

غرض موسیٰ کی تعلیم پر ایمان لانے کی بجائے فرعون نے بھی اور اس کے لشکروں نے بھی تکبر سے کام لیا۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے لئے حاضر ہونا نہیں پڑے گا۔ آخر ایک دن اس بغاوت اور سرکشی کی مزا میں ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو بکرا لیا۔ اور وہ جو اونچے محل پر چڑھ کر ہیں دیکھنے کے خواب دیکھ رہا تھا اُسے ہم نے مسند کی تہہ میں اپنا جلوہ دکھا دیا۔ پس دیکھو کہ ظالموں کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا۔

یہی وہ انجام تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حَتّٰی تَنْسِيَ لِقَاءَ رَبِّكَ ذٰلِكَ مِمَّا لَدُنْكَ عَذَابٌ لِّمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ۔ مگر انہوں نے اپنی طاقت اور حکومت کے گھمنڈ میں

اس انداز کی کوئی پردہ نہ کی۔ اور خیال کر لیا کہ ہمیں کون تباہ کر سکتا ہے۔ کون ہمارا بال بھی بیکا کر سکتا ہے۔ مگر آخر وہی ہوا جس کی موسیٰ انہیں خبر دے چکے تھے۔ موسیٰ کا میاں ہوئے اور فرعون نے اپنا حسرت ناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

بائبل کا ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ کتاب پیدائش میں لکھا ہے:-

”اور تمام زمین پر ایک ہی زبان اور ایک ہی بولی تھی۔ اور ایسا ہوا کہ مشرق کی طرف سفر کرتے کرتے ان کو ملک سمندار (یعنی مینیوینا) میں ایک میدان ملا۔ اور وہ وہاں بس گئے۔ اور انہوں نے آپس میں کہا اُدھم ایشیٹیں بنائیں اور ان کو اُگ میں خوب پکائیں۔ سو انہوں نے پتھر کی جگہ اینٹ بنی اور چونے کی جگہ گارے سے کام لیا۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اُدھم اپنے واسطے ایک شہر اور ایک بُرج جس کی چوٹی آسمان تک پہنچے بنائیں اور یہاں اپنا نام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم تمام روئے زمین پر پراگندہ ہو جائیں اور خداوند اس شہر اور اس بُرج کو جسے بنی آدم بنانے لگے دیکھنے کو اترا۔“

(پیدائش باب ۱۱ آیت ۵)

غرض بلند اور اونچے میناروں پر خراتھالے کے نازل ہونے کا تصور چونکہ دیر سے چلا آتا تھا اس لئے فرعون نے بھی جاہا کہ موسیٰ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایک اونچا ساحل بنائے اور پھر لوگوں کو بتائے کہ موسیٰ کے جھوٹا ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو گا کہ میں نے اتنا اونچا محل بھی جوایا اور پھر بھی اسکا خدا

الدُّنْيَا لَعْنَةٌ، وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِمَّنْ

اُن پر لعنت بھیجی - اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال

۴۷

الْمَقْبُوحِينَ ﴿۴۷﴾

لوگوں میں سے ہوں گے۔ ۴۷

الْمَقْبُوحِينَ

کہ حجر شہر آپ کے راستہ میں آیا۔ اور اسمجگہ پر تھوڑی دیر کے لئے آپ نے پڑاؤ کیا۔ پڑاؤ کی صورت دیکھ کر صحابہؓ نے اپنے اپنے اٹے نکالے اور گوندھ کر روٹی پکانے کی تیاری کرنے لگے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اٹا گوندھتے اور روٹی پکانے کی فکر کرتے دیکھا تو آپ گھبرا گئے اور آپ نے اپنے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ جلدی اپنی سوا دیوں پر چڑھ جاؤ۔ اور اپنے اٹے پھینک دو۔ کیونکہ اسمجگہ خدا کا غضب نازل ہوا تھا۔ وہ لوگ جن پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا تھا مر گئے جس شہر پر غضب نازل ہوا تھا اُڑ گیا۔ سالوں کے بعد سال اور صدیوں کے بعد صدیاں گزرتی چلی گئیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اب بھی اس مقام پر عذاب نازل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ آپ نے نہ صرف صحابہؓ کو دہاں سے جلدی نکل جانے کا ارشاد کیا بلکہ ساتھ ہی مسلمانوں کی دولت کا ایک حصہ یعنی وہ اٹا جو انہوں نے روٹی پکانے کے لئے گوندھا تھا اُسے بھی آپ نے پھینکنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ اسمجگہ کے پانی سے گوندھا ہوا اٹا کھانا بھی تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔

حضرت خلیفہ اکل رضی اللہ عنہ کے متعلق مجھے

یاد ہے کہ وہ عبد الحکیم مرند پٹیلوی سے جب احمدی تھا بہت محبت کیا کرتے تھے اور وہ بھی آپ کے بہت تعلق رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اُس نے

کالہ لغات :- الْمَقْبُوحِينَ: تَبَعًا

اسم مفعول ہے۔ اور تَبَعًا اللّٰهُ عَنْ الْخَيْرِ تَبَعًا کے معنی ہیں تَبَعًا غَنَةً۔ نیکی سے اُسے دُور رکھا (اقرب) پس مَقْبُوح کے معنی ہوئے۔ نیکی سے دُور رکھا ہوا۔ بد حال۔

تفسیر :- فرماتا ہے۔ ہم نے تو اُن کو اپنی قوم

کا لہذا اور راہنما بنایا تھا۔ مگر انہوں نے لوگوں کو ہلاکت اور بربادی کی راہوں پر چلانا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی وہ خدا کی مدد سے محروم رہے اور قیامت کے دن بھی اُن کی کوئی مدد نہیں کی جائیگی اور چونکہ وہ دنیا میں لوگوں کو ایسے راستوں پر چلائے رہے جو ہلاکت اور بربادی تک پہنچانے والے تھے، پس لئے ہم نے اس دنیا میں بھی اُن پر لعنت بھیجی اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ دیکھو۔ تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر مولیٰ پر اب تک صلوة اور سلام بھیجا جا رہا ہے اور قیامت تک اُمیر خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی چلی جائیں گی۔ لیکن فرعون پر دنیا کی ہر قوم لعنت بھیجتی رہی ہے اور قیامت تک اُمیر لعنت ہی برستی چلی جائیگی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پر لعنت

ڈالتا ہے تو وہ لعنت اُس وقت ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ چلتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک غزوہ پر جا رہے تھے

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا

اور ہم نے موسیٰ کو بعد اس کے کہ ہم نے پہلی قوموں کو

أَهْلَكْنَا الْقُرُونِ الْأُولَىٰ بِصَاحِرِ النَّاسِ وَ

ہلاک کر دیا تھا کتاب بخشی اُس کی تعلیم لوگوں کو روحانی مبنائی بخشی تھی اور

هُدًى وَ رَحْمَةً لِّعَالَمٍ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۴﴾

وہ ہدایت اور رحمت کا موجب تھی۔ (اور اس غرض سے (دی گئی تھی) کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْابِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ

اور تُو (طور کے) مغربی جانب نہیں تھا جب ہم نے موئے

مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۳۵﴾

کے سپرد (رسالت کا) کام کیا تھا۔ اور نہ تُو (اسوقت) گواہوں میں سے ایک گواہ تھا۔

اُس کی لکھی ہوئی تفسیر کو بھی آپ نے اپنے کتب خانہ سے نکلوا دیا۔

ایسی طرح فرعون جو اپنے آپ کو معربوں کا خدا قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ معلوم نہیں یہ کونسا خدا ہے جس کو ماننے کی موئی ہم کو یقین کر رہا ہے۔ اُس پر جب خدا تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو باوجود اس کے کہ تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اب تک فرعون پر لعنت برتی جاتی ہے۔ اور ہر شخص جب اُس کا نام لیتا ہے یا قہارہ میں اُس کی لاش دیکھتا ہے جو خدائی نشان کے طور پر اب تک محفوظ چلی آ رہی ہے تو اُس کے دل میں فرعون کے متعلق ادب اور احترام کے جذبات پیدا نہیں ہوتے بلکہ نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ واقعات خدا تعالیٰ نے اہل مکہ کے سامنے اس لئے

حضرت یحییٰ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کی۔ تو اُس وقت بھی اُس نے یہی لکھا کہ آپ کی جماعت میں سوائے حضرت مولوی نوالیہ صاحب کے اور کوئی نہیں جو صحابہ کا نمونہ ہو۔ شخص بیشک ایسا ہے جو جماعت کیلئے قابلِ فخر ہے عبدالحکیم میاوی نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی اور اُس میں بہت کچھ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر لکھا تھا۔ لیکن جب عبدالحکیم نے اپنے ارشاد کا اعلان کیا تو میں نے دیکھا آپ نے گھبرا کر اپنے شاگردوں کو بلایا اور اُن سے فرمایا۔ جاؤ اور جلدی میرے کتب خانہ میں سے عبدالحکیم کی تفسیر نکال دو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے مجھ پر خدا کی ناراضگی نازل ہو۔ حالانکہ قرآن کریم کی تفسیر تھی اور اُس کی بہت سی آیات کی تفسیر اُس نے خود آپ سے پوچھ کر لکھی تھی مگر اس وجہ سے کہ اُس پر خدا کا غضب نازل ہوا۔

ہم نے کلامِ نبوی پہنچانے کا کام کیا۔

بجائے نبوی علیہ السلام کی ان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اس وقت نبوی کے ساتھ نہیں تھا جب ہم نے رسالت کا کام اُس کے سپرد کیا۔ اگر نبوی اس زمانہ کے آدمی ہوتے تو سمجھا جاسکتا تھا کہ وہ دُعا نے منصوبہ کر لیا ہے لیکن نبوی علیہ السلام تو تیری پیشانی سے سیکڑا ہوا ہے بلکہ ہزار سال پہلے گئے ہیں۔ پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ نبوی نے اس منصوبہ کی وجہ سے رسالت کا دعویٰ کر دیا ہو۔ تو تو اس وقت دنیا میں تھا ہی نہیں جبکہ نبویؐ کے سپرد رسالت کا کام کیا گیا۔ پھر اگر نبویؐ کے کلام سے تیری صداقت ظاہر ہوتی ہے تو یہ تو اس بات کا ثبوت ہے کہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ ورنہ تیرے اندر یہ کہاں طاقت تھی کہ تو اپنی پیدائش سے بھی دو ہزار سال پہلے نبویؐ کو کہتا کہ تو نبوت کا دعویٰ کر اور پھر دعویٰ کے بعد میرے متعلق پیشگوئیاں بھی کرتا کہ لوگ مجھے مان لیں۔ اُس نے اگر دعویٰ کیا تو اُس نے خدا تعالیٰ سے اُسے رسالت کے مقام پر کھڑا کیا تھا۔ پس اُس کے کلام میں جو پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں ان کا انکار و کفارہ تیرا انکار نہیں بلکہ خود نبویؐ کا بھی انکار ہے جسے خدا نے نبوت کے مقام پر کھڑا کیا تھا۔

پھر فرماتا ہے کہ ان پیشگوئیوں کی طرف لوگوں کو اسلئے توجہ نہیں دی کہ اُنہیں اُن شُرُوحاً فَتَحَطَّوْا عَلَیْہِمْ اَنْذَمُوْہُ ہم نے نبویؐ کے بعد قوموں پر قومیں پیدا کیں اور ایک عرصہ دراز گزر گیا۔ جس کی وجہ سے یہ قومیں اپنی تاریخ کو بھول گئیں اور انہیں یاد ہی نہ رہا کہ نبویؐ پر ہم نے کہاں جلوہ گری کی تھی اور اس جلوہ میں ہم نے اُس پر کیا کی غیب ظاہر کئے تھے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَدْرُوْنَ اَ هَلْ مَدَّیْنَ تَتْلُوْا

عَلَيْہِمْ اَیْتَانِ وَلَکُنَّ کُنَّا مُرْسِلَیْنِ۔ فرماتا ہے تو اہل مدین میں بھی نہیں دہتا تھا کہ انہیں ہادی آیات پڑھ کر سناتا۔ بلکہ ہم نے ہی اُن کی ہدایت کیلئے رسول بھیجا تھا۔ اس آیت سے اُن واقعات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو خدوج مہر کے بعد نبویؐ اور بنی اسرائیل کو پیش آئے اور بتایا گیا ہے کہ نبویؐ علیہ السلام جب مہر سے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر نکلے تو آپ دوبارہ اہل مدین میں آکر ٹھہرے تھے۔ جہاں ایک لمبا عرصہ آپ اللہ تعالیٰ کے نشانات سے لوگوں کے ایمان کو بڑھاتے رہے۔ بائبل کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت نبویؐ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر آئے تو آپ مواب اور مدین کے میدانوں میں ہی غیمہ زن ہوئے تھے۔ آپ کا ٹھہرنا بھی آپ کی ملاقات کے لئے آیا تھا اور اُن بنی اسرائیل کی تنظیم کے سلسلہ میں آپ کو بہت مشورے بھی دیئے تھے (خروج باب ۱۸) لیکن جب مدین کی عورتیں بنی اسرائیل کو شرک میں مبتلا کرنے لگیں (گنتی باب ۲) تو حضرت نبویؐ علیہ السلام نے اُن پر چڑھائی کی اور ساری کی ساری قوم کو تباہ کر دیا (گنتی باب ۳۱) اسی طرح تارخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدین کی تباہی کے بعد اُن کے خسر حضرت نبویؐ علیہ السلام کے پاس ہی آگئے تھے اور وہیں انہیں رہائش کے لئے زمین دے دی گئی تھی۔

پس اس آیت میں اُس زمانہ قیام کا ذکر ہے جبکہ حضرت نبویؐ علیہ السلام دوبارہ مدین تشریف لائے تھے۔ اور وہاں آپ ایک بے عرصہ تک ٹھہرے رہے اور جماعت کی تربیت اور اُن کی تنظیم کے کام میں مشغول رہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہو کہ حضرت نبویؐ علیہ السلام بھی مدین میں ہی تھے کہ اُن پر

لے قدامت الہیہ و کتاب ۵ باب ۱۵ جوالد ارض القرآن جلد دوم۔

الہامات البتہ نازل ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور وہیں انہوں نے اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی پیشگوئی فرمادی تھی۔ گو فرعون کی طرف جانے کا انہیں بعد میں حکم دیا گیا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور دلی پیشگوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دو دفعہ آتری ہو۔ ایک دفعہ مدین میں اور ایک دفعہ طور پر۔ جیسا کہ قرآن کریم کی بھی کئی سورتیں دو دفعہ آتری ہیں۔ ایک دفعہ مکہ میں ایک دفعہ مدینہ منورہ میں۔ بہر حال یہ کسی دوسرے نبی کا ذکر معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اول و آخر موسیٰ کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں موسیٰ کے اس واقعہ کو پیش فرماتا ہے جبکہ وہ مدین میں ٹھہرے اور لوگوں کو اسطرح توجہ دلاتا ہے کہ باوجود اس کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ کے ساتھ مدین میں نہیں رہے پھر بھی جو واقعات موسیٰ کو پیش آئے وہی اس کو بھی پیش آئیں گے اور جس طرح وہ منظر و منصور ہوا اسی طرح یہ بھی منظر و منصور ہوگا چنانچہ مدین میں موسیٰ کے قیام کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام مصری قوم کے مظالم سے تنگ آکر مصر سے بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مدین میں پناہ دی اور وہاں کے ایک نیک نسل انسان نے اپنے گھر کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے اور وہ وہاں آٹھ یا دس سال رہے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی قوم ایک دن مکہ سے نکال دیگی۔ اور جس طرح موسیٰ کو مدین میں پناہ دی گئی اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ مدینہ میں ایجا میگا اور وہاں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیگا جو اس کے لئے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیں گے اور اس پر اپنی جائیں اور اپنے اموال قربان کر دیں گے اور پھر بطرح موسیٰ مدین میں آٹھ یا دس سال رہے۔ اسی طرح

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام بھی مدینہ میں اتنا ہی ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملت کو اس رنگ میں ظاہر فرما دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح کیا اور مدینہ میں آپ کا کل قیام دس سال ہی رہا۔ مگر اس معاملت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تو ہجرت کے بعد شادی ہوئی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی حضرت خدیجہؓ سے شادی ہو گئی تھی۔

پھر فرماتا ہے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحِمْنَا رَسُولَكَ فَتُلَاقِنَا فَمَا آتَاهُم مِّنْ تَذْوِيرٍ مِّنْ قِبَلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ اے محمد رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اُس وقت بھی طور کے پاس نہیں تھا۔ جب کہ ہم نے موسیٰ پر وحی نازل کی اور اُسے ہم نے تیری بعثت کی خبر دی۔ ہاں یہ خبر میرے رب کی طرف سے ایک بڑی بھاری رحمت تھی تاکہ تو اس قوم کو ہوشیار کر جس کے پاس تجھے پہلے کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا۔ اور تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ مکہ والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تو تھے مگر چونکہ ایک لمبا عرصہ گزر چکا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم سے نا آشنا ہو چکے تھے اور شرک اختیار کر چکے تھے اس آیت میں طور سینا پر نازل ہونے والی جس تعلیم انسان پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ استنارہ باب ۱۸

میں پائی جاتی ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں کی تیری مانند ایک نبی برپا کر دوں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی اُن سے کہیگا۔ اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جو کہ وہ میرا نام

لے کر بیٹھا نہ سنے تو میں اُن کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُس کو حکم نہیں دیا یا اور معبود کے نام سے کچھ کہے تو میں قتل کیا جائے۔“

(استسنا باب ۱۸، آیت ۲۱ تا ۲۸)

بائبل تسلیم کرتی ہے کہ یہ خبر موسیٰ علیہ السلام کو خود بخود ملے کے بعد طور پر دی گئی تھی جس میں وہ معلمین میں پیشگوئی کر جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والوں کو توجہ دلائی ہے کہ کیا یہ اُس وقت طور کے پاس موجود تھا جب موسیٰ نے اس کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ یا کیا اس پیشگوئی میں موسیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہمی سمجھوتے کا دخل ہے۔ اگر یہ پیشگوئی زمین و آسمان کے خدا کی طرف سے تھی جو دو ہزار سال کے بعد ٹھیک اُسی طرح تہاڑی آنکھوں کے سامنے پوری ہوئی تو تمہارا فرض تھا کہ تم دوڑتے ہوئے آتے اور اس موعود کے آگے اپنے سر جھکا دیتے تاکہ تم بھی اُن رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاتے جو اُس پر ایمان لانے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مگر تم نے موسیٰ کی اس تعلیم انسان پیشگوئی کی بھی پردہ نہ کی اور جب وہ موعود آگیا جس کا دو ہزار برس سے انتظار کیا جا رہا تھا تو تم سب پہلے اُس کے منکر ہو گئے اور اُس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہ پیشگوئی جو استسنا باب ۱۸ میں کی گئی ہے اپنی تفصیل کے لحاظ سے اس قدر اہم ہے کہ اس پر جتنا بھی غور کیا جائے اتنا ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نقشہ انسان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ یہ پیشگوئی میں سب پہلی بات تو یہ بتائی گئی تھی کہ یہ انجوالا موعود بنی اسرائیل میں سے نہیں بلکہ اُن کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے آئے گا۔ دوسری بات یہ بتائی گئی تھی کہ وہ موسیٰ کی

طرح صاحب شریعت رسول ہو گا۔ اور اُس کے واقعات زندگی موسیٰ کے واقعات زندگی کے ساتھ ملتے جلتے ہونگے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ

”میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی پر پا کر دوں گا۔“

اللہ یہ ظاہر ہے کہ وہ موسیٰ کی مانند نبی اُس وقت تک نہیں کہلا سکتا جب تک وہ موسیٰ کی طرح صاحب شریعت نہ ہو۔ اور اُس کے واقعات زندگی بھی موسیٰ سے ملتے جلتے ہوں۔ دوسری بات یہ بتائی گئی تھی کہ خدا تعالیٰ اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالے گا۔ یعنی اس کا الہام لفظی ہو گا۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کے حکم کو وہ اپنے الفاظ میں بیان کر دے۔ جو تھی بات یہ بتائی گئی تھی کہ

”جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔“

یعنی باوجود اس کے کہ اُس کی شدید مخالفت ہوگی اور خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے پر اُسے ہر قسم کے خطرات لاحق ہونگے پھر بھی وہ ایک نڈر اور بہادر انسان کی طرح خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو پہنچاتا چلا جائیگا۔ اور اس راستہ میں کسی خطرہ کی پردہ نہیں کرے گا۔

پانچویں بات یہ بتائی گئی تھی کہ اس پیشگوئی کا موعود نبی اپنی تعلیم کو خدا تعالیٰ کا نام لیکر دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔ جس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اس کا کلام شرک کی کامل طور پر تردید کرنے والا ہو گا۔

چھٹی بات یہ بتائی گئی تھی کہ جو لوگ اُس کی تعلیم کا انکار کریں گے وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کا مورد بنیں گے۔

ساتویں بات اس میں یہ بتائی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص انصاف کے طور پر اس پیشگوئی کا اپنے آپ کو مصداق قرار دے گا۔ تو وہ قتل کر دیا جائیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بائبل کے اردو تراجم میں اس جگہ یہ الفاظ ہیں کہ

”وہ نبی قتل کیا جائے“ مگر یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ انگریزی بائبل میں اس جگہ یہ الفاظ ہیں کہ He shall die یعنی وہ ہلاک ہو گا۔ نہ یہ کہ وہ قتل کیا جائے۔ جیسا کہ اردو بائبل میں ہے۔

پیشگوئی کے ان تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی شخص مصداق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ

(۱) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ مقدس موعود ہیں جو بنو اسحاق کے بھائیوں یعنی بنو اسمعیل میں پیدا ہوئے۔

(۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ مقدس موعود ہیں جنہوں نے مومنوں کی مانند ہونے کا دعویٰ کیا اور جن کے متعلق خداوند تعالیٰ نے کہا کہ اِنَّا اَرْسَلْنَا الْكَافُرَ رُسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْنِكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رُسُوْلًا۔

(مزل غ) یعنی ہم نے تمہاری طرف تم میں سے ہی ایک مقدس انسان کو اُسی طرح رسول بنا کر کھڑا کیا ہے جس طرح فرعون کی طرف ہم نے مومنوں کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ چنانچہ جس طرح

حضرت موسیٰ کو تو رات دی گئی جو ایک شریعت کی کتاب تھی اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دیا گیا۔ جو ایک کامل شرعی قانون ہے۔ پھر آپ کے زندگی کے واقعات بھی مومنوں کے واقعات سے ملنے جلتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح

مومنوں کے بعد امت موعود کی اصلاح اور تجدید دین کے لئے متواتر محمد بن اور انبیاء آتے رہے اور آخرتہ سو سال کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کا آپ کا خلیفہ نائب بنا کر بھیجا گیا اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر صدی میں

محمد بن کے ظہور کی خبر دی۔ پھر آپ نے یہ بھی بتایا کہ آخر میں مسیح موعودؑ آئیگا جو اسلام کے مروج اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا موجب ہو گا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ایمان تریا پر بھی چلا گیا تو ایک فارسی الاصل انسان اُسے واپس لے آئیگا۔ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ جمعہ)

(۳) پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مقدس موعود ہیں جن کے موبہ میں خدا تعالیٰ کا کلام ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ وَمَا يَنْفَعُ عِبْرٰنَ الْاٰهْوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحٰی (نجم غ) یعنی محمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے خدا تعالیٰ کے منشاء کو الفاظ کا جامہ نہیں پہناتے بلکہ صرف وہی الفاظ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں جو وحی کی شکل میں آپ پر نازل کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک نام کلام اللہ بھی رکھا گیا ہے۔ (بقرة غ) کیونکہ اس میں شروع سے لیکر آخر تک صرف کلام اللہ ہی ہے۔ لیکن باقی انبیاء کی کتب میں خدا تعالیٰ کا کلام کم اور بندوں کا کلام زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۴) پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ مقدس موعود ہیں جنہوں نے دنیا کی شدید غمی لعنت کے باوجود خدا تعالیٰ کا کلام ہلاکم و کاست لوگوں کو پہنچا دیا۔ چنانچہ حجتہ الوداع کے موقع پر جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنََكُمْ (مائدہ غ) آج میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے تو آپ نے تمام مسلمانوں کو دوبارہ اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلائی اور آخر میں فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَدَّلْتُ عِبْرٰنَ اِلٰی اِلٰہِیِّیْنَ نے تیرا پیغام پوری طرح پہنچا دیا ہے؟ اور سب مسلمانوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو گواہ رکھ کر کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم سب کو پہنچا دیا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام)

(۵) پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ مقدس موعود ہیں جن کی الہامی کتاب کا ہر باب اس آیت سے شروع ہوتا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ گویا ہر مسلمان جب کسی سورۃ کی تلاوت کرتا ہے تو اُس کی آنکھوں کے سامنے مومنوں کی پیشگوئی آجاتی ہے

وَلَوْ لَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے کسی مصیبت کے آنے پر

فَيَقُولُوا إِنْ بَنَّا لَوْلَا أَمْرٌ سَلَّتِ الْيَنَابِرُ سُلًّا فَتَنْتَبِعَ

کہیں گے۔ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیتوں کے

آيَتِكَ وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾

پچھے چلتے اور مومنوں میں سے بن جاتے (تو شاید ہم بھیجے مگر کفار پر حجت قائم کرنا ضروری تھا) ۱۹

کہ اس آنے والے موعود پر جو کلام نازل ہو گا وہ اُسے خدا کا نام لے کر دنیا کے سامنے پیش کرے گا

(۶) پھر کہا گیا تھا کہ جو لوگ اس تعلیم کا انکار کریں گے

وہ اس جرم کی پاداش میں خدا تعالیٰ سے سزا پائے بغیر نہیں رہیں گے

چنانچہ پیشگوئی کا یہ حصہ بھی اسی شان سے پورا ہوا۔ اور

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے والے تباہ

اور برباد کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ جیسے

عظیم الشان بادشاہوں کی فوجیں مسلمانوں سے ٹکرائیں اور خدا

تعالیٰ نے انہی حکومتوں کو پاش پاش کر دیا۔

(۷) پھر کہا گیا تھا کہ جو شخص انفرادی طور پر اپنے

آپ کو اس پیشگوئی کا معذرت قرار دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے

ہلاک کر دیا۔ اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پیشگوئی

کا یہ حصہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت دنیا

کے سامنے واضح کر رہا ہے۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ کو

ہلاک کرنے کے لئے دشمنوں نے اڑی جوئی کا زور لگایا اور

ہر ناجائز سے ناجائز طریق اختیار کرنے میں بھی کوئی کسر نہ

چھوڑی مگر خدا تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور دشمن آپ کا

بال تک ہیکا نہ کر سکا۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! جب

طور پر ہم نے موئی کو تیرے آنے کی خبر دی تھی تو کیا تو اس وقت

موئی کے ساتھ تھا اور کیا تو نے اُسے اس پیشگوئی پر آمادہ کیا

کیا تھا؟ یہ کام تو صرف عالم الغیب خدا کا تھا جس نے

دو ہزار سال پہلے تیرے آنے کی خبر دیدی۔ مگر ان لوگوں کو

کیا ہو گیا کہ یہ ان پیشگوئیوں سے بھی کوئی فائدہ نہیں

اٹھاتے اور تیرا انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ آنا

لبا زمانہ پہلے یہ پیشگوئی اس لئے کی گئی تھی کہ بعد میں آنے

والے اس نبی کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت حصہ پائیں

اور تاکہ اُسے محمد رسول اللہ: تو اس قوم کو بھی خواب غفلت

سے بیدار کرے مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءَ

پاس تجھ سے پہلے کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا۔ یعنی

اہل مکہ کو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کفار مکہ حضرت ابراہیم

کی نسل میں سے تھے مگر حضرت ابراہیم ان سے صدیوں پہلے

گزر چکے تھے۔ اسی طرح حضرت اسماعیل بھی اس وقت بعوث

ہوئے جبکہ ابھی ان کی نسل ملک عرب میں نہیں پھیلی تھی پس

ضروری تھا کہ کوئی نیا نبی آکر ان کو خدا تعالیٰ کی طرف

توجہ دلائے اور انہیں توحید حقیقی پر قائم کرے۔

۱۹ تفسیر: — فرماتا ہے کہ اگر ہمیں

یہ خیال نہ ہوتا کہ ان لوگوں کو اپنے بُرے اعمال کی

وجہ سے کوئی عذاب پہنچا تو یہ فوڑا کہہ دیں گے۔ کہ

اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ

بس جب انکے پاس ہماری طرف سے حق آیا۔ تو انہوں نے کہا کیوں اس (یعنی محمد رسول اللہ) کو ایسی تعلیم نہیں ملی

مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۖ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ

جیسی کہ موسیٰ کو ملی تھی۔ کیا انہوں نے موسیٰ کی تعلیم کا اس سے پہلے انکار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے تو کہہ دیا تھا کہ

قَبْلُ قَالُوا اسْحَابُ تَظْهَرَاتٍ وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كَافِرُونَ ﴿۲۹﴾

یہ دو بڑے جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور کہہ دیا تھا کہ ہم ان میں سے ہر ایک کے دعویٰ کے منکر ہیں۔

آپ کی قوم آپ کی پاک تعلیم سے فائدہ اٹھاتی اور آپ پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی داد دیتی اس نے ایک نیا اعتراض کر دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ موسیٰ کی طرح کی کوئی کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں نہیں اتاری گئی۔ یعنی میں طرح موسیٰ پر اکٹھی کتاب اتاری تھی اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں نہیں اتاری۔ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن کریم نے اس اعتراض کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ کفار یہ اعتراض کہتے ہیں کہ لَوْ لَمْ نُنَزِّلْ لَكَ الْكِتَابَ لَكُنْتَ مِنَ الْفُتَرَاءِ (قرآن آیت ۳۳) ہر قرآن ایک دفعہ ہی کیوں نازل نہیں کر دیا گیا۔ بلکہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے کیوں اتارا گیا ہے حالانکہ ان کی یہ بات بالکل غلط تھی کہ موسیٰ پر اکٹھی کتاب اتاری ہے۔ جتنے عرصہ میں قرآن کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے اس سے بہت زیادہ عرصہ میں توورات موسیٰ پر اتری ہے۔ چنانچہ بائبل کے بیان کے مطابق شروع میں توورت دس احکام موسیٰ پر نازل ہوئے لیکن باقی توورات کئی سالوں میں مکمل ہوئی۔ اور دشت سینا کے مختلف مقامات میں اس کی متعدد آیات آئیں۔ پس یہ اعتراض تو غلط ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا کہ اگر تمہاری یہ بات درست بھی مان لی جائے کہ اکٹھی کتاب

بھیجا۔ ہم ذیل اور خواہ ہونے سے پہلے تیرے احکام کی تعمیل کرتے اور یوں بن جاتے تو ہم ان پر رسول بھیجنے کے بغیر ہی عذاب نازل کر دیتے۔ اس آیت کی یہ جزا کہ ہم ان پر رسول بھیجنے کے بغیر ہی عذاب نازل کر دیتے۔ اس جگہ محذوف کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے بعض اور مقامات میں بھی جزا محذوف ہے اور بتایا گیا ہے کہ اگر نبی نہ آئیں تو قوموں پر رحمت تمام نہیں ہوتی اور وہ خدا تعالیٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ تو نے ہم میں نبی نہیں بھیجا اس پر ہمارے محدود نہیں۔ اگر ہم میں نبی آتا تو ہم اس کے احکام کی تعمیل کر کے تیری رضا حاصل کر لیتیں اور چونکہ یہ ایک معقول عذر ہوتا اس لئے ہم نے سلسلہ نبوت جاری کیا ہے۔ اور اسی کے مطابق اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اگر ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی آیات کی اتباع کرنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بجائے ظلم اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا تو موسیٰ کی پشت گوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو جائیگا اور پھر ان کا شور مچانا بیکار ہو جائیگا۔

۲۹۔ تفسیر۔ اس آیت میں بتایا کہ محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر بجائے اس کے کہ

قُلْ فَاتُوا بَكْتَبٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا

نو کہدے کہ اگر مومن اور ایمان والے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کی باتیں جھوٹی ہیں تو اگر تم مجھے جو تو اللہ کے پاس سے ایک ایسی

اتبعه ان كنتم صديقين ۵۰

کتاب لاؤ جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت دیتی ہو تاکہ میں اس کی اتباع کروں ۵۰

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ

پھر اگر وہ کوئی جواب نہ دیں۔ تو جان لے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب انسان ایک سچائی کا انکار کرتا ہے تو اسے دوسری سچائی کا بھی لانا انکار کرنا پڑتا ہے۔ جب انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا تو چونکہ مومنوں کے کلام میں آپ کے متعلق پیشگوئیاں پائی جاتی تھیں اس لئے انہیں مومنوں کا بھی انکار کرنا پڑا اور انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سب جھوٹ اور فریب کا ایک جگڑے جو چلایا جا رہا ہے۔ اس میں ہمیں کوئی سچائی نظر نہیں آتی۔

۵۱ تفسیر فرماتا ہے۔ محمد رسول اللہ تم اپنے دشمنوں کو کہو کہ تورات کا تو اس لئے انکار ہوا کہ وہ انکھی نازل ہوئی تھی اور قرآن کا انکار اس لئے ہوا کہ وہ کھڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوا ہے تو اب تم کوئی ایسی کتاب لاؤ جس نے دنیا میں ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت پھیلائی ہو اور کسی تیسرے طریق پر نازل ہوئی ہو مگر تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے کیونکہ تم جھوٹے ہو۔ باقی رہا میں مومنوں تو ہر صداقت کو ماننے کے لئے تیار ہوں۔ تم کوئی صداقت میرے سامنے لاؤ پھر دیکھو کہ میں اسے ماننا مومن یا نہیں ماننا۔

نازل ہوتی تو تم مان لیتے تو سوال یہ ہے کہ مومنوں کو ان کے مخالفوں نے کب مان لیا تھا؟ اس پر تو تمہارے نزدیک انکھی کتاب بُتری تھی۔ مگر اس کے زمانہ کے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا کہ بسخنن تظاہرنا ہارون اور موسیٰ دو بڑے جلدو گر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں اور کہہ دیا تھا کہ اِنَّا بِكُلِّ كَذِبٍ مِّنْهُمْ مَوْحِيْنَ ہم مومنوں کے بھی منکر ہیں۔ اور ہارون کے بھی۔ یعنی گو یہ کتاب انکھی بُتری ہے مگر پھر بھی ہم انکار کرتے ہیں۔ پس اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی انکھی قرآن اُترتا تو تم نے کب مان لینا تھا تم پھر بھی اعتراض کرتے چلے جاتے۔

بسخنن تظاہرنا میں مومنوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ یعنی جب ان کے تمام اعتراضات کو واضح طور پر رد کر دیا جاتا ہے اور ان کا ہودا پن کھل جاتا ہے تو وہ جھنجھلا کر کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہم مومنوں کو بھی نہیں مانتے مومنوں بھی نعوذ باللہ جھوٹا تھا اور تم بھی نعوذ باللہ جھوٹے ہو تم بار بار مومنوں کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہو اور مومنوں اپنی کتاب میں تمہارے متعلق پیشگوئیاں کرتا ہے۔ پس درحقیقت تم دونوں ہی جھوٹے ہو جو ایک دوسرے کی تائید کر رہے ہو۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ

اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کی ہدایت کو نظر انداز کر کے اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ

یقیناً ظالم قوم کو کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا۔ ۵۲ اور ہم اُن کے

وَصَلَّاهُمْ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۲﴾

لئے پے در پے دہی آمارتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۵۳

میں نے انہیں بجلی اور ہدایت کے راستے پر چلائے کی کوشش نہ کی ہو۔ چنانچہ جب ہم مختلف اقوام کے متعلق تحقیق کرتے ہیں تو وہ سب کی سب اس بات کی متفقہ طور پر تائید نظر آتی ہیں کہ اُن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی صالح ضرور آیا تھا۔ جب ہم ہندوؤں سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں معصرت کرشن اور راجندر جی خدا تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ہم عیسائیوں سے پوچھتے ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بتاتے ہیں۔ ہم یہودیوں سے پوچھتے ہیں تو وہ حضرت موسیٰ اور ہارون کا نام بتاتے ہیں۔ ہم ایرانیوں سے پوچھتے ہیں تو وہ حضرت زرتشت علیہ السلام کا نام بتاتے ہیں۔ ہم چینیوں سے پوچھتے ہیں تو وہ حضرت کنفیوشس کا نام لیتے ہیں۔ ہم یونانیوں سے پوچھتے ہیں تو وہ سقراط کا نام لیتے ہیں۔ غرض کوئی قوم ایسی نہیں جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے سامان نہ کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جیسے

عرب کا خدا ہے دیا ہی وہ ہندوستان اور چین اور شام اور مصر اور ایران اور یونان کا بھی خدا ہے۔ جب اُس نے تمام دنیا کی جماعتوں کو پورا کیا ہے تو وہ اُن کی روحانی ضرورتوں کو کس طرح نظر انداز کر سکتا تھا جبکہ رُوح کی حفاظت جسم کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری تھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے اسی احسان کی طرف

۵۲ تفسیر:- فرماتا ہے۔ اگر وہ میرے اس مطالبہ کو پورا نہ کریں۔ تو مجھے معلوم ہو جائیگا کہ یہ لوگ کسی سچائی کی تلاش میں نہیں بلکہ جو بھی پرانگندہ خیال اُن کے دل میں آتا ہے اُسے ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور پرانگندہ خیالات اور خواہشوں کے پیچھے چلنے والا تو نہایت گمراہ اور ظالم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو کبھی کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا۔

۵۳ تفسیر:- وَصَلَّاهُمْ الْقَوْلَ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم اُن کے لئے پے در پے اپنے رسول بھیجتے رہے ہیں۔ یا پے در پے اُن کے لئے کلام الہی نازل کرتے رہے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ہم نے اس قول یعنی قرآن کریم کو اُن کے لئے مربوط طور پر نازل کیا، یعنی سارے قرآن میں ایک اعلیٰ درجہ کی ترتیب پائی جاتی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

پہلے مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ آیت اُس مغرب کی حال ہے جو اللہ تعالیٰ نے وَإِنْ جُنَّ امَّةٌ إِلَّا خَلَّاهَا نَذِيرًا یا أَرْسَلْنَا رَسُولًا مُّسَلِّمًا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ زُخْرًا میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی دنیا کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے رسول معینا دہا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا تعالیٰ کا کوئی ہادی اور راہنما نہ گذرا ہو۔ اور

توجہ دلائی ہے کہ ہم نے ہمیشہ اپنی مخلوق پر رحم فرمایا اور اُس کی ہدایت کا خیال رکھا اور اُس کی طرف پئے درپئے اپنے رسول بھیجے۔ پئے درپئے اُن کے لئے دھی نازل کی تاکہ کوئی شخص نادانستہ طور پر ہلاک نہ ہو۔

دوسرے صفحے اس آیت کے یہ ہیں کہ ہم نے اس قول یعنی قرآن کریم کو ایسا بنایا ہے کہ اُس کی ہر آیت دوسری آیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور اُس کے تمام معنایں میں نہایت اعلیٰ درجہ کی ترتیب پائی جاتی ہے مگر انصاف کے مسلمانوں نے ترتیب قرآن کے مسئلہ کو ہی نظر انداز کر دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ بخود اللہ یہ ایک بے جوڑ کلام ہے جس کا اُس میں کوئی تعلق نہیں۔ گویا اُن کے نزدیک مسلمانوں کو یہ تو ایمان رکھنا چاہئے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ انسانی کلام میں جو یہ خوبی ہوتی ہے کہ اُس میں ربط پایا جاتا ہے وہ اُس میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے مفسرین میں سے ابن حقیق کے صواکشی نے ترتیب کے مسئلہ کی طرف توجہ نہیں کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات میں قرآن کریم کی فیضیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اُس میں ایک اعلیٰ درجہ کی ترتیب پائی جاتی ہے۔ تاکہ لوگ اس پر غور کر کے ضیحت حاصل کریں۔ لیکن یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ الہامی کتابوں کی ترتیب عام کتابوں کی ترتیب سے جداگانہ رنگ رکھتی ہے۔ عام کتابوں میں تو یہ ہوتا ہے کہ مثلاً پہلے مسائل دُعا بیان کئے جائیں گے۔ پھر سُن عبادت بیان کئے جائیں گے۔ پھر ایک باب میں مسائل نکاح بیان کئے جائیں گے، اسی طرح کسی باب میں طلاق و خلع کا اور کسی باب میں کسی اور چیز کا ذکر ہوگا۔ مگر الہامی کتابوں میں یہ رنگ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کی ترتیب بالکل اور قسم کی ہوتی ہے۔ جو دنیا کی ترتیب کے بالکل نرالی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جاہل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کہ اُس میں کوئی ترتیب ہے ہی نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ الہامی کتابوں میں دُنیا

کی تمام کتابوں سے نرالی ترتیب کیوں دکھی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُس میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔

(الف) اس ترتیب سے سارے کلام سے دلچسپی پیدا کرنی مد نظر ہوتی ہے۔ اگر الہامی کتاب کی ترتیب اس طرح ہو جس طرح مثلاً ہدایہ کی ترتیب ہے کہ دُعا کے مسائل یہ ہیں۔ نکاح کے مسائل وہ، تو عام لوگ اپنے اپنے مذاہب کے مطابق انہی حصوں کو الگ کر کے اُن پر عمل کرنا شروع کر دیتے اور باقی قرآن کو نہ پڑھتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سارے مسائل کو اس طرح پھیلا کر رکھ دیا ہے کہ جب تک انسان سارے قرآن کو نہ پڑھے مکمل علم اسے حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

(ب) لوگوں کو غور و فکر کی عادت ڈالنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ ترتیب اختیار کی ہے۔ اگر عام کتابوں کی طرح اس میں مسائل بیان کر دیئے جاتے تو لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہوتا کہ ان مسائل کے بارے میں مطالب بھی ہیں۔ وہ صرف سطحی نظر رکھتے اور غور و فکر سے محروم رہتے۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کو اس طرح پھیلا دیا ہے اور ایک دوسرے میں داخل کر دیا ہے کہ انسان کو اُن کے نکات کے لئے غور اور فکر کرنا پڑتا ہے۔ اور اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک سمندر ہے۔

(ج) یہ ترتیب اس لئے بھی اختیار کی گئی ہے۔ تا خشیت الہی پیدا ہو۔ مثلاً اگر یوں مسائل بیان ہوتے کہ دُعا یوں کرو اور کُلی اس طرح کرو۔ عبادت اس طرح کرو اتنی رکعتیں پڑھو تو خشیت الہی پیدا نہ ہوتی۔ جیسے عبادت وغیرہ کے تمام مسائل قدوسی اور ہدایت وغیرہ میں موجود ہیں مگر قدوسی اور ہدایت پڑھ کر کوئی خشیت اللہ پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن وہی مسئلہ جب قرآن میں آتا ہے تو انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی خشیت سے سیریز ہو جاتا، اس لئے کہ قرآن ان مسائل کو خشیت اللہ کا ایک جز بنا کر

بیلین کرتا ہے۔ اور دراصل نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ سب کا اصل مقصد تقویٰ ہی ہے۔ پس قرآن تقویٰ کو مقدم رکھتا ہے۔ تاکہ جب انسان کی یہ کہا جائے کہ وضو کرو تو وہ وضو کرنے کیلئے پہلے ہی تیار ہو۔ اسی طرح جب کہا جائے کہ نماز پڑھو تو انسان نماز پڑھنے کیلئے پہلے ہی تیار ہو۔ اگر قرآن میں نماز کا ایک باب ہوتا تو اسے پڑھ کر خشیت اللہ پیدا نہ ہوتی۔

غرض الہامی کتاب چونکہ اصلاح کو مقدم رکھتی ہے اس لئے وہ سطحی ترتیب کو چھوڑ کر ایک نئی ترتیب اختیار کرتی ہے جو جذباتی ہوتی ہے۔ یعنی قلب میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں الہامی کتاب ان کا ذکر کرتی ہے یہ نہیں کہ وہ وضو کے بعد نماز کا ذکر کرے بلکہ وہ وضو سے روحانیت طہارت اور خدا تعالیٰ کے قرب کی طرف انسان کو متوجہ کرے گی۔ کیونکہ وضو سے طہارت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں پھر جب نماز کا مسئلہ ابھگا تو یہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے سبب بیان کرنا شروع کرے بلکہ سجدہ اور رکوع کے ذکر سے جو جذبات انسانی قلب میں پیدا ہوتے ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ تاکہ جو جذبات بھی انسان کے اندر پیدا ہوں ان سے ایسا اثر لے جو اسے خدا تعالیٰ کے قریب کرے۔

غرض ترتیب ذکر ان ظاہر پر مبنی نہیں بلکہ قلب کے جذبات کی گہروں پر مبنی ہے۔ اور یہ لہریں مختلف ہوتی ہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے ایک مثال دے دیتا ہوں۔ کہتے ہیں کسی مسجد کا کھانا ایک دن جماعت کرانے لگا۔ تو اس نے دیکھا کہ مقدسی آسمانہ حال ہیں۔ اس پر نماز میں ہی اسے خیال آیا کہ اگر یہ مجھے تجھے تجھے تجھے دینا چاہتے ہیں تو میرے پاس بہت سامان اکٹھا ہو جائیگا۔ پھر جب مال جمع ہو جائیگا تو اس کے بھائی سامان خرید دینگا۔ خوب تجلوت کر دینگا۔ کبھی دلی میں اپنی اشیاء لے جاؤں گا کبھی کلکتے چیزیں لے جاؤں گا۔ غرض

وہ اس طرح خیالات دوڑاتا چلا گیا۔ پھر ہندوستان اور بخارا کے درمیان اس نے تجلوت کی سکیم بنائی شروع کر دی۔ بظاہر وہ رکوع اور سجدہ کر رہا تھا مگر خیالات کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ ایک بزرگ بھی ان مقتدیوں میں شامل تھے۔ ان پر کشفی حالت طاری ہوئی اور انہیں امام کے تمام خیالات بتا دیئے گئے۔ اس پر وہ نماز توڑ کر الگ ہو گئے۔ جب اس نے نماز ختم کی تو وہ ان پر ناراض ہوا اور کہنے لگا تمہیں معلوم نہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے اسے بلاوجہ توڑا نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگے مسئلہ تو مجھے معلوم ہے مگر میری محنت کچھ کمزور ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلا اور دلی تک گیا پھر دلی سے بخارا گیا اور میں تھک کر رہ گیا اور چونکہ سنانے بے سفر کی میں برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے آپ سے الگ ہو گیا۔ اب پروردہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اب یہ بے ہودہ خیالات تھے جو اس کے دل میں پیدا ہوئے مگر ان خیالات میں بھی وہی ترتیب دی جو اس کے جذبات قلب کی تھی۔ یہی حال نیک خیالات کا ہے اور وہ بھی اسی رنگ میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً تم سجدہ میں گئے اور تم نے سُبْحَانَ رَبِّیْ اَلَا تُعَلِّیٰ کہا۔ تو اگر اس وقت تمہارا دل بھی حاضر ہے تو اللہ تعالیٰ کی ستویمیت کا نقشہ تمہارے سامنے آئے گا ہے گو اس وقت تمہارے مونہ سے دوسری اور تیسری دفعہ بھی سُبْحَانَ رَبِّیْ اَلَا تُعَلِّیٰ نکلتا رہتا ہے مگر تمہارا دل پہلے سُبْحَانَ رَبِّیْ اَلَا تُعَلِّیٰ کو ہی چھوڑنے کو نہیں چاہتا یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتے ہو اور تمہارا دل اس وقت حاضر ہوتا ہے۔ تو اس وقت حمد کے ماتحت اللہ تعالیٰ کے احسانا تمہارے سامنے کیے بعد دیگرے تسلسلہ شروع ہو جاتے ہیں اور تم انہی احسانات کی یاد میں محو ہو جاتے ہو۔ اب اگر ایسی حالت میں تم کسی کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو تو گو تم میں کتنا اقتدار بھی سجدہ کر دے گا کبھی رکوع میں جاؤ گے اور مونہ سے سُبْحَانَ رَبِّیْ الْعَظِیْمِ وغیرہ بھی کہو گے۔

وَالَّذِينَ

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۳﴾

وہ لوگ جن کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر (دل میں) ایمان رکھتے ہیں۔

وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اور جب وہ (یعنی قرآن) اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ ہمارے رب کی طرف سے

سَرِّينَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۵۴﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ

جنت کا نام ہے ہم تو آج سے پہلے ہی اس (کتاب کے معانی) کے متبع تھے (تو غنیمت) ان لوگوں کو ان کا

أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَعُونَ بِالْحَسَنَةِ

بلکہ اُن کے صبر کی وجہ سے دو دفعہ ملے گا اور وہ نیکی سے

وہ کہتے ہیں یہ کیا ہوا کہ ابھی موئی کا ذکر تھا پھر نوح کا ذکر شروع کر دیا۔ پھر شعیب کے حالات بیان ہونے لگ گئے۔ ابھی مود کا ذکر تھا کہ ساتھ نماز کا ذکر آگیا۔ اُن کے نزدیک یہ باتیں ایسی بے جود ہوتی ہیں کہ وہ انکا آپس میں کوئی تعلق سمجھ ہی نہیں سکتے۔ مگر وہی معنوی جب کسی عالم کے پاس پہنچتا ہے تو وہ شستہ ہے اور مردھنا ہے۔ اگر کہو کہ پھر اس کا علاج کیا ہے؛ تو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا پہلا علاج تو یہ ہے کہ انسان سارے کلام کو پڑھے اور بار بار پڑھے۔ یہ نہیں کہ کوئی خاص حصہ چن لیا اور اُسے پڑھنا شروع کر دیا۔ دوسرے جن لوگوں کا جذبہ محبت ہر وقت کال رہتا ہے اُن کے لئے تو یہ کافی ہے کہ وہ صبح یا شام کا وقت تلاوت کیلئے مقرر کریں۔ مگر جن کا جذبہ محبت ایسا کامل نہ ہو وہ صبح یا شام کو تلاوت کرنے کے علاوہ خصوصیت سے اُس وقت بھی تلاوت کیا کریں جب اُن کے دل میں محبت کے جذبات ابھر رہے ہوں چاہے وہ پہرہ کو ابھری یا کسی اور وقت۔ سوچم قرآن کریم کو اس یقین کے ساتھ پڑھا جائے کہ اس کے اندر بیکھر

مگر تہاد سے دل پر حمد ہی جاری ہوگی۔ تو قلوب پر بعض روحانی واردات آتی ہیں اور وہی حقیقی نماز ہوتی ہیں۔ اس وقت انسان گو الفاظ مومنہ سے نکال رہا ہوتا ہے مگر اُسکے جذبات روحانیت کے لحاظ سے ایک خاص واسطہ پر چل رہے ہوتے ہیں۔ پس وہ واردات جو انسانی قلب پر آتی ہیں قرآن کریم کی ترتیب اس پر مبنی ہے۔ وہ نماز کے بعد روزہ کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری یہ آیت پڑھنے کے بعد کیا کیا خیالات انسان کے اندر پیدا ہونگے پس وہ خیالات جو اس کے فہم میں انسانی قلب میں پیدا ہو سکتے ہیں قرآن کریم اُن کو بیان کرے گا۔ پس قرآن کریم کی ترتیب اُن جذبات پر ہے جو قرآن کریم پڑھتے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا چونکہ خدا نے عالم غیب جانتا تھا کہ فلاں آیت یا فلاں حکم کے فہم میں کس قسم کے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں اس لئے بکائنات ظاہر کی ترتیب کے اُس نے قرآن کریم کی ترتیب ان جذبات پر رکھی جو قلب مومن میں پیدا ہوتے ہیں مگر اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلتا ہے کہ جو لوگ محبت اور اخلاص سے قرآن مجید کو نہیں پڑھتے انہیں یہ کتاب بیکھلی ملامت ہوتی،

السَّيِّئَةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۵۵﴾ وَإِذْ أَسْمِعُوا

بدی کا مقابلہ کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس کو خرچ کرتے ہیں۔ اور (سیدہ زینبؓ کو جب سلمانؓ کوئی نغبات

اللَّغْوِ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

سُنَّتے ہیں تو اُس سے اعراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں (اے کافرو!) ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے

أَعْمَالُكُمْ زَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۵۶﴾

عمل تمہارے لئے ہیں۔ تم پر سلامتی نازل ہو (یعنی خدا تعالیٰ ایمان نصیب کرے) ہم جاہلوں کے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے۔ ۵۶

تفسیر:- فرماتا ہے۔ وہ لوگ جن کو قرآن کریم سے پہلے مرنے نام کے طور پر کتاب میں لی بلکہ حقیقی طور پر ملی ہے اور اُس پر سچا ایمان رکھتے ہیں وہ قرآن کریم کی سچائی پر بھی صدق دل سے ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ خود ان کی کتاب میں قرآن کریم کے متعلق پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں چنانچہ جب اُن کے سامنے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے تو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ یقیناً ہمارے رب کی طرف سے ایک سچی کتاب ہے اور ہم اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے فرماں بردار رہے ہیں اور اب بھی اس کے فرمانبردار ہیں۔

كُلُّ لَئِيْلٌ يُؤْتُونَ اٰجِرَهُمْ مِّمَّا صَبَرُوْا
فرماتا ہے۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ یہ نونہ دکھائیں گے اور اس کی وجہ سے اپنی قوم سے مختلف قسم کی تکلیفیں پائیں گے اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا اجر دیا جائیگا۔ یعنی ایک تو اس بات کا اجر کہ وہ تورات پر قائم رہے اور دوسرا اس بات کا اجر کہ انہوں نے قرآن کریم کو مان لیا یا ایک تو وہ اجر جو دنیا میں اُن کو دیا جائیگا اور دوسرا وہ اجر جو اگلے جہان میں دیا جائیگا۔

صَبَرُوْا میں بتایا کہ اُن کو یہ دوسرا اجر اُن کے صبر کی وجہ سے دیا جائیگا۔ صبر کے عربی زبان میں تین

نواہ ہے جو شخص خیال کرتا ہے کہ جو کچھ ملنا مجھے اس کا مطلب بتائیں گے یا جو کچھ پہلی تفسیروں میں لکھا ہوا ہے وہیں تک اس کے معارف ہیں اس کے لئے یہ کتاب بند رہتی ہے مگر جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ اس میں علوم اور معارف کے غیر محدود خزانے موجود ہیں۔ اس کیلئے یہ کتاب مگر کا ایک بھری کمران ثابت ہوتی ہے۔ جس طرح اگر تم کسی جنگل میں سے گذر رہے ہو تو تمہارے سامنے ہزاروں درخت آئیں گے مگر تم کسی کو غور سے نہیں دیکھو گے۔ لیکن اگر محکمہ جنگلات کا کوئی افسر معائنہ کرنے کے لئے آجائے تو وہ بیسیوں نئی باتیں معلوم کر لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اس نیت سے قرآن پڑھتا ہے کہ یہ غیر محدود خزانہ ہے اور اس کی ترتیب نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ مگر جو اس نیت سے نہیں پڑھتا وہ فائدہ اٹھانے سے محروم رہتا ہے۔

۵۷ حل لغات:- يَذْرَؤْنَ: ذَرَعَا
فعل مضارع جمع مذكر غائب کا صیغہ ہے اور ذَرَعَا (ذَرَعُوْا ذَرَاةً) کے معنی ہیں ذَرَعَةً۔ اُس کو ہٹایا۔ ذَرَقِيلٌ ذَرَعَةً شَدِيدًا اللہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ذر سے ہٹانے کے ہیں (اترے) پس يَذْرَؤْنَ کے معنی ہونگے وہ سختی سے ہٹاتے ہیں۔

يَذْرَؤْنَ

معنی ہوتے ہیں۔ اَوَّلُ - گناہ سے بچنا۔ دَوِّمُ - نیک اعمال پر استقلال سے قائم رہنا۔ سَوِّمُ - تکالیف پر شکوہ اور جزع و فزع کے انہما سے اجتناب کرنا۔ پس صَبْرٌ وَا کْرَمٌ کہ بتایا کہ یہ لوگ اس لئے دوسرے اجر کے مستحق ہیں کہ یہ ہمیشہ گناہوں سے بچتے رہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے اُس کے امور کی آواز پر لبیک کہہ دیا۔ دوسرے یہ لوگ اُس لئے دوسرے اجر کے مستحق ہیں کہ یہ نیک اعمال پر استقلال سے قائم رہے۔ اور خدا تعالیٰ کو ان کی یہ نیکی ایسی پسند آئی کہ اُس نے انہیں اس دوسری نیکی کی بھی توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر لیا۔ تیسرے یہ لوگ اس لئے دوسرے اجر کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تورات کو مان کر بھی دشمنوں سے بھینٹیں نہیں اور اب قرآن کریم کو مان کر بھی اپنی قوم کی لعن طعن کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ مگر ان تمام تکالیف کے باوجود ان کی زبانوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا۔ بلکہ ہمیشہ یہ اپنے رب کی رضا پر راضی رہے۔ پس یہ نیکیاں ایسی نہیں جو منافع ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نیک اعمال کا اس جہان میں بھی بدلہ دیکھا اور آخرت میں بھی انہیں اپنی رضا کا مقام عطا فرمایا۔

پھر بتایا کہ اہل کتاب میں بعض اور خوبییں بھی ہیں چنانچہ ایک خوبی تو یہ ہے کہ جَزَدُوْذُنَ بِالْحَسَنَةِ النَّبِيِّۦۖ وہ بدی کو نیک سلوک کے ساتھ دور کرتے ہیں یعنی اَوَّلُ بدی کو مٹانے کے لئے وہ اپنا نیک نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور اس طرح لوگوں کو جرأت دلاتے ہیں کہ بدیوں سے بچنا کوئی مشکل کام نہیں اگر ہم نے بدیوں کو ترک کر دیا تو تمہارے لئے اُن پر غالب آنا کوئی مشکل امر ہے۔ دَوِّمُ وہ نیکی پھیلانے کے لئے متواتر دھڑ بھیت سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ برائیوں کا

لوگوں کے ذہنوں سے خود بخود استیصال ہوتا چلا جائے۔ اور برائیوں کی شناخت اُن کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ سَوِّمُ وہ بدی کو مٹانے کے لئے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جو نیک نتائج پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ یعنی اگر عفو میں اصلاح دیکھیں تو دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں۔ اور اگر مجرم کی اصلاح سزا کے بغیر نہ ہو سکتی ہو تو اُسے سزا دیتے ہیں۔ تورات کی طرح نہ ہر موقعہ پر انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ انجیل کی طرح ہر مجرم کو معاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ وہ موقع اور محل کو دیکھ کر بدی کو اُس طریق سے دور کرتے ہیں جو اچھے نتائج پیدا کرنے والا ہو۔

چہارم وہ ظلم کے مقابلہ میں ظلم اور بے انصافی کے مقابلہ میں بے انصافی اور تورات کے مقابلہ میں تورات سے کام نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ سچائی اور انصاف اور خدا ترسی کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اور بدی کے مقابلہ میں بھی نیکی ہی اختیار کرتے ہیں۔

دوسری خوبی یہ بتائی کہ وَجَسَّاءَ زَنُفٰرَہُمْ یَنْفِقُوْنَ۔ ہم نے اُن کو جو کچھ دیا ہے اُس کی فروغ کرتے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ نے انہیں جو بھی نعمت عطا فرمائی ہے وہ اسے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کرتے ہیں۔ وہ غرباء کے لئے صرف اپنا دھرم ہی صرف نہیں کرتے بلکہ ہم نے اُن کو جو کچھ بھی دیا ہے اُس کا ایک حصہ وہ دوسروں کے لئے ہمیشہ فروغ کرتے ہیں۔ عربی زبان میں رَزَقَ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا کردہ چیز کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مالی بھی رزق میں شامل ہے۔ علم بھی رزق میں شامل ہے۔ طاقت بھی رزق میں شامل ہے۔ رزق بمعنی اناج بھی رزق میں شامل ہے۔ وقت بھی رزق میں شامل ہے۔ غرض ہر وہ چیز جس سے انسان کو کسی نہ کسی رنگ میں فائدہ پہنچتا ہو وہ رزق ہے پس وَجَسَّاءَ زَنُفٰرَہُمْ یَنْفِقُوْنَ فرما کر اس طرف توجہ دلائی گئی

بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں نے اپنی تائی صاحبہ مرحومہ کو دیکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ اُن کی انتہی پچاسی سال کی عمر ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ سارا سال روٹی کاتیں۔ پھر مایاں بناتیں پھر حوٹا ہوں کو دے کر اُس کا کپڑا بنواتیں اور پھر رضائیاں اور نوشکیں بنوا کر غریبوں میں تقسیم کرتیں۔ اور اس میں سے بہت سا کام وہ خود اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ اور جب کہا جاتا کہ دوسروں سے کرو لیا کریں تو کہتیں اس طرح مرا نہیں آتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دی ہوئی ہر چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہوگا۔ وہ لوگ جو کسی غریب کو چند پیسے دیکر کچھ تھے ہیں کہ ہر مل جو گیا وہ غلطی کرتے ہیں۔ جو شخص پیسے تو خرچ کرنا ہو مگر باجیلین نہیں کرتا وہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس حکم پر پوری عمل کر لیا یا جو تیلین کرتا ہو مگر یواں اور میوں کی خدمت نہیں کرتا وہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس حکم پر پوری عمل کر لیا ہے۔ اسی طرح اپنے جذبات کو بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً کسی پر غصہ چڑھا تو معاف کر دیا۔ اس حکم میں خدمت خلق بھی تعلق رکھنے والے مختلف قسم کے کام بھی شامل ہیں جن کی طرف ہماری جماعت کے نوجوانوں کو خصوصیت سے توجہ کرنی چاہیے اور مذہب و ملت کے امتیاز کے بغیر تمام بنی نوع انسان کی احمدی معیار کے مطابق خدمت کرنی چاہیے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

تیسری غریبی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ وَإِنَّمَا سَبِّحُوا اللَّهَ خَوْفًا غَضُوبًا عَلَيْهِمْ وَهَآؤُنَا أَنَّمَا تَلَكُمُ الْآخِلِيَّةُ حَقًّا لَّكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا حَظٌّ مِّمَّا كَرَمَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَكُمُ الْآخِلِيَّةُ حَقًّا لَّكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا حَظٌّ مِّمَّا كَرَمَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَكُمُ الْآخِلِيَّةُ حَقًّا لَّكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا حَظٌّ مِّمَّا كَرَمَ اللَّهُ لَكُمْ

جب وہ خدا نے واحد کا انکار کر دیا تو اس سے عراض کر لیتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ تم ہماری دشمنی کیوں کرتے ہو۔ ہمارے اعمال کا بدلہ ہم کو ملے گا اور تمہارے اعمال کا بدلہ تم کو ملے گا۔ ہم تو تمہارے خیر خواہ ہی ہیں لیکن ہم کسی

کہ خدا تعالیٰ انسان کو جو کچھ بھی دے۔ اُسے لوگوں کے نادمہ کے لئے خرچ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص مہر تو جانتا ہے لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مہر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو تم اس کی سرمایہ سے مدد کرو۔ جس کے پاس کھانے کو نہیں ہے اُس کو تم کھانے کے لئے دو۔ جس کے پاس پینے کو نہیں ہے اُسے پینے کے لئے دو۔ جس کے پاس پہننے کو نہیں ہے اُسے پہننے کے لئے مہیا کرو۔ اسی کے مطابق ایک عظیمہ حضرت عظیمہ اول رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ قرآن کریم پڑھتا جا رہا تھا۔ وہ منہ سے بھی پڑھتا تھا۔ آنکھوں سے بھی الفاظ کو دیکھتا تھا اور انگلی بھی الفاظ کے ساتھ ساتھ قرآن کریم پر پھیرتا جاتا تھا۔ کسی نے اُسے کہا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ مینوں چیزیں مجھے خدا تعالیٰ نے دی ہوئی ہیں۔ اگر میں صرف زبان سے قرآن کریم پڑھوں گا تو خدا تعالیٰ کے گناہوں اور آنکھوں سے کیوں کام نہ لیا۔ اگر میں زبان اور ہاتھوں کو استعمال نہ کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ کہیں گے آنکھوں کو کیوں نہ استعمال کیا۔ اور اگر صرف آنکھوں سے قرآن کریم پڑھوں گا اور زبان اور ہاتھ نہ ہاؤں گا تو خدا تعالیٰ کہیں گے ان سے کیوں نہ کام لیا۔ اس لئے میں ان تینوں اعضاء کو ایک ہی وقت میں استعمال کر لیتا ہوں۔

غرض اللہ تعالیٰ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی یہ غریبی بیان فرماتا ہے کہ اُن کے دلوں میں بنی نوع انسان کی اتنی گہری محبت ہے کہ انہیں جو کچھ بھی ملے اس کا ایک حصہ دوسروں کی فلاح و بہبود کے لئے ضرور صرف کرتے ہیں۔ وہ صرف دوسرے دے کر یہ نہیں سمجھ لیتے کہ انہوں نے خدمت کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ہر چیز میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور اس طرح اُن کے معیار زندگی کو

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ

تو جس کو پسند کرے ہدایت نہیں دے سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۵۴﴾

جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ بہت زیادہ جانتا ہے۔ ۵۴

وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نَخْلَفُ

اللہ وہ کہتے ہیں اگر ہم اس ہدایت کی جو تجھ پر نازل ہوتی ہے اتباع کریں تو اپنے ملک سے

مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا

اُنکے لئے جائیں گے۔ (تو کہہ دے) کیا ہم نے اُن کو محفوظ اور امن والے مقام میں جگہ نہیں دی۔

آج کا یورپین اور امریکن نوسلم بھی اس لغو میں
لوٹ ہے۔ کاش وہ نصیحت حاصل کریں اور
اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

۵۴ تفسیر:- فرماتا ہے محمد رسول اللہ

میں اللہ علیہ وسلم تو جس کو چاہے اُسے ہدایت
نہیں دے سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے پسند کرتا ہے
اُسے ہدایت دے دیتا ہے۔ اور خدا ہی جانتا ہے
کہ کون لوگ ہدایت کے مستحق ہیں۔ یعنی تو توبہ
دنیا کا خیر خواہ ہے۔ اور چاہتا ہے کہ سب
کو ہدایت میسر آجائے۔ مگر تیری یہ خواہش
پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت
ہے کہ وہ اُنہی لوگوں کے لئے ہدایت کے سامان
پیدا کرتا ہے جو خود ہدایت کے جویاں ہوتے
ہیں۔

جہاں خلق غیبی کی صحبت پسند نہیں کرتے۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلی کتاب میں سے
ایمان لانے والے لوگوں کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے کہ
وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج مسلمان
بھی جن کی کتاب قرآن ہے اور یورپین امریکن نوسلم
بھی جن کا اس آیت میں ذکر ہے سینما اور تھیٹروں
کی طرف جلتے ہیں۔ اور لغو سے اعراض کر نیکی بجائے
لغو سے محبت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت کے
اختلاف کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور تعصبات مٹانے
کے سارے مرد و عورت کے اختلاف کا ہی نتیجہ
ہوتے ہیں۔ اگر وہ اختلاف نہ کریں اور اگر وہ مل کر
بچیں نہیں تو نفع بن ہی نہیں سکتی۔ نفع اسی طرح
نفعی ہے کہ مرد بھی ناچتے ہیں اور عورتیں بھی
ناچتی ہیں اور نفع تیار ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز
اسلامی نقطہ نگاہ سے ناجائز ہے۔ مگر آج کا
مسلمان بھی اس لغو پر جان دے رہا ہے اور

يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا

جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں۔ یہ ہماری طرف سے عطیہ ہے۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۸﴾

مگر ان میں سے اکثر جانتے نہیں۔ ۵۸

تَخْلُفُ

۲۶ حل لغات - تَخْلُفُ

تَخْلُفُہ کے معنی میں اَنْتَرْعَا۔ اُس کو جگہ سے ہٹا دیا
وَاجْتَذَبَهُ اور اُسے کھینچا۔ وَاسْتَوَقَهُ وَاسْتَلَبَهُ
وَمَرَدَهُ سَرِيعًا اُسے اُچک لیا اور جین کر ہلکی
سے چلا گیا (اُتار دیا) پس تَخْلُفُہ کے معنی ہونگے
ہم اُچک لے جائیں گے۔

يُجْبَىٰ

يُجْبَىٰ: جَبَىٰ يُجْبَىٰ (جَبَا بَه) جَبَا يُجْبَوُا
(جَبَوُا وَجَبَا ذَا) سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد
مذکر غائب ہے اور جَبَا الْخَزَائِجِ وَجَبَى الْمَالِ
وَالْخَزَائِجِ کے معنی ہیں جَمَعَهُ مال اور خراج اکٹھا
کیا۔ الْجَبَايَةُ الْخَزَائِجُ الَّذِي يُجْبَىٰ فِيهِ الْمَالُ
لِلرَّحْلِ۔ جَبَايَہ اُس حوض کو کہتے ہیں جس میں اونٹوں
کے لئے پانی جمع کیا جاتا ہے۔ (اُتار دیا) پس يُجْبَىٰ
کے معنی ہونگے جمع کیا جاتا ہے۔

تفسیر:- فرمایا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے دشمن اُن سے کہتے ہیں کہ اگر ہم بھی تیرے
ساتھ مل کر اسلام کو مان میں تو توگ ہم کو اُچک کر
لے جائیں۔ یعنی تیری تعلیم تو امن والی ہے اگر ہم بھی امن
کا راستہ اختیار کریں تو ارد گرد کی قومیں ہمیں خود
تباہ کر دیں گی۔ اور ہمیں غلام بنا کر لے جائیں گی۔
اللہ تعالیٰ اُن کو جواب دیتا ہے کہ کیا ہم نے اُن کو
حرم میں جسد نہیں دی۔ جو محفوظ اور امن والا مقام
ہے۔ اور جس کی طرف ہر قسم کے پھل کھینچے جاتے

آتے ہیں۔ جو ہماری طرف سے بطور رزق اور عطیہ کے
ہیں۔ لیکن افسوس اُن میں سے اکثر سمجھتے نہیں اور یہ
نہیں جانتے کہ جس خدا نے ابراہیمؑ کے زمانہ سے کلمہ
کو حرم قرار دیا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے۔
جس نے ابراہیمؑ کے لشکر کو تباہ کر دیا اور بیت اللہ کو
محفوظ رکھا۔ اور جو ایک بے آب و گیاہ جنگل
میں ساری دنیا کے پھل اور غلے لاد رہا ہے کیا اس
زمانہ کی آئی ہوئی ہدایت کے ماننے پر وہ انکی حفاظت
نہیں کرے گا۔ اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔
یعنی یہ کیسی ناجائز کی علامت ہے کہ باوجود اس کے کہ
وہ ابراہیمؑ کے زمانہ سے خدا تعالیٰ کے اس عظیم انسان
نشان کو دیکھ رہے ہیں کہ جہاں گھاس کی ایک پتی تک
نہیں پائی جاتی اور جہاں معمولی روٹی بھی انہیں کھانے
کے لئے میسر نہیں آسکتی تھی وہاں دنیا بھر کے عمدہ
سے عمدہ میوے اور اعلیٰ سے اعلیٰ پھل خدا تعالیٰ نے
جمع کر دیئے ہیں۔ پھر بھی وہ اس خیالی خطرہ کی وجہ سے
کہ ارد گرد کی قومیں انہیں توجہ کر کھا جائیں گی اسلام کو
قبول کرنے سے محروم ہو رہے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا
اتنا بڑا نشان دیکھنے کے باوجود وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جو
شخص خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے کسی
ضائع نہیں کرتا۔ اگر وہ اسلام کو قبول کریں تو جس خدا
نے ابراہیمؑ کے زمانہ سے اُن کی تابعدار فرمائی ہے وہ انہیں
ایک بے آب و گیاہ جنگل میں اپنی نعمتیں پہنچائی ہیں۔ وہ

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا

اور بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جو اپنی معیشت کے افراط کی وجہ سے شکستہ ہو گئی تھیں۔

فَتِلْكَ مَسَكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ

پس (دیکھ) یہ اُن کی بستیاں ہیں جن میں اُن کے بعد کوئی نہیں

إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۹﴾ وَمَا

رَبُّكَ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۹﴾ وَمَا

كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ

تیرا رب جب تک کہ کسی بستیوں کے مجموعہ کی مرکزی بستی میں ایسا رسول نہ بھیج دے جو اُن کے سامنے

فِي أَمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَ

ہماری آیتیں پڑھ کر نہ سُنائے اُن بستیوں کے مجموعہ (یعنی ملک) کو ہلاک کر نیک اور نیکاب نہیں کر سکتا تھا اور کوئی

وَعِنْدَ بَعْضِهِمْ سَمَرَةٌ حَقٌّ فَتَكْذِبُ عَنْ قَوْلِهِ

اور بعض نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ اُس نے اُن چیز

کو حق نہ سمجھا جس کی بنا پر اس کے قبول کرنے میں کبریا

اور بَطَرٌ فَلَمَّا نَالَتْ النِّعْمَةَ كَفَرَتْ بِهَا

فَكَفَرَتْ بِهَا نِعْمَتُكَ وَكَفَرَتْ بِهَا نِعْمَتُكَ وَكَفَرَتْ بِهَا

کی نافرمانی کی۔ اور اَبْطَرُہُ اَمَالُہُ کے معنی میں جَعَلُہُ

بَخْرًا۔ مال نے اس کو شکستہ بنا دیا۔ (اقرب) پس

بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا کے معنی ہیں۔ بستیاں اپنی معیشت

کے افراط کی وجہ سے شکستہ ہو گئیں۔

تفسیر:- فرمایا۔ اُنہیں اپنی اس عزت کی

وجہ سے جو ابراہیم و عاؤں کی وجہ سے حاصل ہے غرور

نہیں ہونا چاہیے۔ دُنیا میں بہت سی بستیاں ایسی ہیں

جو اپنی معیشت کے سامانوں کے افراط کی وجہ سے شکستہ

میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ مگر پھر دیکھ لو تمہارے سامنے

اب بھی اُن کی حفاظت کے سامان پیدا کر دیا اور اُن کے دشمنوں کو اُن پر غالب نہیں آنے دیا۔

۵۹ حل لغات :- بَطَرَتْ : بَطَرُ

(يَبْطِرُ بَطْرًا) کے معنی ہیں اَخَذَتْہُ ذَهَبًا وَ

خَيْرًا لَا عِنْدَ هَؤُلَاءِ النِّعْمَةُ عِنْدَ الْبِقَايَةِ يَحْقُقُهَا۔

نعمت کی فراوانی پر اس کے حقوق کی ادائیگی میں لا اُمالی

اور بے پرواہی برتنے لگا۔ اَوْ طَعْنِي بِالنِّعْمَةِ اَوْ

عِنْدَہَا۔ تیرا اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ نعمت کے سبب

مے یا نعمت کی موجودگی میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور

مگرش بن گیا۔ نَزَرَ بَطَرُ الشَّيْءِ اَعْنِے ہیں کہ وہ

مِنْ غَيْرِ اَنْ يَسْتَحِقَّ اَلْكَوَاهَ۔ یعنی یہی چیز کو

نا پسند کیا جو نا پسندیدگی کے لائق نہیں تھی۔ کہتے ہیں۔

بَطَرُ الْحَقِّ اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ تَكْذِبُ عَنْہُ

كَلَمًا يَقْبَلُہُ۔ حق سے تکبر کیا اور اُسے قبول نہ کیا۔

بَطَرَتْ

مَا كُنَّا مُهِيكِي الْقُرَى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظِلْمُونَ ﴿٦١﴾

ہم کسی بستیوں کے مجموعہ (یعنی ملک) کو کبھی ہلاک نہیں کرتے سوائے اس کے کہ ان کے رہنے والے ظالم ہو جائیں ۵۲۸

اُن کے گھر موجود ہیں جو اُڑ گئے۔ اور اُن کے بعد اُن میں کوئی نہ رہا۔ اور ہم ہی اُن ملکوں کے وارث ہو گئے یعنی اُن کی اولادیں تک باقی نہ رہیں اور اُن کے آباد مکانات ویران اور سنسن جھلکات کی طرح بن گئے پھر مکہ ملے کیون نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اور محض خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق پر کیوں اترا دے ہیں۔ اور کیوں سچائی کو قبول نہیں کرتے جو اصل چیز ہے۔

۲۸ تفسیر :- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے

یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ جب تک کسی ملک کے مرکزی مقام پر یعنی اس مقام پر جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں دین کا مرکز ہونے کے لائق ہو، اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا جو اس ملک کے لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کرے اُس وقت تک خدا تعالیٰ اُس ملک پر عذاب نازل نہیں کیا کرتا۔ اور نہ خدا تعالیٰ کبھی کسی ملک کو اُس وقت تک ہلاک کرتا ہے جبکہ اس ملک کے رہنے والے انصاف پسند ہوں۔ عذاب صرف تو م کے ظالم ہو جانے کی وجہ سے یا نبی کے رد کرنے کی وجہ سے آتا ہے۔ اسی

مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ طہ میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنَاهُمْ بَعْدَ اٰیٰتِنَا مِنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا نُوْحٌ اَرْسَلْت الْاٰیٰتِنَا رَسُوْلًا فَتَتَّبِعْ اٰیٰتَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَذِلَّ وَتَخْزٰی (طہ ۷۸) یعنی اگر رسول کی بعثت سے پہلے ہم ان پر عذاب نازل کر دیتے تو یہ ہم پر اعتراض کرتے کہ جب ہم گمراہ تھے اور ہدایت کے محتاج تھے تو تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں بھیجا کہ ہم ذلیل اور دھوا ہوئے سے پہلے ترے احکام کو قبول کر لیتے۔ اور خدا تعالیٰ ان کے اعتراض

کو صحیح تسلیم کرتا ہے اور اس کا رد نہیں کرتا۔ بلکہ اس ممنون کو
قرآن کریم کے متعدد مقامات پر بیان کر کے اس کی اہمیت کو
ثابت فرماتا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نُرْسِلُ
رُسُلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّدُنَا مِّنْ
لِّقَآءِ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوا اَشْهَدُ نَا عَلٰى اَنْفُسِنَا وَ
عَزَّ ثَمَمُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ
اَنَّهُمْ كَاٰنُوْا كَاٰفِرِيْنَ هٰذَا اَنَّ لَمْ يَكُنْ رَّبُّكَ
مُهْلِكَ الْاَنْفُسِ يَظْلِمُ وَ اَهْلًا عَلٰى خَلْقٍ (النجم ۷)
یعنی اے جنوں اور انسانوں کی جماعتو! کیا تم میں سے ہی تمہارا
پاس ہمارا رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں ہمارا احکام پڑھ کر
سناتے اور تم پر جو یہ دن آئے والا تھا اس سے تمہیں ڈراتے تھے
وہ کہیں گے ہم اپنے خلاف آپ کو گواہی دیتے ہیں۔ اور درحقیقت
انہیں درلی زندگی نے دھوکا دے دیا۔ اللہ انہوں نے اپنے
خلاف آپ کو گواہی دیدی کہ وہ کافر تھے۔ یہ (رسولوں کا
سبب) اور کفار پر رحمت قائم کرنا، اس نے تمہارے تیرا خدا
شہرہوں کو اس حالت میں کہ لوگ غافل تھے ظالمانہ طور
پر ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ہشیار کر دینے کے کچھ قوم کی ہلاکت کا فتویٰ لگا دینا ظلم ہے یا دوسرے مفلوں میں یہ کہ اگر کوئی قوم ہدایت کی محتاج ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کے لئے ہادی نہ بھیجے مین قیامت کے دن اُسے سزا دے کہ تم نے کیوں احکام الہی پر عمل نہیں کیا تھا تو یہ ظلم ہوگا اور اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہے کہ وہ مُوَلّت
تک کوئی عالمگیر عذاب دنیا پر نازل نہیں کرتا جب تک کہ

وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا

اور جو کچھ تمہیں دیا جاتا ہے وہ تو صرف دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اس کی زینت ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِأَلْبَابِهَا وَالْعَصَا نَقَطُهَا يَغْوَعُونَ. ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السِّنَّةِ الْحَسَنَةَ حَتَّى عَفَوْا وَثَانُوا كَذَّابِينَ ابْنَاءَنَا الْعَصَا أَوَّادَ السَّعَادَةِ فَآخَذْنَا هُم بِغَتَّةٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ یعنی ہم نے کبھی کوئی رسول کسی بستی کی طرف نہیں بھیجا کہ اس کے بھیجنے کے ساتھ ہی وہاں کے لوگوں کو ہم نے مال اور بدنی مصائب میں گرفتار نہ کیا ہو۔ اور اس سے ہماری غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کے حضور عاجزی کریں۔ پھر اس کے بعد ہم ان کی تکلیف کو سہولت سے بدل دیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ خوب تر بن کر جاتے ہیں تو یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ دُکھ اور سُکھ دونوں ہمارے باپ دادا کو بھی پہنچا کرتے تھے۔ پھر ان دکھوں میں نبیوں کی صداقت کا کیا ثبوت ہے! پس ہم ان کو اچانک پکڑ لیتے ہیں اور انہیں سمجھتے کہ ایسا کیوں ہوا (اعراف آیت ۹۵، ۹۶) پس یہ ایک خطرناک خیال ہے جو حق سے دور ہونے والے لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ حق یہی ہے کہ عالمگیر عذاب اُسی وقت اور اُسی زمانہ میں آتے ہیں جب پہلے کوئی رسول مبعوث ہو چکا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى بَعَثْنَا رَسُولًا یعنی ہم کبھی عذاب نہیں بھیجا کرتے جب تک کہ اس سے پہلے رسول نہ بھیج لیا کریں۔ پس یہ عذاب اس قابل نہیں کہ ان کو معافی سمجھا جائے بلکہ یہ اس بات کی

اس سے پہلے لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے وہ اپنا کوئی رسول مبعوث نہ کر دے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں بھی دنیا پر ایسی تباہیاں اور عذاب آ رہے ہیں کہ جنگلی اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے یہ عذاب اور تباہیاں بھی بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت کا ثبوت ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور جنہوں نے دنیا کو قبل از وقت ہوشیار کرتے ہوئے فرما دیا تھا کہ

”دنیا میں ایک اندیر آیا پر دنیا نے اسکو

قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُس کو قبول کرے گا۔

اور بڑے زور اور حملوں سے اُس کی سچائی

ظاہر کر دیگا۔“ (رواجیں، صفحہ ۵۵)

چنانچہ اس الہام کے بعد خدا تعالیٰ کے حملے مختلف زلازل اور لڑائیوں اور بیماریوں اور سیلابوں کی شکل میں اس زور سے ہوئے کہ ان کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ ہلاک ہو گئے۔ اور انہوں نے دنیا میں ہی قیامت کا نظارہ دیکھ لیا۔ مگر ان سوکس کہ اتنی شدید تباہیوں کے بعد بھی بعض لوگوں کے دل ایسے سخت ہو جاتے ہیں کہ وہ بڑی دلیری سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان زلازل اور طوفانوں اور بیماریوں اور لڑائیوں کا کیا ہے۔ یہ مصائب تو ہمیشہ دنیا میں آتے رہے ہیں اور چونکہ پہلے زمانوں میں بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں کے مقابلہ میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ اور ان کے نشانات کی تحقیر کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس اعتراض کا کبھی ذکر کر دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ :-

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۲۹﴾

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے کیا تم عقل نہیں کرتے۔ ۲۹

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنْ

کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا یعنی اخروی زندگی کی کامیابی کا وعدہ کیا ہو اور وہ اُسے دیتا ہو یا اپنے والا ہو اُس شخص کی

مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے صرف دنیوی زندگی کا کچھ سامان دیا ہو۔ پھر وہ قیامت کے دن (خدا کے دوبرو

مِنَ الْمُحْضَرِّينَ ﴿۳۰﴾

جواب دی کے لئے) پیش کیا جانے والا ہو۔ ۳۰

۳۰ تفسیر:- اس آیت میں بتایا کہ جس

شخص کو اللہ تعالیٰ دنیوی دولت دیتا ہے۔ وہ باوجود دنیا کی دولت پر قانع ہونے کے اُس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس سے اللہ تعالیٰ اُندہ روحانی برکات کا وعدہ کرتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ مومن ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے وعدے کو حاضر سے کہ نہیں سمجھتا۔ اور چونکہ اُس کا حاضر مادی ہے اور اس کا موعود روحانی ہے اس لئے اس کے ایمان کی علامت یہی ہو سکتی ہے کہ یہ اس موعود کو بڑا سمجھے اور اُس کے حاضر کو حقیر سمجھے۔

وَعَدْنَاهُ كَمَنْ لَاقِيهِ كَمَنْ لَاقِيهِ كَمَنْ لَاقِيهِ

اس لئے بڑھائے گئے ہیں کہ عربی زبان میں وعدہ کا لفظ بعض دفعہ عذاب کے لئے بھی استعمال ہو جاتا ہے جیسے

سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- وَنَادَىٰ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ ذُكِّرُوا

مَا وَعَدْنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعْلَمُ ۚ فَادْعُوا مَوْلَدَيْكُمْ يَنْذِرْهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (اعراف ۴۵)

علامت ہیں کہ اس وقت خدا تعالیٰ کا کوئی رسول مبعوث ہو چکا ہے۔

۲۹ تفسیر:- فرماتا ہے لوگ بعض دفعہ

اپنی نادانی سے دنیوی سامانوں کو ہی اپنی ترقی اور کامیابی کا معیار سمجھ لیتے ہیں اور وہ اسی پر اترتے پھرتے ہیں کہ ان کے پاس بڑا مال ہے یا انہیں بڑی عزت یا مسوخ حال ہے۔ حالانکہ وہ سامان بہت تھوڑے عرصہ کے لئے ان کے آرام کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق جو قوم کو ترقی ملتی ہے وہ تھوڑی سی تجارت یا تھوڑے سے سونے چاندی کا نام نہیں ہوتا بلکہ وہ اس سے بہت بہتر چیز ہے اور باقی رہنے والی ہے یعنی اقدار اور غلبہ۔

أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم عقل نہیں رکھتے کہ

اس بات کو سمجھ سکو اور انفرادی ترقی کی بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر تو ترقی کے حصول کی کوشش کرو۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ

اور (یاد کرو) جس دن وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) انکو بلائیگا پھر پوچھیگا کہ میرے شرعہ شرکاء کہاں ہیں جنکو تم

كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

میرے مقابل پر معبود قرار دیتے تھے۔ (تب) جن پر عذاب کی خبر پوری ہو چکی ہوگی کہیں گے۔

رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا، أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا

اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا تھا۔ ہم نے ان کو اسی طرح بہکایا تھا جس طرح

أَغْوَيْنَا، تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا

ہم خود بہک گئے تھے۔ آج ہم تیرے پاس اپنی گڑبادی سے برأت ظاہر کرتے ہیں وہ لوگ جملہ عبادت گذار نہیں تھے بلکہ

يَعْبُدُونَ ﴿۶۳﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ

پنے خیالوں کے پیچھے چلتے تھے) اور (جب یہ سب کچھ ہو جائیگا تو پھر ان سے کہا جائیگا کہ) اب تو تمہیں بہت لگجی ہو شاید اب تم کو اپنے

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ

شرعہ معبودوں کو بلانے کی طاقت ہو گئی ہو اگر ٹھیک ہو تو اب) اپنے جھوٹے معبودوں کو بلا کر دیکھ لو۔ اس پر وہ (لوگ) پھر ان (یعنی

تعلق رکھتا ہے۔

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُخْضَرِينَ

بتایا کہ اچھی بات تو وہی ہے جس کا انجام اچھا ہو لیکن

جس کو دنیا میں مال و متاع مل گیا اور قیامت کے دن

جواب طلبی کے لئے بلایا گیا تو وہ اس شخص کے برابر طرح

ہو سکتا ہے جس نے نیک سلوک کا وعدہ کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی یہ خوبی ہے کہ بسا اوقات بڑے

وسیع مطالب صرف صیغوں کے ذریعہ ہی ادا کر دیتا ہے

اسجگہ بھی مُخْضَرُونَ میں مجہول کا صیغہ استعمال کر کے

اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ خود تو حاضر ہونا نہیں

چاہیں گے لیکن جس طرح مجرموں کو ہتھکڑی لگا کر عدالت میں

یعنی غنی لوگ دوزخیوں سے کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب

نے جو وعدہ کیا تھا اس کو تو ہم نے سچا پایا۔ کیا تم نے

بھی اس وعدہ کو جو تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا تھا

سچا پایا ہے؟ اس پر دوزخی کہیں گے۔ ہاں ہاں! پس

ایک پکارنے والا ان کے درمیان زور سے پکارے گا کہ

ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔

پس چونکہ صرف وعدہ کا لفظ بعض دفعہ وعید کے

لئے بھی استعمال ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے

وَعْدَئِهِ کے ساتھ وَغَدَ احْسَنَ کے الفاظ بھی بڑھائیے

یہ بتانے کے لئے کہ اسجگہ وہ وعدہ مراد ہے جو مومنوں

کی آخر دی ترقی اور ان کے روحانی انعامات کے ساتھ

میں خود بہک گئے تھے۔ آج ہم تیرے پاس اپنی گڑبادی سے برأت ظاہر کرتے ہیں وہ لوگ جملہ عبادت گذار نہیں تھے بلکہ

وَسَاءُ الْعَذَابِ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَمْتَدُونُ ﴿۶۵﴾

اور (ساز کے ساز کے ساتھ مل کر خدا کی عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا دیکھ دینگے۔ کاش کہ وہ (اسکو دیکھ کر ہی) ہریت پا جاتے (مگر انہیں اس کی ایسا بھی

لایا جاتا ہے۔ اس طرح انہیں بھی کٹان کٹان لایا جائیگا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سنایا جائیگا۔

۱۳۱ تفسیر:- اس آیت میں ان شرک کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے۔ اور فرماتا ہے کہ میں دن کو بھی یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ مشرکوں کو بلائیگا اور کہیگا اِنَّ شُرَكَاءَ الَّذِيْنَ كُفَرْتُمْ تَرْجَمُوْنَ۔ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کے متعلق تم بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے۔ یعنی شریک تھے تو نہیں لیکن تم ان کو شریک قرار دیتے تھے۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ اِس پر وہ مزمومہ شریک جن کے خلاف ہمارے عذاب کی خبر پوری ہو چکی ہوگی کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ لیکن شرارتا گمراہ نہیں کیا بلکہ ہم خود بھی گمراہ ہو چکے تھے۔ آج ہم تیرے حضور اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ہوا و دوس کو انہوں نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا اس معنوں سے ظاہر ہے کہ سمجھک ایسے معبودوں کا

ذکر ہے جو دنیا میں شرارتیں کر کے لوگوں کو بہکا دیتے تھے۔ نہ کہ کسی غیر مرئی وجود کا۔ اور شریک سے مراد واقعہ میں خدا قرار دینا نہیں کیونکہ جن کو لوگ واقعہ میں خدا قرار دیتے ہیں وہ نہ تو خود گمراہ ہیں اور نہ کسی کو گمراہ کرتے ہیں بلکہ ان کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ لوگ ان کے متعلق کیا کہہ رہے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق آتا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ عَرَأَيْتَ قُلْتِ لِلنَّاسِ اتَّخَذُوْنِي وَاٰجِبِ الْاٰهْلِيْنَ مِنْ دُوْنِ اٰهْلِیْ کَیَا تُوْنِے لوگوں

یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا لو۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام جہاں اور جواب دیں گے وہاں ایک یہ جواب بھی دیں گے کہ دَکُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِيْ كُنْتُ اَنْتَ الْكَافِرُ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (سورۃ المائدہ آیت ۱۱۸) یعنی جب تک میں ان میں موجود رہا میں ان کا ٹٹلن رہا۔ مگر جب تو نے میری روح قبض کر لی۔ اور مجھے اپنی طرف بلا لیا تو تو ہی ان کا ٹٹلن تھا۔ میں نہ تھا۔ اور تو ہی ہر چیز کا حقیقی ٹٹلن ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ جنہیں عیسائی خدا قرار دیتے ہیں ان کو تو پتہ بھی نہیں کہ لوگ ان کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔ مگر آیت بتا رہی ہے کہ وہ شرکار کہیں گے کہ خدایا ہم نے ان لوگوں کو خود گمراہ کیا تھا اور اس وجہ سے کیا تھا کہ ہم خود بھی گمراہ ہو چکے تھے۔ پس یہاں ائمۃ الکفر مراد ہیں جو لوگوں کو اپنی دجاہت اور اپنے اثر اور دمنوع کی وجہ سے اپنے پیچھے جلاتے تھے۔ وہ یہ غدر چش کریں گے کہ خدایا ہم نے ان کو دہی باتیں سکھا دیں جن کو ہم سمجھا جھٹتے تھے اور یہ لوگ ان کو اس لئے مانتے تھے کہ خود ان کا اپنا دل چاہتا تھا ورنہ ہمارا ان پر کیا زور تھا۔

اس کے بعد ہر دوسری قسم کے معبودوں کے متعلق سوال شروع ہوگا جن کی لوگ واقعہ میں عبادت کیا کرتے تھے اور پرستش کرنے والوں سے کہا جائیگا کہ ان شرکوں کو اب بلاؤ اور انہیں کہو کہ وہ ہمیں اس مصیبت سے بچائیں وہ انہیں بچا دیں گے مگر انہیں معبود انکو کوئی جواب نہیں دینگے

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٦﴾

اور اُن (کو بھی یاد کر دو جب) خدا انکو پکارے گا اور کہے گا تم نے رسولوں کے وعظ کا کیا جواب دیا تھا ؟

فَعِمِّيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٧﴾

پس اس دن ساری دہلیس انہیں بھول جائیں گی - اور وہ ایک دوسرے کوئی سوال نہ کر سکیں گے

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ

پس جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لے لے اور صاحبِ عملِ صالح ہو گا کہ

أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٨﴾

وہ بار بار لوگوں میں شامل ہو جائے۔ ۳۲

اور خدا کی عذاب کی علامتیں اُن کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی -

لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ کاش یہ لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرتے اور شرک کا ارتکاب کر کے عذاب الہی کا مورد نہ بنتے -

۳۲ حل لغات - عِمِّيَتْ: عیبی سے

موت کا صیغہ ہے اور عیبی کے معنی ہیں ذہبِ بَعَصْرُ وَكُلُّهُ مِنْ عَفْئِهِ يَكْفِيهِمَا اس کی دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی - اور عیبی فُلَانٌ کے معنی ہیں ذہبِ بَعَصْرُ ثَلَاثِهِ وَجْهٌ - اس کے دل کی بصیرت جاتی رہی - اور وہ جاہل رہ گیا - عیبی عَفْئِهِ الْأَمْرُ کے معنی ہیں التَّبَسُّ وَاشْتَبَهَ وَصْنُهُ فَعِمِّيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ -

یعنی ساری چیزیں اُن پر مشتبہ ہو جائیں گی اور بھول جائیں گی اور عِمِّيَتْ الْأَنْبَاءُ عَنْ فُلَانٍ کہیں تو معنی ہوئے خَفِيَتْ - فلان شخص سے خبریں مخفی رہ گئیں - (اقرب)

تفسیر :- فرمایا - تم اس دوسرے وقت کو بھی یاد کر دو جبکہ اللہ تعالیٰ کفار کو اپنے سامنے حاضر کرے گا اور اُن سے پوچھے گا کہ جو رسول میں تمہاری ہدایت کے لئے بھیجے تھے تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا ؟ اس پر بجائے اس کے کہ وہ کوئی بات کریں جہنم کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ ایسے پریشان ہونگے کہ تمام خیالات اُن کے دماغ سے نکل جائیں گے اور انہیں کچھ یاد نہیں رہے گا کہ ہم کیا کچھ کرتے تھے بلکہ وہ ایسے گھبرا جائیں گے کہ ایک دوسرے سے بھی پوچھ نہیں سکیں گے -

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ - اِن جو لوگ توبہ کی توفیق پا گئے اور ایمان لے آئے اور اُس کے مطابق انہوں نے عمل بھی کئے وہ یقیناً اُس دن کامیاب ہونگے - عَسَىٰ کا لفظ گو اُمید کے معنی دیتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو پھر اس کے معنی یقین اور قطعیت کے ہوتے ہیں (تفسیر قرطبی جلد ۱۲ ص ۲۸۳) پس عَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ کے یہ معنی ہیں کہ ایسے لوگ یقیناً کامیاب ہوں گے -

عِمِّيَتْ

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ

اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اُن کو اس بارہ میں کوئی اختیار

الْخَيْرَةُ ۖ سُبْحَنَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٩﴾

حاصل نہیں اللہ (تعالیٰ) پاک ہے اور ان کی مشرکانہ باتوں سے بلند ہے۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٥٠﴾

اور تیرا رب اُس کو بھی جانتا ہے جس کو وہ سینہ میں چھپاتے ہیں اور اُسے بھی جے... ظاہر کرتے ہیں۔ ۱۳۳

کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص اور کمزوریوں سے نازک ہے اور بن لوگوں کے مشترک انہ عقائد اور خیالات سے بہت بالا ہے۔

ذَبْنَتْ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا بھی وہ کر دیا ہے جو تمہارے اور مادہ کو اولیٰ سمجھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو خالق الاشیاء نہیں بلکہ معنی روح اور مادہ کو جوڑ کر نئی نئی شکلیں قائم کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح تَرْبِیَّتْ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اُن نیچروں کا بھی رد کر دیا ہے جن کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں پیدا کر کے پھر چھوڑ دیا ہے اور اب اُس کا اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔ گویا اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی حیثیت خود مادہ ایک معمار کی سی ہے کہ جس طرح معمار مکان بنا کر اُس سے الگ ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس جہان کو تو پیدا کیا ہے مگر پھر اُس سے الگ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذَرْبُفَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَ یَخْتَارُ کہہ کر ان

۳۳ **صل لغات :-** اَلْخِيَرَةُ : خَار کا مصدر ہے اور خَارَ الرَّجُلُ عَلَى عَمْرٍاءَ کے معنی میں فَعْلَلَهُ اُس کو غیر نفعلیت دی۔ اور جب خَارَ الشَّيْءُ بِكَيْسٍ تو معنی ہوئے اِنْفَعَلَ۔ اُس کو کُچن لیا۔ اور خَارَ نَفْلَانَا فِي الْاَمْرِ وَبَيْنَ الْاَمْرَيْنِ کے معنی ہیں تَوَضَّعَ الْاَمْرُ الْاِخْيَارَ۔ دو کاموں میں اُس کو اختیار دیا۔ پس اَلْاِخْيَرَةُ کے معنی ہوئے۔ نفعلیت۔ افسار یا چُننا۔

تُكِنْتُ: اُنکے سے مضارع و اعدائے کا صنف ہے اور اُنکے الشی کے معنی ہیں ستر و خفیہ و غطاء و اخفاء۔ ایک چیز کو خفیہ میں چھپایا۔ اُنکے و قاء و کُل ماضی و ستر و اور کُن اس خفیہ و خفیہ کو کہتے ہیں جس میں چیزوں کو محفوظ کیا جائے اور انہیں چھپا کر رکھا جائے۔ و اقرب، پس تُکِنْتُ صَدُّ و دُحْر کے معنی ہونگے۔ وہ باتیں جن کو وہ اپنے مبینوں میں چھپاتے ہیں۔

تفسیر :- اس آیت میں بتایا کہ تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یعنی دنیا میں جس تفسیر کو چاہتا ہے جاری کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اُسے دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا کر دیتا ہے۔ لیکن ان کفار کے زعم و مشرکوں کو اس تفسیر و تبدل پر کچھ اعتبار حاصل نہیں۔ یہ اس بات

الْخَيْرَةُ

مَكِّيٌّ

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي

الحقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ابتدا میں بھی وہی تعریف کا مستحق تھا اور

الْأُولَى وَالْآخِرَةَ، وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۴۱﴾

آخرت میں بھی وہی تعریف کا مستحق ہوگا۔ سب بادشاہت اسی کے قبضہ میں ہے اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا۔ ۴۱

وحدانیت کا ثبوت یہ ہے کہ ابتدا و ادا انجام سب اسی کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جہاں جہاں اسکا ہاتھ کام کرنا دکھائی دیتا ہے وہاں تعریف کے پہلو ہی نکلتے ہیں اور پھر سب چیزیں آخر میں فنا ہو جاتی ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہتی ہے جو اس کی اہدیت کا ثبوت ہے۔

لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ میں حقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ رحمانیت آغاز کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور رحیمیت انجام کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ بنی نوع انسان کے تمام تعلقات خواہ خدا تعالیٰ سے ہوں یا بنی نوع انسان سے ان میں پہلا واسطہ رحمانیت سے ہی ہوتا ہے اور اس پر جتنا بھی غور کیا جائے اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ثابت ہوتی ہے۔ ماں بچے کو پیٹ میں رکھ کر اور پھر دودھ پلا کر بچے کی محسن سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اگر اس امر پر غور کیا جائے کہ پیٹ میں پرورش کے سامان کس نے پیدا کئے اور جہاتیوں میں دودھ کس نے بنایا تو اللہ تعالیٰ ہی حمد کا مستحق ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ بچے کی کفالت کرتا اور اس پر خرچ کرنے کی وجہ اس کا محسن سمجھا جاتا ہے۔ تین جن قوتوں سے وہ کماتا ہے اور جن سامانوں سے کام لیتا ہے انہیں وہ خود نہیں بناتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہی عطیہ جوتے ہیں۔ پس اصل تعریف اللہ تعالیٰ کی ہی ہوتی ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاتی ہے۔

■ اُن کی طرف اپنا رسول مبعوث کرتا ہے جو دنیا میں پھر ایک نیا تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ مشرک بھی تو بتائیں کہ اُن کے مروجہ شرکاء دنیا میں کیا کر رہے ہیں اور کون سے تغیرات ہیں جو ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور اگر وہ کوئی ایک تغیر بھی ایسا پیش نہیں کر سکتے جو اُن کے مروجہ شرکاء کی وجہ سے ظہور میں آیا ہو تو ان کا دوسروں کو مشرک باری ٹھہرانا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

پھر فرمایا: وَذَٰلِكَ يَخْلَعُ مَا تَكُونُ صُدُودُهُمْ وَ مَا يُحْلِسُونَ بَیْرُ لَدَبِ اُنْ كَے سینوں کی جھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور اُن تدبیروں کو بھی جانتا ہے جنہں وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ نہ اُن کے منصوبے اُن کے کسی کام آسکتے ہیں اور نہ اُن کی تدبیریں انہیں کامیابی کا موہنہ دکھا سکتی ہیں۔ زمین و آسمان کا خدا اب فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنی توحید کو دنیا میں پھیلائے اور شرک کو بٹا دے۔ پس اب شرک کی تائید میں ظاہری اور مخفی تدابیر انہیں کامیاب نہیں کر سکتیں۔

۴۲ تفسیر :- شرک کی تردید کیلئے بعد اللہ تعالیٰ توحید حقیقی کا مقام دنیا کے سامنے واضح کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ابتدا میں بھی وہی تعریف کا مستحق تھا اور آخرت میں بھی وہی تعریف کا مستحق ہوگا۔ تمام بادشاہت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا پڑیگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی

اسی کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ یَا بَنِي عَدْنٍ جَعَلْتُمْ زَمَانَكُمْ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ وَ تَسِيئْتُمْ انْتِقَابًا وَ تَحْزَلُ ابْنُوا اَجْعَلُوا۔

(تفسیر معالم التنزیل سورۃ ہود) یعنی جنم پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اس میں کوئی شخص بھی نہیں ہوگا اور نسیم منسا اس کے دروازوں کو کھٹکھٹائے گی۔ اسی وجہ سے جنموں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَ اجْعَلْ دَعْوَاهُمْ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۃ یونس آیت ۱۱) یعنی وہ آخر میں کیسی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے جس نے ہماری نیکیوں کو تباہ کر دیا کہ ایک ایک کی کا دس دس گنا بدلہ دیا۔ اور جس نے دوزخیوں کی نیکیوں کو بھی تباہ کر دیا کہ آخر وہ بھی جنت میں آگئے اور خدا تعالیٰ کی رضا انہیں حاصل ہوگئی۔

غرض لَسَ الْخَمْدُ فِي الْاَوَّلٰى وَالْاٰخِرَةِ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح ہر کام کے ابتدا میں اللہ تعالیٰ ہی حمد کا مستحق ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہی انسان کیلئے سامان مہیا کرتا ہے اور اگر اس کی طرف سے سامان مہیا نہ ہوں تو کوئی انسان کام نہیں کر سکتا۔ اسی طرح آخر میں بھی وہی حمد کا مستحق ثابت ہوتا ہے کیونکہ نتائج کا فہم وہی اسی کی طرف سے ہوتا ہے اور پھر اُس کی رحمت تھوڑی سی نیکیوں کو بطور بیج کے قبول کر کے بڑھاتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اُس کے نبیوں کا انکار کرنے والے اور جنم میں اپنے اعمال کی منرا بھٹکنے والے بھی اُس کی رحمت کے قیومیں آخر دوزخ سے نکل آئیں گے اور خدا تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لیگا۔ غرض اللہ تعالیٰ ہی اول ہے اور اللہ تعالیٰ ہی آخر ہے۔ اور ایک مومن اُس کے گرد اس طرح چکر کاٹ رہا ہوتا ہے جیسے حاجی حج کے ایام میں حجرا سود کے گرد حوات کرتے ہیں اور جہنم سے وہ چلتے ہیں وہیں آکر اپنا چکر ختم کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان خدا تعالیٰ کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے اور وہیں سے اُس کی

دنیا محسوس کی تعریف کرتی ہے مگر کیا کوئی شخص اپنی شکل خود بناتا ہے دنیا علم کی تعریف کرتی ہے مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ علم جن چیزوں سے پیدا ہوتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ نے بنائی ہیں اور جس حافظ سے یاد رکھا جاتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ نے بنایا ہوتا ہے۔ دنیا ذہن اور عقلمند لوگوں کی تعریف کرتی ہے مگر ذہن اور عقل دونوں کسب سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ یہ دونوں چیزیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں۔ پس حمد کا اصل مستحق وہی ہے جس نے وہ سامان پیدا کئے۔ کم عقل انسان خیال کرتا ہے کہ دنیا میں مخلوق کی تعریف ہو رہی ہے لیکن حقیقت سناس انسان جانتا ہے کہ یہ سب عقل کا حصہ ہے اصل تعریف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے۔ اور وہی اس کا مستحق ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ آخرت میں بھی وہی تعریف کا مستحق ہے یعنی وہ صفت رحمن ہی نہیں بلکہ رحیم بھی ہے اور رحیم کے معنی بار بار رحم کرنے والے کے ہیں۔ اور بار بار رحم کا سلسلہ بھی جاری رہ سکتا ہے جبکہ انسان کو ابدی زندگی عطا ہو۔ اور ہر انسان خواہ وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو آخر خدا تعالیٰ کی رحمت کی آغوش میں آجائے اور اُس کے گنہ معاف کر دیئے جائیں مسیحیت دنیا کے سامنے یہ عقیدہ پیش کرتی ہے کہ دوزخ ابدی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی صفیت رحیمیت اس عقیدہ کو رد کرتی ہے۔ کیونکہ پدیاں اگر اپنی جگہ پر کھڑی ہیں اور بار بار خدا تعالیٰ کا رحم نازل ہوتا رہے اور نیکیاں ترقی کرتی چلی جائیں تو یقیناً اس کا یہ نتیجہ نکلیگا کہ ایک دن ہر چہرہ کی نیکیاں اُس کی بدلوں سے زیادہ ہو جائیں گی اور جب نیکیاں طرہ جائیں گی تو ایسے شخص کو جہنم میں نہیں رکھا جاسکتا۔ وہ یقیناً جنت میں داخل کیا جائیگا۔ اور اس طرح آخر میں بھی اللہ تعالیٰ ہی تعریف کا مستحق ثابت ہوگا جس نے اپنی صفیت رحیمیت کے ماتحت دوزخیوں کی نیکیوں کو بھی بڑھایا اور ان پر اس طرح متواتر اور بار بار رحم نازل کیا کہ آخر وہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے مستحق ہو گئے۔

قُلْ أَمَرَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ الْبَیْلَ سَرْمَدًا

تو اُن سے کہہ۔ مجھے بتاؤ تو سہی اَر اللہ (تعالیٰ) تمہارے لئے قیامت کے دن تک رات کو

اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرِ اللّٰهِ یَا تِیْكُمْ

لبا کر دے تو اللہ کے سوا اور کون ہے جو تمہارے پاس

بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝۴۱

روشنی لائے گا؟ کیا تم سُنتے نہیں۔ ۴۱

مشرکین سے کہہ دے کہ رات بے شک ایک فائدہ بخش چیز ہے لیکن اگر رات کو خدا تعالیٰ قیامت تک کیلئے لمبا کر دے تو خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو تمہارے لئے سورج چڑھا سکتا ہے۔ تمہارے سوا معبود مل کر بھی رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں تبدیل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک لمبا حشر میں یہ کہا کہ خَافَ اللّٰهُ یُنَاقِیْ بِالْشَّمْسِ مِنَ الْمُشْرِیۡنَ خَافَ بِهَا مِنَ الْمُخْرِیۡنَ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۹) اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق کی طرف سے لاتا ہے تو اسے مغرب کی طرف سے آ۔ تو جُبُہْتَ الَّذِیْ کُفِّرَ وہ کافر جو آپ سے بحث کر رہا تھا مبہوت ہو کر رہ گیا اور اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ کیونکہ کوئی مشرک نہیں ہے جو یہ ماننا ہو کہ سورج کو اُس کا معبود چڑھاتا ہے۔ اگر وہ کہتا کہ تیرا خدا سورج کو مشرق سے نہیں چڑھاتا بلکہ میں چڑھاتا ہوں تو خود اُس کی قوم جو ستارہ پرست تھی اُس کی مخالفت ہو جاتی اور کہتی کہ کیا تو اپنے آپ کو سورج دیوتا سے بھی بڑا قرار دیتا ہے جو ایسا دعویٰ کر رہا ہے۔ پس اُس کیلئے خاموشی کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔

ابتدا ہوتی ہے اور وہی آخر میں جا کر گرتا ہے جیسے نہریں دریا سے نکلتی ہیں اور پھر دریا میں ہی جا پڑتی ہیں یا جیسے دھبہ ایک طرف سے کنوئیں سے پانی نکالتا جاتا ہے اور دوسری طرف پھر کنوئیں میں ڈوبنا شروع ہو جاتا ہے یہی حال مومن کا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ سے نکلتا اور پھر خدا تعالیٰ کی طرف واپس چلا جاتا ہے اور ہر حالت میں اُس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کی تعریف ہی جاری ہوتی ہے۔

اسی طرح لہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰذِیۡ وَالْاٰخِرَۃِ میں ایک یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کی تعریف ہوگی اور آخری زمانہ میں بھی جبکہ یاجوج ماجوج نکلیں گے اور اُن کو زیر کیا جائیگا خدا تعالیٰ کی تعریف ہوگی۔ اور اُس کی بادشاہت دنیا میں قائم کر دی جائے گی۔

۴۱ مل لغات :- سَرْمَدًا : السَّرْمَدُ

کے معنی ہیں اَلْاٰثِمُ۔ اَلْمِی۔ اَلْعَوِیْلُ مِنَ اللَّیْلِ یُقَالُ لَیْلٌ سَرْمَدٌ۔ وہیں یعنی لمبی رات۔ اَلتَّوَمِدُی مَا لَا اَوَّلَ لَہٗ وَلَا اٰخِرَ۔ سرمدی اس کو کہتے ہیں جس کی ابتداء اور انتہاء نہ ہو۔ (اتریش)

تفسیر :- فرمایا۔ اے محمد رسول اللہ! تو ان

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا

تو کہدے۔ مجھ بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ تعالیٰ دن کو قیامت کے دن تک تمہارے

إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ بَلِيلٌ

لہا کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات کو لے آئے۔

تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ

جس میں تم سکون پاؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ۳۶ اور یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے

لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا

تمہارے لئے رات اور دن بنائے ہیں کہ اس (یعنی رات) میں تم سکون حاصل کرو اور اس (یعنی دن) میں تم

مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۷﴾

اس کا فضل تلاش کرو تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ۳۷

اور سکون حال کہ اور دن میں دولت کا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو حاصل کرو۔ اور پھر یہ رات اور دن کا سلسلہ اس لئے بھی جاری کیا گیا کہ تم ہمیشہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ رات کے آنے پر بھی تمہارے اندر جذبہ شکر گزاری پیدا ہو اور دن کے آنے پر بھی تمہارے ذہن اللہ تعالیٰ کے شکر سے تر ہو۔ پھر جس طرح مادی عالم میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ اسی طرح روحانی عالم میں بھی ایک وقت انسان پر ایسا آتا ہے کہ جب اس پر بعض کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب اس پر بسلط کی حالت ہوتی ہے اور یہ تبض اور بسلط کا سلسلہ بھی رات اور دن کے سلسلہ کی طرح انسانی ترقی کے لئے ایک ضروری چیز ہے۔ اگر روحانی واردات میں بھی اتار چڑھاؤ کا سلسلہ جاری نہ ہو تو اس کی ترقی رک جائے اور

۳۶ تفسیر :- پھر فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ قیامت

تک کے لئے دن کو لہا کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو تمہارے لئے رات کا وقت لایگا جس میں تم آرام حاصل کر سکو۔ یہ دلیل بھی مشرکین پر تمام محنت کر فوالی ہے۔ مشرک لوگ موسیٰ کے ڈوبنے کو بھی کسی بت یا کسی معبود باطلہ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔

ان آیات میں رات کیلئے اَفَلَا تَبْصِرُونَ اور دن کے لئے اَفَلَا تُبْصِرُونَ کے الفاظ اس حکمت کے ماتحت رکھے گئے ہیں کہ رات کو انسان زیادہ برا بھلا کی بجائے کانوں سے کام لیتا ہے اور دن کو کانوں کی بجائے آنکھوں سے کام لیتا ہے۔

۳۷ تفسیر :- اس آیت میں بتایا کہ

اللہ تعالیٰ نے بڑے رحم سے کام لیتے ہوئے تمہارے لئے رات اور دن بنائے ہیں تاکہ رات کو سو کر تم آرام

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ

اور جس دن وہ ان کو پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے مزموم شرکاء جس کو تم (معبود)

تَزْعُمُونَ ﴿۵۵﴾ وَتَزْعُمَانَا مِنْ حُلٍّ أُمَّةٍ شَهِيدًا

خیال کرتے تھے۔ اور (اسوقت) ہم ہر ایک (شرک، امت میں سے) گواہ (کھڑے کریں گے) جو یہ لوگ معزز تھے تھے)

فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ

پھر ہم (ان سے) کہیں گے کہ ہنسی لاؤ (دلیلیں لاؤ) جس سے تم شرک کو جائز قرار دیتے تھے، تب وہ جان گئے کہ حاکم حق اللہ تعالیٰ

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵۶﴾

ہی کے پاس ہے۔ اور ان کا سب افتراء ان سے کھویا جائیگا۔ ۵۶

کی طرف پرواز کرے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کی نگرانی کا زیادہ سے زیادہ مادہ اس کے اندر پیدا ہو۔

۵۶ تفسیر :-

باد کرو جب اللہ تعالیٰ مشرکین سے کہیگا کہ وہ میرے مزموم شرکاء کہاں ہیں جن کو تم معبود خیال کرتے تھے! اس وقت ہر قوم میں سے گواہ کھڑے کریں گے اور پھر ہم ان کیسے کو لاؤ اپنی اپنی دلیلیں پیش کرو۔ تب مشرک جان میں گئے کہ حق بات دی ہے جو اللہ تعالیٰ نے کہی تھی۔ اور سب افتراء انکو بھول جائیں گے۔

اس آیت میں تَزْعُمَانَا اور فَعَلِمُوا دونوں جگہ نا کا لفظ استعمال ہوا ہے جو جمع کا صیغہ ہے۔ یہ کلام الملوک کہلاتا ہے۔ یعنی بادشاہوں کا طریق کلام۔ بادشاہ اپنی طاقت کے اظہار کے لئے ہر کام لفظ استعمال کیا کرتے ہیں کیونکہ بادشاہوں کے احکام کے جاری کرنے میں اور لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔

تَزْعُمَانَا مِنْ حُلٍّ أُمَّةٍ شَهِيدًا میں شہید سے مراد ہر قوم کا نبی ہے۔ جیسے حضرت مسیح (ع) قیامت دن

وہ اپنے پہلے مقام کو بھی کھو بیٹھے۔ حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی آئے اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! میں تو منافق ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں کس طرح پتہ لگا کہ تم منافق ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب میں آپ کی مجلس میں بیٹھا ہوں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے ایک طرف جنت ہے اور دوسری طرف دوزخ۔ لیکن جب میں آپ کی مجلس سے واپس چلا جاتا ہوں تو یہ کیفیت نہیں رہتی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم ہر ہر وقت ایک ہی حالت رہے تو تم زندہ ہی نہ ہو۔ غرض میں ہر رات کو اللہ تعالیٰ نے سکون کے لئے اور ان کو مابین معیشت کی فراہمی کے لئے بنایا ہے اور دانا انسان دی ہوتا ہے جو رات سے بھی ناندہ اٹھائے اور دن سے بھی۔ رات کو سو کر اپنے اندر نئی طاقتیں پیدا کرے۔ اور دن کو کام کر کے پہلے سے بھی زیادہ ترقی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قبض اور بسط کا سلسلہ انسان کی روحانی ترقی کے لئے جاری کیا ہے تاکہ ہر حالت قبض کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ آگاہ و حاکم

اللہ تعالیٰ کے حضور کہیں گے کہ کُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ (مائدہ ۲۱) میں جب تک اُن میں رہا اُن کا شہید یعنی نگراں رہا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ اَيْتٰنَا وَتَوَكَّلْ عَلَيْنَا (مزل ۸) یعنی ہم نے تمہارا ہر ایک ایسا رسول بھیجا جو تم پر نگراں ہے مُتَّي بِمَا شَهِدَ كَيْفَ مَعْزٰلَا وَهٰذَا يَوْمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُكْفُرُ فِيْهِ بِمَا كُنْتُمْ اَعْمَلُوْنَ (مزل ۱۰) جسے مراد تو ہم کا یہی ہے جسے مشرکوں کے عقائد بدوگوارہ کھڑا کیا جائیگا اور اس کے نمونہ کو پیش کر کے مشرکوں کو شرمندہ کیا جائیگا کہ دیکھو تم نے اپنے نبیوں کی تعلیم کے خلاف کیسا غلط راستہ اختیار کر لیا۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے وات دن شرک کے عقائد تعلیم دی۔ مگر تم نے اُن کی تعلیم کو بھلا دیا اور تم خدا کے واحد کو چھوڑ کر بتوں کے آستانہ پر جا گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی نمونہ مقرر کیا ہوا ہے جب ہم اُس نمونہ کی نقل کر لیتے ہیں تو ہم اپنے کام میں کامیاب سمجھے جاتے ہیں ورنہ نہیں۔ مثلاً ہمارے ملک میں روزانہ بین دین کے معاملات میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ایک شخص دوسرے کہتا ہے کہ یہ سو روپے لو اور اُس کے عوض مجھے گندم دیدو۔ جب گندم والا اُسے گندم بھجواتا ہے تو وہ کہتا ہے میں نے تو ایسی گندم بھجووانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ میں نے تو ادرقم کی گندم کا مطالبہ کیا تھا۔ یورپین توہوں نے ابھی جھگڑوں کو دیکھتے ہوئے ہر قسم کے نمونے اپنے پاس رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور انہی نمونوں کے مطابق وہ اجناس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اچھی گندم۔ اچھی گپاس۔ اچھی جوار ادا چھے چادروں وغیرہ کے نمونے انہوں نے شیشے کے بڑے بڑے مرتبوں میں بند کر کے رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کے اوپر سیل لگا کر رکھ دیتے ہیں کہ گندم یا گپاس فلاں قسم کی ہے یا یہ خصوصیات اپنے اندر لکھی ہے اور جب وہ اس قسم کی جس کہیں سے خریدنا چاہتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں

یہ نمونہ موجود ہے میں ایسی گندم یا گپاس چاہیے۔ اور اگر کوئی تاجر گندم یا گپاس بھجوائے تو ماہرین فن نمونہ کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں کہ آیا یہ گندم یا گپاس نمونہ کے مطابق ہے یا نہیں اور اگر نہ ہو تو گورنمنٹ اُس مال کو رد کر دیتی ہے غرض یعنی طور پر کسی چیز کے اعلیٰ ہونے کا بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے جب ہمارے پاس کوئی نمونہ موجود ہو۔ اور اُسے دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ آیا مطلوبہ جنس نمونہ کے مطابق ہے یا نہیں۔

جس طرح دنیا کی دویزیوں کے متعلق نمونہ کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے اسی طرح اخلاقی اور روحانی امور میں بھی کسی نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ نمونہ ہمیشہ ہی انبیاء کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جاتا ہے۔ جو شخص اس نمونہ کے مطابق اپنے آپ کو بنالیتا ہے اُسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ اور جو اس نمونہ کے مطابق نہ ہو اُسے رد کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی زمانہ میں اُس نے آدم کو بھیجا یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص آدم کے نمونہ کے مطابق ہوگا اُسے قبول کر لیا جائیگا اور جو آدم کے مطابق نہیں ہوگا اُسے قبول نہیں کیا جائیگا۔ اور کسی زمانہ میں اُس نے نوح کو لوگوں کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا۔ اسی طرح کسی زمانہ میں اُس نے ابراہیم کو نمونہ بنا کر بھیجا۔ کسی زمانہ میں اُس نے کرشن کو اور اچندرجی کو نمونہ بنا کر بھیجا۔ کسی زمانہ میں زور دشت کو نمونہ بنا کر بھیجا۔ کسی زمانہ میں ایوب کو نمونہ بنا کر بھیجا۔ کسی زمانہ میں داؤد اور سلیمان کو نمونہ بنا کر بھیجا۔ کسی زمانہ میں مسیح مصلیٰ کو نمونہ بنا کر بھیجا اور جب آخری زمانہ آیا تو اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر اعلان فرما دیا کہ اب قیامت تک صرف یہی ہمارا نمونہ ہے۔ اگر تم اپنی زندگیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے مطابق بناؤ گے تو میں تمہیں قبول کر لوں گا ورنہ نہیں۔ اسی امر کی طرف اللہ تعالیٰ نے ذیل تفسیر آیت میں اشارہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ

قارون (در اصل) موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ مُردہ انہی کے خلاف ظلم پر آمادہ ہو گیا

وَآتَيْنَهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءَ

اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ جن کی گنجیاں ایک مضبوط جماعت

بِالْعَصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ تَوَاضَعْ لَتَفَرَحَ

کے لئے بھی اٹھانا مشکل تھیں۔ (یاد رکھو) جب اُس کی قوم نے اُسے کہا کہ (دانا) فخر مت کر۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ

اللہ (تعالیٰ) فخر کرنے والوں کو یقیناً پسند نہیں کرتا۔ ۳۹

الَّذِينَ فِي دِفْنِهِمْ مَالٌ - وَقِيلَ اسْمُ الْمَلِكِ
إِذَا أُخْرِجَ فِي دَعَا - اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گنوا اُس
مال کا نام ہے جسے کسی حفاظت کے سامان میں محفوظ کر لیا
جائے - الْمَذْهَبُ وَالْفَضَّةُ - سونا اور چاندی - مَا
يُخَوِّزُ فِيهِ السَّامِيُّ كَالْمُخَوِّزِ وَالْمُخَوِّزُ - وہ چیز
جس میں مال سنبھال کر رکھا جائے جیسے خزانہ اور صندوق۔
(اقرب)

مَفَاتِحُ - مَفَاتِحُ دَفْنِ مَالٍ کی جمع بھی ہو سکتی ہوگی
مَفَاتِحُ کی بھی - مَفَاتِحُ اور مَفَاتِحُ کے معنی ہیں چابی
اور مَفَاتِحُ کے معنی ہیں الْخَزَائِنُ - خزانہ - الْكُنُوزُ -

محفوظ رکھا ہوا مال - الْمَخَازِنُ - خزانہ گاہ (اقرب)
تَنُوءُ : نَاعٍ سے مضارع مؤنث کا صیغہ ہے
اور نَاعٍ الدَّجْلُ کے معنی ہیں نَعَضٌ بِجَهْدٍ وَ
مُشَقَّةٍ - کوئی شخص محنت و مشقت سے اٹھا۔ اور
نَاعٍ بِالْجَهْلِ کے معنی ہیں نَعَضٌ بِهِ مُشَقَّةً - بھاری بوجھ

کو شکل سے لکھا تھا۔ اور جب نَاعٍ بِهِ الْجَهْلُ کہیں تو
معنی ہونگے اَنْفَلَهُ دَا مَالَهُ - اُسے بوجھ بنا دیا اور

ہم ہر امت کے سامنے اُن کے غی کو جسے نمونہ کے طور پر بھیجا
گیا تھا پیش کرینگے اور کہیں گے کہ ہم نے یہ نمونہ تمہاری
طرف بھیجا تھا۔ اب تم جو کہتے ہو کہ ہمیں جنت میں داخل
کیا جائے تو تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے آپ کو کہاں
تک اس نمونہ کے مطابق بنایا۔

مَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ میں بتایا کہ
وہ لوگ جو دنیا میں بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے قیامت
کے دن اُن کے سب دعوے غائب ہو جائیں گے یعنی وہ
تمام افتراء جو ذاتِ باری کے متعلق کیا کرتے تھے اُس روز
اُن کے ذہن سے ایسے نکل جائیں گے کہ انہیں یاد ہی نہیں
رہے گا کہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اُن کے وہ تمام اعمال جن کی افتراء
پر دنیا دہمتی راہیگاں چلے جائیں گے اور اُن عبادتوں اور
ریاضتوں کا جو وہ اپنے تئوں اور دلوں کی خوشنودی
کے لئے کرتے تھے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

۳۹ مل لغات : الْكُنُوزُ : کُنُوز کی
جمع ہے اور الْكُنُوزُ کے معنی ہیں اَمْوَالُ الْاَسْلُفُ فِي

جکا دیا۔ (اقرب) پس تَنَوُّا کے معنی ہونگے۔ جہنیں

مشکل سے اٹھایا جاتا تھا۔

الْعَصْبَةِ: (دریکے تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۳۶۸)

تفسیر: - تادرن کا نام بائبل میں تودرج آتا ہے اور اُس کا ذکر گنتی باب ۱۶ میں اس طرح کیا گیا ہے کہ

”وہ اور بنی اسرائیل میں سے اڑھائی سو آدم

اشخاص جو جماعت کے سردار اور چیدہ اور شہور

آوی تھے موسیٰ کے مقابلہ میں اُسے اور وہ موسیٰ

اور ہارون کے خلاف اکٹھے ہو کر ان سے کہنے لگے

تمہارے تو بڑے دعوے ہو چلے۔ کیونکہ جماعت کا

ایک ایک آدمی مقدس ہے اور خداوند اُن کے

بچہ دہتا ہے۔ سو تم اپنے آپ کو خداوند کی جماعت

سے بڑا کیونکر ٹھہراتے ہو۔ موسیٰ یہ سن کر منہ کے بل

گرا۔ پھر اُس نے تودرج اور اُس کے کل فریق سے

کہا کہ کل صبح خداوند دکھا دیگا کہ کون اُسکا

ہے اور مقدس ہے۔ اور وہ اُس کو اپنے نزدیک

آنے دیگا کیونکہ جسے وہ خود چنیںگا اُسے وہ

اپنی قربت بھی دیگا۔ سو اُسے تودرج اور اُسکے

فریق کے لوگو! تم یوں کرو کہ اپنا اپنا بخوردان

لو اور اُس میں آگ بھرو۔ اور خداوند کے حضور

کل اُن میں بخورد جلاؤ۔ تب جس شخص کو خداوند

چن لے وہی مقدس ٹھہریگا۔ اُسے لاوی کے

بیٹے: بڑے بڑے دعوے تو تمہارے ہیں۔ پھر

موسیٰ نے تودرج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے

بنی لاوی سنو۔ کیا یہ تم کو چھوٹی بات دکھائی

دی ہے کہ اسرائیل کے خدا نے تم کو بنی اسرائیل

کی جماعت میں سے چن کر الگ کیا تاکہ تم کو وہ

اپنی قربت بخشے اور تم خداوند کے مسکن کی خدمت

کرو۔ اور جماعت کے آگے کھڑے ہو کر اُسکی

بھی خدمت بجا لاؤ اور تجھے اور تیرے سب

بھائیوں کو جو بنی لاوی میں اپنے نزدیک آنے دیا

سویا اب تم کہانت کو بھی چاہتے ہو۔ اس

لئے تو اور تیرے فریق کے لوگ یہ سبکے سب

خداوند کے خلاف اکٹھے ہوئے ہیں اور ہارون

کون ہے جو اُس کی تم شکایت کرتے ہو۔ پھر

موسیٰ نے واٹن اور ابیرام کو جو ایاب کے بیٹے

تھے بلو ابھیجا۔ انہوں نے کہا۔ ہم نہیں آتے

کیا یہ چھوٹی بات ہے کہ تو ہم کو ایک ایسے ملک

سے جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے نکال

لایا ہے کہ ہم کو بیابان میں ہلاک کرے۔ اور

اس پر بھی یہ طرہ ہے کہ اب تو سردار بن کر

ہم پر حکومت جاتا ہے۔ سو اس کے ٹوٹنے

ہم کو اُس ملک میں بھی نہیں پہنچایا جہاں دودھ

اور شہد بہتا ہے۔ اور نہ ہم کو کھیتوں اور

تاکستانوں کا وارث بنایا۔ کیا تو ان لوگوں

کی انجس نکال ڈالے گا۔ ہم تو نہیں آنے کے۔

تب موسیٰ نہایت طیش میں آکر خداوند سے کہنے

لگا۔ تو ان کے چہرہ کی طرف توجہ مت کر۔ میں

نے ان سے ایک گدھا بھی نہیں لیا۔ نہ ان

میں سے کسی کو نقصان پہنچایا ہے۔ پھر

موسیٰ نے تودرج سے کہا۔ کل تو اپنے سارے

فریق کے لوگوں کو لے کر خداوند کے آگے حاضر

ہو۔ تو بھی جو اور وہ بھی ہوں۔ اور ہارون

بھی ہو۔ تم میں سے ہر شخص اپنے بخوردان

کو جو شمار میں اڑائی موہنے خداوند کے حضور

لاؤ۔ اور تو بھی اپنے بخوردان لانا اور ہارون

بھی لائے۔ سو انہوں نے اپنا اپنا بخوردان

لے کر اور ان میں آگ رکھ کر امیر بخورد ڈالا۔

الْعَصْبَةِ

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَ

اور جو کچھ تجھے اللہ (تعالیٰ) نے دیا ہے اُس سے اُخریٰ زندگی کے گھر کی تلاش کر۔ اور

بہت سی قصص اور پھر اُس نے ہمیں ایک جگہ میں لا کر ڈال دیا اور کنعان کی حکومت دلائے کا وعدہ بھی اس نے پورا نہیں کیا بائبل بتاتی ہے کہ قارون کے ساتھ اس نشتہ انگریزی میں اڑانی سودا کی ٹوٹ ہو گئے تھے۔ آخر مولیٰ نے دونوں گردہوں کو الگ الگ کھڑا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس کے نتیجہ میں زمین پھٹی اور قارون اور اس کے ساتھیوں کو نکل گئی۔ اگر بائبل کا یہ بیان درست ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک ہو گیا لیکن تران کریم نے قارون اور فرعون اور ہامان کا اکٹھا ذکر کیا ہے (سورہ عنکبوت آیت ۲۰) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا نہیں بلکہ اس سے پہلے کا ہے۔ اور قارون جو اسرائیل قوم کا ہی ایک فوجدار فرعون کا افسر خزانہ تھا اور بہت مالدار شخص تھا لیکن دولت کے نشہ میں اُس نے اپنی قوم پر ہی سختی شروع کر دی اور یہ خیال کر لیا کہ میں اپنی قوم پر جتنا بھی ظلم کر دنگا فرعون مجھ پر اتنا ہی خوش ہو گا اور اتنا ہی میرا اعزاز بڑھائے گا۔

پھر نے اُس کے افسر خزانہ ہونے کا استنباط یہ کیا ہے کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ قارون اپنی قوم پر ہی ظلم کرنے لگ گیا تھا۔ اور من اللہ ہونے کو ایسی وجہ نہیں جس کی بنا پر کوئی شخص اپنی قوم پر ظلم کرنے لگ جائے بلکہ وہی عہد یا ہونے کی وجہ سے بیشک کوئی شخص ظلم کر سکتا ہے۔ پھر تران کریم کا آیتناہ مِنَ الْكُتُوبِ کہنا بھی بتاتا ہے کہ یہ اُس کے ذاتی خزانے نہیں تھے بلکہ سرکاری خزانے جو اُس کی تحویل میں رہتے تھے۔

وَ اتَيْنَاكَ مِنَ الْكُتُوبِ مَا آتَيْنَا مُعَاذَهُ يَتَنَبَّأُ بِالْعُصْبَةِ لَوِی الْقَوَّاةِ مِمَّنْ تَبَايَا کہ ہم نے اُسکو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُس کی گنجیاں اٹھانا ایک مضبوط جماعت پر بھی دوسرے ہوتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ پرانے زمانے میں ملکوں کے مالے ہوا کرتے تھے بلکہ آج سے چالیس سال پہلے تک ملک ملک میں بھی لٹری کے مالے ہی استعمال ہوتے تھے۔ اگر لوہے کے مالے بھی ہوں تو چونکہ اُس وقت تک صنعت نفل سازی ابھی ابتدائی مراحل میں تھی۔ بڑے بڑے موٹے مالے اور بڑی بڑی موٹی گنجیاں بنائی جاتی تھیں۔ اور بادشاہ جب سفر کرتا تھا تو خزانے کے بہت سے صندوق ساتھ رکھتا تھا۔ تاکہ مزدوروں کو تنخواہیں دی جا سکیں اور فوج کے لئے دستبرداری جائے پس اُن سینکڑوں ہزاروں صندوقوں کے ہزار ہا تالوں کی موٹی موٹی گنجیوں کو اٹھانا جن کا مجموعی طور پر کئی مومن ذبح ہو جاتا تھا ایک مضبوط جماعت کیلئے بھی مشکل ہوتا تھا۔ خصوصاً جب کہ انہوں نے نگاہ مبارک نہ کرنا ہو یہ بھی ممکن ہے کہ اُن گنجیوں کو صندوقوں میں بند کر کے اونٹوں پر لاد جاتا ہو۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ اُن گنجیوں کو اٹھاتے تھے بلکہ یہ کہا کہ اگر آدمی اٹھانے والا ہو گا تو وہ جماعت کے لئے بھی اُن کا اٹھانا بارگراں بن جاتا۔ یعنی اس بارہ مضبوط آدمی بھی بیشک اُن کو اٹھا سکتے۔

اِنَّ قَوْلَ لَكَ قَوْمُكَ لَا تَقْدِرُ عَلٰی اَنْ تَنْجُوْكَ مِنَ اللّٰهِ لَا يَحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ جب یہ شخص فرعون کا افسر خزانہ ہوئی وجہ سے خود بھی مالدار ہو کر سبکتر ہو گیا اور نبی اسرائیل پر ہی جو اُسکی اپنی قوم تھی محض فرعون کی خوشنودی کیلئے ظلم کرنے لگ گیا

لَا تُلْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاحْسِنْ كَمَا

دنوی زندگی سے تجھے جو حصہ ملا ہے اُسے بھی بھول نہیں اور دہہ تجھے ایک حد تک دنیا کی آسائشوں کے

احْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي

استعمال سے نہیں روکتے، اور طرح اسد تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی لوگوں پر احسان کر۔ اور ملک میں فساد پھیلانے کی

الْأَرْهَافِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۴۸﴾

کوشش نہ کر۔ اللہ تعالیٰ یقیناً مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۴۸

اور دوسرے کیمپ والے دنیا کو بے کار سمجھنے لگ گئے
حالانکہ صداقت ان دونوں کے درمیان درمیان تھی۔ قہراً
یہ تھی کہ دین کے ساتھ دنیا کی طرف بھی توجہ رکھی جائے
اور دنیا سے بالکل ہی منہ نہ موڑ لیا جائے۔ لیکن ہوا
یہ کہ ایک فریق تو خالص دنیا ساتھ لے گیا۔ اور
ایک فریق نے خالص دین لے لیا اور انہوں نے یہ
سمجھا کہ اگر خالص دین کی طرف ہی توجہ رکھنی ضروری
ہوتی تو خدا تعالیٰ یہ کیوں فرماتا کہ وَدَلِّكَ عَلَى النَّاسِ
رَحْمَةً مِّنْ أَلَيْسَ مَنِ اسْتِطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (سورۃ
ان عمران آیت ۹۸) کہ جو لوگ استطاعت رکھیں ان پر
حج بیت اللہ کرنا فرض ہے۔ پھر زکوٰۃ کے متعلق اسلام
یہ کیوں ہدایت دیتا کہ تَحْذَرْنَ أَمْوَالَهُمْ مِّنْ دَرَكٍ
تَكُونُ لَهُمْ وَكَلَامُهُمْ بَيْنَهُمَا (توبہ آیت ۱۰۳) یعنی
اے رسول! ان کے مالوں میں سے صدقہ لے تاکہ وہ انہیں
پاک کرے اور ان کی ترقی کے سامان مہیا کرے۔ پھر
اگر خدا تعالیٰ یہ چاہتا کہ صرف دین ہی اختیار کیا جائے
اور دنیا سے موندھ موڑ لیا جائے تو وہ یہ کیوں فرماتا
کہ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بردن چاہو اور
تم ان میں سے ایک کو ڈھیریں ڈھیر سونا بھی دے چکے
ہو تو اُس سے واپس مت لو (نساء آیت ۲۱) اگر

تو اُس کی قوم نے اُسے کہا کہ کبتر نہ کر۔ اللہ تعالیٰ تکبر
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۴۸ تفسیر:- اُس کی قوم نے اُسے یہ بھی
کہا۔ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت بخشی ہے اُس
سے اپنے اتنی گھر کو زیادہ سے زیادہ اچھا بنانے کی
کوشش کر۔ ہاں دنیا میں سے بھی اپنا حصہ نہ چھوڑ دینا
سمجھا مذہب میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں
چاہتا کہ انسان دنیا کو بالکل ہی چھوڑ دے۔ بلکہ وہ
چاہتا ہے کہ انسان دنیا بھی کمائے اور دینی کاموں
میں بھی حصہ لے۔

حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے
تھے کہ مجھے ایک صوفی کا یہ قول بہت پسند ہے کہ
”دست درکار و دل بایار“

یعنی اصل طریق یہی ہے کہ انسان دنیا کے کام بھی کرے
اور خدا تعالیٰ کو بھی یاد رکھے۔ لیکن پُرانے لوگوں میں سے
بعض نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دست درکار نہیں ہونا چاہیے
جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی۔ مادی کو ضائع کر دیا اور
بعض نے یہ سمجھ لیا کہ دل بایار نہیں ہونا چاہیے صرف
دست درکار ہونا کافی ہے۔ گویا دنیا میں دو کیمپ
بن گئے۔ ایک کیمپ والے دین کو بیکار سمجھنے لگ گئے

مال اپنے پاس رکھنا ہی نہیں توجہ کس طرح کیا جاسکتا ہے
زکوٰۃ کس طرح کی جاسکتی ہے اور اپنی بیوی کو دھیر د
ڈھیر سونا کس طرح دیا جاسکتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں بعض ایسے
لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لئے
نمونہ کے طور پر پیدا کیا ہوتا ہے۔ جس نے خود حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے۔ کہ
کسی نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ کتنے روپوں پر زکوٰۃ
فرض ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے لئے یہ مسئلہ ہے
کہ تم چالیس روپے میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دو۔ اُس نے
کہا۔ تمہارے لئے کاکیا مطلب ہے۔ کیا زکوٰۃ کا مسئلہ
بدلتا رہتا ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ تمہارے پاس چالیس
روپے ہوں تو ان میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دینا تمہارے
لئے ضروری ہے لیکن اگر میرے پاس چالیس روپے ہوں
تو مجھ پر اکتالیس روپے دینے لازمی ہیں کیونکہ تمہارا مقام
ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم کماؤ اور کھاؤ۔
لیکن مجھے وہ مقام دیا ہے کہ میرے اخراجات کا وہ آپ
کفیل ہے اگر بو توئی سے میں چالیس روپے جمع کروں تو
میں ۱۱ چالیس روپے بھی دے دوں گا اور ایک روپیہ جرمانہ
بھی دوں گا۔

غرض بعض لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مہر دین
کی طرف اپنی توجہ رکھیں۔ لیکن باقی دنیا کا صرف یہی غما
ہے کہ وہ دنیا کی مائیں اور اپنے مال اور وقت کا کچھ حصہ
مناسب نسبت کے ساتھ عبادت اور دین کے کاموں میں
بھی لگائیں۔ وہ ذکر الہی کریں۔ وظائف کریں۔ تہجد پڑھیں
اور استغفار اور دعاؤں سے کام لیں۔ فاروق کو بھی
اُس کی قوم کے نیک افراد نے بھی یہی نصیحت کی کہ ہم
تہیں یہ نہیں کہتے کہ تم اپنی تمام دولت خدا تعالیٰ کے لئے
خرچ کر دو بلکہ ہماری نصیحت یہ ہے کہ تمہارا اصل مقصد

تو دارِ آخرت ہونا چاہیے۔ اور اسی کے لئے تہیں اپنے اموال
خرچ کرنے چاہئیں۔ لیکن اُس کے ساتھ ساتھ اپنی اور
اپنے خاندان کی ترقی کے لئے بھی بیشک کوشش کرو۔
اور اپنے اموال کا ایک حصہ اس کے لئے مخصوص کر لو۔
یہ ناجائز امر نہیں۔ ناجائز امر یہ ہے کہ تم خدا کو بھول
جاؤ۔ اور صرف دنیا کو ہی اپنا مطلوب قرار دے دو۔
پھر انہوں نے کہا۔ اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
تو لوگوں سے نیک سلوک کر۔ اور ان کو اپنے مال اور اپنے
علم اور اپنے رسوم میں شریک کر۔ کیونکہ تجھ پر اللہ تعالیٰ
نے احسان کیا ہے یعنی جن قوتوں اور طاقتوں سے اللہ
نے کمایا ہے اور جن چیزوں کے ذریعہ سے تو نے عزت
اور شہرت حاصل کی ہے وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی
پیدا کردہ ہیں۔ اور تجھے بطور احسان ملی ہیں۔ پس میں طرح
تجھ پر احسان کیا گیا ہے۔ تیرا بھی فرض ہے کہ تو لوگوں
سے احسان کے ساتھ پیش آ۔ اور زمین میں فساد بھلا
کی کوشش نہ کر۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ
اللہ تعالیٰ فاسد اور مفسد لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ آخر
یہ سیدھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا خالق
اور اس کا رب ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں
فساد برپا کرنے کی کوشش کریگا تو اُس مخلوق کا خالق اور
رب فساد کرنے والے سے کس طرح محبت کرے گا؟ اگر
کسی شخص سے انسان کو نفرت ہو تو اُس کی ماں کبھی نفرت
کرنے والے سے پیار نہیں کر سکتی۔ جب تمام مخلوق اللہ
تعالیٰ کی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو شخص فساد ڈالتا ہے
اور لوگوں کی آپس میں لڑائیاں کرتا اور ہٹا ہے خدا تعالیٰ
اُسے کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ انگریزی میں ایک حکایت
مشہور ہے کہ کسی شخص کو ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ وہ
عورت بوجہ تھی اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔
مگر یوروپین طریق کے مطابق خالی پیغام سے شادی نہیں

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ

اُس (یعنی قادن) نے کہا - یہ سب دُتیر مجھے ایک ہی علم کی وجہ سے ملا ہے جو حق مجھے حاصل ہے۔ کیا وہ جانتا نہیں تھا کہ

قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَ

اِس پہلے (اللہ تعالیٰ) نے بہت سی نسوں کو جو اُس سے زیادہ طاقت ور اور اُس سے زیادہ مالدار تھیں ہلاک کر

اَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۹﴾

دیا تھا اور مجرموں کو (جب عذاب دیا جاتا ہے تو) اُنہیں گن ہوں کے متعلق اُن سے پوچھ مجھ نہیں کی جاتی۔ ۱۹

مجھے حاصل ہو جائیگی غلط ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۲۰﴾
تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تم فساد
کرد گے تو تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تم سے محبت نہیں
کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے پیارے ہیں۔ جو
اُن سے محبت نہ کرے اور اُن کا بدخواہ ہو اللہ تعالیٰ
اُس سے کبھی محبت نہیں کر سکتا۔

۲۰ تفسیر:- قادن کو جب اُس کی قوم
نے یہ نصیحت کی تو اُس احمق نے کجبر میں آکر کہا کہ کیا
تم مجھے ہو کہ یہ مال مجھے یونہی مل گیا ہے۔ یہ مال مجھے
ذاتی علم اور ذہانت اور محنت کی وجہ سے ملا ہے۔ اُس
نادان نے یہ نہ سوچا کہ جس دماغ سے وہ کام لے
رہا ہے وہ اُس کا پیدا کردہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا پیدا
کردہ ہے۔ جن ذرائع اور اسباب اُس نے دولت حاصل
کی ہے وہ ذرائع اور اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے ہی
پیدا کئے ہیں۔ اُس نے خود پر اُنہیں کئے۔ وہ خدا تعالیٰ
کو بھول گیا اور اُس نے اپنی تمام ترقی کو اپنی طرف منسوب
کر لیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے انسان اس بات کو
بھول جاتا ہے کہ گندھک خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ وہ
بھول جاتا ہے کہ سنکھیا خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

ہو سکتی تھی، غرضی تھا کہ پہلے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا جائے۔
کیونکہ یورپ کے لوگوں میں مرد عورت کی دوستی کے بعد شادی
ہوتی ہے پہلے نہیں۔ وہ اُسے اپنی طرف راغب کر لینی بڑی
کوشش کرتا مگر اُسے کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ آخر اُس نے
اپنے کسی دوست سے ذکر کیا کہ مجھے اس طرح ظالم عورت
سے محبت ہے اور میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر
وہ میری طرف توجہ ہی نہیں کرتی۔ اُس نے کہا۔ عورت کا
کوئی بچہ ہے یا نہیں۔ اُس نے کہا بچہ تو ہے۔ اُس نے
کہا تو پھر محبت میں کوئی مشکل ہے۔ بچہ کو اٹھا کر اُس سے
چند دن پیاد کرو۔ عورت تم سے خود بخود بے تکلف ہو
جائیگی۔ تو جس سے کسی کو محبت ہو اُس سے نفرت رکھنے
سے کبھی اُس شخص کی محبت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسی
لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ
”حاکم شارب کو پُر آل محمد است“

اب آل محمد میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔
مگر اس وجہ سے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبت کے حصول کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ انسان اُن
سے محبت کرے۔ یہ خیال کرنا کہ آل محمد سے بے شک
محبت نہ ہو لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

وہ مجبور جاتا ہے کہ پارہ خداتعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میں نے آشک کا ٹیکہ ایجاد کیا ہے۔ حالانکہ یہ ٹیکے بعض چیزوں کے مرکب ہیں اور وہ چیزیں خداتعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ پھر تارکول خداتعالیٰ نے پیدا کی ہے اور اُس سے عام استعمال میں آنے والی ادویہ مستحکمہ اُمیں بنتی ہیں لیکن انسان بڑے غرور سے کہتا ہے کہ یہ دوا میں نے ایجاد کی ہے یا فلاں نے ایجاد کی ہے اور وہ بالکل مجبور جاتا ہے کہ جن چیزوں سے اُس نے یہ دوا بنائی ہے وہ خدا تعالیٰ کی ہی پیدا کردہ ہیں۔ گویا خداتعالیٰ تو اُس پر احسان کرتا ہے مگر وہ اس احسان کی قدر کرنے کی بجائے یہ کہنا شروع کر دیتا ہے کہ میں بڑا لائق تھا۔ میں بڑا قابل تھا۔ میں نے یہ جدوجہد کی اور یہ ترقی حاصل کر لی۔ حالانکہ نہ صرف ہر کام میں کامیابی حاصل کرنے کے سامان اور ذرائع خداتعالیٰ مہیا کرتا ہے بلکہ ہر کام کا نتیجہ بھی خداتعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ آخر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ایک شخص سارا سال لاہارے کا کام کیٹھتا ہے لیکن وہ کچھ نہیں سکتا۔ پھر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ایک کاریگر ہوتا ہے لیکن اُسے کوئی کام نہیں ملتا۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ روپیہ مل جائے تو کوئی ڈاکو اُس کا سارا روپیہ چین لے پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لٹا کر اپنے گھر روپیہ لے آئے۔ لیکن گھر میں آتے ہی اُس کے پیٹ میں درد اُٹھے اور وہ جانبر ہی نہ ہو سکے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُسے ایسی جلدی بیماری پیدا ہو جائے کہ وہ کپڑا نہ پہن سکے پس جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان اپنی محنت سے بھی مددی کمائے تب بھی اُسے جو کچھ ملتا ہے خداتعالیٰ کی طرف سے ہی ملتا ہے۔ اور اُس کا فرض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے جتنا بڑا بنائے اتنا ہی وہ جھکتا چلا جائے۔ دیکھو جس پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے وہ دوسروں کی نسبت زیادہ جھکا

ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دولت کا مل جانا ایسا ہی ہے جیسے کسی کے سر پر بھل گھڑی رکھی ہوئی ہو ایسی حالت میں اُس کے اندر زیادہ فروتنی اور زیادہ انکسار پایا جانا چاہیئے نہ یہ کہ وہ تکبر ہو جائے اور دوسروں کو ذیل سمجھنے لگے۔ بہر حال جو شخص دولت و ثروت اور عزت کو خداتعالیٰ کا انعام سمجھے گا وہ دوسروں کی نسبت زیادہ جھکیگا اور جو اس کو اپنا ذاتی کمال قرار دیکھا وہ تکبر میں مبتلا ہوگا اور آخر خداتعالیٰ سے دور چلا جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تکبر کو شدید طور پر ناپسند کیا ہے اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی ترقیات کے لئے کوشش نہ کرو۔ تم اپنی ترقیات کے لئے جتنی بھی کوشش کرو، جائز ہے مگر اس کے بعد ہمیں جتنی بھی ترقی ملے اتنا ہی اپنے آپ کو متواضع بناؤ۔ ورنہ اگر تم تکبر ہو گئے تو خداتعالیٰ تم سے خوش نہیں ہوگا بلکہ ناراض ہوگا اور وہ ترقی تمہارے لئے رحمت کا موجب نہیں بلکہ ابتلاء کا موجب ہوگی اور تم اندھ کے لئے انوارِ سادسی سے محروم ہو جاؤ گے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اُس نے کہا۔ یا رسول اللہ! مجھے سخت مالی تنگی ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کٹھن رزق کے سامان پیدا فرمائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور آخر آپ کی دعا کی برکت سے وہ اس قدر بھر ہو گیا کہ سادسی دادی اُس کے جانوروں سے بھر جاتی تھی شہروں میں رہنے والے شاید اس امر کو نہ سمجھ سکیں کہ ایک شخص کے پاس اتنے جانور کہاں سے آسکتے ہیں مگر گاؤں کے رہنے والے جانتے ہیں کہ ایک ایک آدمی کے پاس کس قدر جانور ہوتے ہیں۔ میں ایک دفعہ سلسلہ کی زمینوں کے معائنہ کے لئے سندھ گیا۔ تو ایک جگہ میں نے تین چار سو جانور دیکھے۔ میں نے ان جانوروں کو دیکھ کر پوچھا کہ کیا یہ اس گاؤں کے جانور ہیں؟ اس پر

وہاں کا منبر بننا اور کہنے لگا کہ یہ تو صرف ایک آدمی کے جانور ہیں۔ لیکن شہریوں کے لئے ایک گھائے یا ایک بھینس کا دکھنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ تو اُس کے پاس اس قدر جانور ہو گئے کہ اُن سے وادی بھر جاتی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا آدمی اس کے پاس بھیجا اور کہا کہ اُس سے زکوٰۃ لاؤ۔ جب اس نے زکوٰۃ مانگی تو وہ کہنے لگا کہ کیا مصیبت ہے جانوروں کو کھلانے کے لئے ہمارے پاس رقم نہیں ہوتی اور ان کو ہر وقت چندوں کی سوجھتی رہتی ہے۔ انہیں ہمارے بوجھوں کا کوئی فکر ہی نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو ہم اس سے زکوٰۃ نہیں لیں گے۔ بعد میں اُسے کسی نے کہا کہ کج بخت تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈاکر واکر واکے امیر بنا تھا اور اب تو نے زکوٰۃ دینے سے ہی انکار کر دیا۔ اس پر کج بخت پیدا ہوئی اور وہ زکوٰۃ سے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تم سے زکوٰۃ نہیں لی جائیگی۔ اس پر وہ روتا ہوا واپس چلا گیا۔ دوسرے سال پھر وہ زکوٰۃ کا مال لے کر آیا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا غرض اسی طرح ہر سال وہ زکوٰۃ کا مال لاتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رد فرما دیتے یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس مالی زکوٰۃ لایا مگر حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کا مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا میں بھی اُس کا مال قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ چونکہ اس کے دل میں نیکی تھی اُس لئے وہ ہر سال باقاعدگی کے ساتھ زکوٰۃ لانا مقرر کیا۔ زکوٰۃ قبول نہ کی جاتی۔ اسی طرح بعض لوگ امتحان میں رہے ہوئے یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ امتحان میں

کامیاب ہو جائیں۔ اور کسی اعلیٰ عہدہ پر لگ جائیں۔ جب امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور عہدہ مل جاتا ہے تو پھر بنگتے ہیں احمدیوں سے بھاگتے۔ کبھی کہتے ہیں کہ احمدیوں کی موسمی ادنیٰ ہوتی ہے۔ کبھی کہتے ہیں احمدی مالدار نہیں ہوتے۔ کبھی کہتے ہیں احمدیوں کے گھر صاف نہیں ہوتے۔ وہ قبول جاتے ہیں اس بات کو کہ پہلے ہم سے دُعاؤں کر دیا کرتے تھے اور پھر وہ ہمیں سے بھاگتے ہیں۔ یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ ایسے آدمیوں کے دلوں میں ایمان نہیں ہوتا۔ اگر ایمان ہوتا تو وہ دین کی خدمت کرتے۔ دینداروں کی خدمت کرتے جماعت کی خدمت کرتے اور تکبر میں مبتلا نہ ہوتے۔

میں نے دیکھا ہے غریبوں میں تواضع اور انکسار زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی لئے انبیاء کی جماعتوں میں عموماً غریب ہی شامل ہوتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا انہیں غریب رکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ خدا ان غریبوں کو اس لئے دین کی خدمت کا موقعہ دیتا ہے کہ اُن میں حرص نہیں ہوتی۔ اور شکر کا مادہ اُن میں زیادہ ہوتا ہے۔ بے شک وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو امراء ہیں اور مخلص ہیں۔ اور وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر دباؤ ڈالا جائے تو مان جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو چندوں کے کھٹکے رہتے ہیں۔ اور پھر جہاں شعبوں کے کہیں گئے کہ بڑے معصومانہ رہتے ہر وقت چندہ ہی چندہ مانگا جاتا ہے۔ اور غریب آدمی جو پچیس روپیے کا چندہ دے رہا ہوتا ہے۔ یہ حیران ہوتا ہے کہ یہ آدمی کی ہزار روپیہ لیکر بھی کیا چندہ نہیں دے سکتا۔ ان نفعانوں اور خزانوں سے جسے کئے کا واحد دہیہ یہی ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے انعامات کی قدر کرے اور اُس کے احسانوں کو یاد رکھے۔ لیکن جب وہ کہتا ہے۔ اِنَّمَا اَنْتَ رَحْمَةٌ لِّرَحْمَةٍ لَّیْسَ بِکَ شَکْرٌ۔

کہ یہ مرکب نہ گیا۔ بھینس میرے قبضہ میں ہی رہتی۔ درندہ جو شریف انسان ہوگا۔ وہ کہیگا کہ میں آپ کا بڑا ممنون ہوں۔ آپ کی بھینس سے میں نے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر دنیا میں تو امانت رکھنے والے اپنی ساری امانت واپس لے لیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنی امانت میں سے ہمیشہ ایک حصہ مانگتا ہے سارا نہیں مانگتا۔ پس وہ تو امانت دار ہی نئی قسم کا ہے۔ اس کے مانگنے پر جو شخص ناراض ہوتا ہے وہ بڑا ہی ذلیل اور زلیل قسم کا انسان ہے۔ اس نے رات دن خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا۔ پھر کسی موقع پر اگر اس نے ایک ادھ چیز مانگ لی تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھ پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ حقیقتاً یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی ناقصی اور ناشکری سے پیدا ہوتی ہیں اسلئے خدا تعالیٰ نے بار بار کہا ہے کہ میری نعمتوں کا شکرا ادا کرو۔ اور میرے احسانات کو یاد رکھو۔ جب انسان ہر چیز کو خدا تعالیٰ کا انعام سمجھتا اور اس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے تو اسے سارا دین مل جاتا ہے۔

قادران کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
 اَوَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ
 الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَلْاَكْرَمُ جَعْلًا
 کیا یہ جواب دیتے وقت اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کئی ایسی بستیوں کو اجاڑا ہے جو اس سے زیادہ طاقتور تھیں اور اس کے جتنے سے ان کے پاس زیادہ جتنہ تھا۔

یہ نیت بھی بتاتی ہے کہ اس کی دولت ذاتی نہیں تھی۔ کیونکہ اگر اس کی ذاتی دولت ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا کہ ہم اس سے پہلے اس سے بھی بڑے بڑے مالدار لوگوں کو تباہ کر چکے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں لوگوں کے مقابلہ میں پہلی ہلاک شدہ قوموں کی دولت اور

جو کچھ ملا ہے اپنی کوشش اور علم کی وجہ سے ملا ہے۔ یا جب وہ کہتا ہے کہ ہم تو پہلے ہی مر رہے ہیں۔ ہم دین کے لئے روپیہ کہاں سے دیں۔ یا کہتا ہے بڑی مصیبت آگئی ہر وقت چندے ہی چندے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ تو اس وقت وہ خدائی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ خدائی برکات سے وہ اسی وقت حصہ لے سکتا ہے جب اسے ایک پیسہ بھی ملتا ہے تو وہ اسے خدائی انعام سمجھتا ہے۔ یا پندرہ کی بجائے اسے بیس روپے ملتے ہیں تو وہ ان پانچ روپوں کی زیادتی کو خدا تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے۔ پھر اسے سو روپیہ ملتا ہے تو وہ سو کو خدا تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ ہزار روپیہ ملتا ہے۔ ہزار کو خدا تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ پندرہ سو روپیہ ملتا ہے تو وہ ان پندرہ سو کو خدا تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کے دماغ اندگان میں بھی نہیں آسکتا کہ اگر مجھ سے دین کی خدمت کے لئے کسی چندے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ ایک مصیبت ہے جو مجھ پر آگئی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے اسی کا ہے میرا اپنا کچھ نہیں۔ جب تہا سے پاس کوئی شخص امانت رکھتا ہے اور پھر وہ تم سے مانگنے آ جاتا ہے۔ تو کیا تم اس امانت کی واپسی کو مصیبت سمجھتے ہو؟ اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے جو روپیہ ہمیں ملتا ہے اگر تم اس کے متعلق اپنے دلوں میں یہ یقین اور ایمان پیدا کرو کہ وہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے نہیں دیا ہے تو تم خدا کے لئے اس روپیہ کو خرچ کرنے میں بھی دریغ نہ کرو۔ کیونکہ تم سمجھو کہ یہ میری چیز نہیں تھی بلکہ اسی کی تھی۔ جیسے انسان بعض دفعہ معفر پر جاتا ہے تو وہ اپنی بھینس ہمسایہ کو دے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ دس دن اس کا دودھ پیئیں۔ مگر اسے واپس آ کر میں لے لوں گا۔ اب کوئی کمینہ اور ذلیل انسان ہی ہوگا جو اس کے مانگنے پر اپنے دل میں کہے

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ

(ایک دن ایسا بڑا کہ) وہ اپنی زینت (یعنی اپنے باڈی گارڈ) کے ساتھ نکلا۔ اسپر وہ لوگ جو کہ دنیا کی زندگی کا سنا

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَلِيتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ

جاتے تھے بول اُٹے۔ اے کاش! ہمیں بھی دہی کچھ ملتا جو قارون کو

قَارُونُ ۚ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝۸۰ وَقَالَ الَّذِينَ

دیا گیا۔ اس کو تو (دنیا کا ایک) بہت بڑا حصہ ملا ہے۔ اور جن لوگوں کو

أُوتُوا الْعِلْمَ وَيُؤْتِيهِمُ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا

علم دیا گیا تھا وہ بولے۔ تمہارا استیانس: اللہ کی طرف سے ملنے والی ہزارا مومن اور ایمان کے

أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۖ وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝۸۱

مناسب حال میں کرنے والے کے لئے بہت اچھی ہوتی ہے۔ اور یہ (جزائر) مقرر مقرر کرنے والوں کا کردہ ہی پاتا ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ۖ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ

پھر ہم نے اُس کو اور اُس کے قبیلہ کو گردِ لٹ میں مبتلا کر دیا۔ اور کوئی جماعت ایسی نہ نکلی جو

فِيئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ۝۸۲

اللہ کے سوا اُس کی مدد کرتی۔ اور کسی تعبیر سے بھی وہ (اپنے دشمن سے) بچ نہ سکا۔

اور اُن کی طاقت کو پیش کیا ہے۔ پس یہ اس بات کا

ثبوت ہے کہ قارون کے قبضہ میں بھی قومی دولت تھی

یعنی وہ حکومت مہر کا ایک بڑا افسر تھا۔ اُس کی

ذاتی دولت و ثروت کا اس جگہ ذکر نہیں کیا گیا۔

وَلَا يَسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ

میں بتایا کہ مجرم اپنے اعمال سے آپ پہچانا جاتا ہے

اس کے متعلق کسی جستجو اور پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں

ہوتی۔ کیونکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے

جو مزا آتی ہے وہ طبعی ہوتی ہے اور طبعی مزا آپ

ہی بتا دیتی ہے کہ مجرم اس کا مستحق تھا۔ مثلاً اگر

کوئی شخص آنکھوں سے کام نہ لینے کی وجہ سے نابینا ہو

جائے یا ہاتھ پاؤں سے کام نہ لینے کی وجہ سے چلنے

پھرنے کی طاقت سے محروم ہو جائے یا دماغ سے کام

نہ لینے کی وجہ سے سوچنے اور سمجھنے کی قوت سے محروم

ہو جائے یا نیک تعلیموں کا انکار کرنے کی وجہ سے ہدایت

سے محروم ہو جائے تو ہر شخص سمجھ جائیگا کہ اس کی مزا

وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ

اور وہ لوگ جو کل تک اُس کے مقام پر ہونے کی تمنا کرتے تھے کہنے لگ گئے

وَيَكُنَّ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ

تجھ پر ہلاکت ہو اللہ تعالیٰ ہی یقیناً اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق میں فراخی

عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْ أَنَّ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا

دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے نکلی کرتا ہے۔ اگر ہم پر اللہ دے دے اسے اسان نہ کیا ہوتا

لَنَحْسَبَنَّاهُ وَيَكُنَّا لَافِلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۲﴾

لوہیں بھی مصلحتوں کا شکار کر دیتا۔ تجھ پر ہلاکت ہو (بات یہی ہے کہ) کافر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ۸۲

ع ۱۱

وَيْكُنَّ

اُس کے اعمال کے عین مطابق ہے۔ اور وہ اُس سزا پر کوئی اعتراض نہیں کر سکیگا۔

۸۲ مَعْلُومَات: وَيَكُنَّ: وہی تعجب کا

کلمہ ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں دَعَىٰ لَدُنَّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِي زِيدَ بِرَّعِجِبِ كَرُو
يَزِيدُ كُنْ يٰۤاَيُّهَا عَيْنُ الْوَيْلِ كَبْشِي اِسْ فَلَظٌ سَ هَلَاكٌ مُّرَاد
لِي جَاتِي هَے۔ جیسے کہتے ہیں وَيَكُنَّ اِسْتِمْعَ قَوْنِي۔ تُو
ہلاک ہو۔ میری بات سن۔ کبھی کبھی دَعَىٰ کے ساتھ كَانُ
يَا كُنَّا بھی داخل کر دیتے ہیں۔ (اقرب)

تفسير: نَحْوَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زَيْلَتِهِ كَ

یہ معنی ہیں کہ ایک دن وہ بڑی شان و شوکت سے اپنے
تمام اہلکاروں اور باڈی گارڈز وغیرہ کے ساتھ اپنی قوم
کے سامنے سے گذرا۔ اور اُس نے اپنے شاہانہ اقتدار کی
نمائش کی اور انہیں دکھایا کہ میری کتنی بڑی عزت ہے اور
کسی طرح یہ سب لوگ میری رضا اور خوشنودی کے حصول
کے لئے میرے آگے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں اور مجھے سلام
کرتے اور میرے سامنے وہب کے ساتھ گھڑے ہوتے ہیں۔
اُس کا اپنی قوم کے سامنے اس شان و کورہ سے گذرنا

درحقیقت اپنی قوم کی تذلیل کے لئے تھا۔ اور وہ انہیں کھانا
چاہتا تھا کہ کامیابی کا اصل راز فرعون کی اطاعت میں ہی
ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بحیثیت قوم فرعون
بنی اسرائیل کا دشمن تھا اور وہ اُن کی طاقت کو چٹکنا
چاہتا تھا۔ مگر اُن کی طاقت کو کچلنے کے لئے اُس نے جو
ذرائع اختیار کئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اُس نے
بنی اسرائیل میں سے ہی قادیون کو سرکاری افسر بنا دیا تاکہ
ایک طرف تو وہ یہ ظاہر کرے کہ میں بنی اسرائیل کے قابل
افراد کی تعداد کرتا ہوں اور دوسری طرف جب وہ اپنے
ہی ہم قوم افراد پر ظلم کرے تو وہ ظلم فرعون کی طرف منسوب
ہونے کی بجائے قادیون کی طرف منسوب ہو جائے اور
لوگ یہ کہیں کہ اس میں فرعون کا کیا قصور ہے یہ ظلم تو
قادیون نے کیا ہے۔ انگریز نے بھی اپنے زمانہ اقتدار میں
ایسا ہی کیا تھا۔ اور اُس نے بھی ہندوستان پر حکومت
کرنے کے زمانہ میں بعض ماتحت افسر خود ہندوستانیوں
میں سے مقرر کئے ہوئے تھے اور وہ انگریز کی خوشنودی کے
لئے حاکم قوم کے افراد سے بھی زیادہ ظلم کرتے تھے۔

تم دائمی سکھ اور آرام حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس دنیا سے اپنا دل مت لگاؤ۔

وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الْعَصِيُّوْنَ - میں بتایا کہ جس طرح اگلے جہان کی جزائے نیک ایک غیر معصیٰ انعام ہے اسی طرح اس انعام کا مستحق بننا بھی ایک بڑی قربانی چاہتا ہے اور یہ مقام ایسے ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو میرے کام لیا کرتے ہیں۔ صبر کے معنی صرف جزع فزع سے بچنے کے ہی نہیں ہوتے بلکہ بُرے خیالات کا اثر قبول کرنے سے رکنے۔ اُن کا مقابلہ کرنے اور نیکیوں پر ثابت قدم رہنے کے بھی ہوتے ہیں۔ پس انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ یہ مقام تبیں اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ تم اُن بد اثرات کا مقابلہ کرو۔ جو قارون اور اُس جیسے دوسرے افراد کی دیوی شان و شوکت کو دیکھ کر تباہی دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر قارون کی طرح ظلم پر کمر بستہ ہونے کی بجائے ہمیشہ دلوں سے بچتے رہو اور نیکیوں پر پورے ثبات اور استقلال کے ساتھ قائم رہو۔ اگر تم ایسا کر دو گے۔ تو تباہی و دھواں آنکھیں کھل جائیگی۔ اور تبیں نظر آنے لگ جائیگا کہ یہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں بالکل حقیر اور ذلیل چیز ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كُنَّا أَنْ نَسْفِكَ دَمَهُ - پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور خدائی عذاب اُس پر نازل ہو گیا۔ بنی اسرائیل پر اُس کے تمام مظالم اُس طاقت اور عزت کی وجہ سے تھے جو فرعون کی خوشنودی کی وجہ سے اُسے حاصل تھی۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے اُسے تباہ کرنا چاہا تو ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ قارون بھی اور اُس کا تمام خاندان بھی ذلیل کر دیا گیا۔ بائبل میں لکھا ہے کہ زمین بھیڑی اور قارون اپنے تمام بیویوں کے ساتھ ۳۰ ۳۱ غرق ہو گیا۔ گویا اُس کی تباہی ایک زلزلہ کی وجہ

قارون بھی ایسے ہی ظالم افسروں میں سے تھا۔ جن کے پیش نظر ہمیشہ بنی اسرائیل کی تہذیب برستی تھی۔ چنانچہ اسی پر درگاہ کے تحت اُس نے ایک ناپا شاہانہ جلوس نکالا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ سب جمع ہو اور اسی مظاہرہ کو دیکھیں اور اپنی ذلت اور بیکارگی پر افسوس بہائیں۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَذَا نَجْمٌ كَذِبٌ لِّدَاؤُنَا إِنَّهُمْ لَكَاظِمٌ - چونکہ ہر قوم میں بعض کمزور افراد بھی ہوتے ہیں جو دین اور تقویٰ اور خدا ترسی کی بجائے دیوی شان و شوکت اور ظاہری مال و دولت کو زیادہ اہم نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے بنی اسرائیل میں سے کمزور افراد نے قارون کے اس شاہانہ ذکر و فر کو دیکھ کر اُس پر رشک کیا۔ اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ کاش ہم بھی قارون کی طرح ہوتے۔ یہ تو بڑا خوش نصیب ہے میں نے بتا دیا اقتدار حاصل کر لیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْعِلْمَ ذَلِكُمْ كُتُوبُ اللَّهِ تُخَيِّرُ بَيْنَ أَمْنٍ وَعَمَلٍ صَالِحًا - جب ان باتوں کا چرچا ہوا اور قوم میں کمزور افراد نے قارون کی تعریف کرنی شروع کر دی بلکہ اس بات پر اُن بھرتی شروع کر دیں کہ انہیں بھی یہ مقام کیوں حاصل نہیں ہوا تو حقیقت حال کا علم۔ کہنے والوں یعنی علماء اور ربانی لوگوں نے ہمیں سمجھایا۔ کہ تم اس چند روزہ زندگی پر کیوں مرتے ہو یہ تو آج نہیں تو کل ختم ہو جائیگی۔ دائمی زندگی تو وہ ہے جو موت کے بعد شروع ہونے والی ہے اور اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان لانے والوں اور اُس ایمان کے مطابق عمل کرنے والوں کو جزائے نیک ملے گی اسکے مقابلہ میں اس چند روزہ زندگی کا مال و متاع کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ اگر سو سال بھی تم نے عیش سے گزار لئے تبیں بھی زندگی میں جو غیر محدود ہے تباہی کے کوئی سکھ کا سامان نہ ہوا تو تبیں یہ آرام کیا فائدہ دے گا؟

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي

یہ (جو) آخری زندگی (ہے) ہم اسے انہی کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں جو ملک میں ناجائز طلبہ

الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۷۷﴾

اور فساد نہیں چاہتے ۔ اور انجام متقیوں کا ہی (اچھا) ہوتا ہے ۔ ۷۷

بھی آنکھیں کھل گئیں ۔ اور کہنے لگے کہ تعجب کی بات ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وافر رزق عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اُسے تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ کرتا اور ہمارا ہی کو تباہی کو صاف نہ کرتا کہ ہم نے قادیون کو ایک بڑا آدمی سمجھ کر یہ خواہش کی تھی کہ کاش ہم بھی ایک دوسرے قادیون بن جائیں تو آج ہم کو بھی وہ بے نام و نشان کر دیتا اور وہی عذاب جو اُمیر مصلط کیا گیا اُس میں ہم بھی شریک ہوتے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہجرت کی تائید کرنا یا اُن کی پیٹھ ٹھونکنا یا اُن کے ظالمانہ افعال کی حمایت کرنا یا ہجرتوں کے مقابلہ میں آواز بلند کرنے والوں کی مخالفت کرنا بھی انسان کو سزا کا مستحق بنا دیتا ہے ۔ اور اگر وہ تو بہ اللہ تعالیٰ سے کام نہ لیں اور اپنے رویہ کو ترک نہ کریں تو خطرہ ہوتا ہے کہ وہ بھی عذاب کی پیٹھ میں آجائیں ۔

وَيَكَانَتْ لَا يُفْلِحُ اَنكَافُؤُنْ مِیْنِ تَبَاہِیْ كَ اَنبِیَاہِ
کے مخالفین کو دنیا میں عارضی کامیابیاں تو حاصل ہو سکتی ہیں مگر فلاح جو اپنے مقاصد میں برآمد ہونیکا نام ہے انہیں کبھی حاصل نہیں ہوتی ۔ اور وہ بیوقوفوں کے مقابلہ میں ضرور تباہ ہوتے ہیں ۔

۷۷ تفسیر :-

اس میں بتایا کہ آخری زندگی کے انعامات ہم نے انہی لوگوں کے لئے مخصوص کئے ہیں جو نہیں چاہتے کہ لوگوں کو ذلیل کر کے آپ بڑے بن جائیں اور نہ فساد اور فتنہ انگیزی کی روح اپنے اندر

ہوئی ۔ اور خَسَفَتْ کے لفظی معنی زمین میں دھنسنے کے ہیں ۔ لیکن خَسَفَتْ خُلَاثَا کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اُسے ذلیل کر دیا ۔ اور اُس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسے وہ ناپسند کرتا تھا ۔ اس جگہ خَسَفْنَا بِہِ وَ یَذَارِہِ الْاَشْرَافُ سے یہی مراد ہے کہ ہم نے اُس کو اور اُس کے سادے خاندان کو دنیا بھر میں ذلیل کر دیا ۔

فَمَا کَانَ لَہٗ مِنْ فِئَیْہِ یَنْصُرُ وَنَہٗ مِنْ حُدُودِ اللّٰہِ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ایسا ذلیل ہوا کہ ملک بھر میں کوئی اُس کا نام نہ لیتا تھا ۔ اور کوئی گروہ اُس کی مدد کرنے کے لئے نہ نکلا ۔

وَمَا کَانَ مِنْ الْمُتَنَصِّرِیْنَ ۔ اور نہ وہ خود اپنی حالت بدل سکا ۔ اِنْتَصَرَ کے معنی ہوتے ہیں اِنْتَمَحَ مِنْ عَدُوِّہٖ (اُقرَب) اپنے دشمن سے بچ گیا ۔ پس اِس کے معنی یہ ہیں کہ نہ وہ بیرونی تدبیر سے اپنی اِس ذلت کو مٹا سکا اور نہ وہ اپنے علم سے کام لے کر جس پر اُسے بڑا ناز تھا اپنے آپ کو اس تباہی سے بچا سکا ۔

وَاَمَّا بَنُو الدِّیْنِ تَعَمَّزُوا مَکَانَہٗ بِالْاَمْسِ یَقُولُوْنَ وَیَکَانَ اللّٰہُ یَسْطُرُ الْوَرَقَ بِمَنْ یَّشَاؤُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ ۚ لَوْ اَنَّ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بَنَاہٗ وَیَکَانَہٗ لَا یُفْلِحُ اَنكَافُؤُنْ ہ جب قادیون خدا کی عذاب کی گرفت میں آگیا تو وہ لوگ جو کل تک اُس پر رشک کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کاش ہمیں بھی قادیون جیسا مقام میسر آتا ۔ اُن کی

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَ مَنْ جَاءَ

جو شخص پسندیدہ عمل کرے اُسے اُس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو کوئی

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ

برا عمل کرے گا تو بُرے اعمال کرنے والوں کو اُن کے اپنے عمل

إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾

کے برابر جزاء دی جائیگی - ۵۵

بنائے ہوئے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔
ہاتھ کے اندھ جو کام کرنے کی طاقت پائی جاتی ہے وہ
بھی خدا تعالیٰ کی ہی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے اس کی اپنی بین
پھر اگر ہاتھ سے اس نے کسی پیاسے کو پانی پلایا ہے
تو پانی بھی خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ محاسن جن حالات
سے بنایا جاتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے
اور پھر وہ دماغ جس کے اندر نیکی کا یہ جذبہ پیدا ہوا
وہ بھی خدا تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ پس جب ضرورت
سے لیکر خیرک ہر چیز خدا تعالیٰ ہی کی ہے اور اُس کی دی
ہوئی طاقتوں سے کام لے کر عمل نیک کیا جاتا ہے تو اگر وہ
خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے تو جو اجر
کہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے اور اُس کی مملوکہ اشیاء کا
بھی مالک ہے انسان اپنے اعمال کے بدلہ میں کسی انعام
کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی قسمی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی اگر جان بھی انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دے
تو اُس کا یہ فعل کوئی قربانی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ جان خدا
تعالیٰ نے ہی دی تھی۔ اگر کسی کی چیز انسان نے اُس کو واپس
کردی اور وہ بھی سالہا سال کے استعمال کے بعد تو

رکھتے ہیں۔ اور گو ابتدا میں ہی سمجھتی ہے کہ اس پسندی سے
کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ کامیابی اور عزت حاصل
کرنے کا یہی ذریعہ ہے کہ دوسروں کو گرایا جائے اور ملک میں
شیوہ نش پیدا کی جائے۔ لیکن بڑائی کے آخر تک سستی ہوتے ہیں
جو سستی ہوں اور انجام ہمیشہ اس پسند اور نیک لوگوں کا ہی
اچھا ہوتا ہے۔ اور وہی کامیاب ہوتے ہیں فتنہ و فساد
پھیلانے والے خواہ کچھ ماضی کا یہابی حاصل بھی کریں پھر بھی ان کا
انجام حسرتناک ہوتا ہے اور وہ اپنے اعمال کی اس دنیا میں
بھی سزا پاتے ہیں اور آخرت میں بھی ذلیل اور رسوا ہونگے۔

۵۵ تفسیر:- نیک اللہ ہی کی جزاء کے متعلق اللہ
تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا قانون بیان فرمایا ہے اور بتایا
کہ جو شخص کوئی نیک کام بجالائے اُسے اپنے کام سے بہت
زیادہ بدلہ ملے گا اور جو شخص کوئی برا کام کرے۔ اسے
صرف اپنے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا۔

یوں تو دنیا میں جو بھی نیک کام کیا جائے اللہ تعالیٰ
کی مملوکہ طاقتوں سے ہی کیا جاتا ہے اور اس نقطہ نگاہ
سے اگر عمل نیک کی کوئی بھی جزاء دی جاتی تو کوئی قابلِ اقرہ
امر نہ تھا کیونکہ جن سادوں سے کام لے کر نیک کام کئے
جاتے ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔
اگر ہاتھ سے کوئی شخص نیک کام کرتا ہے تو ہاتھ کے

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَىٰ

وہ خدا جس نے تجھ پر یہ قرآن فرض کیا ہے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ تجھے اُس

مَعَادٍ ۚ قُلْ رَبِّيَ أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَ

مقام کی طرف لوٹا کر لایگا جس کی طرف لوگ لوٹ کر آتے ہیں۔ تو کہہ دے میرا رب اُس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر

مَنْ هُوَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۸۶﴾

قائم ہوتا ہے اور (اُس کو بھی) جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ ۸۶

۸۶ تفسیر :- اب اللہ تعالیٰ اس بات کی نفی میں کہ انبیاء کا مقابلہ کرنے والے خواہ کتنی بڑی طاقت رکھتے ہوں تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اور انجام کار مومن کی کامیابی اور کفر و منکدر ہوتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حکم ہے۔ ایک اہم ترین واقعہ کو بطور پیشگوئی بیان کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ اِلٰی مَعَادٍ۔ یعنی وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن نازل کیا اور اُس کی افادت فرض کی ہے وہ اپنی ذات ہی کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ تو بہر حال اُس مقام کی طرف پھر واپس لوٹا یا جائیگا جس کی طرف لوگ بار بار اور بار بار آتے ہیں۔ بار بار لوگ کس طرف آتے تھے؟ اُسی مقام کی طرف جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ ہم نے اُسے مَنَابِتَ لَدُنَّا میں بنایا ہے (سورۃ بقرہ آیت ۱۲۶) اگر یہاں مَعَاد کی جگہ مَنَابِت کا لفظ لکھا جاتا تو اِخْفَاؤُہ مَنَابِتِہِ اِس نے مَنَابِتِہِ کا ہم معنی لفظ مَعَاد رکھ دیا تاکہ پیشگوئی بھی ہو جائے اور اِخْفَاؤُہ بھی رہے۔ فرماتا ہے ہم اپنی ذات ہی کی قسم کھا کر کہتے ہیں۔ کہ ہم تجھے پھر اسی مقام یعنی مکہ مکرمہ کی طرف واپس لائیں گے جس کی طرف لوگ نہایت حج اور حصول ثواب کیلئے بار بار آتے ہیں۔ اور یہ سیدھی بات ہے کہ واپس اُسی کو لاتے ہیں جو گیا ہو اور جو گیا ہی نہ ہو

اس صورت میں بھی وہ خدا تعالیٰ کا ہی ممنون احسان ہوتا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے کوئی کام کیا ہے لیکن باوجود اِس کے کہ تمام نیک اعمال خدا تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے عمل میں لائے جاتے ہیں اور اگر ان اعمال کا کوئی بھی بدلہ نہ ملے تب بھی درست ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت کا اِس دنگ میں اِخْفَاؤُہ نہیں کیا کہ وہ انسان کے امکان کو بدلے سے محروم کر دے بلکہ اِس دنگ میں کیا ہے کہ وہ انسانی اعمال کا اُن کے مناسب معارف سے زیادہ بدلہ دے۔ اور باوجود اِس کے کہ سب اعمال حسنہ اُسی کی دی ہوئی توفیق سے انسان ہی لاتا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ اِس ہی قرار دیتا ہے کہ گویا انسان نے وہ نیک عمل اپنی طاقت اور اپنے سامانوں سے کئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اِس کے عمل کا پورا بدلہ دیتا بلکہ اپنے پاس سے زائد جنہیں بھی عطا فرماتا ہے۔ لیکن اِس کے مقابلہ میں جب کوئی شخص گنہ کرتا ہے تو بدلہ تو اُس کی توبہ پر اُسے صاف کر دیتا ہے اور اگر کوئی شخص توبہ نہ کرے تو پھر وہ گناہ کی سزا تو دیتا ہے لیکن اُسی قدر جس کا گناہ وہ گویا نیک لوگوں کے ساتھ تو وہ احسان کا معاف کر دیتا ہے۔ اور گنہگاروں کے ساتھ انصاف کا سلوک روا رکھتا ہے اور اُن کی بدیوں کے برابر ہی اُنکو سزا دیتا ہے اِس پر کھل کر کسی صورت میں سزا نہیں دی جاتی۔

بنایا گیا ہے۔ اور جس کی طرف بار بار دنیا حج اور عمرہ کیلئے آتی ہے۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ ایک دن کفار تجھے اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے۔ مگر وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن نازل کیا اور اس کی اطاعت فرمیں کی ہے تجھ سے قسم کھا کر وعدہ کرتا ہے کہ جب دشمن تجھے تیرے وطن سے نکال دیگا تو ہم پھر تجھے تیرے وطن میں لے آئیں گے۔ خود کرو اور سوچو کہ اس آیت میں آپ کی مکہ سے ہجرت کی خبر کس لطیف پیرایہ میں آئی گئی ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ ایک دن تجھے ہجرت کرنی پڑے گی اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل دل کو صدمہ پہنچتا اس نے پہلے ہی آپ کو واپس آنے کی خوشخبری دے دی۔ اور چونکہ واپس دی آسکتا ہے جو گیا ہو اس لئے منہی طور پر اس میں یہ بھی بتا دیا کہ ایک دفعہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ اور موٹی کے ساتھ آپ کی ممانعت ظاہر ہو جائیگی

سورہ قصص کے کئی ہونے کے متعلق سمان علماء تو متفق ہی ہیں لیکن عیسائی معنفین بھی اسے کی تسلیم کرتے ہیں۔ (کمٹری آن دی قرآن، معنفہ دہری جلد ۲۵) اور اس طرح وہ اپنے ہاتھوں اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ سورہ کئی ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کب سے پتہ لگ گیا تھا کہ اس مکہ سے ہجرت کر دینگا اور اس کے بعد میں ایک فاتح کی حیثیت سے دوبارہ اس شہر میں داخل ہو نگا۔ اگر باوجود اس کے کہ آپ کو اپنے مستقبل کے متعلق کوئی علم نہیں تھا آپ یہ پیشگوئی فرماتے ہیں اور پھر وہ پوری بھی ہو جاتی ہے۔ تو یہ آپ کی صداقت کی ایک واضح دلیل ہے۔ پس عیسائی مستشرق اس سورہ کو کی کہہ کر خود عینس گئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کر گئے

اس کے واپس آنے کا سوال ہی کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ پس اس آیت میں دو عظیم ان پیک کو ثبوت کی گئی تھیں۔ ایک یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑیگی اور دوسری یہ کہ ہجرت کے بعد آپ پھر ایک فاتح کی صورت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونگے۔

یہ آیت قرآن اولیٰ میں اتنی دوہرائی جاتی تھی اور اتنی اہم سمجھی جاتی تھی کہ بعض یہ تو قرون کو اس سے بڑے بڑے دھوکے بھی لگ گئے۔ چنانچہ عبداللہ بن سہا جو اسس مومنت کا بانی تھا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جس نے اسلام میں ایک بہت بڑا فتنہ برپا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائیاں کیں۔ وہ اسی آیت کو پیش کر کے کہا کرتا تھا کہ اسلام تنا سچ کا قائل ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَمَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَوَادَّکَ اِلٰی مَعَاذٍ مِّنْ مَّعَاذٍ سَے مراد دنیا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انبیاء کی تسلسل دنیا میں آتی رہتی ہیں۔ اگر انبیاء کی تسلسل نہ آئیں تو دوسروں کی تسلسل سے کیا فائدہ؟ دنیا میں اگر یہ ایک سچی حقیقت ہے جو انگریزی زبان میں بیان کی جاتی ہے کہ

HISTORY REPEATS ITSELF

تاریخ اپنے آپ کو بار بار دوہراتی ہے" تو یقیناً انبیاء بھی بار بار تسلسل طور پر دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہوتے ہیں گے۔ اور حقیقت اگر کوئی چیز دوبارہ واپس لانے کے قابل ہوتی ہے تو اچھی چیز ہی ہوتی ہے لیکن اس آیت میں کسی تنا سچ کا ذکر نہیں اور نہ معاذ سے مراد دنیا ہے۔ بلکہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَمَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَوَادَّکَ اِلٰی مَعَاذٍ میں حقیقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر گئے اور پھر اس شہر میں واپس آئیں گے جس کی عبادت کا مرکز

مگر وہ مکہ دیتے کہ یہ سورۃ مدنی ہے تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ
میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طاقت حاصل ہو گئی تھی
اس لئے اس قسم کی پیشگوئی کرنا آپ کے لئے کوئی مشکل امر
نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے اس سورۃ کو کئی قرار دیا اور
اس طرح اپنی تحقیق سے خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی صداقت کا اظہار کر دیا۔ یہ ایک عجیب بات
ہے کہ ہمارے مفسرین کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں بعض آیات
مدنی بھی ہیں لیکن عیسائی مصنفین اسے خالص مکی سورۃ
قرار دیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے ہاتھ سے اسلام
کی صداقت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ بعض عیسائی مصنف
کھنکھاتے ہیں کہ میں سورۃ کے سائل سے ہی پتہ لگ جاتا
ہے کہ اس سورۃ کی فلاں آیت مدنی ہے اور فلاں مکی۔ حالانکہ
اگر یہ بات درست ہے کہ انہیں قرآن کریم کے سائل سے ہی
پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کی فلاں آیت مکی ہے اور فلاں مدنی
تو یہ قرآن کریم کا کتنا بڑا کمال ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ
کو جس میں ہجرت کی پیشگوئی تھی اس سائل میں اتارا جس کی
وجہ سے عیسائیوں نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ یہ سورۃ مکی ہے
اور اس کی وجہ سے انہیں اپنی زبان سے اس بات کا اقرار
کرنا پڑا کہ مکی زندگی میں ہجرت اور فتح مکہ کے متعلق جو
پیشگوئی قرآن کریم نے کی تھی وہ سچی نکلی۔ ورنہ اگر یہ کسی
انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو اسے اس بات کا کیسے
علم ہو سکتا تھا کہ آج سے اتنے سالوں کے بعد دہری
نولہ کے اور دوسرے مستشرقین نے کسی سورۃ کے سائل کی
وجہ سے اسے مکی یا مدنی کہا ہے۔ اس لئے اس کا سائل
ایسا رکھو کہ اس سورۃ کے پڑھنے ہی ہر شخص پر معلوم
کرے کہ یہ مکی ہے۔ پھر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کے نازل
کرنے والی ہستی کو ان اعتراضات کا علم تھا جو بیسویں صدی
کے عیسائی مصنفین نے کرنے تھے لیکن ان عیسائیوں کو خود

بیسویں صدی میں بھی یہ علم نہیں کہ ہم نے ان آیتوں کی کیا
تفسیر کرنی ہے۔ ایک آیت پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن
اس آیت کی جب ہم تفسیر کرتے ہیں تو ان کا اعتراض رد
ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح قرآن کریم کی فضیلت اور
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت دنیا پر ظاہر ہو
جاتی ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ کلام کسی انسان کا
بنایا ہوا نہیں بلکہ عالم الغیب خدا کا اتارا ہوا ہے۔ اور
اس کثرت سے اس میں علم غیب بھرا ہوا ہے کہ ہر آیت
سے کوئی نہ کوئی نیا نکتہ نکل آتا ہے۔ گویا جیسے پنجابی
میں کہتے ہیں کہ اینٹ اینٹ کے نیچے فلاں چیز موجود ہے
اسی طرح تم کوئی آیت اٹھاؤ اس کے نیچے ایک معجزہ نکل
آتا ہے اور اس طرح قرآن کریم سادے کا سارا معجزوں
سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی طرف
اس آیت میں ہی خبر نہیں دی گئی بلکہ بعض اور بھی گئی آیات
میں یہ خبر واضح طور پر دے دی گئی تھی۔ چنانچہ سورۃ بلد جو
مکی سورۃ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دیتے ہوئے
فرمایا کہ اَنْتُمْ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتُمْ جُنُودُكُمْ
الْبَلَدِ یعنی جس اس بات کے ثبوت میں کہ کفار اپنے رسول
میں جھوٹے ہیں کہ شہر کو پیش کرنا ہوں اور اس امر کا اعلان
کرنا ہوں کہ اسے محمد رسول اللہ تو ایک دن پھر اس شہر میں
کامیاب طور پر واپس آئے والا ہے۔ پھر آپ کی ہجرت اور
مکہ مکرمہ میں کامیاب واپسی کی اس آیت میں بھی خبر دی گئی تھی
کہ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ
صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا
(سورۃ نجم ۲۸) یعنی اسے میرے رب مجھے مکہ میں داخل کرنے
کا بھی بابرکت موقعہ دے دے اور مجھے مکہ سے نکلنے کا بھی بابرکت
موقعہ دے دے۔ یعنی میرا مکہ میں واپس آنا بھی میری کامیابی کا ثبوت
ہو اور ایسا نشان ہو جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہو۔ اور میرا

کمرے تکھا بھی بری کامیابی کا موجب ہو۔ اور ایسا نشان ہو جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہو اور اپنے پاس سے مجھے غلبہ عطا فرمایو۔ وہ غلبہ جو مجھے کامیاب کر دے۔ اور میرے دشمنوں کو مغلوب کر دے۔ بعض لوگ اس آیت پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے داخل ہونے کا پہلے کیوں ذکر کیا ہے حالانکہ آپ نکلے پہلے اور داخل بعد میں ہوئے۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ رَّبِّ اٰخِرُجْنِیْ مُخْرَجًا صِدْقِیْ وَاَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقِیْ مگر کیا یہ گیا ہے کہ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقِیْ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجًا صِدْقِیْ یعنی اسے رَّبِّ مجھے اچھے طور سے داخل کر دے اور مجھے اچھے طور سے نکال دے۔ صِدْقِیْ کا لفظ جب عربی زبان میں کسی چیز کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایسی چیز جو ہمیشہ یادگار رہے۔ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھاتا ہے کہ اے میرے رب تو میرا داخل ایسا کیجیو جو دنیا میں ہمیشہ یادگار رہے اور مجھے نکال دے ایسی شان سے کہ قیامت تک یادگار رہے۔ یہ سوال کہ اَدْخِلْنِیْ پہلے کیوں رکھا گیا ہے اور اَخْرِجْنِیْ کو بعد میں کیوں رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے نبیوں کو ڈرایا نہیں کرتا۔ بلکہ امید اور یقین کا پہلو ہمیشہ ان کے سامنے روشن دکھاتا ہے۔ اگر پہلے ہی یہ الہام ہوتا کہ رَّبِّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجًا صِدْقِیْ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل گھبرا جاتا کہ یہ کیا ہونے والا ہے اور دل میں خیال پیدا ہوتا کہ نہ معلوم یہ نکلنا عارضی ہے یا مستقل۔ اس لئے بچے نکلنے کا پہلے ذکر کرنے کے اللہ تعالیٰ نے داخل ہونے کا پہلے ذکر کر دیا تاکہ آپ کا دل مطمئن رہے اور آپ سمجھیں کہ یہ نکلنا محض عارضی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ ہر پھر کہ میں داخل ہونے پر چنانچہ دیکھ لو رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقِیْ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجًا صِدْقِیْ کی

دعا کس شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ آپ نکلے تو کس شان کے ساتھ نکلے اور آئے تو کس شان کے ساتھ آئے۔ گھر سے نکلے تو اس وقت کفار نے آپ کے گھر کے اندر گرہ پرہ لگایا ہوا تھا۔ مگر آپ ان کی آنکھوں کے سامنے نہایت دلیری اور جرأت کے ساتھ گھر سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے آپ کو دیکھا بھی مگر خیال کیا کہ یہ کوئی اور شخص ہوگا۔ اس طرح آپ کفار کی صفوں میں سے نکل گئے اور ان کا ذہن اس طرف مائل ہی نہیں ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جارہے ہیں بلکہ انہوں نے سمجھا کہ یہ کوئی اور شخص ہے۔ پھر وہ ساری رات دلدانہ کی دراڑوں میں سے جھانک جھانک کر آپ کو دیکھتے رہے۔ اور چونکہ حضرت علی آپ کے بستر پر سوئے ہوئے تھے انہیں کوئی شبہ نہ پڑا بلکہ انہوں نے سمجھا کہ آپ ہی سوئے ہوئے ہیں اتنے میں صبح ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علیؓ اندر سے نکل آئے ہیں۔ یہ بھی ایک بہت بڑا نشان تھا جو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا۔ پھر آپ غار ثور میں جا کر چُھپ رہے جو مکہ سے تین چار میل پر ہے ایک غار ہے۔ میں بھی دہان گیا ہوں لیکن میرے دل میں کچھ ایسی کمزوری ہے کہ میں بہاڑ پر نہیں چڑھ سکتا۔ ارادہ تو تھا کہ جاؤں اور غار ثور دیکھوں مگر سودا سو گز تک جا کر رہ گیا۔ اس پر میں نے اپنے ایک ساتھی کو بھیج دیا۔ اس نے جو کیفیت بتائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی گز کی جگہ ہے اور اس کا خوب کھلا اور چوڑا موندہ ہے گویا کئی گز چوڑا اور کئی گز لمبا ایک کمرہ ہے۔ آپ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ گئے اور اس غار میں جا کر بیٹھ رہے۔ جب صبح ہوئی اور مکہ والوں نے دیکھا کہ آپ کہیں چلے گئے ہیں تو انہوں نے مشورہ کیا کہ آپ کا پیچھا کیا جائے۔ اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص آپ کو پکڑ کر لایا جائے سو اونٹ انعام دیا جائیگا۔ اس کے بعد انہوں نے کھوجی کو

اپنے ساتھ لیا اور آپؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ کھوجی پاؤں کے نشانات کو دیکھتے دیکھتے اُن سب کو غارِ ثور کے مہنہ پر لے کر پہنچ گیا۔ اور اُس نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو یہاں ہیں اور یا پھر آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اب باوجود اس کے کہ مکہ والوں کو کھوجیوں پر بڑا اعتبار ہوا کرتا تھا۔ اُن کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ آگے بڑھیں اور غارِ ثور کو اندر سے دیکھیں۔ حالانکہ وہ کئی گز لمبی لڑکی گز چوڑی جگہ تھی اور اُس کا مُنہ بہت کھلا تھا۔ یہ کیسا زبردست نشان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا۔ وہ اُس کی بات کو سن کر ہنسنے لگ گئے اور کہنے لگے یہ معنی کو اس ہم تمہاری بات پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ وہ اس وقت اتنے قریب پہنچ چکے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھبرائے کہ ایسا نہ ہو یہیں دیکھ لیں اور انہوں نے اُستغی سے اس خطو کا اظہار بھی کر دیا۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَخْذَفُوا اِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ اگر یہ ہمارے سر پر بھی کھڑے ہیں تو کیا ہوا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے بھلا یہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنی جان کا فکر نہیں کیونکہ میں تو ایک معمولی انسان ہوں مگر میں مارا بھی جاؤں تو صرف ایک فرد مارا جائیگا۔ لیکن آپؐ کو کوئی نقصان پہنچا تو سارا جہان مرجائے گا۔ عرض کفاد چند منٹ تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور پھر واپس مکہ میں آگئے۔ تیسرے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس غار میں سے نکلے اور مدینہ تشریف لے گئے۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں سے نکلنا کس شان کے ساتھ ہوا۔ یہ ایسی دعا کی برکت تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو سکھائی گئی تھی اَخْبِرْ خَبْرًا مَخْرُوجًا صِدْقًا نَجْمًا مَكَّةَ مِنْ نَكَا لَيْدًا تَوَاسَّ شَانَكَ سَافَهُ كَمِيرًا نَكَلْنَا قِيَامَتَكَ يَادَاكَ رَهَبًا جَنَاحَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ایسا ہی کیا۔ کیا

کوئی شخص اس واقعہ کو بھلا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو مارنے لے لے آتے ہیں جو گھر کے ارد گرد بیٹھے ہوتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی صفوں میں سے گذر جاتے ہیں اور انہیں پتہ تک نہیں چلتا۔ پھر کھوجی ساتھ جاتا ہے وہ نشان بتاتا ہے اور بڑے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو یہیں کہیں ہیں اور یا پھر آسمان پر چلے گئے ہیں۔ مگر وہ اپنے کھوجی پر اعتبار رکھنے کے باوجود اُس کی بات کو تسلیم نہیں کرتے آپؐ کی ادھر ادھر تلاش نہیں کرتے بلکہ ہنستے ہوئے واپس آجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہمارے کھوجی کی عقل ماری گئی ہے۔ پھر اَذْخَلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ والی دعا بھی کس شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ مکہ والوں کی کتنی بڑی طاقت تھی اُن کو کتنا بڑا اقتدار حاصل تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انکی ساری طاقت کو توڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل کیا اور اس شان کے ساتھ داخل کیا کہ بڑے بڑے دشمن آپؐ کی غلامی میں شامل ہو گئے۔ ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ کٹوایا اور مثلہ کیا تھا اور جو اسلام کی شدید ترین دشمن تھی اُس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ مگر جب عورتوں کی بیعت ہونے لگی تو وہ بھی چھپ کر اُن عورتوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کے لئے آگئی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے ہوئے عورتوں سے کہا کہ کہو ہم شرک نہیں کریں گی تو مہندہ سے نہ رہا گیا۔ اور اُس نے کہا یا رسول اللہ! کیا اب بھی ہم شرک کریں گی۔ ہم مالدار تھے اور آپؐ غریب تھے۔ ہمارا جتن تھا۔ اور آپؐ اکیلے تھے اگر توں کی کوئی بھی حیثیت ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ آپؐ ہمارے مقابلہ میں حیثیت جاتے جب آپؐ ہمارے مال اور ہماری طاقت اور ہماری شوکت اللہ ہمارا حصہ اور ہمارا نذر اور ہمارے

کا ایک بے عرب سے تک نشانہ بنے ہے۔ اور جواب بھال کر
تمہارے ملک میں پناہ لینے کیلئے آ رہے ہیں۔

دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک پوتے کا نام ہے جو
آپ کی تیسری بیوی قطورہ کے بطن سے پیدا ہونے والے
ڑکے یسحاق کی اولاد میں سے تھا (پیدائش باب ۱۲ آیت ۱)

تیسرا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نویں بیٹے کا نام
تھا۔ (پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۶) اور قیدار حضرت
اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے کا نام ہے۔ پیدائش
باب ۲۵ آیت ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسماعیل اور
بنی قطورا دونوں ارض مشرق یعنی عرب میں آباد ہوئے۔ چنانچہ
دوران کی اولاد پہلے یمن میں آباد ہوئی۔ مگر پھر اس کے

قبائل عرب میں چاروں طرف پھیل گئے۔ اس اور خندرج
بھی اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح تیمار کی
اولاد مدینہ کے نواح میں آباد ہوئی۔ لیکن قیدار کی
اولاد مکہ کے نواح میں بسی۔ قریش مکہ اسی کی نسل سے
تھے۔ حضرت یسعیاہ نے دوہن اور تیمار کی نسوں کو جو

نواح مدینہ میں آباد تھیں بتایا کہ ایک زمانہ میں قریش کے
مظالم اور اُن کی شرب و رذ کی جنگ کے نتیجے میں آخر
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف
ہجرت کرنی پڑی تھی۔ تیمار فرض ہے کہ تم ان کے استقبال
کے لئے آگے بڑھو۔ اور اپنی آنکھوں کو فرض راہ کرو۔ اور
روٹی اور پانی لے کر اُن کے منے کو نکلو یعنی اپنے گھروں
کے دروازے اُن کے لئے کھول دو۔ اور اُن کی خدمت

کو اپنے لئے برکت اور رحمت کا باعث سمجھو۔ چنانچہ بنی
یشیکوئی کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ
کو ساتھ لیکر مکہ سے نکلے اور اسی حالت میں نکلے جب کہ
نئی تلواروں کے ساتھ دشمن نے آپ کے مکان کا محاصرہ
کیا ہوا تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ آپ کا قاتلہ کر دے مگر
اللہ تعالیٰ نے یہی قدرت تعالیٰ فرمائی کہ رسول کریم

انذار کے باوجود ہجرت گئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسے
بتوں میں کوئی طاقت نہیں۔ یہ وہ عظیم الشان نشان تھا
جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذلیعہ فتح مکہ کے وقت
ظاہر ہوا۔ اور جس کی لکڑاؤ لٹائی محاذ میں خبر دی
گئی تھی۔

پھر جب ہر گنپ سابقہ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اُن
میں بھی یہ پیشگوئی نظر آتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو ایک دن اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑے گی۔
اور پھر دس ہزار قیدیوں کے ساتھ آپ کا قحطانہ طور پر مکہ
میں داخل ہونگے۔ چنانچہ آپ کی ہجرت کی خبر یسعیاہ باب ۱
میں پائی جاتی ہے جہاں لکھا ہے :-

عرب کی بابت الہامی کلام

عرب کے محرمات میں قحطیات کا لوگے۔ اے
دوانیوں کے قافلہ پانی لے کر بیاہے کا استقبال
کرنے آؤ۔ اے تیمار کی سرزمین کے باشندو!
روٹی لے کر بھاگنے والے کے منے کو نکلو کیونکہ
دس تلواروں کے سامنے سے۔ ننگی تلوار سے
اور کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے
بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا
ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک
برس میں قیدار کی سادی حشمت جاتی رہے گی
اور تیرا انداز دل کے جو باتی رہے قیدار کے
بہادر لوگ گھٹ جائیں گے۔ اور خداوند اسرائیل
کے خدا نے یوں فرمایا :-

(یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۴ تا ۱۵)

ایں پیشگوئی میں دو دانیوں کے قافلین اور تیمار کی سرزمین کے
باشندوں سے خطاب کرتے ہوئے، بنو توجہ دلائی گئی ہے کہ
تم روٹی اور پانی لیکر اُن لوگوں کا استقبال کرنے کیلئے آگے بڑھو
جو بنو نفعین کے جوہر اُن کی ننگی تلواروں اور کھچی ہوئی کمانوں

صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے سے نکل آئے اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔

پھر اس پیشگوئی میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس ہجرت کے ٹھیک ایک سال بعد آپ کے دشمنوں کے درمیان ایک جگہ ہوگی جس میں دشمن شکست کھائیگا۔ قریش کا تمام رعب و دبدبہ خاک میں مل جائیگا۔ چنانچہ مین ایک سال کے بعد جنگ بدر ہوئی جس میں اسلام کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اور قریش مکہ اپنے کمانڈر اور جرنیلوں کی لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

پھر یہ تو ہجرت کی خبر تھی۔ فتح مکہ کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں دی کہ

”فداوند سینا سے آیا۔ شیر سے ان پر طوع ہوا اور فادان ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔“

(استفناذ باب ۳ آیت ۱۰)

اس آیت میں فادان سے ظاہر ہونے والے جیسی ہووے کی پیشگوئی کی گئی تھی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کے لشکر کے ساتھ مکہ میں اس طرح داخل ہونگے کہ ان کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ہوگی آتشی شریعت سے مراد دونوں کو صاف کرینوالی شریعت بھی ہو سکتی ہے اور اس موقع کے مناسب اسکے معنی تلواریں بھی ہو سکتے ہیں کہ جب مکہ والے قرآن کی حکومت کو جو رحمت کا پیغام تھا قبول نہیں کر گئے بلکہ اسے مٹانے کی کوشش کرینگے تو اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ایک آتشی شریعت یعنی تلوار دیگا اور آخر مکہ کے لوگ تلوار کے آگے اپنا سر جھکا دیں گے۔

یہ پیشگوئی جو بائبل میں پائی جاتی ہے اس کی طرف یہود کے اہل علم و فضل کی نگاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی اٹھ چکی تھی۔ چنانچہ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دفعہ مدی نازل ہوئے تو آپ گھبرا گئے اور اپنے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی درقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو صحیفہ انبیاء سے خوب واقف تھا اور کہا کہ ان کے پاس اپنی کیفیت کا ذکر کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں باتیں بتائیں کہ کس طرح ان پر وحی نازل ہوئی ہے تو درقہ بن نوفل نے کہا کہ کاش میں اس وقت جوان ہوتا ادا بخیر جئت فو ملکت۔

جب تیری قوم تجھے مکہ سے نکال دیگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیفہ سابقہ کی یہ پیشگوئیاں ان کے ذہن میں تھیں کہ عرب میں ایک عظیم الشان نبی پیدا ہوگا جسے اس کی قوم کے لوگ اپنے شہر میں سے نکال دیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو آپ سخت حیران ہوئے کیونکہ اس وقت تک ابھی آپ نے کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا اور سادہ عرب آپ کو راست باز اور امین سمجھتا اور آپ کو عزت کے مقام پر بٹھاتا تھا۔ اسی حیرت کے عالم میں آپ نے درقہ بن نوفل سے کہا۔ ادا بخیر جئت فو ملکت۔ کیا میری قوم مجھے نکال دیگی؟ انہوں نے کہا۔ ہاں! ضرور نکال دیگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کی طرف پہلے ہی واقف لوگوں کے ذہن منتقل ہو چکے تھے کہ عرب میں ایک عظیم الشان نبی آئیگا جو موسیٰ کا شیل ہوگا۔ اس کی قوم کے لوگ اُسے اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ پھر وہ کسی اور مقام میں پناہ لیگا اور وہاں سے طاقت حاصل کر کے مکہ فتح کر لیگا۔ چنانچہ جب اس پیشگوئی کے ظہور کا وقت آیا تو ابھی آپ مکہ میں ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ انا الذی

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُثَقِّلَ بِكَ ثِقَلُ الْأَرْحَمَةِ

اور تو کوئی امید نہیں رکھتا تھا کہ تجھ پر ایک کمل کتاب نازل کی جائیگی۔ گرتے رب کی طرف سے

مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ۚ وَلَا

رحمت کے طور پر ایسا ہوا۔ پس تو کافروں کا مددگار کبھی نہ بنیو۔ اور تجھے کوئی شخص

يُصَدِّدُكَ عَنِ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ

اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تجھ پر اتاری گئیں اُن سے روکنے والا نہ بنے۔

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

اور تو اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلا اور مشرکوں میں شامل نہ ہو۔

۵۶۴ تفسیر

تیرے دامہ میں بھی یہ بات کہ اسکی قسمی کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کمال کتاب نازل ہوگی یہ رحمت تیرے رب کی رحمت کا ہی تقاضا تھا کہ موسیٰ کی مشی گوئی کے مطابق تجھ پر وہ کتاب نازل کی جاتی جو دنیا کے تمام دکھوں کا دوا بن جاتی اور جو قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لئے اپنے اندر ہدایت اور راہنمائی کا سامان رکھتی ہیں اب جبکہ ایسی کمال کتاب ہم نے دنیا میں نازل کر دی ہے۔

لے محمد رسول اللہ کی پیروی کا دم بھرنے والے تو کبھی کافروں کا مددگار نہ بن۔

اسکے الکتاب کا ترجمہ ہم نے کمال کتاب اٹلے کیا ہے کہ عربی زبان میں جس چیز پر الف لام داخل ہو۔ اس کے ایک معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ چیز اپنی ذات میں کامل ہے۔ جیسے الْحَمْدُ لِلَّهِ کے ایک معنی یہ ہیں کہ حمد اپنے سارے کمال کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے ہیں یہاں الکتاب کے معنی ہیں جو تمام روحانی ضرورتوں کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔

فَرَمَّ غَيْظًا لِّقُرْآنٍ لِّكَ إِنَّمَا ذَٰلِكَ إِلَىٰ مَعَادٍ مَّعْنَىٰ دِهْ خَا جس نے تجھ پر قرآن کی اطاعت فرض کی ہے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ خدا تجھے پھر اس شہر کی طرف واپس لاے گا جس کی طرف لوگ بار بار لوٹ کر آتے ہیں یعنی اب تیری ہجرت کا زمانہ قریب آچکا ہے اور تجھے مکہ سے نکال کر دشمن خوش ہو گا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا مگر تیرا خدا ہجرت سے بھی پہلے خوشخبری دیتا ہے کہ وہ پھر تجھے اس مقام میں واپس لاے گا اور دشمنوں کی جھوٹی خوشیوں کو پامال کر دیگا۔

قُلْ ذَٰلِكُم مِّنْ جَزَاءِ الْوَاهِدِیِّ وَمَنْ هُوَ بِفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ جو ہدایت لاتا ہے اُسکو بھی اور جو گمراہی میں ڈرا ہوا ہے اُسکو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہدایت لانیو لانا کام رہے اور گمراہ لوگ کامیاب ہو جائیں۔ آخری فیصلہ بہر حال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے منوری ہے کہ جو ہدایت لیکر آیا ہے وہ کامیاب ہو اور اُس کے دشمن ہلاک ہوں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَدْ

اور اے مخاطب! اللہ (تعالیٰ) کے سوا کسی معبود کو مت پکار - اُس کے سوا کوئی معبود نہیں -

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ

ہر ایک چیز لوک ہوئیالی ہے سوائے اُس کے جس کی طرف اُس (یعنی خدا تعالیٰ) کی توجہ ہو۔ حکم اُسی کے اختیار میں ہے

مصدق تھے۔ اور نہ فوت سے پہلے آپ نے کبھی شرک کیا اور نہ فوت کے بعد۔ تو یہ تصور بھی کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ آپ کسی وقت کفار کی مدد کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔

پس فَلَا تَكُونُ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ کے مخاطب امت محمدیہ کے افراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اب جب کہ میں نے ایک کامل کتاب نازل فرما کر تمام دنیا کے لئے خیر اور برکت کا سامان مہیا کر دیا ہے اور قیامت تک اب کسی اور شریعت کی ضرورت نہیں رہی تو تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم اس کتاب کے علوم سے غفلت اختیار کرو۔ اور اس پر عمل کرنے میں تساہل سے کام لو۔ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم دنیا میں گمراہی پھیلانے کا موجب بن جاؤ گے اور اپنے عمل سے کفار کے مددگار ہو جاؤ گے۔ کیونکہ

مومن اور کافر دو مختلف راستوں پر جا رہے ہیں۔ مومن اس کتاب کو اپنے ہاتھ میں لے کر نکلے گا اور کافر اس کتاب کو مٹانے کی کوشش کریگا۔ لیکن اگر کسی وقت اس کتاب پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے والا ہی اس کتاب کو پس پشت پھینک دیگا تو وہ کفار کا مددگار ہو جائیگا۔ پس اے مسلمانو! تم ہمیشہ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور کبھی کفار کے ان بدارا دونوں میں جو وہ اپنے دلوں میں خدا اور اُس کے رسول کے نام کو مٹانے کے لئے لکھتے ہیں مددگار مت بنو بلکہ ہمیشہ اسکی تعمیل کو پھیلاتے چلے جاؤ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہاں بظاہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے مگر قرآن کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ کئی مقامات پر مخاطب صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہے مگر مراد آپ کی امت کے افراد ہوتے ہیں۔ اسیجگہ بھی فَلَا تَكُونُ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ میں امت محمدیہ کے افراد سے خطاب کیا گیا ہے۔ ورنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تو اللہ تعالیٰ فرمایا چکا ہے کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَبِذَٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

(انعام آیت ۱۶۳)

یعنی تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ میری عبادتیں اور میری قربانیاں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اسی امر کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔

پس اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادتیں بھی اور آپ کی قربانیاں بھی بلکہ آپ کی زندگی بھی اور آپ کی موت بھی سب خدا کے لئے تھی۔ اور آپ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ کے

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۸۹

اور (تم سب) اُسی کی طرف لوٹ کر لے جائے جاؤ گے ۸۹

ع ۹
۱۲

اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ آیات الہیہ کا انکار اور تبلیغ میں کوتاہی بھی اپنے اندر شرک کا ہی ایک رنگ دکھتی ہے۔ کیونکہ آیات الہیہ کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو ڈرتا ہے کہ اگر میں نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو لوگ میری مخالفت کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہی طرح تبلیغ سے بھی وہی شخص بھاگتا ہے جو لوگوں کی مخالفت اور ان کی ایذا رسانی سے گھبراتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنے اندر شرک کا ایک رنگ دکھتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی کہ تم مشرکوں میں سے مت بنو۔ دلیری سے آیات الہیہ پر ایمان لاؤ۔ اور پھر دلیری سے ان کی دنیا میں اشاعت کرو۔ اور اپنی نگاہیں ہمیشہ آسمان کی طرف بلند رکھو۔ زمینی لوگوں سے مت ڈرو کہ یہ بھی ایک

غشی شرک ہے۔

۸۹ تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کو ایک اور اہم نصیحت کرتا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ۔ اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو اپنا معبود سمجھ کر مت پکارو کیونکہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ چونکہ گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو اشاعت اسلام کی طرف توجہ دلائی گئی تھی اور اسلام کے ساتھ سب سے زیادہ فکر اور سب سے لمبی فکر عیسائیت نے یعنی یحییٰ اس لئے قرآن حکیم میں عیسائیت کے غلط عقائد کی تردید پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کو بار بار توجہ دلائی گئی ہے کہ انہیں سب بڑا مقابلہ عیسائیت کے ساتھ پیش آنے والا ہے۔ جو تین خداؤں کی قائل ہے۔ اس لئے تمہارا فرض ہے کہ تم عیسائیت کے مقابلہ میں

وَلَا يُصَدِّقَنَّ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ۔ دوسری نصیحت اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ قرآن کریم کو ایک کال کتاب ہے جس کے بعد کوئی شریعت نہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نزول قرآن کے بعد آیات الہیہ کا بھی مندر نہیں ہوگا۔ آیات الہیہ کا ہر زمانہ میں مختلف شکلوں میں نزول ہونا چاہیگا کبھی مجددین کی شکل میں۔ کبھی مامورین کی شکل میں اور کبھی معجزات و نشانات اور آسمانی نامیدات کی شکل میں۔ بس سب سے جب بھی تم پر خدا تعالیٰ کی آیات نازل ہوں یعنی تمہارے زمانہ میں تمہاری ترقی اور بہتری کے لئے خدا تعالیٰ مختلف نشانات کے آئینہ میں اپنی شکل دکھائے تو ان پر ایمان لانے کے سلسلہ میں کوئی روک تمہارے سامنے میں حاصل نہیں ہونی چاہیے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آخری زمانہ میں مسیح موعود آئے اور تمہارے کانوں میں اس کی آواز پہنچے تو تم فوراً اُس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اُس کی طرف دوڑ پڑو۔ غولہ میں گھٹنوں کے بل چل کر ہی اُس کے پاس کیوں نہ جانا پڑے۔

وَإِذْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ اور پھر ایمان لانے کے بعد تمہارا کام یہ ہے کہ تم دوسرے لوگوں کو بھی اس نعمت میں شریک کرو۔ اور انہیں خدا تعالیٰ کے مامور پر ایمان لانے کی تحریک کرو۔ اور تبلیغ کے سلسلہ کو وسیع کرو۔

وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ الْمُشْرِكِينَ اور مشرکوں میں شامل نہ ہو۔ اس جگہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں بلکہ آپ کی امت سے خطاب کیا گیا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ نبوت سے پہلے کبھی شرک کیا تھا اور نہ نبوت کے بعد آپ نے کبھی شرک کیا۔ پس اس آیت کی مخاطب آپ کی جماعت ہے۔

منصوبی سے ڈٹے رہو۔ اور کبھی خدائے واحد کی توحید کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنی ذات میں احد یعنی اکیلا ہے۔ اور غیر منقسم ہے۔ اس لئے نہ وہ کسی بیٹے کا محتاج ہے اور نہ روح اقدس کا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اولی رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا۔ مجھے ابھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی سمجھائے گئے ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ صرف اللہ کی ذات ہی مفرد ہے باقی سب چیزیں مرکب ہیں۔ پس روح اور مادہ کے انہی ہونے کی بحث بالکل لغو ہے۔ روح اور مادہ ہرگز مفرد نہیں بلکہ یہ بھی مرکب ہیں۔ اور ان پر خدا تعالیٰ کا ہرگز قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فنا سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پاک ہے۔ کیونکہ مفرد پر فنا نہیں آتی۔ فنا ہمیشہ مرکب پر آتی ہے۔ کیونکہ فنا کے معنی ہیں مرکب اجزاء کا الگ ہو جانا۔ اور مفرد کے اجزاء ہی نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کے کسی وقت الگ الگ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ یہی دلیل اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے لگے ذکر کے میں بیان کی ہے اور فرمایا ہے حُلُّ شَيْءٍ وَهَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ دنیا کی ہر چیز بلکہ ہر مزمومہ معبود بھی ہلاک ہونے والا ہے اور یہ ہلاکت ثابت کرتی ہے کہ کوئی چیز اپنی ذات میں قائم نہیں بلکہ کوئی اور وجود اُسے قائم رکھ رہا ہے اس آیت میں منہی طور پر وحدت وجود والوں کا بھی رد کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ دنیا میں خدا کے سوا اور کچھ نہیں جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ خدا تعالیٰ کا ہی جلوہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر وہ چیز جو پیدا ہوتی ہے، وہ ہلاک ہوتی ہے اگر یہ سب کچھ خدا ہی خدا ہے تو دنیا کی کوئی چیز تغیر پذیر نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر اُس کا تغیر پذیر ہونا بتاتا ہے کہ یہ چیزیں خدا کا حصہ نہیں در نہ اگر کسی چیز کے ایک حصہ میں تغیر ہو سکتا ہے۔ تو پھر کل میں بھی تغیر تسلیم کرنا پڑیگا۔ اِلَّا وَجْهَهُ میں بتایا کہ صرف وہی بچیں گے جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ ہوگی۔ یہ استثناء اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا کہ حُلُّ شَيْءٍ وَهَالِكٌ سے یہ شبہ پڑ سکتا تھا کہ شاید جنت بھی ایک دن فنا ہو جائیگی۔ یا وہ روحانی علوم جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ دنیا میں نازل کئے ہیں وہ بھی تباہ ہو جائیں گے یا اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے بھی ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اِلَّا وَجْهَهُ کے الفاظ بڑھا دیئے۔ اور بتا دیا کہ کچھ چیزیں اس ہلاکت سے محفوظ بھی رہیں گی۔ مگر وہ وہی ہونگی جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ ہوگی۔ در نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے لئے موت لازمی ہے اور انسانوں میں بھی کوئی اس موت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہاں وہ وہ لوگ جو وَجْهَهُ اللہ میں محو ہو کر ایک نئی زندگی حاصل کر لیتے ہیں وہ جسمانی موت سے تو نہیں بچ سکتے لیکن ان کی مدد میں ہمیشہ کے لئے زندہ رکھی جائیں گی۔ کیونکہ ان کی آدراج کا خدا تعالیٰ کی ذات سے اتصال ہو جاتا ہے۔ اور دنیا میں ہی خدا نامہ وجود بن جاتے ہیں۔ جیسے حدیثوں میں آتا ہے کہ بندہ میرے قرب میں آتا بڑھتا ہے کہ آخر میں اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اُس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اُس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے بولتا ہے۔ جو اُس پر حملہ کرتا ہے وہ اُس پر نہیں بلکہ چار

حملہ کرتا ہے۔ اور جو اُس کو عزت دیتا ہے۔ وہ اُس کو نہیں بلکہ خدا کو عزت کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ۔

میرے پادشاه تک وہ یاد رکھیں کہ یہاں

لے میرے بجوایا کرنا۔ ہوش کر کے سمجھ پو وار

یعنی تم مجھے دیکھتے ہو تو یہ خیال کرتے ہو کہ یہ مرزا غلام احمد ہے۔ اگر ہم نے اس پر حملہ کر لیا تو کیا ہوا حالانکہ اگر تم حملہ کرتے ہو تو تمہارا حملہ مرزا غلام احمد پر نہیں بلکہ خدا پر ہوتا ہے کیونکہ خدا نے میرے وجود کو اپنا لیا ہے۔

پُرانے زمانہ میں طریق تھا کہ بادشاہ ایک بکرا لے کر اُسے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ کہ جو اس پر حملہ کرے گا وہ ہم پر حملہ کرنے والا سمجھا جائیگا۔ وہ تمام ملک میں آزاد پھرتا تھا اور کوئی اُس کو چھینے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اور اگر کسی علاقہ میں وہ مارا جاتا تو بادشاہ اُس پر چڑھائی کر دیتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض بند اُس کے اتنے پیارے اور محبوب ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان پر حملہ اپنی ذات پر حملہ سمجھتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت صالح علیہ السلام کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی ادنیٰ کے متعلق لوگوں میں اعلان کر دیا کہ دیکھنا اس کو نہ چھیننا۔ ورنہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس کا مطلب حقیقت یہی تھا کہ جس طرح حضرت صالحؑ خدا کے ہو گئے تھے اسی طرح خدا صالحؑ کا ہو گیا تھا جس طرح حضرت صالحؑ کے بغیر خدا ظاہر نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح ادنیٰ کے بغیر صالحؑ بھی تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔ پس جو ادنیٰ کو مارتا تھا وہ اس لئے نہیں مارتا تھا کہ وہ ایک ادنیٰ ہے بلکہ اس لئے مارتا تھا کہ

صالحؑ تبلیغ نہ کرے۔ اور جو صالحؑ کو مارتا تھا۔ اس لئے نہیں مارتا تھا کہ صالحؑ اور افراد کی طرح ایک فرد ہے بلکہ اس لئے مارتا تھا کہ صالحؑ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا چہرہ دنیا پر ظاہر نہ ہو۔ اس لئے جن لوگوں نے ادنیٰ پر حملہ کیا۔ انہوں نے ادنیٰ پر نہیں بلکہ صالحؑ پر حملہ کیا۔ اور خدا نے انہیں اپنے غضب کا نشانہ بنا دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم نے ادنیٰ کو مار کر صالحؑ کو مارا۔ اور صالحؑ کو مار کر مجھے مارا۔ پس میرے وجود چونکہ خدا تعالیٰ کے وجود میں ہی شامل ہوتے ہیں۔ اِس لئے اَللّٰہُ دَجَّہُ فرما کر ان کا استغنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اور انہیں دائمی حیات کا وارث قرار دے دیا گیا ہے۔

پھر عَلٰی سَنَىٰ جَوَّالِہٖ اَللّٰہُ دَجَّہُ کے ایک یہ بھی معنی ہیں کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ کا وجہ نظر آتا رہے یعنی وہ اپنی غرض پیدائش کو پورا کرتی رہے وہ محفوظ رہتی ہے۔ ورنہ ہلاک ہو جاتی ہے۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ وجود باری کو ظاہر کرنے والا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر آتا ہے۔ کسی میں رحمت کا اور کسی میں غضب کا اور کسی میں ربوبیت کا اور کسی میں حفاظت کا اور کسی میں تغنا و انصاف کا۔ اگر کہو کہ کیا گندی چیزوں میں بھی خدا کا چہرہ نظر آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چہرہ سے مراد ظہور صفات ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کوئی حقیقی چہرہ ہے۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ گندی اور پاک دونوں چیزوں سے خدا تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہو رہا ہے۔ صرف ظہور مختلف قسم کا ہے۔ ہاں انسان ایک وقت میں صرف ایک ہی صفت کو نمایاں طور پر ظاہر کر سکتا ہے یا چند صفات ظاہر کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ

ایک ہی وقت میں غضب اور رحم اور باقی سب صفات ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ پس یہ کوئی اعتراض نہیں کہ ایک ہی وقت میں اس کا چہرہ مختلف آثار کیونکر ظاہر کر رہا ہے۔ پھر فرماتا ہے لَہُ الْحُكْمُ وَالْیَہُ تَرْجَعُونَ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے جو بادشاہت بھی اُمی کے ہاتھ میں ہے۔ اور پھر تم سب نے مرکز پیش بھی اُمی کے حضور ہونا ہے۔ اور جب یہ حالت

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز نے فنا ہونا ہے۔ صرف وہی چیز باقی رہی جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ ہوگی اور تمام بادشاہت بھی اُمی کے قبضہ میں ہے تو پھر شرکوں سے ڈرنے کا کیا فائدہ، جب فنا ہونا ہے تو پھر اُس ذات کے ساتھ انسان کیوں تعلق پیدا نہ کرے جسکی توجہ سے انسان کو دائمی اور ابدی زندگی مل سکتی ہے اور مرنے کے بعد انسان ہمیشہ کا سکھ پاسکتا ہے۔

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ

سورۃ عنکبوت - یہ سورۃ مکی ہے

وَهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعُونَ آيَةً وَسَبْعُ مِائَتَيْنِ

اور بسم اللہ سمیت اس کی ستر (۷۰) آیتیں ہیں اور سات سو و دو سو ہیں۔

وقت نزول :- حضرت ابی عباسؓ ابن زبیرؓ

محکمہ مطاوعہ جابر بن زید کے نزدیک یہ تمام سورۃ مکی ہے۔ بحجی بن سلام کے نزدیک اس کی صرف بارہ ابتدائی آیات مدنی ہیں۔ باقی ساری سورۃ ان کے نزدیک بھی مکی ہے۔ لیکن قتادہ اسے مدنی قرار دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کے نزدیک یہ سورۃ مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی تھی۔ پورچین ششقرن میں سے تولد کے پورچین دہری دونوں اسے مکی قرار دیتے ہیں۔ البتہ وہ اس کی ابتدائی دس آیات اور آیت ۴۵ کو مدنی قرار دیتے ہیں۔

تفلق اور ترتیب سورۃ قصص کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ یحییٰ اے محمد رسول اللہ کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہو۔ اور دنیا میں اس کی شاعت کرتے رہو۔ اور اس بات سے نہ ڈرو کہ مشرکوں کا ملک ہے وہ تم کو تکلیف پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے مواہر چیز نے فنا ہونا ہے۔ صرف وہی چیز باقی رہے گی جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ ہوگی۔ اس لئے مشرکوں سے ڈرنے کا کیا فائدہ۔ تمہیں اپنا اصل تعلق اللہ تعالیٰ سے رکھنا چاہیے اور اُسی کی رضا اور خوشنودی کی جستجو کرنی چاہیے۔ اب سورۃ عنکبوت کو بھی اسی معنوں کے تسلسل میں جاری دکھا گیا ہے اور فرماتا ہے کہ بے شک تم چاروں طرف سے مشرکوں میں گھبرے ہوئے ہو اور تمہاری مثال

اس وقت ایسی ہے جیسے تیس دنوں میں زبان ہوتی ہے مگر تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایمان کی شان بھی اُسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب دشمنوں کی مخالفت اپنے انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ اگر تم یہ سمجھو کہ تمہیں بھولوں کی سیج پر چلتے ہوئے کا یہی حاصل ہو جائیگی تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ تم نے بیشک اپنی زبانوں سے اپنے ایمانوں کا اظہار کر دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا عمل بھی اس ایمان کی شہادت دے اور تم اپنے خون کے نقوش سے اسی ہدایت کے اقرار کا ایک عملی ثبوت قیامت تک آنے والے لوگوں کیلئے بنیاد بنا کر دو اور یہ امت سمجھو کہ اس قرآنی کا صرف تم سے ہی مطالبہ کیا گیا ہے بلکہ پہلے لوگوں سے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ سنت اللہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف منہ کے اقرار سے کسی قوم کو انعامات کا حقدار قرار نہیں دیتا بلکہ وہ انہیں آزمائشوں اور امتحانات کی بھیڑ میں ڈالتا ہے اور انہیں صبر آزما معائب کے ایک ہولناک دور میں سے گزارتا ہے تاکہ ان کے ایمانوں کا صدق یا کذب بھی لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور لوگوں کو یہ بھی تہہ نگ جانے کہ گیس پایہ کا ایمان اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول ہوا کرتا ہے۔

خلاصہ مضامین فرماتا ہے۔ کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف منہ سے اپنے آپ کو مومن کہہ دینے سے ان کو اللہ تعالیٰ چھوڑ دے گا۔

دروغے ایمان کا امتحان لے کر ان کی حقیقت کو

دنیا پر ظاہر نہیں کرے گا۔ (آیت ۳)

مومنوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اُن سے پہلے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے امتحان میں ڈالا۔ پس اس زمانہ کے مہمنوں کو بھی اللہ تعالیٰ سناڑ کر کے چھوڑے گا۔ اور دنیا پر ظاہر کر دیکھا کہ وہ صادق ہیں یا جھوٹے۔ (آیت ۴)

پھر فرماتا ہے کہ کیا وہ لوگ جو بیاں کرتے ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اُن کو سزا نہیں دیں گے۔ یادہ کسی نہ کسی طرح ہماری سزا سے بچ جائیں گے۔ اُن کا یہ خیال بالکل باطل ہے۔ ہماری سزا سے بچنے کا طریق یہی ہے کہ انسان توبہ کرے اور ہماری طرف رجوع کرے (آیت ۵)

اللہ تعالیٰ کی کلمات کا وقت اور ضرور آئیگا۔ اِن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نیکی کرنا انسان کے اپنے فائدے کیلئے ہوتا ہے خدا کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جو نیکی کرے گا وہ اپنے فائدہ کے لئے کہے گا۔ اور جو بدی کرے گا اس کا نقصان اُسے خود پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال سے بے نیاز ہے۔

(آیت ۶ و ۷)

ہاں بدی اور نیکی کی جزا میں ایک فرق ہے ہم چونکہ رحیم و کریم ہیں۔ اگر کوئی نیکی کرے تو ہم اُس کی نیکیوں کا اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ دیتے ہیں۔ اور اگر لوگوں سے کوئی غلطیاں ہو جائیں تو ہم اُن پر پدہ ڈال دیتے ہیں۔ (آیت ۸)

پھر فرماتا ہے۔ ہم نے انسان کو اپنے والدین سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہاں اگر وہ توحید کے خلاف کوئی بات کریں تو نہ مانے کیونکہ آخر معاملہ خدا سے پڑتا ہے ماں باپ سے نہیں پڑتا۔ اس لئے جو بات خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے اُس کو خدا تعالیٰ پر چھوڑے۔

اس میں ماں باپ کی بات نہ مانے۔ (آیت ۹)

پھر بتایا کہ مومنوں کو مرنے کے بعد اعلیٰ مقامات میں گئے اور اُن کو ہم نیک لوگوں کی جماعت میں داخل کرینگے (آیت ۱۰)

پھر اس سورہ کی پہلی آیت کے تسلسل میں بتایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کی دہ سے اُن کو تکلیف دی جاتی ہے تو اُن انسانوں کی تکلیفوں کو اتنا ہی بڑا سمجھتے ہیں جتنا خدا کے عذاب کو۔ خدا کی رحمت کے دروازہ تک پہنچ کر مہر لوٹ جاتے ہیں۔ مومن کو ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمت اور استقلال کے ساتھ سچا پر قائم رہنا چاہیے۔

پھر فرماتا ہے۔ بزدل لوگ بُردی کی دہ سے منہ منا بھی بن گئے ہیں۔ اگر مومنوں کو خدا کی مدد آ جائے تو کہتے ہیں ہم بھی تمہارے ساتھ تھے لیکن اتنا بھی نہیں جانتے کہ ایمان کا انعام تو خدا نے دینا ہے محمد رسول اللہ نے نہیں دینا۔ اور خدا تو دل کی باتوں کو جانتا ہے۔ محمد رسول اللہ تو نہیں جانتے۔ پس آرام اور ترقی کے راستے کھلے دیکھ کر اپنے متعلق مومنوں کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ضرور آزمائش میں ڈالے گا۔ یہاں تک کہ دُنیا پر ظاہر ہو جائیگا کہ مومن کون سے ہیں اور منافق کون سے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم و حکم دافعہ سے بدل جائیگا۔ تاکہ اس علم کے مطابق اللہ تعالیٰ جو سزا یا جزا دے اُس پر کسی کو اعتراض کا موقع نہ ہے (آیت ۱۱ و ۱۲)

پھر فرماتا ہے کہ کفر انسان کے دل پر ایسا زنگ لگا دیتا ہے کہ خلاف عقل باتیں کا فخر کے منہ سے نکلتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کافر کہنے لگ جاتے ہیں کہ اگر تم ہمارے پیچھے چلو تو ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے۔ وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس قسم کی دھوکا بازی کے بدلہ میں اُدھی بوجھ اُن پر ڈالا جائیگا کیونکہ انہوں نے یہ بات کہہ کر اُدھی بھی گناہ کیا ہے۔ (آیت ۱۳ و ۱۴)

اس کے بعد حضرت نوحؑ کا ذکر شروع کیا ہے۔

جن کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ آئے تھے اور جن کے سلسلہ میں آگے حضرت موسیٰؑ آئے۔ فرماتا ہے، انہوں نے ایک بے عرصہ تک دنیا میں تبلیغ کی مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر خدا تعالیٰ کو انہیں ایک طوفان کے ذریعہ سے تباہ کرنا پڑا۔ لیکن نوحؑ اور اس کے ساتھیوں کو خدا تعالیٰ نے بچا لیا اور آئے والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔ (آیت ۱۹ و ۲۰)

پھر ابراہیمؑ کا ذکر فرماتا ہے اور بتاتا ہے کہ نوحؑ کے واقعہ سے ابراہیمؑ کے زمانہ کے لوگوں نے فائدہ نہ اٹھایا چنانچہ فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ کے زمانہ میں بھی لوگوں نے ترک کرنا شروع کر دیا۔ اور ابراہیمؑ نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر تمہیں کچھ بھی علم ہو تو اس نصیحت پر عمل کرنا تمہارے لئے بہت بہتر ہو گا۔ تم اتنا تو سوچو کہ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور خدا تعالیٰ پر ان کے بارہ میں افواہ باندھتے ہو اور یہ نہیں سمجھتے کہ تم تو اپنی زندگی کے لئے رزق کے محتاج ہو اور تمہارے معبود رزق دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ رزق اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اور زمین سے غلہ اگاتا ہے۔ پس جو رزق دیتا ہے اسی کی طرف توجہ کرو اور اس کی عبادت کرو کیونکہ آخر تم نے اسی کے پاس جانا ہے۔

اگر تم اس بات کو نہیں مانو گے تو یاد رکھو کہ پہلی قوم بھی شرک کرتی آئی ہیں اور تمہیں پتہ ہے کہ ان کے شرک کا کیا نتیجہ نکلا۔ میں تو رسول کی حیثیت میں صرف بات پہنچانے کا ذمہ دار ہوں۔ جب کسی کو ایمان دینا میرا کام نہیں۔ (آیت ۱۷ تا ۱۹)

پھر فرماتا ہے لوگ! تمنا غور نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ نظام بھی ایک عرصہ کے بعد لوگوں کے بدلنے کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ پھر لوگ کس طرح سمجھتے ہیں کہ ان کے

نبردستی ٹھونسنے پونے نظام ہمیشہ قائم رہیں گے۔ اور جس نظام یا عقیدہ نے ایک دن جل ہی جانا ہے اس کو نبردستی ٹھونسنے کی کیا وجہ ہے؟ (آیت ۲۱ و ۲۲)

پھر فرماتا ہے۔ عذاب الہی بھی انہیں لوگوں پر آتا ہے جو خدا تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور ہم بھی انہیں پر نازل ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی تقدیر کے ماتحت رحم کے مستحق ہوتے ہیں۔ (آیت ۲۳ و ۲۴)

پھر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کا مقابلہ انسان نہیں کر سکتا۔ اگر خدا کسی قوم کو ادبنا کرنا چاہتا ہے تو وہ ضرور ادبنا ہو کر رہے گی۔ اور اگر کسی کو بچنا کرنا چاہتا ہے تو وہ ضرور بچنا ہو کر رہے گی۔ (آیت ۲۵ و ۲۶)

پھر بتایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نشانات اور اس کی قیادت کے منکر ہوتے ہیں ان کے اس انکار کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ اور آخر یہی مایوسی انہیں بڑے بڑے گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جب ابراہیمؑ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی نصیحت کی۔ تو ان لوگوں نے جو خدا تعالیٰ کی قیادت سے مایوس ہونے کی وجہ سے گناہوں پر دلیر ہو چکے تھے ایک دوسرے سے کہا کہ اسے قتل کر دو۔ یا آگ میں ڈال کر جلا دو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو معجزانہ رنگ میں آگ سے نجات دے دی۔ (آیت ۲۷ و ۲۸)

اس کے بعد بتایا کہ بت پرستی کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں بلکہ صرف اس لئے بتوں کی پرستش کی جاتی ہے کہ تمام بت پرستوں کا ایک نقطہ مرکزی قائم ہو جائے اور ان کا ایک جتھہ بن جائے۔ مگر یہ تمام دوستیاں اور تعلقات صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہیں آخرت میں یہ لوگ ایک دوسرے پر بغض ڈالیں گے اور ان کے معبود معبودوں میں کوئی ان کی مدد نہیں کر سکیگا۔ (آیت ۲۹ و ۳۰)

پھر بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے اُن میں سے ایک حضرت نُوط بھی تھے۔ مگر چونکہ اُنکی قوم اُن کی شدید دشمنی تھی اِس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ میں اب اس ملک سے ہجرت کرنے والا ہوں۔ اور چونکہ انہوں نے خدا کے لئے اپنے دُشمن کو چھوڑا اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو مُنہ موڑا۔ اِسے خدا نے اس اُخلاص کو دیکھ کر انہیں اسمٰئیل اور یعقوب عطا کئے یعنی بیٹا بھی ایسا لائقِ بخش جو خدا تعالیٰ کا نبی بنا اور پھر پوتا بھی ایسا دیا جو نوکِ مقام پر فائز ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اُخلاص کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہی ہوں اور اس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بڑا اجر دیا۔ اور آخرت میں بھی وہ بڑے درجات حاصل کرے گا (آیت ۲۸ و ۲۷)

پھر نُوط کا ذکر کیا جو ایک ایسی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جو خُلافت و منبعِ فطرت افعال کی عادی تھی اور دُعا کے اُلٹی تھی اور بیک مقامات میں بھی خواہش کے اد تکاب سے احتراز نہیں کرتی تھی۔ حضرت نُوط علیہ السلام کے سمجھانے پر اُن کی قوم نے یہی کہا کہ اگر تم پیچھے ہو تو وہ عذاب لاؤ جس سے تم ہمیں ڈرتے ہو۔ حضرت نُوط نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ خدایا مجھے اس مفسد قوم کے مقابلہ میں اپنی مدد سے سرفراز فرما۔ (آیت ۲۹ تا ۳۱) اللہ تعالیٰ نے اِس دُعا کو قبول فرمایا اور قوم نُوط کی تباہی کا فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر اس علاقے کے بعض برگزیدہ بندوں کو دی اور وہ لوگ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انہیں حضرت اسمٰئیل اور یعقوب کی ولادت کی خوشخبری دیتے آئے اور پھر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نُوط کی قوم پر عذاب

نازل کرنا چاہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سنکر گھبرا گئے اور فرمانے لگے کہ اُس بستی میں تو نُوط بھی رہتا ہے جو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نُوط اور اُس کے تمام واقعین اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ صرف اُس کی بیوی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ بھی عذاب کا شکار ہوگی۔ (آیت ۳۲، ۳۳) پھر خدا تعالیٰ نے کہ یہ برگزیدہ بندے حضرت نُوط کے پاس پہنچے۔ چونکہ انہیں قوم نے بڑی سختی سے غیروہوں کے افراد سے تعلق رکھنے اور انہیں اپنے ہاں ٹھہرانے اور اُن کی جہان نوازی کو سننے سے منع کیا ہوا تھا اس لئے جب یہ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو حضرت نُوط نے پیش آمدہ مخالفت کا تصور کرتے ہوئے تکلیف محسوس کی۔ انہوں نے کہا کہ اب کسی خوف کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کی تباہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ چنانچہ عذاب آیا اور وہ لوگ تباہ ہو گئے۔ اور اُنے عالی نسلوں کے لئے ایک عبرت کا نشان قائم کر گئے۔ (آیت ۳۴ تا ۳۵)

اِس کے بعد ہم نے دین کی طرف شعیب کو رسول بنا کر بھیجا۔ مگر اِس قوم نے بھی قوم نُوط کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام کا انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دلا دینے والے عذاب نے اُن کو کھڑا کیا۔ اِسی طرح عاد اور ثمود بھی ہلاک کئے گئے۔ اور قارون اور فرعون اور ہامان بھی موتی کی نفی کی وجہ سے تباہ ہوئے مگر ان میں سے ہر قوم صرف اپنی ہی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے۔ خدا نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ (آیت ۳۶ تا ۴۱)

پھر بتایا کہ مشرک لوگ جو معبودانِ باطلہ کو اپنی جائے پناہ سمجھتے ہیں اُن کی یہ پناہ گاہیں مگرہ کی گھر سے بھی زیادہ کمزور ہوتی ہیں۔ اور وقت آنے پر اُن کا تمام تالپود بکھر جاتا ہے۔ کاش! یہ لوگ

اس حقیقت کو سمجھتے۔ (آیت ۴۲)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ شرکین اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے کین کین لوگوں کو اپنے ساتھ ملا رہے ہیں۔ اور انہیں اپنی دہ پر آمادہ کر رہے ہیں۔ مگر ان کی یہ تدبیریں انہیں کامیاب نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ خدا بڑا غالب اور حکیم ہے۔ (آیت ۴۳)

اور ہم نے ان واقعات اور امثال کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں مگر خدا تعالیٰ کی نصیحت رکھنے والوں کے حوالہ اور کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ (آیت ۴۴)

ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ یہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے اور سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک عظیم نشان مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اس میں مومنوں کے لئے ایک بڑا بھاری نشان ہے یعنی وہ جانتے ہیں کہ جس طرح جسمانی عالم میں زمین و آسمان ضروری ہیں اسی طرح مدہانی عالم میں بھی عقل کے ساتھ الہام کا وجود ضروری ہے۔ (آیت ۴۵)

فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ! لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ یہ ہے کہ تو قرآن کریم کو سننا اور تلاوت کرنا کو دنیا میں قائم کر۔ اس سے ہر قسم کی بُری اور ناپسندیدہ باتوں کا استیصال ہو جائے گا۔ اور صبح بڑی بات یہ ہے کہ اس ذریعہ سے لوگوں کو ذہنی کا موقع ملتا رہے گا۔ جو اپنی ذات میں تمام مقاصد میں سے بڑا مقصد ہے۔ اور اگر اہل کتاب سے کبھی بحث کی نوبت آجائے تو میں دقت قرآنی دلائل کو مد نظر رکھا کرو۔ اسلئے پتہ باتیں نہ کیا کرو۔ ہاں جو ان میں سے شریر اور ظالم طبع لوگ ہوں۔ انہیں تم الزامی جواب بھی دے سکتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی انہیں اس طرف بھی توجہ دلاتے۔ ہو کہ آپس میں جھگڑنے کا کیا فائدہ؟ تم بھی موحد ہو اور ہم

بھی موحد ہیں۔ اُوہم دونوں فرقہ بل کر خدائے واحد کی توحید دنیا میں پھیلانے اور شرک کو مٹانے کی کوشش کریں۔ (آیت ۴۶، ۴۷)

پھر بتایا کہ جس طرح موسیٰ پر تورات نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح اب مجھ پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔ اور مسلمان اُس کی صداقت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ بلکہ یہودیوں میں سے بھی سعادت مند لوگ اس پر ایمان لا رہے ہیں۔ لیکن جو لوگ ناشکری پر مصر ہیں وہ قرآن کریم کے بیان کردہ مسائل کا انکار کرتے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں تورات اور انجیل کے نئے دوسرے کئے گئے ہیں۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے کسی آسمانی کتاب کی تلاوت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کتابوں کو نقل بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر یہ کہ طرح کہا جا سکتے ہیں کہ انہوں نے پہلوں کی کہانیاں بیان کر دی ہیں۔ یہ کہانیاں نہیں بلکہ آیات حیات ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جن کو قرآنی علم دیا گیا ہے ان کے سینوں سے اُس کے معارف کے دریا بہہ رہے ہیں۔

مگر ظالم لوگ پھر بھی انکار کرتے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسیر آسمانی نشانات کیوں نازل نہیں ہوئے؟ فرماتا ہے۔ تمہارا فناء تو نشان سے عذاب مانگنا ہی ہے اور خدا تعالیٰ ایک دن یہ عذاب بھی دے آئیگا مگر کیا ان لوگوں کے لئے یہ نشان کافی نہیں کہ تجھ پر ایک کامل کتاب نازل کر دی گئی ہے جو دنیا کے تمام مفاسد کا علاج اور اقوام عالم کے لئے رحمت کا پیغام ہے۔ اور مومنوں کے لئے نصیحت کا بڑا بھاری سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ (آیت ۴۸ تا ۵۲)

فرماتا ہے اگر اس دلیل سے بھی ان کا اطمینان نہ ہو تو تو انہیں کہہ دے کہ اب یہ اس جھگڑے کا فیصلہ اپنے خدا پر ہی چھوڑتا ہوں۔ وہ زمین و آسمان کے

تمام رازوں کو جانتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ سچا بار جائے اور جھوٹا کامیاب ہو جائے۔ ہلاکت اور بربادی انہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جو جھوٹ پر ایمان لاتے اور خدا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ (آیت ۵۳)

فرماتا ہے۔ یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ انکی تباہی کے متعلق جو مجھے خبریں دی گئی ہیں وہ فوراً پوری ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ غضب میں دھیمیا ہے۔ وہ ان لوگوں کو کچھ ڈھیل دینا چاہتا ہے۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ دیوی عذاب جب بھی کیا اہانک آئیگا اور ایک عذاب ایسا بھی آئیگا جو تمام منکرین اسلام کا احاطہ کر لیگا۔ اُسوقت یہ عذاب انہیں لوپر سے بھی ڈھانک لیگا اور نیچے سے بھی۔ نہ ان کے بعد ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ عوام اپنے لیلوں کے کام آئیں گے اور انہیں کہا جائیگا کہ اب اپنے عملوں کا مزہ چکھو۔ (آیت ۵۴ تا ۵۶)

پھر فرمایا کہ اے مومنو! اگر کفار تمہیں دکھ پہنچاتے ہیں تو تم غیر ممالک میں نکل جاؤ۔ اور میری عبادت کو دنیا میں قائم کر دو۔ اور موت ڈرو کہ اگر باہر نکلے تو تم موت کا شکار ہو جاؤ گے۔ موت سے تو کوئی منفعہ بھی نہیں بچ سکتا۔ لیکن اگر تم خدا کے لئے مرد گئے تو چونکہ تم نے ہمارے پاس ہی آنا ہے تم ہمیں بہترین انعامات دیتے اور بلند و بالا سکانات عطا کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ (آیت ۵۷ تا ۵۹)

پھر بتایا کہ اس راہ میں صبر اور توکل سے کام لینا ضروری ہے۔ اس بات سے کبھی نہ گھبراؤ کہ اگر تم نے خدا کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں تو تم کھاؤ گے کہاں سے؟ تم جاؤ رزق کو دیکھو کیا وہ اپنا رزق اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ پھر کس طرح خدا ان کو رات دن کھلاتا اور ان کی ضروریات کو پوری کرتا ہے پس اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو وہ تمہیں بھی رزق دلگا کیونکہ خدا تعالیٰ

دعاؤں کو سننے والا اور اپنے بندوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ (آیت ۶۰-۶۱)

اس کے بعد بتایا کہ جب تم لوگ توحید کی اشدت کے لئے نکلو۔ اور مشرک قوموں سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو بغیر مزدوری کے کس نے بنی اور انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ کیا تمہارے مظلومہ معبودوں میں سے کسی معبود کا یہ کا نام ہے؟ وہ ان کے جواب میں سوئے اس کے کچھ نہیں کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ اب دیکھو کہ اس اقرار کے باوجود کس طرف کو پھینکے جا رہے ہیں۔

پھر رزق کی فراوانی اور تنگی بھی ایک قانون کے ساتھ وابستہ ہے جس میں کسی غیر معبود کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے کثرت عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور یہ رزق کی کمی بیشی بڑی حکمتوں پر مبنی ہے اور اس کے پیچھے ایک عظیم ہستی کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ (آیت ۶۲-۶۳)

پھر فرمایا۔ اگر ان مشرک لوگوں سے پوچھو کہ آسمان سے کس نے پانی اتارا اور کس نے ایک مردہ زمین کو پھر زندہ کر دیا ہے۔ کیا یہ طاقت تمہارے کسی معبود میں بھی تھی۔ تو وہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ ہی نے ایسا کیا ہے۔ تو کہہ دے کہ پھر اس سے ثابت ہوا کہ اللہ ہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے اور جب ہر تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے تو یہ جھوٹے معبود کہاں سے آگئے جن کا تم ذکر کر رہے ہو۔ (آیت ۶۴)

پھر بتایا کہ علمی رنگ میں تو ان پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ مگر اس کے باوجود جو انہیں اپنے غلط عقائد پر اصرار ہے تو صرف اس لئے کہ خدا کو مان کر دنیا چھوٹی ٹپتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(اے اللہ تعالیٰ) کا نام لے کر جو بے حد کریم کریم والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (پڑھتا ہوں)

الْم ۲) أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ

یَسْأَلَهُ اللّٰهُ سَبْیَ زَیَادَہ جَانِنَہ دَلاہوں۔ کیا اِس زمانہ کے لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اُن کا یہ کہہ دینا کہ ہم

یَقُولُوا أَمَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۳) وَلَقَدْ فَتَنَّا

ایمان لے اُسے (کافی ہوگا) اور وہ چھوڑ دیئے جائینگے اور اُن کو آزمایا نہ جائیگا، حالانکہ جو لوگ، ان سے پہلے

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ

گزر چکے ہیں اُن کو ہم نے آزمایا تھا (اور اب سمجھا لیا یہی کہیگا) سو اللہ تعالیٰ، ظاہر کر دیگا انکو بھی جنہوں نے

کے علاقہ میں قس و خونریزی اور فساد کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ مگر کد کے رہنے والوں پر کوئی انگلی تک نہیں اٹھاتا۔ پھر کیوں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے اعمال کو دیکھنے کے بعد بھی باطل کی طرف جھکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا انکار کرتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں انہیں عطا کی گئی ہے۔

انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں بڑے ظالم دہی شخص ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو خدا پر افترا کرے اور دوسرا وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے رسول کی تکذیب کرے اور یہ دونوں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مگر وہ لوگ جو ہمارے قریب کی اپنے دلوں میں سچی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لئے متواتر جدوجہد اور قربانی اور ایثار سے کام لیتے ہیں ہم ان کو اپنے قریب کی غیر متناہی راہوں کی طرف بڑھاتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کنارے عاطفت میں آجاتے ہیں یہی سلوک اب بھی ہوگا۔ اور محسنوں کو اللہ تعالیٰ کی

ہے۔ اور دنیا چھوڑنے کے لئے اُن کا دل نہیں چاہتا حالانکہ یہ دنیوی زندگی لہو اور لعب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اصل زندگی وہی ہے جو اگلے جہان میں حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور وہ کشتی بھنور میں پھنس جاتی ہے۔ تو انہیں اپنے تمام دیوتا بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی عقیدت کو مخصوص کرتے ہوئے وہ اُسے بوسے درد اور سوز کے ساتھ پکارتے ہیں۔ لیکن جب کشتی بھنور میں سے نکل جاتی ہے تو پھر شرک کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اور ہمارے انعامات کا انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن ایک دن ایسا ضرور آئیگا جبکہ وہ اپنے اعمال کی جزا اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ انہوں نے توحید کا انکار کر کے کتنی بڑی غلطی کی۔ (آیت ۶۵ تا ۶۷)

پھر فرمایا۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے مکہ مکرمہ کو کیسی پُر امن بستی بنایا ہے۔ اس کے ارد گرد

صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ ﴿۳﴾

سچ بولا اور اُن کو بھی جنہوں نے جھوٹ بولا۔ ۱۷

ظاہری آثار ظاہر نہ ہوں۔ لوگوں کو اس بات پر یقین نہیں آتا۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ گو ہم تو جانتے ہیں کہ یہ سچی باتیں ہیں کہ بنی نوع انسان کی بھی تسلی ہو اور ان کو بھی معلوم ہو کہ کون مومن ہے اور کون غیر مومن۔ اس لئے اگر کوئی شخص منہ سے ایمان کا دعویٰ کرے تو ہم اس پر خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ بار بار ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی آزمائش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب دنیا کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ گردہ مومنین جس کو خدا تعالیٰ نے جنت عاقبت میں مومن ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ۔ پھر مثالی دیتا ہے کہ یہ طریق ہم نے آج ہی اختیار نہیں کیا بلکہ پہلے زمانہ کے لوگوں کو بھی مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کے محض یقین اور ایمان کو دوسروں پر ظاہر کرے۔ اس کے بعد علم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعہ جان لے گا۔ کہ کون مومن ہے اور کون منافق۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو انہی ہے اور وہ ہمیشہ سے ہر واقعہ کو جانتا ہے خواہ وہ آدمی کے دقت ہوا ہو یا قیامت کے دن ہونے والا ہو۔ پھر ایسا کیوں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعہ سے جان لے گا کہ کون مومن ہے اور کون منافق۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ علم الہی، قسم کا ہے۔ ایک کسی چیز کے واقعہ ہونے سے پہلے کا اور ایک واقعہ ہونے کے بعد کا

میت نصیب ہوگی۔ اور کفار ناکامی و نامرادی کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ (آیت ۶۸ تا ۷۰)

۱۷ تفسیر: جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے کہ آخر تین حروف مقطعات سے مرکب ہے۔ اے انا کا قائم مقام ہے تو اللہ کا اور ہم اعلیٰ۔ اور ان حروف کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ سب سے زیادہ جانتے والا ہوں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے حروف مقطعات درحقیقت سڑ کے آنے والے معنوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بھی فرمایا گیا ہے کہ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف اُن کے منہ کے ان دعووں کی وجہ سے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں ان کو آزاد چھوڑ دیا جائیگا اور ان کی آزمائش نہیں کی جائیگی؟ اب بظاہر یہ آیت اللہ کے معنوں کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ کے معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اور یہ آیت بتاتی ہے کہ جب تک آزمائش میں ڈال کر مومنوں کے ایمان کی حقیقت نہ کھولی جائے۔ صرف مومنہ سے یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں کافی نہیں ہوتا۔ گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو بھی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو آزمائشوں میں ڈال کر ان کے ایمان کے متعلق صحیح علم حاصل کرے۔ لیکن درحقیقت اگر غور کیا جائے۔ تو ان دونوں معنوں میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ گو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جانتا ہے لیکن نہ کائنات کی بات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ کمزور مومن کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ چونکہ دروازہ خود اپنے ذہن کا علم بھی دروازہ ہے جب تک

جو دفعہ سے پہلے کا علم ہے وہ بھی سچا ہے لیکن مجرم کو اس کی بنا پر سزا دی جائے یا اچھا کام کرنے والے کو انعام دیا جائے تو اس کی تسلی نہیں ہوتی۔ اس کو شک رہتا ہے کہ میری سزا یا انعام ٹھیک تھا یا غلط۔ لیکن وقوعہ کے بعد کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کو سزا یا جزا کے حق ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

قرآن کریم نے اس آیت میں یَوَسِّعُ لِمَن يَشَاءُ فرمایا ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ ہم اپنے علم قدیم کو علم واقعہ سے بدل دیں گے۔ یعنی مومنوں کو ایسے حالات میں سے گزرنے دیں گے کہ ان پر بھی اور ان کے ساتھیوں پر بھی یہ بات کھل جائیگی کہ وہ سچے مومن تھے۔ اور کفار کو بھی اس اعتراض کا موقعہ نہیں ملے گا کہ ان کو یونہی انعام مل گیا ہے۔ یہ اس کے سختی نہ تھے۔ پس وَحَقِيقَتِ يَخْلُصَنَّ کے معنی ظاہر کر دینے کے ہیں۔ یعنی صادق مومنوں کا جب صدق ظاہر ہو جائے گا اور باوجود ابتلاؤں کے وہ ثابت قدم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے علم ازل کو علم واقعہ سے بدل دے گا۔ کیونکہ علم ازل تو خدا کو ہے مگر بندے تو نہیں جانتے کہ ایسا ہو گا۔ بندے اس وقت جانتے ہیں جب کوئی بات وقوع میں آجائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جانتا ہے کہ زید فلاں ہمیشہ میں فلاں دن مرے گا لیکن بندوں کو تو معلوم نہیں اور نہ خدا تعالیٰ کے غنی علم کی وجہ سے ان کو اس علم پر تسلی ہو سکتی ہے۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کا ازل کا علم واقعہ میں ظاہر ہو جائے اور مقررہ ہمیشہ کے مقررہ دن وہ شخص مر جائے تو پھر دنیا کے لوگوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی وہ مر گیا ہے۔ اسی کی طرف یَخْلُصَنَّ کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ تو ہمیشہ سے جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون نہیں مگر بندے نہیں جانتے اور جب تک اللہ تعالیٰ کا ازل کا علم وقوع سے نہ

بدل جائے وہ شک میں رہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ طرح طرح کے فتنوں میں ڈال کر جب کہ مومن اپنے ایمان پر قائم رہتے ہیں دنیا کو یہ یقین دلادیتا ہے کہ یہ سچے مومن ہیں۔ اور اگر ابتلاؤں کے موقع پر کوئی پھسل جائے تو خدا تعالیٰ کا ازل کا علم جو اس کے جھوٹے ہونے کے متعلق تھا علم واقعہ میں بدل کر دوسرے انسانوں کو بھی یقین دلادیتا ہے کہ اگر مکر در ایمان والا تھا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے سوا کس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ امر بیان فرمایا ہے کہ دعویٰ ایمان اور ابتلاؤں کی لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ مومنوں کو صرف ان کے دعویٰ ایمان کی وجہ سے ہی کامل مومن سمجھ لیا جائے اور انہیں آزمائشوں اور ابتلاؤں کی بھٹی میں نہ ڈالا جائے۔ اس طرح نہ پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو گا۔ چنانچہ دیکھ لو جن لوگوں نے کسی زمانہ میں بھی سچا دین قبول کیا ان کے لئے فوراً ہی آرام اور سکھ کا راستہ نہیں کھولا گیا۔ بلکہ پہلے پہل تو یہی ہوا کہ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ بھی انہیں دینا پڑا۔ اگر کچھ گھوڑوں والے تھے تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کے محل بن جاتے وہ گھر بھی انہیں چھوڑنے پڑے۔ اگر قوموں میں مغرر تھے تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ بادشاہ اور حکمران بن جاتے انہیں پہلی عزتیں بھی چھوڑنی پڑیں۔ اگر مالدار تھے تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کا مال و گن۔ چونکہ بیس گنا اور ہزار گن ہو جاتا انہیں اپنا پہلا مال بھی ترک کرنا پڑا۔ اگر لوگوں سے تعلقات تھے تو دین قبول کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کے تعلقات وسیع ہو جاتے وہ بھی کٹ گئے۔ غرض جو راحت۔ آرام۔ عزت۔ دولت۔ طاقت اور رموز انہیں پہلے حاصل تھا۔

وہ بھی جاتا رہا۔ اور یہاں سے فوراً سکھ ملنے کے بغیر نہیں دھکھا۔ یہاں تک کہ خدا کے لئے انہیں اپنے وطنوں کو بھی چھوڑنا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے رہنے والے تھے۔ مگر انہیں لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑا۔ حضرت نوح علیہ السلام آئے تو انہیں بھی اپنا مقام چھوڑنا پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو انہیں بھی اپنے گھر بار سے جدا ہونا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کو صلیب پر لٹکایا گیا اس کے بعد ہمارے نزدیک تو وہ صلیبی موت سے بچ کر کشمیر کی طرف چلے گئے۔ اور غیر احمدیوں کے نزدیک آسمان پر چلے گئے۔ پھر ان کی جماعت پر مظالم ہوئے۔ تو وہ جزیرہ سائبرس میں پلے گئے پھر مظالم ہوئے تو وہ روما پلے گئے۔ پھر بھاگ گئے۔ پھر روما میں مظالم ہوئے تو حقلیہ میں آگئے۔ اس طرح متواتر تین سو سال تک اس جماعت کو اپنے مرکز بدلنے پڑے۔ اسی طرح بنی اسرائیل پر بخت نصر کے حملہ پر اتنی عظیم الشان تباہی آئی کہ ان کے تمام مقدس مقامات گرا دیئے گئے۔ شہر مٹا دیئے گئے۔ اور ساری قوم کو بکڑ کر غلام بنا دیا گیا۔ یہ کہنا بڑا ابتلا ہے کہ کوئی شخص بھی آزاد اور حریت نہ رہا۔ قوم غلام بن گئی۔ معبد گرا دیا گیا۔ متبرک مقامات مٹا دیئے گئے۔ شہروں کو آگ لگا دی گئی۔ اور تمام فلسطین اور شام کے حصے دیران بن کر رہ گئے۔ مگر اس کے باوجود ان کی کوشش اور جدوجہد برابر جاری رہی۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نبی ایک مردہ بستی کے پاس سے گذرا اور اس نے کہا کہ

خدا یا یہ مردہ بستی دوبارہ کس طرح زندہ ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں کشف میں تین سو سال کا نظارہ دکھایا اور بتایا کہ متواصل کے بعد میں پھر اسے زندہ کر دوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شبہ دور کرنے کے لئے کہ کہیں یہ نہ سمجھیں۔ کہ میں واقعہ میں سو سال متواتر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا دیکھ لو تمہارا گدھا بھی زندہ ہے اور کھانا بھی سلامت ہے۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ ایک کشفی نظارہ ہے جو تمہیں دکھایا گیا ہے۔ چنانچہ جس طرح روایا میں بتایا گیا تھا میں سو سال کے بعد فادس احمدیہ کا بادشاہ جس کا نام سائبرس تھا بابل پر حملہ ہوا اور چونکہ اللہ کے قہوں تک پہنچنا اس کے لئے مشکل تھا۔ اس نے پیغام صاف کی اور یہود کو اپنے ساتھ لانا چاہا۔ اس وقت کے انبیاء نے یہود کو اس بادشاہ کے ساتھ ملنے کی اجازت دے دی۔ اس کا بھی قرآن کریم میں ذکر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جس میں بعض انبیاء کے حکم کے ماتحت یہودیوں نے خفیہ موسائیل بنائیں جن میں صرف مرد شامل کئے جاتے تھے عورتیں شامل نہیں کی جاتی تھیں۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جس میں انبیاء نے یہ فیصلہ دیا کہ یہود بادشاہ کے ساتھ مل جائیں چنانچہ انہوں نے خفیہ کوششیں کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب فادس اور مید کا بادشاہ حملہ آور ہوا تو اندر سے یہود نے بغاوت کر دی اور ان کی مدد سے بادشاہ کو فتح حاصل ہوئی۔ اور اس نے اعلان کر دیا کہ یہود کو اپنے شہروں میں بسنے اور پھر دوبارہ اپنے مطہر مقدس مقامات وغیرہ بنانے کی اجازت ہے۔ بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ اس پر حقد رسیہ فوج ہو وہ سرکاری خزانہ میں سے دیا جائے۔ یہ وہی واقعہ ہے

۱۔ دیکھو سورہ بقرہ آیت ۱۰۳

۲۔ مسطورینز مسطوری آت دا درلد جلد ۲ صفحہ ۱۲۶

۳۔ دیکھو سورہ بقرہ آیت ۲۶۰

جو آیت مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ کے دوسرے حصہ میں بیان ہوا ہے۔ پہلے حصہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بھی غصی کا رد و انیاں کرتے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ جیسے تیرا اودھناؤں کے بادشاہ کے ساتھ مل کر انہوں نے غزوہ کی حکومت کو تباہ کر دیا تھا اسی طرح اب بھی وہ کسری کے ساتھ مل کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تباہ کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم نے دو دفعہ خفیہ موسائیاں بنائی ہیں ایک دفعہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں اور دوسری دفعہ جی اودھناؤں کے زمانہ میں۔ پہلی دفعہ جب تم نے خفیہ موسائیاں بنائی تو خدا کا نبی تمہارے مقابلہ میں تھا اور تم اس کے مخالف تھے۔ اور دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہاروت اور ماروت تمہارے ساتھ تھے۔ یہ وحیقت ان انبیاء کے صفاتی نام ہیں جو نبی اسرائیل کی جلا وطنی کے زمانہ میں ان کو واپس لانے پر مقرر ہوئے تھے۔ حادث ہاروت کے نکلا ہے جس کے بھاننے کے ہیں۔ اور ماروت موت سے نکلا ہے جس کے بھنے توڑ دینے کے ہیں (تاج العروس) گویا ان کا کام حکومت کو بھاڑنا اور طاغوتی طاقتوں کو توڑنا تھا۔ ان دو مثالوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ایک نبی کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو تم ہارے اور اب انبیاء تمہارے ساتھ رہے اسوقت تم اپنے غصی منصوبوں میں کامیاب ہوئے۔ اب تمیں خود کرنا چاہیے کہ تمہارے مقابلہ میں مدعی نبوت ہے یا تمہارے ساتھ مدعی نبوت ہے۔ اگر وہ تمہارے مقابلہ میں ہے تو تمہاری کوشش ایسی ہی میں جیسی تم نے سلیمان کے وقت میں کیں اور اگر یہ مدعی نبوت تمہارے ساتھ ہے تو پھر بے شک تمہاری مثال ایسی ہو سکتی ہے جیسے خورس کے حملہ کے وقت اودت اور ماروت کے زمانہ میں کوششیں کی گئیں۔ اور چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کا نبی تمہارے مقابلہ میں ہے اس لئے

تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ تمہارے ساتھ وہ واقعہ گذرے گا جو سلیمان کے وقت ہوا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یہودی بائبل تباہ ہو گئے۔ غرض اس وقت بنی اسرائیل پر ایسی تباہی آئی تھی کہ انبیاء تک بھی حیران تھے کہ اب یہ قوم دوبارہ کس طرح زندہ ہوگی۔ چنانچہ حزقیل نبی نے یہی کہا تھا کہ خدا تو اس کو کس طرح زندہ کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تین سال کے بعد یہ قوم پھر زندہ ہو جائیگی۔ تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی جماعتوں پر یہ اوقات ہمیشہ آئے اور حقیقت یہی اوقات اس کے دعویٰ ایمان کے صدق اور کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی سب اہل سال تک ایسی تکالیف میں سے گزرنا پڑا جو انتہائی درد انگیز تھیں۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کی ایک جماعت ایک جگہ بھیجی مگر ان لوگوں نے جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے دھوکہ دے کر ان پر حملہ کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ اب اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے۔ تو انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے تم نیچے اتر آؤ۔ (وہ اس وقت ایک پہاڑی ٹیلے پر چڑھے ہوئے تھے) ان کے لیڈر نے کہا۔ میں ان کی باتوں پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ جھوٹے اور دھوکا باز ہیں۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ چنانچہ وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ مگر باتوں نے سمجھا کہ جب یہ لوگ نہیں کھا کھا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کہیں گے تو میں ان پر اعتبار کرتے ہوئے نیچے اتر آنا چاہیے۔ جب وہ نیچے اترے تو انہوں نے رسیاں باندھ کر انہیں گھسیٹنا شروع کر دیا۔ اس پر ان لوگوں نے پھر مقابلہ کیا مگر وہ کیا کر سکتے تھے باتوں کو تو انہوں نے مار دیا لیکن دو کو پکڑ کر مٹے گئے اور ان لوگوں کے ہاتھ میں

انہیں بیچ دیا جن کے بعض آدمی مسلمانوں سے مارے گئے تھے ان میں سے ایک کو قتل کرنے سے پہلے مکہ کے لوگوں نے پوچھا کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ پر یہاں ہوتے اور تم اپنے موی بچوں میں مدینہ میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہوتے۔ اس نے جواب دیا خدا کی قسم تم تو یہ کہتے ہو کہ میں مدینہ میں آرام سے بیٹھا ہوا ہوتا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں میری جگہ ہوتے۔ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آرام سے بیٹھے ہوں اور آپ کے پاؤں میں کاشا لگ چکے۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک قبیلہ کا رئیس آیا۔ اور اُس نے کہا میری قوم اسلام لانے کے لئے تیار ہے۔ آپ میرے ساتھ کچھ آدمی بھجوا دیں۔ وہ تو اپنی اس بات میں سچا تھا اور بعد میں ایمان بھی لے آیا مگر اُس کی قوم نے غداری کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر اقتدار کرنے ہوئے ستر حفاظ کا قافلہ اُس کی قوم کی طرف روانہ کر دیا۔ جب وہ اس قبیلہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اُس رئیس کے بھتیجے کے پاس ایک آدمی کے ذریعہ پیغام بھجوا دیا کہ ہم لوگ آگئے ہیں۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ ہمارا کیا کام ہو گا۔ اُس نے اُن کے سردار کو بلوایا۔ اور جب وہ اُن سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس رئیس نے ایک شخص کو اشارہ کیا جس نے پیچھے سے اس صحابی کی گردن میں نیزہ مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا جب اُسے نیزہ لگا۔ تو تارخ میں لکھا ہے کہ اُس نے نعرہ لگایا اور کہا خُذْتُ دَرَبَ الْكَفَّةِ۔ کعبہ کے رب کی قسم میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا پھر وہ اکٹھے ہو کر تمام صحابہ پر ٹوٹ پڑے۔ انہی لوگوں میں حضرت ابوبکر کا وہ غلام بھی تھا جو ہجرت کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب ہزاروں

آدمیوں کے ہجوم نے اُن ستر صحابہ پر حملہ کر دیا تو یہ لازمی بات تھی کہ انہوں نے مارا جانا تھا۔ چنانچہ وہ سارے سارے وہیں قتل ہو گئے۔ اور اُن میں سے کسی نے بھی ہتھیار نہ ڈالا۔ یکے بعد دیگرے جب وہ لوگ مرتے یا کسی کو خنجر لگتا یا تلوار سے کسی کا سر کٹتا تو یہی الفاظ اُن کی زبان پر ہوتے کہ خُذْتُ دَرَبَ الْكَفَّةِ خُذْتُ لَكَ کعبہ کی قسم میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں اسلام سے واقف نہیں تھا۔ میں باہر سے آیا تھا۔ اور قبیلہ والوں کے ساتھ مل کر رٹائی میں شامل ہو گیا تھا میں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ مرتے وقت بجائے یہ کہنے کے کہ ہائے اماں یا ہائے آبا یہ کہتے ہیں کہ خُذْتُ دَرَبَ الْكَفَّةِ۔ کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا تو مجھے حیرت آئی کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ کیا موت میں کامیابی ہو ا کرتی ہے؟ آخر میں نے ایک شخص سے اس بارہ میں پوچھا۔ اُس نے کہا تم مسلمانوں کو نہیں جانتے یہ ایسے ہی پاگل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں مارا جاتا ہے وہ سب سے زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے دل میں یہی تھی وہ کہتا ہے میں نے جب یہ بات سنی تو سمجھا کہ اس میں ضرور کوئی راز ہے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ میں نے اسلام کی تحقیق کی۔ اور میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا۔ غرض یکے بعد دیگرے ان لوگوں نے موت کو قبول کیا اور موت میں ہی اپنی ساری کامیابی سمجھی۔ یہی چیز تھی جس کی وجہ سے وہ قلیل ترین عرصہ میں سادی دنیا پر غالب آگئے اور ایسی شان سے غالب آئے کہ اس کی مثال پہلی کسی قوم میں نہیں ملتی۔ پھر دیکھ لو مصائب کا یہ سلسلہ جلدی ختم نہیں ہو گیا بلکہ ایک لمبے عرصے تک جاری رہا۔ خلافت قائم ہوئی تو حضرت عمرؓ شہید ہوئے۔ حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ حضرت علیؓ شہید ہوئے اور کر با کے

وَالْجُوعِ وَنَفْسٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ
وَلَنَشْكُرُ الْعَصَابِ بَرَكَاتٍ - یعنی ہم ضرورتاً کسی قدر خوف
اور بھوک اور اموال اور جانوں اور بھلوں کے نقصان کے
ذریعہ آزمائیں گے اور اسے ہمارے رسول تو ان لوگوں کو
جو ان ابتلاؤں کے اوقات میں اپنے راستے سے ہٹیں نہیں
اور مغبوطی سے دین کی راہ میں قربانیاں کرتے چلے جائیں
ہماری طرف سے بشارت اور خوشخبری دے دے گا۔
اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ غرض جب تک
کوئی قوم مرنے کے لئے تیار نہ ہو - وہ زندہ نہیں ہو سکتی
کیونکہ زندگی موت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جیتک
دانہ مٹی میں نہیں مٹا شکوہ نہیں نکلتا - بچہ پیدا نہیں
ہوتا جب تک رحم کی تادیکیوں میں سے نہیں گزرنا۔ اسی طرح
کوئی قوم بھی ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ ایک موت
اختیار نہ کرے۔

ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگ اس سلسلہ
میں داخل ہونے کی وجہ سے کابل میں شہید کئے
گئے اور بعض کو اپنے وطن چھوڑنے پڑے لیکن انہوں
مداقت کو نہ چھپایا اور ایسا تو شاید ہی کوئی انسان ہو
جس کو کسی قسم کا بھی دکھ نہ دیا گیا ہو - اگر اور کچھ نہیں
تو فتوے کھر کھڑے ہیں اُسے ڈرانے کی ضرورت کو بخشش
کی گئی - بہر حال اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے
بندوں کو پہلے ابتلاؤں کے دریاؤں میں سے گزاتا ہے
تب انہیں اپنے قرب سے شرف کرتا ہے - یہ بڑوں
اور منافقوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ مصائب کے آنے پر
گھبرا جاتے ہیں - قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ
کے ابتدا میں ہی منافق کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ
جب کوئی معیبت آتی ہے تو وہ ٹھہر جاتا اور جب
آرام اور راحت کا وقت آتا ہے تو چل پڑتا ہے - یوں
وہ ہوتا ہے جو مصائب کے وقت اور بھی مضبوط ہو جاتا،

میدان میں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریباً سارا خاندان
ہی شہید ہو گیا - بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ابتلاء
صرف ابتدائی زمانہ میں آتے ہیں - ترقی کے زمانہ میں ابتلاؤں
کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے - مگر یہ درست نہیں انبیاء کی
جماعتوں کی ترقی اور ابتلاء یہ دو توام بھائی ہیں جو ایک
دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے - ابتدائی سے ابتدائی زمانہ
میں بھی ابتلاء آتے ہیں - اور ترقی کے انتہائی زمانہ میں
بھی ابتلاء آتے ہیں - اس طرح ابتداء سے انتہا تک
ابتلاؤں کا سلسلہ جاری رہتا ہے - جب نبی ایک مفرد
وجود ہوتا ہے اور اُس پر صرف ایک یاد و آدمی ایمان
لانے والے ہوتے ہیں - اُس وقت بھی ابتلاء آتے ہیں
اور انتہائی عروج کے وقت جب سلسلہ کو ترقی پر ترقی
حاصل ہو رہی ہوتی ہے اُس وقت بھی ابتلاء آتے ہیں -
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے دن بھی مصائب
وشکلات میں سے گزرنا پڑا اور آپ کو اور آپ پر ایمان
لانے والوں کو مختلف قسم کے ابتلاء پیش آئے اور
اس کے بعد جب ترقیات کا زمانہ آیا اُس وقت بھی ان
ابتلاؤں کا سلسلہ جاری رہا - یہ نہیں ہوا کہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں کسی دن اس خیال کے ساتھ
سوئے ہوں کہ اب تمام شکلات پر قابو پا لیا گیا ہے -
اور وہ تمام مسائل جو مسلمانوں کی ترقی کے ساتھ تعلق
رکھتے تھے حل ہو چکے ہیں - نہ حضرت ابو بکرؓ نے کبھی
ایسا خیال کیا - نہ حضرت عمرؓ نے کبھی ایسا خیال کیا -
نہ حضرت عثمانؓ نے کبھی ایسا خیال کیا - اور نہ ہماری
جماعت کو کبھی ایسا خیال کرنا چاہیے - یہ چیزیں الہی
سلسلوں کے ساتھ وابستہ ہیں - اور کبھی کوئی روحانی
جماعت ان کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی - ایک دوسری
جگہ اللہ تعالیٰ ان قربانیوں کی نوعیت بیان کرتے ہوئے
فرماتا ہے - وَكَانُوا يُكْفَرُ بَشَرِيٍّ مِّنَ الْخَوَاتِ

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ غزوہ اعراب کے موقع پر حبیب مسلمانوں سے کہا گیا کہ لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اور وہ تمہیں مارنے کی فکر میں ہیں۔ تو انہوں نے کہا۔ هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَاغْرَاب آیت (۲۳) یعنی یہ تو وہی لشکر ہیں جن کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ ان لشکروں سے ہمارے ایمان منزلزل نہ کیوں ہو گئے۔ وہ تو اور بھی بڑھیکے اور ترقی کر چکے ہیں ایسے امور سے مومنوں کو یہ کھنسا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مدارج کو بلند کرنے کے سامان پیدا کر رہا ہے ہم میں سے کون ہے جس نے ایک دن مرنا نہیں مگر ایک موت کے منتظر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ طبعی موت ہوتی ہے۔ اور دوسری موت کے متعلق فرماتا ہے کہ ایسے مرنے والے ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں۔ بلکہ فرماتا ہے۔ تم ان کو مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو رزق مل رہا ہے۔ یعنی ان کی روحانی ترقیات کے سامان متواتر ہوتے چلے جائیں گے۔ دشمن تو یہی چاہتا ہے کہ وہ مومنوں کو مٹا دے اور انہیں ٹمکین بنا دے مگر جب وہ دیکھتا ہے کہ انہیں مارا جاتا ہے تو یہ اور بھی زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں خدا نے ہماری ترقی کے کیسے سامان پیدا کئے ہیں۔ تو اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مسیحا کوٹ تشریف لے گئے تو مولویوں نے یہ فتویٰ دیدیا کہ جو شخص مرزا صاحب کے پاس جائیگا یا ان کی تقریروں میں شامل ہوگا۔ اس کا نکاح ڈوٹ جائیگا۔ یہ کافر اور دجال ہیں ان سے بولنا ان کی باتیں سُننا اور ان کی کتابیں پڑھنا مکمل حرام ہے۔ بلکہ ان کو مارنا اور قتل کرنا ثواب کا موجب ہے مگر آپ کی موجودگی میں انہیں خساد کی جرات نہ ہوئی۔ کیونکہ چاروں طرف سے احمدی جمع تھے۔ انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ان کے جانے کے بعد فساد کیا جائے۔

میں بھی اُس وقت آپ کے ساتھ تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے روانہ ہوئے اور گاڑی میں سوار ہوئے تو ڈرنک آدمی کھڑے تھے جنہوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ مگر چلتی گاڑی پر پتھر کس طرح لگ سکتے تھے۔ شاخ و مادہ ہی ہماری گاڑی کو کوئی پتھر نہ لگتا۔ وہ مارتے ہم کو تھے اور لگتا ان کے کسی اپنے آدمی کو تھا۔ پس ان کا یہ منصوبہ تو پورا نہ ہو سکا۔ باقی احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے وہاں جمع تھے ان میں سے کچھ تو اور گرد کے دیہات کے رہنے والے تھے جو آپ کی واپسی کے بعد ادھر ادھر پھیل گئے اور جو تھوڑے سے مقامی احمدی رہ گئے یا باہر کی جماعتوں کے وہاں تھے ان پر مخالفین نے سٹیشن پر ہی حملے شروع کر دیئے۔ ان لوگوں میں سے جن پر حملہ ہوا ایک مولانا الدین صاحب بھی تھے۔ مخالفوں نے ان کا تعاقب کیا۔ پتھر مارے اور بڑا بھلا کہا۔ اور آخر ایک دوکان میں انہیں گرا لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گو برا لاؤ ہم اس کے مونہ میں ڈالیں۔ چنانچہ وہ گو برا لائے اور انہوں نے مولوی برہان الدین صاحب کا منہ کھول کر اس میں ڈال دیا۔ جب وہ انہیں مار رہے تھے اور گو برا ان کے مونہ میں ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے تو بجائے اس کے کہ مولوی صاحب انہیں گایاں دیتے یا شور مچاتے جنہوں نے وہ نظارہ دیکھا ہے بیان کرتے ہیں کہ وہ بڑے اطمینان اور خوشی سے یہ کہتے جاتے تھے کہ سبحان اللہ! یہ دن کسے نصیب ہوتا ہے۔ یہ دن تو اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے آنے پر ہی نصیب ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس نے مجھے یہ دن دکھایا۔ قیصر یہ ہوا کہ تھوڑی دیر میں ہی جو لوگ حملہ کر رہے تھے ان کے نفس نے انہیں ملامت کی اور وہ شرمندگی اور ذلت سے آپکو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو بات یہ کہ جب دشمن دیکھتا ہے کہ یہ لوگ موت سے ڈرتے ہیں تو کہتا ہے اُوہم انہیں ڈرائیں اللہ تعالیٰ

مقرر ہیں ذہنی سمجھت والا سلوک ہمارے لئے مفید ہے نہ
خلال ہمدیت والا سلوک ہمارے لئے مفید ہے۔ ایک
درمیانی راستہ ہے جس پر ہمیں چلنا پڑیگا۔ ایک غلبہ ہوگا
صلح اور محبت اور پیار کے ساتھ اور ایک غلبہ ہوگا فریادوں
کے ساتھ۔ اس کے بعد جماعت نظام الدین کے گھر میں
داخل ہوگی اور اُسے کامیابی حاصل ہوگی۔

یہی پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
اپنی کتاب "انوار الاسلام" میں بھی دیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے
ہیں :-

"مجھے اکی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے
دنیا و آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی
پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔
اُس کا جلال چمکے اور اُس کا بول بالا ہو۔ کسی
ابتلا سے اُس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف
نہیں اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کہ وہ ابتلاء ہو
ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل
میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔"

میں نہ استم کہ در جنگ منی پشت من
آن منم کا نذر میان خاکِ خون منی سرے
پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا
تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم کہ
ابھی کون کون سے جوں ناک جنگل اور پُر خار
بادیہ در پیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے
پس جن لوگوں کے نازک پیر میں وہ کیوں میرے
ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں
وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے نہ مصیبتوں
سے نہ لوگوں کے سبب و شتم سے۔ نہ آسمانی
ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے
نہیں وہ عبت دوستی کا دم مارتے ہیں کیونکہ

قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ شیطان اپنے اولیاء کو ڈراتا ہے پس
جب کوئی شخص ڈرتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شیطانی آدمی ہے
لیکن اگر وہ ڈرنا نہیں بلکہ ان حملوں اور تکالیف کو خدا تعالیٰ کا
انعام سمجھتا ہے اور کہتا ہے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل مجھے
یہ عزت کا مقام عطا فرمایا ہے اور اُس نے مجھ پر احسان کیا
ہے کہ میں اُس کی خاطر مار کھا رہا ہوں تو دشمن مغلوب ہو
جاتا ہے اور آخر اُس کے دل میں مذمت پیدا ہو جاتی ہے
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے
متواتر بتایا کہ جماعت احمدیہ کو بھی دیسی ہی قربانیاں کرنی
پڑیں گی جیسی پہلے انبیاء کی جماعتوں کو کرنی پڑیں۔ چنانچہ
ایک دفعہ آپ نے رؤیا میں دیکھا کہ میں تمام الدیک کے گھر
میں داخل ہوا ہوں۔ نظام الدین کے صفے میں دین کا نظام
اور اسی رؤیا کا مطلب یہ ہے کہ آخر احمدیہ جماعت ایک دن
نظام دین بن جائیگی۔ اور دنیا کے ہر تمام نظاموں پر غالب
آجائے گی۔ مگر یہ غلبہ کسی طرح ہوگا۔ اس کے متعلق رؤیا میں آپ
فرماتے ہیں ہم اس گھر میں کچھ حسنی طریق پر داخل ہونگے
اور کچھ حسینی طریق پر داخل ہونگے (تذکرہ ایشیائی دور ۱۹۱۱ء)
یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت حسنؑ نے جو کامیابی حاصل
کی وہ صلح سے کی اور حضرت حسینؑ نے جو کامیابی حاصل کی
وہ شہادت سے حاصل کی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کو بتایا گیا کہ نظام الدین کے مقام پر جماعت پہنچے گی تو سہی مگر
کچھ صلح محبت اور پیار سے اور کچھ شہادتوں اور قربانیوں
کے ذریعہ۔ اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ بغیر صلح اور
محبت اور پیار کے یہ سلسلہ ترقی کرے گا تو وہ بھی غلطی کرتا
ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ بغیر قربانیوں اور شہادتوں
کے یہ سلسلہ ترقی کرے گا تو وہ بھی غلطی کرتا ہے۔ میں کبھی صلح
اور شہادت کی طرف جانا پڑے گا اور کبھی حسینی طریق اختیار
کرنا پڑے گا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے دشمن کے سامنے مر
جانا ہے مگر اس کی بات نہیں مانگی۔ یہ دونوں طریق ہمارے لئے

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا

کیا جو لوگ بدیاں کرتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری سزا سے بچ جائیں گے؟

سے بے انتہا محبت ہے لیکن جب اُس نے سمجھا کہ جان نکالنے والا فرشتہ آگیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اُسے اپنی محبت نہ تھی کہ وہ اُس کے بدلہ میں جان دے دیتی۔ یہ ہے تو ایک حکایت لیکن یہ بات کثرت سے پائی جاتی ہے کہ انسان بسا اوقات اپنے خیالات کا بھی اچھی طرح اندازہ نہیں لگا سکتا اور جب اُس پر ابتلا داتے ہیں تب اُسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا کسی چیز سے محبت یا نفرت کا دعویٰ کہا تک صادق تھا۔

اسی طرح ابتلاء میں اس نے بھی ڈالا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کا ایمان کیسا ہے ورنہ یوں دوسروں کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں کا ایمان پختہ ہے یا نہیں۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی انسان جتنا بڑا ہو اُس پر اتنے ہی بڑا ابتلاء آتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ ابتلاء نبیوں کو آتے ہیں بسبب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا کہ

کہ بلاست میرا نام

محمد حسین است وہ گریبا نم

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہشک کی ہے لیکن وہ نہیں جانتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، سب سے پہلے اپنے ابتلاؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ تو ایک بار اُسے گئے لیکن دس بجھے ہر وقت مارنے کے درپے رہتے اور ایذاؤں دیتے ہیں۔ اور میں ہر وقت کہ بلا کا نظارہ دیکھتا رہتا ہوں۔ سوئی پر ایک دفعہ چڑھ کر مرنا اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ ہر وقت ابتلاؤں میں چرے رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مسیح موعود چوتھ سوئی پر چڑھ کر مر گئے

وہ غمگین الگ کئے جائیں گے اور ان کا پھل حال اُن کے پہلے حال سے بدتر ہوگا۔
(انوار اسلام ص ۲۲)

غرض تو میری ترقی کا ایک ہی گڑبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کے لئے اپنے آپ کو فنا کر دینا۔ اور اس راہ میں کسی قربانی سے دریغ نہ کرنا۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ ابتلاء کیوں آتے ہیں؟ یاد رکھنا چاہیے کہ اول تو ابتلاء عموماً اس لئے آتے ہیں کہ انسان کا ایمان مضبوط ہو۔ لیکن اس لئے نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس لئے کہ خود انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ میرے ایمان کی کیا حالت ہے۔ چنانچہ ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت کی لڑکی سخت بیمار تھی۔ وہ روزانہ دوا کیا کرتی تھی کہ اس کی بیماری مجھے لگ جائے اور میں مر جاؤں۔ ایک رات اس کی گائے کا مٹھ ایک تنگ برتن میں پھنس گیا۔ اور وہ اُسے برتن سے نکال نہ سکی۔ اور گھبرا کر اُس نے ادھر ادھر دڑنا شروع کر دیا۔ اُس عورت کی آنکھ کھل گئی اور ایک عجیب قسم کی شکل اپنے سامنے دیکھ کر اُس نے سمجھا کہ ملک الموت میری جان نکالنے کے لئے آگیا ہے۔ اُس عورت کا نام عیسیٰ تھا وہ بے اختیار جو کر کہنے لگی۔

ملک الموت من نہ میستی ام

من کیے پیر زان محنتی ام

یعنی اے ملک الموت میں مستی نہیں ہوں۔ میں تو بیک غمب محنت کش بڑھیا ہوں اور اپنی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے کہ یہ مستی وہ لیتی ہوئی ہے اُس کی جان نکال سے۔ اب دیکھو وہ عورت خیال کرتی تھی کہ اُسے اپنی لڑکی

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

اُن کا فیصلہ بہت بُرا ہے ۲

اِس لئے اُن کو خدا کا بیٹا مان لو۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر جو لوگ ہر وقت صوفی پر چڑھائے جاتے ہیں اُن کو کیا ماننا چاہیئے۔ سب انبیاء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ اور جب انہیں متواتر تکالیف دی جاتی ہیں تو لوگ دیکھ لیتے ہیں کہ اُن کا کیسا بھتہ ایمان ہے۔

کہتے ہیں اَلَا نَسْتَعْتَمِلُ فَوْقَ الْاَكْوَاعِ اور سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ دشمن بھی خوبی کو مان لے اور اسکا انکار نہ کر سکے۔ پس اخلاق اور روحانیت کی پختگی کے لئے ابتلاؤں کا آنا اور اُن کے آنے پر صبر و رضا کا مقام اختیار کرنا ایمان کی تکمیل کے لئے نہایت ضروری ہوتا

۲۷ تفسیر:- فرمایا وہ لوگ جو نادان افعال میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے ہماری سزا سے بچ جائیں گے انکا یہ خیال بالکل باطل ہے۔ دنیا میں کوئی شخص دھوکا سے خدا تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ دوسرے لوگوں کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا تو الگ ذرا انسان خود اپنی ذات کے متعلق بھی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ وہ ہوتا بد سے بکن سمجھتا اپنے آپ کو نیک ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیگا۔ حالانکہ اسکا یہ فیصلہ جھوٹا ہوتا ہے۔ اور وہ عذاب میں پکڑا جاتا ہے اور اُس دن اُسے پتہ لگتا ہے کہ جس اپنے آپ کو غلط طور پر مومن سمجھتا رہا ہوں۔ یہ مقام خاص خاص مومن کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ پیسے سے اپنے ایمان کی پختگی کے واقف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم

میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ۔ (اعزاب آیت ۲۴) یعنی ہم ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنے دعوئے ایمان کو ثابت کر دیا ہے۔ اور بعض اُس موقع کے منتظر ہیں جب وہ اپنے دعوئے ایمان کو ثابت کر دیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت مالک بن انس ایک انصاری صحابی جو غلطی کی وجہ سے جنگ بدر میں شامل ہونے سے روکے گئے تھے۔ جب انہوں نے بدری صحابہ سے بدر کی جنگ کے کٹانے سنے تو جوش سے اٹھ کر پہلے لگ گئے اور کہنے لگے یہ کیا بات ہے جب مجھے موقع ملا تو میں بتاؤں گا کہ میں کیسی قربانیاں کرتا رہے چنانچہ احد کی لڑائی میں شامل ہوئے اور جب پیچھے کی طرف سے ایک دم حمل کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور وہ میدان جنگ سے ہٹ کر کچھ فاصلہ لگ آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رہ گئے اور کفار کے پھرواؤ کی وجہ سے زخمی ہو کر دوسرے زخمیوں کے جموں پر گر گئے اور تیس دن کچھ اور لوگ زخمی ہو کر آپ پر گر گئے اور چند منٹ کے بعد لوگوں آپ کو غائب دیکھ کر سمجھ لیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو بعض لوگوں نے ددھ کر مدینہ میں جو اُحد کے قریب ہی تھا یہ مشہور کر دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ یہ خبر اُن لوگوں پر بھی جو میدان جنگ سے صرف تھوڑے فاصلہ پر پیچھے تھے بجلی کی طرح گری۔ اُن میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ کہ مالک بن انس جنہوں نے جنگ سے پیٹھ کھانا نہیں کھایا تھا۔ دو تین کھجوریں کھاتے ہوئے اُن کے پاس گذرے۔

چونکہ لوہر کی آیات میں اُن ابتلاؤں کا ذکر ہے جو انبیاء کی جماعتوں پر آتے ہیں: اِس لئے یہاں بقائے الہی سے مراد اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت کا نزول ہے اور یوں کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دشمنوں کی شرارتوں کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں مایوسی نہیں آنی چاہیئے۔ اور تمہیں کبھی یہ تصور بھی نہیں کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا جھوٹ دے گا اور دشمن تمہیں تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیگا۔ وہ ابتلاؤں کے ذریعہ موت تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے ورنہ وہ تمہارے ساتھ ہے اور اُس کے فرشتے تمہاری تائید میں کام کر رہے ہیں۔ پس دشمن خواہ تمہیں کس قدر ستائے اور تم پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کرے تمہیں اس بات پر کمال یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تم سے ترقی کے وعدے کئے ہوئے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے۔

افسوس کہ وہ تمہاری مدد کے لئے دھڑا چلا آئیگا۔ اگر تم ابتلاؤں میں ثابت قدمی دکھاؤ گے اور خدا تعالیٰ پر کبھی بدظنی نہیں کر دو گے بلکہ امید رکھو گے کہ خدا تعالیٰ آسمان اُتر بیگا اور تمہارے دشمنوں کی گردنیں مروڑ دیگا تو تمہارا خدا تم سے ایسا ہی سلوک کر بیگا۔ اور وہ تمہارے لئے ایسی غیرت دکھائیگا جس کی مثال اور کہیں نظر نہیں آئیگی۔

اِس زمانہ میں مسلمانوں کے منزل کی سب سے بڑی وجہ یہی ہوئی کہ اُن کا ایک ذمہ خدا پر ایمان نہ رہا۔ اور معجزات اور خوارق کے متعلق انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ صرف پہلے زمانہ کے لوگوں کے لئے دکھائے جاتے تھے اب خدا نعوذ باللہ اُن نشانات کے دکھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا کوئی دلولہ نہ رہا اور وہ مایوسی کا شکار ہو گئے۔ اسلام اِس نظریہ کو غلط قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے محبوب کی ملاقات یعنی اُسکی نصرت اور تائید پر کمال یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی

مدد کے لئے آسمان سے اُتر آتا ہے اور وہ اُسی طرح اُنکی تائید کرتا ہے جس طرح پہلے انبیاء کی جماعتوں کی اُس نے تائید کی۔ مگر ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ ابتلاؤں کا بھی ایک دور ہوتا ہے اور کامیابیوں اور فتوحات کا بھی ایک دور ہوتا ہے اور یوں کمال دیہی ہوتا ہے جو مصائب اور آفات میں اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھتا ہے جب اُس کا یقین اپنے مکمل کو پہنچ جاتا ہے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ قَرِیْبٌ کا اُسے مزہ سُٹھایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کے دشمن کو تباہ کر دیتا ہے۔ اِسی کی طرف آیت کے آخری حصہ میں یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ وَهُوَ الشَّعِیْبُ الْخَلِیْمُ۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دُعاؤں کو سُنے والا اور اُن کے حالات کو جاننے والا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اُن کی دُعاؤں کو قبول نہ کرے اور دشمن کے ظالمانہ رویہ کو روکتے ہوئے اُسے سزا نہ دے۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ دس کا بادشاہ پیٹر ایک دفعہ کسی ضروری امر پر غور کرنے کے لئے اپنے بالاخانہ پر بیٹھ گیا۔ اور اُس نے حکم دے دیا کہ کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ پُرانے زمانہ میں دروازے نہیں ہوتے تھے۔ صرف پردہ ٹھکانے جاتے تھے۔ اور عربی کتابوں سے پتہ لگتا ہے کہ مسلمانوں کے مکانات میں بھی دروازے نہیں ہوتے تھے۔ اِسی لئے حکم تھا کہ جب اُو تو اجازت لے کر اُو۔ بہر حال اُس نے ڈیوڑھی پر ٹاسٹائے کو جو اُس کا چپڑا سی تھا بٹھا دیا اور اُسے کہہ دیا کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ جس ایک ضروری امر کے متعلق غور کر رہا ہوں۔ اتفاقاً کوئی شہزادہ آگیا۔ اُس نے بادشاہ کے پاس کسی کام کے لئے جانا چاہا۔ دس کے شاہی قانون کے مطابق شہزادہ کو کوئی شخص روک نہیں سکتا۔ شہزادوں کو یہ اجازت تھی کہ وہ بادشاہ کے پاس جب چاہیں چلے جائیں۔ انہیں کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔

پھر یہی روسی قانون تھا کہ کوئی غیر فوجی آدمی کسی فوجی کو نہیں مار سکتا۔ کسی بڑے افسر کو چھوٹا افسر نہیں مار سکتا اور کسی شہزادہ کو کوئی غیر شہزادہ نہیں مار سکتا یا کسی نوادہ کو کوئی غیر نوادہ نہیں مار سکتا۔ پس چونکہ قانون اجازت دیتا تھا کہ شہزادے بغیر کسی روک کے بادشاہ کے پاس چلے جایا کریں اس لئے شہزادے نے اندر داخل ہونا چاہا مگر جوبنی وہ اندر داخل ہونے لگا۔ ٹالسٹائے نے آگے بڑھ کر کہا حضور شہزادہ صاحب بادشاہ کا حکم ہے کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے مگر ہمیں جتہ ہے میں شہزادہ ہوں۔ اور شہزادوں کے متعلق یہ قانون ہے کہ وہ بغیر کسی روک کے بادشاہ کے پاس جاسکتے ہیں۔ اُس نے کہا جتہ ہے۔ اس پر شہزادے کو غصہ آیا اور اُس نے اُسے دو چار کوڑے لگائے اور کہا باوجود اس قانون کے معلوم ہونے کے تم یہ جرات کرتے ہو کہ مجھے اندر داخل ہونے نہیں دیتے۔ اُس نے مار کھانی اور شہزادے نے بھی دو چار منہ مارنے کے بعد سمجھ لیا کہ اسے اب سننے آگیا ہوگا۔ چنانچہ وہ پھر اندر داخل ہونے کیلئے آگے بڑھا مگر ٹالسٹائے نے پھر اُسے روک لیا اور کہا حضور بادشاہ نے اندر جانے سے منع فرمایا ہے۔ اس پر اُس نے پہلے سے بھی زیادہ اُسے مارا۔ اور خیال کیا کہ اب اسے سمجھ آگئی ہوگی۔ مگر جب اُس نے پھر محل میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ تو ٹالسٹائے نے پھر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا حضور بادشاہ کا حکم ہے کہ کوئی شخص اندر نہ آئے اس پر شہزادے نے پھر اُسے تیسری بار مارا شہزادہ کے بار بار مارنے اور پھر غصہ سے اُس کی آواز بکے بلند ہونے کی وجہ سے جب شور مچا ہوا تو قدرتی طور پر بادشاہ بھی اس طرف متوجہ ہو گیا اور درج تمام نظارہ اوپر سے دیکھتا رہا۔ جب شہزادہ اُسے تیسری دفعہ مار چکا تو بادشاہ نے غصہ دلی آواز بنا کر کہا ٹالسٹائے!

ادھر آؤ۔ ٹالسٹائے دوڑ کر اندر گیا۔ ساتھ ہی شہزادہ بھی جوٹس کی حالت میں داخل ہو گیا۔ اور اُس نے چاہا کہ وہ بادشاہ سے شکایت کرے۔ جب ٹالسٹائے پہنچا تو بادشاہ نے کہا۔ ٹالسٹائے یہ کیسا شور تھا؟ اُس نے کہا حضور شہزادہ صاحب تشریف لائے تھے اور اندر آنا چاہتے تھے مگر مجھے چونکہ حضور کا حکم تھا کہ کسی کو اندر نہیں آنے دینا اس لئے میں نے عرض کر دیا کہ آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ اور جب یہ زبردستی اندر داخل ہو گئے تو میں نے اُن کو روک دیا۔ بادشاہ نے کہا۔ پھر اُس نے کہا پھر انہوں نے مجھے مارا۔ بادشاہ نے شہزادہ سے پوچھا۔ کیا یہ ٹھیک ہے۔ اُس نے کہا۔ ٹھیک ہے مگر میں اس قانون پر اجازت نہیں دیتا کہ شہزادہ کو اندر داخل ہونے سے روکا جائے۔ بادشاہ نے کہا یہ درست ہے کہ میں کا قانون یہ اجازت نہیں دیتا کہ شہزادہ کو اندر آنے سے روکا جائے لیکن کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ بادشاہ پر اپنے ملک کی کئی قسم کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں جن کے لئے بسا اوقات اُسے غور اور فکر کی ضرورت ہوتی ہے اور غور و فکر کے لئے علیحدگی ضروری ہوتی ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ حکومت کی ذمہ داریاں تو ادا ہوں یا نہ ہوں لیکن قانون کے معنی الفاظ پورے ہوتے چلے جائیں میرے سامنے اس وقت ایک بہت بڑی ہم تنہی جو حکومت کو تعلق رکھتی تھی اور میں چاہتا تھا کہ مجھے کچھ وقت ملے تو میں اس کے متعلق سکیم سوچوں اور غور کروں کہ کس طرح اپنے ملک کو خطرہ سے بچایا جاسکتا ہے۔ کیا ان حالات میں میرا یہ حق نہ تھا کہ میں حکم دے دیتا کہ کوئی شخص اندر نہ آئے اور میری توجہ کو کسی اور طرف نہ پھیرے۔ ٹالسٹائے نے عقلمندی اور ادب سے کام لیا اور اُس نے میرے حکم کی فرمانبرداری کی۔ مگر تم نے میرا بیٹا ہوتے ہوئے میرے حکم کی نافرمانی کی۔ اور تم نے جو اس کو مارا تو اُس کے کسی جرم کی وجہ سے نہیں مارا بلکہ اسلئے مارا کہ اُس نے میری فرمانبرداری کیوں کی۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ

اور جو شخص خدا (تعالیٰ) کے لئے کوشش کرتا ہے حقیقت وہ اپنی جان ہی کے لئے کرتا ہے۔ اللہ (تعالیٰ)

لَغْنِيَّ عَنِ الْعُلَمَاءِ ④

تمام جہانوں سے بے نیاز ہے (اور ان کی عبادت کا محتاج نہیں) ④

اپنے جتنے پر گھنڈ کرتے ہیں۔ لوگ اپنی حکومتوں پر گھنڈ کرتے ہیں مگر ہمارے خدا کی حکومت دنیا کی حکومتوں سے بہت بڑی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نبیوں نے کہا کہ وہ کوٹنے کا پتھر ہو گا۔ جس پر وہ گرے گا وہ بھی چٹکنا چور ہو جائیگا اور جو کوئی اس پر گرے گا وہ بھی چٹکنا چور ہو جائیگا۔ یعنی خواہ وہ کسی پر حملہ آور ہو یا کوئی اس پر حملہ آور ہو دونوں صورتوں میں وہ سزا پائے بغیر نہیں رہے گا۔ اسی طرح آپ کے متبع بھی ظلی رنگ میں کوٹنے کے پتھر ہیں۔ پس جو لوگ خدا پر توکل رکھتے ہیں خدا ان کے دشمنوں کو سزا دیے بغیر نہیں رہتا۔

④ تفسیر :- اس آیت میں مومنوں کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہاری تمام نیکیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبادت یا ان کی قربانیوں سے بے نیاز ہے۔

پس قربانیاں کرتے وقت تم کبھی یہ خیال نہ کرو کہ تم خدا اور اس کے رسول پر کوئی احسان کر رہے ہو۔ خدا تعالیٰ قربانیوں کا محتاج نہیں بلکہ تم اس کے فضل کے محتاج ہو اور اگر تمہیں کسی نیکی کی توفیق ملتی ہے تو تم خدا پر یا اس کے سلسلہ پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ خود اپنی جان پر احسان کرتے ہو۔ جو لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے وہ بعض دفعہ نیکیاں کرتے کرتے جنت کے دروازہ تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کا غرور ان کے راستہ میں دیوار بن کر حائل ہو جاتا،

اس کے بعد بادشاہ نے ہالٹسٹائے کے ہاتھ میں کوڑا دیکر کہا ہالٹسٹائے! اٹھو اور اس کوڑے سے شہزادے کو مار دو۔ شہزادے نے کہا۔ دوسرا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی غیر فوجی کسی فوجی آدمی کو مارے۔ میں فوجی ہوں اور یہ غیر فوجی ہے اس لئے یہ مجھے مار نہیں سکتا۔ بادشاہ نے کہا۔ ہالٹسٹائے! میں تم کو فوجی چھڑا دیتا ہوں تمہارے مارو۔ گویا بادشاہ نے بتایا کہ اگر دوسرا قانون یہ ہے کہ کوئی غیر فوجی کسی فوجی کو نہیں مار سکتا تو فوجی عہدے دینا بھی تو میرے اختیار میں ہے۔ میں ہالٹسٹائے کو فوجی عہدہ دے دیتا ہوں۔ اس پر پھر شہزادے نے کہا۔ میں فوج میں کرنل یا جرنیل ہوں۔ مجھے میرے برابر کا آدمی ہی مار سکتا ہے چھوٹا نہیں۔ بادشاہ نے کہا ہالٹسٹائے! میں تم کو بھی فوجی عہدہ دیتا ہوں۔ میں پھر شہزادے نے کہا۔ دوسرا قانون یہ ہے کہ کسی نواب کو کوئی غیر نواب سزا دیے پر مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ بادشاہ نے کہا۔ نواب بنانا بھی میرے اختیار میں ہے اسے نواب ہالٹسٹائے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم اس شہزادے کو مارو۔ اور اس طرح بادشاہ نے شہزادے کے ہر ہنڈ کو تھوڑا اور آخر ہالٹسٹائے سے اس کو پٹوایا کیونکہ ہالٹسٹائے نے بادشاہ کی خاطر مار کھائی تھی۔ اسی طرح جو شخص اس لئے پیشا جائیگا کہ وہ خدا کی بات پر ایمان لایا۔ یا خدا کی آواز پر اس نے لبیک کہا۔ دنیا کا چھوٹا یا بڑا جو اس کو مارے گا اور سزا دیگا خدا اسے نہیں چھوڑے گا جب تک اسے سزا نہ دے لے خدا تعالیٰ کے کوڑے کے مقابلہ میں کسی انسان کا کوڑا نہیں چل سکتا۔ لوگ اپنی کثرت پر گھنڈ کرتے ہیں۔ لوگ

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ایمان کے مطابق انہوں نے عمل کئے ہم ان کی بدیوں کو ان سے دُور

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

کر دیں گے اور جو کام وہ کرتے تھے اُس کے مطابق جو بہترین جزا ان کو مل سکتی ہوگی وہ ہم ان کو دیں گے۔ ۵۵

ہیں۔ اسی طرح تَقْذِيبُ الْعَيْنِ کے معنی آنکھ میں تھڑی یعنی ٹکا ڈالنے کے نہیں ہوتے بلکہ آنکھ سے ٹکا دُور کرنے کے ہوتے ہیں۔

اوپر کے لغات کے حوالوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کفارہ کے معنی شادی کے بھی ہیں جس میں تین باتیں شامل ہیں ۱۵ گناہ کی خواہش اور عادت کو مٹا دینا ۲۰ گناہ کی کمزرا اور نتیجہ کو مٹا دینا ۳۰ گناہ کی شہرت اور بدنامی کو مٹا دینا اسی طرح کفارہ کے معنی بدل دینے یا گناہ کو دُور کر دینے کے بھی ہیں۔

تفسیر: اس آیت میں ہوائے نیک کے بارہ میں اسلام کا یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص سچی تو کھڑتا ہے تو خدا تعالیٰ صرف گناہ کو ہی معاف نہیں کرتا بلکہ گناہ کی یاد بھی مٹا دیتا ہے۔ یعنی جو لوگ گناہ سے واقف ہوتے ہیں۔ مثلاً خود گناہ گار کا اپنا وجود ہے اللہ تعالیٰ اُس کے اور دوسروں کے ذہن سے اُس گناہ کی یاد کو مٹا دیتا ہے اور بدی کے نقش کو یا تو دھندلا کر دیتا ہے یا اُسے بالکل محو کر دیتا ہے تاغص میں شرمندگی نہ رہے اور نیکی کا جذبہ غالب آجائے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی وہ لوگ جو سچا ایمان لائے ہیں اور اپنے ایمان کے مطابق انہوں نے عمل کئے ہیں ہم ان کے گناہوں کو مٹا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے بہترین اعمال کے مطابق ان سے سلوک کریں گے

اور وہ دوزخ میں جا گرتے ہیں۔ پس نیکیوں کے بعد کبریا خود پسندی کے جذبات کی بجائے ہمیشہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے ایمان کی توفیق دی۔ اور مصائب و آفات میں ثبات قدم عطا فرمایا۔

۵۵ **عمل لغات:** لَنُكَفِّرَنَّ: نَکَفَّرَ سے جمع حکم مؤکد بہ نون تانیہ کا صیغہ ہے اور کَفَرُ اللّٰهُ لَهُ الذَّنْبُ کے معنی میں مَحَاةٌ یعنی گناہ کے اثر اور اُس کے نشان کو مٹا دیا۔ (قریب) اسی طرح کَفَّرَ کے معنی بدل دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے ذَلِكْ كَفَّارَةٌ لِّمَا أَنْتُمْ بِنَفْسِكُمْ إِذَا خَلَفْتُمْ وَالْمَاءُ آيَةٌ ۹۰) جب تم قسم کھا کر اُسے توڑ دو تو اسکا بدلہ وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے وَالْقَافِرُونَ سَيِّئُونَ وَخُلِيقَتُهُ حَتَّى يَصِيرَ يُنْفِرُونَ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور تکفیر (جو کفر کا معنی ہے کفارہ بنام) کے معنی کسی عمل کو اس حد تک چھپا دینے اور ڈھانپ دینے کے ہوتے ہیں کہ گویا اُس کا وجود ہی نہ تھا اور اس کے کرنے والے نے وہ عمل کیا ہی نہ تھا۔ وَيَصِيرُ أَنْ يَكُونَ أَهْلُهُ إِزَالَةُ الْكُفْرِ وَالْكَافِرِينَ يَحْمَوُ التَّائِبِينَ فِي كُفْرِهِ إِزَالَةُ الْكُفْرِ عَنْ تَقْذِيبِ الْعَيْنِ فِي إِزَالَةِ الْقَذْوَعَةِ (مفہورات) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کی بنیاد باب تفصیل کے اس خاصہ پر ہو کہ وہ اصل مادہ کے معنوں کو دُور کرنے پر دلالت کرتا ہے اور کَفَّرَ کے معنی ہوں کفر یا کفرانِ نعمت کو دُور کرنا۔ جیسے عربی زبان میں تَمْرِ نِيش کے معنی مرض پیدا کرنے کے نہیں بلکہ مرض کے دُور کرنے کے ہوتے

لَنُكَفِّرَنَّ

اس جگہ مٹا دینے سے مراد ان کا فراموش کر دینا ہی، کیونکہ جب عمل مٹا کر نوا لے اور کامل ایمان والوں کا ذکر ہو۔ تو مٹا دینے کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ گناہ کی عادت چھٹ جائیگی کیونکہ ایسا شخص عمل نیک تو پہلے ہی کرنے لگ گیا ہے۔ پس ابجگہ مٹانے سے مراد ان کا فراموش کر دینا ہی ہے تاکہ ان کی عزت پر کوئی حرج نہ رہے۔

لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمُ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ
سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی اعمال کی جزا دیتے وقت اس کی کمزوریوں پر انعام کی بنیاد نہیں رکھیکہ جگہ اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ حالت پر اس کی بنیاد رکھے گا۔ اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بدلہ دیتے وقت انسان کی کمزوریوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یعنی یہ دیکھا جاتا ہے کہ عام طور پر اس سے کس قسم کے اعمال کا نظور ہوا ہے۔ جسے قاعدہ اوسط کہا جاتا ہے۔ دنیا کی تمام جزا اس اوسط کے قاعدہ پر مبنی ہے۔ حتیٰ کہ حکومتیں پیش دیتے وقت بھی قاعدہ اوسط سے کام لیتی ہیں اور یہ دیکھتی ہیں کہ تین سال کی تنخواہ کا اوسط کیا ہے پھر اس اوسط کے مطابق پیش دیتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص پیش کے وقت سے تین سال پہلے تین سو روپیہ تنخواہ لیتا تھا۔ دو سال پہلے چار سو روپیہ اور آخری سال میں پانچ سو تو وہ اسے دو سو پیش دے گی جو چار سو کا نصف بنتا ہے۔ کہ اڑھائی سو جو اس کی آخری تنخواہ کا نصف ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ مَالِکِ یَوْمِ الدِّینِ ہے۔ اس کے انعام دوسروں کا حق نہیں مارا جاتا اور وہ جو کچھ دیتا ہے اپنی ملکیت سے دیتا ہے اس نے جزا نیک کے بارہ میں دنیا کے اس تادم کے مطابق قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جو شخص مرتے ہوئے نیک ہوا اور ایمان پر جان دے مسکا دہر وہ نہیں سمجھا جائیگا جو مرتے وقت مٹے ہوئے تھا بلکہ اسکا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ سمجھا جائیگا جو اس کی زندگی میں ہی دے دیا جاتا ہو۔ مثلاً فرض کر دیکھیے کہ دس جیسے ہیں۔

اور ایک شخص مرتے ہوئے ساتویں درجہ پر تھا لیکن دو چار سال پہلے اسے اٹھواں یا نواں درجہ حاصل تھا پھر کسی جسمانی یا دماغی کمزوری کی وجہ سے اس کی نیکی کا درجہ گر گیا۔ اور دین کی خدمت کا اسے استفادہ نہ ملا جو اس سے پہلے ملا کرتا تھا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ موت کے وقت کے درجہ پر فائز نہ کریگا بلکہ اسے اس درجہ میں رکھے گا جو اسے پہلے حاصل تھا اور جو سب سے اعلیٰ تھا بغرض انسان کو جزا دیتے وقت اس امر کا خیال رکھا جائیگا کہ اپنی زندگی میں کس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام کو یہ پہنچ چکا ہے۔ اور بعد کے تغیرات کو نظر انداز کر کے اس اعلیٰ درجہ کے مطابق اس سے سلوک کیا جائیگا۔
اس بارہ میں قرآن کریم کی متعدد آیات ہیں جن میں سے ایک یہ آیت بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کے یہ معنی تو ہو نہیں سکتے کہ جو اچھے سے اچھا عمل ہو گا اس کا بدلہ مل جائیگا اور دوسرے چھوڑ دیئے جائیں گے کیونکہ اس سے تو بندوں کا فائدہ نہیں نقصان ہے کیونکہ جو اچھا عمل بڑے عملوں سے مل کر بدلہ کو بڑھا دیتے ہیں کم نہیں کرنے۔ اور خالی بڑا عمل چھوٹے عملوں سے ٹیڑھ کر بڑا نہیں چھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان سے الگ ہو کر اس کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ دس کا عدد چھ اور سات سے بڑا ہے لیکن ۱۰ + ۶ + ۷ سے بڑا نہیں جمع کی صورت میں دس کو اگرچہ اور سات سے الگ کر دیا جائے تو یہ چھوٹا ہو جائیگا۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہارے ادنیٰ اعمال کو ہم بغیر بدلہ کے چھوڑ دیں گے اور صرف بڑے عمل کا بدلہ دیں گے۔ لازماً ماننا پڑتا ہے کہ اس جگہ عام جزا کا ذکر نہیں بلکہ خاص قسم کی جزا کا ذکر ہے۔ عام جزا میں تو بے شک چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی ضائع نہیں کیا جائیگا۔ جیسا کہ فرماتا ہے ثُمَّ نَّيَعْمَلُنَّ

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (کہا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھے

لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اس بات میں بحث کریں کہ تو کسی کو میرا شریک قرار دے حالانکہ اسکا تجھے کوئی علم نہیں تو تو ان دونوں کی فرمانبرداری

إِلَىٰ مَرْجِعُكُمْ فَأَنِتُّكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

ذکر کرو کہ تم میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے اور میں تمہارے عمل (کی نیکی بری) سے تم کو واپس کر دوں گا۔ ۵۹

نکال کر اس کے مطابق رکھنے کے۔ کیونکہ انسانی زندگی میں بعض اور بسط کے دور آتے رہتے ہیں اور ان دونوں کی اوسط کو بعض کی گھڑیوں سے اعلیٰ ہوتی ہے لیکن بسط کی اعلیٰ گھڑیوں سے بہت ادنیٰ ہوتی ہے۔ اسی قانون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوسری زندگی میں ہم جو قوت عمل انسان کو بخشیں گے وہ اس کی پہلی زندگی کی ترقیات کی اوسط کے مطابق نہ ہوگی بلکہ اس کی پہلی زندگی کی ان گھڑیوں کے مطابق ہوگی جن میں انسان نے اپنا انتہائی کمال ظاہر کیا ہوگا خواہ وہ کمال زندگی کے کسی دور میں ظاہر ہوا ہو اور اس طرح ہم اُسے ایک اعلیٰ نقطہ مسابقت بخشیں گے جس پر کھڑے ہو کر وہ اعلیٰ مقامات کو بہت سرعت حاصل کر سکیگا۔ اور ان معنوں کے دوسرے اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کے مطابق جزا کا ملنا ایک انعام ہے اور انعام بھی وہ جن کا خیال کرے بھی دل خوشی سے اچھل پڑتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي مَخْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

تفسیر:- فرماتا ہے۔ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق بڑی ناکید کی ہے کہ ان سے نیک سلوک کیا جائے۔ ہاں اگر وہ تم سے اس بات کے لئے جھگڑیں کہ تم کسی کو میرا شریک قرار دے دو۔

بِشَقْلٍ ذَرَّةً تَحْمِلُهَا تَرَدُّدًا۔ لیکن جبکہ جس قسم کی جزا کا ذکر ہے اس میں صرف بڑے عمل کا ایک کر لینے سے انسان کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور دوسرے اعمال کے ساتھ مشاغل کر دینے سے بڑے عمل کی طاقت بھی کم ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک معذور بڑا دل تصویریں بناتا ہے لیکن اس کی سب تصویریں یکساں نہیں ہوتیں۔ اس کی بہت سی تصویروں میں سے کوئی بہت اعلیٰ ہوتی ہے اور کوئی درمیانی اور کوئی ادنیٰ۔ اعلیٰ تصویر جو اس کے کام کا فائدہ پہنچاتی ہے اور جسے انگریزی محاورہ میں "ماترپس" کہتے ہیں اس کے لئے معذوری نہیں کہ وہ انسان کی آخری تصویر ہی ہو۔ جیسی وہ ابتدائی زمانہ کی تصویر ہوتی ہے کبھی درمیانی زمانہ کی اور کبھی آخری زمانہ کی۔ تب اگر اس معذور کو ایک نئی زندگی دی جائے اور اس کی طاقت کی اوسط نکال کر یا اس کی آخری عمر کی حالت کے مطابق اُسے اس کی نئی زندگی میں ذہانت معذوری بخش دی جائے تو یقیناً اس کا نقطہ مسابقت ادنیٰ ہوگا لیکن اگر اس کے ذہن کو اس سطح پر دکھ دیا جائے جو اسے اپنی چوٹی کی تصویر بناتے وقت میسر تھا تو اسکا نقطہ مسابقت یقیناً بہت اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ گویا ذہن کی عام قابلیت اگر اعلیٰ سے اعلیٰ کام کے مطابق رکھی جائے تو وہ یقیناً اعلیٰ ہوگی۔ بہ نسبت تمام کام کی اوسط

جس کا تہیں کوئی علم نہیں تو پھر ان کی بات نہ مانو۔ یعنی
مومن کو جب اس کے ماں باپ سے اچھا معاملہ کرنے کا
حکم دیا گیا ہے تو پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ مومن خدا
تعالیٰ سے جو ماں باپ سے بھی زیادہ محسن ہے اچھا
معاملہ نہ کرے۔ اور جب ماں باپ خدا تعالیٰ کے خلاف
کوئی بات کہیں تو ان کی بات کو رد نہ کرے۔ بہر حال
اس استثناء کے سوا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے
ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے کسبِ کرم
کی خلاف ورزی نہ کرے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس
زمانہ میں بہت سے نوجوان ایسے دکھائی دیتے ہیں جو
اپنے ماں باپ کا مناسب احترام نہیں کرتے اور نہ ان کے
مقوقی کا خیال رکھتے ہیں بلکہ اولاد میں سے کسی کو اگر کوئی
اچھا عمدہ مل جائے تو وہ اپنے غریب والدین کے لئے
بھی شرم محسوس کرتا ہے۔ حضرت سید موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
سُنایا کرتے تھے کہ کسی بندہ بڑی تکلیف برداشت کر کے اپنے
لڑکے کو بی۔ اے یا ایم۔ اے کرایا اور اس ڈگری کو حاصل
کرنے کے بعد وہ ڈپٹی ہو گیا۔ اچانک ڈپٹی ہونا کوئی بڑا
اعزاز نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن پہلے وقتوں میں ڈپٹی ہونا بھی
بڑی بات تھی۔ اُس کے باپ کو خیال آیا کہ میرا لڑکا
ڈپٹی ہو گیا ہے۔ میں بھی اُس سے مل آؤں۔ چنانچہ
جس وقت وہ بندہ اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے مجلس میں
پہنچا تو اس وقت اُس کے پاس دکیل اور بیرسٹر وغیرہ
بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ بھی اپنی غلیظ دھوتی کے ساتھ ایک
طرف بیٹھ گیا۔ باتیں ہوتی ہیں کسی شخص کو اُس غلیظ آدمی
کا بیٹھنا برا محسوس ہوا اور اُس نے پوچھا کہ ہمارے مجلس
میں یہ کوئی بیٹھا ہے۔ ڈپٹی صاحب اسکی یہ بات سن کر کچھ
جھینپ سے گئے اور شرمندگی سے بچنے کے لئے کہنے لگے
یہ ہمارے ٹیلیا ہیں۔ باپ اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر
غصے کے ساتھ جل گیا۔ اور اپنی چادر سنبھالتے ہوئے

اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ جناب میں ان کا ٹیلیا نہیں
ان کی ماں کا ٹیلیا ہوں۔ ساتھ والوں کو جب معلوم ہوا کہ
یہ ڈپٹی صاحب کے والد ہیں تو انہوں نے اُس کو بہت
تعین طعن کی اور کہا کہ اگر آپ ہیں تو ہم اپنی مناسب
تعظیم و تکریم کرتے۔ اور ادب کے ساتھ اٹھو بیٹھتے۔
بہر حال اس قسم کے نظارے روزانہ دیکھنے میں آتے ہیں کہ لوگ
رشتہ داروں کے ساتھ ملنے سے جی پڑاتے ہیں تاکہ اُن کی
اُنی پوزیشن میں کوئی کمی واقع نہ ہو جائے۔ گویا ماں باپ کا
نام روشن کرنا تو الگ رہا اُن کے نام کو بٹہ بٹھانے والے
بن جاتے ہیں۔ اور سوائے ان لوگوں کے جو اس نقطہ نگاہ
سے والدین کی عزت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے
کہ والدین کی عزت کرو۔ دنیا داروں میں سے بہت کم
لوگ ایسے ہوتے ہیں جو والدین کی پورے طور پر عزت
کرتے ہیں۔ اور زمینداروں اور تعلیم یافتہ طبقہ دونوں
میں یہی حالات نظر آتے ہیں۔ اسی طرح بعض نوجوان
اپنی ماؤں کی خبر گیری ترک کر دیتے ہیں اور جب پوچھا
جاتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ماں جی کی طبیعت
تیز ہے اور میری بیوی سے اُن کی جنتی نہیں۔ حالانکہ بیوی
کو ماں سے کیا نسبت۔ بیوی نے اس کے فائدے کیسے
کیا کیا ہوتا ہے۔ وہ نوجوانی کی حالت میں اُس کی خدمت کرتی
ہے لیکن ماں جس نے اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہوتا،
اور جس نے اپنا خون دودھ کی شکل میں تبدیل کر کے اُسکی
پرورش کی ہوتی ہے اور محنت و مشقت کر کے پڑھایا
ہوتا ہے اس سے اس نے اعراض کر لیا جاتا ہے کہ بیوی
سے اُس کی جنتی نہیں۔ پس اس خطرناک نقص کو دور کرو۔
اور اپنے والدین کی خدمت بجالاؤ۔ ورنہ تم اس جنت
سے محروم ہو جاؤ گے۔ جو تمہارے ماں باپ کے قدموں کے
پیچھے رکھی گئی ہے۔
آخر میں فرمایا اَللّٰہُ مَرْجِعُکُمْ۔ آخر تم نے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ①

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کے مطابق انہوں نے عمل بھی کیا ہے ہم اُن کو اچھے بندوں میں داخل کریں گے۔ ۱

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ابتلاؤں کے ذکر میں ماں باپ سے حسن سلوک کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ بچوں کے آنے پر بسا اوقات فوجیان طبقہ تو پرانے خیالات سے آزاد ہونے کی وجہ سے صداقت کو قبول کر لیتا ہے لیکن اُن کے والدین اپنے پرانے عقائد پر ہی قائم رہتے ہیں اور چونکہ مذہبی عقائد کا اختلاف ماں باپ اور اُن کی اولاد میں ایک وسیع خلیج حاصل کر دیتا ہے اس لئے بعض دفعہ والدین ایسی سختی پر اتر آتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹوں کو اپنے گھروں سے نکال دیتے یا انہیں اپنی جائیدادوں سے بے دخل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو توجہ دلاتا ہے کہ بیشک تمہارا صداقت قبول کرنا ایک بڑی بھاری نیکی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ تم ان سختیوں کی وجہ سے اپنے ماں باپ سے حسن سلوک ترک کر دو۔ تمہارا کام یہی ہے کہ تم ہمیشہ اُنکے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور دنیوی معاملات میں اُن سے محبت کے ساتھ پیش آؤ۔ ہاں اگر وہ تمہیں کبھی خدا اور اُس کے رسول کے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں تو تم فوراً کہہ دو کہ اس معاملہ میں ہم آپ کی اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

۱۱۱ تفسیر:۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں اور پھر اس ایمان کے مطابق انہوں نے اعمال صالحہ بھی کئے ہیں ہم انہیں یقیناً صالحین میں داخل کر لیں گے جن میں صادق اور مستند لوگوں میں شامل کریں گے جن سے تعلق زبور میں نہ ہے وعدہ کیا تھا کہ انہیں فلسطین کی بادشاہت دی جائیگی گویا وہ وعدہ

خدا تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے اور تمام اعمال کا نتیجہ اسی نے ظاہر کرنا ہے اس لئے تمہارا کام یہی ہے کہ جب شرک کا سوال آئے تو اپنے ماں باپ کی اطاعت کرنے سے انکار کر دو۔ مگر اس استغناء کے علاوہ تمام دنیوی معاملات میں اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اور اُن کی کامل فرمانبرداری کرو۔

معاذ میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک ملاک کے پاس جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی بہن تھیں اُن کی والدہ آئیں۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ماں آئی ہے اور چاہتی ہے کہ میں اس سے کچھ سلوک کروں مگر وہ کافروں ہے۔ کیا میں اُس سے حسن سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں بیشک کرو۔ یہ دنیوی معاملہ ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ایک فہم ایک جیتہ دیا جو ریشمی تھا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک دفعہ آپ کو ایک ریشمی جیتہ پیش کیا تھا۔ مگر آپ نے اُس کو پسند نہ فرمایا۔ اب آپ مجھے خود ریشمی جیتہ دے رہے ہیں۔ کیا میں اس کو پہنوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے پہننے کے لئے نہیں دیا کسی کو تحفہ دے دو یا بیچ ڈالو۔ اس پر انہوں نے اپنے بھائی کو جو کہ میں دہتا تھا اور کافر تھا دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اختلاف کی وجہ تعلقات منقطع نہیں ہو جاتے بلکہ مومن کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کا احترام کرے اور ہمیشہ اُن سے حسن سلوک کرتا رہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللّٰهِ

اور لوگوں میں (بعض ایسے) ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ کی وجہ سے انکو تکلیف

جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَٰكِن جَاءَ لَكُمْ مِنْ رَبِّكَ

دی جاتی ہے۔۔۔ لوگوں کے عذاب کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتے ہیں اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد آتی ہے

لَيَقُولَنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ أَوْ لَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي

تو وہ کہتے ہیں (درحقیقت) ہم بھی تمہارے ساتھ تھے۔ کیا دنیا جہان کے لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو

صُدُورُ الْعُلَمَآءِ ۚ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ تعالیٰ اچھی طرح نہیں جانتا؛ اور اللہ (تعالیٰ) ضرور ظاہر کر دیگا اُن کو بھی جو ایمان لائے

وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝۱۳

اور اُن کو بھی جو منافق ہیں - ۵۹

میں سے ہیں۔ اگر وہ صالح بن جائیں تو وہ اس ملک میں رہ سکتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صالح کی تشریح میں فرماتا ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں وہ صالح اور شہید اور صدیق وغیرہ کا مقام پائیں گے۔ پس صالح بننے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی ضروری ہے۔ اگر یہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تو اللہ تعالیٰ انکو اس ملک میں قائم رکھیں گا اور وہ اسی طرح مسلمانوں کے بھائی ہونگے جس طرح اسحاق اسخیل کا بھائی تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہمت کر کے خدا تعالیٰ کے قانون کو اپنی ناپید میں نہ بنائیں۔

۵۹ تفسیر:- اس آیت میں بتایا کہ جو لوگ صرف منہ کے ایمان پر بھروسہ کرتے ہیں اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اُن کو

جو نبی اسرائیل سے کیا گیا تھا اب مسلمانوں کے ایمان اعلیٰ صالح کرنے کی وجہ سے اُن کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ چنانچہ جب تک مسلمان صالح رہے فلسطین مسلمانوں کے پاس رہا۔ اور جب اُن میں بگاڑ پیدا ہو گیا فلسطین بھی اُن سے چھین گیا۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات ظاہر ہے یہ فلسطین کا جھنڈا عارضی ہے ایک دن اللہ تعالیٰ انکو پھر اس ملک میں لایینگا اور انکی موجودہ پسپائی فتح سے بدل جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ امرکن قوم ٹری پوشیاد ہے مگر اس موقع پر اُس نے سخت غلطی کی ہے اور ایک ایسی قوم کی حمایت کے لئے کھڑی ہو گئی ہے جس کو بائبل بھی ملزم قرار دیتی ہے اور قرآن کریم بھی ملزم قرار دیتا ہے۔ یہودی اگر فلسطین میں مستقل طور پر رہنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ صالحین میں شامل ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کو اُن سے کوئی دشمنی نہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد

کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کے عذاب دینے کو وہ اللہ کے عذاب دینے کے برابر سمجھ لیتے ہیں۔ اور جب کبھی ترے رب کی طرف سے نصرت آجائے تو پھر اپنی اصل حالت کو چھپانے کے لئے مسلمانوں کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہم تو تبارک ساتھ تھے۔ حالانکہ وہ صرف منہ سے ساتھ تھے دل سے ساتھ نہیں تھے۔ مومنوں کو اس قسم کے جُردلانہ رویہ سے بچنا چاہیے اور صداقت پر پوری مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے۔

آج سب سے بڑی مصیبت سچ کی اشاعت میں یہی ہے کہ لوگ تو ملامت کی رسوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے یوں ہی سے لاکھوں آدمی ایسے ہیں جن کے دلوں پر اسلام کی سچائی نے اثر کر لیا ہے مگر وہ ملک کی اور قوم کی رسوم کا مقابلہ کرنے اور اپنے مہسائیوں کے تمسخرے گھبراتے ہیں۔ اگر وہ دلیل پر جائیں تو نہ صرف انکو سچائی قبول کرنے کا موقع ملے بلکہ انکو دیکھ کر ہزاروں اور آدمی آگے آجائیں اور سچائی دونوں میں تسی پھیل جائے جو پچھلی صدیوں میں نہیں پھیلی تھی۔ کیونکہ اس زمانہ کی تمام غریبوں کے باوجود اس میں اتنی خوبی موجود ہے کہ علوم کے خزانے باہر آگئے ہیں اور ہر علم کے متعلق اتنی کتابیں موجود ہیں کہ انسان آسانی سے ان علوم کو حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بات پہلے لوگوں کو میسر نہ تھی پس مبادک ہے جو اس سالن سے فائدہ اٹھاتا ہے اور بچے مذہب کے قائم کرنے میں اپنی نیک مثال سے مدد دیتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے فضل اُس پر نازل ہونگے۔ اور اُسے دلی تسلیں اُن کو دے جائیں گی۔ ہم انتظار کر رہے ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں سے کون کون سے لوگ اس مقام کو حاصل کرتے ہیں۔

جَحَلَّ فِثْنَةُ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ سے منوم ہوتا ہے کہ ابتلاء اور عذاب میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے مگر لوگ اپنی نادانی سے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو وہ اپنی تباہی کا موجب

سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اُن کی ترقی کا پیش خمیہ ہوتی ہیں۔ ابتلاء اور عذاب میں فرق یہ ہے کہ (۱) عذاب کا نتیجہ پاکت اور ناپاکی ہوتی ہے مگر ابتلاء کا نتیجہ یہ نہیں ہوتا۔ تکلیفیں تو دونوں طرح ہی آتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی دیکھ لو۔ بار بار ایسا ہوا ہے کہ آپ دشمن کے زعمے میں کیسے پھنس گئے۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا مگر ابوجہل ایک ہی دفعہ فوجوں سمیت کھڑا گیا اور ہلاک ہو گیا (۲) عذاب کے نتیجہ میں نقصان کی زیادتی ہوتی ہے اور ابتلاء میں نفع کی زیادتی ہوتی ہے۔ ابتلاء کی مثال تو ایسی ہوتی ہے جیسے رڑ کے گیند کو جتنے زور سے پھینکا جائے وہ اتنا ہی اچھلتا ہے۔ مگر عذاب میں اگر انسان اوپر نہیں اٹھ سکتا۔

(۳) عذاب جس انسان پر نازل کیا جاتا ہے اُس کے دل میں مایوسی اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ مگر جس پر ابتلاء نازل ہوتا ہے اُس کے دل میں اطمینان اور تسلی ہوتی ہے جب عذاب نازل ہوتا ہے تو مغضوب کہتا ہے۔ ہاں میں ہلاک ہو گیا۔ یا اگر وہ اس سے گھبراتا نہیں تو اُس کے دل میں کبر اور خود پسندی کے جذبات جوش مانے لگتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کون ہلاک کر سکتا ہے، لیکن جب ابتلاء آتا ہے تو انسان کہتا ہے کوئی پردہ نہیں میں کمزور اور بے کس ہوں لیکن میرا بچانے والا طاقت ور ہے اور وہ خدا تعالیٰ پر یقین میں اور بھی ترقی کر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ پر اُس کی حسن ظنی بہت بڑھ جاتی ہے۔

(۴) عذاب کے دُور کرنے کی انسان جب کوشش کرتا ہے تو ٹھوکریں کھاتا ہے۔ مگر جس پر ابتلاء آتا ہے اُس کا خیمہ رسا ہو جاتا ہے اور وہ بات کو خوب سمجھنے لگ جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھ لو۔ لغاد ایک کھوج لگاتے لگاتے غایہ تو تک پہنچ گئے اور دہاں جا کر کھجی نے کہہ دیا کہ یا تو وہ آسمان پر چلا گیا ہے اور

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا

اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں ۔ تم ہمارے پیچھے چلو ۔

لَنَحْمِلَ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ

ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے ۔ حالانکہ ان کے گناہ (بائبل) نہیں اٹھا

ہیں ہے ۔ ان میں کھوجی کی بات کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا ۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اس وقت سخت خطرہ میں تھی ۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا بھی گھبراہٹ نہ ہوئی ۔ بلکہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی تسلی دینی شروع کر دی اور فرمایا کہ لَا تَخْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَنَّانٌ غم نہ کرو ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ سوئے ہوئے تھے کہ ایک کافر نے آپ کی تلوار اٹھالی اور آپ کو قتل کرنا چاہا ۔ لیکن آپ ذرا بھی نہ گھبرائے ۔ اور اس کے اس سوال پر کہ اب آپ کو کون بچا سکتا ہے آپ نے نہایت تسلی سے جواب دیا کہ اَللّٰهُ ۔ اس غیر معمولی حالت اطمینان کو دیکھ کر اس کافر پر اسقدر دہشت طاری ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی ۔

(۵) پانچواں فرق یہ ہے کہ ابتلا میں انسان کو احساسِ بلا نہیں ہوتا جب ابتلا آتا ہے تو انسان ان تکالیف کو حقیر سمجھتا ہے اور ان میں لذت محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کے دل میں یقین ہوتا ہے کہ میں ادنیٰ چیز کو اٹھائی پر قربان کر رہا ہوں ۔ مثلاً اس کا مال جاتا ہے تو کتنا بڑا خدا کے لئے ہی گیا ہے اس لئے کیا پرواہ ہے ۔ یا اگر اس کا بیٹا مر جاتا ہے تو کہتا ہے خدا نے ہی دیا تھا اگر اس نے واپس لے لیا ہے تو کیا غم ہے ۔ حضرت سیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی واقعہ ہے ۔ مبارک احمد سے آپ کو بڑی محبت تھی اور اس کی بیماری میں آپ نے

بڑی تیمارداری کی ۔ اس سے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ تک کو بھی یہ خیال تھا کہ اگر مبارک احمد فوت ہو گیا تو حضرت سیح موعود علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہو گا ۔ آخری وقت حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اس کی بغض دیکھ رہے تھے کہ حضرت سیح موعود علیہ السلام کو انہوں نے کہا مشک لائیں اور چونکہ اس کی بغض بند ہو رہی تھی ۔ آپ پر اس خیال کا کہ اس کی وفات سے حضرت سیح موعود علیہ السلام کو بہت صدمہ ہو گا اس قدر اثر ہوا کہ آپ کھڑے کھڑے زمین پر گر گئے ۔ مگر جب حضرت سیح موعود علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ مبارک احمد فوت ہو گیا ہے ۔ مگر اس امر پر گھبرانا نہیں چاہیے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک شہادت تھی جس پر ہمیں صبر کرنا چاہیے اور پھر باہر آکر مسکرا کر تقریر کرنے لگ گئے کہ مبارک احمد کے متعلق خدا تعالیٰ کا جواہر ہما تھا وہ پورا ہو گیا ۔ چنانچہ آپ کا ایک شعر بھی ہے کہ ۷۷

بُلائے دلا ہے تک پیارا اُسی پرے دل تو جانِ خدا کر
غرض ابتلا میں دکھ کا اثر قلب پر بہت شکن نہیں
ہوتا کیونکہ انسان سمجھتا ہے کہ میں ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کر رہا ہوں ۔ بعض اوقات سخت عذاب میں بھی احساسِ تکلیف مٹ جاتا ہے ۔ مگر یہ اعتدالی حواس کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے ایک عورت دکھائی اور اس سے پوچھا تمہارے فلاں

مَنْ شَيْءٍ عَرِثَهُمْ لَكِذْبُونَ ۝۱۳ وَكَيْحَمِلَنَّ أَثْقَالَهُمْ

کئے ۔ وہ یقیناً جھوٹے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے

وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَكَيْسُئَلَنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

اور اپنے بوجھوں کے سوا اور لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے (جین کو وہ دھوکا دیتے ہیں) اور قیامت کے دن ان سے ان کے

عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝۱۴

اس افتراء کے بارہ میں سوال کیا جائیگا۔ ۹۹

نے دینا ہے اور وہ تمہاری اس دھوکا بازی کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے یہ جالائیاں تمہارے کسی کام نہیں آسکتیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں بھی ایسی کئی جھٹکے ایسے لگیں گے جن سے تمہاری اس منافقت کا پردہ چاک ہو جائیگا۔ چنانچہ فرمایا وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ۔ اللہ تعالیٰ متواتر ایسے ابتلا پیدا کرتا چلا جائیگا جن سے دنیا پر بھی ظاہر ہو جائیگا کہ کون سچا مومن تھا اور کون منافق۔ اور خود ان منافقوں پر بھی اپنے دعویٰ ایمان کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

۹۹ تفسیر :- فرمایا۔ ایسے موقع پر مسلمانوں سے مایوس ہو کر کافر کہہ دیا کرتے ہیں کہ تم ہمارے رستہ پر چلو ہم تمہارے بوجھ اٹھائیں گے۔ حالانکہ وہ اپنے غیظین کا ذرا سا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتے وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ ہاں ان کی اس بے ہودہ گوئی کا نتیجہ یہ ضرور نکلے گا کہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اسکے علاوہ مزید تمہارا بھی حاصل کریں گے اور قیامت کے دن ان سے پوچھا جائیگا کہ تم اتنا جھوٹ کیوں بولتے رہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ کفر انسان کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ بڑے بڑے عقل مند کہلانے والے

رشتہ دار کا کیا حال ہے! اُس نے ہنس کر بتایا کہ وہ تو مر گیا ہے۔ اسی طرح ایک دو اور رشتہ داروں کے متعلق پوچھا اور وہ ہنس ہنس کر بتاتی رہی۔ اب وہ معرفت کے لحاظ سے اسی طرح ہنس کر تی تھی۔ بلکہ اُس کو عیاری تھی اور اُس میں غم محسوس کرنے کی جس ہی بات نہیں ہی تھی ۱۰۰ جھٹا فرق یہ ہے کہ عذاب میں ردعایت کم ہو جاتی ہے مگر ابتلاء میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عذاب میں خدا تعالیٰ سے دُوری ہو جاتی ہے مگر ابتلاء میں خدا تعالیٰ کی طرف اور زیادہ توجہ ہو جاتی ہے۔

ابتلاء اور عذاب میں یہ پھر موٹے موٹے فرق ہیں جن کو یاد رکھنا چاہیئے۔
لَوْ كُنْتَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ
میں بتایا کہ بزدل لوگ جو مشکلات کے دور میں ہونے کا ساتھ نہیں دیتے لیکن جب مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور فحوت حالت کا دور آ جاتا ہے تو مومنوں کو آکر کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں ہم بھی نعمات میں شریک کیا جائے۔ کیا انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ ایمان کا انعام تو خدا نے دینا ہے مسلمانوں نے نہیں دینا اگر انہیں دنیوی مال و دولت یا حکومتی عہدوں میں سے کوئی عہدہ مل بھی گیا تو کیا ہوا! اصل انعام تو خدا تعالیٰ

کدی بھی ایسی باتیں کہنے لگ جاتے ہیں جو ایک بچہ کے نزدیک بھی قابل ہنسی ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک طرف اس طبعی طریق کو دیکھو جو قرآن کریم نے اوپر کی آیات میں بیان فرمایا ہے کہ گناہوں سے بچنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ انسان تو بہ کرے۔ تقوا الہی کے حصول کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کر کام لے اور دوسری طرف اس غیر طبعی طریق کو دیکھو جس کا دعویٰ کفار کیا کرتے تھے بلکہ اب بھی کرتے ہیں تو معلوم ہو جائیگا کہ قرآن کریم کی باتیں ہنایت سچی اور سچ ہیں اور اس کے مخالفوں کی باتیں ہنایت بودی اور کچی ہیں۔ کفار کا یہ دعویٰ کہ اگر مومن اُن کی بات مان کر کافر ہو جائیں تو وہ اُن کا بوجھ اٹھالیں گے بالکل خلاف عقل ہے حقیقت یہ ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ نہ مومن کافر کا نہ کافر مومن کا۔ بوجھ تو اللہ تعالیٰ معاف کر کے اٹھاتا ہے اور اسی کے حقیقی ذریعہ کا نام تو یہ ہے۔

غرض اسلام جو ایک فطری مذہب ہے، وہ گنہگار کے لئے توبہ کا دروازہ کھولتا ہے اور اسے تقوا الہی کی امید دلاتا ہے مگر غیر مذہب اس فطری طریق کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں۔ مثلاً عیسائیت لوگوں کو یہ ترغیب دیتی ہے کہ اگر وہ یسوع مسیح پر ایمان لے آئیں تو محض اس ایمان کی برکت سے ہی اُن کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

عیسائیت اس بارے میں یہ نظریہ پیش کرتی ہے کہ شیطان نے آدم اور اس کی عورت کو دھوکا دیا اور گنہگار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہر شخص جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ گناہ کا ورثہ لے کر آتا ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ عادل ہے اور اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ ہر گنہگار کو سزا دے اس لئے آدم و حوا کے گناہ کی وجہ سے دنیا کا ہر شخص سزا کا مستحق ہے۔ مگر دوسری طرف خدا تعالیٰ کا رحم تقاضا کرتا ہے کہ وہ گنہگاروں کو معاف کر دے سو اس شکل کے حل کے لئے اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجا تاکہ وہ

بے گناہ ہو کر صلیب پر لٹکا جائے اور سچا ہو کر جھوٹا قرار پائے۔ چنانچہ وہ مسیح کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوا اور یہود نے اُسے بلا کسی گناہ کے صلیب پر لٹکا دیا اور وہ تمام ایمان لانے والوں کے گناہ اٹھا کر اُن کی نجات کا موجب ہوا۔ یہ نظریہ جو عیسائیت پیش کرتی ہے۔ اس قدر خلاف عقل ہے کہ اس پر جتنا بھی غور کیا جائے اتنا ہی انسان حیران ہو جاتا ہے اور اسے تعجب آتا ہے کہ یہ گناہوں کی معافی کی کوئی صورت ہے۔ اگر گنہگار کے گناہ کو معاف کرنا عدل کے خلاف ہے تو بے گناہ کو سزا دینا بھی تو عدل کے خلاف ہے۔ پھر یہ کس طرح ہوا کہ خدا کے بیٹے نے دوسروں کے گناہ اپنے سر پہنے لئے اور خدا نے اس بے گناہ کو بڑا کر سزا دے دی؟ پھر عقلاً بھی یہ بالکل غلط بات ہے کہ باپ جو کچھ کرے بیٹے کو اس کا ضرور ورثہ ملتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جاہل ماں باپ کے لڑکے ہمیشہ جاہل رہتے اور عالموں کے عالم مسلول ماں باپ کے بچے ہمیشہ مسلول نہیں ہوتے نہ کڑھوں کے بچے ہمیشہ کڑھی ہوتے ہیں۔ بعض باتوں میں ورثہ ہے اور بعض میں نہیں مادر جہاں ورثہ ہے وہاں بھی عقلاً ہی نئے ورثہ سے بچنے کے سامان پیدا کئے ہیں۔ اگر ورثہ سے بچنے کے سامان نہ ہوتے تو تبلیغ اور تعلیم کا مقصد کیا رہ جاتا۔ کافروں کے بچوں کا ایمان لے آنا بتاتا ہے کہ ایمان کے معاملہ میں خدا تعالیٰ نے ورثہ کا قانون جاری نہیں کیا اگر اس میں بھی ورثہ کا قانون جاری ہوتا تو مسیح کی کبھی بے کار ہو جاتی۔ اسلام کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو نیک طاقتیں دے کر پیدا کیا ہے۔ پھر بعض انسان حال توں کو ترقی دیتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ان کو پاؤں تلے دوند دیتے ہیں اور نامراد ہو جاتے ہیں۔ قانون شریعت بے شک مہم کا سب قابل عمل ہے لیکن نجات کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے جو نفع کو

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا

اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ پس وہ ان میں نو سو پچاس سال تک

خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ سو اُس کی قوم کے لوگوں کو طوفان نے آیا اور وہ ظالم تھے۔

کیا جاتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ مایک ہے اور مالک کے لئے انعام بخشش میں کوئی حد بندی نہیں۔ وہ بے شک منت کرتا ہے لیکن اُس کا ذوق اس لئے ہوتا ہے کہ کسی کو اُس کے حق سے کم نہ لے۔ نہ اس لئے کہ اُس کے حق سے زیادہ نہ لے۔ مسیح بے شک بے گناہ انسان اور خدا کا رسول تھا۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ وہ دوسروں کا بوجھ اٹھا لیگا۔ قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی صلیب خود ہی اٹھانی ہوگی۔ اور جو خود اپنی صلیب نہ اٹھا سکیگا وہ نجات بھی نہ پاسکیگا۔ سوائے اس کے کہ خدا کے فضل کے ماتحت اُس کی بخشش ہو اور خدا تعالیٰ خود کسی کا بوجھ اٹھا لے۔

حضرت مسیحؑ نے بھی انجیل میں یہی نظریہ پیش کیا ہے جن کچھ آپ فرماتے ہیں :-

”جو کوئی اپنی صلیب اٹھا کر میرے پیچھے نہیں آتا میرے لائق نہیں ہے۔“

(متی باب ۱۰ آیت ۳۸)

حضرت مسیحؑ کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیحؑ نے گناہگاروں کا بوجھ اٹھا لیا ہے بالکل غلط ہے۔ ہر شخص کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑیگا اور اپنی صلیب آپ اٹھانی پڑیگی۔

۱۵ تفسیر :- اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام

کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف مسلمانوں کا ذکر ہے اور کہا گیا ہے کہ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ انکو کسی نقتہ میں نہیں ڈالا جائیگا

جذب کرتا ہے علی اُس کی تکلیف کا ذریعہ ہے اور نہایت ضروری ہے لیکن پھر بھی وہ تکلیف کا ذریعہ ہے اور ذریعہ کی کسی سے چیز کا فقدان نہیں ہوتا۔ بیچ سے درخت پیدا ہوتا ہے۔ لیکن پانی سے وہ بڑھتا ہے۔ ایمان بیچ ہے اور عمل پانی جو اسے اوپر اٹھاتا ہے۔ غالی پانی سے درخت نہیں اُگ سکتا لیکن بیچ ناقص ہو اور پانی میں کسی قدر کمی ہو جائے تب بھی کسی قدر درخت اُگ آتا ہے۔ کسان ہمیشہ پانی دینے میں غلطیاں کر جاتے ہیں لیکن اس سے کھیت مارے نہیں جاتے جب تک بہت زیادہ غلطی نہ ہو جائے۔ انسانی عمل ایمان کو تازہ کرتا ہے۔ اور اُس کی کمی میں نقص پیدا کرتی ہے۔ لیکن اس کی ایسی کمی جو شرارت اور بغاوت کا رنگ نہ رکھتی ہو اور حد سے بڑھنے والی نہ ہو ایمان کی کھیتی کو تباہ نہیں کر سکتی اور اگر شرارت اور بغاوت بھی ہو تو خدا کا عدل توبہ کے واسطے میں روک نہیں۔ عدل اس کو نہیں کہتے کہ ضرور سزا دی جائے بلکہ اس کو کہتے ہیں کہ بے گناہ کو سزا نہ دی جائے۔ پس گناہگار کو رحم کر کے بخشنا اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔ اگر عدل کے معنی یہ ہوں کہ ہر عمل کی عمل کے برابر جزائے تو بخشش اور نجات کے معنی کیا ہوئے؟ کیونکہ عدل کے معنی برابر کے ہیں اور اگر صحیح ہو تو کسی شخص کو اس کی عمر کے برابر ایام کے لئے نجات دی جا سکتی ہے اور وہ بھی اس کے اعمال کے وزن کے برابر۔ مگر اسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ پھر نہ معلوم خدا تعالیٰ کی رحمت کو اس مسئلہ سے کیوں محدود

فَإِنْجِينَهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۳﴾

پس ہم نے ان کو لوہے کی کشتی میں بھیجے دئے ساتھیوں کو نجات دی اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان کے لوگوں کیلئے ایک نشان بنوا دیا

وَأَبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ

اودھم لئے، ابراہیم (کو بھی رسول بنا کر بھیجا تھا) جب اُس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر تم

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾

جانتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔

نہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک نشان قرار پائی۔ چنانچہ آج تک اُس کشتی پر بحث ہو رہی ہے۔ اور کچھ آثارِ تعلیم کے لوگ کبھی اُس کشتی کے آثارِ آریسیا میں دیکھتے ہیں۔ اور کبھی روس میں۔ حالانکہ بالکل ممکن ہے کہ چونکہ ہر رسول کو دوسرے رسول کا قیام مقام قرار دیا جاتا ہے۔ بہت سے نبیوں کے مخالفین پر نوحؑ کے زمانہ کے سے عذاب آئے ہوں اور کئی نبیوں کو کشتی کے ذریعے بچنا پڑا۔ جیسا کہ حضرت یونسؑ کا مشہور واقعہ ہے۔ پس ممکن ہے ایک کشتی نہ ہو بلکہ بہت سی کشتیاں ہوں جو اپنے اپنے زمانہ میں خدا تعالیٰ کا نشان بنی ہوں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی مصر چھوڑنا پڑا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مکہ چھوڑنا پڑا۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے مختلف ملک اور مختلف قومیں بھی جن پر نوحؑ کے زمانہ کے سے عذاب آئے۔ مگر بعد کے لوگوں نے قطعی سے سب کو ایک سمجھ لیا۔

۱۴ تفسیر: — حضرت نوح علیہ السلام

کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت نوح علیہ السلام کی امت میں سے ہی تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر اس حقیقت کا اس الفاظ میں اظہار فرماتا ہے کہ

اور اُن پر چھوڑ دیا جائیگا۔ پس رسول پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ذکر کرے جو نوحؑ کا ذکر کریں کیا گیا۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ نوحؑ کی قوم کا اس لئے ذکر شروع کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ نشتہ میں دانے کا طریق قدیم سے چلا آتا ہے۔ اور نوحؑ شرعی نبیوں میں سے سب سے پہلے نبی ہیں یا کم سے کم حضرت آدمؑ کے بعد دوسرے۔ پس اس وقت سے لیکر اگر بعد کے چند نبیوں کا ذکر ہو جائے تو مومنوں کو آزمائش میں ڈالنے کا جو ذکر تھا اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ پس نوحؑ کے ذکر سے مومنوں کے ابتلاؤں کی کڑی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس آیت میں جو یہ ذکر آتا ہے کہ قَبِثَ فِيْهِمْ اَنفَ مَسْجِدَ الرَّاسِخِيْنَ عَامًا نوحؑ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت نوحؑ کی عمر ساڑھے نو سو سال تھی۔ بلکہ اس رہنے کے معنی روحانی رہنے کے ہیں۔ یعنی نوحؑ کی تعلیم اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہی پھر مٹ گئی۔

۱۵ تفسیر: — اِسْجَلُ اُنْ اِبْتِلَاؤُنْ کا ذکر ہے

جو حضرت نوحؑ علیہ السلام کی جماعت کو پیش آئے۔ اور بتایا گیا ہے کہ نوحؑ اور اُس کے ماننے والوں کو لوگوں نے بڑی تکلیف دی۔ یہاں تک کہ اُن سب کو ایک کشتی کے ذریعے اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ اور کشتی، اُنہو

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ

تم اللہ (تعالیٰ) کے سوا (دوسری ہستیوں کی) عبادت کرتے ہو۔ اور مذہب کے بارے میں جھوٹی

افکار! اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ

باقی بناتے ہو۔ وہ (ہستیاں) جن کی تم اللہ (تعالیٰ) کے سوا پرستش کرتے ہو تمہیں رزق

لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ

میں دے سکتیں۔ پس اللہ (تعالیٰ) سے اپنا رزق مانگو۔ اللہ اُس کی عبادت کرو۔

وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٨﴾

اور اُس کا شکر ادا کرو۔ تم کو اُسی کی طرف لوٹا کرے جایا جائیگا ۱۸

بھی شرک پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ وہ دو صفات الہیہ کے احساس کا ابتدائی دور تھا اس لئے شرک بھی صرف بسیط شکل میں تھا یعنی بعض لوگ اپنے بزرگوں کے مجسمے پوجنے لگ گئے تھے یا بعض نے کوئی اور سادہ قسم کا شرک اختیار کر لیا تھا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں شرک ایک فلسفیانہ معنوں بن گیا تھا۔ اللہ اب عقول پر فلسفہ کا غلبہ شروع ہو گیا تھا اور اُس کے ساتھ ہی توحید کی باریک دہیں بھی نکلی آئی تھیں جن پر عمل کرنا صرف توحید کے موٹے موٹے مسائل پر عمل کرنے سے بہت مشکل تھا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے بت پرستی دنیا میں آج بھی موجود ہے مگر آج جب بت پرستوں کو کہا جاتا ہے کہ تم کیوں بت پرستی کرتے ہو تو وہ کہتے ہیں ہم تو کوئی بت پرستی نہیں کرتے ہم تو صرف اپنی توجہ کے اجتماع کے لئے ایک بت سامنے رکھ بیٹے ہیں۔ گویا شرک تو وہی ہے جو پہلے تھا مگر اب شرک کو ایک نیا رنگ دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کے زمانہ میں شرک کو ایک نیا رنگ دے دیا گیا تھا۔

ذَاتِ مَنْ شِيعَتِهِمْ لَا بُرَآءَ لَهُمُ الْفُتُورُ (آیت ۸۴) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے متبعین میں سے تھے۔ پس اس مناسبت کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک ممتد ہوا۔ پس حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی عمر سے یہ مراد نہیں کہ اُن کو ساڑھے نو سو سال کی جسمانی زندگی ملی۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ساڑھے نو سو سال تک جو حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ تک ممتد ہوتے تھے حضرت نوح کی تعلیم اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مشعل بنی رہی اور اس طرح وہ روحانی رنگ میں ساڑھے نو سو سال تک زندہ رہے۔

۱۹ تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی مانہ میں مبعوث ہوئے اسی زمانہ کے لوگوں میں بھی شرک پایا جاتا تھا جس کو مٹانے کے لئے آپ کو بہت بڑا جہاد کرنا پڑا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں

اعمال بجا لاؤ جو تمہیں خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا مستحق بناسکیں۔

یہ امور بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں صرف بتوں کی پرستش سے نہیں رد کیا بلکہ اُس فلسفہ کا بھی رد کیا ہے جو اس بت پرستی کے پیچھے اس زمانہ میں کام کر رہا تھا۔ اور انہیں بتایا ہے کہ پتھر کے بے جان بتوں نے تمہیں کیا دینا ہے۔ تم اگر کچھ لینا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو جو اپنے اندر تمام طاقتیں رکھتا ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو صرف یہ نصیحت ہی نہیں کی کہ قَاتِلُوا اَعْنَدَ اللّٰهُ الْوِزْقَ بلکہ آپ نے اپنا عملی نمونہ ان کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ جب آپ کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ جا اور اپنے بچے اسمعیلؑ اور اُن کی ماں ہاجرہؑ کو ایک وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آ تو انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ وہاں اُن کے کھانے پینے اور رہنے کا کیا انتظام ہوگا۔ بلکہ وہ گئے اور ہاجرہؑ اور اسمعیلؑ کو ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ کر چلے آئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ جو خدا انہیں گھر پر رزق دیتا رہا ہے انہیں اس جنگل میں بھی رزق عطا فرمائے گا۔

پھر قَاتِلُوا اَعْنَدَ اللّٰهُ الْوِزْقَ فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں مسلمان عطا کئے ہوئے ہیں اُن سے کام لو پھر تم دیکھو گے کہ کس طرح تمہاری تمام ضرورتیں پوری ہوتی چلی جاتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں انسان کچھ دوسری کماتا ہے اور کچھ دوسری انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ جو دوسری انسان دنیا میں کماتا ہے کسی انسان کے پاس زیادہ ہوتی ہیں کسی کے پاس کم ہوتی ہیں اور کسی کے پاس ہوتی ہی نہیں۔ مثلاً زمین بھی دولت ہے لیکن دنیا کے سب لوگ زمیندار نہیں کیونکہ زمین بہت زیادہ ہے کسی کے پاس بہت کم زمین ہے اور کسی کے

بھی درجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو صرف یہ نصیحت نہیں فرمائی کہ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَتَخْلَعُوْنَ اَحْصَا کہ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو اور خدا تعالیٰ پر اُن کے بارہ میں افتراء کرتے ہو۔ بلکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الْوِزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاسْئَلُوْهُ اَلِیْسَ تَرْجَعُوْنَ۔ یعنی وہ ہستیاں جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہو تمہیں رزق نہیں دے سکتیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے اپنا رزق مانگو۔ اور اُس کی عبادت کرو اور اُس کا شکر ادا کرو۔ تم کو اُسی کی طرف لوٹا کر لے جایا جائیگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں پانچ امور کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اوّل اس امر کی طرف کہ معبودانِ باطلہ جن کی تم پرستش کرتے ہو اُن کے متعلق تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ تمہاری حاجت روائی کرتے یا مشکلات میں تمہارے کام آتے ہیں۔ ان میں نہ تو کسی کو ایک ذرہ بھر نفع پہنچانے کی طاقت ہے اور نہ وہ کسی کو ایک ذرہ بھر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

دوم۔ ہر قسم کا رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے تم اُسی سے مانگو جو تمام خیر و برکت کا منبع ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں تمام نعمتوں کے ذخائر ہیں۔ سوم۔ عبادت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بجا لاؤ کسی اور کو قابل پرستش نہ سمجھو۔

چہارم۔ اُن نعمتوں پر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہیں عطا کی گئی ہیں اُس کا شکر بجا لاؤ اور اُن کی قدر و قیمت کا احساس اپنے اندر پیدا کرو۔

پنجم۔ تم مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے والے ہو اس لئے

زین ہے ہی نہیں۔ تجارتیں ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی پھیری کر کے گزارہ کرتا ہے اور کوئی بڑے بڑے کارخانوں کا مالک ہے۔ جیکنگ کا بھی یہی حال ہے۔ مالی لحاظ سے کسی کے پاس پانچ سات دوپے ہوتے ہیں تو وہ اپنے آپکو مالدار سمجھتا ہے اور کسی کے پاس کروڑوں روپے ہوتے ہیں اور پھر بھی وہ اور مل حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے امریکہ پر بعض لوگوں کی سالانہ آمد کروڑوں ڈالر ہے انکو بھی مالدار کہتے ہیں۔ اور غرباء کے علاقہ میں اگر کسی کے پاس سو دو سو روپیہ آجاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ شخص بہت مالدار ہے۔ غرض وہ دولت جو انسان کماتا ہے اور جو ظاہر میں نظر آتی ہے سب کو یکساں طور پر نہیں ملتی۔ کیونکہ اس کے لئے محنت اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اور اسی وجہ سے انسانوں میں بہت بڑا تفاوت پایا جاتا ہے۔ یہ تفاوت کبھی قانون کے طور پر ہوتا ہے جیسے جو شخص زیادہ محنت کرتا ہے زیادہ کم لیتا ہے۔ اور کبھی استثناء کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے ماں باپ مالدار ہوں تو ان کا بیٹا بغیر کسی محنت کے مالدار بن جاتا ہے لیکن ایک دوسری قسم کی دولت بھی انسان کو ملتی ہے۔ جو حقیقتاً بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انسان اس کی قدر نہیں کرتے۔ حالانکہ یہی دولت اصل دولت ہے اور پھر وہ ایسی دولت ہے جو تمام انسانوں کو یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے اور وہ دولت ہے حافظہ کی۔ فکر کی۔ ذہانت کی۔ عقل کی۔ تدبیر کی۔ یہ دولت ہر ایک انسان کو ملی ہے اس لئے پامل اور فائزہ عقل کے اور یہ چیز بطور استثناء کے ہے ورنہ جو انسان بھی اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خزانہ دے کر بھیجا جاتا ہے۔ اسے پیدائش کے ساتھ ہی حافظہ، ذہانت اور فکر اور تدبیر کی قوتیں عطا کی جاتی ہیں۔ اگرچہ میں وہ ان کی ناقدری کرتا ہے تو یہ قوتیں

کلی طور پر یا جزوی طور پر ضائع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر وہ آنکھوں کو استعمال نہیں کرتا تو وہ اندھا ہو جاتا ہے پاؤں سے نہیں چلتا تو پاؤں شل ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ سے کام نہیں لیتا تو ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ جسم کے دوسرے اعضاء کو استعمال نہیں کرتا تو اس کی جسمانی طاقتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اور جو شخص ان کی قدر کرتا ہے اس کی قوتیں بڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص محنت کرتا ہے اور اپنے اسباق کو یاد کرتا ہے تو اس کا حافظہ تیز ہو جاتا ہے۔ اور جو محنت نہیں کرتا اور اپنے اسباق کو یاد نہیں کرتا اس کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ پھر جو لوگ بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی استنباط کی قوت بڑھ جاتی ہے اور جو لوگ بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ان کی استنباط کی قوت جاتی رہتی ہے جو لوگ اپنے ارد گرد کے ماحول پر غور کرنے کی عادت ڈال لیتے ہیں ان کی قوت فکر بڑھ جاتی ہے اور جنہیں اپنے ماحول پر غور کرنے کی عادت نہیں ہوتی ان کی قوت فکر جاتی رہتی ہے پھر جو لوگ اپنے مختلف جذبات کو اپنی اپنی حد کے اندر قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی عقل ترقی کرتی ہے اور جو ایسا نہیں کرتے۔ ان کی عقل مادی جاتی ہے۔ جو لوگ خدا داد سامانوں کو صحیح طور پر اور مناسب موقع پر استعمال کرنے کی سکیم بنا لیتے ہیں ان کی قوت مدبرہ ترقی کرتی ہے اور جو اس قسم کی سکیم نہیں بناتے ان کی قوت مدبرہ جاتی رہتی ہے لیکن پیدائش کے وقت یہ سب قوتیں ہر انسان کو ملتی اور قریباً برابر ملتی ہیں۔ بعد میں ناقدی کی وجہ سے یہ قوتیں کم ہو جاتی ہیں تو یہ اور بات ہے۔ یا ماں باپ نے جس قسم کا معاملہ کیا ہو اس کے مطابق یہ قوتیں کم یا زیادہ ہو جاتی ہیں۔ مثلاً آیام طفولیت میں اگر ماں باپ بچہ کی صحیح نگرانی نہیں کی۔ یا ماں نے حمل کے دوران میں پوری احتیاط نہیں کی تو اس سے بچہ کی قوتوں پر اثر پڑ سکتا ہے

وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ

اور اگر تم میری بات کو جھوٹا قرار دو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلی قوموں نے بھی (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔

لیکن اس امر کو مستثنیٰ کرتے ہوئے اگر انسانوں کو بحیثیت جمعی دیکھا جائے تو کروڑوں کروڑ لوگ ایسے نکلیں گے جو ان خدا داد قوتوں سے مالا مال ہونگے لیکن ظاہری لحاظ سے یہ صورت نہیں۔ اگر تمام انسانوں کی مالی حالت کا اندازہ لگایا جائے تو ظاہری مالدار اس دنیا میں دس پندرہ لاکھ سے زیادہ نہ ہونگے۔ اس وقت دنیا کی آبادی اڑھائی ارب ہے اگر ظاہری دولت رکھنے والے پندرہ لاکھ ہوں اور دنیا کی آبادی پندرہ کروڑ ہوتی تو ان کی نسبت کروڑ میں سے ایک لاکھ ہوتی۔ لیکن دنیا کی آبادی اڑھائی ارب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قریباً سترہ سو (۱۷۰۰) برس ایک شخص ایسا ہے جس کے پاس ظاہری دولت ہے۔ لیکن حافظہ ذہانت تدبیر اور فکر کی دولت ۱۷۰۰ میں سے ۱۶۹۰ کے پاس ہوگی صرف میں۔ ایسے شخص ایسے نکلیں گے جن کی یہ طاقتیں ماؤت ہو چکی۔ باقی سب لوگوں کے پاس یہ دولت موجود ہوگی۔ ان عدم استعمال کی وجہ سے ان پر زندگی لگ جائے تو اور بات ہے۔ جیسے اگر کوئی چاقو باڈن میں پھینک دیا جائے تو اس پر زندگی لگ جائیگا۔ لیکن اگر گئے پانی میں سے اٹھا کر صاف کیا جائے تو وہ دیسا ہی صاف نکل آئیگا جیسے پہلے تھا۔ لیکن سب زیادہ بے قدری اسی دولت کی کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے اگر کسی شخص سے دریافت کیا جائے کہ تمہارے پاس کیا کیا مال ہے تو وہ کہے گا۔ میرے پاس اتنی زمین ہے۔ مکان ہے۔ بھینس ہے۔ گھوڑا ہے لیکن وہ دولت جو سب سے بڑی ہے یعنی ہوا ہے۔ پانی ہے جو اُسے نہ ملے تو مر جائے اس کا ذکر تک نہیں کرے گا۔ بھینس اور گھوڑا اٹناٹھ ہو جائے تو انسان نہیں مرے گا۔

کپڑوں کا ایک عقدہ صنایع ہو جائے تو وہ موسم کی بدولت کر لیگا۔ لیکن اگر ہوا نہ ملے تو چند منٹ میں ہی مر جائے اگر پانی نہ ملے تو وہ ایک دن یا اس سے کچھ زائد عرصہ میں مر جائیگا۔ غرض انسان سب سے بڑی دولت کو گئے گی نہیں حالانکہ اگر یہ دولت اُسے نہ ملے تو اُس کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ وہ کبھی آنکھوں کا نور ناک اور زبان کا نام نہیں دینگا۔ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اگر وہ کہتا ہے کہ میرے پاس گڑ ہے تو وہ گڑ کس کام کا جب زبان نہ ہوگی۔ اگر زبان گڑ کو نہ چھتی تو انسان کے نزدیک گڑ اور پھیکا برابر ہوتا یا شاید وہ کہتا ہے میری بیوی اور بچے خوبصورت ہیں لیکن اُس کو یہ خیال نہیں آئیگا کہ اگر اُس کی آنکھیں بند ہوں تو اُسے خوبصورت کیسے معلوم ہوں۔ غرض دولت کے جو حقیقی خزانے ہیں انسان ان کی قدر نہیں کرتا اور جو دو تیس نسبتی ہیں اور بالواسطہ ملتی ہیں ان کے پیچھے ہر وقت پڑا رہتا ہے۔ مثلاً کپڑا ہے۔ اگر کپڑا میرے جسم کو نرم اور ملائم معلوم ہوتا ہے تو اُس کی قیمت ہے لیکن اگر میرا جسم کپڑے کی ملائمت محسوس نہیں کرتا تو اُس کی کوئی قیمت نہیں۔ پھر اگر اس کی کوئی قیمت ہے تو اُس نے کہ میرے ملنے والے دوستوں کو اچھا لگے۔ اور انہیں لذت محسوس ہو۔ اگر میرے دوست کی آنکھیں بند نہ ہوں اور میری جسم موجود نہ ہو تو چاہے وہ کپڑا لاکھوں گز کا ہو یا چند آنے کا مجھے اس کا کیا فائدہ۔ پھر زبان اور معدہ ہیں۔ یہ دونوں مل کر کھانے کی قیمت بناتے ہیں اگر کوئی دودھ پیئے۔ کھن کھائے۔ پستی پیئے یا پلاؤ اور زندہ کھائے۔ لیکن اُس کی زبان نہ ہو تو یہ چیزیں کچھ بھی نہیں۔ غرض ہمارے سب کپڑوں اور کھانوں کی قدر

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۱۹

اور رسول کا کام تو کھول کھول پہنچانا ہوتا ہے (زبردستی منوانا نہیں ہوتا) ۱۹

آخر خدا تعالیٰ نے انہیں کامیاب کر دیا۔
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تلواریں بجائے تبلیغ سے کام لینا ہی ایک دیرینہ اصول ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی اصول کو اختیار کیا تھا۔ اور ان کے زمانہ کے لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی ارشاد ہوا تھا کہ ہمارے اس رسول کا کام صرف بات پہنچا دینا ہے تلوار سے منوانا نہیں اور یہی سارے قرآن کا خلاصہ ہے کہ دین کے ساتھ بات منوانا مذہبی لوگوں کا کام ہوتا ہے جیسے منوانا مذہبی لوگوں کا کام نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اب تک دنیا اس مسئلہ کو نہیں سمجھی بلکہ خود مسلمانوں میں بھی قتل مرتد کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ کسی کا عقیدہ جھوٹ ہو یا سچ عقیدہ رکھنے والا اُسے ہر حال دیا ہی سچا سمجھتا ہے جیسے ایک مسلمان اپنے مذہب کو سچا سمجھتا ہے۔ عیسائیت جھوٹی تھی مگر سوال تو یہ ہے کہ دنیا کا اکثر عیسائی عیسائیت کو کیا سمجھتا ہے وہ یقیناً اُسے سچا سمجھتا ہے۔ ہندو مذہب جھوٹا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ دنیا کا اکثر ہندو اپنے مذہب کو کیا سمجھتا ہے وہ یقیناً اُسے سچا سمجھتا ہے۔ یہودی مذہب یقیناً اس وقت سچا نہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہودیوں کا اکثر حصہ یہودیت کو کیا سمجھتا ہے وہ یقیناً اُسے سچا سمجھتا ہے۔ پس اگر اس بات پر کسی کو قتل کرنا جائز ہے کہ میں سمجھتا ہوں میرا مذہب سچا ہے دوسرے کا نہیں تو پھر ایک عیسائی کو یہ کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ جس مسلمان کو چاہے قتل کر دے۔ ایک ہندو کو کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ جبراً دوسروں کو ہندو بنائے یا انہیں مارا ڈالے۔ چین میں کئی سو سالوں سے مذہب کے پیروؤں کو

ان نعمتوں کی وجہ سے ہے جو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ اگر تم اپنی آنکھیں نکال دو۔ یا جسمانی جرس مار دو تو خوبصورت اور دھڑکی کپڑوں میں نہیں کوئی فرق معلوم نہیں ہو گا۔ چاہے کپڑا لاکھ روپے گز ہو یا چار آنہ گز۔ تمہارے لئے دونوں برابر ہونگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں وہ بہت زیادہ قیمتی ہیں مگر افسوس ہے کہ لوگ ان سے کام نہیں لیتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم اپنی طاقتوں کو کیوں ضائع کرتے ہو۔ تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق رذق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ان معنوں کے لحاظ سے یہیں عِنْدَ اللَّهِ کے الفاظ کا استعمال دیا ہی ہے جیسے سورہ نو میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ بدکاری کا الزام لگانے کے بعد چار عینی گواہ نہ لائیں فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَافِرُ بُذُن (سورہ نور آیت ۱۳) وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جھوٹے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ تم سارا دن جنوں کے آگے کیوں پڑے رہتے ہو تبیں خدا تعالیٰ نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں تم ان سے کام لو اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق رذق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہ سن کر انگیز ریش جو تم نے اختیار کر رکھی ہے اس کا کچھ فائدہ نہیں

۱۹ تفسیر ۱۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان آور بھی بہت سے نبی گذرے ہیں اور ان سب نبیوں کی امتوں کو اپنے اپنے زمانہ کے کفار سے تکلیفیں پہنچیں۔ مگر انہوں نے ہر قسم کی مشکلات کا مردانہ اور مفاد پر کیا اور

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ

کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ (تعالیٰ) پیدائش عالم کو کس طرح پہلی دفعہ شروع کرتا ہے پھر اس کو بار بار لوٹاتا جاتا ہے۔

ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۲۰﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا

یہ کام اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ تو کہہ ملک میں چاروں طرف پھرو۔ پھر دیکھو کہ

كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ

اللہ (تعالیٰ) نے مخلوق کی پیدائش کس طرح شروع کی تھی پھر مرنے کے بعد انکو دوبارہ زندہ کرتا چلا گیا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۱﴾

اللہ (تعالیٰ) ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ۵۱

فعل کے خلاف بات ہے کہ کوئی انسان اس کو ایک منٹ کے لئے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

گذشتہ انبیاء کی قوموں نے جب بھی خدا کی ہدایت کو ماننے سے انکار کیا تو خدا (تعالیٰ) نے انہیں محاسب کرتے ہوئے ہی فرمایا کہ اَسْلَمْتُمْ مَكْمُوهًا اَنْتُمْ نَهَا كَارِهُونَ (ہود پچا، یعنی اگر تم خود ہدایت لیتا پسند نہیں کرتے تو ہم جبراً تمہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن انہوں نے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں میں اس میل کا انکار کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ اگر دنیا اس مسئلہ کو سمجھ جائے تو یقیناً ظلم اور تعدی مذہبی اور سیاسی امور میں بند ہو جائے۔ نہ لوگ اپنے عقیدے لوگوں پر جبراً ٹھونسیں اور نہ اپنے سیاسی نظام دوسرے ملکوں میں جبراً جاری کرنے کی کوشش کریں۔

۵۱ تفسیر:- ان آیات میں دَمَا بَعَثَ الرَّسُولَ وَلَا الْبَلَاغَ الْمُبِينِ کی دلیل پیش کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح پچھلے نبیوں کے ذریعہ سے ایک رُوحانی

یہ کیوں حق نہیں کہ وہ زبردستی لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کر لیں۔ فلپائن میں جہاں اب بھی پندرہ بیس ہزار مسلمان ہیں عیسائیوں کو کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنالیں۔ امریکہ کو کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ جبراً ان مسلمانوں کو جو اس کے ملک میں رہتے ہیں عیسائی بنائے۔ روس کو کیوں حق حاصل نہیں کہ وہ جبراً سب کو عیسائی بنائے یا جبراً سب کو کمیونسٹ بنائے۔ اگر مسلمان دوسروں کو جبراً اپنے عقیدہ پر لا سکتے ہیں تو عیسائی حق عقلاً دوسروں کو بھی حاصل ہے لیکن کیا اس حق کو جاری کر کے دنیا میں کبھی امن قائم رہ سکتا ہے۔ کیا اس حق کو جاری کر کے تم اپنے بیٹے کو بھی کہہ سکتے ہو کہ یہ مسئلہ ٹھیک ہے یا بوجی کو بھی کہہ سکتے ہو کہ یہ مسئلہ ٹھیک ہے کہ عیسائیوں کا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنالیں مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ عیسائیوں کو زبردستی مسلمان بنالیں۔ ایران والوں کا حق ہے کہ وہ سب حنفیوں کو زبردستی شیعہ بنالیں اور حنفیوں کا حق ہے کہ وہ سب کو زبردستی سُنی بنالیں۔ غرض یہ ایسی

اللَّهُ وَرَحْمَتُهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو جُنْدٍ
 حَكِيمٌ۔ (توبہ آیت ۱۸) یعنی میں مرد اور عورتیں آپس میں
 ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ نیک باتوں کا حکم دیتے
 ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور
 زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے
 ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مزدورین پر رحم کرے گا۔
 اللہ تعالیٰ غائب اور جبری حکمت والا ہے۔ اسی طرح فرماتا
 ہے۔ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَن أَشَاءُ ۚ وَ سَأَحْتَنِي
 وَ مِيعَتِي حَقٌّ شَيْءٌ مِّنْ ذُنُوبِهِمُ الَّذِيْنَ يَتَّقُونَ
 وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ۔
 (اعراف آیت ۱۵۷) یعنی میں اپنا عذاب جس کو چاہتا ہوں پہنچاتا
 ہوں۔ اور میری رحمت ہر ایک چیز پر حاوی ہے جس میں مزدور، سکو
 اُن لوگوں کے لئے لکھونگا جو تقویٰ اختیار کرتے اور زکوٰۃ دیتے
 اور ہماری آیاتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اندھا دھند
 رحم نہیں کرتا بلکہ جو لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے اس کے رحم کے
 مستحق ہوتے ہیں صرف انہی پر رحم کرتا ہے۔ اس کے مقابل میں
 اللہ تعالیٰ نے عذاب کے بارہ میں بھی یہ اصول بیان فرما دیا
 ہے کہ وہ کسی کو اندھا دھند عذاب نہیں دیگا بلکہ صرف
 ایسے ہی لوگ عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے جنہوں نے خدا تعالیٰ
 اور اس کے رسول کی کذیب کی ہوگی۔ چنانچہ فرماتا ہے :-
 فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ
 أَجْرَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ يَرْزُقُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ
 اسْتَكْبَرُوا فَسَيُعَذِّبُهُمُ عَذَابًا أَلِيمًا۔
 (نساء آیت ۱۷۴) یعنی وہ لوگ جو مومن ہونگے اور انہوں نے
 نیک اور مناسب حال اعمال کئے ہونگے۔ وہ انہیں ان کے
 اعمال کے پورے پورے بدلے دیگا اور اپنے فضل سے
 انہیں زائد انعامات سے بھی سرفراز فرمائے گا۔ لیکن جن لوگوں
 نے خدائی ہدایات میں کبر امتیاز ہوگا اور تکبر سے کام لیا ہوگا

وہ انہیں دردناک عذاب دیگا۔ اسی طرح سورۃ غاشیہ
 میں فرماتا ہے :- كَسَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ صَاطِحِهِ الْآ
 مَن تَوَلَّى وَكَفَرَ ۖ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ۔
 (غاشیہ آیت ۲۳ تا ۲۵) یعنی اے محمد رسول اللہ! تو
 ان لوگوں پر دارودغہ کے طور پر مقرر نہیں۔ ان جس نے پیٹھ
 پھیر لی اور کفر کا مرکب ہوا اللہ تعالیٰ اس کفر کے نتیجہ
 میں اسے بہت بڑا عذاب دیگا۔ اسی طرح فرماتا ہے :-
 فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا فَبِئْسَ الثَّارَ لَهُمْ فِيهَا زَلِيلٌ
 وَ شَهِيْقٌ ۚ خَلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ
 وَالْأَرْضُ ۖ إِنَّ مَا شَاءُوا رَبِّكَ ۖ دَرَبًا مُّحْدَلًا
 تَمَا يُزِيدُهُ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعَوْا فَبِئْسَ الْجَنَّةُ
 خَلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۖ إِنَّ مَا
 شَاءُوا رَبِّكَ ۖ مَطْلَاً غَيْرُ مَجْدُوذٍ۔ (سورۃ ہود
 آیت ۷ تا ۱۰) یعنی جو بدعت ثابت ہوئے وہ آگ میں
 داخل ہونگے۔ اس میں کسی وقت تو ان کے مدد سے بچے بچے
 سانس نکل رہے ہونگے۔ اور کسی وقت چمکی کی حالت کے
 مشابہ سانس نکل رہے ہونگے۔ وہ اس میں اُموت تک
 رہتے چلے جائیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں
 سوائے اس عرصہ کے جو تیراوت چاہے۔ تیراوت جو
 چاہتا ہے اسے کر کے رہتا ہے۔ اور جو خوش نصیب ثابت
 ہونگے۔ وہ جنت میں ہونگے۔ وہ اس میں اُموت تک
 رہتے چلے جائیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں
 سوائے اُموت کے جو تیراوت چاہے۔ یہ ایسے عطا
 ہے جو کسی کا نہیں جائیگی۔ سورۃ فرقان میں بھی
 فرماتا ہے :- وَ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ لَبَّيْكَ
 يَقُولُ يَلَيِّنَنِي اَلَّذِى نَزَّلَ مَعِيَ الرَّسُولُ سَبِيْلًا
 يُوَلِّيْ لِيْ لَيْتَنِي لَمَّا تَخَذْتُ فَلَا تَاْخِلِيْلًا۔
 (آیت ۲۸، ۲۹) اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور
 کہے گا۔ اے کاش! میں رسول کے ساتھ چل چڑھتا۔

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ

اور تم نہ زمین میں نہ آسمان میں خدا (تعالیٰ) کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کر سکو گے۔

پھر فرماتا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْلِبُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (نساء آیت ۴۱) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْلِبُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَئِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ (یونس آیت ۴۵) یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یقیناً ایسی ہے کہ ■ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ ان لوگ اپنی جاؤں پر آپ ظلم کرتے ہیں۔

پھر یہ سوال اُس نے بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہ اصول بیان فرمادیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ جو کچھ سلوک ہوگا اس کے عمل کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ وَأَن تَنفَعَهُ سَعَاةٌ يُؤْخِرُ ۖ وَسَعَىٰ أَلَّا يَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ (سورۃ النجم آیت ۴۰ تا ۴۲) کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور انسان ایک دن اپنی کوشش کا نتیجہ ضرور دیکھ لے گا اور اُس کو اپنے اعمال کی پوری ہدی جزا مل جائیگی۔ پھر فرماتا ہے۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۚ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۚ (سورۃ الزلزال آیت ۵ تا ۷) یعنی جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اُس کے نتیجہ کو دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بدی کی ہوگی۔

■ اُس کے نتیجہ کو دیکھ لے گا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۖ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا (سورۃ الشمس آیت ۱۰ تا ۱۱) یعنی جس نے اپنے نفس کو پاک کیا سمجھو کہ اپنے مقصود کو پا گیا۔ اور جس نے اُسے مٹی میں گاڑ دیا سمجھ لو کہ وہ نامراد ہو گیا۔

■ ان اصول کی موجودگی میں کسی کو اندھا دھند عذاب دینے یا کسی پر اندھا دھند رحم کرنا کوئی سوال ہی پیدا نہیں

وائے پختی: میں فلاں شخص کو دوست نہ بنانا۔ غرض قرآن کریم نے صرف یہی نہیں بتایا کہ وہ کن لوگوں پر رحم کرے گا بلکہ اُس نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ کن لوگوں کو عذاب دے گا۔ ایسی صورت میں کسی پر اندھا دھند رحم کرنے یا کسی کو اندھا دھند سزا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

پھر اگر وہ اندھا دھند سزا دے تو یہ ظلم ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَ لَا تَطْغَوْا أَلَمْوَارِثِينَ الْقِسْطَ يُوْرِ الْغَافِلِينَ ۚ فَلَا تَظْلِمُ كُفُوفٌ شَيْئًا ۚ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ نَّارٍ فَنَدَّرَ بِهَا ۚ وَكُنِيَ بَنَّا حَسِيسِينَ (سورۃ الانبیاء آیت ۴۸) یعنی ہم قیامت کے دن ایسے

تول کے سامان پیدا کریں گے کہ جن کی وجہ سے کسی جان پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ اور اگر ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اُس کو موجود کر دیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں۔ اسی طرح فرماتا ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَن تَقَلَّتْ مُوَاذِنَةُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ وَمَن خَفَّتْ مُوَاذِنَةُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ ۚ بَآئِلَتَنَا يَظْلِمُونَ (اعراف آیت ۱۰۵) یعنی اُس دن تمام اعمال کا وزن کرنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کے وزن بھاری ہونے وہ لوگ بار بار لوگوں میں شامل ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو سمجھ لو کہ ایسے لوگ اپنی جانوں کے معاملہ میں خسارہ پانے والے ہیں۔ یہ اس لئے

ہوا کہ وہ ہادی آیتوں کے معاملہ میں ظلم سے کام لیتے تھے۔

۲
ع
۱۲

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۚ

اور خدا (تعالیٰ) کے سوا نہ کوئی تمہارا دوست ہے نہ مددگار۔ ۱۷۷

یہ نکتہ ایسا ہے کہ اُس کے ذریعے سے اس قسم کی تمام آیات حل ہو جاتی ہیں۔

۱۷۷ تفسیر:۔ اس میں بتایا کہ اے

کفار! خواہ تم زمینی تدبیریں کرو یا آسمانی۔ یعنی خواہ اسلام کے خلاف تم دنیوی تدبیریں میں لاؤ یا دُعاؤں سے آسمانی مدد حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ دونوں صورتوں میں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی کو نہیں روک سکتے۔ کیونکہ زمینی سامان بھی اس کی مدد کے لئے تیار رہیں گے اور آسمانی مدد بھی اس کے لئے تیار ہوگی۔ اِن اَلْاَم تباہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہیں کوئی مدد اور مددگار نہیں ملے گا۔

اس آیت میں زمینی اور آسمانی دونوں تدبیروں کو بر دے کا دلانے کا س لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر مومنوں کو بھی اشاعت اسلام کے لئے انہی دونوں تدبیروں کے استعمال کرنے کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ اَنَّكَ كَبُرَ عَلَيْنَا اَعْرَاضَهُمْ فَابَدِ اَسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ مَسَلًا فِي السَّمَاءِ فَتَاتِيَهُمْ بِآيَةٍ هَؤُلَاءِ هُوَ تَوَّشَّؤُ اللّٰهُ لِيَجْمَعَ لَهُمْ عَلَى الْاُخْرٰى فَلَا تَكُوْنُ مِّنَ الْاٰجِلِيْنَ (الانعام آیت ۲۶) یعنی اسے ہمارے رسول یا اسے قرآن کے پڑھنے والے! اگر مخالفین کا اعراض کرنا تمہیں مری بات معلوم ہوتی ہے اور تم سمجھتے ہو کہ اُن کی مخالفت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اب ان کی اصلاح مشکل ہے تو اے انسان تو کبھی اس دہم میں مبتلا نہ ہونا۔ یعنی دشمن کے انکار اور اُس کی مخالفت کو کبھی ایسا نہ سمجھنا

ہو سکتا۔ پس جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بخشتا ہے کے یہ معنی نہیں کہ وہ اندھا دھند ایسا کرتا ہے بلکہ جیسا کہ اوپر کی آیات سے ثابت ہے جو لوگ اپنے اند خدا تعالیٰ کی محبت کی قابلیت پیدا کرتے ہیں اُن پر رحم کرتا ہے اور جو لوگ اپنے نفسوں میں گند پیدا کرتے ہیں اُن پر عذاب نازل کرتا ہے۔ پس اس آیت میں جو صَحْنٌ يَّسْكَأُ فرمایا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کا عذاب یا رحم بغیر کسی اصول کے نازل ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ حالات کے مطابق سوکھ کرتا ہے۔ پس چاہتا ہے" سے یہ مراد ہے کہ حالات کے مطابق چاہتا ہے نہ کہ اندھا دھند باقی رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے مشیت کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے۔ اور کیوں یہ نہیں کہا کہ جو نیک ہوگا اُسے بخشیں گا اور بد کو مرزا بیگا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی مشیت اور مقتضائے انصاف ایک ہی شے ہے۔ انسان پر چونکہ سچائیاں حاکم ہوتی ہیں اس کے اعمال کا اندازہ اُس کے نفس پر نہیں بلکہ سچائیوں پر کیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات چونکہ سچائیوں کا منبع ہے اور وہ اسی میں سے نکل رہی ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سچائیوں کے مطابق عمل کریگا بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی مشیت پر عمل کریگا۔ کیونکہ اُس کی مشیت ہی سچائیوں کا منبع ہے۔ وہ حسن کی کان ہے۔ ہر سچائی اُس کی مشیت کا ایک بیرونی بر تو ہے۔ اُس کے حسن کی جھلک ہے۔ اُس کے ارادہ کی ایک تصویر ہے پس اُس کی مشیت کو سچائی کا تابع کہنا ایسا ہی بے ہودہ ہے جس طرح ایک بیٹے کو اپنے باپ کا باپ قرار دینا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ

وہ لوگ جو اللہ (تعالیٰ) کے نشانوں اور اس سے ملاقات ہونیکا انکار کرتے ہیں وہ لوگ ایسے ہیں جو

عمل کر کے روحانی جنگ میں بھی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے
یعنی ایک طرف اُن کو سمجھانے کے لئے پوری کوشش اور
جدوجہد سے کام لیا جائے اور دوسری طرف اُن کی ہدایت
کے لئے دعائیں کی جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جس شخص
میں ذمہ بھری سنجیدگی ہوگی اُس کے کفر کی سماعت گئی شروع
ہو جائے گی۔

پھر فرماتا ہے: وَكَوْنُ شَاءَ اللَّهُ لَجَمْعَهُمْ
عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونُ نَفْتٌ مِنَ الْجِبِلِّينَ۔ اے
مومن تو یابوس نہ ہو۔ اگر خدا چاہے تو ان کا فساد کو بھی
ہدایت دے دے۔ فَلَا تَكُونُ نَفْتٌ مِنَ الْجِبِلِّينَ ہیں
تو اس نکتہ کو قبولیو نہیں۔ کیونکہ جب انہیں ہدایت دینا خدا
تعالیٰ کی طاقت میں ہے تو یابوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ یا پھر
ہمیشہ اُس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کو اپنی تدبیر
میں دشمنی ہی دشمنی نظر آئے ہوں۔ لیکن جب وہ یہ سمجھ لے
کہ ایک کیا خدا تعالیٰ ساروں کو ہدایت دے سکتا ہے
تو اُس وقت وہ کبھی یابوس نہیں ہو سکتا۔ پس فَلَا
تَكُونُ نَفْتٌ مِنَ الْجِبِلِّينَ کے معنی ہیں کہ اس نکتہ سے
غافل نہ ہو کہ تمہارے خدا میں بہت بڑی طاقت ہے۔
اور وہ ایک کیا ساری دنیا کو ہدایت دے سکتا ہے۔

غرض چونکہ مومنوں کو کامیابی کا یہ طریق بتایا گیا
تھا کہ جب دشمن کی مخالفت اپنی انتہاء کو پہنچ جائے
تو تم بھی اپنی تدبیر کو انتہاء تک پہنچا دو اور ان تدبیر کے
دو حصے کرو۔ ایک حصہ تو یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں
سُرنگ لگاؤ اور تبلیغ کو اپنے کمال تک پہنچا دو۔ اور
دوسرا طریق یہ ہے کہ آسمان کی طرف میٹھی لگاؤ یعنی اللہ تعالیٰ
کے حضور کثرت سے دعائیں کرو اور اُس سے مدد مانگو۔

کہ اُس کی اصلاح ناممکن ہو گئی ہے بلکہ اگر تمہیں طاقت ہو کہ
تم زمین میں کوئی سُرنگ لگاؤ یا تمہیں طاقت ہو کہ تم آسمان
کے لئے کوئی میٹھی تیار کرو اور اُن کے لئے کوئی نشان
لے آؤ تو ایسا کرو۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں
وہ ایسی نہیں جو ممکن نہ ہوں۔ دنیا میں بھی انسان جب
جگہوں میں کسی قلعہ کو فتح کرنا چاہتا ہے تو دو ذرائع ہی اختیار
کرتا ہے۔ یعنی کبھی تو سُرنگ لگا کر قلعہ کو اڑا دیتا اور اُسکو
فتح کر لیتا ہے اور کبھی میٹھیوں سے اُس کے اوپر چڑھتا
اور اندر آجاتا ہے۔ گویا دنیا میں یا تو قلعوں کی دیواریں
اڑائی جاتی ہیں یا دیواریں مغلوب کر لی جاتی ہیں۔ یہ دونوں
باتیں ناممکن نہیں ہیں یہاں وہ ذرائع بتائے گئے ہیں جن کو
دنیا ہمیشہ استعمال کرتی چلی آئی ہے اور یہی دو ذرائع فتوحات
حاصل کرنے کے ہیں یعنی یا تو سُرنگ لگا کر یا دوسرے ذرائع سے
دیواریں توڑ دی جاتی ہیں یا میٹھیوں پر چڑھ کر قلعوں کو فتح
کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روحانی طور پر بھی دو
ذرائع خدا تعالیٰ نے تمہاری کامیابی کے لئے مقرر کئے ہیں۔
یعنی جب تم سمجھو کہ دشمن کی مخالفت بہت بڑھ گئی ہے تو
ایک طرف بمقصد دیوی سامان ہیں سب اُن کی ہدایت کے
لئے استعمال کرو۔ اور دوسری طرف آسمان سے میٹھی لگاؤ
اور اُس کے اوپر چڑھنا شروع کرو۔ یہ میٹھی کو کسی پرکھی ہے
معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ میٹھی
دُعا کی میٹھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جس طرح
دنیا کے قلعے فتح ہوتے ہیں اسی طرح تم روحانی قلعے فتح
کرو۔ وہ دیواریں کو یا اڑا دیتے ہیں یا اُن کو پھاند کر
اندر داخل ہو جاتے ہیں اور یہی دو ذریعے ایسے ہیں جن پر

يَسْأَلُونَكَ رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا

میری رحمت سے مانگوں گے اور وہی ہیں جن کو دردناک عذاب ملیگا۔ ۲۳۔ اِس میں اُس کی

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ

(یعنی اپنا ہی) قوم کا جواب ایسے صابکچہ نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ اس کو قتل کرو یا اس کو جلا دو۔

فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

(چنانچہ انہوں نے اس کو آگ میں ڈال دیا) مگر اللہ (تعالیٰ) نے اُس کو آگ سے بچا لیا۔ اِس میں یقیناً

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۲۴﴾

مومن قوم کے لئے بڑے نشان ہیں۔ ۲۴۔

تاکہ مرنے کے بعد کی باتیں نہ ہم اُن سے سنیں اور نہ گھبراہٹ پیدا ہو۔ چنانچہ وہ نبیوں اور اُن کی جماعتوں پر حملہ شروع کر دیتے ہیں اور انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ اھ چونکہ انہوں نے نبیوں اور اُن کی جماعتوں پر دردناک مظالم کئے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۲۴۔ تفسیر: سفر آتا ہے جب ابراہیمؑ نے اُس زمانہ کے لوگوں نے بے باتیں سنیں کہ نبیوں کی پریش ترک کر دو اور خدائے واحد کی عبادت کرو۔ تو انہوں نے ایک دوسرے کو آپ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا اور کہا کہ اُو اور اِس کو قتل کر دو یا اس کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے آگ سے بچا لیا۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طریق کا ذکر کرتے ہوئے جس سے کام لے کر آپ کو بچا لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْنَا لِمَآذٍ كُذِّبَتْ بَدْرًا وَسَلَّمْنَا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (انبیاء ۶۸) یعنی ہم نے اُس وقت آگ سے کہا۔ کہ

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں انہی دونوں طریقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفاذ کو توجہ دلائی ہے کہ مومنوں کی ان کوششوں کے مقابلہ میں اگر تم بھی یہی طریق اختیار کر لو تو یاد رکھو تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم خواہ تمام دنیوی ذرائع اختیار کر لو اور خواہ دُعاؤں اور گریہ زاری سے کام لو۔ دونوں صورتوں میں تمہارے لئے ناکامی ہی مقدر ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ اور اُن کی قوم جنتیں گے اور ان کا دشمن جو جبر سے کام لیتا ہے ہمارے گا۔ اور اِس فیصلہ کو اب دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔

۲۵۔ تفسیر: فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نشانوں کے منکر ہوتے ہیں اور اُس کی ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ حقیقت اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ میری رحمت سے مانگوں گے اور سمجھتے ہیں کہ میں ضرور عذاب ملیگا اِس لئے ہمیں موت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ موت نبی اور اِس کے ساتھیوں پر ڈالنی چاہیے

رکھ لیا تھا "ترک اسلام" نامی کتاب لکھی۔ تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اُس کا جواب لکھا۔ جو "نور الدین" کے نام سے شائع ہوا۔ یہ کتاب روزانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سُنا لی جاتی تھی۔ جب دھرم پال کا یہ اعتراض آیا کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ ٹھنڈی ہوئی تھی تو دوسرے کے لئے کیوں نہیں ہوئی۔ اور اس پر حضرت خلیفہ اولؑ کا یہ جواب سُنا یا گیا کہ اس جگہ غلطی سے ظاہری آگ مُراد نہیں بلکہ معنی لغت کی آگ مُراد ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس تاویل کی کیا ضرورت ہے مجھے بھی خدا تعالیٰ نے ابراہیم کہا ہے اگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کس طرح ٹھنڈی ہوئی تو وہ مجھے آگ میں ڈال کر دیکھیں کہ آیا میں اس آگ میں سے سلامتی کے ساتھ نکل آتا ہوں یا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب "نور الدین" میں یہی جواب لکھا اور تحریر فرمایا کہ "تم ہمارے امام کو آگ میں ڈال کر دیکھ لو۔ یقیناً خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق اسے اس آگ سے اُسی طرح محفوظ رکھے گا جس طرح اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محفوظ رکھا تھا۔"

(نور الدین ص ۱۳۶)

اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حیرت کی وجہ سے ہی میں نے جہاں کہیں قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر کی ہے میں نے یہ نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ نے مخالفت کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۰۳ء میں جب ایک شخص عبدالغفور نے جو اسلام سے مرتد ہو کر آدیہ ہو گیا تھا اور اُس نے اپنا نام دھرم پال

میں سمجھائی آگ تیرے اندر ایک روحانی آگ داخل ہو رہی ہے۔ اب تیرا کام یہ ہے کہ اس آگ کے مقابلہ میں سرد ہو جا۔ ابراہیم کے دل میں میری محبت کی آگ بھڑک رہی ہے اور میرے عشق کی آگ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح سورج کے مقابل پر شمعیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح میری محبت کی آگ کے مقابلہ میں تیری آگ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ پس ابراہیم کے لئے تو سرد ہو جا جس طرح انگارہ کے مقابلہ میں کسی اور گرم چیز کی گرمی کم محسوس ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ ایسی شدید ہے کہ دوسری تمام آگیں اس کے مقابلہ میں سرد پڑ جاتی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک دفعہ ایہام ہوا کہ

"آگ سے ہیں مت ڈرا آگ ہماری
غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔"

اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ ہمارے دل میں عشق الہی کی آگ شعلہ زن ہے۔ اس آگ کے مقابلہ میں ظاہری آگ کی کیا حیثیت ہے۔ ایک گرم تو انسان کے ہاتھ کو تو جلا دیتا ہے مگر انگارے کو نہیں جلا سکتا۔ اسی طرح آگ اُس شخص کو نہیں جلا سکتی جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ بھڑک رہی ہو۔ چنانچہ اُنہی وقت بادل آیا اور برسا اور وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور یہ معجزہ دیکھ کر اُس کی قوم کے بعض لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا ہو گیا اور اس کے لئے سلامتی کے سامان پیدا ہو گئے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ابتدا میں اس آیت کے یہ معنی کہ کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کی مخالفت کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۰۳ء میں جب ایک شخص عبدالغفور نے جو اسلام سے مرتد ہو کر آدیہ ہو گیا تھا اور اُس نے اپنا نام دھرم پال

لیکن وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور چونکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اسباب سے ہی کام لیا کرتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے اس وقت بادل آگیا ہو۔ اور بارش ہوگئی ہو جس کی وجہ سے آگ بجھ گئی ہو۔ بہر حال ہمارا ایمان یہی ہے کہ دشمنوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے واقعوں میں آگ جلائی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کئے کہ جن کی وجہ سے ان کی تدبیر کا ذکر نہ ہوئی اور آپ آگ سے محفوظ رہے۔

یہ معنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں اور ڈائریوں میں بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک دوست کا خط حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی ایا وہ فی الواقعہ آتش میزرم تھی یا فتنہ و فساد کی آگ تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

" فتنہ و فساد کی آگ تو ہر نبی کے مقابل

میں ہوتی ہے اور وہی ہمیشہ کوئی ایسا رنگ اختیار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک معجزہ نہ طاقت اپنے نبی کی تائید میں اس کے بالمقابل دکھاتا ہے۔

ظاہری آتش کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرد کر دیا خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل نامر نہیں اور

ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان واقعات کی اب بہت تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہزاروں

سالوں کی بات ہے۔ ہم خود اس زمانہ میں ایسے

واقعات دیکھ رہے ہیں اور اپنے اوپر تجربہ کر

رہے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ

میں تھا تو ایک دن بارش ہو رہی تھی جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اُس میں بجلی آئی۔ سارا

کمرہ دھوئیں کی طرح بھر گیا اور لگے لگے ہلک کی سی

ہو آتی تھی۔ میں نے کچھ ضرور نہ پہنچا۔ اُسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گر گئی جو کہ تیرا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم مطابق طواف کے واسطے نیچے دریچہ ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور وہ اندر بیٹھا ہوا تھا۔ بجلی ان تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اُس پر گر گئی اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا دیکھو وہی بجلی کی آگ تھی جس نے اُس کو جلا دیا۔ مگر ہم کہ کچھ ضرور نہیں دے سکی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔ ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک آدمی واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کو میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ چندہ سولہ آدمی بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کوئی جو ہا ہوگا۔ کچھ خوف کی بات نہیں اور یہ کہہ کر پھر سو گئے۔ غلطی دیر کے بعد پھر دوسری آواز سنی۔ تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا۔ مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی۔ تب میں نے ان کو سمجھتی سے اٹھایا۔ اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور سب نکل گئے تو خود بھی دہان سے نکلا ابھی میں دد مسے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گر گئی اور دوسری چھت کو بھی ساتھ لے کر نیچے جا پڑی اور چار پائیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور ہم سب بچ گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی معجزہ نہا حفاظت ہے جیتک

کہ ہم وہاں سے نکل نہ آئے شہتیر گرنے کی محفوظ رہا
ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے
اندھ محاف کے ساتھ مرا ہوا پایا گیا اور دوسری
دفعہ ایک بچھو محاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا۔
مگر ہر دو بار اشد تعاضل نے مجھے اُس کے فرار سے
محفوظ رکھا۔ ایک دفعہ میرے دامن کو آگ
لگ گئی تھی مجھے خبر بھی نہ ہوئی ایک اور شخص نے
دیکھا اور بتلایا اور اُس آگ کو بجھا دیا۔ خدا تعالیٰ
کے پاس کسی کے بچانے کی ایک راہ نہیں بلکہ
بہت راہیں ہیں۔ آگ کی گرمی اور سوزش کے
واسطے بھی کئی ایک اسباب ہیں اور بعض اسباب
مخفی در مخفی ہیں جن کی لوگوں کو خبر نہیں اور خدا تعالیٰ
نے وہ اسباب اب تک دنیا پر ظاہر نہیں کئے۔
جس سے اس کی سوزش کی تاثیر جالی رہے ہیں
اس میں کون سے تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ
پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔“

(الحکمہ، اربعون، ۱۰۸)

اسی طرح بڑا ہی احدیہ میں تحریر فرماتے ہیں:-
”برہنہ سماج والوں کی یہی بھاری غلطی ہے
کہ وہ خدا تعالیٰ کی غیر متناہی قدرتوں اور بڑبڑتیوں
کو اپنے تنگ اور منقبض تجاربے دائرہ میں گھسیٹنا
چاہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جو امور ایک قانون
مشخص مقرر کے نیچے آجائیں ان کا مفہوم محدود
ہونے کو لازم پڑا ہوا ہے اور جو حکمتیں اشد تقدیر
ذات غیر محدود میں پائی جاتی ہیں ان کا غیر محدود
ہونا واجب ہے۔ کیا کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ اسی
ذات قادر مطلق کو اس اس طور پر بنانا یا دہرا دہرا
سے زیادہ نہیں۔ کیا اُس کی غیر متناہی قدرتیں
انسانی قیاس کے پیمانہ سے وزن کی جا سکتی ہیں؟

یا اس کی قادرانہ اور غیر متناہی حکمتیں تعریف فی النام
سے کسی وقت عاجز ہو سکتی ہیں۔ بلاشبہ اس
کا پُر زور لائقہ ذمہ پر قابض ہے۔ اور کسی
مخلوق کا قیام اور بقا اپنی مستحکم پیدائش کے
موجب نہیں بلکہ اُسی کے مہارے اور اسے
سے۔ اور اُس کی ربانی طاقتوں کے آگے پیشا
میدان قدرتوں کے پڑے ہیں۔ نہ اندھنی طور پر
کسی جگہ انتہا ہے اور نہ سیرانی طور پر کوئی کنارہ
ہے جس طرح یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ایک مشتعل
آگ کی تیزی فرو کرنے کے لئے خادع میں کوئی
ایسے اسباب پیدا کرے جن سے اُس آگ کی
تیزی جاتی رہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ
خدا تعالیٰ اس آگ کی خاصیت احراق دُور کرنے
کے لئے اُسی کے وجود میں کوئی ایسے اسباب
پیدا کر دے جن سے خاصیت احراق دُور ہو جائے
کیونکہ اُس کی غیر متناہی حکمتوں اور قدرتوں کے
آگے کوئی بات آن ہوئی نہیں۔ اور جب ہم اُس
کی حکمتوں اور قدرتوں کو غیر متناہی مان چکے
تو ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ ہم اس بات کو بھی
مان لیں کہ اُس کی تمام حکمتوں اور قدرتوں پر
ہم کو علم حاصل ہونا متنع اور محال ہے۔ سو ہم
اُس کی نامید ان حکمتوں اور قدرتوں کے لئے
کوئی قانون نہیں بنا سکتے۔ اور جس چیز کی حدود
ہیں معلوم ہی نہیں اُس کی پیمائش کرنے سے
ہم عاجز ہیں۔ ہم بنی آدم کی دنیا کا نہایت
ہی تنگ اور چھوٹا مسادائرہ ہیں اور پھر اس
دائرہ کا بھی پورا پورا میں علم حاصل نہیں
پس اس صورت میں ہماری نہایت ہی کم ظرفی
اور صغارت ہے کہ ہم اس اتل قلیل پیمانہ پر

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا

اُس (یعنی برائیت) نے کہا تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں سے تعلق قائم کر چھوڑا ہے (اور تمہارا یہ نفل بخر

مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

دلی زندگی میں دوسرے شرکوں سے محبت بڑھانے کے لئے (ہے) پھر قیامت کے دن تم میں سے

يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا

بعض بعض کا انکار کریں گے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت ڈالیں گے

خدا تعالیٰ کی غیر محدود و محسوس اور قدروں کو
ناپنے لگیں۔

(برائین احمد رحمہ اللہ جہاد فیہ المذمت ۲۹۹ تا ۳۰۹)

پھر یہی معنوں پر کلمات اللہ علو میں بھی آپ نے
بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

”اسمجھ ایک اور سرباد رکھنے کے لائق
ہے اور وہ یہ ہے کہ اولیاء سے جو خواہش بھی

اس قسم کے ظہور میں آتے ہیں کہ پانی، انکو ڈبو
نہیں سکتا اور آگ ان کو نقصان نہیں پہنچا

سکتی اس میں بھی دراصل یہی بعید ہے کہ
حکیم مطلق جس کے لئے اتمہا امر اور انسان حاجی

نہیں ہو سکتا اپنے دوستوں اور معرووں کی توجہ کے
وقت کبھی یہ کرشمہ قدرت دکھلائے ہے کہ وہ توجہ

عالیہ میں تصرف کرتی ہے اور جن ایسے معنی اسباب
کے جمع ہونے سے مثلاً آگ کی حرارت اپنے اثر

سے رک سکتی ہے خواہ وہ اسباب اجرام ملوثی
کی تاثیریں ہوں یا خود مثلاً آگ کی کوئی معنی

خاصیت یا اپنے بدن کی ہی کوئی مخفی خاصیت
یا ان تمام خاصیتوں کا مجموعہ ہو وہ اسباب

اُس توجہ اور اُس دُعا سے حرکت میں آتے ہیں

تب ایک امر خارق عادت ظاہر ہوتا ہے مگر
اس سے حقائق اشیا کا اعتبار نہیں اٹھتا

اور نہ علوم صنائع ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ تو علوم
الہیہ میں سے خود ایک علم ہے اللہ اپنے مقام

پر ہے اور مثلاً آگ کا محرق باغیا صیت ہونا
اپنے مقام پر بلکہ لوں سمجھ لیجئے کہ یہ دُعا کی

مواد میں جو آگ پر غالب آکر اپنا اثر دکھاتے
ہیں اور اپنے وقت اور محل سے خاص ہیں۔ بس

دقیقہ کو دنیا کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ انسان کامل
خدا تعالیٰ کی دُعا کا جلوہ گاہ ہوتا ہے اور

جب کبھی انسان کامل پر ایک ایسا وقت
آجاتا ہے کہ وہ اُس جلوہ کا عین وقت ہوتا

ہے تو اُس وقت ہر ایک چیز اُس سے ایسی دُعا
ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ سے۔ اُس وقت اُس کو

درندہ کے آگے والدہ آگ میں والدہ ■
اُس سے کچھ بھی نقصان نہیں اٹھائیگا۔ کیونکہ

اُس وقت خدا تعالیٰ کی دُعا اُس پر ہوتی ہے
اور ہر ایک چیز کا عہد ہے کہ اُس سے ڈرے

یہ معرفت کا ایک آخری بعید ہے جو بغیر
صحبت کا عین سمجھ میں نہیں آسکتا۔ چونکہ

وَمَا دُلَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّصِيرٍ ﴿۲۶﴾ فَاَمَّنَ لَهُ

اور تہا دلھانہ دوزخ ہوگا اور جن کو تم مددگار سمجھتے ہو ان میں سے کوئی تہاد ہی مدد کو نہ آئیگا۔ ۲۶۔ اس نصیرت کے بعد

لَوْ طُؤْ وَقَالَ اِنِّیْ مُہَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ دَانَهُ هُوَ الْعَزِیْزُ

لو طُؤْ اور ایسی لے آئے اور (ابراہیم نے) کہا۔ میں تو اپنے رب کی طرف ہجرت کر کے جاؤں والا ہوں۔ وہ یقیناً غالب (اور)

الْحَکِیْمُ ﴿۲۷﴾ وَهَبْنَا لَهُ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا

بڑی حکمت دلائے۔ اور ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب بخشے اور اُس کی

دفعہ ۱۰

ابراہیم تو حید کا ایسا عاشق تھا کہ آگ سے نجات پاتے ہی اُس نے اپنی قوم کو پھر بھگانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم نے تو بتوں کو اس لئے خدا بنا لیا ہے تاکہ اس دنیا میں وہ تہا سے درمیان محبت پیدا کرنے کا موجب ہوں یعنی ایک مرکزی نقطہ بن جائے۔ اور تم سب ایک بُت کے بچاری اپنے آپ کو بھائی بھائی کہنے لگ جاؤ لیکن یہ بُت اس دنیا تک ہی ہیں۔ اگلے جہان میں یہ تم کو کوئی فائدہ نہیں دینگے بلکہ اگلے جہان میں بچاریوں کے تعلق سے اور بُت بچاریوں کے تعلق سے انکار کرنے لگیں گے۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ڈالیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ کافراگ میں داخل کئے جائیں گے اور کوئی ان کی مدد نہیں کر سکیگا۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مشرک کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں بلکہ صرف قوم کے لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی تعریف حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن سچا دین ہمیشہ دلیل پر قائم ہوتا ہے اور سچے دین کے پیرو لوگوں کو خوش کرنے کی بجائے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو مقدم رکھتے ہیں۔ گویا مشرک تو دنیا کو دین پر مقدم کرتا ہے لیکن مومن دین کو دنیا پر مقدم کرتا ہے۔ مشرک لوگوں سے ڈرتا ہے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے

یہ نہایت ذہین اور پھر نہایت درجہ نادر الوقوع ہے اس لئے ہر ایک فہم اس فلاسفی سے آگاہ نہیں مگر یاد رکھو کہ ہر ایک چیز خدا تعالیٰ کی آواز منقہ ہے۔ ہر ایک چیز پر خدا تعالیٰ کا تصرف ہے اور ہر ایک چیز کی تمام قدیلں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اُس کی حکمت ایک بے انتہا حکمت ہے جو ہر ایک ذرہ کی بڑھ تک پہنچی ہوئی ہے اور ہر ایک چیز میں اتنی ہی خاصیتیں ہیں جتنی اُسکی قدر میں ہیں۔ جو شخص اس بات پر ایمان نہیں لاتا وہ اُس گروہ میں داخل ہے جو مَا قَدْ دَعَا اللّٰهَ حَقَّ دَعْوَاهُ کے مصداق ہیں۔ اور چونکہ انسان کا کل منظر اتم تمام عالم کا ہوتا ہے اس لئے تمام عالم اُس کی طرف دُعا وقتاً کیسٹیا جاتا ہے۔ وہ دُعا ہی عالم کا ایک عنکبوت ہوتا ہے اور تمام عالم اُس کی تار میں ہوتا ہے اور خوارق کا یہی سر ہے۔ (تکرات الدعا حاشیہ ص ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲

فِي ذُرِّيَّتِهِ النَّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ

ذہیت کے ساتھ نبوت اور کتاب مخصوص کر دی اور ہم نے اُس کو دنیا میں بھی اس کا اجر

فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۸﴾

بخش - اور آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں شامل کیا جائیگا۔ ۳۸

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ

اور لوٹ کو بھی (ہم نے رسول بنا کر بھیجا) جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایک ایسی بدی کرتے ہو جس کا ارتکاب

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۳۹﴾

دنیا میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ ۳۹

نہیں جانے دیگا۔ بلکہ اس کے اعلیٰ نتائج عطا فرمائے گا

پھر فرماتا ہے۔ جب ابراہیم نے خدا کے لئے اپنے

وطن اور عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑا تو دھڑپنا

لَهُ اشْحَقُّ وَيَحْقُوبُ۔ ہم نے اس کے اعلاص کو

دیکھ کر اُسے اسحاق جیسا بنایا اور یعقوب جیسا پوتا

عطا کیا۔ اور اُس کی ذہیت میں نبوت اور کتاب رکھی۔

تاریخ سے ثابت ہے اور بائبل بھی اس امر پر گواہ

ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غیر قوموں میں

بھی نبی آئے رہے ہیں پس جَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النَّبُوَّةَ

وَالْكِتَابَ کے صرف یہ معنی ہیں کہ ابراہیم کی ذہیت میں سے

نبی آئے مہرے اور اُن کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ یہ معنی

نہیں کہ دوسری قوموں میں نبی نہیں آئے کیونکہ قرآن کریم

میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ إِنَّ مِّنْ أُمَّةٍ

إِنَّا خَلَقْنَا فِيهَا نَبِيًّا ذَا ظُهُورٍ (یعنی دنیا کی کوئی قوم

نہیں جس میں ہماری طرف سے کوئی نبی مبعوث نہ ہوا ہو۔

اسی طرح فرماتا ہے وَبِكُلِّ قَوْمٍ مَّهَادٍ (رد ۱/۲)

دنیا کی ہر قوم کی طرف ہادی اور راہنما آتے رہے ہیں۔

لیکن ہوس صرف خدا سے ڈرنا اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے

کی کوشش کرتا ہے۔

يَكْفُرُوا بِبَعْضِكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا

میں بتایا کہ کفر کی دوستی ایسی ناپائیدار ہوتی ہے کہ دنیا میں

بھی لوگ ہوس کو خوش کرنے کے لئے خدا اور اُس کے رسول

کی مخالفت کی جاتی ہے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اگلے جہان

میں بھی یہ دوستیاں انسان کے کسی کام نہیں آسکتیں۔

۳۸ تفسیر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ

سے زندہ نکل آنے کا معجزہ دیکھ کر جو لوگ آپ کی طرف

راغب ہوئے تھے اُن میں سے ایک حضرت لوٹ بھی تھے

جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی حاران کے بیٹے تھے۔

(پیدائش: باب ۵) چنانچہ فرماتا ہے کہ اس نظام کو دیکھنے

کے بعد لوٹ ابراہیم پر ایمان لے آیا اور پھر ابراہیم نے لوگوں

میں اپنی ہجرت کا اعلان کر دیا۔ اور کہا کہ میں خدا تعالیٰ کی خاطر

اب اپنا وطن بھی چھوڑ رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میرا

خدا جو غالب ہے اور جس کے تمام کام حکمتوں پر مبنی ہیں

مجھے بھی غلبہ عطا فرمائے گا اور میری اس ہجرت کو راہیگاں

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۚ وَ

کاتم (مردوں کو چھوڑ کر) مردوں کے پاس آتے ہو اور ڈاکے مارتے ہو - اور اپنی

تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُنْكَرَ ۚ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ

مجالس میں ناپسندیدہ حرکتیں کرتے ہو - اس پر اُس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا

اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَتَيْنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ

کہ انہوں نے کہا دیا کہ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو اللہ (تعالیٰ) کا عذاب ہم پر

الصّٰدِقِيْنَ ۚ ۱۰۰ قَالَ رَبِّ اُنصُرْنِيْ عَلٰی الْقَوْمِ الْمَفْسِدِيْنَ ۝

نازل کر دے - اس پر لوٹنے لگا۔ اے میرے رب! مفسد قوم کے خلاف میری مدد کر - ۱۰۱

۳
ع
۱۵

درجات مال ہونگے اور وہ منعم علیہ گروہ میں شامل کئے جائینگے
مگر اس کے ایک سنے یہ بھی ہیں کہ آخری زمانہ میں بھی ابراہیم
کو لوگ بہت نیک قرار دیں گے۔ چنانچہ اسی آخری زمانہ
میں بھی جو اُنہیں قائم ہیں وہ ساری کی ساری حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو مانتی ہیں۔ یعنی مسلمان بھی یہودی بھی
عیسائی بھی۔

اسی طرح اس کے قیمرے سنے یہ ہیں کہ سات آخرت
میں جو مرد ابراہیم ظاہر ہو گا وہ بھی خدا کے نزدیک اپنے
کام کا اہل ہو گا۔ اور اُس پر اعتراض کرنے والے غلطی کرینگے۔
۱۰۱ تفسیر :- فرماتا ہے۔ ہم نے لوط کو بھی

رسول بنا کر بھیجا اور اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایک
خاص بدی میں مبتلا ہو جو تم سے پہلے کسی اور قوم میں نہیں
پائی گئی۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو
اور ڈاکے ڈالتے ہو۔ اور اپنی مجالس میں بے حیائی کی
باتیں کرتے ہو اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُنْكَرَ سے معلوم ہوتا ہے کہ
جس طرح آجکل یورپ اور امریکہ میں بے حیائی پائی جاتی ہے

اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی زمانہ سے مخصوص نہیں کرتا پس اس آیت
کے یہ سنے نہیں کئے جاسکتے کہ نبوت اور کتاب کو ان معنوں میں
آپ کی ذریت سے مخصوص کر دیا گیا کہ کسی غیر قوم میں نبی نہیں
آئیگا۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ ابراہیم کے اخلاص کو دیکھ کر
اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ الَّذِیْ یَنْتَظِرُ یَنْتَظِرُ عَلٰی اللّٰهِ
علیہ وسلم جن کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور
جن کو ایک آنکشی شریعت دی جانے والی تھی وہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہوں۔ اور چونکہ اُن کے بعد
کئی نبوت تامہ مستقلہ نہیں آئیگی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی غلطی اور ہر ذی نبوت آئیگی اس لئے قیامت تک
آپ کے ذریعہ سے اب نبوت ابراہیم کے خاندان کے ساتھ
جسپان ہو گئی۔ مادی لحاظ سے بھی اور اس لحاظ سے بھی
کہ کوئی شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک
مہر تارا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی
لئے بغیر بارگاہ الہی تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

وَرَاٰہُ فِيْ الْاُخْرٰۃِ یَمِیْنُ الْعِلٰیحِیْنَ کے ایک سنے
تو یہ ہیں کہ آخرت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا إِنَّا

اور جب ہمارے رسول ابراہیمؑ کے پاس بشارت لائے۔ تو انہوں نے کہا - ہم

مُهَيِّكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣٧﴾

اس بستی کو چوک کرنے دے ہیں - کیونکہ اس کے باشندے ظالم ہیں -

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۖ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ مِنْ فِيهَا ۖ إِنَّهُ

ہر ایم نے جواب میں کہا کہ اس رستی میں تو لوٹا بھی پتا ہے۔ انہی نے کہا ہم اس رستی میں بنے والوں کو خوب چلتے ہیں

لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا أُمَّرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾

ہم اس (یعنی نوٹ) کو ادراکے گھر والوں کو سوا اُس کی جو ی کے جو بھی رہنے والوں میں شال ہو جائیگی غات دیکھے ۵۳

میرے نزدیک اسجگہ رسولوں سے اُس علاقہ کے بعض اولیاء مراد ہیں جو خدا تعالیٰ سے وحی پا کر پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور پھر حضرت لوط علیہ السلام کو عذاب کی خبر دینے کے لئے چلے گئے۔ اِن دُسل کے انسان ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب یہ لوگ آئے تو آپ فوراً اپنے گھر تشریف لے گئے اور اُن کے کھانے کے لئے ایک بھجڑ اذبح کر دیا (سورۃ ہود آیت ۷۰)۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیحے نہ یہ فرشتے ہیں تو آپ اُن کے لئے کھانے کا کیوں انتعام فرماتے۔ پھر جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال گذرا کہ یہاں نوازی میں کوئی سقم نہ رہ گیا، جو جس کی وجہ سے یہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے تو انہوں نے کہا کہ لَا تَخَفْ اِنَّا اَرْسَلْنَا بِیْ قَوْمٍ مَّوْجُودٍ۔ یعنی آپ تسلی رکھیں۔ آپ کی یہاں نوازی کا شکریہ۔ مگر بات یہ ہے کہ ہم اس وقت ایک عذاب کی خبر دینے کے لئے جا رہے ہیں اس لئے کھانا کھانے سے معذور ہیں۔ اُن کا یہ جواب بھی

اور پبلک میں حودتوں کو چھٹانا اور انہیں پیدا کرنا یا پارکوں میں
زنا کاروں کو کرنا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح اسی زمانہ
میں بھی تمہیں بہت بڑھریگ تھا۔ اور وہ مجس میں ایک دوسر
کے سامنے اس قسم کی فواحش کا دلیری سے ادھکاپ کر لیا کرتے
تھے اور کوئی شخص برا نہیں مانتا تھا۔

حضرت نوط علیہ السلام کی قوم اس نصیحت کے باوجود اپنی حرکات سے باز نہ آئی بلکہ اُس نے کوٹے سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشان نہ آوے اور ہم پر عذاب نازل کرو۔ آخر کوٹے نے تنگ آکر اپنے رب سے دعا کی کہ خدایا مجھے مفید قوم کے خلاف مدد دے۔

۵۳ تفسیر :- فرمایا جب ہمارے پیغامبر (یعنی ملائکہ کے بعض مہم) من کو خدا تعالیٰ نے حضرت ٰوٹ علیہ السلام کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانے اور اُنکا رہبر بننے کیلئے بھیج دیا تھا، حضرت برہم علیہ السلام کے پاس بشارت لائے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اس بستی یعنی ٰوٹ کی بستی کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

(مُسْلِمًا) سے مفسرین نے فرشتے مراد لئے ہیں لیکن

بتا ہے کہ وہ فرشتے نہیں تھے ورنہ وہ یہ جواب دے سکتے تھے کہ ہم تو فرشتے ہیں اور ہم نے کبھی کھانا کھایا ہی نہیں اسلئے آپ کا کھانا بھی ہم نہیں کھا سکتے۔

پھر وہ لوگ جب حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے بھی دیکھ کر یہ نہیں کہا کہ خدا کے فرشتے آگئے ہیں۔ بلکہ انہوں نے بھی یہی کہا کہ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّشْكِرُونَ (عجیب) یعنی آپ لوگ تو اس علاقہ میں اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ گویا اُن کا ذہن بھی فرشتوں کی طرف نہیں گیا بلکہ انہوں نے بھی اُن کو انسان ہی سمجھا۔ پھر ان رُسل کے انسان ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے قُلْ لَوْ كُنَّا فِيْ اَذْوَانٍ مِّلْشِكَةٍ يَّتَمَشُّوْنَ مُطَهَّرِيْنَ لَفَزَّ لَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (ذی الزلزلہ) آیت ۹۶ یعنی تو انہیں کہہ کہ اگر زمین پر فرشتے بس رہے ہوتے جو زمین پر اطمینان سے چلتے پھرتے تو اس صورت میں ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر اُتارتے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے رسول ہو کر صرف نیک لوگوں کے لئے آتے ہیں، جب کا دوسرے کے لئے نہیں آتے۔ مگر یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اُن فرشتوں کو سدقہ کے تمام لوگوں نے دیکھا۔ اور اُن کے آنے پر حضرت لوطؑ کو لوگوں نے برا بھلا کہا۔ پس اُن کا ایسے لوگوں کے سامنے جہاں رنگ میں ظاہر ہونا جن پر عذاب نازل ہونے والا تھا اس آیت کے خلاف ہے۔ پس اس جگہ رُسل سے مراد اور گرد کے علاقہ کے بعض ملہم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ علیہ السلام کے پاس اس لئے بھیجا کہ وہ عذاب کے وقت اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہ پائیں اور حضرت لوطؑ کو کسی امن کی جگہ پہنچا دیں۔

بائیل جو ہر قسم کے رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے اُس نے ان رُسل کو کبھی تو انسان قرار دیا ہے اور کبھی فرشتے۔ چنانچہ پیدائش باب ۱۸ آیت ۱۱ میں حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:-

"وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا اور اُس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظریں کی۔ اور کیا دیکھتا ہے کہ تین مرد اُس کے سامنے کھڑے ہیں۔"

اسی طرح پیدائش باب ۱۸ آیت ۱۶ میں لکھا ہے:-

"تب وہ مرد وہاں سے اُٹھے اور انہوں نے سدوم کا رخ کیا۔"

مگر پیدائش باب ۱۹ آیت ۱ میں لکھا ہے:-

"وہ دونوں فرشتے شام کو سدوم میں آئے اور لوط سدوم کے چھانک پر بیٹھا تھا"

گویا بائیل کبھی تو انہیں انسان قرار دیتی ہے اور کبھی فرشتے اور کبھی تین مرد قرار دیتی ہے اور کبھی دو فرشتے۔ مگر فرشتہ کہنے کے ساتھ ہی بائیل یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت لوطؑ نے "اُن کے لئے ضیافت تیار کی اور بے غیری

روٹی پکائی اور انہوں نے کھایا۔"

(پیدائش باب ۱۹ آیت ۳)

حالانکہ اگر وہ فرشتے تھے تو اُن کے روٹی کھانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ پس یہ رُسل فرشتے نہیں تھے بلکہ انسانوں میں سے ہی بعض نیک لوگ تھے جو ان کی طرف بھیجوائے گئے تھے۔

یہ سوال کہ وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کیوں آئے اور کیوں نہ سیدھے حضرت لوطؑ علیہ السلام کے پاس چلے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے تھے اور اس لحاظ سے وہ ایک تابع نبی کی حیثیت رکھتے تھے جس طرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ بھی تابع نبی تھے یا حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے کہ اُن میں سے اُمّی نبی کوئی نہیں تھا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں نبوت

براہ راست بلا کرتی تھی۔ کسی سابق نبی کے فیض سے نبوت حاصل نہیں ہوتی تھی۔ پس چونکہ حضرت لوط علیہ السلام نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اللہ آپ کے ساتھ ہی ہجرت کر کے وہ شام میں آئے تھے اس لئے ان کی قوم کی تباہی کی خبر بھی پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہی دی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کی خبر سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خوشخبری بھی پہنچا دی جس کا ذکر دَحَا جَاوَتْ رُسُلَنَا اَبْرٰهٖمَ بِالْبَشٰرَةِ میں کیا گیا ہے۔ یہ بشارت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خبر تھی جس کا ذکر سورہ ہود آیت ۷۲ و سورہ الحجر آیت ۸۶ اور سورہ الذاریات آیت ۲۹ میں کیا گیا ہے۔ علامہ ابو حیانؒ نے بھی بَشْرٰی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور پھر ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت کی خبر مراد لی ہے و بحر محیط جلد ۱ ص ۱۸۱ گویا خدا تعالیٰ نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک نیک نسل کی پیدائش کی خوشخبری دی اور پھر قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی تاکہ آپ کا مدد کم ہو جائے اگر کوئی کہے کہ اگر یہ رسول انسان تھے اور الہام کے ذریعہ سے خبر پا کر لوط کو بتائے اُسے تھے تو خدا تعالیٰ نے براہ راست حضرت لوط پر کیوں نہ الہام نازل کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ بائبل سے ظاہر ہے حضرت لوط جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھپے تھے اُسے جو حیران کے علاقہ کا ایک قصبہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہجرت کر کے کنعان یعنی فلسطین کی طرف چلے آئے تھے یہاں ستریکر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے الگ ہو کر سدوم نامی بستی میں رہنے لگے (پیدائش باب ۱۲ آیت ۱۴، ۱۵)

اور طائفہ جو یہود کی روایات اور تاریخ کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ سدوم اور عموره کے لوگ مسافروں کو لوٹ لینے کے عادی تھے (جیوش انسائیکلو پیڈیا زیر لفظ سدوم) اسی کی طرف قرآن کریم نے بھی دَقَطَعُوْنَ السَّبِيلَ

کے الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ اور جو قوم ہمسایوں کو اس طرح دکھ دینے کی عادی ہو لائے وہ اپنے ہمسایوں کے مخالفت بھی رہے گی کہ شاید وہ کسی وقت اُسے نقصان پہنچا دیں۔ اور سدوم والوں سے ان کے ہمسایوں کی عملاً لڑائی بھی رہتی تھی۔ بلکہ بائبل بتاتی ہے کہ ایک دفعہ سدوم اور عموره کے بادشاہوں پر اور گرد کے بادشاہوں نے حکم کر دیا اور وہ سدوم اور عموره کا سب مال اور دریاں کا سب اناج نیکر چلے گئے۔ بلکہ لکھا ہے کہ وہ حضرت لوط کو بھی قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے تین موٹا ہارہ بہادوں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور وہ حضرت لوط کو اور سدوم اور عموره کے باقی سب مردوں اور عورتوں کو جنس ۳۰ پکڑ کر لے گئے تھے پھر لوط لے کر آئے اور مال بھی انہوں نے واپس لے لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس ہم سے کامیاب واپس آئے تو سدوم کے بادشاہ نے آپ کا استقبال کیا اور ایک صدق ہو نام کا بادشاہ تھا اُس نے بھی آپ کی دعوت کی اور سدوم کے بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ مجھے شہر آدمی دے دیئے جائیں۔ اور مال خود دکھ میں مگر حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں جوتی کا ایک تسمہ بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گا اور سب چیزیں آپ نے انہیں دیدیں (پیدائش باب ۱۳)

پس چونکہ حضرت لوط علیہ السلام اس علاقہ سے پوری طرح واقف نہیں تھے بلکہ اُس ملک میں سدوم والوں کے دشمن بھی موجود تھے۔ اگر براہ راست اُن پر الہام ہوتا کہ یہاں سے نکل جاؤ تو وہ گھبراتے کہ جادل کہاں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تسلی کے لئے یہ تدبیر کی کہ اور گرد کے بعض نیک لوگوں کو الہام کیا کہ لوط کے پاس جاؤ اور اُن کو تبادو کہ اُن کی قوم پر عذاب آنے والا ہے اور انہیں حفاظت کے ساتھ کسی محفوظ مقام تک پہنچا دو۔ کیونکہ وہ اس علاقہ کے واقف نہیں۔

وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَاءَ بِهِمْ وَ

اور جب ہمارے رسول لوطؑ کے پاس آئے تو ان کی وجہ سے اُسے دکھ پہنچا - اور نیز

صَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ

اُن کی وجہ سے اُس کا دل تنگ ہو گیا اور اُنکی اس حالت کو دیکھ کر اُن پیغام لانے والوں نے کہا کہ کسی (دُعا) بات کا خوف نہ کر

إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ

اے نہ کسی نڈر شدہ واقعہ پر افسوس کر - ہم تجھ کو اور تیرے گھر والوں کو سوائے تیری بیوی کے جو بھیجے رہنے والوں میں شامل

مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۳۳﴾ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ

ہو جاوے گی نجات دینے کے لئے اُسے ہیں - ہم اس بستی پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے

الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۳۵﴾

کرنیوالے ہیں

نازل

عذاب

اچلے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے کہ نبی کو تو پتہ نہ لگا ہو کہ میری قوم بڑک ہونے والی ہے لیکن دوسروں کو علم ہو گیا ہو - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال قلّت تدبیر کا نتیجہ ہے کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو پہلے سے عذاب کی خبر دے چکے تھے۔ چنانچہ سورہ حجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وہ رسول آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ بَلِّ جُنَّتْنَا كَمَا رَمَاكَ تَوًّا فَيَنْتَزِدُونَ (سورہ حجریت ۶۴) ہم آپ کے پاس اُس عذاب کی خبر لے کر آئے ہیں جس کے بارہ میں یہ لوگ شک کر رہے ہیں - گویا وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عذاب کی خبر حضرت لوط علیہ السلام پہلے ہی دے چکے تھے - مگر چونکہ یہ عذاب اب بالکل قریب آ پہنچا تھا - اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس علاقہ کے چند نیک لوگوں کو اس لئے آپ کے پاس بھیجا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے کر

کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیں - اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے ماتحت یہ انتظام نہ فرماتا تو حضرت لوط علیہ السلام کو بڑی پریشانی ہوتی کہ اب جب اس شہر پر عذاب آنے والا ہے تو میں کہاں جاؤں - جبکہ باقی علاقہ میں میری واقفیت بھی کوئی نہیں - اور پھر ارادہ گرد سب سدا دم کے دشمن آباد ہیں - اسلام میں بھی اس قسم کی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ بعض اہم معاملات کی دوسرے مسلمانوں کو خبر دی گئی - مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن ربیع ایک صحابی تھے - اللہ تعالیٰ نے اُن کو روایا کے ذریعہ سے اذان سکھائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی روایا پر انحصار کرتے ہوئے مسلمانوں میں اذان کا درواج ڈالا - بعد میں قرآنی وحی نے بھی اس کی تصدیق کر دی - حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے یہی اذان سکھائی تھی - مگر میں دن تک اس خاموش رہا

وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۶﴾

اگر ہم نے اس بستی کے دو واقعہ کے ذریعہ سے ایک کھلی عبرت کا سامان عقل دانوں کے لئے پیچھے چھوڑا ہے۔ ۲۶

۲۶ تفسیر زمانہ ہے جب لوگوں سے چل کر ہمارے رسول حضرت نوحؑ کے پاس پہنچے تو ان کو کچھ کر اُسے بڑی تکلیف ہوئی اور اُس کا دل تنگ ہو گیا کیونکہ اُس کی قوم کے لوگوں نے غیر توہنی کے آدمیوں کی مہمان نوازی سے اُسے منع کیا ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں آئے ہے کہ حضرت نوحؑ کے مخالفین نے اُس سے کہا اُو کہ نہ ننہد عَنِ الْعَالَمِينَ (مغرب) کہ اے نوح! کیا ہم نے تجھے غیر معلوم مسافروں کو گھر میں لانے سے نہیں روکا ہوا؟ اُس زمانہ میں شہر چوٹے چوٹے اور دور دور ہوتے تھے۔

اور غیر معلوم مسافروں کے لانے سے ڈر ہوتا تھا کہ کہیں ڈاکہ نہ چرسے اور چونکہ مقدم کے باشندے خود بھی ڈاکو تھے وہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھتے تھے اور غیر معروف مسافروں کو شہر میں نہیں آنے دیتے تھے تا ایسا نہ ہو کہ رات کو وہ شہر کے دروازے کھول دیں اور دشمن غفلت کی حالت میں آکر حملہ کر دے۔ حضرت نوحؑ چونکہ مہمان نواز تھے وہ مسافروں کو لے آتے اور سمجھتے کہ اگر وہ باہر رہیں گے تو لٹے جائیں گے۔ اور یہ لوگ اُن کو اُس سے منع کیا کرتے تھے۔ اس دفعہ جب پھر حضرت نوحؑ اُن لوگوں کو ساتھ لے آئے تو یہ لوگ غصہ سے بھر گئے اور حضرت نوحؑ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ حضرت نوحؑ کو بہت دکھ پہنچا۔ اور آپ دُور سے کہیں یہ لوگ مہمانوں کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ مگر انہوں نے کہا کہ ڈر نہیں اور غم نہ کر۔ یعنی اب تجھے کسی آئندہ خطرہ سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ اُن کی تباہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ مگر چونکہ قوم کی تباہی کی خبر سے حضرت نوحؑ علیہ السلام کا غمگین ہونا ایک طبعی امر تھا۔ اس لئے

اس خیال سے کہ ایک اور شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بیان کر چکا ہے دسمن ابی داؤد جزہ اولیٰ مطبوعہ مصر ۱۲۸۱ھ دسمن ابن ماجہ جزہ اولیٰ صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ مصر ۱۲۸۱ھ کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ يَرَىٰ اَوْ يُرَىٰ لَهُ يَتَىٰ مَوْنٌ كُو كَبْعِي تُو بَرَاهِ وَاسْتِ خَبْرِي جَانِي هِي اور کبھی دوسروں کی معرفت اُسے خبر پہنچائی جاتی ہے۔ پس حضرت نوحؑ علیہ السلام کو بعض دوسرے لوگوں کے ذریعہ عذاب کے باطل قریب آ جانے کی خبر پہنچنا کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔

اِنَّا مُهْلِكُوْكُمْ اَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ سے یہ مراد نہیں کہ اُن کو کوئی خاص طاقت حاصل تھی بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اہام کے ماتحت ہم اس بستی کی ہلاکت کی خبر دینے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ کیونکہ اس بستی کے لوگ ظالم ہیں۔ اگر بالفرض اُن کو فرشتے بھی سمجھ لیا جائے جیسا کہ مفسرین کہتے ہیں۔ تب بھی فرشتے خود عذاب نہیں دیا کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کے عذاب کی خبر دیا کرتے ہیں۔ پس اِنَّا مُهْلِكُوْكُمْ اَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ سے عذاب کی خبر دینا مراد ہے نہ کہ خود عذاب نازل کرنا۔

قَالَ رَاتٍ فَنِيهَا لَوْطًا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خبر سن کر کہا کہ اس بستی میں تو نوحؑ بھی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہم اُس بستی میں رہنے والوں کو خوب جانتے ہیں۔ ہم اُس کو اور اُس کے اہل کو سوائے اُس کی ہوی کے جو سمجھے وہ جانے والوں میں سے بے نجات دینگے۔ یعنی ہمیں کسی محفوظ مقام میں پہنچا دینگے۔ کیونکہ اُن لوگوں کو حضرت نوحؑ کی آئندہ رہائش کے انتظام کے لئے ہی بھیجا گیا تھا۔

وَالِی مَدِیْنٍ اَخَاهُمْ شَعِیْبًا فَقَالَ یَقَوْمِ

یہ مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ (جب وہ آیا تو اس نے کہا۔ اے میری قوم!

اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْتَوْا

اللہ کی عبادت کرو اور آخری زندگی کے وقت کو یاد رکھو اور ایسے مفسدانہ

فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳﴾ فَكَذَّبُوهُ فَاتَّخَذَتْهُمْ

کام نہ کر دے کہ ملک میں تمہارے کاموں کی وجہ فساد پھیل جائے۔ اسپر انہوں نے اسکو جھٹلایا اور ایک ہلا دینے والے عذاب

نہ کر رکھا دینا۔ اسی طرح اَنَا مُجِیْبُكَ اٰهْلَ هَذِهِ الْقَرْیَةِ اور اَنَا اَرْسَلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مِّنْ قَبْلِكَ عَلَیْهِمْ حِجَابَةٌ مِّنْ طَلْحٍ مِّنْ مَّوَدَّہِ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَا اِنَّا مَنَزَلْنٰکَ عَلٰی اٰهْلِ هَذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ سے یہ مراد نہیں کہ اُن رسولوں نے عذاب نازل کرنا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی خبر کے ماتحت یہ اطلاع دیتے ہیں کہ ٹوٹ اور اُس کے اکثر اہل بیت بیچ جائیں گے۔ اور مخالفت تباہ ہو جائیں گے۔ ورنہ عذاب تو خدا تعالیٰ نے ہی نازل کیا تھا۔ جیسے سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ فَلَمَّا جَاءَ اٰمُرُنَا جَعَلْنٰا عَلَیْہَا مَآرِلَہَا وَامْطَرْنٰا عَلَیْہَا حِجَابًا مِّنْ سِجِّیْلٍ مِّنْ مَّوَدَّہِ عِنْدَ رَبِّکَ (ہود آیت ۸۳ و ۸۴) یعنی جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اُس بستی کے اوپر دالے حصہ کو نیچے والا حصہ بنا دیا۔ اور اُس پر مٹکھی مٹی کے بنے ہوئے پتھروں کی بجائے بعد دیگرے بادش برساتی جو تیرے رب کی تقدیر میں اُن کے لئے ہی مقرر اور نامزد کئے گئے تھے۔

اس جگہ بھی وَلَقَدْ تَرٰکُنَا مِنْهَا اٰیۃً بَیِّنَۃً تَعُوْذُ بِہِ یَعْقِلُوْنَ فرا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو

انہوں نے ساتھ ہی آپ کو تسلی دی کہ لَا تَحْزَنْ اَبِیْہِیْ تَبَیْہِیْ بِرِغْمِہِیْ نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کے بیج کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ وہ آپ کو اد آپ کے تمام اہل کو سزا آپ کی بیوی کے اس عذاب سے محفوظ رکھے گا اور اس طرح اُن کے ذلیعہ پھر دنیا میں نیکی اور تقویٰ کی تعلیتی سرسبز ہونی شروع ہو جائیگی۔

اِنَّا مَنَّوْکَ لَکَ میں انہوں نے اس نجات کو اپنی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسی غرض کے لئے بھیجوائے گئے تھے کہ ٹوٹ اور اُن کے اہل کو کسی محفوظ مقام پر پہنچادیں۔

باقی اہل ان رسولوں کا اس تباہی کو اپنی طرف منسوب کرنا اور یہ کہنا کہ اِنَّا مَنَزَلْنٰوْنَ عَلٰی اٰهْلِ هَذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا کہ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّکَ لَا تَحْزَبِ لَکِ غَلَامًا زَکِیًّا (مریم آیت ۲۰) یعنی میں تیرے رب کا ایک پیغامبر ہوں تاکہ میں تجھے ایک پاک لڑکا دوں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ لڑکا خدا ویا کرتا ہے۔ فرشتہ نہیں دیا کرتا۔ پس جس طرح لَا تَحْزَبِ لَکَ سے مراد صرف لڑکے کی پیدائش کی خبر دینا ہے

الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جثمين ﴿۳۸﴾ وَعَادُوا

اُن کو پکڑ لیا۔ جس کے پیچھے میں وہ اپنے گھروں میں (زمین سے) چٹنے کے چٹے رہ گئے۔ ۳۸ اور عَاد کو بھی

وَتَمُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ تَفْدٍ

اور تمود کو بھی (ہمدانی طرے کے ایک ٹاپیے والے عذاب پکڑ لیا) اور (اے اہل مکہ) تم پر اُن کی بستیوں کا حال ظاہر ہے۔

وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فصدَّهُمْ

اور شیطان نے اُن کو ان کے عمل اچھے کر کے دکھائے۔ اور اُن نے (یعنی شیطان نے) اُن کو

اپنی طرف مسوب کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ہم نے اس ذریعہ سے عقل رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک بڑی عبرت کا سامان پیچھے چھوڑا

یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ عذاب خدا تعالیٰ نے اُتارا تھا۔ اُن رسولوں نے نہیں اُتارا تھا۔ وہ صرف خبر دینے آئے تھے۔ اگر ان رسولوں نے عذاب اُتارا ہوتا تو خدا تعالیٰ یہ کیوں کہتا کہ ہم نے اس عذاب کے ذریعہ سے ایک کھلا نشان پیچھے چھوڑ دیا کیونکہ اگر رسولوں نے عذاب اُتارا تھا تو نشان انہوں نے چھوڑا نہ کہ خدا تعالیٰ نے۔ پس اِنَّا مُنْزِلُوْنَ نَحْنُ اَهْلُ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رَجْعًا وَاَمَّا السَّمَارُ يَسْحَا كَانُوا يَفْسُقُوْنَ یا اسی قسم کی بعض دوسری آیات سے یہ مراد نہیں کہ عذاب اُن رسولوں نے نازل کیا تھا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم اس بستی کے باشندوں پر خدا کی عذاب کے نازل ہونے کی خبر دینے ہیں۔ ورنہ عذاب تو خدا تعالیٰ نے ہی نازل کرنا تھا۔

۳۵ تفسیر:- فرمایا۔ ہم نے ٹوٹ کے بد مین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا تھا اور انہوں نے بھی اپنی قوم کو یہی کہا تھا کہ ایک خدا کی پرستش کرو۔ اور یوم آخرت پر ایمان رکھو۔ اور

دنیا میں فساد مت پیدا کرو۔

وَلَا تَخْذَنَا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کی خورگ تھی۔

چونکہ مین قوم کا مرکزی شہر جس کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے عرب۔ شام اور مصر کے راستوں پر واقع تھا اور وہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے اس لئے یہ لوگ مسافروں کو لوٹ لینے کے عادی تھے۔ اس قیاس کی مزید تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ مین قوم کے قبضہ میں قرب ہی ایک بڑا بھائی مغل تھا جس میں رہنے والوں کا قرآن کریم نے ”اصحابِ بائکہ“ نام رکھا ہے۔ اور یہ لوگ بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے مخالفین میں ہی شامل تھے لہذا شغف جاتا ہے کہ جنگ میں ڈاکے ڈالنے

زیادہ آسان ہوتے ہیں کیونکہ انسان اُس میں بڑی آسانی سے چھپ سکتا ہے پس یہ لوگ ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے ارتکاب سے بھی فریاد کر رہے تھے اور بیع و شرا کرتے وقت تول اور ماپ میں بھی جیسی فساد پیدا کر رہے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا مگر اُن کی قوم نے ان نصائح کی کوئی پرواہ نہ کی اور انہوں نے آپ کو جھٹلایا۔ آخر ان پر ایک شدید زلزلہ آیا جس کے نتیجے میں وہ اپنے گھروں میں دوڑناو بیٹھے ہوئے رہ گئے حضرت شعیب چونکہ

عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿۳۹﴾ وَقَارُونَ

(اللہ تعالیٰ) کے راستہ سے رد کیا۔ حالانکہ وہ خوب سمجھتے تھے ۳۹ اور قارون

وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ قَتَلْنَا وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوسَىٰ

اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہم نے عذاب میں گرفتار کیا)۔ اور موسیٰ ان کے پاس

بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا

کھلے کھلے نشانیں لے کر آئے تھے۔ پھر بھی (وہ نہ مانے بلکہ) انہوں نے تکبر سے کام لیا اور (ہمارے عذاب سے)

سَبِقِينَ ﴿۴۰﴾ فَكَلَّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِمْ ۖ فَنُفِثْهُمْ

جگہ کرنا نہ سکے۔ پس ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پھیلایا۔ سو ان میں سے کوئی تو

اسی طرح نمود جو عاد ہی کی ایک شاخ تھے، انکے متعلق بھی قرآن کریم بتاتا ہے کہ وہ میدانوں میں بڑے بڑے قطعے بناتے اور پہاڑوں کو کھود کھود کر بائیس مکاناں تیار کرتے تھے (سورہ اعراف آیت ۷۷) مگر جب انہوں خدا تعالیٰ کے نبیوں کا مقابلہ کیا اور اپنے ناشائستہ افعال کو اچھا قرار دیا۔ تو خدا تعالیٰ نے انکو تباہ کر دیا اور آج مواسے ان ٹوٹے پھوٹے آثار کے جو عرب میں دکھائی دیتے ہیں ان کی طاقت اور شوکت کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا۔

وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَانَهُمْ سَے ظاہر ہے کہ ان کے اعمال کو شیطان ہی تھے مگر تواتر اور تسلسل سے بڑے اعمال بجالانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ انہیں اپنا روحانی کوٹھ بھی خوبصورت نظر آنے لگ گیا۔ گویا انکی آنکھیں بھی مادی گئیں اور احساسات بھی کند ہو گئے۔ نہ اپنے اعمال کی ششاعت انہیں دکھائی دی اور نہ ان کی مہر توں کا انہیں احساس ملا۔

كَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ سَے ظاہر ہے کہ ان پر یہ امر اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ ان کی ان حرکات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے گزرے ہیں اسلئے ان کے ذکر سے خدا تعالیٰ نے فرج سے بیکر موئے تمک نبیوں کے آنے اور ان کے ماننے والوں کے امتحان میں پڑنے کا ذکر فرمادیا۔

۳۹ تفسیر:- اس میں بتایا کہ عاد اور ثمود

میں بھی بڑے بڑے بھاری نشانات ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں اپنے عروج کے زمانے میں دنیا کی معکم اور اُستاد تھیں اور فن تعمیر میں بھی بڑی بھاری دسترس رکھتی تھیں۔ چنانچہ قوم عاد کے نبی حضرت ہود نے انہیں نصیحت فرمائی تھی کہ اَکْبِثُوا بِنَاحِيَةِ رَيْحٍ اَيُّهَا النَّعْمَتُونَ ۚ وَتَتَّخِذُوا مَصَانِعَ تَعْلَمُوهَا تَعْلَمُوهَا (سورہ نعرہ آیت ۱۲۹ اور ۱۳۰) یعنی تم نے یہ کیا طریق اختیار کیا ہوا ہے کہ تم ہر اونچی جگہ پر نشان کھڑے کرتے ہو۔ اور بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ اس طرح تمہارا نام ہمیشہ کیلئے قائم رہے گا۔ میں نے خود عدن میں بعض پڑائی عمارتیں دیکھی ہیں جو عاد اہل کے آثار میں سے ہیں اور ہاں کے مقامی لوگوں میں یہ روایتیں پائی جاتی ہیں کہ یہ عاد کی عمارتیں ہیں۔

۵۶ تفسیر :- قارون اور فرعون اور ہامان
عاد کے بہت بعد ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ ثمود فرعون سے
کے زمانہ میں مدین کے علاقہ میں ہی گئے تھے اور ثمود عاد
کی ہی ایک شاخ تھے اس لئے عاد اور ثمود کے ذکر کے
مابین ہامان اور فرعون کا بھی ذکر کر دیا۔ یہی وجہ ہے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر مدین میں ہی
آئے تھے۔ کیونکہ ہاں عرب آباد تھے۔ اسی طرح قارون
کا بھی ذکر کر دیا جو موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ فرماتا ہے
ان صلب کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام نشانات لیکر
آئے لیکن انہوں نے زمین میں بڑے تکبر سے کام لیا۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ

اُن لوگوں کا حال جنہوں نے اللہ (تعالیٰ) کو چھوڑ کر اور دوست بنا لئے

كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۖ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ

کڑی کا سا حال ہے - جس نے (اپنے لئے) ایک گھر تو بنایا لیکن

أَوَّهْنَ الْبُيُوتِ لَبِيتُ الْعَنْكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا

گھروں میں سے سب سے کمزور گھر کڑی کا ہی ہوتا ہے - کاشش! کہ

يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

یہ لوگ جانتے - اللہ (تعالیٰ) ہر اس چیز کو جس کو یہ لوگ اُس کے حوا

صِيحَةً دَاجِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخْتَطِرِ ه
(سورۃ القمر آیت ۳۲) یعنی ہم نے اُن پر ایک ہی دفعہ
عذاب نازل کیا اور وہ ایک باڑ بنانے والے کے دھتور
سے گرائے ہوئے پتوں کے چورسے یا دندے سے پو بھس
کی طرح ہو گئے - اسی طرح سورۃ ہود میں فرماتا ہے -
اَتَّخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
جُثِيٍّ ۖ (آیت ۶۸) یعنی جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا
تھا انہیں صبح نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں زمین
سے چٹے ہوئے رہ گئے - یعنی زلزلے کی وجہ سے اُن کے
سکانوں کی چھتیں اُن کے اوپر آ گئیں اور وہ اُسی حالت
میں مر گئے -

پھر فرماتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ حَسَّنَا لِهَ الْأَمْرِ
بعض ایسے تھے کہ اُن کو ہم نے سب میں ذیل کر دیا ہے
قَارِدْنَ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَحَسَّنَا إِلَيْهِ
وَبَدَارِهِ الْأَمْرُ ۖ (سورۃ قصص آیت ۸۲) ہم نے
اُسے اور اُس کے تسلیم کو کمزور حالت میں مبتلا کر دیا اور
وہ ذیل ہو کر رہ گئے -

اور موتی کا انکار کر دیا - مگر جب ہمارا عذاب آیا تو اُن کا تمام
تکبر دھڑکے کا دھڑکا گیا اور وہ ہمارے عذاب سے
نہ نچ سکے - اُن قوموں میں سے ہر ایک کو ہم نے اُس کے
گناہوں کی پاداش میں پکڑا - چنانچہ بعض پر تو ہم نے پھر
کا مینہ برسایا جیسے قوم لوط کے متعلق فرماتا ہے اِنَّا
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاجِبًا ۖ اِنَّ اِلَ الْفُجُورِ (سورۃ القمر آیت ۳۵)
یعنی ہم نے اُن کے تباہ کرنے کے لئے کنگریں بھری ہوئی
ہوا چلائی جس نے آل لوط کے سوا سب کو تباہ کر دیا -
اسی طرح سورۃ ہود میں فرماتا ہے - ذَا مَطَرْنَا عَلَيْنَا
وَحَاجَرًا ۖ مِّنْ سِجِّيلٍ (آیت ۸۲) ہم نے اُن پر مٹی
مٹی کے بنے ہوئے پتھروں کی بجے بعد دھڑکے بارش
برساتی - یعنی شدید زلزلہ سے اُن کی زمین باقی زمین سے
کٹ کر اوپر اُڑ گئی اور پھر گر گئی اور وہ سب کے سب
اُس کے پیچے دفن ہو گئے -

پھر فرماتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ اَتَّخَذَتْهُ الْعِصْمَةُ
کوئی قوم ایسی تھی جو زلزلہ سے ہلاک ہوئی - جیسے قوم
ثمود کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ

پکارتے ہیں جانتا ہے - اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے - اور یہ مثالیں ہیں -

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۳۳﴾

جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں - لیکن عالموں کے سوا کوئی ان کو اپنے لئے نہیں بازداشتا ۲۸

وَمِنْهُمْ مَّنْ أَعْرَفْنَا - اور بعض ایسے تھے جنکو اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا - جیسے نوح کی قوم بھی پانی میں غرق کی گئی اور فرعون بھی سمندر میں غرق ہوا -
وَمَا كَانَتْ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ میں بتایا کہ ان میں سے کوئی قوم بھی ظلم ہلاک نہیں ہوئی بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ ان سب قوموں نے اپنی نجاتی کے خود سامان پیدا کئے تھے خدا تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا -

۲۸ تفسیر - گذشتہ قوموں کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان کی ہلاکت کے اسباب کا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کی تباہی اس لئے ہوئی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے لئے بعض اور پناہ گاہیں تجویز کرنی تھیں - کسی نے کہا ہامان بڑا معزز ہے لاکھوں افراد پر اس کی حکومت ہے اگر میں نے ہامان کو خوش کر لیا تو سمجھو کہ میں کامیاب ہو گیا کسی نے کہا ہمیں قارون سے اپنے تعلقات بڑھانے چاہئیں - مال و دولت تو اس کے قبضہ میں ہے - اگر ہم نے اسے خوش نہ کیا تو ہم تو بھوکے مر جائیں گے - ایک تو شخص کے دل میں خیال آیا کہ قارون اور ہامان بھی بیشک بڑے ہیں لیکن اصل طاقت تو فرعون کی ہے کیوں نہ فرعون کی تلخی اختیار کی جائے اور اس کے اشاروں پر چلنے کی کوشش کی جائے - اگر فرعون خوش ہوا تو ہامان اور قارون کی بھی مجال نہیں کہ وہ ہمیں کوئی دکھ پہنچ سکیں - یہی حال

عاد اور ثمود کے وقت ہوا - ہود اور صالح کو لوگ دیکھتے تو سمجھتے کہ ان لوگوں کے پاس تو نہ کوئی طاقت ہے نہ جتہ نہ مال ہے نہ دولت - ہم نے ان کی بات مان لی اور ایک خدا پر ایمان لے آئے تو ہمیں کونسا مٹراب کا پر لگ جائیگا - ہمیں تو عاد کے بادشاہوں کے ساتھ اپنے تعلقات رکھنے چاہئیں تاکہ ہم اپنی دنیوی زندگی کو بہتر بنا سکیں - اور آنے والی آفات سے محفوظ رہ سکیں - قوم ثمود نے بھی یہی نظریہ اختیار کیا اور اپنی قوم کے منادید کو اپنی پناہ گاہ بنا لیا - غرض ہر ایک نے خدا کو چھوڑ کر بعض خیالی پناہ گاہیں تجویز کر لیں مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کی یہ پناہ گاہیں مگر طری کے جانے سے بھی زیادہ کمزور ہیں اور وقت آئے پر ان کا تمام تار پود بکھر جائے گا - اور نہ فرعون ان کے کام آئیگا اور نہ ہامان اور قارون انہیں خدائی عذاب سے بچا سکیں گے - چنانچہ جب فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہوا تو اُس وقت ان کا مجازی خدا کہاں گیا اور اس نے کیوں اپنے لشکر کو غرق ہونے سے نہ بچایا، بلکہ اس نے کسی آدم کو کیا بچانا تھا خود بھی سمندر میں غرق ہو گیا - اور اُسے اپنی پناہ سمجھنے والے بھی غرق ہو گئے اور دنیا پر ثابت ہو گیا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنی پناہ گاہ سمجھتے ہیں ۲۹ دیے ہی تباہی کے قریب جا رہے ہوتے ہیں جس طرح مگر ای اپنے جانے میں ٹھیکہ کر کے سمجھتی ہے کہ وہ حوادث زمانہ سے محفوظ رہے گی - قرآن کریم نے بار بار مسلمانوں کو اس اہم نکتہ

کر کے تسلی پا جانا اور علی رنگ میں اللہ تعالیٰ کی بجائے غیر اللہ کی طرف جھکے رہنا ایسی ہی کم عقلی کی بات ہے۔ جیسے عنکبوت کا اپنے گھر کو گھر سمجھ لینا۔

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دنیا میں ہزاروں مذاہب پائے جاتے ہیں اور ہر مذہب کا پیرو دو مہرے مذاہب کے پیروؤں سے شدید اختلاف رکھتا ہے لیکن سب کو اختلاف کے باوجود دنیا کے تمام مذاہب کے پیرو اس امر پر متفق ہیں کہ مذہب کی حقیقی غرض اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ اور جب مذہب کی اصل غرض یہی ہے تو ایک دیانت دار انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے اور یہ دیکھتا رہے کہ اُس نے کہاں تک اُن پھلوں کو حاصل کیا ہے جو سچے مذہب پر چلنے کے نتیجے میں حاصل ہوا کرتے ہیں۔

حضرت سیدنا حضرت علیؓ نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اگر درخت کو پھل نہ لگا ہو تو درخت پہچانا نہیں جا سکتا۔ معمولی زمیندار بھی چاہے وہ باغبان نہ ہو درختوں کو بغیر پھل کے پہچان لیتے ہیں کیونکہ درختوں کی شاخیں اور پتے الگ الگ قسم کے ہوتے ہیں۔ ام کا پتہ الگ قسم کا ہوتا ہے۔ انار کا پتہ الگ قسم کا ہوتا ہے۔ شہتوت کا پتہ الگ قسم کا ہوتا ہے۔ بیجی کا پتہ الگ قسم کا ہوتا ہے۔ مالٹے کا پتہ الگ قسم کا ہوتا ہے۔ سیب کا پتہ الگ قسم کا ہوتا ہے۔ یہ طبعی بات ہے کہ ایک باغبان کا رہنے والا آدمی افغانستان یا کشمیر کے درختوں کو نہ پہچان سکے لیکن عام درخت جو اس کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں ان کو وہ پہچان لیتا ہے خواہ اُن درختوں کو پھل نہ لگا ہوا ہو پس حضرت سیدنا حضرت علیؓ کے اس قول کے یہ معنی نہیں کہ جب تک درخت پر پھل نہ لگے وہ پہچانا نہیں جاتا بلکہ

کی طرف توجہ دلائی ہے اور بار بار کہا ہے کہ **رَفَعُوا أَعْيُنَكُمْ**۔ اے مسلمانو! تم خدا کو اپنی ڈھال بناؤ۔ یعنی اُسے اپنے بچاؤ کا ذریعہ سمجھو۔ بیشک تم اسباب سے بھی کام لو۔ کیونکہ اسباب سے کام لینا خود خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ سامان سے کام لینا ہے مگر کسی یہ خیال نہ کرے کہ وہ اسباب اور ذرائع ہی حقیقی چیز ہیں۔ اصل مدد خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور اگر اُس کی مدد شامل حال نہ ہو تو کوئی سامان فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ آخر سوچو کہ کیا عباد اور ثنویہ کے پاس کم سامان تھے۔ کیا قادیان اور قرقون اور ہامان کم طاقتیں رکھتے تھے۔ پھر کیا اُن کی یہ طاقتیں نہیں خدا کی عذاب سے بچا سکیں۔ پس اسباب پر انحصار رکھنا اور انہی کو اپنی نجات کا موجب سمجھنا جیسی نادانی ہے مومن کا اصل مقام یہی ہے **وَأَيُّكَ أَتَعْبُدُ مَا يَكُنْ شَرٌّ لَّكَ** میں میں کیا گیا ہے۔ یعنی عبادت بھی سچے دل سے خدا تعالیٰ کی ہی کی جائے اور مدد بھی اسی سے حاصل کی جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی احتیاج عبادت بھی ہے لیکن بندوں کی احتیاج ذلت ہے۔ اگر کوئی شخص کامیابی کے اس ایک ہی مدافعہ کو اپنے اوپر بند کر لیتا ہے تو اُس کی ہلاکت اسی کے سر پر منڈلانا شروع کر دیتی ہے۔ اور آخر اسے انتہائی حسرت کے ساتھ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

پھر بیت عنکبوت کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ جس طرح گھر کہہ دینے سے عنکبوت کا گھر گھر کا کام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح محض مذہب کا مادہ اور دھبیٹے اور اُس کے نام کا لیل اپنے اوپر چپکا لینے سے وہ مذہب انسان کی نجات کا موجب نہیں بن سکتا۔ نجات کا موجب وہ قوت اسی صورت میں بن سکتا ہے جب انسان کے اندر وہ درج بھی پیدا ہو جائے جو مذہب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہ درج پیدا نہیں ہوتی تو اُس کا محض ایک نام اختیار

اس کے معنی یہ ہیں کہ درخت کی اصل قیمت اُس وقت معلوم ہوتی ہے جب اُسے پھل لگا ہوا ہو۔ چنانچہ دیکھ لو ہر آدمی کے درخت کو اُم نکلتے ہیں لیکن بعض اُم اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ کھانے کے کام نہیں آتے بلکہ لوگ اُن کا آچار ڈال لیتے ہیں۔ اور بعض ایسے ردی ہوتے ہیں کہ آچار کے کام بھی نہیں آتے۔ اور بعض اُم ایسے ہوتے ہیں جو سو دودو سو روپے سینکڑہ بکتے ہیں۔ اب نام تو سب کا اُم ہی ہوتا ہے لیکن بعض درختوں کا پھل بہت مہنگا بکتا ہے اور باغبان اُن کی خاص طور پر حفاظت کرتا ہے اور بعض درختوں کے ردی پھل کو دیکھ کر باغبان کاٹ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ بن کی جگہ تیں کوئی اور پودہ لگاؤں گا۔

اسی طرح مذہب بھی اپنے ساتھ بعض پھل رکھتا ہے۔ اگر وہ پھل کسی شخص میں پائے جائیں تو اُس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سچے مذہب کا پیرو ہے۔ لیکن اگر وہ پھل نہ پائے جائیں تو بعض زبان سے کسی مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا اُسے نجات نہیں دے سکتا۔ خود حضرت مسیح نامہ صریح کا ایک حوالہ ایسا تھا جس نے تیس درہم یعنی ماڑھے سات روپے میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا۔ بیچنے کا لفظ اس لئے بولا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پولیس تلاش کرتی رہتی تھی لیکن آپ اُن کے ہاتھ نہیں آتے تھے۔ آپ کو پولیس کی امداد کا علم ہو جاتا تھا اور آپ دہاں سے دہاں ہوتے ہو جاتے تھے۔ ایک شخص جو کہ کئی سال تک دھرتے سے اپنی تبلیغ دنیا کو پہنچاتا رہا اور لوگوں کے سامنے فقر میں کرنا دہا اُس کے متعلق ہم یہ تو نہیں سمجھ سکتے کہ پولیس اُسے پہچان نہ سکتی تھی۔ پولیس آپ کو پہچانتی تو تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے مسیح علیہ السلام ایسے طور پر رہتے تھے کہ لوگوں کو آپ کا علم نہ ہوتا۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے اپنے ارد گرد ایسے طور پر چادر لپیٹ لی کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔ دہایا میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہے تو آپ نے فرمایا۔ یہ میرا ہادی ہے۔ ہادی کے دونوں منے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ یہ میرا آقا ہے اور یہ بھی کہ یہ مجھے راستہ دکھانے والا ہے۔ اُس شخص نے سمجھا کہ یہ شخص راستہ دکھانے والا ہے۔ اور وہ خاموشی سے چلا گیا۔ یہ سچ کا سچ تھا اور بات کا پتہ بھی نہ لگ سکا۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام باس وغیرہ تبدیل کریتے تھے اور جگہ بدل لیتے تھے اور پہچان نہ جاتے تھے۔ آخر پولیس نے یہ تجویز کی کہ مسیح کے حوالوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہود اسکریوٹی کو تیس درہم دے کر اپنے ساتھ ملایا۔ اُس نے کہا کہ مجلس میں تیں جس کے ہاتھ پر بوسہ دوں وہی مسیح ہوگا چنانچہ وہ مجلس میں آیا اور اُس نے آتے ہی اسے استاد کہہ کر حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ کو جوڑ لیا۔ امپیر پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ اب وہ شخص بھی بظاہر مومن کہلاتا تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے حوالوں میں اپنے آپ کو شامل کرتا تھا۔ مگر اپنی بد بختی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا موجب بن گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو پکڑوانے سے پہلے وہ آپ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ آپ نے الہام کے ذریعہ خبر پا کر بتایا کہ جو شخص میرے پکڑوانے کا موجب ہوگا اُس کا اور میرا ہاتھ اس وقت پیانے میں اکٹھا پڑ رہا ہے۔ اُس وقت یہود اسکریوٹی آپ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ یہ میرے متعلق ہے اور اُس نے کہا کہ اے استاد! یہ کس طرح ہو سکتا ہے! مسیح علیہ السلام نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جو بدی ہو کر رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اُس

شخص نے سڑھے سات روپے لیکر حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا۔ ذیل سے ذیل چوروں کے سامنے بھی گورنٹ بعض دفعہ پانچ پانچ دس دس ہزار روپے پیش کرتی ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو پکڑو اور دیکھو وہ نہیں پکڑواتے مگر اُس نے سڑھے سات روپے لے کر اپنے دہبر کو پکڑوا دیا۔ تو حقیقت صرف مذہب کا لبادہ اڑھ لینا اور مذہب کے نام پر خوش ہو جانا انسان کے کسی کام نہیں آ سکتا جس طرح غلبوت کا گھر بظاہر گھر ہی کہلاتا ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں گھر کی خصوصیات بھی موجود ہیں اسی طرح صرف پیسے مذہب میں شامل ہونا انسان کی نجات کا باعث نہیں بن سکتا نجات کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے کامل انقطاع کر کے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اسی سے اپنا تعلق قائم رکھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ بیت الغلبوت میں اپنا سر جھپاتا ہے۔

درحقیقت اگر سوچا جائے تو مذہب جس پر دنیا کا اکثر حقہ فریفتہ ہے وہ اپنے اندر ایک ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور بندہ کے درمیان تعلق پیدا کیا جائے۔ دنیا میں کئی قسم کی نیکیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر مذہب نہ بھی ہو تو یہی لوگ وہ کام کرتے ہیں اور دوسروں کو رواتے ہیں۔ مثلاً ماں باپ سے محبت کرنا۔ ایک دہریہ بھی اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے۔ ایک فلسفی بھی اپنے ماں باپ سے محبت رکھتا ہے۔ ایک حریص اور لالچی انسان جو دوسروں کا مال لوٹ کر اپنا گھر بھرتا چلتا ہے وہ بھی جب ماں باپ کے سامنے آتا ہے تو اُس کی آنکھیں میں محبت کی جھلک آ جاتی ہے۔ ایک ڈاکو اور قاتل انسان بھی ماں باپ سے محبت کرتا ہے اور بسا اوقات وہ قاتل اور ڈاکو بنتا ہی اس لئے ہے کہ کسی نے اُس کے

ماں باپ، بہن بھائی یا کسی اور رشتہ دار پر ظلم کیا ہوتا ہے اور وہ اس کا بدلہ لینے کے لئے ڈاکو بن جاتا ہے۔ اور مذہب بھی یہی کہتا ہے کہ ماں باپ سے محبت کا سلوک کرو اور اُن کا احترام کرو۔ پھر مذہب کہتا ہے بیوی سے محبت کرو۔ اور اس کا احترام کرو۔ مذہب کہتا ہے عورت اپنے خاوند سے محبت کرے اور اُس کا احترام کرے۔ لیکن اگر مذہب نہ بھی ہو تو بھی لوگ اپنی بیویوں سے محبت کریں گے۔ اگر مذہب نہ بھی ہو تو بھی عزیز اپنے خاوند سے محبت کریں گے اور اُن کا احترام کریں گے۔ پھر مذہب کہتا ہے جھوٹ نہ بولو۔ اب اس کے لئے کسی مذہب کی ضرورت نہیں جن توہوں میں کوئی مذہب نہیں پایا جاتا مثلاً پرانے حبشی قبائل میں جو خدا اور اس کے رسول اور کتاب پر ایمان نہیں رکھتے انہیں دیکھو وہ بھی شریف انسان کی یہی تعریف کریں گے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ حالانکہ وہ کسی مذہب کے منبع نہیں۔ اُن کا رسول اور کتاب پر ایمان نہیں ہوتا۔ لیکن شرافت کے ساتھ سچ کا تعلق وہ بھی مانتے ہیں۔ پھر چوری کے ساتھ بھی مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ مذہب بے شک یہ کہتا ہے کہ چوری نہ کرو لیکن جہاں مذہب نہیں وہاں بھی شرافت یہ کہتی ہے کہ چوری کرنا بُرا ہے۔ پھر لٹی بھگڑا دنگا فساد۔ غیبت اور دوسرے بغض بولکینہ رکھنا ہے۔ مذہب اُن سے منع کرتا ہے لیکن اگر مذہب نہ بھی ہو تو بھی ایک شریف انسان ان براہوں کا جواب کرے گا۔ پس یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ جہاں مذہب نہیں وہاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور جہاں مذہب ہے وہاں بھی یہ سب موجود ہیں۔ اگر کوئی چیز ایسی ہے کہ جہاں مذہب ہے وہاں تو وہ موجود ہے لیکن جہاں مذہب نہیں وہاں وہ موجود نہیں۔ تو وہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا خیال ہے۔ اگر مذہب نہیں تو انسان خدا تعالیٰ سے تعلق

پیدا کرنے کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ کہیگا مجھے خدا تعالیٰ سے
تعلق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے یا وہ میرے خدا تعالیٰ
کا ہی انکار کر دے گا لیکن ایک مذہب کا پابند انسان
خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا محتاج ہوتا ہے ہر مذہب
کا ماننے والا کہیگا کہ مجھے خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے
کی ضرورت ہے۔ لیکن اس اختیار کی شان کو کس حد تک
اختیار کیا جاتا ہے۔ کہنے کو تو ہر مذہب والا یہی کہتا
ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی ضرورت ہے
لیکن کتنے لوگ ہیں جن میں تعلق باللہ پیدا کرنے کا احساس
اس شدت سے پایا جاتا ہے جس شدت سے پایا جانا
چاہیے۔ سو میں سے ننانوے نہیں ہزار میں سے
نوسو ننانوے نہیں بلکہ ایک لاکھ میں سے ننانوے ہزار
نوسو ننانوے اور شاید اس سے بھی کم وہ لوگ نکلیں گے
جن میں مذہب کا خیال تو ہے لیکن خدا تعالیٰ کی محبت
نہیں اور صرف یہی نہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ سے محبت
نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کا خیال بھی ان
میں نہیں پایا جاتا۔ ایسی صورت میں کون خیال کر سکتا
ہے کہ انہوں نے مجھے دل سے کسی مذہب کو اختیار کیا
ہوا ہے۔ تم اگر عرق گاؤ زبان کی بوتل پر رُوح کیوڑہ
لکھ دو تو کیا وہ رُوح کیوڑہ بن جائیگا؟ پانی پر اگر
رُوح گلاب مکھ لیا جائے تو اس سے کیا خُشاہے جب
اندر رُوح گلاب نہ ہو۔ یہ تو دھوکا ہوگا۔ دھوکہ باز
عطّار اسی طرح کرتے ہیں۔ علاقہ میں دباؤ شروع ہوتی
ہے مثلاً طبریا شروع ہوتا ہے اور حکیم مکھنا شروع
کر دیتے ہیں کہ مرین کو عرق کو اور عرق گاؤ زبان پلاؤ
تو ایک دیانت دار عطّار بعض دفعہ کہہ دیگا کہ میرے
پاس عرق کو اور عرق گاؤ زبان تیار نہیں۔ لیکن بردیانت
عطّار کہیگا۔ میرے پاس دونوں چیزیں موجود ہیں۔ وہ
پانی لیگا بوتل میں میرے گاؤ اور کہیگا۔ یہ عرق کو ہے

یہ عرق کا سخی ہے۔ یہ عرق گلاب ہے۔ تم جو عرق
بھی مانگو گے۔ اس کے پاس موجود ہوگا۔ اسی طرح
تم کوئی نام رکھ لو۔ تم مٹی کا نام سونا رکھو تو تم مٹی
سونا نہیں بنے گی۔ تم دنیا داری کا نام مذہب رکھ لیتے
ہو تو تمہیں مذہب کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ مذہب اُمرت، نگہی
فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ تعلق باللہ پیدا نہ ہو۔ اور اگر تعلق باللہ
کے بغیر کوئی شخص کسی مذہب کو اختیار کر کے یہ سمجھتا ہے کہ
محفوظ ہو گیا ہے تو ایسا ہی نادان ہے جیسے کڑی
کے گھر کو گھر سمجھنے والا۔

سفر فرمایا۔ رَأَى اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ وَن
دُؤِبِهِ مِنْ قَتْلَىٰ ۖ۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن ہستیوں
پر یہ لوگ انحصار رکھتے ہیں۔ ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ
خوب جانتا ہے یہ لوگ تو فانی اور مکروہ انسانوں کو
اپنی پناہ گاہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ پتھر کے بے جا
توں کے آگے اپنے سر جھکا دیتے ہیں اور بعض دفعہ
مردوں کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان سے دعاؤں کرتے
اور انہیں اپنی مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ
جانتا ہے کہ ان ہستیوں کی کیا حقیقت ہے۔ بڑے سے
بڑا زبردست بادشاہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک
پتھر کے پر جتنی حقیقت بھی نہیں رکھتا۔ چلتے چلتے
اگر کسی کا اڑٹ خیل ہو جائے تو خواہ دنیا کا بڑے
سے بڑا بادشاہ بھی اس کا دوست ہو۔ دنیا کی ساری
دولت خزع کرنے کے باوجود اسے زندہ نہیں کر سکتا۔
کسی پر بجلی اگر سے یا وہ دنیا میں عرق ہو جائے یا آگ
میں جل جائے یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں ہلاک ہو جا
یا ریل اور موٹر کی ٹکر کے نتیجہ میں مر جائے تو کون ہے
جو اسے بچا سکے۔ دنیا کے ڈاکٹر امراض کے علاج میں
بڑی بھاری مہارت رکھتے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ کی
طرف سے موت کا پیغام آ جاتا ہے تو بڑے بڑے ڈاکٹر

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ

اللہ (تعالیٰ) نے آسمانوں اور زمین کو خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔

فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۹﴾

اس میں مومنوں کے لئے ایک بڑا نشان ہے۔ ۲۹

ع ۱۶

بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی خشیت پائی جاتی ہے۔ اور جن کے متعلق قرآن حکیم نے ایک دوسری جگہ مرحمت فرمادی ہے کہ اَللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورہ ناطر آیت ۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی صفات کو سمجھتے ہیں۔

۲۹ تفسیر:- اب اللہ تعالیٰ اپنے عزیز اور حکیم ہونے کے ثبوت میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر ٹہری ٹہری طاقتور توہوں اور حکومتوں کی تباہی دیکھ کر بھی تمہیں خدا تعالیٰ کے عزیز اور حکیم ہونے کا ثبوت نظر نہیں آتا تو تم آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرو۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ایک نہایت پختہ اور اعلیٰ قانون کے ماتحت بنایا ہے۔ یعنی ان میں ایسے قوانین جاری کئے ہیں جن کو کوئی شخص بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایک دہریہ اپنی زبان سے خدا تعالیٰ کا انکار تو کر سکتا ہے لیکن وہ خدا کے عزیز کے قانون کو بدل کر قانون سے ہونے اور زبان سے سننے کا کام نہیں لے سکتا۔ ایسی طرح اگر وہ چاہے کہ آگ انسانی جسم کو نہ جلانے یا ٹھنڈا پانی اس کے جسم کو ٹھنڈا نہ کرے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ یا اگر وہ سورج اور چاند اور ستاروں کے افعال میں کوئی تغیر پیدا کرنا چاہے۔ تو

مُتَذَكِّرٌ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اور انسانی رُوح نفسِ غصہری سے پرواز کر جاتی ہے۔ پھر ایسی بے حقیقت پناہ گاہوں پر انحصار رکھتا اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دھروں کی طرف اپنی مدد کے لئے ہاتھ پھیلا نا کتنی بڑی نادانی ہے۔ پھر ذِھو الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ فَرَاكَ اس طرف اشارہ کیا کہ انسان کو کامیابی اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب وہ ایک غالبی سے متعلق رکھے جسے کسی نے کہا ہے "يَا غَالِبُ ثَوَّ كَمَا غَالِبُ ثَوَّ"

اور غالب ہستی سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ مگر محض غلبہ کے نتیجہ میں چونکہ یہ ڈر بھی ہو سکتا ہے کہ دیکھ لوگ! انصافی کا شکار نہ ہو جائیں اس لئے خدا تعالیٰ صرف عزیز ہی نہیں بلکہ وہ حکیم بھی ہے یعنی اُسکے تمام کام اور تمام حکم حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان میں کسی ظلم یا حق تلفی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ پس انسان کی سلامتی کی یہی راہ ہے کہ وہ عنکبوت کی سی خیالی پناہ گاہوں کو چھوڑ کر عزیز اور حکیم خدا سے اپنا تعلق پیدا کرے۔

آخِرِمْ ذَٰ مَا يَخْلُقُهَا اِنَّ الْعِلْمُوتُ کہہ کر بتایا کہ ہم نے قادیوں اور فرعون اور ہامان وغیرہ کے واقعات تو بیان کر دیئے ہیں۔ مگر ان سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھائیں گے جو اپنے اندر خدا تعالیٰ کی خشیت کا مادہ رکھیں گے باقی لوگ فرعون اور ہامان وغیرہ کے نقش قدم پر انبیاء کا انکار کرتے چلے جائیں گے۔

اس جگہ عالمِ بحر سے دنیوی علوم کے ماہر مراد نہیں

گئی ہے کہ جس طرح زمین آسمانوں کے بغیر اپنی طاقت اور قابلیت کا اظہار نہیں کر سکتی، اسی طرح جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں آسمانی ہدایت کی ضرورت نہیں صرف اپنی عقل اور صلاح سے کام لیکر وہ ترقی کر سکتے ہیں وہ بھی اپنی تباہی کا اپنے ہاتھوں سلمان کرتے ہیں کیونکہ زمین اسی صورت میں کام کے قابل ہو سکتی ہے جب اس پر آسمان ہو۔ اسی طرح کوئی عقل انسانی رہائشی کے لئے کافی نہیں جب تک آسمان سے الہام کا پانی نازل نہ ہو۔ اگر وہ آسمان روحانی قطع تعلق کر لیں گے تو ایک مردہ زمین کی طرح ہر قسم کے منافع سے محروم ہو جائیں گے۔

اِنَّ بِنِيْ ذٰلِكَ نَذِيْرَةً لِّمُؤْمِنِيْنَ کہہ کر بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں بڑا بھاری نشان تو ہے مگر اس سے فائدہ صرف مومن اٹھاتے ہیں دوسرے لوگ اتنا نشان دیکھنے کے باوجود کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے حالانکہ انسان اگر سوچے تو ہمدردی یہ زمین عالم شمس کے مقابلہ میں بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک بوسے باغ میں کوئی مالٹا دکھا ہوا ہو۔ مثلاً شاہ مار باغ میں کوئی مالٹا یا بیر پڑا ہو تو اس بیر یا مالٹے کی جو حیثیت شاہ مار کے مقابلہ میں ہے اس زمین کی عالم شمس کے سامنے اتنی حیثیت بھی نہیں۔ پھر عالم شمس یعنی سورج کے ساتھ جو سیارے وغیرہ ہیں ان کی حیثیت قطب ستارے کے مقابلہ میں اتنی بھی نہیں جتنی ایک بیر کی حیثیت باغ کے مقابلہ میں۔ یا ایک کھسی کی حیثیت شہر کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ پھر قطب ستارے کے ساتھ جو دنیا ہے اس کی حیثیت معلومہ دنیا کے مقابلہ میں اتنی بھی نہیں جتنی ایک کھسی کی شہر کے مقابلہ میں۔ اگر انسان اس کا اندازہ لگانا شروع کر دے کہ عالم خلق کے مقابلہ میں کھسی کی کیا

نہیں کر سکتا۔ وہ اگر تیز مریخ استعمال کرے گا تو خدائے عزیز کا قانون اُسے ہمیشہ کی صورت میں اُس کے اس جرم کی مزدور سزا دے گا اور اگر وہ اُسے تعد کرنا چاہے گا تو پھر بھی اُسے خدا تعالیٰ کے ایک دوسرے قانون کی طرف جانا پڑے گا یعنی ایسی اشیاء استعمال کرنی پڑیں گی جو ان مریحوں کے اثر کو باطل کر دیں بہر حال خدا تعالیٰ کا قانون اُس پر غالب ہے اور پھر آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے خدا تعالیٰ کا حکیم ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ دنیا کے تمام علوم کی بنیادیں اشیاء کے تبدیل خواص اور قدرت کے اہل قوانین پر ہیں۔ اگر آگ کبھی جلاتی اور کبھی نہ جلاتی یا پانی کبھی پیاس بجھاتا اور کبھی آگ لگا دیتا تو سب کچھ ترقی نہ کر سکتی۔ پس جہاں انبیاء کے مخلصین کی تباہی خدا تعالیٰ کے غالب اور حکیم ہونے کا ثبوت ہے۔ وہاں زمین و آسمان کا اہل قوانین پر مبنی ہونا بھی بتا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی سب پر غالب ہے۔

پھر زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اتنے بڑے کا رہنا پر غور کر کے تم سمجھ سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیفائدہ پیدا نہیں کیا۔ اگر یہ تمام نظام صرف اسلئے ہوتا کہ انسان اس پر چند دن زندگی گزارے اور پھر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے تو یقیناً یہ تمام کام عبث ٹھہرتا پس آسمان اور زمین کی پیدائش خود اپنی ذات میں اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان ایک بہت بڑے مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور موت صرف جسم اور روح کے جدا ہو جانے کا نام ہے ورنہ زندگی غیر محدود ہے۔ اور ہر انسان اپنے اعمال کے مطابق اُندہ ترقی یا تزلزل کے راستہ پر چلنے والا ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر کر کے دشمنانِ انبیاء کو اس طرف بھی توجہ دلائی

اَتْلُ مَا اُوْحِيَ الْيَتِّ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

اس کتاب (یعنی قرآن) میں سے جو کچھ تیری طرف وحی کیا جاتا ہے اُسے پڑھنا اور لوگوں کو پڑھ کر سنانا اور نماز کو اُسکی سب

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذٰکِرُ

شرائع کے ساتھ اور اگر یقیناً نماز سب بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی

اللّٰهُ الْکَبْرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۳۹

یاد یقیناً (اور سب کاموں سے) بُری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ ۳۹

اپنے سامنے کسی دوسرے کو سمجھتے ہی کچھ نہیں اور یا وہ دوچار سو روپیہ پانے والے ایک ڈاکٹر کے سامنے تریپ مہے ہوتے ہیں۔ وہ ڈاکٹر جس کے دل میں اُنکی تندستی کے دنوں میں اگر انہیں ملنے کی خواہش ہو تو وہ انہیں مل بھی نہ سکے وہ بیماری میں اُس کے آئے سرہ جھکتے ہیں۔ پس انسان کو سوچنا چاہیے کہ آخر اس کی پیدائش کی کیا غرض ہے۔ اُس کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی غرض تو ہوگی۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کوئی چیز بے فائدہ اور عبث پیدا نہیں کی اور جب کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں تو ہر انسان کو اپنی پیدائش کے مقصد پر غور کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے کس لئے پیدا کیا ہے؟ اور اگر وہ اس بات پر غور نہیں کرتا تو وہ یقیناً اپنی زندگی کو ضائع کرتا ہے۔

۳۹ تفسیر :- فرماتا ہے چونکہ مومنوں کے لئے آسمان اور زمین کی پیدائش میں ایک بہت بڑا نشان ہے مگر کافر اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لئے اب یہی علاج باقی ہے کہ تو قرآن کریم لوگوں کو سنانا رہ تاکہ اُس کی مدد سے لوگ حقیقت کو سمجھیں اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی طرف

حقیقت اور ہر سوچے کے عالم خلق کے مقابل میں انسان جو اپنے رب پرستی کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ وہ اس کے مقابل میں ایک نور پرستی کے درجے کے ادبوں محبتوں کی ان کے ادبوں محبت کی حیثیت رکھتا ہے اس انسان کو پیدا کرنے کا خیال خدا تعالیٰ کو کیوں آیا۔ تو یقیناً اُسے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا خیال آ سکتا ہے اللہ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی حیثیت کتنی کمزور ہے اور اُس کا غرور کتنا اصغافہ ہے۔ وہ انسان جو کہتا ہے کہ تم ماروں تو تمہارے دانت نکال دوں۔ فرشتوں کے نزدیک اس کی حیثیت ایک چوٹی کے پنچے کی طرح ہے جس طرح چوٹی کا اگر اُسے زبان مل جائے، کہے کہ میں لات مار کر امریکہ کو اڑا دوں تو تمہیں کتنی ہنسی آئیگی۔ اسی طرح جب انسان کہتا ہے کہ میں تمکا مار کر تمہارے دانت نکال دوں گا تو فرشتوں کے نزدیک اس کی حیثیت چوٹی کے پنچے کی سی بلکہ اُس سے بھی کم ہوتی ہے۔ گویا عالم مخلوق کے مقابل میں انسان کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ وہی بادشاہ جن کے اعلانوں سے دنیا میں گھلبلی مچ جاتی ہے اُن کے جسم میں ایک باریک خوردبینی کیڑا دق۔ بیل یا بیضہ کا چلا جاتا ہے تو وہ ٹوٹنے لگ جاتے ہیں اور ایک معمولی ڈاکٹر کے سامنے چلائے میں کہ ڈاکٹر صاحب خدا کیلئے سیرا علاج کریں۔ مجھے سخت تکلیف ہے۔ یا تو وہ

توجہ پیدا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا تمام دار و مدار قرآن کریم پر ہی ہے اور ان کے منزل کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے۔ نہ وہ خود قرآن کریم پر عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو قرآن کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کی زندگی کا دار و مدار ہی قرآن کریم پر ہے۔ یہ ایک روحانی غذا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تیار کی ہے۔ لیکن جس طرح غذا کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ مثلاً آٹے سے کبھی پراٹھے تیار کئے جاتے ہیں کبھی بھیکے اور کبھی خور کی روٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی غذا بھی کئی شکلوں میں تبدیل ہو گئی ہے کہیں یہ غذا نماز کی شکل اختیار کر گئی ہے کہیں روزہ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ کہیں حج کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ کہیں زکوٰۃ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ کہیں بے پراکھا بن گئی ہے کہیں بخیری بن گئی ہے۔ کہیں گنگھے بن گئی ہے۔ مگر ہے وہی چیز لیکن ان چیزوں کا اثر بن حانا کافی نہیں جب تک ہم انہیں جیسا نہیں۔ انہیں نگلیں نہیں۔ جب تک یہ غذا معدہ اور انتڑیوں کے درمے نہ نکلے اس سے فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا اسی لئے میں نے ذہنی جگالی کی ایک اصطلاح بنائی ہوئی ہے۔ یعنی بغیر ذہنی جگالی کے روحانی غذا ہمضم نہیں ہوتی۔ ایک جانور معدہ سے چارہ نکالتا ہے اور پھر اُسے جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کے معدہ میں اتنا سا انہیں ہوتا کہ وہ چارہ کو ہمضم کرے۔ اور چونکہ معدہ اُس غذا کو ہمضم نہیں کرتا اس لئے وہ پہلے جلدی جلدی چارہ کھا لیتا ہے اور جب کھڑی پر ہٹھکتا ہے تو وہ جگالی کرتا ہے۔ چونکہ ایک جانور چوبیس گھنٹہ تک خوراک جنگل میں نہیں کھا سکتا۔ اس لئے وہ جلدی جلدی خوراک کھاتا جاتا ہے لیکن جب کھڑی پڑتا ہے تو پہلے ایک نعمہ نکالتا ہے اور جگالی کرتا ہے اور اُسے خوب جاتا ہے

پھر ایک اور نعمہ نکالتا ہے اور اُسے جاتا ہے۔ پھر ایک اور نعمہ نکالتا ہے اور اُسے جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی جگالی کی کیفیت ہوتی ہے۔ جو شخص قرآن کریم پڑھ لیتا ہے یا اس کی تلاوت کر لیتا ہے قرآن کریم اُسے ہمضم نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ایک جانور گھاس کھا لیتا ہے یا انسان کوئی نعمہ منہ میں ڈال لیتا ہے۔ لیکن اگر تم نقشے نکلے جاؤ اور انہیں چاڑھ نہیں تو تمہاری انتڑیوں میں سوزش پیدا ہو جائیگی۔ دست آنے لگ جائیں گے یا تھے آجائیں گے اور روٹی باہر نکل آئے گی۔ یہی حال روحانی غذا کا ہے۔ جو لوگ جگالی نہیں کرتے۔ وہ اس غذا سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے یہودیوں کی مثال اس گدھے سے دی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ جو لوگ ذہنی جگالی نہیں کرتے وہ کتاب تو پڑھ لیتے ہیں لیکن اُس پر خود دفسر نہیں کرتے اور اس وجہ سے اُس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ قرآن کریم سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اُسے ان مراتب میں سے گذار جائے جس سے اُس کے مضامین ہمضم ہو جائیں۔ جب تک اُسے ان مراتب میں گذار نہیں جائیگا وہ ہمضم نہیں ہوگا۔ پس قرآن کریم پڑھنے کے بعد سوچنے کی عادت ڈالو۔ اور سوچنے کے بعد اس پر عمل کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم ایک زندہ اور فعال تو تم نظر آنے لگ جاؤ گے اور دنیا تمہیں دیکھ کر حیران رہ جائیگی۔ لوہے کو دیکھ لو۔ یورپ اس سے انجن بناتا ہے لیکن ہمارے ملک میں اس سے محض ہتھوڑے وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ قینچیاں بنالیتے ہیں۔ پڑانے زمانہ میں عورتیں میر میر سونا کانوں میں ڈال لیتی تھیں۔ اُن کے کان ٹٹک جاتے تھے۔ اُن میں بڑے بڑے سوراخ ہو جاتے تھے اور وہ سمجھتی تھیں ہم بڑی مالدار ہیں۔ لیکن اُسی سونے سے یورپ کے ممالک نے

پڑھا ہوا ہوں اور کس نصاب کو میں نے پاس کیا ہے۔ سوچنے کوئی سکول کا نصاب پاس نہیں کیا۔ میں نے اسی کتاب سے تعلیم حاصل کی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اور آپ نے اپنے متبعین کو دی اور وہ قرآن کریم ہے۔ اب آپ فیصلہ کر لیں کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نوذ بائند) ہر قسم کے علوم سے ناواقف تھے یا عالم؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سادی دنیا کو آپ نے عالم بنادیا۔ بے شک جو درجہ رسول الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ بہت بلند ہے۔ مگر ہم دونوں ایک ہی کتاب پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ میرا جواب پر وہ خاموش ہو گیا۔

غرض لوگوں کے نزدیک جب تک کسی نے مسلم شمس باذعہ۔ شروح کاغذہ۔ شروح شافیہ اور ہدایہ وغیرہ کتب نہ پڑھی ہوں وہ عالم نہیں کہلا سکتا حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہ سلفی تھی نہ فلسفہ صرف قرآن ہی قرآن تھا۔ یقین لوگ چاہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہٹ کر بندوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ میں فلاں کتاب پڑھا ہوں جو مصنفہ خدا تعالیٰ ہے تو یہ بات انہیں تسلی نہیں دیتی۔ انہیں یہ بات تسلی دیتی ہے کہ کسی نے وہ کتاب جو مصنفہ میضادی ہے پڑھی ہو مصنفہ خدا تعالیٰ ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ تمام علوم کا سرچشمہ صرف قرآن کریم ہی ہے۔

پھر اُٹھ کر اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کریم کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں دلائی بلکہ اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ تم قرآن کریم کی تعلیم دنیا کے تمام غیر ذہاب کے سامنے پیش کرو اور انہیں بھی اسلام میں شامل کرنے کی کوشش کرو۔ گویا تبلیغ میں دوسری چیزوں پر زیادہ زور نہ دو۔ بلکہ

بعض اشیاء تیار کیں۔ اور ان کے ذریعے دوسرے مالک سے کئی گنا زیادہ مال لے آئے۔ پس کسی چیز کا موجود ہونا کافی نہیں۔ تم اس بات پر فخر نہ کرو کہ تمہارے پاس قرآن کریم موجود ہے۔ اگر تمہارے پاس قرآن کریم موجود ہے تو سوال یہ ہے کہ تم نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا؟ اگر تم قرآن کریم پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہو تو تم سے پڑھ کر خوشی محبت اور کوئی نہیں۔ اور اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو تم سے پڑھ کر بدتمت بھی اور کوئی نہیں۔ کیونکہ تمہاری جیبوں میں سونا بھرا ہے مگر تم اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

میرے پاس ایک دفعہ دیوبند کے دو طالب علم آئے۔ انہوں نے کہیں سے یہ سسٹن لیا تھا کہ میں نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ میرے پاس کچھ اور دوست بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں طالب علم بھی آکر بیٹھ گئے۔ اور ان میں سے ایک جو زیادہ تیز معلوم ہوتا تھا اس نے کہا۔ آپ کہاں تک پڑھے ہوئے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ گستاخ ہے۔ میں نے کہا میں نے کچھ نہیں پڑھا۔ اس نے کہا۔ پھر بھی آپ کس مدرسے میں پڑھے ہیں۔ میں نے کہا۔ اگر میں پڑھا ہوتا تو میں پہلے ہی بتا دیتا۔ وہ کہنے لگا۔ کیا آپ ہندوستان یا پنجاب کے کسی سکول کے فارغ التحصیل نہیں ہیں؟ میں نے کہا کہ میں نے ایک دفعہ واضح کر دیا ہے کہ جس چیز کو آپ پڑھائی خیال کرتے ہیں۔ وہ میں نے کہیں سے بھی حاصل نہیں کی۔ جس وقت میں نے یہ کہا تو اس کے دوسرے ساتھی نے جو ذرا ہوشیار معلوم ہوتا تھا اس کے گھٹنے کو چھو کر چُپ کرانے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ وہ جوش میں تھا چُپ نہ ہوا۔ اس نے کہا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ بالکل آٹ پڑھ ہیں۔ میں نے کہا۔ آپ کی گفتگو کی بنیاد اس بات پر تھی کہ میں کس مدرسے میں

قرآن کریم کے ذریعہ سے ہی تبلیغ کیا کرو۔ یہ حکم بھی ایسا ہے جس کی طرف سے مسلمانوں نے اپنی توجہ کو کلیتہً ہٹا رکھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-
 وَتُكَلِّمُنَّ مَنكُم مَّا تَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ۚ
 يَا مُؤْمِنُونَ يَا لَمَعَةُ دِفِّ وَيَسْجُودُونَ عَيْنَ الْمُتَنَكِّرِ
 یعنی تم میں سے ہمیشہ ایک ایسی امت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور انہیں نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے۔ اور امت کے معنی ایک ایسی جماعت کے ہیں جو اپنے اللہ نظم رکھتی ہو اور وہ کسی مرکزی نقطہ کے گرد چکر کھا رہی ہو۔ پس اس آیت میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو مقصد تبلیغ کو بیکر کھڑے ہوں اور ان کا عمر بھر ہی کام ہو کہ وہ ایک نظام کے ماتحت رہیں اور اسلام پھیلائیں۔

اسلام کی گذشتہ تاریخ میں جہاں مسلمانوں سے بعض بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں وہاں ایک اہم غلطی ان سے یہ بھی ہوئی کہ تبلیغ کو انفرادی فرض سمجھ لیا گیا۔ بیشک مسلمانوں میں مبلغ رہے بلکہ گذشتہ صدیاں تو انک رہیں قریب کے زمانہ تک بھی مسلمانوں میں مبلغ رہے۔ لیکن اجتماعی رنگ میں تبلیغ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہی قریباً مفقود ہو گئی کیونکہ خلفاء ان جنگوں میں جو عیسائیوں اور زرتشتیوں کے خلاف لڑ رہے تھے اسقدر الجھ گئے کہ اس وقت جہاد اور تبلیغ دونوں کو ایک سمجھ لیا گیا اور خلفاء کے بعد مسلمانوں پر جو بدظاری ہو گئی اور اسلام کی اشاعت بند ہو گئی۔ وہ دنیوی شان و شوکت اور ترقیات کو ہی اپنا منتہا مقصود سمجھ بیٹھے اور انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑ کر دوسرے علوم کو اختیار کر لیا اور تبلیغ کے جوش اور اس کے نتائج سے محروم رہ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی

غالب آگئے جو تبلیغ میں لگے ہوئے تھے اور مسلمان کمزور ہو گئے جو جہاد کے خیال میں پڑے رہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر بھی فرماتا ہے کہ ذ
 جَاهِدْهُمْ بِمَا جَہَادُ الْکِبَرَا۔ یعنی اے مسلمانو! تم اس قرآن کے ذریعہ دشمنوں سے جہاد کرو کہ یہی جہاد کبیر ہے۔ پس بڑا جہاد وہی ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ سے کیا جائے اور تبلیغ اسلام پر زور دیا جائے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں قرآن کریم کو پیش کر کے اسلام کی فضیلت اور اس کی برتری ثابت کی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو توجہ دلائی ہے کہ تم قرآن کریم ہاتھ میں لو اور دنیا میں نکل جاؤ۔ اور خود بھی قرآن پڑھو اور اس پر عمل کرو اور دوسروں کو بھی قرآن سننا دہ ان سے عمل کرواؤ اور پھر جو لوگ اسلام کی خوبیوں سے روشناس نہیں ان کو بھی قرآن کریم کے ذریعہ اسلامی انوار اور برکات سے آگاہ کرو اور انکوش کرو کہ دنیا میں ہر جگہ قرآن کی حکومت ہو اسلام کی حکومت ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہو۔

میں سمجھتا ہوں مسلمانوں کے لئے یہ بھی ایک بہت بڑا امتحان تھا کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھے کہ وہ اسے ہر جگہ پہنچاتے ہیں یا نہیں پہنچتے لیکن بد قسمتی سے خود مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا کفر ہے۔ گو یاد دہریوں میں انہوں نے یہ کہا کہ ہر جگہ قرآن کریم کا پہنچنا کفر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں سمجھ دی کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا کفر نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اور اگر قرآن کریم کا ترجمہ نہیں کیا جائیگا تو لوگ کس طرح سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ نے ان سے کیا کہا ہے۔ دنیا میں اس وقت تیرہ سو زبانیں بولی جاتی ہیں۔

دوسروں کی اصلاح اور ترقی کا موجب بھی بن جائیں گی۔
 اسی طرح نماز میں جو قرآن کریم کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور
 تسبیح و تحمید کی کثرت ہوتی ہے اس کا دل پر ایسا اثر ہوتا
 ہے کہ انسان گناہوں سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔
 غرض اَتْلُ مَا أُذِّنَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ کے
 معاً بعد اَقِمِ الصَّلَاةَ اور اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی
 عَنِ الْفَحْشَاوِ وَالْمُنْكَرِ کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ
 فرمایا کہ بغیر دعاؤں کے پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ تلاوت
 قرآن سے تم دنیا کے خیالات بے شک تبدیل کر سکتے ہو۔
 لیکن دنیا میں پاکیزگی بغیر فضل الہی کے نہیں ہو سکتی اور
 یہ فضل دعاؤں سے ہی حاصل ہو گا۔ پس نماز میں پڑھو
 اور دُعائیں مانگو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کیلئے
 تمہیں کھڑا کیا ہے اُس میں تمہیں کامیابی حاصل ہو۔ پس
 میں حضرت مسیحؑ نے بھی ایک مقام پر فرمایا ہے کہ
 "یہ جلس سبائے دُعا اور روزہ کے کسی
 اور طرح سے نکل نہیں سکتی۔"

(مقرن باب ۹ آیت ۲۹)

گر انجیل کی ایک اعلیم کے اچھا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ
 عیسائی مذہب اچھا ہے۔ کیونکہ اُس میں تو صرف ایک
 بات اچھی ہے اور قرآن میں ساری باتیں اچھی ہیں۔
 اصل بات یہ ہے کہ عبادت کی غرض اللہ تعالیٰ
 کے حضور اپنے جذبات شکر کا اظہار کرنا ہوتا ہے کیونکہ
 انسان فطرتاً اپنے محسن کا شکر ادا کرنے پر مجبور ہوتا
 ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ جَبَلَاتُ
 الْقُلُوبِ عَلَى حُبِّ مَنْ أَحْسَنَ إِلَيْهَا۔ انسانی دل
 کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرنے
 پر مجبور ہوتا ہے۔ پس نماز کی ایک بہت بڑی غرض تو
 یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے رب کے سامنے اُس کے
 احسانوں کا اپنی زبان سے اقرار کرتا رہے۔ مگر کئے ملاؤ

اور تیرہ سو زبانوں میں ہی قرآن کریم کا ترجمہ ہونا ضروری ہے
 کیونکہ قرآن کریم تمام انسانوں کے لئے نازل ہوا ہے اور
 دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں جسے قرآن کریم مخاطب نہیں
 کرتا۔ پس دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کی
 زبان میں ہم اس کا ترجمہ نہ کر دیں۔ تاکہ کوئی فرد یہ نہ
 کہہ سکے کہ اے اللہ! تو نے مجھے فلاں زبان بولنے والے
 لوگوں میں پیدا کیا تھا اور قرآن کریم تو عربی زبان میں ہے
 پھر میں قرآن کریم کس سے سیکھتا؟

وَ اَقِمِ الصَّلَاةَ قرآن کریم کے پڑھنے اور
 پڑھانے اور سننے اور سنانے اور قرآن کریم کے ذریعہ تمام
 دنیا کو ہدایت اور ماستی کی راہوں کی طرف بلانے کی
 نصیحت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف
 قرآن کریم سنانا بھی کافی نہیں۔ اس کے علاوہ اس امر
 کی بھی ضرورت ہے کہ تو خود اُن کے لئے نمونہ بنے اور
 اُن کے لئے دُعائیں کرتا رہے۔ پس تو نماز یا جماعت کو
 دنیا میں قائم کر اور نماز میں تمام مومنوں اور غیر مومنوں
 کے لئے دُعائیں کیا کر کہ اللہ تعالیٰ اُن کی آنکھیں کھولے
 اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاوِ وَالْمُنْكَرِ
 نماز یقیناً بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے لوگوں کو
 روکتی ہے۔ اُن بُری باتوں سے بھی جو انسان کی ذات
 سے تعلق رکھتی ہیں اور اُن سے بھی جو مومنوں پر
 گراں گزرتی ہیں۔ کیونکہ نماز یا جماعت مسلمانوں میں
 پانچ دقت کی مقرر ہے۔ مگر نماز یا جماعت اُن میں
 قائم ہو جائیگی تو اُن کا بہت سادقت خدا تعالیٰ کی عبادت
 میں لگ جائیگا۔ اور نماز میں خرچ ہونے والا وقت اُنکو
 بے حیا یوں اور بدکاروں سے بچاتا رہے گا۔ اسی طرح
 نماز میں جب دُعائیں ہوتی رہیں گی۔ اپنے لئے بھی اور
 دوسروں کے لئے بھی تو وہ دُعائیں خدا تعالیٰ کا فضل
 پہنچ کر اُن کی اپنی اصلاح کا بھی موجب ہونگی۔ اور

عبادت کی ایک اور بھی غرض ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے اور وہ گناہوں اور بدیوں سے پاک کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانی عبادتوں کا محتاج نہیں۔ بلکہ جس قدر احکام اُس نے انسان کو دیئے ہیں اُن میں اصل غرض اس کے دل کو پاک کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ ناپاک سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ پس تمام عبادات میں یہ مد نظر رکھا گیا ہے کہ اُن سے نفس انسانی بدیوں سے پاک ہو اور ان کے ذریعہ اُسے ایسی طاقت مل جائے کہ وہ مختلف قسم کی عبادتوں کو چھوڑنے کے قابل ہو جائے۔ اور ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اس کے تعلقات درست ہو جائیں اور دوسری طرف مخلوق الہی سے بھی اُس کے معاملات بالکل ٹھیک ہوں۔ چنانچہ اسلام نے مذہب کی تعریف یہی کی ہے کہ وہ بندہ خدا تعالیٰ سے تعلقات کو مضبوط کرنا ہو اور بندگی تعلقات کو قائم کرنا ہو۔ اور اگر کوئی مذہب ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کے پورا کرنے سے قاصر ہو تو وہ مذہب نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس سے مذہب کی مزدورت پوری نہیں ہوتی۔ پس جعفریہ عبادات مقرر کی جاتی ہیں انکی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ بندہ کو خدا تعالیٰ کے نزدیک کر دیا جائے اور اُن میں گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا کی جائے اور جو عبادت ان دونوں باتوں کے حصول کے ذرائع پیدا کرے وہی عبادت مفید سمجھی جاسکتی ہے۔

درمیان میں مشغول ہونا اپنے وقت کو ضائع کرنا حوالی بات ہوگی۔ قرآن کریم نے اس معنوں کو یوں ادا کیا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ مَاذَ بَدِیُوں اور گناہوں سے روکتی ہے۔ گویا نماز فہر مبودیت کا اقرار نہیں۔ بلکہ قلب انسانی کو چلا دینے والی شے بھی ہے اور اس کی مدد سے انسان بدیوں اور بدکرداریوں سے بچتا ہے اور اس کا وجود ہی نور انسان کیلئے مفید

ہو جاتا ہے۔ اب جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ نماز کی اصل غرض اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا اور نفس کی اصلاح کرنا ہے تو جس طریق عبادت سے یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہوں وہی عبادت سچی عبادت سمجھی جائیگی اور اسی عبادت کی طرف ہدایت کرنے والا مذہب سچا مذہب ہوگا۔ اسلام نے اپنے پیروں کے لئے جو طریق عبادت دکھا ہے اُس میں ان اغراض کو پورا کرنے کے لئے جو ذرائع استعمال کئے ہیں وہ اور کسی مذہب کے نہیں کئے۔ اور ہر ایک انسان معمولی غور سے کام لے کر بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہی ذرائع اس قابل ہیں کہ عبادت کی غرض کو پورا کر سکیں۔ اور ذرائع یہ ہیں۔

آدلی ۱۔ انسانی جسم اور دُور کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ جس طرح غم کی خبر سنکر جسم ایسا متاثر ہوتا ہے کہ اُس پر اودھنی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جسم کو جب کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو دُور بھی تنگیں ہو جاتی ہے۔ اور یہی حال خوشی کا ہے۔ پس قلب کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کا ایک یہ بھی طریق ہے کہ عبادت کے وقت جسم کو بھی کسی ایسی حالت میں رکھا جائے جس سے تزلزل پیدا ہو اور اُس کا اثر دُور پر پڑ کر دل میں بھی رقت اور نرمی پیدا ہو جائے۔ اور انسان خدا تعالیٰ کی طرف ایک جوش کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔ تزلزل کے اظہار کے لئے دنیا میں مختلف صورتوں کو اختیار کیا گیا ہے کسی ملک کے لوگ جھک جاتے ہیں۔ کسی ملک میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا تزلزل کا نشان قرار دیا گیا ہے۔ کسی ملک میں گھٹنوں کے بل گرنے کو کسی میں سجدہ کرنے کو۔ اسلام چونکہ خالقِ فطرت کی طرف سے ہے اُس نے تمام فہرتوں اور عادتوں کا خیال رکھتے ہوئے نمازیں

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف دعائیں قبولیت کا درجہ حاصل کر کے انسان کی ہڈیوں اور نیکیوں میں قرتی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ تیسری طرفی اسلام نے یہ بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طاقتوں کا احاطہ کیا جائے۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کا کامل علم انسان کو نہ ہو اس سے تعلق مکمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً جس انسان کو علم کی خوبی معلوم نہیں وہ اس کے حصول کی کوشش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جو شخص ذہر کے اثر سے ناواقف ہے وہ ذہر سے نہیں ڈر سکتا پس اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے اور بدیوں سے بچنے کے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ کی کامل معرفت ہو جس کے لئے اسلام نے نماز میں ایسی عبادتوں کا پڑھنا ضروری رکھا ہے جس سے انسان پر اللہ تعالیٰ کا پُر جلال اور قابلِ محبت ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہ بے اختیار اس کے حضور گر جاتا ہے۔ اور اس کا دل محبت اور خوف سے بھر جاتا ہے۔ کیونکہ جب اس کے سامنے ایک ہی وقت میں اللہ تعالیٰ کے احسانات پیش کئے جاتے ہیں اور نافرمانی اور قطع تعلق کے نتائج سے آگاہی کی جاتی ہے تو اس پر ایک ایسی انقلابی حالت طاری ہوتی ہے کہ وہ بے اختیار اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔ اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ادنیٰ درجہ کی نماز یہ ہے کہ تو یہ سمجھے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے اور اعلیٰ درجہ کی نماز یہ ہے کہ تو یہ سمجھے کہ تو اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نماز اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں نماز کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ عملی زندگی میں وہ انسان کو فحشاء اور منکر سے روکے۔ گویا اصل مقصود یہ ہوا کہ انسان فحشاء اور منکر سے روکے۔ اور

ان سب نشانات کو جمع کر دیا ہے۔ اور مختلف المذاق لوگ جس جس حالت میں بھی تذلّل کا اظہار کرتے ہیں نماز اُن کے مذاق کے مطابق ہے۔ اور ان مختلف اشکالِ تذلّل کے اثر سے انسانی قلب جو ش سے بھر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے۔ درحقیقت ایک قابلِ دید نظارہ ہوتا ہے جب ایک مسلمان اپنے رب العالمین خدا کے حضور کسی ہاتھ باز سے کھڑا ہوتا ہے کبھی جھک جاتا ہے۔ کبھی کھول کر کھڑا ہو جاتا ہے کبھی سجدہ میں گر جاتا ہے کبھی گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے اور اس کا دل اس محبت سے پُر ہوتا ہے جو ایک مخلوق کو خالق سے ہو سکتی ہے۔ اور وہ نابین حال سے آفرار کرتا ہے کہ دنیا کی مختلف اقوام جس جس طریق میں بھی اپنی عبودیت کا اظہار کرتی ہیں سب خدا میں تیرے سامنے مجموعی طور پر ان سب طریقوں سے اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں۔ یہ نظارہ نماز ادا کرنے والے کو ہی نہیں بلکہ اس کے دیکھنے والے کے دل کو بھی متاثر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے دو سوا اصل اسلام نے نماز کی غایت کو حاصل کرنے کا یہ تجویز کیا ہے کہ دُعا کو نماز کا مغز قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے اَلدُّعَاءُ مِغْزُ الْعِبَادَةِ دُعا نماز کا مغز ہے اور دُعا اپنے اندر ایک ایسا مقناطیسی اثر رکھتی ہے کہ ایک طرف تو بندے کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے اور دوسری طرف اس کے لئے ایسی آسائیاں ہم پہنچا دیتی ہے کہ جن سے وہ گناہوں سے محفوظ رہ سکے جب ہادی استدعاؤں اور استجابوں کو والدین اور حکام دنیا بھی قبول کرتے ہیں تو کیونکر خیال کیا جاسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ جو سب ہر باتوں کے زیادہ ہر بات ہے اپنے بندوں کی دعاؤں کو رد کر دے گا پس نماز کیا ہے؟ دعاؤں کا ایک مجموعہ ہے جس سے

مدحانی نماز سے نماز کی غرض یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے سامنے آجائے اور وہ یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اب یہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو یہ سمجھے کہ تو خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تجھے یہ مقام حاصل نہیں تو تو یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تو ہر انسان کو ہر حالت میں دیکھ رہا ہے۔ کیا اسلام کے رُوسے یہ کہنا جائز ہوگا کہ خدا فلاں کو دیکھ رہا ہے اور فلاں کو نہیں دیکھ رہا۔ یا خدا ایسا یوں کو نہیں دیکھ رہا۔ ہندوؤں کو نہیں دیکھ رہا۔ سکھوں کو نہیں دیکھ رہا۔ لیکن مسلمانوں کو دیکھ رہا ہے۔ یا ذیہ نماز نہ پڑھنے والے کو خدا نہیں دیکھ رہا اور بد نماز پڑھنے والے کو خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا تبھی خدا اُسے دیکھتا تو کئی لوگ جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتے اور سمجھتے کہ نہ ہم نماز پڑھیں گے اور نہ خدا ہمیں دیکھے گا۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ نماز کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ انسان یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نماز پڑھنے والے کو تو دیکھتا ہے اور جو نماز نہیں پڑھتا اُسے نہیں دیکھتا کیونکہ اس صورت میں کمزور لوگ نماز نہ پڑھنے کو اپنے لئے زیادہ برکت کا موجب سمجھتے اور وہ خیال کرتے کہ نہ ہم نماز پڑھیں گے اور نہ ہمیں خدا دیکھے گا۔ پھر اور معنی بھی اس کے لئے جا سکتے ہیں اور وہ یہ کہ فی الواقعہ تو خدا تعالیٰ انسان کو نہیں دیکھ رہا لیکن تم یہ سمجھو کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو یہ جموٹ بن جاتا ہے۔ اگر خدا ہمیں نہیں دیکھ رہا تو ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے تو ہم اپنے نفس کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور

ایک جموٹا تصور اپنے ذہن میں پیدا کرتے ہیں۔ پس یہ دونوں معنی نہیں لئے جا سکتے۔ نہ یہ معنی لئے جا سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہم کو عام طور پر نہیں دیکھتا لیکن جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں دیکھتا ہے۔ اور نہ یہ معنی لئے جا سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہم کو حقیقتاً نہیں دیکھ رہا لیکن ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے جب یہ دونوں معنی غلط ہیں تو لاگائیں اس کے کوئی آدھ معنی لینے پڑیں گے جو قرآن کریم کی تفسیر کے مطابق ہوں۔ اور اس معنی یہی ہیں کہ اس جگہ سمجھ لو کہ معنی یقین کر لینے کے ہیں۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تم سمجھ لو کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں یقینی طور پر اس بات کو محسوس کرنا چاہیئے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور یقینی علم اور محض خیال اور دہم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک آدمی صرف خیال کرتا ہے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ اور ایک آدمی اس یقین کا مل پر قائم ہوتا ہے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ بظاہر دونوں یہی سمجھتے ہیں کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے لیکن ایک کا تصور محض دہم پر مبنی ہوتا ہے جو جموٹ بھی ہو سکتا ہے اور دوسرا یقین کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ ایک کو بڑی آسانی کے ساتھ متزلزل کیا جا سکتا ہے اور دوسرا شخص جو اپنے اندر کامل یقین پیدا کئے ہوئے ہوتا ہے اُسے دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ گویہ واقعہ تو نہیں کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے مگر تم نماز پڑھتے وقت یہ تصور کر لیا کرو کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اس یقین کا مل پر قائم ہو جائے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ یہاں دیکھنے کے عام معنی تو

ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ کافر کو بھی دیکھ رہا ہے اور مومن کو بھی دیکھ رہا ہے عیسائی کو بھی دیکھ رہا ہے اور ہندو کو بھی دیکھ رہا ہے۔ نماز پڑھنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے اور نماز نہ پڑھنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ایک نماز پڑھنے والا بھی اگر یہ سمجھ لیتا ہے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے تو اس کے معنی یہی ہیں کہ اُسے یہ یقین کامل حاصل ہونا چاہیے کہ میری نماز اتنی درست ہے کہ اب میرے ساتھ کوئی شخص ایسا سلوک نہیں کر سکتا جسے خدا نظر انداز کر دے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اہل امان کو فرمایا کہ اِنِّیْ مُعِیْنٌ مِّنْ اَزَادٍ اِغَاثْتُکَ وَ اِنِّیْ مُجِیْنٌ مِّنْ اَزَادٍ اِهْلَاثْتُکَ کہ جو شخص تیری مدد کا ارادہ کر لگا میں اُس کی مدد کروں گا۔ اور جو شخص تیری اہانت کا ارادہ کر لگا میں اُس کی اہانت کروں گا۔ گویا اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی اللہ بدی دونوں کا رد عمل ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بندے سے نیکی کرنے والے کی نیکی کو مانع نہیں ہونے دیتا۔ اور نہ اپنے بندے کے ساتھ بُرائی کرنے والے کی بُرائی کو نظر انداز کرتا ہے۔ اگر کوئی اُس سے نیکی کرتا ہے تو وہ اس سے بڑھ کر اُس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے اور اگر کوئی اس کے ساتھ بدی کرتا ہے تو وہ اس سے بڑھ کر اُس کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے اور یہ ادنیٰ درجہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر مومن کو حاصل ہونا چاہیے۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے اعلیٰ درجہ کی طرف مومنوں کو توجہ دلاتے ہیں اور فرماتے ہیں اصل مقام یہ ہے کہ تو نماز پڑھتے وقت یہ سمجھے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں۔ یہاں بھی کَانَتَ تَوَاکُلُ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اب اس کے بھی یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تو فرض کر لے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں۔

ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ کافر کو بھی دیکھ رہا ہے اور مومن کو بھی دیکھ رہا ہے عیسائی کو بھی دیکھ رہا ہے اور ہندو کو بھی دیکھ رہا ہے۔ نماز پڑھنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے اور نماز نہ پڑھنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ایک نماز پڑھنے والا بھی اگر یہ سمجھ لیتا ہے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے تو اس میں اُسے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خدا جس طرح اُسے دیکھ رہا ہے اُسی طرح ایک کافر اور منافق کو بھی دیکھ رہا ہے خصوصیت اُسے تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب دیکھنے والے کے بھی اور معنے لے جائیں اور وہ معنی حفاظت اور مدد کرنے کیلئے اُس کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے کہ فَانْتَظِرْ یَا عِیْسٰی وَ هٰنَتِمْ یَحْمٰدُ زَیْنَابُ جٰئِیْنِ تَخُوْمُ دِیْمَازِ طُوْرٌ اِلٰی عِیْسٰی تُوْہِمٰدِی اُنْکھوں کے سامنے ہے۔ پس چاہیے کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ہمدانی تسبیح کیا کر۔ اب اُنکھوں کے سامنے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا تعالیٰ کی اُنکھوں کے سامنے تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن خدا تعالیٰ کی اُنکھوں کے سامنے نہیں تھا۔ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ تو ایسے مقام پہنچ گیا ہے کہ اب ہر تیرا خاص خیال رکھتے ہیں کوئی تجھ کو چھو نہیں سکتا۔ کوئی تجھ پر حملہ نہیں کر سکتا کوئی تجھے ذلیل اور دُعا نہیں کر سکتا۔ جیسے حفاظت کے لئے اگر کسی کی ڈیوٹی مقرر ہو تو وہ حملہ آور کو دیکھ کر چُپ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح ہمدانی تیرے ساتھ ایسا تعلق قائم ہو چکا ہے کہ اب ہم تجھ پر حملہ ہونے دیکھ کر چُپ نہیں رہ سکتے۔ دنیا میں بھی انسان جب کسی معاملہ میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتا

کیونکہ یہ جھوٹ بن جاتا ہے۔ اول تو جو چیز ہے ہی نہیں اس کے متعلق کسی نے سمجھنا ہی کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا مکروہ دل ہو جو اپنے دل پر بار بار اثر ڈالنے کی کوشش کرے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں تو اس کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے۔ پس کَافَکَ تَوَاضَعُ کے معنی تو نہیں ہو سکتے کہ تو یہ فرض کرنے کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ وہ حقیقت اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلا مقام حاصل ہو جانے کے بعد مومن ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نشانات کی حقیقت اس پر واضح ہو جاتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے سلوک اور اس کے رحم و کرم کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیتا ہے۔ پس نماز کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اسے یقین کامل ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جیسے ہندو کہتے ہیں کہ انسان عیلا کے وقت یہ سوچنا شروع کر دے کہ ایک بُت جو اس کے سامنے ہے وہ خدا ہے، اسی طرح وہ مسلمان بھی یہ سوچنا شروع کر دے۔ کیونکہ اسلام دھم نہیں سکھاتا۔ اسلام کوئی جھوٹا تصور انسانی ذہن میں پیدا نہیں کرتا۔ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تمہیں اس امر کی معرفت حاصل ہو کہ تم سے نیک سلوک کرنے والے سے خدا تعالیٰ نیک سلوک کرتا ہے اور تم سے بُرا سلوک کرنے والے سے خدا تعالیٰ بُرا سلوک کرتا ہے اگر تم کو بھی یہ نظر جائے اور تم کو بھی یہ محسوس ہونے لگ جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نیک سلوک کیا تھا اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے نیک سلوک کیا اور جس نے تمہارے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے بُرا سلوک کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری محبت الہی کا مل ہو جائیگی اور تمہاری نماز اپنی ذات میں مکمل ہو جائیگی۔ غرض اسلام واہمہ کی تعلیم نہیں دیتا۔ اسلام

ہیں یقین اور معرفت کے مقام پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنی نمازوں کو ایسی طرح سزا کر ادا کریں اور انہیں اتنا اچھا اور اعلیٰ درجہ کا بنائیں کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ ہم سے تعلق رکھتے کہ ہمارے ساتھ حسن سلوک کرنے والے سے وہ حسن سلوک کرے اور ہمارے ساتھ بُرا سلوک کرے جو اپنے سے وہ بُرا سلوک کرے اور دوسری طرف ہمارے اپنی آنکھیں اپنی روشن ہوں اور ہمارے دل میں اتنا نور بھرا ہو کہ ہم کو خدا بھی نظر آجائے کہ خدا تعالیٰ ہماری تائید میں اپنے نشانات ظاہر کرتا ہے۔ جب یہ مقام کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے روشن نشانات اس کی تائید میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور وہ اس یقین کے برابر ہو جاتا ہے کہ خدا اُسے منافع نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانات کو دیکھ رہا ہوتا ہے وہ اس کے حسن سلوک اور انعامات کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے اور وہ اس یقین پر مضبوطی سے قائم ہوتا ہے کہ دنیا اُسے چھوڑ دے مگر خدا اُسے نہیں چھوڑے گا۔ نادان اس کو نہیں سمجھ سکتا مگر وہ جس نے خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو وہ ایسی مضبوط چٹان پر قائم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے عزم کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

انہوں سے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو نماز نہیں پڑھتا اس نے نہیں کہ وہ نماز کا قائل نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمن اور رحیم ہے اگر ہم نماز نہیں پڑھیں گے تو وہ ہمیں بخش دے گا۔ آخر اس نے جتنا ہنگاموں کو ہی بخشنا ہے۔ اگر گناہ کرنے والے نہ ہوتے تو وہ بخش دیتا۔ یہ جواب غلط ہے یا صحیح اس کے متعلق

اب وہ زمانہ ہے کہ اگر مسجدہ کیا جائے یا رکوع کے لئے جھکا جائے تو پہلوؤں کی کیزیں بالکل خواب ہو جائیں۔ اس زمانہ میں اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو وہ یقیناً اس حکم میں ترمیم کرتے اور یقیناً یہی کہتے کہ بیچ پر بیٹھے بیٹھے اگر سر جھکا لیا جائے تو اتنا ہی کافی ہے رکوع اور مسجدہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح روزہ ہے۔ یہ روزہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو بہت کھا جاتے ہیں۔ عرب لوگ وحشی تھے اور ۱۱۱۱ اپنے معدوں کا خیال نہیں رکھتے تھے اس لئے اسلام نے انہیں روزوں کا حکم دے دیا۔ مگر اب تہذیب کا نفع دور ہے۔ اب لوگ اپنے معدے کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔ اب اگر صبح و شام صرف ناشتہ کر لیا جائے اور کیک بسکٹ کھائے جائیں لیکن دن بھر کچھ نہ کھایا جائے تو روزہ کیلئے اتنا ہی کافی ہے غرض مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ان عبادات کے متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ آؤٹ آف ڈیٹ out of date ہیں۔ موجودہ زمانہ میں انکی ضرورت نہیں۔ اور ایک طبقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ نماز تو دل کی ہی نماز ہے ظاہری حرکات کی کیا ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز ظاہری بھی ہے اور دل کی بھی۔ اور ان دونوں چیزوں کا مجموعہ انسان کے لئے برکت کا موجب ہوتا ہے۔ اگر ہم دل میں خدا خدا کرتے ہیں مگر ظاہر میں نماز نہیں پڑھتے تو ہمارا دل سے خدا خدا کہنا محض دھوکا اور فریب ہو گا۔ کیونکہ محبوب کی بات مانا کرتے ہیں۔ وہ نہیں کیا کرتے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم خدا تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دوسری طرف ہم اپنی محبت کا کوئی ثبوت پیش کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اُس نے کہا ہے مسجدہ کرو۔ مگر ہم مسجدہ کرنے کے لئے تیار بھی نہیں ہوتے۔ یا ظاہر میں تو نماز پڑھی جائے مگر

بحث نہیں۔ بہر حال یہ ایک جواب ہے جو انہوں نے سوچا ہوا ہے۔ لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ احکام پُرانے زمانہ میں بعض عربوں کی اصلاح کے لئے دئے گئے تھے۔ عرب لوگ بالکل وحشی تھے۔ اور وہ گندے اور غلیظ رہتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دے دیا کہ تم اپنے کپڑوں اور بدن کو صاف رکھا کرو۔ اسی طرح اُن میں کوئی تنظیم نہیں تھی۔ وہ بالکل پراگندہ حالت میں تھے۔ اسلام نے اُن کو حکم دے دیا کہ وہ ۱۱۱۱ نچ وقت مسجد میں اکٹھے ہو جایا کریں۔ اس طرح گو بظاہر نماز کا حکم دیا گیا مگر دراصل یہ غرض تھی کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے کے مارے جب مسجد میں آئیں اور انہیں قوم اور ملک کے حالات بتائے جائیں گے۔ تو اُن میں سیاسی بیداری پیدا ہو جائیگی اور وہ دنیا پر غالب آنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے یاد ہے۔ میں بچہ تھا کہ میں نے ایک اخبار میں ایک دفعہ اسی کے متعلق ایک مضمون پڑھا۔ ایک صاحب جو مسلمانوں کے مبلغ سمجھے جاتے تھے اور جاپان اور امریکہ میں تبلیغ کر کے آئے تھے۔ انہوں نے واپس آنے پر ملی گزشتہ میں ایک لیکچر دیا جو اخبار میں شائع ہوا۔ اور میں نے بھی پڑھا اُس لیکچر میں انہوں نے بیان کیا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھی ضروری چیز ہے اور باقی وقت مسجد میں باجماعت ادا ہونی چاہیے۔ اسیا کہنے والے حقیقت پر کبھی غور نہیں کرتے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ پُرانے زمانہ کے لحاظ سے اس کے احکام اور رنگ رکھتے تھے اور اس زمانہ کے لحاظ سے اس کے احکام اور رنگ رکھتے ہیں۔ بے شک احکام وہی ہیں مگر حالات کے لحاظ سے اُن کی ہیئت بدلتی چلی جائے گی۔ عرب لوگ جاہل تھے ۱۱۱۱ ننگے پاؤں رہتے تھے۔ کپڑے اُن کے پاس بہت کم ہوا کرتے تھے۔ اس لئے انکو مسجدہ اور رکوع کا حکم دے دیا گیا۔ مگر

دل خدا کی طرف متوجہ نہ ہو۔ تو یہ بھی کوئی نماز نہیں ہوگی بلکہ محض ایک ورزش کہلائیگی۔ جیسے ورزش سے سہاہی کا جسم مضبوط ہوتا ہے۔ اسی طرح نماز سے اس کا جسم بھی مضبوط ہوگا۔ مگر اُس کے دل میں نورِ ایمان پیدا نہیں ہوگا۔ کچھ عرصہ کی بات ہے۔ میں سندھ گیا تو ایک ہندو مجھ سے ملنے کے لئے آیا۔ پارٹیشن کے وقت قعر پر وہ وہاں سے بھاگا نہیں تھا۔ کیونکہ اُس کے مسلمانوں سے تعلقات تھے میں نے اُس سے کہا کہ تمہارے مسلمانوں سے دیگر تعلقات چلے آ رہے ہیں کبھی تم نے ان کے دین پر بھی خود کیا۔ وہ کہنے لگا۔ سب مذاہب اچھی باتیں کہتے ہیں۔ ہمارا مذہب بھی اچھا ہے اور آپ کا مذہب بھی اچھا ہے۔ میں نے کہا۔ اگر سب میں ایک جیسی اچھی باتیں ہیں تو پھر تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر نہیں جاتے۔ آخر کوئی نہ کوئی فرق ہی ہے جس کی وجہ سے تم ہندو ہو اور ہم مسلمان۔ اگر ان دونوں مذاہب میں ایک جیسی باتیں پائی جاتی ہیں تو یا تم مسلمان بن جاتے یا ہم ہندو بن جاتے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی فرق ضرور تسلیم کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ میں اپنا طبعہ وجود قائم رکھنا چاہیے۔ پھر میں نے اُس سے کہا کہ کبھی تم نے نماز اور دیگر عبادات کا اپنے مذہب کی عبادات سے مقابلہ کیا۔ اور یہ دیکھا کہ ان میں سے کونسی عبادت زیادہ بہتر ہے۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ کعبہ اور دیر تو دونوں دلی میں ہیں۔ کسی ظاہری نماز کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ فرمائیے۔ آپ شادی شدہ ہیں۔ اُس نے کہا۔ ہاں میں نے کہا۔ بچے بھی ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ بچے بھی ہیں میں نے کہا۔ آپ نے کبھی بڑی بچوں کو پیاد بھی کیا ہے اُس نے کہا۔ کیوں نہیں کیا۔ میں نے کہا آل پیاد تو دل میں ہوتا ہے پھر آپ ظاہری پیاد کیوں کرتے ہیں اسی لئے کہ آپ سمجھتے ہیں اُس میلہ کی کوئی طاہرہ نہ ملتا ہے۔ اگر بڑی پیاد ملے کیسے آپ فردل کا پیاد کا فی نہیں سمجھتے۔ بچوں سے پیاد کرنے کے لئے صرف دل کا پیاد

کافی نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہیں پوسہ بھی دیتے ہیں۔ تو خدا کے پیاد کے معاملہ میں یہ آپ کیوں کہتے ہیں کہ کعبہ اور دیر تو دونوں دلی میں ہیں کسی ظاہری عبادت کی ضرورت نہیں۔ بات یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں چیزیں مل کر انسان کو کامل بناتی ہیں۔ اگر یہ دونوں چیزیں ملتی نہ جائیں تو کوئی فیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر اچھی سے اچھی چیز آپ لوگ ایسے برتن میں لیٹے جو غلیظ ہوگا تو وہ چیز بھی غلیظ ہو جائیگی۔ اور اگر غیر برتن کے اُس چیز کو لے میں گئے تو وہ بگڑ جائیگی۔ گویا برتن کی بھی ضرورت ہے اور پھر اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ برتن اچھا ہو۔ اور اس کے اندر کوئی اچھی چیز ہو اسی طرح نماز اور دودھ اور دھو اور ذکوہ اور دوسری عبادتوں کا حال ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ادھر یہ فرمایا ہے کہ قربانی کرو۔ مگر ادھر یہ بھی فرمادیا ہے کہ تم یہ مت سمجھو کہ قربانی کا گوشت اور خون خدا کو پہنچتا ہے۔ خدا کو صرف دل کا اخلاص پہنچتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ قربانی کا گوشت اور خون خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچتا۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ قربانی نہ کرو بلکہ کہا ہے کہ قربانی تو کرو مگر یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے تحت اپنے محبوب کی بات پوری کرنے کے لئے اور ان مقاصد کی تکمیل کے لئے جو خدا تعالیٰ نے مقدر فرمائے ہیں قربانی کرو مہوں۔ مثلاً وہ غریب آدمی جو فاقے کرتا ہے یا وہ غریب آدمی جو ہمیشہ دال دوتی کھاتا ہے اس ذریعہ سے اُسے بھی گوشت مل جاتا ہے گویا دل بھی صاف ہوتا ہے۔ ہمسایوں اور غریبوں کیلئے محبت کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا حکم بھی پورا ہو جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اپنے آپ کو نماز باجماعت کا پابند بنانے کی کوشش کریں۔

کے پاس صرت ایک ہی تہ بند ہے اور اُسے مشبہ ہے کہ وہ تہ بند پاک نہیں رہا تو اس کے متعلق شرعیت کا یہ حکم نہیں ہوگا کہ وہ نماز نہ پڑھے۔ بلکہ اُس کے متعلق حکم یہ ہوگا کہ وہ اسی تہ بند کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ کپڑوں کی پاکیزگی سے دل کی پاکیزگی بہر حال مقدم ہے مگر ہمارے ملک میں لوگ کپڑوں کا تو خیال رکھتے ہیں اور اپنے دل کو ناپاک ہونے دیتے ہیں۔ اگر ہم کپڑے کی ناپاکی کا خیال کر کے نماز چھوڑ دیتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کپڑے کے پاک کرینا خیال تو کرتے ہیں لیکن اپنے دل کو پاک کرینا خیال نہیں کرتے اور یہ سراسر حماقت ہے۔ پس اس وقت جو کپڑا میسر ہو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لینا جائز ہوگا مگر یہ جائز نہیں ہوگا کہ کپڑے کی ناپاکی کے خیال سے اپنے دل کو ناپاک کر دیا جائے اور نماز کو چھوڑ دیا جائے۔

نماز روحانی جسم کی اصلاح کا ایک ذریعہ ہے جس طرح ایک بیمار جسم محض یہ کہہ کر موت سے بچ نہیں سکتا کہ وہ بیمار ہے اور بیمار ہونے کی وجہ سے وہ مرنے لگا سکتا اسی طرح ایک روحانی جسم بھی یہ کہہ کر موت سے نہیں بچ سکتا کہ بیمار ہے اور نماز نہیں پڑھ سکتا۔ باوجود اس کے کہ ایک شخص بیمار ہے اور کھانا نہیں کھا سکتا۔ مثلاً اُس کے گلے میں دم ہو گیا ہے۔ یا جگر اچھا گیا ہے۔ یا معدہ غذا کو اپنے اندر رکھ نہیں سکتا۔ یا غذا کو انتڑیوں کی طرف پھیل دیتا ہے۔ یا منہ کی طرف سے باہر پھینک دیتا ہے۔ یا کوئی رسول پیدا ہو گئی ہے۔ یا سرطان ہو گیا ہے۔ اور غذا معدہ میں ٹھہرتی نہیں بلکہ تھوہر ہو جاتی ہے۔ یا غذا معدہ کے اندر جاتی نہیں۔ یا انتڑیوں میں کوئی بیماری لاحق ہے اس لئے انتڑیوں میں غذا ٹھہرتی نہیں یا پختی نہیں۔ پھر بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مرنے نہیں اس لئے کہ روٹی کے بغیر انسانی جسم بچ نہیں سکتا۔ اسی طرح باوجود اس کے کہ ایک شخص کسی عذر کی وجہ سے نماز

نہیں پڑھتا وہ مر گیا۔ بعض لوگ عدم فراغت کی وجہ سے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ چونکہ وجہ جائز ہے اس لئے فقیر نہیں نکل سکتا۔ حالانکہ اُن کا یہ خیال درست نہیں۔ وجہ جائز ہو یا ناجائز فقیر ضرور نکلے گا۔ تم اپنے سر پر اپنی کمائی سے خریدی ہوئی اتل لگاؤ یا چوری سے حاصل کیا ہو اتل لگاؤ سرفروڈ چکنا ہوگا۔ یہ نہیں کہ اپنی کمائی سے حاصل کردہ تیل سے سر چکنا ہو جاتا ہے اور چھدی کے تیل سے سر سوکا رہ جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی کمائی سے حاصل کئے ہوئے کپڑے سے تمہارا جسم ڈھک جائے اور چوری کئے ہوئے کپڑے سے جسم نہ ڈھکے۔ کپڑا چاہے چوری کا ہو یا اپنی کمائی سے خریدا ہو اُس سے جسم ڈھک جائیگا۔ جیسے اپنی کمائی سے خریدے ہوئے کپڑے سے جسم ڈھک جاتا ہے اسی طرح چھدی سے حاصل کئے ہوئے کپڑے سے جسم ڈھک جاتا ہے۔ نتیجہ دونوں کے ایک سے ہونگے۔ یعنی کا نہ کھانا تو انسان پھر بھی برداشت کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ خیال کر سکتا ہے کہ اگر وہ مر جائیگا تو کیا ہوگا اُسے لگے جہان میں تو زندگی مل جائیگی یعنی اسے موت کے بعد اگلے جہان کی زندگی مل جاتی ہے لیکن روحانی موت کا کوئی قائم مقام نہیں۔ جسمانی موت کے متعلق تم کہہ دو گے کہ سارے لوگ مرتے ہیں پس موت آجائیگی تو کیا ہوا۔ اگلے جہان میں ہیں زندگی مل جائیگی۔ لیکن اگر تمہیں روحانی موت آجائے تو تم کیا کر دو گے روحانی موت کا تو کوئی قائم مقام نہیں۔ پس نماز باجماعت کی عبادت ڈالو اور اپنے بچوں کو بھی اس کا پابند بناؤ۔ کیونکہ بچوں کے اخلاق اور عادات کی دستی اور اصلاح کے لئے میرے نزدیک صبیح زیادہ ضروری امر نماز باجماعت ہی ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں اتنے لوگوں سے شنے اور مختلف حالات کی جانچ پڑتال کا موقع ملا ہے اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے میری طبیعت کو ایسا حساس بنایا ہے کہ موسماں کی عمر پانے والے بھی اپنی

عمر کے تجربوں کے بعد دنیا کی اونچ نیچ اور اچھے برے کو
آنا محسوس نہیں کر سکتے جتنا میں محسوس کرتا ہوں۔ اور
میں نے اپنے تجربے میں نماز باجماعت سے بڑھ کر اور کوئی چیز
نیکی کے لئے ایسی موثر نہیں دیکھی۔ سب سے بڑھ کر نیکی کا اثر
کرنے والی نماز باجماعت ہی ہے۔ اگر میں اِنَّ الصَّلٰوةَ
تَتَذَكَّرُ مِنْهَا فَاَنْتَ مَكْتُوبٌ اِلَيْهَا کی پوری پوری تشریح
نہ کر سکوں تو میں اپنا قصور سمجھوں گا۔ دہ نہ میرے نزدیک
نماز باجماعت کا پابند خواہ اپنی بدیوں میں ترقی کرتے کرتے
ابلیس سے بھی آگے نکل جائے پھر بھی میرے نزدیک اس
کی اصلاح کا موقعہ ہاتھ سے نہیں گیا۔ ایک شتمہ بھر اور
ایک دلی کے برابر بھی میرے خیال میں نہیں آتا کہ کوئی شخص
نماز باجماعت کا پابند ہو اور پھر اس کی اصلاح کا کوئی
موقعہ نہ رہے۔ خواہ وہ کتنا ہی بدیوں میں مبتلا کیوں نہ
ہو گیا ہو۔ نیکی کے متعلق نماز کے مؤثر ہونے کا مجھے اتنا
کامل یقین ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بھی کہہ سکتا
ہوں کہ نماز باجماعت کا پابند خواہ کتنا ہی بد اعمال
کیوں نہ ہو گیا ہو اس کی ضرورت اصلاح ہو سکتی ہے اور
اصلاح نہیں ہوتا۔ اور میں شرح صدر سے کہہ سکتا ہوں
کہ آخری وقت تک اس کے لئے اصلاح کا موقعہ ہے مگر
وہ نماز باجماعت کا پابند اس رنگ میں ہو کہ اس کو
اس میں لذت اور سرور حاصل ہو۔

مجھے اپنا واقعہ یاد ہے۔ ایک دفعہ حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ عیادتے اس لئے
جمعہ کے لئے مسجد میں نہ جاسکے۔ میں اس وقت بالغ نہیں
تھا کہ بلوغت والے احکام مجھ پر جاری ہوں۔ تاہم میں
جمعہ کے لئے مسجد کو چارہ تھا کہ ایک دھمت مجھے ملے
اس وقت کی عمر کے محاطے تو ان کی شکل اس وقت تک
با د نہیں رہ سکتی تھی۔ مگر اس واقعہ کا اثر مجھ پر ایسا ہوا
کہ اب تک مجھے ان کی صورت یاد ہے۔ محمد بخش

ان کا نام تھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ آپ واپس آئے
ہیں کیا نماز ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا۔ آدی بہت ہیں
مسجد میں جگہ نہیں تھی اس لئے میں واپس آ گیا ہوں۔ میں
بھی یہ جواب شکر واپس آ گیا۔ اور گھر میں آ کر نماز پڑھ
لی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا
مسجد میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے۔ خدا تعالیٰ کا فضل
ہے کہ میں بچپن سے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا ادب ان کے نبی ہونے کی حیثیت سے کرتا تھا۔ میں نے
دیکھا۔ آپ کے پوچھنے میں ایک سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے
غلطہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کے اس رنگ میں پوچھنے کا مجھ
پر بہت ہی اثر ہوا۔ جواب میں میں نے کہا۔ میں گیا تو
تھا لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس آ گیا۔ آپ پشیم
خاموش ہو گئے۔ لیکن جس وقت جمعہ پڑھ کر مولوی عبد الکریم
صاحب آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے کے لئے آئے
تو سب سے پہلی بات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے آپ سے دریافت کی وہ یہ تھی کہ کیا آج لوگ مسجد
میں زیادہ تھے۔ اس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ
پیدا ہوئی۔ کیونکہ میں خود تو مسجد میں گیا نہیں تھا۔ معلوم
نہیں بتانے والے کو غلطی لگی یا میری سمجھ میں غلط مفہوم آیا
دونوں صورتوں میں الزام مجھ پر آئیگا کہ میں نے جھوٹ بولا۔
مولوی عبد الکریم صاحب نے جواب دیا۔ ہاں حضور! آج واقعہ
میں بہت لوگ تھے۔ میں اب بھی نہیں جانتا کہ طبیعت
کیا تھی۔ خدا نے میری بریت کے لئے یہ سامان کر دیا کہ
مولوی صاحب کی زبان سے بھی اس کی تصدیق کا ادی یا
فی الواقعہ اس دن غیر معمولی طور پر زیادہ لوگ آئے تھے
بہر حال یہ ایک واقعہ ہوا جس کا آج تک میرے قلب
پر ایک گہرا اثر ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز باجماعت
کا کتنا خیال رہتا تھا۔ بڑا آدی اگر خود نماز باجماعت

نہیں پڑھتا تو وہ منافق ہے۔ مگر وہ لوگ جو اپنے بچوں کو نماز باجماعت ادا کرنے کی عادت نہیں ڈالتے وہ ان کے خونی اور قاتل ہیں۔ اگر ماں باپ بچوں کو نماز باجماعت کی عادت ڈالیں تو کبھی ان پر ایسا دقت نہیں آسکتا کہ یہ کہا جاسکے کہ ان کی اصلاح ناممکن ہے اور قابل علاج نہیں رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آجکل مسلمان مساجد میں جا کر نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور پھر مسجد سے نکل کر کسی قسم کے گناہ سے بھی ان کو پرہیز نہیں ہوتا۔ جھوٹ، بولتے ہیں رشوت وہ لیتے ہیں۔ فریب وہ کرتے ہیں۔ خیانت سے ان کو پرہیز نہیں۔ تجارتی دھوکوں سے وہ محتنب نہیں ہیں۔ ہزاروں قسم کے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نماز کو ان شرائط کے ساتھ ادا نہیں کرتے جو اسلام نے مقرر کی ہیں۔ اگر وہ ان شرائط کے ساتھ نماز ادا کرتے تو ان کے قلوب پاک ہو جاتے اور گناہوں کی میل دور ہو جاتی اور ہر قسم کے گناہوں اور بدیوں سے وہ محفوظ ہو جاتے۔ کیونکہ نماز کو سنوار کر پڑھنے والا اور ان شرائط کو ملحوظ رکھنے والا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے نماز کے لئے مقرر فرمائی ہیں اپنے اندر فوراً ایک تبدیلی پاتا ہے اور زیادہ دن نہیں گزرتے کہ اس کے اندر ایک خاص طہ پید ہوجاتا ہے جس سے اسے بدیوں کی شناخت ہو جاتی ہے اور پوشیدہ در پوشیدہ بدیوں پر اسے اطلاع دی جاتی ہے اور مخفی وہ مخفی گناہوں کا علم جو دوسروں کو نہیں ہوتا اسے دیا جاتا ہے اور ان کے اُسے ہر موقع پر ہوشیار کر دیتے ہیں کہ دیکھنا یہ گناہ ہے پوشیدہ ہو جانا۔ اور اُسے شیطان کے مقابلہ کی مقدرت عطا ہوتی ہے۔ کیونکہ نمازی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کا احسان نہیں رکھتا بلکہ اپنے بندہ کو اس کے اعمال کا اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ دیتا ہے۔ جب نمازیں کمال تہذیب اور خشوع اور حضور کے ساتھ انسان

خدا تعالیٰ کے حضور میں گر جاتا ہے اور وہ تمام تذلل کے طریق جن کو کسی ملک کے باشندوں نے اظہارِ عبودیت کے لئے تجویز کیا ہے استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اٹھاتا ہے اور جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے خدا تعالیٰ طائفہ کو فرماتا ہے کہ دیکھو میرے اس بندے نے میری پاکیزگی کا اقرار کیا ہے تم اسے پاک گردو۔ اور اُس نے میری حمد کی ہے تم اس کی حمد کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اور اس نے میرے حضور میں کمال تذلل اور انکسار کا اظہار کیا ہے تم اسکو عزت و رفعت دو۔

غرض جو چوں انسان نمازیں پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور حمد اور عظمت کا اقرار کرتا ہے خدا تعالیٰ اُس کے اعمالِ حسنہ کے توازن کو بوجھل کرتا جاتا ہے اور انسان کا رنج ہوتا جاتا ہے۔ اور چونکہ گناہ نتیجہ ہے مادیت کے تعلق کا جب انسان اس عالم سے بلند ہوتا جاتا ہے تو اُس کا تعلق مادیت سے کم ہوتا جاتا ہے اور وہ گناہوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ بڑی اور پابندِ باتوں سے رُکنا بھی ایک بڑا مقصد ہے مگر نمازیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے یہ اُس سے بھی بڑا مقصد ہے۔ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب واقف ہے۔ اس لئے جب تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو گے تو وہ بھی تمہیں یاد کریگا۔ تمہیں اپنے قرب اور الہامِ عزت بخشے گا اور تمہاری اور تمہاری قوم کی اصلاح کے سامان پیدا فرمائے گا۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ کے دوسرے خطبہ میں جو کلمات پڑھنے کی ہدایت فرمائی کہ اُس کے کچھ الفاظ یہ بھی ہیں کہ اَذْكُرُوا اللَّهَ يَذْكُرْكُمْ یعنی اللہ کو یاد کرو جس کے نتیجہ میں وہ تمہیں یاد کرے گا۔ اسی طرح قرآن کریم میں آتا ہے کہ فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ (یعنی خ) یعنی چاہیے کہ تم مجھے یاد کرو اُس کے نتیجہ میں

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِلَّا الَّذِينَ

اور اہل کتب سے کسی بحث نہ کرو مگر اعلیٰ اور مضبوط دلیل کے ساتھ۔ سوائے اُن لوگوں کے جو اُن میں سے

ظلمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

ظلم کر نیوالے ہوں (انکو الزامی جواب نہ دے سکتے ہو) اور اُن سے کہو کہ جو ہم پر نازل ہوا ہے ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جو تم پر نازل ہوا

وَالْمَنَّا وَالْهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۴۵﴾

اُس پر بھی۔ اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے۔ اور ہم اُس کے فرمانبردار ہیں۔ ۴۵

پیدا ہو جاتی ہے اور اگر سوچ آں switch on
نہ کیا جائے تو پھر اندھیرا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر
ذکر الہی نہ کیا جائے تو طبیعت دشمن نہیں ہوتی۔ پس
اپنے اندر ذکر الہی کی عادت پیدا کرنا خدا سے تمہارا
تعلق بڑھ جائے۔ تمہارے اندر محبت پیدا ہو جائے
تمہاری نظروں میں تاثیر پیدا ہو جائے اور دُشمن کے دلوں
میں بھی تمہارا رعب بٹھ جائے۔ اور دشمن خود بول اُٹھے
کہ یہ لوگ واقعی روحانیت کے پتلے ہیں۔

۳۵ تفسیر: چونکہ قرآنی تبلیغ کے
بڑے محلی طلب یہود اور عیسائی ہی ہو سکتے تھے اس لئے
اللہ تعالیٰ نے اُمْلُ مَا اَوْحٰی اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ
کا حکم دینے کے بعد اہل کتاب کا خصوصیت سے ذکر کیا
اور فرمایا کہ جب تم قرآن اُن کے سامنے پیش کرو گے تو
وَمَا تَوَدَّ اَنْ تَرْفَعُ الْقُرْآنَ عَلٰی سَمْعِهِمْ اَوْ تَظْهَرَهُمْ
اور تمہاری اُن سے بحثیں شروع ہو جائیں گی۔ ایسی صورت میں
ہم تمہیں یہ ہدایت دیتے ہیں۔ کہ جب کسی اہل کتاب سے
بحث پیش آئے تو ایسی بات پیش کیا کرو جو مضبوط ہو
اور خوبصورت نظر آنے والی ہو۔ کیونکہ اُن کے پاس عقلی
کتاب موجود ہے خواہ وہ محرف و مبتدل ہی کیوں نہ ہو۔
مگر ہر حال اُس میں کچھ نہ کچھ کلام تو خدا کا ہے۔ پس

تم بھی تمہیں یاد کرونگا یعنی تمہیں اپنے قرب میں جگہ دوں گا
اور تمہاری ہر تکلیف اور مصیبت میں تمہاری مدد کرونگا
اور ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے گا
وہ بہت سی بدیوں سے بچ جائیگا۔ اور خدا تعالیٰ کا معاملہ
بھی اُس سے محبت اور پیار کا ہو جائیگا۔ اسی وجہ سے
اسلام نے تمام اجتماعات میں ذکر الہی اور عبادت پر بڑا
زور دیا ہے۔ چنانچہ دیکھو جو ہم حج کے لئے جاتے ہیں۔ تو
وہاں بھی ذکر الہی ہوتا ہے۔ عیدین میں جاتے ہیں تو وہاں بھی
ذکر الہی ہوتا ہے۔ شادی اور بیاہ کے لئے جاتے ہیں تو
وہاں بھی ذکر الہی ہوتا ہے۔ جنازہ کے لئے جاتے ہیں تو
وہاں بھی ذکر الہی ہوتا ہے۔ گویا ہمارے سب اجتماعوں کو
بارکات بنانے کا نسخہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی
بیان فرمایا ہے کہ ان میں ذکر الہی اور عبادت زیادہ کی
جائے۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ جس مجلس میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے
فرشتے اُس میں موقوف آتے ہیں۔ پس مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے
اوقات کو اس طرح صرف کرے کہ ذکر الہی اس کی زبان پر
جاری ہو اور منافقوں میں اُسے شغف اور رغبت ہو۔ ذکر
الہی کرنا گویا switch on آں switch on
سوچ آں switch on کر دیا جائے تو روشنی

اور اُس کے ہاں مٹیا پیدا ہو گیا۔ اب آپ بتائیے کہ الزام کس عورت پر لگتا ہے۔ اس پر باری سخت شرمندہ اور لاجوا ہو گیا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے تو سختی شروع کر دی۔ وہ بات تو ہم نے یونہی کہی تھی۔

خود میرے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ گذرا ہے۔ ایک دفعہ میرے پاس ایک انگریز آیا اور اُس نے کہا میں آپ سے اسلام کے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کوئی الزامی جواب نہ دیں میں نے کہا اگر تم اسلام پر حملہ نہیں کر دے تو میں بھی الزامی جواب نہیں دوں گا۔ لیکن جب باتیں شروع ہوئیں تو تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ میں نے جواب میں حضرت عیسیٰؑ پر حملہ کر دیا اس سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور کہنے لگا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا۔ میں نے کہا۔ دیکھو میرا تم سے وعدہ تھا کہ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہیں کر دے تو میں بھی محترم عیسیٰ علیہ السلام پر حملہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ لیکن تم نے اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا ہے۔ اگر تم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے غیرت ہے تو کیا میں ہی تنہا غیرت ہوں کہ تجھے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملہ دیکھ کر غیرت نہ آئے۔ اگر تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حملہ کر دے تو میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حملہ کر دے گا۔ چنانچہ وہ اُسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا۔

میں حضرت یحییٰ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

بوشی میں تھے جس میں خدا تعالیٰ نے گندہ دہن مخالفین کا استثناء کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم ہمیشہ نرمی اور محبت کے ساتھ دلائل پیش کرو۔ لیکن اگر کبھی کسی ایسے مخالف کے بحث پیش آجائے جو گامیوں اور بدزبانی پر اتر آئے اور اسلام اور اُس کے بزرگوں پر حملے شروع کر دے تو تم بھی مناسب رنگ میں اسے الزامی جواب دے کر خاموش کر سکتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی بعض مقامات پر اسی طریق سے کام لیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں صاف طور پر ذکر آتا ہے کہ مخالف یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے یہ تو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور قرآن کریم اس کا الزامی رنگ میں یہ جواب دیتا ہے کہ پہلے نبی بھی کھاتے پیتے تھے اور پہلے نبیوں کے بھی بیوی بچے تھے۔ اسی طرح گذشتہ زمانوں میں اسلامی بزرگ بھی اسی طریق سے کام لیتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ ایک دفعہ دوم کے بادشاہ نے ایک مسلمان بادشاہ کو لکھا کہ آپ اپنا کوئی عالم بھاکر پاس بھیجو میں ہم مذہب کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان بادشاہ نے ایک عالم کو بھیجا دیا۔ عیسائیوں نے پیسے ہی مضبوط کیا ہوا تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسلمان عالم کو آتے ہی ہم شرمندہ کر دینگے۔ چنانچہ جب دربار لوگ گیا تو ایک پادری اٹھا اور کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ کے رسول کی بیوی عائشہؓ پر الزام لگایا گیا تھا۔ اور الزام لگانے والے بھی آپ کی قوم ہی سے تھے۔ اس لئے یہ اعتراض کچھ مضبوط معلوم ہوتا ہے مسلمان عالم جو غالباً ائمہ ابن تیمیہ یا ان کے کوئی دوست تھے۔ ٹرے ہو شیار تھے۔ کہنے لگے۔ پادری صاحب! دنیا میں دو عورتیں گندی ہیں۔ ایک کا خاوند تھا۔ خبیث لوگوں نے اس پر الزام لگایا۔ مگر سادی عمر اس کے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ لیکن ایک اور عورت (یعنی حضرت مریمؑ) تھی۔ جس کا خاوند بھی نہیں تھا۔ اُس پر دشمنوں نے الزام لگایا

عیسائیوں کو الزامی جواب دینا ہرگز قابل اعتراض امر نہیں تھا اور نہ آپ کے بعض سخت الفاظ کے مخاطب تمام اقوام کے نیک اور مہذب اور سنجیدہ لوگ تھے۔ بلکہ صرف ایسے ہی لوگ آپ کے مخاطب تھے جنہوں نے شرافت سے کام نہ لیا اور اسلام پر گند اچھانا شروع کر دیا چنانچہ آپ اس بارہ میں وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

”ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم نیک علماء کی ہتک اور مہذب شرفاء کی عیب چسپی کریں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا مسیحی ہوں یا ہند ہوں بلکہ ہم ان اقوام میں سے جو یقیناً ہیں ان کے لئے جو سخت کلامی نہیں کرتے۔ ہم صرف ان کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں جو یہودہ گوئی میں مشہور ہیں اور بد کلامی کی اشاعت جن کا کام ہے۔ لیکن وہ جو ان باتوں سے پاک ہیں اور ان کی زبان گند سے آلودہ نہیں۔ ہم ایسے لوگوں کا ذکر ہمیشہ نیکی سے کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں اور ان کو بلند درجہ پر بٹھاتے ہیں اور ان سے اپنے بھائیوں کی طرح محبت کرتے ہیں۔“ (ج۶ النور صفحہ ۶۷)

پھر لکھا ہے :-

”ہماری اس کتاب میں اور رسولہ فریاد درد میں وہ نیک چلن پادری اور دوسرے عیسائی مخاطب نہیں ہیں جو اپنی شرافت ذاتی کی وجہ سے فضول گوئی اور بد گوئی سے کٹناہ کرتے ہیں اور دل دکھانے والے لفظوں سے ہم کو دکھ نہیں دیتے اور نہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہن کرتے

ہیں اور نہ ان کی کتاب میں سخت گوئی اور توہین جبری ہوئی ہیں۔ ایسے لوگوں کو بلاشبہ ہم عزت کی نینا سے دیکھتے ہیں اور وہ ہماری کسی تحریر کے مخاطب نہیں مگر وہی لوگ ہماری مخاطب ہیں خواہ وہ مفسر مسلمان کہلاتے ہیں یا عیسائی۔ جو خداوند ال سے بڑھ گئے ہیں اور ہماری ذاتیات پر بد گوئی سے حملہ کرتے یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بزرگ میں توہین اور ہتک آمیزیاں مٹھ پیرلاتے اور اپنی کتابوں میں شائع کرتے ہیں سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بد زبانی اور کینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔“

”ایسٹ بیج“ یا ”اسلم“

یہ تشریح بولویبریا کی گئی ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس جگہ اللہ کو استغنا و متصل قرار دیا جائیگا۔ اور یہی نقطہ نگاہ مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ لیکن علامہ ابو الباقا نے لکھا ہے کہ اللہ کو استغنا و متعلق بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں اللہ الذین ظلموا و جنہم کے یہ معنی ہونگے کہ ایسے ظالموں سے بھگڑو ہی نہیں بلکہ یہ کہہ دو کہ تم بھی خدا کی کتاب کے ماننے والے ہو اور ہم بھی۔ اور ہمارا تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ پھر لڑنے سے کیا فائدہ؟ ہم تم سے بحث ہی نہیں کرنا چاہتے۔ دیا اگر وہ بد زبانی کریں تب بھی ان سے سختی کے ساتھ پیش نہ آؤ بلکہ عفو سے کام لو اور ان کے اعراض اختیار کرو۔ پھر فرمایا ہم تمہیں ایک اور نصیحت یہ کرتے ہیں کہ جب اہل کتاب سے نہیں مقابلہ پیش آئے تو تو لوؤا اَعْتَابًا لِّذِيْ اَنْزَلَ اِلَيْنَا وَ اَنْزَلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلَهُنَا وَ اِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَ نَحْنُ لَهُ مُسْتَبِثُونَ۔ تم انہیں

یہ کہا کہ وہ کہہ تو اس کلام کو بھی مانتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور اس کلام پر بھی مصلیٰ علیہ السلام میں ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوا۔ اور تمہارا معبود اور ہمارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُنہی کے فرمانبردار ہیں پس آپس میں جھگڑتے سے کیا فائدہ ہم لوگوں کو اُن کے خدائے واحد کی تبلیغ کرنی چاہیے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس طریق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ صَوَابٍ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ ۚ** (آل عمران ۶۴) اور **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ فَإِنَّكُمْ تَوْفَاقٌ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّكُمْ تَكُونُونَ رَاغِبِينَ ۚ** (آل عمران ۱۰۳) اے اہل کتاب! کہہ سے کہ ایک ایسی بات کی طرف تو آ جاؤ۔ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اسکا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب کا درجہ دیا کریں۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو اُن سے کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو خدا کے فرمانبردار ہیں۔ یہ ایک مختصر سی آیت ہے۔ لیکن اگر غور سے کام لیا جائے تو اس میں اسلام کی حقیقت پسندی کا ایک نہایت ہی زبردست مظاہرہ کیا گیا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہوا ہے جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو مسلمانوں کا بدترین دشمن قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَتَوْا بِهِنَآ** (سورہ مائدہ آیت ۸۲) یعنی تو مومنوں سے عداوت رکھنے میں جیتنا یہودیوں کو اور اُن لوگوں کو جو مشرک ہیں مگر زیادہ سخت پائیکا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہر قسم کے نیک سلوک کے باوجود یہود بڑی بے شرمی

اور بے حیائی سے آپ کی ہر قسم کی مخالفتیں کرتے رہے۔ اکثر جنگیں یہود کے اگے نے پر ہی ہوئیں بلکہ کسریٰ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کر دینے پر بھی انہوں نے ہی اگے بڑھا تھا کہ خدا نے اُن کا موئیدہ کالایا۔ مگر انہوں نے اپنے خبیث باطن کا اظہار کر دیا۔ غزوہ احزاب کی ٹیڈی بھی یہود ہی کے ہاتھ میں تھی۔ سارا عرب اس سے قبل کبھی اکٹھا نہیں ہوا تھا۔ دراصل مکہ والوں میں ایسی تو نظام تھی ہی نہیں۔ یہ مدینہ سے جلا وطن یہودی قبائل کا ہی کارنامہ تھا کہ انہوں نے قریش اور غطفان ہاؤ بنو تسمیم اور بنو اسد اور بنو سعد اور مرکہ دوسرے زبردست قبائل کو اکٹھا کر کے مدینہ کے سامنے لا ڈالا۔ خدا نے اُن وقت بھی اُن کا مُنہ کالا کیا۔ مگر یہود نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہ رکھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل دشمن مکہ والے تھے۔ مگر مکہ والوں نے کبھی دھوکا سے آپ کی جان لینے کی کوشش نہیں کی۔ آپ جب طائف گئے اور ملک کے قانون کے مطابق مکہ کے شہری حقوق سے آپ دستبردار ہو گئے مگر پھر آپ کو لوٹ کر مکہ میں آنا پڑا تو اُس وقت مکہ کا ایک شدید ترین دشمن آپ کی امداد کے لئے آگے آیا۔ اور مکہ میں اُس نے اعلان کر دیا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہریت کے حقوق دیتا ہوں۔ وہ اپنے پانچویں بیٹے سمیت آپ کے ساتھ ساتھ مکہ میں داخل ہوا اور اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ کہ محمد ہمارا دشمن ہی بھی ہے آج عرب کی مٹاؤ کا تقاضا ہے کہ جب ہماری امداد شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو ہم اُس کے مطالبہ کو پورا کریں۔ ورنہ ہماری عزت باقی نہیں رہے گی اور اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اگر کوئی دشمن آپ پر حملہ کرنا چاہے تو تم میں سے ہر ایک کو اس سے پہلے مر جانا چاہیے کہ وہ آپ تک پہنچ سکے۔ یہ تھا عرب کا شریہ دشمن۔ اس کے مقابلہ میں بدبخت یہودی جس کو قرآن کریم

مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہے اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر پر بلایا اور صبح کے دھوکا میں چکی کا پاٹ مکان کی چھت پر سے پھینک کر آپ کو مارنا چاہا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس کے منصوبہ کی خبر دے دی۔ اور آپ سلامتی سے وہاں سے نکل آئے۔ اسی طرح یہودی قوم کی ایک عورت نے آپ کی دعوت کی اور زہر ملا ہوا کھانا آپ کو کھلایا۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے اس موقع پر بھی بچالیا۔ مگر یہودی قوم نے اپنا اندوہ ظاہر کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی بدترین دشمن تو مے سے کسی تعادون کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اسنے اخلافت کے ہونے ہوئے بھی قرآن کریم میں دعوت اتحاد دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے ہمارے رسول یہودیوں کو جو ترے اتنے دشمن ہیں اور عیسائیوں کو جو تجھے جھوٹا اور کذاب سمجھتے ہیں کہو کہ تم مجھے جھوٹا کہو مگر تم میرے خدا کو تو مانتے ہو۔ اؤ ہم اس خدا کی وحدانیت قائم کرنے کے لئے اکٹھے شش کھلیں اور توحید کو دنیا میں پھیلائیں۔ لیکن اگر اس دعوت اتحاد کے بلوچودہ پھر بھی اکٹھے نہ ہوں تو تو انہیں کہدے کہ ہم تو خدا کے اس حکم کی تعمیل کر چکے۔

زیر تفسیر آیت میں بھی اسی امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر اہل کتاب سے بحث ہو ہی جائے۔ تو قرآنی دلائل کو کام میں لایا کرو۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ انکو بدھرتوجہ دلاتے رہو کہ بے ہودہ باتوں سے کیا فائدہ ہم بھی موحد ہیں اور تم بھی موحد ہو۔ ہم بھی خدا کے کلام پر ایمان لاتے ہیں اور تم بھی خدا کے کلام پر ایمان لاتے ہو۔ بلکہ ہم تم سے بڑھ کر ہیں کہ تم پر نازل ہوئے والے کلام پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اپنے اوپر نازل ہونے والے کلام پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ پس بحثوں میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اؤ ہم اہل کراؤن لوگوں میں خدا واحد کی تبلیغ کریں جو خدا نے واحد کو نہیں مانتے۔ انہوں نے

کہ باوجود اس کے کہ تیرہ سو سال سے یہ تعلیم قرآن میں موبود ہے۔ آج تک عیسائیوں اور یہودیوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ تیس ۵۵۰ عیسویں بیماری کے علاج کے لئے یورپ گیا تو ایک کالج کے متعلمین نے مجھے مسیح کی دعوت دی اور ادبیت سے گریجواریط دینو۔ مسیح کے لئے کئے گئے آئے۔ انہوں نے مجھے انگریزی میں تقریر کرنے کے لئے کہا جس کی مجھے عادت نہ تھی۔ مگر ان کے اصرار پر میں نے ان کی بات مان لی۔ چونکہ طالب علم مختلف قوموں کے تھے کچھ جرن سمجھتے تھے کچھ فریسی کچھ موس کچھ مسلمانین۔ کچھ یہودی۔ اس لئے انہوں نے یو۔ این۔ او کی طرح یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ میری انگریزی تقریر پڑھو کے ذریعہ مختلف کموں میں جاتی۔ جہاں مختلف قوموں کے علماء بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ترجمہ کر کے فوراً اس زبان میں اُسے دینے کو دیتے تھے۔ ہر زبان کے جاننے والے نے اپنا آلہ اپنے کانوں کو لگا لیا ہوا تھا جس کے ذریعہ سے وہ ساتھ ساتھ میری انگریزی کی تقریر کو اپنی زبان میں سننا جاتا تھا۔ میری تقریر کے بعد بہت سے سوالات ہوئے۔ جن میں سے ایک سوال یہ تھا۔ کہ آپ نے جو اسلام کی باتیں بتائی ہیں۔ یہ تو دی ہیں جو عیسائیت اور یہودیت پیش کرتی ہے۔ پھر یہ کیا جھگڑا نظر آتا ہے کہ مسلمان عیسائیوں کو بڑا بھلا کہتے ہیں اور عیسائی مسلمانوں کو بڑا بھلا کہتے ہیں۔ یہودی عیسائیوں اور مسلمانوں کو بڑا سمجھتے ہیں اور عیسائی اور مسلمان یہودیوں کو بڑا سمجھتے ہیں۔ گو یاد دنیا نہ موبی کے خدا کو مانتی ہے نہ عیسیٰ کے خدا کو مانتی ہے۔ اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو مانتی ہے ایسی صورت میں ان جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے سب بلکہ یہ کیوں نہیں طے کر لیتے کہ سب لوگ ایک خدا کو مانیں اُس کی پختہ دل سے عبادت کریں اور اپنے اپنے مذہب پر

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۖ فَالَّذِينَ آتَيْنَهُمْ

اور اسی طرح پہلی کتابوں کی مصدق بنا کر ہم نے تجھ پر یہ مکمل کتاب (یعنی قرآن کریم) اتادی ہے۔ پس وہ لوگ جن کو ہم نے

الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ

یہ کتاب دی ہے ۱۱ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے (یعنی اہل کتاب بھی) ابھی بعض اس پر ایمان لاتے ہیں۔

وَمَا يَجْعَلُ يَأْتِنَا إِلَّا الْكُفْرُ ۚ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا

اور ہماری آیتوں کا عندکے ساتھ انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔ ۱۲ اور اس (یعنی قرآن) کے نازل

مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُبُ بِمِثْلِكَ إِذَا

ہونے سے پہلے تو کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا۔ نہ لوگوں کو سناتا تھا اور نہ اسے اپنے دایں ہاتھ سے مکھٹا تھا۔

اور اپنا منہ کیوں پھیر لیا۔ بہر حال اس اتحاد کے نہ ہونے کا الزام اگر آتا ہے۔ تو تمہارے باپ دادا پر آتا ہے۔ وہ تو تیرے سو سال سے قرآن کریم میں یہ بات موجود ہے اب اگر تمہیں کوئی شکوہ ہے تو اپنے باپ دادا سے شکوہ ہونا چاہیے۔ ہم یہ نہیں ہونا چاہیے۔

۱۲ تفسیر:- فرمایا جس طرح موسیٰ پر تورات نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح اب ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ گویا اس زمانہ میں تیرا وجود ہوگا کہ وہ ظور ہے۔ جہاں خدا بول رہا ہے۔ پس وہ خوش قسمت لوگ جن کو ہم نے یہ کتاب عطا فرمائی ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو۔ وہ تو اس کتاب کے ایک ایک حرف کی صداقت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی سچائی کے ثبوت میں اپنی جانیں تک قربان کر رہے ہیں بلکہ اہل کتاب میں سے بھی بعض (کیونکہ جن بعضہ بھی ہوتا ہی ایسے ہیں جو قرآن کو موسیٰ کی پیش گوئیوں کا مصدق سمجھتے ہوئے اس پر ایمان لے آئے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام جو یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے لیکن ایسے لوگ

تاکم ہیں۔ میں نے کہا۔ مجھے یہ سوال سن کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے تیرہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ان جفاکروں کے تصفیہ کا یہی طریق بتایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا (ال عمران ۶۴) یعنی اسے اہل کتاب آؤ میں تمہیں ایک کلمہ پر جمع ہونے کا طریق بتاؤں۔ جو تمہارے نزدیک بھی ستم ہے اور ہمارے نزدیک بھی ستم ہے۔ وہ طریق یہ ہے کہ ہم سب ایک خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دیں۔ تیرہ سو سال ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاج بتایا تھا اور تمام اہل کتاب کو اس اصل کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ مگر تمہارے باپ دادا نے قرآن کریم کی اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ میں بجائے ہم سے سوال کرنے کے تم اپنے باپ دادا کا شکوہ کر دو۔ اور اپنے بزرگوں سے کہو کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اچھی تعلیم ہمیں کی تھی تو تم نے اسے قبول کیوں کیا

لَا مَرَاتَبَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۷۹﴾ بَلْ هُوَ آيَةٌ بَيِّنَةٌ فِي

اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے والے شیعہ میں بڑ جاتے۔ مگر یہ (قرآن) تو کھلی کھلی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے

صُدُورِ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ

دلوں میں جن کو علم دیا گیا ہے اور ہمارے نشانات

بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۸۰﴾

ظالموں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا ۳۳

گرا ب تو اُن کے لئے اس قسم کے مشبہ کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ تلاوت درحقیقت دو طرح ہوتی ہے۔ ایک کتاب کو دیکھ کر اور دوسرے کسی بات کو دہرانے سے خواہ وہ دہرانے والا ناجینا یا اُن بڑھ ہی کیوں نہ ہو اگر ایک اُن بڑھ آدمی جس نے قرآن کریم کا کچھ حصہ زبانی یاد کیا ہوا ہو۔ قرآن کریم پڑھے تو وہ بھی تلاوت کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ناجینا شخص قرآن کریم یاد کرے اور پھر قرآن کریم پڑھے۔ تب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ چنانچہ اہم الصلوٰۃ جو درانہ نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کو دیکھ کر تلاوت نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ان میں یاد ہوتا ہے اُسے پڑھ دیتے ہیں۔ پس من کُتِبَ کہہ کر دونوں طرح کی تلاوت کی نفی کر دی گئی ہے اس تلاوت کی بھی جو کتاب کو دیکھ کر کی جاتی ہے لہذا اس تلاوت کی بھی جو زبانی کی جاتی ہے۔

کتاب کا لفظ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ خط کیسے استعمال ہوا ہے۔ ورنہ عام کتابوں کے لئے قرآن کریم میں کتاب کا لفظ نہیں ہوا۔ کتاب کے لفظ کا استعمال ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں کے متعلق ہی کیا جاتا ہے۔ پس

بھی ہیں جو جانتے بوجھتے ہوئے محض منہ اور تعصب کی وجہ سے اس کا انکار کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اول درجہ کے ناشکر گذار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کتاب نے دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے اور مردہ دنیا میں زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ لیکن اتنے بڑے نشان کو دیکھنے کے باوجود انہوں نے صداقت کو قبول کرنے کی جرأت نہیں کی۔ پس یہ لوگ درحقیقت کافر غفلت ہیں اور ایسے ہی لوگ ہمارے روشن نشانات کی تکذیب کیا کرتے ہیں۔

۳۳ تفسیر:- اس آیت کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہیے۔ کہ یہاں صرف تلاوت کی نفی مقصود نہیں بلکہ يَتْلُوْا مِمَّا مَلَكُوْهُمُ کی تفسیر کی گئی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا کی یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ آپ نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے یعنی ظاہری علوم سے آپ قطعی طور پر ناواقف تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انکار کرنے والے شیعہ میں بڑھ سکتے تھے کہ شاید دوسری کتابوں سے اس نے علم حاصل کر لیا ہے۔

کے لئے کیا سزا ہے؛ وہ کہنے لگے ہمارے ہاں تو اس کا کوئی ذکر نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ نکلا تورات = انہوں نے تورات کھولی۔ تو اتفاق کی بات ہے کہ وہی صفحہ نکلا جس میں زانی کے لئے جہم کا حکم تھا۔ ایک یہودی نے جلدی سے دیکھ کر اپنا ہاتھ دکھایا۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود نے دیکھ لیا اور انہوں نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا تو نیچے زانی کے لئے جہم کا حکم موجود تھا۔ جب اس قسم کے موٹے موٹے مسائل سے بھی لکڑیہود ناواقف تھے تو ان کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ باریک مسائل کے متعلق علم رکھتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم ان سے حاصل کرتے تھے۔ بلکہ حدیثوں سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات پڑھنی شروع کی تو آپ سخت ناراض ہوئے مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنة ایسی صورت میں یہ خیال بھی کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ آپ یہودی علماء سے تورات کی باتیں معلوم کیا کرتے تھے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دشمنوں کے اس اصرار میں جواب دیا ہے اور فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ لوگ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے تورات اور انجیل پڑھ کر یہ باتیں معلوم کر لی ہیں آپ کے لئے تو تورات اور انجیل پڑھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ اُمی اور آن پڑھ تھے۔ اور اگر بالفرض آپ نے وہ کتابیں پڑھی ہوں تو ان کے واقعات کے متعلق ضروری تھا کہ آپ دوسروں کے تابع بھی کرتے۔ آخر جب کوئی شخص علم حاصل کرتا ہے تو وہ ایک دودن میں ہی اس کے تمام مسائل سے واقف نہیں ہو جاتا بلکہ وہ سال دو سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت تک پڑھنے کے بعد اس کے مسائل کے متعلق واقفیت حاصل کرتا ہے۔

مِنْ كِتَابٍ سَمِعَ النَّبِيُّ مِنْهُ - یعنی کتب سنا دیے ہیں سے آپ نے کوئی کتاب نہیں پڑھی بعد یہ ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مخالفین کہہ دیا کرتے تھے کہ آپ تورات اور انجیل کی باتیں دوہرا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مجھے یہ یہ الہام ہوا ہے۔ بلکہ اب تک عیسائی بھی لکڑیہود سے کہتے رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ ان کے اس اصرار میں ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مَن كُنْ مِنْهُمْ يَحْمِلُ غَلْظَ كَلِمَةٍ وَآخِثَةٍ مِنْهُمُ شَامِ لُغٍ تَوَاتُ كِي آتِينَ سُنَّاهُ - جنہیں یہ دوہرا دیتا ہے۔ یعنی ہماری کتابوں سے چُرا چُرا کر یہ باتیں بیان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمارا یہ رسول اُمیوں میں رہتا ہے اور ان سے سارا دن باتیں کرتا رہتا ہے مگر شام تک تو یہ تورات اور انجیل کے کسی واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ صبح کو اٹھتا ہے تو ان کتابوں کے واقعات دوہرا کر شروع کر دیتا ہے اور دوہراتا بھی اس شان سے ہے کہ تورات اور انجیل کے تمام غلط واقعات کی تصحیح کرتا چلا جاتا ہے۔ اور جن واقعات کو بائبل نے ترک کر دیا ہے ان کو بیان کر دیتا ہے۔ گویا وہ تورات کی نقل نہیں کرتا بلکہ تورات کی خامیوں کی اصلاح کرتا اور پھر اس گمراہ و غبار کو بھی دُور کرتا ہے جو مردِ زمانہ کی دُور سے یہود اور نصاریٰ کے ہاتھوں انبیاء کے مقدس چہروں پر پڑ گئی تھی۔ پھر بعض مسائل تورات کے ایسے بھی تھے جن کو اس وقت خود یہودی بھی نہیں جانتے تھے۔ مثلاً احادیث میں لکھا ہے کہ مدینہ کے یہودی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک آدمی کو لے کر آئے جس پر زنا کا الزام تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تورات میں زانی

اور پھر جو علم وہ حاصل کرتا ہے اُس کے متعلق دوسرے لوگوں سے گفتگو بھی کرتا ہے۔ لیکن تم جانتے ہو بہار اس رسولؐ نے اس سے پہلے کسی سے اس قسم کی باتیں نہیں کیں پھر اب جو یکدم اس قسم کی باتیں کرنے لگ گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ باتیں اُسے کسی ایسی ہستی نے بتائی ہیں جو تمام دنیا کے علموں سے زیادہ علم رکھنے والی ہے۔ ورنہ بہار یہ رسولؐ تو اپنی زبان میں بھی ہوئی کتاب بھی نہیں پڑھ سکتا۔ کسی دوسری زبان میں بھی ہوئی کتاب کس طرح پڑھ سکتا ہے۔

پس یہاں جن کتب سے مراد کتب سادہ ہیں اور خدا تعالیٰ بے یمن، مسلم کو اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ہمارا یہ رسولؐ تم ہی رہتا ہے کیا اس کو کبھی کسی نے تورات یا انجیل کے متعلق باتیں کرتے دیکھا۔ اگر نہیں تو پھر کس طرح ایک ہی رات میں اُس نے ان کتابوں کو پڑھ لیا۔ اور ایک ہی رات میں غیر زبان سیکھ لی۔ اور ان کتابوں کے سارے مضامین اذکر لکھے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ بھی تو ایک معجزہ ہے۔ مگر یہ تو ان کتابوں سے بالکل نادان تھا۔ اُس نے کبھی ان کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کی پھر سوچنے والی بات یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات پڑھنی کس سے تھی۔ مگر میں صرف ایک ہی شخص و قدہ بن نوحؑ تھے جو تورات کے بعض حصے عبرانی سے عربی میں نقل کیا کرتے تھے۔ مگر سادی تورات وہ بھی نہیں جانتے تھے۔ دعویٰ کرنے کے بعد جب آپؐ نے دیکھا کہ بعض لوگ تورات پڑھتے ہیں تو آپؐ نے انکو منع فرما دیا تاکہ اُن پر قرآن کریم اور تورات کے مسائل مختلف نہ ہو جائیں۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ کوئی مسئلہ تورات میں ہو اور وہ اُس کے متعلق یہ خیال کر لیں کہ یہ قرآن کریم میں ہے۔ یا کوئی مسئلہ قرآن کریم میں ہو اور وہ اس کے متعلق یہ سمجھیں کہ یہ تورات میں ہے۔ اس لئے آپؐ نے تورات کے پڑھنے سے منع

فرما دیا۔ اسی طرح حدیثوں کے لکھنے سے بھی منع فرما دیا۔ کیوں کہ اُسوقت قرآن کریم اُتر رہا تھا۔ اور خطرہ تھا کہ دوسری باتیں اس میں مخلوط نہ ہو جائیں۔ وَلَا تَخْطَفُ بِالْیَمِیْنِیْنِکَ مِنْ اِسْ طَرَفِ اِشْرَافِ فرمایا کہ جس کتاب کی تلاوت کی نفی کی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسے لکھا بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ نفی بھی عام ہے۔ یعنی کتب سادہ میں سے کوئی کتاب آپؐ لکھا بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی اس نے بھی ضروری تھی کہ مومن تھا کوئی شخص یہ خیال کر لیا کہ وہ قدہ بن نوحؑ نے جس قدر تورات کا ترجمہ کیا تھا شاید اُسی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کر لیا ہو۔ کیونکہ بعض دفعہ انسان کو غفلت نہیں سمجھتا مگر نقل کرتا جاتا ہے۔ جیسے کاپی نویس بعض دفعہ مضمون نہیں سمجھتے مگر نقل کر دیتے ہیں۔ اور جو شخص اس طرح نقل کرے وہ کچھ نہ کچھ حردت سمجھ بھی جاتا ہے۔ مثلاً مجھے عبرانی نہیں آتی لیکن بعض الفاظ جو عربی سے ملتے جلتے ہیں سمجھ آ جاتے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ اِیْلٰی اِیْلٰی لِمَا سَبَقْتَانِیْ یٰہِ مِرْثٰی زَبَانِ کے الفاظ ہیں مگر عربی کے ساتھ ملتے ہیں اور ان کا عربی زبان میں یہ مفہوم ہے کہ اِلَیْہِیْنَ اِلَیْہِیْنَ یَعْنٰی تَوَکَّلْہِیْ خَلْقًا وَ ذَہْبًا اَمَانًا۔ سَبَقَ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ کوئی شخص آگے نکل جائے اور اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ جائے گویا مَتَّبَعْتَنِیْ کے معنی تَرَکْتَنِیْ کے ہیں۔ اب گویا عبرانی نہیں جانتا لیکن چونکہ میں عربی جانتا ہوں۔ اس لئے ایسے الفاظ کو آسانی سے سمجھ سکتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منزل کے طویل فرمایا کہ تُو تو ان کتابوں کو نقل بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس طرح مجھے کچھ نہ کچھ معلوم ہو جاتا وَخَطَفَ بِالْیَمِیْنِیْنِکَ سے ایسا ہی لکھنا مراد ہے جیسے کاتب بے سوچے سمجھے لکھ دیتے ہیں۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا

اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانات نہیں اُترے۔ کہو کہ نشانات تو خدا کے

الآيَاتِ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾ أَوَلَمْ

پاس ہیں (جب ۵۱ فائدہ دیکھتا ہے آتا ہے) اور میں تو ایک کھلا کھلا ہوشیار کرناوالا ہوں۔ کیا اُنہی نے

يَكْفِهِمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

(یہ نشان) کافی نہ تھا کہ ہم نے تجھ پر ایک کھل کتاب (یعنی قرآن) کو نازل کیا جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾

اس امر میں مومنوں کے لئے تو بڑی رحمت اور نصیحت کے سامان ہیں۔ ۵۳۲

خالی میں جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں تو یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کتابوں سے یہ باتیں اخذ کی ہیں سو درج کو حیدر اغ دکھانے کے مترادف ہے۔

۵۳۲ تفسیر:- فرمایا۔ ظالم لوگ کہتے

ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اُترے۔ اے محمد رسول اللہ! تو ان سے کہہ دے کہ تمہارے نزدیک تو نشان سے مراد نشانِ عذاب ہی ہوتا ہے اور ایسے نشان بھی خدا کے پاس موجود ہیں۔ مگر میرا کام تو صرف ہوشیار کرنا ہے۔ اور پھر سوال یہ ہے کہ کیا ان لوگوں کے لئے یہ نشان کافی ہیں کہ ہم نے تجھ پر ایک کھل کتاب اُنا دی ہے جو ان کے لئے اپنے اندر رحمت کا بڑا بھاری سامان ہر ایت رکھتی ہے۔

فرماتا ہے أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَ

ذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ ارے اب بھی ان کو کسی اور جگہ جانے کی ضرورت ہے جبکہ ہم نے انہیں بتی بڑی

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُذُوًّا يَعْلَمُونَ میں بتایا کہ اس قرآن میں ایسی قسیم ہے کہ آسمانی علم والے لوگ فوراً اسے اپنے دلوں میں محسوس کرنے لگتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ صرف ظالم ہی اس کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی اگر یہ خدا کی کلام نہ ہوتا تو خشیت اللہ رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں اس کے ذریعہ سے علمِ عرفان کے چمکے کیوں پھوٹ پڑتے۔ یہ بات تو صرف اپنی تائید سے ہوتی ہے اور تائیدِ الہی اُسی کلام کو حاصل ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے ہو۔ فرض اس آیت میں اس اعتراض کا رد کیا گیا ہے جو بالعموم دشمنانِ اسلام کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات اور انجیل کو بڑھ پڑھ کر یا لوگوں سے سُن سُن کر یہ باتیں قرآن میں درج کر لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کریم میں تو

ایسے علوم ہیں جو پہلی کتابوں میں ہیں ہی نہیں۔ اور جب وہ ان علوم سے خالی ہیں تو نقل کیسے ہو گئی۔ مخالفین کا فرض ہے کہ وہ پہلے یہ ثابت کریں کہ ان کی کتابوں میں یہ مضمون موجود تھے لیکن جب ان کی کتابیں ان تمام حقائق و معارف سے

جیز دے دی ہے جس کی آدکس مثال ہی نہیں ملتی یعنی ہم نے ایک کتاب تاروی ہے اور وہ ایسی کتاب ہے کہ یُسْتَلٰی عَلَیْہُمْ سَمْدَر کے پاس تو لوگ جاتے ہیں۔ مگر یہ سمندر ایسا ہے کہ آپ تہاڑے پاس چل کر آئیں گے۔ پھر دنیا میں تو لوگ استادوں کے پاس جاتے اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بتایا جائے کہ فلاں بات کس طرح ہے۔ مگر یہاں وہ استاد بھیجا گیا ہے کہ جسے خدا کی طرف سے یہ حکم ہے کہ یَبْلَغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ جَامِعًا تَمُوذ لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں یہ تمام باتیں پہنچاؤ۔ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے ان میں سے ایک بات بھی نہ پہنچائی تو ہم تمہیں گے کہ تم نے کچھ بھی نہیں پہنچایا۔ گویا ہمارا استاد اور ہمارا آقا خود ہمارے گھروں پر چل کر آگیا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَوْحًا مَّحْمُودًا اگر تم سوچو تو ہمیں معلوم ہو کہ ہم نے اپنے رسول کو جو یہ حکم دیا ہے یہ تم پر ہمارا اتنا عظیم الشان انعام ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی قرآن حکیم میں رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ رکھا گیا۔ گویا پنجابی کی دہی مثال یہاں صادق آ رہی ہے کہ ”چوڑیاں تے دود“ یعنی روٹیاں گھی سے پیڑی ہوئی بھی ہوں اور پھر میں بھی دود۔ تو کیا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بھی کہتا ہے کہ ہم نہیں ایک تو چڑی ہوئی روٹیاں دے رہے ہیں اور پھر دود دے رہے ہیں۔ ایک تو ہم نے وہ کتاب دی جو ہر طرح کا لالہ اور مکمل ہے اور جس کی نظیر کسی اور الہامی کتاب میں نہیں مل سکتی اور پھر اپنے رسول کو یہ حکم دے دیا ہے کہ جاؤ اور ہمدی کتاب خود لوگوں کے گھر پہنچ کر انہیں سُناؤ۔ اور اس کی تعلیموں سے انہیں آگاہ کرو۔

وَ ذِکْرُ نِعْمَۃِ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اَلَمْ یَرْسِلْکُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْمٰنٍ اِلَیْہِمْ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَلَمْ یَرْسِلْکُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْمٰنٍ اِلَیْہِمْ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَلَمْ یَرْسِلْکُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْمٰنٍ اِلَیْہِمْ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ

بعض لوگ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں نصیحت کی باتیں ہیں۔ یہ معنی بھی درست ہیں مگر اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ جو لوگ اس کتاب پر سچے دل سے ایمان لائیں گے ان کا ذکر نیک دنیا میں جاری رہے گا۔ اور کہا جائیگا کہ فلاں نے یہ خدمت کی اور فلاں نے وہ خدمت کی۔ مگر یہ کتاب نہ صرف ذاتی کمالات کے لحاظ سے ایک شرف اور عظمت رکھتی ہے بلکہ جو لوگ اس پر صدق دل سے ایمان لائیں گے وہ بھی دنیا میں معزز اور کرم ہو جائیں گے اور چونکہ یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ قرآن کریم قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے کس طرح کا ہو سکتا ہے جبکہ ہر زمانہ اپنے ساتھ نئی ضروریات لاتا اور نئے تغیرات پیدا کرتا ہے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب کے ازالہ کے لئے فرما دیا کہ قرآن کریم کے سرات بطور ہیں۔ عام طور پر لوگوں نے اس حدیث کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف زمانوں کے تغیرات کے مطابق قرآن کریم کی آیات کے معنی کھلتے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ چھپے لوگوں کو قرآن کریم کی کئی آیات کے وہ معنی نظر نہ آئے جو بعد میں تغیرات کے لئے زمانہ کے لوگوں کو نظر آئے۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے جو نکات اور حقائق نکالے وہ قرآن کریم میں نئی آیات داخل کر کے نہیں نکالے آیات وہی تھیں ہاں آپ پر اس زمانہ کے مطابق ان کا بطور ظاہر ہوا۔ چونکہ زمانہ کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اور موجودہ زمانہ مذہب کے متعلق امن اور صلح کا زمانہ تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم سے امن کے احکام اور صلح کی تعلیم پیش فرمائی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ کُتِبَ عَلَیْہِمْ اَلَمْ یَرْسِلْکُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْمٰنٍ اِلَیْہِمْ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَلَمْ یَرْسِلْکُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْمٰنٍ اِلَیْہِمْ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَلَمْ یَرْسِلْکُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْمٰنٍ اِلَیْہِمْ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ

جو خدا تعالیٰ نے آپ پر کھولا۔

قرآن کریم کے سات بطن سے مملو سات عظیم الشان ذہنی اور عقلی اور علمی تغیرات ہو سکتے ہیں اور اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر ایک تغیر میں قرآن کریم قائم رہیگا اور کوئی یہ نہیں کہہ سکیگا کہ ہمارے زمانہ کی ضروریات کو قرآن پورا نہیں کرتا۔ باقی اہامی کتابیں تو ایسی ہیں کہ جن کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب زمانہ بدلا اور دنیا میں تغیر آیا تو ان کتب میں جو کلام تھا اس کے وہ معنی نہ نکلے جو اس زمانہ کے ذہنوں کے مطابق ہوتے۔ اس لئے قابل عمل نہ رہیں مگر قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جوں جوں دنیا میں تغیر آتے جائیں گے اور لوگ قرآن پڑھیں گے اس زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والا مفہوم اس میں سے نکلے آئیگا اور لوگ تسلیم کریں گے کہ ہاں قرآن کریم ہی اس زمانہ کیلئے بھی کافی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس زمانہ کے لئے بھی رسول ہیں۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ قرآن کے سات بطن ہیں اس سے ضروریات نہیں کہ یہی مراد ہو کہ سات ہی بطن ہیں بلکہ جو سکتا ہے کہ دس بیس پچاس سو ہزار دو ہزار بطن ہوں۔ کیونکہ عربی زبان میں سات کا عدد کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ متبعہ صحاح و تہ کے معنی یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسانی ترقیات کے لئے ہزاروں بلندیاں پیدا کی ہیں۔ غرض فرمایا کہ قرآن کریم کو ہم نے ایسا بنایا ہے کہ یہ ہر زمانہ کے لئے کافی ہوگا۔ اس میں ہر زمانہ کے خیالات پر بحث موجود ہوگی۔ اگر کسی زمانہ کے لوگوں کے خیالات غلط ہونگے تو ان کی تردید کی جائے گی اور اگر صحیح ہونگے تو تائید کی جائے گی۔

حقیقت قرآن کریم میں یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ جب وہ کوئی مضمون لیتا ہے تو اس کے تمام متعلقہ مضامین کو اس کے نیچے تہ بہ تہ جمع کر دیتا ہے۔ بالکل ایسی طرح طرح

یعنی تجھے اس نے نہیں بھیجا گیا کہ تو لوگوں سے جبری طور پر اپنا مذہب منوائے۔ نہ ہم نے ان پر جبر کرنے کے لئے بھیجا ہے جو مذہب پھیر لینے میں اور کفر اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو سزا دینا خدا کا کلام ہے۔ تو کام نہیں کیونکہ خدا کو جانتا ہے تو نہیں جانتا۔ یہ دو مرام ہیں تھا جو اس زمانہ کے حالات کے مطابق آپ پر کھولا گیا۔ اور اسلام کی تائید میں تلوار اٹھانے سے منع کیا گیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ قرآن کریم کے سات بطن ہیں اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ دنیا میں سات بڑے بڑے تغیرات آئیں گے اور ہر تغیر کے زمانہ میں لوگوں کے ذہن بدل جائیں گے۔ اسوقت خدا تعالیٰ قرآن کریم کے ایسے معنی کھول دیگا جو لوگوں کے اس وقت کے ذہنوں اور قلوب کو تسلی دینے والے ہونگے۔ اسی زمانہ میں مسیحوں سے اسی ایسے رنگ میں کھلے ہیں کہ پہلے ان کی ضرورت اور اہمیت محسوس نہیں کی جاسکتی تھی۔ مثلاً آیات قرآنی کے نسخ کا مسئلہ ہے۔ پہلے ایسے وقت میں نسخ کا سوال پیدا ہوا کہ اسوقت کے لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کامل تھا۔ پس باوجود نسخ کے عقیدہ کے یہ بات قرآن کریم کی کجائی کے معلوم کرنے میں روک نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن جب ایسا زمانہ آیا کہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دور ہوئے اور دنیا کے ذہنی اور علمی تغیرات کے مطابق قرآن کریم کی آیات کے معنی نہ کر سکے تو کہنے لگے یہ آیت بھی منسوخ ہے اور وہ آیت بھی منسوخ ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا اور آپ نے ثابت کیا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ان معنوں میں منسوخ نہیں ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ اور جن آیات کو منسوخ قرار دیا جاتا تھا ان کے ایسے معنی بیان فرمائے جن میں لوگوں کی عقلیں آسانی سے قبول کر سکتی ہیں۔ یہ ان آیات کا دوسرا بطن تھا

تعلیم بنالیا جائے اور سمندر سیاہی بنا دیا جائے اور پھر
 نورسات سمندر کا پانی بھی سیاہی بنا دیا جائے اور ان
 تعلقوں اور سیاہی سے اللہ تعالیٰ کے کلمات دیکھے جائیں
 تو دنیا بھر کے درختوں اور باغات کے درختوں کی تعلیم ٹوٹ
 جائیں گی اور ساتوں سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی
 مگر قرآنی سمندر پھر بھی بھرا ہوا ہی دکھائی دینگا اور اس کے
 معارف کبھی ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔ کیونکہ جس طرح
 خدا مجید ہے اسی طرح یہ قرآن بھی مجید ہے (البروج)
 اور بری شان اور عظمت کا کلام ہے۔ دنیا پر کوئی زمانہ
 ایسا نہیں آسکتا جس میں قرآن مجید لوگوں کی رہنمائی کرنے
 سے قاصر ہو۔ ہر زمانہ میں ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا
 اور مخالفین اسلام کی آنکھوں کو اپنی چمک سے خیرہ کر دیتا
 ہے۔ وہ تواریت اور زندقہ اور بدعت اور دیک کی طرح ایک
 مردہ کتاب نہیں جو ہر زمانہ کی مشکلات کا حل پیش کرنے سے قاصر
 ہو بلکہ وہ ایک زندہ کتاب ہے جس سے ہر زمانہ میں
 زندگی کا تازہ سامان لوگوں کو میسر آسکتا ہے اور
 معارف اور حقائق کا ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہونے
 میں نہیں آسکتا۔ مگر بدعتی سے مسلمانوں میں جہاں اربہت
 سی خرابیاں پیدا ہوئیں وہاں انہوں نے اس قرآنی حسن
 بھی اپنی آنکھیں بند کر لیں اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ تفسیر
 بیضادی اور جلالین وغیرہ میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے
 اب اس سے زیادہ کوئی بات بیان کرنا حرام ہے۔ نہ تو
 نے یہ نہ سمجھا کہ یہ کلام ایک مجید خدا کا نازل کردہ ہے
 جو خود بھی بڑی شان اور بزرگی کا حامل ہے اور جس طرح
 قانون قدرت کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے اسی طرح
 کلام الہی کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ دنیا میں کوئی
 زمانہ ایسا نہیں گذرا جب ایجادیں ختم ہو گئی ہوں۔ دہل
 نکلی تو کہا گیا اب کوئی چیز اس سے زیادہ کیا نکلی گی۔
 اس وقت دہل پندرہ میل فی گھنٹہ چلتی تھی۔ پھر

تیس میل فی گھنٹہ چلتی شروع ہو گئی۔ پھر ۳۵ میل فی گھنٹہ
 چلتی شروع ہو گئی۔ پھر چالیس میل فی گھنٹہ چلتی شروع ہو
 گئی۔ پھر پچاس میل فی گھنٹہ چلتی شروع ہو گئی۔ پھر
 ساٹھ میل فی گھنٹہ چلتی شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ اب ۵۷ میل
 فی گھنٹہ تک دہل چل سکتی ہے۔ اس کے بعد موٹر نکل آئی۔
 پہلے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی۔ وہ سمجھتے
 تھے کہ دہل تو لہے کی بٹری پر دوڑتی ہے مگر موٹر کیسے
 دوڑیگی۔ پھر دہل کے انجن میں کوئلہ ڈالا جاتا ہے۔ پانی
 ڈالا جاتا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مزید کوئلہ اور
 پانی ڈالا جاتا ہے اور اس کوئلے اور پانی سے جھاپ پتی ہے
 جس سے دہل چلتی ہے لیکن یہ موٹر کیسے چلے گی لیکن موٹر میں
 ایجاد ہوئی اور لوگوں نے خیال کیا کہ اس سے بڑھ کر اور
 کیا چیز ہوگی۔ پھر کاربن آگئیں۔ تو لوگوں نے خیال کیا
 یہ بڑی عجیب چیز ہے۔ پہلے پہل جو کاربن آئی تھی وہ بڑی
 اونچی اور بے دھول سی تھی اس سے بڑی آواز پیدا ہوتی
 تھی اور جھٹکے لگتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ کاربنچی ہوئی شروع
 ہوئی۔ پھر جھٹکے کم لگنے شروع ہوئے۔ پھر سرسند ٹھٹھنے
 شروع ہوئے تو آواز کم ہونے لگی اور آہستہ آہستہ آواز
 اتنی کم ہو گئی کہ اب کاربن سے گزرتے تو معلوم بھی
 نہیں ہوتا۔ صرف ٹرک کے ساتھ گئے سے جو آواز پیدا
 ہوتی ہے وہی آتی ہے۔ پھر لوگوں نے خیال کیا کہ اس سے
 بڑھ کر اور کیا ایجاد ہوگی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہوائی جہاز
 نکل آئے۔ پہلے ایسے ہوائی جہاز نکلتے جو صرف پچاس ساٹھ
 میل چل کر پرواز ختم کر دیتے تھے۔ پھر سو ڈیڑھ سو میل
 تک چلنے والے جہاز نکلتے۔ تب پھل جیٹ اعلیم ہوئی تو
 سو ڈیڑھ سو میل کی رفتار پر بھی لوگ حیران ہوتے تھے لیکن
 اب ایسے جہاز نکل آئے ہیں جو چھ سو میل فی گھنٹہ کی
 رفتار سے اڑان کرتے ہیں بعض ایسے ہیں جو ایک ہی لمحہ
 پُر دلے کر چھ سو ڈیڑھ سو میل چلے جاتے ہیں۔ پھر گولیاں

نکل آئیں۔ پہلے بندہ تیس ایجاد ہوئیں جن میں ایک ایک کوئی بھری جاسکتی تھی۔ لیکن بعد میں انفلین ایجاد ہوئیں جن میں سات سات دس دس گولیاں بھری جاتی ہیں۔ پھر مای گیس نکل آئیں جن کی چرخی پر سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو گولیاں چڑھا دی جاتی ہیں۔ پھر برین گیس نکل آئیں جو تین تین میل تک گولی پھینکتی ہیں۔ اور ایک منٹ میں تین سو چار چار سو فائر کر دیتی ہیں۔ پھر ایسی توپیں نکل آئیں جو چٹے ہوئے ہوائی جاذبوں اور ٹینکوں کو بھی تباہ کر سکتی ہیں۔ پھر بم نکلا اور بم پھینکنے سے مرگت قریب کے لوگوں کو نقصان پہنچایا جاسکتا تھا لیکن بعد میں ایسی انفلین نکل آئیں جن کے ساتھ وہی بم دور تک پھینکا جاسکتا تھا۔ پھر توپوں کے ساتھ پھینکنے والے بم ایجاد ہوئے پھر ایٹم بم نکلا جو حجم کے لحاظ سے چھوٹے سائز کا ہوتا ہے۔ لیکن نقصان پہنچانے میں دوسرے ہوں کو مات کر گیا ہے۔ اور سیلوں تک اثر کرتا ہے۔ اب H بم نکلا ہے اور کوہلٹ بم کے متعلق بھی معلوم کر لیا گیا ہے کہ وہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ پھر پہلے کوئی آدمی خندق میں چھپ جاتا تھا تو وہ بم کے اثرات سے بچ سکتا تھا۔ لیکن اب ایسے ذرائع معلوم کر لئے گئے ہیں کہ جن کی وجہ سے بموں کی گرمی اور اثرات سال تک باقی رہتا ہے۔ اور خندق میں چھپا ہوا آدمی جب بھی نکلے گا موت کا شکار ہو جائیگا۔ غرض دنیا میں بہت ہی ایجادیں ہوتی جاتی ہیں پھر کیا خدا کا کلام ہی اتنا کر دیتا کہ اُس میں سے نئی چیزیں نہ نکل سکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن لوگوں کو بتایا کہ کلام الہی کے خزانے ختم نہیں ہو گئے بلکہ جس طرح قانون قدرت کے خزانے ختم نہیں ہوتے۔ اسی طرح کلام الہی کے خزانے بھی ختم نہیں ہوتے۔ اور یہ خیال کر لینا سنتِ حقیقت ہے کہ کوئی شخص اس کے لئے مطالب بیان نہیں کر سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کے نئے نئے معانی اور مطالب نکلتے آئیں گے کیونکہ یہ حمید خدا کا نازل کردہ کلام ہے جو مکمل یومِ حُرُوفِ شَافِی کا مصداق ہے۔ جب نئے معنوں میں یہ چیزیں پائی جاتی ہوں۔ کہ قرآنی آیات اُن کی مصداق ہوں۔ نظریات انسانی اُن کی تصدیق کرے اور پھر لغتِ عرب بھی اُن کے خلاف نہ ہو تو وہ ٹھیک ہونگے۔ اگر اُن کو غلط کہا جائے تو یہ ایسی ہی بات ہوگی جیسے کسی بیوقوف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ میں زخمی ہو گیا وہ بڑا دل تھا اُسے باوجود زخمی ہوئے اور خون دیکھنے کے یہ شک تھا کہ شاید زخم نہیں ہوا۔ وہ بھاگتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ یا اللہ یہ خواب ہی ہو۔ یا اللہ: یہ خواب ہی ہو۔ اب یہ کتنی حماقت کی بات ہے کہ زخم ہو چکا ہے اور اس سے خون بہ رہا ہے۔ مگر وہ کہتا جاتا ہے کہ یہ خواب ہی ہو۔ اسی طرح قرآن کریم نے ہمیں چودہ سو سال پہلے سے بتا دیا ہے کہ قرآنی آیات کے نئے نئے معانی زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے نکلتے رہیں گے۔ اگر وہ منہ لغتِ عرب کے مطابق ہیں اور دوسری قرآنی آیات اس کی مصداق ہیں یا کم از کم اُس کو رد نہیں کرتیں تو وہ غلط کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ آیا وہ معیار پر ٹھیک اُترتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً کیا وہ عقل کے خلاف تو نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے ہی عقل کو پیدا کیا ہے اور ایک ہی منبع سے نکلنے والی دو چیزیں متضاد نہیں ہو سکتیں۔ پھر ہم نے یہ دیکھا ہے کہ وہ معنی دوسری قرآنی آیات کے خلاف نہ ہوں کیونکہ کلامِ الہی میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ دیکھا ہے کہ عربی لغت اُن کی تائید کرتی ہو۔ کیونکہ قرآن کریم نے خود یہ بیان کیا ہے کہ وہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے پس لغتِ عربی اور دوسری آیات جن معنوں کی تائید کرتی ہوں وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ ورنہ اپنے طور پر نمایاں

کر لینے سے تو اندھیرا آجاتا ہے۔ حضرت سید موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ”مَنْ الرَّحْمَنُ“ کتاب لکھی اور ثابت کیا کہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ تو یہ بات سنکر بعض لوگ اسی بات میں لگ گئے کہ وہ ہر لفظ کو قرآن کریم سے نکالا ہوا ثابت کریں۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک دوست سے کسی نے پوچھا کہ کیا قرآن میں مرحوں کا ذکر بھی ہے۔ انہوں نے کہا۔ کیونکہ اَللّٰهُ لَوْ وَدَّ الْمُؤْمِنَانِ میں مرجان مرحیں ہی تو ہیں۔ پھر ان دنوں ساؤتھ افریقہ میں لڑائی پوری تھی۔ کسی نے پوچھا کہ اس لڑائی کا قرآن کریم میں کہیں ذکر ہے تو انہوں نے کہا۔ کَوْنًا بُؤْرًا میں ہی لوگ مُرَاد ہیں کیونکہ ساؤتھ افریقہ والوں کو بُؤْر کہتے ہیں۔ اس قسم کے سنے کن جائز نہیں اگر اس قسم کے سنے بیان کرنے شروع کر دیئے جائیں تو تباہی آجائے۔ لیکن جو سنے لغت عربی کے مطابق ہو یا عقل اُن کی تائید کرتی ہو۔ اور باقی قرآنی آیات بھی ان کی مخالفت نہ ہوں۔ وہ آج نکلیں یا آج سے چار پانچ سو سال بعد نکلیں وہ درست ہونگے۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہیں گے کہ اگر ایک ایک آیت کے موصو۔ دو دو موصو۔ سنے بھی کئے جائیں تو وہ درست ہونگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے علوم کا ایک خزانہ ہمیں عطا فرمایا ہے اور اپنی مجد اور شان کے اظہار کے لئے اسے ایک گواہ بنایا ہے۔

اس زمانہ میں صرف بہائیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآنی شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ مگر ان کا یہ دعویٰ تب سچا سمجھا جاسکتا تھا جب بہائی لوگ اس میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی نکال کر پیش کرتے جن پر عمل نہ ہو سکتا۔ یا بہائیت کی تعلیم میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی دکھاتے جو قرآن کریم میں موجود نہ ہوتیں اور اس کی تعلیم سے بہتر ہوتیں۔ مگر وہ آج تک کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکے۔

پس قرآن کریم نہ نسل ہوا نہ آئندہ کبھی نسل ہوگا۔ بلکہ یہ قیامت تک نسل نہیں ہوگا۔ زمین بدل سکتی ہے۔ آسمان بدل سکتا ہے۔ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم آسکتی ہے ایک حکومت ملے تو اس کی جگہ دوسری حکومت آسکتی ہے۔ زبانیں مل سکتی ہیں لیکن قرآن کریم کبھی نسل نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا نازل کردہ آخری قانون ہے جو ہمیشہ قائم رہیگا۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ نسل ہو گیا ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے اور ہم اب بھی اُسے صلح کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے چند ایسے احکام پیش کرے جو ناقابل عمل ہوں یا وہ کچھ باتیں ایسی پیش کرے جو نہایت مفید اور اعلیٰ درجہ کی تعلیمات پر مشتمل ہوں اور بہائیت میں ہوں قرآن کریم میں نہ ہوں۔ رنگوں سے ایک دفعہ ایک بہائی نے ایک کتاب شائع کی جس میں اُس نے ذکر کیا کہ بہائیت نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیمات پر مشتمل ہے بہائیت کہتی ہے کہ عودت سے نیک سلوک کرو۔ روکیوں کو تعلیم دو۔ ظلم نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم کوئی ایک ہی مذہب ایسا بتا دو۔ جو کہتا ہو کہ عودت سے نیک سلوک نہ کرو۔ روکیوں کو تعلیم نہ دو۔ ظلم نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو اس قسم کی تعلیم دیتا ہو۔ دراصل بات یہ ہے کہ بہائیوں نے قرآن کریم کی تعلیم میں سے بعض پوائنٹ لے کر انہیں ایک علیحدہ تعلیم کے رنگ میں پیش کر دیا ہے۔ ورنہ ہر سچائی قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور پھر ان لوگوں کی اپنی حالت یہ ہے کہ جب عباس آفندی امریکہ سے واپس آیا تو اُس نے لکھا کہ میں سب سے پہلے بہاء اللہ کی قبر پر نماز پڑھنے گیا اور میں نے وہاں سجدہ کیا۔ اس قدر شرک میں ملوث ہوتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نسل ہو گیا ہے اور اُس کی جگہ بہائیت نے لے لی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم وہ کتاب ہے

قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَلِيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شٰهِيْدًا ۝۱۰۷ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝۱۰۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا

تو کہہ دے میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ فیصلہ کرنے والا اللہ ہی کافی ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝۱۰۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا

اور زمین میں ہے اُسے وہ جانتا ہے۔ اور جو لوگ باطل پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام

بِاللّٰهِ ۝۱۰۹ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۱۰ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ

کا انکار کرتے ہیں وہی گھائے میں پڑنے والے ہیں ۱۰۹ اور وہ تجھ سے عذاب کے جلدی لانے کی خواہش کرتے ہیں۔

وَلَوْلَا اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۝۱۱۱ وَ

اور اگر ایک مقرر وقت نہ ہو تو عذاب اُن کے پاس آجاتا۔ اور اب بھی

لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱۲

وہ اُن کے پاس ضرور آئیگا اور اچانک آئیگا اس حالت میں کہ وہ جانتے بھی نہ ہونگے۔ ۱۱۲

میں نے دنیا سے بُت پرستی کا قلع قمع کر دیا تھا لیکن یہاں بولنے دوبارہ بُت پرستی شروع کر دی ہے۔ کون عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ قبر کی مٹی پر سجدہ کرنا کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اور کیا ایسا مذہب اسلام کے آگے ٹھہر سکتا ہے جس نے عربی شُرک کو کلی طور پر مٹا دیا تھا اور جس کے بانی نے مرض الموت میں بار بار کہا کہ اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ کی لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ ایسے عظیم الشان مذاکرے متعلق یہاں بولنے کا یہ کہنا کہ اسلام خُل ہو گیا ہے نہایت

۱۱۲ تفسیر: — فرمایا: یہ لوگ جو عذاب کے آنے کی جلدی کر رہے ہیں۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ عذاب دینے میں دھیمہ ہے۔ اگر اُس نے ایک وقت مقرر نہ کیا ہوتا تو عذاب ابھی آجاتا۔

۱۱۳ تفسیر: سراسر آیت میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے سامنے قرآن کریم کے ذریعہ ایک بہت بڑا نشانِ رحمت ظاہر کر چکا ہے۔ لیکن اگر تم عذاب کا نشان ہی دیکھنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ وہ عذاب کا نشان بھی تمہیں دکھا دیگا

اور جھوٹا ظاہر ہو جائیگا اور سچا فتح پا جائے گا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والا انبیازی نشان جھوٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر بات کو جانتا ہے۔ پس اس کے عذاب سے وہی لوگ تباہ ہو سکتے ہیں جو جھوٹ پر ایمان لاتے ہیں اور اُس کے نشانات کا انکار کرتے ہیں۔

۱۱۴ تفسیر: — فرمایا: یہ لوگ جو عذاب کے آنے کی جلدی کر رہے ہیں۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ عذاب دینے میں دھیمہ ہے۔ اگر اُس نے ایک وقت مقرر نہ کیا ہوتا تو عذاب ابھی آجاتا۔ اب بھی آئیگا تو سہی مگر اچانک آئیگا اور ایسی حالت میں آئیگا کہ وہ جانتے بھی نہ ہونگے۔ جیسے فتح مکہ ایسی اچانک ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر مکہ کے پاس بھی پہنچ گیا۔ اور مکہ والوں کو خبر تک نہ ہوئی۔

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ

(اور) وہ تجھ سے عذاب کے جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور جہنم کا فروں کو یقیناً تباہ کرنے والی

بِالْكَافِرِينَ ۝۵۵ يَوْمَ يَخْشَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ

۷۷۳۔ ۵۵۔ جس دن کہ جہنم کا عذاب کا فروں کو گھیر کر تباہ کر دیگا، یہ وہ دن ہوگا کہ خدای عذاب انکے اوپر بھی نہیں

وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۵۶

لوہاں لگا اور انکے پاؤں کے نیچے سے نکل کر بھی انکو گھیر لگا۔ اور (خدا) کہیگا اپنے عملوں کا نتیجہ چکھو۔ ۷۷۳۔ ۵۶

کہ اسلامی لشکر کے چند سپاہی جو پہرہ پر متعین تھے ۷۷۳۔ ۵۵۔ پہرہ دینے
ہوئے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے ابوسفیان کی آواز سنی۔ ان میں
حضرت عائشہ بھی تھیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ابوسفیان
بڑے گہرے دوست تھے۔ انوقت وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں
سوار تھے۔ انہوں نے آواز سنی تو کہنے لگے ابوسفیان! ابوسفیان نے کہا
جاس! تم کہاں! حضرت عائشہ نے کہا مجھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں ہزار کا لشکر لے کر آگئے ہیں۔ تو جلدی سے چلے گئے اور
خدا کے نام پر انکی منتیں کر دیں اور اپنی قوم کی سعادت کے لئے
دروغمت کر دئے تباہی آجائیگی پھر خود ہی انہوں نے اس کا ہاتھ
پکڑا اور فوج کے پیچھے بھاگ کر اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
لے آئے۔ غرض فتح مکہ ایسی آجاک ہوئی کہ کفار ابھی سمجھتے بھی
نہ پائے تھے کہ اسلامی لشکر اچھے معنوں میں آکر گیا۔

۷۷۳۔ ۵۶۔ تفسیر۔ فرمایا۔ ۷۷۳۔ ۵۶۔ لوگ عذاب کے متعلق علی

نوکر ہے میں گریں نہیں جانتے کہ جب وہ عذاب آئیگا تو وہ سب سگریں
مسلم کا معاملہ کر لیگا۔ تو اگر ایک مطالبہ کو آگے پیچھے کیا کرنے سے
مناظر ہوئے کہ ایک مطالبہ نبوی عذاب کے متعلق ہے اور دوسرا مطالبہ
انسانی عذاب کے متعلق ہے ایک مطالبہ ہے یہ مراد ہے کہ ہم پر یہی عذاب
کے مطابق دنیا میں عذاب کو نہیں آجائے اور دوسرے مطالبہ سے
بیزاد ہے۔ کیوں ہم پر ہی عذاب کی وجہ سے نہیں جاتے اور جہنم

۷۷۳۔ ۵۶۔ تفسیر۔ يَخْشَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب اسلامی لشکرات کو مکہ کے قریب
پہنچا اور ہر سپاہی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشاد کے تحت اپنے اپنے کھانے کے لئے علیحدہ علیحدہ
آگ جلائی تو ابوسفیان اور اس کے بعض ساتھی جو مکہ والوں
کی طرف سے پہرہ پر مقرر تھے انہوں نے دور سے اتنی بڑی
دشمنی دیکھی تو وہ گھبرا گئے اور اسی گھبراہٹ میں ابوسفیان
نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو
کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ اس پر پہلے تو ان کا خزانہ کی نظر
خیال گیا کہ شاید خزانہ کے آدمی ہونگے جو اپنا بدلہ لینے
کے لئے آئے ہیں۔ لیکن ابوسفیان نے کہا۔ خدا کا خوف
کرؤ خزانہ تو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں۔ یہ اتنا بڑا
لشکر ہے کہ خزانہ کی س کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی
نہیں۔ انہوں نے کہا پھر فضاں قبلیہ ہوگا۔ کہنے لگا۔ آخر
وہ کیوں آتا اور پھر ان کی تعداد بھی اتنی نہیں۔ غرض
اسی طرح وہ پانچ سات قبائل کے نام لیتے پلے گئے
کہ انوں ہوگا۔ فلاں ہوگا اور ہر بار ابوسفیان نے کہا کہ
یہ غلط ہے۔ آخر انہوں نے کہا۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر
ہوگا تو کس کا ہوگا۔ کہنے لگا بالکل جھوٹ ہے۔ میں تو نہیں
مدینہ میں آدم سے بیٹھا چھوڑ کر آیا ہوں۔ انکی تو بیڑائی
کی کوئی تیاری ہی نہیں تھی۔ یہ باتیں بھی ہو ہی رہی تھیں

يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةً فَإِيَايَ فَاعْبُدُونِ ﴿٥٤﴾

اے میرے مومن بندو! میری زمین وسیع ہے۔ پس تم میری ہی عبادت کرو۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٥﴾

ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی تم سب کو لوٹا جائیگا۔

قریب قریب میں پھر کر خدا کے واحد کی عبادت قائم کرو اور اگر دیکھو کہ کسی جگہ تمہاری تبلیغ میں روڑے اٹکائے جائے ہیں تو گھبراؤ نہیں۔ زمین کو خدا تعالیٰ نے بڑا وسیع بنایا ہے تم اس علاقہ کے ساتھ ملتے ہوئے دوسرے علاقوں میں تبلیغ شروع کرو۔ اور اس بات سے مت ڈرو کہ اگر تم نے تبلیغ کی تو دنیا پھادی دشمن ہو جائیگی۔ اور وہ ہیں جانی اور مالی مشکلات میں مبتلا کر دے گی۔ تمہاری جانیں آخر تک سلامت رہیں گی۔ ہر انسان نے ایک دن مر کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ پس اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے مر گئے تو کیا فائدہ؟ جاؤ اور دنیا کے کناروں میں پھیل جاؤ اور اسلام اور قرآن کی تبلیغ کرو۔ اس جہاد کے دوران میں اگر تمہیں موت بھی آگئی تو وہ بڑی مبارک موت ہو گی۔ تم شہادت کا مرتبہ حاصل کرو گے اور خدا تعالیٰ کی جنت کے وارث ہو گے۔

آج تک دنیا میں جتنی بھی فاتح تو ہیں گندی میں انہوں نے پہلے اپنے وطنوں کو چھوڑا اور اس کے بعد انہیں فتوحات نصیب ہوئیں۔ عربوں نے اپنے وطن کو چھوڑا۔ ترکوں نے چھوڑا۔ یہودیوں نے چھوڑا۔ آئین نسل کے لوگوں نے چھوڑا۔ اور وہ دور دور ملکوں میں پھیل گئے۔ اگر وہ اپنے وطنوں کو نہ چھوڑتے تو انہیں فتوحات بھی نصیب نہ ہوتیں اور وہ نئے نئے ملکوں کے وارث نہ بنتے۔ پس اگر مومنوں کو بھی خدا کے دین کی امتا کے لئے اپنے وطن چھوڑنے پڑیں تو اس میں کوئی کمی نہیں

وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ جَنَّاتُ مَوْجِدٍ زَاجِرَةٍ ۖ فِيهَا فَاكِهَةٌ كُتِبَتْ لَهُمْ فِيهَا زُكُورُهُمْ ۖ لَا يَمَسُّهُمُ فِيهَا نَمَسٌ وَلَا لَبَاسٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَشْأَمِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَكَبِّرُونَ ۚ

اسی طرح میں تو قبیلہ میں ہر قسم کا آسانی عذاب۔ بیزاری جسے حکومت وقت کی گرفت۔ بلا افسروں یا مذہبی پیشواؤں کی نافرمانی اور خاندان کے اکابر کا مختلف قسم کی مشکلات اور تکالیف میں مبتلا ہونا بھی شامل ہے اور مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ میں ہر قسم کے زمینی عذاب شامل ہیں۔ خواہ وہ ماتحت ملازمین کی طرف سے پیدا ہوں یا ماتحت افسروں کی طرف سے اسی طرح فساد بغاوت اور تباہی کا لٹ جانا بھی ایسے ہی عذاب ہیں جو خود انسان کے پاؤں کے نیچے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۹ تفسیر :- اسی آیت میں بتایا کہ کفار پر عذاب تو ضرور آئیگا۔ لیکن اس وقت انہیں اپنی طاقت اور جتنے پر غرور ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو اپنے زور بازو سے کچل سکتے ہیں۔ سو ہم مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تمہارا ملک تمہیں امن دینے کے لئے تیار نہیں تو تم غیر محالک میں نکل جاؤ۔ اور گاؤں گھاؤں اور

۱۹ تفسیر :- اسی آیت میں بتایا کہ کفار پر عذاب تو ضرور آئیگا۔ لیکن اس وقت انہیں اپنی طاقت اور جتنے پر غرور ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو اپنے زور بازو سے کچل سکتے ہیں۔ سو ہم مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تمہارا ملک تمہیں امن دینے کے لئے تیار نہیں تو تم غیر محالک میں نکل جاؤ۔ اور گاؤں گھاؤں اور

گئی تھی۔ جب ان پر بھی رنگ کیا جائیگا اور اندر سفیدی ہو جائیگی تو یہ بھی روشن ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جس نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ

”جو قوم ہجرت کیلئے تیار رہتی ہے اور نوآبادی کا شدت سے اشتیاق رکھتی

ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوتی۔“

جب میں نے یہ سنا تو مجھے خیال آیا کہ ہجرت کے لئے تیار رہنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہجرت پر خوش ہوتے ہیں۔ یا ہجرت کی اپنے دلوں میں خواہش رکھتے ہیں۔ چنانچہ خواب میں ہی مجھے صحابہؓ کا خیال آیا کہ انہیں بھی ہجرت کرنی پڑی تھی۔ مگر حدیثوں میں آتا ہے کہ مدینہؓ کے بعض صحابہؓ مکہ کی یاد میں دویا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خوشی سے نہیں بلکہ حالات کی مجبوری کی وجہ سے ہجرت کی تھی۔ بس جب اُس نے یہ کہا کہ جو قوم ہجرت کیلئے تیار رہتی ہے اور نوآبادی کا شدت سے اشتیاق رکھتی ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوتی تو میرے خواب میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ

”ہجرت تو وہ مجبوری سے کرتے ہیں مگر

بعد میں ہجرت پر وہ رضا بالقضاء کا جو

نمونہ دکھاتے ہیں وہ بتاتا ہے کہ وہ ہجرت

کے لئے تیار تھے۔ پس تیاری کے یہ معنی

نہیں ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہجرت ہو۔ بلکہ

اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر ہجرت کا وقت آئے

تو وہ رضا بالقضاء کا نمونہ دکھاتے ہیں اور

پھر اپنے آپ کو فوراً دوسری جگہ آباد کرنے

کی کوشش کرتے ہیں۔“

شہد کی مکعبوں کو دیکھو وہ شہد بناتی ہیں اور بناتی

ہلی جاتی ہیں۔ لیکن انسان انہیں کھانے نہیں دیتا۔ وہ

گر یاد رکھنا چاہیے کہ ایک ہجرت قوی ہوتی ہے اور ایک ذروی ہوتی ہے۔ بیشک بعض افراد کی ہجرت قوم کے معیار کو بلند کر دیتی ہے۔ لیکن قومی زندگی اُسی صورت میں پیدا ہوتی ہے جب قوم کا ہر فرد خدائے کے دین کے لئے اپنے وطن کو چھوڑے اور خدا تعالیٰ کی خاطر غیر ملک میں نکل جانے کے لئے تیار ہو۔ اسی امر کی طرف زیر تفسیر آیت میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اور یہی حقیقت ایک دفعہ مجھے رویا میں بھی بتائی گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے گھر سے نکلا ہوں اور میرا خیال ہے کہ میں اپنے لئے کوئی مکان تلاش کروں جب میں باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ مارٹر محلہ ابراہیم صاحب جونی کھڑے ہیں اور لوگ ان کے پاس مکانوں کے لئے آتے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس مکان ہیں انہوں نے وہ مکان انتظام کے لئے ان کے سپرد کئے ہوئے ہیں اور وہ آگے دودھ دل کو دیتے ہیں۔ میں نے بھی ان سے ذکر کیا کہ مجھے اپنے لئے مکان کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھے ایک مکان دکھایا جس کے چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں مگر ان کمروں پر چھت نہیں اور کمروں کی دیواروں پر چھوٹے چھوٹے کپڑے لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کپڑے کیسے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ چونکہ ان کمروں پر چھت نہیں اس لئے دھوپ کے وقت انہیں اوپر ڈال لیا جاتا ہے۔ میں اُس وقت اپنے دل میں خیال کرتا ہوں کہ یہ کمرے بیشک چھوٹے ہیں لیکن ہمارے کمرے تو اس سے بھی چھوٹے تھے۔ اُس وقت مجھے ربوہ کے وہ کچے مکان یاد آتے ہیں جن میں ہم پہلے رہائش رکھتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی میں کہتا ہوں کہ وہ کمرے روشن زیادہ تھے۔ پھر میں کہتا ہوں۔ وہ کمرے اس لئے روشن تھے کہ ان پر گیری کا سورخ رنگ لگا کر انہیں خوب چمکایا گیا تھا اور اندر سفیدی کی

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اُس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں ہم اُن کو جنت میں بلا خانوں میں جس

غُرَفَاتٍ جُزْئِيٍّ مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرٍ

دیں گے (ایسی جنت میں) کہ اُنکے (دسائوں) تلے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ (یعنی جنت میں) اُن جنتوں میں ہمیشہ کیلئے رہتے چلے جائیگے اور

الْعَمِلِينَ ﴿۵۹﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۶۰﴾

پہلے مل کر نبیوں اور ان کے پیروں کا جو اپنے عقیدہ اور عمل پر جمے رہتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ ۵۹۔

بدتر ہے۔

دنیا کی فح کوئی معمولی چیز نہیں۔ اس کیلئے بڑی بھاری قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ مکہ میں رہنا ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا تم کسی اور جگہ چلے جاؤ جہاں دین کے بارہ میں ظلم نہ ہو اور تم امن سے خدا تعالیٰ کا نام لے سکو صحابہؓ نے آپ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ وہ کونسی جگہ ہے۔ آپ نے مشہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ وہاں عیسائیوں کی حکومت ہے اگر تم وہاں چلے جاؤ تو تم پر دین کے بارہ میں کوئی سختی نہیں ہوگی۔

پس مومن کا فرض ہے کہ جہاں وہ خدا کے لئے اپنے وطنوں کو خیر یاد کہنے کے لئے ہمیشہ تیار رہا کریں وہاں باہر جا کر روحانی نوآبادی قائم کرنے کے اشتیاق کا بھی پورا پورا مظاہرہ کریں تاکہ اُن کا وجود ایک امت کی طرح ہو اور وہ ایک دو کو نہیں بلکہ امت کی امت کو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کریں۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ اس آیت میں بتاتا ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ دل سے ایمان لاتے ہوئے اسلام کی امت کیلئے مسیحیوں

اُن کے نیچے دھوئیں کھڑکرم پانی پھینک کر یا کوئی اور ذریعہ اختیار کر کے اُن کا چھ ماہ کا بنایا ہوا شہدہ اڑا کر لے جاتا ہے وہ کھسکیاں دوسٹ کا بھی انتقام نہیں کریں۔ وہ اُس جگہ کے چھوڑ دینے کے معاً بعد دوسری جگہ تلاش کر لیتی ہیں اور دوبارہ شہدہ بنا کر شریعہ کر دیتی ہیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد اگر انہیں اُکڑ دیکھو تو وہ قریب ہی کسی دوسری جگہ شہدہ بنانے میں مشغول ہونگی۔ بعض دفعات سے ساہا سال تک ایسا کیا جاتا ہے۔ مثلاً پالتو مکھیاں ہوتی ہیں۔ وہ جب بھی شہدہ بنا لیتی ہیں شہدہ اڑا لیا جاتا ہے اور انہیں اپنا بنایا ہوا شہدہ کھانے کا موقعہ نہیں ملتا۔ وہ شہدہ بناتی ہیں اور لوگ شہدے لے جاتے ہیں۔ اگر ایک مکھی شہدہ بناتی ہے اس لئے کہ لوگ لے جائیں اور اُس سے مادیاں نڈر ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جِئِہِ شِعَاطُ لِّئَاسِی دَاحِضِیَّتِ ۱۰۰) اس میں لوگوں کے لئے مضاف ہے۔ یا پھر ایک مکھی شہدہ بناتی ہے اور بناتی چلی جاتی ہے اور لوگ اُس کے پاس شہدہ نہیں رہنے دیتے وہ ہمیشہ اڑا لے جاتے ہیں اور وہ مکھی پھر بھی شہدہ بنا نہیں چھوڑتی۔ تو کیا انسان ہی ایسا ضعیف ہے کہ وہ اس طرح مایوس ہو جاؤ جو عنصرِ نبوی کو شش میں ناکام ہو جانے کے بعد ہمت چھوڑ دیتا ہے وہ آدمی نہیں بلکہ وہ مکھیوں سے بھی

احمال بجا لائیں گے۔ یعنی اگر انہیں خدا کے لئے اپنا وطن چھوڑنا پڑا تو وطن چھوڑ دیں گے اور اگر جان قربان کرنی پڑی تو جان قربان کر دیں گے۔ ہم اپنی ذات ہی کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے اسلام اور قرآن کو اپنا کر نیکی کوشش کی۔ اسی طرح ہم بھی دنیا اور آخرت میں ان کو بلند درجات عطا کرینگے اور بہتر سے بہتر مقامات انکو رہائش کیلئے عطا کریں گے اور یہ عزت دینی عزتوں کی طرح عارضی یا فانی نہیں ہوگی بلکہ یک غیر مومن عرصہ تک جاری رہے والی عزت ہوگی۔ اور یقیناً خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنے والے کسی کو نہیں کئے جاتے۔

اسلکھ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ان جنتیوں کو جو باہر خانے عطا کئے جائیں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے باغات کے متعلق بھی فرمایا ہے کہ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (بقمرہ آیت ۱۳) ان باغوں کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور میری جگہ مومنوں کے متعلق فرماتا ہے کہ نَسْرَعْنَا مَا فِیْ صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (سورۃ اعراف آیت ۴۴) یعنی ہم جنتیوں کے سینہ میں سے ایک دوسرے کے متعلق ہر قسم کی کدورت نکال دیں گے اور نہریں ان کے نیچے بہتی ہونگی اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسی نہریں ہیں کہ بارش ہیں تو ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہی ہیں تو ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ظاہر یہ نہیں عام نہریں ہیں پوسکتیں بلکہ کچھ اور ہی شے ہیں کہ کانوں کے نیچے ہی بہتی ہیں باغوں کے نیچے بھی بہتی ہیں اور آدمیوں کے نیچے بھی۔ پس جب نہر کے اصل منہ یہاں جیسا کہ میں نے کہے تو لازماً یہیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہاں استعارہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور نہر کے کچھ اور معنی ہیں۔

اس غرض کے لئے جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بانی کی اس میں کیا خصوصیات بیان کی گئی ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اس کی دو

خصوصیات بیان کی ہیں۔ اَوَّلُ سِلْ کَیْلٍ دُورُ کرنا اور جسم کو پاک کرنا۔ جیسے فرمایا وَ اَنْزَلْنَا مِنْ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا (سورۃ فرقان آیت ۴۹) ہم نے بادلوں سے پاک و صاف کرنے والا پانی اتارا ہے۔ اور دوسری خصوصیت زندگی بخشنا۔ جیسے فرمایا وَ جَعَلْنَا مِنَ النِّعَمِ کُلِّ شَیْءٍ حَیْۃً (سورۃ انبیاء آیت ۲۱) ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا ہے۔ پس ان دونوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ کے یہ معنی ہوں گے کہ انہیں پاک و صاف رکھنے اور ہمیشہ کے لئے زندگی بخشنے کے سامان بڑی کثرت سے ملیں گے۔ کیونکہ اسلکھ صرف پانی نہیں بلکہ نہر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن کریم جنت کی زندگی کی بھی ذمہ داری نبویاں بیان کی گئی ہیں۔ اَوَّلُ دائی زندگی جو انسانوں کو بھی عطا ہوگی۔ باغوں کو بھی عطا ہوگی اور عرش کو بھی عطا ہوگی۔ انسانوں کی دائمی حیات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تَحْلِلُ الدِّیْنِ فِیْهَا اَبَدًا (سورۃ نساء آیت ۱۲۳) اور عینی باغوں کے دوام کے متعلق فرماتا ہے کہ جَنَّتٌ عَدْنٌ (سورۃ رعد آیت ۲۴) اسی طرح فرماتا ہے۔ اُكُلُهَا دَآبِرًا وَ بَلَکْہَا (سورۃ رعد آیت ۲۴) اور عرش کے دائی ہونے کی طرف سورۃ زمر کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ لَیْسَ لِلّٰہِ اَلْیَمِیْنُ وَ اَلْشَمَآءُ وَ اَیُّہُمْ تَہْمُ عَرْشٌ مِّنْ فَوْقِہَا عَرْشٌ مُّبِیْنٌ تَجْرِی مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْهَارُ وَ عَدَّ اللّٰہُ لَکُمْ یُخْلِفُ اللّٰہُ اَلْمُیْحَادَہ (سورۃ زمر آیت ۲۱) یعنی وہ لوگ جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کو کئی منزل والے مکان عطا ہونگے جن کے اوپر اور منزلوں مضبوطی کے ساتھ بتی ہوگی۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی یہ اللہ تعالیٰ کا ایک پختہ عہد ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو توڑا نہیں کرتا۔

وَكَايْنِ مِّنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اللَّهُ

یہ دنیا میں بہت جانور بھی ہیں جو اپنے ساتھ دانوں کی طرح اپنا رزق نہیں اٹھائے پھرتے۔ اللہ ہی

يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱﴾

انکو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہ بہت دُعا میں سُننے والا اور حالات کو خوب آگاہ ہے ۱۱

جب باغ طریقہ نہیں اور پاخانہ چشاب بھی نہ ہوگا تو جنت بھی پاک رہے گی اور اسی طرح مکان بھی کیونکہ اندر رہنے والے کو جب میل سے صاف رکھا جائیگا تو مکان کو صاف دکھ کر ہی ایسا کیا جاسکتا ہے۔

پس تَعْبَرُوا مِنَ النَّارِ اور تَعْبَرُوا مِنَ النَّارِ کے معنی قرآن سے صاف دکھنے اور قائم رکھنے کے ثابت ہو گئے اور یہی معنی یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ درند آدمیوں اور مکالموں کے نیچے نہروں کے معنی ظاہری رنگ میں چسپاں نہیں ہو سکتے۔ سوئے اس کے کہ یوں معنی کے جائیں کہ نہریں اُن کے قبضہ و تصرف میں ہوئی گراں صورت میں تینوں کے لئے الگ الگ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

پھر اَلَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ • کہہ کر بتایا کہ یہ جزائے نیک اُن کو اس لئے ملے گی کہ وہ ہر قسم کی مشکلات اور دشمنوں کی مخالفت کے باوجود اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہے اور انہوں نے اپنے رب پر سچا توکل کیا۔

۱۱ تفسیر :- ایک اور مشکل جو بسا اوقات

کُذِرَ النَّاسُ کے قدم کو ڈنگا دینا اور اسے اپنے آپ کو قربانیوں کی آگ میں جھونکے سے روکتی ہے وہ مانی شکلات ہیں۔ ایک طرف دنیا اپنے پورے مومن کے ساتھ اُس کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کا دین اُسے آواز دے گا ہوتا ہے کہ آؤ اور میری مدد کرو۔ وہ دنیا کی طرف تھانکنا ہے تو وہ اُسے مال و دولت

بجائے مَبْنِيَّةً کے معنی ہمیشہ رہنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں اُس کی جڑیں گاڑ دی گئی ہیں۔ درند یوں تو ہر طرف کی ہی بنیاد ہوتی ہے۔ غرض تینوں چیزوں کو قرآن کریم نے قائم رہنے والا بتایا ہے۔ نہ مکان ٹوٹیں گے نہ باغ اُڑیں گے نہ ساکن و منتفع مریں گے۔ دوسری طرف ان تینوں چیزوں کی نسبت فرمایا کہ ان کی نیچے نہریں ہوں گی پس جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کی آیت کے مطابق نہروں کے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بکثرت ایسے سامان پیدا کئے جائیں گے جن کی وجہ سے باغ سوکھیں گے نہ مکان ٹوٹیں گے نہ آدمی مریں گے۔

پانی کی دوستی غرض جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے نیک عمل سچائی رکھنا ہوتی ہے۔ یہ نبوی بھی جنت میں پہنچے طور پر پانی جائیگی۔ پنا نحمدہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَا تَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۚ إِنَّ رَبَّكَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورۃ الواقعة آیت ۲۶-۲۷) یعنی وہیں جنوں میں نہ تو کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہ کی کوئی بات اُن کے کانوں میں پڑے گی۔ وہ صرف ایسی ہی باتیں سنیں گے جو سلامتی کی دعاؤں پر مشتمل ہوں گی۔ گویا ہر روحانی گنہ اور نیک عمل سے انہیں دور رکھا جائیگا۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ انسان جنت میں کھائے پئے گا تو کیا پاخانہ چشاب نہ ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھایا پیا صرف ہوا کہ صورت میں نکلیگا جس میں مشکاب کی خوشبو ہوگی۔ پس

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ

اور اگر تو ان لوگوں سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے ؟ اور سورج اور چاند کو (بغیر نزدیکی کے)

الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۱۲﴾

کس نے آسمانوں کی خدمت میں لگایا ہوا ہے ؟ تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ (بھربھب وہ یہ بات جانتے ہیں) تو کس طرح کو بکے جارہے ہیں

سندھوں اور دریائوں میں رہتے ہیں یا غاروں میں بستے ہیں یا درختوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرتے ہیں یا ہواؤں میں اڑتے ہیں یا خون کے ایک ایک قطرہ میں خود میں سے دکھائی دیتے ہیں ان سب کو کون ذوق دے رہا ہے۔ کوئی سوسائٹی یا انجمن یا حکومت ہے جو ان کا بوجھ تیار کرتی اور انہیں تنخواہیں تقسیم کرتی ہے۔ یہ خدا ہی ہے جو اتنا بڑا کارخانہ چلا رہا ہے اور ان اربوں ارب جانوروں کو ذوق ہمیا کر رہا ہے۔ پھر انسان کیسے نادان ہے کہ جب اُسے کہا جاتا ہے کہ آؤ اور خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپکو وقف کرو تو وہ کہتے ہیں آؤ تو سہی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں آگیا تو کھاؤنگا کہاں سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں کائنات عالم کی انہی بڑی مخلوق کو ذوق پہنچا رہا ہوں۔ تو اگر تم میری آواز پر نیک کہتے ہوئے آگے آئے تو کیا میں تمہیں بھوکا مارنے دوں گا۔ فرمایا۔ اس جملے کو اپنے دل سے نکال دو تمہارا خدا سمیع اور علیم ہے اگر تم مجھے دل سے خدا تعالیٰ کو پکارو گے تو اس درجے کے وہ تمہارا حالات کو جانتا ہے وہ تمہاری دعاؤں کو قبول کرے گا اور تمہیں ہر قسم کی مشکلات سے نجات دے گا۔ پس اپنے سادس میں اپنی زندگی مت بسر کرو۔ بلکہ ڈر اور بہادر بن کر خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے آگے بڑھو۔

۵۲۲۔ تفسیر :- اشاعت اسلام کے راستہ

میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بھیران مذہبی مباحثات کی طرف لوٹتا ہے جن کا ذکر

لورب و ذہنیت کے ساتھ آراستہ و پرآستہ نظر آتی ہے۔ اور دین کی طرف دیکھتا ہے تو وہاں اُسے روپوں کی جھنکار ملتی نہیں دیتی۔ یہ دیکھ کر ایک کمزور انسان کا دل دہل جاتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے میں خدا کے لئے اپنی زندگی کو کس طرح وقف کروں۔ جس نے خدا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تو میں بھوکا مر جاؤنگا۔ میری بیوی بچے کیا کھائیں گے۔ ہم اپنا معیار زندگی کس طرح قائم رکھ سکیں گے۔ اور اگر یہ لالچ اُس کے دل میں غالب آجاتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم شرف المخلوق ہو کر زمین و آسمان کے خدا پر کتنی بذلتی کر رہے ہو۔ تم زمین کے چرندوں اور جنگل کے درندوں اور ہوا کے پرندوں کو دیکھو۔ کیا تم ان کے لئے ذوق ہمیا کرتے ہو یا خدا ان کو ذوق ہم پہنچا رہا ہے۔ اگر تم کائنات عالم کے اربوں ارب کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کے سامان معیشت پہی غور کرو تو تمہاری عقل دنگ جاے اور تم پر علم و معرفت کا ایک نیا باب کھل جائے۔ دنیا علمی لحاظ سے بڑی بھاری ترنی کر چکی ہے مگر ابھی تک وہ یہ نہیں معلوم کر سکی کہ ان ان گنت جانوروں کے لئے کس طرح غذا ہمیا ہوتی ہے۔ ایک موٹی تقسیم تو یہی ہے کہ کھیتی میں دانے پیدا ہوتے ہیں تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ جانوروں کے لئے بھوسہ بھی پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح کانٹے دار جھاڑیاں اور درخت اڈٹوں وغیرہ کی غذا ہیں تو حجامت بھیروں کے کام آجاتی ہے۔ مگر مکوڑوں کو کڑا جانور جو

گزشتہ رکوع سے شروع ہے اور فرماتا ہے کہ جب تم باہر نکلو گے اور دنیا میں اسلام کی شاعت کے لئے اپنے وطنوں کی بھی قربانی کرو گے۔ اپنی جانوں کی بھی قربانی کرو گے۔ اپنے مالوں کی بھی قربانی کرو گے اور صبر و استقامت اور توکل علی اللہ کا نمونہ دکھاتے ہوئے اسلام اور قرآن کی تبلیغ کرو گے تو تمہیں سب سے بڑا مقابلہ اُن اقوام سے پیش آئے گا جو کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کی توحید کی منکر ہیں۔ اس لئے تمہیں چاہیے کہ جب اُن سے مذہبی گفتگو شروع ہو تو اُن سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور سورج اور چاند کو بے مزد خدمت پر کس نے لگا رکھا ہے؟ وہ اس کے جواب میں سوائے اُس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تمام کا رخانہ عالم اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے۔ پھر اُن سے کہو کہ جب خدا تعالیٰ نے آسمان پر اکارخانہ پیدا کر دیا ہے۔ اور اُسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے تو تم خدا کو چھوڑ کر اور عبودوں کی طرف کیوں بکے جا رہے ہو۔

پھر وَلَیِّنْ سَاءَ لَکُم مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کہہ کر اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ جب تم توحید کی مخالف اقوام کے سامنے اسلام اور قرآن کا پیغام پیش کرو گے تو وہ اپنی طاقت اور سامانوں کی فراوانی کی وجہ سے تمہیں معذرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور کہیں گے تم کس طرح غالب آ سکتے ہو تم تو کینیتیوٹ کی طرح سمندر کو چھبے دھکیلنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ کہہ تیوٹ ایک انگریز بادشاہ تھا جس کو خدا تعالیٰ نے جہت اقبال دیا تھا۔ ایک دن وہ سمندر کے کنارے بیٹھا تھا کہ اُس کے دیواروں کو خورشاد کے پیر کہنا شروع کیا کہ آپ کی حکومت تو زمین اور سمندر پر فتنے ہیں مہرانا بادشاہ تھا۔ اُس نے اپنی کرسی سمندر کے کنارے بچھائی اور وہاں بیٹھ گیا۔ وہ وقت تک تھا جس وقت سمندر میں جوش آتا ہے وہ میل میں خشکی پر چڑھ جاتا ہے۔

لہری اٹھنے لگیں اور پانی کرسی کے گرد اونچا چو لگا کینیتیوٹ ظاہر میں غصہ کی شکل بنا کر لہروں کو حکم دیتا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ مگر پانی بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے ساتھیوں کو جان کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اُس وقت بادشاہ اٹھ کر خشکی کی طرف آیا اور دیواروں سے کہا کہ دیکھا تم کس قدر جھوٹ کہتے تھے۔ جس طرح کے تیوٹ بادشاہ کے حکم سے باوجود اُس کے اقتدار کے سمندر پیچھے نہیں ہٹتا تھا اُسی طرح یورپ کو ایشیائی طریق کا سامان بنانا مشکل نظر آئے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم اُن سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور کس نے سورج اور چاند اور ستاروں کو ایسی طرز پر کام میں لگا رکھا ہے کہ لاکھوں سال کا زمانہ گزرنے کے باوجود وہ برابر اپنا کام کرتے چلے جا رہے ہیں اور آسمانی اور زمینی نظم میں کوئی خلل واقعہ نہیں ہوتا۔ وہ اس کے جواب میں سوائے اُس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی لیا کیا ہے۔ پھر اُن سے کہو کہ جس خدا نے بغیر ظاہری سامانوں کے بڑے بڑے ذہنی سیارے اور ستارے آسمان میں قائم کر رکھے ہیں وہ خدا جب کسی قوم کو غالب کرنا چاہے تو اُسے مادی سامانوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ایسے باریک اور غیر مادی سامانوں سے کام لیتا ہے جن کو انسانی آنکھ دیکھ بھی نہیں سکتی اور غالب مغلوب اور مفتوح فاتح بن جاتے ہیں۔ اسلام کی بھی اس وقت یہی حالت ہے اُس کی چھتیں ستونوں سے خالی دکھائی دیتی ہیں اور اس کی زمین بھر اور سنگلاخ نظر آتی ہے لیکن زمین و آسمان کی تخلیق پر خود کرنے والا داغ اس نکتہ کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تمام طاقت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور جب وہ کسی کو غالب کرنا چاہے تو بغیر مادی سامانوں کے بھی غالب کر دیتا ہے۔ دیکھو اُن ہی جو اس وقت سب سے بڑا مؤرخ مانا جاتا ہے اور قریباً گیس کی پوزیشن اس کو ملنے لگ گئی ہے بلکہ بعض تو

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ

اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق پھیلاتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ

يَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۲﴾

کر دیتا ہے۔ اللہ (تعالیٰ) یقیناً ہر چیز سے اچھا طرح واقف ہے ﴿۱۱۲﴾

ماننا پڑا کہ احمدیت کے اندر وہ بیج موجود ہے جس نے عیسائیت سے نکل کر نبی ہے اور پھر مکس ہے یہی حیات جائیں۔ وہ آخری نصف ہے اُس نے ممکن ہی کہنا تھا۔ یہ تو نہیں کہنا تھا کہ یقینی امر ہے کہ حیات جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ اسلام کا عیسائیت پر غالب آنا ایک یقینی امر ہے۔ وہ پہلے آسمان اور زمین کو بدل کر ایک نیا آسمان اور نئی زمین پیدا کر دیگا اور ایک نیا نظام روحانی دُنیا میں جاری ہو جائیگا۔

تفسیر: اس آیت میں غنی عین اسلام کو انتباہ کیا گیا ہے کہ تم دنیا کی بدلتوں اور حکومتوں پر کیوں فریفتہ ہو۔ تمام ترقیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور وہ کمزوروں کو طاقتور اور ناداروں کو امیر اور بادشاہوں کو فقیر بنانے کی طاقت رکھتا ہے۔ بیشک آج ہمیں اسلام ایک کمزور مذہب دکھائی دیتا ہے اور اس مذہب کے پیروؤں کو تم ذیل سمجھتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ عنقریب تم سے یہ نعمتیں ہمیں کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کو دے دیگا۔ اور اس طرح تمہارا وافر رزق تمہارے لئے تنگ ہو جائیگا اور مسلمانوں کی تنگی اُن کی فراخی میں بدل جائیگی۔ پہلے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا اور اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ اسلام زندہ ہوگا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ترقی کریں گے۔ اور یورپ اور امریکہ اپنی ہر قسم کی ترقی کے باوجود اسلام سے شکست کھائیں گے۔

اُسے گبن سے بھی بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دُنیا میں ایسا مؤرخ کبھی نہیں گذرا۔ اُس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ دُنیا میں جو تغیر آیا کرتے ہیں وہ اخلاقی اقدار کی وجہ سے آتے ہیں۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کوئی بڑی طاقت ہو تو اس کی وجہ سے تغیرات پیدا ہوتے ہیں یہ غلط بات ہے۔ پھر اُس نے لکھا ہے کہ عیسائیت کے ساتھ اب اسلام کی ٹکڑ ہوگی جس کے مسلمان نظر آرہے ہیں اور مسلمانوں میں سے احمدیوں میں مجھے اُندہ طوائف والی جھلک نظر آرہی ہے۔ اس ٹکڑ کے بعد یہ فیصلہ ہوگا کہ اُندہ تہذیب کی بنیاد اچھی صدیوں میں اسلام پر قائم ہوگی یا عیسائیت پر قائم ہوگی۔ پھر اس نے ایک مثال دی ہے کہتا ہے ہم تو گھوڑ دوڑ کے شوقین ہیں۔ ہمارے ہاں عام گھوڑ دوڑ ہوتی ہے۔ ہم گھوڑ دوڑ والے جانتے ہیں کہ بسا اوقات جو گھوڑا سب سے پیچھے سمجھا جاتا ہے وہ آگے نکل جاتا ہے۔ پس یہ مت خیال کرو کہ احمدی اس وقت کمزور ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پچھلا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح اب تم کو یہ کمزور نظر آتے ہیں لیکن مجھے ان میں وہ ترقی کا بیج نظر آرہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی وقت عیسائیت کے ساتھ ٹکڑ لیں گے اور شاید یہی حیات جائیں۔

دیکھو اتنا بڑا شخص جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں سب سے بڑا مؤرخ ہے اُس کو بھی

وَلَیِّنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا

ابہ اگر تو ان سے پوچھے کہ بادل سے کس نے پانی اتارا ہے؟ اور پھر اس کے ذریعہ سے

بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولَنَّ اللَّهُ قُلْ

زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا ہے؟ تو وہ کہیں گے یَقِیْنًا اللہ نے۔ تو کہہ دے

الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۷﴾

۶
ع
۲

کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ لیکن انی دینی انسانوں میں سے اکثر سمجھتے نہیں۔ ۳۷

کہ دہرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچتے اور آپ کو قبول کر کے آسمانی بارش سے فیضیاب ہوتے اور اپنے حوضوں اور تالابوں کو بھر لیتے مگر انہوں نے عقل سے کام نہ لیا۔ مُردار دُنیا پر گر کر رہ گئے۔ اور دنیوی مال و متاع انہیں اس دولت سے زیادہ اچھا دکھائی دینے لگا۔ گویا ٹیکریوں کو تو انہوں نے لیا اور میروں اور جوہرات کو پھینک دیا۔

آسمان سے بارش نازل ہونے کی مثال دے کر کفار کو اس امر کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ جب آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو زمین اپنی ہر قسم کی روئیدگی کو ظاہر کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مگر یہ روئیدگی یکساں نہیں ہوتی۔ کئی گھاس اور پودے صرف نصف انچ یا ایک انچ تک بچ رہ جاتے ہیں۔ اور کئی چھوٹی چوٹی سبزیاں ترقی کر کے اتنا بڑا درخت بن جاتی ہیں کہ سینکڑوں آدمی اس کے سایہ کے نیچے آرام کر سکتے ہیں۔ ابتدائی حالت میں وہ بالکل یکساں ہوتی ہیں لیکن انتہائی حالت میں وہ بالکل مختلف ہو جاتی ہیں۔ کوئی روئیدگی ایسی ہوتی ہے کہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں ہی اس کا سارا جوش ختم ہو جاتا ہے۔ اور کوئی مہینہ ایک مضبوط درخت بن جاتا ہے یا ایک چھوٹا سا پودا سینکڑوں سال کی عمر

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مسلمانوں میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں اور کفر اپنے آخری ماضی سے رہا ہے اور جبکہ دونوں میں ترقی اور منزل کی علامات ظاہر ہیں تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمان ترقی نہ کریں اور کافر مغلوب نہ ہوں۔

۳۷ تفسیر:- اس میں بتایا کہ وہ اقوام ہیں جسے تبارا مقابلہ ہو گا وہ وحی و الہام کی بھی منکر ہو گی اس لئے تم میں سے پوچھو کہ آسمان سے کون پانی نازل کرتا اور مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے؟ وہ اس کے جواب میں بے ساختہ یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تم کہو کہ الحمد للہ جو خدا ہمیشہ مردہ زمین کو آسمانی بارش سے زندہ کرتا چلا آیا ہے۔ اُس نے اب بھی دنیا کی ہلکا روشنی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی نجات کے لئے بھیج دیا۔ یہ کہنے بڑے شکر کا مقام ہے کہ تا دیک دنیا کو روشن کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک سورج چڑھا دیا۔ مُردہ زمین کو زندہ کرنے کے لئے اُس نے ایک بہت بڑا رحمت کا بادل بھجوا دیا جو اتنی شان سے برسا کہ پیاسی دنیا سیراب ہو گئی اور مُردہ زمین نے بھی روئیدگی پیدا کرنی شروع کر دی۔ خدا تعالیٰ کے اتنے بڑے انعام اور احسان کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں کو چاہیے تھا

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُمُ وَلَعِبٌ وَإِنَّ

اور یہ دنیا کی زندگی صرف ایک غفلت اور کھیل کا سامان ہے اور آخری زندگی

الدَّارُ الْآخِرَةُ لَهِیَ الْحَيَاةُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

کا گھر ہی درحقیقت اصلی زندگی کا گھر کہہ سکتا ہے۔ کاش کہ وہ لوگ جانتے۔ ۱۵

ترجمہ

موجب بن جاتا ہے۔ پس قانون قدرت کے اس نفاذ کو دیکھتے ہوئے تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں جلدی کرنی چاہیے تاکہ تم ایک پھلدار و درخت بنو اور دنیا تمہارے وجود سے نادمہ اٹھائے۔ تمہو پر یا ایک یا مختل کا درخت مت بنو۔

۱۵ تفسیر: اس آیت میں دنیوی اور اخروی زندگی کا مقابلہ کرتے ہوئے منکرین اسلام کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم سوچو اور غور سے کام لو تو ہمیں معلوم ہو کہ یہ دنیا نیکو اور نیکب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ یعنی دنیوی کاموں کی اگر تقسیم کی جائے تو ان کا ایک حصہ تو بھوکھ قرار پائیگا اور دوسرا نیکب۔ نیکو سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو غفلت پیدا کرنے والی ہیں۔ اور نیکب سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو اپنے اللہ کھیل کود کا رنگ رکھتی ہیں۔ اور درحقیقت انسانی زندگی اپنی دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ یعنی زندگی حرکت اور سکون کے ایک دور کا نام ہے جو یکے بعد دیگرے آتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں جسمانی قوتوں کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ گویا نیکب حرکت کا وہ زمانہ ہے جس میں انسان مختلف طریق پر اپنی قوتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ اور نیکو انسان کا وہ حالت ہے جس میں وہ آرام اور سکون حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کا ہر انسان محتاج ہے خواہ وہ روحانیت کے بڑے سے بڑے مقام پر بھی کیوں نہ پہنچا ہوا ہو کیونکہ انسانی زندگی

تک چلا جاتا ہے۔ بعض پھول ایک یا دو دن میں کھ جاتے ہیں۔ لیکن انگور کا درخت ہزار سال تک کی عمر بھی پالینا ہے۔ بلکہ درخت سینکڑوں سال تک چلا جاتا ہے۔ اسی طرح جب آسمان سے روحانی بارش نازل ہوتی ہے تو کفر کی زمین بھی اپنی روئیدگیاں ظاہر کرنا شروع کر دیتی ہے لہذا ایمان کی زمین بھی پھل اور پھول پیدا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ لیکن کفر کا منبر صرف چند دن بہار دکھانے کے بعد سوکھ جاتا ہے اور کوکڑا کرکٹ بن جاتا ہے لیکن ایمان کا درخت اصلہ ثابت و قوۃ عافی السَّمَاوَاتِ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اس کی جڑیں پائال تک پہنچ جاتی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچ جاتی ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ کفار کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دھڑی پر تمہارے اندر جو ایک غیر معمولی حرکت پیدا ہوئی ہے اور تمہاری قوتوں میں بہار شروع ہوا ہے یہ اسی روحانی بارش کا نتیجہ ہے جو ہماری طرف سے نازل ہوئی ہے کوئی نہ بارش کے نتیجہ میں جس طرح اعلیٰ درجہ کا آم اور انگور ترقی کرتا ہے اسی طرح مختل اور آفتاب بھی ترقی کرتا ہے۔ مگر یہ مت سمجھو کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کچھ مایہ ہو جاؤ گے۔ کیونکہ تمہاری مثال اس لحاظ کی سی ہے جو چند دنوں کے بعد ہی گل شر جاتا ہے اور پھر اس میں اتنی مٹاؤں پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا رنگ بھی چھوڑ دیتا ہے اور مختلف قسم کی مینہ ریزوں اور بادلوں کا

اگر ایک فن کر کے ساتھ قائم ہے خواہ یہ حرکت میرے ذہن پر چلے
پھرنے کے ذہن یا ذہنی مشاغل اور کاہد باطنی حصے سے تو دوسری
فکر کوئی نفسانی نہیں جو آدم اور سکون کا محتاج نہ ہو اگر فہم کے ذریعہ سے
دانی اور عصائی سکون حاصل نہ ہو یا خوشگوار مناظر اور خوشگوار آواز ہو
اس کیلئے سکون اور لذت کا موجب نہ ہو تو وہ اپنی زندگی کو کسی
صورت میں بھی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ غرض کہ ہوا اور لعب کے ساتھ ہی یہ
ذہنی زندگی قائم ہے اگر ان دونوں کو انسانی زندگی میں سے نکال دو تو ساتھ
ہی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر فرمایا کہ اس ہوا اور لعب کا اصل مقصد یہ ہے کہ
تم اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت کے حصول کی کوشش کرو۔ گویا وہیں
سمجھ لو کہ تمہارے مقصد حیات کے مقابلہ میں جو آخری
زندگی ہے اس دنیا کا ستم صرف ہوا اور لعب کا سا ہے جس
طرح ایک طالب علم کے لئے کھیل کو ضروری ہے اسی طرح
تمہارے لئے بھی دیوبند غل ضروری ہیں۔ کیونکہ اسلام
بہت مذہب کی طرح اپنے پیروؤں کو یہ نہیں کہتا کہ دنیا چھوڑ
دو اور ذات دن کسی مجلس میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی عبادت
کرتے رہو بلکہ وہ لکھو اور لعب کو بھی ضروری قرار دیتا ہے
کیونکہ اگر ہر وقت آخرت کا شوق ہی انسان کے ساتھ رہے
تو وہ ہلاک ہو جائے۔ مگر لکھو اور لعب میں ہر وقت
مستغرق رہنا بھی انسان کے لئے مقصد کو تباہ کر دیتا ہے
جس طرح کھیل تو ایک طالب علم کے لئے ضروری ہے نہیں
مگر وہ ہر وقت کھیل کو دین میں مشغول رہے تو وہ اپنی تعلیم کو
نقصان پہنچا دینگا اور کوئی بھی اس کے اس فعل کو مستحسن
قرار نہیں دیگا۔ اسی طرح اسلام دنیوی لذت سے متمتع ہونے
کی عبادت تو دیتا ہے۔ مگر وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ انسان
دنیا میں ہی مشغول ہو جائے اور آخرت کو نظر انداز کر دے۔
پس وَمَا هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعْنٌ وَّ
لَعْنٌ فَرَاكَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَمْ يَكُنْ فِيْ سَلَامٍ اَمْ كُنْ مِنْ خَلْقٍ
تَوَجَّهَ دَلٰلٰی ہے کہ ہم نے تو اس دنیا کو آخرت کے لئے
ایک سیڑھی کے طور پر بنایا تھا اور چاہا تھا کہ تم اس دنیا

کا اتنا ہی مقام سمجھو۔ جتنا ایک طالب علم کھیل کا مقام
سمجھتا ہے۔ مگر تم نے اپنی نادانی سے دنیا کو ہی اپنا مقصد
سمجھ لیا اور اسی کے لئے تم نے اپنی تمام ماحولی وقت
کر دیں۔ حالانکہ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا لَعْنٌ
اصل زندگی تو دار آخرت کی زندگی ہی ہے۔ اس جگہ
حَيٰوةً اِنْ لَفْظ حَيٰوة کے مبالغہ کے طور پر استعمال
ہوا ہے۔ جیسے کہتے ہیں وَیَذَّعْدِلُ یعنی زید کا
انصاف کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہے کہ اگر یہ کہا جائے
کہ زید ہی جسم انصاف ہے تو یہ بالکل جائز ہو گا
اسی طرح فرمایا کہ گو اس جہان میں بھی نہیں ایک زندگی
حاصل ہے لیکن چونکہ انسان حقیقی طور پر دنیا آخرت میں ہی زندہ ہو گا
اور ازل زندگی کے جو اگلے جہان میں ملے ہوگی اس لئے اگر ہم یہ
کہیں کہ دار آخرت ہی حقیقی زندگی ہے تو یہ بالکل جائز ہے۔
بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس جگہ بعض
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کی تفسیر کی گئی ہے۔ مگر یہ درست
نہیں۔ وہ زندگی جو خود خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اور
جو تمام انبیاء و اولیاء و صلحاء کو حاصل ہوتی ہے وہ
یہودہ اور فضول کس طرح ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بابرہ
فرماتا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے نہیں بے کار
پیدا کر دیا ہے اور تمہارے پاس نہیں آؤ۔ اسی طرح
وہ زمین و آسمان کی پیدائش کو بھی بڑی حکمتوں پر مبنی
قرار دیتا ہے۔ پھر انسانی زندگی جو اسی پیدائش کا ایک
حصہ ہے بے کار کس طرح ہو گئی۔ اگر یہ زندگی بے کار
ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے مار بار اپنے احسانات کیوں گنوا تا۔
اور کیوں فرمایا اِنَّا بِنِعْمَةِ رَبِّنَا وَلَدْنَا وَحَدَّثْنَا
اپنے رب کی نعمتوں کو اور کہو اور ان کا شکر ادا کرو۔ پس
وَمَا هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعْنٌ وَّ لَعْنٌ فَرَاكَ
اللّٰهُ تَعَالٰی نے۔ دنیوی زندگی کی مذمت نہیں کی بلکہ اسے
آخری حیات کا ایک ضروری حصہ اور اس کا ابتدائی ذریعہ

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلِّ دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّیْنَ

اور جب وہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اپنی عقیدت کو خالصتہ اللہ تعالیٰ کیلئے کر کے اس سے دعا کرتے ہیں۔

فَلَمَّا نَجَّوْهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۶۶ لِّیَكْفُرُوْا

گر جب انکو خشکی کی طرف نجات دیکر پہنچا دیتا ہے تو اچانک پھر شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ تاکہ ہم نے جو کچھ انہیں دیا، اس کا انکار کریں اور اس

بِمَا اٰتٰیْنٰهُمْ ۚ وَلَیْتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

انہم کو خدا کے سوا دوسرے شرکوں کی طرف منسوب کر دیں، اور اس دعا کو تو یہاں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو چھوڑ دیتا ہے اور وہ ایک جگہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

اگر انہیں اموال اور جائیدادیں مل جائیں تو بجائے اس کے کہ ان کی خدا تعالیٰ کی طرف نظر اٹھے وہ انہیں اپنی یاقوت اور قابلیت کا قیصر قرار دے دیتے ہیں اور اگر ان کے مال جبن جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شکوکہ و شکایت کرنے اور اسے دھوکہ دینا، ظالم قرار دینے لگ جاتے ہیں غرض کا ذکر کسی حالت میں بھی مطمئن نہیں ہوتا اور مومن کو ہر حالت میں اطمینان قلب نصیب ہوتا اور رضا بالقضاء کا نمونہ ہوتا ہے۔

لو پرچونکہ کفار کو مخاطب کیا گیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پھر انہیں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تم سمجھتے کہ دنیا دیر آخرت کی تیاری کے لئے رکھی گئی ہے اور اس کی حیثیت ہوا و لعب کی سی ہے تو تم دنیا پر لات مار کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لیتے اور سمجھتے کہ ملائی ترقیات روحانی ترقیات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ مگر تم نے تو دیر آخرت پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دے دی اور چند کھوٹے میسوں کے لئے آسمانی دولت کو رد کر دیا۔

تفسیر۔ اس میں بتایا کہ لوگ دنیا سے اپنا دل تو لگاتے ہیں۔ لیکن انہیں اپنی زندگیوں میں ہی ایسے کئی حوادث اور واقعات پیش آ جاتے ہیں جن کے نتیجہ میں

قرار دیا ہے جس پر قدم رکھے بغیر آخری حیات کی صلاحیتیں انسانی مدح میں پیدا نہیں ہوتیں۔

اس دنیاوی زندگی کو ہوا و لعب قرار دیکر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو توفیق کا بھی شاندار سبق دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے سامان درحقیقت ایک کھیل کی سی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح کھیل میں خواہ بادشاہ بن جاؤ یا فقیر دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نہ بادشاہ بن کر انسان شکریہ ہو جاتا ہے نہ فقیر بن کر رونے لگتا ہے اس طرح مومن سمجھتا ہے کہ میری اصل زندگی تو میرے خدا کے پاس اگلے جہان میں ہے۔ یہ دنیاوی زندگی تو محض ایک کھیل ہے اور جب اس کا یہ نقطہ نگاہ ہو جاتا ہے تو پھر اگر اسے کھیلوں میں سے بھی مل جائے تو مال کی تعبیر نہ ہوتی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتی اور اگر اسے فالت بھی کرنے پڑیں تب بھی اسے خدا تعالیٰ کے متعلق کوئی شکوکہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بالمقابل چونکہ کافر دنیا کو ہی اصل چیز سمجھتے ہیں۔ اس لئے اگر انہیں کوئی توفیق مل جائے تو وہ سرتاپا دنیا کے کیلئے بن جاتے ہیں اور اگر مال و دولت چھین جائے تو ان پر موت آ جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شکوکہ و شکایت کا باب کھول دیتے ہیں۔ گویا وہ کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا پر مطمئن نہیں ہوتے

انہیں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے۔ مگر برکت انسانی جب مشکوک سے نجات پا جاتا ہے تو وہ پھر خدا تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور یہ بھلا اسی طرح چلتا چلا جاتا ہے۔ درحقیقت اگر ہم غور سے کام لیں تو انسان پر دنیا میں کبھی تو ایسی حالت آتی ہے کہ اپنی صدی ضرورتیں خود پوری کر لیتا ہے۔ اُس وقت اُس کی توجہ اپنی طاقت اور قوت کی طرف جاتی ہے اور وہ اپنی کوشش پر گہرا کرتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا اور اپنی مدد کے لئے بے عزتوں دوستوں اور رشتہ داروں کا متعلق ہوتا ہے اُس وقت اُس کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ رشتہ دار ہی بھی چیز ہے۔ پھر ایک وقت اس کے اہل و عیال اور متعلقین بھی اُس کے کام نہیں آسکتے اور اس کے سننے والے اور دوست اُس کی مدد کر سکتے ہیں۔ ایسے وقت میں اُس کی نظر اپنے دوستوں پر پڑتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ دوست احباب بھی دنیا میں بہت مفید ہوتے ہیں جو آڑے وقت کام آتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا زمانہ اُس پر آتا ہے کہ دوست بھی اُس کا ساتھ نہیں دے سکتے ایسے اوقات میں وہ بعض دفعہ بعض نظموں کی طرف توجہ کرتا ہے اور وہ سلسلہ یا جماعت جس سے وہ تعلق رکھتا ہے اُسکی مدد کرتی ہے۔ اس طرح جب اس کا کام بن جاتا ہے۔ تو اُس کے دل میں خیال آتا ہے کہ نظام سے تعلق بھی بات ہے اور سلسلہ یا جماعت سے اُس کی وابستگی بڑھ جاتی ہے۔ پھر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اُن اہل و عیال رشتہ دار۔ دوست احباب کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکتے بلکہ نظام بھی اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اسوقت حکومت جس کے ساتھ وہ تعلق رکھتا ہے اُس کی مدد کرتی ہے۔ تب وہ محسوس کرتا ہے کہ حکومت بھی اچھی چیز ہے۔ پھر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے کہ حکومت بھی

انسان کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ ایسے وقت میں عام انسانی ہمدردی اس کے کام آتی ہے تب اُس کی نظر تمام دنیا پر پڑتی ہے اور سوچتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں میں کیسا عجیب و شگفتہ قائم کیا ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس کے اہل و عیال۔ دوست احباب۔ قوم یا نظام جگہ حکومت اور انسانی ہمدردی کی مدد سے بھی اُسے کامیابی ناممکن نظر آتی ہے۔ ایسی صورت میں کامیاب ہونے پر وہ سمجھتا ہے۔ میری کامیابی میں کچھ حصہ غیبی امداد کا بھی ہے اور جس حد تک اُسے غیبی امداد کا یقین ہوتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ یہ کام خدا تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جو کام اُس نے خود کیا۔ رشتہ داروں اور دوستوں نے کیا۔ نظام نے کیا۔ قوم یا حکومت نے کیا یا عام انسانی ہمدردی نے کیا وہ بھی سب خدا تعالیٰ نے ہی کیا تھا۔ لیکن اُن میں چونکہ ظاہری ذرائع موجود تھے خدا تعالیٰ کی طرف اُسکی نظر نہیں اٹھتی تھی۔ لیکن جب اُسے کچھ غیبی امداد کا خیال ہوا۔ اُس وقت اُسے خدا تعالیٰ کا خیال آیا۔ پھر حال انسانی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تمام انسانی تدابیر اس کے لئے باطل ہو جاتی ہیں اور صرف خدا تعالیٰ ہی اس کے سامنے رہ جاتا ہے۔ زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ ایسے وقت مشرک اور دھرمی بھی بے اختیار ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کی مثال دی ہے کہ جب طوفان پیدا ہوتا ہے تو مشرک بھی کہہ اٹھتے ہیں کہ اسوقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ اسوقت انسان کا قلب اور احساسات پورے طور پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بچانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ۱۹۰۵ء کا زلزلہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی کے مطابق آیا

اُس وقت ہور میڈیکل کالج میں ایک طالب علم تھا جو روزانہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق بحث کیا کرتا تھا۔ جب زلزلہ آیا اور اُس نے محسوس کیا کہ اب حجت گر کے ہی رہے گی تو وہ بے اختیار رام رام کہتے ہوئے کمرے بجاکر باہر آگیا۔ اگلے دن اُس کے دوستوں نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں اُس وقت کیا ہو گیا تھا پورتم نے کیوں رام رام کہنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے کہا۔ معلوم نہیں اُس وقت کچھ عقل ہی مادی گئی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت اُس نے کچھ عقل سے کام لیا۔ جب بچانے والے دنیوی اسباب اُس کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے تو اُسے ذاتِ باقی کے سوا کوئی مددگار دکھائی نہ دیا۔ دراصل جب تک ایسے انسان کو دوسرے ذرائع نظر آتے ہیں وہ اُدھر متوجہ رہتا ہے۔ لیکن جب کوئی نورِ ذلیل نظر نہ آئے تو اُس وقت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی اُس کی نظر اٹھتی ہے۔

۱۸۱۸ء میں جب جرمنی نے اپنی مادی طاقت جمع کر کے اتحادی افواج پر حملہ کر دیا تو انگریزی فوج پر ایک دت ایسا آیا کہ کوئی صورت اُس کے بچاؤ کی نہ رہی۔ سات سال لڑو، ان تہ دبالا ہو گئی کچھ حصہ فوج کا ایک طرف سرٹ گیا اور کچھ حصہ دوسری طرف اور درمیان میں آنا خلا پیدا ہو گیا کہ جرمنی کی افواج وہاں سے گذر کر پیچھے سے حملہ کر کے تمام فوج کو تباہ کر سکتی تھیں۔ اُس وقت جرمنی نے کمانڈر انچیف کو اطلاع دی کہ یہ حالت ہے اور میرے پاس سب اسی اتنے نہیں کہ اس صف کو درست کیا جاسکے۔ یہ اسی حالت تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ آج ہماری تمام فوج تباہ ہو جائیگی اور انگلستان اور فرانس کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائیگا۔ انگریزی کمانڈر انچیف نے اُس وقت وزارت کو تار دیا کہ یہ دقت انتہائی بے بسی کا ہے۔ ہماری صف ٹوٹ چکی ہے اور ہر طرف تباہی کا خطرہ لاحق ہے۔ جب یہ ناہم ہونچا تو وزیرِ اعظم دوسرے وزراء کے ساتھ ملکر کوئی مشورہ کر لیا تھا۔ اُس وقت

مادہ پرست یورپ جس کی نگاہ کبھی خدا تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھتی اُس کی ایک زبردست مادہ پرست حکومت کا سبک بڑا سردار جو اپنی طاقت و قوت اور شان و شوکت کے گھمنڈ میں مست رہتا تھا اُس نے بھی محسوس کیا کہ اس وقت کوئی ظاہری مدد نہیں جو میں اس مصیبت سے نجات دلا سکے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ اُد خدا سے دعا کریں کہ وہ ہماری مدد کرے۔ چنانچہ وہ سارے کے سارے گٹھوں کے بل جھگ گئے اور انہوں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ انکے توجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کر دیئے۔ کہ جرمن سپاہیوں کو خبر تک نہ ہو سکی کہ اُن کے سامنے فوج کی صف ٹوٹ چکی ہے۔ اُس وقت کمانڈر انچیف نے اپنے مشاف کے ایک افسر کو بلایا اور اُسے کہا کہ اس وقت یہ حالت ہے اور سوائے تہا سے مجھے کوئی ایسا افسر نظر نہیں آتا جو اس کا انتظام کر سکے۔ پس تم جاؤ۔ اور مجھ سے دوسرا سوال نہ کرو۔ ایسے موقع پر وہ کہہ سکتا تھا کہ عجیب مصیبت ہے۔ فوج تو دی نہیں جاتی مگر کہا جاتا ہے دشمن کا مقابلہ کرو۔ مگر وہ افسر بھی سمجھ گیا کہ اس وقت فوج کا جتیا ہونا ناممکن ہے۔ اُس نے موٹر لی اور سیدھا اُس مقام پر پہنچا جہاں باد چلی۔ نانپالی دھوئی۔ موچی۔ درزی اور مہتر وغیرہ تھے اور انہیں کہا کہ تہا سے دلوں میں حسرت پیدا ہوتی ہوگی کہ میں حکمت سے لڑنے کا موقع کبھی نہیں دیا گیا۔ لیکن آج تہا سے لے ایک موقع پیدا ہو گیا ہے۔ ہماری صف ٹوٹ چکی ہے اور ملک کی نگاہ اس وقت تم پر پڑ رہی ہے کہ تم آگے بڑھو اور صف بندی کر دو۔ اس پر جو کچھ کسی کے ہاتھ آیا لیکر چل پڑا اور جا کر صف بندی کر دی اور یہ نظر آنے لگا کہ فوج کھڑی ہے اس طرح جو میں گھنٹے تک مقابلہ کیا گیا۔ یہاں تک کہ دوسرے علاقوں سے فوج سمیٹ کر وہاں جمع کر دی گئی۔ یہ ۱۸۱۸ء پرستوں کا ایک نظارت ہے۔

أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّمَّا وَصَّيْنَاكَ خَطْفُ النَّاسِ مِنْ

کی نہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم (یعنی مکہ) کو اس کی جگہ بنا دیا ہے۔ اور ان لوگوں کے اور گردے (یعنی مکہ کے باہر سے) لوگ ایک

حَوْلِهِمْ أَفَبَالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿۱۸﴾

لے جاتے ہیں تو کیا وہ جھوٹ پر تو ایمان لاتے ہیں اور اللہ (تعالیٰ) کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ ۱۸

ان کی فطرت اس طرح عریان ہو کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے پر کیوں مجبور ہوتی۔ اب اللہ تعالیٰ اس توبہ کے ثبوت کے لئے خانہ کعبہ کے دُور کو پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ عرب میں چاروں طرف ٹوٹ گھسٹ اور قتل و غارت کا بازار گرم رہتا ہے۔ اور کسی کی جان اور عزت و اُبرو محفوظ نہیں سمجھی جاتی۔

لیکن مکہ والوں کو حدودِ حرم میں پہننے کی وجہ سے اتنا بُرا امن حاصل ہے کہ کوئی ان پر انگلی تک نہیں اٹھا سکتا یہ عظیم الشان انعام آخر مکہ والوں کو کیوں حاصل ہوا؟ کیا اس میں ان کی کسی ذاتی قابلیت کا دخل ہے۔ یا اس کے پیچھے صرف وہ دعائے ابراہیمی کام کر رہی ہے جو بیت اللہ کی بنیاد میں اُٹھائے وقت انہوں نے کی اور اللہ تعالیٰ سے

عاجزانه رنگ میں التجار کی کہ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَإِنَّهُ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۹﴾

یعنی اے میرے رب! اس جگہ کو ایک امن منہر بنائے اور اس کے باشندوں میں سے جو بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں انہیں ہر قسم کے پس عطا فرما۔ یہ جبکہ دعائے ابراہیمی کی وجہ سے ہی انہیں امن میسر آیا اور ان کے لئے بڑے اجر کی وجہ سے ہی انہیں رزق ملا۔ دعائے ابراہیمی کی وجہ سے ہی انہیں عزت اور شہرت نصیب ہوئی۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کیا اس لئے کی تھی کہ یہاں خدا کے واحد کی بجائے تین سواٹھ بُت رکھ دیئے

جب خدا کے سوا انہیں کوئی مدد کرنے والا نظر نہیں آتا تو اس وقت وہ بھی خدا کے قائل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب مصیبت طل جاتی ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ اور اس کامیابی کو اپنی تدبیر اور نذرِ بازو کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یا اسے بعض دیوانوں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ لوگ آخر تک ایک ایسا کرتے چلے جائیں گے۔ بیشک ہم انہیں ایک عرصہ تک توبہ کا موقعہ دیتے ہیں۔ اور اس کے نتیجہ میں وہ ذیوں سامانوں سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ لیکن ایک دن وہ ان مواقع سے بھی محروم ہو جائیں گے اور پھر دیکھ لیں گے کہ ان کا کوئی محبوب یا معبود ان کی مدد نہیں کر سکیگا اور وہ عذاب کی طوفانی موجوں سے رہائی کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔

۱۸ تفسیر:۔ توحید باری تعالیٰ کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو فطرتِ انسانی کی شہادت کو پیش کیا تھا اور بتایا تھا کہ مشرک لوگ خدا تعالیٰ کا انکار تو کرتے ہیں مگر جب مصیبت آتی ہے اور ان کے دل اور دماغ پر سے وہ پردے ڈھڑھرتے ہیں جو قومی تعصب یا جہالت و خیرہ کے قیجر میں پڑ جاتے ہیں تو وہ بے اختیار اللہ تعالیٰ کے مستند پر جھک جاتے اور اس کو غلاموں کے ساتھ پیکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی یہ فطرتی نیکار اس بات کا ثبوت ہوتی ہے کہ ان کے دل خدا تعالیٰ کی خلعت اور اس کی کبریائی کو محسوس کرتے ہیں ورنہ مصیبت کے وقت

جائیں اور انسان اپنی جبین نیاز رب العالمین کی بجائے پتھر کے بجان ہوں گے اگے جھکا دے یا اس نے کی تھی کہ خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ **حٰكِمًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ اِلٰهَيْنِ اَوْ اَلْخَلِيفَتَيْنِ وَ التَّوَكُّعِ الصَّحْبُودِ** (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۸) یعنی میرے اس گھر کو عبادت کرنے والوں۔ اعتکاف بیٹھے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے ہمیشہ پاک و صاف رکھو جب اس گھر کی تعمیری خدائے واحد کی عبادت کا ایک مرکز بنانے کے لئے کی گئی تھی اور جبکہ انہی دعاؤں اور کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے مکہ والوں کو تمام عرب میں ایک نمایاں اعزاز حاصل ہوا تو یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا عظیم الشان نشان اُنکی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور بیت اللہ کی ایک ایک اینٹ انہیں خدائے واحد کی عبادت کی طرف متوجہ کر رہی ہے پھر بھی اُن کی خطا کا ردِ شامی ہمیشہ باطل کے سامنے جھکتی ہے اور وہ اپنے عمل سے احسان ناشناسی کا بدترین مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔

یہ سننے کو صوف گندالوں کی مناسبت کی لحاظ سے کئے گئے ہیں لیکن ایک دوسرے نقطہ نگاہ سے اس آیت کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں بیت اللہ کو جو توحید کا مرکز ہے ابنِ عالم کے نیام کا ایک زبردست ذریعہ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا کو حقیقی اس طرف اسی صورت میں میسر آ سکتا ہے جب وہ توحید کے اس مرکز سے تعلق رکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت نئے مذاہب پائے جاتے ہیں اور ان مذاہب کی تعلیمیں آپس میں اس قدر مختلف ہیں اور ان مختلف مذاہب کے پیرو اپنے خیالات میں اتنا اختلاف رکھتے ہیں کہ بظاہر دنیا میں کتنی اور اتحاد پیدا ہونا ناممکن دکھائی دیتا ہے صرف ایک ہی

نقطہ مرکزی ہے جس پر تمام مذاہب کا اتحاد ہو سکتا ہے اور وہ توحید باری تعالیٰ کا نقطہ ہے جس طرح بھائی بھائی کا آپس میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن باپ پر سب کا اتحاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مذاہب کا آپس میں ہزار اختلاف یہی توحید باری تعالیٰ ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے دنیا کا کوئی مذہب اختلاف نہیں کر سکتا اور یہی حقیقی موائع پیدا کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے جب تک دنیا یہ نہ سمجھے کہ دُید اور بکر اور عمر اور خالد سب بیکریت کی مخلوق ہیں اور انہیں بھی اُسی خدائے پیدا کیا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اُس وقت تک ایک دوسرے کی تحقیر اور عناد کا جذبہ دلوں سے مٹ نہیں سکتا۔ اسلام نے ابنِ عالم کے قیام کے لئے سب سے پہلے اسی نقطہ مرکزی کو لیا۔ اور توحید باری تعالیٰ کو دنیا میں قائم کیا اور انسانی قلوب میں یہ امر رائج کیا کہ اسلام کا خدا رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے۔ یعنی اُسی طرح مسلمانوں کا خدا ہے جس طرح ہندوؤں اور عیسائیوں اور یہودیوں اور زرتشتیوں وغیرہ کا خدا ہے جب ایک عیسائی اور یہودی بھی ہمارے خدا کا دلیا ہی بندہ ہے جیسے ایک مسلمان تو ایک سچے مسلمان کے دل میں کسی ہندو یا عیسائی یا یہودی یا زرتشتی کا بغض کبھی پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بنِ سب کو اپنا بھائی تصور کرے گا اور اُس کی محبت کا علم تھا اُن سب کی طرف اُسی شوق کے ساتھ بڑھے گا جس شوق کے ساتھ ایک مسلمان کی طرف بڑھتا ہے۔

پس اسلام نے ابنِ عالم کے قیام کے لئے توحید کا سبق پیش کیا اور پھر اس سبق کو ہمیشہ کے لئے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے اُس نے مسلمانوں کو بیت اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ** (سورۃ آل عمران آیت ۹۶) یعنی سب سے پہلا گھر جو تمام دُنیا کے

کرنے والی ہوتی ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک سچی تعلق قائم ہو جانے کی وجہ سے انہیں اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ باقی دنیا لالچ اور حرص کی آگ میں جل رہی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کو نہ اپنے قلوب میں اطمینان نظر آتا ہے۔ اور نہ ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے اپنے آپ کو مطمئن پاتے ہیں۔ اسی امر کی طرف دیکھو: **وَيَخْلُقُ النَّاسَ مِمَّنْ يَخْتَارُ** میں اشارہ کیا گیا ہے کہ کعبۃ اللہ سے تعلق رکھنے والوں نے تو خدا سے واحد کی تعلیم حاصل کر کے ہر شے کا اس حاصل کر لیا۔ لیکن ان کے دل درگم جو اہم ہوتا ہے وہی ہے۔ اسلامی تعلیم کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے بدامنی کا شکار ہو رہی ہیں۔ ان میں لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان میں بھگڑے اور فسادات بھی ہوتے ہیں ان کے ملل و اسباب بھی ٹوٹے جاتے ہیں۔ غرض امن و بہت انہی لوگوں کو میسر ہے۔ جو خدا سے واحد پر ایمان لا کر بیت اللہ کے ساتھ سچی تعلق رکھتے ہیں۔ باقی سب دنیا میں بدامنی ہی بدامنی پائی جاتی ہے اور ہر دل بے چینی اور اضطراب کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نمایاں امتیاز کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب بیت اللہ کے ذریعے دنیا میں اتنا بڑا انقلاب پیدا ہو چکا ہے تو کیا اس کے بعد بھی انہیں اپنی باطل سکیموں کی کامیابی پر یقین ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے اس عظیم نشان انعام کی ناقصی کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کی بے چینی اور غش کو دور کرنے کے لئے خود آسمان سے نازل فرمایا ہے اگر وہ عالمگیر امن قائم کرنے کے خواہشمند ہیں تو اس کا طریق یہی ہے کہ وہ خدا سے واحد پر ایمان لا کر بیت اللہ سے تعلق رکھنے والے گروہ میں شامل ہو جائیں۔ کیونکہ سچی امن کبھی بھی روحانیت کے مدد سے ہوئے بغیر دنیا میں قائم نہیں ہو سکتا۔

دنیا کو شمش کر رہی ہے کہ ہتھیاروں کے ساتھ صلح کو قائم رکھے۔ قانون کے ساتھ صلح کو قائم رکھے یا عقل کے ساتھ

فائدہ کے لئے بنایا گیا تھا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسا گھر جو تمام دنیا کے اتحاد کا نقطہ مرکزی تھا اسے وہ مذاہب نہیں بنا سکتے تھے جن کی نگاہ کبھی قومی حدود و نیل سے آگے نہیں گئی۔ ایسا گھر صرف خدا تعالیٰ کے اہام اور اسی کے غشا کے مطابق تعبیر ہو سکتا تھا۔ سو خدا نے تمام دنیا کو ایک نقطہ مرکزی پر جمع کرنے کے لئے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی **وَاللَّهُ يَهْدِي لِمَنْ يَشَاءُ** اس عمارت کی تجدید ہوئی اور دنیا کے سامنے پہلی دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اعلان کیا کہ یہ گھر اس لئے بنایا گیا ہے کہ یہاں لوگ آئیں۔ اس مقدس گھر کا طواف کریں۔ اس میں عبادت اور ذکر الہی کریں اور دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کی طرف ذریعہ تہنیت میں توجہ دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے بیت اللہ کے ذریعے ابن عالم کے قیام کی کتنی نبردست تدبیر کی ہے اور کس طرح ہم نے عربی اور غیر عربی مشرقی اور مغربی۔ گردے اور کالے۔ سفید اور دھندلے سب کو ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے اور پھر اس گھر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایسی پُر امن تعلیم عطا فرمائی ہے جس پر عمل کرنے والے کا نہ اپنا امن برباد ہوتا ہے نہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا امن برباد ہوتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیم کے ماتحت بیت اللہ سے سچی تعلق رکھنے والا ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان کے شر سے دنیا کا ہر شخص محفوظ ہو۔ گویا بیت اللہ کے ذریعہ نہ صرف ایک مدرسہ امن کھول دیا گیا ہے بلکہ جو لوگ اس مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ وہ بھی دنیا میں امن کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ بدظنی نہیں کرتے۔

ظلم نہیں کرتے۔ وہ بے جا غصب کا کام نہیں لیتے۔ وہ لالچ میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اور یہی چیزیں دنیا کا امن برباد

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر افتراء کرتا ہے اُس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے؟ یا (اس سے) جو

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ

سچی بات کو اُس وقت جھٹلاتا ہے جب وہ اُس کے پاس آجاتی ہے۔ کیا ایسے کائناتوں کی جگہ

مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿۶۹﴾

جہنم میں نہیں ہونی چاہیے؟ ۶۹

کو دائمی طور پر نیکی کی طرف مائل رکھتی ہے کیونکہ روحانیت نام ہے جذبات کے اخلاقی رنگ میں ڈھل جانے کا۔ اور جب جذبات اخلاقی رنگ میں ڈھل جائیں تو لازماً عقل بھی اُن کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک ایسا دوام پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی ٹاکی یا کوئی عرصہ یا کوئی خوف اپنے مقام سے ہٹا نہیں سکتا۔

۶۹ تفسیر: فرمایا۔ اُس شخص سے بڑھ کر اللہ

کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا اور اُس افتراء کی جھوٹ پر بنیاد رکھتا ہے۔ اسی طرح اُس شخص سے بڑھ کر اللہ کون ظالم ہو سکتا ہے جو کسی سہائی کو اُس وقت جھٹلاتا ہے جب وہ اُس کے پاس آجاتی ہے۔ اِفتراء علیٰ اللہ کذباً کے متعلق یہ امر یاد رکھنا

چاہیے کہ ایک تو وہ شخص ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے۔ مگر دہی بات اس کی طرف منسوب کرتا ہے جو اُس کے ہمام میں موجود ہوتی ہے گو اُسے نہیں بھی جانی۔ اور ایک اور شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ایک سبب غلط طور پر منسوب کرتا ہے اور خدا تعالیٰ نے وہ بات کسی کتاب میں بھی نہیں کہی ہوئی۔ پس یہ شخص افتراء بھی کرتا ہے اور اس افتراء کی بنیاد بھی جھوٹ پر ہوتی ہے۔

پس آیت میں اللہ تعالیٰ سنکرین اسلام کو اس لعنہ کی طرف

صلح کو قائم رکھے۔ لیکن یہ جنوں چیزیں ناقص میں گو اپنے اپنے دائرہ میں ضروری بھی ہیں۔ یہ تینوں چیزیں جب تک روحانیت کے ساتھ نہ ہوں اُس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ہتھیاروں کے ساتھ اس لئے امن قائم نہیں رکھا جاسکتا کہ ہتھیاروں کی دو دشمنی شروع ہو جاتی ہے اور پھر یہ عادت ایسی پڑ جاتی ہے کہ صلح کے بعد بھی صلح کرانے والی تو میں ہتھیار جمع کرتی چلی جاتی ہیں۔ جس طرح ایک مالدار بھروسے ہوئے بٹوے کے بغیر سفر نہیں کر سکتا حالانکہ غریب آدمی چند چھپیوں کے ساتھ سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہے اسی طرح ہتھیار جمع کرنے والی تو میں ہتھیاروں کی ضرورت کے ختم ہونے کے بعد بھی ہتھیار جمع کرتی چلی جاتی ہیں کیونکہ اپنے ہمسایہ سے ڈرنے کی عادت انہیں پڑ جاتی ہے اور کافی ہتھیاروں کے بغیر اُن کے دل اطمینان نہیں پاتے۔

تافون اس لئے امن قائم نہیں کر سکتا کہ قانون ظاہر پر حکومت کرتا ہے باطن پر نہیں۔ اور عقل اس لئے امن قائم نہیں کر سکتی کہ عقل اخلاق کے تابع نہیں ہوتی وہ یہ دیکھتی ہے کہ میرا یا میرے دوست کا فائدہ کس میں ہے یہ نہیں دیکھتی کہ بعض ظاہری فائدے باطنی نقصان کا موجب ہوتے ہیں اور قریب کی دھوکا سہی بعد کو خراب کر دیتی ہے۔ لیکن روحانیت ایک ایسی چیز ہے جو انسان

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اور (لوگ) جو ہم سے لڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم اُن کو ضرور اپنے رستوں کا لکڑا ایک توفیق بخشیں گے۔

توجہ دھاتا ہے کہ تم میں دو عیب پائے جاتے ہیں جو انتہائی طور پر خطرناک ہیں۔ ایک یہ کہ تم خدا تعالیٰ پر رافترا کرتے ہو۔ اور افتراء بھی ایسا جس کی بنیاد کسی الہام پر نہیں بلکہ جھوٹ پر ہے۔ مثلاً تم کہتے ہو کہ اَللّٰهُ عَلَّمَنَا وَلَکُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی نے فلاں شخص کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ یہ خدا تعالیٰ پر سراسر افتراء ہے اور اُس کی بنیاد بھی کذب پر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں لکھا کہ اس عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِابْنِ اٰدَمَ جَعَلَ الْکُتُبَ فَاَنْتُمْ بِرُءُوسِهَا تُنۡصَرِّفُوۡنَ اَنْۡفُسَکُمْ فَہُمْ اَعۡوَاہِیۡہِمۡ ۚ اِنَّ یَتَقُوۡنَ لَئِیۡلَ کَذِبًا (سورۃ تکوین آیت ۶) یعنی انہیں اس بارہ میں کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے باپ و دادوں کو اس بارہ میں کوئی علم تھا۔ یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ محض جھوٹ بول رہے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَلَیۡذَا فَعَلُوۡا مَا حِیۡثُ شِئۡتُمْ قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلٰیۡہِۡنَا اٰیٰتَآءَ اللّٰهِ اَمۡوَۡنًا بِمَاۤءَہُمَا عَلٰیۡہِۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡخُرُ عَلٰیۡ شَیۡءٍ ۚ اَنۡفَعُوۡنَ لَکُمۡ عَلٰی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (سورۃ یونس آیت ۲۹) میں جب وہ کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ہم نے اپنے باپ و دادا کو اسی طریق پر پڑتے دیکھا تھا۔ اور اس کے بعد وہ ایک اور قدم آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں میں تو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کاموں کا حکم دیا ہے۔ تو کہہ دے۔ اللہ تعالیٰ کبھی بُری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق جھوٹے طور پر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

سورۃ انعام میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَجَعَلُوۡا اٰیٰتِہٖۤ اَشۡوَکَآءَ ۚ اَلۡحٰجۡتُ وَتَعۡلَمُہُمۡ وَخَرَقُوۡا لَہٗۤ اَبۡتَیۡنَ وَبَنٰتَیۡ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ مُّبۡحَہۡنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ (سورۃ انعام آیت ۱۰۱) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنوں میں سے کچھ شریک مقرر کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اُسی نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور انہوں نے اس کیلئے جھوٹے طور پر بغیر کسی یقینی علم کے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر لی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان تمام نفاقوں کو عیب سے نمرہ ہے اور جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں اُس سے وہ بہت جلد اور ارفع ہے

غرض مشرک قوموں میں ایک خرابی تو یہ پائی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہوئے محض جھوٹے طور پر اُس کی طرف بیٹے یا بیٹیاں یا بعض اور شریک منسوب کر دیتے ہیں۔ اور دوسری خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت اُن کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ اُس کا انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِیۡسَیۡ لَوۡکَ جَوۡاۡہِرُۭ طَرۡفَۃً ۚ تَوۡخَاۡ تَعَالٰیۡ عَلٰیۡہِۡۤ اَیۡۡمَآتِہٖۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ اَمۡۡرًا مِّنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ a

خوبیاں اس دن میں پائی جاتی ہیں لیکن سب سے اچھی نعمت اس دن کی ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ

وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

اور اللہ تعالیٰ یقیناً

محسنوں کے ساتھ ہے۔ ۴۹

۴۹ تفسیر کفار کی ناکامی اور کفر و شرک کی تباہی کی پیشگوئی کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حسن انجام کا ذکر فرماتا ہے جنہوں نے اُس کی خاطر ہر قسم کے ابتلاؤں کو برداشت کیا۔ مگر اُن کے پائے ثبات میں نظر نہیں پڑا نہ ہوئی۔ اور خدا اور اُس کے رسول کے لئے متواتر قربانیاں کرتے چلے گئے۔ فرماتا ہے۔
وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا وَهَ لَوْ كَانُوا بِأَيْدِيهِمْ كُفْرُ الْكَافِرِينَ
وہ لوگ جو ہمارے قرب کے حصول کے لئے کوشش کرتے ہیں اور ہمارے دوازہ پر ہر وقت گرے دیتے ہیں لَتَنهَضِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ہمارا سلوک اُن سے یہ ہوتا ہے کہ ہم انہیں یکے بعد دیگرے کامیابی اور عروج کے غیر متناہی راستوں کی طرف بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ گویا دشمن تو جانتا ہے کہ اُن پر ہر قسم کی ترقیت کے دوازے بند کر دے۔ مگر خدا تعالیٰ کا سلوک اُن سے یہ ہوتا ہے کہ دشمن اگر ایک دوازہ بند کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُن کے لئے سو دروازے کھول دیتا ہے اور اس طرح نہ صرف انہیں اپنے دنیوی مقاصد میں کامیابی ہوتی ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے قرب میں بھی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور اُن کا ہر قدم انہیں زیادہ سے زیادہ خدائی برکات اور انوار کا مورود بنا دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک ایسا امید افزا پیغام دیا ہے جو اُن کے مُردہ قلوب میں بھی زندگی کی کہر مینا کرنے والا اور انہیں فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دینے والا ہے حقیقت یہ ہے کہ بہت سی ناکامیاں اس مایوسی کی وجہ سے ہوتی ہیں کہ انسان سمجھتا ہے میرے لئے اب ترقی کا کوئی امکان نہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ بات غلط ہے جو لوگ ہمارے محبت اور ہمارے وصال کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں انہیں ہم متواتر راستوں کا پتہ بتاتے چلے جاتے ہیں جو ہم تک پہنچنے والے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ جدوجہد اپنے خود ساختہ معیاروں کے مطابق نہ ہو بلکہ ہمارے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ہو جس پر فیتنا کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

پھر یہ آیت نہ صرف مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان مُردہ کی حامل ہے بلکہ اس میں غیر مسلم دنیا کے لئے بھی ایک بہت بڑا زندگی بخش پیغام ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے وجود پر بھی ایمان نہیں رکھتے انہیں بھی اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کا خدا جو رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے اُس نے اپنی محبت کے دروازے دنیا کے تمام انسانوں کے لئے کھول رکھے ہیں پس اُن کے لئے بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر اُن کے دلوں میں سچائی کی تڑپ پائی جاتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اگر میں دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو انہیں بھی اس کا پتہ مل جائے۔ اور وہ بھی شکوک و شبہات سے رہائی حاصل کر سکیں تو اس کا طریق یہ ہے کہ وہ سچے دل سے یہ دُعا میں کریں کہ اے خدا! اگر تو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تو غیر محدود طاقتوں کا مالک ہے تو تو ہم پر رحم فرما اور ہمیں بھی اپنی طرف ہدایت دے اور ہمارے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تاکہ ہم تیری محبت سے محروم نہ رہیں۔ اور تیرے وجود کے قائل ہو جائیں۔ اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دُعا کرے اور کم سے کم چالیس دن تک لگا کر تیرا چاہتا

تو خواہ اس کے دل پر کتنے بھی تاریک پردے پڑ چکے ہوں تو
خود وہ کسی ملک کا باشندہ ہو دَبَّ الْفَلَحِیْنِ خدا اُس
کو ضرور ہدایت دیگا۔ اور ۱۱ جلد دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ
اُس پر ایسے رنگ میں اپنا وجود ظاہر کرے گا کہ اُس کے
دل سے شکوک و شبہات کی تاریکی بالکل دور ہو جائیگی
اور اُس کی روح خدا تعالیٰ کے آستانہ پر ہمید فرما ہو
جائے گی۔

پھر اس آیت کے ذریعہ تمام غیر مذاہب کے پیروؤں
کو بھی یہ خبر دے سنایا گیا ہے کہ اگر مذاہب کے اختلاف
کو دیکھ کر مَن کے دلوں میں بچے مذاہب کی جستجو کا احساس
پیدا ہو اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور دعاؤں اور گریہ و زاری
سے کام میں تو یقیناً اللہ تعالیٰ مَن کی ہدایت کے سامان
پیدا کر دیگا اور کسی نہ کسی رنگ میں اُن پر سچائی کے
ماستہ کا انکشاف فرما دیگا۔

مَن نے دیکھا ہے ہر سال کبھی کم اور کبھی زیادہ
لیکن بہر حال اوسطاً آٹھ دس ایسے غیر احمدیوں کی جھلکیاں
مجھے ضرور آ جاتی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم پہلے احمدیت کے
شہید مخالف تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہدایا کے ذریعہ ہمیں
بتایا کہ احمدیت سچی ہے۔ اس لئے ہم توبہ کرتے ہوئے
احمدیت میں داخل ہوتے ہیں۔ پس جو شخص بھی سچے طور
پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی
ہدایت کے سامان پیدا فرما دیتا ہے۔ مگر شرط یہی ہے
کہ اُس میں سجدگی پائی جائے اور اس کا اصل مقصد اللہ
تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہو۔ اور اگر وہ ایسا کرے
تو خدا تعالیٰ کسی نہ کسی رنگ میں اس کے لئے ہدایت کا
ماستہ ضرور دکھول دیتا ہے۔

پھر اس آیت میں مومنوں کو بھی یہ عظیم الشان بشارت
دی گئی ہے کہ اگر وہ سچے دل سے کوشش کرتے ہیں کہ
انہیں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو

اپنے قرب کے غیر تنہا ہی راستوں پر چلاتا چلا جائیگا اور
اُن کے دامن کو گہر مقصود سے بھر دے گا اور انہیں اپنے
الہام اور کلام سے مشرت فرمائے گا۔ ایسی امر کی طرف
میری ایک روایا بھی اشارہ کرتی ہے۔ جو کچھ عرصہ ہوا
مَن نے دیکھی۔ مَن نے روایا میں دیکھا کہ ایک جگہ بہت
سے لوگ بیٹھے ہیں اور میں انہیں مخاطب کر کے کہتا ہوں
کہ مختلف مذاہب میں جو اللہ تعالیٰ کا تصور پایا جاتا ہے
وہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ چنانچہ پہلے میں
بدھ مذاہب میں جو خدا تعالیٰ کا تصور پایا جاتا ہے ۱۱
اُن کے سامنے بیان کیا اور اس پر ایک تقریر کی۔ جس کے
دقت جب میں نے اس روایا پر غور کیا تو مجھے معلوم
ہوا کہ خدا تعالیٰ کے تصور کے حفاظ اختصاراً بولے گئے
ہیں۔ ورنہ اس سے مراد خدا تعالیٰ سے ملنے کا تصور تھا
چنانچہ میں نے اُن کے سامنے جو تقریر کی ۱۱ یہ تھی کہ
دیکھو پھلی پانی میں رہتی ہے لیکن اس پانی پر جو سورج
کی شعاعیں گرتی ہیں یا دریا میں بہنے والی ریت کے ذرات
سے جو چمک پیدا ہوتی ہے ۱۱ آہستہ آہستہ پھلی پر
ایسا اثر ڈالتی ہے کہ اُس پر چانے پڑ جاتے ہیں۔ وحقیقت
یہ چانے اس لئے ہوتے ہیں کہ دیر تک اُس پر ریت کی
چمک اور سورج کی شعاعوں کا اثر جوتا رہتا ہے اور آخر
اُس کے جسم پر بھی ایسی ہی چمک آ جاتی ہے۔ اگر سنہری
ریت ہو تو یہ چانے سنہری بن جاتے ہیں۔ چنانچہ کئی
مصلیوں پر میں نے خود سنہری رنگ کے چانے دیکھے ہیں
بلکہ بعض دفعہ اُن پر سات سات آٹھ آٹھ رنگ کے چانے
ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایسے نیلے رنگ کا چانہ ہوتا ہے
کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فیروزہ دکھائے۔ پھر میں
کہتا ہوں کہ دیکھو جسم جو ایک کثیف چیز ہے اگر اس
اتصال کے نتیجہ میں دوسری چیزوں کا اثر قبول کر لیتا ہے
تو روح جو ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے وہ کیوں

ضرور قبول کرتا ہوں۔ اب کجا یہ طریق کہ بدھ بانس کے درخت کے نیچے ساٹھ سال بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کے نیچے سے ایک درخت نکلا جو اُس کے سر کے پار ہو گیا۔ لہذا کجا یہ آسان طریق کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور وہ جھٹل گیا۔

غرض اسام میں اللہ تعالیٰ نے وصال الہی کا راستہ ایسا آسان کر دیا ہے کہ اگر مومن کے دل میں ذرا بھی محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کو پاسکتا ہے۔ اسی طرح جس نے ایک دفعہ دُعا میں دیکھا کہ جس لکھنؤ میں ہوں اور کچھ دُعا شہر مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہیں اور ایک کمرہ میں جس میں قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا بیٹھ گئے۔ اُس وقت ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ رُوح کے زندہ رکھنے کی کیا صورت ہے۔ جس نے انہیں جواب میں کہا کہ زندہ رہنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں۔ جسم اور رُوح۔ جب پتھر پیدا ہوتا ہے تو نہ بول سکتا ہے نہ چل سکتا ہے نہ خود کوئی کام کر سکتا ہے۔ اُسے زندہ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا سامان پیدا کیا ہے؟ یہی کہ اُس کے اندر رونے کی طاقت پیدا کر دی ہے۔ اُس کی ماں ہر وقت تو اُس کے پاس نہیں رہتی۔ کبھی کھانا پکا رہی ہوتی ہے کبھی کپڑے دھو رہی ہوتی ہے کبھی برتن مانجھ رہی ہوتی ہے۔ کبھی اپنی سبیلیوں سے باتوں میں مشغول ہوتی ہے اور کبھی اپنے خاوند سے جو پتلے کر رہی ہوتی ہے۔ اُس وقت کبھی بچہ کو کوئی مرض ستاتا ہے کبھی بُھوک گھتی ہے۔ کبھی کوئی اور خطرہ پیش آتا ہے تو وہ زندہ سے جلتا ہے اور دوتا ہے تو اُس کی ماں دوڑ کر اُس کے پاس آ جاتی ہے۔ یہ طریق اللہ تعالیٰ نے جسم کو زندہ رکھنے کے لئے تجویز کیا ہے۔ بعینہ ایسا ہی طریق رُوح کے زندہ رکھنے کے لئے اُس نے تجویز کیا ہے۔ جب رُوح کمزور ہو اور اُس پر مُردنی طمانی ہونے لگے۔

نثر قبول نہیں کرے گی۔ پھر جس دوسرے مذاہب پر اسلام کی فضیلت بیان کرے ہوئے کہتا ہوں کہ دیکھو بدھ مذہب نے صرف یہ بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ سے اتصال پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر اتصال پیدا کرنے کا طریق اُس نے نہیں بتایا۔ اور جو بتایا ہے اتنا لمبا ہے کہ انسان کے لئے اسی پر عمل ممکن نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بدھ ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لئے ایک جنگل میں بانس کے درخت کے نیچے بیٹھا اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور ذکر الہی میں اتنا محو ہوا کہ اُس کے نیچے سے ایک درخت نکلا جو اُس کے جسم کو چیرتا ہوا سر سے نکل گیا۔ اور اُسے پتہ تک نہ لگا۔ اب یہ ایک لافینی سی بات ہے۔ جسے عقل قبول نہیں کر سکتی۔ لیکن اسلام نے نہ صرف وصال الہی کا تصور بیان کیا ہے بلکہ وہ راستہ بھی بتایا ہے جس پر چل کر انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً بدھ مذہب نے دعا کی قبولیت پر کوئی زور نہیں دیا۔ صرف نردانا پر زور دیا ہے۔ یعنی اُس کہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو نکال دے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے قرب کی خواہش بھی تو ایک خواہش ہی ہے اگر وہ صاب خواہشات کو نکالے گا تو یہ خواہش کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ پس بدھ نے متضاد بات کہی ہے۔ لیکن اسام کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وصال کے لئے کسی لیے چوڑے مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے وہ بہر تن التجاد بن کر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے قرب سے فوازع اور اُس کے لئے اپنی برکتوں کے ہوا زے کھوے تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنا قرب عطا کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ اُحْيِي دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا (تقرہ آیت) جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارے تو میں اُس کی دعا کو

انسان سجدہ میں گر جاتا ہے۔ اور بچہ کی طرح خدا تعالیٰ کو رو کر بکارتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ بھی اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہے اور اُس کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اُس وقت میری تقریر میں جوش پیدا ہو گیا اور آواز بلند ہو گئی اور میں نے انگلی اٹھا کر اُسے اٹھا کر کے قالین پر مارا۔ اور کہا۔ یوں مصلیٰ پر سر رکھ کر جب رُوح کا بچہ دوڑتا ہے اور وہاں اُس کے اُنسو رگرتے ہیں تو اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اُس کی تکلیف کو دُور کرنے کے لئے اُس کے پاس آتا ہے جس طرح ماں بچہ کے پاس آ جاتی ہے۔ غرض دُعا اور اُنسو ہی جسم کو بجاتے ہیں اور دُعا اور اُنسو ہی رُوح کو بجاتے ہیں۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
 میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جیسے ایک محبت کرنے والی ماں اپنے بچہ کی آواز پر دوڑتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے بندے کی محبت کا جواب محبت میں دینے کے لئے دوڑتا ہے۔ اور اگر ان محبت کے تعلقات میں کبھی کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو بندے کی طرف سے ہوتی ہے ورنہ خدا تعالیٰ ایک محبت کرنے والی ماں سے بھی ترہ کر جاتا ہے کہ اپنے بندوں سے پیار کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں سے محبت کا سلوک کرے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ بندے کو اپنی محبت بھری گود میں اٹھا کر اُسے تسلی دے لیکن انسان وہ انسان جو مصائب میں مبتلا ہوتا ہے انسان جو ہر وقت محتاج ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کی مدد کرے اور اُسے ان مصائب و آلام سے نجات بخشنے اور وہ انسان جو ہر وقت محتاج ہوتا ہے اس بات کا کہ کوئی اُس کا سہارا بنے اور اُسے تسلی دے وہ محتاج اور کمزور انسان مستغنی بنا رہتا ہے مگر وہ مستغنی خدا عرش پر بے تاب رہتا ہے

اس بات کے لئے کہ اُس کا بندہ اُس کی طرف آئے اور وہ اُسے اپنے قرب میں جگہ دے۔

پھر اس آیت میں دُعائوں کی قبولیت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جو لوگ ہم میں ہو کر اور ہم سے مدد مانگتے اور دُعائیں کرتے ہوئے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ ہم اُن کے مقاصد کے حصول کے لئے وہاں سے اُن پر کھول دیتے ہیں اور ناممکن دکھائی دینے والی باتیں بھی اُن کے لئے ممکن ہو جاتی ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ کھا ہے کہ ایک دفعہ اُن کی طرف سرکاری سمن آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ آپ پر بعض لوگوں کی طرف سے ایک الزام لگایا گیا ہے اس کی جواب دہی کے لئے آپ فوراً حکومت کے سامنے حاضر ہوں۔ وہ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے مگر چونکہ سرکاری سمن تھا وہ چل پڑے۔ دس بس میں گئے پونگے کہ آدھ سی آئی۔ اندھیرا چھا گیا۔ آسمان پر بادل اُٹھ آئے اور بادش شریع ہو گئی۔ وہ اُس وقت ایک جنگل میں سے گز رہے تھے جس میں دُور دور تک آبادی کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ صرف چند جھونپڑیاں اس جنگل میں نظر آئیں۔ وہ ایک جھونپڑی کے قریب پہنچے اور آواز دی کہ اگر اجازت ہو تو اندر آ جاؤں۔ اندر سے آواز آئی کہ آجائے۔ انہوں نے گھوڑا باہر باندھا اور اندر چلے گئے۔ دیکھا تو ایک ایسا عجیب شخص چار پائی پر چڑھا ہے۔ اُس نے محبت اور پیار کے ساتھ انہیں اپنے پاس بٹھالیا اور پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے اور آپ کس جگہ سے شریف لا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا نام بتایا اور ساتھ ہی کہا کہ بادشاہ کی طرف سے مجھے ایک سمن پہنچا ہے جس کی تعمیل کے لئے جا رہا ہوں۔ اور حیران ہوں کہ مجھے یہ سمن کیوں آیا۔ کیونکہ میں نے کسی

دنوی جملگوں میں دخل نہیں دیا۔ وہ یہ واقعہ سن کر کہنے لگا کہ آپ گھبراہٹ میں نہیں۔ یہ سامان اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے پاس پہنچانے کے لئے کیا ہے۔ میں اپاہج ہوں رات دن چار پائی پر پڑا رہتا ہوں مجھ میں چلنے کی طاقت نہیں۔ میں نے اپنے دوستوں سے آپ کا کئی بار ذکر سنا۔ اور آپ کی بزرگی کی شہرت میرے کانوں تک پہنچی۔ میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعاؤں کیا کرتا تھا کہ یا اللہ قسمت و اسے تو وہاں چلے جاتے ہیں میں غریب مسکین اور عاجز انسان اس بزرگ کے قدموں تک کس طرح پہنچ سکتا ہوں تو اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا فرما کہ میری آن سے ملاقات ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس سن کے یہاں اللہ تعالیٰ آپ کو محض میرے لئے یہاں لایا ہے۔ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر سے آواز آئی۔ بادشہس چوہری ہے اگر اجازت ہو تو اندر آ جاؤں۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور ایک شخص اندر آیا۔ یہ سرکاری پیادہ تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔ وہ کہنے لگا۔ بادشاہ کی طرف سے مجھے حکم ہے کہ فلان بزرگ کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ آپ کو بلانے میں غلطی ہو گئی ہے دراصل وہ کسی اور کے نام سن جا رہا تھا چاہیے تھا مگر نام کی مشابہت کی وجہ سے وہ آپ کے نام جا رہا ہو گیا۔ اس لئے آپ کے آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات سن کر وہ اپاہج مسکرایا اور اس نے کہا۔ دیکھا۔ جس نے نہیں کہا تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ محض میرے لئے یہاں لایا ہے۔ میں محض ایک ذریعہ تھا جس کی وجہ سے آپ میرے پاس پہنچے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ پھر وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مرت

اسلام کو قبول کر لینا اور منہ سے اپنے آپ کو مومن کہہ لینا کافی نہیں۔ علم و عرفان اور قرب الہی کے راستے قسریٰ ایسے ہی لوگوں پر کھولے جاتے ہیں جو سچی محبت اور رُپ سے کام لیتے اور اس کے لئے دیوانہ وار جدوجہد کرتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہ تو کہا ہے کہ جو ہماری طرف آتے ہیں ہم ان کی مدد کرتے ہیں لیکن اس نے یہ نہیں نہیں کہا کہ جو ہم سے بھاگتے ہیں ہم ان کو پکڑ کر واپس لاتے ہیں۔ جو ہم سے منہ پھیرتے ہیں ہم ان کو اپنی تائید سے نوازتے ہیں۔ جو بیٹھنا چاہتے ہیں ہم ان کو جبر اکھڑا کرتے ہیں۔ جو گرنا چاہتے ہیں ہم ان کو زبردستی اٹھا لیتے ہیں۔ جو بے ایمان ہونا چاہتے ہیں ہم ان کو محسوس کر کے ایذا دہناتے ہیں۔ قرآن ہی کہتا ہے کہ جو بے ایمان ہونا چاہتا ہے ہم اسے ایمان بنا دیتے ہیں۔ اور جو ایمان دار ہونا چاہتا ہے ہم اسے ایمان دار بنا دیتے ہیں۔ بہر حال مصلحتی زندگی کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے اندر ایک پختہ عزم پیدا کرے اور اچھی چیز کو پکڑ کر، اس طرح بیٹھ جائے جیسے شکاری گتے اپنے شکار کو پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے دانت ٹوٹ جائیں تو ٹوٹ جائیں مگر وہ اپنے شکار کو نہیں چھوڑتا۔ جب انسان اس نیت اور ارادہ کے ساتھ ایک راستہ کو اختیار کر لینا ہے۔ اور اچھی چیز کو پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے تو پھر نیکیوں کی طرف اس کا قدم اٹھنا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی نیکی نہیں جو اس سے اگلی نیکی کی توفیق نہیں دیتی۔ اگر کوئی انسان سچے دل سے صدقہ دیتا ہے تو ضرور ہے کہ اسے نماز کی بھی توفیق ملے اور زکوٰۃ کی بھی توفیق ملے اور روزہ کی بھی توفیق ملے اور اگر کوئی اخلاص کے ساتھ روزے رکھتا ہے تو ضرور ہے کہ اس نیکی کے نتیجے میں اسے نماز اور زکوٰۃ اور حج کی توفیق ملے۔ کیونکہ ہر نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ صبا یہ کس طرح ہو سکتا ہے

کہ ایک شخص جو کسی غریب سے ہمدردی کرتا ہے اس سے محبت اور پیار کا سلوک کرتا ہے اور دنیا داری کے خیالات کے ماتحت نہیں بلکہ سچے دل سے اسے کھانا کھلاتا ہے ایسے شخص کے پاس اگر امانت رکھی جائے تو وہ کھا جائیگا۔ یہ قطعاً ناممکن بات ہے۔ جس شخص کے دل میں دوسروں کا اتنا درد ہے اور جو ان کے لئے ہر دقت قربانی کرنے کے لئے تیار رہتا ہے کسی طرح ممکن ہے کہ وہ دوسروں کے مال میں خیانت کرے۔ اگر سب لوگ بل کر بھی کس کے گھر میں دوسروں کا مال کھایا ہے تو ہم کہیں گے وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ کیونکہ جس کے دل میں اپنا مال قربان کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ وہ دوسروں کے مال کو بھی کھا نہیں سکتا۔ اسی طرح جس شخص کے دل میں خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ خدا کے لئے بھوکا رہے کس طرح مانا جاسکتا ہے کہ وہ نماز نہیں پڑیگا۔ وہ ایک دن نماز نہیں پڑے گا۔ دو دن نماز نہیں پڑے گا۔ تین دن نماز نہیں پڑے گا۔ اگر آخر اس کا نفس اسے کہیگا کہ حق تو خدا کے لئے بھوکا رہتا ہے اور پھر اس کی عبادت نہیں کرتا اور وہ مجبور ہوگا کہ نماز پڑھے اور جب وہ نماز پڑھنے لگ گیا۔ تو پھر اسے کوئی ہٹانا بھی چاہے تو وہ نہیں ہٹ سکتا۔ اسے قید کر دو تو وہ قید میں ہی نماز پڑھنے لگ جائے گا۔ چار پائی پر باندھ دو تو بیٹھے بیٹھے نماز پڑھتا رہے گا۔ کیونکہ ایک نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ پس اصل گڑ انسان ترقی کا یہی ہے کہ جو چیز اسے اچھی نظر آئے اسے مضبوطی سے پکڑ لے۔ پہلے اپنے دل میں فیصلہ کر لے کہ میں نے اچھی چیز کو لینا ہے اور پھر اسے چھوڑنا نہیں۔ اس فیصلہ کے بعد اسے جو چیز بھی اچھی نظر آتی ہو اسے اس نیت کے ساتھ پکڑ لے کہ اب میں نے اسے چھوڑنا نہیں۔ جب انسان اس مقام پر آ جاتا ہے تو وہ ساری دنیا سے سبق حاصل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ ایک بچے سے بھی سبق لے لیتا،

ایک بوڑھے سے بھی سبق لے لیتا ہے۔ ایک پھل سے بھی سبق لے لیتا ہے۔ غرض دنیا کی ہر چیز سے وہ فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ تو بہت بڑے آدمی ہیں اور ساری دنیا آپ سے سبق لیتی ہے۔ کیا آپ نے بھی کسی سے سبق لیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ بہت دفعہ لیا ہے اور سب سے بڑا سبق میں نے ایک چھوٹے سے بچے سے لیا ہے۔ اس نے کہا۔ کس طرح؟ انہوں نے کہا۔ وہ اس طرح کہ میں ایک دفعہ باہر جا رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی کہ میں نے دیکھا کہ ایک سات آٹھ سال کا بچہ گزر رہا ہے اور تیز تیز قدم اٹھا رہا ہے۔ میں نے اسے تیز قدم اٹھاتے دیکھ کر کہا۔ بچے ذرا سنبھل کر چلو۔ کیچڑ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پھسل جاؤ۔ اس لڑکے نے میری طرف دیکھا اور کہا۔ امام صاحب میرے پھسلنے کا فکر نہ کیجیے۔ آپ اپنا فکر کیجیے۔ اگر میں پھسلا تو صرف میں پھسلوں گا۔ لیکن اگر آپ پھسلے تو ساری دنیا پھسل جائیگی۔ کیونکہ جب امام غلطی کرتا ہے تو اس کے ماننے والے بھی وہی غلطی کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لڑکا تو یہ بات کہہ کر چلا گیا مگر میں دیر تک کھڑا اس دھڑ سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اور حقیقت یہی ہے کہ ساری عمر میں نے اتنی کادگر اور مؤثر نصیحت کسی سے نہیں سنی۔ تو سیکھنے والا ایک بچے سے بھی سبق سیکھ لیتا ہے۔ بلکہ اگر انسان سیکھنے کی نیت رکھتے اور سوچنے کی عادت ڈالے تو زمین کی اینٹیں اور پہاڑوں کے درخت اور جنگلوں کی جھاڑیاں بھی انسان کے لئے قرآن اور حدیث کی تفسیر بن جاتی ہیں اور اگر وہ سمجھنے کا ارادہ نہ کرے تو ایسے بد بخت انسان کو نہ قرآن فائدہ دیتا ہے نہ حدیث فائدہ دیتی ہے اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائدہ دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
 میں اطمینان قلب کے حصول کا نسخہ بھی بنا دیا گیا ہے
 جس کے لئے آج ساری دنیا مضطرب ہے۔ اور ہر شخص
 یہ سوال کرتا دکھائی دیتا ہے کہ میں دل کا اطمینان
 کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ اطمینان قلب درحقیقت دو
 ہی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔^(۱) یا تو اس طرح کہ جو
 خواہش دل میں پیدا ہو پوری ہو جائے^(۲) یا اس طرح
 کہ تمام فغول اور لغو خواہشوں سے دل ہٹ جائے اور
 صرف ایسی خواہشات رہ جائیں جو اچھی بھی ہوں اور
 حاصل بھی ہو سکیں۔ جب کوئی اس مقام پر پہنچ جائے
 تو اسے اطمینان قلب حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم
 کہتا ہے کہ ہم نے انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے
 کہ وہ صفاتِ الہیہ کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اور پھر فرماتا
 ہے کہ جو لوگ اس مقصد کے لئے سچی کوشش کریں ہم
 ذمہ دار ہیں کہ ان کو یہ مقصد حاصل ہو جائیگا۔ گویا قرآن کریم
 اطمینان قلب کی ذمہ داری لیتا ہے۔

پہلی آیت میں تو وہ یہ ہدایت دیتا ہے کہ انسان
 کو یہ نہ نظر رکھنا چاہیے کہ اس دنیا میں میری پیدائش کسی
 اعلیٰ مقصد کے لئے ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ صفاتِ
 الہیہ میں اپنے اندر پیدا کر لیں۔ یا دوسرے نقطوں میں
 خدا تعالیٰ کے لئے اُمید بن جاؤں جس میں اس کی صورت
 نظر آئے۔ اور دوسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس
 مقصد کے حاصل کرنے میں اگر سچی نیت سے کوئی شخص
 کوشش کرے گا تو میں اس کو ضرور کامیاب کر دوں گا۔
 ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بات سمجھ جائے کہ میں فانی
 نہیں ہوں۔ اس لئے مجھے فانی چیزوں کی خواہش اتنی نہیں
 کرنی چاہیے۔ صرف میرا جسم فانی ہے اس کے لئے میں کچھ فانی
 چیزوں کی کوشش کروں تو کروں۔ میری روح فانی نہیں ہے
 اس کے لئے میں غیر فانی اخلاق کی جستجو کروں گا۔ اور پھر

خدا کی مدد سے اس کی جستجو پوری بھی ہو جائے تو چونکہ
 اس کی متنا پوری ہو جائے گی اسے اطمینان قلب بھی
 حاصل ہو جائیگا۔ لیکن اگر وہ مذکورہ طرح درخت کی شاخوں
 پر ناجستجو پھرے گا اور اپنی لافانی ہستی کو بھول کر فانی جسم
 کے لئے فانی لذتوں کی تلاش میں لگا رہے گا۔ تو اتنی چیزوں
 کی خواہش اسے پیدا ہو جائیگی کہ وہ اسے پورا کرنے کے
 قابل نہیں ہو سکیگا۔ اور ان چیزوں کی تلاش میں خدا تعالیٰ
 کی مدد بھی اسے حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے اس کی ناکامیوں
 کی تعداد کامیابیوں سے بڑھ جائے گی اور اطمینان قلب
 حاصل نہیں ہو سکیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض لوگ
 خدا تعالیٰ کی طرف سے دلی کیوں CONCENTRATION
 OF MIND کا بڑا حصہ پاتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی
 کوئی سیاسی مقصد اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں۔ کبھی تعلیمی
 مقصد اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں۔ کبھی تمدنی مقصد اپنے
 سامنے رکھ لیتے ہیں اور متواتر کوششوں سے کچھ
 کامیابیاں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی ظاہری
 طور پر اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ
 اطمینان قلب ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بچہ کو کھانا
 مل جانے سے ہوتا ہے۔ ان کے اطمینان قلب کی وجہ
 مقاصدِ عالمیہ کا پورا ہونا نہیں ہوتا بلکہ مقاصدِ عالمیہ کو
 بھلا دینا ہوتا ہے۔ وہ فکری ایفون کا شکار ہوتے ہیں۔
 ان کا دماغ انہیں فکری ایفون بھلا دیتا ہے اور وہ
 درد کی موجودگی میں اس کے احساس سے محروم ہو
 جاتے ہیں۔

سُبُلَنَا کے متعلق بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں
 کہ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا
 صَوْرَتِيْ مُمِیْنًا فَاتَّبِعُوْهُ وَذَكِّرْ سَبِّحُوْا
 السُّبُّلَ فَتَهْدِيْكُمْ عَنْ سَبِيلِہٖ دُورَہٗ
 الانعام آیت ۵۴ یعنی یقیناً یہ میرا سیدھا راستہ ہے

ہیں اس کی اتباع کرو۔ اور مختلف راستوں کے پیچھے نہ پڑو۔ درنہ ہمیں خدا تعالیٰ کے راستہ سے ادھر ادھر لے جائیں گے۔ گویا خدا تعالیٰ کا ایک ہی راستہ ہے اور شیطان کے کئی راستے ہیں۔ گر مُہَلِّمَنَیں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بھی کئی راستے ہیں۔ مومن کے متعلق یہاں رکنا چاہیے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔ بلکہ یہاں هَذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ کہا گیا ہے۔ وہاں یہ مراد ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے مختلف ذامب کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس پر چل کر انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے اور مُہَلِّمَنَ سے یہ مراد ہے کہ روحانی ترقیت کے غیر محدود راستے ہیں اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا راستہ آجاتا ہے۔ جب مومن خدا تعالیٰ تک پہنچانے والے ایک راستہ پر چلتے ہیں تو انہیں قرب کے اندر راستے بدلے جاتے ہیں اور جب وہ حق پر بھی چلنا شروع کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی ترقی کے اور مواقع پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح قدم بقدم وہ نیکی اور عرفان کے میدان میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اس آیت سے یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ نفوذ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کے احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ ہندو میل سکھ اور بامی وغیرہ اپنے اپنے طریق پر چل کر بھی نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صراحۃً فرماتا ہے کہ قُلْ اِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّبْکُمُ اللّٰهُ یعنی اے محمد رسول اللہ! تو لوگوں سے کہدے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرنے لگ جائیگا۔ پس یہ ہرگز درست نہیں کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر بھی خدا مل سکتا ہے اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ جب کوئی شخص اپنے دل سے کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت کا راستہ بتا دیتا ہے اور وہ ہدایت اس طرح ملتی ہے کہ یا تو دُویا اور کثوف کے ذریعہ ایسے شخص پر اسلام کی صداقت کھول دی جاتی ہے اور یا پھر اُس کے دل میں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے اور آپ کو قبول کر کے اور آپ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر لیتا ہے۔ درنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور اسلام کی متابعت کے بغیر کبھی نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔

اٰخِرِیْنَ دَرَاتِ اللّٰہُ تَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان تمام ابتلاؤں اور آفات کی طرف اشارہ فرمادیا جن کا اس سورۃ کے شروع سے ذکر چلا آ رہا ہے اور بتایا ہے کہ تم جو لوگ سے ہنڈیا نہیں پکا سکتے۔ تم خلوں سے پہاڑ نہیں کھود سکتے۔ تم تنگے پر جھپ کر دریا پار نہیں کر سکتے۔ تم اگر اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہمیں ہر قسم کے استخوانوں میں ثابت قدم رہنا پڑے گا اور قربانیوں کی آگ میں متواتر اپنے آپ کو جھونکنا پڑے گا۔ اگر ایسا کر لو گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہر میدان میں کامیابی عطا فرمایگا۔ اور وہ تمہارے لئے ایسی غیرت دکھائیگا کہ کوئی ماں اپنے بچے کے لئے بھی ایسی غیرت نہیں دکھا سکتی۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ تم خدا تعالیٰ پر متجا ایمان رکھو اور اُس کے دین کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرو۔

مُحْسِن کے معنی عربی زبان میں اُس شخص کے ہوتے ہیں جو حکم کو اُس کی تمام شرائط کے ساتھ پورا کرے۔

وہ گیا اور اس نے جا کر شہد بلا دیا مگر اس کے بھائی کے دمت اور بھی بڑھ گئے۔ وہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ میرے بھائی کے دمت تو اور زیادہ ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور شہد بلاؤ۔ وہ گیا اور پھر اس نے شہد بلا دیا۔ جس پر اس کے اہمال اور بھی بڑھ گئے۔ وہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا یا رسول اللہ اس کو تو اور زیادہ دمت آنے لگ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اور خدا سچا ہے۔ جاؤ اس کو اور شہد بلاؤ۔ چنانچہ اس نے پھر شہد بلا یا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اندر سے ایک بڑا سا سُدہ نکلا اور اس کے اہمال جاتے رہے۔ اسی طرح اگر ہماری کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلتے تو ہم اپنے متعلق کہیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں اور ہم نے وہ شریں پوری نہیں کیں جن کے پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکتا تھا اور خدا سچا ہے۔ اگر ہم اس کی بیان کردہ شرائط کو پورا کریں اور ابتلاؤں کے خوفانوں میں ایمان کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اپنی جانی اور مالی قربانیوں کے ذریعہ اخلاص اور فدایت کا نمونہ پیش کریں تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری مدد کے لئے آسمان سے اترے گا اور وہ ہمیں ایک پیاسے بچے کی طرح اپنی گود میں اٹھائے گا۔

پس اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی تَمَحَّصُ الْمُحْسِنِيْنَ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو لوگ اس پہلی بات پر پوری طرح عمل کریں گے جو ہم نے کہی ہے یعنی وہ پوری طرح جہاد کریں گے اور ہماری رضائے حصول کی کوشش کریں گے ہم ان کے ساتھ ہونگے۔ اور ہر میدان میں ان کو کامیابی بخشیں گے۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش تو کریں مگر ان کی کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلتے انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کوئی نہ کوئی غلطی کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قرب اور اس کی نصرت سے محروم ہیں۔ گویا بجائے اس کے کہ خدا تعالیٰ پر الزام لگایا جائے اور کہا جائے کہ اس نے ہماری طرف توجہ نہیں کی ہمیں اپنی ذات پر الزام لگانا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ ہم محسنوں والا کام نہیں کر رہے۔ ورنہ خدا جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے وعدوں میں سچا ہے اور وہ جو بات بھی کہتا ہے اسے پورا کر کے رہتا ہے جھوٹے ہم ہی ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی محبت کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے مطابق اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہیں کرتے۔ احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! میرے بھائی کو دمت آ رہے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شہد میں شفاء ہے (محل ۱) اس لئے آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو شہد بلاؤ۔ حالانکہ طبی طور پر شہد دمت لاتا ہے انہیں بند نہیں کرتا

کلید مضامین

جلد، مضمون

| | |
|-----|-------------|
| ۳ | اشاریہ |
| ۵۷ | کلید مضامین |
| ۹۷ | اسماء |
| ۱۰۹ | مقامات |
| ۱۱۳ | حل اللغات |
| | کتابیات |



مرتبہ

سید عبدالحی

اشاره

| ا | اقتصادیات اللہ جل جلالہ | ب | ت |
|------------|----------------------------|----------------|----------------|
| ۳ | ۴ | ۵ | ۱۶ |
| آخرت | ۹ | بابیت | تبلیغ |
| آریہ مذہب | ۱۰ | بانیل | تجارت |
| آواگون | ۱۱ | بُدھ مذہب | تدبیر |
| آیتِ رآیات | ۱۲ | براہینِ احمدیہ | ترمیتِ اولاد |
| استلاء | ۱۳ | بہائیت | تعبیرِ الروایہ |
| اتمامِ حجت | ۱۴ | بیتِ العنکبوت | تفسیر |
| احمدیت | ۱۵ | بیعتِ رضوان | تقدیر |
| اخلاق | ۱۶ | بیاری | تقویٰ |
| ارتداد | ۱۷ | پ | تکبر |
| ارہامس | ۱۸ | پانی | تنازع |
| استغفار | ۱۹ | پاڑ | توبہ |
| استقامت | ۲۰ | پیدائش | توحید |
| اسلام | ۲۱ | پیشگوئی | تورات |
| المیان | ۲۲ | پیشگوئی | توکل |
| افتراء | ۲۳ | پو | تمذیبِ رتمدن |

| | | | | | |
|----|-------------------------------|------------------------|-----------------------|----|--------------|
| ۳۱ | شعر شعور شوق قمر شکر | ز | خلافت خوارج | ج | جبر |
| | شهادت | زکوة ۲۹ | د | ۲۱ | جبر و قدر |
| | شهد / شهد کی کمی | زمانه / آخری زمانه | دابة الارض | | جزاء و سزا |
| ۳۲ | شہید / شہادت | زمین | دروود ۲۹ | | جماعت تہذیب |
| | شیطان | زندگی | دل / قلب ۲۷ | ۲۲ | جن |
| | ص | زند او ستا | دماغ | | جنت |
| | صالحیت | س | دنیا ۲۸ | | جنگ |
| | صبر | ساعت | د | | جنگ یرموک |
| | صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین | سائنس ۳۰ | دیکھ کر کسی / جمہوریت | ۲۳ | جنگ و اثر لو |
| ۳۳ | صحبت | سائیکالوجی (علم النفس) | ذ | | جنگ عظیم اول |
| | صلح حدیبیہ | سجدہ | ذکر الہی | | جنگ عظیم دوم |
| | ط | سلطنت روما | ر | | جنون |
| | طاعون | سلطنت فارس | راشہب | | جہاد |
| | طب | سورۃ فاتحہ | رحم | | جہنم |
| | ظ | سورۃ مریم | رزق | | ح |
| | ظلم | سورۃ طہ | رسول ۲۵ | | حجت |
| ۳۴ | ع | سورۃ شعراء | روح ۲۵ | | حدیث |
| | عبادت | سورۃ النمل | روح القدس | | حروف مقطعات |
| | | سورۃ القصص | رویاہ | | حکومت |
| | | سورۃ العنکبوت | نؤ | | خ |
| | | ش | | | خدمت خلق |
| | | شکر | | | |

| | | | |
|---------------------------|-------------------|------------|-----------------|
| عدل | قنا | مالوسی | نفاق |
| مذاب | ق | شیل | نماز |
| عربی زبان | قل مُرد | مجدد | نیکی |
| عشق | ۳۵ قدرت ثانیہ | مذہب | ۵۷ و |
| عفو | قرآن کریم | مسلمان | ۴۶ والدین |
| عقل | ۴۷ قرب الہی | مصریم | ۵۳ وحی |
| علم | قربانی | مصطح | ۴۷ وطن |
| علم النفس (سائیکالوجی) ۳۷ | قلب نیز دیکھنے دل | معجزہ | وقف زندگی |
| عمل | تفاعت | معرفت | وید |
| عورت | قوم / اقوام | معرفت | ۵ |
| میسائیت | ۴۳ قیامت | طاغوت | ہجرت |
| غ | ک | مومن | ۴۸ ہدایت |
| غزوہ احد ۳۷ | کائنات | مدی | ۵۲ بند و مذہب |
| غزوہ احزاب | کتاب کمون | مر | ہومیو پیتھی |
| غزوہ بدر | کشف | ل | می |
| غزوہ خیبر | کفارہ | نباتات | یا حوج و ما حوج |
| ۳۸ غلامی | ۴۴ گھر | نبی / نبوت | یقین |
| غیب | گ | نجات | یہودیت |
| ف | گناہ | نشان | |
| فطرت | ۴۵ م | نصیحت | |
| فطر | ماحول | | |
| فقہ | | | |
| نظم بینی | | | |



کلیدِ مضامین

جلد ہفتم

| | | | |
|-----|---|-----|---|
| ۳۵۸ | مشرقیین کا آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے حُن سے مرعوب ہونا | ۱ | آخرت |
| ۳۷۷ | آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو یہودی الاصل قرار دینا | ۳۷۷ | ایمان بالآخرت کی اہمیت اور اس کا فائدہ |
| ۲۹۲ | آیت وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي اسْتِجِدِیْنَ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے ایک حوالہ کی تشریح | ۲۹۲ | آریہ مذہب نجات کے متعلق نظریہ |
| ۲۳۸ | قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ بَیْنِ الْقَوْمِیْنَ کے غلط العام معنی | ۵۳۲ | روح و مادہ کے ازلی ہونے کے آریہ عقیدہ کا رد |
| ۲۲۶ | آیت اَلَمْ یَاۤئِیْنَ یٰۤاٰمَنُوۤا کا انقلاب آفریں اثر | ۲۵۲ | آواگون بندوؤں کے عقیدہ آواگون کا رد |
| ۲۲۲ | آیت ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ کی لطیف تشریح | ۵۶۵ | آیات الہیہ کا نزول اُمت محمدیہ میں ہر زمانہ میں ہونا رہیگا۔ |
| ۲۸۱ | فَصَبِّحْ نُوَادِیْمُ مَوْسٰی دَرِغًا کے صحیح معنی | | |

مِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُۥٓ كِي وَجَّهَ نَزِيلِ ۵۸۶
ابتلاء

مومنوں پر ابتلاء کا مقصد ۵۸۴، ۵۷۷
ابتلاء اور عذاب میں فرق ۵۹۶
دعویٰ ایمان اور ابتلاء و آزمائش لازم اور
ملزوم ہیں۔ ۵۷۷

انبیاء کی جماعتوں پر انتہائی ترقی کے
زمانہ میں بھی ابتلاء آتے ہیں۔ ۵۸۱
نوح اور آپ کی قوم کے ابتلاء ۶۰۱
صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات کا ابتلاء ۵۹۷
جماعت احمدیہ کو ابتلاؤں کے لیے تیار
رہنے کا پیغام ۵۸۳

اتمامِ حجت

نبی کی بعثت کی غرض اتمامِ حجت
ہوتی ہے۔ ۵۱۶

احمدیت - نیز دیکھئے جماعت احمدیہ
قبولیت میں بعض لوگوں کا پس و پیش ۱۵۴
بہت سے مخالفین کو خوابوں کے ذریعہ
احمدیت کی طرف رہنمائی ۶۹۳
احمدیت کو کچلنے کے لیے مخالفین کا جوش
اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ ۲۱۵
شہر مؤرخ ٹائمز بی کا یقین کہ عیسائیت
کی احمدیت سے ٹکڑی فصل کن ہوگی۔ ۶۸۰

اخلاق

اخلاق فاضلہ کی تعریف

اعلیٰ اخلاق کی بنیاد صفاتِ الہیہ پر ہے۔ ۱۰
دنیا میں جو تغیر آیا کرتے ہیں وہ اخلاقی اقدار
کی وجہ سے آتے ہیں۔ (ٹائمز بی) ۶۸۰
حضرت ٹوٹ کی طرف سے اخلاقی کمال
کا مظاہرہ ۲۳۴

بچوں کے اخلاق و عادات کی درستی اور
اصلاح کے لیے میرے نزدیک سب سے
زیادہ ضروری امر نماز باجماعت ہے، (مصلح موعود) ۶۵۱
ارتداد

قبل مرتد کے عقیدہ کا رد ۶۰۶
عبدالمصور نامی شخص کا مرتد ہو کر آریہ ہو جانا ۶۱۴
ارہاس

بند و نشان کے مجددین مسیح موعود کیلئے
ارہاس تھے۔ ۱۹۹
استغفار

انبیاء کے استغفار کی حقیقت ۱۷۹
حضرت ابراہیم کا اپنے شرک چچا کے لیے
استغفار کرنے کی وجہ ۱۹۶
آنحضرتؐ کو اپنی والدہ کیلئے استغفار کی
خدا سے اجازت نہ ملنا ۲۹۱
استقامت

اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْاَلْكَوَامَةِ ۵۸۵
خدا کا کلام جس پر نازل ہوتا ہے اس کو
استقامت بھی عطاء کی جاتی ہے۔ ۲۶۵

اسلام

حقیقت

- ۴۵۶ اسلام کے دو معنی
ایمان کی ابتداء اور امتہ دونوں کا نام
۱۸۳ اسلام ہے۔
۵۹۹، ۵۶۰ اسلام دینِ فطرت ہے۔
۵۱۴ تکمیلِ دین
قیامت تک اب کسی اور شریعت کی
ضرورت باقی نہیں رہی۔ ۵۶۴
ایک امتیازی خصوصیت صفاتِ الہیہ
کا کامل نقشہ پیش کرنا ۵
اسلام اور اس عالم ۵۰
اسلام کے جملہ مسائل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ
کا اصل مقصد تقویٰ ہے۔ ۵۲۰
حقیقت پسندی کا زبردست مظاہرہ ۶۵۸
سلسلہ فیوضِ الہی کا ہمیشہ جاری رہنا ۱۹۸
اسلام کے زندگی بخش اثرات کو قائم رکھنے
والے لوگ ۱۹۸
ماضی - حال - مستقبل
آنحضرتؐ کی وفات کے چند سال کے اندر
وہیچ اسلامی فتوحات کی مثال دنیا کی
تاریخ میں نہیں ملتی۔ ۴۲۸
موجودہ حالت ۶۷۹
بہانیوں کے اس دعویٰ کا رد کہ اسلام اس
زمانہ میں ناکام ہو گیا ہے۔ ۶۷۰

اسلام کا مستقبل

- ۶۸۰ آخری زمانہ میں ایک بار پھر اسلام کے
غالب آنے کی پیشگوئی ۴۲۸
عیسائیت کا غلبہ اسلام کے لیے مستقل خطرہ ۴۳۹
اسلام کا (احمدیت کے ذریعہ) عیسائیت پر
غالب آنا یقینی امر ہے۔ ۶۸۰
اسلام کے احیاء کیلئے مسیح موعودؑ کی بعثت ۴۵۸
تعلیم
اسلام کا پیش کردہ خدا ۴۵۷، ۱۸
مسلمانوں میں اخوتِ توحید کی وجہ سے
پیدا ہوئی۔ ۵۶
خدا تعالیٰ سے وصال کا طریق ۶۹۴، ۳۲۵
اسلام کے نزدیک انسان فطری طور پر
پاکیزہ قویٰ لیکر آیا ہے۔ ۴۷
اسلامی تعلیم کی رو سے نجات کی حقیقت ۴۵۴
اسلام کی رو سے نجات کا دار و مدار ایمان
پر ہے عمل پر نہیں۔ ۵۹۹
آنحضرتؐ کی غلامی اور اسلام کی متابعت
کے بغیر نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ ۶۹۹
نیکی و بدی کی تعریف کے متعلق ایک جدید
زاویہ نگاہ ۱۰
اسلام کی رو سے صفاتِ الہیہ کی موافقت
اقتیار کرنا ہی نیکی ہے۔ ۱۴
اسلام کہیں تپے نہ اپنے کاموں کو ہمیشہ
خدا تعالیٰ کی رضا کے تحت رکھنے کی کوشش کرو ۱۷۴

انسان دنیوی لذات سے کس حد تک متمتع ہو سکتا ہے۔

۶۸۳

امن عالم کے قیام کے لیے توحید کی اہمیت
اسلام جو امن قائم کرنا چاہتا ہے وہ کس
کے لیے ہے؟

۵۳

اسلام کے نزدیک قانون کا اطلاق امیر و

۶۷۰

غریب سب پر یکساں ہونا چاہیئے

۶۰۶

قلب مرتد کے عقیدہ کا رد

۶۵۰

نماز کی فرضیت

۶۳۷

اسلام میں خدمت خلق کی اہمیت

۶۳۳

دشمن سے بھی عدل کی تعلیم

اسلام میں اہل کتاب کو دوسرے غیر مسلموں

۶۹۵

سے زیادہ حقوق دینے جانے کی وجہ

۵۷۰

ماں باپ سے حسن سلوک کی تعلیم

۱۶۷

کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی حکمت

۶۹

ایک عظیم الشان انقلابی اعلان

اقتصادی نظام

۶۳۴

بے مثال اقتصادی نظام

۶۳۵

رعایا کی بنیادی ضروریات کی فراہمی

۶۳۳

غربت کے مسائل کا حل

انصار اور مہاجرین میں مواخات اسلام کے

۶۳۴

اقتصادی نظام کی بنیاد ہے۔

اسلامی حکومت میں انشورنس کی ضرورت

۶۳۶

باقی نہیں رہتی۔

نہ

اشاعت

نشۃ ثانیہ کا دوسرا موعودے شروع

۲۵۱

ہونا ہے۔

قرآن میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک منظم

۶۴۱

جماعت قائم کرنے کا حکم

اشاعت اسلام کیلئے آسمانی اور زمینی تدبیریں

۶۱۱

اختیار کرنے کا حکم

اسلام کی اشاعت کے لیے زندگی وقف

۶۷۸

کرنے والوں کے لیے رزق

اس زمانہ میں اسلام کی تائید میں تلوار

۶۶۶

اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔

یورپ اور امریکہ میں اسلام قبول کرنے

۵۹۶

میں سب سے بڑی رکاوٹ

دیگر ادیان سے موازنہ

۶۱۶

اسلام اور دوسرے ادیان میں فرق

۵۷

قیام امن کے سلسلہ میں بیسائیت کے موازنہ

بوتوں کی بے چارگی دیکھ کر بعض صحابہ کا

۱۵۸

اسلام قبول کرنا

اطمینان

۶۹۸

اطمینان قلب کے حصول کا نسخہ

افراء

اللہ تعالیٰ پر افراء کرنے والا سب سے

۶۹۰

بڑا ظالم ہوتا ہے۔

اقتصادیات

آبادی کے اضافہ سے غربت کا تعلق نہیں ہے۔

۶۳۰

ہستی باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کو عقل سے دریافت نہیں کیا

جاسکتا۔

۳۲۶

ہستی کا ثبوت

۱۶۶

خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کی دلیل

۱۶۱

انبیاء کے ذریعہ اظہارِ غیب کی سنت

۲۸

توحید

احد ہونے کی حقیقت

۵۶۶

وحدانیت کا ثبوت

۵۳۵

توحید باری کے اثبات میں فطرتِ انسانی

۶۸۶

کی شہادت

نظریہ وحدت الوجود کا رد

۵۶۶

لقاء الہی

تعلق باللہ ہی کسی مذہب کو دوسرے

۳۲۴

مذہب پر فوقیت بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ

۶۱۴

لقائے الہی سے مراد اللہ تعالیٰ کی تاثیر

۵۸۷

اور اس کی نصرت کا نزول ہے۔

۶۹۹

خدا تعالیٰ کے راستہ سے مراد

اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لیے روحانی

۹

مشارکت ضروری ہے۔

وصال الہی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے

۶۹۹

بغیر خدا تعالیٰ نہیں مل سکتا۔

۱۸۶:۸

قرب الہی کے حصول کے ذرائع

غربت اور امارت کا دار و مدار کن امور پر ہے؟

۳۳۳

دنیا سے غربت کے خاتمہ کا علاج

۳۳۳

النصار اور مہاجرین کی مواخات اسلام کے

۳۳۴

اقتصادی نظام کی ندیں بنیاد ہے۔

آنحضرت کا بحرن کے حاکم کو رعایا کی بنیادی

۳۳۵

ضروریات پوری کرنے کی ہدایات دینا

آنحضرت کا فذکی قلت کے زمانہ میں سب

۳۳۴

کا جذبہ جمع کر کے راشننگ کا نظام جاری کرنا

حضرت عمرؓ کے عہد میں مردم شماری اور

۳۳۵

راشننگ کا نظام

حضرت مصعبؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اسلام کے اقتصادی نظام کے علم کا عطا

۳۳۶

کیا جانا

اللہ جلّ جلالہ

ذات

مذہب کا نقطہ مرکزی اللہ کی ذات ہے

۶

وجود و صفات باری کے بیان میں قرآن

۴۹

کریمؐ باقی الہامی کتب سے منفرد ہے۔

۵۰۵

قدیم اقوام میں خدا تعالیٰ کا تصور

۴۵۷

اسلام کا پیش کردہ خدا

ایک بالہستی کو تسلیم کئے بغیر بین الاقوامی

۵۲

امن حاصل نہیں ہو سکتا۔

خدا تعالیٰ نے مختلف مقامات کو اپنی تجلیات

۴۵۶

کا مرکز بنایا ہے۔

۵۳۹

اللہ کا اپنے لیے کلام الملوک کا استعمال

ہر قسم کے نقائص سے منزہ ہونے کا ثبوت ۵۳۴

الرحمن ۵۳۵

الرحیم ۵۳۶، ۱۵۱

اللہ کی رحمت ہر چیز پر غالب ہے۔ ۲۵۴

اللہ تعالیٰ کن پر رحم کرتا ہے؟ ۶۰۸

رب العالمین ۱۶۱، ۶

اللہ کے رب العالمین ہونے کا کامل

تصور قرآن کریم نے دیا ہے۔ ۲۵۹

آنحضرتؐ کا خدا کی آنکھوں کے سامنے

ہونے کا مطلب آپ کی غیر معمولی ربوبیت

۶۴۶، ۲۵۵

مالک یوم الدین ۶۰۰، ۱۵۹۱

مجید ۶۴۶، ۳۵

اللہ کا مجد اور بزرگی سب سے زیادہ

آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کے ذریعہ

ظاہر ہوئے ہیں۔ ۶۴۶، ۳۱۸

السلام ۵۱

السمیع ۶۴۶، ۲۸، ۲

السمیع العلیم ۲۹۷

عزیز ۱۵۱

العزيز اور الحکیم ۶۳۶

العزيز والرحیم ۲۵۸، ۲۲۱

اللطیف ۶۴۶، ۱۵، ۰۲

اللطیف والنجیر ۶۴

اللہ کے لطیف اور وسیع ہونے کے ثبوت

وصال الہی کا ذریعہ ۶۹۴

خدا اور اس کی رہنمائی حاصل کرنے کا ذریعہ ۳۲۷

اللہ کے قرب کے مدارج غیر متناہی ہیں ۱۸۴

مقرب الہی کی علامات ۳۲۸

اللہ کے وصال کیلئے جدوجہد کرنے والوں

سے اللہ تعالیٰ کا سلوک ۶۹۲

وصال الہی کے متعلق روایات میں حضرت

مصطفیٰ موعودؐ کے بیان فرمودہ معارف

اسلام سکھاتا ہے کہ اپنے کاموں کو ہمیشہ

خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت رکھنے کی

کوشش کرو۔ ۱۷۴

اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کے احسانات کی

قدر کرنے کی تلقین ۵۴۹

صفات

اسلام واحد مذہب ہے جس نے صفات

الہیہ کا مکمل نقشہ پیش کیا ہے۔ ۵

صفات تنزیہی اور صفات تشبیہی ۷

اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مقتضائے الفا

ایک ہی شے ہے۔ ۶۱۱

صفات الہیہ پر اخلاق عالیہ کی بنیاد ہے

صفات کے بیان میں قرآن کریم اور بائبل

کا موازنہ ۶

صفات الہیہ کا مظہر انسان مجازی خدا

ہوتا ہے۔ ۱۱

صفات باری ۴۹، ۸، ۷

۵۰۷ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا اثر

الہام

۱۵۶ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک الہام
۱۹۹ اُمت محمدیہ میں سلسلہ الہامات کا جاری ہونا
۲۶۵ شرعی اور غیر شرعی وحی میں فرق
۲۶۷ شرعی الہام بھولا نہیں کرتا

۲۶۶ کیا وحی اور الہام میں فرق ہے؟
اللہ کا کلام جس شخص پر نازل ہوتا ہے
اسے قلب کی پاکیزگی اور استقامت
بھی عطا کی جاتی ہے۔

۱۱۵ اُمت محمدیہ کے ادیب اور الہام کا نزول
ظہم پر نازل ہونے والا الہام دوسرے
لوگ بھی سن سکتے ہیں۔

۱۱۵ انسان کی قلبی کیفیت کے مطابق الہام
کا نزول

۱۹۴ الہام اور فطرت صحیح کا تعلق

۵۹ کتاب بُبین

۵۱۹ الہامی کتابوں کی ترتیب کا فلسفہ
حضرت عیسیٰ کو الہاماً یہود اور مسیحیوں کے

کردار کے متعلق بتایا جانا

۶۳۳ حضرت موسیٰ پر پہلا الہام

۴۶۳ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان کہ تم خود بھی
اپنے پرکلام الہی نازل ہونے کی خواہش نہ کرو

۶۹۸ نفس کی پاکیزگی پوری نہ ہونے کے باوجود الہام

اور خوابوں کی خواہش رکھنے والوں کا انجام

۴۶۸ میں حضرت موسیٰ کی زندگی کے واقعات

۱۷۶، ۱۷۰ محی

۱۷۶، ۱۷۰ محبت

اللہ کی صفات محی و محبت کے مورد

۱۷۳ علم الہی کی دو اقسام

۵۷۶ غفار

۱۷۷ بختار لوگوں کی حاجات پوری کرنا والا

۴۸۵ ستار

۱۲۲ انبیاء اور مصلحین کا وجود خدا تعالیٰ کی

۲۳۱ رزاقیت کا ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر حضرت

ابراہیم کا یقین

۴۰۳ نبی اور اس کے ماننے والوں کے لیے

اللہ تعالیٰ کا سینہ سپر ہو جانا

۴۲ صفت خلق کا تقاضا

۱۶۳ اللہ تعالیٰ کی لامتناہی قدرتوں کی تحدید

ناممکن ہے۔

۶۱۶ تمام تغیرات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں

۴۶۵ رات اور دن کی پیدائش اور اس

کی حکمت

۵۳۸ دنیا میں پانی کا نظام

۴۱۶ خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا

کی گئی دولت۔

۶۰۵ بھولے بھٹکے بندہ کیلئے اللہ تعالیٰ کی

۳۲۶ بے تابی کی مثال

۵۲۹ مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام
۱۱۵ میں حضرت مصلح موعود کی شرکت
اُمتِ محمدیہ
حضرت ابراہیم کی دعا کا اُمتِ محمدیہ کے
ذریعہ پورا ہونا
۱۸۸ اُمتِ موسیٰ سے شدید مشابہت
۵۱۴ قرآن کریم کئی مقامات پر معنی طب
آنحضرت کو کرتا ہے اور مراد آپ کی
اُمت کے افراد ہوتے ہیں۔
۵۶۴ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو ایک
اہم نصیحت
۵۶۵ وحدت الوجود والوں کا رد
۵۶۶ اُمتِ محمدیہ کو ہر زمانے میں کلامِ الہی سے
نوازے جانے کا وعدہ
۳۲۵ سلسلہ الہامات کا جاری رہنا
۱۹۹ اولیاء پر الہام کا نزول
۱۱۵ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ گزرے
ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل
کیا ہے۔
۳۲۵ اُمتِ محمدیہ کے وہ افراد جن کے ذریعہ
دنیا نے زندہ خدا دیکھ لیا۔
۱۹۸ اُمتِ محمدیہ کے اکثر اولیاء و صوفیاء
حضرت عائشہ کی اولاد میں سے ہیں۔
۲۶ اُمت میں ایک نابی الاصل شخص کی بعثت کی پیشگوئی
۵۱۴

اَنَّا كُنتُمْ هَرَقْتُمْ خَوَاشِشَ رُكَّتِ
ہیں کہ ان پر غیب کی خبریں ظاہر ہوں۔
۲۹۸ ابتدائی دور کے انسان کو فنون سکھانے
میں الہامِ الہی سے رہنمائی دی گئی۔
۳۳۱ زبان ابتداء میں الہاماً سکھائی گئی
۳۳۱ اُمتِ محمدیہ کو ہر زمانے میں کلامِ الہی سے
نوازے جانے کا وعدہ
۲۲۵ عقل انسان کی رہنمائی کیلئے کافی نہیں
جب تک آسمان سے الہام نازل نہ ہو۔
۶۳۷ آئندہ وحی والہام کی منکرات و ام سے اسلام
کا مقابلہ ہوگا۔
۶۸۱ حضرت مسیح موعود کے ہندسوں واسے
الہام کے متعلق بعض احمدی سائنسدانوں
کا خیال
۴۵۱ الہامات مسیح موعود علیہ السلام
اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاخِ اَتِیْتُكَ بَعْتَةً
۱۱۵ اِنِّیْ مُعِیْنٌ مِّنْ اَرَادَ اَعَانَتُكَ وَ
اِنِّیْ مُہِیْنٌ مِّنْ اَرَادَ اِهَانَتُكَ
۶۴۶ کَوْلَاکَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ
۲۵۷ یَا مَسِیْحُ الْخَلْقِ عَدَدَاْنَا
۴۴۵ آگ سے ہمیں مت ڈرا۔ آگ ہماری
غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔
۶۱۴ "ہزاروں آدمی تیرے پیروں کے نیچے ہیں"
۳۵۶ طاعون کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کا ایک الہام
۴۴۷

آنحضرتؐ نے امت میں ہر صدی کے سر پر
مجددین کے ظہور اور آخر میں مسیح موعودؑ کی

بعثت کی خبر دی ہے۔ ۵۱۲

آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کے ظہور
اور اس پر ایمان لانے کے متعلق آنحضرتؐ

کی تاکید۔ ۵۶۵

مُكَلَّمًا اُمِّيَّ عَاثِيًا بَنِي اِسْرَآئِيْلَ

امت میں غیر شرعی انبیاء آگئے ہیں۔ ۶۷۱

آنحضرتؐ کے بعد نبوت تامر مستقل کی بجائے

آپؐ کی نقلی اور بروزی نبوت آئے گی۔ ۶۲۰

امن عالم

اسلام اور امن عالم ۵۰

آنحضرتؐ دنیا کے لیے امن بکرا آئے ہیں ۵۴

امن عالم کی بنیاد توحید پر بنی ہو سکتی ہے

۴۸۸، ۵۵، ۵۱

بیت اللہ امن عالم کے قیام کا ضرورت

ذریعہ ہے۔ ۴۸۸، ۵۳

قیام امن کے عظیم نشان گر ۵۵

عالمگیر امن کے لیے غیر اسلامی کوششیں

ناقص ہیں۔ ۶۲۰

قیام امن کے لیے جنگ کی ضرورت ۵۷

اگر جبر سے مذہب تبدیل کرنے کا حق

تسلیم کیا جائے تو دنیا میں امن قائم نہیں

رہ سکتا۔ ۶۰۷

عیسائیت کی تعلیم قیام امن سے قاصر ہے ۵۸

حدود حرم میں ہونے کی وجہ سے ابن کلمہ

کے لیے امن کامیاب ہونا ۶۸۷

انجیل۔ نیز دیکھیے بائبل اور عیسائیت

انجیل میں اس کی حفاظت کے کسی الٹی

وعدہ کا ذکر نہیں۔ ۶۶۵

ناقابل عمل تعلیم ۳۲۲

آنحضرتؐ کے متعلق چٹگوٹی

انجیل کی ایک تفسیر کی وضاحت ۱۴۰

انسان

پیدائش اور اس کا مقصد ۶۶۰

بشری اور روحانی پیدائش ۸

انسان کا اندرونی نظام خدا تعالیٰ کی

تخلیق کا شاہکار ہے۔ ۱۹

پیدائش کا مقصد ۶۹۸

انسان کو اپنی پیدائش کے مقصد پر غور

کرنا چاہیے۔ ۶۳۸، ۱۶۴

جملہ مخلوقات میں سے صرف انسان ہے

جس نے شریعت کا بوجھ اٹھایا ہے۔

۷۲، ۱۳۶۲

انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ ۷۰

انسان کو صفات الہیہ کا منظر پیش کی

طاقت دی گئی ہے۔ ۱۴

مجازی خدا وہ انسان ہے جس کے اندر

الہی صفات پائی جائیں۔ ۹

اپنی خدا داد قوتوں کو ترقی دینے کا طریق ۶۰۴

فطرت

انسان کی فطرت میں تعلق باللہ کا مادہ رکھا

۳۲۳ گیا ہے (خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ)

ابتدائی دور میں زبان اور مختلف فنون

۳۳۱ سکھانے میں الہام الہی مدد کرتا تھا۔

قرآن کریم کی رو سے انسان کو فطرت صحیحہ

۴۴ عطا کی گئی ہے۔

اسلام میں انسان کے فطری گنہگار ہونے

۴۳ کے نظریہ کا رد

انسانی فطرت بڑے ماحول کے نتیجے میں

۱۳ مسخ ہو جاتی ہے۔

انسانی فطرت میں جدت اور تجدد کا مادہ

۳۵ حقیقت

انسان اپنی حقیقت کو سمجھنے کے لیے بھی

۶۰ کتاب مبین کا محتاج ہے۔

انسانی سے مراد اطاعت کا مادہ رکھنے

والے اور حق سے مراد ناری طبیعت

۴۴ والے انسان

۳۶۱ جن بھی انسان ہی ہیں۔ دلائل

تقبض و بسط

انسان پر روحانی قبض و بسط کی حالتیں

۴۴۹ روحانی قبض و بسط کی حکمت

۵۳۹ روحانی لحاظ سے مردہ انسان کی علامات

۴۰۰ شیطان کے گمراہ کرنے سے انسان کو مغرور

۶۲۹ نہیں سمجھا جاسکتا۔

انسان کو علم و عرفان دیکر یہ موقعہ دیا گیا

ہے کہ اپنی مرضی اور کوشش سے

قرب الہی کا راستہ تلاش کرے ورنہ اس

۲ کے طبعی نتائج بھگتے۔

انسان کی ساری مصیبتیں اور بیماریاں

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے غلط استعمال

۱۶۸ سے آتی ہیں۔

متفرق

۸۲ انسانی روح کا منبع دل ہے یا دماغ

علم غیب کو اللہ تعالیٰ کا اپنے ہاتھ میں

۲۲ رکھ کر انسان پر احسان

کسی انسان کو دوبارہ دنیا میں واپس نہ

۴۵۵ بھجوانے کا قانون

بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا

۶۹۲ امید افزا پیغام

ایم جیم کی تباہی کا خوف اور اس کا علاج ۱۷۴

انشورس

اسلام کے اقتصادی نظام کی موجودگی

میں انشورس کی ضرورت نہیں رہتی۔

۳۳۶، ۳۳۵

۵۲۴، ۵۲۳

انفاقِ رزق

انکسار۔ نیز دیکھیے عجز

۹۱

انبیاء میں انکسار

۰

اہل اللہ

۳۳

سچے اہل اللہ کی علامات

ایمان لانے میں جدوجہد اور قربانی کی ضرورت

۷۰ ایمان کی تکمیل کے لیے صبر و رضا کا مقام

۵۸۵ اختیار کرنا ضروری ہے۔

دعویٰ ایمان اور ابتلا و آزمائش لازم اور

۵۷۷ ملزوم ہیں۔

ابتلا ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے

۵۸۴ آتے ہیں۔

انبیاء کی تباہی ہوئی خبروں کے پورا ہونے

۲۷ سے نیا ایمان پیدا ہوتا ہے۔

ایمان کی علامت۔ نبی عن المنکر

۴۰۰ نور ایمان کے نتیجے میں جرات کا پیدا ہونا

۱۴۱ ایمان بالآخرہ کے نتیجے میں جذبہ قربانی اور

۳۳۷ شجاعت پیدا ہوتی ہے۔

ایمان کامل کبھی غالی فطرت کے غور سے

۴۰ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی رو سے نجات کی بنیاد عمل

۵۹۹ پر نہیں ایمان پر ہے۔

۱۸۴ ایمان کی ترقی اور منزل

ب

بابیت

۴۱۵ پبلک مخالفت کی وجہ

بائیل

۲۰۲ ہمارے احترام کرنے کی وجہ

تحقیقین کی نگاہ میں شکوک اور ناقابل

اہل قرآن

۲۱۰ اہل قرآن کے ایک عقیدہ کی تردید

اہل کتاب

حقیقی اہل کتاب قرآن کریم اور تورات

۴۶۴ دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

۵۲۳، ۵۲۲، ۴۶۴ سچے اہل کتاب کی علامت

۶۵۸ اہل کتاب کو دعوتِ مشترک

۶۵۴ اہل کتاب سے بحث کا طریق

ایضاً لوجی

پیدائش عالم کا علم اور اس کے حصول

۶۰۸ کے ذرائع

ایٹم بم

آج کی دنیا میں ایٹم بم کی تباہی کا خوف

۱۷۴ اور اس کا علاج

ایٹم بم کی تباہی اور اس کا توڑ پیدا

۴۵۲، ۴۵۱ ہونے کی امید

ایشیاء

جنگِ یرموک میں حضرت عکرمہ کا

۴۷ مثالی ایشیاء

ایمان

۳۰۶ حقیقی ایمان کی مثال

۲۱۶ بصیرت پر مبنی ایمان

۳۰۵ ایمان کے ساتھ عملِ صالح کی شرط

۶۰۰ ایمان اور عمل کا تعلق

حضرت ابراہیم کو ایک بیٹا ذبح کرنے کے حکم کے متعلق بائبل کے بیان کا

قرآن سے موازنہ ۴۳۹

حضرت لوط کے پاس آنے والے رُل کو بائبل کبھی انسان قرار دیتی ہے اور

کبھی فرشتے ۴۲۲

حضرت لوط کی بیوی کے متعلق ایک

خلاف واقعہ بیان ۲۳۵

حضرت موسیٰ کے واقعات کے بیان

میں قرآن کریم اور بائبل کا کن امور

میں اختلاف ہے ۴۹۲

ہامان کا ذکر کر کے ایک تاریخی غلطی کا

ارتکاب ۴۷۷

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت کے وقت

تعداد کے متعلق بائبل کے بیان کی

غیر معقولیت ۴۳۹، ۳۹

کوہ طور کی تفصیل کے بارے میں

قرآن کریم سے اختلاف ۵۰۰

ہارون کو حضرت موسیٰ کا بھائی قرار

نہیں دیتی ۵۰۲

بائبل حضرت سلیمان کو نبی تسلیم نہیں کرتی ۳۵۷

نقائص

رب العالمین کی بجائے رب بنی اسرائیل

کا تصور پیش کرتی ہے ۲۵۹

بنیادی روحانی امور کے بارے میں خاموش ہے ۴۹

استناد کتاب ہے۔ ۴۷۳

مارٹن لوتھر کا بائبل کی کتاب آستر کو افسانہ

قرار دینا ۴۷۳

بائبل میں وحی کی اصطلاح عربوں کے

لیے استعمال ہوئی ہے۔ ۲۶۹

سمندر کے دو حصوں میں ہو جانے کے

معجزہ کی تفصیل ۱۴۹

منفوح اقوام سے ظالمانہ سلوک کی تعلیم

ظالموں بائبل کی تصحیح کرتی ہے۔ ۲۰۳

چٹگوئیاں

آنحضرت کی ہجرت۔ جنگ بدر اور فتح مکہ

کے متعلق بائبل کی چٹگوئیاں ۵۶۱، ۵۶۲

تحریف و تبدل

تحریف و تبدل ۲۰۲

انسانی دست و برد کا شکار ہو چکی ہے

حضرت و تبدل ہونا پادری تسلیم کرتے ہیں ۴۹۴

انسٹیکلو پیڈیا برٹینیکا کے معنیٰ ہارون

کے متعلق بائبل کے بیانات کی تردید

کرتے ہیں۔ ۴۳۶

قرآن کریم سے موازنہ

۲۰۱، ۴۸۰، ۴

قرآن کریم سے اختلاف

قرآن کریم کے ذریعہ بائبل کے بیانات

کی تصحیح ۴۳۵

قرآن کریم سے ایک واقعہ کے بیان

میں اختلاف ۹۶

تاریخی حقائق کے بیان کرنے میں قابل اعتبار نہیں۔

۲۰۱ بائبل موسیٰ کی والدہ کے الحام کا کوئی ذکر نہیں کرتی۔

۳۹۲ بائبل میں فرعون موسیٰ کی لاش کے محفوظ رکھے جانے کا کوئی ذکر نہیں

۳۸ ایک واقعہ کے بارہ میں غلط بیانی

۱۲۴ انبیاء پر الزامات

۳۵۲ حضرت نوط پر الزامات

۲۳۴ حضرت موسیٰ پر خدا تعالیٰ کے غضب

بہرکنے کا الزام

۵۰۱ حضرت موسیٰ کے مجرہ یید بیضا کو بیماری

کا اثر قرار دینا

۵۰۱، ۳۵۱، ۱۲۴ حضرت موسیٰ پر عمداً ایک مصری کو جان

سے مارنے کا الزام

۴۹۴، ۴۹۳ حضرت ہارون پر الزام

۴۰ سیماٹ پر شرک کا الزام

۳۵۷، ۳۹

بد مذہب

خدا تعالیٰ سے اتصال کا طریقی بیان

نہیں کرتا۔

۴۹۴، ۴۹۳ دما کی قبولیت پر زور نہیں دیا جاتا

۴۹۴ نروا، (نجات)

براہین احمدیہ

۱۰۸ اقترافِ عظمت

۴

بہائیت

قرآن کریم سے تعلیمات یکرٹنے مذہب کے

۴۷۰ طور پر پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم کو منسوخ قرار دینے کا عقیدہ

۴۷۰ اور اس کا رد

۴۷۰ بہائیت کا رد

۲۶۵ وحی کی تعریف سمجھنے میں غلطی

عباس آفندی کا بہاء اللہ کی قبر پر

۴۷۰ سجدہ کرنا

ایک بہائی عورت کا قادیان آکر حضرت

۱۲۳ مصلح موعود سے گفتگو کرنا

۴۷۰ رنگوں سے ایک بہائی کا کتاب شائع کرنا

بیت العنکبوت

۴۳۲، ۴۳۱ تیش کی حقیقت

۱۲۹، ۶۴ بیعت رضوان

۱۲۹، ۶۴ بیماری

۱۶۸ بیماریوں کی وجہ نعمتوں کا غلط استعمال

پ

پانی

۴۱۶ دنیا میں پانی کا حیرت انگیز نظام

۴۷۶ پانی کی خصوصیات

پہاڑ

۴۵۲ پہاڑوں کا متحرک ہونا

۴۱۶ پہاڑوں کے فوائد

ہاڑوں کے اُڑائے جانے سے مراد متحکم
حکومتوں کی تباہی

۴۵۳

پیدائش

آسمان و زمین کی پیدائش انسان کی

۴۳۷

بامقصد زندگی کا ثبوت ہے۔

۴۱۲

پیدائش عالم سے روحانی عالم پر استدلال

انسان کو اپنی پیدائش کے مقصد پر غور

۱۶۵

کرتے رہنے کی نصیحت

۸

انسان کی بشری اور روحانی پیدائش

۴۰۸

پیدائش اول اور پیدائش ثانی سے مراد

۵۳۸

رات اور دن کی پیدائش اور ان کی حکمت

پیشگوئیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سابقہ

انبیاء کی پیشگوئیاں

طوہر سینا پر آنحضرت کے متعلق نازل

ہونے والی عظیم الشان پیشگوئی

۵۱۲، ۵۱۱، ۴۷۹، ۸۱

قرآن کریم میں بار بار بسم اللہ کے نزول

۴۷۸

کے متعلق حضرت موسیٰ کی پیشگوئی

حضرت موسیٰ کی طرف سے دس ہزار قدوسیوں

۵۶۲

کے ساتھ نوح مکہ کی پیشگوئی

آنحضرت اور قرآن کریم کے متعلق یسعیاہ

۲۶۹

نبی کی پیشگوئی

آنحضرت کی ہجرت کے متعلق یسعیاہ

۵۶۱

کی پیشگوئی

قرآن کریم کی پیشگوئیاں

رب العالمین کے نغمہ میں ایک عالمگیر

۱۶۳

دین کی پیشگوئی

لوط کے واقعہ میں آنحضرت کے متعلق

۴۰۸

ایک پیشگوئی

قوم ثمود کے واقعہ میں آنحضرت کے متعلق

۴۰۴

ایک پیشگوئی

آنحضرت کی مکہ سے ہجرت کرنے اور پھر

واپس لائے جانے کی پیشگوئی

۵۵۸، ۵۵۷، ۵۵۶، ۴۶۶

اہل مکہ پر اچانک عذاب آنے کی پیشگوئی

۲۷۳

اور اس کا پورا ہونا

آنحضرت کے اتباع کو مکہ والوں پر غلبہ

۴۵۹

کرنے کی پیشگوئی

مکی زندگی میں آئندہ اسلامی غزوات

۳۰۹

کی پیشگوئی

قرآن کریم کی ایک پیشگوئی کا غرورہ بدر

۱۰۱

میں پورا ہونا

مسیح و مہدی اور آخری زمانہ کے متعلق پیشگوئیاں

مسیح اور مہدی کے زمانہ میں دابۃ

۴۴۴

الارض کے خروج کی پیشگوئی

حدیث کے مطابق مہدی کیسے وصال مبارک

۴۴۵

میں سورج اور چاند کا گرہن وقوع میں آنا

اَزَلَفَتِ الْجَنَّةُ میں آخری زمانہ کے متعلق

۲۰۷

ایک پیشگوئی

آخری زمانہ میں مختلف ایسوسی ایشنز کے
قیام اور ان کے ذریعہ دہریت کی اشاعت

۲۴۸ کی پیشگوئی
قرآن کریم میں ایم بم کے متعلق پیشگوئی
۲۵۱ مغربی افریقہ میں وہاں کے بزرگوں کی
یہ پیشگوئی مشہور تھی کہ جب سفید فام مسیح
وہاں آئے گا تو بہت ترقی ہوگی۔

۱۸۲ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں

۵۲۹ دنیا پر زور آور حملوں کی پیشگوئی
پنجاب اور ہندوستان میں طاعون پھیلنے

۴۴۴ کی پیشگوئی
حضور کی پیشگوئی کے مطابق ۱۹۰۵ء میں

۴۸۵ زلزلہ کا آنا

۱۸۹۳ء میں پادری عبداللہ اٹھم کے
متعلق پیشگوئی

۱۱۸

ت

تبلیغ

اہمیت

قرآن کریم کے ذریعہ جہاد کبیر یعنی تبلیغ
کرنے کا حکم

۴۴۱ قرآن کریم میں اسلام کی تبلیغ کیلئے ایک
منظم جماعت قائم کرنے کا حکم

۴۴۱ تبلیغ و اشاعت دین کرنے والوں کا اجر

۴۷۵-۴۷۶

اشاعت اسلام کے لیے آسمانی اور زمینی

۴۱۱ تدبیر میں اختیار کرنے کا حکم

الہامیک ملک میں تبلیغ میں روک پیدا ہو رہی ہو

۴۷۳ تو دوسرے ممالک کی طرف نکلنے کا حکم

۴۱۲ تبلیغ کو کمال تک پہنچانے کا حکم

قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم

۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸

تبلیغ بھی خدمتِ خلقی میں شامل ہے

۵۲۴ تبلیغ سے کوتاہی بھی شرک ہے۔

۵۴۵ تلوار کی بجائے تبلیغ

۴۰۴ سُنّتِ انبیاء

تبلیغ دین کا ابراہیمی طریق اور اسے اپنانے

۱۹۵ کی تلقین

۵۴۷ حضرت صالح کے تبلیغی سفر

آنحضرت کا دیونانی بھائیوں کو اشاروں

سے تبلیغ فرمانا

۲۴۲ صحابہ کرام میں تبلیغ دین کا انہماک

۲۸۲ ملکہ و کٹوریہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا

تبلیغ اسلام کرنا

۱۱۴ طریقِ تبلیغ

اشاعت اسلام کے لیے دُعا کی اہمیت

۴۱۲ تبلیغ میں لوگوں کی ہدایت سے مایوس

۲۸۴ نہیں ہونا چاہیے۔

تبلیغ میں مخالفت کی دُشمنی کلامی کو

برداشت کرنے کا نمونہ

۲۸۳

جو لوگ اپنے بچوں کو نماز باجماعت کی
عادت نہیں ڈالتے وہ انکے قاتل ہیں ۶۵۳
تعبیر الرویاء

جماعت احمدیہ کے متعلق حضرت مسیح موعود

کی ایک روایا اور اس کی تعبیر ۵۸۳

کشف یا خواب میں آگ دیکھنے سے مراد

محبت الہی ہوتی ہے۔ ۳۴۸

آگ میں جلنے کی تعبیر ۳۴۹

باتھ کی تعبیر ۱۲۰

خواب میں آردھا دیکھنے کی تعبیر ۱۱۸

تفسیر

حضرت مصلح موعود کو خدا تعالیٰ کی طرف

سے تفسیر کا خاص علم عطا کیا جانا ۲۹۳

حضرت مصلح موعود کا فرمانا کہ میں آیات

کی وجہ تشریف کا قائل نہیں ۵۸۶

باروت و ماروت کی حقیقت ۵۷۹

سابقہ تفاسیر کی حاشیہ آرائیاں

مفسرین کا اپنی تفاسیر کو دلچسپ بنانے

کیلئے بے ہودہ قصوں کا درج کرنا ۲۷۳

نافذ صراح علیہ السلام ۲۳۱

مولیٰ علیہ السلام کا سمندر پھارنے کا معجزہ ۱۵۰

سیماں اور ملک سب مقلید ۳۹۷

حضرت سلیمان کے جن ۳۵۹

منطق الطیر ۳۵۲

سیماں اور حیو میوں کا قفسہ ۳۶۶

ذہبی گفتگو کیسے شروع کی جائے ۶۷۹

اہل کتاب کو تبلیغ کا طریق ۶۵۲

سابقہ بزرگوں کا بحث میں الزامی جواب

دینا۔ ۶۵۵، ۶۵۶

جن اقوام سے آئندہ مقابلہ ہوگا وہ وحی

والہام کی منکر ہوگی۔ ۶۸۱

یورپ کو ایشیائی طریق کا مسلمان بنانا

مشکل نظر آئے گا۔ ۶۷۹

تجارت

صحابہ کرام میں تجارتی دیانت ۲۲۹

تجارتی بددیانتی کو روکنے کا موثر علاج ۲۲۷

نامائز منافع خوری ۲۲۸

شعیب علیہ السلام کی قوم میں تجارتی

بددیانتی ۲۲۳

دوہ فرعون کے معرکہ بیرونی تجارت ۲۶۰

تدبیر

تدبیر کی اہمیت ۴۴۱

تربیت اولاد

تربیت کی اہمیت ۲۸۶

تربیت کی تکمیل کیلئے تین بنیادی امور ۲۹۰

تربیت و اصلاح کا کام بہت محنت

چاہتا ہے۔ ۲۹۰

بچوں کے اخلاق اور عادات کی درستی اور

اصلاح کیلئے میرے نزدیک سب سے زیادہ ضروری

امر نماز باجماعت ہی ہے (مصلح موعود) ۶۵۱

| | | | |
|-----|---|-----|--|
| ۳۷۰ | ہد ہد اور سلیمان مسلمان مفسرین کا آنحضرت پر شیطانی الہام نازل ہونے کا عقیدہ رکھنے کی شدید غلطی ۲۷۲ | ۵۹۹ | توبہ اسلام گنہگار کے لیے توبہ کا دروازہ کھولتا ہے۔ ۵۵۶ |
| ۲۹۱ | مفسرین کا حضرت موسیٰ کا خسر حضرت شعیب کو قرار دینا درست نہیں۔ ۵۷۱ | ۱۸۰ | توبہ سے گناہ کی معافی گناہوں کی سزا سے بچنے کا واحد طریق ۵۷۰ |
| ۵۷۱ | تقدیر تقویٰ انبیاء کی بعثت کی اہم غرض تقویٰ کا قیام ہوتی ہے۔ ۸۲ | ۱۵۳ | توحید حضرت ابراہیمؑ کی بعثت کا اہم مقصد توحید کی اشاعت تھی۔ ۲۸۸ |
| ۵۲۰ | اسلام کے بنیادی ارکان کا اصل مقصد تقویٰ ہے۔ ۴۳۲ | ۲۸۸ | توحید باری کی اہمیت غیر مذاہب سے مذہبی گفتگو توحید سے شروع کی جائے۔ ۴۷۹ |
| ۸۲ | تقویٰ کی تعریف ۸۳ | ۴۰۳ | توحید کی تائید میں حضرت ابراہیمؑ کے پانچ نکات توحید کے اثبات میں فطرت انسانی کی شہادت ۴۸۶ |
| ۸۲ | تقویٰ کا تعلق دل سے ہے دماغ سے نہیں۔ ۸۲ | ۴۸۶ | توحید باری کے اثبات میں خانہ کعبہ کا وجود مسلمانوں میں اخوت توحید کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ۵۶ |
| ۵۴۸ | اسلام نے تکبر کو سخت ناپسند کیا ہے۔ تنازع عبداللہ بن سبا اسلام میں تنازع کا قائل تھا ۵۷۷ عالم کشف مسند تنازع کی یکنگنی کرنے والا ہے۔ ۱۱۲ | ۲۸۸ | توحید کامل کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا ۵۵ توحید باری تعالیٰ کے نقطہ پر تمام مذاہب کا اتحاد ممکن ہے۔ ۲۸۸ |
| ۸۹ | جماعت احمدیہ کا عقیدہ | ۲۸۸ | بیت اللہ توحید کا مرکز ہے۔ |

بتوں کی بیچارگی دیکھ کر بعض صحابہ کا اسلام

۱۵۸

قبول کرنا

۵۱۰

تورات نیز دیکھے بائبل

تورات میں ہدایت اور رحمت

۵۱۰، ۴۶۳

موجود ہونے کا مفہوم

۵۱۶

ایک طویل عرصہ میں موسیٰ پر اتاری ہے

تورات کے یکدم نازل ہونے پر مخالفین

۴۶۴

کا اعتراض

۴۸۶، ۳۸

کامل ہونے میں قرآن کریم سے موازنہ

آنحضرت کی بعثت کے متعلق اس میں

۵۱۰

پیشگوئیاں موجود ہیں۔

استثناء میں مذکور پیشگوئی کا آنحضرت

۵۱۳، ۸۱

پر اطلاق

مکہ میں ورق بن نوفل واحد شخص تھے جو

۴۶۳

عبرانی تورات عربی میں ترجمہ کرتے تھے

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ تورات پڑھنی

۴۶۳، ۴۶۳

شروع کی تو آنحضرتؐ ناراض ہوئے

۴۶۸

تورات میں انسانی خیالات ملائیے گئے ہیں

توکل

۴۶۹

قسط العام مضمون

۴۶۲

صحیح مضمون

۴۶۲

اِعْقَلْ وَ تَوَكَّلْ (حدیث)

آنحضرتؐ کے توکل کا حضرت موسیٰؑ کے

۱۴۷

توکل سے موازنہ

۱۴۶

حضرت موسیٰؑ کا شاندار نمونہ

جو لوگ خدا پر توکل رکھتے ہیں خدا ان کے

۵۸۹

دشمنوں کو سزا دیتے بغیر نہیں چھوڑتا

۶۷۷

متوکل کی جزاء

تہذیب / تمدن

۶۰۸

اقوام عالم کی مختلف تہذیبوں کا علم

حاصل کرنے کی تلقین

آرین۔ رومن اور ایرانی ثقافت نے

۲۲۳

تمدن دنیا پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں

۲۲۳

بابلی تحریک کا دنیا کے تمدن پر اثر

نوط کی قوم کا تمدن آجکل کے یورپ اور

۶۲۰

امریکہ کے تمدن سے مشابہ تھا۔

مغربی موزخ مائن بی کے نزدیک مستقبل

۶۸۰

کی تہذیب کی بنیاد اسلام پر ہوگی۔

ج

جبر

۵۷۱

جبر کی غیر مقبولیت

جس کو دلیل ٹھیک نہیں کر سکتی اسکو

۴۶۸

جبر بھی ٹھیک نہیں کر سکتا۔

۷۰

ایمان لانے میں جبر کیوں روا نہیں

۶۰۷

مذہب میں جبر کی عقلی تردید

۶۰۶

جبر سے منوانا مذہبی لوگوں کا کام نہیں

۶۰۶

آنحضرتؐ کو جبر کی اجازت نہیں دی گئی

۶۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸

عقیدہ قتل مرتد کا رد

۶۰۶

جابر مکرانوں کی پالیسیاں

۴۶۹

جبر و قدر

۷۰

مشہد جبر و قدر

جزاء و سزا

نیکی و بدی کی جزاء کے متعلق اللہ تعالیٰ

۵۵۵

کا قانون

جزاء و سزا کے اصول ۵۷۰، ۵۹۰، ۶۰۹، ۶۱۰

گناہوں کی سزا سے بچنے کا طریق توبہ ہے ۵۷۰

جماعت احمدیہ

جماعت کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی

۵۸۳

ایک روایہ اور اس کی تعبیر

۶۸۰

احمدیت کا مستقبل ٹائن بی کے نزدیک

اس جماعت کے اندر تقویٰ اور اخلاص

پایا جاتا ہے۔

۴۱۵

جماعت میں شامل ہونے والے کی زبان اللہ

۸۶

تعالیٰ کھول دیتا ہے۔

۵۴۹

بعض کمزور ایمان احمدیوں کا رویہ

جماعت کی اکثریت کا زمینداروں پر

مشتعل ہونا۔

۱۹۳

جماعت احمدیہ لندن کی طرف سے حضرت

مصلح موعودؑ کے اعزاز میں ایک دعوت

۴۵۲

کا اہتمام

۴۳۰

جماعت کے متعلق علماء کے فتاویٰ

جماعت میں شامل ہونے والے ہر فرد کو

۵۸۱

دیکھ اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہمیں یہ سمجھ دی گئی
کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا کفر نہیں بلکہ
ضروری ہے۔

۶۴۱

تلقین و نصیحت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جماعت کے

۵۸۳

نام ایک اہم پیغام

جماعت کے لیے مسیحیت اور مہدویت

۵۸۶

کا درمیان راستہ

قرب الہی کی منازل کے حصول کے ذرائع ۱۸۶

تم ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ

رکھو اور خلافت کے قیام کے لیے قربانیاں

۴۳۰

کرتے چلے جاؤ۔

خلافت کے انتخاب میں اہمیت کو مدنظر

۴۳۰

رکھنے کی تلقین

۲۸۲

رشتہ داروں میں تبلیغ کی تلقین

جماعت کے نوجوانوں کو بغیر امتیاز مذہب

۵۲۴

و ملت خدمت خلق کی نصیحت

قربانیوں کی اہمیت

اپنے اندر ایسی جاذبہ پیدا کرنے کی نصیحت ۱۹۵

جماعت کے لیے آئندہ ہجرتوں کی طرف

۶۷۴

اشارہ

گوئی جیسے ریگستانوں اور ہندوستان

کے ریتیلے علاقوں میں احمدیوں کو آباد

۱۹۵

کرنے کی تلقین

حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے متواتر بتایا ہے کہ جماعت احمدیہ کو بھی ویسی ہی قربانیاں کرنی پڑیں گی جیسی پہلے انبیاء کی جماعتوں کو کوہن پڑیں۔

۵۸۳

قومی ترقی کا واحد گُر خدا کے لیے اپنے آپ کو فدا کرنا اور اس راہ میں قربانی سے دریغ نہ کرنا۔

۵۸۴

جماعت کو کبھی بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اب تمام مشکلات پر قابو پایا گیا ہے جماعت کی ترقی حسی اور حسنی طریق پر ہوگی

۵۸۱

بعض افراد کا کابل میں شہید کیا جانا صاحبزادہ عبداللطیف کی استقامت اور شجاعت

۱۳۹

خدا کی راہ میں مال دینے کی توفیق حاصل کرنے کا طریق

۵۴۹

تربیت

افراد جماعت کی تربیت کی اہمیت ۲۸۴، ۲۸۶ نماز باجماعت کی عادت ڈالو اور اپنے بچوں کو بھی اس کا پابند بناؤ۔

۶۵۱

تربیت اولاد کے ضمن میں ایک مخلص احمدی کا واقعہ

۲۶۹

جن

جنات کی حقیقت ۳۴۳، ۳۵۹

جنوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۳۶۳

کا ایک لطیف ارشاد

جنوں کے انسان ہونے کی دلیل ۳۶۱

جن سے مراد نامری طبیعت والے انسان ۴۴

جن سے مراد ایسے لوگ جن کی فطرت

صحیحہ مخفی ہو جاتی ہے۔ ۴۵

قرآن کریم کی رو سے جن تورات پر موسیٰ

سیماں اور آنحضرت پر ایمان لائے ہیں۔ ۳۵۹

ثمود کی قوم کے جو لوگ حضرت سیماں کے

ماتحت آگئے تھے درحقیقت انہی لوگوں

کا نام جن رکھا گیا ہے۔ ۳۹۹

جنت

جنت کی نہروں کی حقیقت ۶۷۶

جنت اور اس کی نعماء کا دائمی ہونا ۱۸۶، ۶۷۱

جنت میں مصروفیت و شغولیت ۴۴۲

جنت کو قریب کرنے کا مفہوم ۶۰۶

جنگ

اسلام نے اصل جنگ دلائل و براہین

اور اشاعت قرآن کی جنگ قرار دی ہے ۴۷۲

قیام امن کیلئے جنگ کی ضرورت ۵۷

برسر جنگ مشرک کے پناہ مانگنے کی

صورت میں اسے پناہ دینی چاہیئے۔ ۲۶۷

جنگ میں اخفاء کی اہمیت ۶۲

جنگ یرموک

حضرت عکرمہ کی شجاعت اور ایثار ۴۷

جنگ وائٹرو

۳۶۴

ایک واقعہ

جنگِ عظیم اول

شکلِ دہشت میں اتحادی افواج کا خدا

تعالیٰ کی طرف رجوع

۹۸۹

جنگِ عظیم دوم

۹۹۸

جنون

انبیاء کو مجنون کہنے کی وجہ

۱۰۷

جنون کی اقسام

۱۰۹

جہاد

مکی دور میں جہاد کے متعلق پیشگوئی

۳۰۹

جہاد کی دو اقسام، جہادِ صغیر اور جہادِ کبیر

۴۷۲

آنحضرت کا فرمانا رَجَبْنَا مِنَ الْجِهَادِ

۴۷۲

الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ

۴۷۲

قرآن کریم کے ذریعہ جہادِ کبیر کا حکم

۴۷۱، ۴۷۱، ۱۲۵

حضرت مسیح و عو علیہ السلام کا نظریہ جہاد

۱۰۹

جہنم

کون سے لوگ دوزخ میں نہیں ڈالے

۲۱۴

جائیں گے۔ (رازِ روضہ حدیث)

دوزخ کے ابدی رہنے والے کے نظریہ کو اللہ

۵۰۰

کی صفتِ حیثیت رد کرتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ

وَلَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ وَلَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ

وَلَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ (حدیث)



ح

حجت

قرآن کریم عدمِ آگاہی کو معقول عذر قرار

۱۹۷

دیتا ہے۔

جس پر حجت قائم نہیں ہوئی وہ دوزخ

۲۱۴

میں نہیں ڈالا جائیگا۔

۱۹۷

اتمامِ حجت کا دائرہ

حدیث

آنحضرتؐ کا اپنی احادیث کے کہنے سے

۴۷۲

منع فرمانے کی وجہ

اس جلد میں مذکور احادیث

و- إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ

۴۷۲

فَهُوَ أَهْلُكُمْ

۴۷۲

أُسْكُتْ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ اللَّهَ تَالِثُهُمْ

۴۷۲

إِعْتَقْنَاهَا وَتَوَحَّلْ

۱۸۷

أَنْتَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا

۱۸۷

أَلَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ

۱۸۷

هَارُونَ مِنْ مُوسَى وَحُضْرَتِ عَلِيٍّ

۲۵

کے متعلق،

۲۰۴

أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

۲۰۴

اللَّهُمَّ نَقِمْهُ لِي أَيْدِي رَحْمَتِ

۲۱۵

ابن عباسؓ کے متعلق،

۵۱۴

اللَّهُمَّ هَلْ بَغْتُ؟

۲۶۴

لَهُمَّ لَتَرْنِيكَ أَلَعَلِّي

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا

(حضرت علیؓ کے متعلق)

ب۔ بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَبْيَضِ

وَالْأَخْضَرِ وَالْأَصْفَرِ

ت۔ تِلْكَ أَيَّامُ الْهَرَجِ

ج۔ جُبِلَتِ الْقُلُوبُ عَلَى حُبِّ مَنْ

أَحْسَنَ إِلَيْهَا

ح۔ أَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ

د۔ الدُّعَاءُ مَخُ الْعِبَادَةِ

ر رَبِّ أَشَعَّتْ أَغْبَرُ لَوْ أَتَسَمَّ عَلَى

اللَّهِ لَا بَرَّةَ (ترجمہ)

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ أَنْ صَغُرَ إِلَى

الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ

م۔ الْقَبِي صَبِيٌّ وَلَوْ كَانَ نَبِيًّا

ع۔ عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَءِيلَ

ك كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ فِي قَوْمِهِ

خَاصَّةً وَيُبْعَثُ إِلَى النَّاسِ

عَامَّةً

ل۔ لَا تَسْمَنُوا بِغَاءِ الْعَدُوِّ

لَعَنَ اللَّهُ السُّيُودَ وَالْمَنَازِلَ

إِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدَ

۲۱۱۰۲۶۳۰۶۳

لَوْلَاكَ لَمَا خُلِقَتِ الْأَفْلاكُ

۲۵۷۰ ۸۵۶۲۰

م۔ مَنْ قَتَلَ نَسِيكًا فَلَهُ سَلْبُهُ

۲۲۱

الْمُؤْمِنُ يَرَى أَوْ يَرَى لَهُ

ی۔ يَأْتِي عَلَى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيهَا

أَحَدٌ وَنَسِيمُ الصَّبَا تَحْرِكُ

أَلْوَابَهَا

۵۳۶

انسانی جسم میں گوشت کا ایک منفعہ ہے

جو درست رہے تو جسم درست رہتا ہے

اور اگر خراب ہو جائے تو جسم خراب ہو

جاتا ہے۔

۱۸۵

ایک شخص جو سوچ کر فیصلہ کرتا ہے تو

خواہ وہ غلط فیصلہ بھی کرے وہ ثواب

کامستی ہوگا۔

۲۱۲

ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب مومن کوئی

بُری بات دیکھے تو ہاتھ سے اس کا زائل

کرے نہیں تو زبان سے اور کم از کم

اپنے دل میں ہی بُرا مانے۔

۳۰۰

آنحضرتؐ کا ایک صحابی کو فرمایا کہ اگر تم

پر ہمیشہ ایک ہی روحانی کیفیت رہے

تو تم زندہ ہی نہ رہو۔

۵۳۹

بعض بکھرے بالوں والے غبار الو جو ہم

کے دلکب قسم کھاتے ہیں تو اندھنوں

اس قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

۲۰۰

بندے کی مقبولیت کیلئے ملائکہ کو تم

میں پر حجت قائم نہیں ہوتی وہ دوزخ

میں نہیں ڈالا جائیگا۔

۲۱۲

حزین اور لایح سے بچنے کی نصیحت

۳۳

ظالم حکومتوں کے نتیجے میں ملکوں میں انقلاب

آتے ہیں۔ ۳۸۵

غیر ملکی حکومت کے مضر اثرات ۳۸۴: ۳۸۳

خ

خدمت خلق

خدمت خلق کی اہمیت اور ضرورت ۳۳۷

خلافت

سلسلہ خلافت نوربوت کو متحد کرنے کے

لیئے خدا قائم فرماتا ہے۔ ۴۲۶

اگر قوم چاہے تو وہ انعام خلافت سے

دائمی طور پر متمتع ہو سکتی ہے۔ ۴۲۶

عیسائیوں نے اپنی مُردہ خلافت کو آج

تک سنبھالا ہوا ہے اور مسلمانوں نے اپنی

زمرہ خلافت اپنے ہاتھوں میں گاڑ دی ۴۲۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جو غت

احمدیہ میں خلافت کا قیام اور اس کی

حفاظت کی قطعین ۴۳۰

انبیاء اولیاء اور خلفاء کی مخالفت ۱۳۴

خوارج

حضرت مسیح کے عہد میں خوارج کی بغاوت ۱۳۴

د

دابۃ الارض

مسیح اور مہدی کے زمانہ میں اسکے خروج

کی پیشگوئی اور اس سے مراد طاعون ۴۴۴

قیامت کے قریب اشرار ہی رہ جائیگے ۲۵۲

آنحضرت کا پیٹ کے ایک مریض کیسے شہد

تجویز فرمایا۔ ۷۰۰

تین آدمیوں کے غار میں محبوس ہونے

کا واقعہ ۳۱

حروف مقطعات

ایک جیسے مقطعات ایک ہی قسم کے

مضمون پر دلالت کرتے ہیں۔ ۴۶۷

حروف مقطعات سورۃ کے مضامین کی

طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۵۷۶

سورۃ الشعراء میں مقطعات کی تبدیلی کی وجہ ۲

بعض مقطعات کے معنی

الْم ۵۷۶

طس ۳۱۸

طسم ۴۶۶: ۴۶۰: ۵

حکومت

وہی حکومت پائیدار امن قائم کر سکتی ہے

جو کوئی سہمی یا مذہبی اختلاف کی بنا پر بدد

والنصاف کے تقاضوں کو نہ کچھے۔ ۴۷۰

ملکی ترقی کے لیے دو قسم کی پالیسیاں

جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ ۱۴۴

جاہل حکومتوں کی پالیسیاں ۴۶۹

حکومت جن لوگوں کو ظالمانہ طور پر موزور

کرنا چاہتی ہے ان کو طاقت دینے اور

حکمران بنانے کا خدائی وعدہ ۴۷۱

درود

درودِ مسنونہ کی حقیقت

۱۸۸

دُعا

آخری زمانہ میں باوجود عام تباہی کے دُعا کا راستہ کھلا رہے گا۔

۲۱۷

مادہ پرست یورپ کا اڑے وقت میں دُعا کی طرف رجوع

۲۸۶

دُعائیں استقلال شرط ہے دُعا مانگنے والے کے مقام کے لحاظ سے

۱۱۵

دُعا کے مفہوم میں تبدیلی بدھ مذہب نے دُعا کی قبولیت پر زور

۱۸۳

نہیں دیا۔ عکرمہ کا آنحضرت سے دُعا کی درخواست زبانی

۶۹۶

یہ ابن ہریرہ میں البجیل کی دُعا

۲۰۹

اہمیت

حما غماز کا مغز ہے (حدیث)

۲۸۸

تمام اعمال زیادہ طاقتور

۲۰۹

خدا تعالیٰ سے دُعا کرنے کی تلقین

۲۰۸

حضرت شیخ کا دُعا اور روزہ کی تلقین فرمانا

۶۴۲

ذاتی و صوابی الہی کا واحد ذریعہ ہے

۶۹۶

بغیر دُعاؤں کے پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی

۶۴۲

سچے مذہب کی تلاش کیلئے دُعا اور گریہ و

۶۴۲

زار سے کام لینے کی ہدایت

۶۹۳

اشاعت اسلام کے لیے دُعا کی اہمیت

۶۱۲

سورۃ فاتحہ کی دُعا کی اہمیت

۲۵۲

ایک سچھ کو سورۃ فاتحہ کی دُعا کا ورد کرنے

۲۲۱

کی تلقین

۲۱۰

انبیاء کیلئے سلامتی کی دُعا کی ضرورت

قبولیت

دُعا کا اثر

۶۱۷

دُعاؤں کی قبولیت کی نوید

۶۹۵

دُعا کا راستہ ہر قوم اور ہر زمانہ کے لوگوں

۲۲۲

کے لیے کھلا ہے۔

۲۲۲

دُعا کی تاثیر کے متعلق ایک حدیث

۳۱

مُضطر کی دُعا کی قبولیت

۶۱۷

قبولیت دُعا کی حقیقت کے متعلق

۶۱۷

مثنوی کا ایک واقعہ

۶۴۶

ایک بزرگ کی دُعا کی قبولیت کا ایک واقعہ

۶۹۵

رات کے تیر (ایک بزرگ کا واقعہ)

۲۹

انبیاء و صلحاء کی دُعا میں

حضرت نوح کی دُعا

۲۲۱

موسیٰ علیہ السلام کی دُعا میں

۲۲۱

۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱

مخصوص دُعا میں

- ۱۹۶ والدین کی مغفرت کیلئے دُعا
۲۹۶ علم میں اضافہ کیلئے قرآنی دُعا
۳۸۶ ظالم قوم سے بچنے کی دُعا
قوی ترقی کے حصول اور منزل سے
بچنے کی جامع دُعا
۲۵۱ دل / قلب
جَبَلْتِ الْقُلُوبَ عَلَى حُبِّ مَنْ
أَحْسَنَ إِلَيْهَا (حدیث)
۴۴۲ دل اگر درست رہے تو سارا جسم درست
رہتا ہے۔ (حدیث)
۱۸۴ قلوب پر بعض روحانی واردات آتی ہیں
اور وہ بنی حقیقی نماز ہوتی ہے
۵۲۱ قلب سید الشیخ غفرلہ کو میرا آبا ہے جو
اللہ تعالیٰ سے عشق پیدا کرتا ہے۔
۲۰۳ تقویٰ کا تعلق دل سے ہے دماغ
سے نہیں۔
۸۲ انسانی اعمال کی صفائی کا تعلق دل سے
ہے دماغ سے نہیں
۲۰۴ انسان رُوح کا منبع دل ہے یا دماغ
۸۰ قلب سے مراد دماغ نہیں بلکہ دل ہے۔
۲۰۴ دل کے خیالات وحی نہیں
۲۶۶

دماغ

- ۸۲ انسان رُوح کا منبع دل ہے یا دماغ
۲۰۴ قلب سے مراد دماغ نہیں ہے۔

- ۶۸۶ دُعا نے ابراہیم کی ثمرات
۲۰۰ حضرت ابراہیم کی دعا کی برکت
حضرت ابراہیم کی دعا کا اُمت محمدیہ کے
ذریعہ پورا ہونا
۱۸۸ حضرت ابراہیم کی ایک دعا کی حقیقت
۱۸۱ حضرت ابراہیم کی دعا میں ایک بہت
بڑا سبق
۱۸۴ حضرت لوط کا اپنی قوم کی ہلاکت کے
لیے دُعا فرمانا
۵۶۲ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا میں
لَا مُنْجِيَ إِلَّا اللَّهُ لَا مُنْجِيَ إِلَّا اللَّهُ
غزوہ اُمدیس آنحضرت کا کفار کی ہدایت
کے لیے دُعا فرمانا
۶۸ آنحضرت کو سکھائی گئی ایک دُعا اور اس
کا شان کے ساتھ پورا ہونا
۵۵۹ آنحضرت جب کسی پر خوش ہوتے تو اس
کے لیے سجدہ عطا کئے جانے کی دُعا
فرماتے تھے۔
۲۱۵ آنحضرت کی دُعا سے ایک شخص کے رزق
میں گشتِ نش
۵۴۸ سلمیٰ اُمت کی دُعا میں
حضرت مسیح موعود کی دُعا کا اثر
سگسار: ہوتے وقت عاجز و عبد اللطیف
۱۲۳ کا اپنی قوم کی ہدایت کے لیے دُعا فرمانا
۱۴۰

دنیا تنویر دماغ کی صفائی سے حاصل ہوتی ہے ۸۲

عمرِ دنیا ۲۵۲
دین کیساتھ دنیا کی طرف توجہ کی ضرورت ۵۲۵
دنوی زندگی کے لہو و لعب ہونے سے مراد ۶۸۲
قرآن کریم نے دنیوی زندگی کی تنقیص نہیں کی۔ ۶۸۳

ط

ڈیہا کر لسی رجموریت
حضرت سلیمان کے عہد میں بادشاہ کے
محدود اختیارات ۳۸۱

ذ

ذکرِ الہی
ذکرِ الہی کی اہمیت ۳۰۸، ۶۵۳
ذکرِ الہی کی مجالس میں فرشتوں کا نزول ۶۵۴

ل

راشنگ
حضرت عمر کے عہد میں راشنگ کا نظام ۳۳۵
رجم
رجمِ عدل کی ضد نہیں ۶۰۰

رزق

مفہوم کی وسعت ۵۲۳

رسول

ایک رسول کا انکار تمام رسولوں کا انکار
ہوتا ہے۔ ۲۲۲
لوط کی قوم پر عذاب کی اطلاع دینے
والے رسل پہلے حضرت ابراہیم کے پاس
کیوں گئے تھے۔ ۶۲۲
وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهٖمَ
میں رسل سے مراد انسان ہیں فرشتے نہیں ۶۲۱

روح

روح اور مادہ کے اذلی ہونے کا رد ۵۶۶
انسانی روح کا منبع دل ہے یا دماغ ۸۲
روح القدس

اس کا نزول صرف مسیح سے مخصوص نہیں
قرآن کریم کو بھی روح القدس ہی لیکر
نازل ہوا ہے۔ ۲۶۴

روح القدس اور روح الامین میں فرق ۲۶۴
روایہ

اَلْمُؤْمِنُ يَرٰى اَذْيٰى لَهٗ ۶۲۵
حضرت ابراہیم کی روایہ کا صحیح مفہوم ۴۳۷
حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمرؓ
کو روایہ میں اذان کا سکھایا جانا ۶۲۴
حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا
کی ایک روایہ ۱۱۱

ہارون الرشید کا امام ہونی رضا کو قید کرنے کے
بعد ایک خواب میں آنحضرتؐ کو غضبناک دیکھنا ۲۶

ہست سے مخالفین کی دیہ کے ذریعہ احمدیت

کی طرف رہنمائی

۶۹۳

حضرت مسیح موعودؑ کی روایا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رویا، میں

۱۲۱

آنحضرت کی زیارت کرنا

جماعت احمدیہ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ

۵۸۳

کی ایک روایا اور اس کی تعبیر

۱۲۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک روایا

حضرت مصلح موعودؑ کی روایا

انسان کے مقصد حیات کے متعلق حضرت مصلح

۱۰

موعودؑ کی ایک روایا

حضرت مصلح موعودؑ کی ایک روایا جس میں

۶۹۳

آپ نے خدا تعالیٰ کے تصور پر تقریر فرمائی

حضرت مصلح موعودؑ کی ایک روایا جس میں

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات کا

۳۳۰

ذکر ہے۔

حضرت مصلح موعودؑ کے بچپن کی ایک روایا

۶۸

حضرت مصلح موعودؑ کا رویا میں ایک جرمن

۲

نومسلم کے سوالات کا جواب دینا

۲

سفر حج کے دوران حضرت مصلح موعودؑ کی

۲۸۳

ایک روایا

حضرت مصلح موعودؑ کی ایک روایا جس میں

۶۷۴

آئندہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے

حضرت مصلح موعودؑ کو رویا میں ایک گیس

۶۵۱

کے متعلق علم دیا جانا

ز

زکوٰۃ

۳۳۰

ضرورت اور اہمیت

اسلام میں زکوٰۃ اور عشر کا نظام غربت

۳۳۳

مٹانے کا حل ہے۔

نظام زکوٰۃ کے ذریعہ شہریوں کو بنیادی

۳۳۶

ضروریات کی فراہمی

ایک شخص کے زکوٰۃ کی ادائیگی کے انکار

کے بعد آنحضرتؐ اور آپ کے خلفاء کا

۵۴۹

اس سے زکوٰۃ قبول نہ کرنا۔

۵۴۶

مقرنین کیلئے زکوٰۃ کی شرح

زمانہ ر آخری زمانہ

۶۶۸

اس زمانہ کی ایجادات

زمین

۳۱۷

زمین متحرک ہے۔

زندگی

۶۸۳

اسلام نے دنیوی زندگی کی نقیص نہیں کی

زندہ اوستا

۶۹

بنیادی روحانی امور کے بارہ میں خاموش ہے

س

ساخت

انبیاء کے غلبہ اور منافقین کی تباہی کے

۱۱۱

زمانہ کو ساخت کہا جاتا ہے۔

سائنس

۲۳ سائنس کی ترقی کی بنیاد علم غیب پر ہے
سائیکالوجی (علم انفس)

علم انفس کی ابتداء درحقیقت رسول
کریم اور قرآن کریم کے ذریعہ ہوئی ہے
۱۰۶ جنون کی قسمیں

سجدہ

۸ آدم کے لیے فرشتوں کے سجدہ کی حقیقت
سلطنت روما

آنحضرت کی وفات کے وقت رومی
سلطنت کی سیاسی حیثیت اور مدعو سلطنت

سلطنت فارس

آنحضرت کی وفات کے وقت ایرانی سلطنت
کی سیاسی حیثیت اور پھیلاؤ

سورۃ فاتحہ

۲۵۲ اہمیت
اس میں قومی ترقی و منزل سے تعلق رکھنے

والے اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ۲۵۰

سورۃ مریم

۱ قطعی اور یقینی طور پر مکی ہے

سورۃ طہ

۱ یقینی طور پر مکی ہے

سورۃ شعراء

۲ خلاصہ مضامین

اس سورت میں خدا تعالیٰ کے عالم اسرار

ہونے۔ محمد عظیم سمیع الدعا اور صاحب

جبروت ہونے کی صفات کو ثابت

۳۷ کیا گیا ہے۔

۲ مقطعات میں تبدیلی کی وجہ

سورۃ انمل

۳۱۲ خلاصہ مضامین

۳۱۱ سورۃ شعراء سے تعلق

۲۶۰ سورۃ نمل کا سورۃ قصص سے تعلق

سورۃ القصص

مسلمان علماء اور عیسائی مصنفین دونوں

سورۃ قصص کے مکی ہونے پر متفق ہیں ۵۵۷

۲۶۰ خلاصہ مضامین

۲۶۰ سورۃ نمل سے تعلق

سورۃ العنکبوت

۵۶۹ زمانہ نزول

۵۶۹ خلاصہ مضامین

۵۶۹ سورۃ القصص سے تعلق

ش

شُرک

قرآن کریم کی اصطلاح اور عرف عام

۲۹۴ میں شرک کے معنی

۵۶۵ شرک کی مختلف صورتیں

حضرت نوحؑ کے زمانہ میں شرک بسط شکل میں تھا

لیکن حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں یسینہ منعمون بن

۵۰۳ گئی تھا۔

شعراء کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے ۳۰۴

شعراء کے پیروکار ۵

مومن شاعر اور ان کی صفات ۳۰۴

شعور

علم اور شعور میں فرق ۲۱۳

شقی قمر

یہ ایک وسیع ترکشی نظارہ تھا۔ ۱۱۱

معجزہ شقی قمر کی تعبیر ۱۱۱

معجزہ شقی قمر کے متعلق حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کی وضاحت ۱۱۲

شکر

اللہ تعالیٰ کے احسانات پر شکر ۲۰ تا ۱۸

اللہ تعالیٰ کے شکر کا احساس پیدا کرنے

کا طریق ۱۶۴، ۱۶۵

آنحضرت کا اللہ تعالیٰ کے احسانات

پر شکر ۲۱

شہادت

جو لوگ بدکاری کا الزام لگانے کے بعد

پارہین گواہ - لائیں وہ اللہ تعالیٰ کے

قانون کے مطابق جھوٹے ہیں۔ ۴۰۰

شہد شہد کی کبھی

فِيهِ شَفَاءٌ لِلنَّاسِ (انقرآن) ۶۷۵

آنحضرت کا پیٹ کے ایک مریض کے لیے

شہد تجویز فرمانا ۷۰۰

الہی جاعتوں کی ہجرت کی مثال شہد

خدا کے شریک سے مراد ائمہ الکفر ۵۳۲

آنحضرت نے نبوت سے پہلے بھی کبھی

شرک نہیں کیا۔ ۵۳۴

وفات کے وقت آنحضرت کا قوم کو شرک

سے بچنے کی تلقین فرمانا ۶۱۰، ۶۱۳، ۶۱۴

یہود و نصاریٰ کا اپنے انبیاء کی قبروں کو

سجدہ گاہ بنانے پر لعنت کا مورد ہونا ۶۲

شرک کے استثناء کے ساتھ ماں باپ

کی اطاعت کا حکم ۵۹۲

ہانیت میں شرک ۶۷۰

شرک کا رد

حضرت ابراہیم کی طرف سے فلسفہ شرک

کا رد ۶۰۳

شرکین پر اتمام حجت ۵۷۶

بت پرستی اور شرک کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں

۶۱۸، ۵۷۱

ہندو کا بیعت کرتے وقت شرک کی شکست

کا اعتراف کرنا ۵۶۰

شکل اوقات میں شرک اور دہریہ بھی

خدا تعالیٰ کی ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۶۸۵

معبودان باطل کی پناہ گاہیں مٹڑی کے

گھر سے بھی زیادہ کمزور ہوتی ہیں۔ ۵۷۲

شرک اقوام کی خرابیاں ۶۹۱

شعر

شعراء کی خصوصیات ۳۰۳

کی کھیسوں کے چھتے سے

۶۷۴

شہید / شہادت

ایک صحابی کی شہادت اور اللہ تعالیٰ

کا ان سے سلوک

۲۵۵

شیطان

جن لوگوں پر شیطان نازل ہوتے ہیں انکی

علامات

۲۹۷

شیطان سے مراد غضب اور غصہ بھی ہے

۴۸۳

شیطان کے مسلمان ہونے کا مطلب

۸۳

ص

صالحیت

صالح کی تعریف

۵۹۴

صالح بننے کے لیے محمد رسول اللہ کی پڑی

ضروری ہے۔

۵۹۵

صالحیت کے مختلف مقامات

۱۸۳

صبر

معنی اور مفہوم

۵۲۲

صبر کی حقیقت اور اس کا اجر

۵۵۳

صبر و رضا کا مقام اختیار کرنا ایمان کی

تکمیل کے لیے ضروری ہے۔

۵۸۵

صاحبزادہ مبارک احمد کی وقت پر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صبر کا

۵۹۷

اعلیٰ نمونہ

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

قرآن کریم میں صحابہ کی تعریف

۲۹۱

حضرت موسیٰ کی جیتگوئی میں دس ہزار

قدوسیوں کا ذکر

۵۶۲

اپنے عمل سے اپنے دعویٰ ایمان کا اثبات

۵۸۵

علمی طور پر صحابہ کی فضیلت اور امکا با

۲۱۵

ابتدائی دور کے ایمان لانے والوں کا درجہ

۲۱۲

آنحضرت کے ذریعہ صحابہ میں زندگی بخش

الطلاب

۴۰۲

اوصاف

قربانیاں اور جانشاری

۵۷۹

صحابہ کی جاں نثاری پر سر ولیم میور کا تبصرہ

۱۳۲

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَلْبَةِ کا جذبہ

۲۱۶، ۲۸

ذوق شہادت اور آنحضرت سے محبت

۵۸۶

شرح حفاظ صحابہ کی شہادت

۵۸۰

غزوہ بدر اور اُحد میں صحابہ کی قربانیاں

۳۳۸

جنگ یرموک میں صحابہ کی کثیر تعداد

کا شہید ہونا

۴۷

ایک صحابی کی شہادت اور اللہ تعالیٰ کا

ان سے سلوک

۴۵۵

شجاعت اور جذبہ شہادت

۵۸۰

جرات اور خوش قربانی

۳۳۸

صحابہ میں سب سے زیادہ دلیر حضرت

ابوبکر تھے۔

۳۶۴

جرات اور دلیری کی وجہ ان کا علم تھا۔

۲۱۵

صحبت

معرفت بغیر صحبت کا مین حاصل نہیں

ہو سکتی۔

۴۱۷

صلح حدیبیہ

کفار مکہ کی جسارت

۴۰۵

حضرت عثمانؓ کا اعزاز

۴۴

ط

طاعون

قرآن کریم اور احادیث میں مذکور دابة

الارض سے مراد طاعون کا کیرا

۴۴۴

طب

بیماریوں کی وجہ

۴۸

عباسی دور کے بغداد میں طب

۴۴۵

رحم دل طیب

۴۱۸

علم طب کے متعلق حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کا ایک قول

۱۴۹

آنحضرتؐ کا پیٹ سے ایک مریض کیلئے

شہد تجویز فرمانا

۷۰۰

جنتی طور پر شہد دست لاتا ہے۔

۷۰۰

کشمش نزلہ کو بڑھا دیتا ہے۔

۴۰۰

تیز مریض کے استعمال سے تپش پیدا

ہوتی ہے۔

۴۴۷

تمارکول سے آدھی سنتیمیک دوا میں

۵۴۸

نتی ہیں۔

غیر ایمان اور نئی زندگی

۴۰۱

غزوہ احزاب میں مستحکم ایمان کا مظاہرہ

۵۸۲

آنحضرتؐ سے محبت

۵۸۰

بدر کے مقام پر انصار مدینہ کا اظہار عقیدہ

۱۳۱

صحابہ میں عقیدہ و پاکیزگی کا بے مثال نمونہ

۴۰۲

انصار اور مہاجرین کی مواخات اور صحابہ

کا طرز عمل

۳۳۴

مواخات کے بعد انصار مدینہ کا شمالی آثار

۳۳۳

تبلیغ دین میں انہماک

۲۸۲

ابتدائی دور کے مسلمانوں میں سوچ سمجھ

اور علم کی فراوانی

۲۱۵

تجارتی دیانت

۲۴۹

واقعات

صحابہ پر کفار کے مظالم

۷۴

صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے

کا حکم

۴۷۵

آنحضرتؐ کا صحابہ کو حجر مقام پر رکنے

سے منع فرمانا

۵۰۷

صحابہ مدینہ میں مکہ کی یاد میں رویا کرتے تھے

۴۷۴

آنحضرتؐ ہمیشہ صحابہ کو سوچنے اور سمجھنے

کی نصیحت فرماتے تھے۔

۲۱۵

ایران پر حملہ اور کسریٰ کارشوت پیش کرنا

۴۹۰

آنحضرتؐ کے صحابہ اور موتی کے ساتھیوں

کا موازنہ

۱۳۰

زہر سے علاج ۱۶۹
گندھک، شکبیا اور پیارہ کا مرکب آتشک

کا علاج ہے۔ ۵۴۸
انیون، کچلہ اور شکبیا کی افادیت ۱۰۹

ظ

ظلم

سب سے بڑے ظالم ڈوہی ہوتے ہیں۔

خدا پر افتراء کرنے والا اور سچے مدعی

نبوت کا منکر ۵۹۰، ۵۵۵، ۵۰۵

ع

عبادت

مذہب کا اہم ترین حصہ عبادت الہی ہے ۳۲۸

انسان کی پیدائش کی غرض عبادت ہے ۴۴

عبادات کی غرض ۶۶۲

عبادت کی اغراض کو پورا کرنے والے ذرائع ۶۴۳

انبیاء کے لیے عبادت لازمی ہے ۱۸۵

ذکر الہی کی اہمیت ۳۰۸

عبادات کا ظاہر و باطن دونوں محفوظ رکھنے ضروری ہیں۔ ۶۴۹

الدُّعَاءُ بِمَعْنَى الْعِبَادَةِ (حدیث) ۶۴۴

اسلامی عبادات کے متعلق مسلمانوں کے

ایک طبقہ کے نظریات ۶۴۸

۶۰

عذاب

عذاب اور رحم آپس میں ضد نہیں۔ ۶۰۰

عذاب

عذاب کی غرض ۵۲۹

ابتلا اور عذاب میں فرق ۵۹۶

خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے نازل

کے اصول ۶۰۹

قوم کے ظالم ہونے یا نبی کے رد کرنے

کی وجہ سے عذاب آتا ہے۔ ۵۲۸

رسول کی بعثت کے بعد ہی کسی قوم پر

عذاب نازل ہوتا ہے۔ ۵۲۸، ۲۷۴

اللہ تعالیٰ اس وقت تک عذاب نازل

نہیں کرتا جب تک کسی مرکزی جگہ پر

اپنا رسول نہ بھیجے۔ ۵۲۸

عالمگیر عذاب سے پہلے رسول کی بعثت

ضروری ہوتی ہے۔ ۵۲۹

عذاب کے وعدہ میں تاخیر کی وجہ ۴۳۴

اللہ تعالیٰ کے عذاب کا اچانک آنا ۶۷۱

عذاب کا اوپر سے اور نیچے سے آنے

کا مطلب ۶۷۳

جنگ بدر میں اہل مکہ پر عذاب ۴۰۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے

عذاب کا انداز ۴۴۵

عربی زبان

مطلب کے اعتبار سے اپنے اندر پورا سامان رکھتی ہے۔ ۶۰۸

عربی زبان میں سات کا عدد کثرت پر
دلالت کرتا ہے۔

۶۶۶

حضرت مصعب بن عمیرؓ کی خواہش تھی کہ مصر
میں عربی کی تعلیم حاصل کریں۔

۲۸۳

بعض دفعہ کسی چیز کو اس حالت کے
مطابق نام دیا جاتا ہے جو اس پر آئندہ
دارد ہونے والی ہو۔

۲۲۱

بعض دفعہ مبتداء کو جمع اور خبر کو مفرد
لایا جاتا ہے۔

۱۶۰

ضروری نہیں ہوتا کہ کَلَّ کا لفظ تمام
افراد جنس پر مشتمل ہو۔

۳۵۸

اسم فاعل دوام پر دلالت کرتا ہے
ایک صریح قاعدہ

۹۶

استثناء کی دو قسمیں متصل اور منقطع
قلب نسبت

۳۵۱

عربی زبان میں جس اسم پر اُنْ آجائے اس
کے ایک معنی اس چیز کے اپنی ذات میں
کامل ہونے کے ہوتے ہیں۔

۵۶۳

مکرہ عظمت کے لیے بھی آتا ہے۔
تنوین کا استعمال تعظیم کے لیے

۳۱۲

عبرانی اسماء کی تعریب
اَبْ سے مراد چچا

۳۲۷

ماذع ر ب کے معنی مافی الضمیر کو
عمدگی سے ادا کرنے کے ہیں۔

۱۹۵

اَلْقُرْبَةُ - اَلْقُرْبُ اور اَلْقُرْبُ میں فرق

۲۴۹

۲۳۰

فَعِيلٌ کے وزن پر الفاظ کی خصوصیت
عربی میں جب صدق کی طرف کوئی
لفظ مضاف ہو تو اس میں دوام اور
ظاہر و باطن کی خوبی کے معنی پیدا ہو
جاتے ہیں۔

۵۵۹، ۱۸۷

عشق

عشق اور عقل

۶۱

عفو

تورات اور انجیل کی کی طرف تعلیمات

۵۲۳

عقل

عقل کی تعریف

۲۱۳

عقل انسانی راہنمائی کے لیے کافی نہیں
جب تک آسمان سے الہام کا پانی
نازل نہ ہو۔

۶۳۷

عقل کی رہنمائی کیلئے نبی کی ضرورت
ہوتی ہے۔

۳۲۷

خدا تعالیٰ کو عقل سے دیکھا نہیں جاسکتا
اور مذہب کو بغیر عقل کے سمجھا نہیں جاسکتا

۳۲۶

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں عقل پر فلسفہ
کا غلبہ ہو گیا تھا۔

۶۰۲

کفر عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔
دنیا میں خالی عقل نے کبھی زندگی نہیں پائی
زندگی ہمیشہ عشق نے پائی ہے۔

۵۹۸

۶۱

علم

حقیقی علم

۶۲۰

عورت

- آنحضرتؐ کا وفات کے وقت عورتوں
سے نیک سوچ کی تلقین فرمنا: ۲۶۳
عورت کے اندر خدا تعالیٰ نے اولاد سے
محبت کرنے کا مادہ رکھا ہے۔ ۱۶۶
بچوں کی پرورش کا فطری جذبہ ۱۶۱
غزوہ بدر میں ایک ماں کا اپنے گمشدہ
بچے کو بھاری سے تلاش کرنا ۳۲۴

عیسائیت

- ابتدائی مسیحیوں کو مخالفین کے مظالم
کی وجہ سے متواتر تین سو سال تک اپنے
مرکز بدلتے پڑے۔ ۵۷۸
عیسائیت نے پاپائیت کے نظام سے
بہت فائدہ اٹھائے ہیں۔ ۲۰۶
حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش۔ دعویٰ مسیحیت
اور صلیب کے واقعہ کے متعلق یہود
سے اختلافات ۲۳۸
حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری کا پولیس
میں آپ کی مخبری کرنا ۲۳۳
یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ایک وجہ
اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالینا ۱۱۰۶
مسیح علیہ السلام کو انقضو بالند (یعنی
قرار دینا) (پولیس) ۴۱
حضرت مسیح علیہ السلام پر الزامات ۶۱۰
عیسائیت کا غلبہ اسلام کیلئے مستقل خطرہ ۶۰۹

علم الہی کی دو اقسام

- ۵۷۶
حقیقی عالم کی تعریف ۳۳۶
شعور اور علم میں فرق ۲۱۰
علوم جدیدہ اور سائنس کی ترقی کی بنیاد
غیب پر ہے۔ ۲۳
علم انفس (سائیکالوجی)
علم انفس کی ابتداء رسول کریمؐ اور قرآن
کریمؐ کے ذریعہ ہوئی ہے۔ ۴۴

عمل

- ہر انسان کے ساتھ جو سلوک بھی ہوگا اس
کے عمل کے مطابق ہوگا۔ ۶۱۰
نیک کام اور عمل صالح میں فرق ۳۰۸
نبیؐ کی اطاعت اور شریعت پر عمل دو
جدا جدا چیزیں ہیں۔ ۶۱۰
ایمان کیساتھ عمل صالح کی شرط ۳۰۵
عمل کے ساتھ نیت کی اہمیت ۴۶۱
نیک عمل اگلے اعمال کو آسان تر بنادیتا ہے ۳۴۲
نیک اعمال کی جزا کا انمول ۵۹۱
بدیوں پر دوام انہیں کرنے والے کی نفیر
میں خوبصورت بنا دیتی ہیں۔ ۳۴۳
نفرت ہمیشہ بُرے اعمال سے رکھنی چاہیے
نیکو خطا کار لوگوں سے ۲۳۳
عذاب ظاہری سے نجات مانگنی اتنی اہم
نہیں جتنی عمل بد سے نجات مانگنی۔ ۲۳۳

موجودہ زمانہ میں پادریوں کا اسلام اور

۶۵۵ آنحضرت کے خلاف ناپاک ٹریجر
قرآن کریم میں عیسائیت کے غلط عقاید
کی تردید کی وجہ

۵۶۵ تعلیم
انجیل کی ناقابل عمل تعلیم

۳۲۲ انسانی فطرت کو گنہگار قرار دینا

۴۳ موروں گناہ اور اس سے بچنے کا نظریہ

۵۹۹ گناہوں کی معافی کیلئے غیر فطرتی طریق

۵۹۹ ایک عیسائی کیلئے گناہ کا مقابلہ کرنے میں مشکل

۴۴ دوزخ کے ابدی ہونے کا عقیدہ

۵۳۶ عیسائیت کی تعلیم امن قائم کرنے سے

۵۷ قاصر ہے۔

۵۷ مستقبل

اسلام کا عیسائیت پر غالب آنا یقینی امر ہے

۶۸۰ احمدیت کے اندر وہ نیجہ وجود ہے جس نے

آئندہ عیسائیت سے فیصلہ کن ٹکریں بنی ہے

۶۸۰

آنحضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عیسائی پادریوں

کو الزامی جواب دینے کی وجہ

۵۵۵

غ

غزوہ احد

۵۸۵ مسلمانوں پر شدید دباؤ

۶۷ آنحضرت کا زخمی ہونا

صحابہ کرام کی قربانیاں اور طقت ایمان ۳۳۸

حضرت مالک بن انس کا ذوق شہادت

۵۸۶، ۵۸۸

آنحضرت کا کفار کی بدایت کیلئے دعا فرمانا ۶۸

غزوہ احزاب

صحابہ کی طرف سے ایمان محکم کا مظاہرہ ۵۸۲

صحابہ کی جان نثاری پر سروریم میود کا

۱۳۲ اظہار حیرت

کفار کی لیڈری یہود کے ہاتھ میں قبی ۶۵۸

۵۸۵، ۳۳۷ غزوہ بدر

پس منظر ۱۳۰

کشتاف ملکہ کا نظر آنا ۱۱۳

کفار پر کنکریوں کی بارش کا معجزہ ۴۰۸۰، ۱۲۹

نویں سے پانچ مرکبہ معاندین کا

مارا جانا ۴۰۵

ابو جہل کا قتل ۱۰۱

ابوالعاص کا قید ہو کر آنا ۲۶

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ

شجاعت ثابت ہوئے۔ ۳۶۴

غزوہ بدر کے متعلق عیسائیہ کی پیشگوئی

۵۷۲ کچھ پورا ہونا

آنحضرت کا ایک ماں کو اپنا بچہ تلاش

کرتے دیکھتے ۳۲۸

غزوہ خیبر

آنحضرت کا حضرت علی کو علم بردار مقرر فرمانا ۳۶۵

غلامی

آنحضرتؐ کا وفات کے وقت غلاموں سے
حسن سلوک کی تلقین فرمانا

۲۶۳

غیب

انبیاء کے ذریعہ اظہارِ غیب کی سنت
علمِ غیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں
رکھ کر انسان کے لیے برکتیں پیدا کر دی ہیں

۲۸

۲۲

ف

فترت

اہل عرب پر فترت کا طویل دور
عرب قوم پر فترت کے طویل دور کی حکمت
دورِ فترت میں اتمامِ حجت کی کیفیت
دورِ فترت کے لوگوں کے لیے قیامت
کے دن نبی کی بعثت
دورِ فترت میں عرب کا ایک نبی
یسعیاہ کی طرف سے فترت میں رہنے
والی قوم میں شریعت کے نزول کی پیشگوئی
امتِ محمدیہ پر زمانہ فترت

۲۰۰

۳۸۸

۱۹۷

۲۰۰

۲۰۰

۱۹۹

۲۶۹

۲۰۰

فطرت

فطرت مبارکہ محمدیہ
انسان فطرتِ صحیحہ پر پیدا کیا گیا ہے۔
کتاب مکون سے مراد فطرتِ صحیحہ اور ضمیر
انسان کی فطرت میں تعلق باللہ کا مادہ رکھا گیا
ہے (خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُفُسٍ)

۵۹

۴۲

۲۶۴، ۵۸

۳۲۳

توحید باری کے اثبات میں فطرتِ انسانی
کی شہادت

۶۸۶

ایمانِ کامل کبھی خال فطرت کے غور سے
حاصل نہیں ہو سکتا۔

۶۰

۶۰

الہام اور فطرتِ صحیحہ کا باہمی تعلق

فقہ

۷۷

فقہی اختلافات کی بنیاد

فلمِ بینی

سینما اور تصویر کی لغویت اور ان سے بچنے

۵۲۵

کی تلقین

فنا

۵۶۶

ہر مرکب چیز پر فنا آنا لازمی ہے۔

حُلُّ شَيْءٍ شَيْءٌ مَا بَكَ إِلَّا وَجْهُهُ فِي

۵۶۶

فنا سے استثناء

۵۶۸

فنا سے محفوظ رہنے کا طریق

ق

قل مُرْتَد

۶۰۶

رائج عقیدہ کا رد

قدرتِ ثانیہ

۴۲۴

الوصیۃ میں قدرتِ ثانیہ سے مراد

قرآنِ کریم

سابقہ پیشگوئیوں کا مصداق

ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ کے متعلق

۸۱

توریت کی پیشگوئی

حضرت موسیٰ کا قرآن کریم کو آتش شریعت

قرار دینا ۵۶۲
یسعیاہ بنی کی قرآن کریم کے متعلق ایک مشکوٰۃ ۲۶۹

نزول

ہر سورت سے پہلے بسم اللہ کے نزول کی وجہ ۲۷۸
قرآن کریم کی کئی سورتیں دو دفعہ نازل
ہوئی ہیں۔ ۵۱۲

مکرمے مکرمے نازل ہونے پر اعتراض
اور اس کا جواب ۲۷۶
صحابہ زمانہ نزول کی بنیاد کی تاریخی
گواہی پر رکھتے ہیں۔ ۲۵۹

ترتیب

قرآن کریم میں اعلیٰ درجہ کی ترتیب پائی
جاتی ہے۔ ۲۶۲

سورتوں اور آیات میں ترتیب ۲۶۷
الہامی کتابوں کی ترتیب کا فلسفہ ۵۱۹
قرآن کریم کی ترتیب فقہی کتابوں کی طرح
کیوں نہیں؟ ۵۱۹، ۵۲۰

ترتیب قرآن ظاہر پر مبنی نہیں بلکہ تہذیب
کے جذبات کی لہروں پر مبنی ہے ۵۲۰
قرآن کی ترتیب ان جذبات پر ہے جو
قرآن پڑھتے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ ۵۲۱

فضائل

فضائل ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰
آنحضرت کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ۲۸۰

قرآن کا عربی میں ہونا معجزہ ہے ۲۶۸

معین الفاظ میں نزول ۲۶۷

خدا تعالیٰ کی طرف سے دائمی قانون ۲۵۵

حقیقی معنوں میں کلام اللہ ہے ۵۱۴

قرآن کریم کی فضیلت اعلیٰ درجہ کی ترتیب ۵۱۹

مومنوں کے لیے رحمت اور ذکر ۲۶۵

ایک جامع اور مفصل کتاب ۲۶۹

لائتنابی علوم کا خزانہ ۲۶۸

اللہ تعالیٰ کی صفات کا تفصیلی ذکر ۲۸۸

انسان کی جلد طبعی اور روحانی ضرورتیں

پورا کرتا ہے۔ ۱۲۶

ہر زمانہ کی ضروریات کے لیے کافی ہے ۲۶۶

تمام دنیا کی ہدایت کے لیے نازل ہوا، ۲۵۸

ایک کامل کتاب ہے اور اس کے بعد

قیامت تک کوئی شریعت نہیں ۵۶۲

لکھی ہوئی محفوظ کتاب ہونے کی فضیلت ۳۲۱

اپنے دعاوی کے ثبوت کے لیے بیرونی

دلائل کا محتاج نہیں۔ ۲۸۸

کتاب مکنون ۲۶۶

قرآن کریم کی ایک فضیلت اس کا پہلی

الہامی کتب میں موجود ہونا ۲۶۹

ایک منفرد فضیلت فطرتِ معیہ میں

اس کا موجود ہونا ۲۷۰

بین الاقوامی اتحاد کی بنیاد رکھنے والی

کتاب ۲۵۹، ۳۸

علم انفس کی ابتداء قرآن کریم اور رسول کریم
کے ذریعہ ہوئی ہے۔ ۴۴

جرجی زیدان کا قرآن کریم کے تاریخی علم
کی جامعیت کا اعتراف ۲۲۷

قرآن کے کتاب مبین ہونے کا ایب
عظیم ثبوت ۳۲۱، ۵۸

مبین کا لفظ الہامی کتابوں میں سے صرف
قرآن کریم کے متعلق استعمال ہوا ہے ۳۲۶، ۳۸

آیات مینات ہونے کا ثبوت ۵۴۳
فیضان ۱۲۷

جو لوگ قرآن پر صدق دل سے ایمان
لائیں گے وہ دنیا میں معزز اور مکرّم ہوں گے ۴۶۵

قرآن کریم کے ذریعہ روحانی انقلاب ۱۲۸
قرآن کریم کے بعد کسی نئی شریعت کا آنا

تو ناممکن ہے بغیر شریعت کے نبیاء
آئیں گے۔ ۲۷۱

آنحضرت کی ذات قرآن کریم کی عمل تفسیر ہے ۵۳
صرف قرآن کی اطاعت کافی نہیں ہے۔

۲۱۰
قرآن کریم میں شیطانی وحی کے شامل
ہونے کی تردید ۲۷۶، ۲۷۵

۲۷۶، ۲۷۵
صدائت

قرآن کریم کی نصیبت اور صدائت ۵۵۸، ۲۷۱
کلام الہی ہونے کا ثبوت ۲۷۸، ۱۳۷

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمین کا ثبوت ۲۵۹

تمام انبیاء کو معصوم قرار دینا ۴۱
عیسائیت کے غلط عقاید کی تردید کی وجہ ۵۶۵
عجمی اسماء کو معرب شکل میں استعمال کرتا ہے ۲۰۳

غیر محرف و غیر مبذل

نزول اور بعد کے زمانہ میں حفاظت کا وعدہ ۲۶۵
جرمن مستشرق نولڈ کے اور سروریم ہیور کا

اعتراف کہ قرآن کریم غیر محرف و غیر مبذل ہے ۳۲۲
قرآن کریم میں نسخ نہیں

ایک ناقابل تفسیح قانون ۶۷۰، ۶۵۵
نسخ قرآن کا عقیدہ اور مسیح موعود علیہ السلام

کے ذریعہ اس کا رد ۶۶۶، ۷۶۶
بہائیوں کی طرف سے قرآن کریم کے

منسوخ ہونے کے عقیدہ کا رد ۶۷۰
نحو

صفت قرآن کی حقیقت ۳۲۰
قرآن مذہب اور تمدن کی کتاب ہے ۳۹۹

عظمت و شہرت ۲۵
جماد کبیر قرآن کریم کے ساتھ وابستہ ۲۷۲، ۲۷۱

کامل ہدایت صرف قرآن کریم بخلا کر ہے ۳۲۷
قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے ہدایت

اور رہنمائی کا سامان رکھتا ہے۔ ۵۶۳
قرآن، کمالات میں سے ایک بڑا کمال ۴۱۲

کثرت سے حفظ ہونے کا امتیاز ۳۲۱
قرآن کی ایک نوبت وسیع مطالب کو صرف

صیغوں کے ذریعہ ادا کرنا ۵۳۱

فرعون کی لاش کے محفوظ ہونے کا ذکر

بطون

قرآن کے سات بطون ۶۶۵۰۲۹۳

سات بطون کے معنی دنیا کے سات عظیم

تغیرات کے مطابق قرآن علوم کا کھنا ۶۶۶

مسیح موعود پر اس زمانہ کے مطابق قرآن

کا بطون کھولا گیا۔ ۶۶۵

قرآن کریم کے مطابق تہذیبیں ۶۶۷

آیات کے معانی کی صحت کے معیار ۶۶۹

تعلیم

عقل اور تفقہ سے کام لینے کی تلقین ۶۱۵

قرآن عدم آگاہی کو معقول عذر قرار دیتا ہے ۱۹۷

قرآن کریم میں گناہوں سے بچنے کا طریق ۵۹۹

والدین سے حسن سلوک کی تعلیم ۵۷۰

قرآن کریم میں آخر کے لفظ کا استعمال ۵۱۰

کئی مقامات پر قرآن کریم خطاب

آنحضرت کو کرتا ہے اور مراد اُمتِ محمدیہ

کے افراد ہوتے ہیں۔ ۵۶۴

جن کا ذکر اور اس کی حقیقت ۳۵۹

آریوں اور نیچروں کا رد ۵۳۶

قرآنی مثنیات

بیت العکبوت کی تمثیل ۶۳۲۰۰۰

پیشگوئیاں

جنگِ بدر میں ایک پیشگوئی کا پورا ہونا ۱۰۱

اہل مکہ پر اپنا تک عذاب آنے کی پیشگوئی

اور اس کا پورا ہونا ۲۷۳

دوسری الہامی کتب سے امتیاز

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن تورات و

انجیل کی نقل ہے۔ ۶۶۲

دوسری الہامی کتب سے امتیاز اور تفصیلت

۶۶۶، ۲۵۹، ۵۰، ۴۸، ۴۳، ۳۸

دوسری الہامی کتب کے مقابل قابلِ عمل ۳۲۲

بائبل پر تفصیلت ۴۹۸، ۴۷۷

بائبل کے بیانات کی تصحیح ۴۳۵

یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات میں

حکم کا کردار ادا کرتا ہے۔ ۴۳۸، ۴۳۵

حضرت موسیٰ کی زندگی کے واقعات اسی

شکل میں بیان کرنا جس شکل میں واقع

ہوئے تھے۔ ۴۶۸

ہامان کے متعلق تفصیل ۴۷۳

دوسری الہامی کتب سے موازنہ

معجزہ ہونے میں موسیٰ کے عصا سے موازنہ ۱۲۵

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے قرآن

پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ سمجھا نکلا !

(مسیح موعود) ۱۲۸

خدا تعالیٰ کی صفات کے بیان میں بائبل

سے موازنہ ۶

ابراہیم علیہ السلام کو ایک بیٹے کی قربانی

کے حکم کے متعلق بائبل اور قرآن کریم

کے بیانات کا موازنہ ۴۳۶

۶۴۰ اشاعتِ قرآن کا حکم

قرآنِ کریم کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا

۶۴۱ کفر نہیں بلکہ فرض ہے۔

مسلمانوں کے منزل کی وجہ قرآنِ کریم

۶۴۲ کو چھوڑنا ہے۔

قربِ الہی

۶۴۳ قربِ الہی کے راستے کن پر کھولے جاتے ہیں

۸ قربِ الہی پانے کا طریق

قربانی

۴۴۸ اسماعیل قربانی کی اہمیت

قلب نیز دیکھئے دل

۶۴۸ اطمینانِ قلب کے حصول کا نسخہ

۶۴۳ نمازِ قلب انسان کو چلا بختی ہے

قناعت

۱۷ قناعت اور شکر گزاری

قوم / اقوام

خدا تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنے سلوک

میں تبدیلی نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود

۶۴۶ اپنے دلوں میں تبدیلی پیدا نہ کرے۔

دنیا کی ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف

۵۱۸ سے منہج آتے رہے ہیں۔

انصاف پسند قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب

۵۲۸ نازل نہیں کرتا۔

۶۶۱ آنحضرت کی تعلیم میں اقوام کی باہمی مساوات

۶۹۰ یہماندہ اور جاہل اقوام کی نفسیات

تاریخی حقائق کے بیان میں بائبل سے

موازنہ ۲۰۲، ۹۶، ۳۹

مصر سے ہجرت کرتے وقت بنی اسرائیل

۴۳۶ کی تعداد کے بیان میں اختلاف

حضرت موسیٰ کے واقعات کے بیان میں

بائبل کا قرآنِ کریم سے اختلاف

۵۰۰، ۴۹۲، ۳۴۷

حضرت موسیٰ کے ضمن میں قرآنی بیانات

قرآن اور عقل کے لحاظ سے زیادہ صحیح

۴۴۴ ہیں۔

۴۸ بائبل اور وید سے موازنہ

انبیاء کو الزامات سے بری قرار دینا

۲۳۴ حضرت لوطؑ

حضرت موسیٰؑ ۵۱۰، ۴۹۴، ۳۵۱

حضرت ہارونؑ کو شرک سے بری قرار دینا ۲۰۲، ۴۰

۳۵۸، ۳۹ حضرت سیمائ

حضرت عیسیٰؑ کو لعنتی موت سے بچائے

جانے کی وضاحت ۴۱۰، ۴۰

قرآن پڑھنا اور اس کی اشاعت

۳۱۸ کثرتِ تلاوت کی نفیست

قرآنِ کریم پڑھنے کا صحیح طریق ۶۳۹، ۵۲۱

قرآنِ کریم کی ہر ایت سے کون فائدہ اٹھ

۲۲۸ سکتا ہے۔

خدمتِ قرآنِ قربِ الہی کی منازل کے

حصول کا ذریعہ ہے۔

۱۸۶

پہلے اقوام الٹی صداتوں کو زیادہ کثرت کے ساتھ قبول کرتی ہیں۔

۳۸۶

مظلوم اور اسیر اقوام کی آہ سے بڑے بڑے ظالم اور مغرور حکمران تباہ ہو جاتے ہیں۔

۴۲۰

عروج و زوال

قوموں کا عروج و زوال ۲۵، ۴۵، ۸۵، ۱۰۰، ۱۲۵، ۱۵۰، ۱۷۵، ۲۰۰، ۲۲۵، ۲۵۰، ۲۷۵، ۳۰۰، ۳۲۵، ۳۵۰، ۳۷۵، ۴۰۰، ۴۲۵، ۴۵۰، ۴۷۵، ۵۰۰، ۵۲۵، ۵۵۰، ۵۷۵، ۶۰۰، ۶۲۵، ۶۵۰، ۶۷۵، ۷۰۰، ۷۲۵، ۷۵۰، ۷۷۵، ۸۰۰، ۸۲۵، ۸۵۰، ۸۷۵، ۹۰۰، ۹۲۵، ۹۵۰، ۹۷۵، ۱۰۰۰

۲۵۰

عروج

قومی ترقی کا واحد گڑھ دوسری اقوام پر فنیست حاصل کرنے کا طریقہ قوموں کو زندہ کر نیا لے نمونے قومی زندگی اسی صورت میں پیدا ہوتی ہے جب قوم کا ہر فرد خدا تعالیٰ کی خاطر غیر ممالک میں جانے کیلئے تیار ہو۔

۶۷۴

زوال

قوموں کی تباہی اور ابدی بربادی بڑی وجہ گذشتہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب تنزل سے بچنے کیلئے ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے قوم کو برباد کرنے والا شخص ہی اس کی بربادی کا موجب ہوتا ہے۔ جب تک کوئی قوم مرنے کیلئے تیار نہ ہو وہ زندہ نہیں ہو سکتی۔

۵۸۱

جو قومیں بلا سوچے سمجھے حرفِ نعرے لگانا جانتی ہیں وہ کوئی کام نہیں کر سکتیں۔

۶۲۰

جابل اور مظلوم اقوام کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا قانون

۳۹۰

قیامت - نیز دیکھئے آخرت

قیامت کا ایک ثبوت قرب قیامت کی تعیین کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

۲۵۲

ک

کائنات

کائنات کی وسعت اور تخلیق میں مومنوں کیلئے بھاری نشان ہے۔ چاند گرہن کی وجہ آسمان وزمین کو بدل کر ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین کی پیدائش

۶۸۰

کتاب کمون

کتاب کمون سے مراد فطرتِ صحیحہ اور ضمیر ۵۸ قدرت کے زمانہ میں کتاب کمون مخفی تر ہو جاتی ہے۔

۵۹

کشف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا چھ ماہ کے روزے رکھنا اور لطیف مکاشفات دیکھنا عالم کشف مسئلہ تناسخ کی جھلکی کرتا ہے

۱۲۱

۱۱۲

کشف مشترک

آنحضرتؐ کے بعض کشف جن میں صحابہ کو

بھی شریک کیا گیا۔ ۱۱۳

صحابہ کو جبریل علیہ السلام کشف نظر آنا ۱۱۳

غزوہ بدر میں صحابہ اور کفار کو کشف ۱۱۳

مکہ نظر آنا ۱۱۳

حضرت عمرؓ کا ایک کشف مشترک

۱۱۴

۱۱۵

عبداللہ صاحب سنوری کی شرکت

۱۱۵

حضرت شیخ رحمۃ اللہ وکیل کا ایک کشف

۱۱۵

مشترک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۱۶

کفارہ میں شامل تین امور

۵۹۰

اللہ تعالیٰ کے نشان و نشانہ کے

۵۷۱

انبیاء کی بعثت سے کفر بھی بیدار ہوتا ہے

۵۹۱

کفر انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے

۱۳۳

کافر کو مکہ میں رہنے کی اجازت

۵۹۲

کافران اور کافر بھائی سے حسن سلوک

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عالم کشف

۲

بعض دفعہ کشف ظاہر میں وقوع پذیر

۱۱۵

انبیاء و صلیوں کے کشف

۵۴۸

موسیٰؑ کا آگ دیکھنا ایک کشفی نظارہ تھا

۵۴۸

موسیٰؑ کے عصا کا سانپ بننا اور پانی

۵۴۸

چکن ایک کشفی نظارہ تھا۔

۱۱۳

سفر طائف میں آنحضرتؐ کو کشفی نظارہ

۵۴۸

دکھایا جانا

۱۱۱

معجزہ شقی القمر ایک وسیع تر کشفی نظارہ تھا

۱۱۱

ابوہل کا آنحضرتؐ کی توجہ سے کشف دوست

۱۱۱

غبنناک اونٹ دیکھنا

۱۱۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کشف میں

۱۲۱

آنحضرتؐ کے سینے میں انوار کا جذبہ بھرتی ہو جانا

۱۲۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی توجہ اور دُعا

۱۱۶

سے حضرت عیسیٰؑ کی کشف زیارت کی جا سکتی ہے

۱۱۶

ایک ہندو مہاتیر کا کشف حضرت مسیح موعود

۱۱۶

علیہ السلام کی حفاظت کرنا اے نبیؐ

۱۱۶

ایک بزرگ پر دوران نماز کشفی

۵۲۰

کا وارد ہونا۔

گ

گناہ

گناہ اس فعل کا نام ہے جو صفتِ اہل کے

منافی ہو۔

۱۶

گناہ نتیجہ ہے مادیت کے تعلق کا

۵۳

گناہ پر جرات کی وجہ آخرت پر یقین کا نہ

۳۲۱

ہونا ہے۔

۵۹۹

گناہوں سے بچنے کا طریق

میسائیت میں گناہوں سے بچنے کے لیے

۵۹۹

غیر فطری طریق

۵۹۹

میسائیت کے نظریہ پر مودنی گناہ کا رد

م

ماحول

حیوانات اور نباتات پر ماحول کا اثر ۵۰۰-۳۸۶

مالوکی

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مالوکی کے نتائج ۵۷۱

مثیل

مثیل موتی اور مثیل عیسیٰ ۳

مسیح موعود کے مثیل مسیح ہونے سے مراد ۸۹

مجدد

انحضرت نے ہر صدی کے سر پر مجددین کے

ظہور اور آخر میں مسیح موعود کی بعثت کی

۵۱۴

خبر دی ہے۔

مجدد کی تعریف ۱۹۹

مجدد کیلئے الہام کا دعویٰ کرنا شرط نہیں ۱۹۹

ایک وقت میں مختلف ملکوں میں کئی مجدد

مبعوث ہو سکتے ہیں۔ ۱۹۹

ہندوستان میں آنے والے مجددین کی اہمیت ۱۹۹

مذہب

مذہب کی حقیقی غرض ۲۰۰

مذہب کا نقطہ مرکزی اللہ کی ذات سے ۲۰۰-۱

مذہب اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتا

جب تک تعلق باللہ پیدا نہ ہو۔ ۲۰۵-۲۰۶

مذہب کا اہم ترین حصہ عبادت الہی ہے ۲۰۸

سچے مذہب کی جہی ۲۰۳

سچے مذہب کی دانش کیسے دعا اور ۲۰۳

گزیرہ و زاری سے کام لینا چاہیے ۲۰۹

صرف بچے مذہب میں شامل ہونا انسان

کی نجات کا باعث نہیں بن سکتا۔ ۲۱۲

سوچنا اور سمجھنا مذہب کو مضبوط کرتا ہے ۲۰۷

اہل صد اقیس ہمیشہ ایسے لوگوں میں

کثرت کے ساتھ چسپتی میں جو دنیا کی نگاہ

میں جا مل اور دھنسی بوتے ہیں۔ ۲۸۰

تمام مذہب کا اتحاد تو میرا ہی تعالیٰ کے

لفظ پر ہی ممکن ہے۔ ۲۸۸

یورپ میں خلافتِ مذہب رجحانات میں کی ۲۰۷

مذہبی جماعتوں کا غلبہ اپنے اندر انداز کا

پہلو بھی رکھتا ہے۔ ۱۷۹

اسلام ایک فطرتی مذہب ۵۹۹
قرآن کریم نے مجاہد کے طور پر دوسرے انبیاء
اور ان کے پیچھے متبعین کو بھی مسلم کے
لفظ سے یاد کیا ہے۔ ۴۵۶
مذہبی گفتگو کا طریقہ ۶۷۹
مسلمان ۴۵۶
مسلم کے عمومی اور خصوصی معنی ۱۳۳
کامل مسلمان کی علامت
عروج
مسلمانوں میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ گزرے
ہیں جنہوں نے خدا کا قرب حاصل کیا ۳۲۵
دنیا کے تمام براغظوں میں کروڑوں مسلمانوں
کا پایا جانا ۹۸
مسلمان جان کیوں دیتا ہے؟ ۲۱۶
ابتدائی دور میں جملہ علوم میں ترقی کی وجہ ۲۱۷
جغرافیہ اور ہیئت کے علوم میں ترقی ۲۱۹
کولمبس نے مسلمان علماء سے سنا تھا کہ زمین
گول ہے۔ ۲۱۹
قرآن کریم کی رو سے مسلمانوں سے نصیحتیں
کاچھن جانا عارضی ہے انکی موجودہ پسائی
فتح سے بدل جائیگی۔ انشاء اللہ ۵۹۵
زوال اور اسکی وجوہات
زوال کی وجوہات ۴۸۹
آنحضرت کے بعد مسلمان کیوں اتنی جلدی
خراب ہو گئے؟ ۴۲۷

آنحضرت کی وفات کے چند سال بعد میں ہی
مسلمانوں کا MORBID ہو جانا ۴۲۹
اس زمانہ میں منزل کی سب سے بڑی
وجہ ۸۷۱، ۲۱۷
مسلمانوں کے منزل کی وجہ قرآن کریم کو
چھوڑنا ہے۔ ۶۳۹
نماز ترک کر دینا ۶۵۰، ۶۴۷
مسلمانوں میں توکل کے غلط مفہوم کا رواج پانا ۴۳۹
غلط تصورات اور اندرونی اختلافات ۷۶
تبلیغ کو انفرادی فرض سمجھا گیا۔ ۶۴۱
یہود سے مشابہت ۴۲۴
قیام خلافت میں عیسائیوں سے موازنہ ۴۲۶
تفہیم و نصائح
مسلمان کا اقتضاء ۴۵۷
سورۃ فتح پر عمل کر کے مسلمان دوسری
اقوام سے طویل عروج پا سکتے ہیں۔ ۶۵۱
مسلمانوں کو بار بار اللہ کو اپنی دھال
بنانے کی تاکید ۶۳۲
نماز باجماعت کا پابند ہونے کی تاکید ۶۴۹
اشاعت قرآن کریم کا حکم ۶۴۰
عیسائیت کے مقابلہ میں مضبوطی سے قیام
رہنے کی تاکید ۶۶۶
مسکرمیزم
ایک ہندو ماہر علم توجہ کا حضرت مسیح موعود
علیہ السلام پر توجہ دانی سے کام لے رہا تھا۔ ۱۱۷

۴۲۹
۸۷۱، ۲۱۷
۶۳۹
۶۵۰، ۶۴۷
۴۳۹
۷۶
۶۴۱
۴۲۴
۴۲۶
۴۵۷
۶۵۱
۶۳۲
۶۴۹
۶۴۰
۶۶۶
۱۱۷

مصلح

مصلحین کی محبت کی وجہ

۷۳

معجزہ

معجزات اور خوارق کی حقیقت

۶۱۷-۶۱۶

حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے بچنے کا معجزہ

حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضا کے معجزات

عطاء کیا جانا اور ان کی حقیقت

حضرت موسیٰؑ کے عصا سے سمندر و حصوں

میں ہونے کی حقیقت

موسیٰؑ کے معجزہ ید بیضا کو بائبل کا بیاری

قرار دینا

آنحضرتؐ کے معجزات میں سے سب سے

بڑا معجزہ تسمان مجید ہے۔

عصا سے موسیٰؑ کے معجزہ کے مقابل پر آنحضرتؐ

کو قرآن کریم کا معجزہ دیا جانا

معجزہ تثنیٰ قرآن ایک وسیع تر کشفی نظارہ تھا

غزوہ بدر میں کفار پر لکڑیوں کی بارش کا معجزہ

حضرت موسیٰؑ کے معجزہ ید بیضا کا آنحضرتؐ

کے معجزات سے موازنہ

دورانِ قیام بیا لکھت حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے دو معجزات

معرفت

معرفت کا آخری بحید

علم و معرفت کا ایک نیا باب

۶۱۷

۷۷۸

معرفت

معرفت کی حقیقت

۱۷۸

والدین کی معرفت کیلئے دعا

۱۹۶

مشرکین کیلئے معرفت کی دعا کرنا منع ہے

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے چچا کے لیے معرفت

کی دعا کرنا

۱۹۶

ٹاٹک

انسانی شکل میں تمثیل ہو کر آنا

۲۶۷

ٹاٹک کو سبق دینے والے لوگ

۱۷۳

مومن

مومن کی علامات

۳۰۰، ۳۲۸

مومنوں کی ایک علامت آخرت پر کمال یقین

۳۳۷

مومن کی خصوصیات

۳۰۷

مومنوں کی آزمائش ضروری ہے

۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸

مومن کامل وہی ہوتا ہے جو مصائب کے

وقت اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھتا ہے

۵۸۷

مومن کا اصل مقام

۶۳۲

آنحضرتؐ سے محبت کا معیار

۲۳۹

حقیقی مومن کی مثال

۴۱۲، ۴۰۶

سچا ہونے کی دلیل

۵

مومنوں کی کامیابی کا طریق

۷۱۲

کسی مقام کو منتہی نہ سمجھے

۱۸۵

ہمت اور استقلال کے ساتھ سچ پر

۵۷۰

قائم رہنے کی تدبیر

۵۷۰

مومنوں کے لیے حیرت کے جذبات سے

بشت کی غرض

۴۰۳ نبیوں کی بشت کی ضرورت
عقل کی رہنمائی کے لیے نبی کی ضرورت
ہوتی ہے۔ ۳۲۷

۵۱۳ سلسلہ نبوت جاری کرنے کی غرض
انبیاء کی بشت کی اہم غرض تقویٰ کا
قیام ہوتی ہے۔ ۸۲

انبیاء کی بشت کے نتیجہ میں بڑے چھوٹے
کئے جاتے ہیں اور چھوٹے بڑے ۳۹۱، ۳۸۷

صدائیت

انبیاء اور رسل کے ہمیشہ غالب رہنے کی
سنت الہی ۱۵۳
نبی کی پچائی کا ایک معیار اس کا کامیاب
ہونا ہے۔ ۵۰۴

آنحضرت اور جملہ انبیاء دلائل کے ساتھ
دنیا پر غالب آئے۔ ۵۰

جملہ انبیاء میں آنحضرت کی امتیازی شان
کہ آپ کی تمام قوم ایمان لے آئی۔ ۵۵
دعویٰ سے پیسے کی بجائے دارِ زندگی عدا
کا ثبوت ہوتی ہے۔ ۲۷۲

انبیاء کی دشمنوں کے زیرِ بیہ پرویش
منہری کو اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں کرتا ۵۰۴

غیر عقلی انجیب

انبیاء کے ذریعہ خدا غیب کی سنت

پاک رہنے کی نصیحت

۳۳ اپنی قربانیوں کو خود کشی کی حد تک بڑھانے
کی نصیحت ۸۸
مومن کو اپنے وطن کو خیر باد کہنے کے لیے
تیار رہنا چاہیے۔ ۷۷۵

مہدی

۴۲۳ تمام عالم اسلام میں مہدی کا انتظار
نواب صدیق حسن خان کا اندازہ کہ
مہدی چودھویں صدی کے پہلے پانچ
چھ سال میں ظاہر ہوگا۔ ۴۰۳

مہر

حضرت مصعب موعود کے نزدیک حق مہر
چھ ماہ سے ایک سال تک کی آمدنی کے
برابر ہونا چاہیے اور اس کی وجہ ۴۹۱

ن

نباتات

۷۷ نباتات میں نرم مادہ
پودوں کی باز آوری میں شدت کمی کا کردار ۷۸
انگور کا درخت ہزار سال تک عمر بھی
پا لیتا ہے۔ ۷۸۲

نبی / نبوت

دنیا کی ہر قوم میں رسول اور نبی مبعوث
ہوئے ہیں۔ ۱۵۰۵۱۸

کیا کوئی اہم خبر نبی سے پہلے دوسرے لوگوں کو دی جاسکتی ہے؟

۲۲۶

مقام

انبیاء کا مقام ۱۸۵

انبیاء کے مدارج میں آپس کا فرق ۱۸۴

انبیاء کو نبوت کے طور پر بھیجا جاتا ہے ۵۲۰

نبی اور مرسل ہمیشہ اچھے اور شریف خاندانوں سے آتے ہیں۔ ۲۹۵، ۲۹۳

انبیاء کا نام لینے پر علیہ السلام کئے کا حکم اور ۲۹۵، ۲۹۳

اس کی وجہ ۴۰۹

نبی وقت تمام انبیاء کا قائم مقام ہوتا ہے ۲۲۲

انبیاء کی بارش سے مشابہت ۴۱۴، ۴۱۳

انبیاء اور مصلحین کا وجود خدا تعالیٰ کی ۴۱۴، ۴۱۳

رزانیت کا ثبوت ہے۔ ۴۳۱

انبیاء دعویٰ سے پہلے ہی نجات یافتہ ہوتے ہیں۔ ۱۸۲

قرآن کریم کا تمام انبیاء کو معصوم قرار دینا ۴۱

خدا کا کلام جس پر نازل ہوتا ہے اسے ۴۱

قلبی پاکیزگی اور استقامت بھی عطا کی جاتی ہے۔ ۲۶۵

انبیاء کے استغفار کی حقیقت ۱۷۹

خصائص

نبی کی بعثت کے لیے کوئی خاص عمر مقرر نہیں ہے۔ ۲۸۲

کیا نبی کی بعثت کسی بڑے شہر میں ہونی چاہیے؟ ۹۰

برہنہ انکسار کی وجہ سے شروع میں گھبراتا ہے ۹۱

نبی اور غیر نبی کی طبیعت کا فرق ۱۳۵

انبیاء و اولیاء کے جسم سے شعاعوں کا نکلنا ۱۲۳

نبی کی دو قسم کی زندگی حیات جسمانی اور ۱۲۳

حیات فیضانی ۱۹۷

انبیاء کے لیے عبادت لازمی ہے ۱۸۵

کسی قوم پر عذاب آنے سے پہلے نبی کی بعثت کی وجہ ۵۲۸، ۲۷۴

سلسلہ روحانیہ کے پہلے اور آخری نبی کے علاوہ انبیاء قتل ہو سکتے ہیں۔ ۹۴

انبیاء کی تفسیلات دنیا میں آتی رہتی ہیں ۵۵۷

انبیاء کی بعثت کے ساتھ برکتوں اور ۵۵۷

تکالیف کا وابستہ ہونا ۴۱۳

انبیاء کی جماعتیں

نبی کی بعثت سے پہلے عوام و خواص میں کسی آسمانی مامور کی انتظار ہوتی ہے ۴۲۳

نبی کی اطاعت اور شریعت پر عمل دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ۲۱۰

انبیاء کی جماعتیں ابتداء میں اقلیت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ۱۳۴

انبیاء کی جماعتوں میں اپنے انکسار کی وجہ سے عموماً غریب ہی شامل ہوتے ہیں۔ ۵۹۹

انبیاء کی جماعتوں کا شدید مصائب سے گزرنا ۱۴۰

انبیاء سے محبت کا معیار ۲۴۰

یہود و نصاریٰ کا اپنے انبیاء کی قبروں کو

سجدہ گاہ بنانے پر ملعون ہونا

۹۳

نبوت کی اقسام

تشریفی اور غیر تشریفی نبوت

شرعی انبیاء میں سے پہلے نبی نورچ ہیں۔

تشریفی اور ظلی بروزی انبیاء کی وجہ

تابع نبوت

حضرت ابراہیمؑ نورچ کے متبعین میں

سے تھے۔

حضرت نورچ اور ابراہیمؑ کے درمیان بہت

سے نبی گذرے ہیں۔

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے تابع

نبی تھے۔

لوطؑ، اسحاقؑ، اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ

کے تابع اور ہارونؑ موسیٰؑ کے تابع نبی

تھے لیکن وہ امتی نبی نہیں تھے۔

حضرت موسیٰؑ کی تعلیم پر چلنے والوں میں

سے بعض کا مقام نبوت پانا

امتی نبوت

تابع اور امتی نبی میں فرق

آنحضرتؐ سے پہلے نبوت براہ راست ملتی

تھی کسی سابق نبی کے فیض سے نبوت

حاصل نہیں ہوتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت

نامہ مستقلہ نہیں آئیگی بلکہ آپ کی ظلی

۹۴

اور بروزی نبوت آئیگی۔

۹۲۰

مختص القوم نبوت

انبیاء سابقین میں سے ایک نبی بھی

ایسا نہیں جو اپنی قوم کے سوا کسی اور

قوم کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ (مفہوم حدیث)

۳۶۱، ۲۶۴

مختص القوم نبی

۲۶۱، ۹۶

امت محمدیہ میں نبوت

امت محمدیہ میں غیر تشریفی نبی آسکتے ہیں

مودودی صاحب کا اعتراف کہ لوگ ایک

مرد کامل بلکہ ایک نبی کے طالب ہیں

دورِ فقرت کے لوگوں کے لیے قیامت کے

دن نبی مبعوث کیا جائیگا۔

۲۰۰، ۱۹۷

انبیاء کی مخالفت

انبیاء خلفاء اور اولیاء کی مخالفت

انبیاء کو تواتر تکلیف دی جاتی ہیں۔

انبیاء کی مخالفت اور اس کی وجہ

انبیاء کے انکار کی وجہ آخرت پر یقین

نہ ہونا۔

جھوٹے مدعیان نبوت سے لوگ نہیں

ڈرتے لیکن سچے موعود کے آنے پر کفر

بیدار ہو جاتا ہے۔

ایک نبی کا انکار سب نبیوں کا انکار ہوتا ہے۔

انبیاء کی بعثت سے کفر بھی بیدار

ہو جاتا ہے۔

۲۰۴

انبیاء کے دشمنوں میں اکثریت کا گھمنڈ

اور انکار ۱۵۱، ۱۴۲

بعض انبیاء کی بیویوں اور اولاد کا انکار ۲۹۲
ہر نبی کو دوسری قوموں کا وظیفہ خور کہا جاتا ہے۔ ۲۳۱

انبیاء پر جنوں کا الزام لگانے والے

کی وجہ ۱۰۷

انبیاء کے مخالفین کو عارضی کامیابیاں حاصل ہو سکتی ہیں، لیکن مقاصد میں باطل نہیں ہو سکتے۔ ۵۵۴

نجات

مذہب کب نجات کا موجب بنتا ہے؟ ۴۳۲
آنحضرت کی غلامی اور اسلام کی متابعت کے بغیر نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ ۴۹۹

نجات کے لیے ضروری ہے کہ انسان غیر اللہ سے کامل انقطاع کر کے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ ۴۳۴

صرف سچے مذہب میں شامل ہونا انسان

کی نجات کا باعث نہیں ہو سکتا ۴۳۴

اسلام کا نظریہ نجات ۵۹۹

بدھ مذہب کا نظریہ نجات (نروان) ۴۹۴

ہندو نظریہ نجات اور اس کا رد ۴۵۴

عیسائیت کا نظریہ نجات اور اس کا رد ۵۹۹

حضرت عیسیٰ کے نزدیک نجات کی حقیقت ۴۰۰

۴۰

نشان نیر دیکھنے عنوان معجزہ

نشان نبی اللہ میں انجاء کا پہلو ۷۱

حضرت موسیٰ کی تائید میں نو نشانات ۳۵۳

موسیٰ کے ید بیضاء کی حقیقت ۱۲۰

آنحضرت کی ہجرت میں متعدد نشانوں

کا ظاہر ہونا ۵۵۹، ۵۶۰

نصیحت

وعظ و نصیحت کی تلقین ۲۲۷

مسلمانوں کو نصیحت کرنے کی ہدایت ۲۲۶

حضرت شعیبؑ کا اپنی قوم کو تجارتی

دیانت اختیار کرنے کی نصیحت ۲۲۹

نفاق

منافقت کی وجہ بزدلی ہوتی ہے ۵۷۰

منافقین کی ایک علامت کہ وہ قربانیوں

کو خود کشی کے مترادف سمجھتے ہیں۔ ۴۸

منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ

مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دیتا ہے ۵۸۱

استلاؤں کے گزرنے کے بعد منافقین

کا رویہ ۵۹۸

نماز نیر دیکھنے ذکر الہی اور عبادت کے عنوان

مقام اور حقیقت

نماز کا اعلیٰ مقام ۴۴۷

ایک جامع عبادت ۴۴۴

مجموعہ اذکار ۴۰۷

حقیقہ نماز ۵۶۱، ۴۴۴

نماز میں خدا کا دیکھنا اور خدا کو دیکھنے

سے مراد

۶۴۵

فرضیت و اہمیت

ہر حال میں نماز کی فرضیت

۶۵۰

ظاہری نماز کی اہمیت

۶۴۹

نماز باجماعت کی اہمیت اور تاکید

اتمامت صلوٰۃ سے مراد باجماعت نماز

۳۱۷

نماز باجماعت کی اہمیت

۶۵۲

مومنوں کو نماز باجماعت قائم کرنے کا حکم

۶۴۲، ۶۴۹

مومن کی علامت نماز نہیں بلکہ باجماعت

۳۲۸

نماز ہے۔

آنحضرتؐ کو دنیا میں نماز باجماعت قائم

۵۷۳

کرنے کا حکم

نماز باجماعت کی اہمیت کے بارہ میں

۳۲۹

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ

عشاء اور فجر کی نماز باجماعت نہ پڑھنے

۳۳۰

والوں کے متعلق آنحضرتؐ کا اظہارِ رائے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نماز باجماعت

۶۵۲

کا کس قدر خیال تھا؟

میں نے اپنے تجربہ میں نماز باجماعت

۶۵۲

سے بڑھ کر اور کوئی چیز نیکی کے لیے ایسی

مقرر نہیں دیکھی۔ (مصلح موعود)

بچوں کے اخلاق اور عادات کی درستی اور

اصلاح کے لیے میرے نزدیک سب سے

زیادہ ضروری امر نماز باجماعت ہی ہے

۶۵۱ (مصلح موعود)

جو لوگ اپنے بچوں میں نماز باجماعت کی

عادت نہیں ڈالتے وہ انکے قاتل ہیں۔ ۶۵۳

غرض

نماز کی اصل غرض ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۵۰

جبر اور خاموش نمازوں کا مقصد ۳۰۸

نماز روحانی جسم کی اصلاح کا ایک

ذریعہ ہے۔ ۶۵۱

نماز صرف عبودیت کا اقرار نہیں بلکہ طلب

انسان کو جلا دینے والی شے ہے۔ ۶۴۳

نماز کس طرح فحشاء اور منکر سے روکتی ہے ۶۴۶

متفرق

مشتبہ حالات میں نماز کی ادائیگی کے متعلق

حضرت مصلح موعودؑ کا عقیدہ ۶۵۰

ایک مبلغ اسلام کا نماز کی فرضیت کے

خلاف مضمون ۶۴۸

حضرت سیماں کا ایک چیونٹی کی دعا

سن کر نماز استسقاء ملتوی فرما دینا ۳۷۶

نیکی

صفاتِ الہیہ کی واقفیت اختیار کرنا

نیکی ہے۔ ۱۴

نیکی اور بدی کی تعریف کے متعلق اسلام

کا جدید زاویہ نگاہ ۱۰

ایک نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے ۵۷

نیکی کو آسان بنانے کا طریق
نیکی کی جزائیت پر ہے۔

۲۰۷
۲۴۴

و

والدین

شرک کے استثناء کے ساتھ والدین کی
اطاعت اور ان سے حسن سلوک کا حکم
مذہبی اختلاف کی صورت میں اولاد کا

۵۹۳

۵۹۴

۵۹۴

والدین سے سلوک
کافر والدہ سے حسن سلوک کا حکم
خدمت والدین کے متعلق حدیث میں
مذکور ایک واقعہ

۳۲

۵۹۳

بیوی کو ماں سے کیا نسبت

وحی نیز دیکھئے عنوان الہام

۲۴۶

۲۴۵

۲۴۶

۲۴۸

۲۴۵

۲۴۵

۲۴۷

۵۴

۲۴۵

کیا وحی اور الہام میں فرق ہے ؟
وحی کی تعریف سمجھنے میں بہانیوں کی غلطی
وحی کا نزول اور اس کی اقسام
وحی کے مراتب
تشریحی اور ظنی بروزی انبیاء کی وحی
آنحضرت پر پانچ راست وحی کا نزول
آنحضرت پر وحی کے نزول کی کیفیات
آنحضرت پر قرآن کریم لفظاً لفظاً نازل
ہوا ہے۔
آنحضرت پر شیطانی وحی کے نزول کا عقیدہ
اور اس کی تردید

حضرت موسیٰ کی والدہ پر وحی کا نزول

وطن

مومنوں کو اپنے وطن کو خیر باد کہنے کے
لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

۲۷۵

وقف زندگی

اشاعت اسلام کی خاطر واقفین زندگی
کے لیے رزق کا سامان

۴۷۸

وید

بنیادی روحانی امور کے بارہ میں خاموشی ہے
قرآن کریم سے موازنہ

۴۸

د

ہجرت

ہجرت قوی اور ہجرت فردی

۴۷۳

انبیاء کو ان کے ہم وطنوں کا ہجرت

۵۷۸

کے لیے مجبور کرنا

مومنوں کو مخصوص حالات میں ہجرت

۵۷۴

کا حکم

مومنوں کو اپنے وطن کو خیر باد کہنے کے

۷۷۵

لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

آنحضرت کا صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت

۴۷۵

کرنے کا ارشاد

آنحضرت کی ہجرت کے متعلق یسعیاہ کی پیشگوئی

۵۷۱

قرآن کریم میں آنحضرت کی ہجرت کے متعلق

۵۵۸-۵۵۷

پیشگوئیاں

یقین

اسلام میں یقین اور معرفت کے مقام ایک

۲۴۷ پیچھا نہ پانا ہے۔

۲۴۸ آخرت پر یقین اور اس کا نتیجہ

آخرت پر یقین نہ ہونے سے گنہ و جزا

۲۴۹ اور انبیاء کا انکار

یہودیت

تاریخ

حضرت داؤد کے بعد بخت نصر کا بیت المقدس

۱۴۰ کو دھنا

پانچویں صدی قبل مسیح میں ایران میں یہود

۲۴۳ کے قبل عام کی سازش

بعض انبیاء کے حکم کے تحت یہود کا دابا

کی اسیری کے دوران خضیر سوسائیاں

بنانا

۵۷۹۰ ۵۷۸

یہود کے احیاء کے لیے ایک نبی عزرائیل

۵۷۹۰ ۵۷۸ کا کشت

حضرت سینا کے خلاف یہود کی خفیہ سازش ۵۷۹

آنحضرت کی بعثت سے پہلے ہی اہل علم

یہود کی نظر بائیس کی پیشگوئی کی طرف

۵۷۲ اٹھ چکی تھی۔

نمطینی ریتوں کے طریقہ پھر میں حضرت

۱۵۶ ابراہیم کے واقعات کی تفصیل

۱۵۰ موجودہ تعداد دو کروڑ کے قریب ہے

۱۳۵ موجودہ زمانہ میں یہود کی سیاسی طاقت

۲۰۵ اسلام کے قبل کی عظیم الشان بنیاد ہجرت ہے

۱۴۷ آنحضرت اور حضرت موسیٰ کی ہجرت کا موازنہ

ہدایت

ہدایت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی میسر

۲۴۴ آتی ہے۔

جو شخص سچے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف

رجوع کرے اللہ اس کی ہدایت کے

۴۹۳ سامان فرما دیتا ہے۔

ہندو مذہب

۴۲ تنگ نظری پر مبنی تعلیم

تمام کوششوں کے باوجود انسان کے

۴۳ ناپاک رہنے کا نظریہ

۴۵۴ ہندو نظریہ نجات اور اس کا رد

۵۶۶ روح و مادہ کے ازلی ہونے کا رد

ہندوؤں کے ایک فرقے کا عقیدہ کہ برہما

۱۷۵ پیدا کرتا ہے اور رتوجی مارتا ہے۔

حضرت کرشن اور رام چندر پر الزامات

۴۱۰۰ ۴۱ برہم سماج کی ایک بھاری غلطی

۴۱۶ شوروں کی معاشرتی اور اقتصادی محرومیت

۱۶۹

نویسہ پتھی

ی

یا جوج و ما جوج

آخری زمانہ میں بن کا خروج اور مقبوع

۵۷۷

فلسطین کے معاملہ میں یہود کی حمایت امریکہ کی سخت غلطی ہے۔

۵۹۵

ادبار کی وجہ

یہود نے تورات سے فائدہ نہیں اٹھایا
مقتومین سے ظالمانہ سلوک کی تعلیم
یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ایک وجہ
اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالینا

۴۱۱، ۲۶۳، ۲۶۳

حضرت مسیح کی پیدائش کو ناجائز قرار دینا
حضرت عیسیٰ کی تحقیر

۹۸

حضرت عیسیٰ کی پیدائش - دعویٰ مسیحیت
اور صیب کے واقعہ کے متعلق عیسائیت
سے اختلاف اور قرآن کا فیصلہ

۴۲۸

اسلام دشمنی

۳۷۴ عربوں کے ساتھ قدیم دشمنی
۴۵۸ مسلمانوں کے بدترین دشمن
آنحضرتؐ کی ذات اور اسلام کے خلاف سازشیں
آنحضرتؐ کے مقابلہ کیلئے کسرنی ایران کے
ساتھ مل کر یہود کی خفیہ سازش
۵۷۹ یہود کی انجمن پر کسرنی کا آنحضرتؐ کو گرفتار
کرنے کا حکم دینا
۳۵ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی دو کوششیں
۴۵۹ جنگ احزاب میں کفار کی لیڈر شپ یہود
کے ہاتھ میں تھی۔
۴۵۸ آنحضرتؐ کی وجود کی میں تورات کے احکام
کو چھپانے کی کوششیں
۴۶۲

اسماء

| وجود تھے | آ |
|----------|--|
| ۳۳۰ | آتھمر (آذر) |
| ۲۰۱ | جو یفص کے نزدیک حضرت ابراہیم کے |
| ۲۴۳ | والد کا نام |
| ۲۷۸ | آتھم پادری عبد اللہ |
| ۲۸۰ | حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مباحثہ |
| ۲۸۰ | میں لاجواب ہونا |
| ۲۸۰ | آدم علیہ السلام |
| ۲۸۰ | ۱۶۱، ۱۵۱، ۸۴، ۴۳ |
| ۲۸۰ | ۶۰۱، ۵۴۰، ۴۵۸، ۴۵۷، ۴۲۱ |
| ۲۸۰ | آپ کی نبوت کی بنیاد ان ابتدائی تعلیموں |
| ۲۸۰ | پر ہی مبنی جن سے انسان انسان بنا |
| ۲۸۰ | ۳۳۲ |
| ۲۸۰ | ۱۷۳ |
| ۲۸۰ | آدم نے لوگوں کو زراعت سکھائی |
| ۲۸۰ | ۳۳۱ |
| ۲۸۰ | آدم و شیطان کا قصہ بیان کرنے کی حکمت |
| ۲۸۰ | ۳۲۰ |
| ۲۸۰ | آدم کے لئے فرشتوں کے سجدہ کی حقیقت |
| ۲۸۰ | ۸ |
| ۲۸۰ | آپ کی مخالفت |
| ۲۸۰ | ۷۴ |
| ۲۸۰ | آپ کے ایک بیٹے کی قربانی کا قبول ہونا |
| ۲۸۰ | ۱۴۴ |
| ۲۸۰ | آپ کے زمانہ میں بھی غربت اور امیری |

- ۶۱۸ توحید کا عاشق
 ۶۰۳ خدا تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین
 ۱۶۳ یقینِ محکم کا اظہار
 ۱۹۶ درد مند اور بردبار انسان
 ۳۵۶ آپ کے ذریعہ اللہ کا مکہ سے ظہور
 آپ کی بعثت کا اہم مقصد توحید کی
 اشاعت تھی
 ۱۸۰ تبلیغِ دین کے لئے آپ کا لاگ ٹرم
 ۱۹۳ پالیسی اختیار کرنا
 ۷۳ آپ کی مخالفت
 ۵۳۷ مشرکین سے مباحثہ
 ۱۵۷ نمرود سے مکالمہ
 معجزہ یا نادرِ مثنوی برداؤ سَلَامًا کی
 حقیقت
 ۶۱۵، ۶۱۳، ۵۷۱ آپ کی تعلیمات
 ۵۷۱ خدا تعالیٰ کی صفاتِ محی و ممیت کا بیان
 ۱۷۶ آپ کی طرف سے فلسفہِ شرک کا رد
 ۶۰۳ آپ کا ایک الہام
 ۱۵۶ اپنی قوم کو نصیحت
 ۱۶۵ نبوت اور کتاب کو آپ کی ذریت سے
 مخصوص کرنے کا مطلب
 ۶۲۰ آپ کو اجرِ عظیم کا عطاء کیا جانا
 ۵۷۲ دردِ منہ میں آپ کے ذکر کی حکمت
 ۱۸۸ آپ کے زمانہ سے اللہ نے مکہ کو حرم
 قرار دیا ہے
 ۲۶۲

- ۲۸۶، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۰۲، ۲۲۱، ۳۱۸
 ۵۶۱، ۵۴۰، ۵۲۶
 آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے اور آپ
 کے چچا نے آپ کو پالا تھا
 ۱۹۵ بچپن اور جوانی
 ۱۵۳ آپ کے والد کے نام کے متعلق مختلف
 نظریات بائبل اور قرآن کریم کا اختلاف
 ۲۰۲، ۲۰۱
 آپ نوح کی امت میں سے تھے اور ان
 کی شریعت کے پیرو تھے
 ۶۰۱، ۵۷۱، ۲۲۵ اپنے وطن عراق سے ہجرت کر کے فلسطین
 آنا پڑا
 ۵۷۸، ۵۷۲ ہجرت اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے
 فضل
 ۶۱۹ حضرت ہاجرہ کا آپ کو تحفہ میں ملنا
 ۲۹۵ آپ نے بیٹوں اسماعیل اور اسحاق کی پیدائش
 آپ کے بڑے چچے میں ہوئی تھی
 ۱۹۶ ایک بیٹے کو ذبح کرنے کے متعلق بائبل
 اور قرآن کریم کے بیانات کا موازنہ
 ۴۳۶ آپ کا کون سا بیٹا ذبیح اللہ تھا
 ۴۳۷ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کو
 وادیِ غیر ذمی ذرع میں چھوڑنا
 ۶۰۳ اسماعیل اور یعقوب کی بشارت
 ۶۲۳ فطری طور پر توحید کی طرف میدان
 کھتے تھے
 ۱۵۳

- ۶۸۸ خانہ کعبہ کو پاک و صاف رکھنے کا حکم
آپ کی عزت اہل مکہ کے قلوب میں جاگزیں
مخفی ۱۵۸
عرب آپ کی تعلیم سے نا آشنا ہو چکے تھے ۵۱۳
آپ کی دعا کی حقیقت ۱۶۵، ۱۸۱
دعا نے ابراہیمی کے نتائج ۶۸۷
آپ کی دعا کی برکت ۲۰۰
آپ کی دعا میں ایک بہت بڑا سبق ۱۸۴
تعمیر بیت اللہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ
کی دعا ۱۹۶
آپ کی دعا کا انت محمدیہ کے ذریعہ پورا
ہونا ۱۸۸
اہل مکہ کے لئے دعا ۸۰
بیچا کی مغفرت کے لئے دعا فرمانا ۱۹۶
آپ کے استغفار کی حقیقت ۱۰۹
لوٹا آپ کے تابع نبی تھے ۶۲۲
وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ مِنْ رَبِّهِ
سے مراد انسان ہیں فرشتے نہیں ۶۲۱
ساعت آخرت میں بروز ابراہیمؑ کا ظہور ۶۲۰
ابراہیمؑ ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷
ابراہیمؑ نیکون
جنونی ریاستوں پر فتح پانے کے بعد عفو
و درگزر کا سلوک ۳۸۲
ابرہہ
بیت اللہ پر حملہ اور ابرہہ کی تباہی ۵۲۶
- بنو تقیف نے ابراہیم کو حملہ کے لئے رہنما
ہیٹا کئے تھے ۱۰۳
ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ
حضرت عمرؓ کے عہد کے ایک قابل نوج
آپ کا ایک منظر فیصلہ ۲۱۷
۱۹ سال کی عمر میں بحیثیت گورنر کوذ ۲۱۸
ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ۶۵۶
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ
آنحضرتؐ پر شیطانی وحی کے نزول کی
احادیث میں تاویل کی ضرورت محسوس
کرتے ہیں ۲۷۵
ابن حیان مصنف تفسیر البحر المحیط ۳۶۰
آپ کے سوا کسی اور مفسر نے قرآنی آیات
کی ترتیب کی طرف توجہ نہیں کی ۵۱۹
ابن زبیر (عبد اللہ) رضی اللہ عنہ ۵۶۹، ۳۱۱
ابن سلام ۳۵۹
ابن عباس رضی اللہ عنہ ۵۶۹، ۳۱۱
آنحضرتؐ کا آپ کے لئے سمجھ عطاء کئے
جانے کی دعا فرمانا ۲۱۵
ابو اسماعیل
مصنف فتوح الشام ۳۹۹، ۲۳۹
ابو الاعلیٰ (مودودی)
آپ کا اعتراف کہ لوگ ایک مردِ کامل
بلکہ ایک نبی کے طالب ہیں ۳۲۳
ابو البقاء صاحب تہذیب ۶۵۰، ۱۱۱

ابو بکر صدیق، خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ۶۳، ۲۷

۵۶۱۰ ۴۵۴، ۴۲۹، ۲۱۸، ۱۹۸، ۱۶۵

۵۸۱

پہلے ہی دن آنحضرتؐ پر ایمان لائیے

۲۸۱۰ ۲۱۳، ۱۳۷

ایک موقع پر آنحضرتؐ کو کفار مکہ کے ظلم

سے بچا؟

آنحضرتؐ کے لئے غیرت

صحابہؓ میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر ۳۶۳

آپؐ آنحضرتؐ کے اہل میں شامل ہیں ۲۰۸

حجرت میں آنحضرتؐ کے ساتھ ہونے کا

۵۵۹۰ ۱۳۶

شرف

ایک شخص کے دریافت کرنے پر آپؐ کا

آنحضرتؐ کے متعلق فرمانا "ہادی" ۶۳۳

غیر ثور میں آنحضرتؐ کی قوت قدسہ سے

آپؐ کے دل کا مضبوط رہنا

۵۹۷۰ ۵۶۰۰ ۱۳۷

اَنْتُمْ يَا اَيُّهَا الْبَنُو الْاَنْثَارِ

ثَابِتُهُمَا (ذہان نبوی) ۱۳۷

ثقیف بنی ساعدہ میں آنحضرتؐ کی وفات

پر آپؐ کا تقریر فرمانا ۹۳

غنیفہ منتخب ہونا ۴۲۸

آپؐ کی خلافت میں عربوں کی بغاوت ۱۳۳

ایک شخص سے زکوٰۃ قبول نہ فرمانا ۵۴۹

آپؐ کا اپنی ایک بیٹی کو اپنی کا فرود آمد سے

۵۹۴ حُسنِ سلوک کی اجازت دینا

۵۸۰ آپؐ کے ایک غلام کی شہادت

۶۳۰ ۳۴۰ ۲۷ ابو الحکم رئیس مکہ

۴۰۲۰ ۳۸۰۰ ۲۱۳، ۱۳۳، ۱۰۰، ۹۹، ۸۵

لوگوں میں ابو الحکم کے نام سے مشہور ہونا ۳۹۰

آنحضرتؐ کا راس المعانین ۲۰۵

فرعون کا روحانی قائم مقام ۱۳۳

آنحضرتؐ کو ایک موقع پر تھپڑ مارنا ۶۴

آنحضرتؐ کی توجہ اور دعا سے ابو جہل کا

کشتا ایک غضبناک اونٹ دیکھنا ۱۱۶

میدان بدر میں ابو جہل کی دعا ۴۰۹

چنگ بدر میں دو انصاری بچوں کے

ہاتھ سے قتل ہونا ۱۰۱

غیر ناک ہلاکت ۵۹۶

قیامت تک ملعون ہونا ۵۰۹

ابو الحسن بن ابو محاسن ملا دو پیازہ ۳۰۵

ابو الحکم دیکھنے زیر عنوان ابو جہل

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام

ایک بچے سے سبق لینا ۶۹۰

ابو حیان مصنف البحر المحیط

نیز دیکھئے ابن حیان ۶۲۳

ابو سفیان

ہر قیل و دہ کا آنحضرتؐ کے متعلق سوالات

۲۹۵ پرچین

شام کی طرف سے تجارتی قافلہ کے ساتھ آنا ۱۳۰

۱۸۶ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ایک موقع پر آپ کا جوش میں آکر قسم کھانا

۲۲۷ اور خدا تعالیٰ کا اس کو پورا کرنا

۳۳۸ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ

ابیرام بن الیاب

موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ایک اسرائیلی

۵۴۳، ۵۴۴

اجاجی ہمدانی

انسویرس شاہ فارس کے وزیر ہمان کا

۳۷۲ باپ

احمد بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۹ آپ صرت ہندوستان کے مجدد تھے

آپ کی شہادت ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوئی

۲۰۰ حق

احمد مرہندی سید رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۳ جہانگیر کا آپ کو گوالیار میں قید کرنا

۴۷۲ انسویرس (شاہ فارس)

۶۱۱ ارسطو

اُسامہ بن زبید رضی اللہ عنہ

آنحضرت نے آپ کو ۱۰ سال کی عمر میں

۲۸۰ سالار جیش مقرر فرمایا تھا

اسحاق علیہ السلام

۶۱۹، ۵۷۲، ۳۶۰، ۱۹۵، ۱۹۳

۷۳۳ آپ کی پیدائش کی بشارت

آپ کی پیدائش حضرت ابراہیم کے

فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر کے اچانک

۶۷۲ نمودار ہونے پر حیران ہونا

۲۵۵، ۱۵۵ ابوطالب

آپ اپنا سارا وقت قوم کی خدمت میں

۲۷۸ لگاتے تھے

۱۹۵ آنحضرت کی پرورش کرنا

قوم کا آپ کے پاس آکر درخواست کرنا کہ

آنحضرت کو تبلیغ سے باز رکھیں

۴۰۰، ۲۷۸، ۱۵۳

اپنی قوم سے محبت کے باوجود آنحضرت کی

۱۵۶ حمایت کا عزم

۶۵ شعب ابی طالب میں وفات

ابوالعاص

جنگ بدر میں قید ہو کر آنا اور فدیہ میں

۲۶ حنت زینب کا باپ پیش کرنا

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

جنگ یرموک میں مسلمان افواج کے کمانڈر

۴۷۲ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر کے خلیفہ ہونے پر استغاثہ

۲۸۰ ابولہب رئیس مکہ

۴۰۵ آنحضرت کا معاند

۲۴ بنو عبدالمطلب کو منتشر کرنا

آنحضرت کو کہنا تَبَّ لَكَ سَائِرُ الْاَيَّامِ

۲۹۱ ابھذا جمععت

۶۷۷ ابولہب کی آنحضرت کو دشمنی

اکبر جلال الدین مغل شہنشاہ ۳۶۳، ۳۰۵
اکمل قاضی ظہور الدین

جماعت احمدیہ کے مشہور شاعر ۳۳
الند دین حکیم بصیروی ۱۰۸

الیاب

ایک اسرائیلی جس کے دو بیٹے حضرت

موسیٰ کے مخالفین میں سے تھے ۵۴۲

ایگزینڈر مارٹ

مصنف نیل اور مصر کی تہذیب ۴۷۵

اُمّ کلثوم بنت محمد رضی اللہ عنہا ۲۷

امام الدین۔ مولوی گولیکو گجرات

قاضی اکمل صاحب کے والد کا ایک واقعہ ۳۳

امہ النصیر سلیم بنت حضرت مصلح موعودؑ

چار سال کی عمر کا ایک واقعہ ۲۵۷

امیہ بن خلف

آنحضرتؐ کا معاند ۴۰۵

انگریز ۲۳۱

ہندوستان پر قبضہ اور مظالم ۳۸۲

۱۸۵۷ء کے سانحہ میں انگریزوں کا ظلم ۳۸۳

ہندوستان میں اگر معزز خاندانوں کو ذلیل

کرنا ۳۸۴

ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے

ہندوستانیوں کو افسر مقرر کرنے کی پالیسی ۵۵۲

۱۹۱۸ء کے جرمنی کے حملہ کے وقت

انگریزوں کی بے بسی ۶۸۶

بڑھاپے میں ہوئی تھی ۱۹۶

اسد اللہ خان غالب

سہ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا ۵۵۵

اسماعیل علیہ السلام ۴۳۶، ۱۹۵

آپؑ کی پیدائش حضرت ابراہیمؑ کے بڑھاپے

میں ہوئی تھی ۱۹۶

حضرت ابراہیمؑ کا آپؑ کو وادئی غیری زرع

میں چھوڑ آنا ۶۰۳

آپؑ کو وادئی غیری زرع میں آباد کرنے

کی حکمت ۱۹۳

بائبل میں آپؑ کو وحی قرار دیا گیا ہے ۲۶۹

خانہ کعبہ و پاک و صاف رکھنے کا حکم ۶۸۸

قرآن ہونے کی حقیقت ۴۳۷

اسماعیل قربانی کی حقیقت ۴۳۸

تیمار اور قیدار آپؑ کے بیٹوں کے نام ہیں ۵۶۱

اُسود عنسی

مدعی نبوت کا ذبہ ۱۳۴

اشوک ۱۹۳

اصحاب الایکہ

حضرت شعیبؑ کی قوم اور مدین کے باشندے

ہی اصحاب الایکہ تھے ۶۲۷، ۶۳۷

شعیب کا انکار ۴

اصحاب الفیل ۴۲۷

افلاطون یونانی فلاسفر ۶۱

۲۹۳ علم عطاء کیا جانا

انسان کے مقصد حیات کے متعلق ایک روایا ۱۰
خدا تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے اقتصادی

نظام کے بنیادی امور کا علم دیا جانا ۳۳۶

ایک روایا میں آپؐ پر طبعی علوم کا انکشاف ۳۵۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہرام
إِنِّي مَعَكُمْ أَفْوَاجٍ إِنِّي بَعَثْتُ بَعْثَةً كَا

آپؐ پر بھی نازل ہونا ۱۱۵

اللہ تعالیٰ کا نور بطور مثل دکھایا جانا ۱۳۲

آپؐ کی ایک روایا جس میں آپؐ نے خدا

تعالیٰ کے تصور پر تقریر فرمائی ۶۹۳

آپؐ کی سنی کی ایک روایا جس میں مسلمانوں

کے فطرت کی جذبات کا ذکر ہے ۴۲۶

ایک روایا میں ایک جرمن نو مسلم کے سوالات

کا جواب دینا -

سفر حج کے دوران روایا میں حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کو دیکھنا ۲۸۳

آئندہ ہجرت کے متعلق ایک روایا ۷۰۴

پچپن کی ایک روایا ۷۸

اللہ تعالیٰ کی قدرت مافی کے واقعات ۳۰

طنے والوں کی قلبی کیفیت پر اطلاع ۱۳۲

تبلیغی اور علمی گفتگو

پچپن میں تبلیغ کا ایک واقعہ ۲۶۷

وہابی میں ایک انگریز ماہر سیاسیات سے

ملاقات ۲۰۰

۲۴۷

تجارتی دیانت

اورنگ زیب عالمگیر

۱۹۹

آپؐ بھی مجتہد تھے

اوس

۵۶۱

دوان بن ابراہیم کی نسل سے تھے

۵۳۰

ایوب علیہ السلام

۲۲۰

مشہور موجد

ب

۴۱۵

باب علی محمد بانی بابیت

NABUCHADNAZAR

بخت نصر

بیت المقدس کو ڈھانا اور بنی اسرائیل

۵۷۱۱۴۰

پر مظالم

۱۳۴

بختیار کاکی قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۹۴۰۴۳

بدھ حکومت

برہان الدین رضی اللہ عنہ

سیانکوٹ میں مخالفین کے اذیت ناک

۵۸۲

سلوک پر آپؐ کا اظہار مسرت

برہما جی

۱۷۵

ہندو دیوتا

برہن

۷۳۰

مصنف گولڈ ماٹھرات مدین

بشیر الدین محمد احمد خلیفۃ المسیح اثنی

انصاع الموعود رضی اللہ عنہ

خدا تعالیٰ کی طرف سے علوم کا دیاجانا

خدا تعالیٰ کی طرف سے تفسیر قرآن کا خاص

آپؐ کے نزدیک حق مہر کی مقدار چھ ماہ سے
ایک سال تک کی آمدنی ہے اور اسکی وجہ ۳۹۱
نہیں کیا کی وجہ تنزیل کا اتنا قائل نہیں ۵۸۶

سفر

سفر سیاحت میں حضرت مسیح موعودؑ کیسے تھے
ہونا ۵۸۲
آپؐ کا سفر حج ۲۸۳
غارِ ثور تک جانا ۵۵۹
سفر کشمیر ۲۳۶
مصر میں عربی کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ۲۸۳
عرب کی تاریخ کا گہر مطالعہ ۱۳۷
سفر یورپ کے دوران عدن میں عادیوم
کی عمارتیں دیکھنا ۶۳۱۰ ۲۲۴
مصر کے عجائب گھر میں فرعون موسیٰ کی
لاش دیکھنا ۳۸
دہلی میں شاہین مغلیہ کی اولاد میں سے
ایک سقہ کو دیکھنا ۲۶

متفرق

اللہ کا نام بلند کرنے کا جذبہ ۱۹۴
آنحضرتؐ کے بچپن کے ایک واقعہ سے آپؐ
کا مضطرب ہونا ۲۵۵
بچپن میں جمعہ چھوڑنے پر حضرت مسیح موعودؑ
عیدِ اسلام کی آپؐ کو سرزنش ۶۵۱
بچپن کے بعض واقعات ۱۳۰۱ ۶۹۰ ۱۷
بچپن میں تبلیغ کا ایک واقعہ ۲۸۴

ایک روسی نوکلیر سائنسدان سے گفتگو ۳۵۱
۱۹۳۲ء میں انگلستان سے واپسی پر جہاز

کے انجنیئر سے گفتگو ۵۸
سر دار بدیسنگھ کے ایک سوال کا جواب

دینا ۳۲۰

۵۵ء میں بغرض علاج یورپ جانا اور
دہلی ایک کالج میں اسلام پر پیکر ۶۵۹

لندن میں ایٹمی تباہی کے متعلق آپؐ کی
ایک تقریر ۳۵۲

مولوی شاد احمد قسری کی ایک دلیل
کا جواب ۱۴۲

ایک مولوی سے گفتگو ۹۰
دیوبند کے دو طالب علموں کی آپؐ سے گفتگو ۶۴۰

ایک صوفی منش آدمی کے سوال کا جواب ۱۸۶
ایک پیر صاحب سے رعایتِ اسباب

پر گفتگو ۳۴۰
پادری زویر سے گفتگو ۸۹

ایک عیسائی انگریز کو لازمی جوابات دینے
کا واقعہ ۶۵۶

ایک بھائی عورت سے گفتگو ۱۲۳
سندھ کے ایک بھندہ بت مذہبی گفتگو ۶۴۹

خصوصی نقطہ نظر
مشتبہ حالات میں نماز کی ادائیگی کے

متعلق آپؐ کا عقیدہ ۶۵۰

| | |
|---|---|
| بنو شعیصان | آپ کے ہاتھ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام |
| سابقہ مفسرین کے نزدیک چوتھیوں کا | کی بجاوجہ کا اہمیت قبول کرنا ۱۰۳ |
| ایک قبیہ | اپنی تائی مرحومہ کے جذبہ خدمتِ خلق کا ذکر ۵۲۳ |
| بنو عبدالمطلب | ۱۸۵۶ء کے سانحہ میں آپ کے پڑنا کا |
| آنحضرت کا ابتدائی ایام میں ان کو اسلام | انگریز کے ہاتھوں قتل ۳۸۲ |
| کی دعوت دینا | بعل |
| بنو غالب | کس دی اور کدانی قوم کا معبود ۱۵۷ |
| قریش کی ایک شاخ | بکر باجیت ۱۹۳ |
| بنو لوی | بلال رضی اللہ عنہ ۲۶۱ |
| قریش کی ایک شاخ | آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے |
| بنو مرہ | ارشاد پر آپ کا اذان دینا ۲۶۲ |
| قریش کی ایک شاخ | آپ کی وفات کا سبب آنحضرت کی محبت ۲۶۳ |
| بنو مطلب | بلدیہ سنگھ سابق وزیر دفاع بندوستان ۳۲۱ |
| بنو ہاشم | بلقیس ملکہ سبا ۳۵۸-۳۵۶ |
| اہل مکہ کی طرف سے بنو ہاشم کا مقاطعہ | حضرت سیدنا کو تحائف بھیجنا ۳۹۲ |
| بنی اسرائیل | مفسرین کی بلقیس ملکہ سبا کے متعلق |
| فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی نسل | کہانیاں بیان کرنا ۳۹۷ |
| ختم کرنے کا منصوبہ | بن عمری ابن لوط علیہ السلام ۲۳۳ |
| فرعون کا قارون کے ذریعہ بنی اسرائیل کی | بنو اسد |
| تذلیل کرنا | جنگِ احزاب میں شرکت ۶۵۸ |
| یہ سب موسیٰ پر ایمان نہیں لائے بلکہ صرف | بنو امیہ ۴۲۹ |
| سیاسی طور پر ساتھ ہو گئے تھے | بنو سعد |
| مصر سے نکلنے وقت بنی اسرائیل کی تعداد | جنگِ احزاب میں شرکت ۶۵۸ |
| (قرآن کریم کا بائبل سے موازنہ) | بنو سلیم |
| ۳۳۶۱۲۰۱۶۳۸ | جنگِ احزاب میں شرکت ۶۵۸ |

مصر نکلتے کے بعد موسیٰ بنی اسرائیل کے

ساتھ لہا وعصہ مدین میں رہے ۵۱۱

بعض کے مردوں پر آسے رکھ کر چیرا گیا ۷۴

موسیٰ کے احکام ماننے سے انکار ۱۳۰

کنعان کی فتح کے لئے جنگ کرنے سے انکار ۲۴۱

بزدلی اور نشانات سے آنکھیں بند کرنے والی

قوم ۸۲

حضرت سلیمانؑ کے بیٹے کے خلاف دس

قبائل کی بغاوت ۳۸۴

بخت نصر کے ہاتھوں تباہی ۵۷۸

عربوں کے مقابل پر ترقی یافتہ قوم تھی ۲۶۰

بنی اسماعیل یعنی عربوں سے تعصب ۲۶۹

ان کے بھائیوں میں سے مثیل موسیٰ کی بخت

کی پیشگوئی ۸۱

حضرت عیسیٰؑ نے ان کو سانپ اور سانپوں

کے بچے قرار دیا ۸۲

جن باتوں میں بنی اسرائیل اختلاف رکھتے

ہیں قرآن کریم ان کو کھول کر بیان کر رہا ہے ۲۳۵

بنی اسماعیل ۵۱۳

عرب میں آباد ہونا ۵۶۱

تورات میں بنی اسماعیل میں سے مثیل موسیٰؑ

کی بخت کی پیشگوئی ۸۱

بنی قبط راہ رحمت ابراہیمؑ کی تیسری بیوی کی اولاد

عرب میں آباد ہونا ۵۶۱

بنی لاوی (ایک اسرائیلی قبیلہ) ۵۴۲

ہباء اللہ بانی بنائیت

لفظی وحی کا انکار ۲۶۶

عباس آفندی کا ہباء اللہ کی قبر پر سجدہ کرنا ۶۷۰

پ

پتیا ح مصری دیوتا ۲۷۶

پنٹھیہ حضرت مریمؑ کا ہم عصر ایک رومی سپاہی

۲۳۸۰ ۴۰

پولوس

مسیحؑ کا انسانوں کیسے معنی بننے کا عقیدہ ۴۱

پیٹر زار روس

ہلسٹائے کے بارہ میں ایک تاریخی واقعہ ۵۸۷

پیرا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خادم ۸۶

سازہ لوح ہونے کے باوجود مولوی محمد حسین

بٹالوی کو مسکت جواب دینا ۸۷

ت

تارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا

۲۰۱، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۳

تغلق غیاث الدین ۳۶

تھومس (مخوما)

حضرت مسیحؑ کے ایک خواری جن کے سپرد

آپؑ نے حضرت مریمؑ کو کیا تھا ۲۶۳

تیجا سنگھ

سیانکوٹ میں تیجا سنگھ کا مندر ۶۱۵

رتیب

حضرت اسماعیل کے نویں بیٹے کا نام ۵۶۱

تیمور

۳۶۰، ۱۶۴

جنگ میں علاء کو ان کی بزدلی کی وجہ سے

سب سے پیچھے رکھا کرتا تھا ۳۶۳

فتوحات اور انجام ۴۲۸

ط

مالسٹائے

زار روس پیٹر کا ایک ملازم

۵۸۹، ۵۸۸، ۵۸۷

نائبی

مشہور مغربی مؤرخ کے نزدیک احمدیت

کاروشن مستقبل ۶۸۰، ۶۷۹

ٹڈل۔ کلیئر پادری

مصنف ینا بیع الاسلام ۳۷۷

ث

ثمود حضرت صالح کی قوم ۶۳۱، ۶۲۹، ۵۷۳

قوم عاد کی قائم مقام ۳۹۹، ۲۳۹، ۲۲۳

یہ قوم شام سے عدن تک پھیلی ہوئی تھی

۳۹۹، ۲۳۹

قوم ثمود کی حجاز۔ تہامہ اور حجاز کی طرف ہجرت ۳۹۹

اپنے عروج کے زمانہ میں فتنہ تعمیر میں دسترس

۶۳۸

کہتے تھے

حضرت صالح کا انکار اور تباہی ۳۱۵، ۴

حضرت سلیمان کے ذکر کے بعد ثمود قوم

۳۹۸ کے ذکر کی وجہ

قوم ثمود کے واقعہ میں آنحضرت کے متعلق

۴۰۴ ایک پیش گوئی

۳۶۳ شفاء اللہ امرتسری۔ مولوی

۱۴۲ اکثریت کی تائید کا گھنڈہ

ثقیف

آنحضرت نے بچپن میں بنو ثقیف میں

پرورش پائی جنہوں نے ابراہیم کے محلہ میں

۱۰۳ رہنمائی کی تھی

ج

۵۶۹ جابر بن زید رضی اللہ عنہ

۳۶۱ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

جان محمد کشمیری۔ میاں

حضرت سیح موعود کے والد نے ایک مسجد اقصیٰ

۴۱۳ کا امام مقرر فرمایا تھا

۳۲۵ جبریل علیہ السلام

کشف المحجوب کو کہ آنحضرت کے پاس آنا اور

۱۱۳ صحابہ کا ان کو دیکھنا

۲۲۲ جرجی زید بن مصر کے عیسائی عرب مؤرخ

جرم

حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ میں آباد ہونے

۱۹۳ والا قبیلہ

۳۰۵ جلال الدین اکبر شہنشاہ ہندوستان

۳۶۴ باہرہ کے سیدوں پر مشتمل محافظ مقرر کرنا

۱۹۸ جنید بغدادی

حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
 آپ کے طریق پر جماعت احمدیہ کو چنا پڑیگا ۵۸۲
 حسن نظامی خواجہ
 آپ کا بیان کہ عالم اسلام کے تمام مشائخ
 اور علماء مہدی کے منتظر ہیں ۴۲۳
 حسین ابن علی رضی اللہ عنہ ۲۰۸
 صد حسین است در گر بیام
 (سیح موعود) ۵۸۴
 آپ کے طریق پر جماعت احمدیہ کو چنا پڑیگا ۵۸۳
 حلیمہ سعدیہ
 آپ کے بل قیام کے دوران آنحضرتؐ
 کا واقعہ دشتی صدر ۱۱۳
 حمزہ رضی اللہ عنہ
 نائے کفر میں آنحضرتؐ کے لئے غیرت کا
 مظاہرہ ۶۴
 غزوہ اُحد میں بندہ نے آپؐ کا منہ کر دیا
 آپؐ کا کلیجہ چسایا تھا ۵۶۰
 حمید
 عرب کا ایک مکران خاندان ۳۹۹
 حوا علیہ السلام ۴۳
 حیرت و بلوی مرزا
 جعلی انسپکٹر بن کر حضرت مسیح موعودؑ
 علیہ السلام کو خوفزدہ کرنے کی کوشش ۲۳
 خ
 خالد بن الولید رضی اللہ عنہ ۶۷۳-۳۸۱

جوزیفس یہودی مؤرخ ۱۵۶
 حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آتھر (آذر)
 قرار دیتا ہے ۲۰۲
 جب انگیر شہنشاہ ہندوستان
 حضرت سید احمد سرہندی کو گواہی دے
 قلعہ میں قید کرنا ۱۳۴
 جیمز ہنری بریسٹ
 مصنف تاریخ مصر ۴۷۶، ۴۷۴
 جج
 چنگیز خان ۳۶۴
 ح
 حاران
 حضرت ابراہیمؑ کے بھائی اور لوطؑ کے والد
 ۶۱۹، ۲۳۶
 ججی علیہ السلام
 بابل کی امیری کے زمانہ میں بنی اسرائیل
 نے نبی ۵۷۹
 حزقیل علیہ السلام
 بنی اسرائیل کی نشاۃ ثانیہ کے متعلق
 آپؑ کا ایک کشف ۵۷۹
 حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ
 آنحضرتؐ کی وفات پر آپؐ کا مشہور مرثیہ ۳۰۴، ۱۰۰
 کمزور دل ۳۶۵
 حسن بصری رضی اللہ عنہ ۶۹۰، ۵۹۰، ۱۹۸

خان ملک مولوی

ہندوستان کے مشہور عالم صرف و نحو جو حضرت

سیح موعود علیہ السلام پر ایمان لائے ۲۸۸

خدیجہ رضی اللہ عنہا

پہلے ہی دن ایمان لانے کا شرف ۲۸۱

پہلی دہی کے نازل ہونے پر آنحضرتؐ کا

آپؐ سے فرمانا لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي ۲۹۹

آنحضرتؐ کو در قد بن نوحی کے پاس بیجانا ۵۶۲

قبول اسلام اور تکلیف کی پروا نہ ۲۶

آنحضرتؐ سے آپؐ کی اولاد ۲۷

شعب ابی طالب میں وفات ۶۵

خزاعہ ایک عرب قبیلہ ۶۷۲

آنحضرتؐ کا کشف میں بنو خزاعہ کو دیکھنا ۱۱۳

خزرج

مدینہ کا انصاری قبیلہ دو ان بن ابراہیم کی

نسل ۵۶۱

حضرت علیہ السلام ۳۰

خلیفہ رشید الدین

۸۹

خُشَا رضی اللہ عنہا

جذبہ قربانی اور شجاعت ۳۳۸

خوڑس (سائرس) شاہ فارس ۵۷۹

آپؐ ہی ذوالقرنین تھے ۲۰۰

و

داتن بن الیاب

موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ایک اسرائیلی

۵۴۳۰۵۴۲

داؤد علیہ السلام ۳۱۳۱۹۹۰۱۳۰۰۶۳

۵۴۰۰۴۵۸۰۴۱۰۰۴۰۹۰۳۲۱۰۳۱۸

یہودیوں آپؐ کی خاص حیثیت ۲۵۴

دوان بن یقینان

حضرت ابراہیمؑ کے ایک پوتے کا نام ہے ۵۶۱

دھرم پال سابق عبد الغفور

۶۱۴ مصنف تزک اسلام

ذ

ذوالقرنین

خوڑس شاہ ایران ۵۷۹۰۲۰۰

ر

راڈویل

انگریز مترجم قرآن ۲۷۷

۷۴ راک فیلر

رام چند راجی ۵۴۰۰۵۱۸۰۲۴۱۰۴۲

بندوں کے آپؐ پر الزامات ۴۱۰

رحمت اللہ شیخ وکیل

آپؐ کا کشف حضرت سیح موعود علیہ السلام

کے سرت نور کا ستون نکلتے دیکھنا ۱۲۱

۳۳۹ رستم

| | |
|--|--|
| زرکریادہ علیہ السلام | رشید الدین ڈاکٹر خلیفہ |
| بابل کی اسیری کے زمانہ میں بنی اسرائیل | پادری زبیر کو مسکت جواب دینا |
| ۵۷۹ کے بنی | ۸۹ رُخ |
| زمخشری | ۴۷۶ مصری دیوتا |
| ۳۴۰ صاحب کثافات | رعیمس دوم فرعون مصر |
| زوبیر پادری | سب سے پہلے اسی نے بنی اسرائیل کو |
| قادیان آنا اور حضرت مصلح موعودؑ سے گفتگو | ۱۰۴ غلام بنایا تھا |
| ۸۹ زید رضی اللہ عنہ | اسی کے گھر میں حضرت موسیٰؑ نے پرورش پائی |
| ۲۸۱/۳۱۲ ابتدائی دور کے ایمان لانے والے | ۴۷۵ مصر کے کاہن اعظم کو مقرر کرنا |
| ۶۵ سفر طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے | فوج کے ایک حصے کو ہامان کے نام |
| ۴۰۸ حضرت فاطمہؑ کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ آنا | ۴۷۶ منسوب کرنا |
| ۲۷ زینب بنت محمدؐ رضی اللہ عنہا | رعواہیل |
| ابوالعاص کے اندیشہ میں حضرت خدیجہؑ کا دیا | بائبل کی دسے حضرت موسیٰؑ کے خسر |
| ۲۶ ہوا لاپریش کرنا | ۴۹۲، ۴۹۱ |
| س | ۳۷ رقیہ بنت محمدؐ رضی اللہ عنہا |
| سارہ علیہا السلام | رنجیت سنگھ بہار امیر پنجاب |
| کیا آپ حضرت ابراہیمؑ کی سگی بہن تھیں؟ | ۳۸۹ ایک بادچی کو مزادینے کا واقعہ |
| سارہ بیگم حرم حضرت مصلح موعودؑ رضی اللہ عنہ | ۱۷۲ وفات پر رعایا کا ماتم |
| ۲۵۶ آپ کی سگی کا ایک واقعہ | ز |
| ساریہ رضی اللہ عنہا | زارا |
| عراق میں حضرت عمرؓ کا ایک فوجی کی نڈر | طاوود کی رو سے حضرت ابراہیمؑ کے والد |
| ۱۱۴ جسے حضرت عمرؓ نے کشف میں حکم دیا | ۴۰۲ کانام |
| سامری | ۱۶۵ زبیر رضی اللہ عنہ |
| موسیٰؑ کا ہم عصر روحانیت سے بے بہرہ | ۵۴۰، ۵۱۸، ۴۲ زرقت علیہ السلام |
| ۴۳۵ شخص | |

سائرس شاہ فارس دید۔ دیکھئے خورس

بابل پر حملہ آور ہو کر بنی اسرائیل کو آزاد کرنا ۵۷۸

ستین مصری دیوتا ۴۷۶

سبحاح مدعیہ نبوت کاذبہ ۱۳۴

سُراقه بن مالك رضي الله عنه ۱۳۸

سعد بن زید رضی اللہ عنہ

جنگِ اُحد میں وفات کے وقت بے مثال

۳۳۸ ایملن کا اظہار

سفره

ایک عبرانی والی ۴۶۰

سقاۃ
۵۱۸۰۱

۴۳ خدا تعالیٰ سے ہم ملا می کا دعویٰ دار تھا

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

ایمان علیہ السلام ۱۹۹۰ء ۱۸/۳/۲۲

۲۰۹۶ ۳۷۳۰۳۷۱۰ ۳۷۰۶ ۳۷۹۶ ۳۷۱

2. $\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$

۴۹۵

بائیں آپ کو ہی یہ ہیں مری
انسا کا نہ رشتہ کہ کا ان نام

آپ کے خلاف ہوگا بخیر سوائے

آپ کے فرزند کا زنا اور حکومت اور

اصرائیل کی بغاوت

سیلمان اور ملکہ سبا

۳۷۵ مدد کا ملکہ و ساس کے متعلق رپورٹ

ملک سا کو خط بھیجنا

ملکہ سبا کے تحائف کو رد فرمانا ۳۹۲

عرش بلقیس اور تخت سلیمان ۳۹۴

ملکہ سبا کو توحید کی تبلیغ ۳۹۶۳۱۵

نہایتِ سلیمان

آپ کے جنات سے مراد

آپ کے جنوں سے مراد آپ کے ماتحت

۳۹۹ نمود کی قوم کے لوگ

۴۶۴ آپلی فوج کے تین حصے

طوق الطير

آپ کو منطق الطیر کا سکھا یا جانا

مطلق الطیر کی حقیقت

آپ کا فرمانا کہ مجھے وہ بوائے سلھائی لینی ہے تو

بہشت پر واز سالوں (انبیاء) کو سکھائی جاتی

۲۱۳ ۴

المسكين

۳۶۶ وادیِ اُمل سے لوڑنا

۳۶۶ سورہٴ سلیمان : اَمَلُہٗ سَلِیْمَانُ لَی حَیْفَتِ

حضرت علیہ السلام

فلانہ کے ایک شخص خیمہ نمبر ۱۰۰۰

۱۱۹

رضی اللہ عنہما، اُمّ المؤمنین.

محترمت کر کے مدغمہ منجنا

رومی، رضی اللہ عنہ

1990

سیتا جی

حضرت رام چند کی بیوی
سیتا مہرجم قرآن
ہامان کے بارہ میں قرآن کریم پر اعتراض ۴۷۲ء
مش

شنداد

۲۹
شعیب علیہ السلام ۲۹۶۰۲۷۳، ۲۵۳۰۲
۳۲۱

آپ عرب قوم سے تعلق رکھتے تھے اور

۲۳۷

آپ کی قوم کے علاقے کا محل وقوع

۲۴۹

اہل مدینہ کی طرف بعثت

۴۲۷

آپ حضرت موسیٰ کے قریب کے زمانہ میں

۳۹۲

ہوئے ہیں

آپ کی قوم میں تجارتی بددیانتی

۲۴۳

اپنی قوم کو تجارتی دیانت اختیار کرنے کی

۲۴۹

نصیحت

آپ پر غیر قوموں سے مدد لینے کا الزام

۲۵۴

آپ پر مومن ہونے کا الزام

۱۰۷

آپ کے منکرین کی تباہی کی تفصیل

۲۵۴

حضرت صلح موعود کے نزدیک آپ حضرت

موسیٰ کے خسر نہیں تھے

۳۹۱

شمعون

حضرت عیسیٰ کے بھائی

۹۹

شیو جی

ہندو دیوتا
۱۷۵
شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
۱۹۸
شعبہ
سرولہ اور آنحضرت کا معاند

۲۵۱۲۱۲۱۸۵۰۶۲

رشیت علیہ السلام

آپ نے دنیا کو پھراؤنا سکھایا

۳۳۱

شیردینہ کسری ایران

باپ کو قتل کرنا اور آنحضرت کی گرفتاری کے

۳۶

علم کی تسخیر

ص

صالح علیہ السلام

۳۲۱، ۲۹۹، ۲۷۳، ۳۰۳

۳۰۹، ۳۹۹، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۳۱

شود کو نصیحت

۲۲۹

آپ کے خلاف فوسر کردہ بیڑوں کی سازش

۴۰۴

آپ پر دوسری قوموں سے رشوت لینے کا

۲۳۱

الزام

قوم کا انکار

۲۳۰

آپ کی ناقہ کے متعلق مفسرین کی ماثیہ

۲۳۱

آزانی

ناقہ صالح کا نشان اور اس کی حقیقت

۵۶۷

آپ کی کامیابی

۲۳۲

صدق سالم

حضرت ابراہیم کا ہم عصر ایک نیک بادشاہ

۶۲۳

۲۰۸ دہینہ سیخنا
آنحضرتؐ سے دریافت فرما کر آپؐ شہادت
میں اس قدر مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں

۴۳۲۱۸۵

۲۶۳ آنحضرتؐ کی وفات کا ذکر
عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
فتح مکہ کے موقع پر اوسفیان کو بیعت کے

۶۶۲ لئے لیکر جانا
عباس آفندی

۶۶۰ بہاء اللہ کی قبر پر سجدہ کرنا
۳۰ عبد الرحیم (بھائی) رضی اللہ عنہ
عبد الرحیم نیر

۱۸۲ جماعت احمدیہ کے نامور مبلغ
عبد الحکیم پٹیالوی

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؑ اس کے امتداد
سے قبل اس سے بہت محبت کرتے تھے ۵۰۶
عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ سے ساریۃ النجیل کی حقیقت
دریافت فرمانا

۱۱۴ آپؐ کا اثاثہ
۲۳۹ عبد العزیز مغل۔ میاں رضی اللہ عنہ

۱۱۶ ایک مسمریز کا واقعہ
عبد الغفور دھرم پال

۶۱۴ مصنف ترک اسلام
۱۹۸ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

صدیق حسن خان نواب مہوپال
اپنی کتاب اقترب الساعۃ میں مہدی

۴۲۳ کے ظہور کو قریب قرار دینا
صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا

۱۱۱ آپؐ کی ایک روایا
ض

ضبت
ایک عرب سردار جس نے آنحضرتؐ کی شان
۳۶۳ میں قصیدہ پڑھا

ط
طلحہ رضی اللہ عنہ

۱۶۵ ظ
ظہور الدین اکمل۔ قاضی
۳۲ ع

عاد قوم ہو علیہ السلام ۶۳۱، ۶۲۹، ۵۶۲
قوم نوحؑ کے معاصر گزری ہے ۲۲۵

یورپ والے آج سے نصف صدی تک عاد
قوم کے وجود سے ہی انکار کرتے رہے ہیں ۲۲۴

بابی تحریک تمدن کی بانی قوم عاد تھی ۲۲۳
قوم عاد کے ثقافتی اثرات ۲۲۳

فن تعمیر میں خاص دسترس رکھتے تھے ۶۳۸، ۲۲۳
ہود کا انکار کر کے تباہ ہونا ۲۲۸، ۴

عاص بن وائل سردار قریش ۴۰۵
عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ۶۵۵، ۱۸۵

اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ ہجرت کر کے

- عبد اللطیف شہزادہ رضی اللہ عنہ
استقامت اور شجاعت ۱۳۹
سنگار برتے وقت بھی اپنی قوم کی ہدایت
کے لئے دعا فرماتا ۱۴۰
عبد المطلب ۲۷۹، ۲۵۵، ۹۹
چاہہ زمزم کی تلاش کے وقت نذر ماننا ۲۹۱
عقبہ سردار قریش ۳۰۵، ۲۱۲، ۸۵، ۶۲
عثمان بن عفان خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ
۱۹۸، ۱۶۵، ۳۲۲، ۲۹۰، ۲۵۴
آپ کا اعزاز کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں
کا نمائندہ بن کر مکہ گئے ۲۴
آپ کے عہد میں عبد اللہ بن سبا کا فتنہ ۱۳۴
آپ کی شہادت عبد اللہ بن سبا کی تحریک
کا نتیجہ تھی ۵۵۷
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
غیرت ایمانی ۳۰۰
عرب (قوم)
درجہ تسمیہ ۲۶۹
طویل دورِ فقرت کے اثرات اور حکمت ۳۸۸
سلام سے قبل جاہلیت ۹۲۰
بائبل میں عربوں کے لئے وحی کی اصطلاح
استعمال ہوئی ہے ۲۶۹
عربوں میں احسان مندی کا جذبہ بدرجہ کامل
پہنچا ہوا تھا ۳۰۶
قومی احساس برتری ۲۶۰

- عوام میں آپ کی کرامات کی شہرت ۷۱
عبد الکریم۔ مولوی رضی اللہ عنہ ۶۵۲
لکھنؤ میں مقیم ایک مخالف احمدیت اور اس
کے عبرتناک انجام کا بیان ۲۳
عبد اللہ آنجم پادری
مباحثہ امرتسر میں لا جواب ہوتا ۸۸
کشتی رنگ میں خوفناک چیزیں دیکھ کر ڈر جانا ۱۱۸
عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ
آپ کو خواب میں اذان سکھائی گئی ۶۲۳
عبد اللہ بن سبا
حضرت عثمان کے عہد کا ایک سازشی شخص ۱۳۴
حضرت عثمان کی شہادت کا یہی ذمہ دار تھا ۵۵۷
عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ
یہودیہ میں ایک بہت بڑے عالم جو
آنحضرت پر ایمان لے آئے تھے ۶۶۰
ایک یہودی کا قورات میں زنا کی مزا کو چھپانا
انہی آپ کی اس پر گرفت ۶۶۲
عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سرخی کے
چھینٹوں والے کشف میں آپ کا شریک ہونا ۱۱۵
عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
جنگ بدر میں ابوجہل کے قتل ہونے کا
واقعہ بیان کرنا ۱۰۱
عبد اللہ ابن مولوی خان ملک ۲۸۹

آنحضرتؐ کا آپؐ کو فرمانا اَلَا تَرْضٰنَ اَنْ تَكُوْنُوْا
 ۲۵ یعنی بِعِزَّةٍ لَّهٖ هٰذَا ذَنْبٌ مِّنْ مُّؤْمِنٍ
 آپؐ کے متعلق آنحضرتؐ کا فرمانا
 ۳۶۵ اَنَا مَبْنِيَّةٌ اِلَيْهِمْ دَعَوْتُ بَابَهُمَا
 خیبر کی جنگ میں آنحضرتؐ کا آپؐ کو علمبردار
 ۳۶۵ مقرر فرمانا
 آپؐ کی طرف سے حضرت بلالؓ کی شجاعت کا اعتراف ۳۶۴
 ۱۳۴ خوارج کی بغاوت
 ۵۵۷ عبد اللہ بن سبا کی آپؐ سے لڑائیاں

عمالہ

بنی اسرائیل سے پہلے کنعان کی عملہ قوم ۳۵۲
 عمر بن الخطاب خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ ۱۶۵، ۱۶۳
 ۵۸۱، ۴۵۴، ۴۲۹، ۲۱۸، ۲۱۲، ۱۹۸
 کفر کی حالت میں آنحضرتؐ کے قتل کے ارادہ
 ۳۶۳ سے نکلنا
 ۲۳ قبول اسلام
 قبولیت اسلام کے بعد زندگی میں انقلاب ۴۵
 غزوہ اُمد میں آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر سن
 ۵۸۶، ۵۸۵ کرا آپؐ کی گویہ فطاری
 ۵۹۴ اپنے کافر بھائی کے ساتھ حُرین سلوک
 آپؐ کے اصرار پر حضرت بلالؓ کا دُشمن میں
 ۲۶۳ اذان دینا
 آپؐ کے تورات پر مبنی پر آنحضرتؐ کا ناراض ہونا ۶۶۲
 ۶۲۴ آپؐ کو زبائیں اذان سکھلائی گئی
 ۱۱۴ يَا سَابِئَةَ الْجَبَلِ وَالْاَكْشَفِ

یہودی عربوں کے ساتھ قدیم دشمنی ۳۷۴
 ایرانیوں کا عربوں کو اپنے سے کمتر سمجھنا ۳۹۳
 رومی اور ایرانی حکومتوں کی سیاسی برتری کو خوب
 تسلیم کرتے تھے لیکن قومی لحاظ سے خود کو
 افضل سمجھتے تھے ۲۶۰
 عروسی ایک عرب دیوی ۲۳۵، ۱۰۷
 عزیز الدین (فقیر)
 ۳۸۹ وزیر ہمارا مہر بنجیت سنگھ
 ۵۶۹ عطاء
 عقبہ بن ابی معیط
 آنحضرتؐ کا معاند ۴۰۵
 عکرمہ بن ابی جبیل رضی اللہ عنہ ۵۶۹
 فتح مکہ کے بعد عکرمہ کا مکہ چھوڑنے کا ارادہ ۴۶
 قبول اسلام کے بعد زندگی میں انقلاب ۴۵
 جنگ یرموک میں آپؐ کی شجاعت و شہادت ۴۷
 ۴۵۹ عکرمہ
 علی بن ابی طالب خلیفہ چہارم رضی اللہ عنہ
 ۵۶۹، ۴۵۴، ۴۲۹، ۱۹۸، ۱۶۵
 یحییٰ میں قبول اسلام ۲۴
 پہلے دن ایمان لانے والے ۲۸۱، ۲۱۳
 آپؐ کی نسل سے بارہ امام پیدا ہوئے ۳۹۱
 اُمت کے اکثر اولیاء و صوفیاء آپؐ کی اولاد
 ۲۶ میں سے ہیں
 آپؐ کے اعزازات ۲۵
 ہجرت کی رات آپؐ کا آنحضرتؐ کے بستر پر لیٹنا ۵۵۹

حالات

- ۲۳۸ آپ کی پیدائش
 ۹۹ آپ کے چار بھائیوں کے نام
 آپ کی پرورش سلطنت روما کے سایہ
 ۱۰۳ تلے ہوئی
 ایک عورت کا اپنا نسوؤں سے آپ
 ۶۶ کے پیر دھونا
 ۵۷۸ آپ صلیبی موت سے بچ گئے تھے
 ۲۶۳ صلیب پر نیک جذبات کا اظہار
 قرآن کریم آپ کو لعنتی موت سے محفوظ قرار
 دیتا ہے
 ۴۱ ہم وطنوں کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے وطن
 چھوڑ کر آپ کو کشمیر جانا پڑا
 ۵۷۸

بعثت اور مقام

- آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا جمل زیہ تون سے
 ۲۵۶ ظہور
 موسیٰ سے تیرہ سو سال بعد ظہور
 ۵۱۴ عیسائیوں اور مسلمانوں کے متفقہ عقیدہ کے
 مطابق آپ تیس سال کی عمر میں مبعوث
 ہوئے تھے
 ۲۸۲ آپ مرن بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے
 ۲۳۹، ۲۶۰
 اپنی قوم کا شہید یعنی گمراہ ہونے کا اقرار
 ۵۳۹ قیامت کے دن آپ رسول کی جائزہ لیا گیا تم
 نے اپنی اور اپنی والدہ کو موجود بنانے کی تعلیم
 دی تھی؟
 ۵۳۲

حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کا اعتراف
 ۹۳ آپ کا اپنی مجلس میں روساءؓ کی اولادوں
 کے مقابل پر تو مسلم غلاموں کی عزت افزائی

- فرمانا
 ۲۱۱ جناب قادیسیہ
 ۳۳۸ آپ کے عہد میں مروج شماری اور راشننگ
 کا نظام
 ۳۳۵ کوذ کا گورنر بار تبدیل فرمانا
 ۲۱۷ آپ کے عہد کے قاضی ابن ابی سیل کی خدمت
 ۲۱۷ آپ کی وفات کے قریب بعض لوگوں کی

- ریشہ دو انیاں
 ۱۳۴ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ
 ۱۹۸ عمر بن محمد رضی اللہ عنہ
 ۴۵۹ عمر بن العاص رضی اللہ عنہ
 ۶۷۳، ۲۸۱ وفات کے وقت کرب کی حالت اور اسکی وجہ
 ۲۸۳

- عمر بن کھنوم
 دور جاہلیت کے عرب شاعری غیرت کا
 ایک واقعہ
 ۹۲ عمر بن ہند
 دور جاہلیت کا عرب بادشاہ
 ۹۲

- عیاض - قاضی
 آنحضرتؐ پر شیطانی وحی کے نزول کی احادیث
 کا رد فرمانا
 ۲۷۵

- عیسیٰ بن مریم علیہ السلام
 ۱۸۳، ۱۹۲، ۲۰۸، ۲۳۰، ۲۴۳، ۲۵۸، ۲۷۱، ۲۸۱، ۲۹۰، ۳۰۰، ۳۱۰، ۳۲۰، ۳۳۰، ۳۴۰، ۳۵۰، ۳۶۰، ۳۷۰، ۳۸۰، ۳۹۰، ۴۰۰، ۴۱۰، ۴۲۰، ۴۳۰، ۴۴۰، ۴۵۰، ۴۶۰، ۴۷۰، ۴۸۰، ۴۹۰، ۵۰۰، ۵۱۰، ۵۲۰، ۵۳۰، ۵۴۰، ۵۵۰، ۵۶۰، ۵۷۰، ۵۸۰، ۵۹۰، ۶۰۰، ۶۱۰، ۶۲۰، ۶۳۰، ۶۴۰، ۶۵۰، ۶۶۰، ۶۷۰، ۶۸۰، ۶۹۰، ۷۰۰، ۷۱۰، ۷۲۰، ۷۳۰، ۷۴۰، ۷۵۰، ۷۶۰، ۷۷۰، ۷۸۰، ۷۹۰، ۸۰۰، ۸۱۰، ۸۲۰، ۸۳۰، ۸۴۰، ۸۵۰، ۸۶۰، ۸۷۰، ۸۸۰، ۸۹۰، ۹۰۰، ۹۱۰، ۹۲۰، ۹۳۰، ۹۴۰، ۹۵۰، ۹۶۰، ۹۷۰، ۹۸۰، ۹۹۰، ۱۰۰۰

روح القدس کا نزول صرف آپ سے مخصوص

- ۲۶۴ نہیں ہے
 آپ محمد و قومی نظریہ سے اوپر نہیں جاسکے ۲۶۰
 غیر بنی اسرائیلیوں کا بڑے الفاظ سے ذکر کرنا ۲۶۱
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مولانا ۶۶

اقول و تعلیمات

- میں باپ سے درخواست کرونگا کہ وہ تمہیں
 دوسرا مددگار بخشے جو اب تک تمہارے ساتھ ہے ۳۲۵
 درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے ۶۳۲
 ایل ایل لَمَّا سَبَقْتَانِی ۶۶۳
 آپ کا ایک قول ۳۲۱
 آپ کے نزدیک نجات کی حقیقت ۶۰۰
 دعا اور روزہ کی تلقین ۶۳۲
 خوار یوں کو نصیحت ۳۸۸

حق الفین اور موافقین

- آپ پر یہود کے مظالم اور آپ کی تحقیر ۹۸۰، ۴
 یہود کی طرف سے آپ پر لگائے گئے جہالت ۳۰
 کارہ قرآن کریم کی طرف سے ۳۰
 آپ کے نہ ماننے والے قیامت تک ہونگے ۲۸۵
 موسیٰ کی قوم سے آپ کی قوم کا موازنہ ۳۹۰
 آپ کے ایک حواری کا سارے ساتھ ساتھ رہنے ۶۳۳
 کے عوض آپ کی مخبری کرنا ۶۳۳
 عیسائیوں کے آپ پر الزامات ۳۱۰
 آپ کے دعویٰ مسیحیت کے متعلق یہود و نصاریٰ
 کے اختلافات ۳۳۸

وفات

- مسئلہ وفات مسیح ۲۸۴
 آپ کا اپنی وفات کا اقرار فرمانا ۵۳۲
 حیات مسیح کا عقیدہ عیسائیت کی مضبوطی
 کا باعث ہے ۲۰۱

آمدنیاتی

- اپنی آمدنیاتی کے متعلق علامات بیان فرمانا ۶۷۷
 عیسیٰ اور شیلی عیسیٰ ۳

خ

غالب . دیکھئے اسد اللہ خان غالب
 غطفان

- جنگ احزاب میں شرکت ۶۵۸
 غلام احمد قادیانی . مسیح موعود و مہدی
 موعود علیہ السلام ۱۰۶، ۸۷، ۸۶، ۳۲
 ۲۹۵، ۲۹۳، ۲۸۸

حالات

- ابتداء اور انتہاء ۱۰۱
 جہان میں دنیا سے بے رغبتی ۱۰۱
 ۱۸۷۲ء سے آپ نے اسلام کی تائید میں
 مضامین لکھنے شروع فرمائے ۲۰۰
 ابہامات کی ابتداء ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۳۰۰
 صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات کا ابتلا
 اور حضور کا صبر ۵۹۷
 کھانا کھانے کا طریق ۱۹
 بچپن میں حضرت مصلح موعودؑ کے جمعہ چھوڑنے

۶۵۲ پر حضور کی سرزنش
حضرت مصلح موعودؑ کے سفر فرج کے دوران
خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آنا ۲۸۳
ظہور کی پیشگوئی

آنحضرتؐ نے اُمت میں ہر صدی کے سر پر
مجددین کے ظہور اور آخر میں مسیح موعودؑ کی بعثت
کی خبر دی ہے ۱۴۲
آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کے ظہور کی پیشگوئی
اور آنحضرتؐ کی طرف سے اس پر ایمان لانے

کی تاکید ۵۶۵
مسیح نام رکھے جانے کی وجہ ۳۲۳
آخری زمانہ کے موعود کے ظہور پر مختلف ایسوسی
ایشنز کے قیام اور ان کے ذریعہ دوسرے تہمت کی
اشاعت کی پیشگوئی ۳۳۸
سابقہ مجددین آپؐ کے لئے بطور ادا ماس
کے تھے ۱۹۹

آپؐ کی بعثت سے پہلے تمام عالم اسلام
اور غیر مذاہب میں ایک آسمانی مامور کا انتظار
تھا۔ (مثالیں) ۳۲۳

بعثت کی غرض
بعثت کی غرض اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور
ایمان کو واپس لانا ۵۱۳
آپؐ کی بعثت کا مقصد احیاء اسلام ۳۵۸
بعثت کی غرض عیسائیت کی بے جھلکی ۱۰۳
اللہ نے آپؐ کو انگریزوں کے زیر سایہ رکھا

حالانکہ آپؐ عیسائیت کی بے جھلکی کے لئے
مبعوث فرمائے گئے تھے ۱۰۳
ملکہ وکٹوریہ کو تبلیغ اسلام ۱۱۵
آپؐ کے ذریعہ مسلمانوں میں نظام خلافت
کا احیاء ۳۲۹
آپؐ کی آمد سے ایک غلط جماعت بھی قائم
ہوئی اور کفر میں بھی بیداری اور حرکت لگ گئی ۳۱۵
آپؐ کے ذریعہ اسلام کے اقتصادی نظام
کا قیام ۳۳۶
اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور مسیح موعودؑ سے
شروع ہوتا ہے ۲۵۱

صداقت

آپؐ کی صداقت کے ثبوت ۵۲۹، ۹۰
آپؐ کی تائید میں طاعون کا ظہور ۳۴۴، ۳۴۳
سیالکوٹ میں آپؐ کی رہائش گاہ کا بجلی گرنے
سے محفوظ رہنا ۶۱۵
دورانِ قیام سیالکوٹ مکان کا شہتیر ٹوٹنے
سے پہلے آپؐ کا مکان سے نکل آنا ۶۱۵
کپور تھلہ کی مسجد کے مقدمہ میں ایک
نشان کا ظہور ۳۷
آپؐ کا دعویٰ کہ آپؐ کی توجہ اور دعا سے
حضرت عیسیٰؑ کی زیارت کی جا سکتی ہے ۱۱۶
شیخ رحمت اللہ دیکل کا آپؐ کے سر سے
نور کا ستون نکلنے دیکھنا ۱۲۱
ایک ہندو سرسبز کا آپؐ پر توجہ ڈالنا اور

غفر وہ بزرگ جہاں

۱۱۷

الہیات - رؤیا کثوف

”إِنِّي مُعِينٌ مِّنْ أَرَادَ مَا تَشَاءُ قَرَأْتِي مُعِينٌ“

۶۳۶

مَنْ أَرَادَ إِحَاثَتَهُ

۳۵۶

”ہزاروں آدمی تیرے ہروں کے نیچے ہیں“

”اگ سے ہیں مت ڈر اگ ہماری غلام

۶۱

بلکہ غلاموں کی غلام ہے“

۳۳۵

يَا سَيْمِ الْعَقْبِ عَذَّةَنَا

۱۲۱

چہ ماہ کے روزے اور لطیف کاشفات

۱۱۵

سرخ کی چھینٹوں والا کشف

آنحضرتؐ کے سینہ میں انوار جذب ہونے کا

۱۲۱

نظارہ دیکھنا

جماعت کے متعلق آپؐ کی ایک رؤیا اور اس

۵۸۳

کی تعبیر

آپؐ کے ہندسوں والے ابہام کے متعلق

۳۵۱

بعض عمدی سائنسدانوں کا خیال

آپؐ کو سوا ترائسہ لاکھ سال پہلے بتایا ہے کہ جماعت

احمدیہ کو بھی ویسی ہی قربانیاں کرنی پڑیں گی

۵۸۳

جیسی پہلے انبیاء کی جماعتوں کو کرنی پڑیں

پیشگوئیاں

آپؐ کی طرف سے ملک میں طاعون پھیلنے

۳۳۶

کی پیشگوئی

۱۸۹۳ء میں عبداللہ اتھم سے متعلق پیشگوئی

۱۱۸

فرمانا

۶۸۵

آپؐ کی پیشگوئی کے مطابق ۱۹۵۵ء میں روزیہ کا

قرآن کریم کے علوم کا بیان

آپؐ کے ذریعہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیا فتح کر لیا

۱۲۶

کا واحد و متعال قرآن کریم ہے

آپؐ نے ثابت فرمایا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت

۶۶۶۰۷۶

منسوخ نہیں

آپؐ کے ذریعہ ہمیں یہ سمجھ دی گئی کہ قرآن

۶۴۱

کریم کا ترجمہ کرنا کفر نہیں بلکہ ضروری ہے

آپؐ پر اس زمانہ کے مطابق قرآن کا بطن

۶۶۵

کھولا گیا

۶۶۵

جدید قرآنی معارف کا بیان فرمایا

سورۃ فاتحہ کی دعا کے متعلق آپؐ کا

۳۵۲

ایک لطیف نکتہ

آیت وَتَقَبَّلَتْ فِي الشَّجَرَيْنِ کی تفسیر کے

۳۹۲

متعلق ایک حوالہ کی تشریح

علوم

۱۱۲

علم کشف کے اسرار کا بیان

۶۱۵

نار ابراہیمؑ کی حقیقت کا بیان

۱۱۲

معجزہ شش قرع کے متعلق آپؐ کی تصریح

جنون کے بارہ میں آپؐ کا ایک لطیف

۳۶۳

ارشاد

۱۰۹

نظریۃ جہاد کی وضاحت

عربی کے ام الاسبغ ہونے کی تائید میں

۶۷۰

من الرضیٰ کی تفسیر

اقوال

۱۰۳

”میں نے جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے“

نیں ضرورت کے وقت خدا کی طرف سے میرا

۴۲۳

گیا ہوں

میں وہ درخت ہوں جسے ملک حقیقی نے

۵۰۴

اپنے ہاتھ سے لگایا ہے

مخالف مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ لیں کہ

آیا میں سلامتی سے اسمیں سے نکل آتا ہوں

۶۱۴

یا نہیں

تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا چاہیے

۴۲۶

اور وہ دائی ہے

تم خود بھی یہ خواہش نہ کرو کہ تم پر خدا تعالیٰ کا

۲۹۸

کلام نازل ہو،

ایک صوفی کے قول: دست در کار و دل بایاز

۵۴۵۳۰۹

کر پسند فرمانا

پنجابی کا ایک مصرع سنایا کرتے تھے جس کا

مفہوم ہے کہ یا تو تو کسی کا ہو جایا کوئی تیرا

۳۲۳

ہو جائے

۱۶۹

علم طب کے متعلق ایک قول

۵۸۳

اپنی جماعت کے نام ایک اجماع پیغام

آپ نے تلخیص میں دسویں حصہ کی شرط

۳۹۱

رکھوائی ہے

عبداندر آقہم کے ساتھ مباحثہ میں حضور کا

۸۸

مُسکرت جواب

آپ نے اپنے زمانہ سے پہلے کے حیاتِ سیح

۳۰۱

کے قابلِ بزرگوں کو صالح قرار دیا ہے

۱۹۹

آپ کے نزدیک اورنگ زیب بھی مجدد تھا

اشعار

۱۰۲ نَفَاثَاتُ اَنْعَمَ اَيْدِ كَانِ اُنْجَلِ

وَصِرْتُ اَنْتَ وَمِطْطَا اَلْاَحَالِی

۱۳۳ دے دو کوئے تو اگر سرِ مشاق راز نند

۵۶۶ ازل کے کہ لافِ عشقِ زند منم

۵۸۳ خاکِ شامِ کوہِ آلِ محمد است

۵۸۳ کربلا نیست سیرِ ہر آنم

۵۸۳ مدحِ حسین است مگر بیا نم

۵۶۶ میرے میرے پاؤں تک وہ یا مجھ میں ہے نہیں

۵۶۶ اے میرے بخواہ! اگر ناہوش کر کے مجھ پہ وار

۱۲۸ پہلے مجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فزقل

۵۶۶ پھر جو سوچا تو ہر اک لفظِ سیمکا نکلا

۵۹۴ جانے والا ہے سب سے پیارا

۵۹۴ اسی پہ اے دل! تو جاں فدا کر

واقعات کا بیان

۲۶ امام موسیٰ رضا کے قید ہونے کا واقعہ بیان

۵۴۶ فرمانا

۵۴۶ اہلِ اند کے لئے خصوصی مسائل کے متعلق

۵۴۶ ایک صوفی کا واقعہ بیان فرمانا

۵۹۳ والدین کا احترام نہ کرنے والے ایک شخص

۲۳۹ کا واقعہ سننا

۲۳۹ رستم کا ایک واقعہ سننا

۳۸۹/۱۶۲ مبارک ورجیت سنگھ کے دو واقعات

کا بیان

مخافت

مخافت اور اسکی درجات ۷۴

آپ کی منظم مخافت آپ کی بچائی کی دلیل ہے ۴۱۵

سفر سیالکوٹ اور لوگوں کی مخافت ۵۸۲، ۴۴۰

عبدالحمید چیلانی کا آپ کی مخافت کرنا ۵۰۸

مرزا حیرت دہلوی کا آپ کو خوفزدہ کرنے

کی کوشش ۲۳

مخافتین کی طرف سے آپ کی طرف نحوست

کا انتساب ۴۰۲

آپ پر محنون ہونے کا الزام ۱۰۷

آپ پر الزام کہ انگریزان کو روپیہ دے کر

مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر رہے ہیں ۴۳۱

مخافتین کے خلاف سخت زبان استعمال

کرنے کی وجہ ۶۵۷

میسائیوں کو انزامی جوابات دینے کی وجہ ۶۵۵

غلام احمد مولوی

مشہور عالم جو شاہی مسجد لاہور میں درس

دیتے تھے ۲۸۹

غلام تفسیٰ مرزا والد ماجد حضرت سید محمد علیہ السلام

حضرت سید محمد علیہ السلام کی دنیا سے

بے رغبتی پر آپ کا گڑھنا ۱۰۱

آپ کا فرمان کہ غلام احمد جیوت نہیں بولا کرتا ۱۰۲

غیاث الدین تغلق

حضرت نظام الدین اولیاء کی مخافت ۳۶

ف

فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ۲۷، ۳۰

حضرت زید کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچنا ۴۰۸

فراء و نحوی ۱۶۱

فرعون ۴۱۳، ۲۵۹، ۹۱، ۸۵، ۸۰، ۷۴، ۲۹

۶۳، ۶۱، ۶۳، ۶۱، ۶۳، ۶۱، ۶۳، ۶۱

رعسیس ثانی ۴۷۵، ۱۰۴

منقاج ۴۷۵، ۱۰۵

کی فرعون حضرت موسیٰ کی امتد دعوت میں

شامل تھا ؟ ۸۱

بنی اسرائیل پر مظالم

فرعون نے DEVIDE AND RULE

کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی ۴۶۹

بنی اسرائیل کا دشمن ہونے کے باوجود ان

میں سے بعض افسر مقرر کرتا ۵۵۲

رعایا پر مظالم کی تفصیل ۴۶۹، ۴۶۱

بنی اسرائیل کی نسل کشی ۴۷۰

حضرت موسیٰ کی تحقیر ۱۳۵، ۹۸

حضرت موسیٰ اور فرعون

حضرت موسیٰ سے مکالمہ ۱۰۶

حضرت موسیٰ کے مقابل پر فرعون کا موقف ۵۰۳

حضرت موسیٰ کے معجزات دیکھ کر کج بختی کرنا ۱۳۳

ساروں کے اعتزاز شکست پر غضبناک

ہونا ۱۳۹

یہاں کو ایک اونچا محل بنانے کا حکم دینا ۵۰۵

حضرت مصلح موعودؑ کے نزدیک قاعدوں زعمون کا
ایک عہدیدار تھا اور اسکا واقعہ ہجرت سے
پہلے کا ہے ۵۴۴
اس کی دولت ذاتی نہیں تھی بلکہ صحر کی قومی
دولت تھی ۵۵۱، ۵۵۲
اس کی قوم کی نصیحت ۵۴۶
خدا کی عذاب کا نشانہ بننا ۵۵۳
تکبر اور انجام ۴۶۵
قبط
حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے ایک قبطی کا
نوائے قتل ۱۳۳، ۱۰۴، ۹۴
قتادہ رضی اللہ عنہ ۵۶۹، ۱
قتورہ
حضرت ابراہیمؑ کی تیسری بیوی
۵۶۱، ۴۸۶، ۲۳۷
قریش
قریش مکہ قیدار بن اسماعیل کی نسل ہیں ۶۱
قبیلہ قریش کی مختلف شاخیں جنہیں آنحضرتؐ
نے کوہ صفا پر بلوایا تھا ۲۸۰
جنگ احزاب میں شرکت ۶۵۸
قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ
آپؐ کی مخالفت ۱۳۴
قوسح (قارون)
حضرت موسیٰؑ کی مخالفت اور اسکی ہلاکت
۵۴۳، ۵۴۲

کثرت تعداد کا غرور ۱۴۵
زعمون کے کشف کی تعبیر ۱۱۸
انجم
حضرت موسیٰؑ کا انکار کر کے تباہ ہونا ۵۰۶، ۳
بحرہ قلم میں غرق ہونا
۶۳۱، ۵۰۶، ۴۶۳، ۱۴۹، ۱۱۰
قیامت تک طعون ۵۰۸
قرآن کریم میں فرعون کی لاش کے محفوظ ہونے
کا ذکر ۴۸
قابرہ میں فرعون کی لاش کا اب تک محفوظ
پہلے آنا ۵۰۸
قوم فرعون
قوم فرعون کی انوسناک ذہنیت ۱۳۳
فرعونوں پر مختلف قسم کے عذاب ۳۵۳
فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴
فضل بن عباس رضی اللہ عنہ
جنگ یرموک میں آپؐ کی قربانی اور ایثار ۴۷
فضل دین بھیروی
علیم اللہ دین کو تبلیغ کرنا ۱۰۸
فوجہ
فرعون کے عہد کی ایک عبرانی دانی ۴۷۰
ق
قارون ۶۳۶، ۶۳۱، ۶۲۹، ۵۷۳
بازیل میں قورح کے نام سے مشہور ہے یہ
بنی اسرائیل سے تھا اور حضرت موسیٰؑ کے مخالف تھا
۵۴۲

قید

حضرت اسماعیلؑ کے دوسرے بیٹے کا نام

۵۶۱

قیصر روم

ک

کسدی

حضرت ابراہیمؑ کی قوم

۱۵۷

کسری شاہ ایران

۳۳۸

یسود کی انجمنیت پر آنحضرتؐ کی گرفتاری کا

علم دینا

۳۵

آنحضرتؐ کے مقابلہ کے لئے یسود اور کسری

کی مشترکہ سازش

۶۵۸، ۵۷۹

کرشن علیہ السلام

۵۳۰، ۵۱۸، ۴۶۱، ۴۴۲

آپؐ نبی تھے

۴۱۱

محبت الہی

۳۴۹

بندوں کے آپؐ پر الزامات

۴۱۰، ۴۱

کفیوشس علیہ السلام

۵۱۸

آپؐ خدا کے نبی تھے

۴۲

کولبس

اس نے مسلمانوں سے سنا تھا کہ زمین گول

۲۱۹

جے

کونس

فرد کے باپ کا نام

۱۵۷

کینیوٹ

ایک انگریز بادشاہ

۶۰۹

گ

گارڈن پادری

۸۹

ڈاکٹر زویلر کے ساتھ قادیان آنا

گاندھی جی

۲۶۶

اپنے خیالات کا نام ابام رکھتے تھے

گبن

ایک مغربی مؤرخ

۶۷۹

ل

لات ایک عرب دیوی

۲۰۹، ۲۷۵، ۱۰۷

لاوی

۵۰۱

بنی اسرائیل کا ایک قبیہ

لبید عرب شاعر

حضرت عثمان بن مظعونؓ کا اس کے اشعار

۴۰۱

پر تنقید فرمانا

لقیان

قطرہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا

۵۶۱

لوتھر۔ مارٹن بانی پروٹسٹنٹ ازم

بائبل کی کتاب آسمان کو افسانہ قرار دینا

۴۷۳

لوط علیہ السلام

۲۹۶، ۲۷۳، ۱۸۳، ۴

۳۵۱، ۳۰۹، ۴۱۰، ۴۵۸، ۴۹۲، ۴۵۰

حضرت ابراہیمؑ کے بھائی حاران کے بیٹے

۶۱۹، ۴۰۷، ۲۳۶

تھے

حضرت ابراہیمؑ کے معجزات دیکھ کر آپؐ پر

۶۱۹، ۵۷۳

ایمان لانا

۶۲۲

حضرت ابراہیمؑ کے تابع بنی تھے

ماہان

جنگِ یروک میں مسائی افواج کا کانڈر ۴۷
مہارک احمد مرزا ابن حضرت مسیح موعود علیہ السلام

آپ کی وفات کا ابتلاء ۵۹۷

مُبَرَّو امام لغت ۴۳۲

محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵۱

۱۶۲، ۳۳۶، ۵۸، ۱۰۱، ۶۳۳، ۶۵۶

واقعاتِ زندگی

غربت میں پیدائش ۹۹، ۳۴

آپ کی پرورش بنو ثقیف میں ہوئی جہوں

نے ابرہہ کے حمل میں گائیڈ مینا کئے تھے ۱۰۳

ابوطالب کا آپ کی پرورش کرنا ۱۹۵

یقینی اور حساس بچپن ۲۵۵

پہلی وحی کے نازل ہونے پر حضرت خدیجہ

سے فرمانا لَعْدَ خَشِيشَتٍ عَلَى نَفْسِی ۲۹۹

آنحضرت کا درتوبن نوفل سے حیرت کے عام

میں پوچھنا اَوْمُخْرِجَتِ هَذَا؟ ۵۶۲

اپنے چچا ابوطالب کو تدریجی جواب دینا ۱۵۴

طائف سے واپسی پر ایک کافر سردار کا

آنحضرت کو پناہ دینا ۶۵۸

آنحضرت کے سفر طائف پر سردمہ میور کا

شاندازِ خارجِ عقیدت ۶۷

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ۵۵۰، ۶۰۲۵

کسریٰ ایران کا آپ کی گرفتاری کے سے

احکام جاری کرنا ۳۵

اپنے زمانہ میں سب نبیوں کے قائم مقام تھے ۲۳۲

غنائی کمال کا مظاہرہ ۲۳۴

آپ کی قوم میں بے حیائی ۶۲۰

آپ کی قوم کی مخالفت اور تباہی ۳۱۵

اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا اور اس کا قبول ہونا ۵۷۲

قوم کو طرِ عذاب ۴۰۸

آپ کی قوم پر عذاب کی خبر دینے والے

رُسلِ انسان تھے یا فرشتے؟ ۶۲۱

آپ کی قوم کی تباہی کی خبر براہِ راست آپ

کو کیوں نہیں دی گئی؟ ۶۲۳

بائبل کا آپ پر بدکاری کا الزام

حضرت موطا کے واقعہ میں کفار مکہ کو ہزشتہ ۲۳۶

۶۱

لیلیٰ

م

مارٹن لوتھر دیکھے لوتھر ۴۷۳

مارس انڈس ایک یورپین مفکر

آپ کا یہ بیان کہ دنیا اس وقت ایک پیغمبر

کی منتظر ہے ۴۲۳

ماریہ قبطیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ۲۷

مالک بن انس رضی اللہ عنہ

شہیدانِ اُحد میں آپ کی بہن کا آپ کی

فحش کو پہچانتا ۵۸۶

آپ کی شہادت ایک قرآنی آیت کی وجہ

تَنْزِيلِ بَنی ۵۸۶

آپؐ کو پڑھنا نہیں جانتے تھے ۶۶۱
 آپؐ کی نزع کی حالت بہت تکلیف دہ تھی ۶۶۲
 آپؐ کی وفات پر مدینہ میں کھرام ۱۷۳
 کیا آپؐ کے تمام آباء و سمن تھے ۶ ۲۹۰

مقام

تَوَلَّكَ لَمَّا عَلِقْتَ الْأَفْلَکَ ۲۵۷، ۲۰
 فطرت مبارکہ محمدیہ ۵۹
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کشف میں
 آنحضرتؐ کے سینے میں انوار جذب ہوتے
 دیکھن ۱۲۱
 آپؐ کے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ قرار دیا جانا ۱۲۹
 آپؐ کی ذات نُورِ مبین اللہ ہے ۵۳
 رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۶۶۵
 ہادی عالم ۶۸۱
 امن کا پیغمبر ۵۴
 مَآهَدًا عَلَيْنَا ۵۴۰
 اَذَلُّ الْمُسْلِمِينَ ۵۶۴

اللہ تعالیٰ کا عباد اور بزرگی سب سے زیادہ

آنحضرتؐ کے ذریعہ ظاہر ہوا ۴۶۷، ۳۱۸

آپؐ کی ذات قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے ۵۳
 آپؐ کا خدا تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے

ہونے کا مطلب ۶۴۶

دوسرے انبیاء سے موازنہ

موسیٰؑ سے شاہ بیت تارہ ۵۱۴

حضرت موسیٰؑ پر نفیست ۵۱۲، ۱۶۳

آپؐ کا عرفان موسوی عرفان سے زیادہ تھا ۹۲
 حضرت موسیٰؑ سے وسعتِ حوصلہ میں موازنہ ۹۳
 حضرت موسیٰؑ سے موازنہ ۹۴
 ایمان کے مظاہرہ میں حضرت موسیٰؑ سے

موازنہ ۱۴۶

موسیٰؑ کے معجزہ یدِ بیضا سے آنحضرتؐ کے

دستِ مبارک کا موازنہ ۱۲۹

عصائے موسیٰؑ کے مقابل پر آپؐ کو قرآن

کریم کا معجزہ دیا جاتا ۱۲۵

آپؐ کے اور موسیٰؑ کے صحابہ کا موازنہ ۱۳۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے موازنہ ۲۶۳، ۶۶

عشقِ باہمی

آپؐ کا مقامِ عشق ۶۱

آپؐ کے لئے قرآن کریم میں عبد اللہ کے

لفظ کا استعمال جو صوفیاء کے نزدیک

سب سے بڑا نام ہے ۱۸۳

وفات کے وقت خدا تعالیٰ سے ملنے کی

تروپ اَللّٰهُمَّ اَسْرِفْنِیْ اِلَّا عَلٰی ۴۶۳، ۱۸۵

اَفْلَا اَکُوْنُ عَبْدًا مَّسْکُوْرًا ۱۸۷

کثرتِ عبادت سے قدم ہائے مبارک

کا متونیم ہو جانا ۴۴۲، ۱۸۷، ۱۸۵

آپؐ کی زندگی اور موت - عبادتیں اور

قرابتیں سب کچھ خدا کے لئے تھیں ۵۶۴

حنظلہ کے نزدیک نماز، جماعت کی ہیئت ۳۳۰

آپؐ کی زندگی کا ماحصل ۴۷۱

خصوصیات

- آپ کو پانچ خصوصیات کا عطاء کیا جانا ۳۶۱
 اللہ تعالیٰ کا آپ سے بالمشاذ کلام ۳۴۵
 آپ پر نازل ہونے والے کلام کا مکمل جوہر ۲۴۳
 تمام دنیا کے لئے مبعوث ہونا ۲۶۰
 آپ کی اُبوّت کی عمومیت ۲۵۸
 آپ کو قیامت تک کے لئے نمونہ قرار دیا گیا ہے ۵۴۰
 آپ کے دین کا دنیا کے کندوں تک پھیلنا ۹۷
 ابتدائی دود میں ہی آپ کے برکار میں غیر اقوام اور غیر ممالک کے باشندوں کا شامل ہونا ۲۶۱، ۶۶
 آنحضرت پر ایمان لانے والے جتن ۳۶۳
 آپ کی غیر معمولی ربوبیت ۲۵۵
 آپ نے نہ نبوت سے پہلے بھی شرک کیا اور نہ نبوت کے بعد ۵۶۳
 دوسرے انبیاء سے بلند تر مقام ۲۳۸
 جملہ انبیاء میں آپ کی ایک نمایاں خصوصیت ۲۹۲
 خدا تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے میں تمام انبیاء سے ممتاز ۱۶۵
 انبیاء میں امتیازی شان کہ آپ کی تمام قوم آپ پر ایمان لے آئی ۲۵۵

اخلاقِ عالیہ

حمد اور شکر

۲۱۰-۲۰

۹۱

عزم

- ۲۷۹
 فقر و فاقہ ۳۶۳
 قریش کا آپ کی رستبازی کا اعتراف کرنا ۳۸۱
 خطرات کے باوجود ایمان قلب ۵۹۷
 دنیا کی ہدایت کا عزم ۳۱۶، ۶۳
 قوم کا عزم ۸۳
 غزوہ اُحد میں حضور کا کفار کی ہدایت کے لئے دعا فرمنا ۶۸
 مخلوق سے محبت کی شدت ۶۱
 سکرانہ موت میں بھی مخلوق کی محبت کا جلوہ ۶۳
 آپ کی غیر ملکیوں سے محبت ۲۶۳
 فتح مکہ کے بعد حضور درگزر کا بیشمال نمونہ ۳۸۳
 اہل مکہ سے حضرت یوسفؑ والا سلوک ۲۵۷، ۱۴۳
 عکرمہ کو معاف فرما دینا ۳۶
 حضرت خدیجہؓ سے محبت کا ایک واقعہ ۲۶
 آپ کسی پر خوش ہوتے تو اس کے لئے دین میں تعفُّ عطا کئے جانے کی دعا فرماتے ۲۱۵

رسالت

آپ کی رسالت تمام دنیا کے لئے ہے

۲۵۸، ۹۷

آپ کا وجود موسیٰ کا وہ طور ہے جہاں

خدا بول رہا ہے ۶۶۰

آپ پر ایمان لانے میں جلدی کی نصیحت ۶۶۳

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب

میں بعثت کی وجہ ۲۰۰

موسیٰ کے واقعات کے ذکر میں آپ
کی ہجرت کی طرف اشارہ ۵۱۲
آپ کے مکہ سے ہجرت کرنے اور
واپس لائے جانے کی پیشگوئی ۴۶۶
تبلیغ

ابتدائی دور میں بنو عبد المطلب کو دعوتِ اسلام ۲۴
آپ کا فرمانا اللہمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ۵۱۲
آپ کو قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم ۲۷۸
غیر عربوں کو اشاروں سے تبلیغ ۲۶۲
جہاد فی سبیل اللہ

آپ کی فتوحات جنگوں کے ساتھ وابستہ
۲۷۲
فوج ہونے کی حیثیت میں آنحضرتؐ اور
آپ کے صحابہؓ کی خصوصیت ۳۸۱
غزوہ اُحد میں آنحضرتؐ کا زخمی ہونا ۵۸۵، ۶۷
حنظلہ کا سرحدی عسائی قبائل کی شورش کو
دبانے کے لئے جانا ۴۲۷
آپ اور آپ کے دو خلفاء کی عظیم فتوحات ۴۲۸
تعلیم و تلقین

آپ کی تعلیم میں بین الاقوامی مساوات
۴۶۱
علم انفس کی ابتداء قرآنِ کریم اور
آپ کے ذریعہ ہونی ۴۲۴
مرض الموت میں شرک سے بچنے
کی تلقین فرمانا ۶۱۰، ۴۱۱

خدا تعالیٰ کا آپ کو دشمنوں سے بچانا ۵۹۶
آپ صرف منذر ہیں آپ کو زبردستی
کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ۴۶۷
خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ محمد
رسول اللہ کی اتباع ہے ۶۹۹، ۳۲۵

صداقت

دلائل صداقت ۵۵۷، ۲۷۱، ۱۰۰، ۴۰۲، ۶۶۲

سابقہ انبیاء کی پیشگوئیوں کے مصداق
آپ کے ظہور کے متعلق سابقہ انبیاء کی
پیشگوئیاں ۲۹۶

استثناء میں مذکور پیشگوئی کے مصداق ۵۱۲
حضرت موسیٰ کے ذریعہ آ بخت کی
پیشگوئی ۶۲۰، ۵۱۲، ۵۱۱، ۳۲۹، ۲۲۵
حضرت موسیٰ کی طرف سے آنحضرتؐ
کا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ
فتح کرنے کی پیشگوئی ۵۶۲

آپ کی بعثت کی خبر موسیٰ کو طور پر دی گئی ۵۱۵
آپ کو انبیاء کی پیشگوئیوں میں کونے کا
پتھر قرار دیا گیا ہے۔ آپ کے متبع بھی
غلی رُک میں کونے کا پتھر ہیں۔ ۵۹۰، ۱۰۰
یسعیاہ کے ذریعہ آپ کی بعثت کی
پیشگوئی ۲۶۹

بوط کے واقعہ میں آپ کے متعلق ایک
پیشگوئی ۴۰۸

وفات کے وقت غلاموں اور غورتوں سے

۲۶۳ حسن سلوک کی تلقین فرمانا

آنحضرت کا صحابہ کو اہل معرے حسن سلوک

۳۸۳ کی نصیحت فرمانا

اپنی زندگی میں احادیث کے کھنے سے منع

۶۶۳ فرمانے کی وجہ

۶۶۳ تورات پڑھنے سے منع فرمانے کی وجہ

فیضان

۳۸۸ آپ کے ذریعہ عربوں میں انقلاب

۲۰۱ آپ کے فیضان کا تسلسل

آپ کے فیضان کو جاری رکھنے والے

۱۹۸ لوگ

آپ کے بعد نبوت تامہ مستقلہ نہیں آئے

۶۳۰ گی بلکہ حضور کی ظلی اور بروزی نبوت آئیلی

آپ کی کامل متابعت کرنے والے کو

۲۴۲ کامل بصیرت حاصل ہو جانے کی

آپ کی دعا کی برکت سے ایک شخص کا دو تہمند

۵۴۸ ہو جانا

الہامات و کشوف

۲۶۶ آپ پر وحی کے نزول کی کیفیات

۱۱۳ حضرت میمونہ کے ہار آپ کا ایک کشف

آپ کے بعض کشف جس میں دوسرے

۱۱۳ لوگوں کو بھی شریک کیا گیا

معجزات

آپ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ۳۶۰

جنگ بدین کنگریوں کی مسمی پھینکنے کے

۲۰۹ معجزہ کا ظہور

حضور کے رعب سے عمر کا (بحالت کفر)

۳۶۳ کانپ جانا

آپ کی پیشگوئیاں

آپ کی زندگی کے اہم ترین واقعہ (فتح مکہ)

۵۵۶ کے متعلق قرآن کریم کی پیشگوئی

آپ اور آپ کے ساتھیوں کو غلبہ دینے

۲۶۱ جانے کا وعدہ

آپ کے صحابہ اور تبعین کی آپ سے محبت

صحابہ کرام کی آپ سے شدید محبت

۵۸۶، ۵۸۰، ۳۳۸

۱۰۰ آپ کی وفات پر حضرت حسان کا مرثیہ

۲۶۲ غیر عرب باشندوں کی آپ سے محبت

حضرت نامی ایک عرب سردار کا حضور کی

۳۶۳ شان میں قصیدہ پڑھنا

ایک یمن کو آپ سے اپنے تمام عزیزوں

۲۲۹ سے زیادہ محبت کرنی چاہیے

۱۰۸ درود مسنونہ کی حقیقت

۵۴۶ آلِ محمد سے محبت کی اہمیت

مخالفات

۲۰۵ آپ کے نو معاند دشمن

۲۱۴ آپ کی بعثت سے کلمہ میں جوش و خروش

ابو جہل کا آپ کو ایک موقع پر تعظیم مارنا

۶۲۰، ۶۳ اور دوسری ایذا رسانیاں

شعبہ اہل طالب میں آپ کا اور آپ کے

ساتھیوں کا محاصرہ ۲۸۰، ۶۵

طائف کے لوگوں کا آپ سے سلوک ۶۵

حضور کے مقابلہ کے لئے کسریٰ ایران کے

ساتھیوں کی خفیہ سازشیں ۵۷۹

کفار نے آپ پر قومی وحدت کو پارہ پلہ

کرنے کا الزام لگایا ۴۰۰

آپ پر شاعر ہونے کا الزام اور اسکی تردید ۳۰۳

آپ پر مجنون ہونے کا الزام ۱۰۷

مفسدین کی طرف سے پختہ پڑھائی

وجہ کے نزول کا الزام اور اس کی تردید ۲۰۵

متفرق

آپ اور آپ کے دشمنوں میں بنیادی فرق ۲۱۳

اللہ تعالیٰ کا آپ کو اپنی والدہ کے لئے استغفار

کی اجازت نہ دینا ۲۹۱

آپ کے شدید دشمنوں کی اصلاح ۴۵

محمد ابراہیم جمونی - میاں ۶۷۴

محمد اقبال - ڈاکٹر

”یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے“ ۴۲۳

محمد بخشش

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ

کے ایک احمدی ۷۵۳

محمد حسین بنالوی - مولوی ۳۶۳

لوگوں کو تو دین جانے سے روکنا ۱۰

محمد ظفر اللہ خان - چوہدری ۲۰۶

محمد علی باب - بابی بابت

مخالفت کی وجہ ان کے متبعین کے مجرمانہ

انحال تھے ۴۱۵

محمد الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۸

مدین

قطرہ کے بطن سے ابراہیم علیہ السلام

کا بیٹا ۲۳۷

مدین (قوم)

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے مدین کی اولاد اور

شعیب کی قوم ۲۳۷

مرد کی ایک یہودی سرور ۴۷۲

مریم علیہا السلام ۶۵۶، ۶۲۶، ۹۹

قرآن کریم میں آپ کی بعثت کا ذکر ۴۳۸

حضرت مسیح کو صلیب پر دیکھنا ۲۶۳

یہودی طرف سے آپ پر الزامات اور

قرآن کریم کا ان کو رد کرنا ۴۳۱، ۴۱

خواب میں مریم سے مراد ۰۹

مسیحی اٹلی کا ڈیکٹر

انجم ۴۲۸

مسئلہ کذاب ۱۳۳

مظہر جان جاناں مرزا رحمۃ اللہ علیہ

شکر کا ایک واقعہ ۱۱

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت علیؑ کی معاویہ سے صلہ ۱۳۴

معین الدین چشتی - رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۸، ۱۳۴

مفسر

شالان مغلیہ کی اولاد کا اہتر محل

۲۶

مقاتل

مکلا و پیازہ ابوالحسن بن ابوالحسن

۳۰۵

منات - ایک عرب دیوی

۳۰۹۰۲۰۵۱۰۰

منقح

فرعون موسیٰ جو غرق ہوا

۳۷۵۱۱۰۵

مویاب ابن لوط

۲۳۳

موسیٰ علیہ السلام

۸۳، ۶۳، ۴۲، ۳۸، ۲۵

۲۹۴، ۲۷۳، ۲۶۱، ۲۵۹، ۱۶۲، ۱۵۱، ۱۳۵، ۱۱۸

۲۶۴، ۲۵۰، ۲۴۰، ۲۳۰، ۲۲۰، ۲۱۰، ۲۰۰، ۱۹۰، ۱۸۰، ۱۷۰، ۱۶۰، ۱۵۰، ۱۴۰، ۱۳۰، ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۰۰، ۹۰، ۸۰، ۷۰، ۶۰، ۵۰، ۴۰، ۳۰، ۲۰، ۱۰، ۰

۲۲۸، ۲۱۰، ۱۹۰، ۱۷۰، ۱۵۰، ۱۳۰، ۱۱۰، ۹۰، ۸۰، ۷۰، ۶۰، ۵۰، ۴۰، ۳۰، ۲۰، ۱۰، ۰

۶۶۰

واقعات: زندگی

قرآن کا آپ کے دعویٰ نبوت سے پہلی

زندگی کے حالات بیان کرنے کا مقصد

۳۹۳

پیدائش کا واقعہ

۳۹۱، ۳۹۰

وجہ تسمیہ: بائبل کی رو سے

۳۹۳

آپ کی والدہ کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

۱۰۳

آپ کی والدہ کا آپ کو دریائیں دان

۳۷۸

آپ کو دریائے فرعون کی تیوی نے نہیں

۳۷۸

بیت نے نکالا تھا

۳۷۹

ایک قطبی کا والدہ قتل

۹۵۰۹۴

۳۶۳، ۳۶۱، ۱۰۳

قرآن کریم آپ کو قتلِ عمد کے ذمہ سے بری سمجھتا ہے

۳۹۴

ظالم قوم سے نجات کی دعا فرمانا

۳۸۶

آپ کو مدین کی طرف سے ٹھنڈی ہوائی

۳۸۸

مصر سے مدین کی طرف ہجرت

۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹

مدین میں دو خواتین کے کام آنا

۳۸۹

آپ کی ایک دعا

۳۵

قرآن کریم نے آپ کے خسر کا نام نہیں بتایا

(شعیب آپ کے خسر نہیں تھے)

۳۹۱

بعثت

آپ کی بعثت قوم شعیب کی ہلاکت کے

بعد ہوئی تھی

۳۹۱

تجلی گاہ اول (قرآن اور بائبل کی رو سے)

۵۱۰

مدین سے مصر آتے ہوئے آگ دیکھنے کا واقعہ

۳۳۶

آپ کے لئے آگ میں خدا تعالیٰ کا جلوہ ظاہر

ہونا اور ابھام کا نزول

۳۹۹۰۳۱۳

آگ کا نظارہ جلوہ الہی کا شخصی مظہر تھا

۳۳۶

آپ کو طور کی مغربی جانب رسالت عطا کی گئی

۳۶۳، ۳۳۵

حضرت ہارون کو اپنا نائب قرار دینے کی

درخواست

۹۱

فرعون کی طرف جانے کا حکم

۸۰

فرعون سے مکالمہ

۱۰۶

فرعون نے دربار میں آپ کو قوتِ بیانیہ

۹۳

کا دیہ جان

۵۰۳

فرعون کے دربار کا جواب

ساتروں سے مقابلہ اور ان کا اعتراف شکست ۱۳۹

انکار کا خوف ۸۳

مقام

آپ کے ذریعہ اللہ کا سینا سے ظہور ۴۵۶

آپ کو صحیح فیصلہ کرنے کی قوت دی گئی تھی ۴۶۱

مخلص القوم نبی تھے ۹۶

اخلاق

خدا پر توکل کا شاندار نمونہ ۱۴۶

آپ کا انکسار ۹۱

آپ کی زبان میں کوئی خلقی نقص نہیں تھا ۸۵

نشانات و معجزات

اپنی صداقت کے ثبوت میں تائید الہی کو

پیش کرنا ۵۰۵

نشان منان ۱۱۰

آپ کی تائید میں نوشتات ۳۵۳-۳۱۳

عصا اور ید بیضا کے نشانات کا عطا کیا

جانا ۵۰۰-۴۹۹-۴۶۳

عصائے موسیٰ کی حقیقت ۳۵۰-۱۱۹

معجزہ ید بیضا کی حقیقت ۳۵۳-۱۳۰

سمندر پھٹنے کے معجزہ کی حقیقت ۱۴۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کی پیشگوئی

موسیٰ اور مشیل موسیٰ ۳

آپ مشیل کی بعثت کی پیشگوئی

۶۲۰-۵۰۲-۲۲۵-۲۷۹

قرآن کریم کے نزول کے متعلق آپ کی ایک پیشگوئی ۳۰۱

فتح مکہ کی پیشگوئی فرمانا

۵۶۲

آپ کی اُمت

بنی اسرائیل کو ساتھ رکھنے اور ان کی نیک

تربیت کا حکم ۵۰۰

آپ کی تربیت کے نتیجہ میں بنی اسرائیل

میں انقلاب ۳۵۲

آپ کی ساری قوم آپ پر ایمان نہیں لائی

صرف سیاسی طور پر آپ کے ساتھ ہو گئی تھی ۴۰۱

آپ کی امت کی دنیوی اور روحانی ترقی ۳۵۲

آپ کی امت کا عروج ۱۳۵

آپ کی قوم سے کنعان کا وعدہ ۴۴۱

آپ کی قوم سے عیسیٰ کی قوم کا موازنہ ۳۹۰

بائبل اور موسیٰ علیہ السلام

بائبل آپ کے ید بیضا کے نشان کو بیماری

کا نتیجہ قرار دیتی ہے ۵۰۱-۳۵۱-۱۰۳۲

آپ پر بائبل کا الزام کہ خدا کا غضب آپ

پر بھڑکا۔ اور قرآن کریم سے اس کا رد ۵۰۱

مخالفت

مخالفت ۷۴

آپ کے خلاف قارون۔ داتن اور ابراہیم

کا نتیجہ ۵۴۳

فرعون کی طرف سے آپ کی تحفیر ۱۳۵-۹۸

فرعون کا آپ کو طعن دینا ۱۰۳

خانیقین کا آپ کو جادوگر کہنا ۵۱۰-۴۶۴

- ۱۳۳ آپ کی مخالفت
نظام الدین مرزا
حضرت یحییٰ موعود علیہ السلام کی دنیا میں
۵۸۳ آپ کا ذکر اور اسکی تعبیر
نمرود
حضرت ابراہیمؑ کے عہد کا بادشاہ ۱۵۶۰۲۹
حضرت ابراہیمؑ سے گفتگو ۱۵۷
نسلہ (قوم)
حضرت سلیمانؑ کا نسلہ قوم کی وادی گزرتا ۳۱۱۲
نور الدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ
۵۹۰۳۳۰۲۸۹۱۰۸
آئینہ کے ساتھ حضورؐ کے مباحثہ کا بیان ۱۸
اللہ تعالیٰ کے احد ہونے کے متعلق آپؐ
پر معارف کا انکشاف ۵۶۶
ذی القربین کے متعلق ایک لطیف
نکتہ ۲۵۲
طائف (سورۃ النہل) کے معنی بیان فرمانا ۳۹۴
ابراہیمؑ کی آگ سے مخالفت کی آگ مراد
لینا ۶۱۴
دھرم پال (عبد الغفور) کی کتاب ترکِ سلام
کا جواب تحریر فرمانا ۶۱۴
آپؐ عبد الحکیم پٹیلوی سے وجہ وہ
احمدی تھا، بہت محبت رکھتے تھے ۵۰۷
عبد الحکیم کے استاد کے بعد اس کی نوشتہ
تفسیر کا اپنے کتب خانہ سے نکلوا دینا ۵۰۸

- موسیٰ رضا امام رحمۃ اللہ علیہ
بارون الرشید کا آپؐ کو قید کرنے کا واقعہ ۳۶
میکسنزی پروفیسر
مصنف انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی ۴۲۳
میمونہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا
آنحضرتؐ کے ایک کشف میں شرکت ۱۱۳
مینوڈیک
۴۴۴
حضرت ابراہیمؑ کی قوم کے معبود کا نام ۱۵۷
میور۔ تیرولیم
آنحضرتؐ کے سفر طائف سے متاثر ہونا ۶۷
آنحضرتؐ کے صحابہ کی جلی نشاری
انتہار حیرت ۱۳۳
ن
ناصر احمد مرزا خلیفۃ المسیح اشاعت رحمہ اللہ ۳۰
نپولین بونا پارٹ ۱۶۴
خصوصی باڈی گارڈ دستہ ۳۶۴
فتوحات کی وجہ ۴۲۸
نصرت جہاں بیگم حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا ۱۷
نصرتین الحارث
آنحضرتؐ کا معاند ۴۰۵
بادجوہر شہید مخالف ہونے کے آنحضرتؐ
کی راستبازی کی گواہی دیتا ہے ۲۹۸
نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ
غیاث الدین تغلق سے متعلق ایک واقعہ ۴۶
آپؐ اور آپؐ کے شاگردوں کا ایک واقعہ ۶۳

ابراہیم آپ کی شریعت کے پیرو تھے

۵۷۱۰۲۲۵

سارے نو سو سال عمر کی حقیقت

۶۰۱ قوم کو شعور اور سوچ بچار کی تلقین

۲۳۰ آپ کی مخالفت

۷۴ آپ کو بھی ہم وطنوں کی مخالفت کی وجہ

۵۷۸ سے اپنا مقام چھوڑنا پڑا

مخالفین کی ہلاکت اور آپ کی نجات

۶۳۱۰۲۲۱۰۴

نیلین نیف

رعیس دوم کے عہد میں مصر کا کابینہ عظم

۴۷۵

المان

و

ورق بن نوفل

آنحضرت کی پہلی وحی کی کیفیت سن کر

فرمانا اذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ

۵۶۲ آپ کو کہے واحد شخص تھے جو عبرانی تورات

کے بعض حصے عربی میں ترجمہ کرتے تھے

۶۶۳ وکٹوریہ (ملکہ)

حضرت یحییٰ موعود علیہ السلام کا آپ کو اسلام

کی تبلیغ کرنا

۱۱۶ ولید بن مغیرہ

آنحضرت کا معاند

۲۰۵ ونگٹن لارڈ

۳۶۴ ویرلو کی جنگ میں انجیز جرنیل

آپ پر فتویٰ کفر

۱۵۴ ایک بزرگ کتلاوت قرآن کا طریق

۵۲۴ آپ کی بیعت کے بعد کا ایک واقعہ

۳۲ آپ کے درس کے دوران ایک عورت

۱۰۶ پر جنون کا حملہ

آپ کے پاس ایک سید کا امداد کیلئے آنا

۲۰ ایک چور کا واقعہ

۱۳ ایک چور کو نصیحت کا واقعہ

۳۴۳ ایک قناعت پسند عورت کا ذکر

۱۰ آباء و اجداد کی تقلید کے بارے میں ایک

واقعہ کا بیان

۱۵۹ اپنی پیر پرست بہن کا واقعہ بیان فرماتا

۳۰۸ ہندوستان کے مشہور عالم تہذیب و نحو مولوی

خان ملک کا ذکر

۲۸۸ پیرت کو مانائی تلقین

۸۶ نور الدین کا ڈھسا (لاہوری)

۳۶۸ نوشیروان عادل

۱۷۲ نولڈ کے (زمین مستشرق)

۵۶۹۰۵۵۸ قرآن کریم کے غیر تبدیل ہونے کا اعتراف

۳۲۳ نور علیہ السلام

۲۶۲۱۲۰۲۱۱۰۱۸۳۱۰۶۱۰۱۵۱۰۸۳

۲۹۱۰۳۵۸۰۲۵۰۰۲۹۶۱۲۵۰۲۷۲

۶۲۸۰۵۳۰

آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا جو دہنی تصور

۶۵ آپ شہرشی نبیوں میں سے پتے نبی میں

۶۰۱

وہیبری - ریورنڈ - انگریز مترجم قرآن

۵۶۹، ۵۵۸، ۵۵۷، ۴۵۹، ۳۷۷، ۱

قرآن کی تصدیق ۴۶۸

قرآن کریم کی تفسیر لکھ کر اسلام کو بدنام

کرنے کی کوشش ۳۰۰

ہمان کے بارہ میں غلط موقف ۴۷۰، ۴۷۲

وہیبرسم - قیصر جرمنی

خصوصی باڈی گارڈ دستہ ۴۶۳

۵

ہاتور (مصر دیوتا) ۴۷۵

ہاجرہ - علیہا السلام

آپ کو مذہبی نہیں بلکہ مصر کے شاہی

خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ۴۹۵

حضرت ابراہیم کا آپ کو داؤنی خیر ذی نفع

میں چھوڑ آنا ۶۰۳

آپ کے مصری ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ

کا مصریوں سے حسن سلوک کی نصیحت فرماتا ۳۸۴

ہمارا

حضرت ابراہیمؑ کے معالیٰ ۱۵۶

ماروت و ماروت

حقیقت ۵۷۹

ہماروں علیہا السلام

۵۳۳، ۵۱۵، ۵۱۴، ۴۳۶، ۱۵۰، ۱۰۰، ۳۱۲

آپ کی بعثت حضرت موسیٰؑ کی دعا کا

نتیجہ ۵۰۰

حضرت موسیٰؑ کی طرف سے ہارونؑ کو دعا کا

بنائے جانے کی درخواست ۵۰۰، ۴۶۳

حضرت موسیٰؑ کے نائب ۹۱۳۵

مناہین کی طرف سے آپؐ پر جادوگر

ہونے کا الزام ۵۱۷، ۴۶۴

بائبل کا آپؐ پر شرک کا الزام اور قرآن کریم

کا آپؐ کو بڑی قرار دینا ۴۳۵، ۴۳۰، ۲۰۲

ہارون الرشید (عباسی خلیفہ)

امام موسیٰ رضاؑ کو قید کرنے کے بعد ایک

خواب دیکھنا ۴۶

ہا نہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہؓ کی ہمشرہ ۲۰

ہامان ۶۳۶، ۴۶۱، ۴۶۰، ۴۶۰، ۴۶۰، ۴۶۰، ۴۶۰، ۴۶۰

۶۳۶

مستشرقین کا اعتراض کہ ہمان فرعون

موسیٰ کا ہم عصر نہیں تھا ۴۷۲

شخصیت کے متعلق تاریخی تحقیق ۴۷۲

فرعون کا اسے قتل قہر کرنے کا حکم دینا ۵۰۵

ہمان کو مصر میں فوجی اقتدار حاصل تھا اور

قلعوں وغیرہ کی تعمیر اس کے سپرد تھی ۴۷۳

ہامان

دو ایرانی بادشاہ انسویرس کا وزیر (بائبل) ۴۷۲

ہصل ۶ ب دیوتا ۲۰۹، ۲۰۹

ہشلر (جرمنی) ۱۶۴

حج ۲۰۸

یعقوب علیہ السلام ۶۱۹۰۵۷۲۰۱۸۳
 یوسفؑ کی خوشبو آنا ۲۸۸
 آپؑ کی پیدائش کی بشارت ۶۲۳
 اولاد کو اللہ کی عبادت کی تلقین ۱۹۵
 یعقوب (ابن مریم)
 حضرت عیسیٰؑ کے بھائی ۹۹
 یوسف علیہ السلام ۲۸۸، ۱۲۴
 اہل مکہ کا آنحضرتؐ سے یوسفؑ والے
 سلوک کی درخواست کرنا ۳۰۷
 آنحضرتؐ کا اہل مکہ سے یوسفؑ والا سلوک ۲۵۷
 یوسفؑ بخار حضرت مریمؑ کے خاوند ۳۳۸، ۳۰
 یوسف (ابن مریم)
 حضرت عیسیٰؑ کے ایک بھائی ۹۹
 یونس علیہ السلام (یوناہ) ۶۰۱، ۶۷، ۶۶
 یہودا (ابن مریم)
 حضرت یحییٰؑ کے ایک بھائی ۹۹
 یہودا الاسکر یوطی (حواری مسیح)
 تیس درہم کے عوض حضرت عیسیٰؑ کو پکڑ دانا ۶۳۳
 یثرد
 بائبل کی دوت حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کے خضہ کا نام ۵۰۰، ۴۹۸، ۴۹۲، ۴۹۱

بشر ازیم ۱۲۳
 ہمد
 حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام ۲۷۳
 ہمد
 حضرت سلیمانؑ کے ایک لشکر کا سردار
 ۳۷۰، ۳۱۳
 اس نام کی تحقیق ۳۷۰، ۳۷۳
 ہرقل قیصر روم
 ابوسفیانؑ سے آنحضرتؐ کے متعلق سفید ۲۹
 ہلاکو خان ۱۷۲
 ہندہ رضی اللہ عنہا
 فتح مکہ کے موقع پر ہندہ کی بیعت ۵۶۰
 ہود علیہ السلام
 ۶۳۱، ۴۹۱، ۲۹۶، ۲۷۳، ۲۲۸، ۲۲۵، ۴
 قوم عاد کا آپؑ کو جھٹلانا ۲۳۶، ۲۲۲
 ی
 یحییٰ علیہ السلام ۳۰۰، ۱۸۳
 یحییٰ بن سلام ۵۶۹
 یسعیاہ علیہ السلام
 آنحضرتؐ اور قرآن کریم کے متعلق آپؑ کی
 ایک پیشگوئی ۵۶۱، ۲۶۹



مقامات

۲۱۹ امریکہ کی دریافت

شمالی ریاستوں کی جنوبی ریاستوں پر

فتح اور ابراہام لنکن کا غزوہ درگزر ۳۸۲

۲۲۰ عظیم الشان طاقت

۲۲۷ تجارتی دیانت

اسد و شراب نوشی کا قانون اور اس

کی تنبیہ ۲۰۶، ۵۵۵

۱۳۵ یہود کی حمایت

۳۹ اسرائیل کی آباد کاری میں مدد

فلسطین میں یہود کی حمایت کر کے

۵۹۵ امریکین قوم نے سخت غلطی کی ہے

ہماری طرف سے اسلام قبول کرنا چاہیے

۵۵۵ کا انتظار

اپنی ہر قسم کی ترقی کے باوجود اسلام

۴۱۰ سے شست کھائے گا

۳۴۸ امریکہ (جنوبی)

۴۲۷ اناطولیہ

۴۲۷ انڈونیشیا

۹۷ توبہ فیصد سمن آبادی

۲

۴۰۱ آرمینیا

۳۰۱ ابرقہ

۲۰۰ ۵۵ اٹلی

ابے سینیا پر قبضہ کے بعد مظالم

۳۸۱ ارتکاب

اسرائیل

قرآن کریم کی رو سے اسرائیل کا مستقبل ۵۹۵

۳۴۹ اسلام آباد (کشمیر)

۴۰۲، ۲۴۰، ۱۹۵، ۹۸

۴۰۲ مغربی افریقہ میں بزرگوں کی جینٹو

مشہور تھی کہ جب سفید رنگ دار مسیح

پہنچے گا تو پھر بہت ترقی ہوگی ۸۲

افغانستان ۱۹۹، ۱۹۹، ۱۹۹

۳۳۲

۴۴۱، ۷۸ امرتسر (بھارت)

۱۱۸ پادری عبداللہ آفتم کا خوفزدہ ہونا

۴۵۱، ۱۹۵، ۲۰۰، ۹۷، ۷۳ امریکہ

۴۴۸، ۳۲۰، ۲۰۰، ۱۰۰

| | |
|----------|---|
| ۸۷ | مولوی محمد حسین کا لوگوں کو قادیان جانے سے منع کرنا |
| | بحرین |
| | آنحضرتؐ کے عہد میں بحرین کے بادشاہ |
| ۳۳۵ | کا مسلمان ہونا |
| ۴۸۷ | بحیرہ احمر |
| ۳۵۳ | فرعون کی غرقابی |
| ۱۲۵ | بحیرہ قلزم |
| ۱۱۰ | فرعون کا غرق ہونا |
| | بدر |
| ۱۳۱ | آنحضرتؐ کا شکرے کو تمام بندھے آنا |
| ۲۳۶ | قریش کی عظمت کا خاتمہ |
| ۹۷ | برازیل |
| ۹۸، ۴۳ | برما |
| ۳۹۹، ۲۲۹ | بصری (شام) |
| ۲۴۵ | بغداد |
| ۲۲۳ | ایک پیغمبر کی انتظار |
| ۱۳ | بلجیم |
| | بلوچستان |
| ۱۶۵ | پینے کے پانی کی کمی |
| ۴۴۵ | بمبئی (بھارت) |
| ۲۴۵ | تجارتی بددیانتی |
| | بنگلہ |
| | غیاث الدین تغلق کی بنگال پر |
| ۳۶ | چڑھائی |

| | |
|-----------------------|--|
| ۶۸۶ | انگلستان |
| ۴۲۸ | نہولین پر فتح |
| | ۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعودؑ کی |
| ۵۸ | انگلستان سے واپسی |
| | اور (عراق) |
| ۱۵۳ | حضرت ابراہیم اور نوط کا وطن |
| ۶۲۳، ۲۳۶ | |
| ۴۲۷، ۹۸ | ایبے سینیا (جیشہ) |
| ۳۸۱ | اٹلی کا قبضہ اور مظالم |
| ۳۰۵، ۲۸۷، ۲۶۱، ۹۸، ۴۲ | ایران |
| ۶۰۸، ۶۰۷ | |
| | ایران پر مسلمانوں کا حملہ اور کسریٰ کا |
| ۳۹۲ | رشوت کی پیشکش کرنا |
| ۹۸ | ایشیا |
| ۲۴۷ | تجارتی بددیانتی |
| | ب |
| | بابل |
| ۲۲۳ | بابلی تہذیب کی بانی قوم عادیتی |
| ۲۲۴ | بابلی قوم کی حیرت انگیز مادی ترقی |
| | سائرس شاہ فارس کا بابل کو فتح کر کے |
| ۵۷۸ | بنی اسرائیل کو آزاد کرنا |
| | باہرہ |
| | ضامن شاہ الہر کا خصوصی باڈی گارڈ دستہ |
| ۳۶۴ | باہرہ کے سیدوں پر مشتمل تھا |
| ۴۴۱ | بٹالہ (بھارت) |

ج

- ۶۲۸، ۹۷ جاپان
 ۳۶۸ جبرین (شام)
 ۱۲۶ جبل ثور
 جبل زیتون
 حضرت عیسیٰ کے ذریعہ اللہ کا جبل زیتون
 سے ظہور ۲۵۶
 جحیم (گہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام)
 بعض روایات کے مطابق یہاں سورہ
 قصص کی آیت اِنَّا اَلْاَسْزٰی فَرَضَ عَلَیْكَ
 اَنْقُرَانَ نازل ہوئی تھی ۲۵۹
 جبرنی ۳۶۳، ۱۹۵
 نپولین کے عہد کا جرمنی ۲۲۸
 ۱۹۱۸ء میں انگریزوں پر حملہ ۶۸۶
 تجارتی دیانت ۲۲۷
 جہلم (دریا)
 منبع پر اس کی حیثیت ۲۵۱
 بودی
 حضرت نوح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا
 بودی سے ظہور ۲۵۶
 چچ
 چتوڑ (بھارت)
 اکبر کا قلعہ چتوڑ فتح کرنا ۳۶۴
 چلڈیا (کلدیہ)
 حضرت ابراہیم کے مہک کا نام ۱۵۳، ۱۵۶

۹۷

بولیویا

- بھارت (انڈین یونین)
 پچیس تیس فیصد مسلمان آبادی ۹۷
 بھیرہ (پنجاب) ۱۵۴، ۱۰۸
 بیت المقدس
 بخت نصر کا بیت المقدس کو ڈھانا ۱۲۰
 بیروت
 ایک پیغمبر کی انتظار ۲۲۳
 پنجاب ۶۲۰، ۶۳۲، ۳۵۵، ۲۵۱، ۱۰۷
 حضرت یحییٰ بن یوسف کی طرف سے
 پنجاب میں طاہون پھیلنے کی پیشگوئی ۲۲۵
 ۲۲۶
 پورٹ سعید (مصر) ۲۸۳
 ت
 تہوک ۲۲۹
 ترکی ۲۲۷
 تہامہ ۳۹۹
 تھیس (مصر) ۲۷۲
 ط
 ٹانمانگر (بھارت) ۲۲۱
 ش
 ثور (جبل) ۱۲۶
 ثور (غار)
 انارازا رقبہ اور کیفیت ۵۵۹

ایک پیغمبر کی انتظار ۲۲۳

دہلی (بھارت) ۲۰۶، ۲۸۴، ۳۴۹

نظام الدین اولیاء کا فرمانا تہنوز دی

دوراست ۳۶

مرزا مظہر جان جاناں کا تذکرہ ۱۸

شاہان مغلیہ کی اولاد کا حال ۲۶

مغلیہ خاندان کے ایک شخص کی قابلِ رحم

حالت ۳۸۴

دیوبند (بھارت)

دیوبند کے دو طالب علموں کی حضرت

مصلح موعود سے گفتگو ۶۴۰

د

ڈلہوڑی (بھارت) ۱۹۴

ر

ریلوہ (پاکستان) ۶۷۴

رنگون (برما)

ایک بھائی کا کتاب شائع کرنا ۶۷۰

روس ۴۰۲، ۴۲۷، ۴۵۱، ۶۰۱، ۶۰۷

روس کے بادشاہ پیٹر اور ٹالسٹے

کا واقعہ ۵۸۷

نیپولین کی شکست ۴۲۸

اپنی تہذیب کے ہمیشہ رہنے کا خیال ۲۲۳

روم ۲۸۷، ۶۰۸، ۶۵۶

ابتدائی مسیحیوں کا یہاں پناہ

لینا ۵۷۸

۹۷

۴۲، ۴۰۲، ۴۲۷، ۴۲۸

ح

حبشہ (ایبے سینیا) ۲۸۷، ۲۶۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو حبشہ

کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ۶۷۵

عثمان بن مظعون کا ہجرت حبشہ کا ارادہ ۴۰۰

صحابہ کو حبشہ کی عیسائی حکومت کا

پناہ دینا ۱۰۳

عکرمہ کا حبشہ بھاگ جانے کی کوشش ۴۶

حجاز ۳۶۸، ۳۹۹

حجر

قوم ثمود کا دار الحکومت ۳۹۹، ۲۲۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو

یہاں رکنے سے منع فرمانا ۵۰۷

خوزرب (رکھ)، (محلے سینا) ۵۰۰

بائبل کی رو سے موسیٰ پر پہلی تہذیبی ظاہر

ہونے کا مقام ۵۱۰

حیدر آباد دکن (بھارت) ۲۸۴

خ

خلیج عقبہ ۴۳۷، ۴۸۷

د

دمشق (شام) ۳۷۸، ۳۷۱

حضرت بلالؓ کے اذان دینے پر وقت آئینہ

منظر ۲۶۲

ز

زمزم

حضرت عبدالمطلب کا چاہ زمزم تلاش

کرنا

۲۹۱

س

سالم

ملک صدق سالم کا ملک

۶۲۳

ساہرس (قبرص)

ابتدائی مسیحیوں کا یہاں پناہ لینا

۵۷۸

سبا

ملکہ سبا اور حضرت سلیمان

۳۷۵

حضرت سلیمان کا یہاں کی ملکہ کو

۳۱۴

خط بھیجنا

سپین

۴۰۲, ۲۱۹

سدوم

حضرت لوط کا مسکن

۶۲۲, ۲۳۶

سرگودھا (پاکستان)

۱۹۳

سلسلی

۴۰۲

(پاکستان)

حضرت مصلح موعود کا سفر سندھ

۵۴۸

حضرت مصلح موعود کی ایک بندہ سے

۷۰۹

مذہبی گفتگو

۱۷۵

پینے کے پانی کی کمی

سینعار (بیبیلونیا)

۵۰۶

سیالکوٹ (پاکستان)

۱۶۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رہائش گاہ

کا بجلی گرنے سے بچنے کا واقعہ

۶۱۵

مکان کا شتمیر ٹوٹنے سے پہلے آپ کو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلع کیا جانا

۶۱۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا

سفر سیالکوٹ اور لوگوں کی مخالفت

۵۸۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سیالکوٹ

میں سیکچر

۴۴۰

سینا

۵۴۳, ۵۱۶, ۳۷۸, ۳۶۸

خداوند سینا سے آیا

۵۶۲

موسیٰ کے ذریعہ اللہ کا سینا سے ظہور

۴۵۶

قرآن کریم کی رُوسے موسیٰ پر پہلی

تجلی دشت سینا کے مغرب میں

جوئی

۵۱۰

ش

شام

۲۱۸, ۲۱۲, ۵۰, ۹۲, ۴۲, ۳

۳۳۵, ۲۸۷, ۲۶۲, ۲۹۰, ۲۲۹

۴۰۸, ۴۲۷, ۳۹۹, ۳۶۸, ۳۵۲

لوط کی ابراہیم کے ساتھ شام کی طرف

ہجرت

۷۲۳

بخت نصر کے باغیوں کا تباہی

۵۷۸

ابوسفیان کا تجلیاتی قاف

۱۳۰

شعب ابی طالب

اہل مکہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کے خاندان کو اس وادی میں

محصور کرنا ۲۸۰، ۶۵

حضرت خدیجہؓ کا تین سال تک قیام ۲۶

شعبیر

(خداوند شعبیر سے ان پر طلوع ہوا ۵۶۲

شمسہ (بجارت) ۳۳۶

ص

صفا (کوہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہ صفا پر

اپنے اقرباء کو بلانا ۲۸۰

صقلیہ (نیز دیکھئے سسل)

ابتدائی مسیحوں کو مقررے بھاگ کر

یہاں پناہ لینی پڑی ۵۷۸

ط

طائف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف میں تبلیغ

فرمانا اور وہاں کے لوگوں کا آپ سے

سلوک ۶۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف پر

سروہیم میور کا شاندار خراج عقیدت ۶۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشفی نظارہ

دکھایا جانا ۶۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ کی شہریت

سے دستبردار ہو کر طائف جانا ۶۵۸

طور سینا

۲۳۵، ۶۶۰

حضرت موسیٰ کا طور پر آگ دیکھنا اور

آپ پر الہام کا نزول ۲۶۲، ۲۹۹

حضرت موسیٰ کو طور کی مغربی جانب

رسالت عطا کی گئی ۲۶۳

اس مقام پر موسیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت کی پیشگوئی فرمائی ۵۱۲، ۵۱۵

طہران (تہران)

ایک پیغمبر کی انتظار ۲۲۳

ع

عدن

۲۲۹، ۳۹۹

یہاں کے نواح میں عاد قوم کی تعمیر کردہ

عمارات ۲۲۴

حضرت مصلح موعودؑ کا یہاں عادِ اولیٰ

کے آثار دیکھنا ۶۲۸

عراق

۹۲، ۲۳۶، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۳

حضرت ابراہیمؑ کا وطن مالوف ۵۷۸

حضرت عمرؓ کا ساریہ کے لشکر کی کشف

میں راہنمائی فرمانا ۱۱۴

عرب

۱۹۹، ۲۴۹، ۲۸۷، ۶۰۸

جغرافیائی حیثیت ۲۶۰

عرب کی بابت یسعیاہ کا الہام ۵۶۱

قرآنِ کریم کے ذریعہ روحانی انقلاب ۱۳۸

عرب کا شریف دشمن ۶۵۸

عرب کے غیر آباد علاقوں میں احمدیوں

کوسانے کی تلقین

۱۹۵

۳۶۸

عسقلان

۴۸۴، ۲۳۷

عقبة (خلیج)

۴۰۱

عکاز (حجاز)

۶۴۸

علی گڑھ (بھارت)

عمورہ

حضرت لوط کے شہر سدوم کے ساتھ کا

۶۲۳

ایک شہر

غ

۱۴۶

غار ثور

۳۶۸

غزہ (فلسطین)

ف

فاران

فاران سے ظاہر ہونے والے موعود کے

۵۶۲

متعلق حضرت موسیٰ کی پیشگوئی

۵۷۹، ۵۷۸

فارس (نیز دیکھئے ایران)

۶۸۶، ۲۲۰، ۱۳

فرانس

۶۰۷، ۹۷

فلپائن

۲۶۱، ۲۳۶، ۱۴۶، ۱۳۵، ۹۸

فلسطین

۳۶۸

حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کا

۶۳۳، ۵۷۸

ہجرت کر کے یہاں آنا

۵۷۸

بخت نصر کے ہاتھوں تباہی

فلسطین سے مین جانے والے راستے پر

۳۷۴

عرب آبادیاں

زبور میں فلسطین کی بادشاہت صالحین

۵۹۴

کو دیئے جانے کا وعدہ

قرآن کریم کی رو سے مسلمانوں سے فلسطین

کا چین جانا عارضی ہے۔ ان کی موجودہ

پسپائی فتح سے بدل جائیگی انشاء اللہ ۵۹۵

۳۹

موجودہ آبادی

فیروز پور (بھارت)

عبداللہ اہم کا خوفزدہ ہو کر فیروز پور

۱۱۸

جانا

ق

قادیان (بھارت) ۱۲۳، ۸۷، ۷۱، ۸۶، ۸۷

۲۸۹، ۲۲۰، ۲۲۱

پادری زومیر کی آمد اور حضرت یحییٰ موعودؑ

۸۹

سے گفتگو

۲۸۳

قاہرہ (مصر)

۵۰۸

فرعون کی لاش کا محفوظ ہونا

۴۲۳

ایک سیخیر کی انتظار

قبرص (سائپرس)

ابتدائی سیخیموں کا یہاں پناہ گزین ہونا ۵۷۸

ک

کابل (افغانستان)

جماعت احمدیہ کے بعض افراد کی کابل

۵۸۱

میں شہادت

۱۹۸

کیورکھتلہ (بھارت)

بنی اسرائیل کا اس ملک کو فتح کرنا ۳۵۲
کوفہ

حضرت عمرؓ کا کوفہ کے گورنر باربار بدلتا ۲۱۷

ابن ابی سیلی کا بحیثیت گورنر تقرر ۲۱۸

کولمبیا ۹۷

کھجیار (بھارت)

ڈہلوی کے قریب ایک جگہ کا نام ۱۹۴

کینیڈا ۹۷

کیوبا ۹۷

گ

گجرات (پاکستان) ۳۲

گوالیار (بھارت)

جہانگیر کا حضرت سید احمد سرہندی کو

گوالیار میں قید رکھنا ۱۳۴

گورداسپور (بھارت) ۸۶

گولیسکی (ضلع گجرات پاکستان) ۳۲

گوئی (صحر)

جماعت کو متفقین کروہ — ۱۹۵

ل

لاہور (پاکستان) ۱۱۶، ۳۸۸، ۳۸۹، ۴۰۰

رنجیت سنگھ کی وفات پر ماتم ۱۷۲

میڈیکل کالج کے ایک دہریہ طالب علم کا

واقعہ ۶۸۶

لبنان ۲۵۷

لدھیانہ (بھارت) ۳۳۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے

ریاست میں ملازمت کا انتظام ۱۰۲

مسجد کے مقدمہ کے سلسلہ میں ایک نشان

کا ظہور ۲۷

کر بلا

کر بلائیت سیر ہر آنم (مسیح موعود) ۵۸۴

کرناک (مصر) ۴۷۵

کشمیر ۶۳۲، ۳۶۸، ۲۴۶

حضرت عیسیٰؑ کا ہجرت کر کے یہاں آنا ۵۷۸

چاندی کے کام کی تجارت ۲۴۷

کعبہ

توحید باری کے ثبوت میں خانہ کعبہ کا

وجود ۶۸۷

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ

کی دعا ۱۹۶

خانہ کعبہ کی ابرہہ کے حملہ سے حفاظت ۵۲۶

بیت اللہ کے ذریعہ دنیا میں عظیم انقلاب ۶۸۹

تمام دنیا کے اتحاد کا نقطہ مرکزی ۶۸۹

بین الاقوامی امن کے قیام کے لئے بیت اللہ

کی تعمیر ۶۸۸، ۵۳

کلنتہ (بھارت) ۱۴۲

کنعان ۵۴۴، ۳۸

ابراہیمؑ اور لوطؑ کا ہجرت کر کے آنا ۶۲۳، ۱۵۶

بنی اسرائیل کو ملک کنعان دیئے جانے

کا وعدہ ۱۳۰، ۲۰

عبداللہ اہل قہم کی دہشت زدگی
لکھنؤ (بجارت)

حضرت مصلح موعودؑ کا لکھنؤ آنا اور ایک

مخالف مولوی عبدالکیم کا ذکر

لندن (انگلستان)

بیماری کے علاج کے سلسلہ میں حضرت

مصلح موعودؑ کا لندن جانا

ایک بغیر کی انتظار

م

مدینہ (مدینہ)

محل وقوع

قوم شعیب کا شہر

اہل مدینہ کی طرف حضرت شعیب کی

بعثت

حضرت موسیٰ کا مصر سے مدینہ آنا

موسیٰ کا مدینہ سے مصر جاتے ہوئے آگ

دیکھنا

مصر سے نکلنے کے بعد موسیٰ بنی اسرائیل

کے ساتھ لمبا عرصہ مدینہ میں رہے

مدینہ منورہ

۲۲۹، ۲۱۶، ۱۳۸، ۱۳۰، ۸۲

۶۷۲، ۳۲۹، ۳۳۴، ۲۵۹، ۵۱۲، ۶۷۲

۷۰۴

تیمابن اسماعیل کی اولاد مدینہ میں

آباد تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کو ہجرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر موجودگی

میں حضرت علیؑ کو مدینہ کا سربراہ مقرر فرمایا

جلادین یہود کی سازشیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شہر

میں کھراڑ

تقیہ بنی ساعدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی وفات پر انصار و مہاجرین کو

حضرت ابوبکرؓ کا قائل کرنا

مسجد اقصیٰ (فلسطین)

مصر ۳، ۲، ۸۲، ۹۴، ۹۶، ۱۱۰، ۱۳۷

۱۹۹، ۲۴۹، ۳۵۷، ۴۲۷، ۵۰۰

۵۱۱، ۶۰۸، ۶۲۹

فراعنہ کے زمانہ میں دنیا کا تمدن ملک

تھا

قدیم مصر کی تاریخ میں ہرمان کی شخصیت

کا سراغ

بنی اسرائیل کی ہجرت

مصر سے نکلنے ہوئے بنی اسرائیل کی تعداد

مصر کے عجائب گھر میں ذوقون موسیٰ کی

لاش

ابتدائی مسیحیوں کو -وم سے بھاگ کر

مصر میں پناہ لینی پڑی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہؓ کو اہل مصر

سے حسن سلوک کی نصیحت

حضرت مصلح موعودؑ کی خواہش تھی کہ مصر میں

عربی کی تعلیم حاصل کریں ۲۸۳

مکہ مکرمہ ۲۲، ۸۲، ۱۳۰، ۱۳۱، ۲۱۴، ۲۴۲

۲۹۱، ۲۹۴، ۳۱۸، ۴۲۸، ۴۵۹، ۵۱۲

۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۹، ۶۰۱، ۶۳۳

مکہ کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے

رکھی گئی ہے ۴۰۲

حضرت اسماعیلؑ کے ذریعہ مکہ کی آبادی ۴۳۷

حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا مکہ

سے ظہور ۴۵۶

بے آب و گیاہ جنگل میں آباد شہر اللہ تعالیٰ

کا ایک نشان ہے ۵۲۶

اہل مکہ کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا ۸۰

مکہ کے پُر امن شہر بننے کے لئے حضرت ابراہیمؑ

کی دعا ۶۸۷

اہل مکہ پر خدا تعالیٰ کا خاص احسان ۵۷۵

حدود حرم میں ہونے کی وجہ سے اہل مکہ

کے امن کا جیتا ہونا ۶۸۷

اللہ نے مکہ کو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے

حرم قرار دیا ہے ۵۲۶، ۴۶۴

اہل مکہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظالم ۶۴

دارالندوہ میں کفار مکہ کی سازش ۴۰۵

اہل مکہ کی ایک خدا کے تقصیر پر حیرانی ۷۳

صحابہؓ کا مکہ کی یاد میں رونا ۶۷۴

فتح مکہ کے متعلق حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی ۵۶۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت

اور باہراد واپس لوٹنے کے متعلق قرآن کریم

کی پیشگوئیاں ۵۵۸، ۵۵۷

فتح مکہ کا بغتاً وقوع میں آنا ۶۷۱، ۶۷۳

فتح مکہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

اہل مکہ سے حضرت یوسفؑ والا سلوک ۲۵۷، ۱۴۴

فتح مکہ کے بعد بھی کافر کو مکہ میں رہنے

کی اجازت ۴۶

قوم لوط کے واقعہ میں کفار مکہ کو ہزنش ۲۳۶

کفار مکہ پر قوم لوط کے عذاب سے مشابہ

عذاب ۴۰۹

اہل مکہ پر دو عذاب ۴۰۵

فتح مکہ کے موقع پر اہل مکہ کی شرمندگی ۴۰۷

حضرت عمرؓ کا اپنی مجلس میں رؤساء مکہ

کی اولاد کو پیچھے ہٹانے کے نو مسلم غلاموں

کی عزت افزائی فرمانا ۲۱۱

گذشتہ صدی میں ایک پیغمبر کی انتظار ۴۲۳

منٹگمری (ساہیوال) پاکستان ۱۹۳

موآب

مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کا

یہاں خمیر زن ہونا ۵۱۱

مید (میڈیا) ۵۷۹، ۵۷۸

میکسیکو ۹۷

ن

ناروے ۱۸۲

- ۷۲ پان کی مادت
۳۸۲ انگریزوں کا قبضہ اور مظالم
انگریز کی حکومت میں ہندوستانی افسروں
کے تقرر کا مقصد
۵۵۲ یہاں آنے والے محمدین کی اہمیت
۱۹۹ غیر آباد علاقوں میں احمدیوں کو بٹانے
کی تلقین
۱۹۵

ی

- ۳۹ یرون (دبیا)
۴۷ یروک
۳۶۸ یروشلم
۵۶۱ یمن
فلسطین سے یمن جانے والے راستے پر
۳۷۴ عربوں کی آبادیاں
۳۶۸ حضرت سلیمانؑ کا سفر یمن
یمن کے گورنر ابراہیم کا بیت اللہ مسمار
کرنے کا ارادہ
۴۲۷ کسریٰ کا گورنر یمن کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دینا
۳۶، ۳۵ یورپ ۷۳، ۷۴، ۹۸، ۲۴۷، ۲۴۷، ۲۴۷
۴۲۰، ۴۵۲
ترقی کا راز
۲۱۸، ۲۱۷
صنعتی ترقی
۶۳۹
غذ کی خرید و فروخت کے اصول
۵۴۰
یورپین تاریخ میں مفتوحہ زمینیں سلوک

ناصرہ (فلسطین)

- ۹۰ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کا گاؤں
۱۸۲ نیپال
۶۷، ۶۶ نینوہ
سائرس شاہ فارس کا نینوہ کی حکومت
کو تباہ کرنا
۵۷۹

و

- واٹر لو (انگلستان)
۳۶۴ پولین کی شکست
واوی القمل
۳۶۸ معلق وقوع
۳۶۶ حضرت سلیمانؑ کا یہاں سے گزرنا
واشنگٹن - امریکہ
۴۲۳ ایک پیغمبر کی انتظار
۵۹ وینس (اٹلی)

ہ

- ہندوستان
۱۹۹، ۱۸۲، ۱۳۷، ۴۲
۲۱۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۶۳
۴۲۰، ۶۰۸، ۴۲۷
ہندوستان کے ایک راجہ کو شوقِ قمر کا
معجزہ نظر آنا
۱۱۱
شوجی کے سندر زیادہ تعداد میں ہونے کی
وجہ
۱۷۵
شوروں کی معاشرتی محرومیاں
۳۳۳
ہندوستان میں طاغون
۴۴۶

| | | | |
|-----|-------------------------------------|--------------|--|
| ۳۸۲ | کی واحد مثال | ۲۸۶ | مادہ پرست یورپ کا مشکل اوقات میں |
| ۲۲۳ | اپنی تہذیب کے دائمی ہونے کا زعم | ۲۸۶ | خدا تعالیٰ کی طرف رجوع |
| ۲۰۶ | شراب کی کثرت | | یورپ کی ریڈرز میں مسلمان قاضی ابن |
| | اسلام کو قبول کرنے میں سب سے بڑی | ۲۱۷ | ابی سیلی کا ذکر |
| ۵۹۶ | رکاوٹ | | شہر میں حضرت مصلح موعودؑ کا بغرض علاج |
| ۲۰۳ | اہل یورپ کا احساس کمتری | ۲۵۹ | جنا اور ایک کالج میں اسلام پر لیکچر |
| | اپنی ہر قسم کی ترقی کے باوجود اسلام | | یورپ کو ایشیائی طریق کا مسلمان بنانا |
| ۶۸۰ | سے شکست کھائے گا | ۶۷۹ | مشکل ہو گا |
| | احرار یورپ کے مزاج میں تبدیلی اور | ۴۳، ۲۶۱، ۴۲۷ | یونان |
| ۲۰۷ | مذہب کی طرف رجحان | | دو یونانی باشندوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم |
| ۲۲۴ | حضرت مصلح موعودؑ کا سفر یورپ | ۲۶۲ | پر ایمان لانا |

حَلُّ اللُّغَاتِ

| | | | |
|----------------------------|---------|-----------------------------|-------------------------------|
| تَكُنْ أَكُنْ ٥٣٢/٢٣٢ | (ب) | أَشْرَقَ يَشْرِقُ ١٢٥ | (١) |
| تَلَقَّفَ تَلَقَّفَ ١٣٨ | ٥ | أَصْدَرَ يَصْدِرُ ٢٨٨ | أَنَسَ يَأْنِسُ ٣٢٥/ |
| تَلَقَّى يَتَلَقَّى ٢٢٢ | ٧٠ | إِضْطَلَّ يَضْطَلُّ ٢٩٩/٢٢٥ | ٢٩٩ |
| تَنَجَّثُونَ نَجَثَ ٢٢٩ | ٢٠٥ | أَضَامَ مَضَمٌ ١٥٢ | أَبَانَ يَبِينُ ٣٨/٥ |
| تَنَوَّهَ نَوَاهُ ٥٢١ | ٥٢٤ | إِطْبَرْنَا ٣٩٨ | أَخْفَضَ ٢٤٨ |
| تَهْتَرِ أَهْتَرًا ٢٩٩/٣٢٩ | ٢٢٣ | الْأَعْجَمَ ٢٤٢ | إِذْرَكَ ٢٣١ |
| (ث) | ٢١١ | أَعْنَقُ مَعْنَقٌ ٧٩ | أَذَرَهُ يَذَرُهُ ٥٢٢ |
| ثَاوِيَا ٥٠٩ | ٢٠٣ | أَفَاكَ ٢٩٤ | أَرْجَاهُ ١٣٣ |
| ثُعْبَانٌ ١١٠ | (ت) | أَكُنْ يَكُنْ ٥٣٢/٢٣٢ | أَزَلَّتْ يَزِلُّ ١٢٩ |
| (ج) | ٥٢٤ | إِنْقَطَعَ يَلْقَطُ ٢٤٨ | أُذِلَّتْ ٢٠٥ |
| أَلْبَانٌ ٢٩٩/٣٢٩/١١٩ | ٢٨٨ | إِنْصَرَفَ يَنْصَرِفُ ٥٥٢ | أَسَاطِيرُ أَسْطُورَةٌ ٢٣٢ |
| جَبَّارٌ جَبَّارُونَ ٢٨٥ | ٢٨٥ | إِنْصَرَدَا ٣٠١ | إِسْتَبَانَ يَسْتَبِينُ ٣٨ |
| ٢٨٥/٢٢٣ | ٢٩٩ | أَنْظَرَ يَنْظُرُ ٢٤٢ | إِسْتَصْرَمَ يَسْتَصْرِمُ ٢٨٥ |
| جِبِلَّةٌ ٢٥٠ | ٢٢٢ | إِنْغَلَقَ يَنْغَلِقُ ١٢٨ | إِسْتَيْقَنَتْ ٣٥١ |
| جَبِي يَجْبِي ٥٢٧ | ٢٩٨ | إِهْتَرِ يَهْتَرُ ٢٩٩/٣٢٩ | أَشْرَ ١٢١ |
| الْجَحِيمُ ٢٠٥ | ٢٩٨ | أُذِرَ يُذِرُ ٣٥٨ | أَشَدُّ ٢٨١ |
| جَذْوَةٌ ٢٩٩ | ٢٩٨ | أَوْزَعِي ٣٦٥ | |
| جَنُّ ٣٦٢ | ٢٩١/٢٤٨ | أَلَا يَكُلُهُ ٢٣٤ | |
| جُنُودٌ جُنْدٌ ٢٠٧ | ٢٢٢ | | |

| (ح) | الَّذِينَ ١٤٤/١٧٠ | سَلِيمٌ ١٨٠ | (ع) |
|-------------------------|----------------------------------|------------------------|-------------------------|
| حَاجِزٌ ٢١٥ | (ذ) | سَوَى يَسْوَى ٢٠٧ | عَاكِفَيْنِ ١٥٣ |
| حَاجِجٌ ٢٩٠ | ذَاذٌ يَذُودُ ٢٨٨ | (ش) | عَبَثَ يَبْثُ ٢٢٢ |
| حَدَائِقُ ٢١١ | ذَبَابٌ يَذْبَابُ ٢٤٢ | شَاطِئٌ ٢٩٩ | عَجُوزٌ ٢٣٥ |
| حَذَرٌ يَحْذَرُ ٢٧٩ | ذَبَابٌ يَذْبَابُ ٢٤٠ | شَحَنٌ يَشْحَنُ ٢٢١ | عَرَبٌ ٢٧٩ |
| حَذِرُونَ ١٢١ | ذَنْبٌ ٨٠ | شِرْذِمَةٌ ١٢١ | عَرَبِيٌّ ٢٧٨ |
| حَطَمٌ يَحْطِمُ ٢٧٧/٢٧٥ | (ر) | شَهَابٌ ٢٢٥ | حَسَى ٥٣٣ |
| الْحَكْمُ ١٨١/١٤٩ | رَجَمَةٌ ٢٥٥ | شَيْطَانٌ ٢٨٣ | مَشِيرَةٌ ٢٤٨ |
| الْعِكْمَةُ ١٤٩ | رَجَمَ يَرْجِمُ ٢٢٠ | شَيْعَامٌ شَيْعَةٌ ٢٧٩ | الْعُمْرِيَّتُ ٢٩٢ |
| حَمِيمٌ ٢٠٧ | رَذُوٌّ ٢٩٩ | (ص) | مَقْرُودًا ٢٣٠ |
| حَيَّةٌ ١١٩ | رَزَقٌ ٥٢٣ | صَاغِرُونَ ٣٩١ | عَمَّةٌ يَعْمَهُ ٣٢٠ |
| (خ) | الرَّيَاءُ الرَّاغِبُ ٢٨٨ | الْقَبِيرُ ٥٢٢ | عَمُونَ عُمَى ٢٣١ |
| خَاصِعِينَ ٧٩ | رَوَاسِيٌّ رَاسِيَّةٌ ٢١٥ | الْقَصْرُ ٣٩٤ | عَمِيَّتٌ ٥٣٣ |
| خَاوِيَةٌ ٢٠٣ | رَهْطٌ ٢٠٣ | صَنْمَةٌ أَصْنَاهُ ١٥٢ | (ع) |
| الْخَبَبُ ٣٤٥ | رَيْعٌ ٢٢٢ | صَيْعَةٌ ٢٥٥ | خَابِرِينَ ٢٠٤/٢٣٥ |
| خَسَفَ فُلَانًا ٥٥٢ | (ز) | (ض) | خَائِبَةٌ ٢٣٥ |
| خَطْبُكُمَا ٢٨٨ | زُبُرٌ زُبُورٌ ٢٥٨ | ضَيْرٌ ١٣٨ | الْقَادُونَ ٢٠٧ |
| خَفَضَ يَخْفِضُ ٢٤٨ | زَوْجٌ ٤٤ | (ط) | غَفَرَ يَغْفِرُ ٢٨٢/١٤٤ |
| خِلَافٌ ١٣٨ | (س) | طَائِرُكُمْ ٣٩٨ | غَوَى ٢٨٥ |
| خَلَقَ مِنْ شَيْءٍ ٣٢٣ | سَخَرٌ يَسْخَرُ ٢٥٣ | طَرَفٌ ٢٩٢ | (ف) |
| الْخَيْرَةُ ٥٣٢ | السَّيْحَرُ ٥٠٣ | طَلَمٌ ٢٢٩ | فَإِيهَيْنِ ٢٢٩ |
| (ـ) | سَرَى يَسْرِى ١٢١ | الطُّودُ ١٢٨ | فَلَنَ يَفْنَى ٢٩٨/٢٩٧ |
| دَاخِرِينَ ٢٥٠ | سَلَكْنُهُ (سَلَكَ يَسْلُكُ) ٢٤٢ | (ظ) | فَزَقٌ ١٢٨ |
| دَمَرٌ يَدْمِرُ ٢٠٣ | | أَنْطَلَةٌ ٢٥٢ | فَزَعٌ يَفْزَعُ ٢٥٠ |
| | | ظَهِيرٌ ٢٨٢ | الْفَوَادُ ٢٨٠ |

| | | | |
|----------------------------|------------------------------------|------------------------|---------------------------|
| (۹) | مَفَاتِيحُ مَفَاتِيحُ وَمَفَاتِيحُ | كَلَّمَ يَكَلِّمُ ۲۲۲ | فِي ۳۲۸ |
| وَعَدُ ۵۳۰ | ۵۴۱ | كُنْ يَكُنْ ۲۳۲ | (ق) |
| وَكَزَّ يَكْزُ ۲۸۳ | الْمُتَّوِّحِينَ ۵۰۷ | كُنُوزٌ مَ كُنُزٌ | قَاطِعَةٌ ۳۸۱ |
| وَيْكُ ۵۵۲ | أَمَلًا ۳۷۷ | ۵۴۱/۱۴۵ | قَالَيْنِ ۲۳۳ |
| (ی) | مَنْطِقُ الطَّيْرِ ۳۵۲ | (ل) | قَبَحٌ يَقْبَحُ ۵۰۷ |
| يَرْقُبُ تَرْقَبُ ۲۸۵ | مُنْظَرُونَ ۲۷۳ | لَجَّةٌ ۳۹۶ | قَبَسٌ ۳۲۵ |
| يَجْبِي جَبَى ۵۲۶ | مِيقَاتُ ۱۳۳ | بِسَانٍ صِدْقٍ ۱۸۷/۱۸۰ | أَنْتَبَلُ ۳۹۱ |
| يَحْذَرُونَ حَذَرَ ۲۶۹ | (ن) | لَعِبٌ ۶۸۲ | أَلْتُرْبِي ۲۴۰ |
| يَحْطِمُكُمْ حَطَمًا ۳۶۵ | نَاعًا يَنْوُو ۵۴۱ | لَقِيتَ يَلْقَتُ ۱۳۸ | أَلْقَطَاسُ ۲۴۳ |
| يَدْرَعُونَ دَرَعًا ۵۲۲ | نُبَيْتَنَّهُ ۲۰۳ | لَهُوٌ ۶۸۲ | قَوَارِيرٌ قَارُورَةٌ |
| يَسْتَضِرُّ اسْتَضَرَّ ۲۸۵ | نُحْطَفُ ۵۲۶ | (هـ) | ۳۹۶ |
| يَصْدُرُ اصْدَرَ ۲۸۸ | نَعَتٌ يَنْحِتُ ۲۲۹ | مَادُوتٌ ۵۷۹ | (ك) |
| يَعْمَهُونَ عَمَهُ ۳۲۰ | نَزَعَ يَنْزِعُ ۱۱۰ | مَبِينٌ ۵ | كَبَّتْ ۲۵۳ |
| أَلِيمٌ ۲۷۸ | نُؤِيْكُمُ ۲۰۶ | مُحَدَّثٌ ۷۰ | كَبَّيْوَا ۲۰۵ |
| يَهْفِئُونَ هَامًا ۳۰۱ | لَنْكِرَانَ ۵۹۰ | مُخْسِنٌ ۶۹۹ | كِتَابُ ۲۲۳ |
| يُوزَعُونَ ۳۵۸ | (هـ) | أَلْمَرْجُومِينَ ۲۲۰ | كِرَّةٌ ۲۰۶ |
| يَوْمَ الدِّينِ ۱۷۷ | هَادُوتٌ ۵۷۹ | أَلْمُحَرِّينَ ۲۵۳ | كِسَفًا كِسْفَةً ۲۵۲ |
| | هَامَ يَهِيمُ ۳۰۱ | أَلْمُشْحُونُ ۳۲۱ | كَشَفَتْ عَنْ سَائِقِيهَا |
| | هَضِيمٌ ۲۲۹ | مُشْرِقِينَ ۱۴۵ | ۳۹۷ |
| | | مَصَانِعُ ۲۲۳ | كَفَرٌ يَكْفِرُ ۵۹۰ |

۱۔ انڈیکس کی تیاری میں معاونت

۲۔ طاہر محمود احمد صاحب شاہد

| تفسیر | حدیث |
|--|---|
| تفسیر ابن کثیر ۴۴۴ ، ۳۶۶ | جامع مصحیح بخاری ۱۶۸ ، ۱۷۲ ، ۱۷۴ ، ۲۸۱ ، ۲۹۶ |
| تفسیر مکرر محیط ۶۲۳ ، ۵۹۰ ، ۳۴۸ | مصحح مسلم ۴۴۴ ، ۶۳ ، ۴۴ |
| تفسیر جلالین ۲۳۱ | ترذی ۴۵۵ ، ۴۴۲ ، ۱۱۳ ، ۲۵ ، ۲۲ |
| تفسیر خازن ۴۸۲ | سنن ابن ماجه ۶۲۵ |
| تفسیر درمنثور ۲۳۱ ، ۱۸۷ | سنن ابی داؤد ۶۲۵ |
| تفسیر روح المعانی ۳۷۴ ، ۲۸۱ ، ۲۰۰ | شکوٰۃ المصابیح ۶۶۲ ، ۴۴۲ |
| فتح البیان ۱۶۰ ، ۱۵۰ ، ۱۱۳ ، ۹۶ | مسند احمد بن حنبل ۲۹۱ |
| تفسیر قرطبی ۵۳۳ ، ۳۴۸ | کنز العمال ۹ |
| تفسیر کبیر رازی ۲۸۱ | الجامع الصغیر ۳۶۵ |
| تفسیر الکشاف ۳۴۰ ، ۱۵۰ | ریاض الصالحین ۳۲ |
| تفسیر حسینی ۳۶۶ | موضوعات کبیر ۲۰ |
| کفای آن دی قرآن ریوز ندو میری ۵۵۷ ، ۴۷۲ | کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام و خلفاء سلسلہ |
| ترجمہ القرآن از پادری سیل ۴۷۲ ، ۲۰۲ | |
| ک | اربعین ۵۰۴ |

| | |
|---------------|--------------------------------------|
| ۳۳۵ | سیرت عمر بن الخطاب لابن الجوزی |
| ۳۶۵ | تاریخ الخلفاء للسيوطی |
| ۳۴ | تذکرۃ الاولیاء مصنفه رئیس احمد جعفری |
| ۳۴ | مشاہیر اسلام شائع کردہ اداره صوفی |
| ۳۸۲، ۳۶ | (تاریخ طبری) |
| ۱۱۴، ۲۴ | تاریخ الخفیس |
| ۱۱۱ | تاریخ فرشتہ |
| ۳۹۹، ۲۲۹ | فتوح الشام مصنفه ابوالاسماعیل |
| ۳۶۸ | معجم البلدان |
| ۳۴۴، ۳۶۸ | تقویم البلدان |
| ۲۲۴ | العرب قبل الاسلام جرجی زیدان |
| | تاریخ طبری قدیم مصنفه سنبلوس |
| ۳۴۴ | مترجم سید محمود اعظم فہمی |
| ۳۶۶، ۳۴۵، ۳۴۴ | تاریخ مصر مصنفه جیمز ہنری بریڈ |

HISTORIANS HISTORY OF THE WORLD

۵۴۸

THE DWELLERS ON THE NILE
BY SIR E.A. WALLIS BUDGE, KT.

۳۴۵

THE NILE AND EGYPTIAN CIVILIZATION

۳۴۶

۳۳۸

جیوش لائف آف کراٹسٹ

اسلامیات

۸۵، ۲۰

۳۱۳

فوائد المجموعه مصنفه علامہ شوکانی

کتاب العروس بسک شریح مختصر المعانی

| | |
|----------|------------------------|
| ۶۵۴، ۴۴۶ | بیان نسیم |
| ۶۱۶، ۵۲۹ | برائین احمدیہ |
| ۴۲۴ | برائین احمدیہ حصہ پنجم |
| ۶۱۴ | برکات الدعاء |
| ۱۱۶ | تختہ قیصریہ |
| ۲۹۲ | تربایق القلوب |
| ۴۴۵ | سراج منیر |
| ۱۱۲ | میرہ چشم آریہ |
| ۱۲۱ | کتاب البریہ |
| ۶۵۴ | لجۃ النور |
| ۴۴۸ | نزول مسیح |
| ۴۴۵ | نور الحق |
| ۵۸۳ | انوار الاسلام |
| ۴۲۵ | الوصیۃ |

تذکرہ مجموعہ العلامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۵۸۳، ۴۵۱، ۴۴۴، ۳۵۶، ۲۵۴، ۱۲۲

نور الدین بجواب ترک اسلام مصنفه حضرت

مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ

سیرت و تاریخ

۲۴

۲۸۰، ۴۴، ۳۵

۳۳۵

۳۲۲، ۱۳۲، ۶۴

۱۳۸، ۱۱۱

سیرۃ ابن ہشام

السیرۃ الخلیفۃ

السیرۃ النبویۃ

لائف آف محمد مرلیم میور

الاصحابہ

INTRODUCTION TO
SOCIOLOGY

۲۲۳

لغت

اقرب الموارد

لسان العرب

القاموس المحيط

۳۹۸

۳۴۲، ۳۹۸، ۱۴۴

تاج العروس

المفردات لغريب القرآن بلا لام راقب اصناف

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۳۶۶، ۳۳۸، ۳۳۶، ۳۳۶، ۳۳۶

۳۹

انسائیکلو پیڈیا بلیکا

جیوش انسائیکلو پیڈیا

۹۲۳، ۳۳۸، ۳۴۳، ۱۵۴، ۴۱

نیلسنز انسائیکلو پیڈیا ۳۹۸، ۱۵۸، ۱۵۴

انجارات و رسائل

۲۹۹

مبدد ۱۰ جولائی ۱۹۰۴ء

۱۲۱

الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء

۹۱۶

الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۴ء

۲۹۹

الحکم ۲۳ نومبر ۱۹۰۴ء

۱۲۱

الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۰۴ء

۲۲۳

الحدیث ۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء

۲۲۴

ترجمان القرآن دسمبر جنوری ۱۹۲۳ء

۲۲۳

رسالہ نگار نیاز فتح پوری جنوری ۱۹۵۱ء

ن

۲۹۸

اشفاء لغاضی عیاض

۲۴۱

مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم

۴۴

کلیات ابن البقاء

۲۲۳

اقترب الساعۃ نواب صدیق حسن خان

۳۴

مثنوی مولانا موم

۵۱۱، ۲۳۴

ارض القرآن سید سلیمان ندوی

۱۱۸

تعطیر الانام

کتاب اہل کتاب

بائبل ۲۲۳، ۱۵۴، ۱۲۳، ۱۰، ۸۸، ۳۹

۵۹۴، ۴۱۰۰، ۳۴۴، ۳۳۳، ۲۴۶

۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲

طامود

۴۴۳

ہارپرز بائبل و کٹری از قر

۵۱۰

کنسٹنٹن تفسیر بائبل

۳۴۴

ینایح الاسلام پادری کلیرٹنڈل

کتاب ہندومت

۴۱

شرید بھاگوت پُران

۴۱

برہم دی ورت پُران

متفرق

۹۱۴

ترک اسلام منصف دھرم پال عبدالغفور

۴۲۳

مکاتیب اقبال

GOLD MINES OF MADIAN

۲۳۴